رات کے وقت حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کا ایک خوبصورت منظر

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر لگے ہوئے سونے کے
دروازے کا خوبصورت منظر

شرح

کشف المحجوب (اردو)

تصنیف

حضرت سید علی بن عثمان الہجویری

المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری

ترجمہ

حضرت مفتی سید غلام معین الدین نعیمی

تحقیق وشرح

علامہ ابو التراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ

اردو بازار ۰ لاہور

فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

شرح کشف المحجوب (اُردو)

تصنیف
حضرت سید علی بن عثمان الہجویری
المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری

ترجمہ
حضرت مفتی سید غلام معین الدین نعیمی

تحقیق و شرح
علامہ ابوالتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری

بار اول .... ستمبر 2015ء
پرنٹرز .... آصف صدیق، پرنٹرز
تعداد .... -/1100
ناشر .... چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول
میاں شہزاد رسول
قیمت .... سنچری پیپر اعلیٰ کوالٹی =/1600 روپے
آفسیٹ پیپر: =/1200 روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941 0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

جن عنوانات سے پہلے "☆" لگایا گیا ہے، وہ شرح کی سرخیاں ہیں

فہرست

☆☆☆☆☆

عرضِ ناشر

الحمدللہ کہ ادارہ پروگریسو بکس کے قیام سے لے کر اب تک ہم کارپردازان ادارہ ہمت وقت اور ہر آن اسی کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ اس ادارے سے مذہبیات اور ادبیات پر بہترین کتب اپنے کرم فرما حضرات کی خدمت میں پیش کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ رحمت اور قارئین کرام کے تعاون سے ہم آج تک اسی نصب العین کی تکمیل میں مشغول ومصروف رہے ہیں اور اب تک ہم نے اپنی جو مطبوعات آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں' ان کی پسندیدگی اور قبولیت نے اس راہ میں ہمیں اور زیادہ سرگرم عمل بنادیا ہے اور اب تک دینی کتب کے اصل متون یا ان کے تراجم کو موجودہ نسل کی رہنمائی کے لیے پیش کرنا ہی ہمارا مقصود اور نصب العین بن گیا ہے۔ انشاء اللہ! ہم اس راہ میں اور زیادہ سرگرمی سے اپنے قدم اُٹھائیں گے۔

اسی بات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آپ کا ادارہ پروگریسو بکس نے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے بہت سی نادر کتابیں شائع کی ہیں' جیسے صحیح ابن حبان' صحیح ابن خزیمہ' مسند حمیدی' سنن ابوداؤد شریف' مؤطا امام مالک' مؤطا امام محمد' شرح مسند امام اعظم' شرح المعجم الصغیر للطبرانی' ریاض الصالحین (ترجمہ)' احیاء العلوم' تاریخ الخلفاء اور دیگر ادارہ خریدار حضرات کی ڈیمانڈ پوری کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔

اسی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے دیرینہ دوست علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری کے ساتھ مل کر عوام الناس کی خدمت کے لیے قرآن وحدیث وسیرت اور مختلف موضوعات پر شروحات کے کام کا آغاز کیا ہے' جس میں سرفہرست: (1) کنز الایمان فی تفسیر خزائن العرفان (افادات وافاضات) (2) شرح ریاض الصالحین (3) شرح شمائل ترمذی (4) شرح دُرودِ تاج (5) شرح اربعین نووی جس کو عوام نے بہت پسند کیا۔ اب اس سلسلے کی ایک اور کڑی تصوف کی مشہورِ زمانہ کتاب ''کشف المحجوب'' جو کہ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے' جس کا ترجمہ حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا اور اس پر شرح کا کام ہمارے دوست علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین المدنی عطاری نے بڑی محنت سے مکمل کیا ہے' جس کو چھپوا کر آپ لوگوں کی خدمت کے لیے مارکیٹ میں پیش کردیا گیا ہے۔ انشاء اللہ! یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا۔

اُمید ہے کہ یہ گراں مایہ کتاب ہماری دیگر مطبوعات کی طرح آپ سے شرفِ قبول حاصل کرے گی۔ آخر میں گزارش ہے کہ جب آپ اس عظیم کتاب سے استفادہ کریں تو اپنے لیے دعا کرتے ہوئے ہمارے ادارہ کے تمام لوگوں کے لیے بھی ضرور دعا مانگیں۔

والسلام!

میاں غلام رسول ☆ میاں شہباز رسول ☆ میاں جواد رسول ☆ میاں شہزاد رسول

حرفِ آغاز

ہر اہل علم یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ تصوف کا شریعت سے وہی رشتہ ہے جو روح کا جسم کے ساتھ ہے اور ایک مؤمنِ کامل بننے کے لیے اس بات کو سمجھنا ازحد ضروری ہے۔ کیونکہ عبادات و ریاضات میں جب تک روحانیت نہ ہو اس وقت تک عبادات کے اعلیٰ مقام و درجات کا حصول' ناممکنات میں سے ہے اور بغیر روحانیت کے عبادت' ذوق و شوق' لذت و نورانیت سے خالی ہوتی ہے جو ایک مسلمان کے کامل مؤمن بننے میں حائل ہوتی ہے۔

اس بات سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تصوف کے بارے میں شکوک و شبہات و اعتراضات اور اس کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے جس کا سبب نام نہاد صوفیاء ہیں جنہوں نے عوام الناس کے سامنے تصوف کو اس انداز میں پیش کیا کہ سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ تصوف و شریعت دو الگ الگ راستے ہیں' جبکہ عوام کا ایک دوسرا طبقہ تصوف کو محض اولیاء اللہ کی ولایت کی دکان چمکانے کا ذریعہ جانتے ہوئے اسے دین سے خارج حصہ سمجھ بیٹھا۔

لیکن چونکہ سرکارِ دو عالم نبیٔ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت کو اہم اور بھاری ذمہ داریوں میں سے ایک اہم فریضہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ عالیہ میں سے ایک اعلیٰ صفت اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں ''ویزکیھم'' کے الفاظ سے ذکر فرمائی' یعنی سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکامِ شریعت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے قلوب بھی آلائشیوں سے پاک صاف فرماتے ہیں' لہٰذا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیضان قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے جاری ہوگیا اور یوں ظاہر و باطن کی طہارت کا یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان' تابعین' تبع تابعین' اولیائے کاملین' مشائخ عاظمین و جمیع بزرگانِ دین کے ذریعے جاری رہا اور قیامت تک رہے گا۔

ان نفوسِ قدسیہ میں جہاں بلند و بالا نام نظر آتے ہیں ان میں ایک نام عارفِ ربانی سیّد علی بن عثمان المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ رحمۃ اللہ القوی کا بھی ہے۔

آپ علیہ الرحمۃ وہ صوفی باصفا مردِ مؤمن ہیں جنہوں نے تصوف کے حقیقی و صحیح مفہوم کو واضح فرمایا اور اس بات کی بھرپور وضاحت فرمائی کہ حقیقی طور پر تقرب الی اللہ وہی پا سکتا ہے جس نے راہِ تصوف میں قرآن و سنت کا چراغ تھامے رکھا۔

تصوف وشریعت میں آپ علیہ رحمۃ کا بلند وبالا روحانی مقام دیکھنا ہوتو آپ کی ایک جھلک آپ علیہ رحمۃ کی تصنیف لطیف ''کشف المحجوب'' میں دکھائی دے گی۔ گوکہ اس کتابِ مستطاب کے حقائق ومعارف کو سمجھنا امر دشوار ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کرنے والا روحانی وایمانی سکون وفیض سے محروم نہیں رہے گا۔

احقر بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ اس کتاب کے حقائق ومعارف بیان کرنا تو دور کی بات' سمجھ میں آ جانا بھی اولیائے کاملین کا ہی حصہ ہے' چنانچہ ذہن یہی بنا کہ ان اولیائے کاملین کے ارشادات وملفوظات کی روشنی میں اس عظیم نامور مایۂ ناز تصنیف ''کشف المحجوب'' کو سہل انداز میں عوام کے سامنے لاکر نہ صرف اس عظیم دینی خدمت کو اُجاگر کیا جائے بلکہ اس مایۂ ناز معرکۃ الآراء تصنیف کے مطالعے کے ذریعے عوام الناس کے اذہان میں تصوف کے بارے میں اُٹھنے والے بے ہنگم سوالات اور بے ہودہ شکوک وشبہات و اعتراضات کا سدِ باب' غافل ذہنوں کو بیدار' راہِ حق پر گامزن کیا جائے اور دلوں میں محبت الٰہی کی شمع فروزاں کر کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینوں کو معمور کیا جائے۔ متلاشیانِ حق کو معرفت کے جام پلانا صاحبِ تصنیف کا عظیم دینی کارنامہ ہے جو شریعت وطریقت کے جامع باعمل وباشرع صوفی باصفاء ہیں۔

تصوف کے موضوع پر لکھی گئی اس مایۂ ناز تصنیف کی شرح لکھتے ہوئے چند باتوں کو مدنظر رکھا گیا ہے:

(1) شرح کرتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رکھی گئی کہ جو بات پہلے واضح کر دی گئی' دوبارہ اس کی وضاحت نہ کر کے خوامخواہ کی طوالت سے پرہیز کیا گیا ہے

(2) حالانکہ یہ تصنیف لطیف' تصوف کے باریک ودقیق نکات پر مبنی ہے جس کا سمجھنا عوام الناس کے لیے دشوار تھا' لہٰذا شرح میں ان کی آسانی کے لیے علماء متاخرین کے بیان وارشادات سے بھرپور مدد لی گئی ہے تاکہ عوام الناس اس تصنیف وشرح سے خاطر خواہ استفادہ حاصل کر سکیں۔

(3) گوکہ داتا صاحب علیہ رحمۃ کا بیان بذات خود ایک قوی دلیل ہے اور اس لیے مزید تخریج کی حاجت محسوس نہیں ہوتی مگر کتاب کی مزید اہمیت اور خوبصورتی اُجاگر کرنے کی نیت سے ضرورتاً تخریج کو بھی اس شرح میں شامل کیا گیا ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب اور ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر حقیر پُرتقصیر کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

خاکپائے امیر اہل سنت دامت برکاتہم العالیہ

دیباچہ

از

ادیب شہیر حضرت شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور ہم نشینی سے جو شرف حاصل کیا تھا اور جس قدر شرف اندوز ہوئے تھے اور تزکیہ نفس کی جس منزل پر پہنچے تھے اس کی بشارت خود قرآن پاک نے دی اور ہم نشینی رسول خدا کے فیضان کو اس طرح ظاہر فرمایا: وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کتاب وحکمت ہی کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ خلفائے راشدین اور دیگر حضرات صحابہ میں سے ہر متنفس اور ہر ہستی پاکیزہ کردار اور اعلیٰ اخلاق سے متصف تھی اور ان میں سے ہر ایک کمالات انسانی کے منتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اصحاب صفہ میں سے ہر ایک پاک دیدہ و پاک بیں، توکل و رضا کا پیکر اور صدق وصفا کا ایک مرقع تھا۔ تاریخ اسلام میں انہی نفوس قدسیہ کو صوفیائے کرام کا پہلا گروہ کہا جاتا ہے۔ یعنی تصوف اسلام کا پہلا دور انہی حضرات پر مشتمل تھا۔ تصوف کے بنیادی اصول یا ارکان تصوف استغراق عبادت (یادِ حق) توبہ، زہد، ورع، فقر، توکل اور رضا شریعت میں بھی اسی اہمیت کے حامل ہیں جس طرح طریقت میں تھے اور تصوف کے ابتدائی دور میں رہے۔

صحابہ کرام اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ہستی انہی اوصاف حمیدہ اور فضائل کی آئینہ دار تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایثار تاریخ اسلام آج بھی فخر سے پیش کرتی ہے کہ گھر میں جس قدر اثاثہ تھا وہ تمام وکمال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے صدیق اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا؟ تو جواب دیا ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ اسی کا نام کمال ایثار اور کمال توکل ہے۔ آپ کے زہد وتقویٰ اور خوف ورجاء کا یہ حال تھا اور آپ کے فقر اختیاری کی

صورت یہ تھی کہ آپ ہمیشہ یہ دعا فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَھِّدْنِیْ عَنْھَا (اے اللہ دنیا کو میرے لئے فراخ فرما پھر مجھے اس سے بچا) آپ نے اپنی زندگی میں یہ پاکیزہ صفات حضور ﷺ کی حیات طیبہ سے اخذ کئے تھے اور معرفت خداوندی کے تمام اسرار ورموز آپ ہی سے سیکھے تھے۔ اسی بنا پر حضرت شیخ علی ہجویری قدس سرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسلک تصوف کا امام گردانتے ہیں اور اکثر سلاسل تصوف آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں۔

یہی حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ زہد وفقر کی یہ حالت تھی کہ لوگوں نے آپ کے جسم مبارک پر کبھی کوئی ایسا کپڑا نہیں دیکھا۔ جو پیوند دار نہ ہو، دنیا کے بارے میں آپ کا مشہور مقولہ ہے ''جس گھر کی بنیاد مصیبتوں پر رکھی گئی ہو اس کا بغیر مصیبت کے ہونا محال ہے''۔

صبر وتوکل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ اپنی مثال تھے۔ عظیم سے عظیم تر مصیبت پر بھی آپ نے صبر وتوکل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایثار وانفاق فی سبیل اللہ کا بھی یہی حال تھا۔ مدینہ منورہ میں بیرِ عثمان آج بھی آپ کے اس افضل کی نشانی موجود ہے۔ آپ بارہ سال تک خلیفہ رہے۔ اس مدت کے ساٹھ ہزار درہم وظیفہ خلافت سے آپ نے ایک درہم بھی لینا قبول نہیں کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ شب ہجرت میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے شب بھر بستر رسالت پر دراز رہے اور آنحضرت ﷺ کی زندگی عزیز کو اپنی جان پر مقدم سمجھا۔ سادگی، فقر، رضائے الٰہی اور معرفت الٰہی میں بھی آپ بڑے ممتاز تھے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کی بنیاد پر تصوف کے بہت سے سلاسل آپ پر منتہی ہوتے ہیں چنانچہ سرخیل ارباب تصوف حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: شَیْخِنَا فِی الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاءِ علی المرتطی یعنی اصول معرفت اور آزمائش میں ہمارے مرشد (شیخ) علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استغراق عبادت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو آپ کو دنیا کی کچھ خبر نہیں رہتی، حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں سورۃ الفتح کی ان آیات محمد رسول اللہ والذین معہ ...تا... اجراً عظیماO کی تفسیر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرات عشرہ مبشرہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور تراھم رکعًا سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذات والا ہے۔

خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ کے بعد اصحاب صفہ ان صفات ستودہ کا مظہر کامل تھے۔ یہ وہ غریب

و نادار حضرات تھے جو محض اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں مکہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر دیارِ رسول میں آ گئے تھے۔ رہنے کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا۔ رسول خدا ﷺ نے مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترہ (صفہ) تعمیر کروا دیا تھا۔ اس چبوترے پر ان حضرات کے شب و روز تنگ دستی اور عسرت میں بسر ہوتے تھے اور یہ حضرات عبادت، ذکر الٰہی اور مجاہدہ نفس میں اپنے شب و روز بسر فرماتے تھے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف میں ان کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ یہی حضرات دور اول یا دور رسالت و خلافت راشدہ کے ارباب تصوف ہیں۔ خاص طور پر اصحاب صفہ کی زندگی تو صوفیائے کرام کی زندگی اور ان کے صوفیانہ خصائل کی صحیح تصویر تھی۔ یہی صوفیانہ خصائل و کردار بعد کے ارباب حال اور اصحاب تصوف کے لیے نمونہ تقلید بن گئے۔ رسول خدا ﷺ نے ان کے حالات کا مشاہدہ فرمانے کے بعد اس طرح ان کو خوشخبری اور بشارت دی۔

> "اے اصحابِ صفہؓ! تمہیں بشارت ہو، پس میری امت میں سے جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے۔ جن سے تم متصف ہو اور ان پر رضامندی سے قائم رہیں گے تو وہ بے شک جنت میں میرے ہم نشین ہوں گے"۔

سرور کائنات ﷺ کی یہی بشارت اور حضرت والا کا یہی ارشادِ تصوّف کی عملی زندگی کا بنیادی نقطہ ہے۔ تصوف کے دور عروج تک صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیاں اور ان کے پاکیزہ نفوس حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو منتہائے مقصود بناتے رہے ہیں یہی بے سروسامانی ان کا سرمایۂ زندگانی تھا اور الفقر فخری ان کا تاج شاہانہ۔

دور تابعین رضی اللہ عنہم:

تصوف کے دور اول کے سلسلہ میں مختصراً عرض کر چکا۔ تصوف کا دوسرا دور تابعین کا دور ہے۔ یہ دور تقریباً ایک سو سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے۔ یعنی ۴۰ھ سے ۱۵۰ھ ہجری تک اس دور تابعین میں اصحابِ تصوّف میں دو (۲) بزرگ ہستیاں بہت نمایاں ہیں۔ ایک حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ (جن سے سلوک میں نظریہ اویسی کی بنیاد پڑی) اور دوسری بزرگ ہستی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی ہے۔ حضرت اویس قرنی قرن کے رہنے والے تھے اور عہد رسالت م آب ﷺ میں بحیات تھے۔ لیکن شرف دیدار حاصل نہ کر سکے۔ محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ رسول اکرم ﷺ کا سلام پر عظمت حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے حج کے موقع پر آپ کو پہنچایا۔آپ کے متعلق بہت سے واقعات تاریخ تصوف میں موجود ہیں۔ محبت رسول اور یاد الٰہی میں آپ کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ جنگلوں اور ویرانوں میں پھرتے رہتے تھے۔جب لوگ روتے تھے تب آپ ہنستے تھے اور جب یہ لوگ ہنستے تھے تو آپ رونے لگتے تھے۔آپ مدتوں تک بادیہ گردی کرنے کے بعد کوفہ چلے گئے اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین میں جام شہادت نوش کیا۔(۲) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا صحیح سال پیدائش تو تحقیق نہیں ہوسکا البتہ آپ کا سال وفات ۱۱۰ھ مطابق ۷۲۸ء ہے۔آپ مشہور تابعین سے ہیں۔آپ کو بھی بکثرت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ م کا فیض محبت حاصل ہوا۔زہد، ورع، صبر اور خشیت الٰہی آپ کے خاص اوصاف تھے۔خضوع وخشوع کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے تھے جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ نماز عذاب سے زیادہ قریب ہے۔تابعین میں آپ کے علاوہ اور بھی صوفیائے کرام موجود تھے لیکن تاریخی اعتبار سے مذکورہ حضرات زیادہ نمایاں شخصیت کے مالک ہیں۔تصوف کے بہت سے سلاسل آپ سے شروع ہوتے ہیں۔

دور تبع تابعین:

تبع تابعین میں جو صوفیائے کرام گزرے ہیں۔ان کا دور ۱۵۱ھ مطابق ۷۶۸ء سے ۳۵۰ھ مطابق ۹۶۱ء تک متعین کیا گیا ہے۔اس دوصد سالہ دور میں اسلامی تصوف کو فروغ حاصل ہوا۔یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں مختصراً یہ کہ، یہ دور تصوف کا دور زریں کہلاتا ہے،اس دور کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ زہاد، عباد اور نساک حضرات کو صوفی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔لفظ صوفی کا سب سے پہلے استعمال (صوفی) ابوالہاشم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۱ھ مطابق ۷۶۸ء) سے ہوا وہ دنیائے تصوف میں سب سے پہلے صوفی سے مخاطب کئے گئے۔حضرت ابوہاشم رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔لیکن ان کا انتقال شام میں ہوا۔

مسجدیں اس دور میں خونریزی اور سفاکی کی آماج گاہ بن گئی تھیں۔سکونِ قلب اور خضوع وخشوع کے ساتھ ان مسجدوں میں ذکر الٰہی ممکن نہ تھا۔اس لئے ابوالہاشم کوفی نے شام کے مقام رملہ میں عیسائیوں کے صومعہ کی طرح روحانی تربیت اور ذکر الٰہی کے لئے سب سے پہلے خانقاہ تعمیر کرائی۔دنیائے تصوف میں یہ سب سے پہلی خانقاہ ہے۔تبع تابعین کے دور میں نظری اور عملی تصوف میں بہت سی تبدیلیاں وجود میں آئیں۔ترک دنیا کا مفہوم عہد رسالت م آب صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف اس قدر تھا کہ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ

غَرِیْبٌ اَدْعَا بِرْسَبِیْل لیکن اس کے ساتھ یہ حکم بھی موجود تھا کہ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَة یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ گویا دست بکار و دل بہ یار! لیکن تبع تابعین کے دور میں ترک دنیا کا مفہوم یکسر بدل گیا۔ بادیہ پیمائی، صحرا نشینی اور ترک تعلقات کا نام ترک دنیا رکھا گیا اور اس کا سبب وہی ملکی انتشار اور سیاسی ابتری تھا۔

حب الٰہی کا نظریہ پہلے بالواسطہ تھا۔ یعنی اتباع رسول ﷺ کو حب الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو تم میری اتباع اور پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا)۔ اب یہ نظریہ بلا واسطہ ہو گیا۔ اب بذریعہ ذکر و مراقبہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی جانے لگی۔ حضرت رابعہ عدویہ (متوفی ۸۵ھ مطابق ۸۰۱ء) سے یہ نظریہ وجود میں آیا۔ یہ محترمہ بھی بصرہ کی رہنے والی تھیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۵ھ مطابق ۸۵۹ء) نے نظریہ وحدت الوجود کو پیش کیا۔ حضرت بایزید بسطامی (المتوفی ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۵ء) تبع تابعین کے دور کے مشائخ عظام میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ مطابق ۹۱۰ء) تبع تابعین میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان کو شیخ المشائخ طریقت میں اور امام الائمہ شریعت میں تسلیم کرتے ہیں، آپ بھی نظریہ وحدت الوجود کے زبردست ہم نوا تھے۔ حسین بن منصور حلاج (المتوفی ۳۰۹ھ مطابق ۹۳۶ء) یہ فارس کے شہر بیضا کے رہنے والے تھے۔ مدتوں مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ آخر کار پھرتے پھراتے بغداد پہنچے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ نظریہ وحدت الوجود میں توغل اور انتہا پسندی کی بدولت ان کو ۹۳۶ء میں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ حضرت ابوبکر شبلی (المتوفی ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۹ء) تبع تابعین کے دور کے مشہور صوفی اور سرخیل سلاسل طریقت ہیں۔ آپ بھی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور نظریہ وحدت الوجود کے زبردست اور عظیم داعی تھے۔ دورِ تبع تابعین میں ان مشاہیر صوفیائے کرام کے علاوہ اور دیگر حضرات اور ان حضرات کے مریدین اطراف و اکناف ممالک اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تعلیم طریقت اور اس کی اشاعت میں مصروف تھے۔

دورِ متاخرین:

تبع تابعین میں عملی تصوف نے علمی تصوف کی شکل بھی اختیار کر لی تھی۔ دور متاخرین میں بھی چند

اکابرین صوفیاء ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے مرشدین و اسلاف کرام کی طرح تصوف کے مشکل اور اہم نظریات کی علمی تشریح کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائی اور ان علمی تشریحات کی بدولت (جن کو تصوف میں ان کی تصانیف کہنا چاہیے) ان کے نام تاریخ تصوف میں تابندہ پائندہ ہیں، دور متاخرین کے ایسے اکابر صوفیا میں حضرت شیخ علی بن عثمان جلابی ہجویری (متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء) حضرت امام غزالی (التوفی ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء) حضرت شیخ محی الدین ابن اکبر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۸ھ مطابق ۱۰۷۳ء) اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۶۷۲ھ) خاص طور پر بہت نمایاں ہیں اور ان کے علمی کارنامے دنیائے تصوف ہی میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

یہاں میں حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ باقی حضرات کے سلسلہ میں انشاء اللہ کسی اور موقع پر تفصیل سے لکھوں گا۔ ان چند صفات میں حضرت علی بن عثمان الجلابی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ، آپ کے نظریات اور آپ کے علمی شاہکار، کشف المحجوب کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہی اس دیباچہ کی نگارش کا اصل مقصود ہے۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ داتا گنج بخش قدس سرہ:

آپ کا اسم گرامی خود آپ کی تحریر کے مطابق ''علی بن عثمان جلابی یا علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ہے۔ آپ غزنیں (غزنی) کے قریب ہائے جلاب و ہجویر کے رہنے والے تھے۔ اسی مناسبت سے کبھی آپ خود کو جلابی اور کبھی ہجویری تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' میں متعدد جگہ اپنا نام تحریر فرمایا ہے (اور اس کی توجیہ بھی فرمائی ہے، قارئین ترجمہ میں اس کی توجیہ ملاحظہ فرمائیں)۔ اب برصغیر پاک و ہند میں داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ گنج بخش کا لقب حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے مزار فائز الانوار پر چلہ کشی کے بعد بوقت رخصت ایک الوداعی منقبت میں پیش کیا تھا۔

آپ کا سلسلہ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب جس پر آپ کے اکثر سوانح نگاروں نے اتفاق کیا ہے یہ ہے: حضرت علی ہجویری بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمن بن شجاع بن ابوالحسن اصغر بن زید بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اس طرح آپ ہاشمی سید ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں

حضرت علی کرم اللہ وجہ' سے ملتا ہے۔

سال ولادت اور وطن:

کاش داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں جس طرح اپنا مولد و مسکن اپنا اور اپنے والد وجد گرامی کے نام بیان فرمائے ہیں اور ان حضرات کے بعض احوال زندگی بھی ضمناً بیان فرما دیئے ہیں۔ اسی طرح اپنا سال ولادت بھی جو آپ تک روایتاً یقینا پہنچا ہوگا۔ بیان فرما دیتے تو آپ کی سال ولادت کے تعین میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جاتا۔ مستشرقین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں بھی تحقیق کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے اور تجسس کا کوئی پہلو فروگزاشت نہیں کرتے۔ لیکن اس سلسلہ میں وہ بھی ناکام رہے ہیں۔ عام طور پر آپ کا سال ولادت ۴۰۰ھ تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کے مولود وطن کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تمام سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ جلاب و ہجویر جو غزنی کے قریے یا محلے تھے۔ آپ کا مولود و مسکن رہے ہیں۔ کچھ عرصہ آپ جلاب میں رہے اور کچھ مدت ہجویر میں۔ کشف المحجوب میں آپ نے اپنے اسم گرامی کے ساتھ وطن کی صراحت اس طرح فرمائی ہے "علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری"۔

جلاب و ہجویر کے سلسلہ میں صاحب سفینۃ الاولیاء نے اس طرح تشریح کی ہے کہ "جلاب و ہجویر غزنی کے دو محلے تھے۔ آپ پہلے جلاب میں مقیم تھے پھر ہجویر منتقل ہو گئے"۔

حضرت ہجویری قدس سرہ کے اساتذہ:

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے اساتذہ کرام کے سلسلہ میں مشرقی سوانح نگاران قدیم نے کسی خاص توجہ سے کام نہیں کیا۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے خود کشف المحجوب میں حضرت ابوالعباس محمد شقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے تو بڑے ادب سے ان کا نام لیا ہے اور ان کی مہربانیوں اور عنایتوں کو یاد فرماتے ہوئے آپ سے اکتساب علم کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ در بعضے علوم استاذ من بودہ۔ علوم اسلامی یعنی تفسیر و حدیث و فقہ پر آپ کو جو کامل دستگاہ تھی اور جس کا اظہار "کشف المحجوب" کے بلند پایہ علمی مقالات اور مباحث سے ہوتا ہے۔ وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ نے اپنے وقت کے بعض دوسرے صاحبان علم و فضل سے بھی استفادہ کیا ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صرف عارف کامل ہی نہیں۔ بلکہ ایک بلند پایہ عارف و عالم ہیں۔ کشف المحجوب میں آپ جس طرح طریقت و شریعت کے مباحث پر بحث فرماتے ہیں

اور استدلال لاتے ہیں اور قرآن وحدیث وخبر سے جس طرح سند پیش کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو علوم متداولہ پر دستگاہ کامل حاصل تھی اور آپ علوم شریعت کے بھی شناور نہیں بلکہ غواص تھے اور علم تفسیر وحدیث پر آپ کو عبور حاصل تھا اور آپ ان علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور یہ سب کچھ فیضان تھا آپ کے مرشد کامل کا۔ حضرت داتا قدس سرہ خود اپنے مرشد والا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے مرشد شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو علم تفسیر وروایات (حدیث) کے جید عالم تھے۔

پس جہاں ان شیخ طریقت کی نظر کیمیا اثر نے آپ کو طریقت میں اس بلندی پر پہنچایا وہ اگر علوم دینی یعنی تفسیر وحدیث میں بھی آپ کو ایسی بصیرت عطا کردیں جو اقران وامثال سے ممتاز بنادے تو کیا تعجب۔

حضرت ابوالفضل حسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم مرتبت کے سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "وہ صوفیائے متاخرین میں زینت اوتاد اور شیخ عباد ہیں۔ طریقت میں میری اقتدا (بیعت) ان ہی سے ہے۔ تصوف میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے، حضرت شیخ حصری کے راز دار مرید تھے"۔

اپنے مرشد گرامی سے جو تعلق خاطر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ حضرت ابوالفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو ان کا سر حضرت علی ہجویری قدس سرہ کی گود میں تھا اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ مرشد کو بھی اپنے مرید خاص سے کس درجہ محبت تھی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ طریقت:

آپ کا شجرہ طریقت اس طرح ہے، شیخ علی ہجویری مرید حضرت شیخ ابوالفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت شیخ خصری رحمۃ اللہ علیہ مرید شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے بھی عمر کا بڑا حصہ صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں بسر کیا عراق، شام، لبنان، آذربائیجان، خراسان وکرمان، خوزستان، طبرستان، ترکستان اور ماوراالنہر کے شہروں اور قریوں میں تلاش حق کے لیے سرگرداں رہے۔ تب کہیں دامن مقصود ہاتھ آیا۔ مگر یہ وضاحت کہیں نہیں ملتی کہ آپ اپنے مرشد والا مرتبت کے ساتھ کتنے عرصے رہے اور ان کی صحبت میں کن کن مقامات کی سیر کی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر مشائخ:

ارباب حقیقت وطریقت اپنے دل کی لگی بجھانے اور تشنگی باطن کو دور کرنے کے لیے شہروں اور قریہ قریہ پھرا کرتے تھے۔ اس کا ایک عظیم مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ ارباب حال کی صحبتوں میں پہنچ کر زندگی کے کچھ دن بسر کریں کہ ان کی صحبت کیمیا اثر بھی فیض سے خالی نہیں ہوتی۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سیر و سیاحت میں اپنے معاصرین کرام اور صوفیائے عظام کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ ان معاصرین میں حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی، حضرت امام ابوالقاسم القشیری صاحب رسالہ القشیریہ قدس سرہ، حضرت شیخ احمد حماری سرخسی قدس سرہ حضرت محمد بن مصباح، حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابواحمد المظفر بن احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین شامل ہیں، ان معاصرین میں سے آپ حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اور جناب امام ابوالقاسم القشیری کا ذکر بڑے اہتمام سے کرتے ہیں اور ان سے استفادہ کا بھی اعتراف فرماتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک طریقت:

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اپنے پیر طریقت کے مسلک تصوف کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ وہ تصوف میں حضرت جنید قدس سرہ کا مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت داتا صاحب تصوف و طریقت میں جنیدی مسلک کے متبع تھے۔ اسی طرح وہ شریعت میں سنی حنفی المذہب تھے۔ چنانچہ جہاں جہاں وہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نام نامی لیتے ہیں وہ وہاں کمال احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ کشف المحجوب میں ایک جگہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں "امامِ اماماں، مقتدائے سنیاں شرف فقہا، اعزّ علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخراز رضی اللہ عنہ"۔ (کشف المحجوب)

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی ازدواجی زندگی:

حضرت کی ازدواجی زندگی کے سلسلہ میں "کشف المحجوب" یا کسی اور تذکرے میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ کشف المحجوب سے صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شادی کی اور جب کچھ مدت کے بعد ان سے مفارقت ہوگئی تو پھر آپ نے تازیست دوسری شادی نہیں کی۔

لاہور میں ورود مسعود اور اس کے پاکیزہ اثرات:

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی عمر کا کافی حصہ سیر و سیاحت میں بسر ہوا۔ آپ کا تجرد اور توکل اس

سیاحت میں آپ کا ممد و معاون تھا۔ چنانچہ اسی سیاحت کے دوران اپنے مرشد کے اشارے پر یا اپنی طبیعت کے اقتضا سے آپ نے لاہور کا قصد فرمایا۔ اس سلسلہ میں بہت سی دل آویز حکایتیں ہیں۔ جن کی تردید کی بہت گنجائش ہے۔ اس سلسلہ میں بس اتنا کہا جاتا ہے کہ آپ نے جب لاہور میں ورود فرمایا تو سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی (۴۳۱ھ) لاہور کا حاکم تھا۔ لیکن سال ورود کا تعین دشوار ہے۔ آپ ورودِ مسعود نے لاہور کے قالب میں ایک نئی جان ڈال دی۔ آپ کے قیام کے دوران ہزاروں گم گشتگان بادیہ ضلالت و گمرہی نے آپ سے ہدایت پائی اور ہزاروں مشرکوں کے دلوں سے کلمہ توحید پڑھا کر زنگِ کفر و شرک کو دور فرمایا۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور میں ورود فرمانے کے بعد اپنا تمام وقت تبلیغ اسلام اور تصنیف و تالیف میں صرف فرمایا۔ دربار شاہی سے آپ کا کسی قسم کا تعلق نہیں تھا۔ تبلیغ اسلام کا جو کام آپ نے شروع فرمایا تھا اس کو بعد میں آنے والے اکابرین صوفیاء نے اپنے پاکیزہ اور اعلیٰ کردار سے اسلام کی سچی اور پاکیزہ تصویر پیش کر کے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارنامے:

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ جس طرح بحر طریقت کے شناور تھے اسی طرح آپ قرآن و حدیث اور فقہ پر بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے اور رموز و اسرار شریعت سے بھی اسی طرح آگاہ تھے جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں۔ اسلامی تصوف کے دور تبع تابعین میں نظری تصوف نے علمی تصوف کی شکل اختیار کر لی تھی۔ تصوف نے جب علم کی دنیا میں قدم رکھا تو رموز طریقت اور اسرار حقیقت پر بھی قلم اٹھایا گیا۔ لیکن اس دور میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا وہ عربی زبان میں تھا۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے معاصرین میں سے امام ابو القاسم قشیری نے تصوف کے رموز پر جو رسالہ قشیریہ مرتب کیا اس کی زبان بھی عربی تھی۔ فارسی مفتوحین نے جب تصنیف کی دنیا میں قدم رکھا تو انہوں نے بھی اسی زبان عربی کو اختیار کیا جس کی تقدیس کا قرآن و احادیث کی زبان سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ مذہبیات میں عربی کے سوا کسی اور زبان کو استعمال کرنا تقدیس کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔ فارسی نژاد علماء و فضلائے اسلام کی گراں بہا تصانیف میرے اس دعوے پر شاہد ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مادری زبان بھی فارسی تھی۔ اگرچہ آپ کو عربی زبان پر بھی کامل عبور حاصل تھا لیکن کشف المحجوب عوام کے افادہ کے لئے آپ نے فارسی زبان میں تصنیف فرمائی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی باقی تصانیف یعنی کتاب ۱۔ فنا و بقا، ۲۔ اسرار الخرق

والمونات، ۳۔الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ، ۴۔کتاب البیان لاہلِ العیان، ۵۔نحو القلوب، ۶۔منہاج الدین، ۷۔ایمان، ۸۔شرح کلام منصور حلاج اور ۹۔دیوان اشعار کس زبان میں تھیں۔آج ان تصانیف میں سے کسی کا وجود نہیں ہے۔صرف کشف المحجوب کی بدولت یہ نام باقی رہ گئے ہیں۔کشف المحجوب زمانے کی دستبرد سے محفوظ ہے اور اس کے متعدد قلمی نسخے کتب خانوں میں موجود ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں مطابع کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ہزاروں مطبوعہ نسخے دلدادگان شریعت وطریقت کے لیے نظر فروز ہیں۔کشف المحجوب کہاں لکھی گئی، لاہور میں یا ہجویر میں اور کب لکھی گئی یعنی سال تصنیف کیا ہے۔اس کی نشان دہی بھی محال ہے۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بڑے پرسکون ماحول میں لکھی گئی ہے اور کشف المحجوب کی ایک وضاحت کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا تکملہ لاہور میں ہوا۔یہ تعین کرنا بھی دشوار ہے کہ آپ کے رفیق دمعاصر ہموطن ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کب اور کہاں آپ سے یہ سوالات کئے تھے جن کے جوابات بصورت کشف المحجوب آپ نے دیئے۔ان سوالات کے سلسلے میں حضرت داتا صاحب قدس سرہ صرف اتنا فرماتے ہیں کہ ''قال السائل وہو ابوسعید الہجویری بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت وتصوف وارباب تصوف وکیفیت مقامات ایشاں و بیان مذاہب ومقامات آں واظہار رموز اشارات ایشاں''۔

شیخ محمد اکرام مرحوم بڑے وثوق کے ساتھ تاریخ ملی میں علی ہجویری لاہوری کے تحت عنوان لکھتے ہیں کہ ''فارسی نثر کی سب سے پہلی مذہبی کتاب جو برصغیر پاک و ہند میں پایہ تکمیل کو پہنچی کشف المحجوب ہے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ نے قبۃ اسلام لاہور میں مکمل کیا۔(تاریخ ملی ص ۷) بہر حال کشف المحجوب اپنے موضوع اور مباحث کے اعتبار سے جس قدر بلند پایہ کتاب ہے وہ تعریف وتوصیف سے مستغنی ہے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کا ارشاد گرامی اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے۔فرماتے ہیں ''اگر کسی کا پیر نہ ہو تو ایسا شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پیر کامل جائے گا۔میں نے اس کتاب کا مکمل مطالعہ کیا ہے۔(ترجمہ): اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کشف المحجوب آپ کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کی بدولت برصغیر پاک و ہند میں صحیح اسلامی تصوف نے فروغ پایا اور اس وصف خاص کی بدولت آج بھی کشف المحجوب کی قدر ومنزلت اتنی ہے جتنی آج سے نوسو برس پہلے تھی۔کشف المحجوب کے سلسلہ میں اسلامی ثقافت کے مشہور مورخ شیخ محمد اکرام مرحوم کہتے ہیں کہ:

"یہ کتاب آپ نے اپنے رفیق ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر جو آپ کے ساتھ غزنی چھوڑ کر لاہور آئے تھے، لکھی اور اس میں تصوف کے طریقے کی تحقیق، اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت، ان کے اقوال اور صوفیانہ فرقوں کا بیان معاصر صوفیوں کے رموز واشارات اور متعلقہ مباحث بیان کئے ہیں۔ اہل طریقت میں اس کتاب کو بڑا مرتبہ حاصل ہے"۔ "آبِ کوثر"

کشف المحجوب پر پروفیسر خلیق نظامی ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں: "شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب نے ایک طرف تو تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا اور دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں" (تاریخ مشائخ چشت)

کشف المحجوب کی قبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صوفیائے کرام کے مشہور تذکرہ نگاروں مثلاً خواجہ فرید عطا، حضرت مولانا جامی قدس سرہ صاحب نفحات الانس، حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ صاحب فصل الخطاب اور خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تذکروں میں اور تصانیف میں کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے اور مشائخ تصوف کے حالات اس سے اخذ کئے ہیں۔ آپ کے مقولوں اور آپ کی تحقیق کو بطور سند پیش کیا ہے۔

کشف المحجوب میں جو رموز طریقت اور جن حقائق معرفت کو منکشف کیا گیا ہے ان کی بنیاد حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے اپنے مکاشفات پر نہیں رکھی ہے بلکہ ان کا ماخذ قرآن وسنت کو قرار دیا ہے۔ یاد نیائے عرفان کی مستند کتابیں ہیں جن کا ذکر "کشف المحجوب" میں داتا صاحب قدس سرہ نے اپنی تصنیف لطیف میں کیا ہے اور یہی اس کی قبولیت کا راز ہے کہ آپ کے بعد کے بزرگانِ طریقت اور ارباب تصوف کے لئے وہ ہمیشہ ماخذ کا کام دیتی رہی ہے۔ صاحب کشف المحجوب جس مسئلہ یا رمز طریقت پر قلم اٹھاتے ہیں اولاً وہ قرآن حکیم اور ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی سند لاتے ہیں پھر اس کا استدلال آثار واخبار سے کرتے ہیں۔ اگر وہ اس استدلال میں کامیاب نہیں ہوتے تو اکابرین ارباب تصوف کے یہاں اس کی سند تلاش کرتے ہیں، آپ کشف المحجوب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو خود مصنف قدس سرہ کی جانب سے ان منابع اور ماخذ کی نشاندہی ملے گی۔

کشف المحجوب کی زبان اور اسلوب بیان

کشف المحجوب کے مذکورہ بالا ان چند پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد یہ بھی ضروری تھا کہ اس کی زبان اور اس کے اسلوب بیان پر بھی کچھ لکھا جاتا۔لیکن یہ مقدمہ یا دیباچہ اس کے اردو ترجمے کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔اس موقع پر کشف المحجوب کی فارسی زبان اور اس کے اسلوب کو بیان کرنا بے محل سی بات ہوگی۔مختصراً صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے کشف المحجوب کو تکلف اور تصنع سے بری نہایت آسان اور روزمرہ کی فارسی میں تحریر کیا ہے۔انداز بیان ایسا صاف اور واضح ہے کہ مفہوم و معنی کے سمجھنے میں کہیں دقت پیدا نہیں ہوئی۔افسوس کہ اب فارسی زبان عوام کے لئے ایک غیر اور بیگانہ زبان بن گئی۔یہی سبب ہے کہ اصل متن کو شائع کرنے کے بجائے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جارہا ہے تاکہ عوام اس سے استفادہ کرسکیں۔

کشف المحجوب اور اس کے اردو تراجم:

کشف المحجوب کی بلند پائیگی کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ صوفیائے عظام نے اس کو اپنی تصانیف میں مآخذ قرار دیا۔تیرھویں صدی کے وسط تک فارسی زبان عوام کی زبان تھی۔تحریر کی زبان بھی فارسی تھی۔اس لئے اس وقت تک کشف المحجوب کے اردو ترجمے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں جب فارسی زبان کا انحطاط بحد کمال پہنچ گیا اور اردو عوام کی زبان قرار پائی تو اس وقت سے فارسی زبان کی بہت سی بلند پایہ کتب کے اُردو میں تراجم ہونے لگے چنانچہ اس ضرورت کے تحت ''کشف المحجوب'' جیسی بلند پایہ اور گراں مایہ کتاب کے متعدد اردو تراجم ہوئے جو اپنے وقت پر شائع ہوکر اس عہد اور اس وقت کی ضرورت کو پورا کرتے رہے۔اس وقت تک ۲۰ سے زیادہ اردو تراجم اس عظیم کتاب کے شائع ہوچکے ہیں۔اولین تراجم کا انداز بالکل عامیانہ ہے اور زبان اپنے عہد کی ترجمان ہے۔پھر کچھ کچھ ترتیب، تذہیب کا اہتمام ہونے لگا۔لیکن سوانح مصنف پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔

اس سلسلہ میں عظیم مستشرق پروفیسر نکلسن (مصنف تاریخ ادبیات عرب) کو داد نہ دینا ناانصافی ہوگی کہ جب انہوں نے ۱۹۱۱ء میں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تو وہ ہمارے اردو تراجم سے بہت بلند وقیع اور جامع تھا۔انہوں نے سوانح نگاری میں تحقیق کا حق ادا کیا اور حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی

سوانح حیات کے ہر پہلو پر محققانہ بحث کی۔ کشف المحجوب کے متابع اور مآخذ کا پتہ چلایا۔ ان کے اساتذہ کرام، ان کے معاصرین عظام اور ان سے متعلق تاریخوں کی جستجو اور صحت کی تحقیق کی۔ مختصراً یہ کہ کشف المحجوب کے موضوع اور مباحث پر سیر حاصل تبصرہ کر کے کشف المحجوب کے صحیح مقام سے دنیائے ادب کو متعارف کرایا۔ پروفیسر نکلسن کی تحقیقات نے ''کشف المحجوب'' کے اردو مترجمین کو بہت سے نئے ''راستوں'' سے آشنا کیا۔ انہوں نے اس عظیم مستشرق کی تحقیقات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

پروفیسر نکلسن کے بعد ایک روسی ادیب پروفیسر ژوکوفسکی نے بڑی کاوش اور دقتِ نظر سے کشف المحجوب کے ایک قدیم نسخہ کی تصحیح کی اور اس کو اپنے ایک محققانہ مقدمہ (بزبان روسی) کے ساتھ لینن گراڈ سے شائع کیا۔ کچھ مدت بعد ایک ایرانی ادیب نے اس روسی مقدمہ کو فارسی (جدید فارسی) میں منتقل کیا اور اپنا مُترجمہ مقدمہ اس مصحح متن کے ساتھ شائع کر کے اس روسی ادیب کی کاوشوں سے ایرانیوں اور دوسرے دل دادگانِ کشف المحجوب سے روشناس کرایا۔ پروفیسر نکلسن کے ترجمے اور روسی ادیب کے مقدمہ اور تصحیح نے کشف المحجوب کے اردو تراجم میں ایک نئی جان ڈال دی اور حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی سوانح حیات کے بہت سے پہلو پہلی مرتبہ عوام کے سامنے آئے۔ اس مختصر دیباچہ یا مقدمہ میں بھی ان معلومات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی وفات اور آپ کا مزار:

نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح حضرت قدس سرہ کی تاریخ ولادت پر آپ کے تذکرہ نگاروں کا اتفاق نہیں اسی طرح آپ کی تاریخ وفات بھی متفق علیہ نہیں ہے۔ روسی مقدمہ نگار اور پروفیسر نکلسن بھی تاریخ ولادت کی طرح تاریخ وفات کے سلسلہ میں بھی کسی ایک سال کا تعین نہیں کر سکے۔ پروفیسر نکلسن ۵۶ ۴ ھ تا ۶۵ ۴ ھ کا کوئی درمیانی سال آپ کا سال وفات بتاتے ہیں۔ داراشکوہ بھی ''سفینۃ الاولیاء'' میں تذبذب کا شکار ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ۶۵ ۴ ھ کو صحیح سال وفات تسلیم کر کے لفظ سردار سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ یعنی ''سال وصلش برآمد از سردار'' شیخ محمد اکرم مرحوم بھی آب کوثر میں کوئی ایک سال متعین نہیں کر سکے اور کہتے ہیں کہ آپ کی وفات ۶۵ ۴ ھ مطابق ۱۰۷۲ء کے قریب واقع ہوئی۔ ڈاکٹر نور الدین اپنے محققانہ مقالہ ''تصوف اور اقبال'' میں آپ کا سال وفات وثوق کے ساتھ ۶۵ ۴ ھ ہی قرار دیتے ہیں اور اسی پر اکثر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

مزار پرانوار:

آپ کا مزار پرانوار لاہور میں ہے۔ اسی نسبت سے لاہور کو داتا کی نگری بھی کہتے ہیں۔ لاہور کی سرزمین اس پر جتنا بھی فخر کرے وہ کم ہے کہ ایک ایسی برگزیدہ اور بلند پایہ ہستی یہاں آرام فرما ہے جس کی آمد نے ہند کے اس عظیم خطہ میں شمع ایمان فروزاں کی۔ یہی وہ قدسی بارگاہ ہے جہاں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بھی اکتساب فیض کے لئے مقیم رہے۔ یہاں کی خاک اکابرین صوفیا کے لیے سرمۂ بصیرت اور تاج عزت ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو آج تک قبلہ اہل صفا بنا ہوا ہے اور جہاں انوار الٰہی ہر وقت برستے ہیں۔ یہاں عوام بھی حاضر ہوتے ہیں۔ صوفی اور عالم بھی۔ ہر ایک یکساں عقیدت کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں کی فضا میں ہر وقت اور ہر لحظہ ذکر خدا اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم جاری وساری رہتا ہے اور داتا رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے جھولیاں بھرنے والوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ!

خاکِ پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

شمس بریلوی

ایئر پورٹ۔ کراچی/ ۱۵ فروری ۷۵ء

☆☆☆☆☆

السلوك الىٰ المحبوب
فی ترجمة
کشف المحجوب(1)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط

اے ہمارے رب! اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمتیں نازل فرما اور ہمارے معاملہ میں ہمیں راہ راست کی توفیق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ ہر خوبی کا سزاوار ہے جس نے اپنے اولیاء پر اپنی بادشاہت کے اسرار کھولے اور اپنے اصفیاء کے لیے اپنی حیثیت و جبروت کے راز منکشف فرمائے اور اپنی شمشیر عظمت و جلال سے محبوبوں کا

شرح (1): کشف المحجوب:

اشیاء کے حقائق لوحِ محفوظ میں منقوش ہوتے ہیں، پس جب دل صاف شفاف شیشے کی طرح ہوجاتا ہے، تو جب بھی حجاب اٹھتا ہے اور شیشہ لوحِ محفوظ کے سامنے ہوتا ہے، تو اس میں علوم کے حقائق ظاہر ہوجاتے ہیں اور حجاب کا اٹھنا کبھی نیند میں ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں اور یہی صوفیاء کی عادت ہے۔ اور کبھی حجاب کا اٹھنا محض اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لطف و کرم کی ہواؤں کے چلنے سے ہوتا ہے جو بندے کی طرف سے بغیر کسی سبب اور تیاری کے ہوتا ہے۔ چنانچہ دل کے لئے غیب کے حجاب سے علوم کے کچھ اسرار واضح ہوجاتے ہیں اور اس کشف کی تکمیل موت سے ہوتی ہے اور کبھی موت سے کلی طور پر حجاب اٹھ جاتا ہے، اسی کی طرف شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ، صاحب معطر پسینہ، باعثِ نزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے فرمان میں اشارہ فرمایا: اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوۡا اِنۡتَبَھُوۡا ترجمہ: لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب انہیں موت آئے گی تو بیدار ہوجائیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء، سفیان الثوری، الحدیث ۹۵۷۶، ج ۷، ص ۵۴)

علوم کے اعتبار سے دل کی حالت نیز علماء ظاہر اور صوفیاء کے طریقے میں فرق کا بیان

اے بھائی جان لے! دل کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ وہ ہے جو عالمِ حواس کی طرف ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جو عالمِ غیب کی طرف ہے۔ نیند میں کچھ غور و فکر کرنے سے اس بات کی سچائی سامنے آتی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خون بہایا اور عارفین کو اپنے وصال کی چاشنی کا مزہ چکھایا۔ وہی اپنی بے نیازی اور کبریائی کے انوار کے ادراک سے مردہ دلوں کو زندگانی عطا فرماتا ہے اور اپنے اسماء کی مہک کے ساتھ معرفت الٰہی کی خوشبو ے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ تو نیند میں عجائبات دیکھتا ہے اور تیرے لئے غیب ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ چیز بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو کچھ مدت بعد واقع ہو گی اور بیداری میں یہ دروازہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے کھلتا ہے اور یہ چیز اس کے لئے ہے جو اپنے دل کو ماسوی اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے پاک کر کے مکمل طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حضور نبیٔ کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے فرمان میں اسی طرف اشارہ فرمایا: سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ ترجمہ: مفردون سبقت لے گئے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کیا گیا: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! مفردون کون ہیں؟

آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر میں کوشش کرتے ہیں ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دے گا اور وہ بروزِ قیامت ہلکے پھلکے ہوں گے۔ (پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: میں ان کی طرف اپنی رحمت سے متوجہ ہوتا ہوں، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں جن کی طرف اپنی نظرِ رحمت فرماتا ہوں کیا کوئی جانتا ہے کہ میں انہیں کیا عطا فرمانا چاہتا ہوں؟ پھر نبیٔ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مزید ارشاد فرمایا: (اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے کہ) پہلے میں ان کے دلوں میں اپنا نور داخل فرما دیتا ہوں، چنانچہ وہ میرے بارے میں یوں خبر دیتے ہیں جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں۔

(جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب سبق المفردون، الحدیث ۳۵۹۶، ص ۲۰۲۲، مختصراً۔ وبتغیر)

پس ان تمام خبروں کا دخول دل کے اس دروازے سے ہوتا ہے جو علم غیب کی طرف ہوتا ہے اور وہی علم الٰہی ہے۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں: دل میں غیب کی طرف ایک روشن دان ہوتا ہے۔

اب ہم ایک حکایت کے ذریعے علماءِ ظاہر اور صوفیاء کے طریقے کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں۔

منقول ہے، چین اور روم والوں نے کسی بادشاہ کے سامنے نقش ونگار اور تصاویر بنانے کے سلسلے میں باہم مقابلہ کیا۔ بادشاہ نے اپنی رائے کے مطابق ایک مکان ان کے سپرد کر دیا کہ اس کی ایک جانب چین والے نقش ونگار کریں اور دوسری جانب روم والے۔ اور درمیان میں پردہ ڈال دیا تا کہ وہ ایک دوسرے کا کام دیکھ نہ سکیں، روم والوں نے اپنی طرف بے شمار عجیب وغریب قسم کے خوبصورت نقش و نگار کئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انہیں لطف اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی آل واصحاب اورازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن پر ہمیشہ ہمیشہ درودوسلام نازل ہو۔

ابتدائیہ:

اے طالب راہ حقیقت! (2) اللہ تعالیٰ دونوں جہان کی سعادت مندی نصیب فرمائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور چین والوں نے اپنی طرف کی دیوار کو خوب اچھی طرح صاف شفاف کر کے شیشے کی مثل بنادیا۔ جب اہل روم فارغ ہو گئے تو چین والوں نے کہا: ہم بھی فارغ ہو گئے ہیں۔ بادشاہ کو ان پر تعجب ہوا کہ وہ کسی قسم کا نقش ونگار کئے بغیر کیسے فارغ ہو گئے؟ تو انہوں نے کہا: آپ کو اس پر کیا اعتراض ہے؟ آپ پردہ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ جب پردہ اٹھایا گیا تو روم والوں کے بنائے ہوئے نقش ونگار چین والوں کی چمکائی ہوئی دیوار میں چمک رہے تھے کیونکہ وہ دیوار کو صاف کرتے اور چمکاتے رہے جبکہ دوسرے صرف نقش ونگاری میں مصروف رہے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت الحدیث ۲۴۱۹، ج ۲، ص ۶۴۸)

(امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:) اسی طرح صوفیاء کرام اپنے دل کو صاف کرتے اور چمکاتے رہتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ صرف نقش ونگاری میں مصروف رہتے ہیں، چنانچہ وہ چیز جو علماء پر ظاہر نہیں ہوتی وہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر زیادہ چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے اور علماء نے جو کچھ حاصل کیا ہوتا ہے اس کے علاوہ صوفیاء پر ایسے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں علم حاصل کر کے جن تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شرح (2): حقیقت کیا ہے؟

عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی ارشاد فرماتے ہیں ہر حقیقت شریعت ہے اور ہر شریعت حقیقت ہے یعنی ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتی۔ (میزان الشریعۃ ص ۵۰ مطبوعہ مصر)

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی جہاں میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اور اس روشنی کی کوئی حد نہیں یہ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے اس نور میں زیادتی اور اضافہ پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہی روشنی بڑھ کر صبح اور پھر سورج اور اس کے بعد سورج سے بھی زیادہ غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے اسی سے اشیاء کی حقیقتیں کھلتی ہیں اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ اسی روشنی کو علم کے مرتبہ میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت کہتے ہیں۔ یعنی اصل وہی ایک شریعت ہے مختلف مرتبوں کے اعتبار سے اس کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب تم نے مجھے اپنے سوال کے ذریعہ اس کتاب کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا[3] اور خود کو دلی واردات اور باطنی القا کے حوالہ کر دیا (جب استخارہ میں اذن الٰہی حاصل ہو گیا) تو میں نے تمہاری مقصد بر آری کی خاطر اس کتاب کے لکھنے کا عزم صمیم کر لیا۔ اور اس نوشتہ کا نام کشف المحجوب رکھا امید ہے کہ ارباب فہم و بصیرت اس کتاب میں اپنے سوالات کا جواب علیٰ وجہ الکمال پائیں گے۔

بعدۂ اللہ تعالیٰ سے استعانت توفیق کی استدعا ہے کہ وہ اس نوشتہ کو تمام و کمال کرنے میں مدد فرمائے۔ اظہار و بیان اور نوشت میں اپنی قوت و طاقت پر اعتماد پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔ و باللہ التوفیق۔

اپنا نام تحریر کرنے کی وجہ:

شروع میں جو اپنا نام تحریر کیا ہے اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ خاص حضرات کے لیے ہے اور دوسری وجہ عام لوگوں کے لیے۔ لیکن جو وجہ عام لوگوں کے لیے ہے کہ جب اس علم سے بے بہرہ و ناواقف کوئی ایسی نئی کتاب دیکھتے ہیں اور اس میں مصنف کا نام کسی جگہ نظر نہیں آتا تو وہ کتاب کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں (یعنی یہ کتاب میری تصنیف ہے) جس سے مصنف کا مقصد ناکام ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مصنف کی تالیف و تصنیف کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اس کا نام زندہ پائندہ رہے اور پڑھنے والے طالبان حق مصنف کو دعائے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ ایسا حادثہ میرے ساتھ دو مرتبہ پیش آ چکا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب شریعت کا یہ نور بڑھ کر صبح کی طرح ہو جاتا ہے تو ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اسے کہتا ہے چراغ بجھا دو کہ اب تو صبح خوب روشن ہو گئی ہے۔ اگر آدمی شیطان کے دھوکے میں نہ آئے تو شریعت کا یہ نور بڑھ کر دن ہو جاتا ہے اس پر شیطان کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا اب تو سورج روشن ہے اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے روز روشن میں شمع جلانا تو بیوقوف کا کام ہے۔ یہاں پر اگر ہدایت الٰہی آدمی کی مدد فرمائے تو بندہ لاحول پڑھ کر شیطان کو بھگا دیتا ہے۔

شرح (3): استخارہ

حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے استخارہ کیا وہ نامراد نہیں ہوگا اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہوگا اور جس نے میانہ روی کی وہ کنگال نہیں ہوگا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۶۶۲۷، ج۵، ص ۷۷)

پہلا حادثہ:

یہ ہوا کہ ایک صاحب میرے اشعار کا دیوان مستعار لے گئے۔ پھر انہوں نے واپس نہیں کیا۔ میرے پاس اس نسخہ کے سوا اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ ان صاحب نے میرے نام کو حذف کر کے اپنے نام سے اس دیوان کو مشہور کر دیا۔ اس طرح میری محنت انہوں نے ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔

دوسرا حادثہ:

یہ پیش آیا کہ میں نے علم تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''منہاج العابدین'' رکھا تھا۔ ایک کمینہ خصلت، چرب زبان شخص نے جس کا نام میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا اس نے شروع سے میرا نام چھیل کر اور اپنا نام درج کر کے عام لوگوں کو کہنا شروع کر دیا کہ یہ میری تصنیف ہے۔ حالانکہ اس کی عملیت اور قابلیت کے جاننے والے حضرات اس پر ہنستے تھے۔ بال آخر اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر بے برکتی مسلط کر دی اور اپنی بارگاہ کے طالبوں کی فہرست سے اس کا نام خارج کر دیا۔

دوسری وہ وجہ:

خاص حضرت کے لیے یہ ہے کہ جب وہ کسی کتاب کو اپنے علم کے مطابق اس نظر سے ملاحظہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصنف و مؤلف نہ صرف یہ کہ اس علم کا دانا ہے بلکہ وہ اس فن کا ماہر و محقق ہے تو اُس کتاب کی قدر کرتے اور اسے پڑھ کر یاد کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنا گوہر مقصود اُس کتاب سے حاصل کر لیتے ہیں۔

استخارہ (4) کرنے کی وجہ:

اس تصنیف کو شروع کرنے سے پہلے استخارہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوا کہ حق تعالیٰ کے حقوق اور اس کے آداب کی حفاظت پر عمل کیا جائے۔

شرح (4): استخارہ کی لغوی بحث

استخارہ (باب استفعال) کا مصدر ہے۔ اس کا اصل مادہ (خ ی ر) ہے جو کہ نرمی، مہربانی اور میلان پر دلالت کرتا ہے اور خیر شر کی ضد ہے۔ اور الخِیَرَۃ کا معنی خِیَار یعنی اختیار ہے۔ اور استخارہ کا معنی دو کاموں میں سے اپنے لئے بہتر طلب کرنا ہے۔ اور استخارہ کا معنی استعطاف یعنی نرمی اور مہربانی طلب کرنا بھی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے دوستوں کے لیے اس کا حکم فرمایا،

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (5)

"اور جب تم قرآن کریم پڑھو تو شیطان مردود کی فریب کاریوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔" (النحل:۹۸)

استعاذہ، استخارہ اور استعانۃ سب کے ایک ہی مفہوم و معنیٰ ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد و حوالہ کر کے ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس سے مدد حاصل کرو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں استخارہ کرنا اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کریم کی تعلیم دی ہے۔ (6) بندہ کو جب اس پر کامل یقین ہو جاتا ہے کہ تمام کاموں کی بھلائی کسب و تدبیر پر موقوف نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت و رضا پر موقوف ہے اور ہر نیک و بد اور خیر و شر اسی کی جانب سے مقدر ہوا ہے اور بندے کو بجز تسلیم و رضا کوئی چارہ کار نہیں ہے تو لامحالہ بندہ اپنے تمام کام اس کے سپرد کر کے اسی کی مدد چاہتا ہے تاکہ تمام افعال و احوال میں نفس کی شرارتوں اور شیطان کی فتنہ اندازیوں سے محفوظ رہے اور اس کے تمام کام خیر و خوبی اور راست روی سے انجام پائیں۔ اس لئے بندے کے لیے یہی ضروری و مناسب ہے کہ تمام کاموں میں استخارہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو ہر زیاں و نقصان اور خلل و آفت سے محفوظ رکھے۔ وباللہ التوفیق۔

باطنی القا کے حوالہ کرنے کی وجہ:

اب رہا میرا یہ کہنا کہ "میں نے خود کو دلی واردات اور باطنی القا کے حوالہ کر دیا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں نفسانی اغراض شامل ہوتی ہیں تو اس کام سے برکت جاتی رہتی ہے اور صراط مستقیم سے دل ہٹ کر کجروی

شرح (5): فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

ترجمہ کنزالایمان: تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے (پ ۱۴، النحل:۹۸، ۹۹)

شرح (6): حضرت جابر سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سارے کاموں میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے۔

(صحیح البخاري، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارہ، رقم (6382

اختیار کر لیتا ہے اور انجام بخیر نہیں ہوتا۔

نفسانی اغراض کی شکلیں:

نفسانی اغراض کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو اس کی غرض پوری ہوگی یا نہ ہوگی؟ اگر اس کی غرض پوری ہوگئی۔ تو سمجھ لو کہ وہ ہلاکت میں پڑ گیا اس لئے کہ نفسانی اغراض (7) کا حاصل ہونا دوزخ کی کنجی ہے۔

اور اگر اس کی نفسانی غرض پوری نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی اس کے دل کو نفسانی غرض سے بے پروا کر دے گا اور ایسی خواہش کو دل سے دور کر دے گا کیونکہ اس میں اس کی نجات مضمر تھی اور یہی جنت کے دروازے کی کنجی بھی ہے جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (8)

"اور بندے نے نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو جنت ہی اس کا مسکن ہے۔"

(النّٰزعٰت: ۴۰،۴۱)

کسی کام میں نفسانی دخل یہ ہے کہ بندہ اپنے کام میں حق تعالیٰ کی خوشنودی کو ملحوظ نہ رکھے اور وہ اس میں نفس کے فتنوں سے نجات پانے کی طلب نہ کرے۔ کیونکہ نفس کے فتنوں کی کوئی حد و غایت نہیں ہے اور نہ اس کی ہوس کاریوں کا کوئی شمار ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر مناسب مقام پر آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

شرح (7): نفسانی خواہشات کا ترک

سب سے پہلا مرحلہ فضول نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے اس کے نتیجے میں دل ذکر کے لئے فارغ ہو جائے گا اور پھر ذکر پر دوام اختیار کرنے سے اللہ (عز و جل) سے اُنس پیدا ہوگا اور اس کی قدرت پر غور کرنے سے معرفت حاصل ہوگی۔ پھر یہ معرفت رفتہ رفتہ محبت میں بدل جائے گی اور جو شخص اپنے رب (عز و جل) کی محبت میں سرشار ہو کر دنیا سے جائے گا وہ اس کی ملاقات کا شرف اور اخروی سعادت مندی ضرور پائے گا۔ چنانچہ جب بندے کو ان سب باتوں کی پہچان ہو جائے اور توفیق الٰہی (عز و جل) ساتھ ہو تو پھر بندہ نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نیکی کا ارادہ کرتا ہے برائی سے نفرت کرتا ہے اور اسے برا جانتا ہے اسطرح عقلمند آدمی پچھنے لگوانے اور خون نکلوانے پر راضی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کاموں میں اسکی صحت کی سلامتی ہے۔ (احیاء العلوم)

شرح (8): نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○

ترجمہ کنز الایمان: اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے (پ30 النازعات:40)

جواب کے لیے عزم صمیم کی وجہ:

مدعائے نگارش یہ ہے کہ "تمہاری مقصد برآری کی خاطر اس کتاب کی نوشت کا عزم صمیم کرلیا"۔ تو
اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے چونکہ مجھ سے سوال کر کے مجھے اس کا اہل اور صاحب علم وبصیرت جانا اور اپنے
مقصود برآری کے لیے رجوع کر کے ایسے جواب کی استدعا کی جس سے پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔ اس
لئے مجھ پر لازم ہو گیا کہ میں تمہارے سوال کا حق ادا کروں۔ جب استخارہ کے ذریعہ تمہارے سوال اور
استدعا کا حق ہونا ظاہر ہو گیا تو میں نے عزم صمیم اور حسن نیت کے ساتھ کامل طور پر جواب دینے کا ارادہ
کرلیا۔ تاکہ شروع سے آخر تک تکمیل جواب میں حسن نیت اور عزم وارادہ شامل رہے۔ بندہ جب کسی کام کا
ارادہ کرتا ہے تو ابتدائے عمل سے ہی نیت شامل ہوتی ہے۔ اگرچہ دوران عمل اسے کوئی خلل ہی واقع کیوں
نہ ہو؟ لیکن بندہ اس میں معذور متصور ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نية المومن
خير من عمله" (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے)۔ لہٰذا ابتدائے عمل میں نیت کرنا اس سے بہتر
ہے کہ بغیر نیت کئے عمل شروع کیا جائے۔ (9)

شرح (9): نیت کی حقیقت کا بیان:

جاننا چاہیے! نیت، ارادہ اور قصد مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور یہ ایک قلبی
حالت وصفت ہے جسے علم وعمل نے گھیر رکھا ہے، علم اس کے لئے مقدمہ وشرط کی طرح ہے اور عمل اس کے تابع ہے
پس نیت اس ارادے کا نام ہے جو سابقہ علم اور اس کے ساتھ ملحق عمل کے درمیان ہوتا ہے جس سے کسی شئے کو جا
جاتا ہے اور اس سے ارادہ پیدا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔

شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عظمت نشان ہے:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَنِيَّةُ الْفَاسِقِ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ۔

ترجمہ: مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاسق کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہے۔

(المعجم الکبیر، الحدیث ۵۹۴۲، ج۶، ص۱۸۵، نية الفاسق الخ: بدلہ: عمل المنافق خیر من نیته

اگر عمل بغیر نیت اور نیت بغیر عمل کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عمل کے بغیر
صرف نیت بلانیت عمل سے بہتر ہے، کیونکہ ایسا عمل جس سے پہلے نیت ہو اس کا ثواب اس سابقہ نیت کی وجہ سے
انیت بہتر ہے کیونکہ یہ وہ ارادہ ہے جو اصل علم سے پیدا ہوتا ہے اور یہ دل کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کیونکہ تمام کاموں میں نیت کو عظیم مرتبہ اور برہانِ صادق حاصل ہے۔ نیت میں جس قدر خلوص ہوگا اس عمل کا اجر و ثواب اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اس لیے کہ بندہ نیت ہی کے ذریعہ ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ حالانکہ ظاہری عمل میں نیت کا اثر کوئی ظاہر نہیں ہوتا۔ اسے یوں سمجھو کہ ایک شخص نے دن بھر فاقہ کیا لیکن وہ اس فاقہ سے کسی ثواب کا مستحق نہ بنا۔ لیکن اگر اس نے روزہ کی نیت کر لی تو وہ ثواب کا بھی مستحق بن گیا۔ حالانکہ ظاہر عمل میں نیت کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر کسی شہر میں عرصہ دراز تک بود و باش رکھے تو بھی وہ وہاں کا باشندہ نہ کہلائے گا اور بدستور مسافر ہی رہے گا۔ لیکن اگر اس نے (کم از کم پندرہ دن کی) اقامت کی نیت کر لی تو اب مقیم سمجھا جائے گا۔ شریعت مطہرہ میں اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر عمل کی ابتداء میں نیک نیت کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وجہ تسمیہ:

اب رہا میرا یہ کہنا کہ اس نوشتہ کا نام کشف المحجوب (اردو ترجمہ کا نام السلوک الی المحبوب) رکھا۔ تو اس سے میری

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) زیادہ قریب ہوتا ہے پس ہر حال میں مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں گزرا۔

جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو وہ گناہ، عبادات اور مباحات کی طرف تقسیم ہوتے ہیں، پس جو چیز فی نفسہٖ گناہ ہے وہ نیتِ عبادت سے عبادت نہیں بنتی۔ اور عبادات میں نیت ضروری ہے کیونکہ عبادت اس وقت تک عبادت نہیں بن سکتی جب تک اس کے ساتھ نیت نہ ہو، پھر دائمی اور اچھی نیت عبادت کے درجہ کو بڑھا دیتی ہے، کیونکہ بعض اوقات ایک فعل تعداد کے اعتبار سے ایک ہی ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ حُسنِ نیت کی بدولت وہ بہت سی عبادات بن جائے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: بے شک جو بندہ مسجد میں بیٹھا، اس نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا دیدار کیا اور جس کی زیارت کی جائے اس پر لازم ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اِکرام کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصلوات، فضل المشی الی المساجد، الحدیث ۲۹۴۳، ج ۳، ص ۸۲) (المعجم الکبیر، الحدیث ۶۱۴۵، ج ۶، ص ۲۵۵)

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے دیدار کی نیت کرے، نماز کے انتظار کی نیت کرے اور نماز کا انتظار کرنے والا نماز میں ہی ہوتا ہے، مسجد میں اعتکاف کی نیت کرے، اعضاء کو گناہوں سے روکنے اور مسجد کو اپنے لئے پناہ گاہ بنانے کی نیّت کرے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر اور قرآنِ حکیم کی تلاوت سننے کی نیت کرے، تو یہ سب پے در پے نیکیاں ہیں جنہیں نیت کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ کتاب کے نام سے ہی معلوم ہوجائے کہ کتاب کے اندر کس قسم کے مضامین ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ
جب اہل علم وبصیرت کتاب کا نام سنیں گے تو سمجھ لیں گے کہ اس سے کیا مراد ہے اور اس میں کیسے مضامین ہیں۔

کشف حجاب کی تحقیق:

اے طالبان حق تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اولیاء اللہ اور محبوبان بارگاہ ایزدی کے سوا سارا عالم لطیفہ
تحقیق سے محجوب ومستور ہے۔ چونکہ یہ کتاب راہ حق کے بیان، کلماتِ تحقیق کی شرح اور حجاب بشریت کے
کشف میں ہے۔ لامحالہ اس کتاب کے لیے اس کے سوا اور کوئی نام موزوں وصحیح ہوسکتا ہی نہیں۔ چونکہ
حقیقت کا منکشف ہونا در پردہ اور مستور اشیاء کے فنا ن ونا پید ہونے کا موجب ہوتا ہے۔ جس طرح موجود
حاضر کے لیے پردہ وحجاب میں ہونا موجب ہلاکت ہوتا ہے۔ یعنی نزدیک وقرب جس طرح دوری کی
طاقت نہیں رکھتا اسی طرح دوری بھی نزدیک وقرب کی برداشت نہیں رکھتی۔ اسے اس طرح سمجھو کہ وہ
کیڑے جو سرکہ میں پیدا ہوتے ہیں اگر انہیں سرکہ میں سے نکال کر کسی اور چیز میں ڈال دیے جائیں تو وہ
مرجاتے ہیں یا وہ کیڑے جو کہیں اور پیدا ہوئے ہوں اگر ان کو سرکہ میں ڈال دیا جائے تو وہ مرجائیں گے۔ اسی
طرح حقائق اشیاء کے معانی ومطالب اسی پر کھلتے اور منکشف ہوتے ہیں۔ جس کو خاص اسی لیے پیدا کیا گیا ہو۔
ان کے ماسوا کے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (10) (بخاری شریف) ہر مخلوق کے لیے

شرح (10): حضرت علی سے روایت ہے فرماتے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں
جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھا جاچکا ہو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنی تحریر پر
بھروسہ کیوں نہ کرلیں اور عمل چھوڑ دیں فرمایا عمل کیئے جاؤ ہر ایک کو وہی اعمال آسان ہوں گے جس کے لیئے پیدا
ہوا اگر خوش نصیبوں سے ہے تو اسے خوش نصیبی کے اعمال آسان ہوں گے اور اگر بدنصیبوں سے ہے تو اسے بدنصیبی
کے اعمال میسر ہوں گے پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی لیکن جو خیرات کرے اور پرہیزگار اور ایماندار ہوالایہ۔

(صحیح البخاری، کتاب القدر، باب قولہ تعالٰی وکان امر اللہ قدراً مقدوراً، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۹۷۷) (صحیح
مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق الادمی فی بطن امہ الخ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۳۳۳) (مسند احمد بن حنبل، عن علی رضی اللہ
تعالٰی عنہ، المکتب الاسلامی بیروت، ۱/ ۱۴۰) (سنن ابن ماجہ، باب فی القدر، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۹) (مشکوۃ المصابیح،
باب الایمان بالقدر، الفصل الاول، اصح المطابع کراچی، ص ۲۰)

وہی چیز ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو جس چیز کے لیے پیدا کیا ہے اس کے حصول کی راہ اس پر آسان کر دی گئی ہے۔

حجابات (11) رینی و غینی (12):

انسان کے لیے وہ پردے جو راہِ حق میں اس پر مانع اور حائل ہوتے ہیں دو قسم کے ہیں۔

ایک کا نام حجاب رینی ہے جو کسی حالت میں اور کبھی نہیں اٹھتا اور دوسرے کا نام حجاب غینی ہے اور یہ حجاب جلد تر اٹھ جاتا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے اپنی ذات ہی راہِ حق میں پردہ و حجاب بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک حق و باطل دونوں یکساں اور برابر ہو جاتے ہیں اور کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے ان کی اپنی صفتیں راہِ حق میں پردہ و حجاب ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ اپنی طبع و سرشت میں حق کے متلاشی اور باطل سے گریزاں رہتے ہیں۔ ذاتی حجاب کا نام رین جو کبھی زائل نہیں ہوتا۔

حجاب رین کے معنیٰ:

رین جس کے معنیٰ زنگ آلود ہونے اور ختم جس کے معنیٰ مہر لگنے اور طبع جس کے معنیٰ ٹھپہ لگنے کے ہیں۔ یہ تینوں لفظ ہم معنیٰ اور ہم مطلب ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

شرح (11): حجاب رینی

ایسا حجاب جو کبھی دور نہیں ہوتا اور جس سے ہم اللہ عزوجل کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں۔

جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھی کمزوری واقع ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت مضبوط ہو جاتی ہے اور صورت حال کچھ اس طرح ہو جاتی ہے گویا دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے بلکہ محض قلبی خطرات اور وسوسے ہوتے ہیں اور اس سے خواہشات کی اتباع میں انہماک پیدا ہوتا ہے۔

یہاں تک کہ دل پر اندھیرا چھا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ سخت بھی ہو جاتا ہے اور سیاہ بھی اور نفسانی ظلمات دل پر چڑھ جاتی ہیں اور جو کمزور ایمان دل میں موجود ہوتا ہے اس میں بھی کمی ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ مہر لگ جاتی ہے اس کے بعد دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

شرح (12): حجاب غینی

ایسا حجاب جو دور ہو جاتا ہے۔

(13)
كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

''یہ لوگ ہرگز راہ حق قبول نہ کریں گے بلکہ ان کے دلوں پر رین یعنی حجاب ذاتی ہے، جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔(المطففین ۸۳)

اس کے بعد حق تعالیٰ ان کا حال ظاہر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(14)
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان پر برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''(البقرہ:٦)

پھر ظاہر حال بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ عدمِ قبول حق کی علت بیان فرماتا ہے کہ: خَتَمَ اللّٰهُ عَ[لٰى] قُلُوْبِهِمْ (15) ''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔''(البقرہ:۷)

حجاب غین کے معنیٰ:

غین جس کے معنیٰ اوٹ اور ہلکے پردے کے ہیں یہ وصفی حجاب ہے۔ کسی وقت اس کا پایا جانا اور [کسی] وقت اس کا زائل ہونا دونوں جائز و ممکن ہیں۔ اس لئے کہ ذات میں تبدیلی شاذ و نادر بلکہ ناممکن و محال [ہے] اور غین یعنی صفات میں تبدیلی جائز و ممکن ہے۔

مشائخ طریقت رحمہم اللہ جائز اور ممکن الارتفاع صفات یعنی حجاب غینی کے بارے میں اور محال [و] ناممکن الارتفاع حجاب یعنی حجاب رینی جو کہ ذاتی ہے کے بارے میں لطیف اشارات سے بیان کر[تے]

شرح (13): كَلَّا بَلْ ۛ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○

ترجمہ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

(پ ۳۰، المطففین:[۱۴])

شرح (14): اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ۔

ترجمہ کنزالایمان: بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔

(پارہ ۱، البقر[ہ:٦])

شرح (15): خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (پارہ ۱، البقرۃ ۷)

ترجمہ کنزالایمان: اللہ نے ان کے کانوں پر مہر کر دی۔

ہیں۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (16) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الرین من جملۃ الوطنات والغین من جملۃ الخطرات

"رین وطنات کے قبیل سے ہے اور غین خطرات کے قبیل سے ہے۔"

وطنات، وطن کی جمع ہے جس کے معنیٰ قائم اور پائیدار رہنے کے ہیں اور خطرات، خطر کی جمع ہے جس کے معنیٰ عارضی اور ناپائیداری کے ہیں۔ اسے اس طرح سمجھو کہ پتھر کبھی آئینہ نہیں بن سکتا۔ اگرچہ اسے کتنا ہی صیقل اور صاف وشفاف کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اگر آئینہ زنگ آلود ہو جائے تو تھوڑا صاف

شرح (16): حضرتِ سیّدُنا جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی

حضرتِ سیّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی ولادتِ مبارکہ تقریباً ۲۱۸ھ میں بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام جُنید، نسبت بغدادی، کنیت ابوالقاسم ہے اور القابات سیّدُ الطائفہ، طاؤس العلماء، زجاج، قواریری اور لسانُ القوم ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد حضرت سیّدُنا محمد بن جنید شیشہ کی تجارت کرتے تھے اور نہاوند کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع میں آئینہ کی تجارت کرتے تھے اور اس وقت آپ کا معمول تھا کہ بلاناغہ اپنی دوکان پر تشریف لے جاتے اور پردہ گرا کر چار سو رکعت نماز نفل ادا فرماتے۔ ایک مدت تک آپ نے اس عمل کو جاری رکھا۔ پھر آپ نے اپنی دکان کو چھوڑ دیا اور اپنے شیخ طریقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کے مکان کی ایک کوٹھری میں خلوت گزیں ہو کر اپنے دل کی پاسبانی شروع کر دی اور حالت مراقبہ میں آپ اپنے نیچے سے مصلیٰ کو بھی نکال ڈالتے تاکہ آپ کے دل پر سوائے اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خیال کے کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔ اس طرح آپ نے 40 سال کا طویل عرصہ گزارا۔ تیس سال تک آپ کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صبح تک اللہ اللہ کہا کرتے اور اسی وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ آپ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ بیس برس تک تکبیر اولیٰ مجھ سے فوت نہیں ہوئی اور نماز میں اگر دنیا کا خیال آجاتا تو میں اس نماز کو دوبارہ ادا کرتا اور اگر بہشت اور آخرت کا خیال آتا تو میں سجدہ سہو ادا کرتا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال شریف ۲۷ رجب المرجب ۲۹۷ھ یا ۲۹۸ھ کو ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار بھی بغداد شریف میں شونیزیہ کے علاقے میں واقع ہے۔

یعنی داتا گنج بخش علیہ رحمۃ سے ۱۰۰ سال پہلے کے بزرگ ہیں۔

کرنے سے وہ مجلیٰ اور مصفیٰ ہوجائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پتھر کے اندر تاریکی اور آئینہ کے اندر چمک اس کی ذاتی اور اصلی خوبی ہے۔چونکہ ذات واصل قائم و پائیدار رہنے والی چیز ہوتی ہے اس لئے وہ کسی طرح زائل نہیں ہوسکتی۔اور صفت چونکہ عارضی و ناپائیدار ہوتی ہے اور وہ قائم اور باقی رہنے والی چیز نہیں ہوتی اس لئے وہ جلد ہی زائل ہوجاتی ہے۔ (17)

شرح (17): ابو حامد حضرتِ سیدنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی اپنی منفرد تصنیف لبابُ الاحیاء میں ارشاد فرماتے ہیں:

نُور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: دل چار اقسام کے ہیں: (۱) وہ دل جو صاف ہے اور اس میں چراغ روشن ہوتا ہے، یہ مؤمن کا دل ہے (۲) وہ دل جو سیاہ اوندھا ہوتا ہے، یہ کافر کا دل ہے (۳) وہ دل جس پر غلاف چڑھا ہوتا ہے اور اس کا غلاف بندھا ہوتا ہے، یہ منافق کا دل ہے (۴) وہ دل جس میں ایمان اور نفاق کی آمیزش ہوتی ہے، اس میں ایمان اس سبزی کی مثل ہے جسے اچھا پانی نشوونما دیتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال اس زخم کی طرح ہے جسے پیپ بڑھاتی ہے، پس اس پر جو مادّہ غالب آجاتا ہے اسی کا حکم اس پر لگایا جاتا ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ دل کو وہی (غالب آنے والا) مادہ لے جاتا ہے۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری، الحدیث ۱۱۱۲۹، ج ۴، ص ۶۳ بتغیر)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے، ہوشیار ہوجاتے، اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (پ9، الاعراف:201)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اس فرمان میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ سے دل کی بصیرت اور صفائی حاصل ہوتی ہے اور تقویٰ سے ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ پر قدرت ہوتی ہے۔

پس تقویٰ ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کا دروازہ، ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کشف کا دروازہ اور کشف بہت بڑی کامیابی کی کنجی ہے۔

جان لو! دل کی مثال آئینہ کی طرح ہے اور علوم وحقائق کی مثال ان تصاویر کی طرح ہے جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہیں۔آئینہ بھی شئ ہے اور حقائق بھی بالذات شئ ہیں اور آئینہ میں تصویر کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں نے یہ کتاب ان لوگوں کے زنگِ کدورت دور کرنے کے لیے لکھی ہے جو جواب غینی یعنی پردہ صفاتی میں گرفتار ہیں اور ان کے دلوں میں نورِ حق کا خزانہ موجود ہے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کی برکت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حصول بھی شئ ہے، پس یہ تینوں اشیاء ہیں۔

پس علم آئینہ میں کسی چیز کا حصول ہے اور دل آئینہ کی مثال ہے اور حقائق بالذات ایک تیسری چیز ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو جان لو! آئینہ میں صورت کے واضح نہ ہونے کے پانچ اسباب ہیں:

پہلا سبب: آئینہ اچھا نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ابھی اسے آئینہ کی شکل نہ دی گئی ہو اور نہ ہی پالش کیا گیا ہو۔

دوسرا سبب: اس میں گدلا پن ہو اور زنگ لگا ہوا ہو۔

تیسرا سبب: جس چیز کو آئینہ میں دیکھنا ہو وہ اس سے ہٹی ہوئی ہو، وہ یوں کہ وہ چیز آئینہ کے پیچھے ہو۔

چوتھا سبب: آئینہ اور صورت کے درمیان پردہ لٹکا دیا گیا ہو۔

پانچواں سبب: جس چیز کی صورت دیکھنا مقصود ہے اس کی سمت معلوم نہ ہو۔

اسی طرح دل بھی ایک آئینہ ہے جسے اس مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ اس میں تمام امورات کے حقائق منکشف ہوں لیکن پانچ اسباب کی وجہ سے دل حقائق سے خالی ہوتا ہے۔

پہلا سبب: دل میں ہی کمی اور نقصان ہو جیسے بچے اور پاگل کا دل۔

دوسرا سبب: گناہوں کی کدورت اور خباثت جو خواہشات کی کثرت کی وجہ سے دل پر جمع ہو گئی ہو، اِسی کی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے فرمان میں اشارہ فرمایا:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

ترجمۂ کنز الایمان: کوئی نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔ (پ30 المطففین: 14)

اور سیِّدُ المبلِّغین، جنابِ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ والاشان ہے: مَنْ قَارَفَ ذَنْبًا فَارَقَه، عَقْلٌ لَمْ يَعُدْ اِلَيْهِ اَبَدًا ترجمہ: جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے اس سے عقل جدا ہو جاتی ہے اور کبھی بھی اس کی طرف واپس نہیں لوٹتی۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس برائی کے بعد نیکی کرے، جو اس کے دل کو صیقل (صاف) کردے اور اگر وہ گناہ کی بجائے نیکی کرے تو یقیناً دل کی روشنی بڑھے گی۔

تیسرا سبب: یہ ہے کہ حقیقتِ مطلوبہ سے دل پھرا ہوا ہو اور اس کی توجہ صرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے وہ حجاب اٹھ جائے اور حقیقی معنیٰ کی طرف انہیں راہ مل جائے۔ لیکن وہ لوگ جن کی سرشت وعادت ہی انکارِ حق ہو اور باطل پر قائم و برقرار رہنا ہی جن کا شعار ہو وہ مشاہدۂ حق کی راہ سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ کتاب کچھ فائدہ مند نہ ہوگی۔ وَالْحَمْدُ اللهِ عَلٰی نِعْمَةِ الْعِرْفَانِ۔

مجیب کا فرض:

میں نے جو ابتداء میں یہ کہا ہے کہ ''اس نوشتہ میں اپنے سوال کا جواب علی وجہ الکمال پاؤ گے'' تو اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عبادات کی ترتیب کی طرف ہو۔ اسے چاہے کہ وہ اس طرح ہو جائے جس طرح حضرت سیّدُ نا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جس کا ذکر اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے قرآنِ پاک میں اس طرح فرمایا:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا

ترجمۂ کنز الایمان: میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اُسی کا ہو کر۔ (پ7، الانعام:79)

چوتھا سبب: چوتھی رکاوٹ حجاب ہے، وہ اس طرح کہ اس کے دل میں شہوت باقی ہوتی ہے یا بچپن سے اپنا یا ہوا فاسد عقیدہ ہوتا ہے اور اس کا اثر باقی رہتا ہے۔

پانچواں سبب: جس سمت سے مطلوب حاصل ہوتا ہے اس سے ناواقف ہونا بھی ایک رکاوٹ ہے۔ اُسے اس چیز پر مکمل طور پر ایمان ہونا چاہے جو اسے حاصل نہ ہو اور یہی ایمان بالغیب ہے اور جب تک اسے یہ ایمان نہ ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان چیزوں کو طلب کرے جن کے وجود کا اسے علم ہی نہیں؟ چنانچہ غفلت رکاوٹ بن جاتی ہے۔

شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال، دافِعِ رنج ومَلال، صاحبِ جُودو نوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے:

لَوْلَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ آدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰی مَلَکُوْتِ السَّمَاءِ۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، الحدیث ۸۶۴۸، ج ۳، ص ۲۶۹ـ ۲۷۰، بتغیر)

ترجمہ: اگر شیاطین نے انسانوں کے دلوں کو گھیرا ہوا نہ ہوتا تو وہ آسمان کی بادشاہی کی طرف دیکھ لیتے۔

(لباب الاحیاء ۱۹۹ـ ۲۰۱)

مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے سوال کا مقصد اور اس کی غرض و غایت کو جان لیا ہے۔ اس لیے کہ مجیب کو جب تک سائل کے سوال کا مقصد اور اس کی غرض و غایت معلوم نہ ہوگی۔ اس وقت تک وہ اپنے جواب میں سائل کی تسلی و تشفی کیسے کر سکتا ہے؟ کیونکہ مشکل درپیش آنے پر ہی سوال کیا جاتا ہے اور جواب میں اس مشکل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جواب میں اسی اشکال کو حل نہ کیا جائے تو ایسا جواب سائل کو کیا فائدہ پہنچائے گا اور اشکال کا حل، بغیر معرفتِ اشکال ناممکن ہے؟

اور میرا یہ کہنا کہ "اپنے سوال کا جواب علیٰ وجہ الکمال پاؤ گے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اجمالی سوال کے لیے اجمالی جواب ہوتا ہے اور جامع سوال کے لیے جامع جواب۔ لیکن جب سائل اپنے اجمالی سوال اور اس کے مراتب و درجات سے باخبر ہوتا ہے یا یہ کہ مبتدی کے لیے تفصیل کی حاجت ہوتی ہے تو مجیب کا فرض ہے کہ جواب میں اس کا پاس و لحاظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت عطا فرمائے۔ چونکہ تمہاری غرض یہی تھی کہ میں تفصیل کے ساتھ طریقت کے حدود و اقسام بیان کروں جو ہر شخص کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں خواہ وہ مبتدی ہو یا متوسط و اعلیٰ۔ اس لئے میں نے تفصیل کو اختیار کر کے سوال کے جواب میں یہ کتاب مرتب کی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

استعانت و توفیق کی حقیقت:

میں نے جو یہ کہا کہ "اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتا ہوں اور اس سے توفیق کی استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس نوشتہ کو مکمل کرنے میں میری مدد فرمائے" تو اس سے میری مراد یہ ہے کہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے وہی ہر نیکی و بھلائی کا معین و مددگار ہے اور زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

حقیقی توفیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ہر عمل میں بالفعل اپنی تائید فرمائے اور اس عمل پر اسے اجر و ثواب کا مستحق بنائے۔ توفیق کی صحت و درستگی پر کتاب و سنت اور اجماع امت شاہد و ناطق ہے۔ البتہ فرقہ معتزلہ اور قدریہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ یہ لوگ لفظ توفیق کو تمام معانی سے خالی کہتے ہیں۔ گویا وہ اس لفظ کو بے معنی اور مہمل تصور کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت کہتی ہے کہ توفیق اس قدرت کا نام ہے جو بوقت استعمال نیکیوں پر حاصل ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے تو حق تعالیٰ ہر حال میں اسے

نیکیوں کی بیشتر توفیق وقوت عنایت فرماتا ہے جو اس سے قبل اسے حاصل نہ تھی۔ باوجود یکہ عالم وجود میں بندے کا ہر حرکت وسکون اسی کے فعل وخلق سے واقع ہوتے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھنا چاہیے کہ بندہ جو خدا کی عطا کردہ قوت سے طاعت ونیکی بجالاتا ہے اس کو توفیق کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کا موضوع نہیں ہے کہ بتایا جا سکے کہ کون کونسی خاص حالت وقوت مراد ہے۔ لہٰذا اسی پر اکتفا کر کے تمہارے سوال کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ قبل اس کے کہ میں جواب میں اپنا کلام و بیان شروع کروں تمہارے سوال کو بعینہ نقل کردوں اور اس سوال سے اپنی کتاب کی ابتداء کروں۔ وباللہ التوفیق۔

صورتِ سوال:

حضرت ابو سعید غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال کیا ہے کہ: "مجھے تحقیقی طور پر بیان فرمایئے کہ طریقت وتصوف اور ان کے مقامات کی کیفیت اور ان کے مذاہب واقوال اور رموز واشارات کیا کیا ہیں؟ اور یہ کہ اہل طریقت وتصوف، اللہ تعالیٰ سے کس طرح محبت کرتے اور ان کے دلوں پر تجلیات ربانی کے اظہار کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اور یہ کہ اس کی ماہیت کی کنہ کے ادراک سے عقلیں حجاب میں کیوں ہیں اور نفوس انسانیہ اس کی حقیقت سے کیوں منفرد ہیں؟ اور صوفیائے کرام کی ارواح کو اس کی معرفت سے کیسے راحت وآرام ملتا ہے۔ نیز اس ضمن میں جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ بھی بیان فرمایئے؟"

الجواب بعون الملك الوهاب:

اے طالب حق! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں خاص کر اس علاقہ کے لوگ در حقیقت علم طریقت [18] سے دور ہو کر ہوا وہوس میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ [19] رضائے الٰہی سے کنارہ کش ہو کر علماء حق کے

شرح (18): تصوّف وطریقت کی اِبتداء

ایک سوال کا جواب

تصوُّف کی مایہ ناز کتاب حقائق عن التصوُّف میں مصنف تصوُّف کی اِبتداء واَہمیت سے متعلق بڑے مُدلّل انداز میں تحریر فرماتے ہیں! کہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے! کہ اسلام کی شُروعات میں دعوت تصوُّف وطریقت عام نہ تھی۔ اس کا ظہور تو صحابہ وتابعین علیہم الرضوان کے زمانے کے بعد ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے ! کہ صحابہ وتابعین علیہم ُالرِضوان کے زمانے میں نبیِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طریقے سے بھٹک چکے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قُربِ اِتِّصال کے سبب دعوتِ تَصَوُّف کی ضَرورت نہ تھی۔

مَدَنی وجوہات

چونکہ اُس متبرَّک دور میں لوگ متقی، پرہیزگار، اَہلِ مجاہدہ اور طبعًا عبادات کی طرف متوجہ تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہٖ وسلم کی پیروی میں جلدی اور دوسروں سے سبقت لے جانیکی کوشش کرتے تھے۔ ان لوگوں کو کسی ایسے علم کی ضَرورت نہ تھی جو ان کی تَصَوُّف کے مقاصد کی طرف راہنمائی کرے۔ کیونکہ وہ ان مقاصد کو عَمَلی طور پر حاصل کر چکے تھے۔

مَدَنی مثال

اس کی مثال اس طرح سمجھئے! کہ ایک خالص "عَرَب" لُغتِ عَرَبی کو نسلاً جانتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اشعارِ بلیغہ کی تراکیب سے بھی فطری طور پر واقف ہے۔ اگرچہ وہ لُغت، صَرف ونَحو شعر، عُروض اور قوافی کے قاعدوں سے نا آشنا ہو۔ تو ایسے شخص کو صرف ونحو اور عروض وقوافی وغیرہ پڑھنے کی حاجت نہیں۔ ان چیزوں کے سیکھنے کے ضَرورت اس غیرِ عَرَب کو ہے، جو لغتِ عربی کو سمجھنے کا خواہش مند ہو۔

اہل تَصَوُّف کون

اگرچہ صحابہ وتابعین علیھم الرضوان کو "مُتَصَوِّفین" کا نام نہیں دیا گیا۔ مگر عملاً وفعلاً، وہ اَہلِ تَصَوُّف تھے۔ کیونکہ تَصَوُّف وطریقت سارا کا سارا یہی ہے۔ کہ بندہ نفس کے بجائے ربّ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے زندہ ہو۔ اور اپنے تمام اوقات میں روح وقلب کے ساتھ اللہ عَزَّ وَجَلَّکی طرف متوجہ رہے۔ یہ تمام کمالات صحابہ کرام علیھم الرضوان میں بدَرَجہ اولیٰ موجود تھے۔ انہوں نے اسلامی اعتقادات کے اقرار اور فرائض اسلام کی ادائیگی پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ذوق اور وَجدان کو بھی ملایا اور حضورِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہٖ وسلم کی پسندیدہ جمیع نفلی عبادات پر بھی عمل پیرا رہے، وہ مُحَرَّمات (حرام کاموں) کے علاوہ مکروہات سے بھی دور رہے۔ حتّٰی کہ ان کی بصیرتیں منور ہوگئیں۔ ان کے قُلوب سے حِکمتوں کے چشمے پھوٹ پڑے اور ان کے اَطراف پر، اَسرارِ ربّانی کا فیضان ہوا۔

بہترین ادوار

یہی حال تابعین اور تبع تابعین علیھم الرضوان کا تھا۔ اور یہی "قرون ثلاثہ" اسلام کے بہترین "اَدوار" تھے۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا! "اَدوار" میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آج جو لوگ طریقت و تصوف کے مدعی نظر بھی آتے ہیں تو وہ درحقیقت اصل طریقت کے برخلاف عمل کرتے اور طریقت کو بدنام کرتے ہیں۔لہٰذا ایسی استعداد و صلاحیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بہترین میرا زمانہ ہے۔پھر وہ جو اس کے قریب ہے، پھر وہ جو اِن سے قریب ہے۔ (بخاری و مسلم)

علم تَصَوُّف کی ضرورت

جب یہ عمدہ ترین "اَدوار" گزر گئے تو حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ، روحانیت بھی کمزور ہونے لگی۔اور لوگ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بندگی سے غافل ہونے لگے۔تو اربابِ ریاضت و زہد نے، دعوت الی الحق اور توجہ الی اللہ کے لئے علم تَصَوُّف کی تدوین کی۔

معلوم ہوا! "تَصَوُّف و طریقت" کوئی نئی اصطلاح نہیں، بلکہ یہ سیرت رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حیات صحابہ علیہم الرضوان سے ماخوذ ہے۔اور تَصَوُّف و طریقت کی اَساس، اِس "امت" کے سَلَف و صالحین علیہم الرَّحمۃ جلیل القدر صحابہ، تابعین، تبع تابعین علیہم الرضوان کے طریقے پر ہے۔اور یہ طریقہ عین اسلام سے عملی مطابقت کا ہی نام ہے۔

شیخ اَحمد زروق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں! جس طرح عُلَماء ظاہر نے حدودِ شریعہ کی حفاظت کی ہے، اسی طرح عُلَماء تَصَوُّف نے شریعت کی روح اور آداب کی حفاظت کی ہے۔(فوائد التَصَوُّف، ۲۹۵)

تَصَوُّف و طریقت کی اَہمیت

شرعی احکام شرعی اَحکام جن کے ساتھ انسان کو مُکَلَّف بنایا گیا ہے۔ان کی دو اقسام ہیں۔ایک وہ اَحکام، جن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔اور دوسرے وہ اَحکام ہیں، جن کا تعلق باطنی اعمال سے ہے۔بالفاظ دیگر ایک قسم کے اَحکام کا تعلق، جسمِ انسانی سے ہے۔اور دوسرے قسم کے اَحکام کا تعلق، دل کے اعمال سے ہے۔

جسمانی اعمال سے متعلق اَحکام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ماموراتِ جسمانی: (یعنی وہ جسمانی افعال جن کے کرنے کا حکم ہے) جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور دیگر فرائض و واجبات وغیرہ۔

(۲) مُنہیاتِ جسمانی: (یعنی وہ جسمانی اعمال جن سے رکنے کا حکم ہے) جیسے قتل، زِنا۔شراب، چوری و دیگر کبیرہ گناہ وغیرہ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقام تک رسائی حاصل ہو جائے جہاں تک اہل زمانہ کی دسترس نہیں ہے اور اس مقام پر وہی حضرات فائز ہوئے ہیں جو خاصان بارگاہِ حق ہیں اور تمام ارادتمندوں کی وہی مقصود و مراد رہی ہے اور وہ اس کے حصول کی خاطر ہر چیز سے کنارہ کش رہے ہیں۔ جس طرح کہ اہل معرفت، وجودِ حق کی معرفت میں ہمہ خاص و عام مخلوق سے بے نیاز رہے تھے۔ اس کے برعکس ان ظاہری مدعیان تصوف نے صرف ظاہری عبارتوں پر اکتفا کر رکھا ہے اور دل و جان سے حجاب کے خریدار بن کر اور تحقیق کی راہ چھوڑ کر اندھی تقلید کے خوگر بن گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ تحقیق نے بھی اپنا چہرہ ان مدعیان ظاہری سے چھپا لیا ہے اور عوام اپنی موجودہ حالت میں مگن رہ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے حق کو پہچان لیا ہے۔ اور خواص اسی میں خوش ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی تمنا موجود ہے اور ہمارے نفس میں اس کی احتیاج اور سینوں میں اس کی محبت پائی جاتی ہے۔ اپنے اپنے مشاغل میں منہمک رہتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب رویتِ الٰہی کے شوق میں ہے اور دل میں جو اچھی خواہشات ابھرتی ہیں وہ محبت الٰہی کی تپش ہے۔ اسی طرح مدعیان سلوک اپنے ادعا کے سبب کلیۃً محروم ہو گئے ہیں، ارادتمندوں نے ریاضت و مجاہدے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور اپنے فاسد خیالات کا نام مشاہدہ رکھ لیا ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے علم تصوف (20) میں اس سے قبل بکثرت کتابیں لکھی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اعمالِ قلبیہ سے متعلقہ اَحکام کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) ماموراتِ قلبیہ: (یعنی وہ قلبی افعال جن کے کرنے کا حکم ہے) جیسے ایمان باللہ (یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر ایمان)، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور جمیع انبیاء و رُسُل علیہم السلام پر ایمان اور اخلاص، رِضا، صِدق، خُشوع، توَکُّل وغیرہ۔

(۲) مَنہیات قَلبیہ: (یعنی وہ قلبی افعال جن سے رکنے کا حکم ہے) جیسے کفر، نِفاق، تکبر، عجب (خود پسندی) رِیا، غُرور، کینہ اور حَسَد وغیرہ۔ (حقائق عن التصوُّف، ۲۶)

شرح (19): توجہ رہے کہ حضرتِ سَیِّدُنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آج سے ۱۰۰۰ سال پہلے یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں۔

شرح (20): تصوف کیا ہے؟

فنِ تصوف کا خلاصہ چند الفاظ میں بیان کرنا ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس فن کی غایت، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن وہ سب کی سب ضائع ہو چکی ہیں اور جھوٹے دعویداروں نے ان کی بعض باتوں کو مخلوق خدا کا شکار کرنے کی خاطر چن لیا ہے اور باقی سب کو گم کر کے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا ہے۔ چونکہ حاسدوں کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے۔ انہوں نے سرمایہ حسد وانکار کو ہی نعمت خداوندی جان رکھا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے نقل تو کیا مگر پڑھ نہ سکے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے پڑھ تو لیا مگر معانی ومطالب سے بے بہرہ رہے۔ انہوں نے صرف لفظ وعبارت کو پسند کیا اور اسی کو لکھتے اور یاد کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم علم تصوف ومعرفت میں باتیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ انتہائی بدنصیبی اور محرومی میں گرفتار رہے ہیں۔ طبقات کا یہ تفاوت اس بنا پر ہے کہ علم تصوف اور معرفتِ الٰہی کبریت احمر (تانبے کو سونا بنانے والی سرخ اکسیر) کی مانند ہے جو سب کو عزیز ومرغوب ہے۔ کبریت احمر یعنی سرخ گندھک جب مل جاتی ہے تو وہ کیمیا ہوتی ہے۔ جس کی ایک چٹکی (لکھ) بہت سے تانبے کو خالص سونا بنا دیتی ہے۔ غرضیکہ ہر شخص ایسی دوا کا خواہشمند ہوتا ہے جو اس کے درد کا درماں بن سکے۔ اس کے سوا اس کی اور کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ اسی مفہوم میں ایک بزرگ کا شعر ہے!

كُلُّ مَنْ فِيْ فُؤَادِهٖ وَجْعٌ

ہر وہ شخص جس کے دل میں درد ہے

يَطْلُبُ شَيْئاً يُوَافِقُ الْوَجْعَا

وہی چاہتا ہے جو درد کے موافق ہے

جس کی بیماری کی دوا کوئی حقیر ترین چیز ہو وہ مروارید ومرجان کی جستجو میں سرگرداں کیوں پھرے؟ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محبتِ الٰہی (عزوجل) اور اس کی ابتداء اچھی صحبت اور نیک خیالات ہیں۔

کیونکہ اچھی صحبت سے نیک خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اِنسان کو اپنی پیدائش کے مقصد، دنیاوی زندگی کی بے ثباتی، اُخروی زندگی کے دوام حساب وکتاب اور جزاء وسزا پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور اس سے دل میں خوف وامید پیدا ہوتے ہیں جو اِنسان میں آخرت کے لئے عمل شروع کرنے کی خواہش پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آخرت کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور نفسانی خواہشات کم ہوتی چلی جاتی ہیں، دل میں عشقِ رسول اور معرفتِ الٰہی (عزوجل) کو حاصل کرنے کی خواہش بیدار ہو جاتی ہے اور پھر نیک اعمال پر استقامت اختیار کر کے دل کو غیر اللہ کی یاد سے خالی کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں دل ذکر اللہ (عزوجل) سے مانوس ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ اُنس معرفت اور معرفت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ عین مقصود ہے البتہ اس کے لئے توفیق الٰہی (عزوجل) کا متوجہ ہونا بنیادی امر ہے۔

جواہرات کی معجون یا دوالمسک بنانے کی کوشش کیوں کرے؟ علم طریقت وحقیقت تو اس سے کہیں زیادہ برتر ہے۔ ہر کہہ ومہہ کو یہ کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس سے قبل بکثرت جہال نے بھی مشائخ طریقت کی علمی کتابوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ اسرار الٰہی کے خزانے ان کے ہاتھوں میں پڑے تو وہ چونکہ اس کی حقیقت سے بے بہرہ تھے۔ گویا کلاہ دوز جاہلوں اور ناپاک وکمینہ جلد سازوں کی مانند ان کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے ٹوپیوں کے استر اور ابونواس کے شعروں کے دیوان اور فضول ولغوافسانوں اور کہانیوں کے مانند اسرارِ الٰہی کے خزانوں کے ساتھ سلوک کیا۔ بلاشبہ جب بادشاہ کا باز کسی بوڑھی عورت کے جھونپڑے پر اترے گا تو وہ اپنے بال و پر ہی اکھڑوائیگا۔

اہل زمانہ کا شکوہ:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے اپنی خواہشات کا نام شریعت، حُبِ جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم اور ریا کاری کا نام تقویٰ رکھ لیا ہے۔ اور دل میں کینہ کو چھپانے کا نام حلم، مجادلہ کا نام مناظرہ، محاربہ و بیوقوفی کا نام عظمت، نفاق کا نام وفاق، آرزو تمنا کا نام زہد، ہذیانِ طبع کا نام معرفت، نفسانیت کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکارِ وجود کا نام صفوت، بے دینی وزندقہ کا نام فنا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ اور اہل دنیا کی آفتوں کو معاملہ کہنے لگے ہیں۔ اسی بنا پر اربابِ معانی اور عارفانِ حقیقت نے ان لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔ اور گوشہ خلوت میں رہنا پسند کرلیا ہے۔ ان جھوٹے مدعیان جہان کا ایسا غلبہ ہوگیا ہے جس طرح خلافتِ راشدہ کے اختتام کے بعد اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آل مروان کا غلبہ ہوگیا تھا۔ اس حقیقت کا انکشاف شہنشاہ اہل حقائق برہانِ تحقیق ودقائق حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

اُبْتُلِيْنَا بِزَمَانٍ لَّيْسَ فِيْهِ آدَابُ الْاِسْلَامِ وَلَا اَخْلَاقُ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا اَحْكَامُ ذِي الْمُرُوَّةِ

"ہم ایسے دور میں پھنس گئے جس میں نہ تو اسلام کے آداب ہیں اور نہ جاہلیت کے اخلاق ہیں اور نہ عام انسانی شرافت کے طور وطریق۔"

حضرت شبلی (21) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے شاعر متنبی کا یہ شعر زمانہ حال کے لوگوں کی

شرح (21): حضرتِ سیّدُ نا ابوبکر شبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی

حضرتِ سیّدُ نا شیخ ابوبکر شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی پیدائش بغداد کے نواحی علاقے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالکل صحیح تصویر ہے:

نَجَا اللهِ ذِیْ الدُّنْیَا مُنَاخُهَا لِرَاکِبٖ

اللہ سے دنیا داروں کی تمنا اونٹ سوار کی منزل ہے

فَکُلٌّ بَعِیْدِ الْهَمِّ فِیْهَا مُعَذَّبٌ

توجو بھی غم سے دور رہے وہی آخرت میں عذاب پانے والا ہے۔

دنیا مقام اَسرارِ الٰہی ہے:

اے طالب حق اللہ تعالیٰ تمہیں قوت عطا فرمائے۔ خوب سمجھ لو کہ میں نے اس جہان کو اسرار الٰہی کا محل اور کائنات عالم کو اس کا مقام اور اعیان ثابتہ کو لطائف و اسرار کی رہائش پایا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کے اولیاء و محبین ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ اغراض و جواہر، عناصر و اجرام اور تمام اجسام و طبائع ان اسرارِ الٰہی کے حجابات ہیں۔ مقام توحید میں ان کا اثبات شرک ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو محل حجاب بنایا ہے تاکہ اپنے اپنے عالم میں ہر طبیعت حق تعالیٰ کے فرمان سے سکون و قرار حاصل کر سکے اور اپنے وجود کو اس کی توحید میں گم کردے۔ چونکہ اس جہان میں روحیں اپنے جسموں کے ساتھ ملحق ہو کر مقام اخلاص سے ہٹ کر ایسی مغرور ہوگئی ہیں کہ ان کی عقلیں اسرار الٰہی کے ادراک سے عاجز اور وہ روحیں قرب حق سے مستور و محجوب ہوگئی ہیں جس کا انجام یہ ہوا کہ آدمی اپنی ہستی کے سبب غفلت کی تاریکی میں غرق ہوگیا اور مقامِ خصوصیت میں اپنی ہستی کے حجاب کے سبب عیب دار بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سامرہ میں ۲۴۷ھ میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام جعفر اور کنیت ابوبکر ہے۔ آپ کو شبلی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ موضع شبلہ یا شبیلہ میں رہنے والے تھے۔

آپ نے حضرت جنیدِ بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کے دستِ مبارک پر بیُعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ آپ نے شیخ کی خدمت میں رہ کر بہت ہی ریاضت و عبادت کی۔ حدیث کی مشہور کتاب مؤطا امام مالک آپ کو زبانی یاد تھی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ۲۷ ذوالحجۃ الحرام ۳۳۴ھ کو 88 برس کی عمر میں ہوا۔ آپ کا مزارِ پُرنُور بغداد شریف میں سامرہ کے مقام میں ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O [22] ''قسم ہے زمانہ کی۔ بلاشبہ انسان گھاٹے میں ہے۔'' [23] (العصر: ۱، ۲)

اور فرمایا: اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا [24] ''بے شک انسان ظالم ونادان ہے۔'' (الاحزاب: ۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا۔ [25] پھر اس پر روشنی ڈالی'' [26] (ترمذی جلد ۲) تو یہ حجاب اس جہان میں اس کے لیے اختیار طبع بن گئی کیونکہ اس نے اپنی

شرح (22): وَالْعَصْرِ O اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O

ترجمہ کنزالایمان: اس زمانۂ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے۔ (پ ۳۰، العصر: ۱ تا ۲)

شرح (23): مفسّرِ شہیر، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدرالافاضل، سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں ان آیاتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

عصر زمانہ کو کہتے ہیں اور زمانہ چونکہ عجائبات پر مشتمل ہے اس میں احوال کا تغیّر وتبدّل ناظر کے لئے عبرت کا سبب ہوتا ہے اور یہ چیزیں خالقِ حکیم کی قدرت وحکمت اور اس کی واحدانیّت پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ زمانہ کی قسم مراد ہو، اور عصر اس وقت کو بھی کہتے ہیں جو غروب سے قبل ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ خاسر کے حق میں اس وقت کی قسم یاد فرمائی جائے جیسا کہ رابح کے حق میں ضُحیٰ یعنی وقتِ چاشت کی قسم ذکر فرمائی گئی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عصر سے نمازِ عصر مراد ہوسکتی ہے جو دن کی عبادتوں میں سب سے پچھلی عبادت ہے اور سب سے لذیذ ۔ وراجح تفسیر وہی ہے جو حضرت مترجم قدس سِرّہ نے اختیار فرمائی کہ زمانہ سے مخصوص زمانہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مراد ہے جو بڑی خیر وبرکت کا زمانہ اور تمام زمانوں میں سب سے زیادہ فضیلت وشرف والا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ مبارک کی قسم یاد فرمائی جیسا کہ لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مسکن ومکان کی قسم یاد فرمائی ہے اور جیسا کہ لَعَمْرُکَ میں آپ کی عمر شریف کی قسم یاد فرمائی اور اس میں شانِ محبوبیّت کا اظہار ہے کہ اس کی عمر جو اس کا راس المال ہے اور اصل پونجی ہے وہ ہر دم گھٹ رہی ہے۔

شرح (24): اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا O

ترجمہ کنزالایمان: بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۷۲)

شرح (25): سنن الترمذی مَا جَاءَ فِی افْتِرَاقِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ ۲۶۴۲

شرح (26): حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ الرحمن اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

یعنی جن وانس نہ کہ فرشتے یہ دونوں فریق پیدائش کے وقت نفسانی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طبیعت اور اپنی عقل سے اس میں تصرف کیا۔

حتیٰ کہ اس نے نہ صرف جہل ونادانی کو پسند کیا بلکہ ان حجابات کا وہ دل وجان سے خریدار ومتوالا بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جمال کشف سے بے خبر اور اسرار الٰہی کی تحقیق سے بے پرواہ بن گیا۔ اور وہ عارضی مسکن میں خوش رہ کر اپنی فلاح ونجات سے غافل ہوگیا۔ اس طرح وہ توحید باری سے بے علم، جمالِ احدیت سے بے خبر اور ذائقہ توحید سے ناآشنا ہوگیا ہے۔ روح وجسم کے ترکب سے مشاہدہ حق کی تحقیق سے محروم ہے۔ اور دنیاوی حرص وطمع میں مبتلا ہوکر حق کی طرف رجوع وانابت سے بے بہرہ ہوگیا۔ اور نفس حیوانی نے جو حیاتِ حقیقی کے سوا ہے اس کے ناطقہ کو مجبور کردیا۔ یہاں تک تمام حرکات وخواہشات نفسِ حیوانی کے تابع ہوکر رہ گئیں۔ پھر یہ حالت ہوگئی کہ سوائے کھانے پینے، سونے اور شہوانی خواہشات کے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اولیاء کو ان تمام باتوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ (27)

"اہل دنیا کو چھوڑ دو تاکہ وہ کھائیں، نفع اٹھائیں اور تمناؤں میں مگن رہیں۔ عنقریب پتہ چل جائے گا۔" (28) (الحجر: ۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور شہوانی اندھیریوں میں تھے۔ یعنی ایمان اور معرفت کی روشنی معلوم ہوا کہ تاریکی ہماری اصلی حالت ہے، روشنی رب کا کرم، گناہ ہم خود کرتے ہیں، نیکی وہ کرالیتا ہے مٹی کے ڈھیلے کی طرح لیجیے ہم خود گرتے ہیں، اپنے کرم سے اور اوپر وہ اٹھالیتا ہے۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ا ص ۹۹)

شرح (27): ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور برتیں اور امید انہیں کھیل میں ڈالے تو اب جانا چاہتے ہیں ۝ (پ14 الحجر: 3)

شرح (28): مفسّرِ شہیر، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل، سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں ان آیاتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں

اپنا انجامِ کار۔ اس میں تنبیہ ہے کہ لمبی امیدوں میں گرفتار ہونا اور لذاتِ دنیا کی طلب میں غرق ہوجانا ایماندار کی شان نہیں۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لمبی امیدیں آخرت کو بھلاتی ہیں اور خواہشات کا اِتباع حق سے روکتا ہے۔

اس لئے کہ ان کو خو بو اور عادت وطینت ہی یہ ہے کہ ان پر اسرار الٰہی مخفی رہیں۔ (29) اور حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے محروم رہ کر ہمیشہ ذلیل وخوار رہیں یہاں تک کہ وہ اس نفس امارہ کے جو ہمیشہ برائے کا حکم دیتا ہے، مطیع وتابع ہو جائیں۔ یاد رکھو یہ بہت بڑا احجاب ہے اور یہی ہر برائی وشر کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (30) "بیشک نفس ہر برائی کا زبردست حکم

شرح (29): پیارے بھائی!

یہ لمبی امیدیں تمہیں نیکی کے کام کرنے سے ہرگز غفلت میں نہ ڈالیں، یہ دنیا جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، آخرت کی کھیتی ہے، ہم پر لازم ہے کہ اپنی عمر بھلائی کے کاموں میں صرف کریں کیونکہ ہر نئے دن، دنیا ہم سے دور ہوتی جاری رہی ہے اور آخرت ہمارے قریب آرہی ہے، آج عمل کا موقع ہے اور کوئی حساب نہیں لیکن کل صرف حساب ہوگا اور کچھ عمل نہ کرسکیں گے۔

للہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا۔ (پ4، ال عمران:185)

اے انسان! نیکی کے کاموں میں کوشش کر اور موت سے پہلے پہلے اپنی عمر سے فائدہ اٹھا، دنیا ایک محدود وقت ہے اس میں جتنے بھلائی کے کام تو کرنا چاہے کرسکتا ہے، اور ایک وقت وہ ہے جو آنے والا ہے جس میں تجھے نہیں معلوم کہ قادر مطلق عزوجل تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمانے والا ہے...؟ جو لمحہ گزر گیا تیرے اچھے یا برے عمل کو ساتھ لے گیا اب وہ قیامت تک واپس نہیں آئے گا۔ اے انسان! اپنی فراغت سے موقع اٹھا اور صحت سے فائدہ حاصل کر (یعنی زندگی کے ایسے لمحات کو غنیمت جان اور کچھ نیک اعمال کرلے)۔ چنانچہ،

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عظمت نشان ہے: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ دھوکے میں ہیں (ایک) صحت اور (دوسری) فراغت۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الصحۃ والفراغ......الخ، الحدیث: ۶۴۱۲، ص ۵۳۹)

شرح (30): اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

ترجمہ کنزالایمان: بیشک نفس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے (پ13 یوسف:53)

کرنے والا ہے۔"(31) (یوسف:۵۳)

اس تمہیدی نصیحت کے بعد تمہارے سوال میں جو مقاصد ہیں ان کا بیان شروع کرتا ہوں۔ وہ مقامات وحجابات ہیں ان کا بیان لطیف پیرایہ میں مرتب کرتا ہوں اور اہل علم وعرفان کی عبارتوں کو شرح کے ساتھ اور بقدرِ ضرورت اقوالِ مشائخ کو شامل کرتا ہوں نیز عجیب وغریب حکایتوں کو بیان کر کے فہم مقاصد میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔ تاکہ تمہاری مقصد برآری ہوجائے اور ظاہری علوم کے علماء کو بھی معلوم ہوجائے کہ طریقہ تصوف کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں میوہ دار ہیں اور وہ اس حقیقت سے روشناس ہوجائیں کہ طریقت کے تمام مشائخ، صاحبان علم ومعرفت تھے اور وہ اپنے مریدوں کو اس علم کے سیکھنے کا شوق دلاتے تھے اور اس پر قائم رہنے کا ذوق پیدا کرتے تھے۔ وہ کسی حالت میں لہو ولغو کا اتباع نہ کرتے تھے اور کبھی بھی یہ حضراتِ قدس کسی واہی تواہی میں نہیں پڑے بکثرت مشائخ طریقت اور علمائے معرفت نے تصوف و طریقت میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور اسرار ربانی کو دلیل وبرہان کے ساتھ لطیف عبارتوں سے ثابت کیا ہے وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆

شرح (31): نفس کو مارنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ جو نفس کو مارنے اور اُس کو بُری خواہشات سے روکنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اُس کیلئے جنّت کی بشارت ہے چُنانچہ خدائے رحمٰن عَزَّ وَجَلَّ کا فرمانِ جنّت نشان ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝

(پ ۳۰ النّٰزِعٰت آیت ۴۰،۴۱)

ترجَمہ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانہ ہے۔

باب 1:

تحصیل علم کی فرضیت اور اس کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے علماء ربانی کی صفت میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (1) ''درحقیقت بندگانِ خدا میں سے علماء ہی خدا کا خوف رکھتے ہیں۔'' (فاطر: ۲۸) (2)

شرح (1): اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

ترجمہ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں

(پارہ ۲۲، سورہ فاطر آیت ۲۸)

شرح (2): مفسّرِ شہیر، خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدرالافاضل، سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں ان آیاتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں؛ اور اس کے صفات جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں، جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزّت وشان سے باخبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قسم اللہ عزَّ وجلَّ کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔

خوف کا کم از کم درجہ

معرفت کے حساب سے خوف کی قوت ہوتی ہے لہٰذا وہی شخص اپنے رب سے زیادہ ڈرتا ہے جو اپنے آپ کو اور اپنے رب کو زیادہ پہچانتا ہے اسی لئے نبی اکرم تاجدار عرب وعجم شاہِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا اَخْوَفُکُمْ لِلّٰہِ۔

ترجمہ: میں تم سب سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہوں (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۱ کتاب الادب)

پھر جب معرفت پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے تو وہ خوف کا جلال اور دل کی جلن پیدا کرتی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پھر اس گرمی کے اثر کو دل سے بدن کے اعضاء اور صفات پر ڈالتی ہے۔ بدن میں اس کا اثر زردی، غشی، چیخ و پکار اور رونے دھونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس سے پتا پھٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے یا دماغ تک اثر پہنچتا ہے تو عقل میں خرابی واقع ہو جاتی ہے یا زیادہ ہو جائے تو نا امیدی پیدا ہوتی ہے۔

اعضاء میں اس خوف کے اثر کی علامت یہ ہے کہ وہ ان کو گناہوں سے روک دیتا ہے اور عبادات میں مقید کر دیتا ہے اور یوں گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی ہو جاتی ہے اور مستقبل میں عبادت کی استعداد پیدا ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ڈرنے والا وہ نہیں جو روئے اور آنکھیں پونچھے بلکہ وہ شخص حقیقتاً خائف ہوتا ہے جو اس عمل کو چھوڑتا ہے جس پر عذاب کا خوف ہو۔

حضرت سیدنا ابوالقاسم حکیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے فرمایا: جو آدمی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے دور بھاگتا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ حضرت سیدنا ذوالنون مصری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے پوچھا گیا کہ بندہ خوف زدہ کب ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جب بندہ اپنے آپ کو اس بیمار کی طرح سمجھے جو بیماری کے بڑھنے کے خوف سے پرہیز کرتا ہے۔ یعنی خائف گناہوں اور غفلت کے بڑھنے سے خوف زدہ ہوتا ہے۔

صفات میں خوف کے اثر کی صورت یہ ہے کہ خواہشات کا قلع قمع اور لذتوں کو گدلا کر دے پس وہ گناہ جو اسے پسند تھے، ناپسندیدہ ہو جائیں گے جس طرح کسی شخص کو شہد پسند ہو لیکن جب اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں زہر ہے تو وہ اسے ناپسند کرنے لگتا ہے۔ تو خوف کی وجہ سے خواہشات جل جاتی ہیں اور اعضاء مؤدب ہو جاتے ہیں نیز دل میں انکساری، خشوع، ذلت اور جھکاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے تکبر، کینہ اور حسد دور ہو جاتا ہے بلکہ وہ خوف کی وجہ سے غم کا شکار ہو جاتا ہے اور انجام پر نظر رکھتا ہے چنانچہ:

اب وہ غیر کے لئے فارغ ہی نہیں ہوتا اور اس کا شغل صرف مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ ہوتا ہے۔ وہ ایک ایک سانس کا حساب رکھتا اور قلبی خیالات اور کلمات پر نفس کا مواخذہ کرتا ہے اس کا حال اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو درندے کا شکار ہو جائے اور اسے معلوم نہیں کہ وہ (درندہ) اس سے غافل ہوگا اور یہ اس سے چھوٹ جائے گا یا وہ اس پر حملہ کر کے اسے ہلاک کر دے گا تو اب اس کا ظاہر و باطن اسی کے ساتھ مشغول ہوتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے کسی اور کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ اس کا حال ہے جس پر خوف غالب ہو چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ہر مسلمان مرد وعورت پر تحصیل علم فرض ہے"۔ (3) نیز فرمایا "علم حاصل کرو اگرچہ (دور دراز مقام) چین میں ہی کیوں نہ ہو"۔ (4)

اے طالب حق! تمہیں علم ہونا چاہیے کہ علم کی کوئی حد و غایت نہیں ہے اور ہماری زندگانی محدود و مختصر ہے۔ بنابریں ہر شخص پر تمام علوم کا حصول فرض قرار نہیں دیا گیا۔ جیسے علم نجوم، علم حساب اور نادر و عجیب صنائع وغیرہ۔ (5)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک جماعت کا یہی حال تھا۔

پیارے بھائیو! جس قدر خوف ہوتا ہے اسی حساب سے مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ بھی ہوتا ہے کیونکہ خوف دل کی پریشانی اور جلنے کا نام ہے اور قوتِ خوف کی بنیاد اللہ کے جلال، اس کی صفات اور افعال کی معرفت نیز نفس کے عیوب اور پیش آنے والے خطرات کی معرفت ہے۔

پیارے بھائیو! خوف کا کم از کم درجہ جس کا اثر اعمال پر ظاہر ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ ممنوعات سے روک دے اور ممنوعات سے حاصل ہونے والی یہ رکاوٹ ورع (پرہیز گاری) کہلاتی ہے اگر اس کی قوت زیادہ ہو تو وہ ان کاموں سے بھی رک جاتا ہے جن میں حرمت کا گمان ہو تو جن کی حرمت یقینی ہے ان کاموں سے کیسے باز نہیں رہے گا اور اسی کا نام تقویٰ ہے کیونکہ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ شک والے کام کو چھوڑ کر اس کام کی طرف جائے جس میں شک نہ ہو اور تقویٰ بعض اوقات اسے ان کاموں کو چھوڑنے پر بھی مجبور کرتا ہے جن میں خود تو کوئی حرج نہیں ہوتا لیکن ان کی وجہ اُن کاموں میں پڑنے کا خوف ہوتا ہے جن میں کوئی حرج ہو۔ اور یہ کیفیت صدق کہلاتی ہے۔

(فیضانِ احیاء العلوم ص ۱۴۸)

شرح (3): (سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمۃ، باب فضل العلماء، الحدیث ۲۲۴، ج۱، ص۱۴۶)

(المقاصد الحسنۃ، تحت الحدیث ۶۶۰، ص ۲۸۲)

(شعب الایمان، باب في طلب العلم، الحدیث: ۱۶۶۵، ج ۲، ص ۲۵۴)

شرح (4): (شعب الایمان، باب في طلب العلم، الحدیث: ۱۶۶۳، ج ۲، ص ۲۵۴)

شرح (5): سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

علم دین سیکھنا اس قدر ہے کہ مذہب حق سے آگاہ ہو، وضو غسل، نماز، روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔ تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارے، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن ان میں سے اس قدر سیکھنا جتنا شریعت سے متعلق ہے ضروری ہے۔ مثلاً علمِ نجوم سے اتنا سیکھنا جس سے دن ورات کے اوقات (جن سے نماز وروزے کی ادائیگی درست طریقہ پر ہوسکے) لازم ہے۔ اسی طرح علم طب سے اتنا جس سے ایام وعدت جان سکے۔ اور علم حساب سے اس قدر جس سے فرائض یعنی میراث وغیرہ کی تقسیم ہو سکے۔ غرض کہ عمل کے لیے جس قدر علم کی ضرورت ہے۔ اس کا حاصل کرنا فرض و لازم ہے۔ لیکن ایسے علوم جو کسی کو نفع نہ پہنچا سکیں اللہ تعالیٰ نے ایسے علوم کے تحصیل کی مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (6)

"وہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جو انکو ضرر پہنچائے اور انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے۔"

(البقرہ:۱۰۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے جب تک یہ حاصل کرے، جغرافیہ، تاریخ، وغیرہ میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔

حدیث میں ہے:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔

(فواتح الرحموت بذیل المستصفی، المقالۃ الثانیہ، الباب الثانی، منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۶۳)

ہر مسلمان مرد عورت پر علم کی تلاش فرض ہے۔

جو فرض چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو حدیثوں میں اس کی سخت برائی آئی اور اس کا وہ نیک کام مردود قرار پایا، کمابیّناہ فی الزکٰوۃ من فتاوٰنا نہ کہ فرض چھوڑ کر فضولیات میں وقت گنوانا، غرض یہ علوم ضرور یہ تو ضرور مقدم ہیں اور ان سے غافل ہو کر ریاضی، ہندسہ، طبعیات، فلسفہ یا دیگر خرافات وفلسفہ پڑھنے پڑھانے میں مشغولی بلاشبہہ متعلم ومدرس دونوں کے لئے حرام ہے اور ان ضروریات سے فراغ کے بعد پورا علم دین فقہ حدیث تفسیر عربی زبان اس کی صرف، نحو، معانی، بیان، لغت، ادب وغیرہا آلات علوم دینیہ بطور آلات سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے،

(فتاوی رضویہ جلد ۲۳ ص ۶۴۸ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شرح (6): وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا (پارہ ۱ سورہ البقرۃ آیت ۱۰۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے بے منفعت علم سے پناہ مانگی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ (7) ''اے خدا میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ پہنچائے۔''
یاد رکھو! علم کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ (8) تھوڑے سے علم کے لیے بھی بہت زیادہ عمل درکار ہے۔ علم و عمل دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ لہٰذا علم کے ساتھ عمل ہمیشہ پیوست رہنا چاہیے۔ اسی طرح بغیر علم کے عمل رائیگاں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَافِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُوْنَةِ (9)

''بے علم عبادت گذار اس گدھے کی مانند ہے جو آٹے کی چکی سے بندھا ہے۔''

چکی سے بندھا ہوا گدھا اگرچہ دوڑتا بھاگتا اور چلتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ہی محور میں گھومتا رہتا ہے اور کوئی مسافت طے نہیں کر پاتا۔ میں نے عام لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی دیکھا کہ وہ عمل کو علم پر فوقیت دیتا ہے۔ (10) حالانکہ ان دونوں گروہوں کے

شرح (7): سنن نسائی ۵۵۳۸

شرح (8): صرف حُصُولِ علم ہی کافی نہیں

اے پیارے بیٹے!

امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی نے ایک شفیق باپ کی طرح اپنے روحانی بیٹے کو نصیحتیں ارشاد فرما رہے ہیں اگر صرف علم حاصل کرنا ہی کافی ہوتا اور اس پر عمل کی ضرورت نہ ہوتی تو صبحِ صادق کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بے کار ہوتا اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

ہے کوئی اپنی حاجت طلب کرنے والا؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا؟ ہے کوئی گناہوں سے مُعافی چاہنے والا؟

(مسند امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ج ۴ ص ۶۹ رقم الحدیث ۱۱۲۹۵ دار الفکر بیروت) (ایھا الولد ص ۲۲)

شرح (9): (حلیۃ الاولیاء، لابی نعیم ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان، دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹)

شرح (10): سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نظریے باطل ہیں۔ اس لیے کہ بغیر علم کے عمل کو حقیقت میں عمل کہا ہی نہیں جاسکتا۔ کیونکہ عامل جبھی عمل کرتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

قصم ظهري اثنان جهل متنسك وعالم متهتك.

دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی (یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں) جاہل عابد اور عالم جو علانیہ بیباکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔

اے عزیز! شریعت عمارت ہے اور اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہرہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے، اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آ ※ سمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی اور نہ صرف نیو کہ بلکہ اعلٰی حصہ اسفل کا بھی محتاج ہے۔ اگر دیوار نیچے سے خالی کردی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی، احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کرکے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے۔ نیو سے دیوار جدا کرلی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن مجید نے فرمایا کہ

فانهار به فی نار جهنم۔ (القرآن الکریم ۹/ ۱۱۰)

اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی،

والعیاذ باللہ رب العالمین اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد، رواه الترمذی وابن ماجة عن ابن عباس رضی الله تعالى عنهما۔ (جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، امین کمپنی دہلی، ۲/ ۹۳) (سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰)

ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔)

بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد ۲۱ ص ۵۲۷۔ ۵۲۸ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ہے جبکہ پہلے اسے اس کا علم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ بندہ کو علم ہوتا ہے کہ اس عمل کے کرنے کا خدا نے اسے حکم دیا ہے۔ اس علم کے بعد بندہ اس پر عمل کرتا ہے جس سے وہ عمل کرنے کے ذریعہ اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا۔ سمجھنا یوں چاہیے کہ نماز ایک عمل ہے جب تک بندے کو پہلے طہارت کے ارکان کا علم نہ ہو۔ اسی طرح پانی کی شناخت کا علم، سمت قبلہ کا علم، کیفیت نیت کا علم، وقت نماز کا علم اور ارکانِ نماز کا علم پہلے سے نہ ہو وہ نماز صحیح کیسے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جب بغیر علم کے عمل سے بندہ بے علم ہو جاتا ہے تو جاہل کو اس سے کیسے جدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اس گروہ کا حال ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے۔ یہ نظریہ بھی باطل محال ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم کام نہ آئے گا۔ ارشاد ہے:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ O (11)

اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے (یعنی وہ کتاب پر عمل نہیں کرتے) گویا وہ لوگ جانتے ہی نہیں بے علم ہیں۔ (البقرہ:۱۰۱)

اللہ تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ میں عالم بے عمل کو علماء کے زمرے میں شمولیت کی نفی فرمائی ہے۔ (12)

شرح (11): نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ O

ترجمہ کنزالایمان: تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے (پارہ ۱ سورہ البقرۃ آیت ۱۰۱)

شرح (12): صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں ایک شاعر کے یہ اشعار سنائے:

فَسَادٌ كَبِيْرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ وَاَكْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ

ترجمہ: بے عمل عالم ایک بہت بڑا فساد ہے، اور جاہل عبادت گزار اس سے بڑا فساد ہے۔

هُمَا فِتْنَةٌ فِي الْعَالَمِيْنَ عَظِيْمَةٌ لِمَنْ بِهِمَا فِيْ دِيْنِهٖ يَتَمَسَّكُ

ترجمہ: یہ دونوں اس شخص کیلئے دونوں جہاں میں بہت بڑا فتنہ ہیں جو ان دونوں کی پیروی کرے۔

نیز طالب علم کو چاہیے کہ وہ فہم و ذکاوت اور صحت و تندرستی پر اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتا رہے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرانے اور دنیا کا مال حاصل کرنے کی نیت ہرگز ہرگز نہ کرے اور نہ ہی ارباب اقتدار کی نظر میں عزت و وقار حاصل کرنے کی نیت کرے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس لیے کہ سیکھنا، یاد کرنا، محفوظ کرنا یہ سب بھی تو عمل ہی کے قبیل سے ہیں اور اسی عمل کے ذریعہ ہی تو بندہ مستحق ثواب ہوتا ہے۔ اگر عالم کا علم اس کے اپنے کسب و فعل سے نہ ہو تو بھلا وہ کسی ثواب کا کیسے حقدار ہو سکتا ہے۔

ایسی باتیں وہی لوگ بناتے ہیں جو مخلوق میں دنیوی عزت و منزلت اور جاہ و حشمت کی خاطر علم حاصل کرتے ہیں۔ نفس علم سے انہیں کوئی لگاؤ اور سروکار نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ یقیناً علم سے بے بہرہ ہیں۔ کیونکہ وہ عمل کو علم سے جدا کرتے ہیں۔ وہ نہ تو علم کی قدر ہی جانتے ہیں اور نہ عمل سے واقف ہیں۔ بعض جاہل یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو قال ہے۔ یعنی علم کی باتیں ہیں ہمیں علم نہیں چاہیے بلکہ حال یعنی عمل چاہیے اور کوئی نادان یوں کہہ گزرتا ہے کہ عمل کی کیا ضرورت ہے؟ صرف علم ہی کافی ہے۔ حالانکہ جس طرح عمل کے بغیر علم فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح علم کے بغیر عمل سودمند نہیں ہے۔ یہ دونوں نظریے باطل ہیں۔ درحقیقت علم و عمل دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں۔

علم بے عمل کی مثال:

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا۔ اس پر لکھا تھا کہ مجھے پلٹ کر دیکھو جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو لکھا تھا "اَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ الْعِلْمَ مَالَا تَعْلَمُ" جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو اس کی تلاش کیوں کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم علم پر عمل نہیں کر سکے تو اب یہ محال ہے کہ جن باتوں کا ابھی علم نہیں اس کو تم طلب کر سکو۔ لہٰذا پہلے اپنے علم پر عمل کرو تاکہ اس کے بعد اس کی برکت سے دیگر علوم کی راہیں تم پر کھل جائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علماء کی ہمت درایت یعنی غور و خوض کرنے میں ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كَانَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عَبِيْدِيْ لَأَعْتَقْتُهُمْ وَتَبَرَّأْتُ عَنْ وَلَائِهِمْ

ترجمہ: اگر دنیا کے سارے لوگ بھی میرے غلام ہو جائیں تو میں ان سب کو آزاد کر دوں اور ان کی ولایت سے بری ہو جاؤں گا۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کو علم و عمل کی لذت حاصل ہو جائے تو پھر وہ دنیا کی لذتوں اور لوگوں کے اعزاز و اکرام پر بالکل نظر نہیں رکھتا۔ (تَعْلِيْمُ الْمُتَعَلِّمِ طَرِيْقَ التَّعَلُّمِ ص ۲۲)

سمجھوں کی ہمت روایت کرنے یعنی نقل کرنے میں ہے۔

لیکن وہ شخص جو علم کو دنیاوی عزت وجاہ کی غرض سے حاصل کرتا ہے۔ درحقیقت وہ عالم کہلانے کا ہی مستحق نہیں ہے (13) کیونکہ دنیاوی عزت وجاہ کی خواہش کرنا بجائے خود از قبیل جہالت ہے۔

شرح (13): حصولِ دنیا کے لئے علمِ دین حاصل کرنے پر چند احادیث مبارکہ

(1) اللہ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے رضائے الٰہی عزوجل کے لئے حاصل کیا جانے والا علم دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللہ، الحدیث: ۳۶۶۴، ص ۱۴۹۴)

ریاکاری کے بیان میں امام مسلم وغیرہ سے ایک حدیثِ پاک روایت کی گئی ہے جس میں یہ تھا:

(2) شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ایک شخص ساری زندگی علم سیکھتا اور سکھاتا رہا اور قرآن پڑھتا رہا، جب اسے قیامت کے دن اللہ عزوجل کی بارگاہ میں لایا جائے گا تو اللہ عزوجل اسے اپنی نعمتیں یاد کرائے گا، جب وہ بندہ ان نعمتوں کا اعتراف کر لے گا تب اللہ عزوجل اس سے پوچھے گا: تو نے ان نعمتوں کے بدلے میں کیا کیا؟ تو وہ عرض کریگا میں تیرے لئے علم سیکھتا اور سکھاتا اور قرآن پڑھتا رہا۔ تو اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے علم تو اس لئے حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے اور وہ تجھے کہہ لیا گیا۔ پھر اس کے بارے میں جہنم کا حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل للریاء والسمعۃ الخ، الحدیث: ۴۹۲۳، ص ۱۰۱۸)

(3) دافعِ رنج وملال، صاحبِ جودونوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جس نے علماء سے مقابلہ کرنے بیوقوفوں سے جھگڑنے یا لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کیا اللہ عزوجل اسے جہنم میں ڈال دے گا۔ (جامع الترمذی، ابواب العلم، باب فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، الحدیث: ۲۶۵۴، ص ۱۹۱۹)

(4) رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جس نے بیوقوفوں کے ساتھ جھگڑنے، علماء پر فخر کرنے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کیا، وہ جہنمی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب الانتفاع بالعلم الخ، الحدیث: ۲۵۳، ص ۲۴۹۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس لئے کہ علم بذات خود بلند تر مرتبہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ ہے ہی نہیں۔ جب وہ اس ظاہری علم کے مرتبہ سے ہی نادان ہے تو بھلا وہ ربانی لطائف واسرار کو کیسے جان سکے گا۔

علم کی اقسام:

اے طالب حق! یادرکھو کہ علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علم اللہ تعالیٰ کا ہے اور دوسرا علم مخلوق کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کے کسی صفت کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ اس کا علم موجودہ معدوم سب پر حاوی ہے۔ اور ہمارا علم یعنی مخلوق کا علم ہماری صفت ہے جو خدا کی عطا کردہ ہے اور ہمارے ساتھ قائم ہے۔ مخلوق کی تمام صفتیں متناہی اور محدود ہیں۔ مخلوق کا بمقابلہ علم الٰہی کوئی حقیقت و نسبت ہی نہیں رکھتا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (14) ''جس قدر تمہیں علم کا حصہ دیا گیا ہے در حقیقت بہت تھوڑا ہے۔'' (15) (بنی اسرائیل: ۸۵)

غرضیکہ علم اوصاف مدح میں سے ہے اور اس کی تعریف، معلوم کو گھیرنا اور معلوم کا اظہار و بیان ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (5) سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جس نے علماء کے سامنے فخر کرنے، جاہلوں سے جھگڑنے یا لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کیا اللہ عزوجل اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الطھارۃ، باب الانتفاع بالعلم والعمل الخ، الحدیث: ۲۶۰، ص ۲۴۹۳، بماری بدلہ بجاری)

(6) سیّدُ المبلغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے: علماء کے سامنے فخر کرنے بیوقوفوں سے جھگڑنے اور مجلس آراستہ کرنے کے لئے علم نہ سیکھو کیونکہ جو ایسا کرے گا تو (اس کے لئے) آگ ہی آگ ہے۔ (المرجع السابق، الحدیث: ۲۵۴، لاتجبر وابدلہ تخیروا)

شرح (14): وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا o

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔ (پ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۵)

شرح (15): مخلوق کا علم

مفسّرِ شہیر، خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدرالافاضل، سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں ان آیاتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن سب سے بہترین تعریف یہ ہے کہ:

اَلْعِلْمُ صِفَةٌ یُصِیْرُ الْجَاهِلَ بِهَا عَالِماً

"علم ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ جاہل، عالم بن جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَاللهُ مُحِيْطٌم بِالْكَافِرِيْنَ"۔ (16) اللہ کا علم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ (البقرہ:۱۹) نیز ارشاد ہے "وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ"۔ (17) اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔ (النور: ۳۵) اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ذاتی صفت ہے۔ (18) وہ ہر معدوم وموجود کو جانتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قریش مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور ان میں باہم گفتگو یہ ہوئی کہ محمدِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم میں رہے اور کبھی ہم نے ان کو صدق وامانت میں کمزور نہ پایا کبھی ان پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ نہ آیا، اب انہوں نے نبوّت کا دعوٰی کردیا تو ان کی سیرت اور ان کے چال چلن پر کوئی عیب لگانا تو ممکن نہیں ہے، یہود سے پوچھنا چاہیئے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے، اس مطلب کے لئے ایک جماعت یہود کے پاس بھیجی گئی، یہود نے کہا کہ ان سے تین سوال کرو اگر تینوں کے جواب نہ دیں تو وہ نبی نہیں اور اگر تینوں کا جواب دے دیں جب بھی نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دے دیں ایک کا جواب نہ دیں تو وہ سچّے نبی ہیں، وہ تین سوال یہ ہیں اصحابِ کہف کا واقعہ، ذوالقرنین کا واقعہ اور روح کا حال چنانچہ قریش نے حضور سے یہ سوال کئے آپ نے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے واقعات تو مفصّل بیان فرمادیئے اور روح کا معاملہ ابہام میں رکھا جیسا کہ توریت میں مبہم رکھا گیا تھا قریش یہ سوال کرکے نادم ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سوال حقیقتِ روح سے تھا یا اس کی مخلوقیت سے، جواب دونوں کا ہوگیا اور آیت میں یہ بھی بتادیا گیا کہ مخلوق کا علم علمِ الٰہی کے سامنے قلیل ہے اگرچہ مَا اُوْتِيْتُم کا خِطاب یہود کے ساتھ خاص ہو۔

شرح (16): وَاللهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (پ ۱ سورۃ البقرۃ آیت ۱۹)

شرح (17): وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ سب کچھ جانتا ہے (پ ۲۸ سورۃ التغابن آیت ۱۱)

شرح (18): اُس کا علم ہر شے کو محیط یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، محالات، سب کو اَزل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور اَبد تک جانے گا، اشیاء بدلتی ہیں اور اُس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطروں اور وَسوسوں پر اُس کو خبر ہے اور اُس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

اس میں نہ کوئی مخلوق شریک ہے اور نہ اس کا علم متجزی و منقسم ہوسکتا ہے اور نہ اس سے منفک
ہوسکتا ہے۔ اس کے علم پر دلیل اس کے فعل کا مرتب ہونا ہے۔ یعنی بحکم علم فاعل، فعل کا اقتضاء کرنا ہے۔
کا علم اسرار کے ساتھ لاحق اور اظہار کے ساتھ محیط ہے۔ طالب حق کو چاہیے کہ خدا کے مشاہدے میں
کرے۔ مطلب یہ کہ بندہ اعتقاد رکھے کہ وہ خدا کے علم میں ہے اور وہ اس کے افعال کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔

معائنہ الٰہی کی مثال:

بصرہ میں ایک رئیس تھا۔ ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا تو باغبان کی بیوی کے حسن و جمال پر اس کی
پڑ گئی۔ رئیس نے اس کے شوہر کو کسی بہانے سے باہر بھیج دیا اور عورت سے کہا دروازے بند کر دو۔ عورت
نے آ کر کہا میں نے مکان کے تمام دروازے تو بند کر دیے ہیں لیکن ایک دروازہ میں بند نہیں کر سکتی ہوں
رئیس نے پوچھا وہ کونسا دروازہ ہے؟ عورت نے کہا وہ دروازہ ہمارے اور خدا کے درمیان کا ہے۔ رئیس
شرمندہ اور پشیمان ہو کر توبہ واستغفار کرنے لگا۔

چار سبق آموز باتیں:

حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے چار باتوں کا علم حاصل ہوا ہے۔ میں عالم
تمام علوم سے بے پروا ہو گیا ہوں۔ لوگوں نے دریافت کیا وہ کونسی چار باتوں کا علم ہے؟ انہوں نے فر
ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے۔ جس میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ لہٰذا از
کی خواہش سے بے نیاز ہوں اور دوسری یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ خدا کا مجھ پر حق ہے۔ جسے میرے
کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں اس کی ادائیگی میں مشغول ہوں اور تیسری یہ کہ میرا کوئی طالب ہے
یعنی موت میری خواستگار ہے جس سے میں راہ فرار اختیار کر نہیں سکتا لہٰذا میں نے اسے پہچان لیا ہے
چوتھی یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا کوئی مالک ہے جو ہمہ وقت مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں اس سے شرم کر
ہوں اور نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں۔ بندہ جب اس سے باخبر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے تو
کوئی کام ایسا نہیں کرتا جس کی وجہ سے قیامت کے دن اسے شرمسار ہونا پڑے۔

فرض علوم:

ہر شخص پر لازم ہے کہ احکامِ الٰہی اور معرفتِ ربانی کے علم کے حصول میں مشغول رہے۔ بندے کا
وقت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے۔ یعنی جس وقت پر جس علم کی ضرورت ہو خواہ وہ ظاہر میں ہو یا باطن میں

کا حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔ (19)

اس علم کے دو حصے ہیں۔ایک کا نام علم اصول ہے اور دوسرے کا نام علم فروع۔ظاہر علم اصول میں کلمہ شہادت یعنی اشھد ان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہے اور باطن علم اصول میں تحقیق معرفت (20) یعنی حق تعالیٰ کی معرفت میں کوشش کرنا ہے اور ظاہر علم فروع میں لوگوں سے

شرح (19): حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعا کی شرح میں فرماتے ہیں حضرت سری سقطی نے اس طرف اشارہ فرمایا جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔(احیاء العلوم ص ۱۳ ج ۱)

حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے پیر حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دعا دی اللہ تمہیں حدیث دان بنا کر پھر صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے۔

(احیاء العلوم جلد ۱ ص ۱۳)

حضرت امام قُشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب رسالہ قُشیریہ میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں: جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے آگاہ نہیں طریقت میں اس کی اقتداء نہ کریں اور اسے اپنا پیر نہ بنائیں کیونکہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب وسنت کا پابند ہے۔

(رسالہ قشیریہ ص ۲۴ مطبوعہ مصر)

حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ تھے اور ہم اللہ تعالیٰ تک پہنچ گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟ فرمایا وہ سچ کہتے ہیں وہ پہنچنے والے ضرور ہیں مگر کہاں تک؟ جہنم تک ※ ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے تو چور اور زانی بہتر ہیں۔میں اگر ہزار سال تک بھی زندہ رہوں تو فرائض وواجبات تو بڑی چیز ہیں۔میں نے جو نوافل ومستحبات مقرر کر لئے ہیں ان میں سے بھی کچھ کم نہ کروں گا۔(الیواقیت والجواہ للامام الشعرانی جلد ۱ ص ۱۳۹)

شرح (20): اے میرے بھائی! جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت دلوں میں قرار پکڑ لیتی ہے تو انہیں محبوبِ حقیقی عَزَّوَجَلَّ کے انوار سے روشن کر دیتی ہیں۔محبت کی بدولت دل میں سات ثمرات پھلتے ہیں، جن کے بغیر معرفت الٰہی عَزَّوَجَلَّ کا چراغ روشن نہیں ہوتا:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حسن معاملہ اور باطن علم فروع میں نیت کا صحیح ودرست رکھنا ہے۔ان میں سے ہر ایک کا قیام بغیر دوسرے
کے محال وناممکن ہے۔اس لیے کہ ظاہر حال، باطنی حقیقت کے بغیر نفاق ہے۔اسی طرح باطن بغیر ظاہر کے
زندقہ اور بے دینی ہے۔ظاہر شریعت، بغیر باطن کے ناقص وناممکمل ہے اور باطن بغیر ظاہر کے ہواوہوس۔

علم حقیقت (21) کے ارکان:

علم حقیقت یعنی باطن علم اصول کے تین رکن ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) نیت میں اخلاص (۲)۔خشیتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ (۳)۔اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ثواب کی اُمید
(۴)۔اس کے ساتھ سچا رہنا (۵)۔اسی پر توکل کرنا (۶)۔اس سے اچھا گمان رکھنا اور (۷)۔اسی کی طرف لگن
شوق ہونا۔جس طرح درج ذیل سات اشیاء کے بغیر چراغ نہیں جلتا جیسے (۱)۔زناد (وہ پتھر جس کو رگڑ کر آگ
نکالی جاتی ہے) (۲)۔پتھر (۳)۔آگ پکڑ لینے والی کوئی چیز مثلاً کپڑا (۴)۔گندھک (۵)۔چراغ دان (۶)
تیل اور (۷)۔فتیلہ۔اسی طرح مذکورہ سات چیزوں کے بغیر معرفتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کا چراغ بھی روشن نہیں ہوتا۔
(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ ص۲۹۹)

شرح (21): امام عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں اس قسم کے
بیانات کے دریا لہرا رہے ہیں اور صفحات کے صفحات بھرے ہوئے ہیں ان میں سے چند ایک عبارتیں ہم نقل
کرتے ہیں۔فرمایا: یہ اس لئے کہ حقیقت میں انہوں نے یعنی مجتہدین نے اپنے مذاہب کے اصولوں کی بنیاد
حقیقت پر رکھی ہے۔جو شریعت کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور ان کے مذاہب کی بنیاد شریعت کی سیدھی حد پر ہے۔بلاشبہ
علمائے حقیقت بھی تھے بخلاف اس کے جو بعض مقلدین نے گمان کرلیا کہ وہ علمائے حقیقت نہیں محض علمائے
شریعت ہیں۔پھر امام شعرانی نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا جو شخص ہم سے اس معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ائمہ کرام کے
مرتبے سے جاہل ہے۔اللہ کی قسم قطعاً یقیناً وہ علمائے کرام شریعت وطریقت کے جامع تھے۔پھر امام شعرانی رحمۃ
اللہ علیہ حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے کانوں سے سنا ہوا وہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔جس سے
مجتہدین کرام کا بلند مرتبہ اور حقیقت وشریعت دونوں میں ان کا اولیاء کا امام ہونا دوپہر کے سورج اور چودھویں رات
کے چاند کی طرح واضح وروشن ہوجائے فرماتے ہیں۔میں نے حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے
سنا ائمہ کرام نے اپنے مذاہب کی تائید شریعت کے ساتھ حقیقت کے اصول پر چلنے سے فرمائی تا کہ اپنے
پیروکاروں پر ظاہر کردیں کہ وہ دونوں طریقوں کے علماء ہیں اور ارشاد فرماتے تھے۔کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) ذات باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور اس کے غیر سے مشابہت کی تنزیہہ ونفی کا علم۔ (۲) صفاتِ باری تعالیٰ اور اس کے احکام کا علم۔ (۳) افعالِ باری تعالیٰ یعنی تقدیر الٰہی اور اس کی حکمت کا علم۔

علم شریعت کے ارکان:

علم شریعت یعنی ظاہر علم اصول کے بھی تین رکن ہیں: (۱) کتاب یعنی قرآن کریم۔ (۲) اتباع رسول یعنی سنت۔ (۳) اجماع امت۔

دلائل و براہین:

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے اثبات کے علم میں خود اسی کا ارشاد، دلیل و برہان ہے۔ فرماتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (22) "جان لو یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" (محمد:۱۹)

ارشاد ہے:

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ (23) "جان لو یقیناً اللہ ہی تمہارا مولیٰ اور کارساز ہے۔" (الانفال:۴۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ائمہ اربعہ میں سے کسی کے اقوال میں سے ایک قول کا بھی دائرہ شریعت سے خارج ہو جانا اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ مجتہدین کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کی مراد پر مطلع ہیں اور اس لئے کہ وہ صحیح کشف رکھتے ہیں اور اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کی روح حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارک کے ساتھ جمع ہوتی ہے اور جس مسئلہ میں دلائل کی وجہ سے توقف ہو تو وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھ لیتے ہیں کہ یہ حضور کا ارشاد ہے یا نہیں وہ اہل کشف کی شرائط کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جاگتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کتاب وسنت سمجھتے ہیں پھر اسے اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہم اس آیت سے یہ سمجھے اور حضور کی فلاں حدیث سے یہ سمجھے حضور اسے پسند فرماتے ہیں یا نہیں۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ص ۴۷)

شرح (22): فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ کنزالایمان: تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں (پ ۲۶ سورۃ محمد آیت ۱۹)

شرح (23): وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے (پ ۱۵ سورۃ انفال آیت ۴۰)

فرمان ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ۔ (24) "کیا تم نے اپنے رب کی قدرت کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیسا دراز کیا۔" (الفرقان: ۴۵)

فرماتا ہے:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۔ (25) "کیا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کیسا پیدا کیا گیا۔" (الغاشیہ: ۱۷)

اس قسم کی بکثرت آیات قرآنیہ ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے افعال پر غور وفکر کرنے سے اس کے صفات فاعلیہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ عَلِمَ اِنَّ اللهَ رَبُّه، وَاَنِّیْ نَبِيُّه، حَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی لَحْمَه، وَدَمَه، عَلَى النَّارِ۔ (26) "جس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا رب ہے اور یہ کہ میں اسی کا نبی ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گوشت اور

شرح (24): اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ۔

ترجمہ کنز الایمان: اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلایا سایہ

(پ ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۴۵)

شرح (25): اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝

ترجمہ کنز الایمان: تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا (پ ۳۰ سورۃ الغاشیہ آیت ۱۷)

شرح (26): حضرت حق سبحانہ وتبارک وتعالیٰ شانہ واحد ہے۔ (اپنی ربوبیت والوہیت میں، کوئی اس کا شریک نہیں، وہ یکتا ہے اپنے افعال میں، مصنوعات کو تنہا اسی نے بنایا۔ وہ اکیلا ہے اپنی ذات میں کوئی اس کا قسیم نہیں۔ بیگانہ ہے اپنی صفات میں۔ کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ ذات وصفات میں یکتا و واحد مگر) نہ عدد سے (کہ شمار و گنتی میں آسکے اور کوئی اس کا ہم ثانی وجنس کہلا سکے تو اللہ کے ساتھ، اس کی ذات وصفات میں، شریک کا وجود، محض وہم انسانی کی ایک اختراع وایجاد ہے) خالق ہے۔ (ہر شے کا، ذوات ہوں خواہ افعال، سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں) نہ علت سے (اس کے افعال نہ علت وسبب کے محتاج، نہ اس کے فعل کے لیے کوئی غرض، کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے افعال کے لیے غایت، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے خون کو آگ پر حرام کر دیا ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے۔ فعال ہے (ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا) نہ جوارح (وآلات) سے (جب کہ انسان اپنے ہر کام میں اپنے جوارح یعنی اعضائے بدن کا محتاج ہے۔ مثلاً علم کے لیے دل و دماغ کا۔ دیکھنے اور سننے کے لیے آنکھ، کان کا، لیکن خداوند قدوس کہ ہر پست سے پست آواز کو سنتا اور ہر باریک سے باریک کو کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو دیکھتا ہے، مگر کان آنکھ سے اس کا سننا دیکھنا اور زبان سے کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اجسام ہیں۔ اور جسم وجسمانیت سے وہ پاک) قریب ہے۔ (اپنے کمالِ قدرت وعلم ورحمت سے) نہ (کہ) مسافت سے (کہ اس کا قرب ماپ و پیمائش میں سما سکے) ملک (وسلطان وشہنشاہ زمین وآسمان) ہے مگر بے وزیر (جیسا کہ سلاطین دنیا کے وزیر باتدبیر ہوتے ہیں کہ اس کے امورِ سلطنت میں اس کا بوجھ اٹھاتے اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔) والی (ہے۔ مالک وحاکم علی الاطلاق ہے۔ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے مگر) بے مشیر (نہ کوئی اس کو مشورہ دینے والا۔ نہ وہ کسی کے مشورہ کا محتاج، نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا۔ ولایت، ملکیت، مالکیت، حاکمیت، کے سارے اختیارات اسی کو حاصل، کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذات پاک پر دسترس نہیں، ملک وحکومت کا حقیقی مالک کہ تمام موجودات اس کے تحتِ ملک وحکومت ہیں، اور اس کی مالکیت و سلطنت دائمی ہے جسے زوال نہیں) حیات وکلام وسمع وبصر وارادہ وقدرت وعلم (کہ اس کے صفات ذاتیہ ہیں اور ان کے علاوہ تکوین وتخلیق ورزاقیت یعنی مارنا، جلانا، صحت دینا، بیمار کرنا، غنی کرنا، فقیر کرنا، ساری کائنات کی ترتیب فرمانا اور ہر چیز کو بتدریج اس کی فطرت کے مطابق کمالِ مقدار تک پہنچانا، انہیں ان کے مناسبِ احوال روزی رزق مہیا کرنا) وغیرہا (صفات جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور جنہیں صفاتِ اضافیہ اور صفاتِ فعلیہ بھی کہتے ہیں اور جنہیں صفات تخلیق وتکوین کی تفصیل سمجھنا چاہیے، اور صفاتِ سلبیہ یعنی وہ صفات جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ اور مبرّا ہے، مثلاً وہ جاہل نہیں عاجز نہیں، بے اختیار و بے بس نہیں، کسی کے ساتھ متحد نہیں جیسا کہ برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتا ہے، غرض وہ اپنی صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ اضافیہ اور صفات سلبیہ) تمام صفات کمال سے ازلاً ابداً موصوف (ہے، اور جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں، اور ذات و صفات باری تعالیٰ کے سوا سب چیزیں حادث ونو پید، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، صفات الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے گمراہ بے دین ہے۔ اس کی ذات وصفات) تمام شیون (تمام نقائص تمام کوتاہیوں سے) وشین و عیب (ہر قسم کے نقص ونقصان) سے اوّلاً و آخراً بری (کہ جب وہ مجتمع ہے تمام صفات کمال کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علم ذات باری (27) کے شرائط:

ذات باری تعالیٰ کے علم کی شرط یہ ہے کہ ہر عاقل و بالغ یہ اعتقاد رکھے کہ حق تعالیٰ موجود، اپنی ذات

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جامع ہے ہر کمال وخوبی کا، تو کسی عیب کسی نقص، کسی کوتاہی کا اس میں ہونا محال، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان وہ بھی اس کے لیے محال) ذات پاک اس کی نِدّ وضد (نظیر ومقابل) شبیہ ومثل (مشابہ ومماثل) کیف وکم (کیفیت ومقدار) شکل وجسم وجہت ومکان وامد (غایت وانتہا اور) زمان سے منزّہ (جب عقیدہ یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ قدیم ازلی ابدی ہے اور اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ان تمام چیزوں سے جو حادث ہیں یا جن میں مکانیت ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری طرف نقل وحرکت، یا ان میں کسی قسم کا تغیر پایا جانا، یا اس کے اوصاف کا متغیر ہونا، یا اس کے اوصاف کا مخلوق کے اوصاف کے مانند ہونا، یہ تمام امور اس کے لیے محال ہیں، یا یوں کہئے کہ ذاتِ باری تعالیٰ ان تمام حوادث وحوائج سے پاک ہے جو خاصہ بشریت ہیں) نہ والد ہے نہ مولود (نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، کیونکہ کوئی اس کا مجالس وہم جنس نہیں، اور چونکہ وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث ومخلوق کی شان) نہ کوئی شے اس کے جوڑ کی (یعنی کوئی اس کا ہمتا کوئی اس کا عدیل نہیں۔ مثل ونظیر وشبیہ سے پاک ہے اور اپنی ربوبیت والوہیت میں صفاتِ عظمت وکمال کے ساتھ موصوف) اور جس طرح ذات کریم اس کی، مناسبتِ ذوات سے مبرّا اسی طرح صفاتِ کمالیہ اس کی، مشابہت صفات سے معرّا (اس کا ہر کمال عظیم اور ہر صفت عالی، کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف واعلیٰ ہو اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی)

مسلمان پر لا الٰہ الّا اللہ ماننا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو احد، صمد، لاشریک لہ جاننا فرض اول و مدار ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں کہ لا الہ الا اللہ (اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں) نہ صفات میں کہ لیس کمثلہ شیئ۔ ا۔ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اسماء میں کہ هل تعلم له سميا۔ ۲۔ کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو؟ نہ احکام میں کہ ولا يشرك في حكمه احدا۔ ۳۔ اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا، نہ افعال میں کہ هل من خالق غير الله۔ ۴۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے، نہ سلطنت میں کہ ولم يكن له شريك في الملك۔ ۵۔ اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو جس طرح اس کی ذات اور ذاتوں کے مشابہ نہیں یونہی اس کی صفات بھی صفاتِ مخلوق کے مماثل نہیں۔ (۱۔ القرآن الکریم ۴۲/ ۱۱) (۲۔ القرآن الکریم ۱۹/ ۶۵) (۳۔ القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶) (۴۔ القرآن الکریم ۳۵/ ۳) (۵۔ القرآن الکریم ۲۵/ ۲)

شرح (27): لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○

ترجمہ کنزالایمان: اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے (پ ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱)

میں قدیم بے حد و حدود ہے اور اس کا کوئی مکان اور جہت نہیں ہے۔ اس کی ذات کے لیے تغیر و تبدل ہے اور نہ کسی آفت کا صدور۔ کوئی مخلوق اس کی مانند نہیں ہے اور نہ اس کی بیوی بچے ہیں۔ تمہاری عقل و خیال میں جو صورت و شبیہ آئے وہ اس کی پیدا کردہ ہے۔ سب کا وہی خالق ہے وہی باقی ہے۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (28) ''کوئی شے اس کی مثال نہیں وہی سننے دیکھنے والا ہے۔'' (الشوریٰ:۱۱)

علم صفات باری کے شرائط:

صفاتِ باری تعالیٰ کے علم کی شرط یہ ہے کہ عاقل و بالغ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کی تمام صفتیں اسی کے ساتھ ہیں مطلب یہ کہ اس کی صفتیں نہ تو اس کی ذات ہیں اور نہ اس کا غیر۔ وہ اپنی ہی صفات کے ساتھ دائم ہے۔ جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور بقا وغیرہ۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (29) بے شک وہی سینوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ (الانفال:۴۳)

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (30) اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ (ال عمران:۲۹)

شرح (28): ہمارے عقائد

عقیدہ: اُس کی صفتیں نہ عین ہیں نہ غیر، یعنی صفات اُسی ذات ہی کا نام ہو ایسا نہیں اور نہ اُس سے کسی طرح کسی نحوِ وجود میں جدا ہو سکیں کہ نفسِ ذات کی مقتضٰی ہیں اور عینِ ذات کو لازم۔

عقیدہ: جس طرح اُس کی ذات قدیم اَزلی اَبدی ہے، صفات بھی قدیم اَزلی اَبدی ہیں۔

عقیدہ: اُس کی صفات نہ مخلوق ہیں نہ زیرِ قدرت داخل۔

عقیدہ: ذات و صفات کے سِوا سب چیزیں حادث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں۔

عقیدہ: صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے، گمراہ بددین ہے۔

شرح (29): اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

ترجمہ کنز الایمان: بیشک وہ دلوں کی بات جانتا ہے (پ۱۰ سورۃ الانفال آیت ۴۳)

شرح (30): وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○

ترجمہ کنز الایمان: اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے (پ۳ سورۃ ال عمران آیت ۲۹)

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (31) وہی سننے دیکھنے والا ہے۔ (الشوریٰ:۱۱)

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (32) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔(ھود:۱۰۷)

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (33) وہی زندہ و باقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔(المومن:۶۵)

قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ (34) اس کا کلام سچا ہے اور اسی کا ملک ہے۔ (الانعام:۷۳)

افعال باری تعالیٰ کا علم:

علم افعال باری تعالیٰ کے اثبات میں یہ ہے کہ بندہ اعتقاد رکھے کہ تمام مخلوق اور جو کچھ اس کائنات میں ہے سب کا پیدا کرنے والا اور ان کی تدبیر فرمانے والا وہی ہے۔ ارشاد حق ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (35) "اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو جسے تم عملی جامہ پہناتے ہو۔"

یہ جہان ناپید و معدوم تھا۔ اسی کی تخلیق سے وجود میں آیا۔ اسی نے ہر خیر و شر نیک و بد کی تقدیر فرمائی اور وہی ہر نفع و نقصان کا پیدا کرنے والا ہے۔ جیسے کہ فرمایا

"اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (36) اللہ ہر شے کا خالق ہے۔(الزمر:۶۲)

شرح (31): وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ٥

ترجمہ کنز الایمان: اور وہی سنتا دیکھتا ہے (پ ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱)

شرح (32): فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ٥

ترجمہ کنز الایمان: ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا (پ ۳۰ سورۃ البروج آیت ۱۶)

شرح (33): هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

ترجمہ کنز الایمان: وہی زندہ ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں (پ ۲۴ سورۃ المومن آیت ۶۵)

شرح (34): قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَلَهُ الْمُلْكُ

ترجمہ کنز الایمان: اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے (پ ۷ سورۃ الانعام آیت ۷۳)

شرح (35): وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ٥

ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو (پ ۷ سورۃ الصافات آیت ۹۶)

شرح (36): اَللّٰهُ خٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ ز

ترجمہ کنز الایمان: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے (پ ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۶۲)

احکام شریعت کا اثبات:

احکام شریعت کے اثبات کی دلیل یہ ہے کہ بندہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری جانب معجزات اور خوارقِ عادات کے ساتھ خدا کے بکثرت رسول مبعوث ہوئے ہیں اور ہمارے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثنا خدا کے برحق رسول ہیں۔ آپ کے معجزات بہت ہیں (37) اور آپ نے جو بھی غیب وظاہر کی باتیں بیان فرمائیں سب حق ہیں۔

شریعت اسلامیہ کا پہلا رکن کلام مجید ہے۔

اس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ "اس میں محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں۔" (ال عمران: ۷)

اور دوسرا رکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

اس بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا۔ (38) "یہ رسول جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں باز رہو۔" (الحشر: ۷)

شرح (37): معجزات کثیرہ

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد کا ہزار دو ہزار کی گنتیوں سے شمار کرنا انتہائی دشوار ہے۔ آپ کی ذات مقدسہ تمام انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کا مجموعہ ہے۔ اور ان کے علاوہ خداوند قدوس نے آپ کو دوسرے ایسے بے شمار معجزات بھی عطا فرمائے ہیں جو کسی نبی و رسول کو نہیں دیئے گئے۔ اس لیے یہ کہنا آفتاب سے زیادہ تابناک حقیقت ہے کہ آپ کی مقدس زندگی کے تمام لمحات درحقیقت معجزات کی ایک دنیا اور خوارق عادات کا ایک عالم اکبر ہیں۔

هُوَ الَّذِيۡٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ

ترجمہ کنزالایمان: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنیٰ رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں (پ ۳ سورۃ آل عمرٰن آیت ۶۲)

شرح (38): وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا

ترجمہ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو

(پ ۲۸ سورۃ الحشر آیت ۷)

اور تیسرا رکن اجماعِ امت ہے۔

اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا تَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ (39) "میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی۔ تم بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔" (ابن ماجہ)

اسی طرح حقیقت کے احکام بھی بکثرت ہیں۔ اگر ان سب کو کوئی یکجا کر کے لکھنا چاہیں تو ناممکن ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے لطائف واَسرار کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

ملحد اور بے دینوں کی مذمت (40)

یاد رہنا چاہئے کہ ملحد اور بے دینوں کا ایک گروہ سوفسطائیہ ہے (اللہ کی لعنت ان پر)۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ کسی قسم کا علم درست نہیں ہے اور علم بجائے خود کوئی شے نہیں ہے۔ اس کے جواب میں ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ بتاؤ یہ جو تم نے جانا ہے کہ کسی چیز کا علم درست نہیں ہے یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے یا نہیں۔ اگر یہ جواب دو کہ یہ بات صحیح ہے تو تم نے خود علم کا اقرار کر لیا اور اگر یہ کہو کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے تو جو چیز بجائے خود صحیح و درست نہ ہو اس سے محاسبہ کرنا محال ہے۔ ایسے شخص سے بات کرنا بھی دانائی نہیں ہے۔ بے دینوں کا وہ گروہ جو اس نظریہ پر باتیں کرتا اور خیال رکھتا ہے کہ ہمارا علم کسی چیز میں صحیح نہیں ہے لہٰذا ہر چیز

شرح (39): (المستدرک للحاکم، کتاب العلم، دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵۔ ۱۱۴) (الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، حدیث ۴۵۹، المکتبۃ الاسلامی بیروت ص ۱۹۰) (سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن باب السواد الاعظم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۲)

شرح (40): یہ زمانہ جس پُرخطر دور سے گزر رہا ہے وہ سب پر ظاہر ہے کہیں الحاد و بے دینی کی ہوائیں چل رہے ہیں کہیں بدمذہبی کی آندھیاں اٹھ رہی ہیں، ہر روز نئے نئے فرقے جنم لے رہی ہیں اور ہر فرقہ بغل میں قرآن دبا کر ہی دام فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جس کو دیکھو قرآن سنا سنا کر اپنی سچائی کا اعلان کر رہا ہے۔ جاہل سے جاہل بھی اپنے کو علامہ زمان سمجھ کر اکابرین اسلام بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذات بابرکات پر بھی زبان طعن دراز کرنے سے نہیں چوکتا اور اپنے مقصد کیلئے قرآن کریم ہی کو پیش کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہے اور ترجمہ قرآن کی آڑ میں بے دینی پھیلا رہا ہے یہی وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے اس وقت زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس زمانے میں دین سلامت لے گیا۔ (حدیث)

کے علم کو ترک کرنا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ کامل ہے۔ تو ان کا یہ نظریہ وخیال ان کی حماقت و جہالت پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ علم کا ترک کرنا دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ کسی علم سے ہوگا یا وہ جہل و نادانی سے۔ اگر کسی علم سے ترک کیا جائے تو علم نہ کسی علم کی نفی کرتا ہے اور نہ ضد و مقابلہ میں آتا ہے لہٰذا علم کے ذریعہ علم کی نفی و ترک محال ہے لامحالہ کسی علم کا ترک جہل و نادانی ہی سے ہوگا اگر یہ صحیح ہے تو اس سے علم کی نفی سراپا جہل ہے اور اس کا ترک کرنا سراسر حماقت و جہالت ہے۔ کیونکہ جہالت قابل مذمت اور قبیح صفت ہے اور یہ کہ جہل قرینہ کفر و باطل ہے۔ (41) حق کو جہل سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ یہ بات تمام مشائخ

شرح (41): جہالت سے بڑھ کر؟

حضرت سیّدُنا سہل تستری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں جہالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوتی۔ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے پوچھا گیا، کیا آپ کے نزدیک کوئی چیز جہالت سے بھی زیادہ بری ہے، فرمایا، ہاں اور وہ یہ کہ بندے کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہ ہو (اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھدار اور فہیم خیال کرتا رہے)۔ اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے سچ فرمایا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی جہالت سے غافل ہوتا ہے تو سیکھنے کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو جاتا ہے بھلا وہ شخص کیا سیکھے گا جو اپنی نظر میں بہت بڑا عالم اور سمجھدار ہو۔

اسی طرح علم کے ساتھ اللہ (عزوجل) کی عبادت سب سے افضل ہے اور علم کی بنیاد یہ ہے کہ بندے کو علم کے بارے میں معلومات ہوں یعنی وہ اپنے علم کو خود جانے بخلاف اس جاہل کے جو اپنی جہالت کو نہیں سمجھتا اور جہالت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اپنی جہالت کو نہ سمجھے کیونکہ جو شخص علم نافع اور نقصان دہ علم میں تمیز نہیں کر سکتا وہ اُن بے فائدہ اور خود ساختہ علوم میں گرفتار رہتا ہے جس پر لوگ اوندھے پڑے ہیں اور جو علم حصول دنیا کا ذریعہ ہیں یہ بات جہالت کا مادّہ اور فسادِ عالم کی بنیاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص جہالت کی وجہ سے نیکی حاصل کرنے کے لئے گناہ کو ذریعہ بناتا ہے اسکا عذر قبول نہیں کیا جائے گا رب لم یزل (عزوجل) فرماتا ہے:

اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: تو اے لوگو علم والو سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو (پارہ ۱۷، سورۃ انبیاء، آیت ۷)

اور محبوب رحمن، سرور ذی شان (عزوجل و) کا فرمان عبرت نشان ہے:

لَا یُعْذَرُ الْجَاهِلُ عَلَى الْجَهْلِ وَلَا یَحِلُّ لِلْجَاهِلِ اَنْ یَّسْكُتَ عَلٰى جَهْلِهٖ وَلَا لِلْعَالِمِ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طریقت کے برخلاف ہے جب عوام اس کی احمقانہ باتیں سنیں گے توان کو یہ کہنے کی جرأت ہوگی کہ تمام اہل تصوف کا مذہب یہی ہے اور یہ ہی ان کا عقیدہ ہے۔ اس طرح عوام کا اعتقاد متزلزل اور پراگندہ ہو جائے گا اور حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت جاتی رہے گی لہٰذا ان کی باتوں کو خدا کے حوالہ کرتے ہیں تاکہ ملحد و بے دین اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں اگر دین حق انہیں قابو میں لے کر ان کی گردن پکڑتا تو ان کی حالت اس سے بہتر ہوتی اور دین کی رعایت کے حکم کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ محبوبانِ خدا کو ناپسند و مکروہ نہ کہتے اور اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے۔

ملحدوں کا یہ گروہ جو ضد و اصرار میں مبتلا ہے اگر دین کے حسن و جمال کے ذریعہ اپنی آفتوں سے رستگاری پاتا اور عزت و منزلت کے سایہ میں اپنی زندگی گزارتا اور اہل حق کے ساتھ مکابرہ و مجادلہ سے پیش نہ آتا اور ان کی عزت و کرامت کو پائمال نہ کرتا توان کے لیے یہ کتنا اچھا ہوتا۔

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص سے بحث کا اتفاق ہوا۔ جسے لوگ علم سے منسوب کر کے اہل علم خیال کرتے تھے حالانکہ وہ رعونت و تکبرّ کی کلاہ کا نام علم اور نفسانی پیروی کا نام سنت اور شیطان کی موافقت کا نام ائمہ کی سیرت رکھے ہوئے تھا۔ اثنائے بحث میں اس نے کہا۔ ملحدین کے بارہ گروہ ہیں ان میں سے ایک گروہ صوفیاء کا ہے۔ میں نے جواب میں کہا اگر ایک گروہ اہل تصوف کا ہے تو باقی گیارہ گروہ تم میں سے ہوں گے۔ مگر ایک گروہ خود کو تم میں کے گیارہ گروہوں کے مقابلہ میں خوب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اَنْ یَسْکُتَ عَلٰی عِلْمِہٖ۔

ترجمہ: جاہِل کو اسکی جہالت کی بناء پر معذور نہیں سمجھا جائے گا اور جاہل کو اپنی جہالت اور عالم کو اپنے علم پر (بلاوجہ) خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں۔

(یعنی جاہل کو چاہیئے کہ علم حاصل کرے اور عالم کو چاہیئے کہ لوگوں کو علم سکھائے۔)

(مجمع الزوائد، ج اول، ص ۱۶۴، ۱۶۵، کتاب العلم)

چنانچہ جو لوگ حرام مال سے مسجد و مدارس بنا کر بادشاہوں کا یا امیروں کا قرب حاصل کرتے ہیں وہ ان علمائے سوء کے قریب ہیں جو شر پسندوں اور بیوقوفوں کو علم سکھاتے ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں انکا صرف یہی کام ہوتا ہے کہ علماء سے مقابلہ کریں، بیوقوفوں کو گمراہ کریں، لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں، دنیوی مال اور دولت کے انبار جمع کریں اور بادشاہوں، یتیموں اور مسکینوں کا مال جیسے بن پڑے حاصل کریں۔

اچھے طریقہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

یہ تمام آفت وفساد موجودہ زمانہ کی خرابی کا نتیجہ اور پیداوار ہے۔ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے اولیاء اور دوستوں کی ایک جماعت کو مخلوق سے چھپا کر رکھا ہے اور خلق کو ان کی خاطر ان سے جدا رکھا ہے۔ شیخ المشائخ حضرت علی ابن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

فَسَادُ الْقُلُوْبِ عَلٰی حَسْبِ فَسَادِ الزَّمَانِ وَاَھْلِہٖ

"دلوں کا فساد زمانہ اور اہل زمانہ کے فساد کے اعتبار پر ہے۔"

اب ہم مشائخ طریقت کے فیصلہ کن اقوال پیش کرتے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ صوفیاء کرام پر اللہ کی کیسی صادق اور سچی عنایتیں رہی ہیں اور ان کے منکرین کیسے خائب و خاسر ہوئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اثبات علم میں اقوالِ مشائخ

(۱) حضرت محمد بن فضل (42) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علوم تین طرح کے ہیں: (۱) علم من اللہ (۲) (علم مع اللہ (۳) علم باللہ۔ اسی کو علم معرفت کہتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء واولیاء نے اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پائی ہے۔ جب تک انہیں اس کی معرفت نہ ہوئی منزلِ عرفان حاصل نہ ہوئی۔ اس لیے کہ محض کوشش ومحنت کے ذریعہ حصولِ معرفت ذاتِ حق کے عرفان کے لیے منقطع ہے۔ کیونکہ بندہ کا علم، معرفتِ ذات حق کی علت نہیں بن سکتا۔ درحقیقت معرفت الٰہی کی علت، اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت اور اس کی عنایت ہے۔

علم من اللہ کا نام علم شریعت ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہماری طرف احکام نازل کر کے اس کی ادائی ہم پر لازم قرار دی ہے۔ علم مع اللہ کا نام، علمِ مقامات، علمِ طریق حق اور اولیاء کرام کے درجات کا بیان سے۔ لہٰذا اس کی معرفت شریعت کی پیروی کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اسی طرح شریعت کی پیروی اظہار مقامات کے بغیر درست نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْعِلْمُ حَیٰوۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَھْلِ وَنُوْرُ الْعَیْنِ مِنَ الظُّلْمَۃِ

شرح (42): محمد بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ محدث ہیں جن سے امام ترمذی وغیرہ نے احادیث لیں۔

''جہالت اور تاریکی کے مقابلہ میں علم دل کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے۔''
مطلب یہ کہ جہالت کے خاتمہ سے دل کی حیات اور کفر کی تاریکی دور ہونے سے آنکھ کی روشنی یقینی ہے۔ جس کو معرفت کا علم نہیں اس کا دل جہل سے مردہ ہے اور جس کو شریعت کا علم نہیں اس کا دل نادانی کا مریض ہے۔ پس کافروں کے دل مردہ ہیں کیونکہ وہ خدا کی معرفت سے بے بہرہ ہیں۔ اہل غفلت کا دل بیمار ہے کیونکہ وہ اللہ کے فرمان سے بہت دور ہیں۔

(۳) حضرت ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جس نے صرف علم کلام پر اکتفا کیا اور زہد نہ کیا وہ زندیق ہے اور جس نے علم فقہ پر قناعت کی اور تقویٰ اختیار نہ کیا تو وہ فاسق ہے۔''
ان کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے صرف توحید کی عبارتوں کا ہی علم اختیار کیا اور زہد نہ کیا وہ زندیق بن جاتا ہے اور جس نے بغیر پرہیز گاری کے علم فقہ وشریعت کو پسند کیا وہ فاسق وفاجر بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بغیر درستگی معاملہ ومجاہدہ مجرد توحید جبر ہے۔ ایسا موحد قول میں جبری اور فعل میں قدری (43) کہلائے گا۔

شرح (43): تقدیر کو جُھٹلانا

اس سے مراد یہ ہے کہ اس بات کا انکار کرنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندے پر خیر اور شر مقدر فرمادیئے ہیں، جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے۔ اللہ عزوجل معتزلہ پر لعنت فرمائے کیونکہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ چونکہ یہ لوگ تقدیر کے منکر ہیں اس لئے ان کا نام قَدَرِیَہ رکھ دیا گیا ان کا کہنا تھا: اس نام کے اصل حقدار وہ لوگ ہیں جو تقدیر کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ آئندہ آنے والی صریح احادیث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال ان کے اس فاسد گمان کا رد کرتے ہیں اور حجت اسی میں ہے ان فاسد عقلوں میں نہیں جنہوں نے اسے ان نصوص کی طرف منسوب کیا اور محض اپنے باطل تخیلات کی بناء پر قرآن وحدیث کی صریح نصوص کو اپنی گندی اور بری عادت کے مطابق چھوڑ دیا جیسے منکر نکیر کے سوال کا انکار، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حوضِ کوثر اور آخرت میں سر کی آنکھ سے دیدارِ الٰہی عزوجل وغیرہ ان چیزوں کا انکار جو کہ بلاشبہ صحیح بلکہ متواتر احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہیں، اللہ عزوجل انہیں برباد فرمائے کہ وہ سنتِ مبارکہ اور اپنے اس نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی شان سے کتنے بے خبر ہیں جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰیO اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیO (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب تک قدر و جبر کے درمیان صحیح راہ اختیار نہ کیا جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔(پ27النجم:3۔4)

اور ان کے خلاف ہماری دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ O

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔(پ 27القمر:49)

شانِ نزول:

اکثر مفسرین کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آیت مبارکہ قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے:

(1) اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کفارِ مکہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوکر تقدیر کے بارے میں جھگڑنے لگے تو یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ O یَوۡمَ یُسۡحَبُوۡنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ O اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ O

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں جس دن آگ میں اپنے مونھوں پر گھسیٹے جائیں گے اور فرمایا جائے گا چکھو دوزخ کی آنچ بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔(پ 27القمر:47۔49)

(تفسیر الطبری، سورۃ القمر، تحت الآیۃ:۴۹، ج۱۱، ص۵۶۹، ملخصا)

قَدَرِیَّہ ہی وہ مجرم ہیں جن کا ذکر اللہ عزوجل نے مذکورہ آیتِ مبارکہ میں کیا ہے، اسی طرح وہ لوگ بھی ان میں شامل ہیں جو ان کے طریقہ پر ہیں اگرچہ کامل طور پر تقدیر کے منکر نہیں جیسے معتزلہ وغیرہ۔

(2) بعض مفسرینِ کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے آیتِ مبارکہ کے نزول کا سبب یہ بیان کیا ہے: نجران کے ایک پادری نے حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی: اے محمد (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم)! آپ (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) کا خیال ہے کہ ہر گناہ تقدیر کی وجہ سے ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اللہ عزوجل کے مخالف ہو۔ اس پر یہی آیتِ مبارکہ: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ قول بھی حقیقۃً انہیں بزرگ کا ہے جسے ایک اور جگہ بیان فرمایا کہ "التوحید دون الجبر و فوق القدر" توحید کا مقام جبر سے پست اور قدر سے اونچا ہے۔ لہٰذا جس نے علم توحید کو درستگی معاملہ کے بغیر محض

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی آخر الآیۃ نازل ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، سورۃ القمر، تحت الآیۃ: ۴۹، ۹، ص۱۰۹)

(3) صحیح حدیث پاک میں ہے: اللہ عزوجل نے زمین وآسمان پیدا فرمانے سے پچاس ہزار 50,000 سال پہلے ہی ساری مخلوق کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔

(صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسی، الحدیث: ۶۷۴۸، ص ۱۱۴۰)

(4) حضرت سیدنا طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ عزوجل کے کرم سے اُس کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے کچھ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جو کہتے تھے: ہر شَے اللہ عزوجل کی تقدیر سے ہوتی ہے۔ اور میں نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ہر شے اللہ عزوجل کی تقدیر سے ہے یہاں تک کہ عجز اور دوراندیشی یا عقل مندی اور عجز بھی۔ (المرجع السابق، باب کل شئی بقدر، الحدیث: ۶۷۵۱)

(5) امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم ارشاد فرماتے ہیں کہ دافِعِ رنج و مَلال، صاحبِ جودو نوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: بندہ جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لے آئے اللہ عزوجل پر ایمان نہیں لاسکتا: (۱) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی گواہی دے (۲) اس بات کی گواہی دے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں، اللہ عزوجل نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے (۳) موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لائے اور (۴) تقدیر کو مانے۔

(جامع الترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء ان الایمان بالقدر الخ، الحدیث: ۲۱۴۵، ص ۱۸۶۷)

(6) ایک اور روایت میں ہے: اچھی بری تقدیر کو مانے۔ (المرجع السابق، الحدیث: ۲۱۴۴)

مسلم شریف کی گذشتہ روایت جس میں ہے: ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ عجز اور دانائی بھی۔ اہلِ سنت کے مذہب پر صریح دلیل ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب کل شئی بقدر، الحدیث: ۶۷۵۱، ص ۱۱۴۰)

(7) خاتَمُ الْمُرْسَلین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کی عبارتوں کو اختیار کیا اور اس کے ضد و نفی کی طرف متوجہ نہ ہوا زہد کی روش پر نہ چلا۔ وہ زندیق ہو جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چھ افراد ایسے ہیں جن پر اللہ عزوجل اور ہر مستجاب الدعوات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لعنت فرماتا ہے وہ یہ ہیں: (۱) تقدیرِ الٰہی کو جھٹلانے والا (۲) کتاب اللہ عزوجل میں اضافہ کرنے والا (۳) اللہ عزوجل کے معزز کردہ لوگوں کو ذلیل کرنے کے لئے زبردستی حاکم بن جانے والا (۴) اللہ عزوجل کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھنے والا (۵) میری اولاد کے معاملہ میں اللہ عزوجل کے حرام کئے ہوئے (قتلِ ناحق) کو حلال سمجھنے والا اور (۶) میری سنت کا تارک۔

(صحیح ابن حبان، باب اللعن، ذکر لعن المصطفیٰ الخ، الحدیث: ۵۷۱۹، ج ۷، ص ۱۰۵، بتغیر قلیل)

فرقۂ قدریہ کی پہچان اور ان کی مذمت

بعض مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جبریہ فرقے کا کہنا ہے: جو یہ کہے کہ نیکی اور گناہ میرے اپنے فعل سے ہے وہ قدری ہے کیونکہ وہ تقدیر کا منکر ہے۔ جبکہ معتزلہ کا کہنا ہے: جبریہ فرقہ ہی قدری ہے کیونکہ اس فرقے کا کہنا ہے کہ اللہ عزوجل نے مجھ پر خیر و شر مقدر فرمایا ہے، تو چونکہ یہ تقدیر کو ثابت کرتا ہے لہٰذا یہ قدری ہے۔ جبکہ دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں: جو سُنّی اس بات کا قائل ہو کہ افعال اللہ عزوجل کی مخلوق ہیں جبکہ کسب بندے کی جانب سے ہوتا ہے وہ قدری نہیں۔ (سنن ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، باب من کان مفتاحا للخیر، الحدیث: ۲۳۸، ص ۲۴۹۲)

اگر یہ بات درست ہو تو اس میں جہنم کی طرف جاتے ہوئے معتزلہ کے علمبردار علامہ زمخشری کا بھی رد ہے کہ جس نے اپنے گمان میں بہت سے مقامات پر کہا ہے: قَدَرِیَہ ہی اہلسنت ہیں۔ حالانکہ یہ اس کی کذب بیانی اور اللہ عزوجل و سیّدُ المبلّغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم پر اور ان کے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر بہتان ہے، اور اسے اس بہتان پر اس کے خبیث عقیدے اور عقل کی خرابی نے ہی ابھارا ہے، لہٰذا یہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس پر یہ آیاتِ مبارکہ پڑھی جائیں:

(1) وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً

ترجمۂ کنز الایمان: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ۔ (پ5، النسآء: 89)

(2) وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ

ترجمۂ کنز الایمان: بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علم فقہ یعنی شریعت کی احتیاط کا نام تقویٰ ہے جو اسے بغیر ورع (44) وتقویٰ (45) کے پسند کرتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے دلوں کی جلن سے۔ (پ1البقرۃ:109)

(3) اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ۝

ترجمۂ کنز الایمان: یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی آگ۔ (پ5النسآء:54-55)

سیدنا امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ قدری اس شخص کو کہتے ہیں جو تقدیر کا انکار کرتا ہو اور حوادث کو ستاروں کے اتصال کی طرف منسوب کرے، کیونکہ قریش کے بارے میں مروی ہے کہ وہ تقدیر میں جھگڑتے تھے اور ان کا مذہب یہ تھا کہ اللہ عزوجل نے بندے کو اطاعت اور معصیت پر قدرت دی ہے، لہٰذا وہ مخلوق میں یہ صلاحیتیں پیدا کرنے پر قادر ہے اور فقیر کو کھانا کھلانے پر بھی قادر ہے، اسی لئے انہوں نے محتاجوں کو کھانا کھلانے کے معاملہ میں اللہ عزوجل کی قدرت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا تھا:

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ

ترجمۂ کنز الایمان: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اللہ چاہتا تو کھلا دیتا۔ (پ23یٰس:47)

(8) شفیع المذنبین، انیس الغریبین، سراج السالکین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: قَدَرِیَہ اس اُمت کے مجوسی ہیں۔ (سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی القدر، الحدیث:۴۶۹۱، ص۱۵۶۷)

اس حدیثِ پاک میں اگر اُمت سے مراد اُمّتِ دعوت ہے تو اس سے مراد آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی حیاتِ ظاہری کے مشرکین ہیں جو حوادث پر اللہ عزوجل کی قدرت کے منکر تھے۔ اس صورت میں معتزلہ اس میں داخل نہ ہوں گے، اور اگر اس سے اُمتِ اجابت مراد ہے تو اس صورت میں قَدَرِیَہ کی اس اُمت کی طرف نسبت اسی طرح ہے جیسے پچھلی اُمتوں کی طرف مجوس کی نسبت ہے، کیونکہ شبہ کے اعتبار سے یہ تمام اُمتوں میں کمزور اور عقل کی مخالفت کے اعتبار سے سب سے سخت ہیں۔ اسی طرح اس اُمت میں قَدَرِیَہ اور ان کا مجوسی ہونا ان کے کفر پر جزم کو ختم نہیں کرتا، لہٰذا حق یہ ہے: قدری اسی کو کہتے ہیں جو اللہ عزوجل کی قدرت کا انکار کرتا ہے۔

شرح (44): ورع کیا ہے؟

یعنی حرام تو حرام شبہات سے بھی بچتا ہو یعنی اعلیٰ تقویٰ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور رخصت وتاویل اور تعلق وشبہات کے درپے ہو کر مجتہدین عظام کے مذہب سے نکل جاتا ہے وہ جلد ہی بآسانی فسق کے گڑھے میں گر پڑتا ہے۔ ان باتوں کا ظہور بر بنائے غفلت ہوتا ہے۔

(۴) شیخ المشائخ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ "تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو ایک غافل علماء سے دوسرے مداہنت کرنے والے الفقراء سے تیسرے جاہل صوفیاء سے۔"

غافل علماء وہ ہیں (46) جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا رکھا ہے اور شریعت میں آسانی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تصوف تین وصفوں کا نام ہے ایک یہ کہ آدمی کی معرفت کا نور اس کے ورع (اعلیٰ تقویٰ) کو بجھا نہ دے دوسرا یہ کہ اپنے دل میں کوئی ایسا خیال نہ لائے جو ظاہر قرآن یا ظاہر حدیث کے خلاف ہو تیسرا یہ کہ کرامتوں کی وجہ سے وہ پوشیدہ چیزوں کو نہ کھولے جن کا کھولنا اللہ عزوجل نے اس پر حرام کیا ہے۔ (رسالہ قشیریہ ۱۳ مطبوعہ مصر)

شرح (45): تقویٰ کیا ہے؟

مفسّرِ شہیر، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل، سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں:

بعض کا قول ہے تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک معصیت پر اصرار اور طاعت پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔ بعض نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مولیٰ تجھے وہاں نہ پائے جہاں اس نے منع فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کا نام ہے۔ (خازن) یہ تمام معنی باہم مناسبت رکھتے ہیں اور مآل کے اعتبار سے ان میں کچھ مخالفت نہیں۔ تقویٰ کے مراتب بہت ہیں عوام کا تقویٰ ایمان لاکر کُفر سے بچنا، مُتوسّطین کا اوامر ونواہی کی اطاعت، خواص کا ہر ایسی چیز کو چھوڑنا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔ (جمل)

حضرت مترجم قدس سرہ نے فرمایا تقویٰ سات قسم کا ہے۔

(۱) کُفر سے بچنا یہ بفضلہٖ تعالیٰ ہر مسلمان کو حاصل ہے (۲) بدمذہبی سے بچنا یہ ہر سنی کو نصیب ہے (۳) ہر کبیرہ سے بچنا (۴) صغائر سے بھی بچنا (۵) شبہات سے احتراز (۶) شہوات سے بچنا (۷) غیر کی طرف التفات سے بچنا یہ اخص الخواص کا منصب ہے اور قرآنِ عظیم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔

شرح (46): غافل علماء اور علماء آخرت

علماء آخرت وہ ہیں جو اپنے دین کے بدلے میں دنیا نہیں کماتے اور نہ ہی دنیا کے بدلے میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

متلاشی رہتے ہیں۔ بادشاہوں کے آگے پیچھے رہتے ہیں، ظالموں کا دامن پکڑتے، ان کے دروازوں کا
طواف کرتے ہیں۔ خلق میں عزت وجاہ کو اپنی محراب گردانتے ہیں، اپنے غرور وتکبر اور اپنی خود پسندی پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آخرت کا سودا کرتے ہیں کیونکہ وہ آخرت کی عزت اور دنیا کی ذلت سے آشنا ہوتے ہیں اور
جو دنیا کو آخرت کی ضد اور اس کے نقصانات کو نہیں جانتا وہ حقیقی عالم نہیں اور جو اس بات کا انکار کرتا ہے تو اس نے
قرآن وحدیث اور تمام آسمانی کتابوں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے فرمان کا انکار کیا اور جو اس کا علم ہونے
کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتا وہ شیطان کا قیدی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اسے خواہش نفس نے ہلاک کر دیا اور اس کی
بدبختی اس پر غالب آگئی اس لئے جو ایسے شخص کی پیروی کریگا وہ ہلاک ہوجائے گا تو اس درجے کا شخص علماء کے گروہ
میں کیسے شمار ہوگا۔

حضرت سیِّدُنا داوٗد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مناجات میں ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: جو عالم
اپنی خواہش کو میری محبت پر ترجیح دیتا ہے میں اسے کم از کم یہ سزا دیتا ہوں کہ اسے اپنی مناجات کی لذت سے محروم
کر دیتا ہوں، اے داوٗد علیہ السلام مجھ سے ایسے عالم کے بارے میں سوال نہ کرنا جسے دنیا نے نشے میں ڈال دیا
پس وہ تجھے میری محبت کے راستے سے روک دے گا اور یہ لوگ میرے بندوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، اے داوٗد علیہ
السلام! جو آدمی کسی بھاگے ہوئے کو میری طرف لے آتا ہے میں اسے دانا لکھ دیتا ہوں اور جسے میں دانا لکھ دوں
اسے کبھی بھی عذاب نہیں دوں گا۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: علماء کی سزا دل کی موت ہے اور دل کی موت اُخروی
عمل کے ذریعے دنیا کو طلب کرنا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب تم کسی عالم کو دنیا سے محبت کرتا
دیکھو تو سمجھ لو کہ تمہارے دین میں وہ تہمت زدہ ہے کیونکہ ہر محبت کرنے والا اسی محبت میں مشغول رہتا ہے جس سے
وہ محبت کرتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء دنیا سے فرماتے: اے علماء! تمہارے محلات قیصر کے محلات کی
طرح اور تمہارے گھر کسریٰ کے گھر جیسے ہیں صرف تمہارے کپڑے (ظاہراً) پاک ہیں اور تمہارے موزے جالوت
کے موزوں کی طرح ہیں، تمہاری سواریاں قارونی، برتن فرعونی اور محافلِ سوگ دورِ جاہلیت جیسی ہیں اور تمہارے طور
طریقے شیطانی ہیں، شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہاں ہے؟ شاعر کہتا ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فریفتہ ہوتے ہیں، دانستہ اپنی باتوں میں رقت وسوز پیدا کرتے ہیں۔ ائمہ وپیشواؤں کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ بزرگان دین کی تحقیر کرتے ہیں اوران پر زیادتی کرتے ہیں۔ اگران کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں رکھ دو تب بھی وہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔ کینہ وحسد کو انہوں نے اپنا شعار مذہب قرار دے لیا ہے۔ بھلا ان باتوں کا علم سے کیا تعلق؟ علم تو ایسی صفت ہے جس سے جہل ونادانی کی باتیں، ارباب علم کے دلوں سے فنا ہو جاتی ہیں۔

اور مداہنت کرنے والے فقراء وہ ہیں جو ہر کام اپنی خواہش کے مطابق کرتے ہیں۔ اگرچہ باطل ہی کیوں نہ ہو وہ اس کی تعریف ومدح کرتے رہیں گے اور جب کوئی کام ان کی خواہش کے خلاف ہے چاہے وہ حق ہی کیوں نہ ہو تو وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور مخلوق سے ایسا سلوک کرتے ہیں جس میں جاہ ومرتبہ کی طمع ہوتی ہے اور عمل باطل پر خلق سے مداہنت کرتے ہیں۔ (47)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَرَاعِی الشَّاةِ یَحْمِی الذِّئْبَ عَنْھَا فَکَیْفَ اِذَا الرُّعَاةُ لَھَا ذِئَابُ

ترجمہ: بکریاں چرانے والا ان کو بھیڑیئے سے بچاتا ہے مگر اس وقت کیا کریں جب چرواہے ہی بھیڑیئے بن جائیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

یَامَعْشَرَ الْقُرَّاءِ یَامِلْحَ الْبَلَدِ مَایُصْلِحُ الْمِلْحُ اِذَا الْمِلْحُ فَسَدَ

ترجمہ: اے علماء کے گروہ! اے شہر کے نمک! جب خود نمک ہی خراب ہو جائے تو وہ کسی کو کیسے درست کر سکتا ہے۔

جان لو! دین دار عالم کے زیادہ لائق یہ بات ہے کہ وہ اپنے کھانے، لباس، رہائش اور اپنی دنیوی زندگی سے متعلق تمام چیزوں میں میانہ روی اختیار کرے۔ آسودگی اور عیش وعشرت کی طرف توجہ نہ دے اور نہ اس میں مبالغہ کرے اگرچہ دنیا سے زہد اختیار کرنے میں مبالغہ نہ کرے اور علماء کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو حکمرانوں اور دنیاداروں کے پاس جانے سے بچیں تاکہ ان کے فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔

شرح (47): مداہنت کیا ہے؟

حدود اللہ میں مداہنت کرنے والا (یعنی خلاف شرع چیز دیکھے اور باوجود قدرت منع نہ کرے اس کی) اور حدود اللہ میں واقع ہونے والے کی مثال یہ ہے کہ ایک قوم نے جہاز کے بارے میں قرعہ ڈالا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاہل صوفیاء وہ ہیں (48) جن کا کوئی شیخ و مرشد نہ ہو اور کسی بزرگ سے انہوں نے تعلیم و ادب حاصل نہ کیا ہو۔ مخلوق خدا کے درمیان بن بلائے مہمان کی طرح خود بخود کود کر پہنچ گئے ہوں۔ انہوں نے زمانہ کی ملامت کا مزہ تک نہیں چکھا۔ اندھے پن سے بزرگ کے کپڑے پہن لیے اور بے حرمتی سے خوشی کے رستہ پڑ کر ان کی صحبت اختیار کر لی۔ غرض کہ وہ خودستائی میں مبتلا ہو کر حق و باطل کی راہ میں قوتِ امتیاز سے بیگانہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بعض اوپر کے حصہ میں رہے بعض نیچے کے حصہ میں، نیچے والے پانی لینے اوپر جاتے اور پانی لے کر ان کے پاس سے گزرتے ان کو تکلیف ہوتی (انھوں نے اس کی شکایت کی) نیچے والے نے کلہاڑی لے کر نیچے کا تختہ کاٹنا شروع کیا۔

اوپر والوں نے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے کہ تختہ توڑ رہے ہو؟ اس نے کہا میں پانی لینے جاتا ہوں تو تم کو تکلیف ہوتی ہے اور پانی لینا مجھے ضروری ہے۔ (لہذا میں تختہ توڑ کر یہیں سے پانی لے لوں گا اور تم لوگوں کو تکلیف نہ دوں گا) پس اس صورت میں اگر اوپر والوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھودنے سے روک دیا تو اسے بھی نجات دیں گے اور اپنے کو بھی اور اگر چھوڑ دیا تو اسے بھی ہلاک کیا اور اپنے کو بھی۔

(صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب القرعة في المشكلات... الخ، الحديث: ٢٦٨٦، ج ٢، ص ٢٠٨)

شرح (48): جاہل صوفی

امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے شریعت مطہرہ کی تعظیم کے بارے میں حضرت جنید بغدادی، سری سقطی بایزید بسطامی اور دیگر بزرگانِ دین علیھم الرضوا نکے اقوال مبارکہ ذکر کر کے فرمایا اے عاقل! اے حق کے طالب! دیکھ یہ طریقت کے عظیم المرتبت بزرگوں اور حقیقت کے عظیم ستونوں نے شریعت مطہرہ کی کیسی تعظیم فرمائی ہے اور وہ کیوں نہ کریں کہ وہ اسی تعظیمِ شریعت اور سیدھی راہ شریعت کی پیروی کے سبب اللہ تعالیٰ تک پہنچے اور ان بزرگوں سے یا ان کے علاوہ کسی اور ولی سے ایک بھی ایسا قول منقول نہیں کہ اس نے شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر کی ہو یا اسے قبول کرنے سے باز رہا ہو بلکہ تمام اولیاء شریعت کے سامنے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ اور اپنے باطنی علوم کی بنیاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر رکھتے ہیں۔ تو تجھے حد سے گزرے ہوئے ان جاہلوں کی باتیں دھوکے میں نہ ڈالیں جو اپنی طرف سے صوفی بنتے ہیں لیکن وہ خود بگڑے ہوئے اور دوسروں کو بگاڑنے والے ہیں خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں وہ شریعت کے راستے سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ تین گروہ ہیں جن کو شیخ کامل ہمیشہ یاد رکھے اور اپنے مریدوں کو ان کی صحبت سے بچنے کی تلقین کرے۔ کیونکہ یہ تینوں گروہ اپنے دعاوی میں جھوٹے ہیں اور ان کی روش ناقص و نامکمل اور گمراہ کرنے والی ہے۔

(۵) حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا مگر مجھے علم اور اس کی پیروی سے زیادہ مشکل کوئی اور چیز نظر نہیں آئی۔''

ان کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت کے نزدیک علم کے مطابق عمل کرنے کے مقابلہ میں آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ آسان ہے۔ اور جاہل کے دل پر ہزار بار پلصراط سے گزرنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ ایک علمی مسئلہ سیکھے۔ فاسق کے لیے جہنم میں خیمہ نصب کرنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ کسی ایک علمی مسئلہ پر عمل پیرا ہو۔ (49)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ٹیڑھے ہو کر جہنم کے راستے پر چلتے ہیں جو شخص علمائے شریعت کی راہ سے باہر ہے وہ طریقت کے بزرگوں کے مسلک سے خارج ہے کیونکہ ایسے لوگ شریعت کے آداب سے منہ پھیرنے کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس کے مضبوط قلعوں میں پناہ لینے کو چھوڑے بیٹھے ہیں تو ایسے لوگ شریعت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں اگرچہ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ لوگ انوار سے روشن ہیں۔ طریقت کے جملہ جلیل القدر بزرگ تو شریعت کے آداب پر قائم ہیں اور احکام الٰہی کی تعظیم کے معتقد ہیں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کمالات کا تحفہ دیا اور طریقت سے بے خبر اپنی خرافات پر دھوکے کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور ظاہر میں مسلمان لیکن حقیقت میں کافر ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ اپنے وہموں کے بتوں کے سامنے ادب سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیطان جو وسوسے ان کے ذہن میں ڈالتا ہے یہ انہیں وسوسوں اور فتنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ مکمل بربادی ہے ان کے لئے جو ان کا پیر دکار ہو یا ایسوں کے کاموں کو اچھا جانے اور یہ بربادی اس لئے ہے کہ وہ راہ خدا کے ڈاکو ہیں۔

(حدیقہ ندیہ ص ۱۳۰، ۱۳۱، ج ا مطبوعہ مصر)

شرح (49): حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرے بزرگ سے فرمایا چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولایت کے نام سے مشہور کیا ہے وہ شخص زہد و تقوی میں مشہور تھا اور لوگ بکثرت اس کے پاس آیا کرتے تھے جب حضرت بایزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تشریف لے گئے اتفاقاً اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا حضرت بایزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً واپس پلٹ آئے اور اس شخص سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اے طالب راہِ حق! تمہیں لازم ہے کہ علم حاصل کر کے اس میں کمال حاصل کرو۔ بندہ کتنا ہی کامل علم حاصل کر لے علم الٰہی کے مقابلہ میں وہ جاہل ہی ہے۔ اس لئے اسے چاہیے کہ وہ ہمیشہ یہی سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ بندہ بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں سیکھ سکتا اور بندگی راہِ خدا میں بہت بڑا حجاب ہے۔ اسی مفہوم میں شعر ہے:

اَلْعِجزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكُ
وَالْوَقُفُ فِیْ طُرُقِ الْاَخْیَارِ اِشْرَاكُ

علم کے ادراک سے عاجز رہنا ہی علم وا دراک ہے
نیکوں کی راہ سے ہٹ جانا شرک کے برابر ہے

جو شخص تحصیل علم کی کوشش نہیں کرتا اور اپنے جہل پر مصر رہتا ہے ہمیشہ مشرک رہتا ہے اور جو سیکھتا ہے اور اپنے کمال علم میں اسے یہ معنیٰ ظاہر ہوں اور اس کی علمیت اسے یہ نصیحت کرے کہ اس کا علم اپنے نتیجہ کار میں بجز عاجزی کے کچھ نہیں ہے اور علم الٰہی پر معلومات کا کوئی اثر ہی نہیں پڑتا۔ اگر اس میں عجز کی خوبی پیدا ہو گئی تو درحقیقت علم کی تہ تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سلام بھی نہ کیا اور فرمایا یہ شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں جس چیز کا (یعنی ولایت کا) دعویٰ کرتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔ (رسالہ قشیریہ ص ۱۷)

باب 2:

فقر و درویشی

جاننا چاہیے کہ راہ حق میں درویشی کا عظیم مرتبہ ہے اور درویشوں کو بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ [1]

ان فقیروں کے لیے جو راہِ خدا میں روکے گئے ہیں زمین پر چل نہیں سکتے۔ نادان انہیں بچنے کے سبب تونگر سمجھتے ہیں۔ [2] (البقرہ ۲۷۳)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ [3] اللہ نے ایک کہاوت بیان

شرح (1): لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ

ترجمۂ کنز الایمان: ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب (پ ۳، البقرہ: ۲۷۳)

شرح (2): مفسّر شہیر، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل، سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں ان آیاتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں شانِ نزول: یہ آیت اہل صفہ کے حق میں نازل ہوئی ان حضرات کی تعداد چار سو کے قریب تھی یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے نہ یہاں ان کا مکان تھا نہ قبیلہ کنبہ نہ ان حضرات نے شادی کی تھی ان کے تمام اوقات عبادت میں صرف ہوتے تھے رات میں قرآن کریم سیکھنا دن میں جہاد کے کام میں رہنا آیت میں ان کے بعض اوصاف کا بیان ہے کہ انہیں دینی کاموں سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ چل پھر کر کسب معاش کر سکیں۔

شرح (3): ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی ایک بندہ ہے دوسرے کی مِلک آپ کچھ مقدور نہیں رکھتا (پ ۱۴، النحل: ۷۵)

فرمائی ایک بندہ ہے دوسرے کے ملک، آپ کچھ مقدرت نہیں رکھتا۔ (النحل: ۷۵)

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (4) ان کی کروٹیں خواب گاہوں سے جدا ہوتی ہیں اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے ہوئے۔ (السجدہ ۱۶)

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے بھی فقر و توکل کو پسند و اختیار فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْناً وَاَمِتْنِیْ مِسْكِيْناً وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ اے خدا مجھے مسکینی زندگی عطا فرما اور مسکینی میں وفات دے اور مسکینوں کے زمرے میں اٹھا۔ (ترمذی)

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میرے محبوبوں کو میرے قریب لاؤ۔ فرشتے غرض کریں گے کون تیرے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ مسکین فقراء ہیں''۔ (5) اس قسم کی بکثرت آیات و احادیث ہیں جو حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (6) ان کے اثبات کی حاجت

شرح (4): تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

ترجمۂ کنز الایمان: ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خوابگاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے (پ ۲۱، السجدہ: ۱۶)

شرح (5): ترمذی، کتاب الزھد، رقم ۲۳۵۹، ج ۴، ص ۱۵۷

شرح (6): فقراء اور ان کی مجالس کو حقیر نہ جانو

پیارے بھائی! جو چیز تجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کردے گی وہ اللہ عزوجل کے بندوں کا احترام ہے، بالخصوص نیک و پرہیزگار فقراء کی تعظیم و تکریم کرنا، اُنکی قدر و منزلت کو سمجھنا، اور اُن سے دوستی ایسی ہو جیسی تم اغنیاء اور مالداروں سے کرتے ہو، اگر وہ تیرے پاس کوئی حاجت لے آئیں تو اپنے منصب و مال کے ذریعے ان کی غم گساری کر، انہیں حقیر مت جان ہوسکتا ہے کہ وہ تجھ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں۔ ؎

زاہد نگاہ تنگ سے کسی رِند کو نہ دیکھ
شاید کہ اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

فقراء کے فضائل پر احادیث مبارکہ:

(۱) حضرت سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ والا تبار، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں اور نہ دلائل صحت کی ضرورت کیونکہ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء و مہاجرین میں جلوہ افروز تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس سے ایک شخص کا گزر ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے استفسار فرمایا: اس کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اس کا شمار نیک اور شریف لوگوں میں ہوتا ہے اور اللہ عزوجل کی قسم! یہ تو ایسا ہے کہ اگر کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اس سے شادی کر لی جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش منظور کر لی جائے۔

حضرت سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم خاموش رہے پھر ایک دوسرے شخص کا وہاں سے گزر ہوا تو حضور نبی اکرم، رسول محتشم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس کے بارے میں بھی استفسار فرمایا: اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اس کا شمار فقراء مسلمین (یعنی غریبوں) میں ہوتا ہے او یہ ایسا ہے کہ اگر کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے تو کوئی اس سے شادی نہ کرے، کسی کی سفارش کرے تو منظور نہ کی جائے اور اگر بات کرے تو سنی نہ جائے۔ اللہ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہ عَنِ الْعُیوب عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ اس جیسے زمین بھر سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، الحدیث: ۶۴۴۷، ص ۵۴۲)

(۲) حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! کیا تم مال کی کثرت کو تونگری وغناء خیال کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم۔ پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اور کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کی کمی کا نام فقر و مفلسی ہے؟ میں عرض کی: جی ہاں! یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم۔ تو حضور نبی رحمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: لیکن معاملہ ایسے نہیں، بے شک حقیقی تونگری دل کا تونگر ہونا اور حقیقی فقر (یعنی مفلس ہونا) دل کا فقر ہے۔

پھر حضور نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے قریش کے ایک شخص کے بارے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحابہ کرام کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جنہوں نے اللہ کی عبادت اور بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے سب سے کنارہ کش ہو کر تمام معاملات سے یکسوئی حاصل کر لی اور اپنا رزق اللہ تعالیٰ کی عطا پر چھوڑ کر مسجد نبوی شریف میں اقامت اختیار کر لی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان اصحابہ کے ساتھ صحبت و قیام پر مامور فرمایا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (7)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) استفسار فرمایا: اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کی: جب وہ کچھ طلب کرتا ہے عطا کیا جاتا ہے اور جب حاضر ہوتا ہے تو عزت کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے۔

پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھ سے اہل صفہ کے ایک آدمی کے بارے استفسار فرمایا: کیا تم فلاں شخص کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کی: نہیں! یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم۔ پس حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس کے اوصاف بیان کرتے رہے اور اس کی تعریف کرتے رہے یہاں تک کہ میں اسے پہچان گیا۔ تو میں نے عرض کی: جی ہاں! یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم۔ ارشاد فرمایا: اُس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کی: اہلِ مسجد (یعنی اہل صفہ) کے ایک مسکین و غریب شخص ہیں۔ حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: یہ اُس دوسرے جیسے زمین بھر سے افضل ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کیا دوسرے کو عطا کی جانے والی (خوبیوں وغیرہ) میں سے کچھ بھی اس کو نہ دیا جائے؟ ارشاد فرمایا: اگر اسے دیا جائے تو وہ اس کا اہل ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو اس کے لئے نیکی ہے۔ (المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، باب فضائل اولیاء اللہ، الحدیث: ۷۹۹۹، ج ۵، ص ۴۶۵)

(۳) حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے حبیب، حبیب لبیب عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ محبت نشان ہے: فقراء سے محبت کرو اور ان کے پاس بیٹھا کرو اور (خوش عقیدہ) اہل عرب کو دل سے محبوب رکھو اور لوگوں کے جن عیوب سے تم واقف ہو ان سے چشم پوشی کیا کرو۔

(المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، باب فی بئر جھنم ...... الخ، الحدیث: ۸۰۱۷، ج ۵، ص ۴۷۲)

شرح (7): وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

ترجمۂ کنزالایمان: اور دور نہ کرو انہیں (صحابہ کو) جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے

(پ ۷، الانعام: ۵۲)

"جو صحابہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے اور اس کی رضا چاہتے ہیں انہیں نہ چھوڑیے۔"(8) (الانعام ۵۲)

اور فرمایا: وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (9) "تمہاری آنکھیں دنیاوی حیات کی زینت کی خاطر انہیں چھوڑ کر کسی اور پر نہ پڑیں۔"(10) (الکہف ۲۸)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ ان صحابہ میں سے کسی ایک کو جہاں کہیں بھی دیکھتے تو آپ فرماتے یہ وہ حضرات ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکید فرمائی ہے۔

فقراء کا درجہ: (11)

بارگاہِ احدیت میں فقراء کا بڑا مقام و درجہ ہے۔ خدا نے ان کو خاص منزلت و مرحمت سے نوازا ہے۔

شرح (8): شانِ نزول:

کُفّار کی ایک جماعت سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی انہوں نے دیکھا کہ حضور کے گرد غریب صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہے جو ادنیٰ درجہ کے لباس پہنے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھتے شرم آتی ہے، اگر آپ انہیں اپنی مجلس سے نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی خدمت میں حاضر رہیں، حضور نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شرح (9): وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے۔

(پ ۱۵، الکہف: ۲۸)

شرح (10): شانِ نزول:

سردارانِ کُفّار کی ایک جماعت نے سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں غُرباء اور شکستہ حالوں کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے اگر آپ ہمیں انھیں صحبت سے جدا کر دیں تو ہم اسلام لے آئیں اور ہمارے اسلام لے آنے سے خَلقِ کثیر اسلام لے آئے گی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازِل ہوئی۔

شرح (11): انبیاء کرام علیہم السلام اور فقراء کی تخلیق جنّت کی مِٹی سے ہوئی:

حضور سیّدُ الانبیاء والمرسلین، جنابِ رحمۃٌ للعٰلمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ وہ لوگ ہیں جو اسبابِ ظاہری و باطنی سے ترک تعلق کر کے مکمل طور پر مسبب الاسباب پر قناعت کر کے رہ گئے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کی ملازمت اور اس کی بندگی کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ان کا یہ فخر ان کے لیے موجب فخر بن گیا ہے اور فقر کی دوری پر آہ و زاری اور اس کی آمد پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ حضرات فقر و مسکینی ہی سے ہمکنار رہتے ہیں اور اس کے سوا ہر چیز کو ذلیل و خوار جانتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمانِ ذیشان ہے: فقیر وہ ہے جس کی بھوک اور مرض کا لوگوں کو علم نہ ہو۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے مخلوق کو زمین کی مٹی سے اور انبیاء و فقراء کو جنت کی مٹی سے پیدا فرمایا۔ تو جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی امان چاہے اُسے چاہے کہ فقراء کی عزت کرے۔

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ حقیقت بیان ہے: جنت کے آٹھ دروازے ہیں، اُن میں سے سات فقراء کے لئے اور ایک اغنیاء کے لئے ہے۔ اور جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے چھ فقراء پر حرام اور اغنیاء کے لئے حلال ہیں۔ اور ایک دروازہ فقراء کے لئے ہے۔

حضرتِ سَیِّدُنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سَیِّدُ الْمُبَلِّغِین، جنابِ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ فقراء ہیں۔ کیونکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کو سب سے زیادہ محبوب انبیاء کرام ہیں اور اس نے انہیں فقر میں مبتلا فرمایا۔

حضرتِ سَیِّدُنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں: اے لوگو! تمہیں فاقہ و تنگدستی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم حرام طریقے پر رزق طلب کرنے لگو۔ بے شک میں نے شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافِعِ رنج و مَلال، صاحبِ جودو نوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا: اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیْ فَقِیْرًا وَلَا تَتَوَفَّنِیْ غَنِیًّا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یعنی اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! مجھے فقیری میں موت عطا فرما، امیری میں موت نہ دے اور مجھے مساکین کی جماعت میں اُٹھا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی قبض الید عن الاموال المحرمۃ، الحدیث ۵۴۹۹، ج ۴، ص ۳۸۹)

علماء حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے وارث اور فقراء دوست ہیں:

سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، دو عالم کے مالک و مختار باذنِ پروردگار عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس امت کے علماء اور فقراء کی طرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فقرو مسکینی کی نرالی شان ہے اور اس کی رسم عجیب ہے۔ حقیقی رسم واضطرار ہے اس کی حقیقت اقبال اختیاری یعنی بخندہ پیشانی افلاس واضطرار کو قبول کرنا ہے۔ جس نے اس مسلک وطریق کو دیکھا اور سمجھا اس نے اس سے آرام پایا۔ جب مراد پائی تو حقیقت سے ہمکنار ہو گئے اور جو حقیقت سے ہمکنار ہو گیا وہ موجودات سے دست کش ہو گیا۔ رویتِ کل میں فنائے کلی حاصل کر کے بقائے کلی سے سرفراز ہو گیا۔

مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ سِوٰی رَسْمِہٖ لَمْ یَسْمَعْ سِوٰی اِسْمِہٖ

''جس نے اسے رسم کے سوا کچھ نہ جانا اس نے اس کے نام واسم کے سوا کچھ نہ سنا۔''

فقیر درویش وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ اور کوئی چیز اسے خلل انداز نہ کرے نہ وہ اسبابِ دنیا کی موجودگی سے غنی ہو اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو۔ اسباب کا ہونا اور نہ ہونا دونوں اس کے فقر میں یکساں ہیں۔ بلکہ اسباب کی غیر موجودگی میں زیادہ خوش وخرم رہتا ہو۔ جواز کی ایک حالت یہ ہے اس لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ درویش جس قدر تنگ دست ہو گا اس کا حال اتنا ہی کشادہ ہو گا کیونکہ درویش کے نزدیک اسباب دنیاوی کا ظاہری وجود بھی تنگ دلی کا موجب ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ کسی چیز کا دروازہ بند نہیں کرتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نظرِ رحمت فرماتا ہے۔ علماء میرے وارث اور فقراء میرے دوست ہیں۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب الطاء، الحدیث ۳۷۵۱، ج ۲، ص ۷۴ مختصر)

حضرت سیِّدُ نا شفیق زاہد علیہ رحمۃ اللہ الواحد سے مروی ہے کہ فقراء نے تین چیزیں اختیار کیں: (۱) راحتِ نفس (۲) دل کی فراغت اور (۳) ہلکا حساب۔ اور اغنیاء نے بھی تین چیزیں اختیار کیں: (۱) نفس کی تھکاوٹ (۲) دل کی مشغولیت اور (۳) حساب کی سختی۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الفقر والزھد، بیان فضیلۃ الفقر علی الغنی، ج ۴، ص ۲۵۱)

ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: فقراء کی فضیلت پر اللہ عزَّ وَجَلَّ کا یہ فرمانِ عالیشان دلیل ہے، چنانچہ اللہ عزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

(1) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

ترجمۂ کنز الایمان: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ (پ 1، البقرۃ: 43)

یعنی نماز میرے لئے قائم کرو اور زکوٰۃ فقراء کو دو۔ یہاں اللہ عزَّ وَجَلَّ نے اپنے حق کے ساتھ فقراء کا حق ملا دیا۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق ص ۱۳۹)

اگر بند کرے تو اتنا ہی اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے محبوبوں کی زندگیاں الطاف خفی میں چھپی ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ روشن اسرار بہتر ہوتے ہیں نہ کہ دنیائے غدار کی مصاحبت۔ چونکہ یہ دنیا نافرمانوں کی جگہ ہے اس کے اسباب سے تعلق رکھنا صحیح نہیں ہوسکتا ہے اسی لیے یہ حضرات رضائے الٰہی کی راہ میں دنیاوی ساز و سامان سے کنارہ کشی کی تعلیم دیتے ہیں۔

حکایت:

کسی بادشاہ سے ایک درویش کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے کہا اگر تمہیں کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس طرح؟ درویش نے کہا میرے دو غلام ہیں اور یہ دونوں تیرے آقا ہیں۔ ایک حرص اور دوسرے امید و تمنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَهْلِهٖ"۔ (فقر اس کے اہل کے لیے موجب عزت ہے) اس لیے جو چیز اہل کے لئے موجب عزت ہوتی ہے وہ نا اہل کے لیے باعث ذلت بن جاتی ہے۔ فقیر کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنے حال کو خلل سے محفوظ رکھے نہ بدن معصیت و ذلت میں مبتلا ہو اور نہ جان پر خلل و آفت کا گزر ہو۔ درویش کی ظاہری حالت، ظاہری نعمتوں میں مستغرق اور باطنی حالت، باطنی نعمتوں سے آراستہ ہوتی ہے تاکہ اس کا جسم روحانیت اور اس کا دل ربانی انوار کا منبع بن جائے نہ خلق سے اس کا تعلق ہو اور نہ آدمیت سے اس کی نسبت باطنی۔ یہاں تک کہ وہ خلق سے تعلق اور آدمیت کی نسبت سے بے نیاز ہو جائے اور اس جہان کی ملکیت اور آخرت میں درجات کی خواہش سے دل کو تونگری حاصل نہ ہو اور یہ جانے کہ اس کے فقر کی ترازو کے پلڑے میں دونوں جہان مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ درویش کی ایسی حالت کے بعد اس کا ایک سانس بھی دونوں جہان میں نہ سما سکے گا۔

فقر و غنا کی فضیلت میں بحث: (12)

مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے کہ صفات خلق میں فقر و غنا میں سے کون سی خوبی

شرح (12): فقر اور غِناء

حضرت سیدنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی لباب الاحیاء صفحہ ۲۶۹ میں فقر کی فضیلت ارشاد فرما رہے ہیں جبکہ داتا صاحب نے غِناء کے فضائل بیان کئے ہیں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت غنی ہے اور تمام صفات میں کامل ہونا اس کا خاصہ ہے چنانچہ متقدمین مشائخ میں سے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی، احمد بن ابی الحواری، حارث المحاسبی، ابو العباس بن عطا، ابوالحسن بن شمعون اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد المهینی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) منقول ہے، حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے علمائے سوء (یعنی بدعقیدہ اور بُرے علمائ)! لوگ تمہارے کہنے پر روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں مگر تم خود اس پر عمل نہیں کرتے جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور اس بات کا درس دیتے ہو جو خود نہیں جانتے، پس تم کتنا برا فیصلہ کرتے ہو کہ زبان سے توبہ کرتے ہو مگر خواہشات کی پیروی کرتے ہو، اس بات سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا کہ اپنے ظاہر کو تو پاک وصاف کرلو لیکن تمہارے دل میلے کے میلے رہیں، میں سچ کہتا ہوں: چھلنی کی طرح نہ ہو جاؤ کہ اس سے صاف آٹا نکل جاتا ہے اور چھان رہ جاتا ہے ایسے ہی تم زبان سے حکمت کی باتیں کرتے ہو لیکن تمہارے دِلوں میں کھوٹ باقی ہے۔

اے دنیا کے متوالو! جو شخص دنیا میں خواہشات کو نہیں چھوڑتا اور دنیا سے اس کی رغبت ختم نہیں ہوتی وہ آخرت کو کیسے پا سکتا ہے، میں تم سے سچ کہتا ہوں: تمہارے دل تمہارے اعمال کی وجہ سے روتے ہیں تم نے دنیا کو اپنی زبان کے نیچے اور عمل کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھا ہوا ہے، میں سچ کہتا ہوں: تم نے اپنی آخرت کو خراب کر دیا، تمہیں آخرت کو بہتر بنانے سے دنیا کو بہتر بنانا زیادہ پسند ہے، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ لوگوں میں اور تم میں زیادہ نقصان والا کون ہے؟ تم پر افسوس ہے! کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ دکھاؤ گے اور خود حیران کھڑے رہو گے گویا تم دنیا والوں کو پکارتے ہو کہ وہ اسے تمہارے لئے چھوڑ دیں، ٹھہرو، رک جاؤ، تم پر افسوس ہے! اگر چراغ گھر کی چھت پر رکھ دیا جائے تو اندھیرے گھر کو کیا فائدہ ہوگا، اسی طرح اگر علم کا نور صرف تمہاری زبانوں پر ہو اور تمہارے دل خالی ہوں تو اس علم کا کیا فائدہ؟

اے دنیا دارو! تم پرہیز گار بندوں کی طرح نہیں ہو اور نہ ہی آزاد معزز لوگوں کی طرح ہو، قریب ہے کہ دنیا تمہیں جڑ سے اکھاڑ کر منہ کے بل پھینک دے پھر تم اپنے نتھنوں پر اوندھے گر جاؤ پھر تمہارے گناہوں نے تمہیں پیشانی سے پکڑ رکھا ہو اور علم تمہیں پیچھے سے دھکا دے حتی کہ تمہیں تمہارے مالک کے سامنے یوں پیش کردے کہ تم برہنہ جسم اور تنہا ہو اور وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر کھڑا کرے پھر تمہیں تمہارے برے اعمال کی سزا دے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فقر سے غنا افضل ہے۔ ان تمام مشائخ کی دلیل یہ ہے کہ غنا حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے لیے فقر کی نسبت جائز نہیں ہے لہٰذا ایسا محبوب و دوست جس میں ایسی صفات مشترک ہو جو بندے اور معبود میں پائی جائے وہ محبوب و دوست ایسی صفت کے مقابلہ میں جس کی نسبت معبود کی نسبت جائز نہ ہو کامل ہوتا ہے۔ اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس سے ثابت ہوا کہ فقر ہی اَولیٰ و افضل ہے، جس نے غنا کو افضل کہا اس نے حضرت سیِّدُنا محمد صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور سلف صالحین رحمھم اللہ المبین کو معمولی جانا، ہم اس سے اللہ عزَّ وجلَّ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جن لوگوں کو نفس نے دھوکے میں مبتلا کیا اور ان کی بدبختی ان پر غالب ہے، وہ حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ ہم تمہارے سامنے ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے ان کا فساد واضح ہو جائے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ (جب حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو) بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہنے لگے: ہمیں حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مال چھوڑ کر فوت ہونے کی وجہ سے (آخرت کا) ڈر ہے تو حضرت سیِّدُنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سبحٰن اللہ! تمہیں حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا خوف کرتے ہو؟ انہوں نے تو پاک مال کمایا، پاک طریقے سے خرچ کیا اور پاک انداز میں چھوڑا۔ یہ بات حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو وہ غصہ کی حالت میں حضرت سیِّدُنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں باہر نکل پڑے، ان کا گزر ایک اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پر سے ہوا تو اسے اٹھا لیا، پھر حضرت سیِّدُنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرنے لگے۔

حضرت سیِّدُنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ حضرت سیِّدُنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی تلاش میں ہیں تو وہ بھاگ گئے حتی کہ حضرت سیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر داخل ہو گئے، جب حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیِّدُنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تو حضرت سیِّدُنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر حضرت سیِّدُنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرت سیِّدُنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے یہودی عورت سے پیدا ہونے والے! ادھر آ، تیرا خیال ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مال چھوڑا ہے اس میں کوئی حرج نہیں حالانکہ نبیِّ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھے فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کی: حاضر ہوں، یارسول اللہ عزَّ وجلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: بروزِ قیامت مال داروں کا سرمایہ بہت کم ہوگا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ اشتراک صرف لفظی اور اسمی ہے نہ کہ معنوی اور حقیقی۔ حالانکہ معنیٰ میں مماثلت واشتراک درکار ہے (اور یہ محال ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور مخلوق کی حادث۔ لٰہذا یہ استدلال باطل ہے لیکن میں علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ یہ ایک بیکار بحث ہے۔ غنی خدا کی صفت ہے اور وہی اس کا سزاوار ہے۔ مخلوقات در حقیقت اس نام کی مستحق نہیں ہوسکتی انسان تو محتاج وفقیر پیدا ہی ہوا ہے اس کے لیے فقر کا نام ہی زیب دیتا ہے۔ مجازی اعتبار سے خدا کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مگر جس نے اس طرح دیا اور (یہ فرما کر) دائیں بائیں اور آگے پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ایسے لوگ کم ہیں۔ پھر فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں حاضر ہوں۔

آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا ہو جسے میں راہِ خدا عَزَّ وَجَلَّ میں خرچ کروں اور دنیا سے جاتے وقت میرے پاس اس میں سے صرف دو قیراط باقی بچیں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! دو خزانے بچ جاتے تو بھی؟ فرمایا: بلکہ دو قیراط۔ پھر فرمایا: اے ابوذر! تم زیادہ چاہتے ہو اور میں کم چاہتا ہوں، اللہ عَزَّ وَجَلَّ بھی یہی چاہتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الترغیب فی الصدقۃ، الحدیث ۲۳۰۴، ص ۸۳۴)

(پھر حضرت سیِّدُنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا) حضور نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تو یہ فرماتے ہیں اور اے یہودیہ کے بطن سے پیدا ہونے والے! تم کہتے ہو کہ حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ تو نے بھی جھوٹ بولا اور جو کوئی یہ کہے وہ بھی جھوٹا ہے۔ کسی نے بھی حضرت سیِّدُنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ تشریف لے گئے۔

منقول ہے، حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یمن سے ایک قافلہ آیا تو مدینہ طیبہ میں شور مچ گیا، حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بتایا گیا: حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اونٹ آئے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے سچ فرمایا۔ حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے اُم المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: میں نے جنت میں دیکھا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ماسوٰی کسی کو غنی کہلایا جائے تو جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے غنی ہے وہ مسبب الاسباب ہے۔ اس کے غنا کے لیے نہ کوئی سبب ہے اور نہ اس کے لیے کسی سبب کی ضرورت ہے۔ بندے کو جو غنا حاصل ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مہاجرین اور (عام) مسلمانوں میں سے فقیر لوگ دوڑے دوڑے داخل ہو رہے ہیں اور میں نے ان کے ساتھ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی مال دار شخص کو داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور وہ ان کے ساتھ گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہو رہے ہیں۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی امامۃ الباہلی الحدیث ۲۲۲۹۵، ج ۸، ص ۲۸۹، بتغیر) (المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ، الحدیث ۲۴۸۹۶، ج ۹، ص ۴۲۴)

حضرت سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: میں یہ تمام اونٹ اپنے ساز و سامان کے ساتھ اللہ عزَّ وَجَلَّ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور ان کے ساتھ جو غلام ہیں وہ بھی آزاد ہیں شاید کہ میں بھی ان کے ساتھ دوڑتا ہوا داخل ہو جاؤں۔

حضرت سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بارگاہ نبوی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم میں ایک مقام حاصل تھا، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عمران ہمارے ہاں تمہاری قدر و منزلت ہے، اگر تم چاہو تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عیادت کے لیے میرے ساتھ چلو۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں، یا رسول اللہ عزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ رسول اللہ عزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جا کھڑا ہوا، نبیٔ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: السلام علیکم، اے بیٹی! کیا میں آ سکتا ہوں؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ عزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! تشریف لایئے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: میں بھی اور جو کوئی میرے ساتھ ہے وہ بھی؟ انہوں نے پوچھا: آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ کون ہے؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: عمران بن حصین۔ انہوں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا! میرے اوپر صرف ایک عباء (یعنی چغہ) ہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ اسے اپنے اوپر اس طرح لپیٹ لیں۔ انہوں نے عرض کی: میں نے اپنا جسم تو چھپا لیا، سر کیسے ڈھانپوں؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خدا کا عطا کردہ اور اسباب کا رہین منت ہے دونوں میں اشتراک و مماثلت کی یکسانیت باطل ہے۔ نیز جب عین ذات حق میں شرکت جائز نہیں ہے تو کسی کو اس کی کسی صفت میں بھی شرکت جائز نہیں ہے لہٰذا جب صفت میں اشتراک جائز نہیں تو اسم میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔

اب رہا لفظی اور اسمی اطلاق! تو نام رکھنا نشان و تعین کے لیے ہوتا ہے چونکہ خدا اور مخلوق کے درمیان ایک حدِ فاصل (حدوث و قِدم کی) اس لیے حق تعالیٰ کا غنا یہ ہے کہ اسے کسی کی پرواہ نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ تو کوئی اس کے ارادہ کو روک سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی قدرت میں مانع ہو سکتا ہے وہ اعیان یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس ایک پرانی چادر تھی، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کی طرف پھینک دی اور فرمایا: اس سے اپنا سر لپیٹ لو۔ پھر انہوں نے اجازت دی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لائے اور فرمایا: اے میری بیٹی! تم پر سلام ہو، تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! مجھے درد ہے، اور اس تکلیف میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہو گیا ہے کہ میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، مجھے بھوک نے نڈھال کر دیا ہے (یہ سن کر) رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم رو پڑے اور ارشاد فرمایا:

اے میری لختِ جگر! نہ گھبرا، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں نے بھی تین دن سے کچھ نہیں چکھا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں میری تم سے زیادہ عزت ہے، اگر میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے مانگو تو وہ مجھے کھلائے گا لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔ پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے خاتونِ جنت کے کندھے پر اپنے دست اقدس سے تھپکی دی اور فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انہوں نے عرض کی: فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کیا ہوگا؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: حضرت آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہے، حضرت مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہے، حضرت خدیجہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہے اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو، تم ایسے مکان میں رہو گی جس میں کوئی تکلیف اور شور و غل نہ ہوگا۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت سیِّدُنا علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم) کے ساتھ قناعت اختیار کرو، میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے اور آخرت میں بھی۔ (حلیۃ الاولیاء، فاطمۃ بنت رسول اللہ، الحدیث ۱۴۵۰/۱۴۵۱، ج۲، ص۵۲، مفہومًا) (المعجم الکبیر، الحدیث ۱۲۱۷۹، ج۱۱، ص۳۲۸، مفہومًا)

موجودات کو پلٹنے اور مختلف چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ ہمیشہ سے اس صفت کا حامل رہا اور ہمیشہ رہے گا۔

مخلوق کا غنا یہ ہے کہ اس کی زندگی ہر آفت سے محفوظ عیش و آرام اور خوشی و مسرت کے ساتھ گزرے [13] یا مشاہدہ الٰہی میں سرشار ہو کر چین و راحت میں گزرے۔ ان تمام باتوں میں حدوث و تغیر اور مشقت و حسرت کا سرمایہ اور عجز و تذلل کا مقام کار فرما ہے لہٰذا لفظ تمنا کا استعمال بندوں کے لیے بطور مجاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ [14] ''اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ ہی خوبیوں والا اور سراپا غنی ہے۔'' (فاطر:۱۵)

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ [15] ''اور اللہ ہی غنی ہے اور تم محتاج و فقیر۔'' [16]

شرح (13): اصل غناء کیا ہے؟

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! کیا تم مال کی کثرت ہی کو غنا سمجھتے ہو؟ میں نے عرض کی، جی ہاں، یا رسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا تم مال کی قلت ہی کو فقر سمجھتے ہو؟ میں نے عرض کی، جی ہاں، یا رسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: غنا تو دل کی غنا ہے اور فقر تو دل کا فقر ہے۔

(المستدرک، کتاب الزکاۃ، باب انما الغنی غنی القلب الخ، الحدیث:۷۹۹۹، ج۵، ص۴۶۶)

شرح (14): یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا (پ ۲۲، فاطر:۱۵)

شرح (15): وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔ (پ۲۶، محمد:۳۸)

شرح (16): یعنی اس کے فضل و احسان کے حاجت مند ہو اور تمام خلق اس کی محتاج ہے۔ حضرت ذوالنون نے فرمایا کہ خَلق ہر دم اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور کیوں نہ ہوگی ان کی ہستی اور ان کی بقا سب اس کے کرم سے ہے۔

عوام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم تونگر کو درویش پر فضیلت دیتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تونگر کو دونوں جہان میں سعید پیدا کیا ہے اور تونگری کا اس پر احسان کیا ہے ان لوگوں نے اس جگہ غنا سے دنیا کی کثرت، انسانی آرزوؤں کا بر آنا اور بآسانی خواہشوں کا مل جانا مراد لیا ہے وہ دلیل میں کہتے ہیں کہ چونکہ خدا نے تونگری پر شکر گزاری اور مفلسی پر صبر وقناعت کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ابتلا میں صبر وقناعت کی تلقین کی ہے اور نعمتوں میں شکر کا حکم دیا لہٰذا مصیبتوں سے نعمتیں افضل ہیں۔ (17)

شرح (17): نعمتوں اور مصیبتوں پر بھی اس کا شکر

حضرتِ سیِّدُنا یوسف بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرتِ سیِّدُنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی کی بارگاہ میں حاضر تھا اور آپ اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بیان فرمارہے تھے۔ سب لوگ رو رہے تھے مگر ایک نوجوان ہنس رہا تھا۔ حضرتِ سیِّدُنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! تجھے کیا ہے؟ لوگ رو رہے ہیں اور تم ہنس رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: لوگ یا تو جہنم کے خوف سے عبادت کرتے ہیں اور نجات کو ہی اپنا اجر سمجھتے ہیں یا جنت میں جانے کے لئے عبادت کرتے ہیں تا کہ اس کے باغوں میں رہیں اور اس کی نہروں سے پئیں۔ لیکن میرا ٹھکانہ نہ تو جنت ہے اور نہ ہی جہنم۔ میں اپنی محبت کا بدلہ نہیں چاہتا۔ حضرتِ سیِّدُنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے دوبارہ اس سے پوچھا: اگر اس نے تمہیں دھتکار دیا تو کیا کرو گے؟ تو اس نے چند اشعار سنائے جن کا مفہوم یہ ہے: جب میں نے محبت کے باوجود وصال حاصل نہ کیا تو دوزخ میں ٹھکانا بنالوں گا۔ پھر جب مجھے صبح وشام عذاب ہوگا تو میری چیخ وپکار سے اہلِ دوزخ بھی تنگ آجائیں گے۔ جب میں وصالِ یار پانے کی کوئی راہ نہ پاسکا تو گنہگاروں کی ٹولیاں بھی مجھ پر گریہ وزاری کریں گی۔ اے میرے مالک عَزَّ وَجَلَّ! چاہے تو مجھے عذاب میں مبتلا کردے یا آزاد کردے، مجھے تیری مرضی قبول ہے۔ اگر میں اپنے دعوۂ محبت میں سچا ہوں تو محض اپنے کرم سے میری حالت کو تبدیل کردے اور اگر میرا دعوۂ محبت جھوٹا ہے تو مجھے اس کی سزا میں طویل عذاب سے دوچار کردے۔ جب وہ چپ ہوا تو ایک غیبی آواز آئی: اے ذوالنون! مخلصین کی اپنے ربّ عَزَّ وَجَلَّ سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ وہ خوشحالی وتنگدستی میں بھی اس سے محبت کرتے، نعمتوں اور مصیبتوں پر بھی اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

نیک لوگ اس لئے سعادت مند ہوگئے کیونکہ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے ربّ عَزَّ وَجَلَّ کو مقصود بنایا، جب انہوں نے اس مقصد میں رغبت اختیار کی تو انہیں اس تک پہنچنے سے بیوی بچوں کی محبت نہ روک سکی، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ نعمت پر شکر گزاری کا حکم دیا اور شکر کو زیادتی نعمت کی علت گردانا اور صبر کو زیادتی غربت کی علت گردانا ہے۔ (18) چنانچہ ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے اس راہ میں آنے والی مشقت کو شہد سے زیادہ میٹھا پایا، اُن کے لئے شہد بھی ان تکالیف جیسا میٹھا نہیں، وہ ہمیشہ اپنے محبوب کی محبت میں مصائب جھیلتے رہے پھر بھی قرب کی طلب سے پیچھے نہ ہٹے، اور ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی شہر سے کوچ کرتے ہیں تو وہ شہر بھی اُن کے فراق میں آنسو بہاتا ہے۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق ص ۱۴۲)

شرح (18): نعمت پر غمگین اور مصیبت پر خوش ہونے والی عورت

حضرت سیدنا ابن یسار مسلم علیہ رحمۃ اللہ المنعم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں تجارت کی غرض سے بحرین کی طرف گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک گھر کی طرف بہت لوگوں کا آنا جانا ہے، میں بھی اس طرف چل دیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک عورت نہایت افسردہ اور غمگین پھٹے پرانے کپڑے پہنے مصلے پر بیٹھی ہے اور اس کے ارد گرد غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت ہے، اس کے کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں، تجارت کا بہت سارا ساز و سامان اس کی ملکیت میں ہے، خریداروں کا ہجوم لگا ہوا ہے، وہ عورت ہر طرح کی نعمتوں کے باوجود نہایت ہی غمگین تھی نہ کسی سے بات کرتی، نہ ہی ہنستی۔

میں وہاں سے واپس لوٹ آیا اور اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ اسی گھر کی طرف چل دیا۔ وہاں جا کر میں نے اس عورت کو سلام کیا۔ اس نے جواب دیا اور کہنے لگی: اگر کبھی دوبارہ یہاں آنا ہو اور کوئی کام ہو تو ہمارے پاس ضرور آنا، پھر میں واپس اپنے شہر چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے دوبارہ کسی کام کے لئے اسی عورت کے شہر میں جانا پڑا۔ جب میں اس کے گھر گیا تو دیکھا کہ اب وہاں کسی طرح کی چہل پہل نہیں۔ نہ تجارتی سامان ہے، نہ خدام و لونڈیاں نظر آرہی ہیں اور نہ ہی اس عورت کے لڑکے موجود ہیں، ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کسی کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آواز آنے لگی۔ جب دروازہ کھولا گیا اور میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہی عورت اب نہایت قیمتی اور خوش رنگ لباس میں ملبوس بڑی خوش و خرم نظر آرہی تھی، اور اس کے ساتھ صرف ایک عورت گھر میں موجود تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے اس عورت سے پوچھا: جب میں پچھلی مرتبہ تمہارے پاس آیا تھا تو تم کثیر نعمتوں کے باوجود غمگین اور نہایت افسردہ تھی لیکن اب خادموں، لونڈیوں اور دولت کی عدم موجودگی میں بھی بہت خوش (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ" (19)
"اگر تم نے شکر کیا تو تم کو اور زیادہ دوں گا۔"(20) (ابراہیم: ۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور مطمئن نظر آ رہی ہو، اس میں کیا راز ہے؟

تو وہ عورت کہنے لگی: تم تعجب نہ کرو، بات دراصل یہ ہے کہ جب پچھلی مرتبہ تم مجھ سے ملے تو میرے پاس دنیاوی نعمتوں کی بہتات تھی، میرے پاس مال و دولت اور اولاد کی کثرت تھی، اس حالت میں مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید! میرا رب عزوجل مجھ سے ناراض ہے، اس وجہ سے مجھے کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچتا ورنہ اس کے پسندیدہ بندے تو آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس وقت یہی سوچ کر میں پریشان و غمگین تھی اور میں نے اپنی حالت ایسی بنائی ہوئی تھی۔

اس کے بعد میرے مال و اولاد پر مسلسل مصیبتیں ٹوٹتی رہیں، میرا سارا اثاثہ ضائع ہو گیا، میرے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا انتقال ہو گیا، خدام و لونڈیاں سب جاتی رہیں اور میری تمام دنیاوی نعمتیں مجھ سے چھن گئیں۔ اب میں بہت خوش ہوں کہ میرا رب عزوجل مجھ سے خوش ہے اسی وجہ سے تو اس نے مجھے آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ پس میں اس حالت میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھ رہی ہوں، اسی لئے میں نے اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ حضرت سیدنا یسار مسلم علیہ رحمۃ اللہ المُنعم فرماتے ہیں: اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور میں نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس عورت کے متعلق بتایا تو وہ فرمانے لگے: اس عورت کا حال تو حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہے اور میرا تو یہ حال ہے کہ ایک مرتبہ میری چادر پھٹ گئی میں نے اسے ٹھیک کروایا لیکن وہ میری مرضی کے مطابق ٹھیک نہ ہوئی تو مجھے اس بات نے کافی دن غمگین رکھا۔

(عُیُونُ الحِکَایات ص ۹۴)

شرح (19): لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ

ترجمۂ کنزالایمان: اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دونگا (پ ۱۳، ابراہیم: ۷)

شرح (20): اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے۔ شکر کی اصل یہ ہے کہ آدمی نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرے اور حقیقتِ شکر یہ ہے کہ مُنعم کی نعمت کا اس کی تعظیم کے ساتھ اعتراف کرے اور نفس کو اس کا خُوگر بنائے۔ یہاں ایک باریکی ہے وہ یہ کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے طرح طرح کے فضل و کرم و احسان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے شکر میں مشغول ہوتا ہے اس سے نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور صبر کے لیے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ (21) "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(البقرہ: ۱۵۳)

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ نعمت جس کی اصل غفلت ہے جب شکر بجالاتا ہے تو ہم غفلت کو اس کی غفلت پر اور زیادہ کر دیتے ہیں اور ہر وہ فقر جس کی اصل ابتلا ہے۔ جب صبر کرتا ہے تو ہم قربت کو اس کی قربت پر اور زیادہ کر دیتے ہیں۔

اہل طریقت کے نزدیک غنا کا مطلب:

مشائخ طریقت جس غنا کو فقر پر افضل کہتے ہیں اس سے عوام کی تونگری مراد نہیں ہے کیونکہ عوام تو اسے غنی و تونگر کہتے ہیں جسے دنیاوی نعمتیں حاصل ہوں۔ لیکن مشائخ کا غنا سے مراد منعم یعنی نعمت دینے والے خدائے قدوس کو پانا ہے۔ وصالِ الٰہی حاصل ہونا اور چیز ہے اور غفلت کا پانا اور چیز ہے۔

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فقیر وہی ہے جو اللہ کے ساتھ غنی ہو"۔ اس سے مراد ابدی کشف ہے جسے ہم مشاہدہ حق کہتے ہیں۔ مکاشفہ ممکن الحجاب ہے اگر ایسے مکاشفہ والے کو محجوب گردانیں تو وہ مشاہدات کا محتاج ہوگا یا نہیں؟ اگر یہ کہو کہ محتاج نہ ہوگا تو یہ محال ہے اور اگر کہو کہ محتاج ہوگا تو جب احتیاج پیدا ہو گئی تو غنا کا نام جاتا رہے گا۔

نیز غنا باللہ اس شخص کو ہوتا ہے جو قائم الصفات اور ثابت المراد ہو اور بشریت میں اقامت مراد اور اثبات صفات کے ساتھ غنا صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ذات بشریت بجائے خود غنا کے لائق نہیں ہے۔ لہٰذا اَلْغَنِیُّ مَنْ اَغْنَاہُ اللّٰہ (غنی وہ ہے جسے اللہ غنی کرے) میں غنی باللہ فاعل ہے اور اغنا اللہ مفعول ہے۔ کیونکہ فاعل از خود قائم ہوتا ہے اور مفعول کا قیام فاعل کے ذریعہ۔ نتیجہ برآمد ہوا کہ اقامت بخود، صفت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ مقام بہت برتر ہے اور اس سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ مُنعِم کی محبت یہاں تک غالب ہو کہ قلب کو نعمتوں کی طرف التفات باقی نہ رہے، یہ مقام صدیقوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

شرح (21): اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے (پ ۲، البقرہ: ۱۵۳)

بشریت ہے اور اقامت باللہ فنائے صفت ہے۔

لیکن میں علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) کہتا ہوں کہ جب بندگی کی حالت میں یہ درست ہے کہ بقائے صفتِ بشریت پر غنائے حقیقی کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ بقائے صفت، محل علت اور موجبِ آفت ہے چونکہ مذکورہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اپنی صفت کی فنا سے غنا باقی نہیں رہتا اسلئے کہ جو چیز بذات خود باقی نہ رہے اس کا نام نہیں ہوتا لہٰذا فنائے صفت کا نام غنا رکھنا چاہیے اور جبکہ خود صفت ہی فانی ہے تو اسم ہی مقام نہ رہا۔ ایسے شخص پر نہ اسم فقر بولا جاسکتا ہے اور نہ اسم غنا لہٰذا صفت غنا حضرت حق جل مجدہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں اور صفتِ فقر بندے کے ساتھ خاص ہے۔

پھر یہ کہ تمام مشائخ طریقت اور اکثر عوام کو غنا سے افضل مانتے ہیں کیونکہ قرآن و سنت اس کی فضیلت پر شاہد و ناطق ہے اور امت مسلمہ کی اکثریت کا اس پر اجماع ہے۔

حکایت:

ایک روز حضرت جنید بغدادی و ابن عطار حمہا اللہ کے درمیان اس مسئلہ میں بحث ہوئی۔ حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ اغنیاء افضل ہیں کیونکہ روزِ قیامت نعمتوں کا حساب لیا جائے گا اور حساب دینے کے لیے بے واسطہ رب کے کلام کا سننا ہوگا چونکہ یہ محل عتاب ہے اور عتاب، دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے جواب دیا کہ اگر اغنیاء سے حساب ہوگا تو فقراء اور درویشوں سے عذر خواہی ہوگی اور حساب سے عذر افضل ہے۔

اس جگہ ایک لطیفہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ محبت کی تحقیق میں عذر بیگانگی ہے اور عتاب یگانگی کی ضد ہے حالانکہ خدا کے دوست تو ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں چیزیں ان کے لیے آفت ظاہر کرتی ہیں اس لئے کہ عذر خواہی تو کسی ایسی کوتاہی پر ہوتی ہے جو دوست کے بارے میں اس کے فرمان کے خلاف کیا گیا ہو جب دوست اپنے حق کو اس سے طلب کرتا ہے تو یہ اس سے عذر خواہی کرتا ہے اور عتاب دوست کے فرمان میں کسی قصور کے سبب ہوتا ہے ایسی صورت میں دوست اس قصور کے سبب اس پر عتاب نازل کرتا ہے خدا کے دوستوں کے لیے یہ دونوں باتیں محال ہیں غرض کہ اہل طریق فقر کی ہر حالت میں صبر اور غنا کی حالت میں شکر بجالاتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ دوستی کا اقتضاء تو یہ ہے کہ دوست اپنے دوست سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اور نہ دوست، دوست کے فرمان کو رائیگاں کرے۔ لہٰذا!

ظَلَمَ مَنْ سَمّٰی ابْنَ اٰدَمَ اَمِیْرًا اَوْقَدْ سَمَّاہُ رَبُّہٗ فَقِیْرًا۔ ''اس نے ظلم کیا جس نے آدمی کا نام امیر رکھا حالانکہ اس کے رب نے اس کا نام فقیر رکھا ہے۔''

کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا نام فقیر ہے اگرچہ بظاہر وہ امیر و تونگر ہے لیکن حقیقت میں وہ فقیر ہی ہے۔ وہ شخص ہلاک ہوگیا جس نے خود پر گمان کیا کہ وہ امیر ہے۔ اگرچہ وہ شخص تخت حکومت پر موجود ہے اس لئے کہ امیر و غنی صاحبِ صدقہ ہیں اور فقراء صاحبِ صدق اور صاحبِ صدق، صاحبِ صدقہ نہیں ہوسکتا۔

علم حقیقت میں حضرت ایوب علیہ السلام کا فقر (22) حضرت سلیمان علیہ السلام کے غنا کی مانند

شرح (22): حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ حسن صورت بھی اور مال و اولاد کی کثرت بھی، بے شمار مویشی اور کھیت و باغ وغیرہ کے آپ مالک تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش و امتحان میں ڈالا تو آپ کا مکان گر پڑا اور آپ کے تمام فرزندان اس کے نیچے دب کر مر گئے اور تمام جانور جس میں سینکڑوں اُونٹ اور ہزار ہا بکریاں تھیں، سب مر گئے۔ تمام کھیتیاں اور باغات بھی برباد ہو گئے۔ غرض آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا۔ آپ کو جب ان چیزوں کے ہلاک و برباد ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو آپ حمدِ الٰہی کرتے اور شکر بجالاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا کیا تھا اور کیا ہے جس کا تھا اس نے لے لیا۔ جب تک اس نے مجھے دے رکھا تھا میرے پاس تھا، جب اس نے چاہا لے لیا۔ میں ہر حال میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔ اس کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے جسم مبارک پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ اس حال میں سب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا، بس فقط آپ کی بیوی جن کا نام رحمت بنت افرائیم تھا۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں، آپ کی خدمت کرتی تھیں۔ سالہا سال تک آپ کا یہی حال رہا، آپ آبلوں اور پھوڑوں کے زخموں سے بڑی تکلیفوں میں رہے۔

فائدہ: عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ معاذ اللہ آپ کو کوڑھ کی بیماری ہوگئی تھی۔ چنانچہ بعض غیر معتبر کتابوں میں آپ کے کوڑھ کے بارے میں بہت سی غیر معتبر داستانیں بھی تحریر ہیں، مگر یاد رکھو کہ یہ سب باتیں سرتاپا بالکل غلط ہیں اور ہرگز ہرگز آپ یا کوئی نبی بھی کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی پختگی صبر پر فرمایا ہے ' نِعْمَ الْعَبْدُ " (کیا ہی اچھا بندہ ہے) اور حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس لئے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا تمام ان بیماریوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے جو عوام کے نزدیک باعث نفرت وحقارت ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ تبلیغ وہدایت کرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ جب عوام ان کی بیماریوں سے نفرت کر کے ان سے دور بھاگیں گے تو بھلا تبلیغ کا فریضہ کیونکر ادا ہو سکے گا؟ الغرض حضرت ایوب علیہ السلام ہرگز کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ آپ کے بدن پر کچھ آبلے اور پھوڑے پھنسیاں نکل آئی تھیں جن سے آپ برسوں تکلیف اور مشقت جھیلتے رہے اور برابر صابر وشاکر رہے۔ پھر آپ نے بحکم الٰہی اپنے رب سے یوں دعا مانگی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ O (پ 17 الانبیاء: 83)

ترجمہ کنز الایمان:۔ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔

جب آپ خدا کی آزمائش میں پورے اترے اور امتحان میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی دعا مقبول ہوئی اور ارحم الراحمین نے حکم فرمایا کہ اے ایوب علیہ السلام! اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ آپ نے زمین پر پاؤں مارا تو فوراً ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ حکم الٰہی ہوا کہ اس پانی سے غسل کرو، چنانچہ آپ نے غسل کیا تو آپ کے بدن کی تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔ پھر آپ چالیس قدم دور چلے تو دوبارہ زمین پر قدم مارنے کا حکم ہوا اور آپ کے قدم مارتے ہی پھر ایک دوسرا چشمہ نمودار ہو گیا جس کا پانی بے حد ٹھنڈا، بہت شیریں اور نہایت لذیذ تھا۔ آپ نے وہ پانی پیا تو آپ کے باطن میں نور ہی نور پیدا ہو گیا۔ اور آپ کو اعلیٰ درجے کی صحت ونورانیت حاصل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد کو دوبارہ زندہ فرما دیا اور آپ کی بیوی کو دوبارہ جوانی بخشی اور ان کے کثیر اولاد ہوئی، پھر آپ کا تمام ہلاک شدہ مال ومویشی اور اسباب وسامان بھی آپ کو مل گیا بلکہ پہلے جس قدر مال ودولت کا خزانہ تھا اس سے کہیں زیادہ مل گیا۔

اس بیماری کی حالت میں ایک دن آپ نے اپنی بیوی صاحبہ کو پکارا تو وہ بہت دیر کر کے حاضر ہوئیں اس پر غصہ میں آکر آپ نے ان کو سو دُرّے مارنے کی قسم کھالی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب علیہ السلام آپ ایک سینکوں کی جھاڑو سے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو مار دیجئے اس طرح آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ O وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ O وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلیمان علیہ السلام سے ان کی حکومت کے وقت فرمایا۔ "نِعۡمَ الۡعَبۡدُ"(23) (کیا ہی اچھا بندہ ہے) جب اللہ کی رضا حاصل ہوگئی تو اب فقر ایوب، غناء سلیمان علیہ السلام کے مانند بن گیا۔

حکایت:

مصنف فرماتے ہیں کہ استاد ابوالقاسم قشیری (24) رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا وہ فرماتے ہیں کہ لوگ فقر و غنا میں بحث کرتے ہیں اور خود کو مختار خیال کرتے ہیں لیکن میرا طریق و مسلک یہ ہے کہ جو حق تعالیٰ میرے لیے اختیار فرمائے اور اسی کی میں حفاظت کرتا ہوں اگر وہ مجھے تونگر رکھے تو غافل نہیں ہوتا اگر وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ (پ23ص:42۔44)

ترجمہ کنزالایمان:۔ ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے برابر اور عطا فرما دیئے اپنی رحمت کرنے اور عقلمندوں کی نصیحت کو اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ بیشک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

الغرض حضرت ایوب علیہ السلام اس امتحان میں پورے پورے کامیاب ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نوازشوں اور عنایتوں سے ہر طرح سرفراز فرما دیا اور قرآن مجید میں ان کی مدح خوانی فرما کر اَوَّابٌ کے لاجواب خطاب سے ان کے سر مبارک پر سربلندی کا تاج رکھ دیا۔

درسِ ہدایت: حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ امتحان میں یہ ہدایت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا بھی خدا کی طرف سے امتحان ہوا کرتا ہے اور جب وہ امتحان میں کامیاب اور آزمائش میں پورے اترتے ہیں تو خداوند قدوس ان کے مراتب و درجات میں اتنی اعلیٰ سربلندی عطا فرما دیتا ہے کہ کوئی انسان اس کو سوچ بھی نہیں سکتا اور اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ امتحان کی آزمائش کے وقت صبر کرنا اور خداوند عالم عزوجل کی رضا پر راضی رہنا اس کا پھل کتنا اچھا، کتنا میٹھا اور کس قدر لذیذ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

شرح (23): وَوَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے والا (پ ۲۳، ص: ۳۰)

شرح (24): استاد ابوالقاسم قشیری داتا صاحب کے ہم عصر بزرگ ہیں آپ کی پیدائش ۳۷۶ ہجری میں ہوئی جبکہ وصال ۴۶۵ ہجری میں ہوا۔

مفلس فقیر بنائے تو حریص و معترض نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ غنا نعمت ہے (25) لیکن اس میں غفلت برتنا آفت ہے اور فقر بھی نعمت ہے لیکن اس میں حرص و طمع کا داخل کرنا آفت ہے۔ معانی کے اعتبار سے تمام اعتبارات عمدہ ہیں لیکن سلوک و روش کے لحاظ

شرح (25): غناء کی مقدار میں بزرگوں کے اقوال:

سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کبھی آدمی صحت مند ہونے کی صورت میں ایک درہم سے غنی ہو جاتا ہے اور کبھی کمزوری اور کثرتِ عیال کی وجہ سے 1000 درہم بھی اسے غنی نہیں کر سکتے۔

حضرت سیدنا سفیان ثوری، سیدنا عبد اللہ بن مبارک، سیدنا حسن بن صالح، سیدنا امام احمد بن حنبل اور سیدنا اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے: جس کے پاس 50 درہم یا ان کی مالیت کا سونا ہو اسے زکوٰۃ میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔

حضرت حسن بصری اور سیدنا ابو عبیدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرمایا کرتے تھے: جس کے پاس 40 درہم ہوں وہ غنی ہے۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے: جو نصاب سے کم مالیت رکھتا ہو اگر چہ تندرست ہو اور کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کا یہ قول بھی ہے: جس کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہو اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نے سرکارِ ابد قرار، شافعِ روزِ شمار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر سوال کیا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں؟ اس نے عرض کی، کیوں نہیں! ایک کمبل اور ایک بڑا پیالہ ہے جس میں پانی پیا جاتا ہے۔ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ وہ انصاری دونوں چیزیں لے کر حاضر ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں اپنے دستِ مبارک میں پکڑ کر ارشاد فرمایا: یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا؟ ایک شخص نے عرض کی، میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ شاہِ ابرار، ہم غریبوں کے غمخوار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے 2 یا 3 مرتبہ ارشاد فرمایا: کون ایک درہم سے زیادہ کرتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی، میں 2 درہم میں خریدتا ہوں۔ تو رسولِ انور، صاحبِ کوثر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے وہ دونوں چیزیں اسے عطا فرما کر 2 درہم لے لئے اور اس انصاری کو عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ایک درہم سے اپنے گھر والوں کو کھانا کھلاؤ اور دوسرے درہم سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے معاملہ مختلف ہے۔ ماسوٰی اللہ سے دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے اور غیر میں مشغول رہنے کا نام غنا ہے۔ جب دل فارغ ہو تو اس وقت فقر غنا سے افضل ہے اور غنا فقر سے۔ ساز و سامان کی کثرت کا نام غنا نہیں ہے اور نہ اس کے نہ ہونے کا نام فقر ہے ساز و سامان تو خدا کی طرف سے ہے جب طالب ساز و سامان کی ملکیت سے جدا ہو گیا شرکت جاتی رہی اور وہ دونوں ناموں سے فارغ ہو گیا نہ اب فقر ہے نہ غنا۔

فقر و غنا میں چند رموز و کنایات:

مشائخ طریقت رحمہم اللہ سے فقر و غنا کے سلسلہ میں چند رموز منقول ہیں۔ حسبِ مقدرت ان کے اقوال درج کتاب کرتا ہوں:

(۱) مشائخ متاخرین میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

''فقیر وہ نہیں جو ساز و سامان سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل آرزو و تمنا سے خالی ہو''۔

اگر اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت دے تو اگر وہ مال کی حفاظت کی خواہش رکھے تو غنی کہلائے گا اور اگر مال کو ترک کرنے کی خواہش کرے تو بھی غنی کہلائے گا اس لئے کہ یہ دونوں حالتیں ملک غیر میں تصرف کرنے کے برابر ہیں حالانکہ ترکِ حفظ و تصرف کا نام فقر ہے۔

(۲) حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ: ''فقر کی علامت، فقر سے ڈرنا ہے''۔

مطلب یہ کہ صحتِ فقر کی علامت یہ ہے کہ بندہ کمالِ ولایت، قیامِ مشاہدہ اور فنائے صفت میں زوال اور قطع سے ڈرتا رہے۔ اس حال کا کمال اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ قطع سے بھی ڈرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔

وہ انصاری کلہاڑی لے کر حاضر ہوا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور ارشاد فرمایا: جاؤ، لکڑیاں کاٹ کر بیچو اور میں 15 دن تک تمہیں نہ دیکھوں۔ اس نے ایسا ہی کیا پھر حاضر ہوا تو 10 درہم کما چکا تھا، اس نے کچھ رقم سے کپڑے اور کچھ سے کھانا خریدا تو نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن تمہارے چہرے پر سوال کرنے کا داغ ہو، کیونکہ سوال کرنا 3 شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے درست نہیں: (۱) ذلت آمیز فقر والا (۲) قباحت میں حد سے بڑھے ہوئے قرض میں گھرا ہوا شخص اور (۳) مجبور کر دینے والے خون میں پھنسا ہوا شخص۔ (سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیہ المسئلۃ، الحدیث: ۱۶۴۱، ص ۱۳۴۵)

(۳) حضرت صائم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "فقیر کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے اسرار کی حفاظت کرے (26) اور اپنے نفس کو بچائے اور اس کے فریضہ کو ادا کرے"۔

شرح (26): نگاہِ ولایت کے اَسرار

۱۵ رمضان المبارک ۷۸۷ھ بمطابق 10 ستمبر 1357ء کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ پر اچانک بیماری کا غلبہ ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کہ مشائخ اپنے وصال کے وقت کسی ایک کو ممتاز قرار دے کر اپنا جانشین مقرر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے فرمایا اچھا مستحق لوگوں کے نام لکھ کر لاؤ۔ مولانا زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے باہمی مشورہ سے ایک فہرست تیار کر کے پیش کی جس میں آپ کے مریدِ خاص حضرت گیسُو دراز علیہ الرحمۃ کا نام شامل نہ تھا۔ یعنی اس وقت مولانا زین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہم ذمہ دار ہونگے جب ہی یہ اہم کام ان کو سونپا گیا اور ظاہری طور پر حضرت گیسُو دراز علیہ الرحمۃ کو اتنا اہم نہیں سمجھا جاتا ہوگا، جبھی آپ کا نام جانشین کے لئے شامل نہ کیا گیا۔

مگر حضرت شیخ الاسلام جو کہ نگاہِ باطن سے وہ کچھ ملاحظہ فرما رہے تھے، جن سے یہ لوگ بے خبر تھے۔ آپ نے فہرست دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم کن لوگوں کے نام لکھ لائے ہو؟ ان سب سے کہہ دو خلافت کا بار سنبھالنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اپنے اپنے ایمان کی حفاظت کی فکر کریں۔ غور طلب بات ہے کہ اس فہرست میں کس قدر غور وخوض کے بعد اہم ترین اور بظاہر باصلاحیت شخصیتوں کو چنا گیا ہوگا۔ مگر نگاہ مرشد کے اَسرار کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مولانا زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس فہرست کو مختصر کر کے دوبارہ آپ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ اس فہرست میں بھی حضرت گیسُو دراز علیہ الرحمۃ کا نام نہ تھا۔

اب شیخ الاسلام نے فرمایا کہ سید محمد حضرت خواجہ گیسُو دراز علیہ الرحمۃ کا نام تم نے نہیں لکھا۔ حالانکہ وہی تو اس بارِ گراں کو اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر سب تھر تھر کانپنے لگے۔ اب جب حضرت خواجہ گیسُو دراز علیہ الرحمۃ کا نام بھی فہرست میں لکھ کر حاضر ہوئے تو حضرت شیخ الاسلام نے فوراً اس نام پر حکم صادِر فرما دیا۔ اس وقت حضرت گیسُو دراز علیہ الرحمۃ کی عمر 36 سال سے کچھ زیادہ نہ تھی۔

پیارے بھائیو! ہماری نگاہ ظاہری صلاحیت و شخصیت کو دیکھتی ہے۔ مگر مرشد کامل اپنی نگاہِ ولایت سے کھرے کھوٹے کی پہچان کر کے بہتر ہی کو سامنے لاتے ہیں۔ اور سامنے آنے والا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطلب یہ کہ فقیر اپنے اسرار باطنی کو اغراض دنیاوی سے بچائے اور اپنے نفس کو (حرص و تمنا میں) آفت سے محفوظ رکھے (27) اور اس پر شریعت کے احکام و فرائض کو جاری کرے۔ غرض کہ جو کچھ اسرار پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نگاہ مرشد کی توجہ خاص کی بَرَکت سے ایسا باکمال ہوجاتا ہے کہ لوگ اسکے ذریعے ہونے والے کام دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں مگر کامیاب وہی رہتے ہیں جو اس حقیقت کو ہر دم پیش نظر رکھتے ہیں کہ یہ تمام کمالات کس کی نگاہ کے طفیل ہیں اور یقیناً ہر عمل میرا کسی کی نظروں سے قائم ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور مَدَنی ماحول میں استقامت اور مرشد کی بے اَدَبی سے محفوظ فرمائے۔

(اٰمین بجاہ النبی الامین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ علماء کے دلوں سے علم کو کونسی چیز لے جاتی ہے جبکہ وہ اسے سمجھ بھی لیتے ہیں اور یاد بھی کر لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: نفس کی حرص اور حاجات کی طلب۔

ایک شخص نے حضرت فُضَیل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کی وضاحت پوچھی تو انہوں نے فرمایا: جب آدمی کسی چیز کی لالچ کرتا ہے تو اسے طلب کرتا ہے یوں وہ اپنا دین کھو بیٹھتا ہے جہاں تک حرص کا تعلق ہے تو نفس کی حرص کبھی اس چیز کی طرف جاتی ہے اور کبھی اُس چیز کی طرف حتی کہ وہ کسی بھی چیز کے ہاتھوں سے نکل جانے کو پسند نہیں کرتا اور بعض اوقات تمہیں کسی شخص سے غرض ہوتی ہے اور اس سے کوئی کام ہوتا ہے پھر جب وہ تمہارا کام پورا کر دیتا ہے تو تمہاری نکیل اس کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے وہ جہاں چاہتا ہے تمہیں لے جاتا ہے وہ تم پر قادر ہوتا ہے اور تم اس کے سامنے جھکتے ہو اور دنیا کی محبت کے باعث جب تم اس کے پاس سے گزرتے ہو تو اسے سلام کرتے ہو جب وہ بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کرتے ہو تم اسے رضائے خداوندی کی خاطر سلام نہیں کرتے اور نہ ہی عیادت سے رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے پس اگر تمہیں اس سے کوئی کام نہ ہوتا تو تمہارے لئے اچھا تھا پھر حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ بات فلاں فلاں کی سو باتوں سے بہتر ہے۔ (اِحیاء علوم الدین، کتاب ذم البخل وذم حب المال، الآثار، ج ۳، ص ۳۲۱-۳۲۲)

شرح (27): فقر کی فضیلت:

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے، حضور نبیٔ اَکرم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے استفسار فرمایا: لوگوں میں سے بہتر کون ہے؟ انہوں نے عرض کی: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گزرے اسے اظہار میں مشغول نہ کرے اور جو اظہار پر حالت ہو اسے اسرار میں مشغول نہ کرے ان احوال کے غلبہ کے وقت اوامر و نواہی کی ادائیگی میں پس و پیش نہ کرے یہ علامت صفاتِ بشری کے زائل ہونے کی ہوتی ہے اور بندہ مکمل طور پر ذاتِ باری تعالیٰ میں جذب ہو جاتا ہے یہ معنیٰ بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ مال دار شخص جو اپنی جان اور مال میں سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا حق ادا کرتا ہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ شخص اچھا ہے لیکن یہ شخص مراد نہیں، صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! پھر لوگوں میں سے کون سا شخص سب سے اچھا ہے؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: وہ فقیر جس کو اس کی جدوجہد عطا کی گئی۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، الرقم ۱۰۶۶۔ عبداللہ بن دینار، ج ۵، ص ۳۹۳)

مشہور حدیثِ پاک ہے، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

تَدْخُلُ فُقَرَاءُ اُمَّتِی الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ۔

ترجمہ: میری اُمّت کے فقراء مالدار لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین یدخلون الخ، الحدیث ۲۳۵۱، ص ۱۸۸۸، بتغیرٍ قلیلٍ)

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو مٹی پر سویا ہوا تھا اور اس کے سر کے نیچے اینٹ تھی، اس کا چہرہ اور داڑھی گرد آلود ہو چکی تھی اور اس نے ایک تہبند باندھ رکھا تھا تو آپ علیہ السلام نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے رب عَزَّ وَجَلَّ! تیرا یہ بندہ دنیا میں ضائع ہو گیا۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! کیا تم نہیں جانتے کہ جب میں اپنے بندے پر مکمل طور پر نظرِ رحمت فرماتا ہوں تو اس سے تمام دنیا سمیٹ لیتا ہوں۔

اللہ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عَزَّ وَجَل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ محبت نشان ہے: بے شک مجھے دو چیزیں پسند ہیں، جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا، ایک فقر اور دوسرا جہاد۔

ایک روایت میں ہے، حضرت سَیِّدُنا جبرائیل علیہ السلام نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ کو سلام بھیجتا ہے اور استفسار فرماتا ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَی الْفَقْرِ" سب سے افضل مقام یہ ہے کہ فقر پر صبر کو مضبوطی سے تھامے۔ فقر پر صبر واعتقاد رکھنا بندے کے مقامات میں سب سے افضل مقام ہے اور فقر فنائے مقامات کا نام ہے فقر پر صبر واعتقاد کرنے کی علامت یہ ہے کہ درویش اعمال وافعال اور اوصاف کے فنا کے رخ کو ملحوظ رکھے۔ لیکن اس قول میں ظاہر معنیٰ غنا پر فقر کی فضیلت واعتقاد رکھنے میں ہے کہ کسی حال میں راہِ فقر سے مونھ نہ موڑے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ میں ان پہاڑوں کو آپ کے لئے سونا بنادوں اور آپ جہاں کہیں ہوں یہ آپ کے ساتھ رہیں؟ نبئ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے کچھ دیر سرِ اقدس جھکائے رکھا پھر فرمایا: اے جبریل! دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو عقلمند نہ ہو۔ تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی: اے محمد صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ کو قول ثابت پر قائم رکھے۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ، الحدیث ۲۴۴۷۳، ج۹، ص ۳۴۳۔ ۳۴۴) (مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزھد، باب ما قالوا فی البکاء من خشیۃ اللہ، الحدیث ۱۸۶، ج ۸، ص ۳۲۱)

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی سیاحت کے دوران ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو چادر میں لپٹے ہوئے سو رہا تھا، آپ علیہ السلام نے اسے جگایا اور فرمایا: اے سونے والے! اٹھ اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کو یاد کر۔ اس نے عرض کی: آپ علیہ السلام مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے میرے دوست! اگر یہ بات ہے تو سو جاؤ۔

اللہ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا، تو اس میں اکثر فقراء کو پایا اور جہنم میں جھانکا، تو اس میں اکثر اُمراء کو پایا۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، الحدیث ۶۴۴۹، ص ۵۴۲، اغنیاء: بدلہ: النساء)

حضور نبی کریم، رءوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اے فقراء کے گروہ! اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رضا پر دل سے راضی رہو، تب ہی اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب الیاء، الحدیث ۸۲۴۲، ج ۲، ص ۴۷۵)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سَیِّدُنا اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فقیر وہ ہے جو اللہ کی سوا کسی چیز میں راحت نہ پائے"۔
اس لئے درویش خدا کے سوا کسی سے کوئی واسطہ و علاقہ نہیں رکھتا۔ اس قول کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ
درویش حق تعالیٰ کے سوا غنا و تونگری پائے گا ہی نہیں جب اسے پا لے گا تو تونگر ہو جائے گا لہٰذا تمہارا وجود اس
کے لیے غیر ہے اور جب تونگری ترکِ غیر کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں تو تونگری حجاب بن گئی جب تم اس راہ
پر گامزن ہو گے تو تونگر کیسے رہو گے یہ معنی بہت لطیف و عمیق ہیں۔ اہل حقیقت کے نزدیک مذکورہ جملہ کا
مفہوم یہ نکلا کہ "اَلْفَقِیْرُ اَن لَا یَسْتَغْنِیْ عَنْهُ" فقیر وہ ہے جسے کبھی غنا نہ ہو یہ وہ معنی ہیں جسے شیخ طریقت
حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ (28) نے فرمایا کہ ہمارا غم تو دائمی ہے کسی حال میں نہ تو ہم اپنی
ہمت سے مقصود حاصل کر سکتے ہیں اور نہ کامل طور پر دنیا و آخرت میں اس سے نابود ہو سکتے ہیں اس لئے کہ
حصولِ شے کے لیے مجانست ضروری ہے اور وہ جنس نہیں ہے اور موجود سے اعراض کے لیے غفلت درکار
ہے لیکن درویش غافل نہیں ہوتا کیونکہ پیش آمدہ راہ، دشوار و مشکل ہے اور وہ دوست ایسا ہے کہ ریاضت و
مجاہدے کے ذریعہ اس کا دیدار حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دیدار، مخلوق کی قدرت والی جنس کی قبیل سے
ہے۔ اور فنا پر تبدل صورت نہیں اور بقا پر تغیر جائز نہیں اور نہ فانی کبھی باقی ہے جسے حق کا وصال نصیب ہو گا
اور نہ باقی کبھی فانی ہے کہ اس کا قرب و نزدیکی حاصل ہو گی لہٰذا اس کے دوست تو سراسر مشکل میں پڑے
ہوئے ہیں دل کی تسلی کے لیے حسین عبارتیں بنا دی گئی ہیں۔ اور تسکین روح کے لیے مقامات و منازل اور
طریق ظاہر کر دیے ہیں ان کی عبارتیں اپنے وجود میں مزین اور ان کے مقامات اپنی جنسیت میں پراگندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مجھے شکستہ دِل لوگوں میں تلاش کرو، انہوں نے عرض کی: وہ کون ہیں؟ فرمایا: سچے فقراء۔
فقراء کی فضلیت پر احادیث و آثار شاہد ہیں اور مال کمانے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ کے پیارے
حبیب، حبیبِ لبیب عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے دُعا مانگی:
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ كَفَافاً۔
(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ، الحدیث ۲۴۲۷، ص ۸۴۳۔ ۸۴۴) (الاحسان بترتیب صحیح ابن
حبان، کتاب التاریخ، باب من صفتہ وأخبارہ، الحدیث ۶۳۰۹، ج ۸، ص ۸۶۔ ۸۷)
شرح (28): حضرت خواجہ عبداللہ انصاری بھی داتا صاحب کے ہم عصر بزرگ ہیں آپ کی پیدائش
۳۹۶ ہجری اور وصال ۴۸۱ ہجری ہے۔

حق تعالیٰ مخلوق کے اوصاف واحوال سے پاک ومنزہ ہے۔

(٦) حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہونے کے وقت خاموش رہے اور جب ہو تو سب کچھ خرچ کردے اور یہ بھی فرمایا کہ موجودگی کے وقت مضطرب رہے''۔

مطلب یہ ہے کہ جب مال نہیں ہوتا تو وہ خاموش رہتا ہے اور جب مال ہوتا ہے تو وہ اپنے سے زیادہ دوسرے کو بہتر جان کر اس پر خرچ کرتا ہے لہٰذا وہ شخص جو ایک لقمہ کی حاجت رکھتا ہے جب اس کی حاجت پوری نہ ہو تو اس کا دل ساکن رہتا ہے اور جب وہ لقمہ مل جاتا ہے تو اپنے مقابلہ میں دوسرے کو بہتر جان کر اسے دے دیتا ہے یہ عظیم کارنامہ ہے۔

اس قول میں دو اشارے ہیں ایک یہ کہ وہ نہ ہونے کی حالت میں خاموش اور راضی برضا رہتا ہے اور موجود ہونے کی صورت میں پسند کرتا ہے کہ دوسرے پر خرچ کردے کیونکہ راضی ہونا حصول خلعت کے لائق بناتا ہے یہی خلعت، قرب ونزدیکی کی علامت ہے اور محب وطالب، تارک خلعت ہے کیونکہ خلعت میں فرقت کا نشان ہے اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ وہ ساکن ہوتا ہے یعنی نہ ہونے کی حالت میں موجود ہونے کے انتظار میں خاموش رہتا ہے پھر جب موجود ہو جاتا ہے تو اس کا وجود چونکہ خدا کا غیر ہے وہ غیر سے راحت نہیں پاتا تو اسے اپنے سے جدا کر دیتا ہے یہی مفہوم شیخ المشائخ ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید رحمۃ اللہ علیہ[29] کے اقوال کا ہے۔ فرماتے ہیں: ''اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْکَالِ'' تمام شکلوں سے دل کا

شرح (29): حضرتِ سیّدُنا جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی

حضرتِ سیّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی ولادتِ مبارکہ تقریباً ۲۱۸ھ میں بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام جُنید، نسبت بغدادی، کنیت ابوالقاسم ہے اور القابات سیّدُ الطائفہ، طاؤس العلماء، زجاج، قواریری اور لسانُ القوم ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد حضرت سیّدُنا محمد بن جنید شیشہ کی تجارت کرتے تھے اور نہاوند کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع میں آئینہ کی تجارت کرتے تھے اور اس وقت آپ کا معمول تھا کہ بلاناغہ اپنی دوکان پر تشریف لے جاتے اور پردہ گرا کر چار سو رکعت نماز نفل ادا فرماتے۔ ایک مدت تک آپ نے اس عمل کو جاری رکھا۔ پھر آپ نے اپنی دکان کو چھوڑ دیا اور اپنے شیخ طریقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کے مکان کی ایک کوٹھری میں خلوت گزیں ہو کر اپنے دل کی پاسبانی شروع کر دی اور حالت مراقبہ میں آپ اپنے نیچے سے مصلیٰ کو بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خالی کرنا فقر ہے دل میں جب شکل ہوتی ہے تو شکل چونکہ غیر ہے تو بجز نکال پھینکنے کے چارہ کار نہیں۔

(۷) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاؤُہٗ کُلُّہٗ عِزٌّ"۔ فقر ابتلاء کا سمندر ہے اور اس کی تمام بلائیں عزت ہیں اور عزت نصیب غیر ہے اس لئے کہ مبتلا تو عین بلا میں ہے اسے غیر سے کیا سروکار۔ اس وقت تو وہ ابتلا سے بھی میلان نہیں رکھتا۔ اس وقت اس کی بلا بتمامہ عزت ہوتی ہے اور اس کی عزت ہمہ وقت۔ اور اس کا وقت، سب محبت میں اور اس کی محبت تمام مشاہدے میں مرکوز ہوتی ہے تاکہ مطلوب و طالب کا پورا دماغ غلبہ خیال سے محلِ دیدار بن جائے یہاں تک کہ بغیر آنکھ کے دیکھنے والا بغیر کان کے سننے والا ہو جاتا ہے تو ایسا بندہ صاحب عزت ہے کہ اس نے ابتلا کا بوجھ اٹھا رکھا ہے (30) کیونکہ حقیقت میں ابتلاء عزت کی چیز ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نکال ڈالتے تاکہ آپ کے دل پر سوائے اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم کے خیال کے کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔ اس طرح آپ نے 40 سال کا طویل عرصہ گزارا۔ تیس سال تک آپ کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صبح تک اللہ اللہ کہا کرتے اور اسی وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ آپ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ بیس برس تک تکبیر اولیٰ مجھ سے فوت نہیں ہوئی اور نماز میں اگر دنیا کا خیال آجاتا تو میں اس نماز کو دوبارہ ادا کرتا اور اگر بہشت اور آخرت کا خیال آتا تو میں سجدہ سہو ادا کرتا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال شریف ۲۷ رجب المرجب ۲۹۷ھ یا ۲۹۸ھ کو ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار بھی بغداد شریف میں شونیزیہ کے علاقے میں واقع ہے۔

شرح (30): اے بھائی! دیکھ! ان ہستیوں کا معاملہ بہترین ہے، ان کی منزل کتنی عمدہ ہے! ان کا انجام کتنا اچھا ہے! ان کا میل کچیل بھی کتنا صاف شفاف ہے! بے شک لوگوں کی زندگی اس وقت تک بے غبار نہیں ہوتی جب تک انہیں ابتلاء و آزمائش کے کنوئیں میں ڈال نہ دیا جائے۔ ان کے دل غربت و افلاس میں مطمئن دکھائی دیتے ہیں اور یہ لمبی اُمیدیں نہیں رکھتے۔ اور انہیں (بروزِ قیامت) تمام مخلوق کے سامنے شوق (یعنی دیدار الٰہی عَزَّ وَجَلَّ) کے بازار میں پکارا جائے گا، کیا تم آزمائش میں صبر کرتے رہے؟ تو یہ جواب دیں گے: جی ہاں! پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ انہیں توفیق کی پاکیزہ شراب کے جام پلائے گا جن پر تصدیق کی مہر لگی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی مذمت کرتے ہیں اور تحقیق کے چٹیل میدانوں میں غائب رہتے ہیں۔ راہِ حق عَزَّ وَجَلَّ میں فقر و فاقہ سے لذت حاصل کرتے ہیں اور بیابانوں میں خلوتوں سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دنیاوی نعمتیں ذلت کی چیز اس لیے حقیقی عزت وہی ہے (31) جس سے بندہ کی بارگاہِ حق میں حضوری ہو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محبوبِ اکبر عَزَّ وَجَلَّ کے ذکرِ خیر پر ٹوٹ کر گر جاتے ہیں اور جب پراگندہ حال فقراء کے لئے آخرت میں عظیم انعامات کا مژدۂ جاں فزا سنتے ہیں تو ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

شرح (31): حقیقی عزت اور حقیقی بادشاہت

حضرتِ سیّدُنا رِیاشی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا بیان ہے، میں نے حضرتِ سیّدُنا اَصمعی علیہ رحمۃ اللہ القوی کو یہ فرماتے سُنا: خلیفہ عبدالملِک بن مَرْوَان حج کے دنوں میں اپنے وزیروں، مشیروں اور اُمراء کے ساتھ مکۂ مکرمہ زَادَہَا اللہُ شَرَفًاوَّ تَعْظِیْمًا میں بڑی شان و شوکت سے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک حضرتِ سیّدُنا عطاء بن رَباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، خلیفہ انہیں دیکھتے ہی استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا، بڑے ادب و احترام سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گیا۔ پھر عرض گزار ہوا: حضور! اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی حاجت ہے تو ارشاد فرمائیے۔

خوفِ خدا و عشقِ مصطفی عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی دولت سے مالا مال مبلغ حضرتِ سیّدُنا عطاء بن رَباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نیکی کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے خلیفہ! اللہ و رسول عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے حرم میں مہاجرین و انصار کی اولاد کے متعلق اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈر! بے شک تو انہی کی وجہ سے اس مجلس میں بیٹھا ہے۔ اے خلیفہ! سرحد والوں کے بارے میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈر! بے شک یہ مسلمانوں کے قلعے ہیں۔ ان کے معاملات حل کیا کر! بے شک تجھ اکیلے سے ان سب کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔ جو سائل تیرے دروازے پر آئیں ان سے غفلت نہ بَرتنا، ان کے معاملے میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے خوب ڈر اور اپنے دروازے سائلین کے لئے بند مت کر۔ نیکی کی دعوت سُن کر خلیفہ نے کہا: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو حکم فرمایا میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واپس جانے لگے تو خلیفہ نے آپ کا دامن تھام کر کہا: اے ابو محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! آپ نے دوسروں کی حاجات کے متعلق سوال کیا ہے، ہم انہیں پورا کریں گے۔ آپ اپنی بھی کسی حاجت کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہوئے دربارِ شاہی سے واپس تشریف لے گئے: اے خلیفہ! مجھے مخلوق سے کوئی حاجت نہیں۔ خلیفہ نے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا: خدا عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! یہ ہے حقیقی عزت، یہ ہے حقیقی بادشاہت۔

(عیون الحکایات مؤلف: امام ابو الفرَج عبدالرحمن بن علی جوزی علیہ رحمۃ اللہ القوی صفحہ ۲۸۲)

ذلیل و حقیر وہ شے ہے جس سے بندہ حق سے دور ہو اور فقر کی بلائیں حضوری کی علامت ہیں اور غنا و تونگری کی راحت دوری و غیبت کا نشان ہے۔ حاضر بحق صاحب عزت ہے اور غائب از حق ذلیل و خوار۔ جس ابتلاء کے معنیٰ مشاہدہ اور اس کے دیدار سے انس ہو اس سے جس طرح بھی تعلق ہو غنیمت ہے۔

(۸) سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اے گروہ فقراء! تم لوگوں میں اللہ والوں کی حیثیت سے جانے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ہی تمہاری تعظیم کی جاتی ہے جب تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہو تو اپنا جائزہ لیا کرو کہ فی الواقع تعلق کا کیا حال ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ جب خلق خدا تم کو درویش کہہ کر پکارے اور وہ تمہارا حق ادا کرے تو تم اپنی درویشی کے حق کا جائزہ لیا کرو (32) کہ یہ حق کس طرح ادا ہو رہا ہے اور اگر خلق خدا تم کو تمہارے دعوے کے خلاف

شرح (32): تعریف پسندی

کچھ لوگ اس خراب عادت میں مبتلا ہیں کہ جو شخص ان کے منہ پر ان کی تعریف کر دے وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جو شخص ان کے عیبوں کی نشاندہی کر دے اس پر مارے غصہ کے آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ آدمی کی یہ خصلت بھی نہایت ناقص اور بہت بری عادت ہے۔ اپنی تعریف کو پسند کرنا اور اپنی تنقید پر ناراض ہو جانا یہ بڑی بڑی گمراہیوں اور گناہوں کا سر چشمہ ہے اس لئے اگر کوئی شخص تمہاری تعریف کرے تو تم اپنے دل میں سوچو اگر واقعی وہ خوبی تمہارے اندر موجود ہو تو تم اس پر خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس کی توفیق عطا فرمائی اور ہرگز اپنی اس خوبی پر اکڑ کر اترا کر خوش نہ ہو جاؤ۔ اور اگر کوئی شخص تمہارے سامنے تمہاری خامیوں کو بیان کرے تو ہرگز ہرگز اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو۔ بلکہ اس کو اپنا مخلص دوست سمجھ کر اس کی قدر کرو اور اپنی خامیوں کی اصلاح کر لو اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہر تعریف کرنے والا دوست نہیں ہوا کرتا۔ اور ہر تنقید کرنے والا دشمن نہیں ہوا کرتا۔ قرآن و حدیث کی مقدس تعلیم سے پتا چلتا ہے کہ اپنی تعریف پر خوش ہو کر پھول جانے والا آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلّم کو بے حد ناپسند ہے اور اس قسم کے مردوں اور عورتوں کے ارد گرد اکثر چاپلوسی کرنے والوں کا مجمع اکٹھا ہو جایا کرتا ہے اور یہ خود غرض لوگ تعریفوں کا پل باندھ کر آدمی کو بے وقوف بنایا کرتے ہیں۔ اور جھوٹی تعریفوں سے آدمی کو الو بنا کر اپنا مطلب نکال لیا کرتے ہیں۔ اور پھر لوگوں سے اپنی مطلب برآری اور بیوقوف بنانے کی داستان بیان کر کے لوگوں کو خوش طبعی اور ہنسنے ہنسانے کا سامان فراہم کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہر مرد و عورت کو چاپلوسی کرنے والوں اور منہ پر تعریف کرنے والوں کی عیارانہ چالوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور ہرگز ہرگز اپنی تعریف سن کر خوش نہ ہونا چاہیے۔

کسی اور نام سے پکارے تو ان کی یہ باتیں پسند نہ کرو [33] تم بھی اپنے دعوے کے ساتھ انصاف و راستی سے کام لو کیونکہ لوگوں میں وہ شخص انتہائی پست اور ذلیل ہے کہ لوگ اسے درویش جانیں اور وہ خود ایسا نہ ہو! وہ شخص بہت اچھا ہے جسے لوگ درویش نہ کہیں لیکن وہ درویش ہو جس طرح کہ وہ شخص برا ہے جسے لوگ باخدا درویش کہیں حالانکہ وہ ایسا نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دعویٰ کرے کہ میں طبیب ہوں اور وہ بیماروں کا علاج کرنے لگے حالانکہ وہ علم طب میں کچھ درک نہ رکھتا ہو لوگوں کو اور زیادہ بیمار کر دے جب خود بیمار ہو تو اپنا علاج کرنے سے عاجز رہے اور دوسرے طبیب کو اپنے علاج کے لیے تلاش کرے ایسا درویش جسے لوگ باخدا کہیں اور وہ باخدا ہو وہ ایسے طبیب کے مانند ہے جو بیماروں کا علاج کر سکے اور جب خود بیمار ہو تو کسی دوسرے طبیب کی اسے حاجت نہ ہو بلکہ خود ہی اپنا علاج کر لے۔ ایسا درویش جسے لوگ باخدا درویش نہ جانیں حالانکہ وہ باخدا درویش ہو وہ اس مردِ طبیب کے مانند ہے جو لوگوں کو اپنے طبیب ہونے کی خبر نہ کرے اور ان کے رجوعات سے فارغ ہو لیکن خود موافق غذاؤں مفرح شربتوں اور عمدہ و معتدل ہواؤں کا لحاظ رکھے تاکہ بیمار نہ ہو جائے ایسا درویش چشم خلائق سے پوشیدہ رہتا ہے۔

(۹) بعض مشائخ متاخرین فرماتے ہیں کہ: 'اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ'۔ بغیر وجود کے عدم کا نام فقر ہے۔ اس قول کی عبارت ناتمام و ناقص ہے اس کا مفہوم لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کوئی شے

شرح (33): خوفِ خدا سے لرز جایئے!

جب کوئی آپ کی تعریف کرے تو اس طرح بھی غور و خوض (یعنی فکرِ مدینہ) کیجئے: جس وجہ سے میری تعریف کی گئی ہے وہ مجھ میں پائی بھی جا رہی ہے یا نہیں؟ مثلاً لوگوں نے مجھے متقی و پرہیز گار کہا، کیا میں واقعی تقویٰ کے شرعی معیار پر پورا اترتا ہوں اور اگر لوگوں کی تعریف سچی بھی ہے تو اس میں میرا کیا کمال ہے یہ تو میرے رب عَزَّ وَجَلَّ کی عطا ہے پھر اعمال کا اعتبار تو خاتمے پر ہے، میں نہیں جانتا کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن مجھے انہی لوگوں کے سامنے بلا کر کہا جائے: اے فاجر! اے دھوکے باز! اے ریاکار! کیا تجھے حیا نہ آئی جب تُو نے اللہ عزوجل کی اطاعت کے بدلے دنیا کا ساز و سامان خریدا؟ تُو نے بندوں کے دلوں پر نظر رکھی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی نظرِ رحمت پر قناعت نہ کی، اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے نہیں صرف اُس کے بندوں سے محبت کی، لوگوں کے لئے ایسی چیزوں سے آراستہ ہوا جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے نزدیک بری تھیں اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے دُوری اختیار کر کے لوگوں کی قربت پائی۔

معدوم نہیں ہوتی۔ اور شے کے وجود کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا اس عبارت سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ فقر کوئی چیز نہیں ہے اور یہ کہ مذکورہ اقوال مشائخ اور تمام اولیاء اللہ کا اجماع و اتفاق بے اصل رہے کیونکہ وہ خود اپنی ذات میں فانی و معدوم ہیں اور اس عبارت سے عین کا عدم مراد نہیں بلکہ عین عدمِ آفت مراد ہے۔ حالانکہ آدمی کی تمام صفتیں آفت ہیں۔ جب آفت کی نفی ہوگئی تو وہ صفت کا فنا ہونا ہے اور فنائے صفت وصول و عدم وصول کے واسطہ کو ان کے سامنے سے ہٹاتا ہے اور ذات سے ان کے حال کو معدوم کرنا ذات کی نفی مراد پانا ہے اور اس میں اسے ہلاک کر دینا ہے۔

(۱۰) مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے متکلمین کی ایک جماعت کو دیکھا جنہیں فقر کی حقیقت کی خبر نہ تھی اور وہ اس عبارت پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسی نامعقول بات ہے اور میں نے مدعیانِ کاذب کی ایک جماعت دیکھی جو اس نامعقول بات کو تسلیم کرتے اور اس پر اعتقاد و اعتماد کرتے تھے اور اصل قصہ کا انہیں علم ہی نہ تھا وہ برملا کہتے تھے کہ "اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُودٍ" بغیر وجود کے عدم کا نام فقر ہے۔ حالانکہ یہ دونوں غلطی پر ہیں ایک بر بنائے عدم علم، حق کا منکر ہوا اور دوسرے نے جہل و نادانی کو اپنالیا اور ظاہری الفاظ میں الجھ کر رہ گیا۔

مشائخ طریقت کی عبارتوں میں عدم و فنا کا مطلب مذموم حرکات اور ناپسندیدہ صفات سے دور رہ کر پسندیدہ اور محمودہ صفات کی جستجو کرنا ہے آلات طلب و جستجو میں معدوم و ناپید ہونا مراد نہیں ہے۔

غرض کہ درویش کو تمام معانی فقر میں خالی ہونا اور ہر سبب سے بیگانہ ہونا چاہیے اب رہی یہ بات کہ اسرارِ ربانی میں سپر کرنا اسی سے اپنے امور حاصل کرنا اپنے فعل کو اس سے منسلک کرنا اور معانی و مقاصد کو اس سے اسناد کرنا، تو جب اس کے امور کسب و محنت کی بندش سے رہائی پا جائیں گے تو فعل کی نسبت اس سے جدا ہو جائے گی اس وقت اس پر جو حال گذرتا ہے وہ گذر جائے گا اس حال میں وہ کسی چیز کو نہ تو از خود اپنی طرف لاتا ہے اور نہ اپنے سے دور کرتا ہے سب کچھ منجانب اللہ سمجھتا ہے اور جو کچھ اس پر بیت جاتی ہے وہ اسے عین وحق سمجھتا ہے۔

(۱۱) حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے زبان دراز مدعیان (کاذب) کے ایک گروہ کو دیکھا جو قفس فقر میں نفی وجود کے قضیہ کے ادراک سے ان کے کمال کی نفی کا اظہار کر رہا تھا یہ بات بذاتِ خود سخت عزیز ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگ حقیقت فقر سے نفی کرنے سے مراد عین فقر میں

نفی صفت ظاہر کر رہے تھے اور دیکھا کہ طلب حق و حقیقت کی نفی کو فقر و صفت کہہ رہے تھے اور دیکھا کہ اپنی ہوا و ہوس کو ثابت و برقرار رکھ کر نفی کل ظاہر کر رہے تھے اور وہ لوگ حجتِ فقر کے ہر درجہ میں پسماندہ تھے اس لیے کہ آدمی کے لیے اس بات کا ادراک کمالِ ولایت کی علامت اور اس بات کے سمجھنے کے درپے ہونا غایت درجہ کی ہمت ہے اور عین معنیٰ سے محبت کرنا محلِ کمال ہے لہٰذا طالب فقر و تصوف کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ان کی راہ پر چلے اور ان کے مقامات کو طے کرے اور ان کی عبارات پر غور اور فکر کر کے سمجھنے کی کوشش کرے تا کہ محل خاص تاریکی میں نہ رہے اس لیے کہ تمام اصول، اصول سے اور تمام فروع، فروع سے نکلتے ہیں۔ اگر کوئی رہگزر فروع سے رہ جائے تو اصول سے نسبت باقی رہتی ہے لیکن جب اصول ہی رہ جائے تو وہ کسی جگہ بیٹھنے کے لائق نہیں رہتا اور کسی سے نسبت نہیں رہتی۔ میں نے یہ تمام باتیں واضح طور پر اس لیے بیان کی ہیں کہ تم انہیں غور و فکر کر کے راہ حق کے آداب کی رعایت ملحوظ رکھو۔ اب میں مشائخ طریقت کے کچھ اصول و رموز اور ان کے وہ اشارات جو تصوف کے سلسلہ میں فرمائے ہیں بیان کرتا ہوں اس کے بعد مردانِ خدا کے اسماء گرامی اور مشائخ طریقت کے مذاہب کا اختلاف بیان کروں گا۔ بعد ازاں حقائق و معارف اور احکامِ شرائع بیان کر کے ان کے مقامات کے رموز و آداب حتی الامکان بیان کروں گا تا کہ تم پر اور ہر اس شخص پر جو اس کتاب کو پڑھے حقیقت واضح ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆

باب 3:

تصوف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (1) "رحمن کے وہی بندے ہیں جو زمین پر اخلاق وانکسار سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ انہیں پکارتے ہیں تو وہ سلام کرتے ہیں۔" (الفرقان: ٦٣)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤَمِّنْ عَلٰی دُعَائِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِیْنَ "جو صوفیا کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔"

اہل علم حضرات نے اسم تصوف کی تحقیق میں بہت کچھ کہا ہے (2) اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

شرح (1): وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○

ترجمہ کنز الایمان: اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں: بس سلام (پ۱۹، الفرقان: ٦٣)

شرح (2): حضرت سیدنا سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تصوّف تین وصفوں کا نام ہے ایک یہ کہ آدمی کی معرفت کا نور اس کے ورع (اعلیٰ تقویٰ) کو بجھا نہ دے دوسرا یہ کہ اپنے دل میں کوئی ایسا خیال نہ لائے جو ظاہر قرآن یا ظاہر حدیث کے خلاف ہو تیسرا یہ کہ کرامتوں کی وجہ سے وہ پوشیدہ چیزوں کو نہ کھولے جن کا کھولنا اللہ عزوجل نے اس پر حرام کیا ہے۔ (رسالہ قشیریہ ۱۳ مطبوعہ مصر)

حضرت سیدنا ابو عبداللہ محمد بن خفیف ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تصوّف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (طبقات کبریٰ از امام شعرانی ص ۱۸)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری نے اپنی کتاب اَلتَّعَرُّفُ لِمَذْهَبِ التَّصَوُّفِ اس کی شان میں اولیاء کرام علیہم الرضوان نے فرمایا اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو تصوف نہ پہچانا جاتا۔ اس کتاب میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو اس لیے صوفی کہا جاتا ہے کہ وہ صوف (پشمینہ) کے کپڑے پہنتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ اول صف میں ہوتے ہیں اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی نیابت کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ نام، صفا سے ماخوذ ہے۔ غرض کہ ہر وجہ تسمیہ میں طریقت کے بکثرت لطائف ہیں لیکن اگر لغوی معنیٰ کا اعتبار کیا جائے تو معنیٰ بعید از مفہوم ہو جاتا ہے چونکہ ہر حالت میں ظاہر و باطن کی صفائی محمود و پسندیدہ ہے اور اس کی ضد کدورت سے اجتناب کرنا مقصود ہے جیسا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كَدَرُهَا" (بخاری شریف) (دنیا کی پاکیزگی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی (3)) گویا صوفی میں لطیف و پاکیزہ چیزوں کے نام سے اس کی صفائی مراد ہے۔ چونکہ صوفیاء کرام اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب و پاکیزہ بنا کر طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں اس بناء پر انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ صوفیاء کی جماعت کے لیے یہ نام اسماء اعلام یعنی مخصوص و معین ناموں میں سے ہے اس لیے کہ ان کے خطرات ان کے ان معاملات کے مقابلہ میں جسے وہ مخفی رکھتے ہیں بہت بڑے ہیں تاکہ ان کا نام اسی سے ماخوذ سمجھا جائے۔

موجودہ زمانے میں حق تعالیٰ نے تصوف اور صوفیاء کرام کی مقدس ہستیوں کو اکثر پردے میں رکھا ہے اور تصوف کے لطائف کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کیا ہے تاکہ کوئی تو یہ سمجھے کہ یہ لوگ ظاہری اصلاح کے لیے ریاضتیں کرتے ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ سمجھے کہ اصل و حقیقت کے بغیر یہ ایک رسم ہے حتیٰ کہ وہ اس کے انکار پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ مسخرے اور ظاہر بین علماء جو کلی طور پر اس کے منکر ہوں تصوف کے حجاب میں خوش رہتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں اور انہوں نے باطن کی صفائی کی جستجو و طلب کو دل سے محو کر کے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے تصوّف کی تعریف نقل فرمائی کہ تصوف اِن اِن اوصاف کا نام ہے۔ ان کو ختم اس پر فرمایا کہ شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کرنا۔ (تعرف باب اول)

اٹھائیسواں قول: حضرت ابوالقاسم نصر آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سیدنا ابوبکر شبلی اور سیدنا ابو علی رودباری کے جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں فرماتے ہیں تصوّف کی بنیاد یہ ہے کہ کتاب و سنت کو لازم پکڑے رہے (طبقات کبریٰ ۱۲۲)

شرح (3): امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری۔ الرسالۃ القشیریہ

مسلک ومذہب کو بھلادیا ہے۔

اِنْ اَرَدْتَ صُوْفِيًا عَلَى التَّحْقِيْقِ　اِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الصِّدِّيْقِ

''حق وصداقت کی راہ میں اگر تم صوفی بننا چاہو تو جان لو کہ صوفی ہونا حضرت صدیق کی صفت ہے۔''

صفائے باطن کے لیے کچھ اصول اور فروع ہیں۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے اور فروع یہ ہے کہ مکروفریب سے بھرپور دنیا کو دل سے خالی کردے یہ دونوں صفتیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں اسی لیے آپ طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں آپ کا قلب مبارک اغیار سے خالی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب تمام صحابہ کرام بارگاہِ معلیٰ میں دل شکستہ ہو کر جمع ہوئے تو سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جس نے بھی یہ کہا کہ اللہ کے رسول کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کردوں گا (4) اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے خطبہ دیا کہ:

اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ عَبَدَ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ.

خبردار! جو حضور کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے اور جو حضور کے رب کی عبادت کرتا ہے تو آگاہ ہو کہ وہ زندہ ہے جسے موت نہیں ہے (5) (بخاری شریف)۔ اس کے بعد آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (6)

''اور حضور تو اللہ کے رسول ہی ہیں بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے

شرح (4): مدارج النبوت، قسم سوم، باب دوم، ج ۲، ص ۴۳۲

شرح (5): مدارج النبوت، قسم سوم، باب دوم، ج ۲، ص ۴۳۲

شرح (6): وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ

ترجمہ کنزالایمان: اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے (پ ۴، آل عمران: ۱۴۴)

ہیں تو کیا اب حضور انتقال فرما جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟"(7) (آل عمران ۱۴۴)

مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی یہ سمجھے بیٹھے تھا کہ حضور معبود تھے تو جان لے کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے اور اگر وہ حضور کے رب کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہے۔ ہرگز اس پر موت نہیں آئی ہے یعنی جس کا دل فانی سے پیوستہ ہوتا ہے تو وہ فانی تو فنا ہوتا ہے اور اس کا رنج باقی رہ جاتا ہے لیکن جس کا دل حضرت حق سبحانہ سے لگا ہوا ہو تو جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو وہ بقائے باقی دل کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشریت کی آنکھ سے دیکھا (اور آپ کو اپنا جیسا بشر سمجھا) (8) تو جب آپ دنیا سے تشریف

شرح (7): شانِ نزول

جنگِ اُحد میں جب کافروں نے پکارا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے اور شیطان نے یہ جھوٹی افواہ مشہور کی تو صحابہ کو بہت اِضطراب ہوا اور اُن میں سے کچھ لوگ بھاگ نکلے پھر جب ندا کی گئی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے ہیں تو صحابہ کی ایک جماعت واپس آئی حضور نے انہیں ہزیمت پر ملامت کی اُنہوں نے عرض کیا ہمارے ماں اور باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی شہادت کی خبر سُن کر ہمارے دِل ٹوٹ گئے اور ہم سے ٹھہرا نہ گیا اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ انبیاء کے بعد بھی اُمتوں پر اُن کے دین کا اتباع لازم رہتا ہے تو اگر ایسا ہوتا بھی تو حضور کے دین کا اتباع اور اس کی حمایت لازم رہتی۔

شرح (8): سیدی اعلی حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انھیں اوروں کی مثل سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کور باطنوں کا دھوکا ہے یہ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں ع

انبیاء را ہمچوں خود پنداشتند　　　همسری با اولیاء برداشتہ

(اولیاء کی برابری اختیار کرنا اپنے آپ کو انبیاء جیسا تصور کرنا ہے۔)

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا، لست کاحدکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی ۔ (مسند امام احمد بن حنبل، از مسند ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دار الفکر بیروت ۲ / ۲۴۴)

میں تمھاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لے جائیں گے تو آپ کی وہ تعظیم جو اس کے دل میں ہے جاتی رہے گی اور جس نے آپ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو اس کے لیے آپ کا تشریف لے جانا یا موجود رہنا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ اس نے آپ کی موجودگی اور حالتِ بقا کو حق تعالیٰ کی بقا کے ساتھ اور آپ کے تشریف لے جانے کو حق تعالیٰ سے واصل وفنا ہونے اور پلٹنے اور فنا ہونے والی چیزوں سے روگرداں ہو کر پلٹانے اور فنا کرنے والی ذات کی طرف متوجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت وتعلیم امت کے لئے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان حدیث میں ہے:

انی لاانسی ولکن انسی لیستن بی ۔ (مؤطا امام مالک، باب العمل فی سہو، میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۸۴)

میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تا کہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو۔

امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان لایأتی الاحول البشریة لاجل نفسه المکرمة بل ذٰلك منه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی طریق التانیس البشریة لاجل الاقتداء به صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الاتری الی قول عمر رضی الله تعالیٰ عنه انی لاتزوج النساء ومالی علیهن حاجة وقد قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرة عینی فی الصلٰوة فانظر الی حکمة قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حبب ولم یقل احببت وقال من دنیاکم فاضافها الیهم دونه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فدل علی انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان حبه خاصا بمولاه عزوجل یدل علیه قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وجعلت قرة عینی فی الصلٰوة فکان صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بشری الظاهر ملکی الباطن فکان صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لایأتی الی شیئ من احوال البشریة الاتانیسا لامته تشریعا لها لاانه محتاج الی شیئ من ذٰلك کما تقدم وللجهل بهذه الاوصاف الجلیلة والخصال الحمیدة قال الجاهل المسکین مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔

(المدخل، فصل فی آدابه فی الاجتماع باہلہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ / ۱۹۳)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لئے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لئے کہ ان افعال میں حضور کی اقتدا کریں، کیا نہیں دیکھتا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہونے کو دیکھا۔ گویا اس نے قیامِ محوّل (پلٹنے والے وجود کو) محوّل (پلٹانے والی ذات) کے ساتھ قائم دیکھا۔ حق تبارک وتعالیٰ کی جس طرح تعظیم وتکریم کی جاتی ہے اسی طرح اس نے وجودِ اصل کی تعظیم اور توقیر کی لہٰذا دل کی راہیں کسی مخلوق کے لیے نہ کھولے اور اپنی نظریں کسی غیر کی طرف نہ پھیلائے۔ کیونکہ:

مَنْ نَظَرَ اِلَى الْخَلْقِ هَلَكَ وَمَنْ رَجَعَ اِلَى الْحَقِّ مَلَكَ ''جس نے مخلوق پر نظر ڈالی وہ ہلاک ہوا اور جس نے حق کی طرف رجوع کیا وہ مالک ہوا۔''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوسری شان کہ آپ کا قلب مبارک دنیائے غدار سے خالی تھا اس کی کیفیت یہ ہے کہ آپ کے پاس جتنا مال ومنال اور غلام و بردے وغیرہ تھے سب کو راہِ خدا میں دے کر ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت حضور نے دریافت فرمایا:

مَا خَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ فَقَالَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ ''اے صدیق تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا۔ فرمایا اللہ اور اس کا رسول۔''

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا تم نے اپنے مال میں سے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا بہت بڑا خزانہ اور بے حد وغایت مال ومنال چھوڑا ہے۔ فرمایا وہ کیا؟ عرض کیا ایک تو اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمھاری دنیا میں سے خوشبو، عورتوں کی محبت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، یہ نہ فرمایا کہ میں نے انھیں دوست رکھا، اور فرمایا: تمھاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ کہ اپنے نفس کریم کی طرف، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عز وجل کے ساتھ خاص ہے جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لئے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا انھیں اوصاف جلیلہ وفضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بیچارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد ۱۴ ص ۶۶۳ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کی محبت اور دوسرے اس کے رسول کی متابعت۔(9)

شرح (9): حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنا نصف مال لے کر بارگاہ اقدس میں چلے تو اپنے دل میں یہ خیال کر کے چلے تھے کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا کیونکہ اس دن کا شانۂ فاروق میں اتفاق سے بہت زیادہ مال تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر! کتنا مال یہاں لائے اور کس قدر گھر پر چھوڑا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آدھا مال حاضر خدمت ہے اور آدھا مال اہل وعیال کے لئے گھر میں چھوڑ دیا ہے اور جب یہی سوال اپنے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اِدَّخَرْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اپنے گھر کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَا بَیْنَکُمَا مَا بَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلاموں میں فرق ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مجاہدین کی سواری کے لئے اور ایک ہزار اشرفی فوج کے اخراجات کی مد میں اپنی آستین میں بھر کر لائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوش مبارک میں بکھیر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو قبول فرما کر یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ ارْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ اے اللہ تو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے خوش ہو گیا ہوں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس ہزار درہم دیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے گھر میں اس وقت اسی ہزار درہم تھے۔ آدھا بارگاہ اقدس میں لایا ہوں اور آدھا گھر پر بال بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت دے جو تم لائے اور اس میں بھی برکت عطا فرمائے جو تم نے گھر پر رکھا۔ اس دعاء نبوی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ مالدار ہو گئے۔

اسی طرح تمام انصار و مہاجرین نے حسب توفیق اس چندہ میں حصہ لیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار اتار کر بارگاہ نبوت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی من کھجوریں دیں۔ اور حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت ہی مفلس تھے فقط ایک صاع کھجور لے کر حاضر خدمت ہوئے اور گزارش کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں نے دن بھر پانی بھر بھر کر مزدوری کی تو دو صاع کھجوریں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب بندہ کا دل دنیاوی صفات سے آزاد ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیاوی کدورتوں سے اسے پاک و صاف کردیتا ہے یہ تمام صفتیں صوفی صادق کی ہیں ان کا انکار درحقیقت حق کا انکار اور اس سے کھلا مکابرہ و عناد ہے۔ (10)

میں کہتا ہوں کہ صفا کدورت کی ضد ہے اور کدورت صفاتِ بشری میں سے ہے حقیقۃً صوفی وہ ہے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مجھے مزدوری میں ملی ہیں۔ایک صاع اہل و عیال کو دے دی ہے اور یہ ایک صاع حاضر خدمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب نازک اپنے ایک مفلس جاں نثار کے اس نذرانہ خلوص سے بے حد متاثر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کھجور کو تمام مالوں کے اوپر رکھ دیا۔

(مدارج النبوت، قسم سوم، باب نہم، ج ۲، ص ۳۴۴ - ۳۴۶) (والمواہب اللدنیۃ وشرح الزرقانی، باب ثم غزوۃ تبوک، ج ۴، ص ۶۹ - ۷۱)

شرح (10): حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ ا کے پاس حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) بیٹھے ہوئے تھے ان پر ایک کمبل تھا جس کے دونوں پہلوؤں کو سینے پر ایک کانٹے (وغیرہ) سے ملا رکھا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کیا اور عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم)! کیا وجہ ہے کہ میں حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) پر ایسا کمبل دیکھتا ہوں جسے کانٹے کے ذریعے جوڑ رکھا ہے؟ آپ ا نے فرمایا انہوں نے اپنا مال فتح سے پہلے مجھ پر خرچ کردیا ہے۔انہوں نے عرض کی آپ ا انہیں میری طرف سے سلام ارشاد فرمائیں اور ان سے فرمائیں کہ آپ کا رب (عزوجل) آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا تم اس فقر کی حالت میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ راوی فرماتے ہیں (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) رو پڑے اور عرض کی کیا میں اپنے رب (عزوجل) سے ناراض ہوسکتا ہوں؟ میں اپنے رب (عزوجل) سے راضی ہوں میں اپنے رب (عزوجل) سے راضی ہوں۔

(حلیۃ الاولیاء جلد ۷ ص ۱۰۵ ترجمہ ۳۸۷۰)

بشری کدورتوں سے گزر جائے جیسا کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جب مشاہدہ کیا اور آپ کے حسن و جمال کے لطائف میں غرق ہوئیں تو ان پر بشریت غالب آ گئی پھر جب وہ منعکس ہو کر واپس آئے اور اس کی انتہا حد کمال تک پہنچی اور اس سے گزر کر بشریت کے فنا پر نظر پڑی تو کہنے لگیں۔ "مَا هٰذَا بَشَرًا" (11) (یہ تو بشر ہے ہی نہیں) حالانکہ انہوں نے اپنے کلام کا نشانہ بظاہر انہیں بنایا لیکن انہوں نے اس طرح اپنا حال ظاہر کیا تھا۔ اسی لیے مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ:

لَيْسَ الصَّفَا مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِاَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ وَالْمَدَرُ لَا يَخْلُوْا مِنَ الْكَدَرِ۔

"حالت صفا، بشری صفات میں سے نہیں ہے اس لیے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کا تودہ کدورت سے خالی نہیں ہوتا۔"

لہٰذا بشری حالت میں برقرار رہ کر کدورت سے نجات پانا ممکن نہیں اس لیے صفا کی مثال، افعال سے نہ ہوگی اور محض ریاضت و مجاہدہ سے بشریت زائل نہ ہوگی کیونکہ صفتِ صفا افعال و احوال سے منسوب نہیں ہے اور نہ نام و القاب سے اس کو کوئی علاقہ ہے اس لیے کہ:

اَلصَّفَا صِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوْسٌ بِلَا سَحَابٍ

"صفا تو محبوبوں کی شان ہے وہ تو آفتاب تاباں ہیں جس پر کوئی ابر نہیں۔"

مطلب یہ کہ صفا دوستوں کی صفت ہے یہ دوست وہ ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے اپنے دوست، حق تعالیٰ کی صفت کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔ اربابِ حال کے نزدیک دوست وہی ہوتا ہے جن کے احوال مثل آفتاب کے ظاہر ہوں۔ چنانچہ حبیب خدا محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء سے صحابہ کرام نے حضرت حارثہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالْاِيْمَانِ" وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے منور فرمایا ہے۔ (12) یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس کی تاثیر سے تاباں اور نورِ ربانی سے درخشاں ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے:

شرح (11): مَا هٰذَا بَشَرًا

ترجمہ کنز الایمان: یہ تو جنسِ بشر سے نہیں (پ ۱۲، یوسف: ۳۱)

شرح (12): جب حضرت سیدنا حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی: میں سچا مؤمن ہوں۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ضِيَاءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اِذَا اِشْتَرَكَا
نَمُوْذَجٌ مِّنْ صَفَاءِ الْحُبِّ وَالتَّوْحِيْدِ اِذَا اشْتَكَيَا

جب آفتاب و ماہتاب کے نور باہم مل جاتے ہیں تو اس کی مثال محبت و توحید کی صفائی ہے
جب کہ یہ دونوں پیوست ہو جائیں۔

حق تعالیٰ کی توحید و محبت جس جگہ ایسے مقام پر مل جائے کہ ایک کی نسبت دوسرے کی طرف ہونے لگے تو آفتاب و ماہتاب کے نور کی حیثیت وہاں کیا ہے؟ چونکہ دنیا میں ان دونوں کے نور سے زیادہ روشن کوئی شے نہیں جو وصفِ کمال اور نوری برہان میں اس سے بڑھ کر ہو کیونکہ آنکھیں آفتاب و ماہتاب کے نور کو دیکھنے سے عاجز رہتی ہیں البتہ ان دونوں کے نور کے غلبہ سے آسمان کو دیکھ لیتے ہیں اسی طرح قلب مومن و مخلص، معرفت و توحید اور محبت کے نور سے عرشِ الٰہی کو دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں عقبیٰ کے حالات سے باخبر ہو جاتا ہے۔

تمام مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر تغیر و تلون کے حدود سے نکل جاتا ہے تو وہ تمام احوال محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے اور وہ تمام بشری صفات کی کدورتوں سے نجات پا جاتا ہے یعنی بندہ جب دل میں اپنی کسی تعریف و توصیف سے نہ لطف اندوز ہوتا ہے اور نہ اپنے میں کسی صفت کو دیکھ کر متعجب ہوتا ہے ایسے بندوں کے احوال کو عام عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور وہم و گمان کے تصرف سے ان کی زندگی پاک و صاف ہوتی ہے۔ نہ ان کے حضور کو زوال ہے اور نہ ان کے وجود کے لیے اسباب کی حاجت۔

لِاَنَّ الصَّفَا حُضُوْرٌ بِلَا ذِهَابٍ وَّوُجُوْدٌ بِلَا اَسْبَابٍ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے علیحدہ کر دیا ہے، پس میرے نزدیک اِس (دُنیا) کا سونا اور پتھر برابر ہیں، گویا میں جنّت اور دوزخ کے مابین ہوں اور گویا میں اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کے عرش کے پاس کھڑا ہوں۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: تم نے (ایمان کی حقیقت کو) پہچان لیا، پس اس کو لازِم پکڑنا (پھر آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حضرت سَیِّدُنا حارثہ کے متعلق فرمایا) یہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے نورِ ایمان سے منوّر کر دیا۔

(الزھد الکبیر للبیہقی، الحدیث ۹۷۳، ص ۳۵۵، مفہوماً)

''اس لیے کہ صفا کے لیے بلا زوال حضور اور بلا سبب وجود ضروری ہے۔''

لیکن اگر غیبوبت کا اس پر غلبہ ہوجائے تو حضور نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے وجود کے لیے سبب وعلت ہو تو وہ وجدانی ہوجائے گا واجد نہ رہے گا اور جن احکامِ ربانی کی حفاظت دشوار ہوتی ہیں وہ آسان ہوجاتی ہیں چنانچہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان سے حضور اکرم نے دریافت فرمایا ''اے حارث کس حال میں تم نے صبح کی؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہوئے رات کٹی۔ حضور نے فرمایا اے حارث تم غور کرو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت و برہان کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں نے اپنے آپ کو دنیا سے قطع تعلق کر کے اپنے رب کو پہچانا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اب پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے نزدیک سب برابر ہیں کیونکہ دنیا سے بیزار ہو کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے میرا حال یہ ہے کہ رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو بھوکا پیاسا (یعنی روزے رکھتا ہوں) اب میری کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں (ایک روایت میں یہ ہے کہ ملاقات کرتے جنت میں دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ جہنمیوں کو آگ میں ایک دوسرے سے کشتی کرتے بھی دیکھ رہا ہوں (ایک روایت میں یہ ہے کہ شرمسار دیکھ رہا ہوں) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فالزم'' اے حارثہ تم نے ایمان کی حقیقت پالی اب اس پر قائم رہو۔ آپ نے اسے تین مرتبہ فرمایا۔

اولیاء کاملین کا نام:

اولیاء کاملین اور عرفاء محققین کا نام صوفی ہے یہ گروہ باصفا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ:

> مَنْ صَفَاهُ الْحُبُّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَاهُ الْحَبِيْبُ فَهُوَ صُوْفِيٌّ ''جس کی محبت پاک وصاف ہے وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔''

لہٰذا با اعتبار لغت اس کے معانی مشتقات کسی چیز کے ساتھ صحیح نہیں بنتے کیونکہ اس لفظ کے یہ معنی لغوی تعریف سے بہت بلند و ارفع ہیں اس معنی کی کوئی جنس نہیں ہے جس سے اس کو ماخوذ قرار دے دیا جائے اس لئے کہ کسی چیز کا کسی چیز سے ماخوذ و مشتق ہونا جنسیت کا متقاضی ہوتا ہے اور جس میں کدورت ہو وہ صاف و

شفاف کی ضد ہوتی ہے اور کسی چیز کو ضد سے مشتق نہیں کرتے۔ لہٰذا عرفاء کے نزدیک یہ معنیٰ اظہر من الشمس ہیں اس کے لیے نہ کسی تعبیر کی ضرورت ہے نہ کسی اشارہ کی۔ " لِاَنَّ الصُّوْفِیَّ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَۃِ وَالْاِشَارَۃِ"۔ اس لیے کہ صوفی کے معنیٰ کے لیے عبارت واشارہ کی ممانعت ہے۔

محققین کے نزدیک جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ صوفی کی تعریف عبارات سے کرنا ممنوع ہے اور عالم کی ہر شے اس کی تعبیرات ہیں خواہ انہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو لہٰذا حصول معنیٰ کے لیے اس نام کی لفظوں میں تعریف کی مطلق حاجت نہیں ہے۔ (فہم وادراک کے لیے اتنا جان لو کہ) مشائخ طریقت اور عارفان حقیقت کو صوفی کہتے ہیں اور مریدین و متعلقین اور سالکین معرفت کو متصوف۔

تصوف کی تعریف: (13)

کلمۂ تصوف بابِ تفعل سے ہے جس کا خاصہ ہے کہ بہ تکلف فعل کا متقاضی ہو اور یہ اصل کی فرع ہے لغوی حکم اور ظاہری معنی میں اس لفظ کی تعریف کا فرق موجود ہے۔

اَلصَّفَاءُ وَلَایَۃٌ وَلَهَا اٰیَۃٌ وَرِوَایَۃٌ وَالتَّصَوُّفُ حِکَایَۃٌ لِلصَّفَاءِ بِلَا شِکَایَۃٍ صفا ولایت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف صفا کی ایسی حکایت وتعبیر ہے جس میں شکوہ وشکایت نہ ہو۔ صفا کے ظاہری معنی تاباں ہیں اور تصوف اس معنیٰ ومفہوم کی تعبیر وحکایت ہے۔

شرح (13): تصوف کے جتنے بھی لغوی اعتبار سے معنی ومطالب بیان کیے جائیں ان سب میں ایک بات مشترک ہوگی اور وہ یہ کہ تصوف اللہ عزوجل سے ایسی بے لوث اور بے غرض دوستی اور محبت کا نام ہے جو نہ صرف دنیاوی لالچ، اخروی طمع سے یکسر پاک ہو بلکہ اس راہ پر چلنے والے (سالک) کا قلب دنیا وآخرت کے تمام نفع ونقصان کے اندیشوں سے بالکل بے نیاز ہو جائے اور اخلاص کا جذبہ ظاہر و باطن میں اس قدر رچ بس جائے کہ انسان کی زندگی محض اللہ کے لئے ہو جائے، بندے کی عبادت کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو اس کی عبادت نہ مال ودولت، عزت وشہرت کے لئے ہو نہ جنت کے لالچ کے لئے اور نہ ہی دوزخ کے خوف سے۔ الغرض تعلق باللہ کی لذت وحلاوت اور محبت الٰہی کی چاشنی وشرینی بندے کو اس طرح مجبوب تر ہو جائے کہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے وقت اس کے دل میں کسی غیر کا خیال تک بھی نہ گزرنے پائے اور وہ ہر وقت بندگی کی اسی کیفیت میں رہے۔ حقیقت تصوف تمام تر حسن نیت، حسن احوال، حسن اخلاق، حسن اعمال سے عبارت ہے۔

تصوف کی قسمیں: (14)

تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف کہتے ہیں۔

(۱) صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشاتِ نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔

(۲) متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدے کے ذریعے اس مقام کی طلب کرے اور وہ اس مقام کی طلب و حصول میں صادق و راستباز رہے۔

(۳) مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنا لے اور اسے مذکورہ منازل و مقامات کی کچھ خبر نہ ہو ایسے نقلی صوفیوں کے لیے عرفاء کا مقولہ ہے کہ **"اَلْمُسْتَصْوِفُ عِنْدَ الصُّوْفِیَةِ کَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَیْرِهِمْ کَالذِّیَابِ"** صوفیاء کرام کے نزدیک نقلی صوفی مکھی کی مانند ذلیل و خوار ہے وہ جو کرتا ہے محض خواہش نفس کے لیے کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک بھیڑیے کی مانند ہے جس طرح بھیڑیا اپنی تمام قوت و طاقت مردار کے

شرح (14): اہل تصوف کی قسمیں

اہل تصوف کے ہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صوفی، اس شخص کو کہتے ہیں کو اپنے آپ کو حق میں فنا کرے اور اس کے اندر کوئی کدورت اور تیرگی باقی نہ ہو۔

(۲) متصوف، اس شخص کو کہتے ہیں جو مجاہدہ سے اس درجے کے حصول کے لیے کوشاں ہو اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو اور اپنے معاملات کو درست کرنے کی سعی میں مشغول ہو۔ یعنی جو سچا صوفی بننے کی کوشش میں لگا ہو۔

(۳) مستصوف، وہ ہے جو دنیا کا مال و متاع اور مرتبہ و عزت حاصل کرنے کے لیے وضع قطع اور طور اطوار اختیار کیے ہوئے ہو۔ مگر صفا اور تصوف کی اسے کچھ خبر نہ ہو۔ ان لوگوں کے بارے میں صوفیاء کرام نے فرمایا: صوفیائے کرام کے نزدیک مستصوف مکھی کی مانند حقیر اور قابل نفرت ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں ہوس ہوتی ہے اور غیر صافیاء (عام لوگوں) کے لیے وہ بھیڑیوں کی مانند ہیں کہ ان کے دین و ایمان کو چیرتے پھاڑتے پھرتے ہیں۔

حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے گویا صوفی صاحبِ وصول ہے اور متصوف صاحبِ اصول اور مستصوف صاحبِ نقول اور فضول۔

جسے وصل نصیب ہوگیا (15) وہ مقصود کو پانے اور مراد کو حاصل کرنے میں اپنے نفسانی قصد و ارادہ

شرح (15): تمام تعریفیں اس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے جس نے اپنے بندوں میں سے ان کو چُنا جو عبادت کے قابل تھے اور ان کو خدمت گار بنایا، ان کے کئی گروہ بنائے، انہیں اپنی خاص نظرِ عنایت سے نوازا، ان سے پختہ عہد لیا، ان کو صاف کیا اور انہیں چن لیا، ان کو بلا کر قریب کیا اور ان کو وصل اور لقاء کے ساتھ زندگی بخشی، ان کو نفس کی پستی سے بارگاہ اُنسیّت میں بلند کیا، تسبیح و تقدیس کے جام میں شرابِ طہور (یعنی پاکیزہ شراب) سے انہیں سیراب کیا تو ان میں سے ہر ایک اُس شراب کے سرور میں خوش اور اس کا خطاب سننے میں مدہوش ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے حلقۂ احباب میں بلند رتبہ ہوا اور اس نے اپنے پیاروں کے لئے سحری کے وقت تَجَلِّی فرمائی پس محب نے زندگی کا مزا اٹھایا اور دیدار کرنے میں کامیاب ہوگیا جبکہ ان میں سے وجد کا زخمی کیا ہوا کانپ کر زمین پر تشریف لے آیا، اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان کے ظاہری وجود کو فنا کیا اور ہمیشہ کی بقا سے نوازا، اور انہوں نے آخری سانس بھی اس کے نام پر قربان کردیا، اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان کو اپنی محبت کے راز عطا کئے تو انہوں نے اس کی غیرت سے خوف کھاتے ہوئے اپنے اوپر غیر کے دروازے بند کردیئے، پس اس کی مشک دلوں کے مشام کی طرف سے مہکی تو دلوں نے اپنے محبوب کی طرف سے اس مشک کو سونگھ لیا، اور ایک خفی راز اور اس کی پاکیزہ مہک حضرتِ سیدنا سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے راز کی طرف سے گزر گئی تو وہ اس کے آثار پر سیدھے چلتے گئے، اور حضرتِ سیدنا شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی طرف سے گزری تو وہ محبت کی دلہنوں کی طرح آراستہ ہوکر رات گزارنے لگے، حضرتِ سیدنا ابو یزید علیہ رحمۃ اللہ المجید کی طرف سے گزری تو انہوں نے مزید کی صدا لگائی اور ان کی حرارت بڑھ گئی اور حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کی طرف سے گزری تو وہ محبتِ الٰہی کی قید میں مزید پختہ ہوگئے اور حضرتِ سیدنا فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے گزری تو پوری رات ڈاکہ زنی کے بعد توفیق کے گھوڑوں پر سوار ہوگئے اور انہوں نے اپنی تمام تر کوشش عبادتِ الٰہی میں لگادی، اور حضرتِ سیدنا خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق کی طرف سے گزری تو وہ اخلاص کے سمندروں میں غوطہ زن ہوکر خالص جواہر چننے لگے، حضرتِ سیدنا سمنون علیہ رحمۃ اللہ القدوس کی طرف سے گزری تو ان پر محبت اور وجد کے طریقے ظاہر ہوگئے اور وہ پہاڑ میں دیوانوں کی طرح پھرنے لگے اور محبتِ الٰہی عزوجل میں آوازیں لگانے اور سسکیاں لے کر مسلسل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے بے نیاز ہو گیا اور جو منزل اصول کا نصیبہ ور ہو گیا وہ احوالِ طریقت پر فائز اور لطائف معرفت پر متحکم ہو گیا اور جس کے نصیب میں فضول ہے اور وہ صوفی ہے وہ حقیقت و معرفت کی منزل سے محروم رہ کر محض رسم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آنسو بہانے لگے۔ شاعر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سچے محبین کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اَطْمَعْتُمُوْنِیْ فِیْ الْوِصَالِ وَفِی اللِّقَا وَھَجَرْتُمُوْنِیْ فَالْتَھَبْتُ تَحَرُّقَا

یَا مَالِکِیْ رِقِّیْ وَغَایَۃَ مَطْلَبِیْ رِفْقًا فَقَدْ ذَابَ الْفُؤَادُ تَشَوُّقَا

حَاشَاکُمُوْ اَنْ تَطْرُدُوْنِیْ سَادَتِیْ وَبِحُبِّکُمْ قَلْبِیْ غَدَا مُتَعَلِّقَا

یَا سَادَتِیْ لَمْ یَھْنِ لِیْ مِنْ بَعْدِکُمْ عَیْشٌ وَلَا عَایَنْتُ شَیْئًا مُوْنِقَا

اِنْ مِتُّ مِنْ وَجْدِیْ وَفَرْطِ صَبَابَتِیْ شَوْقًا اِلٰی رُؤْیَاکُمْ لَکُمُ الْبَقَا

یَا نَفْسُ قَدْ زَالَ الْعَنَا فَتَمَتَّعِیْ بِوِصَالِ مَنْ تَھْوٰی فَقَدْ زَالَ الشَّقَا

وَجَلَا الْحَبِیْبُ جَمَالَہٗ فَلِاَجْلِ ذَا اَصْبَحْتُ مِنْ وَجْدِیْ بِہٖ مُتَمَزِّقَا

ھَاکُمْ فُؤَادِیْ فَتِّشُوْہُ، فَاِنْ تَرَوْا فِیْہِ لِغَیْرِکُمُوْ ھَوًی وَتَشَوُّقَا

فَتَحَکَّمُوْا فِیْہِ بِمَا یَرْضِیْکُمُوْ یَا مُنْیَتِیْ اِنْ خَانَ یَوْمًا مُوْثِقَا

وَاِذَا فَنَیْتُ بِحُبِّکُمْ فَیَحِقُّ لِیْ اِنَّ الْفَنَاءَ بِحُبِّکُمْ عَیْنُ الْبَقَا

ترجمہ: (۱) تم نے مجھے وصال اور ملاقات کا شرف بخشا پھر مجھے چھوڑ دیا تو میں محبت کی آگ میں جلنے لگا۔

(۲) اے میرے مالکو اور میرے مقصد کی انتہا! مہربانی فرماؤ کیونکہ میرا دل شوقِ دیدار سے پگھل رہا ہے۔

(۳) اے میرے سردارو! میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ تم مجھے دُھتکار دو کیونکہ میرے دل کو تم سے محبت ہو چکی ہے۔

(۴) اے میرے سردارو! تمہارے بعد میرے لئے کوئی مزا نہیں اور نہ ہی مجھے کوئی چیز دلکش لگی۔

(۵) اگر میں تیرے دیدار کی شدید محبت اور اپنے وجد سے مرجاؤں تو یہ تیرے لئے بقا ہے۔

(۶) اے نفس! اب مشقت اور شقاوت زائل ہو چکی ہے اس لئے تو اپنے محبوب کے وصال سے لطف اٹھا لے۔

(۷) حبیب نے اپنا جمال ظاہر کیا تو اس جمال کو دیکھ کر میں اس کی محبت کی وجہ سے تار تار ہو گیا۔

(۸) (اے محبوبو!) یہ میرا دل حاضر ہے، اگر اس میں اپنے غیر کی محبت پاؤ تو جلا ڈالو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ورواج کی چوکھٹ پر بیٹھ گیا ہے اس کے لیے یہی ظاہری رسم ورواج اور طور وطریق معنیٰ وکنہ سے محجوب و مستور بن گیا ہے کیونکہ وصلِ واصل سے حجاب میں رہنا معیوب ہے اسی سلسلے میں مشائخ طریقت کی بہت رمز ورموز ہیں اس جگہ ان کا تمام وکمال کا بیان کرنا تو دشوار ہے البتہ کچھ رمز وکنائے بیان کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

صوفیائے کرام کے اوصاف حمیدہ

(۱) حضرت ذوالنون مصری (16) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلصُّوْفِیُّ اِذَا نَطَقَ بَاَنَّ نُطْقَهٗ مِنَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۹) اور اگر اس میں کسی اور کی محبت پاؤ تو اپنی مرضی کے مطابق جو چاہو سزا دو۔ ہائے کاش! میں مرجاؤں اگر میرا دل کسی دن (محبت کے) پختہ وعدے میں خیانت کرے۔

(۱۰) اگر میں تمہاری محبت میں فنا ہو جاؤں تو میں اس کا سزاوار ہوں کیونکہ تمہاری محبت میں فنا ہونا حقیقت میں بقا ہے۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ ص ۶۸۔۶۹)

شرح (16): حضرت ذوالنون مصری ۱۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۴۶ ہجری میں وصال فرمایا۔

حضرتِ سیدنا ذوالنون مصری کی توبہ

حضرتِ سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے تائب ہونے کا واقعہ عجیب وغریب ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص نے آپ کو اطلاع پہنچائی کہ فلاں مقام پر ایک عابد ہے۔ جب آپ اس سے نیاز حاصل کرنے پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک درخت پر الٹا لٹکا ہوا اپنے نفس سے مسلسل یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک تو عبادتِ الٰہی عزوجل میں میری ہم نوائی نہیں کریگا میں تجھے یوں ہی اذیت دیتا رہوں گا حتی کہ تیری موت واقع ہو جائے۔ یہ واقعہ دیکھ کر آپ کو اس پر ایسا ترس آیا کہ رونے لگے اور جب نوجوان عابد نے پوچھا: تم کون ہو؟ جو ایک گنہگار پر ترس کھا کر رو رہے ہو۔ یہ سن کر آپ نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا اور مزاج پرسی کی۔ اس نے بتایا: چونکہ یہ بدن عبادت الٰہی عزوجل پر آمادہ نہیں ہے اس لیے سزا دے رہا ہوں۔ آپ نے کہا کہ مجھے تو یہ گمان ہوا کہ شاید تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے یا کوئی گناہ عظیم سرزد ہو گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمام گناہ مخلوق سے میل جول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس لیے میں مخلوق سے رسم وراہ کو بہت بڑی بھول تصور کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم واقعی بہت بڑے زاہد ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تم کسی بڑے زاہد کو دیکھنا چاہتے ہو تو سامنے پہاڑ پر جا کر دیکھو۔

چنانچہ جب آپ وہاں پہنچے تو ایک نوجوان کو دیکھا، جس کا ایک پیر باہر کٹا ہوا پڑا تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَكَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْجَوَارِحِ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ"۔ صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو۔ مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرے اور علائق سے کنارہ کشی اس کے حال پر ناطق ہو یعنی اس کا بولنا بوقت کلام اصول طریقت پر صحیح ہو اور اس کا کردار بوقتِ سکوت مجرد محض ہے اور یہ دونوں حالتیں درست ہوں۔ جب بولے تو اس کی ہر بات حق ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا ہر فعل فقر ہو۔

(۲) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ اُقِيْمَ الْعَبْدُ فِيْهِ قِيْلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتُ الْحَقِّ حَقِيْقَةٌ وَنَعْتُ الْعَبْدِ رَسْمٌ"۔ تصوف ایسی خوبی ہے جس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی۔ آپ نے فرمایا اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی صفت ہے مطلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اسکا جسم کیڑوں کی خوراک بنا ہوا تھا۔ جب آپ نے یہ صورت حال معلوم کی تو اس نے بتایا کہ ایک دن میں اسی جگہ مصروف عبادت تھا کہ ایک خوبصورت عورت سامنے سے گزری جس کو دیکھ کر میں فریب شیطان میں مبتلا ہوا اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس وقت ندا آئی: اے بے غیرت! تیس سال خداعزوجل کی عبادت میں گزار کر اب شیطان کی بات ماننے چلا ہے؟ لہذا میں نے اسی وقت اپنا ایک پاؤں کاٹ دیا کہ گناہ کے لیے پہلا قدم اسی پاؤں سے بڑھایا تھا۔ پھر اس نے پوچھا؛ بتایئے کہ آپ مجھ گناہگار کے پاس کیوں آئے اور اگر واقعی کسی بڑے زاہد کی جستجو میں ہیں تو اس پہاڑ کی چوٹی پر چلے جایئے۔ لیکن جب بلندی کی وجہ سے آپ کا وہاں پہنچنا ناممکن نظر آیا تو اس نوجوان نے خود ہی ان بزرگ کا قصہ شروع کر دیا۔ اس نے بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو بزرگ ہیں ان سے ایک دن کسی نے یہ کہہ دیا کہ روزی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ بس اس دن سے انہوں نے یہ عہد کر لیا کہ جس روزی میں مخلوق کا ہاتھ ہوگا وہ استعمال نہیں کروں گا اور جب بغیر کچھ کھائے دن گزر گئے تو اللہ عزوجل نے شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے گرد رہ کر انہیں شہد مہیا کرتی رہیں، چنانچہ ہمیشہ وہ شہد ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرتِ سیدنا ذوالنون علیہ الرحمۃ نے درس عبرت حاصل کیا اور اسی وقت تائب ہو کر عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

(تذکرۃ الاولیاء، باب سیزدھم، ذکر ذوالنون مصری، ج ۱، ص ۱۱۲-۱۱۳)

یہ ہے کہ اس کی حقیقت بندگی کی صفت کی فناء چاہتا ہے اور صفت بندگی کی فنا حق کے ساتھ بقا کی صفت ہے اور یہ صفت حق ہے اور اس کی ظاہری رسم وحالت بندے کی دائمی ریاضت ومجاہدے کی مقتضی ہے اور دائمی مجاہدہ یہ بندے کی صفت ہے اور جب دوسرے معنیٰ میں دیکھنا چاہو تو یوں سمجھو کہ توحید کی حقیقت کسی بندے کی صفت میں صحیح نہیں ہوسکتی اس لیے کہ بندے کی صفات میں ہمیشگی دوام نہیں اور خلق کی صفت بجز رسم وظاہر کے کچھ نہیں کیونکہ خلق کی صفت میں بقا نہیں ہے بلکہ وہ حقیقۃً حق کا فعل ہے لہٰذا ان صفات کی حقیقت حق کے ساتھ ہوگی۔ اس مفہوم کو یوں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے بندے کو روزہ رکھنے کو فرمایا۔ روزہ رکھنے کی وجہ سے بندہ روزہ دار کہلایا یہ روزہ از روئے رسم ظاہری بندہ کی صفت ہوگی۔ لیکن از روئے حقیقت روزے کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہمیں خبر دی کہ "**اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ**" (بخاری شریف) روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ [17] مطلب یہ ہے کہ روزہ میری وجہ سے ہے اور جو کچھ ان کے مفعولات سے ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ لیکن تمام عبادتوں اور چیزوں کی نسبت بندے کی نسبت بطریق رسم ومجاز ہوگی نہ کہ حقیقۃً۔ [18]

(۳) حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "**اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ كُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ**" تصوف تمام نفسانی لذات وحظوظ سے دستکشی کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک رسم یعنی مجاز دوسرے حقیقت۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اگر نفسانی لذتوں کو چھوڑ چکا ہے تو ترک لذت بھی تو ایک لذت ہے اسی کو رسم ومجاز کہا جاتا ہے اور اگر وہ اس کا بھی تارک ہے تو یہ فنائے لذت وحظ کہلاتی ہے اس معنیٰ کا تعلق حقیقت ومشاہدے سے ہے لہٰذا ترک حظ ولذت بندہ کا فعل ہے اور فنائے

شرح (17): (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ الحدیث ۷۴۹۲، ص ۶۲۴) (مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، رقم ۱۱۵۱، ص ۵۸۰)

شرح (18): صوفیاء فرماتے ہیں کہ صابر روزہ دار تو کھانا پینا چھوڑ کر صبر کرتا ہے اور شاکر کھانے والا اس کھانے سے پیدا شدہ قوتوں کو ناجائز جگہ خرچ کرنے سے روک کر صبر کرتا ہے تو شاکر بھی بالواسطہ صابر ہی ہے۔ بہر حال شکر کو صبر سے بہت مناسبت ہے۔

حظ ولذت، حق تعالیٰ کا فعل ہے لہٰذا بندے کے فعل کو رسم ومجاز اور حق کے فعل کو حقیقت کہا جائے گا اس قول سے پہلا قول جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے خوب واضح ہو جاتا ہے۔

(۴) حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "اَلصُّوْفِيَّةُ هُمُ الَّذِيْنَ صَفَّتْ اَرْوَاحُهُمْ فَصَارُوْا فِيْ صَفِّ الْاَوَّلِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَقِّ" صوفیائے کرام کا گروہ وہ ہے جن کی زندگیاں کدورتِ بشری سے آزاد اور آفتِ نفسانیہ سے پاک وصاف ہو کر آرزو اور تمناؤں سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ (19) یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجے اور صفِ اول میں آرام گستر ہیں اور ماسوی اللہ کے سب سے قطعاً کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ (20)

شرح (19): حضرت سیدنا حارث بن سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں ایک جماعت کسی زاہد کے پاس سے گزری تو دیکھا کہ وہ عبادت میں خوب کوشش کر رہا ہے تو اس سلسلے میں پوچھا اس نے کہا جو کچھ مصائب واحوال مخلوق پر آنے والے ہیں اور وہ ان سے غافل ہیں ان کے مقابلے میں عبادت کی یہ تکلیف کچھ بھی نہیں لیکن لوگ اپنی نفسانی لذتوں کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بہت بڑا حصہ ملے گا اسے بھول گئے ہیں۔ یہ بات سن کر سب لوگ رو پڑے۔ (فیضانِ احیاء العلوم ۱۱۴)

شرح (20): دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی:

ایک دن حضرتِ سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر روانہ ہوئے۔ جب انہیں سخت گرمی محسوس ہوئی تو انہوں نے عمامہ منگوایا اور اسے سر پر باندھ لیا پھر فوراً ہی اسے اتار دیا۔ عرض کی گئی: اے امیر المؤمنین! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمامہ کیوں اتار دیا یہ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرمی سے بچا رہا تھا؟ فرمایا کہ مجھے پچھلے زمانہ کے لوگوں کے یہ اشعار یاد آ گئے:

مَنْ كَانَ حِيْنَ تَمَسُّ الشَّمْسُ جَبْهَتَهٗ — اَوِ الْغُبَارُ يَخَافُ الشَّيْنَ وَ الشَّعْثَا

وَيَاْلَفُ الظِّلَّ كَيْ تَبْقٰى بَشَاشَتُهٗ — فَسَوْفَ يَسْكُنُ يَوْمًا رَاغِمًا جَدَثًا

فِيْ ثَغْرِ مُظْلِمَةٍ غَبْرَاءَ مُوْحِشَةٍ — يُطِيْلُ تَحْتَ الثَّرٰى فِيْ جَوْفِهَا اللَّبَثَا

ترجمہ: (۱) ایسا شخص جو اپنے چہرے پر دھوپ اور غبار پڑنے سے ڈرتا ہے کہ کہیں عیب دار یا پراگندہ نہ ہو جائے۔

(۲) اور سایہ کی تلاش کرتا ہے تاکہ اس کی تروتازگی قائم رہے یہ عنقریب ایک دن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اَلصُّوْفِی الَّذِیْ لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ" صوفی وہ ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور نہ خود کسی کے قبضہ میں ہو۔ یہ عبارت عینِ فنا کی ہے کہ فانی الصفت نہ مالک ہوتا ہے نہ مملوک کیونکہ صحت ملک موجودات پر درست آتی ہے اس قول شریف کا مطلب یہ ہے کہ صوفی دنیاوی ساز وسامان اور اخروی زیب وزینت میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود بھی تو کسی کی ملکیت میں ہے وہ اپنے نفس کے حکم کا پابند نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ غیر کی خواہش وارادہ کے غلبہ سے وہ خود کو گھلا چکا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ غیر کو بھی بندگی کی طمع سے فنا کر چکا ہوتا ہے یہ قول مبارک دقیق ولطیف ہے اس منزل کو گروہ صوفیاء ''فنائے کل'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم ان کے غلط مقامات کی اس کتاب میں انشاءاللہ نشاندہی کریں گے۔

(۶) حضرت ابن جلالی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ حَقِیْقَۃٌ لَا رَسْمَ لَہٗ" تصوف سراپا حقیقت ہے جس میں رسم ومجاز کا دخل نہیں ہے کیونکہ معاملات وافعال میں رسم ومجاز کا دخل ہے اور اس کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جب کہ تصوف خلق سے کنارہ کشی کا نام ہے تو اس کے لیے رسم ومجاز کا دخل ممکن ہی نہیں۔

(۷) حضرت ابوعمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ رُؤْیَۃُ الْکَوْنِ بِعَیْنِ النَّقْصِ بَلْ غُضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْکَوْنِ" جہان کو نقص وعیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں بلکہ دنیا سے منہ پھیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قبر میں خاک آلود ہو کر رہے گا۔

(۳) وہ تاریک، غبار آلود اور وحشت میں ڈالنے والے گڑھے میں ہوگا اور عرصہ دراز تک مٹی کے نیچے اس کے پیٹ میں رہے گا۔

قُربِ الٰہی عزوجل پانے کا طریقہ:

حضرتِ سیّدُنا وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جب تم حظیرہ قدس (یعنی جنت) میں رہنا چاہو تو دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اس طرح غمگین اور تنہا ہو جاؤ جیسے تنہا رہ جانے والا پرندہ چٹیل زمین میں سایہ پانے والی جگہ پر ہوتا ہے، وہ چشموں کے پانی پر آتا اور درختوں سے پھل کھاتا ہے اور جب رات ہو جاتی ہے تو دیگر پرندوں سے ڈرتا ہوا تنہا چھپ جاتا ہے اور اپنے رب عزوجل سے اُنس حاصل کرتا ہے۔ (بحرُ الدُّموع ص ۱۱۹)

لینے کا نام تصوف ہے۔ (21) مطلب یہ ہے کہ جہان کو عیب و نقص سے بھر پور دیکھو کیونکہ یہ دلیل بقائے صفت کی ہے بلکہ جہان سے آنکھوں کو بند کرلو کیونکہ یہ دلیل فنائے صفت کی ہے اس لیے کہ جب کائنات پر نظر ہوگی تو حد نظر کے بعد نظر کی منزل بھی ختم ہو جائے گی اور دنیا سے آنکھیں بند کر لینے میں ربانی بصیرت کی بقا ہے یعنی جو شخص اپنے سے نابینا ہوگا وہ حق کو دیکھ سکے گا کیونکہ ہستی سے باہر نکلنے کی اسے کوئی راہ نہیں ملتی۔ الغرض ایک وہ ہوتا ہے جو خود کو تو دیکھتا ہے لیکن اسے ناقص نظر آتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنی طرف سے نظر کو بند کر لیتا ہے اسے نہیں دیکھتا تو وہ شخص جو خود کو دیکھ لیتا ہے اگرچہ خود میں اسے نقص وعیب نظر آتے ہیں مگر یہی نظارہ ایک حجاب ہے اور جو دیکھتا ہے وہ نظر میں در پردہ رہتا ہے اور جو اپنی ہستی کو دیکھتا ہی نہیں وہ نابینائی میں محجوب نہیں ہوتا۔ اہل معانی اور عرفا کے نزدیک یہ مفہوم و مراد اصلِ قوی ہے مگر یہ قیام اس کی شرح کا نہیں ہے۔

(۸) حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ شِرْكٌ لِاَنَّهٗ صِيَانَةُ الْقَلْبِ عَنْ رُؤْيَةِ الْغَيْرِ وَلَا غَيْرَ" تصوف میں شرک ہے اس لیے کہ دل کو غیر کی رویت سے بچاتا حالانکہ غیر کا وجود ہی نہیں ہے مطلب یہ کہ اثبات توحید میں غیر کی رویت شرک ہے جب دل میں غیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے تو دل کو غیر کے ذکر سے بچانا محال ہے۔ (22)

شرح (21): جسے نہ دنیا اپنی طرف مائل کر سکے نہ اس پر لالچ غالب آسکے اور نہ ہی اللہ عزوجل کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے روک سکے اور وہ دنیا اور دنیا والوں سب سے منہ پھیر لے اور پھر جب حرکت کرے تو حق کے لئے اور سکون اختیار کرے تو بھی حق کے لئے، تو یہی وہ شخص ہے جو دنیوی اور اخروی ولایت کا مستحق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو اس کے لئے یہ دونوں ولایتیں سخت نقصان دہ ہیں، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ ان سے باز رہے اور دھوکا نہ کھائے، کیونکہ اس کا نفس اسے ان معاملات میں عدل، حقوق پورے کرنے، ریا کے شائبوں اور لالچ سے محفوظ رہنے کا خیال دلاتا ہے حالانکہ نفس بہت بڑا جھوٹا ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ اس سے بچتا رہے کیونکہ نفس کے نزدیک جاہ و حشمت سے زیادہ لذیذ شئے کوئی نہیں حالانکہ بعض اوقات جاہ و حشمت کی محبت ہی اسے ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔

شرح (22): نیک اعمال پر استقامت اختیار کر کے دل کو غیر اللہ کی یاد سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۹) حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ كُدُوْرَةِ الْمُخَالِفَةِ" دل کومخالفت کی کدورت سے پاک وصاف رکھنے کا نام تصوف ہے مطلب یہ کہ باطن کوحق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے۔ دوست کو لازم ہے کہ سارے جہان میں دوست کے احکام کی حفاظت کرے اور جب مطلوب و مراد ایک ہو تو مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ (23)

اخلاق:

(۱۰) حضرت محمد بن علی بن امام حسین بن علی مرتضیٰ سلام اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خالی کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں دل ذکر اللہ (عزوجل) سے مانوس ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ اُنس معرفت اور معرفت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ عین مقصود ہے البتہ اس کے لئے توفیق الٰہی (عزوجل) کا متوجہ ہونا بنیادی امر ہے۔

شرح (23): اور یہ بھی جان لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے دشمنی بھی رکھے کیونکہ جب تم کسی شخص سے اس لئے محبت کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو ضروری ہے کہ تم اس سے نفرت کرو اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور جو آدمی کسی سبب سے محبت کرتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس سبب کی ضد کے باعث نفرت کرے یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں جدا نہیں ہوتے۔ اور معاشرے میں محبت و نفرت کے سلسلے میں یہ معروف اور رائج ہے لیکن محبت اور بغض دونوں دل کی خفیہ کیفیتیں ہیں اور غلبہ کے وقت ظاہر ہوتی ہیں اور جب محبت کرنے والوں کی طرف سے قرب و موافقت کے اعمال اور نفرت کرنے والوں کی طرف سے دوری اور مخالفت کے اعمال ظاہر ہوتے ہیں تو یہ سامنے آتی ہیں جب یہ فعل کی صورت میں سامنے آئیں تو (محبت کو) مُوالاۃ اور (دشمنی کو) مُعادات کہا جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا حدیث میں ہے۔

هَلْ وَالَيْتَ لِيْ وَلِيًّا وَهَلْ عَادَيْتَ لِيْ عَدُوًّا۔

ترجمہ: کیا تم نے میرے لئے میرے ولی سے دوستی کی اور میرے لئے میرے دشمن کو دشمن سمجھا

'اَلتَّصُوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَيْكَ فِي الْخُلُقِ زَادَ عَلَيْكَ فِي التَّصَوُّفِ'۔ پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے۔ جس کے جتنے پاکیزہ اخلاق ہوں گے اتنا ہی زیادہ وہ صوفی ہوگا۔ (24)

شرح (24): اچھے اخلاق کا بیان:

کہا جاتا ہے کہ فلاں اچھے خَلق اور اچھے خُلق یعنی اچھے ظاہر و باطن والا ہے۔ ظاہر کا حُسن خوبصورتی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور باطنی حُسن سے مراد بُری صفات پر اچھی صفات کا غالب ہونا ہے اور باطن میں تفاوُت (یعنی فرق)، ظاہر میں تفاوت سے زیادہ ہوتا ہے اور اسی کی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے اس فرمانِ اقدس میں اشارہ فرمایا، چنانچہ ارشادِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

ترجمۂ کنزالایمان: میں مٹی سے انسان بناؤں گا پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں۔ (پ23 ص:71۔72)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اس آیتِ مبارکہ میں آگاہ فرمایا کہ انسان کی ظاہری صورت مِٹی سے بنی ہوئی ہے اور اس کی باطنی صورت اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے عالَمِ اَمر سے ہے۔ لہٰذا حُسنِ خلق سے ہماری مراد باطنی صورت کا اچھا ہونا ہے پس جس قدر بندہ بری صفات سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، اس کے بدلے میں اچھی صفات پائی جاتی ہیں، پس یہی اچھے اخلاق ہیں اور حُسنِ اخلاق کی مکمل صورت اللہ کے رسول، رسولِ مقبول عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے ہے، کیونکہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم حُسنِ اخلاق کے اس معنی میں درجۂ کمال پر فائز ہوئے۔

نبیِّ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: حَسِّنُوْا اَخْلَاقَكُمْ ترجمہ: اپنے اخلاق کو سنوارو۔

(جامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، الحدیث ۱۹۸۷، ص ۱۸۵۱، مفھوما)

آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ فرما کر اس بات سے آگاہ فرمایا، کہ اخلاق تبدیلی کو قبول کرتے اور تصرف سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا تجھے غصہ، شہوت اور حرص سے بچنے کی کوشش کرنی چاہے اور یہ تمام صفات حکمِ شرع کے مطابق ہونی چاہئیں، پس جب تو ایسا کریگا تو مقصد حاصل ہوجائے گا اور یہ چیز ناپسندیدہ اشیاء پر صبر کرنے اور مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے تاکہ اس کے بعد یہ عادت بن جائے۔

سیِّدُ المبلغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ والاشان ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پاکیزہ اخلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خلق کے ساتھ۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کی قضاء وقدر پر راضی رہے اور خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اَلْخَیْرُ عَادَۃٌ۔ ترجمہ: بہترین چیز عادت ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، الحدیث ۲۲۱، ص ۲۴۹۰)

مثال کے طور پر جو شخص اصل فطرت سے سخی نہ ہو تو وہ تکلف سے اس عادت کو اپناتا ہے اور اسی طرح جس کی تخلیق تواضع پر نہ ہو تو اسے اس چیز کو عادت بنانے میں مشقت ہوتی ہے اور اسی طرح وہ تمام صفات جن کا علاج ان کی ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے حتّٰی کہ مقصد حاصل ہو جائے چنانچہ عبادات پر ہمیشگی اور خواہشات کی مخالفت باطنی صورت کو حسین بنا دیتے ہیں اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے اُنس حاصل ہو جاتا ہے۔

شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُود و نوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے:

اُعْبُدِ اللّٰہَ فِی الرِّضَا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ خَیْرٌ کَثِیْرٌ۔

ترجمہ: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت رضامندی سے کرو اگر ایسا نہ ہو سکے تو ناگوار بات پر صبر کرنے میں بہت زیادہ بھلائی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصبر علی المصائب، فصل فی ذکر ما فی الاَوجاع الخ، الحدیث ۱۰۰۰۰، ج ۷، ص ۲۰۳، بتغیر)

پس ابتداء میں صبر کر یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، کیونکہ اصل فطرت بھی باطنی صورت کے حُسن کا تقاضا کرتی ہے اور اسی طرف مائل ہوتی ہے اور نبیٔ اکرم، رسولِ محتشم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے اس فرمانِ عالیشان میں اسی جانب اشارہ فرمایا: اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا ترجمہ: ایک حسنہ دس نیکیوں کے برابر ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم، الحدیث ۱۸۹۴، ص ۱۴۸)

اور یہی اصلِ فطرت کی موافقت ہے۔

اخلاق سنوارنے کا تفصیلی طریقہ

بے شک ہم جان چکے ہیں، کہ جسم کی بیماری کا علاج اس کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح مرضِ دل کا معاملہ ہے۔ اور یہ چیز لوگوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور شیخ اپنی قوم میں اس طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمّت میں، وہ مرید کا حال دیکھتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خاطر مخلوق کی صحبت کا بار برداشت کرے یہ دونوں قسمیں طالب ہی کی طرف راجع ہوتی ہیں کیونکہ حق کی صفت استغناء یعنی وہ طالب کی ناراضگی ورضا دونوں سے بے نیاز ہے یہ دونوں وصف نظارۂ توحید سے وابستہ ہیں۔ (25)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اوراس پر غالب آنے والی صفات کو جانتا ہے اوران چیزوں کو بھی جانتا ہے جن سے مُرید کا علاج ممکن ہوتا ہے، لہٰذا وہ اسے ابتدائی مرحلے میں عبادات، کپڑوں کو پاک وصاف رکھنے، نمازوں پر پابندی اختیار کرنے اور تنہائی میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ذکر کرنے میں مشغول رکھتا ہے۔ پس اس طرح اس کے پوشیدہ عیوب ظاہر ہوجاتے ہیں جس طرح پتھر میں چھپی آگ (ایک پتھر کو دوسرے پر مارنے سے) ظاہر ہوجاتی ہے اوراگر اس کے پاس زائد مال ہو تو شیخ اسے لے کر محتاجوں میں بانٹ دیتا ہے تاکہ اس کا دِل فارغ ہوجائے اوراس کے دِل کا فارغ ہونا ہی اصل چیز ہے۔ پھراس کے غیر کے دل کا فارغ ہونا اس کے مال کے لئے وبال ہے اوراس کے غموں کو بڑھاتا ہے اوران غموں کی برکت سے اس پر اس کا مقصود آسان ہوجاتا ہے اور تہذیبِ اخلاق کا طریقہ یہ بھی ہے، کہ اس کی بعض صفات کو دوسری صفات پر مسلّط کردیا جائے۔ چنانچہ وہ عارضی ریاء کے ذریعے سخاوت میں رغبت اختیار کرے (جبکہ اسے دل میں نہ جمنے دے)، تاکہ وہ بخل، دنیا کی محبت اوراس کے جمع کرنے کو ترک کردے اور غصہ وشہوت کا استعمال ترک کردے، تاکہ وہ اسے پاکدامنی اور درستگی پر ابھارے، پھراس کے بعد ریاکاری کی طرف متوجہ ہو اور ریاضت کی مدت میں حاصل ہونے والی دین کی قوت اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف اپنی توجہ کے ذریعے اس کا قلع قمع کردے اور نفس کی ضد کے ساتھ عبادات کی پابندی کرکے اس کا علاج کرے اور بعض شیوخ کے بارے میں مروی ہے، کہ اگران کا نفس رات کے کسی حصہ میں قیام سے سستی کرتا، تو ایک مدت تک سر کے بل کھڑا ہونا اس پر لازم کردیتے، تاکہ وہ قدموں پر کھڑا ہونا خوشی سے اختیار کرے اوراسے غنیمت جانے۔ (لبابُ الاحیاء ص ۲۱۲)

شرح (25): بارگاہِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ کے آداب

(بندے کو چاہے کہ بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں) اپنی نگاہیں نیچی رکھے، اپنے غموں اور پریشانیوں کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں پیش کرے، خاموشی کی عادت بنائے، اعضاء کو پرسکون رکھے، جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کی بجاآوری میں جلدی کرے اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے اور (ان پر) اعتراض کرنے سے بچے، اچھے اخلاق اپنائے، ہر وقت ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی عادت بنائے، اپنی سوچ کو پاکیزہ بنائے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۱) حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلصُّوْفِیُّ لَا یَسْبِقُ هِمَّتُه خَطْوَتَهُ اَلْبَتَّةَ" یعنی صوفی وہ ہے کہ اس کا باطن اس کے قدم کے ساتھ برابر ہو مطلب یہ کہ دل مکمل طور پر حاضر رہے۔ (26)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اعضاء کو قابو میں رکھے، دل پر سکون ہو، اللہ رب العزّت کی تعظیم بجالائے، غیض وغضب نہ کرے، محبتِ الٰہی کو (لوگوں) سے چھپائے، اخلاص اپنانے کی کوشش کرے، لوگوں (کے پاس موجود مال ودولت) کی طرف نظر کرنے سے بچے، صحیح ودرست بات کو ترجیح دے، مخلوق سے امید نہ رکھے، عمل میں اخلاص پیدا کرے، سچ بولے اور گناہوں سے بچے، نیکیوں کو زندہ کرے (یعنی نیکیوں پر عمل پیرا ہو)، لوگوں کی طرف اشارے نہ کرے اور مفید باتیں نہ چھپائے، نام ونسب کی تبدیلی پر غیرت اور حرام کاموں کے ارتکاب پر غیظ وغضب کا اظہار کرے، ہمیشہ باوقار و پر جلال رہے، حیاء کو اپنا شعار بنالے، خوف وڈر کی کیفیت پیدا کرے، اس شخص کی طرح مطمئن ہوجائے جسے ضمان دی گئی ہو، (توکل اپنائے کہ) توکل اچھے اختیار کی پہچان کا نام ہے، دشواری کے وقت کامل وضو کرے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرے، اس کا دل فرض چھوٹ جانے کے خوف سے بے چین ومضطرب ہوجائے، گناہوں پر ڈٹے رہنے کے خوف سے توبہ پر ہمیشگی اختیار کرے اور غیب کی تصدیق کرے، ذکر کرتے وقت دل میں خوفِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ پیدا کرے، وعظ ونصیحت کے وقت اس کا نورِ باطنی زیادہ ہو، فقر وفاقہ (یعنی تنگ دستی) کے وقت توکُّل کو اپنا شعار بنائے اور جہاں تک ہو سکے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے صدقہ کرے۔

شرح (26): جان لو! نماز ذکر وقراءت، اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے مناجات وکلام کرنے کا نام ہے اور یہ حضورِ قلب (یعنی دل کی حاضری) کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور یہ سب کچھ تعظیم، ہیبت، امید، حیاء اور سمجھ سے حاصل ہوتا ہے اور بالجملہ جتنا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ذات وصفات کا علم بڑھتا ہے اتنا ہی خشیت (یعنی خوفِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ) میں اضافہ ہوتا ہے اور حضور قلب نصیب ہوتا ہے پس جب تم اذان کو سنو تو دل میں اس پکار کی دہشت کو حاضر کرو جو روزِ قیامت ہوگی اور اپنے ظاہر وباطن کو جواب دینے اور نماز کی طرف جلدی کرنے پر تیار کرو کیونکہ جو لوگ اس پکار کی طرف جلدی کرتے ہیں وہ بروزِ قیامت لطف وکرم کے ساتھ پکارے جائیں گے اگر تم اپنے دل کو پاؤ کہ وہ خوشی وخوشخبری سے بھرپور ہے اور اس کی طرف جلدی کرنے کی رغبت پیدا ہورہی ہے تو جان لو کہ قیامت کے دن کی نداء میں اسی طرح کی (خوشخبری اور کامیابی) حاصل ہوگی۔ اسی لئے نبی رحمت، شفیع امت، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی دل وہاں ہو جہاں قدم ہو اور قدم وہاں ہو جہاں دل ہو ایک قول یہ ہے کہ قدم وہاں ہو جہاں قول ہو یہ حضوری کی علامت بغیر غیوبت کے ہے اس کے برخلاف کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خودی سے غائب ہو کر حق کے ساتھ ظاہر ہو حالانکہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ حق کے ساتھ ظاہر ہو کر خودی سے حاضر ہو یہ جمع الجمع کے قبیل کی عبارت ہے کیونکہ جس وقت خود بخود رویت ہوگی تو خودی سے غیبت نہ رہے گی جب رویت اٹھ جائے گی تو حضوری بے غیبت کے ہوگی اس معنی کا تعلق حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہے کہ:

(۱۲) اَلصُّوْفِیُّ لَا یَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰہِ غَیْرُ اللّٰہِ

''صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں بجز ذاتِ الٰہی کے کچھ نہ دیکھے''۔ (27)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قاسم نعمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ، الحدیث ۴۹۸۶، ص ۱۵۸۸)

یہ اس لئے فرمایا کہ نماز آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اپنے باطن کو غیر اللہ سے پاک کرنے کا نام طہارت ہے اور اسی کے ذریعے نماز مکمل ہوتی ہے اگر تم نے کپڑے سے اپنے ستر کو ڈھانپا ہے تو تمہارے باطنی ستر کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے کونسی چیز چھپائے گی؟ پس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے حضور باادب ہو جاؤ۔

جان لو! وہ تم سے اور تمہارے باطن سے آگاہ ہے اس لئے اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ عاجزی اختیار کرو اور دیکھو کہ اگر تم کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو تو تمہاری کیا حالت ہوگی؟ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور دنیاوی بادشاہوں کے درمیان کیا نسبت؟ کیونکہ وہ سارے کے سارے اسی کے بندے ہیں۔ جب تم ایسا کرو گے تو تم اپنے قول: وَجَّھْتُ وَجْھِیَ یعنی میں نے اپنے

شرح (27): بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی جستجو میں رہے، یہ صدیقین کا مشاہدہ ہے، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اسے فَنَاْفِی التَّوْحِیْد کہتے ہیں اور اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ باطن کے توحید میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا، حضرت سَیِّدُنا ابو یزید علیہ رحمۃ اللہ المجید کے فرمان کہ مجھے اپنی یاد بھلا دی گئی سے یہی مراد ہے۔

جس کے سامنے اور دل میں صرف ایک ذات ہوتی ہے، وہ تمام واسطوں اور اپنے آپ سے بے نیاز ہوتا ہے اور یہی حالت سب سے اعلیٰ ہے، یہ اخروٹ کے مغز سے نکلنے والے تیل کی طرح ہے۔

کیونکہ بندے کی پوری ہستی غیر ہے اور جب وہ غیر کو نہ دیکھے گا تو خود کو بھی نہ دیکھے گا اور اپنی نفی اور اثبات کے وقت وہ خود سے مکمل طور پر فارغ ہوگا۔

تصوف کی بنیادی خصلتیں:

(۱۳) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھ حصوں پر ہے۔ سخاوت، رضاء، صبر، اشارہ، غربت، گدڑی، سیاحت اور فقر۔ یہ آٹھ نبیوں کی اقتداء میں ہیں۔ (28)

شرح (28): پیارے بھائیو! راہِ سلوک بہت دُشوار گزار اور سالک کے لئے بہت مشکل ہے۔ اسی راہ میں حضرتِ سیّدُنا آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام آنسو بہاتے رہے، حضرتِ سیّدُنا نوح علیہ الصلٰوۃ والسلام نے گریہ وزاری کی، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے خلیل حضرتِ سیّدُنا ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا، حضرتِ سیّدُنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو ذبح کیا گیا، حضرتِ سیّدُنا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو فروخت کیا گیا، حضرتِ سیّدُنا زکریا علیہ الصلوۃ والسلام پر آرا چلایا گیا، حضرتِ سیّدُنا یحیٰی علیہ الصلوۃ والسلام کو شہید کیا گیا، حضرتِ سیّدُنا ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کو آزمایا گیا، حضرتِ سیّدُنا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام خوفِ الٰہی میں گھومتے رہے اور نبیٔ آخر الزماں حضرتِ سیّدُنا محمدِ مصطفی، احمدِ مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ساری زندگی فقر اپنایا۔

اے میرے بھائی! اس راہ میں پہلا قدم روح کو فنا کرنا ہے۔ شاہراہ تو موجود ہے سالک کہاں ہے؟ قمیص تو موجود ہے پہننے والے کہاں ہیں؟ طورِ سینا تو موجود ہے اس پر فائز ہونے والے کہاں ہیں؟ اے جنید بغدادی کی سی تڑپ رکھنے والو! آؤ اور اس راہ پہ چلو، اے شیخ ابو بکر شبلی کی محبت کے دعویدارو! ہماری بات سنو اور اے ابراہیم بن ادہم کے دیوانو! ادھر متوجہ ہو جاؤ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

مقامِ فنا:

حضرتِ سیّدُنا ابو بکر شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پہاڑ پر ریحانہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو یہ شعر پڑھتے سنا:

اَحْضَرْتَنِیْ فِیْكَ وَلٰكِنْ غَیْبَتِیْ فِیْ التَّجَلِّیْ

ترجمہ: (اے میرے رب!) تو نے مجھے اپنی بارگاہ میں حضوری عطا فرمائی مگر میں تیری تجلیات میں گم ہوگئی۔

میں نے اسے دائیں بائیں تلاش کیا تو نظر آئی میں نے سلام کیا اس نے سلام کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سخاوت حضرت خلیل علیہ السلام سے۔ کیونکہ آپ نے فرزند کو فدا کیا اور رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کیونکہ بوقت ذبح اپنی رضا دی اور اپنی جان عزیز کو بارگاہ خداوندی میں پیش کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جواب دیا۔ میں نے کہا: اے ریحانہ! اس نے جواب دیا: اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! میں حاضر ہوں۔ میں نے پوچھا: کس کو ڈھونڈ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا: ریحانہ کو۔ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا: کیا تو ریحانہ نہیں؟ اس نے جواب دیا: اے شبلی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! کیوں نہیں، مگر جب سے مجھے اللہ عزَّ وَجَلَّ کا قرب ملا ہے میں قید ہو گئی ہوں اور مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ میں کہاں ہوں؟ میں اپنے آپ سے غائب ہو چکی اور اپنے آپ کو بھول چکی ہوں، اور اب مسافروں سے اپنے متعلق پوچھتی رہتی ہوں مگر میں نے کوئی شخص ایسا نہ پایا جو مجھے میرے بارے میں بتا دے۔ یہ سن کر میں نے اُسے کہا: اب میں بھی تیری طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ تجھ پر نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں۔ تو وہ کہنے لگی: اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! میں نے اس سلسلے میں اپنے عناصر سے پوچھا تو کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ میں نے حواس سے پوچھا تو ان کو بغیر جامِ محبت پیئے مدہوش پایا۔ اپنی فہم سے پوچھا تو اس نے وہم کی طرف میری رہنمائی کی۔ میں نے اپنے راز سے پوچھا تو اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ میں نے دل سے پوچھا تو اس نے بھی مجھے میری مراد تک نہ پہنچایا۔ اپنے قلب سے پوچھا تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر کہنے لگا: مجھے اجازت نہیں، میں نہ تو بتا سکتا ہوں اور نہ ہی ظاہر کر سکتا ہوں۔

پھر ریحانہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کہنے لگی: اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! میں نے ہر زندہ سے کہا کہ مجھے میری ذات تک پہنچا دے اور مجھ پر میری رہنمائی کر دے لیکن کوئی بھی میری باتیں نہ سمجھ سکا، اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! اگر تجھے میرا ٹھکانہ معلوم ہے تو میرے ترجمان کو اِدھر لے آ۔ میں نے اسے کہا: تیرا ٹھکانہ رحیم و رحمن عَزَّ وَجَلَّ کے قُربِ میں ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور اس کے بعد لمبا سانس لیا۔ میں نے اسے حرکت دی تو اس کی روح قفسِ عُنصُری سے پرواز کر چکی تھی۔ میں نے اسے ایک چٹان کے سہارے لٹایا اور خود اس امید پر وسیع و عریض میدان میں چلا گیا تا کہ کوئی ایسا شخص پاؤں جو اس کی تجہیز و تکفین پر میری مدد کرے مگر مجھے کوئی نہ ملا۔ میں واپس آیا تو اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئی۔ ہاں! میں نے وہاں ایک نور دیکھا جو شعاعیں دے رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی۔ میں دل میں کہنے لگا: کاش! میں جان لیتا کہ اس نیک بندی کے ساتھ کیا ہوا تو مجھے ندا دی گئی: اے شبلی! ہم جس کو اس کی زندگی میں اس سے لے لیتے ہیں تو موت کے بعد بھی اسے لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صبر حضرت ایوب علیہ السلام سے کہ آپ نے بے حد و غایت مصائب پر صبر فرمایا اور خدا کی فرستادہ ابتلا و آزمائش پر ثابت قدم رہے اور اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام سے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا" (29) (ال عمران ۴۱)

آپ نے تین دن لوگوں سے اشارہ کے سوا کلام نہ فرمایا اور اسی سلسلہ میں ارشاد ہے کہ "اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا" (30) (مریم: ۳) انہوں نے اپنے رب کو آہستہ پکارا

اور غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنے وطن میں مسافروں کے مانند رہے اور خاندان میں رہتے ہوئے اپنوں سے بیگانہ رہے اور سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہ آپ نے یکہ و تنہا مجرد زندگی گزاری ہے اور بجز ایک پیالہ و کنگھی کے کچھ پاس نہ رکھا جب انہوں نے دیکھا کہ کسی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیا ہے تو انہوں نے پیالہ بھی توڑ دیا اور جب کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کر رہا ہے تو کنگی بھی توڑ دی اور گدڑی یعنی صوف کا لباس (31)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرتِ سیدُنا شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں، میں نے اسی رات اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا: اے نوجوان! قید ختم ہوگئی، میں نے اپنی مراد اور نعمتیں پالیں اور میرا مقصد پورا ہوگیا۔ اگر تم بھی ہمیشہ کی عزت چاہتے ہو تو میری طرح موت کو گلے لگالو۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق ص ۱۷۱)

شرح (29): اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ

ترجمہ کنز الایمان: تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارے سے (پ ۳، آل عمران: ۴۱)

شرح (30): اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝

ترجمہ کنز الایمان: جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔ (پ ۱۶، مریم: ۳)

شرح (31): حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پند و نصائح

حضرت سیدنا عمر بن سلیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حواریوں کے پاس اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ علیہ السلام کے جسم انور پر اُون کا جبہ تھا اور ایک عام سی شلوار پہنی ہوئی تھی، ننگے پاؤں تھے اور سر پر بھی کوئی کپڑا وغیرہ نہیں تھا، آنکھوں سے آنسو رواں تھے، بھوک کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا رنگ متغیر ہوگیا تھا اور پیاس کی شدت سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہونٹ بالکل خشک ہو چکے تھے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو سلام کیا، اور فرمایا: اے بنی اسرائیل! اگر میں چاہوں تو اللہ عزوجل کے حکم سے دنیا تمام تر نعمتوں کے ساتھ میرے قدموں میں آجائے لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ اے بنی اسرائیل! تم دنیا کو ہمیشہ حقیر جانو، اسے کوئی وقعت نہ دو یہ خود تمہارے لئے نرم ہو جائے گی، تم دنیا کی مذمت کرو تمہارے لئے آخرت مزین ہو جائے گی، ایسا ہرگز نہ کرنا کہ تم آخرت کو پسِ پشت ڈال دو اور دنیا کی تعظیم و توقیر کرو، بے شک دنیا کوئی قابل احترام شے نہیں کہ اس کی تعظیم کی جائے۔ دنیا تو تمہیں ہر روز کسی نہ کسی نئی آفت یا نقصان کی طرف بلاتی ہے لہٰذا اس کے دھوکے سے بچو۔

پھر فرمایا: اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ میرا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: اے اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام! آپ کا گھر کہاں ہے؟ آپ علیہ لسلام نے فرمایا: مساجد میری قیام گاہ ہیں، میری خوشبو اور عطریات پانی ہے، میرا بھوکا رہنا ہی میری شکم سیری ہے، میرے پاؤں میری سواری ہیں، رات کو چمکتا ہوا چاند میرا چراغ ہے، سخت سردیوں کی راتوں میں نماز پڑھنا میرا محبوب ترین عمل ہے، میرا کھانا خشک پتے وغیرہ ہیں، زمین کی گھاس اور نباتات میرے لئے پھلوں کی مانند ہیں، انہی سے جانوروں کو خوراک ملتی ہے، وہی سبزی اور نباتات میں کھالیتا ہوں، میرا لباس اُون ہے، اللہ عزوجل سے ڈرنا میرا اشعار ہے، اور مساکین وفقراء میرے محبوب ترین رفقاء ہیں۔

میں صبح اس حالت میں کرتا ہوں کہ میرے پاس دنیاوی اشیاء میں سے کوئی شے نہیں ہوتی اور ایسی ہی حالت میں شام کرتا ہوں کہ میرے پاس کوئی دنیاوی شے نہیں ہوتی لیکن پھر بھی میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ فلاں شخص اتنا مال دار ہے۔ میں اپنی اس حالت میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت اور بہت زیادہ غنی سمجھتا ہوں (یعنی میں اس حال میں بھی اپنے رب عزوجل کی رضا پر راضی ہوں)۔

آپ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت تھے، کبھی بھی دنیوی نعمتوں کو خاطر میں نہ لاتے، آپ علیہ السلام نے ایک ہی اُون کے جبہ میں اپنی زندگی کے دس سال گزار دیئے، جب وہ جبہ کہیں سے پھٹ جاتا تو اسے رسّی سے باندھ لیتے یا پیوند لگا لیتے، آپ علیہ السلام نے چار سال تک اپنے مبارک بالوں میں تیل نہ لگایا، پھر چار سال بعد چربی کی چکنائی بالوں میں لگائی اور چربی کو تیل کی جگہ استعمال فرمایا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ علیہ السلام نے اللہ عزوجل پر بھروسہ کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے بنی اسرائیل! مساجد کو لازم پکڑ لو، اور انہی میں پڑے رہو، تمہارے اصلی گھر تو تمہاری قبریں ہیں، دنیا میں تو تم ایک مہمان کی حیثیت سے ہو، عنقریب یہاں سے اپنے اصلی گھر (یعنی قبر) کی طرف چلے جاؤ گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پرندے آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں، نہ تو وہ کھیتی اگاتے ہیں، نہ ہی فصل کاٹتے ہیں لیکن پھر بھی تمام جہانوں کا پروردگار عزوجل انہیں رزق عطا فرماتا ہے۔ اے لوگو! جَو کی روٹی کھا کر بسر اوقات کرو، اور زمین کے نباتات اور سبزی وغیرہ کھا کر پیٹ بھر لیا کرو۔ اگر تم اتنی ہی دنیا پر قناعت کر لو تب بھی تم اللہ عزوجل کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے اور اگر تم کثیر نعمتوں کے طلبگار بنو گے اور ان سے فائدہ اٹھاؤ گے تو پھر کس طرح ان نعمتوں کا شکر ادا کرو گے۔

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں اپنا دوست اور رفیق رکھوں تو تم دنیا داروں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لو، مالداروں سے بالکل جدا رہو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر میں تمہیں اپنے ساتھ نہ رکھوں گا اور تمہارا رفیق بھی نہ بنوں گا۔ بے شک تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی اسی وقت ہوگی جب تم اپنی خواہشات کو ترک کر دو گے، تم اس وقت تک اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم ناپسندیدہ چیزوں پر صبر نہ کرو، اور خبردار! بدنگاہی سے ہمیشہ بچتے رہنا کیونکہ بدنگاہی کی وجہ سے دل میں شہوت ابھرتی ہے۔

خوشخبری ہے اس عظیم شخص کے لئے جس کی نظر اپنے دل پر ہوتی ہے، وہ سوچ سمجھ کر نظر اٹھاتا ہے اور اپنے دل کو نظر کے تابع نہیں کرتا بلکہ نظر کو دل کے تابع رکھتا ہے۔ افسوس ہے اس شخص پر جو دنیا کے لئے اتنی مشقتیں برداشت کرتا ہے حالانکہ یہ بے وفا دنیا اسے چھوڑ کر چلی جائے گی اور موت اسے دنیا سے جدا کر دے گی، کتنا بے وقوف ہے وہ شخص جو دنیا کی فکر میں سرگرداں ہے اور دنیا اسے دھوکا دیتی جا رہی ہے وہ دنیا پر اعتماد کرتا ہے اور دنیا اسے دھوکا دیتی ہے اور اس سے بے وفائی کرتی ہے۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا کے دھوکے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ عنقریب انہیں وہ چیز (یعنی موت) پہنچنے والی ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اور جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ دن (یعنی قیامت کا دن) ان سے بہت قریب ہے۔ جس چیز کو وہ پسند کرتے ہیں اور جو محبوب اشیاء ان کے پاس ہیں عنقریب وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اس دارِ فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ انہوں نے پشمینی کپڑے پہنے (32) اور فقر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ جنہیں روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عنایت فرمادی گئی تھیں اور ارشاد ہوا کہ آپ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں بلکہ آپ ان خزانوں کو استعمال کریں، آرائش اختیار فرمائیں لیکن بارگاہ الٰہی میں آپ نے عرض کیا! اے خدا مجھے اس کی حاجت نہیں ہے میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں تصوف کی یہ آٹھ اصولی خصائل ہیں جو افعال وکردار میں محمود ہیں۔

(۱۴) حضرت خصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلصُّوْفِیُّ لَا یُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمِهٖ وَلَا یَعْدِمُ بَعْدَ وُجُوْدِهٖ"۔ صوفی معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا اور موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اے لوگو! تم فضول گوئی سے بچتے رہو، کبھی بھی ذکر اللہ عزوجل کے علاوہ اپنی زبان سے کوئی لفظ نہ نکالو، ورنہ تمہارے دل سخت ہوجائیں گے، بے شک دل نرم ہوتے ہیں لیکن فضول گوئی انہیں سخت کردیتی ہے۔

اور جس شخص کا دل سخت ہوجائے وہ اللہ عزوجل کی رحمت سے محروم ہوجاتا ہے (یعنی اگر تم اللہ عزوجل کی رحمت کے امیدوار ہو تو اپنے دلوں کو سختی سے بچاؤ) (عُیُوْنُ الْحِکَایَات ص ۱۸۵)

شرح (32): شیخ محمد بن علی اپنی کتاب دلیل الطالب الی نھایۃ المطالب میں فرماتے ہیں، راہِ سلوک کا مسافر جب خرقہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی پہلی زندگی میں پہنے جانے والے کپڑوں کو خیر آباد کہہ دے۔ اور اس گروہ کا بہترین لباس صوف ہے جس کی طرف انہیں منسوب بھی کیا جاتا ہے (اور انہیں صوفی کہا جاتا ہے)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بے شک سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا نے اس لباس کو پہنا، حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور یحییٰ (علیہم السلام) اس لباس کو پہنا کرتے تھے، اور ہمارے نبی جو سب نبیوں سے افضل ہیں، بھی ایک عباء زیب تن فرمایا کرتے تھے جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔

صوف کا لباس اسی شخص کو پہننا چاہے جس کا نفس غلاظتوں سے پاک ہوچکا ہو۔ حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اس وقت تک لباسِ صوف نہ پہنو جب تک اپنا دل پاکیزہ نہ کرلو۔ کیونکہ جو ناقص اور ادھورا ہونے کے باوجود لباس صوف پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے دھتکار دے گا۔

کی خواہش نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی پاتا ہے اسے کسی حال میں گم نہیں کرتا اور جو چیز گم ہو جائے اس کو کسی حال میں بھی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس کی یافت کسی طرح نایافت نہ ہوگی اور اس کی نایافت کسی طرح یافت نہ ہوگی تا کہ اثبات بے نفی اور نفی بغیر اثبات کے ہو جائے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ صوفی کی بشریت کامل طور پر فنا ہو کر اس کے جسمانی شواہد اس کے حق سے جاتے رہیں اور اس کی نسبت سب سے منقطع ہو جائے تا کہ بشریت کا بھید کسی کے حق میں ظاہر نہ ہو یہاں تک کہ یہ فرق اپنے عین میں جمع ہو کر اپنے آپ قیام پا جائیں یہ صورت حال دو نبیوں میں ظاہر ہوئی ہے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کہ جن کے وجود میں عدم نہیں تھا یہاں تک کہ دعا کی "رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ" (33) (طٰهٰ:۲۵،۲۶) میرے رب مجھے شرح صدر عطا فرما اور میرا معاملہ مجھ پر آسان کر دے اور دوسری ذات مبارک ہمارے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے کہ آپ کے عدم میں وجود نہ تھا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (34) (الم نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کے لیے شرح صدر نہ فرمایا۔

ایک نبی نے آرائش و زینت کی درخواست کی اور دوسرے کو حق تعالیٰ نے خود آرائش و زینت سے مزین فرمایا اور انہوں نے اس کی دعا نہیں کی۔ (35)

شرح (33): رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرا کام آسان کر۔

(پ۱۶، طٰہٰ:۲۶۔۲۷)

شرح (34): اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ (پ ۳۰، الم نشرح:۱)

شرح (35): یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع کیا ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوّت اور علم و حکمت کے لئے یہاں تک کہ عالمِ غیب و شہادت اس کی وسعت میں سما گئے اور علائقِ جسمانیہ، انوارِ روحانیہ کے لئے مانع نہ ہو سکے اور علومِ لدنّیہ و حکمِ الٰہیہ و معارفِ ربانیہ و حقائقِ رحمانیہ سینۂ پاک میں جلوہ نما ہوئے۔ اور ظاہری شرحِ صدر بھی بار بار ہوا ابتدائے عمر شریف میں اور ابتدائے نزولِ وحی کے وقت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۵) حضرت علی بن پندار صیرفی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اَلتَّصَوُّفُ اَسْقَاطُ الرُّؤْیَۃِ لِلْحَقِّ ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا"۔ تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے ظاہر و باطن میں حق کی خاطر خود کو نہ دیکھے چنانچہ جب تم ظاہر پر نظر ڈالو گے تو ظاہر میں توفیق کا نشان پاؤ گے اور جب تم غور کرو گے تو ظاہری معاملات کو توفیق حق کے مقابلہ میں دیکھو گے تو مچھر کے پر کے برابر وزن نہ دو گے اور ظاہری دیکھنا چھوڑ دو گے اور جب باطن پر نظر ڈالو گے تو باطن میں تائید حق کے نشان پاؤ گے لہٰذا باطن کے دیکھنے کو بھی ترک کر کے سراسر حق کا مشاہدہ کرو گے جب حق کا مشاہدہ کرو گے تو خود کو بھی نہ دیکھ سکو گے۔

(۱۶) حضرت محمد عمر بن احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ اِسْتَقَامَۃُ الْاَحْوَالِ مَعَ الْحَقِّ"۔ حق تعالیٰ کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام تصوف ہے مطلب یہ کہ صوفی کے احوال کسی اور حال سے نہ بدلیں گے اور وہ کسی کجروی میں مبتلا نہ ہوگا اس لیے کہ جس کا دل گردش احوال سے محفوظ ہے وہ درجۂ استقامت سے نہیں گرتا اور نہ وہ حق تعالیٰ سے دور رہتا ہے۔

صوفیاء کے معاملات

(۱) حضرت ابو حفص حداد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کرام کے معاملہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ: "تصوف سراسر ادب ہے"[36] ہر وقت ہر مقام اور ہر حال کے لیے متعین آداب و احکام ہیں جس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور شبِ معراج جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، اس کی شکل یہ تھی کہ جبرئیلِ امین نے سینۂ پاک کو چاک کر کے قلبِ مبارک نکالا اور زریں طشت میں آبِ زمزم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

شرح (36): اَدَب کی ضرورت

پیارے بھائیو! طریقت کے تمام معاملات کا انحصار ادب پر ہے۔
قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ O
(ترجمہ قرآن کنز الایمان) اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان آداب کی پابندی کو ان کے اوقات میں لازم رکھا وہ مردانِ خدا کے درجہ پر فائز ہو گئے اور جس نے ان آداب کی پابندی کو ملحوظ خاطر نہ رکھا اور اسے رائیگاں کر دیا وہ قرب حق کے خیال اور قبولِ حق کے گمان سے محروم رہ کر مردود بن گیا"۔ اس معنیٰ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O

(ترجمہ قرآن کنز الایمان) اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو، اُس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے، اور ان کے حُضور بات چلاّ کر نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاّتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (پ ۲۶، الحجرٰت: ۲)

بے اَدَبی کی نحوست

تفسیر رُوح البیان میں ہے کہ پہلے زمانے میں جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے آدمی کے آگے چلتا تھا تو اللہ تعالیٰ اسے (اسکی بے اَدَبی کی وجہ سے) زمین میں دھنسا دیتا تھا۔

ایک اور جگہ نقل ہے کہ کسی شخص نے بارگاہِ رسالت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم میں عرض کی حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم میں فاقہ کا شکار رہتا ہوں۔ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو کسی بوڑھے (شخص) کے آگے چلا ہوگا۔ (روح البیان پارہ ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ بے اَدَبی دنیا وآخرت میں مَردُود کروا دیتی ہے۔ جیسا کہ ابلیس کی نو لاکھ سال کی عبادت ایک بے اَدَبی کی وجہ سے برباد ہوگئی اور وہ مَردُود ٹھہرا۔

(۱) حضرت ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، بندہ اِطاعت سے جنّت تک اور اَدَب سے خدا عَزَّ وَجَلَّ تک پہنچ جاتا ہے، (الرسالۃ القشیریۃ، باب الادب، ص ۳۱۶)

(۲) حضرت ذُوالنُّون مِصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ، جب کوئی مرید اَدَب کا خیال نہیں رکھتا، تو وہ لوٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ (الرسالۃ القشیریۃ، باب الادب، ص ۳۱۹)

(۳) حضرت ابنِ مبارَک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ، ہمیں زیادہ عِلْم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا اَدَب حاصل کرنے کی زیادہ ضَرورت ہے۔ (الرسالۃ القشیریۃ، باب الادب، ص ۳۱۷) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ "لَيْسَ التَّصَوُّفُ رَسُوْمًا وَلَا عُلُوْمًا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَاقٌ"۔ رسم و علم کا نام تصوف نہیں ہے بلکہ وصف و اخلاق کا نام ہے مطلب یہ ہے کہ اگر رسم کا نام تصوف ہوتا تو ریاضت و مجاہدے سے حاصل ہو جاتا اور اگر علم کا نام تصوف ہوتا تو تعلیم سے تکمیل کی جاسکتی مگر یہ تو سراپا اخلاق ہے حتیٰ کہ اگر اس کے حکم اپنی ہستی میں جاری نہ کرو اور اس کے معاملات کو اپنے وجود میں نافذ نہ کرو اور اس کے انصاف کو اپنے اوپر نہ استعمال کرو تو ہرگز تصوف حاصل نہ ہوگا۔

رسم واخلاق کا فرق:

رسوم واخلاق کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسم ایسا فعل ہے جو تکلیف و محنت اور اسباب ذرائع سے حاصل ہو جاتا ہے مثلاً ایسا عمل جو باطن کے برخلاف ظاہری طور پر کیا جائے اور وہ فعل و عمل باطنی معنیٰ سے خالی ہو اور اخلاق ایسا فعلِ محمود ہے جو بے تکلیف و محنت اور بغیر اسباب و ذرائع کے باطن کے موافق ظاہر میں کیا جائے اور وہ دعوے سے خالی ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۴) اعلیحضرت الشاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے ایک جگہ حضرت شیخ سعدی علیہ رحمۃ الہادی کے قولِ نصیحت کو بڑی اَہمیت دی۔

فرمایا! کیا وجہ ہے کہ مرید عالم فاضل اور صاحبِ شَرِیْعت وطریقت ہونے کے باوُجود (اپنے مرشد کامل کے فیض سے) دامن نہیں بھر پاتا؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ اکثر علمائے دین اپنے آپ کو پیرو مرشد سے افضل سمجھتے ہیں یا عمل کا غُرور اور کچھ ہونے کی سمجھ کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ وگرنہ حضرت شیخ سعدی علیہ رحمۃ الہادی کا مشورہ سنیں۔

مَدَنی مشورہ

فرماتے ہیں! بھر لینے والے کو چاہے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہو۔ مگر کمالات کو دروازے پر ہی چھوڑ دے (یعنی عاجزی اختیار کرے) اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں۔ خالی ہو کر آئیگا تو کچھ پائے گا، اور جو اپنے آپ کو بھرا ہوا سمجھے گا تو یاد رہے کہ بھرے برتن میں کوئی اور چیز نہیں ڈالی جاسکتی۔ (انوارِ رضا، امام احمد رضا اور تعلیمات تصوف، ص ۲۴۲)

نیک خصائل: (37)

(۳) حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ" نیک خصائل کا نام تصوف ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

شرح (37): حسن خلق کیا ہے:

جب حضرت سیدنا ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کیا یارسول اللہ! حسن خلق کیا ہے؟

تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتَعْفُوْعَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ۔

جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو اور جو تمہیں نہ دے تم اسے دو (شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۶۱ حدیث ۸۰۸۱)

بھائیو! باہمی الفت ایک اچھی صفت ہے خصوصاً جب کہ تقویٰ، دین اور اللہ عزوجل کے لئے محبت کی بنیاد پر ہو۔ اس سلسلے میں آیات، احادیث اور آثار کی کثرت اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ اللہ (عزوجل) نے مخلوق پر اپنا بہت بڑا احسان ظاہر کرتے ہوئے نعمت الفت کا ذکر فرمایا:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ

ترجمہ کنزالایمان: اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کردیتے ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ (عزوجل) نے ان کے دل ملادیئے (پارہ ۱۰، سورہ انفال ۶۳)

اور ارشاد فرمایا:

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

ترجمہ کنزالایمان: تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہوگئے (پارہ نمبر ۴، سورہ آل عمران آیت ۱۰۳)

پھر انتشار و افتراق کی مذمت کرتے ہوئے اس سے یوں منع فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ (عزوجل) کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) یہ کہ حق تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو بغیر سمع وریا کے ادا کیا جائے۔

(۲) یہ کہ بڑوں کی عزت وتعظیم اور چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور برابر والوں سے حق وانصاف پر قائم رہتے ہوئے کسی عوض وبدلے کا طالب نہ ہو۔

(۳) یہ تیسری قسم اپنی ذات سے متعلق ہے وہ یہ کہ وہ نفس وشیطان کی متابعت نہ کرے۔

جس نے اپنی ذات کو ان تینوں خصلتوں سے مزین کرلیا وہ تمام نیک خصلتوں کا خوگر بن گیا یہ خصائل اس حدیث سے ماخوذ ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ان سے کسی نے عرض کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق شریفہ کی تعلیم فرمایئے۔ آپ نے فرمایا قرآن کریم پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کے اخلاقِ حمیدہ بیان فرمائے ہیں۔ (38) یہ دلیل پہلی قسم کی ہے لیکن دوسری اور تیسری قسم کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پھٹ نہ جانا اور اللہ (عزوجل) کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اور اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کردیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہوگئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا اللہ (عزوجل) تم سے یونہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ

(پارہ نمبر ۴، سورہ آل عمران آیت ۱۰۳)

نیز نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپس کی الفت اور محبت بڑھانے کے لئے تاکیداً ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ مَجْلِساً اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقاً اَلْمُوْطُوْنَ اَکْنَافاً اَلَّذِیْنَ یَاْلِفُوْنَ وَیُوْلَفُوْنَ۔

تم میں سے وہ لوگ مجلس میں میرے زیادہ قریب ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، جو اپنے پہلوؤں کو جھکا دیتے ہیں، وہ دوسروں سے محبت کرتے اور دوسرے ان سے محبت کرتے ہیں

(شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۳۴ حدیث ۸۹۸۸)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

اَلْمُوْمِنُ اِلْفٌ مَاْلُوْفٌ وَلَاخَیْرَ فِیْمَنْ لَایَاْلِفُ وَلَایُوْلَفُ۔

مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے۔ جو لوگ دوسروں سے محبت نہیں کرتے اور نہ ان سے محبت کی جاتی ہو ان میں کوئی بھلائی نہیں۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۲ من اسمہ اسماعیل)

شرح (38): دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ذکر اخبار رویت فی شمائلہ ... الخ، ج ۱، ص ۳۰۹

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ" (39)

درگزر کو اختیار کرو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے دور رہو۔ (الاعراف:۱۹۹)

حضرت مرتعش فرماتے ہیں کہ "هٰذَا مَذْهَبٌ كُلُّهٗ جِدٌّ فَلَا تُخَالِطُوْهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْهَزْلِ" یہ نکھری ہوئی تصوف کی راہ ہے اس میں بالکل آمیزش نہ کرو۔ اور نقلی صوفیوں کے معاملات کو نہ ملاؤ اور رسوم کے پابند لوگوں سے اجتناب کرو۔

جب زمانہ کے دنیادار لوگوں نے دیکھا کہ نقلی صوفی پاؤں پر تھرکتے، گانا سنتے اور بادشاہوں کے دربار میں جا کر ان سے مال ومنال کے حصول میں حرص ولالچ کا مظاہرہ کرتے ہیں (40) درباری دیکھتے ہیں تو وہ

شرح (39): خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ O

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(پ۹، الاعراف:۱۹۹)

شرح (40): لالچ اور حرص کا جذبہ خوراک، لباس، مکان، سامان، دولت، عزت، شہرت، غرض، ہر نعمت میں ہوا کرتا ہے۔ اگر لالچ کا جذبہ کسی انسان میں بڑھ جاتا ہے تو وہ انسان طرح طرح کی بد اخلاقیوں اور بے مروتی کے کاموں میں پڑ جاتا ہے اور بڑے سے بڑے گناہوں سے بھی نہیں چوکتا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو حرص وطمع اور لالچ در حقیقت ہزاروں گناہوں کا سرچشمہ ہے اس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

لالچ کا علاج

اس قلبی مرض کا علاج صبر وقناعت ہے یعنی جو کچھ خدا کی طرف سے بندے کو مل جائے اس پر راضی ہو کر خدا کا شکر بجا لائے اور اس عقیدہ پر جم جائے کہ انسان جب ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ اسی وقت فرشتہ خدا کے حکم سے انسان کی چار چیزیں لکھ دیتا ہے۔ انسان کی عمر، انسان کی روزی، انسان کی نیک نصیبی، انسان کی بد نصیبی، یہی انسان کا نوشتہ تقدیر ہے۔ لاکھ سر مارو مگر وہی ملے گا جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اس کے بعد یہ سمجھ کر کہ خدا کی رضا اور اس کی عطا پر راضی ہو جاؤ اور یہ کہہ کر لالچ کے قلعے کو ڈھا دو کہ جو میری تقدیر میں تھا وہ مجھے ملا اور جو میری تقدیر میں ہوگا وہ آئندہ ملے گا اور اگر کچھ کمی کی وجہ سے قلب میں تکلیف ہو اور نفس ادھر ادھر لپکے تو صبر کر کے نفس کی لگام کھینچ لو۔ اسی طرح رفتہ رفتہ قلب میں قناعت کا نور چمک اٹھے گا اور حرص ولالچ کا اندھیرا بادل چھٹ جائے گا یاد رکھو!

حرص ذلت بھری فقیری ہے　　　جو قناعت کرے، تونگر ہے

ان سے نفرت کرتے اور تمام صوفیوں کو ایسا ہی سمجھ کر سب کو برا کہنے لگتے ہیں کہ ان کے یہی طور وطریق ہوتے ہیں اور پچھلے صوفیاء کا حال بھی ایسا ہی تھا حالانکہ وہ حضرات ایسی لغویتوں سے پاک وصاف تھے۔ وہ اس پر غور و تفحص نہیں کرتے یہ زمانہ دین میں سستی وغفلت کا ہے۔

بلاشک وشبہ جب بادشاہ و حکام پر حرص کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اسے ظلم وستم پر آمادہ کر دیتا ہے اور اہل زمانہ طمع ونافرمانی اور زنا وفسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ریاکاری زاہد کو نفاق میں جھونک دیتی ہے (41) اور

شرح (41): سلف صالحین کی عادت مبارکہ میں اخلاص تھا۔ وہ ہر ایک عمل میں اخلاص کو مدنظر رکھتے تھے اور ریا کا شائبہ بھی ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کوئی عمل بجز اخلاص مقبول نہیں۔ وہ لوگوں میں زاہد عابد بننے کے لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ انہیں اس بات کی کچھ پرواہ نہ ہوتی تھی کہ لوگ انہیں اچھا سمجھیں گے یا برا۔ ان کا مقصود محض رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ ہوتا تھا۔ ساری دنیا ان کی نظروں میں ہیچ تھی وہ جانتے تھے کہ اخلاص کے ساتھ عمل قلیل بھی کافی ہوتا ہے، مگر اخلاص کے سوا رات دن بھی عبادت کرتا رہے تو کسی کام کی نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن بھیجا تو فرمایا: اخلص دینك یکفك العمل القلیل (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الرقاق، الحدیث: 7914 ج5، ص435)

کہ اپنے دین میں اخلاص کر تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔ (حاکم) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ناظرین سے مخفی نہیں کہ ایک لڑائی میں ایک کافر پر آپ نے قابو پالیا۔ اس نے آپ کے منہ مبارک پر تھوک دیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ حیران رہ گیا کہ یہ بات کیا ہے؟ بجائے اس کے کہ انہیں غصہ آتا اور مجھے قتل کر دیتے انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ حیران ہو کر پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں۔

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم بندہ حقم نہ مامور تنم
شیر حقم نیستم شیر ہوا فعل من بر دین من باشد گواہ

کہ میں نے محض رضائے حق کے لئے تلوار پکڑی ہے میں خدا کے حکم کا بندہ ہوں اپنے نفس کے بدلہ کے لئے مامور نہیں ہوں۔ میں خدا کا شیر ہوں اپنی خواہش کا شیر نہیں ہوں۔ چونکہ میرے منہ پر تو نے تھوکا ہے اس لئے اب اس لڑائی میں نفس کا دخل ہو گیا اخلاص جاتا رہا، اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے کہ میرا کام اخلاص سے خالی نہ ہو۔

چونکہ در آمد علتے اندر غزا تیغ را دیدم نہاں کردن سزا

جب اس جنگ میں ایک علت پیدا ہو گئی جو اخلاص کے منافی تھی تو میں نے تلوار کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوائے نفسانی صوفی کو پاؤں پر کوداتی ہے، اور گانا سننے پر ابھارتی ہے، خبردار ہوشیار! طریقت کے جھوٹے مدعی ہی تباہ ہوتے ہیں نہ کہ اصلِ طریقت۔ خوب یاد رکھو کہ اگر مسخروں کی جماعت اپنی مسخرگی کو بزرگوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) روکنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ کافر حضرت کا یہ جواب سن کر مسلمان ہوگیا۔ اس پر مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بس خجستہ معصیت کاں مرد کرد نے زخارے بردمد اوراق ورد

وہ تھوکنا اس کے حق میں کیا مبارک ہوگیا کہ اسے اسلام نصیب ہوگیا۔ اس پر مولانا تمثیل بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح کانٹوں سے گل سرخ کے پتے نکلتے ہیں اسی طرح اس کے گناہ سے اسے اسلام حاصل ہوگیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

من طلب الدنیا بعمل الآخرۃ نکس اللہ قلبہ وکتب اسمہ فی دیوان اھل النار

(تنبیہ المغترین، الباب الاوّل، اخلاصہم للہ تعالیٰ، ص 23)

جو شخص آخرت کے عمل کے ساتھ دنیا طلب کرے۔ خدا تعالیٰ اس کے دل کو الٹا کر دیتا ہے اور اس کا نام دوزخیوں کے دفتر میں لکھ دیتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول اس آیت سے ماخوذ ہے جو حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (پ25 الشوریٰ: 20)

کہ جو شخص (اپنے اعمال صالح میں) دنیا چاہے ہم دنیا سے اتنا جتنا کہ اس کا مقرر ہے دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔

ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ وہ یہاں تک اخلاص کی کوشش کرتے تھے کہ ہمیشہ جماعت کی صفِ اول میں شامل ہوتے، ایک دن اتفاقاً آخری صف میں کھڑے ہوئے اور دل میں خیال آیا کہ آج لوگ مجھے آخری صف میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔ اس خیال کے سبب لوگوں سے شرمندہ ہوگئے یعنی یہ خیال آیا کہ پچھلی صف میں لوگ دیکھ کر کہیں گے کہ آج اس کو کیا ہوگیا ہے کہ پہلی صف میں نہیں مل سکا۔ اس خیال کے آتے ہی یہ سمجھا کہ میں نے جتنی نمازیں پہلی صف میں پڑھی ہیں اس میں لوگوں کے لئے نمائش مقصود تھی۔ تو تیس سال کی نمازیں قضا کیں۔ (کیمیائے سعادت، رکن چہارم، اصل پنجم، ج 2، ص 876)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: اخلصی تخلص اے نفس! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی ریاضت ومجاہدے کے اندر ہزار بار پوشیدہ رکھے تو بزرگوں کی ریاضت ومجاہدہ مسخرگی نہیں بن سکتی۔

(۴) حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْاَخلَاقُ الرَّضِيَّةُ"۔ پسندیدہ اور محمودہ افعال و اخلاق کا نام تصوف ہے یعنی بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی وخوش رہے (42) رضیہ اور رضیٰ کے معنیٰ راضی وخوش ہونے کے ہیں (43)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اخلاص کر! تاکہ تو خلاصی پائے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا:

المخلص من یکتم حسناته کما یکتم سیأته

مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو بھی ایسے ہی چھپائے جیسے کہ اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے فرمایا:

یٰبنی لا تتعلم العلم الا اذا نویت العمل به والا فهو وبال علیك یوم القیٰمة

(تنبیہ المغترین، الباب الاوّل، اخلاصہم للہ تعالیٰ، ص 23)

اے میرے بیٹے! علم پر اگر عمل کی نیت ہو تو پڑھو ورنہ وہ علم قیامت کے دن تم پر وبال ہوگا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے:

تتکلمین بکلام الصالحین القانتین العابدین وتفعلین فعل الفاسقین المنافقین المرائین واللہ ماھذہ صفات المخلصین۔ (تنبیہ المغترین، الباب الاوّل، اخلاصہم للہ تعالیٰ، ص 23)

اے نفس! تو باتیں تو ایسی کرتا ہے جیسے بڑا ہی کوئی صالح، عابد، زاہد ہے لیکن تیرے کام ریاکاروں، فاسقوں، منافقوں کے ہیں۔ خدا کی قسم! مخلص لوگوں کی یہ صفات نہیں کہ ان میں باتیں ہوں اور عمل نہ ہو۔ خیال فرمایئے، امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ شخص ہیں جنہوں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرقہ خلافت پہنا۔ سلسلہ چشتیہ قادریہ اور سہروردیہ کے شیخ ہوئے۔ مگر نفس کو ہمیشہ ایسے ہی جھڑکا کرتے تھے تاکہ اس میں ریا نہ پیدا ہو۔ ایک ہم بھی ہیں بدنام کنندہ نکونامے چند کہ ہم اپنی ریاکاریوں کو عین اخلاص سمجھتے ہیں۔

شرح (42): اس طرح کہ ہر حال میں رب کی حمد کرتے رہتے ہیں، تبدیلی حالات ان کو نہیں بدلتی، راضی برضا رہتے ہیں، چونکہ یہ لوگ رب سے راضی رہے لہذا رب بھی ان سے راضی رہا، وہ رب کے تھوڑے رزق سے راضی تو رب ان کی تھوڑی عبادت سے راضی، وہ رب کے بھیجے ہوئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْحُرِّيَّةُ وَالْفُتُوَّةُ وَتَرْكُ التَّكَلُّفِ وَالسَّخَاءُ وَبَذْلُ الدُّنْيَا"۔ یعنی نفس اور حرص و ہوا کی غلامی سے آزادی پانے، باطل کے مقابلہ میں جرأت و مردانگی دکھانے، دنیاوی تکلفات کو ترک کر دینے، اپنے مال کو دوسروں پر صرف کر دینے اور دنیا کو دوسروں کے لیے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رنج و غم پر راضی تو رب ان سے گناہ سرزد ہونے پر بھی راضی، فرماتا ہے:" رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اللہ تعالیٰ یہ درجہ نصیب کرے۔

شرح (43): مخلص بندے

حضرتِ سیّدُنا جنیدِ بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی فرماتے ہیں کہ: ایک رات میں نے حضرتِ سیّدُنا سَرِی سَقَطِی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے ہاں قیام کیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! کیا تم سو گئے ہو؟ میں نے عرض کی: حضور! میں جاگ رہا ہوں۔ فرمایا: ابھی ابھی میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاک پروردگار عَزَّ وَجَلَّ نے مجھے اپنی بارگاہ میں بُلاکر ارشاد فرمایا: اے سَرِی! کیا تُو جانتا ہے کہ میں نے مخلوق کو کیوں پیدا فرمایا؟ میں نے عرض کی: اے میرے خالق عَزَّ وَجَلَّ مجھے معلوم نہیں۔ ارشاد فرمایا: میں نے مخلوق کو پیدا کیا تو سب نے مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا۔ پھر میں نے دنیا کو پیدا کیا تو دس ہزار (10000) میں سے نو ہزار (9000) میری محبت سے غافل ہو کر دنیا کی محبت میں کھو گئے۔ پھر میں نے جنت کو پیدا فرمایا تو ہزار میں سے نو سو (900) میری محبت سے غافل ہو کر جنت کی محبت میں کھو گئے۔ میں نے ان پر کچھ آلام و مصائب نازل کیئے تو ان مصیبتوں کی وجہ سے سو میں سے نوے (90) یری یاد سے غافل ہو گئے۔ بقیہ دس (10) بچے۔ میں نے ان سے کہا: نہ تو تم نے دنیا کا ارادہ کیا، نہ جنت کی رغبت کی اور نہ ہی مصیبتوں کی وجہ سے بھاگے، بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: اے ہمارے علیم وخبیر پروردگار عَزَّ وَجَلَّ تُو ہماری چاہت کو خوب جاننے والا ہے۔ ارشاد فرمایا: میں تم پر ایسی ایسی آزمائشیں اور مصیبتیں ڈالوں گا کہ جنہیں بلند و بالا پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے، کیا اس صورت میں بھی تم صبر و شکر کے ساتھ استقامت پر قائم رہو گے؟ عرض کی: اے ہمارے پروردگار عَزَّ وَجَلَّ! تُو جانتا ہے کہ اب تک تُو نے ہم پر جتنی مصیبتیں نازل کیں ہم ان سب پر راضی رہے اور آئندہ بھی ہر حال میں تجھ سے راضی رہیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم ہی میرے مخلص بندے ہو۔ (عیون الحکایات ص ۳۹۱)

فتوت یہ ہے کہ اپنی جوانمردی و مردانگی کے دیکھنے سے آزاد ہو، ترک تکلف یہ ہے کہ متعلقین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور تقدیر سے راضی رہے اور سخاوت یہ ہے کہ دنیا کو دنیاداروں کے لیے چھوڑ دے۔

(۶) حضرت ابوالحسن فوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَلتَّصَوُّفُ الْیَوْمَ اِسْمٌ وَلَا حَقِیْقَۃٌ وَقَدْ کَانَ حَقِیْقَۃٌ" آج بے حقیقت چیز کا نام تصوف سمجھ لیا گیا ہے۔ ورنہ اس سے قبل بغیر نام ایک حقیقت تھی مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے زمانہ میں یہ نام تو نہ تھا مگر اس کے معنی موجود تھے اب نام تو ہے مگر معنی کا وجود نہیں۔ یعنی معاملات و کردار تو معروف تھے لیکن دعوٰی مجہول تھا اب دعوٰی عروف ہے لیکن معاملات مجہول ہیں۔

تصوف کے معاملات، معانی و حقائق کے اظہار و بیان میں مشائخ طریقت کی مذکورہ ارشادات طالبِ حق کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں لیکن جو تصوف کے منکر ہیں ان سے دریافت کیا جائے کہ تصوف کے انکار سے تمہاری کیا مراد ہے اور اگر محض اس کے نام سے انکار ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے (44) لیکن اس طرح

شرح (44): شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ یقین جان کہ شریعت کا چشمہ ہی حقیقت کا چشمہ ہے کیونکہ شریعت کے دو دائرے ہیں۔ ایک اوپر ایک نیچے۔ اوپر کا دائرہ کشف والوں کے لئے ہے اور نیچے کا دائرہ فکر والوں کا ہے۔ اہل فکر جب اہل کشف کے اقوال تلاش کرتے ہیں اور انہیں اپنی فکر کے دائرے میں نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ قول شریعت سے باہر ہے۔ اس پر اہل فکر اہل کشف پر اعتراض کرتے ہیں مگر اہل کشف اہل فکر پر اعتراض نہیں کرتے اور جو کشف و فکر دونوں رکھتا ہے۔ وہ اپنے وقت کا حکیم ہے۔ لھذا جس طرح علوم فکر شریعت کا حصہ ہیں اسی طرح اہل کشف کے علوم بھی شریعت کا حصہ ہیں۔ تو دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں اور آجکل کیونکہ دونوں پہلوؤں کا جامع شخص موجود نہیں۔ لھذا محض ظاہر دیکھنے والوں نے شریعت و حقیقت کو جدا سمجھ رکھا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۵)

سبحان اللہ اس عبارت سے پتہ چلا کہ اہل ظاہر یعنی علماء اگر علومِ حقیقت کو نہ سمجھیں تو وہ معذور ہیں کہ وہ شریعت کے نیچے والے دائرے میں ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص ولایت کا دعوٰی کرے اور ظاہری علم کا انکار کرے وہ جھوٹا اور فریبی ہے کیونکہ اگر وہ حقیقتاً اوپر والے دائرے تک پہنچا ہوتا تو نیچے والے دائرے کا انکار نہ کرتا اور اس سے جاہل نہ ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ظاہر علم والے جڑیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے معانی وحقائق سے انکار لازم نہیں آتا پھر بھی اگر اس کے معانی وحقائق سے انکار ہے تو یہ انکار کل شریعتِ اسلامیہ کا انکار بن جائے گا یہی نہیں بلکہ یہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حمیدہ اور خصائلِ جمیلہ اور اسوۂ حسنہ کا انکار بھی کہلائے گا (45) اور اس انکار کے بعد پورا دین ریاکاری بن جاتا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا فرمانبردار اور سعید بنائے جس طرح اپنے دوستوں کو بنایا ہے اور میں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کے ان دوستوں، ولیوں اور حق نیوش صوفیوں کے ساتھ حق وانصاف کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا، دعوٰی کم کرنا اور اہل اللہ سے حسنِ اعتقاد رکھنا۔ وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور باطنی علم والے شاخیں۔ اگر شاخیں کاٹ دی جائیں تو اصل درخت باقی رہتا ہے لیکن اگر کوئی بلند شاخ پر پہنچ کر جڑ کاٹ دے تو اس کی ہڈی پسلی کی خیر نہیں نیز اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہل ظاہر اگر شریعت وحقیقت کو جدا سمجھے تو ان کی غلطی ہے مگر اس وجہ سے وہ اپنے علم میں جھوٹے نہ ہوں گے۔ لیکن اگر تصوف کا دعویٰ کرنے والا علم ظاہر کا انکار کرے اور شریعت وطریقت کو جدا سمجھے تو وہ قطعاً جھوٹا اور مکار ہے۔

شرح (45): شریعتِ وطریقت دو متبائن نہیں ہیں، بے اتباعِ شرع وصول الی اللہ ناممکن، کوئی کیسے ہی مرتبہ عالیہ تک پہنچے، جب تک عقل باقی ہے احکامِ الٰہیہ اس پر سے ساقط نہیں ہو سکتے، جھوٹے متصوف کہ مخالف شرع میں اپنا کمال سمجھتے ہیں سب گمراہ مسخرگان شیطان ہیں، وحدتِ وجود حق ہے اور حلول واتحاد کہ آج کل کے بعض متصوفہ (بناوٹی صوفی) بکتے ہیں صریح کفر ہے۔

باب 4:

صوفیائے کرام کا لباس یعنی گدڑی

پشم اور اون وصوف کا مخصوص وضع قطع کا لباس جسے گدڑی کہتے ہیں صوفیاء کرام کا شعار ہے (1) اور یہ لباس سنت کے موافق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "عَلَيْكُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ

شرح (1): شیخ محمد بن علی اپنی کتاب دلیل الطالب الی نھایۃ المطالب میں فرماتے ہیں، راہِ سلوک کا مسافر جب خرقہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی پہلی زندگی میں پہنے جانے والے کپڑوں کو خیر آباد کہہ دے۔ اور اس گروہ کا بہترین لباس صوف ہے جس کی طرف انہیں منسوب بھی کیا جاتا ہے (اور انہیں صوفی کہا جاتا ہے)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بے شک سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا نے اس لباس کو پہنا، حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور یحییٰ (علیہم السلام) اس لباس کو پہنا کرتے تھے، اور ہمارے نبی جو سب نبیوں سے افضل ہیں، بھی ایک عباء زیب تن فرمایا کرتے تھے جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔

صوف کا لباس اسی شخص کو پہننا چاہے جس کا نفس غلاظتوں سے پاک ہو چکا ہو۔ حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اس وقت تک لباسِ صوف نہ پہنو جب تک اپنا دل پاکیزہ نہ کر لو۔ کیونکہ جو ناقص اور ادھورا ہونے کے باوجود لباسِ صوف پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے دھتکار دے گا۔ پس جب کوئی شخص لباسِ صوف پہنے تو اس کے حروف (یعنی ص، و، ف) کے وظائف بھی اپنائے۔ یہ وظائف تین ہیں:

(1) صاد کا وظیفہ صدق (یعنی اخلاص)، صفا (یعنی پاکیزگی)، صیانت (یعنی گناہوں سے بچنا)، صبر اور صلاح (یعنی نیکی) ہے،

(2) واؤ کا وظیفہ وصلہ (یعنی پہنچنا)، وفا نبھانا اور وجد (یعنی پالینا) ہے،

(3) فاء کا وظیفہ فرح (یعنی خوشی) اور فتح (یعنی خیر خواہی کا جذبہ رکھنا) ہے۔

اور اگر مرقع (یعنی پیوند والا لباس) پہنے تو اس پر ان چار حروف کا حق ادا کرنا لازم ہے، چنانچہ:

(i) میم کا حق معرفت، مجاہدہ اور مذلت (یعنی اپنے آپ کو ذلیل جاننا) ہے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔ پشمینی لباس اختیار کرو کیونکہ اس سے اپنے دلوں میں ایمان کی شیرینی پاؤ گے۔ (2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا ارشاد ہے کہ آپ صوف (پشمین) کا لباس زیب تن فرماتے اور دراز گوش (گدھے) پر سواری فرمایا کرتے تھے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: لَا تُضَیِّعِی الثَّوْبَ حَتّٰی تُرَقِّعِیْهِ کپڑے کو ضائع نہ کرو جب تک کہ پیوند لگنے کی گنجائش ہو۔ (3)

سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک گدڑی ایسی تھی کہ جس میں تیس پیوند لگے تھے (4) نیز منقول ہے کہ سب سے بہتر لباس وہ ہے جس میں آسانی سے محنت کی جا سکے۔

سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے پاس ایک پیرہن ایسا تھا جس کی آستینیں انگلیوں تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (ii) راء کا حق رحمت، رأفت (یعنی مہربانی کرنا)، ریاضت (یعنی کوشش) اور راحت ہے،

(iii) قاف کا حق قناعت، قربت، قوت اور قول صادق (یعنی سچ کہنا) ہے،

(iv) عین کا حق علم، عمل، عشق اور عبودیت (یعنی بندگی) ہے۔

شرح (2): التعقبات علی الموضوعات، باب اللباس، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۳

شرح (3): جامع ترمذی، کتاب اللباس، ج ۳، ص ۳۰۳، رقم الحدیث ۱۷۸۷، مطبوعۃ دار الفکر بیروت، بتغیر قلیل۔

شرح (4): حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب کہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے کہ آپ کے کپڑوں میں اوپر تلے تین پیوند ایک جگہ پر لگے تھے کہ پیوند گل گیا تو اور لگا لیا حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خطبہ دیا اس وقت آپ کے تہبند شریف میں بارہ پیوند تھے۔ (مرقات) مقصد یہ ہی ہے کہ پیوند والے کپڑے کے پہننے میں عار نہ ہونی چاہیے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جہاں ارشاد ہے کہ رب کی نعمت کا اثر تم پر ظاہر ہو یا فرمایا کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا خیرات کر دو۔ ابن عساکر نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گدھے کی سواری فرما لیتے تھے، اپنا نعلین پا خود سی لیتے تھے، اپنی قمیض میں پیوند لگا لیتے تھے اور پہن لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو میری سنت سے نفرت کرے وہ میری جماعت سے نہیں۔ (مرقات)

آتی تھیں اگر کسی پیرہن کی آستینیں انگلیوں سے بڑھ جاتی تھیں تو زائد حصے کو ترشوا دیا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اَیْ فَقَصِّرْ (5) آپ اپنے لباس کو ترشوا کر موزوں زیب تن فرمائیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سات بدری صحابیوں کو دیکھا ہے جو پشمینہ کا لباس پہنتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلوت میں صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک گدڑی پیوند لگی پہنے دیکھا ہے۔ سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب، سیدنا امیر المومنین علی مرتضی اور ہرم بن حیان رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو پشمینہ کا لباس پہنے دیکھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت حسن بصری، مالک بن دینار اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ یہ سب گدڑی زیب تن کیا کرتے تھے۔ امام عالم سیدنا امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں محمد بن علی حکیم ترمذی اپنی کتاب تاریخ مشائخ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم نے ابتداء میں گدڑی پہن کر خلوت نشینی کا ارادہ فرمایا اس وقت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوب میں دیدار ہوا حضور نے ارشاد فرمایا تمہیں لوگوں کے درمیان رہنا چاہیے یعنی خلوت نشینی کے ارادے کو چھوڑ کر خلق اللہ کے سامنے آجاؤ کیونکہ تمہارے ذریعہ سے میری سنتیں زندہ ہوں گی۔ چنانچہ آپ نے خلوت کا ارادہ ترک فرمادیا اور قیمتی لباس کبھی نہ پہنا۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جو محققین صوفیاء میں سے ہیں ہمیشہ گدڑی پہنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم گدڑی پہنے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آئے تو لوگوں نے ان کو بہ نظر حقارت دیکھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ ابراہیم ادہم ہمارے سردار ہیں جو تشریف لائے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا اے امام عالی مرتبت! آپ کی زبان کبھی لغویات سے آلودہ نہیں ہوئی یہ سیادت و سرداری کے کیسے مستحق بن گئے امام صاحب نے فرمایا انہوں نے خدمت کر کے سیادت پائی ہے یہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی خدمت وعبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہم اپنی نفس پروری میں مصروف رہتے ہیں

شرح (5): وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ (پ ۲۹، المدثر: ۴)

اس لئے یہ ہمارے سردار ہیں، آج کچھ لوگ گدڑی پہن کر جاہ وعزت حاصل کر لیتے ہیں مگر ان کے دل ظاہر کے مطابق نہیں ہیں تو کیا مضائقہ۔ ہر لشکر میں بہادر وشجاع چند ہی ہوتے ہیں۔ اژدحام میں محقق کم ہوتے ہیں لیکن سب کی نسبت ان کی طرف کردی جاتی ہے۔ کیونکہ صوفیاء کا یہ مسلک مذکورہ عملی مثالوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مذکورہ ارشادات کے علاوہ آپ کے اس ارشاد پر بھی مبنی ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (6) (ابوداؤد) جس کی مشابہت جو اختیار کرے خواہ وہ مشابہت قول وفعل میں ہو یا اعتقاد میں وہ اسی قوم کا فرد شمار کیا جاتا ہے۔

صوفیاء کرام کے دیکھنے والوں کے طبقات مختلف ہیں

(۱) کوئی تو ان کے ظاہری معاملات اور ان کی خصلتوں پر نظر ڈالتا ہے۔

(۲) اور کوئی ان کی باطنی صفائی دل کی جلاء، خفیہ اسرار، طبعی لطافت، اعتدال مزاج اور دیدار ربانی کے اسرار میں صحتِ مشاہدہ کو دیکھتا ہے تاکہ محققین کا قرب اور ان کی رفعت کبریٰ کو دیکھے اور ان سے شرفِ نیاز مندی بجالا کر ان کے مقام سے وابستہ ہو جائے اور تعلق خاطر پیدا کر کے بصیرت حاصل کرے کیونکہ ان کے حال کی ابتداء کشف احوال اور خواہشات نفسانی اور اس کی لذتوں سے اعراض وکنارہ کشی پر مبنی ہوتی ہے۔

(۳) ایک طبقہ ایسا ہے جو جسم کی درستگی، دل کی پاکیزگی اور قلب کی سکون وسلامتی کو ان کے ظاہر حال میں دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ شریعت پر عمل کرنے اور اس کے مستحبات وآداب کی حفاظت اور باہم معاملات میں حسن عمل کو دیکھ سکے اور ان کی صحبت اختیار کر کے اصلاح حال کر سکے، اس طبقہ کے حال کی ابتداء ریاضت ومجاہدہ اور حسنِ معاملہ پر مبنی ہے۔

(۴) ایک طبقہ ایسا ہے جو انسانی اخلاق ومروت وبرتاؤ، طریق صحبت ومجالست اور ان کے افعال میں حسنِ سیرت کی جستجو کرتا ہے تاکہ ان کی ظاہری زندگانی میں مروت، برتاؤ کی خوبی، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور عزیزوں اور ہمسروں کے ساتھ حسنِ سلوک، رواداری کو دیکھ کر ان کی قناعت کا اندازہ لگائے اور ان کی طلب وبے نیازی سے قربت حاصل کر کے ان کی صحبت اختیار کر لے اور

شرح (6): (سنن ابوداؤد، باب فی لبس الشہرۃ، آفتاب عالم پریس لاہور ۲ / ۲۰۳) (مسند احمد بن حنبل، مروی از عبداللہ بن عمر، دار الفکر بیروت ۲ / ۵۰)

آسان زندگی بسر کرے اور خود کو بندگان صالحین کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔

(۵) ایک طبقہ ایسا ہے جسے طبیعت کی کاہلی، نفس کی بڑائی، جاہ طلبی اور بغیر فضیلت کے علوِ مقام کی خواہش اور بے علم ہونے کے باوجود اہل علم کے خصائص کی جستجو نے سرگرداں کر رکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان میں اس ظاہری دکھاوے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے وہ محض ظاہری طمع میں ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور مداہنت کے طریقہ پر ان کے ساتھ اخلاق و کرم کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ''صلح کلی'' بن کر ان کے ساتھ زندگانی بسر کرتے ہیں۔ اسی بناء پر ان کے دلوں پر حقانی باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور ان کے جسموں پر حصولِ طریقت کے مجاہدوں کی کوئی علامت پیدا نہیں ہوتی باوجود یہ کہ وہ خواہشمند ہوتے ہیں کہ محققوں کی مانند لوگ ان کی تعظیم و تکریم کریں اور ان سے ویسے ہی خوف کھائیں جیسے اللہ تعالیٰ کے مخصوص اولیاء کرام سے عوام خائف رہتے ہیں وہ چاہتے ہیں ان کی اپنی آفتیں ان کی صلاح میں پوشیدہ رہیں ایسے لوگ ان صوفیائے کرام جیسی وضع و قطع اختیار کرتے ہیں حالانکہ ان کا لباس ان کے معاملہ کی درستگی کے بغیر ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرتا ہے ایسے مکر و فریب کا لباس، روزِ قیامت حسرت و ندامت کا موجب ہوگا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ الخ'' (الجمعہ: ۵) ان لوگوں کی مثال جنہوں نے تورات پر عمل نہیں کیا اس گدھے کی مانند ہیں جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ (7) کتنی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ ظالم قوموں پر ہدایت کے دروازے بند کر دیتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں اس قسم کے لوگ بکثرت ہیں لہٰذا جہاں تک ہو سکے ایسوں سے بچنے کی کوشش کرو اور ان کی طرف قطعاً توجہ نہ دو اس لیے کہ ایسے نقلی صوفیوں سے اگر تم نے ہزار بار سلوک و طریقت حاصل کرنے کی کوشش کی تو ایک لمحہ کے لیے بھی طریقت کا دامن تمہارے ہاتھ نہ آئے گا یہ راہ محض گدڑی پہننے سے طے نہیں ہوتی بلکہ یہ منزل ریاضت و محنت سے ملتی ہے جو شخص طریقت سے آشنا اور اس سے واقف

شرح (7): مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط

ترجمہ کنز الایمان: ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے (پ ۲۸، الجمعہ: ۵)

ہو گیا اس کے لیے تونگری والا لباس بھی فقیرانہ عبا ہے اور جو اس سے بیگانہ و ناآشنا ہے اس کے لیے فقیرانہ گدڑی نحوست و ادبار کی نشانی ہے اور آخرت میں باعثِ بدبختی و شقاوت ہے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے کسی سے دریافت کیا کہ:

لِمَ لَا تَلْبَسُ الْمُرَقَّعَةَ قَالَ مِنَ النِّفَاقِ اَنْ تَلْبَسَ لِبَاسَ الْفِتْيَانِ وَلَا تَدْخُلَ فِيْ حَمْلِ اَثْقَالِ الْفُتُوَّةِ.

آپ گدڑی کیوں نہیں پہنتے؟ انہوں نے فرمایا نفاق کے ڈر سے۔ (8) اس لیے کہ مردانِ خدا کا لباس پہننے سے ان کے معاملات کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں آجاتی مردانِ خدا کا لباس پہننا اور ان کا بوجھ نہ اٹھانا کذب و نفاق ہے۔

اور اگر یہ لباسِ فقراء تم اس لیے پہنتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے کہ تم اس کے خاص بندے ہو تو وہ بغیر لباس کے بھی جانتا ہے اور اگر اس لیے پہنتے ہو کہ لوگ تمہیں پہچانیں کہ تم خدا کے خاص بندے ہو اگر واقعی تم ایسے ہو تب بھی یہ ریاکاری ہوگی۔ (9)

شرح (8): بعض بزرگوں رحمہم اللہ نے فرمایا کہ نفاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی تعریف اس بات پر کی جائے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس پر خوش ہو حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ ہم ان امراء کے پاس جاتے ہیں تو ان کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور جب ہم وہاں سے نکلتے ہیں تو ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ہم ان باتوں کو منافقت خیال کرتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۱ کتاب الرقاق)

شرح (9): اچھا لباس پہننا ریاکاری نہیں:

کبھی کبھار مباح کام مثلاً عبادات کے علاوہ عزت وجاہ کی طلب پر بھی ریاکاری کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے لباس کی زینت سے اپنے حسنِ انتظام اور خوبصورتی پر تعریف کئے جانے کا قصد کرے۔ لوگوں کے لئے کی جانے والی ہر آرائش و زیبائش اور عزت افزائی کو اسی پر قیاس کرلیں جیسے مالداروں پر عبادت یا صدقہ کی نیت سے نہیں بلکہ اس لئے خرچ کرنا کہ اسے سخی کہا جائے۔ اس نوع کے حرام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دینی معاملات کی تلبیس اور اللہ عزوجل سے استہزاء نہیں پایا جاتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت یہ ہے کہ یہ راہ بہت دشوار اور پر خطر ہے اور اہلِ حق اس سے برتر ہیں کہ وہ کوئی خاص لباس اختیار کریں۔

الصفا من الله تعالیٰ انعام واکرام والصوف لباس الانعام تزکیہ نفس اور باطنی صفائی اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے پر فضل وکرم ہے ورنہ صوف یعنی اون تو چوپاؤں کا لباس ہے۔

لباس تو ایک حیلہ و بہانا ہے ایک طبقہ نے لباس ہی کو قرب اختصاص کا ذریعہ جان رکھا ہے اور وہ اس کو پہن کر اپنے ظاہر کو آراستہ کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں میں سے ہو جائیں گے اس طبقہ کے صوفیاء اپنے مریدوں کو ایسا لباس پہننے اور گدڑی کے استعمال کی تاکید کرتے ہیں اور خود بھی سیر و سیاحت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **بننا سنورنا سنت ہے:**

سرکارِ والا تبار، بے کسوں کے مددگار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے جب اپنے دولت کدے سے باہر تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تو اپنے عمامہ شریف اور گیسوؤں کو درست فرمایا اور آئینہ میں اپنا مبارک چہرہ ملاحظہ فرمایا تو حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کیا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بھی ایسا کر رہے ہیں؟ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اللہ عزوجل بندے کا بننا سنورنا اس وقت پسند فرماتا ہے جب وہ اپنے بھائیوں کے پاس جانے لگے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، کتاب ذم الجاہ والریاء، باب بیان حقیقۃ الریاء، ج ۱۰، ص ۹۳، ۹۴)

شفیعِ روزِ شُمار، دوعالَم کے مالک ومختار بِاِذنِ پروردگار عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے یہ ایک مؤکدہ عبادت تھی کیونکہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مخلوق کو دعوت دینے اور حتی الامکان ان کے دلوں کو دینِ حق کی طرف مائل کرنے پر مامور ہیں کیونکہ اگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم لوگوں کی نظروں میں معزز نہ ہوتے تو وہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے منہ پھیر لیتے لہٰذا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر لوگوں کے سامنے اپنے عمدہ ترین احوال ظاہر کرنا لازم تھا تاکہ لوگ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو ناقابلِ اعتبار سمجھ کر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے منہ نہ پھیریں کیونکہ عام لوگوں کی نگاہ ظاہری احوال پر ہی ہوتی ہے مخفی امور پر نہیں ہوتی۔ نیز آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ عمل بھی نیکی ہی تھا۔ یہی حکم علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان جیسے دیندار لوگوں کے لئے ہے جبکہ وہ اپنی اچھی ہیئت سے وہی قصد کریں جو اُوپر بیان ہوا۔

کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ مشہور و معروف ہوجائیں (10) اس طرح مخلوق خدا (ان کے فریب میں آ کر) ان کی نگہبان اور محافظ بن جاتی ہے۔ جب بھی ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوتی ہے جو شریعت وطریقت

شرح (10): لباس شُہرت کسے کہتے ہیں؟

مُفسّرِ شہیر حکیم الامّت حضرتِ مُفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان اِس حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں ،یعنی ایسا لباس پہنے کہ لوگ امیر (یعنی مالدار) جانیں یا ایسا لباس پہنے کہ جس سے لوگ نیک پرہیز گار سمجھیں یہ دونوں قسم کے لباس، شُہرت کے لباس ہیں۔ اَلغَرَض جس لباس میں نیّت یہ ہو کہ لوگ اُس کی عزّت کریں یہ اُس کا لباسِ شہرت ہے۔ صاحِبِ مِرقاۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، مَسخرہ پن کا لباس پہننا جس سے لوگ ہنسیں یہ بھی لباسِ شُہرت ہے۔ (مُلَخَّص از مراۃ ج۶ ص ۱۰۹)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

یوہیں لباس شہرت پہننا یعنی اس قدر چمکیلا نادر ہو جس پر انگلیاں اُٹھیں اور بالقصد اتنا ناقص و خسیس کرنا بھی ممنوع ہے جس پر نگاہیں پڑیں یونہی ہر انوکھی اچنبھے کی ہیأت وضع تراش خراش کہ وجہ انگشت نمائی ہو۔

سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسندِ حسن مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من لبس ثوب شهرة البسه الله يوم القيمة ثوبا مثله** [۳] **وعند ابن ماجة ثوب مذلة** [۴] **زاد ابوداؤد فی رواية ثم يلهب فيه النار** [۱]۔ (۳؎ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ، آفتاب عالم پریس لاہور ۲ / ۲۰۲) (۴؎ سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب من لبس شہرۃ من الثیاب، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۶) (۱؎ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ، آفتاب عالم پریس لاہور ۲ / ۲۰۲)

جس نے شہرت کا لباس پہنا اس کو اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی لباس پہنائے گا، اور ابن ماجہ میں ذلت کا لباس اور ابوداؤد کی ایک روایت میں پھر جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا کے الفاظ ہیں۔

جو شہرت کے کپڑے پہنے گا اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت ویسا ہی لباسِ شہرت پہنائے گا جس سے عرصات محشر میں معاذ اللہ ذلت و تفضیح ہو پھر اُس میں آگ لگا کر بھڑکا دی جائے گی والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

فی ردالمحتار عن الدر المنتقی نهی عن الشهرتین وهو ما كان فی نهاية النفاسة او الخساسة [۲] اھ

(۲؎ ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۲۲۳)

اقول: ولايختص بهما بل لوكان بينهما و كان على هيأة عجيبة غريبة (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے خلاف ہے تو لوگ ان پر طعن و تشنیع شروع کر دیتے ہیں اگر وہ چاہیں کہ یہ لباس پہن کر مرتکب گناہ ہوں تو خلق سے شرم محسوس کرتے ہیں۔

بہر حال گدڑی اولیاء اللہ کی زینت ہے عوام اس سے عزت حاصل کرتے اور خواص اس سے کمتری کا احساس دلاتے ہیں۔ عوام تو یوں عزت حاصل کرتے ہیں کہ جب وہ اس لباس کو پہنتے ہیں تو مخلوق خدا ان کی عزت کرتی ہے اور خواص اس طرح کمتری کا احساس دلاتے ہیں کہ جب وہ گدڑی پہنتے ہیں تو لوگ انہیں عوام الناس میں سے جان کر انہیں ملامت کرتے ہیں لہٰذا یہ لباس **النعم للعوام وجوشن البلاء للخواص** عوام کے لیے نعمت ہے اور خواص کے لیے پیرہن ابتلاء کیونکہ اکثر عوام حقیقت کی پہچان میں سرگرداں رہتے ہیں چونکہ یہ مقام و درجہ ان کی دسترس اور ان کے فہم سے بالاتر ہے اور وہ اس کے حصول کا سامان بھی نہیں رکھتے جس سے وہ رئیس بن جائیں محض اسی سبب کو جمع نعمت کا ذریعہ خیال کرتے ہیں لیکن خواص ریا و نمود اور ریاست کو چھوڑ کر عزت پر ذلت کو نعمت پر ابتلا کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ ظاہری نعمتیں عوام کے لیے ہی موجب عزت ہیں مگر وہ اپنے لیے بلا و مصیبت کو باعثِ افتخار جانتے ہیں۔ (11)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **توجب الشهرة وشخوص الابصار كان لباس شهرة قطعا۔**

ردالمحتار میں الدرالمنتقٰی سے منقول ہے کہ دو شہرتوں سے منع فرمایا، ایک حد سے زیادہ نفاست اور دوسری حد سے زیادہ رسوائی سے، اھ، اقول: (میں کہتا ہوں) ان دونوں سے خاص نہیں بلکہ عجیب و غریب حالت بنانا جو شہرت کا باعث ہو اور لوگوں کے لئے نظارہ بنے وہ قطعاً سب شہرت کا لباس ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳ ص ۶۲۰ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شرح (11): اے بھائی! ان ہستیوں کا معاملہ بہترین ہے، ان کی منزل کتنی عمدہ ہے! ان کا انجام کتنا اچھا ہے! ان کا میل کچیل بھی کتنا صاف شفاف ہے! بے شک لوگوں کی زندگی اس وقت تک بے غبار نہیں ہوتی جب تک انہیں ابتلاء و آزمائش کے کنوئیں میں ڈال نہ دیا جائے۔ ان کے دل غربت و افلاس میں مطمئن دکھائی دیتے ہیں اور یہ لمبی اُمیدیں نہیں رکھتے۔ اور انہیں (بروزِ قیامت) تمام مخلوق کے سامنے شوق (یعنی دیدار الٰہی عَزَّ وَجَلَّ) کے بازار میں پکارا جائے گا، کیا تم آزمائش میں صبر کرتے رہے؟ تو یہ جواب دیں گے: جی ہاں! پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ انہیں توفیق کی پاکیزہ شراب کے جام پلائے گا جن پر تصدیق کی مہر لگی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی مذمت کرتے ہیں اور تحقیق کے چٹیل میدانوں میں غائب رہتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت یہ ہے کہ صوفیاء کے لیے گدڑی وفا کا لباس ہے اور مغروروں کے لیے خوشی کی پوشاک اس لیے کہ صوفیاء اسے پہن کر دونوں جہان سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں اور طبعی مرغوبات کو چھوڑ کر ان سے ترک تعلق اختیار کر لیتے ہیں لیکن مغرور لوگ اس لباس کے سبب حق سے محجوب ہو کر احوال کی درستگی سے محروم رہتے ہیں۔ بہتر حال یہ لباس ہر ایک کے لیے فلاح کا موجب ہے اور ہر ایک کو اس سے اپنی مراد حاصل ہو جاتی ہے کسی کو مرتبۂ صفا ملتا ہے تو کسی کو بخشش وعطا کسی کے لیے حجاب و پردہ ہے تو کسی کے لیے پائمالی اور پسپائی کسی کے لیے رضا ہے تو کسی کے لیے رنج وتعب۔ میں امید رکھتا ہوں کہ باہمی محبت اور حسنِ صحبت سے سب کے سب نجات پا جائیں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ (12) جو جس گروہ سے محبت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔ قیامت کے دن ہر گروہ کے دوستوں کو انہیں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور وہ انہیں کے زمرے میں شامل ہوں گے لیکن یہ لازمی ہے کہ اپنے باطن کو حقیقت کی طلب میں سرگرم رکھے (13) اور دکھاوے کی رسوم سے اجتناب کرے اس لیے کہ جو شخص ظاہری چیزوں کو پسند کرتا ہے وہ حقیقت تک کبھی نہیں پہنچ سکتا اور یہ بھی واضح ہے کہ وجود آدمیت، قرب ربوبیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) راہِ حق عَزَّ وَجَلَّ میں فقر وفاقہ سے لذّت حاصل کرتے ہیں اور بیابانوں میں خلوتوں سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ محبوبِ اکبر عَزَّ وَجَلَّ کے ذکرِ خیر پر ٹوٹ کر گر جاتے ہیں اور جب پراگندہ حال فقراء کے لئے آخرت میں عظیم انعامات کا مژدۂ جاں فزا سنتے ہیں تو ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

شرح (12): (المعجم الکبیر، حدیث ۲۵۱۹، المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/۱۹)

شرح (13): حضرت ابو جعفر صیدلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقراء کی ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں تو میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا۔ پھر آسمان پھٹا اور دو فرشتے اترے۔ ایک کے ہاتھ میں لوٹا اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک طشت تھا۔ پہلے ان فرشتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ دھلایا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے دوسرے لوگوں کا ہاتھ دھلایا جب میری باری آئی تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کہ یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ آپ کی حدیث شریف نہیں ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے۔؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے حجاب ہے اور اس حجاب کو احوال کی گردش اور مقامات کی ریاضت ومجاہدہ ہی فنا ومعدوم کرتے ہیں۔ وجود آدمیت کی صفائی اور حجابات بشری کو دور کرنے کا نام فنا ہے اور جو فانی صفات ہوجائے وہ لباس اختیار نہیں کرتا اور زیب وزینت میں الجھ کر قربِ حق اور فنائے بشریت کا حصول ناممکن ہے جو آدمی فانی صفت ہوگیا اور اس سے فنائے بشریت کی آفتیں دور ہوگئیں آپ اسے خواہ صوفی کہہ کر پکاریں یا کسی اور نام سے یاد کریں اس کے نزدیک سب یکساں ہے۔

گدڑی پہننے کی شرائط:

درویش کے لیے گدڑی پہننے کے کچھ شرائط ہیں جو یہ ہیں کہ وہ اسے آسانی وفراغت کے خیال سے تیار کرے اور جب تک اصل کپڑا سالم رہے اس میں پیوند نہ لگائے اور جب کہیں سے پھٹ جائے تو اس پر پیوند لگاتا جائے (14) پیوند لگانے کے سلسلہ میں مشائخ طریقت کے دو قول ہیں ایک یہ کہ پیوند لگانے میں ترتیب اور آرائش کا خیال نہ رکھنا چاہیے بلکہ جہاں سے بھی سوئی نکلے سیتا چلا جائے اس میں تکلف نہ کرے اور دوسرا قول یہ ہے کہ پیوند لگانے میں ترتیب اور درستی کا خیال رکھنا شرط ہے تاکہ مناسبت برقرار رہے اور اسے بے تکلف درست کرنا بھی فقر کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے اور معاملات کا صحیح رکھنا صحتِ اصل کی دلیل ہے۔

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیوں نہیں تو میں نے کہا کہ میں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ ٖوالہ وسلم سے اور ان فقراء سے محبت رکھتا ہوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ ٖوالہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا بھی ہاتھ دھلاؤ یہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت ومابعدہ، الباب الثامن، بیان منامات المشائخ، ج۵، ص ۲۶۴)

شرح (14): پیوند دار لباس کی فضیلت

حضرتِ سیّدُنا عَمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، امیرُ المُؤمنین حضرتِ مولائے کائنات، علیُ المرتضیٰ شیرِ خدا کَرَّمَ اللہُ تعالیٰ وَجْہَہُ الْکَرِیم کی خدمتِ بابَرَکت میں عرض کی گئی، آپ اپنی قمیص میں پیوند کیوں لگاتے ہیں؟ فرمایا، اس سے دل نرم رہتا ہے اور مومن اس کی پیروی کرتا ہے (یعنی مومن کا دل نرم ہی ہونا چاہئے) (حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۱۲۴ حدیث ۲۵۴)

علیہ [15] سے مقام طوس میں دریافت کیا کہ درویش کے لیے کم سے کم کونسی چیز درکار ہے جو فقر کے لائق و مناسب ہو؟ انہوں نے فرمایا تین چیزیں درویشی کے لیے ضروری ہیں ان سے کم پر نامِ فقر زیبا نہیں۔ ایک یہ کہ گدڑی میں پیوند کی درست سلائی کرے دوسری یہ کہ سچی بات سننا پسند کرے اور تیسری یہ کہ زمین پر پاؤں ٹھیک رکھے (یعنی تفاخر و تکبر اور اترانے کی چال نہ چلے) جس وقت ان سے یہ باتیں معلوم ہوئیں تو صوفیاء کی ایک جماعت ان کے پاس بیٹھی تھی ان سب کی موجودگی میں انہوں نے یہ باتیں بیان فرمائیں جب ہم ان کی محفل مبارک سے باہر نکلے تو ہر ایک نے بحث و مباحثہ شروع کر دیا اور جاہلوں کے ایک طبقہ کو ان باتوں میں لذت و شیرینی محسوس ہونے لگی وہ کہنے لگے کہ بس انہیں تین باتوں کا نام فقر ہے چنانچہ بہتوں نے بہت سے پیوند لگائے اور زمین پر داہنا پاؤں مارنے کو مشغلہ بنالیا ہر ایک یہ خیال کرنے لگا کہ ہم طریقت کی باتیں اچھی طرح سمجھتے ہیں چونکہ مجھے حضرت شیخ کی باتوں سے لگاؤ تھا مجھے ان کی باتوں کا اس طرح ضائع و برباد ہونا گوارہ نہ ہوا میں نے ان سے کہا آؤ اور ہم سب مل کر ان باتوں پر تبادلہ خیالات کریں اور ہر ایک اپنی اپنی فہم و عقل کے مطابق ان کی تشریح و وضاحت کرے چنانچہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ گدڑی میں درست پیوند لگانے کا مطلب یہ ہے کہ فقر کے لیے پیوند لگایا جائے نہ کہ زیب و زینت کی خاطر [16] جب فقر کے لیے پیوند لگا ہوگا تو وہ پیوند اگرچہ بظاہر درست نہ ہو تب بھی فقر میں

شرح (15): شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ وقت کے تمام طالبان حق کا آپ پر اعتماد تھا۔ وقت کے تمام طالبان حق کا آپ پر اعتماد تھا۔ علوم و فنون میں بہت ماہر تھے۔ آپ کا ہر مرید زیور علم سے آراستہ تھا۔ مجھ سے بہت احترام سے پیش آتے تھے۔ اور بہت توجہ سے بات سنتے تھے، حالانکہ میں آپ کے مقابلہ میں نوعمر بچہ تھا۔ ایک روز میں آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ مجھ سے اس قدر عاجزی اور انکساری سے پیش آتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ میں کوئی بات کہوں، آپ نے فرمایا: اے میرے باپ کے دوست! خوب جان لے کہ میری یہ عاجزی اور انکساری تیرے لیے نہیں، میری یہ عاجزی احوال کے بدلنے والے کے لیے ہے اور یہ تمام طالبان حق کے لیے عام ہے۔ یاد رکھ کہ آدمی خیالات کی قید سے کبھی بھی رہائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے بندگی کرنا لازمی ہے۔ خدا کے ساتھ بندگی کی نسبت سے کام رکھ۔ اس ایک نسبت کے سوا دوسری تمام نسبتوں کو اپنے سے دور کر دے۔

شرح (16): صد ہزار آفریں ان مبارک ہستیوں پر جنہوں نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درست ہوگا اور سچی بات سننے کا خوگر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حال کے لیے ہوں نہ کہ اپنے وجود و مرتبہ کے لیے اور وجد کی خاطر اس میں تصرف کرے نہ کہ کھیل کود اور عیش پسندگی کے لیے اور زمین پر ٹھیک پاؤں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وجد کی خاطر زمین پر پاؤں رکھے نہ کہ کھیل کود لہو ولعب کے لیے۔

کچھ لوگوں نے میری یہ تشریح و توضیح حضرت شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر دی اس پر آپ نے فرمایا "اصاب علی خیرہ اللہ"۔ علی یعنی داتا گنج بخش نے صحیح و درست بات کہی اللہ تعالیٰ اسے پسند فرمائے۔

دراصل صوفیاء کرام کا گدڑی پہننے سے مقصد یہ ہے کہ دنیاوی محنت و مشقت میں کمی ہو اور اللہ تعالیٰ سے فقر و احتیاج میں صدق و اخلاص پیدا ہو، احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک گدڑی تھی جسے وہ اپنے ساتھ آسمان پر لے گئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں خواب میں دیکھا ہے کہ ان کی گدڑی کے ہر پیوند سے نور درخشاں تھا۔ میں نے عرض کیا اے حضرت مسیح علیہ السلام! آپ کی گدڑی سے یہ انوار کیسے درخشاں ہیں؟ فرمایا یہ میرے اضطرار و پریشانی کے انوار ہیں کیونکہ میں نے ہر پیوند کو انتہائی ضرورت و احتیاج کے وقت سیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہر رنج و کلفت کے بدلے مجھے ایک نور عطا فرمایا۔

نیز میں نے ماوراء النہر (17) میں ملامتی گروہ کے ایک آدمی کو دیکھا کہ انسان جو چیز کھاتا اور پہنتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خدائے بزرگ و برتر کی رضا کے لئے دنیوی زیب و زینت کو ٹھکرا کر سادگی و عاجزی اختیار کی۔ بھوک و پیاس کی مصیبتیں ہنس کر برداشت کیں، کبھی بھی حرفِ شکایت لب پر نہ لائے اور رزقِ حلال کی خاطر محنت مزدوری کی۔ یقیناً یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی قدر جان لی۔ ان پر دنیا کی حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ دنیا بے وفا ہے اس کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔ ان عارضی لذتوں کی خاطر دائمی خوشیوں کو نظر انداز کر دینا عقل مندوں کا کام نہیں۔ سمجھدار وہی ہیں جو باقی رہنے والی خوشیوں کو فانی خوشیوں پر ترجیح دیتے ہیں اور دُنیوی مصائب و تکالیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان پاکیزہ ہستیوں کے صدقے ہمیں بھی اعمالِ صالحہ پر استقامت عطا فرمائے۔ ہر حال میں اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بے صبری و ناشکری سے بچا کر صبر و شکر کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

شرح (17): عربی میں دریا کو "نہر" کہتے ہیں، چنانچہ عربوں نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ آدمی ان میں سے کچھ نہیں کھاتا اور نہ پہنتا تھا وہ صرف وہی چیزیں کھاتا تھا جسے لوگ پھینک دیتے تھے مثلاً خراب لکڑی، کڑوا کدو، بے کار گاجر وغیرہ اور وہ ایسی گدڑی پہنتا تھا جس کے چیتھڑے راستہ میں اکٹھا کر کے پاک کئے جاتے تھے اور پھر ان سے وہ گدڑی بنائی جاتی تھی۔

میں نے سنا ہے کہ شہر مراد الردو (18) میں ایک بزرگ ایسے تھے جن کا شمار متاخرین ارباب معانی میں تھا جس کا حال عمدہ اور خصلت نیک تھی ان کی گدڑی اور جائے نماز میں بے ترتیب پیوند لگے ہوئے تھے اور بچھوؤں نے اس میں بچے دے رکھے تھے۔

میرے پیر و مرشد رضی اللہ عنہ (19) نے اکیاون (۵۱) سال تک ایک ہی گدڑی زیب تن رکھی وہ اس میں بے ترتیب پیوند لگاتے رہتے تھے۔

اہل عراق کی ایک حکایت میں پڑھا ہے کہ دو درویش تھے جن میں ایک تو صاحب مشاہدہ تھا اور دوسرا صاحب مجاہدہ وہ درویش جو صاحب مشاہدہ تھا اس نے اپنی تمام عمر ایسی پھٹی گدڑی پہنی جیسی کے بوقت سماع پھٹی ہوئی گدڑی درویش پہنتے ہیں اور وہ درویش جو صاحب مجاہدہ تھا اس نے تمام عمر ایسی دریدہ گدڑی پہنی جیسی کی استغفار و آمرزش کی حالت میں ہوتی ہے اور اس حال میں اپنے لباس کو بوسیدہ کر لیا کرتا تھا تا کہ اس کی ظاہری حالت اس کی باطنی کیفیات کے مطابق ہو جائے یہ کیفیت اپنے حال کی حفاظت کے لیے ہوتی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایران و افغانستان کی طرف سے پیش قدمی کرتے ہوئے ترکستان (وسطی ایشیا) کے اس علاقے کو ماوراء النہر (نہر یعنی دریائے جیحون یا آمو دریا سے آگے کا علاقہ) کہا۔ عربوں سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے جب سکندر اعظم کی قیادت میں یونانی یہاں آئے تو انہوں نے اس خطے کو دریائے جیحون کے یونانی نام (Oxus) کی نسبت سے Transoxiana (ماورائے آکسس) کا نام دیا تھا۔ یہ ماضی کا ماوراء النہر جو صدیوں وسیع تر ''خراسان'' یا ''توران'' میں شامل رہا۔ ان دنوں ازبکستان، تاجکستان، قازاقستان، کرغیزستان (جسے غلط طور پر اخبارات میں کرغستان لکھ دیا جاتا ہے، حالانکہ اسے کرغیز ترک قوم سے نسبت ہے) وغیرہ میں بٹا ہوا ہے جبکہ آمو دریا کے ساتھ ساتھ ماوراء النہر کا کچھ علاقہ ترکمانستان میں شامل ہے۔

شرح (18): یمن کا ایک شہر۔

شرح (19): طریقت میں آپ کے شیخ شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ [20] نے بیس سال تک انتہائی سخت و درشت ٹاٹ پہنا وہ ہر سال چار چلہ کرتے اور ہر چالیس دن میں علوم وحقائق کی باریکیوں پر ایک کتاب تصنیف فرماتے تھے ان کے زمانہ میں محمد بن زکریا [21] جو طریقت و حقیقت کے علماء میں اپنا مقام رکھتے ہیں ان کی حالت یہ تھی کہ وہ چیتے کی کھال پر بیٹھتے اور کبھی گدڑی تک نہ پہنتے تھے۔

حضرت شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ گدڑی پہننے کے شرائط کیا ہیں؟ اور اس کی حفاظت کس پر لازم ہے؟ انہوں نے جواب دیا گدڑی پہننے کی شرط یہ ہے کہ محمد بن زکریا جیسے بزرگ اپنے عمدہ سفید لباس کی جگہ گدڑی پہنیں اور ان جیسے بزرگ اس لباس کی حفاظت فرمائیں۔

صوفیاء کے لباس میں مسلک اعتدال:

صوفیائے کرام میں ترک عادات کا طریقہ ان کے شرائط میں سے نہیں ہے موجودہ زمانہ میں جو اُونی لباس کمتر پہنتے ہیں اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ آج کل اون گندی اور خراب ملتی ہے کیونکہ جانور ناپاک اور گندی جگہوں پر اٹھتے بیٹھتے ہیں دوسری یہ کہ اہل بدعت و ہوا اور نقلی صوفیاء نے اونی لباس کو اپنا شعار بنالیا ہے مبتدعین کے شعار کے خلاف عمل کرنا اگرچہ وہ سنت ہی کیوں نہ ہو درست ہے۔

لیکن گدڑی کے پہننے میں تکلف کو اس بناء پر جائز رکھا گیا ہے کہ ان کا مرتبہ لوگوں میں بلند و برتر ہے اور ہر شخص صوفیاء کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان سے خلافِ شریعت و طریقت حرکات کا صدور ہوتا ہے ایسے نااہل لوگوں کی صحبت سے ان کو رنج ہوتا ہے اس لیے انہوں نے ایسے لباس کو اختیار کیا ہے جس میں بجز ان کے اور کوئی اس طرح کے پیوند نہیں لگا سکتا ایسی گدڑی کو اپنے اور غیروں کے درمیان امتیازی نشان بنا رکھا ہے ایک درویش کسی بزرگ کے پاس حاضر ہوا اس نے جو پیوند لگا رکھے تھے وہ کچھ کشادہ تھے۔ اس بزرگ نے اس کو اپنے پاس سے دور کر دیا اور اس کی گدڑی ادھیڑ ڈالی اس لیے کہ صفاء کا مطلب تو یہ ہے کہ اصل طبع کو نرم اور مزاج کو لطیف بنایا جائے بلاشبہ طبع کی درشتی اچھی نہیں ہے جس طرح کہ غیر موزوں شعر طبیعت پر گراں گزرتا ہے اسی طرح ناموزوں فعل طبیعت پر گراں ہوتا ہے۔

شرح (20): محمد بن خفیف ۲۷۶ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۷۱ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (21): محمد بن زکریا ۲۵۰ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۳۱۱ ہجری میں بغداد میں وصال فرمایا۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے لباس کے ہونے یا نہ ہونے میں تکلف نہیں کیا اگر اللہ نے انہیں گدڑی دی تو زیب تن کر لی اگر قبا دی تو بھی پہن لیا اور اگر برہنہ رکھا تو برہنگی میں بھی صبر و شکر کیا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی مسلک اعتدال کو اختیار کر رکھا ہے اور لباس کے پہننے میں اسی طریقہ کو پسند کرتا ہوں۔

حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ (22) جس وقت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (23) کی زیارت کو آئے تو وہ قبا زیب تن کئے ہوئے تھے اور جب حضرت شاہ شجاع ابوحفص ملاقات کرنے آئے تو وہ بھی قبا پہنے ہوئے تھے مقررہ لباس ان کے جسم پر نہ تھا کیونکہ وہ اکثر اوقات گدڑی پہنا کرتے تھے اور بسا

شرح (22): حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ خراسان میں بڑے صاحب کشف و کرامات والے بزرگ گذرے ہیں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بلند درجے کے ولی کامل ہیں۔، آپ نے بہت سی دانائی و حکمت کی کتابیں تحریر کی ہیں، آپ کے مرید بہت فرمانبردار تھے اور چشمِ ابرو کے منتظر رہتے تھے، آپ حضرت یحییٰ معاذ اور بایزید رحمہما اللہ کے ہمعصر تھے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے وقت کسی نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے پیارے بیٹے! میں ایک دروازہ جس کو پچانوے برس سے کھٹکھٹا رہا ہوں وہ آج اس وقت کھل رہا ہے لیکن میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ دروازہ سعادت کے ساتھ کھلے گا یا شقاوت کے ساتھ کھلے گا تو ایسی حالت میں میرے لیے کسی مسئلہ کے جواب کا بھلا کہاں موقع ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا اور بالکل خاموش ہو گئے، جب لوگوں نے انہیں غور سے دیکھا تو وہ وفات پا چکے تھے۔ (احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، الباب الخامس فی کلام المحتضرین... الخ، ج ۵، ص ۲۳۴)

شرح (23): آپ کا پورا نام ابوزید (بایزید) طیفور عیسیٰ بن سروشان۔ بسطام میں ۱۲۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے فقہ حنفی کی تعلیم ابو علی سندھی سے حاصل کی اور انھی سے حقیقت و معرفت کا سبق پڑھا۔ بعد ازاں دنیا ترک کر دی اور بارہ سال تک جنگلوں میں ریاضت کی۔ تصوف میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ نے حضرت امام جعفر صادق سے بھی کسب فیض کیا تھا۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ آپ ہم میں ایسے ہیں جیسے جبرئیل فرشتوں میں۔ تمام سالکان کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔ بسطام میں انتقال کیا۔ کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ چند اقوال مختلف لوگوں کی زبانی تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ کا وصال ۲۶۰ ہجری میں ہوا۔

اوقات وہ پشمینی پیرہن یا سفید قمیض پہن لیا کرتے تھے۔ غرض کہ جو لباس بھی میسر آ جاتا اسی کو زیب تن فرماتے تھے چونکہ آدمی کا نفس عادی اور خو پسند ہوتا ہے جیسی خو اور عادت ڈالی جائے وہ اسی کا غلام ہو جاتا ہے (24) جب نفس کو کوئی عادت پڑ جاتی ہے تو یہ حجاب بن جاتا ہے اسی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا خَیْرُ الصِّیَامِ صَوْمُ اَخِیْ دَاوٗدُ عَلَیْهِ السَّلَامُ (25) (بخاری شریف) بہترین روزے میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیسے روزے رکھا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار سے رہا کرتے تھے تا کہ نفس کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی عادت نہ پڑ جائے اور وہ حجاب نہ بنے۔

یہی عادت حضرت ابو حامد دوستاں مروزی کی تھی کہ ان کو جو لباس بھی مریدین پہنا دیا کرتے تھے وہی پہن لیتے تھے پھر جب کسی کو اس کپڑے کی ضرورت ہوتی تو اتار کر اسے دے دیا کرتے تھے حضرت ابو حامد پہنانے والے سے کچھ دریافت نہ فرماتے کہ کیوں پہنایا اور کیوں اتارا۔ ہمارے زمانہ میں بھی ایسے بزرگ غزنی میں موجود ہیں جن کا لقب مؤید ہے جو اپنے لیے لباس میں پسندیدگی اور عدم پسندیدگی کو ملحوظ نہیں رکھتے اس لحاظ سے یہ طریقہ درست ہے۔

لباس میں رنگوں کے مصلحت:

اکثر سلف صالحین صوفیا کرام کا لباس بایں وجہ نیلگوں رہتا تھا کہ وہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے تھے

شرح (24): ایسا آدمی تو دنیا کی نعمتوں سے نفع اٹھاتا ہے اور اس کا نفس اس بات کا عادی ہو جاتا ہے یوں اس کو عیاشی سے اس قدر الفت و محبت ہو جاتی ہے کہ وہ اس پر صبر نہیں کر سکتا اور اس طرح ایک سے دوسری عیاشی تک جاتا ہے اور جب اس سے اُنس پکا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ حلال کمائی سے اس تک نہیں پہنچ سکتا تو شبہات میں پڑتا ہے اور وہ ریاکاری، منافقت، جھوٹ اور تمام بری عادات میں غور و خوض کرتا ہے تا کہ اس کا دنیوی معاملہ منظم ہو اور عیاشی کے لئے آسانی ہو کیونکہ جس کا مال زیادہ ہوتا ہے اسے لوگوں کی حاجت بھی زیادہ ہوتی ہے اور جو لوگوں کی جانب محتاج ہو اس کا لوگوں کے ساتھ منافقت کرنا ناگزیر ہے اور وہ لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

شرح (25): جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷ حدیث ۷۷۰

چونکہ سفید لباس (26) حالتِ سفر میں گرد وغبار وغیرہ سے جلد میلا ہو جاتا ہے اور اس کا دھونا بھی دشوار ہوتا ہے اس وجہ کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ نیلگوں رنگ مصیبت زدہ اور غمزدوں کا شعار ہے یہ دنیا چونکہ مصائب وآلام کا گھر اور غم واندوہ کی خندق اور غم خانہ فراق اور ابتلاء کا گہوارہ ہے جب اہل ارادت نے دیکھا کہ اس دنیا میں مقصود برآری ممکن نہیں تو انہوں نے یہ لباس پہننا شروع کر دیا اور وصل کے غم میں سوگوار بن گئے۔

صوفیا کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے کہ جب انہیں معاملات تصوف میں قصور اور کوتاہی اور دل میں خرابی کے سوا کچھ نظر نہ آیا اور دنیا میں ضیاع وقت کے سوا کچھ نہ پایا تو سوگواری اختیار کر لی اسلئے کہ وقت ضائع کرنا کسی کی موت سے زیادہ سخت ہے کسی نے اپنے کسی عزیز کی وفات پر سوگ منایا اور کسی نے مقصود کے فوت ہونے پر سوگواری کی۔

کسی مدعی علم نے کسی درویش سے پوچھا یہ سوگواری کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی ہیں ایک فقر، دوسرا علم، تیسرا تلوار۔ تلوار تو بادشاہوں نے لے لی مگر انہوں نے اسے بے محل استعمال کیا اور علم علماء نے اختیار کیا لیکن انہوں نے اس کو صرف پڑھنے پڑھانے تک محدود رکھا اور فقر کو فقراء کے گروہ نے اختیار کر لیا مگر انہوں نے اسے تونگری اور مالداری کا نعم البدل بنا لیا میں نے ان تینوں مصیبتوں پر سوگواری کا یہ لباس اختیار کر رکھا ہے۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ ایک دن بغداد کے ایک محلہ سے گزر رہے تھے کہ انہیں پیاس لگی ایک دروازہ پر جا کر دستک دی اور پانی مانگا ایک عورت پانی کا برتن لے کر حاضر ہوئی انہوں نے پانی لے کر پیا جب پانی پلانے والی پر نظر پڑی تو ان کا دل اس کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو گیا اور وہیں بیٹھ گئے یہاں تک کہ صاحبِ خانہ باہر آیا اس سے حضرت مرتعش نے کہا اے خواجہ! میرا دل ایک گھونٹ پانی کا پیاسا تھا تمہارے گھر سے جو عورت پانی لے کر آئی اور مجھے پانی پلایا وہ میرا دل لے گئی ہے صاحب خانہ نے کہا وہ میری بیٹی ہے میں نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا اس کے بعد مرتعش دل طلب کی

شرح (26): سفید کپڑے بہتر ہیں کہ حدیث میں اس کی تعریف آئی ہے اور سیاہ کپڑے بھی بہتر ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم فتح مکہ کے دن جب مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔ سبز کپڑوں کو بعض کتابوں میں سنت لکھا ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، ج۹، ص۵۷۹)

خاطر گھر کے اندر چلے گئے اور اس سے نکاح کر لیا۔ یہ صاحبِ خانہ امیر آدمی تھا اس نے انہیں حمام بھیجا اور عمدہ لباس پہنا کر گدڑی اتروادی۔ جب رات ہوئی تو حضرت مرتعش نماز میں مشغول ہو گئے اور خلوت میں جا کر درود وظیفہ پڑھنے لگے اسی اثنا میں انہوں نے آواز دی: ھاتوا مرقعتی میری گدڑی لاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے فرمایا ایک غیبی آواز نے مجھے کہا کہ اے مرتعش! تم نے ایک نظر ہمارے غیر پر ڈالی (27) تو ہم نے اس کی سزا میں صلاحیت کا لباس اور ظاہر سے گدڑی اتار لی اب اگر تم دوسری بار نگاہ ڈالو گے تو ہم تمہارے باطن سے قرب و معرفت کا وہ لباس بھی اتار لیں گے جس کے پہننے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے محبوبوں اور اولیاء کی محبت حاصل ہوتی ہے اور جس پر برقرار رہنا مبارک ہوتا ہے اگر تم حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی زندگی گزار سکتے ہو تو کرو ورنہ تمہیں اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہیے اور اولیاء کرام کے لباس میں خیانت نہ کرنی چاہیے تاکہ تم حقیقی اور سچی مسلمان بن سکو اور کوئی دعوٰی نہ کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ جھوٹ پر دل کو مائل کیا جائے۔ یہ گدڑی انہیں زیب دیتی ہے جو تارک الدنیا یا سالک راہِ حق ہیں۔

شرح (27): کنز الایمان مع خزائن العرفان، صفحہ 866 پر پارہ 24 سورۃ المؤمن آیت نمبر 19 میں ہے:

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ (پ ۲۴، المؤمن: ۱۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

صدرُ الاُفاضِل حضرت علامہ مولانا سیّد محمد نعیم الدّین مُراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: یعنی نگاہوں کی خیانت اور چوری نامحرم کو دیکھنا اور ممنوعات پر نظر ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ (خزائن العرفان ص ۸۶۶) زَبان سے گالی نکالتے وقت یہ بات ذِہن میں رچ بس جائے کہ میرا ربّ عزوجل سمیع و بَصیر ہے اور وہ سُن اور دیکھ رہا ہے، یا بدنِگاہی کرتے وقت بھی یہ تصوُّر بندھ جائے کہ میں جس کے ساتھ بدنگاہی کر رہا ہوں اگرچہ اُس کو نہیں معلوم مگر اللہ عزوجل مجھے دیکھ رہا ہے اور اُس عزوجل پر میری نیّت بھی ظاہر و آشکار ہے۔ بعض لوگ اَمرَد (خوبصورت لڑکے) سے بدنِگاہی کرتے اور اپنی آنکھوں کو حرام سے پُر کرتے ہیں اور اَمرَد یا وہاں موجود دیگر افراد کو اِس کا پتا نہیں لگتا بلکہ وہ بدنظری کرنے والے کو نیک بندہ سمجھ رہے ہوتے ہیں لیکن ربّ کائنات عزوجل دلوں کے حالات جانتا ہے۔

تربیت مرید کا طریقہ:

مشائخ طریقت کی عادت ہے کہ جب کوئی طالب و مرید تارک الدنیا ہو کر ان سے وابستہ ہوتا ہے وہ اسے تین سال تک تین معنی میں مودب اور خوگر بناتے ہیں اگر وہ اس میں قائم و مستحکم رہا تو بہتر ہے ورنہ اس سے کہتے ہیں کہ مسلک طریقت میں تمہاری گنجائش نہیں ہے (28) ایک سال تک تو اسے خدمت خلق میں مصروف رکھتے ہیں اور دوسرے سال اسے حق تعالیٰ کی خدمت یعنی ریاضت و مجاہدہ کراتے ہیں اور تیسرے سال اپنے دل کی حفاظت کراتے ہیں۔ خلق کی خدمت اس طرح کرائی جاتی ہے کہ وہ خود کو سب کا خادم اور ان کو اپنے مخدوم کی مانند سمجھے مطلب یہ کہ بلا استثنا سب کو اپنے سے بہتر جانے اور ان کی خدمت کو اپنے اوپر واجب جانے اس صورت کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے کہ لوگوں کی خدمت کرتے کرتے اپنے

شرح (28): امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی سے ان کے ایک شاگرد نے اس بارے میں مکتوب کے ذریعے استفسار کیا اور ساتھ میں کچھ نصیحتوں کا بھی طالب ہوا۔ چنانچہ امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی نے جوابا رسالہ نما مکتوب تحریر فرمایا جو ایھا الولد کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مکتوب میں امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی نے ایک شفیق باپ کی طرح اپنے روحانی بیٹے کو نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں:

اے لختِ جگر!

تیرا ہر عمل اور گفتگو شریعت کے مطابق ہو۔ کیونکہ ہر وہ علم و عمل جو نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت کے مطابق نہیں، وہ گمراہی اور حق سے دوری ہے۔ تجھے نام نہاد صوفیوں (بے عمل پیروں) کی فریب کاری اور شعبدہ بازی و عیاری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ سُلوک کی منزلیں تو نفس کی لذتوں اور خواہشات کو مجاہدے کی تلوار سے کاٹنے سے طے ہوتی ہیں نہ کہ (ان نام نہاد صوفیوں کی) کشف و کرامات اور غیر مفید حرکات و سکنات سے (کیونکہ اللہ عزّ وجلّ کا دوست بننے کے لیے تجھے پیرِ کامل کی تربیت کے مطابق مجاہدہ کرنا پڑے گا۔ جبکہ کسی بے عمل صوفی کی شعبدہ بازیوں سے متاثر ہو کر اسے اپنی کامیابی اور منزل تک رسائی کے لیے کافی قرار دینا سوائے بے وقوفی کے کچھ نہیں) اور اس بات کو بھی بخوبی سمجھ لے! زبان کا بے باک ہونا، اور دل کا غفلت و شہوت سے بھرا ہونا اور دنیاوی خیالات ہی میں ڈوبا رہنا شقاوت و بدبختی کی علامت ہے۔ جب تک نفس کی خواہشات کو کامل مجاہدہ و ریاضت سے ختم نہیں کریگا، اس وقت تک تیرے دل میں معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہوگی۔

(ایھا الولد ص ۲۶۔۲۷)

آپ کو ان سے بہتر و بالاتر سمجھنے لگو ایسی حالت بادشاہوں اور تونگروں کی ہوتی ہے جو درحقیقت آفتِ زمانی ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ کا حق اس وقت ادا کرسکتا ہے جب وہ دنیا و آخرت کی تمام خواہشوں سے خود کو محفوظ رکھے اور سب سے قطع تعلق کر کے یکسو ہو کر اس کی عبادت میں منہمک رہے (29) کیونکہ جب تک حق تعالیٰ کی عبادت کسی اور شئ کے لیے کرتا ہے تو وہ گویا اپنی پرستش کرتا ہے نہ کہ خدا کی اور دل کی حفاظت اس وقت کرسکتا ہے جب کہ اپنے دل کو مضبوط کر کے پوری دلجمعی اور تمام غم و افکار سے پاک وصاف کر کے غفلت کے وقت حضور قلب کے ساتھ مشغول ہو جب مرید حق کوش میں یہ تینوں خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں تب اس کے لیے گدڑی کا پہننا ضروری ہوتا ہے۔

لیکن جب شیخ کامل اپنے کسی مرید کو گدڑی پہننے کی اجازت مرحمت فرمانے لگے تو اس وقت شیخ کو لازم ہے کہ وہ مرید میں یہ دیکھے کہ یہ اب مستقیم الحال ہو کر طریقت کے تمام نشیب و فراز سے گزر چکا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس نے احوال کی لذت اور اعمال کے گھونٹ کی چاشنی چکھ کر قہر جلال اور لطف جمال سے

شرح (29): اِخلاص کے بارے میں مشائخ کرام علیہم رحمۃ اللہ السلام کے اقوال:

حضرت سَیِّدُ نا سوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص یہ ہے کہ خود اخلاص پر بھی نظر نہ رہے، کیونکہ جو شخص اپنے اخلاص میں اخلاص کو دیکھتا ہے تو اس کا اخلاص، اخلاص کا محتاج ہے۔

حضرت سَیِّدُ نا سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا: کون سی چیز نفس پر زیادہ سخت ہے؟ انہوں نے فرمایا: اخلاص، کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور فرمایا: اخلاص یہ ہے کہ بندے کی حرکت وسکون سب کچھ محض اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رضا کے لئے ہو۔

حضرت سَیِّدُ نا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص، اعمال کا کدورتوں سے پاک ہونے کا نام ہے۔

حضرت سَیِّدُ نا فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل ترک کرنا ریاکاری اور ان کے لئے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان دونوں چیزوں سے محفوظ رکھے۔

منقول ہے: اخلاص ہمیشہ مراقبہ میں رہنے اور تمام نفسانی خواہشات کو بھول جانے کا نام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب! (لباب الاحیاء صفحہ ۳۶۸)

آشنا ہوا ہے یا نہیں؟ نیز شیخ طریقت یہ بھی ملاحظہ فرمائے کہ یہ مرید احوال کی کس منزل تک رسائی حاصل کر سکے گا اور یہ کہ واپس ہونے والوں میں سے ہوگا یا واقع ہونے والوں یا کاملوں میں سے ہوگا اب اگر اس مرید کے واپس ہونے کا خطرہ ہو تو اسے شروع ہی سے مرید نہ کرے۔ اور اگر درمیان میں رہ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے آگے بڑھانے کی کوشش کرے اور اگر کامیاب ہونے کی توقع ہو تو اس کی تربیت کرے کیونکہ مشائخ طریقت دلوں کے طبیب ہوتے ہیں جب طبیب کو بیمار کی بیماری کی خبر نہیں ہو تو ایسا طبیب بیمار کو ہلاک کر دے گا کیونکہ وہ اس کے معالجہ کو نہیں جانتا خطرے کے مواقع کو نہیں پہچانتا اور مرض کے خلاف غذا و دوا کا استعمال کراتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (30) اپنی قوم میں شیخ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ اپنی امت میں نبی۔ (31) انبیاء علیہم السلام نے جو اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ فرمائی وہ امت کے حالات سے واقف ہو کر فرمائی اور ان کو بالکل ان کے مزاج کے موافق دوا دی تا کہ دعوت کا مقصد پورا ہو جائے لہٰذا ولایتِ ربانی میں کمال کے لیے ان تین سال کے ریاضت و مجاہدے کے بعد شیخ طریقت اس کی آگے تربیت فرمائے ایسی ریاضت میں جب کامل ہو جائے تو اس وقت گدڑی پہننے کی اجازت دینا مناسب ہوگا۔

گدڑی پہننے کی شرط بالکل کفن پہننے کی شرط کی مانند ہے جس طرح کہ مردہ زندگانی کی لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور حیاتِ دنیاوی کی خوشیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے اسی طرح جب مرید گدڑی پہن لیتا ہے تو وہ اپنی تمام زندگانی کو حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور اس کی خدمت میں اپنی تمام زندگی

شرح (30): المقاصد الحسنۃ، حدیث ۶۰۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۷)

شرح (31): نقشِ قدم

حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کے نقشِ قدم پر ہوتا ہے جیسے حضرت محبوب سبحانی سید قطب ربانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے میں بدرِ کامل نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ مبارک پر ہوں

اِسی طرح حالتِ جذب والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقشِ قدم پر ہیں۔ مجذوب کو جذب کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے قرب کے ذریعے حاصل ہوتی ہے یعنی مجذوب وہ شخص ہے جو اللہ عزّ وجلّ کی محبت میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

وقف کر دیتا ہے نفسانی خواہشوں سے کنارہ کش ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے جب مرید میں یہ کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں تب شیخ طریقت گدڑی پہننے کی اجازت دیتا ہے تا کہ وہ اس کا حق ادا کر سکے اور کسی قسم کی خواہش دل میں نہ لا سکے۔

خلاصہ یہ کہ گدڑی پہننے کے سلسلے میں مشائخ طریقت نے بکثرت ہدایات و اشارات فرمائے ہیں چنانچہ حضرت ابو عمر اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک کتاب مستقل تصنیف فرمائی ہے لیکن بناوٹی صوفیوں کو گدڑی پہننے میں بہت اصرار اور غلو ہے چونکہ اس کتاب کا مقصد مشائخ طریقت کے اقوال کا تحریر کرنا نہیں ہے بلکہ سلوک و معرفت کی عقدہ کشائی اور مشکلات کا حل بیان کرنا ہے بایں ہمہ مرقعہ پوشی میں سب سے بہتر اشارہ یہ ہے کہ گریبان صبر کا ہو، دونوں آستینیں خوف و امید کی، دونوں دامن قبض و بسط کے، کمر، نفس کے خلاف کرنے اور دوکرسی صحت یقین اور فراخی اخلاص سے مرکب ہو۔

اس سے زیادہ عمدہ اشارہ یہ ہے کہ گدڑی کا گریبان محبت کی قباء سے دونوں آستینیں حفاظت و عصمت سے، دونوں دامن فقر و صفا سے، کمر مشاہدے میں قائم رہنے سے، کرسی بارگاہ الٰہی میں مامون رہنے سے اور کشادگی مقامِ وصل میں قرار پانے سے مرکب ہو جب تم نے باطن کے لیے ایسی گدڑی تیار کر لی تو ظاہر کے لیے بھی ایسی ہی گدڑی بنا سکتے ہو اس باب میں میری ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام ''اسرار الخرق و المؤنات'' ہے طالب راہ حق کے لیے اس کتاب کا پڑھنا ضروری ہے۔

لیکن جب مرید نے اس گدڑی کو نہ پہنا اور سلطانِ وقت کے قہر و جلال اور غلبۂ حال سے ڈر کر اس نے گدڑی کو چاک کر دیا تو اسے مجبور و معذور سمجھنا چاہیے اور جب با اختیار و تمیز اس نے گدڑی کو چاک کیا تو طریقت کے شرائط میں سے ہے کہ پھر اس کے لیے واجب ہو گیا کہ وہ گدڑی نہ رکھے اور نہ اسے پہنے اگر اس نے گدڑی رکھی تو گویا وہ ایسا ہے جیسا کہ زمانہ ساز صوفی ظاہر داری میں بغیر صفائے باطن گدڑی پہنتے ہیں۔ گدڑی چاک کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ جب سالک طریقت کا ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف انتقال ہوتا ہے تو وہ اظہار شکر میں لباس سے باہر آ جاتا ہے اس مقام کے لیے اور کپڑے ہوتے ہیں لیکن گدڑی طریقت اور فقر و صفا کے ہر مقام میں ایک جامع اور مکمل لباس ہے اور سب سے باہر آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر ایک سے کنارہ کش ہو گیا ہے یہ جگہ اس مسئلہ کے بیان کرنے کی نہیں ہے کیونکہ یہ خرقہ اور کشف ''حجاب السماع'' میں بیان کرنا چاہیے تھا تاہم میں نے اس جگہ ہی اشارہ کر دیا تا کہ خلط مبحث نہ

ہو جائے یہ مسئلہ اپنی جگہ تفصیل سے آئے گا۔

یہ بھی منقول ہے کہ گدڑی پہنانے والے شیخ کو طریقت میں اتنا تصرف و اختیار حاصل ہو کہ جب کسی غیر کو پہنائے تو شفقت و مہربانی کے ساتھ اس کو آشنائے معرفت کر دے اور جب کسی گنہگار کو پہنائے تو اسے اولیاء اللہ کے گروہ میں شامل کر لے۔

ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ساتھ آذربائیجان گیا تو خرمنِ گندم میں دو تین گدڑی پوشوں کو کھڑے دیکھا جو گدڑی کے دامن کو پھیلائے ہوئے تھے۔ مزارع نے گندم کے تھوڑے سے دانے ان کی جھولی میں ڈال دیے شیخ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیۂ کریمہ پڑھی:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (32)

"یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو انہیں ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔" (البقرہ:١٦)

میں نے عرض کیا اے شیخ یہ لوگ کس بنا پر اس بے عزتی میں مبتلا ہیں کہ برسرِ عام ذلیل و خوار ہوتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا ان کے پیروں کو مریدوں کے جمع کرنے کا لالچ ہے اور ان مریدوں کو دنیاوی مال جمع کرنے کی ہوس ہے (33) کسی کی حرص دوسرے کی حرص سے بہتر نہیں ہے اور بغیر امرِ حق دعوت دینا خواہشات کی پرورش کرنا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے باب الطلق کے بازار میں ایک آتش پرست کو دیکھا جو نہایت حسین و خوبصورت تھا میں نے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی کہ خدایا اسے میری طرف

شرح (32): أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔ (پ١، البقرہ :١٦)

شرح (33): لالچ اور حرص کا جذبہ خوراک، لباس، مکان، سامان، دولت، عزت، شہرت، غرض، ہر نعمت میں ہوا کرتا ہے۔ اگر لالچ کا جذبہ کسی انسان میں بڑھ جاتا ہے تو وہ انسان طرح طرح کی بداخلاقیوں اور بے مروتی کے کاموں میں پڑ جاتا ہے اور بڑے سے بڑے گناہوں سے بھی نہیں چوکتا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو حرص و طمع اور لالچ درحقیقت ہزاروں گناہوں کا سرچشمہ ہے اس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہے۔

پھیر دے تو نے اسے کتنا خوبصورت پیدا کیا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ آتش پرست میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا اے شیخ! مجھے کلمۂ شہادت پڑھایئے اور مسلمان کر کے درجہ ولایت پر فائز کیجئے۔

حضرت شیخ ابوعلی صباح اسے کسی شخص نے دریافت کیا کہ گدڑی پہننا کسے درست ہے۔ انہوں نے جواب دیا اس شخص کے لیے ہے جو خدا کی ساری مملکت میں مشرف ہوتے ہوئے بھی سارے جہان کے کوئی حکم اور کسی حالت سے بے خبر نہ ہو۔

گدڑی صالحین کی نشانی، نیکوں کی علامت اور فقراء وصوفیا کا لباس ہے اور فقر وصفائی کی حقیقت کا بیان پہلے گذر چکا ہے اب اگر کوئی اولیاء کرام کے لباس کو دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بنائے اور اس لباس کو اپنی معصیت کا سبب بنائے تو اس لباس کے جو اہل ہیں ان کا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔ ہدایت کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فقر وصفوۃ کے معانی میں اختلاف مشائخ عظام

طریقت کے اہل علم مشائخ عظام کا فقر وصفوۃ کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت فرماتی ہے کہ بہ نسبت صفوۃ کے فقر زیادہ کامل ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ بہ نسبت فقر کے صفوۃ زیادہ کامل ہے۔

اول جماعت کا استدلال یہ ہے کہ فقر چونکہ فنائے کل اور انقطاع اسرار کا نام ہے اور صفوت اس کے مقامات میں سے ایک مقام ہے جب فنائے کل حاصل ہو جاتا ہے تو تمام مقامات ناپید ہو جاتے ہیں یہ مسئلہ فقر وفنا کی طرف رجوع کرتا ہے پہلے اس کا بیان کیا جا چکا ہے اور دوسری جماعت کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ فقر ایک شے موجود ہے جس کا نام بھی ہے اور صفوت اس حالت کا نام ہے جو تمام موجودات سے پاک وصاف ہو اور یہ کہ صفا عین فنا ہے اور فقر عین بقا لہٰذا فقر اس کے مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور صفوت اس کے کمالات میں سے ایک کمال کا نام۔ اس مسئلہ میں طویل بحث ہے موجودہ زمانے میں ہر شخص تعجب خیز باتیں کرتا ہے اور ایک سے ایک بڑھ کر حیرت انگیز گفتگو کرتا ہے حالانکہ فقر وصفوت کی تفصیل وتقدیم میں اختلاف ہے محض باتیں ہی بنانا باتفاق نہ فقر ہے نہ صفوت بعض نے بیان کو مذہب بنا کر اس پر طبع آرائی اور نکتہ سنجی شروع کر دی اور ادراک معانی سے طبیعت کو خالی کر کے حق بات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کی نفی کو عین نفی اور اثبات مراد کو عین اثبات کہنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی نفی کو عین نفی اور اثبات مراد کو عینِ اثبات کہنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کے قیام میں موجود ومفقود اور منفی و

مثبت میں محو ہو کر رہ گئے ہیں حالانکہ ان مدعیوں کی طریقت لغویات سے پاک وصاف ہے۔

الغرض اولیاء کرام اس مقام تک فائز ہوتے ہیں جہاں کوئی مقام نہیں رہتا اور درجات و مقامات سب کے سب فنا ہو جاتے ہیں اور ان معانی کو الفاظ کا جامہ ہرگز نہیں پہنایا جا سکتا چنانچہ اس وقت نہ پینار ہتا ہے نہ لذت، نہ مع نہ قہر، نہ ہوش نہ بے ہوشی ہر شخص اس کیفیت معانی کو ایسے ناموں سے تعبیر کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے نزدیک بزرگ تر ہوں اس بنیاد پر تقدیم و تاخیر کرنا اور اعلیٰ ادنیٰ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ تقدیم و تاخیر اور اعلیٰ و ادنیٰ تو مسمیات و موجودات کے لیے ہے لہٰذا کسی جماعت کو اسم فقر، مقدم و افضل معلوم ہوا اور ان کے نزدیک یہی نام بزرگ تر اور مشرف معلوم ہوا کیونکہ اس سے منسوب کرنا شکستگی و تواضع کا مقتضی ہے اور کسی جماعت کو صفوت مقدم و افضل معلوم ہوا انہیں یہی نام اچھا لگا کیونکہ اس سے علاقہ رکھ کر کدورتیں دور ہوتی ہیں اور فنا و آفات قریب ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان کی مراد و مقصود کا اظہار ان ہی دونوں ناموں سے ہو سکتا تھا (اسلئے ہر ایک نے ایک ایک نام منتخب کر لیا ورنہ) ان معانی کے نشان و علامات ان تعبیرات سے جدا تھیں یہ نام اختیار کرنے کی اس لیے ضرورت پیش آئی کہ باہم ان اشارات میں بات کر سکیں اور اپنے کشف ذاتی کو ان ناموں کے ذریعہ بیان کر سکیں اس طبقہ کو اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خواہ وہ اس معنیٰ کو فقر سے تعبیر کریں یا صفوت سے دوسرے یہ کہ تعبیر کرنے والے صاحب زبان لوگ چونکہ ان کے معانی سے ناآشنا اور بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ لفظی بحثوں میں الجھ کر رہ گئے کسی نے کسی کو مقدم و افضل جانا اور کسی نے کسی کو حالانکہ یہ دونوں تعبیرات ہیں نہ کہ اصل و حقیقت لہٰذا اہل حق تو معانی کی تحقیق اور حقیقت و معرفت کی تلاش میں منہمک رہے اور یہ لوگ تعبیرات کی تاریکیوں میں پھنس کے رہ گئے۔ خلاصہ یہ کہ جب کسی کو معنیٰ حاصل ہو جائے اور وہ اسے دل کا قبلہ بنا لے تو ایسے درویش کو خواہ فقیر کہو خواہ صوفی دونوں نام اضطراری ہیں اہل معرفت ناموں کے چکر میں نہیں پڑتے۔

یہ اختلاف حضرت ابوالحسن سمنون باز رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے چلا آ رہا ہے کیونکہ وہ جب ایسے کشف میں ہوتے جو بقا سے تعلق رکھتا ہے تو فقر کو صفوت پر مقدم و افضل کرتے تھے جسے اس وقت کے ارباب معانی و اہلِ معرفت جو سمجھتے تھے انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب طبیعت کو فنا و نگونساری میں لطفِ تام حاصل ہوتا ہے اور بقاؤ علوی میں بھی تو اس وقت جب ایسے مقام میں ہوتا ہوں جو فنا سے تعلق رکھتا ہے تو صفوت کو فقر پر افضل کہتا ہوں اور جب ایسے مقام پر

ہوتا ہوں جس کا تعلق بقا وعلو سے ہو تو فقر کو صفوت پر مقدم وافضل کہتا ہوں کیونکہ فقر بقا ہی کا نام ہے اور صفوت فنائے کل کا اس طرح خود سے بقا کی رویت کو فنا کرتا ہوں اور فنا میں خود سے فنا کی رویت کو فنا کر دیتا ہوں تا کہ اپنی طبیعت فنا سے بھی فانی ہو جائے اور بقا سے بھی فانی۔

یہ رموز لفظی اعتبار سے عمدہ ہیں لیکن فنا کو فنا نہیں ہوتا اور بقا کو بھی فنا نہیں ہے کیونکہ وہ باقی جو فانی ہو وہ تو از خود فانی ہوتا ہے اور جو فانی کے باقی ہو وہ از خود باقی ہوتا ہے اور فنا نام ہی اس حالت کا ہے جس میں مبالغہ محال و ممتنع ہو یہ اس لیے ہے کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ فنا ہو گیا کیونکہ یہ کہنا اس معنیٰ کے اثر وجود کی نفی سے مبالغہ کرنا ہوگا کہ فنا میں کوئی اثرِ وجود رہ گیا ہے جو ابھی فنا نہیں ہوا حالانکہ جب فنا حاصل ہو گئی تو فنا کی فنا کچھ نہ ہو گی ایسا کہنا بجز عبارت میں بے معنی تعجب خیزی کے اور کچھ نہیں ہے۔

اہل زبان کی یہ لغویتیں ہیں جو مفہوم ومراد کی تعبیر کے وقت پیدا ہوتی جاتی ہیں اور ہمارا بقا وفنا لکھنا کلام کی اسی جنس سے تعلق رکھتا ہے جو بچپنے کی خواہش اور احوال کی تیزی کے وقت ہوتا ہے جس کا احتیاطاً ہم نے کچھ تذکرہ کر دیا ہے۔

فقر وصفوت کے درمیان معنوی فرق ہے لیکن معاملات کے اعتبار سے فقر وصفوت دنیا سے کنارہ کشی کا نام ہے اور یہ کنارہ کشی بجائے خود ایک چیز ہے اور اس کی حقیقت فقر ومسکینی میں مضمر ہے۔

☆☆☆☆☆

باب 5:

فقر و مسکینی کا فرق

مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مسکینی سے فقیری افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ الایہ (1)

"یہ ان فقراء کے لیے ہے جو راہِ خدا میں روکے گئے اور وہ زمین میں پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔" (2) (البقرہ: ۲۷۳)

یہ افضلیت اس لیے ہے کہ مسکین صاحبِ مال ہوتا ہے اور فقیر تارکِ مال (3) اور یہ کہ فقیر عزیز ہوتا ہے اور مسکینت حقیر اور یہ کہ طریقت میں صاحبِ مال ذلیل ہوتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "درہم و دینار اور نئے پرانے کپڑے والوں کو کمینہ سمجھ" اسی لیے مال و دولت سے کنارہ کشی کرنے والے عزیز ہیں کیونکہ تونگر کو مال پر اعتماد ہوتا ہی اور تہی دست کو خدا پر توکل ہوتا ہے۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت کا نظریہ مسکینی ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں اس کی مناجات کی ہے۔

شرح (1): لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ

ترجمہ کنز الایمان: ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے

(پ ۳، البقرہ: ۲۷۳)

شرح (2): شانِ نزول:

یہ آیت اہل صفہ کے حق میں نازل ہوئی ان حضرات کی تعداد چار سو کے قریب تھی یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے نہ یہاں ان کا مکان تھا نہ قبیلہ کنبہ نہ ان حضرات نے شادی کی تھی ان کے تمام اوقات عبادت میں صرف ہوتے تھے رات میں قرآن کریم سیکھنا دن میں جہاد کے کام میں رہنا آیت میں ان کے بعض اوصاف کا بیان ہے

شرح (3): توجہ رہے کہ یہ تصوف کی اصطلاح میں بیان کیا جا رہا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔ (4) ''اے خدا مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی موت دے اور مسکینوں میں حشر فرما۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب فقر کو یاد فرمایا تو اس طرح ارشاد فرمایا "کاد الفقران یکون کفرا" بسا اوقات فقیری کفر میں مبتلا کر دیتی ہے۔

یہ فرق اس لیے ہے کہ فقیر وہ ہے جو سبب سے تعلق رکھتا ہے اور مسکین وہ ہوتا ہے جو اسباب سے ترک تعلق کر لے۔ شریعت میں فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک فقیر وہ ہے جو ایک وقت کا کھانا رکھتا ہو اور مسکین وہ ہے جو یہ بھی نہ رکھے اور ایک جماعت کے نزدیک مسکین وہ ہے جو صاحب توشہ ہو اور فقیر وہ ہے جو یہ بھی نہ رکھے اسی لحاظ سے اہل طریقت مسکین کو صوفی کہتے ہیں یہ اختلاف فقہا کے اختلاف کے مطابق ہے جن کے نزدیک فقیر وہ ہے جو کچھ نہ رکھے اور مسکین وہ ہے جو ایک وقت کا توشہ رکھے ان کے نزدیک صفوت سے فقر افضل ہے صفوت و فقر ان کے اختلاف کا بیان بر سبیل اختصار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شرح (4): ترمذی، کتاب الزھد، رقم ۲۳۵۹، ج ۴، ص ۱۵۷

باب 6:

ملامتی طبقہ

مشائخ طریقت کی ایک جماعت نے ملامت کا طریقہ پسند فرمایا ہے [1] کیونکہ ملامت میں خلوص

شرح (1): اپنے نفس کو ملامت کرنے والا خوش نصیب ہے:

بھائیو! حضرت سیدنا انس بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے ساتھ چلا آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ میرے اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے درمیان ایک دیوار حائل تھی میں نے دیکھا کہ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) اکیلے تھے اور فرمار ہے تھے اے عمر بن خطاب! تو امیر المؤمنین ہے، کیا خوب؟ اللہ کی قسم! تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہوگا ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔

جیسا کہ ربّ کائنات کا فرمان والاشان ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور اس جان کی قسم! جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے (پارہ ۲۹، سورہ القیامۃ، آیت ۲)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا حسن بصری (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں مومن ہمیشہ اپنے نفس کو جھڑکتا ہی رہتا ہے کہ اس کلام سے میرا ارادہ کیا تھا؟ اُس کھانے سے کیا مقصود تھا؟ میرے اس پینے سے کیا ارادہ تھا؟ اور بدکار آدمی زندگی بسر کرتا رہتا ہے لیکن کبھی بھی اپنے نفس کو عتاب نہیں کرتا۔

حضرت سیدنا میمون بن مہران (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) مزید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے نفس سے کہتا ہے کیا تو فلاں گناہ والا نہیں؟ کیا تو فلاں عمل والا نہیں؟ پھر اسے لگام ڈال کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کا پابند کر دیتا ہے تو یہ شخص فائدے میں رہتا ہے۔ اور یہی نفس کا محاسبہ اور عتاب ہے۔

حضرت سیدنا میمون بن مہران (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں مومن اپنے نفس کا محاسبہ ظالم بادشاہ اور بخیل شریک سے بھی زیادہ کرتا ہے۔

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دمحبت کی بہت بڑی تاثیر اور لذت کامل پوشیدہ ہے اور اہل حق مخلوق کی ملامت کے لیے مخصوص ہیں خاص کر بزرگانِ ملت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ اہل حق کے مقتداء و امام ہیں آپ سے قبل بھی تمام محبوبانِ خدا پر جب تک برہان حق نازل نہیں ہوئی اور ان کو وحی سے سرفراز نہیں کیا گیا تھا اس وقت مخلوقِ خدا میں وہ نیک نام اور بزرگ سمجھے جاتے تھے مگر جب ان کے فرق مبارک پر دوستی کی خلعت رکھی گئی تو خلق نے ان کے حق میں زبانِ ملامت دراز کردی چنانچہ کسی نے کاہن، کسی نے شاعر، کسی نے مجنون اور کسی نے کاذب تک کہا۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق اور مومنین کی تعریف میں فرمایا ہے:

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ "بفضل خدا یہ زبان درازوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ کا علم وسیع ہے۔"

(المائدہ: ۵۴)

حق تعالیٰ کا دستور ایسا ہی ہے کہ جس نے حق کی بات منہ سے نکالی سارے جہان نے ملامت کی کیونکہ ایسے بندے کے اسرار، ملامت میں مشغول ہونے کے باعث مخفی رہتے ہیں یہ حق تعالیٰ کی غیرت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دوسروں کے دیکھنے سے محفوظ رکھتا ہے تا کہ ہر شخص کی آنکھ اس کے دوست کے حال کے جمال پر نہ پڑے اور بندے کو اس سے بھی محفوظ رکھتا ہے کہ وہ اسے دیکھنے کی کوشش کرے اور وہ خود بھی اپنا جمال نہ دیکھ سکے کیونکہ وہ غرور اور تکبر کی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا اسی وجہ سے خلق کو ان پر ملامت کے لیے مقرر فرمایا اور نفسِ لوامہ (2) (ملامت کرنے والی خصلت) کو ان کے اندر پنہان کر دیا تا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ترجمہ کنز الایمان: اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے (پارہ ۶ المائدہ: ۵۴)

شرح (2): صفات کے اعتبار سے اس (نفس) کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں اسے نفس لوّامہ کہا جاتا ہے۔ اور اللہ عزَّ وجلَّ نے اپنے فرمان میں اسی کی قسم ارشاد فرمائی ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر ملامت کرے۔ (پ29 القیمۃ: 2)

اور اس سے مراد وہ نفس ہے، جو گناہوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ وہ جو بھی کرے وہ اس پر ملامت کرتا رہے اگر وہ بدی کرے تو اسے بدی پر ملامت کرے اور اگر نیکی کرے تو کوتاہی پر راہِ خدا میں یہی وہ اصل قول ہے جس میں کوئی آفت اور رجاب نہیں ہے۔ اور طریقت میں جو دشوار تر ہے اس لیے کہ بندہ اپنے آپ کسی غرور میں نہ پھنس جائے۔

عجب وغرور کی بنیاد:

عجب (3) وغرور (4) دراصل دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے (۱) خلق کی عزت افزائی اور ان کی مدح و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتا، نہ ان سے خوش ہوتا ہے اور اس درجہ پر پہنچنے سے پہلے ایک اور درجہ ہے اور یہ برائی کا حکم دینے والا نفس (یعنی نفسِ امارہ) ہے جس کے بارے میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ O

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (پ13 یوسف:53)

اور یہ اس حالت پر ہوتا ہے، کہ نہ تو نیکی کا حکم دیتا اور نہ برائی پر ملامت کرتا ہے اور نفس کا یہ درجہ نہایت قابلِ مذمت ہے اور مُطْمَئِنَّہ بہترین نفس ہے اور لوّامہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ نہ تو شر پر راضی ہوتا ہے کہ اس کی طرف مائل ہو اور نہ ہی اطمینان کی طاقت رکھتا ہے کہ بھلائی کی طرف قرار پکڑے اور اس بھلائی سے مراد اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ذکر ہے۔

شرح (3): عُجب (یعنی خود پسندی) کا بیان:

جان لیجئے! خود پسندی قابلِ مذمت ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

(1) وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

ترجمۂ کنزالایمان: اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے۔ (پ 10 التوبہ:25)

(2) وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا O

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ (پ 16 الکھف:104)

(3) وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ O

ترجمۂ کنزالایمان: اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو اُن کے خیال میں نہ تھی۔

(پ 24 الزمر:47) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ستائش سے اور (۲) یہ کہ اپنے ہی افعال پر کوشش ہونے سے اول صورت میں لوگ چونکہ بندے کے افعال کو پسند کرنے لگتے ہیں اور اس پر اس کی مدح و ستائش کرتے ہیں اس لیے انسان میں غرور پیدا ہو جاتا ہے دوسرے انسان کو اپنی برائیوں میں بھی حسن نظر آتا ہے اس لیے وہ غرور و خود پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے دوستوں پر ان دروازوں کو بند کر دیتا ہے تاکہ ان کے معاملات اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ، سلطانِ باقرینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ نصیحت نشان ہے:

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔

ترجمہ: تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں: (۱) بخل، جس کی پیروی کی جائے (۲) خواہش، جس کی اتباع کی جائے اور (۳) آدمی کا اپنے نفس پر اِترانا۔ (المعجم الاوسط، الحدیث ۵۴۵۲، ج ۴، ص ۱۲۹)

عُجب کی حقیقت:

خود پسندی کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو علم و عمل میں کامل سمجھنے کی وجہ سے انسان کے دل میں تکبر پیدا ہو جائے۔ اگر اُسے اُس کمال کے زائل ہونے کا خوف ہو تو وہ خود پسند نہیں کہلائے گا اور اسی طرح اگر وہ اس کمال کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی نعمت سمجھ کر اس پر خوش ہو تو بھی خود پسندی نہیں بلکہ وہ تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فضل پر خوش ہے۔ اور اگر وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ اس کی اپنی صفت ہے اور نہ اس کے زوال کی طرف متوجہ ہو اور نہ یہ سوچے کہ یہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی نعمت ہے تو یہی چیز خود پسندی کہلاتی ہے اور یہی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے۔

شرح (4): غرور کی مذمت پر آیات کریمہ:

اللہ ربُّ العزّت جَلَّ جَلَالُہٗ کا فرمانِ عالیشان ہے:

(1) فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٭ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے علم (نام) پر دھوکا نہ دے وہ بڑا فریبی۔ (پ 21 لقمٰن: 33)

(2) وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: اور جھوٹی طمع نے تمہیں فریب دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور تمہیں اللہ کے حکم پر اس بڑے فریبی نے مغرور رکھا۔ (پ 27 الحدید: 14)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نیک ہوں پھر بھی اس کو اپنی طاقت وقوت کے مقابلہ میں ہیچ ہی نظر آتا ہے اور وہ اسے پسند نہیں کرتا جس کی بنا پر غرور سے محفوظ رہتا ہے لہٰذا ہر شخص جو پسندیدۂ حق ہو گا خلق اسے پسند نہیں کرے گی اور جو اپنے جسم کو ریاضت ومجاہدے کے ذریعہ مشقت میں مشغول رکھے گا حق تعالیٰ اسے تکلیف نہیں دے گا چنانچہ شیطان کو باوجود یہ کہ لوگوں نے پسند کیا اور فرشتوں نے بھی مانا اور اس نے خود بھی اپنے آپ کو پسند کیا مگر چونکہ حق تعالیٰ نے اسے پسند نہیں فرمایا اس لیے یہ سب کچھ اس کے لیے لعنت کا سبب بن گیا حضرت آدم علیہ السلام کو نہ فرشتوں نے پسند کیا نہ ابلیس ملعون نے اور نہ انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو پسند کیا مگر اللہ تعالیٰ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) غرور کی مذمت پر احادیثِ مبارکہ:

حضور نبیٔ رحمت، شفیعِ اُمّت، قاسمِ نعمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ ذیشان ہے: عقلمند لوگوں کی نیند اور روزہ نہ رکھنا کیا ہی خوب ہے، یہ لوگ بیوقوفوں کی شب بیداری اور کوشش کو کس طرح ناقص کرتے ہیں اور صاحبِ یقین وتقوی کا ذرہ برابر عمل دھوکے کے شکار لوگوں کے زمین بھر عمل سے افضل ہے۔

(موسوعۃ لابن ابی الدنیا، کتاب الیقین، الحدیث ۸، ج ۱، ص ۲۳، بتغیر)

خوش فہمی یہ ہے کہ بندہ حقیقت کے خلاف چیز کا اعتقاد رکھے، یہ جہالت کی ایک قسم ہے اور نفس کا اس چیز سے سکون حاصل کرنا ہے جو اس کے خیال میں خواہش کے موافق ہو لہٰذا وہ شخص بھی دھوکے کا شکار ہے جسے اُس کا فاسد گمان اس دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ دنیا نقد اور یقینی ہے جبکہ آخرت کا معاملہ اُدھار اور شک کا ہے لہٰذا ہم اُدھار اور شک کے لئے نقد اور یقین کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ٘ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

ترجمۂ کنزالایمان: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو۔ (پ 27 النجم: 39)

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

ترجمۂ کنزالایمان: بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا

(پ ۱، البقرہ: ۳۰)

ان کو پسند فرمایا فرشتوں نے ناپسندیدگی کا اظہار (5) کرتے ہوئے کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (6) (البقرہ: ۳۰) اے خدا کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد کرے گا اور خونریزی کرے گا۔ ابلیس معلون نے کہا "انا خير منه خلقتنى من نار وخلقته من طين" (7) میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بارے میں کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (8) (الاعراف: ۲۳) اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا لیکن جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پسند فرمایا تو ان کے حق میں فرمایا:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (9) (طٰہٰ: ۱۱۵) تو ان سے بھول ہوگئی ہم نے ان کی طرف سے ارادۂ نافرمانی نہ پائی اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کی ناپسندیدگی کا ثمرہ، خدا کی رحمت کی شکل میں مل گیا تا کہ کائنات ہی کی مخلوق جان لے کہ ہمارا مقبول خلق کا مہجور ہوتا ہے اور جو خلق کا مقبول ہو وہ ہمارا مہجور ہوتا ہے اور یقینی طور پر سب کو پتہ چل جائے کہ خدا کے دوستوں کی غذا خلق کی ملامت ہوتی ہے کیونکہ اس میں قبولیت کے آثار ہیں۔ اولیاء اللہ کا مذہب ہے کہ ملامت ہی قرب واختصاص کی نشانی ہے۔ جس طرح لوگ

شرح (5): ملائکہ کا مقصد اعتراض یا حضرت آدم پر طعن نہیں بلکہ حکمت خلافت دریافت کرنا ہے اور انسانوں کی طرف فساد انگیزی کی نسبت کرنا اس کا علم یا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہو یا لوح محفوظ سے حاصل ہوا ہو یا خود انہوں نے جنات پر قیاس کیا ہو۔

شرح (6): اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ

ترجمۂ کنز الایمان: کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا۔

(پ ۱، البقرہ: ۳۰)

شرح (7): اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔ (پ ۸، الاعراف: ۱۲)

شرح (8): رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا

ترجمہ کنز الایمان:۔ اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ بُرا کیا۔ (پ ۸، الاعراف: ۲۳)

شرح (9): فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۱۵)

قبول خلائق سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح وہ ملامت سے بھی خوش رہتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا کہ **اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری الا اولیائی** میرے اولیاء میری رحمت کی چادر میں ہوتے ہیں جنہیں میرے ساتھ میرے اولیاء ہی پہچانتے ہیں۔

ملامت کی قسمیں:

ملامت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سیدھا چلے دوسرے یہ کہ وہ قصد کرے، تیسرے یہ کہ وہ ترک کرے۔ پہلی قسم کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کام کرتا ہے اور امور دینیہ میں کامل احتیاط برتتا ہے اور معاملات میں مراعات سے کام لیتا ہے مگر خلق پھر بھی اس پر ملامت کرتی ہے کیونکہ لوگوں کی یہ عام عادت ہے مگر وہ شخص کسی کی پرواہ نہیں کرتا دوسرے یہ کہ کوئی شخص لوگوں میں صاحبِ عزت و شرف ہونے کے ساتھ ان میں مشہور بھی ہو اور اس کا دل عزت کی طرف مائل بھی ہو اس کے باوجود وہ یہ چاہے کہ ان سے جدا ہو کر یاد الٰہی میں محو ہو جائے اور قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے اور ایسے عمل سے شریعت میں بھی خلل نہ واقع ہو مگر لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اور اس سے متنفر ہو کر جدا ہو جائیں اور تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں تو کفر و ضلالت سے طبعی نفرت بھری ہو بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے اور خیال کرے کہ ملامتی طریقہ پر ایسا کر رہا ہوں اور یہ ملامت کا طریقہ اس کی عادت بن جائے اس کے باوجود وہ دین میں مضبوط اور راست رو ہو لیکن ظاہر طور پر بغرض ملامت، نفاق و ریا کے طور و طریق پر دین کی خلاف ورزی کرے اور مخلوق کی ملامت سے بے خوف ہو وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھے خواہ لوگ اسے جس نام سے چاہیں پکاریں۔

حکایت:

حضرت شیخ ابو طاہر حراتی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن گدھے پر سوار بازار سے گزر رہے تھے ایک مرید لگام تھامے ہوئے ساتھ تھا کسی نے پکارا دیکھو یہ پیر زندیق آ رہا ہے جب مرید نے یہ بات سنی تو اس کی ارادت و غیرت نے جوش مارا اور اسے مارنے کے لیے دوڑا بازار والے جوش میں آ گئے حضرت شیخ نے مرید کو آواز دی اور فرمایا اگر تم نے خاموشی اختیار کی تو ایک نصیحت آموز چیز دکھاؤں گا تاکہ تم اس سختی سے باز رہو مرید خاموش ہو گیا جب قیام گاہ پر واپس آئے تو مرید سے فرمایا فلاں صندوق اٹھا لاؤ وہ لایا اس میں بکثرت

خطوط تھے جن کو لوگوں نے حضرت شیخ کے نام لکھے تھے انہوں نے ان کو نکالا اور مرید کے اگے رکھ کر فرمایا پڑھو کیا لکھا ہے۔ جن لوگوں نے خطوط بھیجے تھے انہوں نے ان میں ہر نامہ پر القاب میں کسی نے شیخ الاسلام کسی نے زکی، کسی نے شیخ زاہد، کسی نے شیخ الحرمین وغیرہ لکھا تھا۔ شیخ نے فرمایا یہ سب القاب و خطاب ہیں میرا نام نہیں ہے حالانکہ میں کچھ بھی نہیں ہوں ہر شخص نے اپنے اعتقاد کے بموجب مجھے مخاطب کیا ہے اگر اس بیچارے نے اپنے اعتقاد کے بموجب کوئی بات کہہ دی اور کوئی القاب دیئے تو بگڑنے یا ناراض ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح اگر ملامت میں قصداً کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہے اور عزت و منزلت اور اس جاہ و حشم کے چھوڑنے کا ارادہ کرے جس کے وہ لائق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ۔

حکایت:

ایک دن امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھجوروں کے باغ سے اس حال میں تشریف لا رہے تھے کہ لکڑیوں کا گٹھا آپ کے سرِ مبارک پر رکھا ہوا تھا حالانکہ آپ چار سو غلام رکھتے تھے کسی نے عرض کیا اے امیر المومنین یہ کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا "اردت ان اجرب نفسی" میں نے کہا کہ اپنے نفس کا تجربہ کروں اگرچہ یہ کام میرے غلام بھی کر سکتے تھے مگر میں نے چاہا کہ اپنے نفس کی آزمائش کروں تاکہ لوگوں میں جو رتبہ ہے اس کی وجہ سے یہ نفس کسی کام سے مجھے باز نہ رکھے۔ (10)

یہ اثر صحابہ، اثباتِ ملامت میں واضح اور صریح ہے اسی معنیٰ میں ایک اور واقعہ ہے جو حضرت امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے (11) اس کا تذکرہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقع ہے کہ وہ حج کر کے واپس آ رہے تھے کسی شہر میں غلغلہ بلند ہوا کہ حضرت بایزید آ رہے ہیں اس شہر کے تمام لوگ استقبال کے لیے نکل آئے کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے شہر میں لائیں حضرت بایزید نے جب لوگوں کی خاطر و مدارات کو ملاحظہ فرمایا تو ان کا دل بھی مشغول ہو گیا اور وہ یادِ حق سے باز رہنے میں پریشان خاطر ہو گئے جب بازار میں آئے تو قبا کی آستین سے ایک روٹی نکال کر وہیں کھانے لگے یہ دیکھ کر تمام لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے اور انہیں تنہا چھوڑ کر چلے گئے

شرح (10): شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج ١٠، ص ٢١٤

شرح (11): توجہ رہے داتا صاحب حنفی ہیں۔

چونکہ یہ واقعہ رمضان المبارک میں ہوا تھا اور خود چونکہ مسافر تھے [12] (اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) اس وقت اپنے ہمراہی مرید سے فرمایا دیکھا شریعت کے ایک مسئلہ میں لوگوں نے مجھے کاربند نہ دیکھا تو سب چھوڑ کر چلے گئے۔

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ملامت کی روش اختیار کرنے کے لیے کسی زبوں عمل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور ایسی بات ظاہر کرنی پڑتی تھی جو عوام کے منشاء و مزاج کے خلاف ہو لیکن اگر آج کوئی چاہے کہ اسے ملامت کی جائے تو دو رکعت نفل شروع کر کے اسے خوب طول دے دے یا پورے دین کی مکمل پیروی شروع کر دے تا کہ تمام لوگ اسے ریا کار اور منافق کہنے لگیں۔

لیکن جو ترک کے طریقہ پر ملامت اختیار کرے اور کوئی کام خلاف شریعت کر کے یہ کہے کہ یہ عمل میں نے حصولِ ملامت کے لیے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی ہے [13] ظاہری آفت اور سچی ہوس

شرح (12): سفر:

سفر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ اتنا طویل فاصلہ طے کیا جائے جو درمیانی رفتارِ انسانی سے تین دن تین رات میں طے ہو اس کو سفر طویل کہتے ہیں اور اس کی تخفیفات شرعیہ یہ ہیں کہ اتنا طویل سفر کرنے والا مسافر نماز قصر ادا کریگا اسے روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے اور موزوں پر تین دن اور تین رات مسح کر سکتا ہے۔ دورانِ سفر اس پر قربانی واجب نہیں وغیرہ وغیرہ دوسری قسم سفر کی یہ ہے کہ اتنا طویل نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے شہر سے باہر نکل جائے خواہ چند میل باہر ہی سہی اس کو شریعت کی طرف سے جو تخفیف و تیسیر دی گئی ہے وہ یہ ہیں کہ وہ جمعہ چھوڑ سکتا ہے اس پر نماز باجماعت موکدہ نہیں اور وہ سواری پر نفل نماز ادا کر سکتا ہے اور پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے وغیرہا۔

شرح (13): حضرت ابوالحسین احمد بن الحواری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ شام کا پھول کہتے تھے فرماتے ہیں: جو کسی قسم کا کوئی عمل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کرے وہ باطل ہے۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۱ مطبوعہ مصر)

حضرت سیدی ابو حفص عمر حداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے بڑے اماموں، عارفین اور حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم زمانہ بزرگوں میں سے ہیں فرماتے ہیں: جو ہر وقت اپنے تمام کاموں اور تمام باطنی احوال کو قرآن و حدیث کے ترازو میں نہ تولے اور اپنے دل پر وارد ہونے والی کیفیات پر اعتماد کر لے اسے مردانِ حق کے دفتر میں شمار نہ کر۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۱)

پرستی ہے کیونکہ آج کل ایسے لوگ بکثرت ہیں جو ردِ خلق کی صورت میں قبولِ خلق کے خواستگار ہیں اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ وہ پہلے خلق میں مقبول ہوں پھر اپنے کسی فعل سے اس کی نفی کر دیں تا کہ لوگ انہیں مردود قرار دیں نامقبول شخص کے لیے رد کرنے کا قصد کرنا قبولیت کے لیے ایک بہانہ ہوتا ہے۔

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے مدعیان باطل کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے ایک آدمی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو گئی مگر اس نے یہ عذر کیا کہ میرا یہ عمل ملامت کے لیے تھا اس پر کسی نے کہا یہ عذر و بہانہ بیہودہ ہے میں نے اسے دیکھا کہ غیظ و غضب سے اس کا سانس پھول گیا ہے تب میں نے اس سے کہا اے شخص اگر ملامت میں تیرا دعوٰی درست تھا تو اس آدمی کے اعتراض پر چیں بجبیں ہونا کیا معنی؟ یہ تو تیرے مذہب کو مضبوط کرتا ہے جب وہ تیرے ساتھ تیری راہ میں موافقت کرتا ہے تو تیرا اس سے جھگڑا ہی کیا؟ تجھے کیوں غصہ آتا ہے اور جو شخص امرِ حق کی دعوت دے اس کے لیے دلیل و حجت درکار ہے اور وہ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی حفاظت ہے جب میں ظاہر میں تجھے فرائض کا تارک دیکھتا ہوں حالانکہ تو لوگوں کو اس کی طرف بلانا چاہتا ہے تو تیرا یہ عمل تجھے اسلام کے دائرے سے باہر کر دیتا ہے۔

لطائف در ملامت

واضح رہنا چاہیے کہ طریقت میں ملامتی مذہب کو شیخ زمانہ حضرت ابو حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ (14) نے پھیلایا ہے ملامت کے سلسلے میں ان سے بکثرت لطیفے منسوب ہیں چنانچہ ان کا ایک قول یہ ہے کہ ''الملامۃ ترک السلامۃ'' سلامتی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا نام ملامت ہے جب کوئی شخص قصداً سلامتی کے ترک کا دعوٰی کرتا اور بلاؤں میں خود کو مبتلا کر کے عیش و راحت اور خوش ذائقہ چیزوں کو چھوتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جلالت کا ظہور ہو اور اس کی امید بر آئے اور لوگ اس کی عادت سے بیزار ہو کر اس سے دور ہو جائیں اور اس کی طبیعت لوگوں کی محبت سے خالی ہو جائے اس حال میں جس قدر وہ خود کو گھلائے گا اتنا

شرح (14): حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو تراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور باکمال محدث تھے اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے، اربابِ ذوق و شوق کے پیشوا تھے، علوم فقہ اور حدیث میں ماہر تھے، صاحب تقوٰی و صاحب توکل اور ولیٔ کامل تھے۔ آپ کا وصال ۲۷۱ ہجری میں ہوا۔

ہی وہ حق سے واصل ہوگا اور جس سلامتی کی طرف لوگ رغبت کرتے اور اس کی طرف مائل ہوتے ہیں یہ اس سلامتی سے اتنا ہی نفرت و بیزاری کرتا ہے اس طرح ایک دوسرے کے عزائم میں تضاد و تقابل پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اپنی صفتوں میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

احمد بن فاتک حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا صوفی کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''واجدون الذات'' یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ذات باری تعالیٰ کو پالیا۔

نیز حضرت ابوحمدون رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا تو آپ نے یہ فرمایا یہ راستہ عام لوگوں کے لیے بہت دشوار اور تنگ ہے لیکن اتنا بتائے دیتا ہوں کہ "**رجاء المرجیته رخوف القدریة**"۔ مرجیوں کی امید اور قدریوں کا خوف ملامتیوں کی صفت ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ملامتیوں کی طبیعت اللہ تعالیٰ کی چیز سے اتنی نفرت نہیں کرتی جتنی لوگوں میں عزت و منزلت پانے سے انہیں نفرت ہوتی ہے یہ ان لوگوں کی خصلت ہے کہ وہ لوگوں کی تعریف و توصیف سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور پھولا نہیں سماتا اسی بنا پر وہ قربِ الٰہی سے دورتر ہی ہوجاتا ہے خوف خدا رکھنے والا شخص ہمیشہ یہی کوشش کرے گا کہ خطرے کی جگہ سے دور رہے کیونکہ اس میں اس کے لیے دو خطرے لاحق ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ حق تعالیٰ سے حجاب میں نہ آجائے دوسرا یہ کہ وہ ایسا فعل کرنے سے بچے جس سے لوگ گناہگار ہوں اور اس پر طعن و تشنیع کرنے لگیں ان کا یہ مقصود نہیں ہوتا کہ ان میں عزت پانے سے راحت محسوس کریں اور نہ یہ کہ ملامت کرانے سے انہیں گناہگار بنائیں اس لیے ملامتی کو سزاوار ہے کہ پہلے دنیاوی جھگڑوں اور لوگوں کی اخروی علاقوں سے خود کو جدا کرے اس کے بعد لوگ اسے کچھ بھی کہیں دل کی نجات کے لیے ایسا فعل کرے جو شریعت میں نہ گناہِ کبیرہ ہو نہ صغیرہ تاکہ لوگ اس سے برگشتہ ہوکر اسے چھوڑ دیں یہاں تک احتیاط برتے کہ معاملات میں اس کا خوف، قدریوں کے خوف کی مانند ہو اور معاملہ کنندگان سے ایسی امید رکھے جیسے مرجیہ امید رکھتے ہیں حقیقت میں ملامت سے بہتر کسی چیز سے محبت و دوستی نہ ہو اس لیے کہ دوست کی ملامت کا دوست کے دل پر اثر نہ ہوگا اور دوست کا گزر دوست کی گلی ہی میں ہوگا اور دوست کے دل میں اغیار کا خطرہ نہ ہوگا جب ایسی حالت ہوجائے گی تو اپنی خواہش میں ملامت کی سب سے بڑھ کر لذت پائیں گے اس لیے کہ ملامت عاشقوں کا باغ، محبوں کی تازگی، مشتاقوں کی راحت اور مریدوں کی خوشی کا نام ہے یہ لوگ دل کی سلامتی کی خاطر جن وانس کا ہدف بننا پسند کرتے ہیں۔

اور کوئی مخلوق خواہ وہ مقربوں میں سے ہو یا کروبیوں میں سے یا روحانیوں میں سے، ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی گزشتہ امتوں کے زہاد اور عباد اور سالکان وطالبان حق میں سے بھی کوئی ان کے رتبہ تک نہیں پہنچا بجز اس امت کے ان حضرات کے جو طریقت کے سالک ہیں اور دل کو منقطع کر چکے ہیں۔

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ملامت کی خواہش عین ریا ہے (15)

شرح (15): ریاء کی لغوی واصطلاحی تعریف:

رِیَاءٌ، رُؤْیَۃٌ اور سُمْعَۃٌ، سِمَاعٌ سے ماٗخوذ ہے۔ جس ریاء کی مذمت کی گئی ہے اس کی تعریف یہ ہے: بندہ اللہ عزوجل کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت یا ارادے سے عبادت کرے۔ مثلاً لوگوں کو اپنی عبادت اور کمال سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا کہ اسے لوگوں سے مال وجاہ یا ثناء وغیرہ حاصل ہو۔

ریاکاری کی پہچان کے طریقے:

ریا کی چند اقسام ہیں: (۱) ریاء بالاحوال (۲) ریاء بالاقوال (۳) ریاء بالاعمال (۴) ریاء بالاصحاب۔

(۱) ریاء بالاحوال:

اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کا اپنے جسم پر تھکن یا پیلاہٹ ظاہر کرنا، پراگندہ بال اور گھٹیا ہیئت کا اظہار، غم کی کثرت، غذا کی قلت اور اہم کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اپنے آپ پر توجہ نہ دینے اور لگاتار روزوں اور شب بیداریوں، دنیا اور دنیا والوں سے بے رغبتی اور عبادت میں خوب کوشش کا وہم پیدا کرنے کے لئے پست آواز میں بولنا اور آنکھیں بند رکھنا۔

ایسے ذلیل ورسوا لوگ کیا جانیں کہ اس وقت وہ بھتہ خوروں اور ڈاکوؤں جیسے لوگوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں کیونکہ وہ تو اپنے گناہوں کے معترف ہیں اور ان رسوا اور ذلیل لوگوں کی طرح اپنی دینداری پر غرور نہیں کرتے، جبکہ یہ بدبخت وذلیل لوگ گناہ بھی کرتے ہیں اور اس پر دلیری بھی دکھاتے ہیں۔

یا پھر صالحین کا سا حلیہ اختیار کرنا جیسے چلتے وقت سر جھکائے رکھنا، پُروقار انداز میں چلنا، چہرہ پر سجود کا اثر باقی رکھنا، اونی اور کھردرا لباس پہننا اور ہر وہ صورت اپنانا کہ یہ وہم پیدا ہو کہ وہ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور سادات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہے حالانکہ وہ علم کی حقیقت اور باطن کی صفائی کے معاملہ میں مفلس ہو۔

یہ دھوکے باز شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ جو کچھ اسے یہ لبادہ اوڑھنے کی وجہ سے ملا ہے اس کو قبول کرنا اس پر حرام تھا، اگر اس نے وہ چیز قبول کر لی تو وہ باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ریا کاری عین نفاق ہے اس لیے کہ ریا کار قصداً ایسی راہ پر چلتا ہے جس سے وہ مخلوق میں مقبول ہو اور ملامتی بھی قصداً ایسی روش اختیار کرتا ہے جس سے لوگ اس سے نفرت کریں یہ دونوں طبقے خلق ہی میں سرگرداں رہتے ہیں ان سے گزرنے کی انہیں راہ ہی نہیں ملتی ایک اس راہ پر ہولیا دوسرا دوسرے راستے پر حالانکہ درویش کے دل میں مخلوقات کے گزر کی گنجائش کہاں؟ جب دل کے آئینہ سے خلق کی تصویر محو ہو چکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وجہ سے فاسق ہو جائے گا۔

(۲) ریاء بالاقوال:

کسی کا وعظ و نصیحت اور سنتوں کو زبانی یاد کرنے کا اظہار کرنا بھی ریا کاری ہے، نیز مشائخ سے ملاقات اور علوم کی پختگی وغیرہ بہت سے ایسے طریقے ہیں جو ریا کاری کے اسباب بن سکتے ہیں کیونکہ قول کے ذریعے ریا کا وقوع کثیر ہے نیز اس کی انواع کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) ریاء بالاعمال:

ارکانِ نماز کو طویل کرنا اور انہیں عمدگی سے ادا کرنا اور ان میں خشوع ظاہر کرنا، اسی طرح روزہ اور حج وغیرہ دیگر عبادات اور اعمال میں بھی ریا کاری کی انواع بے شمار ہیں۔

بعض اوقات ریا کار دکھاوے کے کاموں کو پختہ کرنے کا اتنا حریص ہوتا ہے کہ تنہائی میں بھی ان افعال کی مشق کرتا رہتا ہے تا کہ لوگوں کے مجمع میں بھی اس کی یہ عادت قائم رہے، لیکن وہ ایسا خوفِ خدا عزوجل اور اس سے حیاء کے سبب نہیں کرتا۔

(۴) ریاء بالاصحاب:

اسی طرح دوستوں اور ملاقات کے لئے آنے والوں کے ذریعے بھی ریا کاری ہو سکتی ہے جیسے کوئی کسی عالم، امیر یا نیک صالح بندے سے اپنے ہاں آنے کی تمنا کرے اور اس سے اس کی رفعت اور بزرگوں کا اس سے برکت حاصل کرنے کا گمان پیدا ہو اور اسی طرح کوئی شخص دوسروں کے سامنے فخر کرتے ہوئے کہے کہ وہ بہت سے شیوخ سے ملا ہے۔

یہ صورت ریا کاری کے ان ابواب کا مجموعہ ہے جو جاہ و منزلت اور شہرت کے حصول پر اُبھارتا ہے تا کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور ساری دنیا کا مال و متاع اس کے پاس جمع ہو۔

ہوتو وہ دونوں راستوں سے جدا ہو جاتا ہے (یعنی نہ ریا کاری رہتی ہے اور نہ نفاق کا خطرہ) اور وہ کسی چیز میں گرفتار نہیں رہتا۔

ایک دن ماوراء النہر میں ایک ملامتی سے ملاقات ہوئی جب وہ خوش ہوا تو اسی لحہ میں نے پوچھا اے بھائی! ان افعالِ بد سے تیری کیا مراد ہے؟ اس نے جواب دیا لوگوں سے گلوخلاصی چونکہ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ مخلوق تو بہت ہے اور تیری عمر تھوڑی ہے ان سب سے اپنا پیچھا چھڑانا دشوار ہے اگر تو خلقت سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو ان سب کو چھوڑ دے تا کہ ان سب کی مصروفیتوں سے خود کو محفوظ رکھ سکے۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو خلقت میں مشغول ہوتے ہوئے بھی سمجھتا ہے کہ لوگ خود ہی ان کی طرف متوجہ ہیں اور کوئی تجھ کو نہیں دیکھتا اب تو خود اپنے آپ کو مت دیکھ جب تیرے حال پر مصیبت تیری اپنی ہی نظر سے ہے تو تجھے غیر سے کیا سروکار اگر کسی کو پرہیز سے شفا حاصل ہو جائے تو مداوائے غذائی حاصل کرنا مردانگی نہیں ہے۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ریاضت کے لیے نفس کو ملامت کرتا ہے تا کہ خلقت میں رسوائی سے یا پھٹے کپڑوں میں ہونے کی ذلت سے ان کا نفس ادب سیکھے اس سے وہ داد کے خواہش مند ہوتے ہیں کیونکہ اس سے وہ بہت خوش ہوتے ہیں جن میں نفس کی خواری اور رسوائی پائیں۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کبھی آپ نے اپنے مقصد میں کامیابی دیکھی ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں دو مرتبہ ایک اس وقت جب میں کشتی میں سوار تھا اور کسی نے مجھے نہیں پہچانا کیونکہ میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور بال بھی بڑھ گئے تھے ایسی حالت تھی کہ کشتی کے تمام سوار میرا مذاق اڑا رہے تھے ان میں ایک مسخرہ اتنا جری تھا کہ وہ میرے پاس آ کر سر کے بال نوچنے لگا اور میرا مذاق اڑانے لگا اس وقت میں نے اپنی مراد پائی اور اس خراب لباس اور شکستہ حالی میں مسرت محسوس ہوئی یہاں تک کہ میری یہ مسرت بایں سبب انتہا کو پہنچی کہ ہو مسخرہ اٹھا اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ میں ایک گاؤں میں تھا اور وہاں شدید بارش ہوئی سردی کا موسم تھا گدڑی بھیگ گئی اور ٹھنڈک نے بے حال کر دیا میں نے مسجد کی طرف رخ کیا لوگوں نے وہاں ٹھہرنے نہیں دیا دوسری مسجد کی طرف گیا وہاں بھی امان نہ ملی پھر تیسری مسجد کی طرف گیا وہاں بھی یہی سلوک ہوا سردی میری قوتِ برداشت سے باہر ہوگئی آخر کار میں حمام کی بھٹی کے آگے آیا اور اپنے دامن کو آگ پر پھیلا دیا اس کے

دھوئیں سے میرے کپڑے اور چہرہ سیاہ ہو گیا اس رات بھی میں اپنی مراد کو پہنچا۔

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے بھی ایک مشکل درپیش آئی میں نے اس مشکل سے خلاصی پانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اس سے قبل بھی مجھ پر ایسی ہی مشکل پڑی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی تھی اور میری وہ مشکل آسان ہوگئی تھی (16) اس مرتبہ بھی میں نے ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں بالآخر تین ماہ تک مزار مبارک پر چلہ کشی کی تاکہ میری یہ مشکل حل ہو جائے ہر روز تین مرتبہ غسل اور تیس مرتبہ وضو کرتا۔ اس امید پر کہ مشکل آسان ہو مگر پریشانی دور نہ ہوئی تو خراسان کے سفر کا ارادہ کیا۔

اس ولایت میں ایک رات ایک گاؤں میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت فروکش تھی میرے جسم پر کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی مسافروں کی مانند میرے ساتھ کچھ سامان نہ تھا صرف ایک لاٹھی اور لوٹا تھا اس جماعت نے مجھے حقارت کی نظر سے دیکھا اور کسی نے مجھے نہ پہچانا وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق باہم گفتگو کرتے اور کہتے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ درست بھی تھا کہ میں ان میں سے نہیں تھا لیکن مجھے چونکہ وہاں رات گزارنی ضروری تھی گنجائش نہ ہونے کے باوجود میں ٹھہر گیا اور انہوں نے مجھے دریچہ میں بٹھا دیا اور وہ لوگ اس سے اونچی چھت پر چلے گئے میں زمین پر رہا

شرح (16): علامہ احمد بن محمد شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی و امام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ سے اس معنی کی تائید میں نقل فرماتے ہیں:

ولذا قیل اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اصحاب القبور الا انہ لیس بحدیث کما توھم ولذا اتفق الناس علی زیارۃ مشاھد السلف والتوسل بھم الی اللہ وان انکرہ بعض الملاحدۃ فی عصرنا والمشتکی الیہ ھو اللہ۔

(عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی (حاشیۃ الشھاب علی البیضاوی) تحت الآیۃ ۷۹/۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۹/۳۹۹)

یعنی اس لئے کہا گیا کہ جب تم کاموں میں متحیر ہو تو مزارات اولیاء سے مدد مانگو۔ مگر یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض کو وہم ہوا۔ اور اسی لئے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اگرچہ ہمارے زمانے میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے۔

انہوں نے میرے آگے ایک سوکھی اور پھپھوندی لگی ہوئی روٹی ڈال دی میں ان خوشبوؤں کو سونگھ رہا تھا جو وہ لوگ خود کھا رہے تھے وہ لوگ مجھ پر برابر آوازیں کس رہے تھے جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزے کھانے لگے اور دل لگی سے اس کے چھلکے میرے سر پر پھینک کر میری تحقیر وتوہین کرتے رہے اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ خداوندا، اگر میں تیرے محبوبوں کا لباس پہننے والوں میں سے نہ ہوتا تو میں ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجاتا پھر جتنی بھی مجھ پر ان کی طعن و تشنیع زیادہ ہوتی رہی میرا دل مسرور ہوتا گیا (17) یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری مشکل حل ہوگئی اس وقت مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مشائخ کرام جاہل لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں گوارہ کرتے ہیں اور کیوں ان کی سختیاں جھیلتے ہیں یہ ہیں کامل تحقیق کے ساتھ ملامت کے احکام وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆

شرح (17): اخلاص اسے کہتے ہیں کہ ہر عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، نہ لوگوں کی تعریف وتوصیف کی خواہش ہو اور نہ ہی مذمّت وبرائی کی پرواہ ہو۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لو! کہ ریاکاری لوگوں کی (طرف سے اپنی) تعظیم وتوقیر (کی خواہش رکھنے کی وجہ) سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تُو تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کے سامنے مُسخّر خیال کرے اور یہ گمان کرلے کہ انھیں جمادات کی طرح نفع، نقصان پہنچانے میں (سوائے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے) کوئی اختیار نہیں۔ اور جب تک تم ایسا نہیں کروگے، تمھیں ریاکاری جیسی خطرناک اور بُری بیماری سے نجات نہیں مل سکتی۔

باب 7:

صحابہ کرام میں اہلِ طریقت کے مشائخ عظام

اب میں ان ائمہ کرام کے احوال کا کچھ تذکرہ کرتا ہوں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مشائخ عظام کے پیش روِ طریقت اور ذات وصفات اور احوال میں ان کے امام وقائد ہیں جن کا مرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہے جو اولین سابقین اور مہاجرین وانصار میں سے ہیں ہمارے اور تمہارے۔

تذکرۂ خلفائے راشدین

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

صحابہ کرام میں سے شیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الانام علیہم السلام خلیفہ وامام تارکین دنیا کے سردار، صاحبان خلوت کے شہنشاہ آفاتِ دنیاوی سے پاک وصاف، امیر المومنین سیدنا ابوبکر عبداللہ بن عثمان بن ابی قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہیں۔ اور معاملات وحقائق میں آپ کے نشانات ودلائل واضح ہیں تصوف کے سلسلہ میں آپ کے کچھ حالات کتابوں میں مذکور ہیں مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ اور صاحبان علم وعرفان میں آپ کو مقدم رکھا ہے چونکہ آپ کی مرویات بہت کم ہیں اسی طرح حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اربابِ مجاہدہ میں مقدم رکھا ہے کیونکہ آپ کے معاملات اور حق پر صلابت، صحیح روایتوں میں مرقوم اور اہل علم کے درمیان معروف ہیں چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رات میں تلاوتِ قرآن کریم نماز میں کرتے تو نرم وآہستہ آواز میں کرتے اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے کرتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کس وجہ سے نرم وآہستہ آواز میں تلاوت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ''اسمع من اناجیه'' جس سے مناجات کرتا ہوں وہ خوب سنتا ہے چونکہ میں جانتا ہوں وہ مجھ سے دور نہیں ہے اور اس کی سماعت کے لیے نرم یا بلند آواز سے پڑھنا دونوں برابر ہیں (1) اور

شرح (1): یعنی رب تعالیٰ کو سنانا مقصود تھا وہ تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے فرماتا ہے: فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى پھر جہر کی کیا حاجت۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کیا: **اوقظ الوسنان ای النائم و اطرد الشیطان** سوتے ہوئے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں (2) یہ مجاہدے کی علامت ہے (3) اور وہ مشاہدے کا نشان مجاہدے کا مقام مشاہدے کے پہلو میں ایسا ہے جیسے قطرہ دریا میں یہ اس لیے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**ھل انت الاحسنة من حسنات ابی بکر**" اے عمر! تم ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہو (4) جب کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بطلِ جلیل جن سے اسلام کو عزت و رفعت ملی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں تو غور کرو کہ سارے جہان کے لوگ کس درجہ میں ہوں گے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **دار نافانیته واحوالنا عارية وانفاسنا معدودة و کسلنا موجودة** ہمارا گھر فانی ہے، ہمارے احوال عاری ہیں، ہمارے سارے سانس گنتی کے ہیں اور سستی و کاہلی موجودہ ظاہر ہے لہٰذا فانی گھر کی تعمیر کرنا جہالت، عاریتی حال پر اعتماد کرنا نادانی، گنتی کے سانسوں پر دل لگانا غفلت اور کاہلی کو دین سمجھ لینا سراسر نقصان و خسارہ ہے اس لیے کہ جو چیز عاریۃً لی جاتی ہے اسے واپس کرنا ہوتا ہے (5) اور جو چیز واپس جانے والی ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی اور جو چیز گنتی میں

شرح (2): یعنی میں تہجد میں رب تعالیٰ کو سنانے کے علاوہ دو کام اور بھی کر رہا تھا سوتوں کو جگانا کہ میری آواز سن کر جاگ جاویں اور وہ بھی تہجد پڑھ لیں اور شیطان کو بھگانا کہ جہر کی برکت سے شیطان مجھے وسوسہ نہ دے سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اذان کی طرح قرآن کریم کی آواز سے بھی بھاگتا ہے۔ یہ حدیث ذکر بالجہر کرنے والے صوفیاء کی بھی دلیل ہے اور ذکر خفی والوں کی بھی دونوں اللہ کے پیارے ہیں نیت سب کی بخیر ہے۔ یعنی ابوبکر صدیق تہجد میں قرأت نہایت آہستہ کر رہے تھے اور حضرت فاروق خوب اونچی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدیق پر طریقت کا غلبہ ہے اور حضرت فاروق اعظم پر شریعت کا غلبہ۔

شرح (3): سنن ابوداؤد، باب رفع الصوت بالقرأۃ فی صلوٰۃ اللیل، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸۸

شرح (4): مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۸، ص ۲۸۶۔۲۸۶

شرح (5): سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ یعنی دُنیا کی مَحَبَّت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ (کتاب ذم الدنیا مع موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا ج ۵ ص ۲۲ حدیث ۹) صد کروڑ افسوس! جنّت کی لازوال نعمتوں کے حُصُول کیلئے معمولی سی گھریلو آسائشیں چھوڑ کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آئے وہ محدود ہوتی ہے اور سستی وکاہلی کا تو کوئی علاج ہی نہیں اس ارشاد میں آپ نے ہمیں تلقین فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے اس کے جانے کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے اور نہ اس کی خاطر اس سے دل لگانا چاہیے کیونکہ جب تم فانی سے دل لگاؤ گے تو باقی سے پوشیدہ اور حجاب میں رہ جاؤ گے (6) حالانکہ یہ دنیا اور یہ نفس، طالب حق اور اس کے محبوبوں کے لیے حجاب و پردہ ہے وہ دونوں سے اجتناب کرتے ہیں جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان سب عارضی اور عاریت کی چیزیں ہیں ان کو اپنی ملک سمجھ کر ان میں مالکِ حقیقی کی اجازت اور اس کی منشاء کے خلاف تصرف کرنا کتنی نادانی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے کہ **اللھم ابسط لی الدنیا وزھدنی عنھا** اے خدا دنیا کو میرے لیے کشادہ فرما لیکن مجھے اس میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھ دنیا کی فراخی کی دعا کے بعد اس سے محفوظ رکھنے کی التجا میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ دنیا دے تا کہ شکر بجالاؤں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فقط چند دن کے لئے بھی سنّتوں کی تربیّت کی خاطر راہِ خدا عزّ وجل میں سفر کے لئے آج ہم تیار نہیں ہوتے جبکہ فانی دنیا کی عارِضی دولت کمانے کیلئے اپنے گھر والوں سے برسہا برس کے لئے ہزاروں میل دُور جانے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کی دینی اعتِبار سے بربادی اور غیر مسلموں کا ان پر حاوی ہونا، مسجِدوں کی وِیرانی، سینما گھروں اور عیش ونَشاط کے اڈّوں کی آبادی، فِرَنگی تہذیب کی یلغار، مغرِبی فیشن کی بھر مار، فلمیں ڈرامے دیکھنے کیلئے گھر گھر ٹی وی، کیبل سسٹم، انٹرنیٹ اور وی سی آر، ہر طرف گناہوں کا گرم بازار اور مسلمانوں کی بھاری اکثریَّت کا بگڑا ہوا کردار، یہ سب کچھ ہمیں پکار پکار کر دعوتِ فکر نہیں دے رہا کہ "ہمیں اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرنی ہے۔

شرح (6): صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسے فنائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں یعنی سالک اپنی ذات سے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے فنا ہو کر صرف اسی کو دیکھتا ہے اور دیگر لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے اور اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بندہ کیسے فنا ہوسکتا ہے؟ جبکہ اس کا سایہ اتنا لمبا ہے جتنا اس کا قد ہے اور وہ رات دن میں کئی کلو غلہ کھا جاتا ہے؟ اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے ان بزرگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن عارفین کے لئے شرط ہے کہ وہ جاہلوں کے مذاق کا نشانہ بنیں اور اسی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فرمان میں اشارہ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا کَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَکُوۡنَ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے۔ (پ 30 المطففین: 29)

پھر یہ توفیق دے کہ اسے تیری راہ میں اپنے ہاتھ سے خرچ کروں اور اپنا رخ تیری طرف پھیروں (7) تا کہ شکر اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ پاؤں اور مقامِ صبر بھی حاصل کروں تا کہ فقر میں پریشان نہ ہوں اور فقر پر میرا اختیار ہو اس مفہوم سے اس قول کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ فقرِ اختیاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے اگر اضطراری ہو تو یہ فقر کی صفت ہے اگر اختیاری ہو تو یہ فقر بندے کی صفت ہے جب اس کا عمل کششِ فقر سے منقطع ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ تکلف سے اپنا درجہ بنائے۔ (8)

شرح (7): اول یہ کہ آدمی سوچے کہ مال کے مقاصد کیا ہیں؟ اور میں کس لئے پیدا کیا گیا ہوں؟ اور مجھے دنیا میں مال جمع کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ عالم آخرت کے لئے بھی ذخیرہ جمع کرنا چاہے جب یہ خیال دل میں جم جائے گا تو پھر دل میں دنیا کی بے ثباتی اور عالم آخرت کا دھیان پیدا ہوگا اور ناگہاں دل میں ایک ایسا نور پیدا ہو جائے گا کہ دنیا سے اور دنیا کے مال واسباب سے بے رغبتی اور نفرت پیدا ہونے لگے گی پھر بخیلی اور کنجوسی کی بیماری خود بخود دفع ہو جائے گی اور جذبہ سخاوت اس طرح پیدا ہو جائے گا کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے اس کو لذت محسوس ہونے لگے گی۔

شرح (8): مالکِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا

یاد رہے کہ رحمتِ عالمیان، مالک دو جہان، ہادی انس و جان حضور نبیِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فقر (یعنی ظاہری مال واسباب کا کم ہونا) اضطراری نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا، آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فقر کو دنیاوی تونگری پر اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔ اور اس شخص کی تعریف فرمائی ہے جو کم مال پر قناعت کرے، جسے روزی بقدرِ ضرورت عطا کی گئی ہو لیکن ذوق وشوق کے ساتھ عبادت میں مصروف رہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فقر مبارک کے اختیاری ہونے پر کئی احادیث کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فقر کو خود اختیار فرمایا۔ چنانچہ،

اللہ عزوجل نے تو حدیث قدسی میں یہ ارشاد فرمایا: اِنْ شِئْتَ نَبِیًّا عَبْدًا اَوْاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِکًا ترجمہ: اگر آپ چاہو تو نبی عبد بن جاؤ اور اگر چاہو تو تمہیں بادشاہ نبی بنا دوں۔ یعنی اللہ عزوجل نے آپ کو فقر اور بادشاہی کے درمیان اختیار عطا فرمایا تھا مگر بیکسوں کے آقا، مکی مدنی مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فقر کو پسند فرمایا اور آپ کی دعا یہ ہوتی تھی:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صفتِ فقر کا اس وقت زیادہ ظہور ہوتا ہے جبکہ تونگری کی حالت میں اس کے دل پر فقر کا ارادہ ہو پھر وہ ایسا عمل کرے جو اسے ابنِ آدم کی محبوب چیزوں سے یعنی دنیاوی مال ومتاع سے دست کش کر دے نہ کہ فقر کی حالت میں اس کا دل تونگری کی خواہش سے بھرپور ہو اور ایسے عمل کا ارتکاب کرے جس کی بناء پر تونگروں، بادشاہوں اور درباریوں کے دروازوں پر جانا پڑے۔

صفتِ فقر تو یہ ہے کہ انسان تونگری چھوڑ کر فقر اختیار کرے نہ یہ کہ فقر میں مال ومنال اور جاہ وحشم کا طالب ہو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل ومقدم ہے (9)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

ترجمہ: اے اللہ عزوجل! مجھے مسکینی اور فقر کی حالت میں زندہ رکھ اور اسی حالت میں وفات دے اور مجھے بروزِ قیامت بھی مساکین کے گروہ میں اٹھانا۔

(جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین یدخلون الجنۃ.....الخ، الحدیث: ۲۳۵۲، ص۱۸۸۸)

شرح (9): حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفہ اول جانشین پیغمبر امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی عبداللہ ابوبکر آپ کی کنیت اور صدیق وعتیق آپ کا لقب ہے۔ آپ قریشی ہیں اور ساتویں پشت میں آپ کا شجرہ نسب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے خاندانی شجرہ سے مل جاتا ہے۔ آپ عام الفیل کے ڈھائی برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اس قدر جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد تمام اگلے اور پچھلے انسانوں میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور سفر و وطن کے تمام مشاہد واسلامی جہادوں میں مجاہدانہ کارناموں کے ساتھ شامل ہوئے اور صلح وجنگ کے تمام فیصلوں میں آپ شہنشاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وزیر ومشیر بن کر مراحلِ نبوت کے ہر ہر موڑ پر آپ کے رفیق وجاں نثار رہے۔ دو برس تین ماہ گیارہ دن مسند خلافت پر رونق افروز رہ کر ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ منگل کی رات وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور روضہ منورہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پہلوئے مقدس میں دفن ہوئے۔

اور یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے اور معنوی اعتبار سے مقدم ہو جائے کیونکہ آپ نے فقرِ اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم و افضل رکھا ہے یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔(10)

حضرت زہری رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں ارشاد فرمایا:(11)

شرح (10): سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلي اللہ تعالي عليه وسلم تشریف فرما تھے اور آپ ا کے پاس حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) بیٹھے ہوئے تھے ان پر ایک کمبل تھا جس کے دونوں پہلوؤں کو سینے پر ایک کانٹے (وغیرہ) سے ملا رکھا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلي اللہ تعالي عليه وسلم)! کیا وجہ ہے کہ میں حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) پر ایسا کمبل دیکھتا ہوں جسے کانٹے کے ذریعے جوڑ رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا انہوں نے اپنا مال فتح سے پہلے مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی آپ انہیں میری طرف سے سلام ارشاد فرمائیں اور ان سے فرمائیں کہ آپ کا رب (عزوجل) آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم (صلي اللہ تعالي عليه وسلم) حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا تم اس فقر کی حالت میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ راوی فرماتے ہیں (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) رو پڑے اور عرض کی کیا میں اپنے رب (عزوجل) سے ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب (عزوجل) سے راضی ہوں میں اپنے رب (عزوجل) سے راضی ہوں۔

(حلیۃ الاولیاء جلد ۷ ص ۱۰۵ ترجمہ ۳۸۷۰)

شرح (11): سیدنا ابوبکر صدیق رضی للہ عنہ کا خطبہ

موسیٰ بن عقبہ نے اپنی کتاب "مغازی" میں اور حاکم نے "مستدرک" میں سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی للہ عنہ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا واللہ مجھے دن رات میں کبھی امارت کا شوق نہیں ہوا نہ میں نے اس کی حرص کی نہ میں نے للہ سے اس کی ظاہر و باطن میں دعا مانگی حقیقت یہ ہے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں فتنہ نہ پیدا ہو جائے نہ مجھے خلافت میں کوئی راحت ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

والله ما كنت حريصا على الامارة يوما ولا ليلة ولا كنت فيها راغبا۔ ولا سألتها الله قط فى سر وعلانية ومالى فى الامارة من راحة

''خدا کی قسم ایک دن یا ایک رات کے لیے بھی میں امارت کا خواہاں نہیں ہوا اور نہ مجھے اس کی رغبت ہے اور نہ ظاہر و باطن میں خدا سے اس کا سوال کیا ہے اور نہ میرے لیے امارت میں راحت ہے۔''

اللہ تعالیٰ جب بندہ کو کمال صدق پر فائز کرتا اور عزت و منزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندہ صادق منتظر رہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے جیسا بھی اس پر حکم وارد ہوتا ہے وہ اس پر قائم رہتا ہے اس میں وہ اپنے تصرف و اختیار کو کام میں نہیں لاتا یہی صورتِ حال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی آپ نے ابتداء میں بھی ویسی ہی تسلیم و رضا کو اختیار فرمایا جس طرح انتہا میں اختیار فرمایا۔ صوفیاء کرام نے ترک دنیا اور حرص و منزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترکِ ریاست کی تمنا کو اس لیے پسند کیا کہ دین میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے امامِ عام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیا کے امام خاص۔

(۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

دوسرے خلیفہ راشد، سرہنگ اہل ایمان، مقتدائے اہل احسان، امام اہل تحقیق، دریائے محبت کے غریق سیدنا ابو حفص عمر بن الخطاب ہیں آپ کے فضائل و کرامات اور فراست و دانائی مشہور و معروف ہیں آپ فراست و صلابت کے ساتھ مخصوص ہیں طریقت میں آپ کے متعدد لطائف و دقائق ہیں اسی معنیٰ و مراد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ (ابن ماجہ) حق عمر کی زبان پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مجھے ایک بہت بڑا کام سپرد کیا گیا ہے اور میرے کندھوں پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے مگر مجھے اللہ کی طاقت اور قوت پر پورا بھروسہ ہے یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں خوب زیادہ ندامت ہے کہ ہم مشورہ خلافت میں کیوں شریک نہیں تھے حالانکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ غار میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں آپ رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمایا تھا۔

بولتا ہے۔ [12] یہ بھی فرمایا کہ قَدْ كَانَ فِي الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُ مِنْهُمْ فِي أُمَّتِي فَعُمَرُ (بخاری شریف) گزشتہ امتوں میں محدثین گزرے ہیں اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ [13] طریقت کے بکثرت رموز ولطائف آپ سے مروی ہیں اس کتاب میں ان سب کا جمع کرنا دشوار ہے البتہ ان میں سے ایک یہ ہے آپ نے فرمایا: العزلة راحة من خلفاء السوء بدوں کی ہمنشینی سے گوشہ نشینی میں چین وراحت ہے۔ [14]

شرح (12): (ترمذی کتاب المناقب، ج۵، ص ۳۸۳) (ابن ماجہ حدیث ۱۰۸)

شرح (13): (صحیح البخاری مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۱) (جامع الترمذی مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امین کمپنی مکتبہ رشیدیہ دہلی ۲ / ۲۱۰)

شرح (14): صحبت ومجلس کے انمول نگینے

پیارے بھائیو!

صحبت کے متعلق مختصر مضمون تحریر ہوا اب آخر میں صحبت کے ساتھ ساتھ مجلس واجتماع کے بارے میں بھی کچھ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ صحبت اور مجلس دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں کہ جب کسی کی صحبت اپنائے گا تو اس کے ساتھ مجلس ضرور ہوگی، لہٰذا اس سلسلے میں یعنی صحبت ومجلس دونوں کے متعلق یہاں کچھ روایات جمع کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

(۱) بے شک اللہ تعالیٰ صالح مسلمان کی وجہ سے اس کے پڑوسیوں سے سو گھر والوں کی بلاء ومصیبت سے حفاظت فرماتا ہے۔ (المعجم الاوسط، الحدیث: ۴۰۸۰، ج ۳، ص ۱۲۹)

(۲) رضائے الٰہی کے لئے ملاقات کر کیونکہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے ملاقات کی تو ستر ہزار فرشتے اسے منزل تک پہنچانے ساتھ جاتے ہیں۔ (کشف الخفا، حرف الزای، الحدیث: ۱۴۱۱، ج ۱، ص ۳۸۷)

(۳) جب تو اپنے بھائی میں تین خصلتیں دیکھے تو اس سے امید رکھ (وہ تین چیزیں یہ ہیں) حیاء، امانت، سچائی اور جب تو (ان تین چیزوں) کو نہ دیکھے تو اس سے امید نہ رکھ۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال، رشدین بن کریب، ج ۴، ص ۶۵۔ کنز العمال، کتاب الصحبۃ، قسم الاقوال، الباب الثانی فی آداب الصحبۃ...الخ، الحدیث: ۲۴۷۵۰، ج ۹، ص ۱۳)

(۴) تیرا مصاحب وساتھی نہ ہو مگر مومن اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر متقی پرہیز گار۔

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب من یؤمر ان یجالس، الحدیث ۴۸۳۲، ج ۴، ص ۳۴۱) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گوشہ نشینی کے دو طریق:

گوشہ نشینی (15) دو طریقہ سے ہوتی ہے ایک خلقت سے کنارہ کشی کرنے پر، دوسرے ان سے تعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۵) تنہائی بہتر ہے برے ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے تنہائی سے اور اچھی بات بولنا بہتر ہے خاموشی سے اور خاموشی بہتر ہے بری بات بولنے سے۔

(شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، فصل فی السکوت عما لایعنیہ، الحدیث ۴۹۹۳، ج ۴، ص ۲۵۶ تا ۲۵۷)

(۶) بہت سے جاہل عابد ہیں اور بہت سے فاجر عالم ہیں پس تم جاہل عابدوں اور فاجر عالموں سے بچو۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال، محفوظ بن بحر الانطاکی، ۲۹۶/ ۱۹۱۷، ج ۸، ص ۱۹۵)

(۷) تو بُرے ساتھی سے بچ کیونکہ تو اس کے ساتھ پہچانا جائے گا۔

(کنز العمال، کتاب الصحبۃ، قسم الاقوال، الباب الثالث فی الترہیب عن صحبۃ السوء، الحدیث: ۲۴۸۳۹، ج ۹، ص ۱۹)

(۸) تو بُرے ساتھی سے بچ کیونکہ وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے اس کی محبت تجھے فائدہ نہیں پہنچائے گی اور وہ اپنا عہد تجھ سے وفا نہیں کریگا۔ (فردوس الاخبار، الحدیث: ۱۵۷۳، ج ۱، ص ۲۲۴)

(۹) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک لوگوں میں زیادہ محبوب وہ ہے جو میرے عُیوب مجھ پر پیش کرے۔ (الطبقات الکبری، ذکر استخلاف عمر رحمہ اللہ، ج ۳، ص ۲۲۲)

(۱۰) تم ہر عالم کے پاس مت بیٹھو مگر وہ عالم جو تمہیں پانچ (چیزوں) سے پانچ (چیزوں) کی طرف بلائے یعنی شک سے یقین کی طرف، غرور سے تواضع وانکساری کی طرف، دشمنی سے نصیحت وخیر خواہی کی طرف، ریاء، نمود ونمائش سے اخلاص کی طرف۔

شرح (15): گوشہ نشینی کا بیان

جان لیجئے! گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے گوشہ نشینی کو پسند کیا ہے اور اسے میل جول سے افضل قرار دیا ہے، ان علماء میں حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری، حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم، حضرت سیِّدُنا داؤد طائی، حضرت سیِّدُنا فضیل بن عیاض، حضرت سیِّدُنا سلیمان خواص، اور حضرت سیِّدُنا بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں، جب کہ اکثر تابعین نے میل جول کو پسند کیا ہے کیونکہ دوستوں کا بکثرت ہونا نیکی وتقوٰی کے کاموں میں معاون ہوتا ہے اور ان علماء نے اُخوت اور اُلفت کے بارے میں وارد ہونے والے نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منقطع کرنے سے۔ خلقت سے کنارہ کشی کی صورت یہ ہے کہ ان سے منہ موڑ کر خلوت میں بیٹھ جائے اور ہم جنسوں کی صحبت سے ظاہری طور پر بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیوب پر نگاہ رکھنے سے راحت پائے خود کو لوگوں کے ملنے جلنے سے بچائے اور اپنی برائیوں سے ان کو محفوظ رکھے اور دوسرا طریقہ یہ کہ خلقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں ایک شخص پیش کیا گیا جو پہاڑوں میں رہ کر عبادت کرنا چاہتا تھا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: نہ تم ایسا کرو اور نہ ہی تم میں سے کوئی دوسرا ایسا کرے کہ تمہارا اسلام کے بعض مقامات پر صبر کرنا چالیس سال تک (تنہا) عبادت کرنے سے افضل ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب حرف العین، الرقم ۲۰۵۲۔ عسعس بن سلامۃ التمیمی، ج ۳، ص ۳۰۹)

اور جنہوں نے گوشہ نشینی کو افضل قرار دیا ہے مثلاً حضرت سیِّدُنا فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو انہوں نے نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عامر جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نجات کیا ہے؟ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

لِیَسْعَکَ بَیْتُکَ، وَاَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ، وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ۔

ترجمہ: تمہیں اپنا گھر کافی ہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔

(جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، الحدیث ۲۴۰۶، ص ۱۸۹۳ بتغیر)

گوشہ نشینی کے فوائد و نقصانات اور اس کی فضیلت کا واضح بیان

جان لیجئے! اس معاملہ میں اختلاف لوگوں کے مختلف ہونے کی بنیاد پر ہے۔

فوائد: گوشہ نشینی اختیار کرنے سے عبادت پر پابندی اور علمی تربیت ہوتی ہے اور انسان کو میل جول کی وجہ سے سرزد ہونے والے گناہوں سے نجات ملتی ہے جیسے ریا، اور غیبت میں مبتلا ہونا، نیکی کا حکم نہ دینا، اور برائی سے منع نہ کرنا کو چھوڑنا اور طبیعت میں برے اخلاق کا آنا وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح آدمی صنعت و حرفت کے معاملے میں دنیاوی مصالح کے لئے فارغ ہو جاتا ہے۔

پہلا فائدہ: انسان عبادت، غور و فکر، اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے محبت، اس کی بارگاہ میں مناجات اور کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ ہونے کے لئے فارغ ہو جاتا ہے اور یہ چیز گوشہ نشینی اور مخلوق سے جدائی اختیار کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں، اسی بنا پر بعض حکماء کا قول ہے کہ گوشہ نشینی پر وہی شخص قادر ہو سکتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے تعلق منقطع کرے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے دل کی کیفیت یہ ہو جائے کہ وہ ظاہر سے کوئی علاقہ نہ رکھے۔ جب کسی کا دل خلق سے منقطع ہو جاتا ہے تو اسے کسی مخلوق کا اندیشہ نہیں رہتا اور اسے کوئی خطرہ نہیں رہتا کہ کوئی اس کے دل پر غلبہ پا سکے گا اس وقت ایسا شخص اگرچہ خلقت کے درمیان ہوتا ہے لیکن وہ خلقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی کتاب سے اُنس رکھتا ہے اور جو لوگ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں وہی ذکر خداوندی کی وجہ سے دنیا میں آرام پاتے ہیں اور ذکر الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کرنے والے ذکر کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور اسی کے ذکر پر فوت ہوتے ہیں اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے ڈرتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں سے میل جول ان کے لئے ذکر اور فکر میں رکاوٹ بنتا ہے، اسی لئے نبیِٔ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ابتداءً غارِ حرا میں سب سے الگ ہو کر گوشہ نشینی فرماتے تھے۔

جب آدمی خلوت پر مداومت اختیار کر لیتا ہے تو حضرت سیّدُنا جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق اس کے معاملہ کی انتہاء اس مقام پر ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں تیس سال سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ہم کلام ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے گفتگو کر رہا ہوں۔

کسی (گوشہ نشین) سے کہا گیا: تجھے تنہا رہنے پر کس چیز نے ابھارا؟ اس نے جواب دیا: میں تنہا نہیں ہوں بلکہ میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ہم نشین ہوں جب میں چاہتا ہوں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ مجھ سے ہم کلام ہو تو میں اس کی کتاب کو پڑھتا ہوں اور جب میں اس سے ہم کلام ہونا چاہتا ہوں تو نماز پڑھتا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت سیّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس حضرت سیّدُنا ہَرِم بن حیان حاضر ہوئے آپ نے ان سے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: میں آپ سے اُنس حاصل کرنے آیا ہوں۔ حضرت سیّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی معرفت بھی رکھتا ہو اور پھر کسی دوسرے سے اُنس حاصل کرے۔

حضرت سیّدُنا فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب میں رات ہوتے دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اب میں اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں خلوت اختیار کروں گا اور جب دن نکلتے دیکھتا ہوں تو لوگوں سے ملاقات کو ناپسند جاننے کی وجہ سے وحشت محسوس کرتا ہوں کہ اب وہ چیز آ رہی ہے جو مجھے میرے رب عَزَّ وَجَلَّ کی یاد سے غافل کر دے گی۔

حضرت سیّدُنا مالک بن دینار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے جدا ہوتا ہے اور اس کے ارادے ان سے منفرد ہوتے ہیں یہ درجہ اگرچہ بہت بلند ہے لیکن بعید از قیاس نہیں مگر یہی طریقہ سیدھا اور مستقیم ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی مقام پر فائز تھے ظاہر میں تو سریر آرائے خلافت اور خلقت میں ملے جلے نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں آپ کا دل عزلت وتنہائی سے راحت پاتا تھا یہ دلیل واضح ہے کہ اہلِ باطن اگرچہ بظاہر خلق کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہیں لیکن ان کا دل حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے اور جس قدر وقت خلق سے ملنے جلنے میں صرف ہوتا وہ اسے حق کی جانب سے بلاء وامتحان شمار کرتے ہیں وہ خلق کی ہم نشینی سے حق تعالیٰ کی طرف بھاگتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا خدا کے محبوبوں کے لیے ہرگز پاک وصاف نہیں ہوتی (16)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مخلوق سے گفتگو کے سبب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ہم کلامی سے مانوس نہیں ہوتا وہ کم عمل اور دل کا اندھا ہے اور اس نے اپنی عمر ضائع کر دی۔

دوسرا فائدہ: گوشہ نشینی کی وجہ سے انسان ان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے جو عموماً میل جول کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً غیبت اور ریاکاری میں مبتلا ہونا، نیکی کا حکم نہ دینا اور نہ ہی برائی سے منع کرنا اور ان سب کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلق طور پر یہ حکم لگانا ناممکن ہے کہ گوشہ نشینی اور میل جول میں سے ایک بہتر ہے کیونکہ یہ لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور ان میں حالتِ اعتدال ہی بہتر ہے کہ انسان اس قدر تنہا نہ ہو جائے کہ میل جول سے حاصل ہونے والے فوائد کھو دے اور نہ ہی لوگوں سے اس قدر بے تکلف ہو جائے کہ تنہائی کے فوائد ضائع کر دے اور گوشہ نشینی سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے شر سے لوگوں کو دور رکھے اور مکمل طور پر اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو اور لمبی امیدیں نہ باندھے پس لمبی امیدیں نہ باندھنے کی وجہ سے اس کا نفس پر امن رہے گا اور تنہائی کے ذریعے جہاد اکبر کی نیت کرے اور اس سے مراد نفس سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ارشاد فرمایا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ ترجمہ: ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس بات کو سمجھ لو فائدہ ہوگا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

شرح (16): اسی لئے دنیا محبوبانِ خدا سے دور رکھی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ دنیا کو اپنے محبوب سے ایسا دور فرماتا ہے جیسے بلا تشبیہ بیمار بچے کو اس سے مضر (یعنی نقصان دہ) چیزوں سے ماں دور رکھتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ احوالِ دنیا مکدر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**دار اسست وعلی البلوٰی بلا بلوٰی محال**" دنیا ایسا گھر ہے جس کی بنیاد بلاؤں پر رکھی گئی ہے محال ہے کہ بغیر بلا کے وہ رہ سکے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص صحابہ میں سے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں آپ کے تمام افعال مقبول ہیں حتیٰ کہ ابتداً جب مشرف باسلام ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: **قد استبشر یا محمد اہل السمآء باسلام عمر** یارسول اللہ آسمان والے آج عمر کے مشرف باسلام ہونے پر بشارت وتہنیت دیتے ہیں اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ (17)

صوفیاء کرام گدڑی پہنتے اور دین میں صلابت وسختی اختیار کرنے میں آپ کی پیروی کرتے ہیں اس لیے کہ آپ تمام امور میں سارے جہان کے امام ہیں۔

(۳) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ:

تیسرے خلیفہ راشد، مخزن حیاء اعبد اہل صفا، متعلق بدرگاہِ رضا، متحلّی بطریق مصطفی، سیدنا ابوعمر عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہر لحاظ سے آپ کے فضائل واضح اور آپ کے مناقب ظاہر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہم امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے بلوائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَيَدْعُ الْاِنْسٰنُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسٰنُ عَجُوْلًا ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور آدمی برائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور آدمی بڑا جلد باز ہے

آدمی اپنے منہ برائی مانگتا ہے جس طرح کہ اپنے لیے بھلائی مانگتا ہے۔ اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) جانتا ہے کہ اس میں کتنا ضرر ہے یہ دعا مانگتا ہے اور وہ نہیں دیتا۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۱)

(پھر فرمایا) ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے کافروں کا الٹے گھلے شہروں میں پھرنا یہ تھوڑی پونجی ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بُرا ٹھکانہ ہے۔ (پ ۴، ال عمران: ۱۹۶، ۱۹۷)

شرح (17): سنن ابن ماجہ، مقدمہ، حدیث ۱۰۳

جب دروازے کے سامنے جمع ہوگئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھالیے آپ نے فرمایا جو ہتھیار نہ اٹھائے وہ میری غلامی سے آزاد ہے راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے خوف کے سبب باہر نکل آئے اثنائے راہ میں حضرت امام حسن ابن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما آتے ہوئے ملے ہم ان کے ہمراہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے تاکہ دیکھیں امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کیا کرتے ہیں جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو سلام عرض کیا پھر بلوائیوں کی حرکت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا، اے امیر المومنین، میں آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار بے نیام نہیں کرسکتا آپ امام برحق ہیں آپ حکم دیجئے تاکہ آپ سے اس قوم کو دور کروں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

یا ابن اخی ارجع واجلس فی بیتك حتیٰ یاتی اللہ بامرہ فلا حاجۃ لنا فی اھراق الدماء

"اے میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کے فرزند جاؤ اپنے گھر آرام کرو یہاں تک کہ اللہ کا کوئی حکم وارد ہو ہمارے لیے لوگوں کے خون بہانے کی ضرورت نہیں۔"

مقام خلت و دوستی میں، بلاو مصیبت (18) کے درمیان، تسلیم و رضا کی یہ روشن علامت ہے آپ کا یہ طرز عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس طرز عمل کے بالکل مماثل ہے جو ان سے آتش نمرود کی آزمائش کے وقت ظہور میں آیا تھا چنانچہ نمرود ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاتمہ کرنے کے لیے آگ جلائی اور ان کو گھوپھن (منجنیق) میں رکھا گیا تو جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا "**ھل لك من حاجۃ**" کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا: "**اما الیك فلا**" بندہ سراپا محتاج ہے لیکن تم سے کوئی حاجت نہیں جبریل علیہ السلام نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے، فرمایا "**حسبی من سوالی علمہ بحالی**" حق تعالیٰ میرے سوال سے بے نیاز ہے وہ میری حالت کو جانتا ہے مطلب یہ کہ مجھے اپنا حال عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے وہ میرے

شرح (18): صبر کی حقیقت:

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی غوث صمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صبر یہ ہے کہ بلاو مصیبت کے وقت اللہ عزوجل کے ساتھ حسن ادب رکھے اور اُس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ (بہجۃ الاسرار، ذکر شیٔ من اجوبتہ ممایدل علی قدم راسخ، ص ۲۳۴)

معاملہ کو مجھ سے بہتر سمجھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ میری درستگی و صلاح کس چیز میں ہے۔ (19) حضرت عثمان ذوالنورین کا معاملہ بھی بالکل اسی کے مشابہ اور وہ حضرت خلیل علیہ السلام کو منجنیق میں رکھے جانے کے مقام پر تھے اور بلوائیوں کا اجتماع، آتش نمرود کے قائم مقام اور امام حسن مجتبیٰ، حضرت جبریل علیہ السلام کی جگہ تھے لیکن ان دونوں واقعہ میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بلا میں نجات ملی تھی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اس بلا میں شہید ہوئے تھے کیونکہ نجات کا تعلق بقا سے ہے (20) اور ہلاکت کا تعلق فنا سے فنا و بقا کا ذکر پہلے بیان کر چکے ہیں۔

الغرض صوفیاء کرام جو مال و جان خرچ کرتے ہیں اور بلاؤں میں تسلیم و رضا اور عبادت میں اخلاص برتتے ہیں، وہ سب انہیں کی اقتداء میں ہے۔ درحقیقت آپ حقیقت و شریعت کے امام برحق ہیں اور آپ کی طریقت میں تربیت یا تربیت درستی میں ظاہر ہے۔

(۴) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ:

چوتھے خلیفہ راشد، اخی مصطفی، غریق بحر بلا، حریقِ نار ولا، مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیاء، سیدنا ابوالحسن رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ طریقت میں آپ کی شان عظیم اور مقام رفیع ہے اصول حقائق کی تشریح و تعبیر میں آپ کو کمالِ دسترس حاصل تھی یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضیٰ** اصول و بلاء میں ہمارے رہنما و پیشوا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ علمِ طریقت اور اس کے معاملات میں ہمارے امام ہیں علم طریقت کو اہلِ طریقت اصول کہتے ہیں، معاملاتِ طریقت دراصل بلاؤں کا تحمل ہے۔

منقول ہے کہ کسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

لا تجعل اکبر شغلك باھلك وولدك فان یکن اھلك وولدك من اولیاء اللہ تعالیٰ فان اللہ لا یضیع اولیائه وان کانو اعداء اللہ فما ھمك وشغلك لا عداء سبحانه۔ ''اپنے اہل و

شرح (19): تفسیر صاوی، ج ۴، ص ۱۳۰۷، پ ۱۷، الانبیاء: ۶۸

شرح (20): اس واقعہ سے ان لوگوں کو تسلی ملتی ہے جو باطل کی طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹ جاتے ہیں۔

عیال سے انہماک تیرا سب سے مشغلہ نہ بن جائے اگر تیرے اہل وعیال اولیاء میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ دشمنِ خدا ہیں تو اس کے دشمن سے تجھے کیا سروکار؟''

یہ مسئلہ **من دون اللہ** سے دلی انقطاع وعلٰحدگی سے متعلق ہے وہ اپنے بندوں کو جیسا چاہتا ہے رکھتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر تھیں انتہائی نازک (دردِزہ) میں چھوڑ کر تسلیم ورضائے الٰہی اختیار فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ کر رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے انہوں نے ان کو اپنا سب سے بڑا مشغلہ نہ جانا اور ہمہ تن ہو کر دل کو حق سے واصل کر لیا بالآخر انہیں دونوں جہان میں سرفرازی حاصل ہوئی۔ (21)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک اور موقعہ پر کسی نے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: **غناء القلب باللہ تعالیٰ** اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل تونگر بنانا (22) جو دل خدا کے

شرح (21): میرے بھائیو! جلد از جلد گناہوں سے توبہ کر لو اور ان کے نقش قدم پر چلو جو بخشش پا گئے اور جنہوں نے اپنے آپ کو رضائے الٰہی عزوجل کے حصول میں تھکا دیا، کاش کہ تم انہیں راتوں کی تاریکیوں میں دیکھو کہ وہ عبادت میں مشغول ہوں گے اور اپنے رب عزوجل کی کتاب کی تلاوت کرتے ہوں گے اور جنہوں نے اپنی پیشانیاں اپنے رب عزوجل کے حضور جھکا دیں اور اپنی حاجات اس رب عزوجل کی بارگاہ میں پیش کر دیں۔

شرح (22): حضرت سَیِّدُنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: تمہارا گمان ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو، اگر تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے، تو اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دو کیونکہ میری محبت اور دنیا کی محبت ایک دل میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ اے داؤد (علیہ السلام)! مجھ سے خالص محبت کرو اور دنیا والوں سے میل جول رکھو، لیکن دین کے معاملے میں میری اطاعت کرو، لوگوں کی اطاعت نہ کرنا البتہ! ان کی جو بات میری محبت کے موافق ہو اسے اختیار کرو اور جو بات مشتبہ ہو تو اسے میرے حوالے کر دو، میرے ذمۂ کرم پر ہے کہ میں تمہارے امور کی تدبیر اور ان کی پختگی میں جلدی کروں، میں تمہارا قائد ورہنما بنوں، تمہیں بن مانگے عطا کروں اور مشکلات میں تمہاری مدد کروں۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ صرف اسی بندے کو ثواب عطا کروں گا، جس کے اِرادہ وطلب کو آزما لوں کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور مجھ سے بے نیازی اختیار نہیں کرتا، جب تم ایسے ہو جاؤ گے تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھ غنی ہوتا ہے اسے نہ تو دنیا کی نیستی پریشان کر سکتی ہے اور نہ دنیا کی ہستی خوش کر سکتی ہے درحقیقت یہ فقر و صفوت کی طرف لطیف اشارہ ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا اہلِ طریقت کو چاہیے کہ عبادات کے حقائق، اشارات کے دقائق، دنیا و آخرت کے مال سے انقطاع اور تقدیر الٰہی کے نظارہ میں آپ کی اقتداء کرے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں تم سے وحشت کو دور کر کے تمہارے دِل کو غنی کر دوں گا۔ (لباب الاحیاء صفحہ ۳۵۸)

باب 8:

ائمہ طریقت از اہل بیتِ اطہار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ بیت وہ حضرات ہیں کہ جن کی طہارت ازل سے مخصوص ہے[1] ان میں کا ہر فرد طریقت میں جامع و مکمل تھا[2] مشائخ طریقت اور صوفیاء کے ہر عام و خاص فرد کے یہ امام رہے ہیں ان میں چند حضرات کا مختصر تذکرہ کرتا ہوں:

شرح (1): اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے (پ ۲۲، الاحزاب: ۳۳)

یعنی گناہوں کی نجاست سے تم آلودہ نہ ہو۔ اس آیت سے اہلِ بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہلِ بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ازواجِ مطہرات اور حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہرا اور علیِ مرتضیٰ اور حسنینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب داخل ہیں، آیات و احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی حضرت امام ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، ان آیات میں اہلِ بیتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے پابند رہیں، گناہوں کو ناپاکی سے اور پرہیزگاری کو پاکی سے استعارہ فرمایا گیا کیونکہ گناہوں کا مرتکب ان سے ایسا ہی ملوث ہوتا ہے جیسا جسم نجاستوں سے۔ اس طرزِ کلام سے مقصود یہ ہے کہ اربابِ عقول کو گناہوں سے نفرت دلائی جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ترغیب دی جائے۔

شرح (2): مدنی آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر والے:

سب سے پہلے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء، حضرت سیدنا حسن اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کیا جاتا ہے جو اہل بیت اور حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ:

ائمہ اہلِ بیت اطہار میں سے جگر بند مصطفی، ریحان دلِ مرتضیٰ، قرۃ العین یدہ زہرا، ابو محمد سیدنا امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں (3) طریقت میں آپ کی نظر کامل اور تعبیرات حقائق میں اعلیٰ درجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ ایک دن حضور نبی پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اِن کے ہاں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: میرے دونوں بیٹے یعنی حضرات حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: آج جب ہم نے صبح کی تو ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں ان دونوں کو کہیں لے جاتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ یہ تیرے پاس (بھوک کی وجہ سے) روئیں گے اور تمہارے پاس انہیں کھلانے کو کچھ نہیں۔ پس وہ فلاں یہودی کی طرف گئے ہیں۔

توحضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم بھی اُدھر تشریف لے گئے، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دونوں شہزادے حوض میں کھیل رہے ہیں اور کچھ بچی ہوئی کھجوریں ان کے سامنے پڑی ہیں، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: اے علی! کیا میرے بیٹوں کو گرمی کی شدت سے پہلے پہلے گھر نہیں لے جاؤ گے؟ حضرت علی المرتضی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیم نے عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم آج جب ہم نے صبح کی تو ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا، اگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تھوڑی دیر بیٹھ جائیں تو میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے یہ بچی ہوئی کھجوریں چن لوں۔ پس حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تشریف فرما ہو گئے۔ اور حضرت علی المرتضی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیم نے بچی ہوئی کھجوریں اکھٹی کر کے ایک کپڑے میں جمع کیں پھر چل دیئے، ایک شہزادے کو حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اور دوسرے کو حضرت علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیم نے اٹھا لیا یہاں تک ان کو گھر پہنچا دیا۔ (المعجم الکبیر، ج ۲۲، ص ۴۲۲)

شرح (3): حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اکبر ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد اور لقب سبط پیمبر وریحانۃ الرسول ہے۔ ۱۵ رمضان ۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور آپ کے فضائل ومناقب میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ آپ نے تین مرتبہ اپنا آدھا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خیرات کردیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی دسترس حاصل تھی۔ (4) یہاں تک کہ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا:

علیکم بحفظ السرائر فان اللہ تعالیٰ مطلع علی الضمائر "تم اسرار ربانی کی حفاظت میں محکم رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ میں چالیس ہزار مسلمانوں نے آپ کے دست مبارک پر موت کی بیعت کر کے آپ کو امیر المؤمنین منتخب کیا لیکن آپ نے تقریباً چھ ماہ کے بعد جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرما کر خلافت ان کے سپرد فرما دی اور خود عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

اس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے جو غیب کی خبر دی تھی وہ ظاہر ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد نہ فرما دیتے تو ظاہر ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دونوں فوجوں کے درمیان بڑی ہی خونریز جنگ ہوتی جس سے ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو جاتے اور سلطنت اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا مگر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خیر پسند طبیعت اور نیک مزاجی کی بدولت مسلمانوں میں خونریزی کی نوبت نہیں آئی۔ ۵ ربیع الاول ۴۹ھ میں آپ بمقام مدینہ منورہ زہر خورانی کے باعث شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(الاکمال فی اسماء الرجال، حرف الحاء، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۰) (واسد الغابۃ، الحسن بن علی، ج ۲، ص ۱۵۔ ۲۲ ملتقطاً)

شرح (4): حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بوقتِ جانکنی بہت بے صبری و بے قراری ظاہر ہوئی تو حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ بھائی جان! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر گھبرا کیوں رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و حضرت علی و حضرت فاطمہ و حضرت خدیجہ و حضرت حمزہ و حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہت جلد ملاقات کرنے والے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بھائی! میں اِس وقت اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے امر میں داخل ہو رہا ہوں کہ میں کبھی اس میں داخل نہیں ہوا تھا، اور میں اِس وقت اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کے مثل کو کبھی میں نے دیکھا نہیں تھا۔ یہ الفاظ زبان مبارک سے نکلے اور ۵ ربیع الاول ۴۹ھ کو آپ نے وفات پائی۔

(تاریخ الخلفاء، ریحانۃ الرسول حسن بن علی رضی اللہ عنہ، ص ۱۵۲۔ ۱۵۳)

اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسرارِ ربانی کی حفاظت ایسی ہی کرتا ہے جس طرح دلوں کے بھیدوں کو وہ دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے لہٰذا حفظ اسرار یہ ہے کہ غیروں کی طرف متوجہ نہ ہو اور حفظ ضمائر یہ ہے کہ اس کے اظہار میں حیاء مانع ہو۔

علم طریقت کے حقائق و لطائف میں بلند مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب فرقہ قدریہ کو عروج ہوا اور معتزلہ کا مذہب پھیلا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بدیں مضمون خط لکھا:

بسم الله الرحمٰن الرحيم o السلام عليكم يا ابن رسول الله وقرة عينيه ورحمة الله وبركاته۔ اما بعد فانكم معاشر بنى هاشم كالفلك الجاريته فى بحر لجى ومصابيح الدجىٰ راعلام الهدٰى والائمة القادة الذين من تبعهمنجى كسفينة نوح المشحونته التى يؤل اليها المومنون وينجو فيها المتمسكون فماقولك يا ابن رسول الله ﷺ عند حيرتنا فى القدر واختلا فنا فى الا لستطاعة لتعلمنا بما تأكد عليه رأيك فانكم ذريته بعضها من بعض بعلم الله علمتم وهو الشاهد عليكم وانتم شهداء الله على الناس۔ والسلام

اللہ کے نام سے جو رحمن و مہربان ہے آپ پر خدا کا سلام اور اس کی رحمت و برکت ہو اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے فرزند اور ان کی چشمانِ مبارک کی راحت، آپ گروہ بنی ہاشم میں اس کشتی کی مانند ہیں جو گہرے واندھیرے سمندر میں چل رہی ہو آپ ہدایت کے روشن چراغ اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور آپ ان ائمہ دین کے سرخیل و قائد ہیں کہ جس نے ان کی پیروی کی وہ اس طرح نجات پائے گا جس طرح کشتیٔ نوح علیہ السلام میں سوار ہونے والے مسلمانوں نے نجات پائی اے فرزندِ رسول آپ کا کیا ارشاد ہے جو قدر و استطاعت (جبر و قدر) کے مسئلہ میں ہمیں پریشانی لاحق ہے (5) آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے بتایئے تاکہ اس مسئلہ میں ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی روش کیا ہے؟ کیونکہ آپ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو علم خصوصی سے نوازا ہے وہ آپ سب کا محافظ ہے اور

شرح (5): قَدریہ ایک فرقہ جو تقدیر کا اِنکار کرتا ہے۔ اور ان کے نزدیک بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا خود خالق ہے۔

جبریہ وہ فرقہ جو اپنے آپ کو مجبور محض سمجھتا ہے کہ جیسا لکھ دیا گیا ویسا ہی انسان کرنے پر مجبور ہے۔

آپ تمام لوگوں پر خدا کی طرف سے محافظ ونگہبان ہیں والسلام!

حضرت امام حسن مجتبیٰ سلام اللہ علیہ نے اس مضمون کا جواب مرحمت فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ اما بعد فقد انتھیٰ الی کتابك عند حیرتك وحیرہ من زعمت من امتنا والذی علیہ رائی ان من لم یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ فقد کفرو من حمل المعاصی علی اللہ فقد فجر، ان اللہ لا یطاع باکراہ ولا یعصی بغلبۃ ولا یھمل العباد فی ملکہ لکنہ المالك لما یملکھم والقادر علی ما علیہ قدرھم فان ایتم وابالطاعۃ لم یکن لھم اختیار ولالھم عنھا مشبعا، وان اتوا بالمعصیۃ وشاء ان یمن علیھم فیحول بینھم وبینھا فعل وان لم یفعل فلیس ھو عملھم علیھا اجبارا ولا الزمھم اکراھاً ایا ھا باحتجاجہ علیھم ان عرفھم ومکنھم وجعل لھم السبیل خذوا مادعاھم الیہ واترکوا مانھم عنہ واللہ الحجہ البالغہ۔ والسلام

اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے مکتوب تمہارا مجھے موصول ہوا جس میں تم نے اپنی اور امت کے دوسرے لوگوں کی پریشانی کا تذکرہ کیا ہے اس مسئلہ میں میری جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص نیک وبد اور تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اور جو اپنے گناہوں کا ذمہ دار خدا کو ٹھہراتا ہے وہ بے ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شتر بے مہار نہیں چھوڑا ہے نہ وہ جبراً اطاعت کراتا ہے اور نہ جبراً گناہ لیکن بندوں کی تمام ملکیتوں اور ان کی تمام قوت وطاقت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اگر بندوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوتا اور انہیں طاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا اور اگر بندے اس کی معصیت کریں اور خدا کی مشیت ان پر احسان کرنا چاہے تو ان کے اور ان کے گناہ کے درمیان کوئی فعل حائل کر دیتا ہے اب اگر وہ ارتکاب معاصی نہ کر سکیں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انہیں مجبور کر دیا تھا اور نہ جبر سے وہ فعل ان پر لازم کر دیا تھا یہ ان پر دلیل وحجت کے طور پر ہے اگر انہیں اس کی معرفت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہِ ہدایت بنا دی ہے لہٰذا جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے کرو اور جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچو اور اللہ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے۔ (6) والسلام

شرح (6): قضا وقدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے، ان میں زیادہ غور وفکر کرنا سببِ ہلاکت ہے، صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر توفیق مرحمت فرمائی ہے بندہ عمل میں اسی قدر مختار ہے ہمارا دین جبر وقدر کے درمیان ہے اگر چہ اس خط کے تمام مضمون سے ایک یہی جملہ ہمارا مقصود تھا لیکن فصاحت وبلاغتِ کلام کے اعتبار سے ہم نے پورا خط نقل کر دیا ہے اور یہ کہ تمہیں اندازہ ہو جائے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مجتبیٰ علم حقائق واصول میں کیسی مہارت تامہ رکھتے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کمالِ علم وفضل کے باوجود حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے علم وفضل کے مقابلے میں دسویں درجے پر تھے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے تحمل وبردباری کا اندازہ اسی واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز حضرت امام حسن مجتبیٰ کوفہ کے دار الخلافہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپ کو اور آپ کے والدین کو گالیاں دینا شروع کر دیں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے اس نے پھر کہا آپ ایسے ہیں اور آپ کے والدین ایسے ہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا طشت میں چاندی بھر کر لاؤ اور اسے دے دو پھر فرمایا اے دیہاتی ہمیں معذور سمجھنا گھر میں اس کے سوا کچھ اور نہ تھا ورنہ اس کے دینے سے انکار نہ ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ماوشما (ہم اور آپ) کس گنتی میں ...! اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مثلِ پتھر اور دیگر جمادات کے بے حس وحرکت نہیں پیدا کیا، بلکہ اس کو ایک نوع اختیار (ایک طرح کا اختیار) دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے، چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ بھلے، بُرے، نفع، نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیے ہیں، کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے اُسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اُس پر مؤاخذہ ہے۔ (فی منح الروض الأزہر، ص ۴۲۔ ۴۳)

اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا، دونوں گمراہی ہیں۔ (وفي الحديقة الندية، ج ۱، ص ۵۰۹)

بُرا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیتِ الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بُری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے، اسے منجانب اللہ کہے اور جو برائی سرزد ہو اُس کو شامتِ نفس تصوّر کرے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ

اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے

(پ ۵، النسآء: ۷۹)

جب دیہاتی نے آپ کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام مشائخ و اولیاء کی یہ صفت آپ کے اتباع میں ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی لوگوں کا برا بھلا کہنا برابر ہے اور ان کے ظلم و ستم اور سب و شتم سے وہ کوئی اثر نہیں لیتے۔

(۲) حضرت امام حسین گلگلوں قبا رضی اللہ عنہ:

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے شمعِ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام دنیاوی علائق سے پاک وصاف اپنے زمانہ کے امام و سردار، ابو عبد اللہ سیدنا امام حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں (7) آپ اہل ابتلا کے قبلہ و رہنما اور شہید دشتِ کرب و بلا ہیں اور تمام اہلِ طریقت آپ کے حال کی درستگی پر متفق ہیں اس لیے کہ جب تک حق ظاہر و غالب رہا آپ حق کے فرمانبردار رہے اور جب حق مغلوب و مفقود ہوا تو تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آئے اور جب تک راہِ خدا میں اپنی جان عزیز قربان نہ کر دی چین و آرام نہ لیا آپ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیشتر نشانیاں تھیں جن سے آپ مخصوص و مزین تھے چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ نے اپنی پشت مبارک پر سوار کر رکھا ہے ڈوری کا ایک حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا اور دوسرا حصہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کو چلاتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زانو کے ذریعہ چلتے رہے میں نے جب یہ حال دیکھا تو کہا: **نعم الجمل جملك يا ابا عبدالله** اے ابو عبد اللہ کتنی اچھی سواری ہے آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے فرمایا: **نعم الراکب یا عمر!** یہ سوار بھی تو کتنا عمدہ ہے۔ (8)

شرح (7): حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور نام نامی حسین اور لقب سبط الرسول و ریحانۃ الرسول ہے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ جمعہ کے دن کربلا کے میدان میں یزیدی ستم گاروں نے انتہائی بیدردی کے ساتھ آپ کو شہید کر دیا۔

(الاکمال فی اسماء الرجال، حرف الحاء، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۰)

شرح (8): سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی محمد الحسن... الخ، الحدیث ۳۸۰۹، ج ۵، ص ۴۳۲

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے طریقت میں بکثرت کلامِ لطیف اور اس کے رموز و معاملات منقول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا: اشفق الاخوان علیك دینك تمہارے لیے سب سے زیادہ رفیق و مہربان تمہارا دین ہے اس لیے کہ بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت، اس کی مخالفت میں ہے صاحبِ عقل و خرد وہی شخص ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے اور اس کی شفقت کو ملحوظ رکھے اور کسی حالت میں اس کی متابعت سے روگردانی نہ کرے برادر مشفق وہی ہوتا ہے جو اس کی خیر خواہی کرے اور شفقت و مہربانی کا دروازہ اس پر بند نہ کرے۔

ایک روز ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایک مفلس و نادار شخص ہوں میں صاحبِ اہل و عیال ہوں مجھے اپنے پاس سے رات کے کھانے میں سے کچھ عنایت فرمایئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میرا رزق ابھی راہ میں ہے کچھ دیر بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے دیناروں کی پانچ تھیلیاں آئیں ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے لانے والوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ معذرت خواہ ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فی الحال ان کو اپنے خدام پر خرچ فرمائیں مزید پھر حاضر کیے جائیں گے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس نادار و مفلس شخص کی طرف اشارہ فرمایا اور پانچوں تھیلیاں اسے عنایت کرتے ہوئے معذرت کی کہ تمہیں بہت دیر انتظار کرنا پڑا صرف اتنا ہی کمتر عطیہ تھا اگر میں جانتا کہ اتنی قلیل مقدار ہے تو تمہیں انتظار کی زحمت نہ دیتا مجھے معذور سمجھنا ہم تو اہلِ ابتلاء سے تعلق رکھتے ہیں ہم نے تو تمام دنیاوی ضرورتوں کو چھوڑ کر اپنی راحتوں کو فنا کر دیا ہے دوسروں کی بھلائی کے لیے آپ کے فضائل و مناقب اس قدر مشہور ہیں کہ کوئی امتی اس سے بے خبر نہیں ہے۔ (9)

شرح (9): اس مادرِ گیتی پر بلاشبہ کروڑہا انسانوں نے جنم لیا اور بالآخر موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے کر ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ لیکن جنہوں نے دین اسلام کی بقا و سربلندی کے لیے اپنے جان و مال اور اولاد کی قربانیاں دیں اور جن کے دلی جذبات اسلام کے نام پر مر مٹنے کے لیے ہمہ وقت پختہ تھے، تاریخ کے اوراق پر ان کے تذکرے سنہری حروف سے کندہ ہیں۔ ان اکابرین کے کارناموں کا جب جب ذکر کیا جاتا ہے، دلوں پر رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کے پرسوز واقعات آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، بالخصوص واقعہ کربلا نہایت رقت و سوز کے ساتھ جذبہ ایثار و قربانی کو ابھارتا ہے۔ حضرت امام حسین (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) حضرت سجاد زین العابدین رضی اللہ عنہ:

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے وارثِ نبوت، چراغ امت، سیدِ مظلوم، زین العباد، شمعِ اوتاد، سیدنا ابو الحسن علی المعروف بہ زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں (10) آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد و عبادت گزار اور کشف و حقائق و نطق دقائق میں مشہور ہیں کسی نے آپ سے دریافت کیا دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت و سعید کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا: **من اذا رضی لم یحمله رضاه علی الباطل واذا سخط لم یخرجه سخط من الحق** وہ شخص جب راضی ہو تو اس کی رضا اسے باطل پر آمادہ نہ کرے اور جب ناراض ہو تو اس کی ناراضگی اسے حق سے نہ بھٹکنے دے یہ وصف، راست رو لوگوں کے اوصافِ کمال میں سے ہے اس لیے کہ باطل سے راضی ہونا بھی باطل ہے اور غصہ کی حالت میں حق کو ہاتھ سے چھوڑنا بھی باطل ہے مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو باطل میں مبتلا کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور ان کے رفقاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس شان کے ساتھ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، تاریخ اسکی مثال بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ان نفوس قدسیہ نے اپنا سب کچھ لٹادیا لیکن باطل کے آگے سر نہ جھکایا۔ جان دینا گوارا فرمالیا، لیکن شوکت اسلام پر حرف نہ آنے دیا۔

جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت — گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے

شرح (10): حضرتِ سیّدُنا امام زَین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرتِ سیّدُنا امام زَین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وِلادت ۳۸ھ میں مدینۃ المنورہ میں ہوئی۔ آپ کے والدِ بزرگوار حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ ماجد حضرتِ سیّدُنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اظہارِ عقیدت کے لئے اپنے بچوں کے نام علی رکھتے تھے۔ اسی مناسبت سے امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی علی ہے اور کنیت ابو محمد، ابو الحسن، ابو القاسم اور ابو بکر ہے، جبکہ کثرتِ عبادت کے سبب آپ کا لقب سجاد، زین العابدین، سید العابدین اور امین ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرتِ سیّدَتُنا شہر بانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 2 سال تک اپنے دادا حضور حضرتِ سیّدُنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوشِ عاطفت میں پرورش پائی، پھر 10 سال اپنے تایا جان حضرتِ سیّدُنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیرِ سایہ رہے اور تقریباً 11 سال اپنے والد ماجد حضرتِ سیّدُنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ نگرانی تربیت پا کر علوم معرفت کی منازل طے کیں۔

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ میدانِ کربلا میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال اور رفقاء سمیت شہید کر دیا گیا اور حضرت زین العابدین کے سوا مستورات حرم کا محافظ و نگہبان کوئی نہ بچا آپ اس وقت بیمار و علیل تھے چنانچہ اہلِ بیت اطہار کو اونٹوں کی ننگی پشت پر سوار کر کے دمشق لے جایا گیا۔ یزید بن امیر معاویہ (علیه مایستحقه اخزاه الله دون ابیه) کے دربار میں کسی نے آپ سے پوچھا: **کیف اصبحت یا علی و یا اهل بیت الرحمة** اے علی رضی اللہ عنہ اے رحمت کے گھر والو، کس حال میں ہو؟[11] **قال اصبحنا من قومنا بمنزلة قوم موسیٰ من الِ فرعون۔ یذبحون ابناء**

شرح (11): اس وقت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل سے کوئی پوچھے کہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناتواں دل نے آج کیسے کیسے صدمے اٹھائے اور اب کیسی مصیبت جھیلنے کے سامان ہو رہے ہیں۔ بیماری، پردیس، بچپن کے ساتھیوں کی جدائی، ساتھ کھیلے ہوؤں کا فراق، پیارے بھائیوں کے داغ نے دل کا کیا حال کر رکھا ہے؟ اب ضدیں پوری کرنے والے اور ناز اٹھانے والے مہربان باپ کا سایہ بھی سرِ مبارک سے اٹھنے والا ہے اس پر طرّہ یہ کہ ان مصیبتوں، ان ناقابلِ برداشت تکلیفوں میں کوئی بات پوچھنے والا بھی نہیں۔

دردِ دل اٹھ اٹھ کے کس کا راستہ تکتا ہے تو | پوچھنے والا مریض بے کسی کا کون ہے

اب امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کو کلیجے سے لگا کر، عورتوں کو صبر کی تلقین فرما کر آخری دیدار دکھا کر تشریف لے چلے ہیں۔

از پیش من آں رشک چمن میگزرد | چوں روح روانیکہ زتن میگزرد
حال عجبے روزِ وداعش دارم | من از سر و جاں از من میگزرد

(یعنی وہ رشک چمن محبوب میری نظروں سے یوں اوجھل ہوتا ہے جیسے روح جسم سے جدا ہوتی ہے۔ اس کے بچھڑنے پر میرا عجیب حال ہے گویا میں سر سے اور جان مجھ سے جدا ہو رہے ہیں)

ہائے! اس وقت کوئی اتنا بھی نہیں کہ رکاب تھام کر سوار کرائے یا میدان تک ساتھ جائے۔ ہاں! کچھ بے کس بچوں کی دردناک آوازیں اور بے بس عورتوں کی مایوسی بھری نگاہیں ہیں، جو ہر قدم پر امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساتھ ہیں، امام مظلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو قدم آگے پڑتا ہے، یتیمی بچوں اور بے کسی عورتوں سے قریب ہوتی جاتی ہے۔ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلقین، امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہنیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ھم ویستحیون نسآء ھم فلا ندری صباحنا من مساء نامن حقیقة بلاء نا آپ نے فرمایا ہماری حالت اپنی قوم کے ہاتھوں ایسی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی حالت فرعونیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی کہ وہ ان کے فرزندوں کو قتل کرتے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس امتحان گاہ میں ہمارے صبح، ہماری شام کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھے گی ہم خدا کی نعمتوں پر شکر بجا لاتے ہیں اور اس کی ڈالی ہوئی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔

حکایت:

ایک سال ہشام بن عبدالملک بن مروان حج کے لیے آیا طواف کعبہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن اژدحام میں وہاں تک پہنچنے کی راہ نہ ملتی تھی جب وہ منبر پر خطبہ دینے کھڑا ہوا تو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں اس جاہ وجلال سے داخل ہوئے کہ آپ کا چہرہ درخشاں رخسار مبارک تاباں اور لباس مبارک معطر تھا جب آپ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے قریب پہنچے تو آپ کے احترام و تعظیم میں حجرِ اسود کے گرد سے تمام لوگ ہٹ کر کھڑے ہو گئے تا کہ آپ حجرِ اسود کو بوسہ دے سکیں شامیوں نے جب آپ کی یہ شان وشوکت دیکھی تو وہ ہشام سے کہنے لگے اے امیر المومنین! لوگوں نے تمہیں حجرا سود کو بوسہ دینے کی راہ نہیں دی باوجود یہ کہ تم امیر المومنین تھے لیکن یہ خوبرو نوجوان کے آتے ہی سب لوگ حجرِ اسود کے پاس سے ہٹ گئے اور انہیں راستہ دے دیا ہشام نے ازراہ تجاہل عارفانہ کہا میں نہیں جانتا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس انکار کا مقصد یہ تھا کہ شامی لوگ انہیں پہچان نہ سکیں اور کہیں ان کی پیروی اختیار نہ کرلیں جس سے اس کی امارت خطرے میں پڑ جائے فرزوق شاعر اس وقت وہیں کھڑا تھا اس اہانت سے اس کی غیرت ایمانی جوش میں آئی اور بیانگ دہل کہنے لگا میں انہیں خوب جانتا ہوں شامیوں نے پوچھا اے ابوفراش! بتاؤ یہ کون ہے؟ اس سے بڑھ کر پروقار اور دبدبہ والا نوجوان ہم نے نہیں دیکھا فرزوق شاعر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جنہیں ابھی صبر کی تلقین فرمائی گئی تھی، اپنے زخمی کلیجوں پر صبر کی بھاری سل رکھے ہوئے سکوت کے عالم میں بیٹھی ہیں، مگر ان کے آنسوؤں کا غیر منقطع سلسلہ، ان کے بے کسی چھائے ہوئے چہروں کا اڑا ہوا رنگ، جگر گوشوں کی شہادت، امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رخصت، اپنی بے بسی، گھر بھر کی تباہی پر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔

مجھ کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر قافلہ سارا روانہ ہو گیا

نے کہا کہ کان کھول کر سن لو میں ان کے اوصاف بتا تا ہوں اور ان کے نسبت کو بیان کرتا ہوں اس کے بعد فی البدیہہ یہ قصیدہ موزوں کر کے پڑھا۔

قصیدہ مدحیہ درشان امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَا وَ طَأْتَه، وَالْبَیْتُ یَعْرِفُه، وَالْحِلُّ وَالْحَرَم،

یہ وہ شخص ہے جس کے نشان قدم کو اہلِ حرم پہنچانتے ہیں خانہ کعبہ اور حلِ وحرم سب اسے جانتے ہیں،

هٰذَا اِبْنُ خَیْرِ الْعِبَادِ کُلِّهِمْ هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَم،

یہ خدا کے بندوں میں سے بہترین بندے کا فرزند ہے سب سے زیادہ متقی، پاک وصاف اور بے داغ نشان والا ہے،

هٰذَا اِبْنُ فاطمة الزهرا ان کنت جاهلهٔ بجده انبیاء الله قد ختم

اگر تو نہیں جانتا تو سن یہ فاطمہ زہرا کے جگر گوشہ ہیں ان کے نانا پر اللہ نے نبیوں کا سلسلہ ختم فرمایا ہے،

یبین نور الدجیٰ عن نور طلعته کالشمس ینجاب عن اشراقها الظُّلم،

ان کی منور پیشانی سے نور ہدایت اس طرح جلوہ فگن ہے جیسے آفتاب کی روشنی سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں،

یغضی حیاء ویغضی مهابته فما یکلم الا حین یتبسم

یہ اپنی آنکھیں حیاء سے نیچی رکھیں اور لوگ ہیبت سے ان کی طرف آنکھیں اونچی نہیں کر سکتے اور جب بات کریں تو منہ سے پھول جھڑیں--------

اذا رأته قریش قال قائلها الیٰ مکارم هذا اینتهی الکرم

جب کوئی قریش انہیں دیکھتا ہے تو وہ بول اٹھتا ہے کہ ان پر تمام خوبیاں تمام ہو چکی ہیں-------

ینمی الیٰ ذروة العزالتی قصرت عن نیلها عرب الاسلام والعجم

یہ عزت ومنزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہیں کہ عرب وعجم کا کوئی مسلمان ان سے ہمسری نہیں کر سکتا،

من جده دان فضل الانبیاء له وفضل امته وانت له الامم

ان کے نانا تمام نبیوں سے افضل اور ان کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور تو بھی ان کی امت کا ایک فرد ہے،

یکاد یمسکه عرفان راحته رکن الحطیم اذا ملجاء یستلم

جب حجرِ اسود کو بوسہ دینے قریب ہوں تو ممکن ہے وہ ان کی انگلیوں کی راحت پہچان کر انہیں تھام لے،

فی کفه خیز ران ریحه عبق من کفه اروع فی عرنینه شمم

ان کے دستِ مبارک میں چھڑی ہے جس کی خوشبو دلنواز ہے ان کی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے،

سهل الخلیقة لا یخفی برادره یزینه اثنان حسن الخلق والشیم

یہ نرم خو ہیں خفگی و غصہ کا ان سے کوئی اندیشہ نہیں یہ اپنی دو خوبیوں سے یعنی حسن اخلاق اور پاکیزہ خصلت سے آراستہ ہیں،

مشتقة عن رسول الله بنعته طابت عناصره والخیم والشیم

ان کے اوصافِ حمیدہ اللہ کے رسول سے ماخوذ ہیں۔ ان کے عناصر اور ان کی خوشبو پاکیزہ ہے،

فلیس قولك من هذا بضائره العرب تعرف من انکرت والعجم

اے ہشام! تیرا انکار کرنا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا انہیں تو عرب و عجم سب پہچانتے ہیں----

کلتا یدیه غیاث عم نفعهما تستو کفانِ ولا یعروهما العدم

ان کے دونوں ہاتھ ایسے ہیں جن کا فیض بارش کی مانند عام ہیان کی بخشش ہر وقت جاری ہے حتیٰ کہ تنگدستی میں بھی ختم نہیں ہوتی،

عم البریته بالاحسان فَانْقَشَعَتْ عنها الغیابة والا ملاق والظلم

خدا کی تمام مخلوق پر ان کا احسان عام ہیجس سے گمراہی، تندستی اور ظلم و زیادتی پراگندہ ہو کر رہ گئے ہیں،

لا یستطیع جواد بعد غایتهم ولا یدانیهم قوم وان کرم

کسی سخی کی سخاوت ان کی بخشش کی حد تک نہیں پہنچ سکتی اور کوئی قوم ان کے برابر نہیں پہنچ سکتی اگرچہ شمار میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو،

هم الغیوث اذا ما ازمة ازمت والاسد اسد الشریٰ والناس محتدم

یہ حضرات قحط سالی کے زمانہ میں بارش کی مانند سیراب کرتے ہیں یہ شیر ببر ہیں جب کہ لوگ جنگ کی بھٹی میں جل رہے ہیں،

من معشر جبھم دین وبغضھم کفرٌ وقربھم منجا ومعتصم

یہ اس گروہ سے ہیں جن سے محبت کرنا دین اور ان سے بغض رکھنا کفر اور ان سے وابستہ رہنا نجات اور پناہ دینے والا ہے،

ان عدَّ اھل التقیٰ کانوا ائمتھم وقیل من خیر اھل الارض قیل ھم

اگر تمام اہل تقوٰی کو جمع کیا جائے تو یہ ان سب کے امام ہونگے اگر اہل زمین سے اچھے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے تو سب کہیں گے کہ یہی ہیں،

سَیَّانِ ذَالِكَ اِنْ اَثْرُوْا وَاِنْ عَدَمُوْا لَا یَنْقُضُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ اَکُفِّھِمْ

ان کے لیے تونگری و مفلسی دونوں برابر ہیں تنگدستی ان کے ہاتھوں کی فراخی کو کم نہیں کرتی،

اَللہ فَضَّلَہٗ کَرَمًا وَشَرَّفَہٗ جَرٰی بِذَالِكَ لَہٗ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اللہ نے انہیں فضیلت دی اور ان کو شرافت و بزرگی سے نوازا اور لوح و قلم میں ان کے لیے یہی حکم نافذ ہو چکا ہے،

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِکْرِ اللہِ ذِکْرُھُمْ فِیْ کُلِّ بَدْوٍ مَخْتُوْمٌ بِہِ الْکَلِمُ

ان کا ذکر، ذکرِ خدا کے بعد مقدم ہے ہر میدان میں ان کے کلمات مثبت ہیں،

اَیُّ الْقَبَائِلِ لَیْسَتْ فِیْ رِقَابِھِمْ اِمَّا لِاَبَائِہٖ ھٰذَا اَوَّلَہٗ نِعَمُ

وہ کونسا قبیلہ ہے جن کی گردنوں پر ان کا اور ان کے آباؤ اجداد کے احسان کا بوجھ نہیں ہے،

مَنْ یَعْرِفُ اللہَ یَعْرِفُ اَوَّلِیَّتَہٗ وَالدِّیْنُ مِنْ بَیْتِ ھٰذَا نَالَہٗ الْاُمَمُ

جسے خدا کی معرفت ہے وہ ان کی برتری کو پہچانتا ہے چونکہ ان کے گھر سے دین ساری امت کو پہنچا ہے۔

فرزوق شاعر نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی منقبت میں اشعار کہنے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت اطہار کی تعریف و توصیف میں اور بھی اشعار کہے ہیں جس پر ہشام بہت برافروختہ ہوا اور فرزوق کو گرفتار کر کے عسفان کے جیل خانہ میں قید کر دیا جو کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔ (12) (ہشام کی یہ پہلی جرأت ہے کہ بلا ثبوت و مقدمہ کسی کو قید کیا حالانکہ اسلام میں اس کا کہیں جواز

شرح (12): مدینہ سے زیادہ قریب ہے۔

نہیں ہے۔ مترجم) حضرت امام کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فرزوق کی جرأت ایمان کی تحسین فرمائی اور دلجمعی کے لیے بارہ ہزار درہم و دینار اس پیغام کے ساتھ بھجوائے کہ ہمیں معذور سمجھنا اگر اس سے زیادہ ہمارے پاس ہوتے تو اس میں بھی دریغ نہ کرتے فرزوق نے وہ مال واپس کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول! میں نے بادشاہوں اور امیروں کی شان میں بکثرت قصیدے کہے ہیں اگر ان کے کفارہ میں کچھ اشعار فرزندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں عرض کر دیے تو کیا کمال کیا ہے؟ میں نے اپنی ایمانی غیرت کا ثبوت دیا ہے کسی مال ومنال کی طمع میں نہیں کہا ہے اس کا اجر خدا سے ہی چاہتا ہوں اور خدا کے رسول کی اہل بیت سے محبت و دوستی کا طلبگار رہوں۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ کو جب یہ پیغام پہنچا تو آپ نے وہ رقم واپس کر کے کہلوایا کہ اے ابوالفراش! اگر تم ہم سے محبت رکھتے ہو تو جو ہم نے بھیجا ہے اس کو قبول کر لو کیونکہ ہم نے رضائے الٰہی کے لیے اپنی ملک سے نکال کر تمہاری ملک میں دے دیا ہے اس وقت فرزوق شاعر نے وہ عطیہ لے لیا اور احسان مندی کا اظہار کیا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی کی جائے کم ہے۔

(۴) حضرت امام ابوجعفر محمد باقر صادق رضی اللہ عنہ:

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے، طریقت میں دلیل و حجت، اربابِ مشاہدہ کے برہان امامِ اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، برگزیدہ نسل علی، سیدنا امام ابوجعفر صادق بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ الملقب بہ الامام باقر رضی اللہ عنہم ہیں۔ (13) بعض کہتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی، علوم کی باریکیوں اور کتابِ الٰہی کے رموز و

شرح (13): حضرتِ سیّدُنا امام محمد باقِر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرتِ سیّدُنا امام محمد باقِر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ کربلا سے تین سال پہلے ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام محمد، کنیت ابوجعفر ومبارک اور لقب سامی، باقر، شاکر اور ہادی تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرتِ سیّدُنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ امّ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیرت وصورت میں اپنے آباء کی طرح تھے۔ جس قدر علمِ دینِ مُتین، علمِ سنّت، علمِ قرآن پاک وتاریخ وسیرت اور فنونِ ادب وغیرہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہوئے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرتِ امام قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے سیّدُنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اشارات اور اس کے لطائف واضح طور پر بیان کرنے میں آپ کو کمال دسترس تھی آپ کی کرامتیں اور روشن دلائل اور دلائل قاطعہ زبان زد خاص و عام ہیں بادشاہِ وقت نے آپ کو شہید کرنے کے ارادے سے کسی کے ذریعہ بلوایا۔ جب اس کے قریب پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگا اور تحائف پیش کر کے عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا درباریوں نے حیرت و تعجب سے پوچھا آپ نے تو انہیں شہید کرنے کے لیے بلایا تھا لیکن سلوک اس کے برعکس کیا؟ بادشاہ نے جواب دیا جب وہ میری قریب آئے تو میں نے دو شیروں کو ان کے داہنے اور بائیں کھڑے دیکھا اور وہ زبانِ حال سے گویا تھے کہ اگر تو نے امام کے ساتھ بدسلوکی کی تو ہم تجھے مار ڈالیں گے منقول ہے کہ آپ نے آیۂ کریمہ "فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ" (جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان رکھا) کی تفسیر میں فرمایا "**من شغلك عن مطالعة الحق فهو طاغوتك**"، جو تجھے حق تعالیٰ کے مطالعہ سے غافل کرے وہی تیرا طاغوت ہے۔

تو اے طالب حق! اب تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سی چیز حجاب بنی رہی ہے جو معرفت الٰہی میں مانع ہے اور یادِ خدا سے تمہیں غافل بنا رہی ہے اسے ترک کر دو تاکہ مکاشفہ ربانی حاصل ہو اور کوئی حجاب و مانع درمیان میں حائل نہ رہے کیونکہ کسی ممنوع و محجوب شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرب کا دعویٰ کرے۔ آپ کے ایک خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ جب رات کا ایک پہر گزر جاتا ہے اور آپ درود و وظائف سے فارغ ہو جاتے ہیں تو بلند آواز سے مناجات کرتے ہیں اور کہتے ہیں "اے میرے خدا، اے میرے مالک! رات آگئی ہے اب بادشاہوں کا تصرف و اختیار ختم ہو چکا ہے آسمان پر ستارے جھلملانے لگے ہیں خلقت گھروں میں جا چکی ہے اور لوگ سو چکے ہیں، آوازیں سکوت میں ڈوب چکی ہیں خلقت لوگوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ نے حضرتِ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی ہے؟ فرمایا: ہاں میں نے ملاقات کی ہے اور ان سے ایک مسئلہ بھی دریافت کیا تھا جس کا اتنا شاندار جواب عطا فرمایا کہ اس سے شاندار جواب کسی سے نہ سُنا۔ (روض الریاحین، الفصل الثانی فی اثبات کرامات الاولیاء، ص ۱۱۳)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مشہور قول کے مطابق ۷ ذوالحجۃ الحرام ۱۱۴ھ پیر شریف کو ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے حضرتِ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کی تھی کہ مجھے اسی کپڑے کا کفن دیا جائے جس میں میں نماز پڑھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے غسل دینے کے بعد حسبِ وصیت اسی کپڑے کا کفن دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزارِ پُرانوار جنت البقیع میں ہے۔

دروازوں سے ہٹ چکی ہے۔ بنوامیہ بھی محوخواب وخور ہیں انہوں نے اپنے خزانوں کو مقفل کر کے پہرے دار کھڑے کر دیے ہیں جولوگ ان سے طمع ولالچ رکھتے تھے وہ بھی ان سے دور ہو چکے ہیں اے خدا تو زندہ و پائندہ اور دیکھنے اور جاننے والا ہے تیرے لیے خواب بیداری برابر ہے جو تجھے ایسا نہ جانے وہ کسی نعمت کا مستحق نہیں ہے۔ اے خداوند کریم! تجھ کو کوئی چیز کسی چیز سے روک نہیں سکتی اور رات و دن تیری بقا میں اثر انداز نہیں ہوتے تیری رحمت کے دروازے ہر دعا کرنے والے کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور تیرے خزانے تیری حمد وثنا کرنے والوں کے لیے وقف ہیں تو ایسا مالک حقیقی ہے کہ کسی سائل کو محروم رکھنا تیری شایانِ شان نہیں ہے تو ہر مومن کی دعا قبول فرماتا ہے کسی کی دعا رد نہیں کرتا اور زمین و آسمان میں کسی سائل کو محروم نہیں رکھتا اے میرے خدا! جب موت، قبر، حساب اور حشر کو یاد کرتا ہوں تو دنیا میں یہ دل کسی طرح چین وقرار نہیں پاتا لہٰذا جو بھی حاجت مجھے لاحق ہوتی ہے میں تجھی سے عرض کرتا ہوں اور تجھی کو فریاد رس جان کر تجھی سے مانگتا ہوں اب میری عرض یہ ہے کہ بوقت موت، عذاب سے محفوظ رکھنا اور بوقت حساب، بے عتاب راحت عطا فرمانا، آپ کا معمول تھا کہ اس دعا میں تمام رات گزار دیتے اور برابر آہ وفغان میں مشغول رہا کرتے تھے ایک رات میں نے عرض کیا اے میرے اور میرے ماں باپ کے آقا! یہ گریہ زاری کا اور سینہ فگاری کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ آپ نے فرمایا اے دوست! حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک فرزند حضرت یوسف علیہ السلام نظروں سے روپوش ہوئے تھے اس پردہ اتنا روئے تھے کہ ان کی آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اور آنکھیں سفید ہوگئی تھیں لیکن میرے اب وجد کے خاندان کے ۱۸ نفوس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں میدان کربلا کے اندر گم ہوئے ہیں یہ غم کیا اس سے کچھ کم ہے میں ان کے غم وفراق میں اپنے رب کے حضور فریاد کر کے کیوں آنکھیں سفید نہ کروں۔ یہ مناجات عربی میں بہت فصیح ہے طوالت کے لحاظ سے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(۵) امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما:

ائمہ اہلِ بیت اطہار میں سے، یوسفِ سنت، جمالِ طریقت، معبر معرفت، مزین صفوت سیدنا ابو محمد امام جعفر بن محمد صادق الملقب بہ امام باقر بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ (14)

شرح (14): حضرتِ سیّدُنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرتِ سیّدُنا امام جعفر صادِق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وِلادت ۱۷ ربیع النور ۸۳ھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کا حال بلند، سیرت پاکیزہ، ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ اور شمائل و خصائل شستہ و منور تھے آپ کے اشارات تمام علوم میں خوبی اور رقتِ کلام کی بنا پر مشہور ہیں اور مشائخ طریقت میں باعتبار لطائف و معانی معروفت ہیں جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں آپ کا ارشاد ہے کہ "من عرف اللہ اعرض عما سواہ" جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی وہ ماسوا اللہ سے کنارہ کش ہوگیا اس لیے کہ جو شخص خدا سے واصل ہوجاتا ہے اس کے دل میں کسی غیر کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہتی۔

دراصل خدا کی معرفت اس کے غیر سے دستکش ہونے ہی کا نام ہے اور اسی علیٰحدگی سے ہی معرفت الٰہی واصل ہوتی ہے جب تک غیر اللہ سے لگاؤ اور تعلق رہے گا معرفت الٰہی سے وہ محروم ہی رہے گا۔ چنانچہ عارف باللہ، مخلوق اور اس کی فکر سے بے نیاز ہوتا ہے اور اس کا دل ماسوٰی اللہ سے جدا ہو کر خدا کے ساتھ واصل ہوجاتا ہے اس کے دل میں مخلوق کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہتی نہ وہ کسی حال میں ان کی طرف التفات کرتا ہے اور نہ ان سے کوئی علاقہ رکھتا ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ **لا تصح العبادة الا بالتوبته لان اللہ تعالیٰ قدم التوبته علی العبادة قال اللہ تعالیٰ التائبون العابدون الآیہ** توبہ کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم فرمایا چنانچہ فرماتا ہے توبہ کرنے والے ہی عبادت کرنے والے ہوتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیر شریف کے دن مدینۃ المنورہ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابواسماعیل جبکہ لقب صادق، فاضل اور طاہر ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرتِ سیّدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرتِ سیّدتنا اُمّ فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امیر المؤمنین حضرتِ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی تھیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے اور ریاضت و عبادت اور مجاہدے میں مشہور تھے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے: میں ایک زمانے تک آپ کی خدمتِ مبارکہ میں آتا رہا۔ میں نے ہمیشہ آپ کو تین عبادتوں میں سے کسی ایک میں مصروف پایا، یا تو آپ نماز پڑھتے ہوئے ملتے یا تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوتے یا پھر روزہ دار ہوتے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو 68 برس کی عمر میں ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ کو کسی شقی القلب نے زہر دیا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سبب بنا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس جنت البقیع (مدینۃ المنورہ) والدِ محترم حضرت سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے۔

ہیں (15) کیونکہ توبہ مقامات کی ابتداء اور عبودیت اس کی انتہا ہے اللہ تعالیٰ نے جب گناہ گار بندوں کا ذکر فرمایا تو توبہ کے حکم سے یاد کیا چنانچہ فرمایا:

تُوْبُوْآ اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ (16) ''خدا کی بارگاہ میں تمام گناہوں سے توبہ کروا ے مسلمانو!'' (النور:۳۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یاد فرمایا تو عبودیت و بندگی سے یاد کیا چنانچہ فرمایا:

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (17) ''ہم نے اپنے بندہ خاص پر جو وحی چاہی نازل فرمائی۔'' (18) (النجم:۱۰)

شرح (15): توبہ کے وجوب پر ائمہ کرام کا اجماع ہے اگر تو کہے: توبہ کیسے واجب ہے؟ جبکہ یہ تو دِل میں پیدا ہونے والی ندامت کا نتیجہ ہے اور یہ بندے کے اختیار میں نہیں؟ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس کا سبب اختیار میں ہے اور وہ عمل کی کوشش کرنا ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس واجب توبہ میں داخل ہے نہ اس وجہ سے کہ آدمی علم کو خود پیدا کرتا ہے بلکہ علم، ندامت، فعل، ارادہ اور قدرت سب اس قادرِ مطلق ذات کی طرف سے ہے پس اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا۔ اربابِ بصیرت کے نزدیک یہی بات حق ہے اور اس کے علاوہ گمراہی ہے۔

شرح (16): وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ (پ۱۸، النور:۳۱)

شرح (17): فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○

ترجمہ کنزالایمان: اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ (پ۲۷، النجم:۱۰)

شرح (18): اکثر علماء مفسّرین کے نزدیک اس کے معنٰی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وحی فرمائی۔ (جمل) حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی یہ وحی بے واسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور یہ خدا اور رسول کے درمیان کے اسرار ہیں جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکایت:

ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے؟ میرا دل سیاہ ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابا سلیمان! تم تو اپنے زمانہ کے مشہور عابد وزاہد ہو تمہیں میری نصیحت کی حاجت ہی کیا؟ انہوں نے عرض کیا اے فرزند رسول! آپ کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے اور آپ پر سب کی نصیحت فرمانا واجب ہے آپ نے فرمایا اے ابا سلیمان! میں ہمیشہ اس بات سے خائف رہتا ہوں کہ کل روز قیامت میرے جد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اس پر میری گرفت نہ فرمائیں کہ تم نے کیوں میری اتباع کا حق ادا نہ کیا کیونکہ اتباعِ نبوی ﷺ کا تعلق نہ نسب صحیح سے ہے اور نہ نسبتِ قوی سے بلکہ پیروی کرنے سے ہی متعلق ہے یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ رو کر عرض کرنے لگے خداوندا! جس شخص کا خمیر ہی نبوت کی خاک سے ہے اور جس کی طبع نشوونما اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے برہان و حجت کے اصول سے ہے اور جس کی مادر معظمہ بتول الزہرا ہیں جن کا نام نامی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے وہی جب بذات خود اس حیرانی و پریشانی میں ہیں تو داؤد کس گنتی وشمار میں ہے وہ زہد وورع پر کیسے بھروسہ کرسکتا ہے۔

حکایت:

ایک دن آپ اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھے آپ نے ان سے فرمایا! آؤ ہم سب مل کر عہد و پیمان کریں کہ ہم میں سے جو بھی بخشا جائے وہ روزِ قیامت دوسرے کی شفاعت کرے تمام غلام عرض کرنے لگے اے فرزندِ رسول ﷺ! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے؟ آپ کے جد کریم علیہ السلام تو خود ساری مخلوق کے شفیع ہوں گے آپ نے فرمایا! میں اپنے رب تعالیٰ پر شرمسار ہوں اور روز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بقلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خَلق سے مخفی رکھا اور نہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب کو کیا وحی فرمائی اور محبّ ومحبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (روح البیان) علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس شب میں جو آپ کو وحی فرمائی گئی وہ کئی قِسم کے علوم تھے۔ ایک تو علمِ شرائع واحکام جن کی سب کو تبلیغ کی جاتی ہے دوسرے معارفِ الٰہیہ جو خواص کو بتائے جاتے ہیں تیسرے حقائق ونتائجِ علومِ ذوقیہ جو صرف اخص الخواص کو تلقین کئے جاتے ہیں اور ایک قِسم وہ اسرار جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خاص ہیں کوئی ان کا تحمل نہیں کرسکتا۔ (روح البیان)

قیامت اپنے جد کریم علیہ السلام کے روبرو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

آپ کی یہ کیفیت اپنے نفس کی عیب گیری پر مبنی تھی کیونکہ یہ صفت اوصافِ کمال سے متعلق ہے اور اسی صفت پر خدا کے تمام مقبول بندے ہیں خواہ وہ انبیاء و مرسلین ہوں یا اولیاء و اصفیاء کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے!

اِذَا اَرَادَ اللہُ بِعَبْدِہٖ خَیْرًا اَبْصَرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ (19) اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ (20)

شرح (19): شعب الایمان للبیھقی، باب فی الزھد وقصر الأمل، الحدیث ۱۰۵۳۵، ج ۷، ص ۳۴۷

شرح (20): اپنے عیوب پہچاننے کے طریقوں میں سے سب سے بہترین طریقہ یہ ہے، کہ انسان اپنے مُرشد کے سامنے بیٹھے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرے، کبھی اسی وقت اس پر اپنے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی اس کا مُرشد اسے اس کے عیوب سے آگاہ کر دیتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے اعلیٰ و بہترین ہے، مگر آج کل یہ بہت مشکل ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی نیک دوست تلاش کرے، جو اس معاملہ کے اسرار سے واقف ہو، اس کی صحبت اختیار کرے اور اسے اپنے نفس کا نگران بنائے، تا کہ وہ اس کے اَحوال کو ملاحظہ کر کے اس کے عیوب سے آگاہ کرے۔ اَکابِر ائمہ دین اسی طرح کیا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے تھے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب بتائے۔ جب حضرت سیِّدُنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اپنے عیبوں کے بارے میں پوچھا: کیا آپ تک میری کوئی ایسی بات پہنچی ہے جو آپ کو ناپسند ہو؟ انہوں نے بتانے سے معذرت کی، لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا تو حضرت سیِّدُنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے دستر خوان پر دو سالن جمع کرتے ہیں اور آپ کے پاس دو جوڑے ہیں، ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: اس کے علاوہ بھی کوئی بات پہنچی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: نہیں۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر صرف یہی دو ہیں تو میں انہیں کافی ہو جاؤں گا۔

حضرت سیِّدُنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ منافقین کی پہچان کے معاملے میں رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے راز دار تھے، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو بندہ بارگاہِ صمدیت میں تواضع و بندگی سے سر جھکاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہان میں سربلند رکھتا ہے اگر ہم تمام اہلِ بیت اطہار کا اسی طرح تذکرہ کریں اور ان کے فضائل و مناقب شمار کرائیں تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہوسکتی لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان سے پوچھتے: کیا آپ کو مجھ میں منافقت کے آثار نظر آتے ہیں؟ تو امیر المؤمنین حضرت سیّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر بلند مرتبہ اور عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اس طرح اپنے نفس کو اس قدر تہمت لگاتے تھے۔

اگر تجھے کوئی دوست نہ ملے تو اپنے حاسدین کی باتوں پر غور کر، تو ایسے حاسد کو پائے گا جو تیرے عیبوں کا متلاشی ہوتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا ہے، پس تو اس سے فائدہ اٹھا اور اس کی طرف سے بتائے جانے والے تمام عیوب کے ساتھ اپنے نفس کو متّہم جان اور اگر کوئی شخص تجھے تیرے عیب بتائے تو اس پر غضب و غصہ نہ کر کیونکہ عیوب سانپ اور بچھو ہیں جو دنیا و آخرت میں تجھے ڈستے ہیں۔ کیونکہ جو شخص تجھے بتائے کہ تیرے کپڑوں کے نیچے سانپ ہے تو تو اس شخص کا احسان مند ہوتا ہے، لیکن اگر تو اس پر غصہ کرے تو یہ آخرت میں تیرے ایمان کی کمزوری پر دلیل ہے۔ اور اگر تو اس کی نصیحت سے فائدہ اٹھائے تو یہ تیری قوتِ ایمانی پر دلیل ہے اور جان لے کہ ناراض ہونے والی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے، اور ایمان کا قوِی ہونا تجھے اس وقت فائدہ دے گا جب تو حاسدوں کی ملامت کو غنیمت جانے اور ان عیوب سے بچے۔

حضرت سیّدُ نا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: آپ کو ادب کس نے سکھایا؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: مجھے کسی نے ادب نہیں سکھایا، میں نے جاہل کی جہالت (کہ یہ بھی ایک عیب ہے) کو دیکھا تو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ (لباب الاحیاء ۲۱۵)

باب 9:

اصحابِ صفہ (1)

خلفائے راشدین اور چند ائمہ اہلِ بیت اطہار کے بعد دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ صفہ کا تذکرہ اختصاراً کرتا ہوں اگرچہ اس سے قبل کی تصنیف "منہاج الدین" میں نام بنام تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا

شرح (1): علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

اھل الصفة فقراء المهاجرين ومن لم يكن له منهم منزل يسكنه فكانوا ياوون الى موضع مظلل فى مسجد المدينة۔ (مجمع بحار الانوار لفظ صفف کے تحت مذکور ہے، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲ / ۳۵۳)

اہل صفہ مہاجر فقراء میں سے تھے اور جس کے لئے گھر نہ ہوتا وہ وہیں ٹھہرتا، پس صفہ مسجدِ نبوی میں ایک چھتدار جگہ میں رہتے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

باب نوم الرجال فى المسجد وقال ابوقلابة عن انس رضى الله تعالى عنه قدم رهط من عكل على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فكانوا فى الصفة، وقال عبد الرحمٰن بن ابى بكر رضى الله تعالى عنهما كان اصحاب الصفة الفقراء۔ (صحیح البخاری، باب نوم الرجال فی المسجد، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۶۳)

باب لوگوں کا مسجد میں سونے کے بارے میں، ابو قلابہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل کا ایک وفد رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور وہ صفہ میں تھے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے۔

علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الصُفّة بضم الصاد و تشديد الفاء موضع مظلل فى اخريات المسجد النبوى تاوى اليه المساكين۔ (ارشاد الساری شرح بخاری باب نوم الرجال فی المسجد مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱ / ۴۳۸)

الصُفّہ، صاد پر پیش، فاء پر تشدید، مسجد نبوی کے آخری حصہ میں وہ چھتی ہوئی جگہ جہاں مساکین پناہ لیتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوں اس جگہ ان کے اسماء وکنیت اور مختصر حال بیان کرتا ہوں تا کہ مقصد بر آری میں معاون ثابت ہو۔
وباللہ التوفیق!

واضح رہنا چاہیے کہ امتِ مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت مسجدِ نبوی ﷺ میں ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتی تھی (2) اور انہوں نے کسبِ معاش سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی طرف خصوصی توجہ فرمانے کا حکم دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علم سیکھنے والے فقراء صحابہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے یہ حضرات اصحاب صفہ کہلاتے۔ انہی کی سی صفات رکھنے والوں کو آج صوفیاء کہتے ہیں، یعنی صفائی دل اور صوف کا لباس رکھنے والی جماعت یہ حضرات کم وبیش ہوتے رہتے تھے کبھی ستر اور کبھی دو سو سے زیادہ گویا یہ مدرسہ نبوی تھا ان حضرات میں مشہور صحابہ کرام یہ ہیں ابوذر غفاری، عمار ابن یاسر، سلمان فارسی، صہیب، بلال، ابوہریرہ، عقبہ ابن عامر، خباب ابن ارت، حذیفہ ابن یمان، ابوسعید خدری، بشر ابن خصاصہ، ابوموہبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، یہ لوگ زیادہ تر مہاجرین مکہ تھے اور فقر وغنا کی زندگی بسر کرتے تھے۔

شرح (2): مستدرک میں جن حضرات اصحاب صفہ کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں، وہ یہ حضرات ہیں: (۱) حضرت سلمان فارسی (۲) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۳) حضرت عمار بن یاسر (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود (۵) حضرت مقداد بن الاسود (۶) حضرت خباب بن الارت (۷) حضرت بلال بن رباح (۸) حضرت صہیب بن سنان (۹) حضرت زید بن الخطاب (عمر فاروق کے بھائی) (۱۰) حضرت ابوکبشہ (۱۱) حضرت ابومرثد العدوی (۱۲) حضرت صفوان بن بیضاء (۱۳) حضرت ابوعیسی بن جبر (۱۴) حضرت سالم مولی ابوحذیفہ (۱۵) حضرت مسطح بن اثاثہ (۱۶) حضرت عکاشہ بن محصن (۱۷) حضرت مسعود بن الربیع (۱۸) حضرت عمیر بن عوف (۱۹) حضرت عویم بن ساعدہ (۲۰) حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر (۲۱) حضرت سالم بن عمیر (۲۲) حضرت ابوالبشر کعب بن عمرو (۲۳) حضرت خبیب بن یساف (۲۴) حضرت عبداللہ بن انیس (۲۵) حضرت ابوذر غفاری (۲۶) حضرت عتبہ بن مسعود (۲۷) حضرت ابوالدرداء (۲۸) حضرت عبداللہ بن زید الجہنی (۲۹) حضرت حجاج بن عمرو الاسلمی (۳۰) حضرت ابوہریرہ دوسی (۳۱) حضرت ثوبان (مولی رسول اللہ ﷺ) (۳۲) حضرت معاذ بن حارث القاری (۳۳) حضرت سائب بن خلاد (۳۴) حضرت ثابت بن ودیعہ۔

چنانچہ ارشاد ہے!

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه (3) ''جو لوگ دن رات اپنے رب کی عبادت کرتے اور اس کی رضا چاہتے ہیں آپ ان پر توجہ خاص مبذول فرمائیں۔ (4)

(الانعام:۵۲)

اصحابِ صفہ کے فضائل ومناقب میں بکثرت آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ناطق وشاہد ہیں ان میں سے چند باتوں کا اس جگہ ذکر کرتا ہوں۔ (5)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اصحابِ صفہ کی طرف ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ فقر ومجاہدے کے باوجود خوش وخرم ہیں آپ نے ان سے

شرح (3): وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط

ترجمہ کنز الایمان: اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے۔

(پ۷، الانعام:۵۲)

شرح (4): شانِ نزول:

کُفّار کی ایک جماعت سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی انہوں نے دیکھا کہ حضور کے گرد غریب صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہے جو ادنیٰ درجہ کے لباس پہنے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھتے شرم آتی ہے، اگر آپ انہیں اپنی مجلس سے نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی خدمت میں حاضر رہیں، حضور نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شرح (5): اس آیت سے معلوم ہوا کہ اچھا ماحول محبین ومخلصین سے بنتا ہے نہ کہ مغرورین ومتکبرین سے لہٰذا اچھے ماحول کی بقاء کے لئے ایسے افراد کو جو ظاہری شان وشوکت تو رکھتے ہوں مگر ان کا باطن غلاظت سے لبریز ہو تو ان کے گھناؤنے وجود سے ماحول کو پاک وصاف رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کی مثال ایک ایسے بیت الخلاء کی مانند ہے جس کی دیواریں تو نہایت ہی صاف وشفاف ہوں مگر اندر غلاظت کا ڈھیر ہو، ظاہر ہے ایسی جگہ سے صاف وشفاف ہونے کے باوجود گندگی اور بدبو ہی پھیلے گی اور ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جو ظاہری شان وشوکت تو نہیں رکھتے مگر ان کے قلوب جذبہ اخلاص وایثار سے مزین ہوتے ہیں ان کو ماحول میں داخل کرنا بہت مفید اور ان کو نظر انداز کر دینا نہایت ہی مضر اور نقصان دہ ہے۔

فرمایا اے اصحاب صفہ! تم کو اور میری امت کے ہر اس شخص کو جو تمہاری صفت پر خوش دلی سے قائم ہو بشارت دی گئی ہے کہ تم جنت میں میرے رفقا ہو گے۔

(۱) ان اصحابِ صفہ میں سے ایک صحابی حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں جو بارگاہِ جبروت کے منادی یعنی مؤذن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ تھے۔ (6)

(۲) دوسرے صحابی حضرت ابوعبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اور محرمِ اسرار تھے۔ (7)

شرح (6): بلال ابن رباح:

آپ حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں، سب سے پہلے مکہ معظمہ میں آپ نے اپنا اسلام ظاہر کیا بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے، آخر میں شام میں رہے، آپ کی اولاد کوئی نہیں، آپ سے صحابہ وتابعین کی جماعت نے روایات لیں، ۲۰ بیس میں دمشق میں وفات پائی، باب صغیر میں دفن ہوئے، ۶۳ تریسٹھ سال عمر پائی۔ بعض نے کہا کہ حلب میں وفات ہے باب اربعین میں آپ کی قبر ہے مگر پہلی بات قوی ہے۔ مترجم احمد یار کہتا ہے کہ فقیر نے دمشق میں آپ کی قبر انور کی زیارت کی ہے بی بی سکینہ کی قبر سے متصل ہے، آپ نے اسلام کی خاطر اپنے پہلے مولیٰ امیہ ابن خلف کے ہاتھوں بہت تکالیف برداشت کیں۔ امیہ جمحی خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا اللہ کی شان کہ وہ مردود غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں چھیدا گیا اور حضرت بلال کے ہاتھوں جہنم میں پہنچا۔ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سید ہیں، انہوں نے ہمارے سید کو آزاد فرمایا۔

شرح (7): سلمان فارسی:

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ حضور انور کے آزاد کردہ ہیں، آپ فارسی النسل رام ہرمز کی اولاد سے ہیں، فارس کے شہر اصفہان کے علاقہ کے رہنے والے تھے، تلاش دین میں دیس چھوڑ پردیسی بنے، پہلے عیسائی بنے ان کی کتابیں پڑھیں بہت مصیبتیں جھیلیں حتی کہ انہیں بعض عربیوں نے غلام بنالیا اور یہود کے ہاتھ فروخت کردیا ان کے آقا نے انہیں مکاتب کردیا، حضور انور نے ان کا مال کتابت ادا کرکے آزاد کردیا، آپ دس سے زیادہ آقاؤں کے پاس پہنچے حتی کہ حضور انور تک پہنچ گئے، حضور انور نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں، جنت ان کی مشتاق ہے، بڑی عمر پائی ڈھائی سو بلکہ ساڑھے تین سو سال عمر ہوئی، ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا صدقہ کیا، مدائن میں وفات ہوئی وہاں ہی مزار ہے، ۳۵ھ میں وفات ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) تیسرے صحابی حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں جو مہاجر و انصار کے جرنیل تھے اور رضائے الٰہی کے ہر وقت طالب تھے۔ (8)

(۴) چوتھے صحابی حضرت ابوالفیظان عمارہ بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں جو برگزیدہ اور محبوبانِ خدا کی زینت تھے۔ (9)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مدائن کا نام اب سلمان پاک ہے یہ جگہ بغداد شریف سے ۳۰ تیس میل ہے، ان کے ساتھ حذیفہ ابن یمان اور جابر کے مزارات ہیں، فقیر نے زیارت کی ہے۔ مدینہ منورہ کے عوالی میں سلمان کا باغ ہے اس میں دو کھجور کے درخت حضور کے لگائے ہوئے ہیں، فقیر نے زیارت کی ہے۔

شرح (8): ابوعبیدہ ابن جراح:

آپ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن جراح ہے فہری قرشی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اس امت کے امین ہیں، حضرت عثمان ابن مظعون کے ساتھ ایمان لائے پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تمام غزوات میں شامل رہے احد میں ثابت قدم رہے خود کے دو حلقے جو حضور انور کے سر کے زخم میں گڑھ گئے تھے آپ نے نکالے جس سے آپ کی ثنایا دانت گر گئے، یہ واقعہ غزوہ احد میں ہوا طاعون عمواس میں وفات ہوئی ۱۸ اٹھارہ میں اٹھاون سال عمر ہوئی حضرت معاذ ابن جبل نے آپ کا جنازہ پڑھایا مقام بیسان میں دفن ہوئے حضور انور سے فہر ابن مالک میں مل جاتے ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ آپ اسلام کے بڑے جرنیل ہیں، شام کے فاتح آپ ہی ہیں، حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔ (حاشیہ)

شرح (9): عمار ابن یاسر:

آپ عنسی ہیں، بنی مخزوم قبیلہ کے آزاد کردہ آپ کے والد یاسر اپنے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ معظمہ آئے حارث اور مالک تو یمن چلے گئے یاسر مکہ معظمہ رہ گئے اور انہوں نے ابوحذیفہ ابن مغیرہ سے حلف کر لیا اور ابوحذیفہ نے اپنی لونڈی سمیّہ کا نکاح یاسر سے کر دیا ان سے عمار پیدا ہوئے ابوحذیفہ نے انہیں آزاد کر دیا حضرت عمار پرانے مؤمنین سے ہیں اسلام کی وجہ سے آپ کو مکہ والوں نے بہت ہی دکھ دیئے تاکہ اسلام چھوڑ دیں، ایک بار آپ کو آگ میں زندہ ڈال دیا اتفاقاً حضور انور وہاں سے گزرے آگ سے فرمایا اے آگ عمار پر اسی طرح ٹھنڈی سلامتی والی ہو جا جس طرح حضرت ابراہیم پر ہوئی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ مہاجرین اولین سے ہیں، بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) پانچویں صحابی حضرت ابومسعود عبداللہ بن مسعود ہزلی رضی اللہ عنہما ہیں جو علم و حلم کے مخزن ہیں۔(10)

(۶) چھٹے صحابی حضرت عتبہ بن مسعود برادر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں جو پاک طینت اور درگاہ حرمت کے متمسک تھے۔

(۷) ساتویں صحابی حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں جو گوشۂ تنہائی کی راہ کے سالک اور ہر عیب و ذلت سے کنارہ کشی کرنے والے تھے۔

(۸) آٹھویں صحابی حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ ہیں جو مقام تقوٰی کی دعوت دینے والے اور بلاؤ مصیبت پر راضی رہنے والے تھے۔(11)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور انور نے آپ کا نام طیب مطیب رکھا یعنی صاف ستھرے، جنگ صفین میں آپ حضرت علی کے ساتھ تھے اس میں قتل ہوئے یعنی ۳۷ میں ترانوے سال عمر پائی۔

شرح (10): عبداللہ ابن مسعود:

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے، ہزلی ہیں، پرانے مؤمنین سے ہیں، حضرت عمر فاروق سے کچھ پہلے ایمان لائے بلکہ آپ اسلام کے چھٹے صاحب ہیں کہ آپ سے پہلے صرف پانچ آدمی ایمان لائے تھے حضور انور کے خاص خادم تھے حضور کے صاحب اسرار تھے سفر میں حضور انور کی نعلین مسواک وضو کا برتن آپ کے پاس رہتا تھا بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، حضور انور نے آپ کے جنتی ہونے کی گواہی دی اور فرمایا کہ میں اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن مسعود پسند کریں اور وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جو ابن مسعود ناپسند کریں، اخلاق عادات طور طریقہ میں حضور انور سے بہت ملتے جلتے تھے دبلے دراز قدم گندمی رنگ تھے حضرت عمر کے زمانہ بلکہ شروع خلافت عثمانیہ میں بھی کوفہ کے حاکم رہے، پھر بیت المال کے محافظ پھر مدینہ منورہ آگئے وہاں ہی ۳۲ میں وفات ہوئی، ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی خلفاء راشدین نے آپ سے احادیث لیں۔ مترجم کہتا ہے کہ صحابہ کرام میں بڑے فقیہ صحابی ہیں حتی کہ امام اعظم ابوحنیفہ آپ کی اتباع کرتے ہیں۔

شرح (11): خباب ابن ارت:

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ تمیمی ہیں، زمانہ جاہلیت میں غلام بنالیے گئے تھے پھر آپ کو قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت نے خرید کر آزاد کر دیا، حضور انور کے دار ارقم میں جانے سے پہلے آپ ایمان لائے، آپ ان میں سے ہیں جنہیں اسلام کی وجہ سے بہت ایذائیں دی گئیں، آپ نے بہت صبر کیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۹) نویں صحابی حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہیں جو درگاہِ رضا کے قاصد اور بارگاہِ بقا اندر فنا کے طالب تھے۔ (12)

(۱۰) دسویں صحابی حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ہیں جو سعادت کے موتی اور بحر قناعت کے شناور تھے۔ (13)

(۱۱) گیارہویں صحابی حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے دونوں جہان اور تمام مخلوق سے منہ موڑ ایک خدا کے ہو کر رہ گئے۔ (14)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آخر میں کوفہ میں رہے وہاں ہی وفات ہوئی، آپ کی عمر ۷۳ تہتر سال ہوئی ۷۳ھ میں وفات پائی۔

شرح (12): صہیب ابن سنان:

آپ عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ ہیں، تیمی ہیں، آپ کی کنیت ابویحیی ہے آپ کا وطن موصل کے علاقہ میں تھا، رومیوں نے ان پر حملہ کیا آپ کو غلام بنالیا اس وقت آپ بچے تھے پھر رومیوں میں آپ کی پرورش ہوئی حتی کہ آپ کو عبداللہ ابن جدعان نے خرید کر آزاد کیا۔ آپ اور عمار ابن یاسر ایک ہی دن مکہ معظمہ ایمان لائے، جب کہ حضور انور دار ارقم میں تھے اور اس وقت تک تیس سے کچھ زیادہ آدمی مسلمان ہوئے تھے مکہ معظمہ میں آپ کو اسلام کی وجہ سے بہت سخت ایذائیں دی گئیں، پھر آپ مدینہ منورہ ہجرت کر کے آگئے، آپ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی" وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ" نوے سال عمر ہوئی، مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت بقیع میں دفن ہوئے۔

شرح (13): عتبہ ابن غزوان:

آپ مازنی ہیں، پرانے مؤمن ہیں، پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مدینہ منورہ کی طرف، بدر وغیرہ میں شریک ہوئے، آپ ساتویں مسلمان ہیں، حضرت عمر نے آپ کو بصرہ کا حاکم بنایا، پھر آپ حضرت عمر کے پاس آئے تو آپ نے وہاں ہی واپس فرمادیا راستے میں انتقال ہوا ۵۷ سال عمر ہوئی ۱۵ میں وفات ہوئی۔

شرح (14): زید ابن خطاب:

آپ قرشی عدوی ہیں، حضرت عمر فاروق کے بڑے بھائی ہیں، مہاجرین اولین سے ہیں، حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۱۲) بارہویں صحابی حضرت ابو کبیشہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے محبوب اور مشاہدات کی طلب میں مشقتیں جھیلنے والے تھے۔(15)

(۱۳) تیرھویں صحابی حضرت ابو مرثد کناز بن الحصین عدوی رضی اللہ عنہ ہیں جو معزو تواب اور تمام مخلوق سے منہ موڑ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔(16)

(۱۴) چودھویں صحابی حضرت سالم جو حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہما کے مولی ہیں وہ راہِ تواضع کی تعمیر کرنے والے اور حجتِ قطعیہ کی راہ طے کرنے والے تھے۔

(۱۵) پندرھویں صحابی حضرت عکاشفہ بن الحصین رضی اللہ عنہ ہیں جو عذابِ الٰہی سے ڈرنے والے اور گمراہی سے دور رہنے والے تھے۔

(۱۶) سولہویں صحابی حضرت مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ ہیں جو قبیلہ بنی قار کے سردار اور مہاجر و انصار کی زینت تھے۔

(۱۷) سترھویں صحابی حضرت ابوذر بن جنادہ غفاری رضی اللہ ہیں جن کا زہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند تھا اور جو دیدارِ الٰہی کے مشتاق تھے۔(17)

شرح (15): ابو کبشہ:

آپ کا نام عمرو ابن سعد انماری ہے شام میں قیام رہا۔

شرح (16): ابو مرثد غنوی:

آپ کا نام کناز ابن حصین ہے، غنوی ہیں، اپنی کنیت میں مشہور ہیں، آپ اور آپ کے بیٹے مرثد غزوہ بدر میں شریک ہوئے ۱۲ھ میں وفات پائی۔

شرح (17): ابوذر غفاری:

آپ کا نام جندب ابن جنادہ ہے، عظیم الشان صحابی ہیں، حضور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ آکر ایمان لائے، آپ پانچویں مؤمن ہیں، پھر اپنی قوم میں واپس گئے، پھر غزوہ خندق کے بعد حضور انور کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، پھر خلافت عثمانیہ میں مقام ربذہ میں رہے وہاں ہی وفات پائی، ۳۲ میں آپ کی وفات ہے، آپ اسلام سے پہلے بھی موحد تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

(۱۸) اٹھارھویں صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حضور کے تمام قول و فعل کے محافظ اور ہر خوبی سے متصف تھے۔ (18)

(۱۹) انیسویں صحابی حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ ہیں جو مقام استقامت پر قائم اور متابعتِ شریعت پر گامزن تھے۔ (19)

(۲۰) بیسویں صحابی حضرت ابوالدرداء عویم بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں جو صاحب ہمت اور ہر تہمت سے مبرا اور پاک تھے۔ (20)

شرح (18): عبداللہ ابن عمر:

آپ قرشی عدوی ہیں، حضرت فاروق کے فرزند اپنے والد کے ساتھ مکہ معظمہ میں ایمان لائے، بدر میں لڑکپن کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔ حق یہ ہے کہ غزوہ احد میں بھی حضور انور نے ان کے بچہ ہونے کی وجہ سے شریک نہیں کیا، غزوہ خندق میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں آپ چودہ سالہ تھے، بڑے عابد زاہد محتاط اور متبع سنت تھے، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو دنیا نے اپنی طرف راغب کرلیا سواء حضرت عبداللہ ابن عمر کے، حضرت میمون ابن مہران فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر جیسا متقی، ابن عباس جیسا عالم نہ دیکھا۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر نے ایک ہزار غلام آزاد کیے، ظہور نبوت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اور ۷۳ تہتر میں حضرت ابن زبیر کے قتل کے تین مہینہ بعد وفات پائی، آپ کی وصیت تو یہ تھی کہ آپ کو حل میں دفن کیا جاوے مگر حجاج نے ایسا نہ کرنے دیا تو آپ ذی طویٰ میں دفن کیے گئے مہاجرین کے قبرستان میں۔ آپ کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حجاج نے جمعہ کا خطبہ دراز کیا آپ نے فرمایا کہ سورج تیرا انتظار نہ کرے گا وہ بولا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اندھا کردوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو ایسا کرسکتا ہے کہ تو ایک احمق شخص ہے جو ہم پر مسلط کردیا گیا ہے، نیز آپ حج میں حجاج سے پہلے ہی عرفہ میں حضور انور کی قیام گاہ میں جا کر ٹھہر جاتے تھے ان وجوہ سے حجاج آپ سے کینہ رکھنے لگا، اس نے ایک شخص سے کہا اس نے زہریلا نیزہ آپ کے تلوے میں چبھو دیا راہ چلتے ہوئے اس سے آپ کی موت واقع ہوئی، چوراسی یا چھیاسی سال آپ کی عمر ہوئی آپ کے فضائل بہت ہیں۔

شرح (19): حضرت صفوان بن بیضاء بدر کے میدان میں شہید ہوگئے تھے۔

شرح (20): ابوالدرداء:

آپ کا نام عویمر ابن عامر ہے، انصاری خزرجی ہیں، اپنی کنیت میں مشہور ہیں، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۱) اکیسویں صحابی حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر (21) رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برگزیدہ صحابی اور بارگاہِ رجا سے تعلق رکھنے والے تھے۔

(۲۲) بائیسویں صحابی حضرت عبداللہ بن بدر جہنی رضی اللہ عنہ ہیں جو کیمیائے بحرِ شرف اور توکل کے صدف کے موتی تھے۔

اگر تمام اصحاب صفہ کے اسماء بیان کئے جائیں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ شیخ ابو عبدالرحمن محمد بن الحسین سلمٰی رحمۃ اللہ علیہ (22) نے جو مشائخ عظام کے کلام واقوال کے جامع وناقل ہیں ایک کتاب، خاص اہل صفہ کے لیے تصنیف فرمائی ہے جس میں ہر ایک کے مناقب وفضائل اور اسماء گرامی ان کی کنیتوں کے ساتھ علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کئے ہیں یہ کتاب قابلِ دید ہے۔

(۲۳) حضرت مسطح بن ثابت بن عباد بدری رضی اللہ عنہ کو بھی اصحابِ صفہ میں شمار کیا جاتا ہے مگر میں دل سے ان کو دوست نہیں رکھتا چونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی جانے والی جھوٹی تہمت کی ابتدا ان ہی سے ہوئی تھی۔

(۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ (23)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) درداء آپ کی بیٹی کا نام ہے، اپنے گھر والوں کے بعد ایمان لائے، آپ بڑے فقیہ عالم ہیں، شام میں قیام رہا، دمشق میں آپ کی قبر ہے، سنہ ۳۲ بتیس میں وفات پائی، مترجم نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔

شرح (21): ابولبابہ:

آپ کا نام رفاعہ عبدالمنذر ہے اوسی انصاری ہیں، بیعت عقبہ غزوہ بدر اور تمام غزوات شریک ہوئے، بعض نے کہا کہ بدر میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ حضور انور کے حکم سے مدینہ منورہ میں انتظام کے لیے رہے مگر آپ کو غنیمت سے حصہ دیا گیا حضرت علی کی خلافت میں وفات پائی۔

شرح (22): شیخ ابوعبدالرحمن محمد بن الحسین ۳۳۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴۱۲ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (23): ثوبان:

آپ ثوبان ابن بجدہ ہیں، کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا، آپ حضور انور کی وفات تک سفر وحضر میں حضور کے ساتھ رہے، پھر شام کی بستی رملہ میں قیام رہا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۶) حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ (24)

(۲۷) حضرت دستان رضی اللہ عنہ

(۲۸) حضرت خلاب رضی اللہ عنہ

(۲۹) حضرت ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ

(۳۰) حضرت ابو عیسیٰ رضی اللہ عنہ

(۳۱) حضرت عویم بن ساعد رضی اللہ عنہ (25)

(۳۲) حضرت سالم بن عمر بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۳۳) حضرت ابو اللیث رضی اللہ عنہ

(۳۴) حضرت کعب بن عمر رضی اللہ عنہ

(۳۵) حضرت ذہب بن معقل رضی اللہ عنہ

(۳۶) حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

(۳۷) حضرت حجاج بن عمر اسلمی رضی اللہ عنہم کو بھی انہیں اصحاب صفہ میں شمار کیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی انہوں نے اپنے متعلقین کی طرف بھی توجہ کر لی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہاں سے حمص چلے گئے، سنہ ۵۴ھ چون میں وہاں ہی وفات پائی آپ سے بہت لوگوں نے احادیث لیں۔

شرح (24): معاذ ابن حارث ابن رفاعہ:

آپ انصاری زرقی ہیں، آپ کی والدہ عفراء بنت عبید ابن ثعلبہ ہیں، آپ اور رافع ابن مالک خزرجی انصاری ہیں پہلے مؤمن ہیں، آپ اور آپ کے دونوں بھائی عوف اور معوذ بدر میں شریک ہوئے دونوں بھائی وہاں ہی شہید ہوئے، آپ کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں آپ بدر میں زخمی ہوئے پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پائی بعض کی رائے ہے کہ خلافت عثمانیہ میں آپ کی وفات ہے آپ سے بہت صحابہ نے روایات لیں۔

شرح (25): عویم ابن ساعدہ:

آپ انصاری اوسی ہیں، دونوں بیعت عقبہ میں اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، قوی یہ ہے کہ آپ خلافت فاروقی میں فوت ہوئے، عمر ۶۵ پینسٹھ سال ہوئی، حضرت عمر نے آپ سے روایت کی۔

طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت:

تمام صحابہ کرام مرتبہ صحابیت میں یکساں ہیں [26] ان کا زمانہ سب زمانوں سے ہر لحاظ سے افضل تھا درحقیقت صحابہ کرام کا زمانہ ہی خیر القرون تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز فرمایا اوران کے دلوں کو تمام عیبوں سے محفوظ رکھا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "خَیرَ القُرُونِ قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم [27] الحدیث" (بخاری شریف) سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ اس کے بعد وہ زمانہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو اس کے بعد آئے گا۔ [28] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شرح (26): صحابہ کرام علیہم الرضوان

وہ صحابہ کرام کی فضیلت اوران کی ترتیب پر بھی ایمان لائے وہ یہ کہ نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد سب سے افضل امیر المؤمنین حضرت سیّدُ نا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر امیر المؤمنین حضرت سیّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر امیر المؤمنین حضرت سیّدُ نا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوراس کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیّدُ نا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیم ہیں

تمام صحابہ کرام کے بارے میں اچھا عقیدہ رکھے اور تمام صحابہ کرام کی اسی طرح تعریف کرے جس طرح اللہ عَزَّ وَجَلَّ اوراس کے رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کی تعریف کی ہے اور یہ تمام باتیں احادیث میں آئی ہیں اور آثار اس پر گواہ ہیں جو شخص یقین کے ساتھ ان باتوں پر اعتقاد رکھے وہ اہل حق اور اہل سنت میں سے ہے وہ گمراہ و بدعتی فرقے سے الگ ہے۔ ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے کمال یقین اور دین میں ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں، بے شک وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

شرح (27): (جامع الترمذی، ابواب الشہادات، امین کمپنی دہلی ۲ / ۵۴)

شرح (28): اہل تصوّف کون

اگرچہ صحابہ و تابعین علیہم الرضوان کو "متصوّفین" کا نام نہیں دیا گیا۔ مگر عملاً و فعلاً، وہ اہلِ تصوّف تھے۔ کیونکہ تصوّف و طریقت سارا کا سارا یہی ہے۔ کہ بندہ نفس کے بجائے ربّ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے زندہ ہو۔ اور اپنے تمام اوقات میں روح و قلب کے ساتھ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف متوجہ رہے۔ یہ تمام کمالات صحابہ کرام علیہم الرضوان میں بدَرَجہ اولیٰ موجود تھے۔ انہوں نے اسلامی اعتقادات کے اقرار اور فرائض اسلام کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ الآیہ (29)

(التوبۃ: ۱۰۰) ''سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار ہیں اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ ان کے بعد ایمان لائے۔''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ادائیگی پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ذوق اور وَجدان کو بھی ملایا اور حضورِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پسندیدہ جمیع نفلی عبادات پر بھی عمل پیرا رہے، وہ مُحرَّمات (حرام کاموں) کے علاوہ مکروہات سے بھی دور رہے۔ حتّٰی کہ ان کی بصیرتیں منور ہوگئیں۔ ان کے قُلوب سے حکمتوں کے چشمے پھوٹ پڑے اور ان کے اَطراف پر، اَسرارِ ربانی کا فیضان ہوا۔

بہترین ادوار

یہی حال تابعین اور تبع تابعین علیہم الرضوان کا تھا۔ اور یہی ''قرون ثلاثہ'' اسلام کے ''بہترین'' ''اَدوار'' تھے۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا! ''اَدوار'' میں بہترین میرا زمانہ ہے۔ پھر وہ جو اس کے قریب ہے، پھر وہ جو اِن سے قریب ہے۔ (بخاری و مسلم)

علم تَصوُّف کی ضرورت

جب یہ عمدہ ترین ''اَدوار'' گزر گئے تو حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانے سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ، روحانیت بھی کمزور ہونے لگی۔ اور لوگ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بندگی سے غافل ہونے لگے۔ تو اربابِ ریاضت و زہد نے، دعوت الی الحق اور توجہ الی اللہ کے لئے علم تَصوُّف کی تدوین کی۔

معلوم ہوا! ''تَصوُّف وطریقت'' کوئی نئی اصطلاح نہیں، بلکہ یہ سیرت رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم اور حیات صحابہ علیہم الرضوان سے ماخوذ ہے۔ اور تَصوُّف وطریقت کی اَساس، اِس ''اُمت'' کے سَلَف وصالحین علیہم الرَّحمۃ جلیل القدر صحابہ، تابعین، تبع تابعین علیہم الرضوان کے طریقے پر ہے۔ اور یہ طریقہ عین اسلام سے عملی مطابقت کا ہی نام ہے۔

شَیخ اَحمد زروق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں! جس طرح عُلَماء ظاہر نے حدودِ شریعہ کی حفاظت کی ہے، اسی طرح عُلَماء تَصوُّف نے شرِیعت کی روح اور آداب کی حفاظت کی ہے۔ (فوائد التَصوُّف، ۲۹۵)

شرح (29): وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسٰنٍ

ترجمہ کنز الایمان: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے

(پ ۱۱، التوبہ: ۱۰۰)

باب 10:

طبقہ تابعین کے ائمہ طریقت کا تذکرہ

اب میں بعض تابعین کے تذکرے کو شامل کتاب کرتا ہوں تاکہ مکمل فائدہ حاصل ہو کیونکہ ان کا زمانہ صحابہ کرام کے زمانہ سے متصل وقریب تھا۔

(۱) حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ:

طبقہ تابعین کے ائمہ طریقت میں سے آفتاب امت، شمع دین وملت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں آپ اہلِ تصوف کے مشائخ کبار میں سے ہیں (1) آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانۂ حیات ظاہری اور عہد مبارک پایا ہے لیکن دو چیزوں نے دیدارِ جمال جہاں آراء سے آپ کو روکے رکھا ایک آپ

شرح (1): اویس قرنی:

آپ اویس ابن عامر ہیں، کنیت ابوعمرو ہے، قرن جو یمن کا شہر ہے وہاں کے رہنے والے ہیں، حضور انور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ کرسکے، حضور انور نے آپ کے مدینہ آنے کی بشارت دی تھی، حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ سے ملاقات ہے، گوشہ نشینی اور زہد وتقویٰ میں مشہور تھے، ۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے۔

وهذا خير التابعين بشهادة سيد العالمين صلى الله تعالى عليه وسلم المروية من طريق عمر رضی الله تعالى عنه، عند مسلم ا فی صحيحة ومن حديث علی كرم الله وجهه عند الحاكم ۲ بسند صحيح اعنی ولی الله سيدنا اويس القرنی رضی الله تعالى عنه منعته خدمة امه والبربها ان ياتی رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ويتشرف بذاك الشرف الاهم الاعظم، هو صحبة نبی الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فماظنك بهذا الذی يسميه الناس هجرة وماوهو بهجرة وانما الهجرة هجران الذنوب، نسأل توفيقه من رب القلوب۔ (صحیح مسلم، باب من فضائل اویس قرنی، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۱) (المستدرک للحاکم، مناقب اویس قرنی، دارالفکر بیروت ۳/۴۰۳)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا غلبہ حال دوسرا آپ کی والدہ کا حق۔ (2)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "قرن میں ایک اویس نامی مردِ خدا ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ (3)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جب تم اس سے ملاقات کرو گے تو پستہ قد، لانبے بال اور داہنی جانب روپے کے برابر سفید نشان پاؤ گے یہ سفیدی برص کی نہ ہوگی ایسا ہی نشان اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہوگا وہ ربیعہ و مضر کی بکریوں کی تعداد کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا جب تم اس سے ملو تو میرا اسلام پہنچا کر کہنا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آیئے ایک ایسی شخصیت کا عمل پڑھتے ہیں جن کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تابعین میں افضل شخصیت ہے یعنی ولی اللہ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آ کر اعلیٰ و افضل مقام حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پانے سے مانع فقط والدہ کی خدمت اور حسن سلوک ہی تھا، اب ذرا سوچئے اس عمل کا کیا مقام ہے جسے لوگوں نے ہجرت کا نام دے رکھا ہے حالانکہ یہ ہرگز ہجرت نہیں، ہجرت تو حقیقۃً گناہوں کا چھوڑنا ہے، ہم رب قلوب سے اسکی توفیق کے طلبگار ہیں۔

شرح (2): آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر آپ کی والدہ کے پاس کوئی خدمت گار نہ تھا اس لیے ماں کو چھوڑ کر حاضر خدمت نہ ہوئے، آپ کے بائیں پہلو پر برص کا سفید داغ تھا جو آپ کی بار بار دعا سے تھوڑا سا رہ گیا تھا۔ آپ خلافت فاروقی میں حج کو آئے پھر حضرت عمر نے پوچھا کہ آپ کہاں رہنا پسند کرتے ہیں عرض کیا کہ کوفہ میں چنانچہ آپ عرصہ تک کوفہ میں رہے۔

شرح (3): (حلیۃ الاولیاء، اویس بن عامر القرنی، الحدیث: ۱۵۶۷، ج ۲، ص ۹۶-۹۷) (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل اویس القرنی، الحدیث: ۲۲۴ (۲۵۴۲)، ص ۱۱۲۳) (سیر اعلام النبلاء، الرقم ۳۷۲، اویس قرنی، ج ۵، ص ۷۴)

میری امت کے لیے دعا کریں (4) چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت عمر فاروق جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا ''اے نجد کے رہنے والو کھڑے ہوجاؤ'' جب وہ لوگ کھڑے ہوگئے تو فرمایا تم میں سے کوئی قرن کا رہنے والا شخص ہے؟ جب قرن کے لوگ آئے تو ان سے حضرت اویس کے بارے میں استفسار فرمایا انہوں نے بتایا وہ تو دیوانہ آدمی ہے (5) وہ نہ تو آبادی میں آتا ہے اور نہ کسی سے ملتا جلتا ہے عام طور پر لوگ کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا حتیٰ کہ وہ غم وخوشی تک کو نہیں جانتا جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں لوگوں نے کہا وہ جنگل میں ہمارے اونٹوں کے پاس رہتا ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دونوں اٹھ کر چل دیے یہاں تک کہ دونوں حضرت اویس قرنی کے پاس پہنچے وہ نماز میں مصروف تھے انتظار میں بیٹھ گئے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام عرض کیا اور دونوں نے ان کی ہتھیلی اور پہلو پر نشان دیکھے اور جب حضور ﷺ کی بیان کردہ نشانیوں کو پہچان لیا تو دعا کے خواستگار ہوکر حضور اکرم ﷺ کا سلام اور امت کے لیے دعا کی وصیت پہنچائی۔ کچھ دیر یہ دونوں ان کے پاس بیٹھے رہے پھر حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے بڑی تکلیف وزحمت فرمائی اب جائیے قیامت نزدیک ہے وہاں ہمیں ایسا دیدار نصیب ہوگا جو کبھی منقطع نہ ہوگا اب میں قیامت کا راستہ بنانے اور اسے صاف کرنے میں مشغول ہوں ان دونوں امیروں کی ملاقات سے اہلِ قرن کو معلوم ہوگیا کہ بظاہر یہ دیوانہ آدمی کون ہے؟ چنانچہ وہ لوگ ان کی بہت عزت اور قدر ومنزلت کرنے لگے اس واقعہ کے بعد حضرت اویس قرنی وہاں سے کوچ کرکے کوفہ چلے گئے کوفہ میں انہیں صرف ہرم بن حبان نے ایک مرتبہ دیکھا (6)

شرح (4): سیر اعلام النبلاء، الرقم ۳۷۲، اویس قرنی، ج ۵، ص ۴۷

شرح (5): (سنن ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب صفۃ النار، الحدیث ۴۳۲۳، ص ۲۷۴۰) (مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الفضائل، باب ماذکر فی اویس القرنی، الحدیث ۱، ج ۷، ص ۵۳۹)

شرح (6): حضرت سیدنا ہرم بن حیان علیہ رحمۃ اللہ المنان فرماتے ہیں: جب مجھ تک یہ حدیث پہنچی تو میں فوراً کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ میرا وہاں جانے کا صرف یہی مقصد تھا کہ حضرت سیدنا اویس قرنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی زیارت کرلوں، اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوسکوں۔ کوفہ پہنچ کر میں انہیں تلاش کرتا رہا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں تک کہ جنگ صفین حضرت علی مرتضیٰ کی حمایت میں جہاد کے لیے نکلے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ ''عاش حمیداً او مات شہیداً'' پسندیدہ زندگی گزاری اور شہادت کی موت پائی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بالآخر میں نے انہیں دوپہر کے وقت نہر فرات کے کنارے وضو کرتے پایا۔ جو نشانیاں مجھے ان کے متعلق بتائی گئی تھیں ان کی وجہ سے میں نے انہیں فوراً پہچان لیا۔

ان کا رنگ انتہائی گندمی، جسم دبلا پتلا، سر گرد آلود اور چہرہ انتہائی بارعب تھا۔ میں نے قریب جا کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، اور میری طرف دیکھا۔ میں نے فوراً مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن انہوں نے مصافحہ نہ کیا۔ میں نے کہا: اے اویس (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیسے ہیں؟ ان کو اس حالت میں دیکھ کر اور ان سے شدید محبت کی وجہ سے میری آنکھیں بھر آئیں اور میں رونے لگا۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگے۔

اور مجھ سے فرمایا: اے میرے بھائی ہرم بن حیان (علیہ رحمۃ اللہ المنّان)! اللہ عزوجل آپ کو سلامت رکھے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیسے ہیں؟ اور میرے بارے میں اپ کو کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟ میں نے جواب دیا: اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف راہ دی ہے۔

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور سُبْحٰنَ اللّٰہِ کی صدائیں بلند کیں، اور فرمایا: بے شک ہمارے رب عزوجل کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے۔

پھر میں نے ان سے پوچھا: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو میرا اور میرے والد کا نام کیسے معلوم ہوا؟ حالانکہ آج سے پہلے نہ کبھی میں نے آپ کو دیکھا اور نہ ہی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے دیکھا۔

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: مجھے میرے علیم وخبیر پروردگار عزوجل نے خبر دی ہے۔ اے میرے بھائی ھرم بن حیان (علیہ رحمۃ اللہ المنّان)! میری روح تیری روح کو اس وقت سے جانتی ہے جب (عالمِ ارواح) میں تمام روحوں کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی۔ بے شک بعض مؤمن اپنے بعض مؤمن بھائیوں کو جانتے ہیں اور وہ اللہ عزوجل کے حکم سے ایک دوسرے سے اُلفت ومحبت رکھتے ہیں، اگرچہ ان کی بظاہر ملاقات نہ ہوئی ہو، اگرچہ وہ ایک دوسرے سے بہت دور رہتے ہوں۔

پھر میں نے ان سے کہا: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، مجھے رسول اللہ عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی کوئی حدیث سنائیے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ **السلامة فی الوحدة** وحدت میں سلامتی ہے اس لیے کہ جس کا دل تنہا ہو وہ غیر کے فکر و اندیشہ سے بے پرواہ ہر حال میں مخلوق سے کنارہ کش اور ان آفتوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مجھے نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت نصیب ہوئی اور نہ ہی میں ان کی زیارت سے مشرف ہوسکا، ہاں! اتنا ضرور ہے کہ میں نے ان عظیم ہستیوں کی زیارت کی ہے، جن کی نظریں میرے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والضحیٰ والے چہرے کی زیارت کرچکی ہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنے اوپر اس بات کا دروازہ کھولوں کہ لوگ مجھے محدث، مفتی یا راوی کہیں، میں لوگوں سے دور رہنا چاہتا ہوں اور اپنی اس حالت پر خوش ہوں۔

پھر میں نے ان سے کہا: اے میرے بھائی! مجھے اللہ عزوجل کے کلام سے کچھ تلاوت ہی سنا دیجئے، اور مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تاکہ میں اسے یاد رکھوں۔ بے شک میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صرف اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت سیدنا اویس قرنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے میرا ہاتھ پکڑا، اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھ کر فرمایا: میرے رب عزوجل کا کلام سب کلاموں سے اچھا ہے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورہ دخان کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ○ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کھیل کے طور پر۔ ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں اکثر جانتے نہیں۔ بے شک فیصلہ کا دن ان سب کی میعاد ہے۔ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی، مگر جس پر اللہ رحم کرے، بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔ (پ25 الدخان: 38 تا 42)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ چند آیتیں پڑھیں پھر ایک زوردار چیخ ماری۔ میرے گمان کے مطابق شاید آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش ہو گئے تھے، جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو فرمانے لگے: اے ابن حیان! تیرا باپ فوت ہو چکا، عنقریب تو بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ پھر یا تو تیرا ٹھکانا جنت میں ہوگا یا پھر معاذ اللہ عزوجل جہنم میں۔ (اللہ عزوجل ہم سب کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے محفوظ رہتا ہے لیکن اگر یہ سمجھے کہ تنہائی کی زندگی گزارنا محال ہے تو وہ جان لے کہ اس کے دل پر شیطان کا تسلط ہے اور اس کے سینہ میں نفس کا غلبہ ہے حالانکہ جس وقت دنیا و آخرت کی فکر اور خلق کا اندیشہ اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اے ابن حیان علیہ رحمۃ اللہ المنان! تیرا باپ حضرت سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تیری ماں حضرت سیدتنا حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دنیا فانی سے جا چکے، حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت سیدنا نوح، حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ، حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ، حضرت سیدنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہمارے پیارے آقا، مدینے والے مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم بھی اس دنیا سے ظاہری پردہ فرما چکے، خلیفہ اوّل امیر المؤمنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا، اور میرے بھائی اور دوست خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی وصال ہو گیا۔ جب میں نے یہ سنا تو فوراً کہا: حضور! یہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا فرما رہے ہیں؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ابھی حیات ہیں، ان کا ابھی وصال نہیں ہوا۔ یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: مجھے میرے پروردگار عزوجل نے خبر دی ہے، اور میرا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، عنقریب میں اور آپ بھی اس دنیا فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔

پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود و سلام کے گجرے نچھاور کئے اور آہستہ آواز میں دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔

پھر فرمایا: میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا۔ کتاب اللہ عزوجل میں تمام احکامات آ چکے، تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس دنیا سے کوچ کر جانا ہمارے لئے ایک بہت بڑی نصیحت ہے۔ ہمیشہ موت کو یاد رکھنا۔ اپنے دل کو دنیا میں نہ الجھانا اور جب تو یہاں سے اپنی قوم کے پاس جائے تو انہیں (عذابِ آخرت) سے خوب ڈرانا، اور تمام لوگوں کا خیر خواہ اور ناصح بن کر رہنا اور کبھی بھی جماعت سے دور نہ ہونا، اگر تو مسلمانوں کی بڑی جماعت سے جدا ہو گیا، تو تُو دین سے جدا ہو جائے گا۔ تجھے معلوم بھی نہ ہو گا اور تو جہنم میں داخل ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: اے میرے بھائی! تو اپنے لئے بھی دعا کرنا اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے: اے پروردگار عزوجل! ہرم بن حیان کا گمان ہے کہ یہ مجھ سے تیری خاطر محبت کرتا ہے اور تیری رضا ہی کی خاطر مجھ سے ملاقات کرنے آیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دماغ میں موجود ہے اس وقت تک وحدت وتنہائی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا اس لیے کہ کسی خاص چیز سے راحت پانا اور اس کی فکر رکھنا ایک ہی چیز ہے جسے خلوت گزینی اور تنہائی کی عادت ہوگئی وہ اگرچہ مجلس میں بیٹھا ہو مگر اس کی وحدت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور جو شخص کسی اور خیال میں غرق ہو اگرچہ وہ خلوت میں ہو تو یہ خلوت اسے فارغ نہیں کرتی (7) معلوم ہوا کہ انسانوں سے جدا ہونا محبت الٰہی نہیں ہے لیکن جسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یا اللہ عزوجل! مجھے جنت میں اس کی پہچان کرا دینا، اور جنت میں بھی میری اس سے ملاقات کرا دینا۔ یا اللہ عزوجل! جب تک یہ دنیا میں باقی رہے اس کی حفاظت فرما، اور اسے تھوڑی ہی دنیا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ عزوجل اسے جو نعمتیں تو نے عطا کی ہیں۔ ان پر شکر کرنے والا بنادے، ہماری طرف سے اسے خوب بھلائی عطا فرما۔

پھر مجھ سے فرمایا: اے ابن حیان! تجھ پر اللہ عزوجل کی رحمت ہو اور خوب برکت ہو، آج کے بعد میں تجھ سے ملاقات نہ کرسکوں گا، بے شک میں شہرت کو پسند نہیں کرتا۔ جب میں لوگوں کے درمیان ہوتا ہوں تو سخت پریشان اور غمگین رہتا ہوں۔ بس مجھے تو تنہائی بہت پسند ہے۔ آج کے بعد تو میرے متعلق کسی سے نہ پوچھنا۔ اور نہ ہی مجھے تلاش کرنا۔ میں ہمیشہ تجھے یاد رکھوں گا، اگرچہ تم مجھے نہ دیکھو گے اور میں تجھے نہ دیکھ سکوں گا۔ میرے بھائی! تو مجھے یاد رکھنا، میں تجھے یاد رکھوں گا۔ میرے لئے دعا کرتے رہنا۔ اللہ عزوجل نے چاہا تو میں تجھے یاد رکھوں گا اور تیرے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ اب تو اس سمت چلا جا اور میں دوسری طرف چلا جاتا ہوں۔

یہ کہہ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک طرف چل دیئے۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ کچھ دُور تک آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ چلوں، لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انکار فرمادیا، اور ہم دونوں روتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

میں بار بار آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مڑ مڑ کر دیکھتا، یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک گلی کی طرف مڑ گئے۔ اس کے بعد میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجھے نہ مل سکے، اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ملا جو مجھے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق خبر دیتا۔ ہاں! اللہ عزوجل نے مجھ پر یہ کرم کیا مجھے ہفتے میں ایک، دو مرتبہ خواب میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت ضرور ہوتی ہے۔

(عُیُوْنُ الحِکَایَات امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی علیہ رحمۃ اللہ القوی صفحہ ۵۸)

شرح (7): خاموشی گوشہ نشینی اور خلوت کی صورت میں آسان ہوتی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محبت الٰہی حاصل ہو جائے اس کے لئے انسانوں سے ملنا جلنا ضروری نہیں ہے اور جسے انسانوں سے محبت ہے اس کے دل میں خدا کی دوستی کا گزر نہیں ہوتا بلکہ اسے محبت الٰہی کی ہوا تک نہیں لگتی ''لان الوحدۃ صفۃ عبد صافٍ'' اس لیے کہ وحدت صاف دل بندہ کی صفت ہے۔ سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ (8) ''کیا اللہ بندے کے لیے کافی نہیں۔''

(۲) حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ:

طبقۂ تابعین کے ائمہ طریقت میں سے منبع صفا، معدن وفا حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ ہیں جو اکابر طریقت میں سے ہیں آپ کو طریقت و معرفت میں کمالِ دسترس حاصل تھی صحابہ کرام کی مجلسوں میں رہے ہیں آپ نے جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا تو قرن پہنچے لیکن وہ وہاں سے کوچ کر کے جا چکے تھے ناامید ہو کر واپس آ گئے پھر پتہ چلا کہ کوفہ میں ہیں تو کوفہ پہنچے مگر طویل عرصہ تک ملاقات نہ ہو سکی مایوس ہو کر بصرے جانے کا ارادہ کیا تو اچانک فرات کے کنارے جبہ پہنے وضو کرتے مل گئے دیکھتے ہی پہچان لیا جب کنارۂ فرات سے باہر آ کر ریش مبارک میں کنگھی کی تو حضرت ہرم بن حبان نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ انہوں نے جواب دیا **وعلیك السلام یا ھرم بن**

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور کلام کا زیادہ حریص وہ شخص ہوتا ہے جو صاحبِ علم ہو، کیونکہ اس سے رکنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا فائدہ و نفع بھی بہت زیادہ ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے باطن غیب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دنیاوی زندگی سے اعراض کرتا ہے۔

جبکہ خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ انسان غفلت سے بچ جاتا ہے، تاکہ مقصد کے لئے فارغ ہو سکے اور اس مقصد کے لئے حواس کا سکون ضروری ہے، کہ اس سے انسان کا دل حرکت کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کے لئے خلوت ضروری ہے، پھر بہتر یہ ہے کہ وہ ایسے کمرے میں خلوت اختیار کرے، جس میں اندھیرا ہو، تاکہ اس کی نظر کسی ایسی چیز پر نہ پڑے جو اسے غافل کر دے، لیکن اگر تاریک کمرہ میسر نہ ہو تو وہ اپنے سر کو کسی چیز سے لپیٹ لے یا آنکھیں بند کر لے، اور حواس کے سکون کی صورت وہ ندائے حق سنے گا، نیز اللہ ربّ العزّت کے جمال کا مشاہدہ کریگا۔

شرح (8): اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ

ترجمہ کنزالایمان: کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔ (پ ۲۴، الزمر: ۳۶)

حبان حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ انہوں نے کہا "عرفت روحی روحک" میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا، کچھ عرصہ قیام کے بعد انہیں واپس کر دیا۔ (9)

حضرت ہرم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے میری اکثر باتیں ہوئی ہیں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے مجھے بروایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی کہ:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّانَوٰى (10) (بخاری شریف) آخر تک یعنی حقیقت یہ ہے کہ ہر عمل کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ثمرہ ملتا ہے جو نیت کرے (11) جس نے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت خدا اور رسول ہی کی طرف ہوگی اور جس نے دنیا کی طرف ہجرت کیا سے وہی ملے گی اگر بیوی کی خواہش کی تو اس سے نکاح کر لے گا اس کی ہجرت اس کے لیے ہے جس کی وہ نیت کرے اس کے بعد حضرت اویس قرنی نے مجھے نصیحت کی کہ "عليك بقلبك" تم پر فرض ہے کہ اپنے دل کی نگہداشت کرو تا کہ کسی غیر کی فکر میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

دلوں کی حفاظت کا طریقہ:

اس نصیحت کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ دل کو ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ حق تعالیٰ کی اطاعت پر لگائے

شرح (9): اس کی تفصیل پچھلے صفحے پر گزر چکی ہے۔

شرح (10): (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲)

شرح (11): نیت ارادہ عمل کو بھی کہتے ہیں اور اخلاص کو بھی اس صورت میں یہ حدیث اپنے عموم پر ہے کوئی عمل اخلاص کے بغیر ثواب کا باعث نہیں خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے نماز روزہ وغیرہ یا عبادات غیر مقصودہ جیسے وضو غسل کپڑا جگہ کا پاک کرنا وغیرہ کہ ان پر ثواب اخلاص سے ہی ملتا ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاص اور نیتِ خیر ایسی نعمتیں ہیں کہ ان کے بغیر عبادات محض عادتیں بن جاتی ہیں اور اس کی برکت سے کفر شکر بن جاتا ہے اور گناہ و معصیت اطاعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات غارِ ثور میں ایک قسم کی خود کشی کر لی، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے خندق میں عمداً نماز عصر چھوڑ دی مگر چونکہ نیتیں خیر تھیں اس لیے ان حضرات کے یہ کام ثواب کا باعث بنے۔ (مراۃ المناجیح، ج۱، ص ۲۲)

رکھے دوسرے یہ کہ خود کو دل کے تابع کرو یہ دونوں اصول قوی ہیں دل کو حق کے تابع کرنا ارادتمندوں کا کام ہے تا کہ خواہشات کی کثرت اور ہوائے نفس کی محبت سے دل محفوظ رہے اور تمام ناموافق خطرات اور اندیشے دل سے نکال پھینکے اور اس کی درستگی وحفاظت کی تدبیر میں مشغول ہوکر حق تعالیٰ کے نشانِ قدرت پر نظر رکھے تا کہ دل خدا کی محبت کی آماجگاہ بن جائے اور خود کو دل کے تابع کرنا کاملوں کا کام ہے (12) کیونکہ حق تعالیٰ ان کے دلوں کو نورِ جمال سے منور کر کے تمام اسباب علل سے پاک وصاف بنا کر مقام بلند

شرح (12): جب دل کے بارے میں معلوم ہوگیا تو اب ہم دل کے لشکروں کو بیان کرتے ہیں۔ دل کے لشکر دو قسم کے ہیں: ایک وہ لشکر جو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے اور یہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور دیگر اعضاء ہیں۔ اور دوسرا وہ لشکر ہے جو بصیرت سے دکھائی دیتا ہے (یعنی دل کی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے) اور یہ وہ صفات ہیں جن کا عنقریب ذکر ہوگا۔

اس پر نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا یہ فرمانِ نصیحت نشان بھی دلالت کرتا ہے: بے شک انسانی بدن میں ایک لوتھڑا (یعنی گوشت کا ٹکڑا) ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، سُن لو! وہ دل ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبراء لدینہ، الحدیث ۵۲، ص ۶) (مسند ابی داؤد الطیالسی، الجزء الثالث، العنمان بن بشیر، الحدیث ۷۸۸، ص ۱۰۶۔۱۰۷)

دِل کو بادشاہ اور مخدوم ہونا چاہے، نفس اور تمام اعضاء کو اس کے اَوامر ونواہی کا تابع ہونا چاہئے ،لیکن اگر تمام اعضاء دل کے مطیع نہ ہوں اور ان پر شہوت غالب ہو تو امیر (یعنی دل) مامور بن جاتا ہے اور معاملہ اُلٹ ہو جاتا ہے اور بادشاہ (یعنی دل) کسی کتے یا دشمن کے قبضہ میں قید شخص کی طرح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب آدمی حرص یا شہوت کی پیروی کرتا ہے تو حالتِ نیند یا بیداری میں گویا اپنے آپ کو خنزیر یا گدھے کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور یہی جعلی صوفیاء کی حالت ہے اور اگر وہ غصہ کی پیروی کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو کتے کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ درحقیقت گدھے کی پیروی شہوت کی پیروی ہے اور خنزیر کی اطاعت حرص کی پیروی ہے اور جب آدمی اس حالت (یعنی خواہش وحرص کی پیروی) میں ہوتا ہے تو وہ اپنے اوپر مسلّط شیطان کا پیروکار بن جاتا ہے پس جب خواہشات کا تسلّط ان صفات کے ساتھ جو شیطان کے لشکر ہیں، دل پر طویل ہو جاتا ہے تو اس لشکر کو شکست دینے کے لئے دل کی مدد نہیں کی جاتی اور دل عرصۂ دراز تک مغلوب رہتا ہے اور وہ اس لطیفہ کی خاصیت کو ضائع کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ احادیث میں دل کی سیاہی سے یہی مراد ہے۔

اور درجہ رفیعہ پر فائز کر دیتا ہے اور ان کے جسموں کو خلعتِ قرب سے نواز دیتا ہے اور اپنے لطائف وتجلیات کی روشنی سے انہیں منور کر دیتا ہے اور مشاہدۂ قرب سے سرفراز کرتا ہے جس وقت کامل کی ایسی حالت ہو جائے اس وقت اسے خود کو دل کے تابع اور اس کے موافق کر دینا چاہیے گویا پہلی صفت کے حضرات، صاحب القلوب، مالک القلوب اور باقی الصفت، مغلوب القلوب اور فانی الصفت ہوتے ہیں اس مسئلہ کی اصل وحقیقت یعنی دلیل وحجت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (13) (الحجر: ۴۰) (مگر یہ کہ ان میں سے تیرے مخلص بندے) اس میں دو قرأت ہیں ایک یہ کہ مخلصین لام کے زیر سے اور دوسری مخلصین لام کے زبر سے۔ مخلِص اسم فاعل ہے جو کہ باقی الصفت ہیں اور مخلَص اسم مفعول ہے جو کہ فانی الصفت ہیں انشاء اللہ کسی اور مقام پر اس مسئلہ کو بیان کروں گا۔

وہ حضرت جو فانی الصفت ہیں وہ زیادہ جلیل القدر ہیں اس لیے کہ انہوں نے خود کو دل کے تابع اور اس کے موافق بنا رکھا ہے اور ان کے دل حق تعالیٰ کے سپرد ہیں اور ان میں حق تعالیٰ ہی جلوہ گر ہے وہ اس کے مشاہدہ میں قائم ہیں لیکن وہ حضرات جو باقی الصفت ہیں وہ دل کو بکوشش امر حق کے موافق بناتے ہیں اس مسئلہ کی بنیاد ہوش ومستی اور مشاہدہ ومجاہدہ پر ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ:

طبقۂ تابعین کے ائمہ طریقت میں سے، امامِ عصر، یگانۂ زمانہ، حضرت ابو علی الحسن بصری رضی اللہ عنہ ہیں۔ (14) بعض علماء ان کی کنیت ابو محمد بتاتے ہیں اور بعض ابو سعید اہلِ طریقت کے درمیان آپ کی بڑی

شرح (13): اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○

مگر جو ان میں تیرے چُنے ہوئے بندے ہیں۔ (پ ۱۴، الحجر: ۴۰)

شرح (14): حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی پیدائش 21ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور میں لائے گئے تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو دین کے علم کا ماہر بنا اور لوگوں میں محبوب بنا جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کو علمِ دین اور فقر میں بلند مرتبہ عطا ہوا۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی پرورش وتربیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی قربت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالواسطہ صحبت کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قدرومنزلت ہے علم سلوک میں آپ کے لطیف اشارات ہیں۔

حکایت:

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دیہاتی کے سوال پر فرمایا! صبر دو طرح پر ہوتا ہے (15) ایک مصیبت و بلا پر صبر کرنا اور دوسرا ان پر صبر کرنا جن کے نہ کرنے کا حکم حق تعالیٰ نے دیا ہے (16) جن چیزوں کے پیچھے چلنے سے حق تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے انہیں نہ کریں اس پر دیہاتی نے کہا انت زاھد ما رأیت ازھد منك آپ سراپا زاہد ہیں میں نے آپ سے بڑھ کر کسی زاہد کو نہیں دیکھا حضرت حسن بصری نے فرمایا اے بندہ خدا! میرا زہد مرغوب چیزوں میں ہے اور میرا صبر اضطرار و بے قراری میں ہے دیہاتی نے کہا اس ارشاد کی وضاحت فرمائیں کیونکہ میرا اعتقاد متزلزل ہو گیا ہے آپ نے فرمایا! بلاؤں پر میرا صبر کرنا اور خدا کے منع کردہ چیزوں سے کنارہ بربنائے اطاعت ہے اس لیے کہ یہ آتش

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فیض حاصل کیا اور انہی صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت محمد حنفیہ رضی اللہ عنہم سے فیضِ کامل پایا اور دین کا ظاہری و باطنی تمام علم حاصل کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے میں نے ایک سوتیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے جن میں ستر بدری اصحاب تھے، لہٰذا تابعین میں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

آپ کا وصال 4- محرم الحرام (8- اپریل 729ء) بروز جمعۃ المبارک کو 111ھ ہوا۔ آپ کا مزار پُرانوار بصرہ (عراق) سے نو میل مغرب کی طرف مقام زبیر پر واقع ہے۔

شرح (15): قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ

ترجمہ: حضرت حسن بصری (تابعی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (تفسیر الحسن البصری عربی، ۱/۲۱۱)

شرح (16): صبر کی حقیقت:

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی غوث صمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صبر یہ ہے کہ بلا و مصیبت کے وقت اللہ عزوجل کے ساتھ حسن ادب رکھے اور اُس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ (بہجۃ الاسرار، ذکر شئی من اجوبتہ مما یدل علی قدم راسخ، ص ۲۳۴)

دوزخ کے خوف سے ہے اور اضطرار و بے قراری ہے اور دنیا میں جو میرا زہد ہے وہ آخرت کی رغبت کی وجہ سے ہے اور یہ عین رغبت ہے خوشی و مسرت کا موجب تو یہ ہے کہ دنیا میں اپنے نصیب پر قناعت کرے اور اسی کو حاصل کرے تا کہ اس کا صبر حق تعالیٰ کے لیے ہو نہ یہ کہ اپنے جسم کو آتشِ دوزخ سے بچانے کے لیے ہو اور اپنا زہد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ یہ کہ جنت میں جانے کی خواہش کے لیے ہو یہ صحتِ اخلاص کی نشانی و علامت ہے۔

بدوں کی صحبت سے پرہیز:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **ان الصحبت الاشرار تورث سوء الظن بالاخیار** بدوں کی صحبت، نیکوں سے بدگمانی پیدا کرتی ہے یہ نصیحت بالکل صحیح و درست ہے اور موجودہ لوگوں کے حال کے عین مطابق ہے (17) مقبولانِ بارگاہ کے تمام منکروں پر صادق ہے۔ عام بدظنی و انکار کی وجہ یہی ہے کہ لوگ نقلی صوفیوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور جب ان سے خیانت، جھوٹ اور غیبت وغیرہ کا صدور ہوتا ہے وہ کھیل کود اور بیہودہ پن کے شائق ہوتے ہیں لغویات و خواہشات اور شہوتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور حرام و مشتبہ مال کے جمع کرنے میں حریص ہوتے ہیں تو لوگ یہی سمجھنے لگتے ہیں کہ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہوں گے اور تمام صوفیوں کا یہی مذہب ہوگا (18) حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ

شرح (17): حضرت سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا: اے ابو سعید! ہم ایسی قوم کی مجلس کے بارے میں کیا کریں جو ہمیں اتنی اُمید دلاتی ہے کہ ہمارے دل اُڑنے لگ جاتے ہیں یعنی ہم خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کی قسم! تمہارا ایسی قوم کی صحبت اختیار کرنا جو تمہیں خوف دلائے یہاں تک کہ تمہیں اخرت میں امن حاصل ہو جائے تمہارے لئے اس قوم کی صحبت اختیار کرنے سے بہتر ہے جو تمہیں اتنا امن دلائے کہ آخرت میں تمہیں خوف زدہ کرنے والے امور لاحق ہو جائیں۔

شرح (18): امام عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے شریعت مطہرہ کی تعظیم کے بارے میں حضرت جنید بغدادی، سری سقطی بایزید بسطامی اور دیگر بزرگانِ دین علیھم الرضوان کے اقوال مبارکہ ذکر کر کے فرمایا: اے عاقل! اے حق کے طالب! دیکھ یہ طریقت کے عظیم المرتبت بزرگوں اور حقیقت کے عظیم ستونوں نے شریعت مطہرہ کی کیسی تعظیم فرمائی ہے اور وہ کیوں نہ کریں کہ وہ اسی تعظیمِ شریعت اور سیدھی راہ شریعت کی پیروی کے سبب اللہ تعالیٰ تک پہنچے اور ان بزرگوں سے یا ان کے علاوہ کسی اور ولی سے ایک بھی ایسا قول (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صوفیاء کے تمام افعال طاعتِ الٰہی میں ہوتے ہیں اور محبتِ الٰہی سے بھرپور ان کی زبانوں پر کلمہ حق ہوتا ہے ان کے قلوب، محبت الٰہی کی جگہ ان کے کان کلام حق سننے کا مقام اور ان کی آنکھیں مشاہدہ جمالِ الٰہی کی جگہ ہوتی ہیں جو کوئی خیانت کا مجرم ہوتا ہے وہ اس کا مواخذہ دار ہوگا یہ نہیں کہ جہاں بھر کے بزرگوں اور اکابر کو ایک سا سمجھا جائے جو بدوں کی صحبت اختیار کرتا ہے دراصل خود اس میں ہی بدی کے جراثیم ہوتے ہیں اگر اس کے دل میں نیکی و بھلائی کا مادہ ہوتا تو وہ نیکوں کی صحبت اختیار کرتا۔ اس لیے وہی شخص مستحق ملامت ہے جو نالائق اور نااہلوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ ایک وجہ انکار یہ بھی ہوتی ہے کہ جب صوفیاء کو اپنی خواہش نفس کے خلاف پاتے ہیں تو ان کے مقاماتِ بلند سے انکار کرنے لگتے ہیں یا منکروں کے ہمزباں ہوجاتے ہیں۔ اہلِ معرفت، صوفیاء کرام کے انکار کرنے والے لوگ مخلوقِ خدا میں شریرتر اور غایت درجہ ذلیل و کمینہ ہوتے ہیں کیونکہ صوفیا کا طریقہ جہان بھر میں برگزیدہ ہے اور ان کی برکتوں سے دونوں جہان کی مرادیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) منقول نہیں کہ اس نے شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر کی ہو یا اسے قبول کرنے سے باز رہا ہو بلکہ تمام اولیاء شریعت کے سامنے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ اور اپنے باطنی علوم کی بنیاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر رکھتے ہیں۔ تو تجھے حد سے گزرے ہوئے ان جاہلوں کی باتیں دھوکے میں نہ ڈالیں جو اپنی طرف سے صوفی بنتے ہیں لیکن وہ خود بگڑے ہوئے اور دوسروں کو بگاڑنے والے ہیں خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں وہ شریعت کے راستے سے ٹیڑھے ہوکر جہنم کے راستے پر چلتے ہیں جو شخص علمائے شریعت کی راہ سے باہر ہے وہ طریقت کے بزرگوں کے مسلک سے خارج ہے کیونکہ ایسے لوگ شریعت کے آداب سے منہ پھیرنے کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس کے مضبوط قلعوں میں پناہ لینے کو چھوڑے بیٹھے ہیں تو ایسے لوگ شریعت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں اگرچہ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ لوگ انوار سے روشن ہیں۔ طریقت کے جملہ جلیل القدر بزرگ تو شریعت کے آداب پر قائم ہیں اور احکام الٰہی کی تعظیم کے معتقد ہیں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کمالات کا تحفہ دیا اور طریقت سے بے خبر اپنی خرافات پر دھوکے کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور ظاہر میں مسلمان لیکن حقیقت میں کافر ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ اپنے وہموں کے بتوں کے سامنے ادب سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیطان جو وسوسے ان کے ذہن میں ڈالتا ہے یہ انہیں وسوسوں اور فتنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ مکمل بربادی ہے ان کے لئے جو ان کا پیروکار ہو یا ایسوں کے کاموں کو اچھا جانے اور یہ بربادی اس لئے ہے کہ وہ راہ خدا کے ڈاکو ہیں۔ (حدیقہ ندیہ ص ۱۳۰، ۱۳۱، ج۱ مطبوعہ مصر)

حاصل ہوتی ہیں یہ حضرات تمام جہان میں ممتاز ہیں۔ اسی معنی میں یہ شعر ہے!

فلا تحقرن نفسی وانت حبیبها

فکل امرئ یصیب الی من یجانس

تم میرے نفس کو حقیر نہ جانو، وہ تمہارا محبوب ہے

ہر شخص کو اپنے ہی ہم جنسوں سے مراد حاصل ہوتی ہے

(۴) حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ: (19)

طبقہ تابعین کے ائمہ طریقت میں سے رئیس العلماء، فقیہ الفقہا، حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ عظیم المرتبت، رفیع المنزلت، ہردلعزیز اور سیرت وخصائل میں عمدہ ترین تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، شعر، توحید، نعت اور علم حقائق میں آپ کا بڑا مرتبہ ہے وہ ظاہر میں ہوشیار اور طبیعت میں نیک سیرت تھے یہ خوبی تمام مشائخ کے نزدیک محمود و مسعود ہے آپ فرماتے ہیں: ارض بالیسر من الدنیا مع سلامة دینك كما رضی قوم بكثيرها مع ذهاب دینهم اے مردِ مسلمان! اپنی اسی تھوڑی سی دنیا پر جو تجھے دین کی سلامتی کے ساتھ حاصل ہوئی ہے اس پر قناعت کر۔ جس طرح عام لوگ اپنا دین کھو کر مال کی زیادتی پر خوش ہوتے ہیں اگر فقر میں دین کی سلامتی ہے تو یہ اس تونگری سے بہتر ہے جس میں غفلت بھی ہو اور دین بھی جاتا رہے اس لیے کہ سلامتی ایمان کے ساتھ جب فقیر اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو مال دنیا سے اسے خالی پاتا ہے (20) اور جو میسر آتا ہے اسی پر قناعت کرتا ہے اور تونگر جب اپنے دل کی طرف

شرح (19): سعید ابن مسیب:

آپ کی کنیت ابو محمد ہے، قرشی مخزومی ہیں، مدنی ہیں، خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے جبکہ آپ کی خلافت کو دو سال گزرے تھے آپ کو سید التابعین کہا جاتا ہے، فقہ حدیث، زہد، تقوی ورع میں یکتا تھے، حضرت ابوہریرہ کی احادیث، عمر فاروق کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ صحابہ کرام کی بڑی جماعت سے ملاقات ہے، بہت تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔ مکحول فرماتے ہیں کہ میں نے طلب علم میں زمین چھان ماری ابن مسیب سے بڑا عالم نہ پایا، آپ نے چالیس حج کئے سنہ ۹۳ ترانوے میں وفات ہوئی۔

شرح (20): زُہدِ حقیقی

دنیا کے کاموں میں مشغول رہنے کے باوجود تیرا آخرت کے لئے فکر کرنا اور اس کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خیال کرتا ہے تو اسے ہر دم مال کی طمع و زیادتی میں فکر مند پاتا ہے اور وہ حصول دنیا کی خاطر ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے(21) لہٰذا محبوبان خدا کی ہر آن نظر حق تعالیٰ کی رضا پر رہتی ہے اور غافلوں کی نظر ہمیشہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شعور رکھنا، تیرے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے گا۔ اور اسی کو زُہد حقیقی کہتے ہیں اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تجھے اللہ تعالیٰ کے قریب کردے گا۔

حضرت سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محبوبِ ربُّ العٰلمین، جنابِ صادق و امین عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ رحمت نشان ہے: دنیا سے بے رغبتی مال کو ضائع کردینے اور حلال کو حرام کردینے کا نام نہیں، بلکہ دنیا سے کنارہ کشی تو یہ ہے کہ جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے وہ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو جو کچھ اللہ عزوجل کے پاس ہے۔ (جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الزھادۃ، الحدیث: ۲۳۴۰، ص ۱۸۸۷)

تیرا حقیقی مال

دنیا اور اس کے کاموں میں رہتے ہوئے تیرا آخرت کے بارے میں سوچنا تجھے تیرے حقیقی مال کی پہچان کروادے گا پس تو اس مال کو (راہِ خدا عزوجل میں دے کر) اپنی حقیقی زندگی کے لئے محفوظ کرلے گا۔ چنانچہ،

حضرت سیدنا حارث بن سُوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدارِ رسالت، ماہِ نُبوت، محبوبِ ربُّ العزت، محسنِ انسانیت عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کس کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی: یارسولَ اللہ عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال زیادہ پیارا ہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اس کا اپنا مال تو وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا اور وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب ما قدم من مالہ فھولہ، الحدیث: ۶۴۴۲، ص ۵۳۱)

شرح (21): طالب دنیا کا انجام

اے پیارے بھائی! قرآنِ کریم سے غافل مت ہو اور اُس سے رشتہ نہ توڑ کیونکہ یہ تجھے اچھا سمجھانے والا ہے، بے شک اللہ عزوجل دنیا کو طلب کرنے اور اسے جمع کرنے کے سبب آخرت سے اعراض کرنے والے کو خطاب فرماتا ہے، اور اس کو بھی جو حلال، حرام اور مشکوک مال میں تمیز نہیں کرتا، اور سمجھتا ہے کہ حلال وہ ہے جو انسان کے ہاتھ لگ گیا اور حرام وہ ہے جس سے وہ محروم کردیا گیا۔ چنانچہ،

اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دنیا پر رہتی ہے جو غرور و آفت سے بھر پور ہے حسرت و ندامت، ذلت و معصیت سے بہتر ہے۔ غافلوں پر جب بلا و مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے جسم محفوظ رہے (22) اور جب محبوبانِ خدا پر آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ ہمارے دین پر نہیں آئی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جسم پر بلا کا نزول ہوا اور دل میں بقا ہو تو وہ جسم پر نزولِ بلا سے خوش ہوتے ہیں اور اگر دل میں غفلت ہے اگرچہ جسم عیش و عشرت میں ہو تو یہ موجبِ ذلت ہے در حقیقت مقام رضا یہ ہے کہ کم دنیا کو زیادہ اور زیادہ دنیا کو کم سمجھے اس لئے کہ اس کی کمی اس کی زیادتی کی مانند ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

ترجمہ کنزالایمان: جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے یہ ہیں وہ جن کیلئے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ اور اکارت گیا جو کچھ وہاں کرتے تھے اور نابود ہوئے جو ان کے عمل تھے۔ (پ12 ھود:16-15)

اے مال جمع کرنے والے! تجھے جو چیز بچا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ تو مال کو جائز ذرائع سے حاصل کرے، حقداروں کو اس سے محروم نہ کرے، اور اسے حرام کاموں میں خرچ نہ کرے، اگر ایسا نہیں کریگا تو ہلاک ہو جائے گا۔

شرح (22): اللہ کی رِضا پر راضی رہئے

مسلمان کو چاہئے کہ جب بھی مصیبت پہنچے تو صَبر و شکر کے ساتھ اِس مَقولہ کا مِصداق بنا رہے کہ رضائے مولیٰ از ہمہ اَولیٰ یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی مرضی سب سے بہتر ہے۔ مُفَسِّرِ شہیر حکیم الاُمَّت حضرتِ مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنّان نورُ العِرفان صَفحہ 531 پر فرماتے ہیں: بعض دَیہاتی لوگ ایمان لے آتے، اگر ایمان (لانے) کے بعد اَولاد، دولت، تندرستی پاتے تو کہتے کہ اِسلام سچّا دین ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا (یعنی ان کو آفات اور مصائب پیش آتے اور دُنیوی فوائد نہ پہنچتے) تو کہتے: (مَعاذَ اللہ (عَزَّ وَجَلَّ)) اِسلام بُرا دین ہے جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں تب سے مصیبت میں پڑ گئے ہیں! چُنانچہ پارہ 17 سورۃُ الحج کی گیارہویں آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ٰ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ٰ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۝ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سعید ابن المسیب ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھے کسی نے آ کر پوچھا مجھے ایسا حلال بتائیے جس میں حرام کا شائبہ نہ ہو اور ایسا حرام بتائیے جس میں حلال کا شائبہ نہ ہو تو۔ آپ نے جواب دیا: **ذکر اللہ حلال لیس فیہ حرام و ذکر غیرہ حرام لیس فیہ حلال** "ذکر الٰہی ایسا حلال ہے جس میں کسی حرام کا شائبہ نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں ذرہ بھر حلال نہیں" اسی لیے ذکر اللہ میں نجات ہے اور ذکر غیر میں ہلاکت ہے۔ **وباللہ التوفیق**۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ترجمۂ کنز الایمان: اور کچھ آدمی اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کی بندگی ایک کنارہ پر کرتے ہیں پھر اگر انھیں کوئی بھلائی بن گئی جب تو چین سے ہیں اور جب کوئی جانچ (آزمائش) آ پڑی منہ کے بل پلٹ گئے، دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا یہی ہے صَرِیح نقصان۔

ہے صبر تو خزانۂ فردوس بھائیو! عاشق کے لب پہ شکوہ کبھی بھی نہ آسکے

باب:11

طبقۂ تبع تابعین اور دیگر متقدمین کے ائمہ طریقت

(۱) حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ:

ائمہ طریقت میں سے شجاع طریقت متمکن در شریعت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ بلند ہمت، مردِ خدا اور صاحبِ کمال بزرگ ہیں۔ آپ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ توبہ پر فرمائی۔ اس سے قبل آپ میں ریا و فساد بہت تھا مگر اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائی [1] آپ نے

شرح (1): حبیب عجمی کی توبہ

ابتدائی دور میں حضرتِ سیِّدُنا حبیب عجمی علیہ رحمۃ اللہ القوی بہت امیر تھے اور اہل بصرہ کو سُود پر قرضہ دیا کرتے تھے۔ جب مقروض سے قرض کا تقاضا کرنے جاتے تو اس وقت تک نہ ٹلتے جب تک کہ قرض وصول نہ ہو جاتا۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے قرض وصول نہ ہوتا تو مقروض سے اپنا وقت ضائع ہونے کا ہرجانہ وصول کرتے ، اور اس رقم سے زندگی بسر کرتے۔ ایک دن کسی کے یہاں وصولیابی کے لیے پہنچے تو وہ گھر پر موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ نہ تو شوہر گھر پر موجود ہے اور نہ میرے پاس تمہارے دینے کے لیے کوئی چیز ہے، البتہ میں نے آج ایک بھیڑ ذبح کی ہے جس کا تمام گوشت تو ختم ہو چکا ہے البتہ سر باقی رہ گیا ہے، اگر تم چاہو تو وہ میں تم کو دے سکتی ہوں۔

چنانچہ آپ اس سے سر لے کر گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ یہ سر سُود میں ملا ہے اسے پکا ڈالو۔ بیوی نے کہا: گھر میں نہ لکڑی ہے اور نہ آٹا، بھلا میں کھانا کس طرح تیار کروں؟ آپ نے کہا کہ ان دونوں چیزوں کا بھی انتظام مقروض لوگوں سے سُود لے کر کرتا ہوں۔ اور سود ہی سے یہ دونوں چیزیں خرید کر لائے۔ جب کھانا تیار ہو چکا تو ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ آپ نے کہا کہ تیرے دینے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور تجھے کچھ دے بھی دیں تو اس سے تو دولت مند نہ ہو جائے گا لیکن ہم مفلس ہو جائیں گے۔ چنانچہ سائل مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

جب بیوی نے سالن نکالنا چاہا تو وہ ہنڈیا سالن کی بجائے خون سے لبریز تھی۔ اس نے شوہر کو آواز دے کر کہا: دیکھو تمہاری کنجوسی اور بدبختی سے یہ کیا ہو گیا ہے؟ آپ کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہوئی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عرصہ تک حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے علم و طریقت کی تحصیل فرمائی چونکہ آپ عجمی تھے عربی زبان پر عبور حاصل نہ ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقرب بنا کر متعدد کرامتوں سے سرفراز فرمایا۔ ایک رات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ان کی خانقاہ کی طرف گزر ہوا۔ آپ اقامت کہہ کر نماز مغرب شروع کر چکے تھے حضرت حسن بصری نے ان کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی کیونکہ صحیح تلفظ اور درست مخارج کے ساتھ تلاوت قرآن کریم پر آپ کو قدرت حاصل نہ تھی۔ حضرت حسن بصری جب رات کو سوئے تو دیدارِ الٰہی حاصل ہوا۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا رب العالمین تیری رضا کس چیز میں ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا اے حسن! تو نے میری رضا تو پائی لیکن اس کی قدر نہ کی۔ آپ نے عرض کیا پروردگار وہ کونسی رضا ہے؟ حق تعالیٰ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بیوی کو گواہ بنا کر کہا کہ آج میں ہر برے کام سے توبہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر مقروض لوگوں سے اصل رقم لینے اور سود ختم کرنے کے لیے نکلے۔ راستہ میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے آپ کو دیکھ کر کچھ لڑکوں نے آوازے کسنا شروع کئے کہ دور ہٹ جاؤ حبیب سود خور آ رہا ہے، کہیں اس کے قدموں کی خاک ہم پر نہ پڑ جائے اور ہم اس جیسے بد بخت نہ بن جائیں۔ یہ سن کر آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور حضرتِ سیّدُ نا حسن بصری علیہ رحمۃ القوی کی خدمت میں حاضر ہو گئے انہوں نے آپ کو ایسی نصیحت فرمائی کہ بیچ ین ہو کر دوبارہ توبہ کی۔ واپسی میں جب ایک مقروض شخص آپ کو دیکھ کر بھاگنے لگا تو فرمایا تم مجھ سے مت بھاگو، اب تو مجھ کو تم سے بھاگنا چاہیے تا کہ ایک گنہگار کا سایہ تم پر نہ پڑ جائے۔ جب آپ آگے بڑھے تو انہی لڑکوں نے کہنا شروع کیا کہ راستہ دے دو اب حبیب تائب ہو کر آ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیروں کی گرد اس پر پڑ جائے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہمارا نام گناہگاروں میں درج کر لے۔ آپ نے بچوں کی یہ بات سن کر اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے عرض کی: تیری قدرت بھی عجیب ہے کہ آج ہی میں نے توبہ کی اور آج ہی تو نے لوگوں کی زبان سے میری نیک نامی کا اعلان کرا دیا۔

اِس کے بعد آپ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص میرا مقروض ہو وہ اپنی تحریر اور مال واپس لے جائے۔ اس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تمام دولت راہ خدا عَزَّ وَجَلَّ میں خرچ کر دی۔ پھر ساحل فرات پر ایک عبادت خانہ تعمیر کر کے عبادت میں مشغول رہے اور یہ معمول بنا لیا کہ دن کو علم دین کی تحصیل کے لیے حضرتِ سیّدُ نا حسن بصری علیہ رحمۃ القوی کی خدمت میں پہنچ جاتے اور رات بھر مشغولِ عبادت رہتے۔ چونکہ (مکمل کوشش کے باوجود) قرآن مجید کا تلفظ صحیح مخرج سے ادا نہیں کر سکتے تھے اس لیے آپ کو عجمی کا خطاب دے دیا گیا۔

(تذکرۃ الاولیاء، باب، ذکر حبیب عجمی، ج ا ص ۵۶۔۵۷)

فرمایا اگر تو حبیب عجمی کی اقتدا میں نماز پڑھ لیتا تو صحتِ نیت اور معتب عبادت کے انکار کے خطرے سے محفوظ رہتا اور تجھے رضائے الٰہی حاصل ہو جاتی۔

مشائخ طریقت میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ حجاج (2) کے ظلم سے

شرح (2): حجاج بن یوسف ثقفی ظالم

یہ خلفائے بنوامیہ میں سے انتہائی سفاک وخونخوار ظالم گورنر تھا۔ اس نے ایک لاکھ انسانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا اور جو لوگ اس کے حکم سے قتل کئے گئے ان کو تو کوئی گن ہی نہیں سکا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس نے قتل کیا یا قید وبند رکھا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری امتیں اپنے اپنے منافقوں کو قیامت کے دن لے کر آئیں اور ہم اپنے ایک منافق حجاج بن یوسف ثقفی کو پیش کر دیں تو ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔ یہ حجاج بن یوسف جب کینسر کی خبیث بیماری میں مرنے لگا تو اس کی زبان پر یہ دعا جاری ہوگئی۔ یہی دعا مانگتے مانگتے اس کا دم نکل گیا۔ اس کی دعا یہ تھی کہ اللھم اغفرلی فان الناس یقولون انك لاتغفرلی۔ اے میرے اللہ! عزوجل تو مجھے بخش دے کیونکہ سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔

خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حجاج بن یوسف ثقفی کی زبان سے مرتے وقت کی یہ دعا بہت اچھی لگی اور ان کو حجاج کی موت پر رشک ہونے لگا اور جب حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے حجاج کی اس دعا کا ذکر کیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعجب سے فرمایا کہ کیا واقعی حجاج نے یہ دعا مانگی تھی؟ تو لوگوں نے کہا کہ جی ہاں اس نے یہ دعا مانگی تھی۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ شاید (خدا اس کو بخش دے)۔ (احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، الباب الخامس فی کلام المحتضرین... الخ، ج۵، ص۲۳۱)

مکمل نام! ابو محمد حجاج بن یوسف بن حکم بن ابو عقیل ثقفی۔ طائف میں پیدا ہوا وہی اس کی پرورش بھی ہوئی، حجاج بن یوسف طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اس نے اپنے باپ سے حاصل کی۔ جو ایک مدرس تھا۔ حجاج کا بچپن سے ہی اپنے ہم جماعتوں پر حکومت کرنے کا عادی تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اس نے اپنے باپ کے ساتھ ہی تدریس کا پیشہ اختیار کیا لیکن وہ اس پیشے پر قطعی مطمئن نہ تھا اور کسی نہ کسی طرح حکمران بننے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ بالاخر وہ طائف چھوڑ کر دمشق پہنچا اور کسی نہ کسی طرح عبدالملک بن مروان کے وزیر کی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وزیر نے جلدی ہی اس کی انتظامی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اسے ترقی دے کر اپنی جاگیر کا منتظم مقرر کر دیا۔ ایک چیز جس کی وزیر کو ہمیشہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھاگ کر حضرت حبیب عجمی کی خانقاہ میں تشریف لائے اور حجاج کے سپاہی تعاقب کرتے ہوئے اندر گھس آئے تو سپاہیوں نے پوچھا اے حبیب! تم نے حسن بصری کو کہیں دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں۔ سپاہیوں نے پوچھا کس جگہ ہے؟ فرمایا میرے حجرے میں ہیں۔ وہ آپ کے حجرے میں گھس گئے لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ سپاہیوں نے سمجھا کہ حبیب عجمی نے مذاق کیا ہے۔ اس پر انہوں نے درشت کلامی کے ساتھ پوچھا سچ بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا میں سچ کہتا ہوں وہ میرے حجرے میں ہیں۔ سپاہی دو تین بار اندر گئے آئے مگر وہ حسن بصری کو نہ دیکھ سکے۔ بالآخر وہ چلے گئے۔ جب حسن بصری حجرے سے باہر تشریف لائے تو فرمایا اے حبیب میں سمجھ گیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ان ظالموں کے پنجہ سے محفوظ رکھا۔ لیکن اس کی وجہ بتائیے کہ آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ وہ اس حجرے میں ہیں۔ حضرت حبیب عجمی نے جواب دیا۔ اے میرے مرشدِ برحق! اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری برکت کی وجہ سے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ سچ بولنے کی وجہ سے خدا نے ان سے مخفی رکھا۔ (3) اگر جھوٹ کہتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دونوں کو رسوا کرتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شکایت رہتی تھی اس کی سخت گیری تھی لیکن اس سخت گیری کی وجہ سے وزیر کی جاگیر کا انتظام بہت بہتر ہو گیا تھا۔ اتفاق سے عبدالملک کو اپنی فوج سے سستی اور کاہلی کی شکایت پیدا ہو گئی اور اس نے ایک محتسب مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ وزیر نے حجاج کا نام پیش کیا لیکن یہ وضاحت کر دی کہ آدمی سخت گیر ہے اس لیے وہ اس کے افعال کے لیے جوابدہ نہیں ہوگا۔ اس طرح حجاج عبدالملک کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس حیثیت سے اس نے عبدالملک کی خوب خدمت کی اور اموی فوج اس سے دہشت کھانے لگی۔ یہاں تک کہ خود وزیر کا دستہ بھی اس کی سخت گیری کا شکار ہوا۔ حالانکہ وہ خود کئی سال انھیں میں شامل رہا تھا۔ عبدالملک نے جب عراق پر حملہ کیا تو مصعب بن زبیر کے خلاف اس کے سخت اقدامات نے عبدالملک کو قائل کر دیا کہ حجاج اس کے کہنے پر کوئی بھی اقدام کر سکتا ہے۔ اور اس کے لیے اخلاقی و مذہبی حدود عبور کرنا کوئی مشکل نہیں۔

شرح (3): سچ کا ثواب

قرآن پاک میں کئی مقامات پر سچ بولنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(1) هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

ترجمہ کنز الایمان: یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس قسم کی بکثرت کرامتیں آپ سے منسوب ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ ہے بڑی کامیابی۔(پ 7 المائدہ:119)

(2) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ٥

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔(پ11 التوبہ:119)

(3) مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ٥

ترجمہ کنزالایمان: مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کردیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔(پ21 الاحزاب:23)

(4) لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ

ترجمہ کنزالایمان: تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے۔(پ21 الاحزاب:24)

(5) وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِیْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ٥

ترجمہ کنزالایمان: اور سچے اور سچیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔(پ 22 الاحزاب:35)

(6) وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ٥ لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥

ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے انکی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس نیکوں کا یہی صلہ ہے تاکہ اللہ ان سے اتار دے برے سے برا کام جو انہوں نے کیا اور انہیں ان کے ثواب کا صلہ دے اچھے سے اچھے کام پر جو وہ کرتے تھے۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کس چیز میں رضائے الٰہی ہے؟ آپ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس بارے میں احادیثِ مبارکہ:

جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت، محبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ٖالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ سچائی کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ نیکی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں جنت میں ہیں اور جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ یہ گناہ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت، محبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ٖالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ سچائی کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ نیکی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں جنت میں ہیں اور جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ یہ گناہ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، باب الکذب، رقم ۵۷۰۴، ج ۷، ص ۴۹۴)

حضرتِ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْ وَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر وبَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ٖالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ سچائی کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ دونوں جنت میں ہیں اور جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ یہ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور یہ دونوں جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ (طبرانی کبیر، رقم ۸۹۴، ج ۱۹، ص ۳۸۱)

حضرتِ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، دو عالَم کے مالک ومختار، حبیبِ پروردگار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ٖالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ بیشک سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور بے شک بندہ سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل کے نزدیک صدیق یعنی بہت سچ بولنے والا ہوجاتا ہے جبکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور بے شک بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل کے نزدیک کذّاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہوجاتا ہے۔

حضرتِ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، دو عالَم کے مالک ومختار، حبیبِ پروردگار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ٖالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ بیشک سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور بے شک بندہ سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل کے نزدیک صدیق یعنی بہت سچ بولنے والا ہوجاتا ہے جبکہ جھوٹ گناہ کی طرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فی قلب لیس فیہ غبار النفاق ایسے دل میں جہاں نفاق کا غبار تک نہ ہو۔ کیونکہ نفاق، وفاق کے خلاف ہے اور رضا، عینِ وفاق ہے اور یہ کہ محبت کو نفاق سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے اور نہ وہ محل رضا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور بے شک بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل کے نزدیک کذّاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہو جاتا ہے۔

(بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالیٰ، رقم ۶۰۹۴، ج ۴، ص ۱۲۵)

حضرتِ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے مظلوم، سرورِ معصوم، حسنِ اخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مُحبوبِ رَبِّ اکبر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلّم کی بارگاہ میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنتی عمل کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سچ بولنا، بندہ جب سچ بولتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے محفوظ ہو جاتا ہے اور جب محفوظ ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہنم میں لے جانے والا عمل کونسا ہے؟ فرمایا کہ جھوٹ بولنا جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو گناہ کرتا ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو ناشکری کرتا ہے اور جب ناشکری کرتا ہے تو جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ ابن عمرو بن العاص، رقم، ۶۶۵۲، ج ۲ ص ۵۸۹)

حضرتِ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسول اکرم، شہنشاہ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، (۱) جب بولو تو سچ بولو، (۲) جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، (۳) جب امانت لو تو اسے ادا کرو، (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، (۵) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کرو اور (۶) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والصلۃ والاحسان.. الخ، باب الصدق الخ، رقم ۲۷۱، ج ۱، ص ۲۴۵)

حضرتِ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلّم نے فرمایا کہ تم میری چھ باتیں قبول کر لو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، (۱) جب تم میں سے کوئی گفتگو کرے تو جھوٹ نہ بولے، (۲) جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے، (۴) اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو، (۵) اپنے ہاتھوں کو روکو اور (۶) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

(مسند ابی یعلی الموصلی، مسند انس بن مالک، رقم ۴۲۴۱، ج ۳، ص ۴۴۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ (4) محبانِ الٰہی کی صفت رضا ہے اور دشمنانِ خدا کی صفت نفاق۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ دوسری جگہ آئے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مگر یاد رہے

اسما بنتِ یزید رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم نے فرمایا: جھوٹ کہیں ٹھیک نہیں مگر تین جگہوں میں، مرد اپنی عورت کو راضی کرنے کے لیے بات کرے اور لڑائی میں جھوٹ بولنا اور لوگوں کے درمیان میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

(سنن الترمذي، کتاب البر والصلة، باب ماجاء في إصلاح ذات البين، الحديث: ۱۹۴۵، ج ۳، ص ۳۷۷)

مسئلہ ۱: تین صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے یعنی اس میں گناہ نہیں۔

ایک جنگ کی صورت میں کہ یہاں اپنے مقابل کو دھوکا دینا جائز ہے، اسی طرح جب ظالم ظلم کرنا چاہتا ہو اس کے ظلم سے بچنے کے لیے بھی جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو مسلمانوں میں اختلاف ہے اور یہ ان دونوں میں صلح کرانا چاہتا ہے، مثلاً ایک کے سامنے یہ کہہ دے کہ وہ تمھیں اچھا جانتا ہے، تمھاری تعریف کرتا تھا یا اس نے تمھیں سلام کہلا بھیجا ہے اور دوسرے کے پاس بھی اسی قسم کی باتیں کرے تاکہ دونوں میں عداوت کم ہو جائے اور صلح ہو جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بی بی کو خوش کرنے کے لیے کوئی بات خلاف واقع کہہ دے۔

(الفتاوی الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب السابع عشر في الغناء، ج ۵، ص ۳۵۲)

شرح (4): برے خاتمے کے اسباب:

برے خاتمے کے کچھ اسباب ہیں جو موت سے پہلے ہوتے ہیں جیسے بدعت، منافقت اور تمام بری صفات۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم منافقت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے حتی کہ حضرت سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر مجھے علم ہو کہ میں منافقت سے پاک رہوں گا تو یہ بات مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے انہوں نے منافقت سے وہ منافقت مراد نہیں لی جو اصل ایمان کے خلاف ہے بلکہ وہ منافقت مراد ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہوتی ہے یعنی نفاق فی العمل پس وہ مسلمان ہوتا ہے اور منافق بھی۔ اور اس کی بہت سی علامات ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ خَالِصٌ وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ وَاِنْ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) حضرتِ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ:

ائمہ طریقت میں سے ایک بزرگ، امامِ طریقت، نقیب اہل محبت، جن وانس کی زینت حضرت مالک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ فَفِيْهِ شُعْبَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۵۶ کتاب الایمان)

چار باتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق (عملی منافق) ہوتا ہے اگر چہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے اور اگر اس میں ان میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں منافقت کا ایک شعبہ پایا جاتا ہے حتی کہ اسے چھوڑ دے جو بات کرتے وقت جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے اور جب جھگڑا ہو تو گالی گلوچ سے کام لیتا ہے۔

اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ۔

اور جب وعدہ کرتا ہے تو دھوکہ دیتا ہے۔

اے بھائیو! صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے منافقت کی مختلف تفاسیر کی ہیں صدیقین کے علاوہ دوسرے لوگوں میں ان میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور پائی جاتی ہے۔ حضرت سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ظاہر و باطن کا اختلاف زبان اور دل کا اختلاف، دخول وخروج کا اختلاف منافقت میں سے ہے اور ان باتوں سے کون خالی ہے بلکہ یہ کام لوگوں کے درمیان بطور عادت پختہ بن گئے ہیں۔ اور ان کو مکمل طور پر کوئی بھی برا نہیں جانتا بلکہ یہ کام لوگوں میں زمانہ نبوت کے قریب ہی جاری ہو گئے تھے تو ہمارے زمانے کے بارے میں کیا گمان ہوگا؟ حتی کہ حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ زمانہ نبوت میں کوئی شخص ایک بات کہنے سے منافق مشہور ہو جاتا تھا لیکن آج میں وہی بات گیارہ مرتبہ سنتا ہوں۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۹ مرویات حذیفہ)

اور صحابہ کرام علیہم الرضوان فرمایا کرتے تھے کہ تم بعض اعمال کو جانتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے زیادہ باریک اور معمولی ہیں لیکن ہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ان باتوں کو گناہ کبیرہ میں سے سمجھتے تھے۔

نفاق کی بعض علامتیں:

بعض بزرگوں رحمہم اللہ نے فرمایا منافقت کی علامت یہ ہے کہ تم، لوگوں سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب و مرید ہیں طریقت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس بات کو ناپسند کرو جس کا خود ارتکاب کرتے ہو اور تم ظلم میں سے کسی چیز کو پسند کرو اور حق میں سے کسی بات کو ناپسند کرو اور کہا گیا ہے کہ نفاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی تعریف اس بات پر کی جائے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس پر خوش ہو حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ ہم ان امراء کے پاس جاتے ہیں تو ان کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور جب ہم وہاں سے نکلتے ہیں تو ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں آپ (رضی اللہ عنہٗ) نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں، ہم ان باتوں کو منافقت خیال کرتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۶۱ کتاب الرقاق)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو حجاج بن یوسف کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا تو پوچھا بتاؤ کیا حجاج کی موجودگی میں بھی تم ایسی گفتگو کرتے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا ہم عہد رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس قسم کی باتوں کو منافقت سمجھتے تھے۔

اس سے بھی زیادہ سخت بات یہ ہے کہ کچھ لوگ حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر بیٹھ کر ان کا انتظار کر رہے تھے اور وہ آپ ؓکے بارے میں کچھ باتیں بھی کرتے تھے جب آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) باہر تشریف لائے تو آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے حیا کرتے ہوئے وہ لوگ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا اپنی گفتگو جاری رکھو لیکن وہ خاموش رہے اس پر آپ ؓنے فرمایا اس قسم کے عمل کو ہم عہدِ رسالت میں منافقت شمار کرتے تھے۔

دل کی تبدیلیاں:

اور یہ حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ منافقین اور اسباب نفاق کے علم کے ماہر تھے اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرمایا کرتے تھے کہ دل پر ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ وہ ایمان سے بھر جاتا ہے حتی کہ اس میں سوئی کے سوراخ جتنی جگہ بھی نفاق کے لئے نہیں رہتی اور اس پر ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ وہ منافقت سے بھر جاتا ہے اور اس میں سوئی کے سوراخ جتنی جگہ بھی ایمان کے لئے باقی نہیں رہتی۔

بھائیو! سیدنا امام غزالی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ عارفین کو برے خاتمے کا خوف ہوتا ہے اور اس کا سبب خاتمے سے پہلے پائے جانے والے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن میں بدعت، گناہ اور منافقت شامل ہے اور ان باتوں سے کوئی شخص کب خالی ہو سکتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کا بلند مقام ہے۔ آپ کی کرامتیں اور ریاضتیں مشہور و معروف ہیں آپ کے والد کا نام دینار تھا جو کہ غلام تھے آپ غلامی کی حالت میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے[5] کہ ایک رات آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اگر کوئی شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ان باتوں سے خالی ہے تو یہ بھی منافقت ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ جو شخص منافقت سے بے خوف ہو وہ بھی منافق ہے۔

جیسا کہ کسی شخص نے ایک عارف سے کہا کہ مجھے اپنے نفس پر منافقت کا خوف ہے انہوں نے فرمایا اگر تم منافق ہوتے تو تمہیں منافقت کا خوف نہ ہوتا تو عارف ہمیشہ اپنے بارے میں کئے گئے ازلی فیصلے اور خاتمے کی طرف متوجہ رہتا ہے کیونکہ اسے ان دونوں کا خوف ہوتا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم، تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَلْعَبْدُ الْمُؤمِنُ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ بَيْنِ اَجَلٍ قَدْ مَضٰى لَايَدْرِیْ مَا اللهُ صَانِعٌ فِيْهِ وَبَيْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِیَ لَا يَدْرِیْ مَا اللهُ مَاضٍ فِيْهِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا مِنْ دَارٍ اِلَّا الْجَنَّةُ اَوِ النَّارُ۔ (کتاب الزهد والرقائق ص ۱۰۲ حدیث ۳۰۴ / الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۹۳ حدیث ۴۲۶۱)

بندۂ مومن دو خوفوں کے درمیان رہتا ہے اُس گھڑی کے بارے میں جس میں اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے نہ جانے کیا فیصلہ فرمایا اور اس وقت کے بارے میں کہ اُسے معلوم نہیں اللہ (عزوجل) اُس کے بارے میں کیا فیصلہ فرمائے۔ تو اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ موت کے بعد کوئی عمل نہیں اور دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے سوا کہیں اور ٹھکانہ نہیں۔ (فیضانِ احیاء العلوم صفحہ ۱۹۸)

شرح (5): حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توبہ:

آپ کی توبہ کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت سیدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (توبہ سے پہلے) نشہ کے عادی تھے، آپ کی توبہ کا سبب یہ بنا کہ آپ اپنی ایک بیٹی سے بہت محبت کیا کرتے تھے، اس کا انتقال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شعبان کی پندرھویں رات خواب دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے ایک بہت بڑا اژدھا نکل کر آپ کے پیچھے رینگنے لگا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب تیز چلنے لگتے وہ بھی تیز ہو جاتا، پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک کمزور سن رسیدہ شخص کے قریب سے گزرے تو اس سے کہا: مجھے اس اژدھے سے بچائیں۔ انہوں نے جواب دیا: میں کمزور ہوں، رفتار تیز کرلو شاید اس طرح اس سے نجات پا سکو۔ تو آپ مزید تیز چلنے لگے، اژدھا پیچھے ہی تھا یہاں تک کہ آپ آگ کے ابلتے ہوئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک جماعت کے ساتھ محفلِ رقص وسرود میں تھے جب تمام لوگ سو گئے تو اس طنبورہ سے جسے بجایا جارہا تھا آواز آئی: یامالك مالك ان تتوب اے مالک کیا بات ہے توبہ میں دیر کیوں ہے؟ آپ نے اپنے تمام دوست واحباب کو چھوڑ کر اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچی توبہ کی اور اپنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گڑھوں کے پاس سے گزرے، قریب تھا کہ آپ اس میں گر جاتے، اتنے میں ایک آواز آئی: تو میرا اہل نہیں ہے۔ آپ چلتے رہے حتیٰ کہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے، اس پر شامیانے اور سائبان لگے ہوئے تھے، اچانک ایک آواز آئی: اس ناامید کو دشمن کے نرغے میں جانے سے پہلے ہی گھیر لو۔ تو بہت سے بچوں نے انہیں گھیر لیا جن میں آپ کی وہ بیٹی بھی تھی، وہ آپ کے پاس آئی اور اپنا دایاں ہاتھ اس اژدھے کو مارا تو وہ بھاگ گیا اور پھر وہ آپ کی گود میں بیٹھ کر یہ آیت پڑھنے لگی:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

ترجمۂ کنز الایمان: کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لئے جو اترا۔ (پ 27 الحدید: 16)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس بیٹی سے پوچھا: کیا تم (فوت ہونے والے) قرآن بھی پڑھتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: جی ہاں! ہم آپ (یعنی زندہ لوگوں) سے زیادہ اس کی معرفت رکھتے ہیں۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے اس جگہ ٹھہرنے کا مقصد پوچھا تو اس نے بتایا: یہ بچے قیامت تک یہاں ٹھہر کر اپنے ان والدین کا انتظار کریں گے جنہوں نے انہیں آگے بھیجا ہے۔ پھر اس اژدھے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا: وہ آپ کا برا عمل ہے۔ پھر اس ضعیف العمر شخص کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا: وہ آپ کا نیک عمل ہے، آپ نے اسے اتنا کمزور کر دیا ہے کہ اس میں آپ کے برے عمل کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں، لہٰذا آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کریں اور ہلاک ہونے سے بچیں۔ پھر وہ بلندی پر چلی گئی جب آپ بیدار ہوئے تو اسی وقت سچی توبہ کر لی۔ (روض الریاحین، ص ۹۱)

سب سے زیادہ محبوب عمل

تبیین میں ہے کہ بلا شک وشبہ اسلام کے بنیادی ارکان خمسہ کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور علم الاخلاص کا حاصل کرنا بھی کیونکہ عمل کے صحت وثواب کا دارومدار اسی پر ہے اسی طرح حلال وحرام اور ریاء وسمعہ کا علم بھی کیونکہ اگر عمل میں ریاء شامل ہو جائے تو ہر عبادت بے روح اور عابد ثواب سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حال درست کر کے ثابت قدم رہے اس کے بعد آپ کی شان اس قدر بلند ہوئی کہ ایک مرتبہ جب آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے ایک تاجر کا موتی کشتی میں گم ہو گیا باوجود یہ کہ آپ کو علم تک نہ تھا لیکن تاجر نے آپ پر سرقہ کی تہمت لگائی آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اسی لمحہ دریا کی تمام مچھلیاں منہ میں موتی دبائے سطح آب پر ابھر آئیں آپ نے ان میں سے ایک موتی لے کر اس تاجر کو دے دیا اور خود دریا میں اتر گئے اور پانی پر گزر کر کنارے پر پہنچ گئے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: **احب الاعمالِ علی الاخلاص فی الاعمال** میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل میں اخلاص ہے کیونکہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہی تو واقعی عمل ہے اس لیے کہ عمل کے لیے اخلاص کا درجہ ایسا ہے جیسے جسم کے لیے روح جس طرح بغیر روح کے جسم پتھر و جماد ہے اسی طرح بغیر اخلاص کے عمل ریت کا تودہ ہے اخلاص باطنی اعمال کے قبیل سے ہے اور طاعات و نیکیاں ظاہری اعمال کے قبیل سے۔ ظاہری اعمال کی تکمیل باطنی اعمال کی موافقت پر موقوف ہیں اور اعمالِ باطنہ، ظاہری اعمال کے ساتھ ہی قدر و قیمت رکھتے ہیں اگر کوئی شخص ہزار برس تک دل سے مخلص رہے جب تک اخلاص کے ساتھ عمل کو نہ ملائے وہ مخلص نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر کوئی شخص ہزار برس تک ظاہری عمل کرتا رہے لیکن جب تک وہ ظاہری عمل کے ساتھ اخلاص نہ ملائے گا وہ عمل نیکی نہیں بن سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محروم ہو جاتا ہے اور عجب (خود پسندی) وغرور اور حد کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین کیونکہ یہ چیزیں بھی اعمال کو سوخت اور ضائع کر دیتی ہیں اور بیع وشرا کا علم، نکاح وطلاق اور دیگر معاملات کا علم ان لوگوں کو حاصل کرنا ضروری ہے جو ان معاملات سے متعلق ہوں اور محرمات الفاظ کا علم اور کفریہ کلمات کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں: بخدا یہ اہم ترین چیز ہے اس زمانے میں محرمات الفاظ اور مُکَفِّر کلمات کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اب عوام بلا خوف و بلا جھجک ایسے الفاظ اور ایسے جملے بے تکلف بول دیتے ہیں جو انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں اور وہ اپنی غفلت، لاعلمی اور بے توجہی سے ان کی خطرناکی کو نہیں سمجھتے اور اپنا ایمان ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ روزانہ ہی اپنے ایمان کی تجدید کر لیا کریں کہ کہیں لاعلمی میں کوئی کفری کلمہ یا کفری عمل کا صدور تو نہیں ہو گیا۔

(ردالمحتار، المقدمۃ، مطلب: فی فرض الکفایۃ وفرض العین، ج ۱، ص ۱۰۷-۱۰۸)

(۳) حضرت حبیب بن اسلم راعی رحمۃ اللہ علیہ:

ائمہ طریقت میں سے ایک بزرگ، فقیر کبیر، تمام ولیوں کے امیر، ابو حلیم حضرت حبیب بن اسلم راعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مشائخ کبار میں آپ کی بڑی قدر و منزلت ہے تصوف کے تمام احوال میں بکثرت دلائل وشواہد مذکور ہیں۔ آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مصاحب ہیں (6) آپ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **نیتہ المرمن خیر من عملہ** مومن کی نیت اس کے عمل سے افضل ہے۔

آپ بکریاں پالتے تھے اور فرات کے کنارے چرایا کرتے تھے آپ کا مسلک خلوت گزینی تھا ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا اگذر اس طرف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ تو نماز میں مشغول ہیں اور بھیڑیا ان کی بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ میں ٹھہر گیا کہ اس بزرگ کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے جن کی بزرگی کا کرشمہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں بڑی دیر تک انتظار میں کھڑا رہا یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جوابِ سلام کے بعد فرمایا کس کام سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا بغرض زیارت۔ فرمایا ''جزاک اللہ'' اس کے بعد میں نے عرض کیا یا حضرت! آپ کی بکریوں سے بھیڑیے کو ایسا لگاؤ ہے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہا ہے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بکریوں کے چرواہے کو حق تعالیٰ سے دلی ربط ہے۔ یہ فرما کر آپ نے لکڑی کے پیالے کو پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ پتھر سے دو چشمے جاری ہوئے۔ ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا۔ پھر فرمایا نوش کرو۔ میں نے عرض کیا آپ نے یہ مقام کس طرح پایا؟ آپ نے جواب دیا سید عالم صلی اللہ و سلم کی متابعت کے ذریعہ اے فرزند! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اگرچہ ان کی مخالف تھی لیکن پتھر نے انہیں پانی دیا (7) حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

شرح (6): سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدائن میں وفات ہوئی وہاں ہی مزار ہے، ۵۳ھ میں وفات ہے۔ یعنی آپ تابعی ہیں۔

شرح (7): ایک شبہ کا ازالہ:

معجزات (اور کرامت) کے منکرین جو ہر چیز کو اپنی ناقص عقل کی عینک ہی سے دیکھا کرتے ہیں۔ اس پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا محال قرار دے کر اس معجزہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ اتنے چھوٹے سے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ حالانکہ یہ منکرین (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درجہ میں نہ تھے جب کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمانبردار ہوں تو یہ پتھر مجھے دودھ اور شہد کیوں نہ دے گا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: لا تجعل قلبك صندوق الحرص وبطنك وعاء الحرام یعنی اپنے دل کو حرص کی کوٹھری (8) اور اپنے پیٹ کو حرام کی گٹھری نہ بنانا (9) کیونکہ لوگوں کی ہلاکت انہیں دو چیزوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بعض پتھروں میں خداوند تعالیٰ نے یہ تاثیر پیدا فرمادی ہے کہ وہ بال مونڈ دیتے ہیں، بعض پتھروں کا یہ اثر ہے کہ وہ سرکہ کو تیز اور ترش بنا دیتے ہیں، بعض پتھروں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ لوہے کو دور سے کھینچ لیتے ہیں، بعض پتھروں سے موذی جانور بھاگ جاتے ہیں، بعض پتھروں سے جانوروں کا زہر اتر جاتا ہے، بعض پتھر دل کی دھڑکن کے لئے تریاق ہیں، بعض پتھروں کو نہ آگ جلا سکتی ہے نہ گرم کر سکتی ہے، بعض پتھروں سے آگ نکل پڑتی ہے، بعض پتھروں سے آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے تو جب خداوند قدوس نے پتھروں میں قسم قسم کے اثرات پیدا فرما دیئے ہیں تو پھر اس میں کون سی خلافِ عقل اور محال بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پتھر میں اللہ تعالیٰ نے یہ اثر بخش دیا اور اس میں یہ خاصیت عطا فرمادی کہ وہ زمین کے اندر سے پانی جذب کر کے چشموں کی شکل میں باہر نکالتا رہے یا اس پتھر میں یہ تاثیر ہو کہ جو ہَوا اس پتھر سے ٹکراتی ہو وہ پانی بن کر مسلسل بہتی رہے یہ خداوند قادر وقدیر کی قدرت سے ہرگز ہرگز نہ کوئی بعید ہے نہ محال نہ خلافِ عقل۔ لہٰذا اس معجزہ پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اِس کا انکار کفر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ کنز الایمان: اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو اُن سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ (پ1، البقرة: 74)

بہر حال پتھروں سے پانی نکلنا یہ روزانہ کا چشم دید مشاہدہ ہے تو پھر بھلا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا کیونکر خلافِ عقل اور محال قرار دیا جا سکتا ہے۔

شرح (8): ایک شخص نے حضرت فُضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی وضاحت پوچھی تو انہوں نے فرمایا: جب آدمی کسی چیز کی لالچ کرتا ہے تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مضمر ہے اور ان کی نجات ان سے دور رہنے میں ہے۔

حضرت شیخ مذکور کے اور بھی بکثرت احوال و روایات ہیں اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں کیونکہ جب میں ملتان کے علاقہ بھنور میں دشمنوں کے چنگل میں محصور تھا تو میری کتابیں غزنی میں رہ گئی تھیں۔

(۴) حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

تبع تابعین میں سے ایک بزرگ، امام طریقت، پیر صالح حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ مشائخ کرام کے پیشوا اور سلوک و معرفت میں کامل دسترس رکھتے ہیں فقر میں بزرگ اور صادق قدم تھے۔ مجاہدات میں بڑی محنت و مشقت برداشت کیا کرتے تھے (10) حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اسے طلب کرتا ہے یوں وہ اپنا دین کھو بیٹھتا ہے جہاں تک حرص کا تعلق ہے تو نفس کی حرص کبھی اس چیز کی طرف جاتی ہے اور کبھی اُس چیز کی طرف حتی کہ وہ کسی بھی چیز کے ہاتھوں سے نکل جانے کو پسند نہیں کرتا اور بعض اوقات تمہیں کسی شخص سے غرض ہوتی ہے اور اس سے کوئی کام ہوتا ہے پھر جب وہ تمہارا کام پورا کر دیتا ہے تو تمہاری نکیل اس کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے وہ جہاں چاہتا ہے تمہیں لے جاتا ہے وہ تم پر قادر ہوتا ہے اور تم اس کے سامنے جھکتے ہو اور دنیا کی محبت کے باعث جب تم اس کے پاس سے گزرتے ہو تو اسے سلام کرتے ہو جب وہ بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کرتے ہو تم اسے رضائے خداوندی کی خاطر سلام نہیں کرتے اور نہ ہی عیادت سے رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے پس اگر تمہیں اس سے کوئی کام نہ ہوتا تو تمہارے لئے اچھا تھا پھر حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات فلاں فلاں کی سو باتوں سے بہتر ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذم البخل و ذم حب المال، الآثار، ج ۳، ص ۳۲۱۔۳۲۲)

شرح (9): نبیِ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: پُل صراط کی پشت پر آگ کے آنکڑے ہوں گے تو جس نے حرام کا ایک بھی درہم لیا ہو گا وہ آنکڑے اس کے پاؤں کو پکڑ لیں گے تو وہ اس وقت تک پُل صراط سے نہیں گزر سکے گا جب تک اس درہم کا مالک بدلے میں اس کی نیکیوں میں سے نہ لے لے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس (مالکِ درہم) کے گناہ اس کے سر ڈال دیئے جائیں گے اور وہ جہنم میں گر پڑے گا، اس سے پہلے کہ تمہاری نیکیاں چھین لی جائیں جو مال ظلماً لیا ہے اسے اس کے مالک کو لوٹا دو۔ (قُرَّۃُ الْعُیُوْنِ وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن صفحہ ۵۰)

شرح (10): خلیفہ عبدالملک خلفاء بنو امیہ میں بڑے کروفر کا بادشاہ گزرا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کی صحبت کا شرف حاصل ہے آپ کا کلام مقبول اور تمام کتابوں میں مذکور ہے یہی حضرت عمرو بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ کسی نے آپ سے پوچھا "مالك" یعنی آپ کی پونجی کیا ہے؟ قال الرضا عن الله والغنیٰ عن الناس فرمایا: میری پونجی خدا کی رضا اور لوگوں سے بے نیازی ہے، بلاشبہ جو شخص حق تعالیٰ سے راضی ہوگا وہ لوگوں سے مستغنی ہوجائے گا۔ کیونکہ اس کے لیے سب سے بڑا خزانہ تو خدا کی رضا ہی ہے۔ (11) غنا سے ان کی مراد حق تعالیٰ سے غنا ہے جو شخص حق تعالیٰ سے مستغنی ہوجاتا ہے وہ غیروں سے بے پرواہ ہوجاتا ہے وہ اس کے در کے سوا کسی اور در کو جانتا ہی نہیں اور ظاہر و باطن کسی حالت میں خدا کے سوا کسی کو پکارتا ہی نہیں۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو سوتا پایا چنانچہ میں انتظار میں بیٹھ گیا جب وہ بیدار ہوئے تو فرمایا میں نے خواب میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے مجھے پیغام دیا ہے کہ ماں کے حق کی حفاظت کرنا حج کرنے سے بہتر ہے لوٹ جاؤ ماں کو خوش رکھو، میں واپس آ گیا اور مکہ مکرمہ حاضر نہ ہوا۔ میں نے اس سے زیادہ ان کے اقوال

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بہت زیادہ صاحب علم ور خلیفہ ہونے سے پہلے بہت عبادت گزار بھی تھا۔ جب اس کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو اس نے ایک غسال کو دمشق کے دروازے پر دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر ایک مردہ نہلانے جا رہا تھا تو خلیفہ عبد الملک نے کہا کہ کاش میں بھی ایک غسال ہوتا اور اپنے ہاتھ ہی کی کمائی روزانہ کھاتا اور میں حکومت دنیا کے کسی معاملہ کا والی نہ بنتا۔ جب صوفی ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خلیفہ عبد الملک کے اس مقولہ کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ جب ان بادشاہوں کی موت کا وقت آتا ہے تو یہ لوگ ہمارے حال کی تمنا کرتے ہیں اور جب ہم لوگوں کی موت کا وقت آتا ہے تو ہم لوگ ان بادشاہوں کے حال کی تمنا نہیں کرتے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، الباب الخامس فی کلام المحتضرین...الخ، ج۵، ص۲۳۰)

شرح (11): لوگوں سے بے نیازی

حضرتِ سیدنا ابو یحییٰ مالک بن دینار علیہ رحمۃ الغفار فرماتے ہیں، میں نے حضرتِ سیدنا ابو عبد اللہ محمد بن واسع علیہ رحمۃ النافع سے کہا، اے ابو عبد اللہ! خوش نصیب ہے وہ شخص جس کے پاس تھوڑا سا غلّہ ہو اور وہ اُس کو کِفایت کرے اور یوں وہ لوگوں سے بے نیاز رہے۔ یہ سُن کر اُنہوں نے مجھ سے فرمایا، اے ابو یحییٰ! اُس شخص کیلئے خوش خبری ہے جو صبح و شام بھوکا ہو اور اللہ عزَّ وَجَلَّ اُس سے راضی ہو۔ (اِحیاءُ العُلوم ج ۳ ص ۹۰)

نہیں سنے۔

(۵) حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ:

تبع تابعین میں سے ایک بزرگ، امام طریقت، داعیِ اہلِ مجاہدہ، قایم اندر مشاہدہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (12) آپ یگانہ روزگار، بکثرت تابعین کے صحبت یافتہ تھے اور اکثر مشائخ متقدمین نے بھی آپ سے ملاقات کی ہے اور آپ سے طریقت کے حقائق، انفاس عالیہ اور اشاراتِ کاملہ بکثرت منقول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا: مارأیت شیئًا الا ورأیت اللہ فیہ یعنی میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس میں مجھے خدا کا جلوہ نظر نہ آیا ہو یہ مقام مشاہدہ کا ہے کیونکہ بندہ فاعلِ حقیقی کی محبت میں اس حد تک فائز ہو جاتا ہے کہ وہ جب بھی کسی فعل کو دیکھتا ہے تو اسے فعل نظر نہیں آتا بلکہ فاعل ہی نظر آتا ہے جس طرح کوئی شخص تصویر کو دیکھ کر تصویر بنانے والے کے کمال کو دیکھتا ہے اس کلام کی اصل وحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قولِ مبارک پر ہے جبکہ انہوں نے چاند ستارے اور آفتاب کو دیکھ کر کہا تھا: هٰذَا رَبِّیْ یہ میرا رب ہے یہ آپ کے غلبہ شوق الٰہی کا حال ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی دیکھا اس میں محبوب ہی کی صفت کا جلوہ دیکھا اس لیئے کہ محبوبانِ خدا، جب کسی چیز پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں جہان کی ہر چیز اس کے قہر کا مقہور اور اس کے غلبہ کا اسیر نظر آتی ہے اور ھستی کے وجود کو اس کے فاعل کی قدرت کے پہلو میں پراگندہ دیکھتے ہیں وہ مفعول کو نہیں دیکھتے بلکہ فاعل کو دیکھتے ہیں اور تکوین کی حالت میں ناچیز نظر آتے ہیں جب حالتِ اشتیاق میں اس پر نظر پڑتی ہے تو ان کی نظر مقہور یعنی کائنات پر نہیں پڑتی بلکہ قاہر یعنی کائنات کے بنانے والے ہی کا جلوہ نظر آتا ہے اس لیے ان کی نظر مفعول پر نہیں ہوتی بلکہ فاعل ہی کے مشاہدے میں ہوتی ہے مخلوق نظر ہی نہیں آتی بلکہ خالق کا جلوہ سامنے ہوتا ہے مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ مشاہدے کے باب میں آئے گی۔

ایک گروہ سے اس مقام میں غلطی واقع ہوئی ہے وہ رأیت اللہ فیہ کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ میں نے اس میں اللہ کو دیکھا ان کا یہ مفہوم لینا مکان اور تجزی یعنی جز وحلول کا اقتضا کرتا ہے حالانکہ یہ صریحی کفر ہے اس لیے کہ مکان اور جو مکان میں ہو دونوں ایک جنس کے ہوتے ہیں اگر کوئی یہ فرض کرے کہ مکان مخلوق

شرح (12): بصرہ کے رہنے والے تھے۔ بہت بڑے عابد، زاہد اور فقیہ تھے۔ جماعتِ محدثین میں بھی اونچے مقام کے حامل تھے۔ آپ کا وصال ۱۲۳ ہجری میں ہوا۔

ہے تو لازم ہے کہ جو مکان میں ہوگا وہ بھی مخلوق ہی ہوگا اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ جو مکان میں متمکن ہے وہ قدیم ہے تو لازم ہے کہ وہ مکان بھی قدیم ہی ہوگا بہر طور دونوں نظریات فاسد ہیں خواہ مخلوق کو قدیم کہا جائے یا خالق کو حادث یہ دونوں باتیں کفر ہوں گی۔ لہٰذا کسی چیز میں اس کی رویت اسی معنیٰ میں ہے جسے ابتداء میں بیان کر دیا گیا ہے اس میں اور لطائف ہیں جو کسی اور جگہ لکھے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

(۶) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

تبع تابعین میں سے امام طریقت امام الائمہ مقتدائے اہل سنت، شرف فقہا، عز علماء سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ (13) نعمان بن ثابت خزازی رضی اللہ عنہ ہیں (14) آپ عبادات و مجاہدات و طریقت کے اصول

شرح (13): حنیف اَوراق کو کہتے ہیں، حضور کو ابتدا ہی سے لکھنے کا بہت شوق تھا اس لئے آپ کو حنیفہ کہا کہا گیا۔

شرح (14): یاد رکھیں کہ جمہور محدثین کے نزدیک محض کسی صحابی کی ملاقات اور رویت سے آدمی تابعی بن جاتا ہے، اس میں صحابی کی صحبت میں ایک مدت تک وقت گزارنا شرط نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (شرح النخبہ) میں فرمایا (ہذا والمختار) یہی بات صحیح ومختار ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کو بعض صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کو اور آپ کی تابعی ہونے کو محدثین اور اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے کیوں کہ داتا صاحب پانچویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ ہیں اور صوفیاء عموما حالت جذب میں ہوتے ہیں اس لئے بعض اوقات ماسوا سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

1-ابن سعد نے اپنی کتاب (الطبقات) میں، 2-حافظ ذہبی نے اپنی کتاب تذکرہ الحفاظ) میں، 3-حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب (تہذیب التہذیب) میں اور اسی طرح ایک فتوی میں بھی جس کو امام سیوطی نے (تبییض الصحیفہ) میں نقل کیا ہے، 4-حافظ عراقی، 5-امام دار قطنی، 6-امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد الطبری المقری الشافعی، 7-امام سیوطی، 8-حافظ ابو الحجاج المزی، 9-حافظ ابن الجوزی، 10-حافظ ابن عبد البر، 11-حافظ السمعانی، 12-امام نووی، 13-حافظ عبد الغنی المقدسی، 14-امام جزری، 15-امام تورپشتی، 16-امام سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی، اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام ہیں اور حافظ ابن حجر کے شیخ ہیں، 17-امام یافعی شافعی، 18-علامہ ابن حجر مکی شافعی، 19-علامہ احمد قسطلانی، 20-علامہ بدر الدین العینی، وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین بطور مثال اہل سنت والجماعت کے چند مستند ومعتمد ائمہ کے نام میں نے ذکر کیئے ہیں، ان سب جلیل القدر ائمہ کرام نے امام اعظم رحمہ اللہ کو تابعی قرار دیا ہے۔

میں عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہیں (15) ابتدائی زندگی میں آپ نے لوگوں کے اژدہام سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی کا قصد فرمایا تا کہ لوگوں میں عزت وحشمت پانے سے دلوں کو پاک وصاف رکھیں اور دن ورات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ومنہمک رہیں مگر ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استخوان مبارک کو جمع کر رہے ہیں اور بعض کو بعض کے مقابلہ میں انتخاب کر رہے ہیں اس خواب

شرح (15): امام اعظم ابوحنیفہ! رضی اللہ عنہ

سارے محدثین وفقہاء کے استاد، دین متین کا مجتہد اول ہے، جن کے فضائل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے کہ فرمایا اگر دین ثریا تارے کے پاس بھی ہوتا تو فارس کا ایک شخص وہاں سے لے آتا، آپ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوتی ہے، حضرت زوتی یعنی امام صاحب کے دادا فارسی النسل ہیں۔ حضرت امام کی کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم، آپ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین میں سے تھے، آپ ہی کی محبت میں فارس چھوڑ کر کوفہ میں آپ کے پاس قیام کیا، حضرت زوتی اپنی بچے ثابت کو دعا کے لیے علی مرتضیٰ کے پاس لائے، آپ نے دعا فرمائی اور بشارت دی کہ اس فرزند کے بیٹے سے عالم میں علم بھر جائے گا۔ امام اعظم کی پیدائش کوفہ شہر ۸۰ھ میں ہوئی یعنی تمام آئمہ مجتہدین سے پہلے ۷۰ سال عمر شریف پا کر ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات ہوئی اور بغداد کے قبرستان خیرزان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر شریف زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ کی قبر قبول دعا کے لیے اکسیر ہے، آپ نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی انس ابن مالک، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ، سہل ابن سعد ساعدی، ابوطفیل عامر ابن واصلہ۔ آپ حضرت حماد کے شاگرد اور حضرت امام جعفر صادق کے تلمیذ خاص ہیں کہ دو سال تک آپ کی صحبت میں رہے۔ جلیل القدر تابعی ہیں، آپ اسلام کے سب سے پہلے مجتہد اعظم ہیں، آپ کا مذہب دنیا میں بہت پھیلا۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ سارے جنتیوں میں دو تہائی جنتی حضور کی امت ہیں اور سارے مسلمانوں میں دو تہائی مؤمن حنفی ہیں، اکثر اولیاء اللہ حنفی ہوئے، چالیس سال عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی، ہر شب پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کرتے تھے، شب میں آپ کے رونے کی آواز گھر سے باہر سنی جاتی تھی، آپ کی وفات کے وقت سات ہزار قرآن مجید ختم ہوئے، سارے محدثین وفقہاء بالواسطہ یا بلاواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہیں۔

(مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۱، ص۱۵)

سے آپ بہت پریشان ہوئے اور حضرت محمد بن سیرین (16) رضی اللہ عنہ کے ایک مصاحب سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی انہوں نے جواب دیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک اور آپ کی سنت کی حفاظت میں ایسے بلند درجہ پر فائز ہوں گے۔ گویا آپ ان میں تصرف کر کے صحیح و سقیم کو جدا جدا کریں گے (17) دوسری مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور نے فرمایا: اے ابوحنیفہ! تمہیں میری سنت کے زندہ کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم گوشہ نشینی کا خیال دل سے نکال دو۔

آپ بکثرت مشائخ متقدمین کے استاذ ہیں (18) چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم فضیل بن عیاض،

شرح (16): محمد ابن سیرین:

آپ کی کنیت ابوبکر ہے آپ انس ابن مالک کے آزاد کردہ ہیں، انس ابن مالک، ابن عمر اور ابوہریرہ سے روایات لیتے ہیں، آپ بڑے عابد عالم فقیہ زاہد محدث تھے مشہور جلیل القدر تابعی ہیں مختلف علوم میں مشہور ہیں۔ مورق عجلی کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے زیادہ کوئی فقیہ عابد نہ دیکھا۔ خلف ابن ہشام کہتے ہیں کہ رب نے ابن سیرین کو خشوع وخضوع خوش خلقی عطا فرمائی تھی لوگ جب انہیں دیکھتے تھے خدا یاد آتا تھا، اشعث کہتے ہیں کہ محمد ابن سیرین سے جب کوئی شرعی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان کا چہرہ فق ہوجاتا تھا، مہدی کہتے ہیں کہ ہم ابن سیرین کے پاس بیٹھتے تھے مختلف تذکرے کرتے تھے مگر جب موت کا ذکر آتا تو آپ کا چہرہ فق ہوجاتا اور ہم سے اجنبی ہوجاتے گویا پہلا والا حال تھا ہی نہیں آپ کی عمر ۷۷ ستتر سال ہوئی ۱۱۰ ایک سو دس میں وفات ہوئی۔ مترجم نے قبر انور کی زیارت کی ہے بصرہ کے قریب ہی ہے خواجہ حسن بصری اور محمد ابن سیرین ایک ہی حجرہ میں آرام فرما ہیں، آپ تعبیر خواب کے امام مانے جاتے ہیں، آپ کا تعبیر نامہ مشہور ہے۔

شرح (17): تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷ النعمان بن ثابت ابوحنیفة التیمی، ذکر خبر ابتداء ابی حنیفة بالنظر فی العلم، ج ۱۳، ص ۳۳۵۔ بتغیر

شرح (18): امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے وہ شاگرد جنہوں نے آپ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ہے ان کی تعداد بہت ہے لیکن یہاں آپ کے چند ایسے مشہور تلامذہ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو محدث و مجتہد تھے لیکن استنباط مسائل کے اصول وضوابط میں اپنے شیخ امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ اس لحاظ سے انہیں حنفی کہنا درست ہے۔ جیسا کہ امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد، امام وکیع بن الجراح محدث و مجتہد فی المذہب ہونے کے باوجود اپنے شیخ کی اکثر رائے کو اختیار کرنے کی وجہ سے حنفی کہلاتے ہیں۔ یوں تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ہر ایک بالواسطہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں لیکن ذیل میں ہم کچھ ایسے مشہور محدثین کے نام ذکر کر رہے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور وہ امام بخاری کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاذ ہیں۔

(۱) حماد بن زید: یہ امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ امام علی بن مدینی کا قول ہے: ابوحنیفة روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن زید (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج ۱ ص ۱۴۹) ترجمہ: ابوحنیفہ سے راویات لینے والوں میں سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک اور حماد بن زید بھی ہیں۔ اور یہی حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری کے والد گرامی واستاذ اسماعیل بن ابراہیم کے اساتذہ میں ہیں۔ امام عسقلانی، امام بخاری کے والد گرامی کے بارے میں لکھتے ہیں: روی عن حماد بن زید وابن المبارک (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۰) امام اسماعیل بن ابراہیم نے حماد بن زید اور ابن المبارک سے احادیث سنی ہیں۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کے والد حضرت اسماعیل بن ابراہیم نے حضرت حماد بن زید سے حدیثیں سنی ہیں۔ (التاریخ الکبیر ج ۸ ص ۱۸) مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرت حماد بن زید امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد تھے اور حضرت حماد کے شاگرد اسماعیل بن ابراہیم اور اسماعیل بن ابراہیم امام بخاری کے والد و استاذ تھے تو معلوم ہوا کہ حماد بن زید ایک واسطے سے امام بخاری کے دادا استاذ اور امام ابوحنیفہ پردادا استاذ ہوئے۔ (۲) عبداللہ ابن مبارک متوفی ۱۸۱ھ: یہ بات محقق ہے کہ امام عبداللہ ابن مبارک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے علم فقہ وحدیث حاصل کرنے والوں میں تھے۔ امام بخاری لکھتے ہیں: نعمان بن ثابت ابوحنیفة الکوفی روی عنه ابن المبارک۔ ترجمہ: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی سے ابن المبارک نے احادیث روایت کی ہیں۔ (التاریخ الکبیر ۸/۸۱) خود امام ابن المبارک فرماتے ہیں: کتبت کتب ابی حنیفة غیر مرة ،فکانت تقع فیها زیادات فاکتبها۔ ترجمہ: متعدد بار میں نے ابوحنیفہ کی کتابیں لکھی ہیں۔ پھر ان میں اضافہ ہوتا تو میں لکھتا تھا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۳۶) امام عطیہ بن اسباط فرماتے ہیں: کان ابن المبارک اذا قدم الکوفة تقدم علی زفر فیعیرہ کتبه عن ابی حنیفة فیکتبها ، حتی کتبها مرارا۔ ترجمہ: ابن المبارک جب کوفہ آتے تھے تو امام زفر کے پاس آتے تھے امام زفر بطور عاریت انہیں امام اعظم کی مرویات کی کتابیں دیتے تھے جنہیں وہ لکھتے تھے۔ انہوں نے کئی بار ان کتابوں کے نسخے لکھے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصمیری ص ۱۳۷) امام عبداللہ بن المبارک کے پاس امام اعظم کی مرویات پر مشتمل کتابیں محفوظ تھیں اور اکثر مسائل میں وہ امام ابوحنیفہ کی رائے پر ہی فتویٰ دیتے تھے اس لئے وہ اہل الرائے سے مشہور بھی ہوگئے تھے۔ امام بخاری کے استاذ و والد حضرت اسماعیل بن ابراہیم امام عبداللہ بن مبارک کے شاگرد تھے اور امام عبداللہ بن مبارک امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔

(۳) یحییٰ بن سعید القطان متوفی ۱۹۸ھ امام محدث، مجتہد فقیہ تھے۔ امام ابوحنیفہ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا۔ امام ابوحنیفہ کے بارے میں ان کا قول ہے: جالسنا واللہ ابا حنیفۃ وسمعنا منہ وکنت واللہ اذا نظرت الیہ عرفت فی وجھہ انہ یتقی اللہ عزوجل (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۵۲) واللہ ہم نے ابوحنیفہ کی علمی مجلسوں میں بیٹھا اور ان سے سماع احادیث کیا۔ واللہ میں ان کو دیکھتا تھا تو ان کے چہرے سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ اللہ عزوجل سے ڈرنے والے ہیں۔ یحییٰ بن سعید قطان کا یہ قول بھی ہے: قد اخذنا باکثر اقوالہ (تہذیب التہذیب) ہم نے ابوحنیفہ کے اکثر اقوال کو اختیار کیا۔ امام یحییٰ بن سعید قطان کے بارے میں امام عسقلانی نے لکھا: ثقۃ متقن حافظ امام قدوۃ۔ (تقریب التہذیب ۲/۱۰۵۲ ترجمہ ۷۶۰۷) امام یحییٰ بن سعید القطان ثقہ، کامل، حافظہ والے، حافظ الحدیث، امام، اہل علم کے سردار تھے۔ امام ذہبی نے لکھا: الحافظ الکبیر وکان راسا فی العلم والعمل (الکاشف ترجمہ ۶۱۷۵) امام یحییٰ بن سعید بڑے حافظ الحدیث تھے اور علم و عمل میں سردار تھے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان امام بخاری کے علاوہ ائمہ کتب صحاح ستہ کے بھی شیوخ میں سے تھے اور امام اعظم ابوحنیفہ کی مجلس علم حدیث فقہ سے استفادہ کرنے والے تھے۔

(۴) وکیع بن الجراح متوفی ۱۹۶ھ یا ۱۹۷ھ امام، محدث، فقیہ، مجتہد تھے۔ امام ابن حجر نے فرمایا: ثقۃ حافظ عابد (التقریب ترجمہ ۸۳۴۸) ثقہ، حافظ الحدیث اور عابد تھے۔ امام ذہبی نے فرمایا: احد الاعلام علم کے ایک کوہ گراں تھے۔ (الکاشف ۶۰۵۶) امام ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ وکیع بن الجراح ابوحنیفہ کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی میں لکھا ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ وکیع بن الجراح ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اقوال ان کے اجتہاد کی بنیاد پر امام اعظم کی رائے کے موافق ہوتے تھے اس لئے یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے۔ اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ فقہاء کرام کے طبقات میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) طبقہ اولیٰ کے فقہاء کو مجتہد مطلق کہا جاتا ہے وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ خود اصول وضوابط مقرر کرنے والے ہوتے ہیں۔ دوسرے طبقے کے فقہاء وہ ہوتے ہیں جنہیں مجتہد فی المذاہب کہا جاتا ہے وہ حضرات استخراج اصول وضوابط میں اپنے استاذ کی تقلید کرنے والے ہوتے تھے اور کبھی بعض اصول وفروع میں بھی ان سے اختلاف کرنے والے ہوتے تھے جیسا کہ امام ابو یوسف ومحمد رحمۃ اللہ علیہ اکثر فروع میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور کبھی امام ابوحنیفہ کے قول مرجوح کو راجح سمجھتے ہوئے اختیار بھی کرتے تھے۔ جس طرح امام ابو یوسف وامام محمد وزفر وحسن بن زیاد وغیر ہم شاگردان امام ابوحنیفہ مجتہد فی المذہب تھے اور اکثر امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے، اسی طرح امام وکیع بن الجراح بھی مجتہد فی المذہب تھے اور اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال پر فتوی دیتے تھے۔ امام وکیع کو امام ابوحنیفہ کے غیر مجتہد مقلدین میں کس نے شمار کیا کہ مبارکپوری صاحب کو اس بات کی تردید پیش کرنے کی ضرورت ہوئی کہ امام وکیع بن الجراح اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے اصول استنباط میں مقلد تھے اور ان کے اکثر اقوال پر فتویٰ دیتے تھے؟ مبارکپوری صاحب کی یہ بات طبقات فقہاء سے ناواقفیت پر مبنی ہوسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام وکیع بن الجراح امام اعظم کے شاگرد آپ کے اقوال پر فتوی دینے والے تھے اور امام بخاری کے شیوخ میں سے تھے۔ (۵) مکی بن ابراہیم ولادت ۱۲۶ھ وفات ۲۱۵ھ امام بخاری کی ثلاثیات کے استاذ ہیں۔ امام ذہبی نے ان کے ترجمے میں تحریر فرمایا: حدث عن جعفر الصادق وابی حنیفہ وعنہ البخاری واحمد (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶۵) مکی بن ابراہیم نے جعفر صادق اور ابوحنیفہ سے احادیث سنی ہیں اور ان سے امام بخاری اور امام احمد نے احادیث سنی ہیں۔ معلوم ہوا کہ مکی بن ابراہیم، امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور امام بخاری کے استاذ لہٰذا امام ابوحنیفہ امام بخاری کے دادا استاذ ہوئے۔ (۶) مسعر بن کدام ابوسلمہ متوفی ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ: امام ذہبی نے فرمایا کہ مسعر بن کدام عبادت گزار اور خشوع وخضوع والے بندوں میں سے تھے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: مسعر بن کدام قابل اعتماد، کامل حافظہ والے فاضل تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ ۵۳۹۵، التقریب ترجمہ ۷۴۴۳) (۷) قاسم بن معن کوفی متوفی ۱۷۵ھ: کوفہ میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ ہارون رشید کے دور خلافت میں وفات ہوئی۔ (کتاب الثقات ۷/۳۳۹) امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: ثقۃ فاضل تھے اور امام ذہبی نے فرمایا: وثقہ احمد و قیل کان کالشعبی فی زمانہ (التقریب ترجمہ ۶۱۷۵، الکاشف ترجمہ ۴۵۳۳) قاسم بن معن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

داؤد طائی اور حضرت بشر حافی وغیرہ رحمہم اللہ نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے (19) علماء کے درمیان یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ثقہ فاضل تھے، امام احمد بن حنبل نے انہیں ثقہ فرمایا اور کہا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں عامر شعبی جیسے تھے۔ (یعنی اپنے زمانے کے بے مثال محدث وفقیہ تھے) قاسم بن معن امام ابوحنیفہ کے ان شاگردوں میں سے تھے جن کو آپ یہ فرمایا کرتے تھے، انتم مسار قلبی وجلاء حزنی۔ تم سب میرے دل کا سرور اور میرے غم کا مداوا ہو، یہ حضرت قاسم بن معن امام بخاری کے شیوخ میں سے تھے۔ (۸) امام ابوعاصم ضحاک بن مخلد متوفی ۲۱۲ھ: امام بخاری کی ۲۲ ثلاثیات میں ۶ ثلاثیات کے شیخ ہیں۔ صحاح ستہ کی کتابوں کے راوی ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ابوعاصم النبیل البصری ثقة ثبت۔ ابوعاصم النبیل بصری ثقہ، کامل حافظہ والے تھے۔ (التقریب ترجمہ ۲۹۹۴) امام حاکم، مزی اور امام ذہبی کے مطابق ابوضحاک امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے اور امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے۔ (تسمیۃ من اخرجہم البخاری ومسلم، للحاکم ج۱ ص ۱۴۳، تہذیب الکمال ج ۱۳ ص ۲۸۳، سیر اعلاء النبلاء ج۶ ص ۳۹۳، الکاشف ج۱ ص ۵۰۹) (۹) خلاد بن یحییٰ متوفی ۲۱۳ھ امام ابن حبان نے تحریر فرمایا: خلاد بن یحییٰ بن صفوان السلمی ابومحمد، من تبع الاتباع من اهل الكوفة، سكن مكة۔ مات بمكة سنة ثلاث عشرة ومائتين۔ (الثقات ۲۲۹/۸) ابومحمد خلاد بن یحییٰ بن صفوان السلمی تبع تابعین میں سے تھے۔ کوفہ سے نکل کر مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مکہ میں ۲۱۲ھ میں وفات ہوئی۔ امام ابن حجر نے فرمایا: صدوق رمی بالارجاء وهو من كبار شيوخ البخاری (التقریب ترجمہ ۱۹۳۵) سچے تھے۔ ان پر بلاوجہ مرجئہ ہونے کا الزام تھا۔ امام ابن بزاز الکردری اور امام صالحی الشامی نے انہیں امام اعظم ابوحنیفہ کے محدثین تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ للکردری ۲/۲۱۹، عقود الجمان ص ۱۱۰) (۱۰) عبداللہ بن یزید ابوعبدالرحمن المقری متوفی ۲۱۳ھ: امام ابن حجر عسقلانی نے تحریر فرمایا: ثقة فاضل اقرأ القرآن نیفا وسبعین سنة وهو من كبار شيوخ البخاری (التقریب ترجمہ ۳۷۳۹) امام عبداللہ بن یزید المقری قابل اعتماد فاضل تھے۔ ۷۰ سال سے زیادہ قرآن کی تعلیم دینے میں مصروف رہے۔ امام بخاری کے اکابر اساتذہ میں سے تھے۔ امام ذہبی اور امام عسقلانی نے لکھا کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۶/ ۳۹۳، تہذیب التہذیب ۱۰/۲۰۱)

شرح (19): امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک ومذہب کی ایک عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس مسلک کو اولیاء کرام کی بہت بڑی تعداد نے اختیار فرمایا جو اپنے سخت مجاہدہ میں ثابت قدم رہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واقعہ مشہور ہے کہ آپ کے زمانہ میں ابوجعفر المنصور خلیفہ تھا اس نے یہ انتظام کیا کہ چار علماء میں سے کسی ایک کو قاضی بنا دیا جائے۔ ان چاروں میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی شامل تھا بقیہ تین فرد، حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور مشاہدہ حق سے سرفراز ہوئے جیسے حضرت ابراہیم ابن ادھم بن منصور البلخی، شقیق البلخی بن ابراہیم الزاہد تلمیذ امام ابو یوسف القاضی متوفی سنہ ۱۹۴ھ، حضرت معروف الکرخی بن فیروز استاذ سری السقطی متوفی سنہ ۲۰۰ھ (یہ وہ بزرگ ہیں جن کی قبر سے بارانِ رحمت طلب کیا جاتا تھا)، ابی یزید بسطامی آپ کا نام طیفور بن عیسیٰ ہے آپ کے دادا مجوسی سے مسلمان ہوئے متوفی سنہ ۱۶۱ھ، فضیل بن عیاض الخراسانی متوفی سنہ ۱۸۷ھ، یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور حضرت امام شافعی کے استاد ہیں اور بخاری و مسلم نے ان سے روایت کی ہے۔ حضرت داؤد طائی ابن نصر بن نصیر بن سلیمان الکوفی تلمیذ امام اعظم متوفی سنہ ۱۶۰ھ، خلف بن ایوب تلمیذ حضرت امام محمد و زفر علیہما الرحمہ متوفی سنہ ۲۱۵ھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو عطا فرمایا (جتنا چاہا) آپ سے وہ علم صحابہ کو منتقل ہوا، پھر تابعین کو، ان کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اب جو چاہے خوش ہو اور جو چاہے وہ ناخوش و ناراض۔ ابی حامد اللفاف ان کا نام احمد بن خضرویہ البلخی ہے متوفی سنہ ۲۶۰ھ، کبار مشائخ خراسان سے ہیں۔ عبداللہ بن المبارک، آپ نہایت عابد و زاہد، فقیہ اور محدث تھے۔ ادب ونحو، لغت اور فصاحت و بلاغت میں بھی ماہر و کامل تھے۔ آئمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے اساتذہ میں سے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی الکوفی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) صائم الدھر تھے، ہر رات ایک بار ختم قرآن فرماتے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت امام شافعی کے شیوخ میں ہیں ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ ابوبکر الوراق ان کا نام محمد بن عمرؒ والترمذی ہے، اولیاء کرام سے ہیں، ان اکابر اولیاء کرام کے علاوہ حاتم اصم اور سید محمد الشاذلی بکری حنفی صاحب کشف و کرامت ہیں۔

(الدر المختار ورد المحتار، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول...الخ، ج۱، ص ۱۴۰۔ ۱۴۴)

غرض ساڑھے بارہ سو سال میں مسلک احناف کے جس قدر اولیائے کرام گزرے ان کا شمار کرنا مشکل ہے ان میں سے ہر ایک صاحب علم و فضل تھے اور صاحب زہد و تقویٰ بھی اور صاحب مجاہدہ و ریاضت بھی اور صاحبِ کشف و کرامت بھی۔

(ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سفیان ثوری، صلہ بن الشیم اور شریک رحمہم اللہ تھے یہ چاروں بڑے متبحر عالم تھے۔ فرستادہ کو بھیجا کہ ان چاروں کو دربار میں لے کر آئے۔ چنانچہ جب یہ چاروں یکجا ہو کر روانہ ہوئے تو راہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ترجمہ کنزالایمان: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ (پ ۶، المائدۃ: ۵۴)

اگر ان حضرات کاملین کو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مذہب میں ذرا بھی شک وشبہ ہوتا کہ اس کی کوئی بات بھی جادہ حق کے خلاف ہے تو اپنے کشف و کرامت کے ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس مذہب کو اختیار نہ فرماتے۔ علامہ ابوالقاسم قشیری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حالانکہ نہایت درجہ شافعی المذہب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابوعلی الدقاق (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے طریقت ومعرفت ابوالقاسم النصرآبادی سے حاصل کی، ابوالقاسم فرماتے ہیں مَیں نے اس کو شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور انہوں نے سری سقطی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اور انہوں نے حضرت معروف کرخی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اور انہوں نے داؤد طائی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اور داؤد طائی نے یہ علم وطریقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیا جو کہ اس میدان کے شہسوار ہیں کیونکہ علم حقیقت کا مبنیٰ علم شریعت اور عمل بالشریعہ اور تہذیب وتصفیہ نفس ہے اور تمام بزرگانِ اسلاف نے اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم علم شریعت وطریقت اور تہذیب وتزکیہ نفس میں کامل تھے۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) علم، ورع اور زہد وایثار کے اس مقام پر تھے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔ عبداللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے مقابلہ میں کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے کیونکہ آپ نہایت متورّع، متقی، پاکیزہ تر اور عالم وفقیہ تھے آپ نے علم میں وہ انکشاف کئے جو دوسروں کی دسترس سے باہر تھے۔ امام ثوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس شخص سے جو امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پاس ہو کر آیا تھا فرمایا کہ بلاشبہ تو ایسے شخص کے پاس سے آیا ہے جو تمام روئے زمین میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔

(الدرالمختار وردالمحتار، المقدمۃ، مطلب: یجوز تقلید المفضول ...الخ، ج ۱، ص ۱۴۴، ۱۴۶)

غرض تمام ہی علماء اصفیاء عرفاء نے آپ کی مدح سرائی کی ہے اور آپ کے فضل کا اقرار کیا ہے پس جو لوگ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں ان کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ اگر آپ کی ذاتِ اقدس اس قدر کامل، افضل، اعلم اور اتقی انہ ہوتی تو یہ عارفین کاملین اور ماہرین علم شریعت وطریقت کس طرح آپ کے جلالت علم، کمال تفقہ، زہدو ورع اور فضیلت و شرف کا اقرار کرتے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ علیہ نے فرمایا میں اپنی فراست کے مطابق ہر ایک کے لیے ایک ایک بات تجویز کرتا ہوں سب نے کہا آپ جو تجویز فرمائیں گے درست ہی ہوگا آپ نے فرمایا میں تو کسی حیلہ سے اس منصب قضا کو خود سے دور کردوں گا۔ صلہ بن الشیم خود کو دیوانہ بنالیں، سفیان ثوری بھاگ جائیں اور شریک قاضی بن جائیں چنانچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور کیوں آپ کی قصیدہ خوانی کرتے اور آپ کی ذاتِ مقدسہ کو صد باعث افتخار سمجھتے اور آج تک آپ کی عظمت وجلالت کا اقرار پوری ملت اسلامیہ کو ہے یقیناً آپ اپنے فضل وکمال میں منفرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ نے آپ کی شان میں جو مدحیہ اشعار کہے اور ان میں جن خیالات کا اظہار کیا اس میں انہوں نے قطعاً مبالغہ نہیں کیا بلکہ فی الحقیقت وہ امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی مدح کا حق ادا نہ کر پائے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) سے روایت کی یا نہیں ،تاریخ ابن خلکان میں بروایت خطیب حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پوتے کا بیان ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان ابناء فارس سے ہوں اور احرار میں سے......،ہم کبھی غلام نہیں رہے۔ میرے جد محترم امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ثابت بن النعمان بن المرزبان حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ (یعنی ثابت) صغیر السن تھے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ (یعنی ثابت) کے لئے دعائے خیر و برکت دی اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں وہ دعا قبول فرمائی۔

(وفیات الاعیان، أبو حنیفۃ (۷۶۵)، ج ۴، ص ۵۷۷)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کچھ اور صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کا زمانہ بھی پایا لیکن ان سے روایت نہیں کی اور ان کی رویت سے مشرف ہوئے، جن صحابہ کا زمانہ آپ نے پایا ان سے عدم سماع (یعنی روایت نہ کرنے) کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ابتداءً اس علم کی طرف متوجہ نہ تھے بلکہ اپنے کسب معاش میں مشغول رہتے تھے۔ جب حضرت علامہ شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی ذہانت وفطانت اور ذکاوت طبع کو دیکھا تو علامہ موصوف نے آپ کو علمِ دین کے حصول کی طرف متوجہ کیا اس وقت غالباً صحابہ کی وہ جماعت باقی نہ رہی ہوگی یا ان سے ملاقات نہ ہوسکی کہ آپ ان سے احادیث کا سماع کرتے۔

(الدر المختار ورد المحتار، المقدمۃ، مطلب: فیما اختلف فیہ من روایۃ... الخ، ج ۱، ص ۱۴۷۔ ۱۵۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سفیان ثوری نے اس تجویز کو پسند کیا اور راستے ہی سے بھاگ کھڑے ہوئے ایک کشتی میں گھس کر کہنے لگے مجھے پناہ دو لوگ میرا سر کاٹنا چاہتے ہیں اس کہنے میں ان کا اشارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف تھا کہ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ (ابن ماجہ) جسے قاضی بنایا گیا اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ [20] ملاح نے انہیں کشتی کے اندر چھپادیا بقیہ تینوں علماء کو منصور کے روبرو پہنچا دیا گیا۔ ملاح نے انہیں کشتی کے اندر چھپا دیا۔ بقیہ تینوں علماء کو منصور کے روبرو پہنچا دیا گیا منصور نے امام اعظم کی طرف متوجہ ہو کر کہا آپ منصبِ قضا کے لیے بہت مناسب ہیں امام اعظم نے فرمایا اے امیر! میں عربی نہیں ہوں اس لیے سردارِ عرب میرے حاکم بننے پر راضی نہ ہوں گے منصور نے کہا اول تو یہ منصب نسبت و نسل سے تعلق نہیں رکھتا یہ علم و فراست سے تعلق رکھتا ہے چونکہ آپ تمام علمائے زمانہ سے افضل ہیں اس لیے آپ ہی اس کے لیے زیادہ موزوں و لائق ہیں۔ امام اعظم نے فرمایا میں اس منصب کے لائق نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سیدنا امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بغداد کے جیل خانے میں ہوئی جس میں آپ کو خلیفہ منصور عباسی نے اس جرم میں قید کر دیا تھا کہ آپ نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی اور عہدۂ قضاء قبول نہ فرمایا۔ روزانہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو قید خانے سے باہر لایا جاتا، کوڑے لگائے جاتے، سر بازار گشت کرایا جاتا۔ ایک دن آپ کو اتنا مارا گیا کہ کمر سے خون کے فوارے چھوٹ گئے اور سخت ترین اذیت پہنچائی گئی خورد و نوش بھی بند کر دیا گیا۔ آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور اس کے پانچ دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ منصور کی موجودگی میں آپ کو زہر کا پیالہ پینے کے لیے دیا گیا آپ نے انکار فرمایا کہ میں اپنے نفس کو خود قتل نہ کروں گا۔ پھر زبردستی آپ کے حلق میں انڈیل دیا گیا جب آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا آپ نے نماز ادا فرمائی اور بحالتِ سجدہ آپ کا وصال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (المرجع السابق، مطلب: یجوز تقلید المفضول.... الخ، ج۱، ص۱۵۶۔۱۵۷)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خوں غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ترجمہ: ایک اچھی رسم کی بنیاد ڈال کر خاک و خون میں لتھڑ گئے، اللہ عزوجل ان عاشق بزرگ ہستیوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شرح (20): (سنن ابی داود، کتاب الاقضیۃ، باب فی طلب القضاء، الحدیث: ۳۵۷۲، ج۳، ص۴۱۷)

پھر فرمایا میرا یہ کہنا کہ میں اس منصب کے لائق نہیں اگر سچ ہے تو میں اس کے لائق نہیں اور اگر جھوٹ ہے تو جھوٹے کو مسلمانوں کا قاضی نہیں بنانا چاہیے چونکہ تم خدا کی مخلوق کے حاکم ہو تو تمہارے لیے ایک جھوٹے کو اپنا نائب بنانا اور لوگوں کے اموال کا معتمد اور مسلمانوں کے ناموس کا محافظ مقرر کرنا مناسب نہیں ہے اس حیلہ سے آپ نے منصب قضا سے نجات پائی۔

اس کے بعد منصور نے حضرت صلہ بن الشیم کو بلایا انہوں نے خلیفہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے منصور تیرا کیا حال ہے اور تیرے بال بچے کیسے ہیں؟ منصور نے کہا یہ تو دیوانہ ہے اسے نکال دو اس کے بعد حضرت شریک کی باری آئی ان سے کہا آپ کو منصب قضا ملنا چاہیے انہوں نے فرمایا میں سودائی مزاج کا آدمی ہوں اور میرا دماغ بھی کمزور ہے منصور نے جواب دیا اعتدالِ مزاج کے لیے شربت وشیرے وغیرہ استعمال کرنا تاکہ دماغی کمزوری دور ہو کر عقل کامل حاصل ہو جائے غرض کہ منصب قضا حضرت شریک کے حوالہ کر دیا گیا اور امام اعظم نے انہیں چھوڑ دیا اور پھر کبھی بات نہ کی اس واقعہ سے آپ کا کمال دو حیثیت سے ظاہر ہے ایک یہ کہ آپ کی فراست اتنی ارفع واعلیٰ تھی کہ آپ پہلے ہی سب کی خصلت وعادت کا جائزہ لے کر صحیح اندازہ لگالیا کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ سلامتی کی راہ پر گامزن رہ کر خود کو مخلوق سے بچائے رکھنا تاکہ مخلوق میں ریاست وجاہ کے ذریعہ نخوت نہ پیدا ہو جائے یہ حکایت اس امر کی قوی دلیل ہے کہ اپنی صحت وسلامتی کے لیے کنارہ کشی بہتر ہے حالانکہ آج حصولِ جاہ ومرتبہ اور منصب قضا کی خاطر لوگ سرگرداں رہتے ہیں کیونکہ لوگ خواہش نفسانی میں مبتلا ہو کر راہ حق وصواب سے دور ہو چکے ہیں اور لوگوں نے امراء کے دروازوں کو قبلہ حاجات بنا رکھا ہے اور ظالموں کے گھروں کو اپنا بیت المعمور سمجھ لیا ہے اور جابروں کی مسند کو "قاب قوسین او ادنیٰ" (21) کے برابر جان رکھا ہے۔ جو بات بھی ان کی مرضی کے خلاف ہو وہ اس سے انکار کر دیتے ہیں۔

حکایت:

غزنی میں ایک مدعی علم وامامت سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ گدڑی پہننا بدعت ہے، (22) میں

شرح (21): فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىO

پھر خوب اُتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ (پ ۲۷، النجم: ۹)

شرح (22): بدعت

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے جواب دیا حشیشی اور دبیقی لباس جو کہ خالص ریشم کا ہوتا ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دین میں نیا کام جو ثواب کیلئے ایجاد کیا جائے اگر یہ کام خلاف دین ہو تو حرام ہے اور اگر اس کے خلاف نہ ہو تو درست یہ دونوں معنی قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(1) بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

وہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے۔ (پ1، البقرۃ:117)

(2) قُلۡ مَا کُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ

فرمادو کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں۔ (پ26 الاحقاف:9)

ان دونوں آیتوں میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انوکھا نیا رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ جَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ رَاۡفَۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ رَہۡبَانِیَّۃَۨ ابۡتَدَعُوۡہَا مَا کَتَبۡنٰہَا عَلَیۡہِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوۡہَا حَقَّ رِعَایَتِہَا ۚ فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡہُمۡ اَجۡرَہُمۡ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝

اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں کے دل میں ہم نے نرمی اور رحمت رکھی اور ترک دنیا یہ بات جو انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے مومنوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔ (پ27 الحدید:27)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے رہبانیت اور تارک الدنیا ہونا اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کو اس کا حکم نہ دیا۔ بدعت حسنہ کے طور پر انہوں نے یہ عبادت ایجاد کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بدعت کا ثواب دیا مگر جو اسے نباہ نہ سکے یا جو ایمان سے پھر گئے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے معلوم ہوا کہ دین میں نئی بدعتیں ایجاد کرنا جو دین کے خلاف نہ ہوں ثواب کا باعث ہیں مگر انہیں ہمیشہ کرنا چاہیے جیسے چھ کلمے، نماز میں زبان سے نیت، قرآن کے رکوع وغیرہ، علم حدیث، محفل میلاد شریف، اور ختم بزرگان، کہ یہ دینی چیزیں اگرچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوئیں مگر چونکہ دین کے خلاف نہیں اور ان سے دینی فائدہ ہے لہٰذا باعث ثواب ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے بہت ثواب ہوگا۔

(علم القرآن ص ۱۴۵)

پہننا اور ظالموں کی منت وسماجت اور تملق و چاپلوسی کرنا تا کہ اموالِ حرام مطلق مل سکے کیا یہ جائز ہے؟ کیا شریعت نے اسے حرام نہیں کیا ہے؟ اسے بدعت کیوں نہیں کہتے؟ بھلا وہ لباس جو حلال ہو اور حلال مال سے بنا ہو وہ کیسے حرام ہو سکتا ہے اگر تم پر نفس کی رعونت اور طبیعت کی ضلالت مسلط نہ ہوتی تو تم اس سے زیادہ پختہ بات کہتے کیونکہ ریشمی لباس عورتوں کے لیے حلال ہے اور مردوں پر حرام اور جو دیوانے اور پاگل ہیں جن میں عقل و شعور نہیں ان کے لیے وہ مباح ہے۔ اگر ان دونوں باتوں کے قائل ہو کر خود کو معذور گردانتے ہو تو افسوس کا مقام ہے۔

حکایت:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوفل بن حبان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور تمام لوگ حساب گاہ میں کھڑے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حوضِ کوثر کے کنارے کھڑے ہیں اور آپ کے دائیں بائیں بہت سے بزرگ موجود ہیں میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ جن کا چہرہ نورانی اور بال سفید ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک پر اپنا رخسار رکھے ہوئے ہیں اور ان کے برابر حضرت نوفل موجود ہیں جب حضرت نوفل نے مجھے دیکھا تو وہ میری طرف تشریف لائے اور سلام کیا میں نے ان سے کہا مجھے پانی عنایت فرمائیں انہوں نے فرمایا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے لوں پھر حضور نے انگشت مبارک سے اجازت مرحمت فرمائی اور انہوں نے مجھے پانی دیا اس میں سے کچھ پانی تو میں نے پیا اور کچھ اپنے رفقاء کو پلایا لیکن اس پیالہ کا پانی ویسا کا ویسا ہی رہا کم نہیں ہوا پھر میں نے حضرت نوفل سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داہنی جانب کون بزرگ ہیں؟ فرمایا یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور حضور کی بائیں جانب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح میں معلوم کرتا رہا یہاں تک کہ سترہ بزرگوں کی بابت دریافت کیا جب میری آنکھ کھلی تو ہاتھ کی انگلیاں سترہ عدد پر پہنچ چکی تھیں۔

حکایت:

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ این اطلبك اے اللہ کے رسول آپ کو (روز قیامت) کہاں تلاش کروں؟ قال عند علم ابی حنیفۃ فرمایا ابوحنیفہ کے علم میں (یا) ان کے جھنڈے کے پاس۔ حضرت

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ورع اور آپ کے فضائل و مناقب اس کثرت سے منقول و مشہور ہیں کہ ان سب کے بیان کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (23) فرماتے ہیں کہ میں ملکِ شام میں مسجد نبوی شریف کے موذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک کے سرہانے سویا ہوا تھا خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش میں بچے کی طرح لیے ہوئے بابِ شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں میں نے فرط محبت میں دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کو بوسہ دیا میں اس حیرت و تعجب میں تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت کا اندازہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے امام ہیں جو تمہارے ہی ولایت کے ہیں یعنی ابو حنیفہ۔ اس خواب سے یہ بات منکشف ہوئی کہ آپ کا اجتہاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں بے خطا ہے اس لیے کہ وہ حضور کے پیچھے خود نہیں جا رہے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود انہیں اٹھائے لیے جا رہے تھے۔ کیونکہ وہ باقی الصفت یعنی تکلف و کوشش سے چلنے والے نہیں تھے بلکہ فانی الصفت اور شرعی احکام میں باقی و قائم تھے جس کی حالت باقی الصفت ہوتی ہے وہ خطا کار ہوتا ہے یا راہ یاب لیکن جب انہیں لے جانے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں تو وہ فانی الصفت ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ بقا کے ساتھ قائم ہوئے چونکہ حضور سے خطا کے صدور کا امکان ہی نہیں اس لیے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قائم ہوا اس سے خطا کا امکان نہیں یہ ایک لطیف اشارہ ہے۔

حکایت:

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جب حصول علم سے فارغ ہو گئے اور ان کا شہرہ آفاق میں پھیل گیا اور یگانہ روزگار عالم تسلیم کر لیے گئے تب وہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب کیا کروں؟ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **علیك بالعمل فان العلم بلا عمل کالجسد بلا روح** یعنی اب تمہیں اپنے علم پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ بلا عمل کے علم ایسا ہے

شرح (23): توجہ رہے کہ مزار مبارک جانا صحابہ اکرام علیہم رضوان اور تمام اولیاء اکرام کا طریقہ رہا ہے۔

جیسے بلا روح کے جسم ہوتا ہے (24) عالم جب تک باعمل نہیں ہوتا اسے صفائے قلب اور اخلاص حاصل نہیں ہوتا جو شخص محض علم پر ہی اکتفا کرلے وہ عالم نہیں ہے عالم کے لیے لازم ہے کہ وہ محض علم پر قناعت نہ کرے کیونکہ عین علم کا اقتضا یہی ہے کہ باعمل بن جائے (25) جس طرح کہ عین ہدایت، مجاہدے کی مقتضی ہے اور

شرح (24): علم پر عمل کی ضرورت

حصولِ علم کے بعد اس پر عمل کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ محض علم کے حصول ہی کو سب کچھ سمجھ لینا اور عمل کی طرف رغبت نہ کرنا باعثِ ہلاکت ہے۔ حضرت سیدنا امام محمد غزالی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اپنے کسی عزیز شاگرد کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اے نورِ نظر! نیک اعمال سے محروم اور باطنی کمالات سے خالی نہ رہنا (یعنی ظاہر و باطن کو اخلاقِ حسنہ سے مزین و آراستہ کرنا) اور اس بات کو یقینی جان کہ (عمل کے بغیر) صرف علم ہی بروزِ حشر تیرے کام نہ آئے گا۔ جیسا کہ ایک شخص جنگل میں ہو اور اس کے پاس دس تیز اور عمدہ تلواریں اور دیگر ہتھیار ہوں، ساتھ ہی ساتھ وہ بہادر بھی ہو اور اسے جنگ کرنے کا طریقہ بھی آتا ہو، ایسے میں اچانک ایک مہیب اور خوفناک شیر اس پر حملہ کر دے! تو تیرا کیا خیال ہے؟ کہ استعمال کے بغیر صرف ان ہتھیاروں کی موجودگی اسے اس مصیبت سے بچا سکتی ہے؟ یقینا تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ان ہتھیاروں کو استعمال میں لائے بغیر اس حملے سے نہیں بچا جا سکتا۔ لہٰذا اس بات کو اپنی گرہ سے باندھ لو! کہ اگر کسی شخص کو ہزاروں علمی مسائل پر عبور حاصل ہو اور وہ اس کی تعلیم بھی دیتا ہو، لیکن اس کا اپنے علم پر عمل نہ ہو، تو اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ (ایھا الولد، ص ۲۵۸)

شرح (25): اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی گراں قدر تصنیف شریعت وطریقت میں لکھتے ہیں شریعت کا عالم اگر باعمل بھی ہو تو چاند ہے کہ خود ٹھنڈا اور دوسروں کو روشنی دینے والا اور اگر باعمل نہ ہو تو شمع کی طرح ہے کہ خود جلے مگر دوسروں کو روشنی دے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے اور خود کو بھلائے ہوئے ہے اس فلیتے (چراغ کی بتی) کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود جلتا ہے (بزار، طبرانی) نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص قرآن پڑھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں خوب یاد کرلے اور اس کے ساتھ طبیعت سلیقہ دار رکھتا ہو تو وہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نائبوں میں سے ایک ہے دیکھو یہاں وارث تو وارث، اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ الانبیاء ہونے کے لئے صرف تین شرطیں مقرر فرمائیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جس طرح مشاہدہ بغیر مجاہدے کے حاصل نہیں ہوتا اسی طرح علم بغیر عمل کے سودمند نہیں ہوتا کیونکہ علم عمل کی میراث ہے علم میں نور و وسعت اور ان کی منفعت عمل ہی کی برکت کا ثمرہ ہوتا ہے کسی صورت سے بھی علم عمل سے جدا نہیں کیا جا سکتا جیسے کہ آفتاب کا نور کہ وہ عین آفتاب سے ہے اس سے جدا نہیں ہو سکتا یہی حال علم و عمل کے مابین ہے ابتدائے کتاب میں علم و عمل پر کچھ بحث کی جا چکی ہے۔ وباللہ التوفیق!

(۷) حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ:

تبع تابعین میں سے امام طریقت، سیدِ زہاد، قائد اوتاد، حضرت عبداللہ بن المبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔[26] آپ مشائخ طریقت میں بڑی قدر و منزلت والے اور اپنے وقت میں طریقت و شریعت کے اسباب و احوال اور اقوال کے عالم و امامِ زمانہ تھے اکابر مشائخ طریقت کے صحبت یافتہ صاحب تصانیف کثیرہ اور تمام علوم و فنون کے ماہر تھے آپ کی کرامتیں بکثرت مشہور ہیں آپ کی توبہ کا واقعہ عجیب و عبرتناک ہے آپ ایک حسین و جمیل باندی کے عشق میں مبتلا ہو گئے ایک رات اپنے ایک دوست کو لے کر اپنی معشوقہ کی دیوار کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے وہ معشوقہ بھی چھت پر آ گئی۔ صبح تک یہ دونوں ایک دوسرے کے نظارے میں مست رہے جب فجر کی اذان ہوئی تو آپ نے گمان کیا کہ عشاء کی اذان ہوئی ہے لیکن جب دن چڑھا تو سمجھے کہ تمام رات اس کے حسن کے نظارے میں بیت گئی ہے یہی بات آپ کی تنبیہ کا موجب بنی دل پر چوٹ پڑی تو کہنے لگے کہ اے مبارک کے بیٹے تجھے شرم کرنی چاہیے کہ نفس کی خواہش کے پیچھے ساری رات ایک پاؤں پر کھڑے کھڑے گزار دی اسی پر تو اعزاز و بزرگی کا خواستگار ہے۔ اگر امام نماز میں کسی سورۃ کو طول دے دے تو تو گھبرا جاتا ہے اس پر بھی تو مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قرآن و حدیث جانے اور ان کی سمجھ رکھتا ہو۔ خلیفہ و وارث میں فرق ظاہر ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔ (شریعت و طریقت صفحہ ۱۵)

شرح (26): حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت ہی عظیم الشان محدث اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہت ہی محبوب اور محب شاگرد رشید ہیں۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے، ان کو ان کے والد کی میراث سے بہت کثیر دولت ملی تھی اور ہمیشہ بہت ناز و نعمت کی زندگی بسر کی تھی اور بہت ہی نفاست پسند امیر کبیر تھے۔

اسی وقت آپ نے صدق دل سے توبہ کی [27] اور تحصیل علم اور اس کی طلب میں مشغول ہو گئے اور ایسی زہد ودین داری کی زندگی اختیار کی کہ ایک روز اپنی والدہ کے باغ میں سو رہے تھے آپ کی والدہ نے دیکھا کہ ایک سانپ منہ میں ریحان کی ٹہنی لیے آپ کے چہرے سے مکھی اور مچھر اڑا رہا ہے۔

آپ نے مرو چھوڑ کر عرصہ دراز تک بغداد میں اقامت فرمائی اور بکثرت مشائخ طریقت کی صحبت میں رہے اس کے بعد کچھ عرصہ تک مکہ مکرمہ میں بھی رہے پھر اپنے وطن مرو واپس تشریف لے آئے اور تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے شہر کی نصف آبادی کی ظاہر حدیث پر عمل کرتی اور شہر کی نصف آبادی راہِ طریقت پر چلتی تھی چونکہ شہر کے دونوں فریق آپ کو اپنا بزرگ مانتے تھے اور آپ سے راضی ومتعلق رہتے تھے اس بنا پر آپ کو ''رضی الفریقین'' کے لقب سے سب پکارتے تھے آپ نے اس جگہ دو کمرے بنائے۔ ایک متبعین احادیث کے لیے اور ایک اہل طریقت کے لیے یہ دونوں کمرے آج تک انہیں قدیم بنیادوں پر قائم ہیں اس کے بعد آپ وہاں سے حجاز آ گئے اور یہیں پر سکونت اختیار کر لی۔

آپ سے لوگوں نے پوچھا آپ نے کونسی عجیب وغریب چیز دیکھی ہے؟ فرمایا میں نے ایک راہب کو دیکھا جس کا بدن ریاضت ومجاہدے سے لاغر ونحیف ہو گیا تھا اور اس کی کمر دوہری ہو چکی تھی میں نے اس سے پوچھا اے راہب! خدا تک رسائی کی کونسی راہ ہے؟ اس نے کہا: **لو عرفت اللہ لعرفت الطریق الیہ** اگر تم اللہ کو جانتے ہو تو اس تک رسائی کی راہ بھی جانتے ہوگے؟ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا مجھے دیکھو میں اسے نہیں جانتا لیکن اس کی عبادت میں میں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے۔ تم اسے جانتے ہو لیکن تم اس سے دور ہو مطلب یہ کہ معرفت کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کی خشیت دل میں ہمہ وقت رہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس سے بے خوف ہو اور میں کفر وجہالت میں مبتلا ہونے کے باوجود اس سے خوفزدہ ہوں حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راہب کی یہ نصیحت گرہ میں باندھ لی ہے اس نے مجھے بہت سے ناجائز افعال سے باز رکھا ہے آپ کا ایک قول یہ ہے کہ **السکون حرام علیٰ قلوب اولیائہ** خدا کے دوستوں کا دل ہرگز ساکن نہیں ہوتا وہ ہمیشہ بے قرار رہتے ہیں کیونکہ اس طبقہ پر سکون وآرام حرام ہے [28] اس کی وجہ یہ کہ چونکہ وہ دنیا میں حصول مقصد کی خاطر بے قرار ہوتے ہیں اور آخرت میں منزل

شرح (27): تذکرۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۱۶۶

شرح (28): اعلیٰ خوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقصود حاصل ہونے کی خوشی میں کیونکہ دنیا میں حق تعالیٰ سے غائب ہونے کی وجہ سے ان پر سکون و آرام جائز نہیں ہوتا اور عقبیٰ میں بارگاہِ حق میں اس کی تجلی و رویت کی وجہ سے انہیں قرار نہیں آتا ان کے لیے دنیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یعنی اس سے دوری اور حجاب کا خوف ہو نیز اس کے قرب کی امید رکھے چنانچہ حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فراق کے خوف کے وقت جہنم کا خوف ایک گہرے سمندر میں قطرے کی طرح ہے اور یہ علماء حق کا خشیت وخوف ہے۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی (عزوجل) ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

ترجمہ: کنزالایمان اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں (پارہ ۲۲، فاطر، آیت ۲۸)

بھائیو! اس خوف سے عام مومنوں کو بھی حصہ ملتا ہے لیکن وہ محض تقلیدی ہوتا ہے جو اس بچے کے خوف کے مشابہ ہے جو اپنے باپ کو دیکھ کر سانپ سے ڈرتا ہے لہٰذا یہ کمزور بھی ہوسکتا ہے اور فوری طور پر زائل بھی۔۔۔۔۔۔ حتی کہ بعض اوقات بچہ کسی سپیرے کو دیکھتا ہے جو سانپ کو پکڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو بچہ اس کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے لہٰذا اس کی تقلید میں سانپ کو پکڑنے کی جراءت بھی کر لیتا ہے جس طرح وہ باپ کی تقلید میں اس سے ڈرتا ہے۔

لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس سے ضرور ڈرتا ہے پس حصول خوف کے لئے اس کے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص درندے کو پہچانتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے چنگل میں پھنسا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے دل میں خوف ڈالنے کے لئے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے لازماً ڈرتا ہے چاہے یا نہ چاہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ سے اس طرح ڈریں جس طرح ہلاک کرنے والے درندے سے ڈرتے ہیں اور ہلاک کرنے والے درندے سے خوف پیدا کرنے کے لئے کسی حیلے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف اس کی اور اس کے شکنجے میں آنے کی معرفت ضروری ہے کسی دوسرے حیلے کی حاجت نہیں ہے۔

چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پرواہ نہیں جو چاہے فیصلہ کرے اسے کوئی خوف نہیں اس نے کسی سابقہ وسیلے کے بغیر فرشتوں کو اپنے قریب کیا اور کسی گزشتہ جرم کے بغیر شیطان کو اپنے آپ سے دور کر دیا بلکہ اس کی صفت تو وہی ہے جو (گزشتہ صفحات میں مذکور حدیث میں) بیان ہوئی اس نے فرمایا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عقبیٰ کی مانند اور عقبیٰ دنیا کی مانند ہے کیونکہ دل کو سکون یا تو مقصود و مراد کو پالینے سے حاصل ہوتا ہے یا اپنے مقصود و مراد سے بے خبر و غافل ہونے سے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے اپنے مقصود و مراد سے بے خبری و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنم میں جائیں گے اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔

چنانچہ پیارے آقا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام دونوں نے اپنے رب کے ہاں ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو حضرت آدم (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آگئے (ان کی دلیل غالب آگئی) حضرت موسی (علیہ السلام) نے فرمایا آپ آدم (علیہ السلام) ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ ں میں اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ (علیہ السلام) کو سجدہ کرایا اور آپ ں کو اپنی جنت میں ٹھہرایا پھر آپ ں کی خطائے اجتہادی کے باعث لوگوں کو زمین پر اترنا پڑا۔

اس پر حضرت آدم (علیہ السلام) نے فرمایا آپ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں آپ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام کے لئے منتخب فرمایا۔ اور آپ کو تختیاں عطا فرمائیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا آپ کو کلام کے لئے اپنے قریب کیا تو آپ (علیہ السلام) کا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے کتنے سال پہلے تورات لکھی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: چالیس سال، حضرت آدم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا آپس نے اس میں لکھا ہوا پایا کہ آدم (علیہ السلام) سے خطائے (اجتہادی) ہوئی اور آپ ں نے جو چاہا تھا حاصل نہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا ہاں لکھا ہوا پایا ہے فرمایا کیا آپ مجھے اس عمل پر ملامت کر رہے ہیں جو میرے عمل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ میں وہ عمل کروں گا اور میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لکھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۹ کتاب التوحید)

تو بھائیو! جو شخص اس معاملے میں نور ھدایت سے سبب کو پہچان لے گا وہ ان خاص عارفین میں سے ہے جو تقدیر کے راز پر مطلع ہوتے ہیں اور جو آدمی یہ بات سن کر ایمان لائے اور محض سننے کے ذریعے تصدیق کرے وہ عام مومنوں میں سے ہے اور دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو خوف حاصل ہوتا ہے کیونکہ ہر بندہ قبضہ قدرت میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح ایک کمزور بچہ درندے کے پنجے میں ہوتا ہے درندہ بعض اوقات اتفاقی طور پر غافل ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے اور کبھی اس پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ دیتا ہے اور جو شخص درندے کے پنجے میں پھنستا ہے اگر اس کی معرفت مکمل ہو تو وہ درندے سے نہیں ڈرتا کیونکہ درندہ بھی ایک ہستی کے سامنے مجبور ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غفلت دنیا وآخرت دونوں جگہ جائز نہیں اس لیے محبت کی وارفتگی سے دل کو قرار کیسے حاصل ہو؟ وباللہ اعلم!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اگر اس پر بھوک مسلط ہو تو وہ چیر تا پھاڑتا ہے اور اگر اس پر غفلت مسلط ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دیتا ہے اور یہ بھوک اور غفلت اسپر اسکا خالق مسلط کرتا ہے چنانچہ وہ شخص درندے کے خالق اور اس کی صفات کے خالق سے ڈرتا ہے۔

بھائیو! سیدنا امام غزالی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کچھ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کی مثال وہ خوف ہے جو درندے سے ہوتا ہے بلکہ جب پردہ ہٹتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ درندے سے خوف بعینہٖ اللہ تعالیٰ سے خوف ہے کیوں کہ درندے کے واسطے سے ہلاک کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے تو جان لو کہ آخرت کے درندے دنیا کے درندوں کی طرح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ثواب وعذاب کے اسباب کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کے لئے اس کا اہل پیدا کیا، جسے تقدیر اس کی طرف چلاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے اہل لوگ پیدا کئے اور وہ اس کے اسباب کے لئے مسخر کئے گئے وہ چاہیں یا نہ، اور جہنم کو پیدا کر کے اس کے اہل پیدا کئے جو اس کے اسباب کے لئے مسخر کئے گئے وہ چاہیں یا نہ۔۔۔۔

چنانچہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو تقدیر کی موجوں میں غوطہ زن دیکھتا ہے تو اس پر لازماً خوف غالب آتا ہے۔ پس تقدیر کے اسرار کی پہچان رکھنے والوں کے لئے یہ مقامات خوف ہیں اور جس شخص کی کوتاہ نظری اسے حقیقت حال تک نہ پہنچنے دے اس کے لئے راستہ یہ ہے کہ وہ آیات وآثار سُن کر اپنا علاج کرے اور ڈرنے والے عارفین کے حالات اور اقوال کا مطالعہ کرے پھر ان کی عقلوں اور مرتبوں کا موازنہ عام دنیادار اور لمبی امیدوں کے شکار لوگوں کی عقلوں سے کرے اور فیصلہ کرے کہ کس کی پیروی اسکے لئے فائدہ مند ہے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ ان لوگوں کی اقتدا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام اور علماء ث ہیں اور جو لوگ بے خوف ہیں وہ فرعون جاہل اور غبی ہیں

نیز ہمارے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو پہلوں اور پچھلوں کے سردار ہیں۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۵ کتاب الفضائل)

اسکے باوجود۔ آپ اسب لوگوں سے زیادہ خوف کھانے والے تھے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۸۱ مرویات عائشہ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۸) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک، واصلین حق کے سردار، مقربین بارگاہ کے بادشاہ حضرت ابوعلی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ فقرا میں آپ کا بڑا مرتبہ ہے (29) طریقت میں آپ کو کامل مہارت اور پورا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حتی کہ ایک روایت میں ہے آپ اایک بچے کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سے اس کے لئے دعا میں سنا گیا۔

اَللّٰھُمَّ قِہِ عَذَابَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ

ترجمہ: یا اللہ! اسے عذاب قبر سے اور عذاب جہنم سے بچا۔

ایک دوسری روایت میں ہے آپ انے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا کہ اے بچے تجھے مبارک ہو تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غضب فرمایا اور فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ وہ اس طرح ہے (یعنی اس بچے کا جنتی ہونا کوئی قطعی بات نہیں بلکہ رب (عزوجل) کے کرم پر موقوف ہے) اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اور میں (اللہ (عزوجل) کے بتائے بغیر) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور اس کے کچھ اہل پیدا کئے ان میں اضافہ اور کمی نہ ہوگی۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۷ کتاب القدر)

شرح (29): آپ کے وطن کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے خیال میں آپ کا تعلق کوفہ سے تھا کچھ لوگوں کا کہنا ہے آپ کا وطن خراسان تھا اور کچھ لوگ آپ کے سمرقند اور بخارا میں متولد ہونے کے قائل ہیں۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جوانی میں آپ نے راہ زنی اختیار کی ہوئی تھی اور بہت سے ڈاکو ہر وقت آپ کے پاس جمع رہتے لیکن کسی واقعہ سے متاثر ہوئے اور رہزنی سے تائب ہو گئے۔ آپ خواجہ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ حضرت خواجہ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ خواجہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے معاصر تھے۔ آپ حقائق و معارف میں یگانہ روزگار تھے۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادے کو گود میں لیے پیار کر رہے تھے کہ بچہ بولا ابا جان! آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں۔ بچے نے کہا: آپ خدا سے محبت کرتے ہیں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر جواب دیا: ہاں۔ بچہ گویا ہوا: ابا جان! ایک دل میں دو چیزوں کی محبت سما سکتی ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ فوراً سمجھ گئے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شغف حاصل تھا مشائخ طریقت کے درمیان آپ بہت مشہور و معروف ہیں آپ کے احوال صدق وصفا سے معمور تھے آپ ابتداء عمر میں جرائم پیشہ آدمی تھے مرو اور ماورد کے درمیان رہزنی کا مشغلہ تھا اس کے باوجود آپ کی طبیعت ہر وقت مائل بہ اصلاح رہتی تھی چنانچہ جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی تو اس کے قریب تک نہ جاتے جس کے پاس مال تھوڑا ہوتا اس سے تعرض نہ کرتے اور ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ مال ضرور چھوڑ دیتے تھے آپ کی توبہ کا واقعہ بڑا عجیب ہے ایک سوداگر مرو سے ماورد جا رہا تھا مرو کے لوگوں نے اس سوداگر سے کہا مناسب ہے کہ ایک سرکاری حفاظتی دستہ ساتھ لے کر چلو کیونکہ راہ میں فضیل راہزنی کرتا ہے سوداگر نے جواب دیا میں نے سنا ہے کہ وہ رحم دل اور خدا ترس آدمی ہے سوداگر نے حفاظتی دستہ کی بجائے ایک خوش آواز قاری کو اجرت پر لے کر اونٹ پر بٹھا دیا اور روانہ ہو گیا قاری دن و رات راستہ میں تلاوت قرآن کرتا رہا یہاں تک کہ یہ قافلہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں یہ گھات لگائے بیٹھے تھے اتفاق سے قاری نے یہ آیت تلاوت کی: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ یعنی کیا ابھی تک مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ وہ ذکر الٰہی اور حق کی طرف سے نازل کئے ہوئے احکام کے آگے اپنے دلوں کو جھکائیں حضرت فضیل نے جب یہ سنا تو ان کے دل پر رقت طاری ہو گئی فضیل کے دل پر فضلِ خدا نے غلبہ دکھایا اور اسی لمحہ انہوں نے رہزنی سے توبہ کر لی (30) جن جن کے مال لوٹے تھے ان کے نام لکھ رکھے تھے ان سب کو راضی کیا اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے اور بکثرت اولیاء اللہ سے ملاقاتیں کیں پھر وہ کوفہ آ گئے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مجلس مبارک میں مدت تک رہے ان سے بکثرت روایات مروی ہیں جو محدثین کے نزدیک بہت مقبول ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے حقائق و معرفت میں اعلیٰ درجہ کی گفتگو کرتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بچے کی زبان پہ کس کی جانب سے یہ سخن عارفانہ جاری ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً بچے کو اپنے آپ سے علیحدہ کر دیا اور مشغول حق ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: "اگر تم سے پوچھا جائے کہ خدا سے محبت کرتے ہو تو جواباً خاموشی اختیار کیا کرو اگر تم کہو گے "نہیں" تو یہ کلمہ کفر ہے اور اگر جواب دو گے "ہاں" تو تمہارا یہ فعل محبان خدا کے طریقہ کے خلاف ہوگا۔" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ماہ ربیع الاول ۱۸۷ ہجری کو وصال فرمایا۔ آپ کی قبر انور مزارات معلےٰ مکہ معظمہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مزار انور کے قریب ہے۔

شرح (30): اولیائے رجال الحدیث ص ۲۰۶

چنانچہ آپ کا قول ہے کہ **من عرف الله حق معرفته، عبده بكل طاقة** جسے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ معرفت حاصل ہوگئی وہ مقدور بھر اس کی عبادت میں مشغول ہوگیا (31) اس لیے کہ اس کی معرفت، اس

شرح (31): شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی جہاں میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اور اس روشنی کی کوئی حد نہیں یہ زیادہ سے زیادہ ہوسکتی ہے اس نور میں زیادتی اور اضافہ پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہی روشنی بڑھ کر صبح اور پھر سورج اور اس کے بعد سورج سے بھی زیادہ غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے اسی سے اشیاء کی حقیقتیں کھلتی ہیں اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ اسی روشنی کو علم کے مرتبہ میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت کہتے ہیں۔ یعنی اصل وہی ایک شریعت ہے مختلف مرتبوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب شریعت کا یہ نور بڑھ کر صبح کی طرح ہوجاتا ہے تو ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اسے کہتا ہے چراغ بجھا دو کہ اب تو صبح خوب روشن ہوگئی ہے۔ اگر آدمی شیطان کے دھوکے میں نہ آئے تو شریعت کا یہ نور بڑھ کر دن ہوجاتا ہے اس پر شیطان کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا اب تو سورج روشن ہے اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے روز روشن میں شمع جلانا تو بیوقوف کا کام ہے۔ یہاں پر اگر ہدایت الٰہی آدمی کی مدد فرمائے تو بندہ لاحول پڑھ کر شیطان کو بھگا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ کے دشمن یہ جسے تو دن یا سورج کہہ رہا ہے یہ آخر کیا ہے؟ اسی فانوسِ شریعت ہی کا نور ہے اگر اسے بجھا دیا تو نور کہاں سے آئے گا۔ یہ کہنے پر شیطان ناکام و نامراد ہوجاتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے نور حقیقی تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر بندہ شیطان کے فریب میں آگیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہوگیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت رہی اور یہ سمجھ کر اس نے شریعت کا چراغ بجھا دیا تو جیسے ہی یہ چراغ بجھائے گا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا ہوجائے گا کہ جیسے ہی اسے بجھایا ہر طرف ایسا سخت اندھیرا ہوگا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا: ایک پر ایک اندھیریاں ہیں۔ اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں (نور ۴۰) تو یہ ہیں وہ لوگ جو طریقت بلکہ اس سے بلند مرتبہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے بے پرواہ سمجھے اور شیطان کے دھوکے میں آکر اس فانوسِ الٰہی کو بجھا دیا اور تباہ و برباد ہوگئے اور یہاں پر بھی وہی پہلے والا معاملہ ہے کہ کاش یہی ہوتا کہ اس نور کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا چھایا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے نظر آجاتا کہ شاید وہ نادم ہوکر توبہ کرتے اور چونکہ فانوسِ شریعت کا مالک یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں پھر وہی روشنی عطا فرما دیتا مگر یہاں یہ معاملہ ہے کہ شیطان جہاں دھوکے سے آدمی کے ہاتھ سے فانوسِ شریعت بجھا دیتا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے احسان وکرم کی پہچان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور جب اس کے احسان وکرم کی پہچان ہو جائے تو اس نے اس کو دوست بنالیا اور جب اسے دوست بنالیا تو گویا اس نے مقدور بھر طاعت وعبادت کرلی کیونکہ دوست کا کوئی حکم مشکل و دشوار نہیں ہوتا اسی بنا پر جتنی دوستی زیادہ ہوگی اتنا ہی طاعت وعبادت کا ذوق بڑھتا جائے گا اور دوستی کی زیادتی ہی معرفت کی حقیقت ہے چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علی وسلم میرے پاس سے اٹھے پھر آپ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے مجھے خیال گزرا کہ شاید کسی دوسرے حجرے میں تشریف لے گئے ہیں میں اٹھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل دی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے صبح کی اذان دی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدستور نماز میں مشغول رہے نماز صبح ادا فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرے میں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے خون جاری تھا میں نے رو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغفور فرمایا اس بشارت کی موجودگی میں اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں ایسا تو وہ کرے جس کی آخرت محفوظ نہ ہو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے **اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شُکُوْرًا** (32) کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں اللہ تعالیٰ تو مجھے ایسی بشارت دے اور تم یہ چاہتی ہو کہ میں اس کی بندگی نہ کروں اور مقدور بھر شکر گزاری بھی نہ کروں۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج پچاس نمازیں قبول فرمالی تھیں اور آپ نے انہیں گراں نہ جانا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار عرض کرنے پر دوبارہ جا جا کر پانچ نمازیں کرائیں اس کی وجہ یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کے ساتھ ہی اپنی طرف سے ایک سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ اور یہ لوگ اسی کو نور سمجھتے رہتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ نور نہیں بلکہ نار یعنی آگ ہے اور یہ بے وقوف وجاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے ایک چراغ ہے جبکہ ہمارے پاس تو ایسا نور ہے جو اپنی نورانیت سے سورج کو شرمندہ کر رہا ہے۔ شریعت ایک قطرہ اور ہماری طریقت ایک دریا ہے لیکن ایسا سمجھنے والے جانتے نہیں کہ شریعت ہی حقیقتاً نور ہے اور شریعت سے کٹی ہوئی طریقت محض دھوکہ وفریب ہے اور عنقریب قیامت میں حال کھل جائے گا کہ زندگی بھر بندۂ خدا بن کر رہا یا بندۂ شیطان بن کر۔ (شریعت وطریقت صفحہ ۸)

شرح (32): صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی،، الحدیث ۱۱۳۰، ج ۱، ص ۳۸۴

بھی ہے کہ آپ کی سرشت میں فرمان الٰہی کی مخالفت کا شائبہ بھی نہ تھا۔ لان المحبۃ ھی الموافقہ اس لیے کہ محبت نام ہی موافقت کا ہے۔

نیز آپ کا ارشاد ہے:

الدنیا دار المرضیٰ والناس فیھا مجانین، وللمجانین فی دار المرضیٰ الغل والقید

"یہ دنیا بیماری کا گھر ہے (33) اور لوگ اس پر دیوانے ہیں اور دیوانوں کو بیمارستان میں طوفان وسلاسل

شرح (33): دنیا کی محبت، جھگڑوں کا سبب ہے

حضرت سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم، رؤف رحیم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ایک روز (گھر سے) باہر تشریف لے گئے اور شہداء احد پر نماز پڑھی جیسی آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم میت پر نمازِ جنازہ پڑھتے تھے۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: میں تمہارے لئے فَرَط (یعنی پیش رو) ہوں اور تمہارا نگران گواہ ہوں اور خداعزوجل کی قسم! میں اس وقت بھی اپنے حوض (یعنی حوضِ کوثر) کو دیکھ رہا ہوں اور اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں یا (ارشاد فرمایا) زمین کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی قسم! مجھے تم پر اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، بلکہ مجھے تم پر اس بات کا خوف ہے کہ تم (حصولِ دنیا کے لئے) ایک دوسرے سے مقابلہ کرو گے۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مایحذر من زھرۃ الدنیا، الحدیث: ۶۴۲۶، ص ۵۴۰)

زمین کی برکات:

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: مجھے تم پر جس چیز کا زیادہ خوف ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے لئے زمین کی برکات کو نکالنا ہے۔ عرض کی گئی: زمین کی برکات کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: دنیا کی آسائشیں۔ ایک شخص نے عرض کی: کیا خیر کے ساتھ شر بھی آتا ہے؟ تو سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے سکوت فرمایا حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر سیدِ عالم، نورِ مجسّم، شاہِ بنی آدم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی مبارک پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا: سوال پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کی: میں حاضر ہوں۔ حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے مقید رکھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری خواہشیں ہماری زنجیریں اور ہمارے گناہ ہماری قید ہیں۔"

حکایت:

حضرت فضل بن ربیع بیان فرماتے ہیں کہ میں خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا حج سے فارغ ہونے کے بعد ہارون رشید نے مجھ کہا اگر مردانِ خدا میں سے کوئی یہاں موجود ہو تو ہم اس کی زیارت کے لیے جائیں گے میں نے کہا ہاں اس جگہ حضرت عبدالرزاق صنعانی ہیں۔ (34) اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو جب ہم ان کے پاس پہنچے تو بہت دیر گفتگو ہوتی رہی رخصت کے وقت ہارون رشید نے مجھ سے کہا ان سے دریافت کرو کہ کیا ان کے ذمہ کچھ قرضہ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں قرضہ ہے ہارون رشید نے مجھ سے کہا ان کا قرضہ ادا کر دو جب ہم وہاں سے واپس آئے تو اس نے کہا اے فضل! میرا دل کسی اور بزرگ سے بھی ملنے کا متمنی ہے میں کہا یہاں حضرت سفیان بن عیینہ بھی جلوہ گر ہیں۔ (35) اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرماتے ہیں: ہم نے اس کے وہاں موجود ہونے پر اس کی تعریف کی۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: خیر کے ساتھ خیر ہی آتی ہے، بے شک یہ دنیا کا مال سرسبز اور شیریں لگتا ہے جس طرح فصلِ ربیع جو کچھ اُگاتی ہے وہ یا تو جانور کو پیٹ پُھلا کر مار ڈالتا ہے یا مرنے کے قریب کر دیتا ہے۔ مگر وہ جانور جو ہری ہری گھاس کھائے، جب پیٹ بھر جائے تو دھوپ میں آجائے، جگالی کرے اور گوبر و پیشاب کرے پھر آکر دوبارہ چرنے لگے، یوں ہی یہ مال بھی شیریں ہے لیکن جو حق کے ساتھ اسے حاصل کرے اور ٹھیک جگہ پر خرچ کرے تو (ثواب حاصل کرنے میں) بہت اچھا مددگار ہے اور جو ناحق مال لے تو وہ اس کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا۔ (المرجع لسابق، الحدیث: ۶۴۲۷)

شرح (34): امام عبدالرزاق صنعانی نہ صرف ایک مشہور محدث ہیں بلکہ صحیح بخاری و مسلم کے رجال میں سے بھی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مستند کتبِ حدیث کے علاوہ صحیحین میں بھی امام عبدالرزاق سے روایت کردہ سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ مزید برآں 21 ہزار سے زائد احادیث و آثار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے امام عبد الرزاق کا ترتیب شدہ مجموعہ حدیث کتبِ حدیث میں بھی ایک نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔

شرح (35): سفیان ابن عیینہ:

آپ بنی ہلال کے مولیٰ تھے ۱۰۷ھ ایک سو سات میں پندرہ شعبان کوفہ میں پیدا ہوئے، آپ وقت کے امام عالم حجۃ زاہد تھے ایک خلقت نے آپ سے احادیث لیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے کہا ان کے پاس بھی لے چلو چنانچہ جب حاضر ہوئے تو دیر تک گفتگو ہوتی رہی واپسی کے وقت خلیفہ نے مجھے اشارہ کیا کہ میں ان سے بھی قرض کے بارے میں دریافت کروں میں نے پوچھا تو فرمایا ہاں قرض ہے خلیفہ نے مجھے حکم دیا کہ ان کا قرض بھی ادا کر دوں باہر آ کر خلیفہ نے مجھ سے کہا اے فضل! ابھی میرا دل سیر نہیں ہوا کسی اور بزرگ سے بھی ملاقات کراؤ میں نے کہا مجھے یاد آیا یہاں حضرت فضیل بن عیاض بھی تشریف فرما ہیں پھر ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اوپر ایک گوشہ میں بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے میں نے دستک دی اندر استفسار ہوا کون ہے؟ میں نے جواب دیا امیر المومنین آئے ہیں انہوں نے فرمایا: **مالی ولا میر المومنین** مجھے امیر المومنین سے اور نہیں مجھ سے کیا سروکار؟ میں نے کہا سبحان اللہ! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ!

لَيْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔ ''کسی بندے کو لائق نہیں کہ طاعت الٰہی میں خود کو ذلیل کرے۔'' (ابن ماجہ)

آپ نے فرمایا: حضور کا ارشاد حق ہے **اما الرضا فغر عند اهله** لیکن رضائے الٰہی اس کے حضور میں دائمی عزت ہے تم میری اس حالت کو ذلیل گمان کرتے ہو حالانکہ میں طاعتِ الٰہی میں اپنی عزت جانتا ہوں اس کے بعد نیچے آ کر دروازہ کھول دیا اور چراغ بجھا دیا اور مکان کے ایک کونے میں جا کر کھڑے ہو گئے مصافحہ کے وقت ہارون رشید کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے مس ہوا تو حضرت فضیل نے فرمایا افسوس ہے کہ اتنا نرم و نازک ہاتھ دوزخ میں جلے گا کاش کہ یہ ہاتھ خدا کے عذاب سے محفوظ رہتا ہارون رشید یہ سن کر رونے لگے اور اتنا رویا کہ بیہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش آیا تو کہنے لگا اے فضیل! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا اے امیر المومنین تیرا باپ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم پر امیر بنا دیجئے حضور نے فرمایا اے چچا! میں نے تم کو تمہاری جان پر امیر بنا دیا کیونکہ ایک سانس اگر طاعتِ الٰہی میں گزرے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ لوگ ہزار سال تک تمہاری فرمانبرداری کریں۔ ''**لان الامارة یوم القیمة الندامة**'' اس لیے کہ امیری سے قیامت کے دن بجز ندامت و شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اگر امام مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز سے علم جاتا رہتا آپ یکم رجب ۱۹۸ ایک سو اٹھانوے میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے، حجون میں دفن ہوئے، ۷۰ حج کیے۔

ہارون رشید نے کہا کچھ اور بھی نصیحت فرمایئے حضرت فضیل نے فرمایا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے خلافت پر فائز کرنا چاہا تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، رجاء بن حیوۃ اور محمد بن کعب قرظی کو بلایا اور ان سے کہا لوگوں نے مجھے اس بلا و مصیبت میں پھنسا دیا ہے مجھے کیا تدبیر کرنی چاہیے کیونکہ امارت کو میں بلا سمجھتا ہوں اگرچہ لوگ اسے نعمت خیال کرے ہیں ان میں سے ایک نے کہا! اے عمر بن عبدالعزیز! اگر آپ چاہتے ہیں کہ روز قیامت عذابِ الٰہی سے رستگاری ہو تو مسلمان بزرگوں اور بوڑھوں کو اپنے باپ کی مانند اور جوانوں کو بھائی اور بچوں کو اپنی اولاد کی مانند سمجھیں اور ان سب کے ساتھ وہی سلوک کیجئے جو خاندان کا سربراہ باپ اپنے بھائیوں اور فرزندوں اور دیگر عیال کے ساتھ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ممالک اسلامیہ ایک گھر کی مانند ہیں اور ان میں رہنے والے اہل و عیال. زرا باك **واكرم اخاك و احسن علی ولدك** اپنے بڑوں کی زیارت کرو اور بھائیوں کی عزت کرو اور چھوٹوں سے پیار و محبت کرو اس کے بعد حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے امیر المومنین مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا یہ خوبصورت چہرہ دوزخ کی آگ میں نہ جھلسایا جائے خدا کا خوف رکھو اور اس کا حق بہترین طریق پر ادا کرو اس کے بعد ہارون رشید نے عرض کیا آپ پر کچھ قرض ہے؟ حضرت فضیل نے جواب دیا ہاں خدا کا قرض میری گردن پر ہے وہ اس کی اطاعت ہے میں فکر مند ہوں کہ اس وجہ میں میری گرفت نہ ہو جائے۔ ہارون رشید نے عرض کیا بار قرض سے میری مراد لوگوں کا قرض ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل کا شکر و احسان ہے اس نے مجھے بہت کچھ نعمت دے رکھی ہے مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے کہ لوگوں سے بیان کرتا پھروں۔ ہارون رشید نے ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی آپ کے آگے رکھ دی اور عرض کیا اسے اپنی ضرورتوں پر خرچ فرمایئے حضرت فضیل نے فرمایا اے امیر المومنین میری اتنی نصیحتوں نے تم پر کچھ اثر نہیں کیا اور ابھی تک ظلم و استبداد کی روش پر قائم ہو؟ ہارون رشید نے کہا میں نے آپ پر کیا ظلم و استبداد کیا ہے فرمایا میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے ابتلاء میں ڈالنا چاہتے ہو کیا یہ ظلم و جفا نہیں ہے؟ یہ سن کر ہارون رشید اور فضل بن ربیع دونوں رونے لگے اور روتے ہوئے باہر آ گئے اس کے بعد ہارون رشید نے مجھے کہا اے فضل بن ربیع! بادشاہ درحقیقت حضرت فضیل ہیں اور یہ سب ان کے دبدبہ کی دلیل ہے جو دنیا اور دارالآخرت میں انہیں حاصل ہے دنیا کی تمام زیب و زینت ان کی نظر میں بے وقعت اور حقیر ہیں اہل دنیا کی خاطر تواضع کرنی بھی انہوں نے اسی لیے ترک کر رکھی ہے۔

آپ کے فضائل ومناقب اس سے کہیں زیادہ ہیں جتنے کہ لکھے جاسکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۹) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ سفینۂ تحقیق وکرامت، صمصام شرف اندر ولایت حضرت ابو الفیض ذولنون ابن ابراھیم مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کا نام ثوبان تھا اور ثوبی نژاد تھے اہلِ معرفت اور مشائخ طریقت میں آپ بڑے برگزیدہ تھے ریاضت ومشقت اور طریق ملامت کو پسند کر رکھا تھا مصر کے تمام رہنے والے آپ کے مرتبہ کی عظمت کے پہچاننے میں عاجز رہے اور اہل زمانہ آپ کے حال سے ناواقف رہے یہاں تک کہ مصر میں کسی نے بھی آپ کے حال وجمال کو انتقال کے وقت تک نہ پہچانا جس رات آپ نے رحلت فرمائی اس رات ستر لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی آپ نے ان سے فرمایا خدا کا ایک محبوب بندہ دنیا سے رخصت ہو کر آرہا ہے میں اس کے استقبال کے لیے آیا ہوں جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی تو ان کی پیشانی پر یہ لکھا گیا: **ھٰذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ قتیل اللہ**" یہ اللہ کا محبوب ہے اللہ کی محبت میں فوت ہوا یہ خدا کا شہید ہے لوگوں نے جب آپ کا جنازہ کاندھوں پر اٹھایا تو فضا کے پرندوں نے پرے باندھ کر جنازہ پر سایہ کیا ان واقعات کو دیکھ کر اپنے کئے ہوئے ظلم وجفا پر لوگ پشیمان ہوئے اور صدق دل سے توبہ کرنے لگے۔

طریقت وحقیقت اور علوم معرفت میں آپ کے کلمات نہایت عمدہ ہیں آپ نے فرمایا: **العارف کل یوم اخشع لانہ فی کل ساعۃ من الرب اقرب** خشیت الٰہی میں عارف کا ہر لحظہ بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس کی ہر گھڑی رب سے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ بندہ جتنا زیادہ قریب ہوگا اس کی حیرت وخشوع اور زیادہ ہوگی چونکہ وہ بارگاہِ حق کے دبدبہ کا زیادہ شناسا ہوتا ہے اور اس کے دل پر جلال حق غالب ہوتا ہے جب وہ خود کو اس سے دور دیکھے گا تو اس کے وصال میں اور کوشش کرے گا اس طرح خشوع بر خشوع کی حالت میں اضافہ ہوتا رہے گا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکالمت کے وقت عرض کیا: **یارب این اطلبك قال عند المنکسرۃ قلوبھم** خدایا تجھے کہاں تلاش کروں! (36) حق نے فرمایا شکستہ دل اور اپنے صفائے قلب سے مایوس شدہ لوگوں کے پاس۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے

شرح (36): (اتحاف السادۃ المتقین، کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ، الباب الثالث دار الفکر بیروت ۶/۲۹۰)

رب! مجھ سے زیادہ شکستہ دل اور ناامید شخص اور کون ہوگا؟ فرمایا میں وہیں ہوں جہاں تم ہو۔ معلوم ہوا کہ ایسا مدعی معرفت جو بے خوف وخشوع ہو وہ جاہل ہے عارف نہیں ہے کیونکہ معرفت کے حقیقت کی علامت صدق ارادت ہے اور صدق ارادت خدا کے سوا ہر سبب کے فنا کرنے والی اور تمام نسبتوں کو قطع کرنے والی ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **الصدق سیف اللہ فی ارضہٖ ماوضع علی شئ الاقطعه** خدا کی سرزمین میں سچائی اس کی تلوار ہے جس چیز پر یہ پڑتی ہے اسے کاٹ دیتی ہے اور صدق یہ ہے کہ مسبب الاسباب کی طرف نظر ہو نہ کہ عالم اسباب کی طرف کیونکہ جب تک سبب قایم وبرقرار ہے اس وقت تک صدق ساقدو بعید ہے۔ (37)

حکایت:

ایک مرتبہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار دریائے نیل میں سفر کررہے تھے (38)

شرح (37): اسباب ہلاکت سے بچنا سب لوگوں پر واجب ہے لہٰذا اس سے خواص مستثنیٰ نہیں اور توکل ترک اسباب اور ان پر جرأت کرنا نہیں اور نہ وہ حکمت کے خلاف ہے بلکہ اسباب کو دل سے نکال دینا اور فائدہ بخش چیز کو لینا اور ضرررساں امور سے بچنا اور نگاہ کو صرف اللہ تعالیٰ جل وعلا (جو مسبب الاسباب ہے) پر روک رکھنا اس کی قیود کو ملحوظ رکھنا توکل علی اللہ ہے۔

شرح (38): دریائے نیل سے متعلق ایک مشہور واقعہ:

منقول ہے: فرعون کا طریقہ یہ تھا کہ جب دریائے نیل کا پانی کم ہو جاتا تو وہ اہلِ مصر کو حکم دیتا کہ وہ اپنی ایک نوجوان دوشیزہ کو طرح طرح کے زیورات سے آراستہ کریں، رنگ برنگے فخریہ لباس پہنائیں اور ہر طرح کی زیب وزینت سے اس دلہن کی طرح مزیّن کریں جو شبِ زفاف (یعنی شادی کی پہلی رات) اپنے شوہر کے پاس آراستہ پیراستہ ہو کر جاتی ہے۔ پھر اس کو دریائے نیل میں ڈال دیں۔ چنانچہ، لوگ ہر سال ایسا ہی کرتے۔ اکثر جاہل لوگوں کا یہ باطل عقیدہ تھا کہ دریائے نیل کی سطحِ آب تب تک بلند نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں دُلہن کی طرح سجا سنوار کر کوئی لڑکی نہ ڈال دی جائے۔ یہی طریقہ امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت تک رائج رہا۔ مصر میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گورنر حضرت سیّدُنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب اُن کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اہلِ مصر کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سامنے سے ایک کشتی آرہی تھی جس میں لوگ گا بجا کر خوب خوشیاں منا رہے تھے اور ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ آپ کے رفقاء نے آپ سے عرض کیا اے شیخ! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کردے تاکہ ان کی نحوست سے مخلوقِ خدا پاک ہو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی کہ خدایا جس طرح تو نے دنیا میں آج ان کو خوشی وشادمانی بخشی اسی طرح اس جہان میں ان کو خوشی مُسرّت عطا فرما۔ آپ کے رفقاء اس دعا کو سن کر حیران رہ گئے جب وہ کشتی آمنے سامنے ہوئی اور لوگوں کی نظریں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر پڑیں تو رو کر معذرت کرنے لگے اور اپنے آلاتِ موسیقی کو توڑ کر دریا میں پھینک دیا اور تائب ہو کر حق کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا اس جہان کی خوشی ومسرت اس جہان میں توبہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے دیکھ لو سب کی مرادیں حاصل ہو گئیں تمہاری بھی اور ان کی بھی اور کسی کو کوئی رنج وتکلیف بھی نہ پہنچی یہ واقعہ آپ کی اس شفقت ومہربانی پر دلالت کرتا ہے جو کہ آپ کو مسلمانوں کے ساتھ تھی آپ کی یہ خوبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں تھی کیونکہ کافروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم وستم روا رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اس کے باوجود آپ کی صفت رحمت میں کبھی فرق نہ آیا اور کبھی بددعا نہیں فرمائی بلکہ ہر بار یہی دعا کہ "اَللّٰھُمَّ اِھْدِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس بُری عادت کو انتہائی ناپسند کیا اور امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا جس میں ساری صورتِ حال بیان کی۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً خط کا جواب لکھا اور ایک رقعہ بھی لکھا جس میں لکھا تھا: اللہ تعالیٰ کے بندے عمر بن خطاب کی جانب سے مصر کے دریا نیل کی طرف!

اَمَّا بَعْد!

اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر خدائے واحد وقہار عَزَّ وَجَلَّ کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو ہم اس کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرمادے۔

حضرت سیّدُنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا اور اہلِ مصر نے یقین کر لیا کہ اب یہ ٹھاٹھیں مارنے لگ جائے گا۔ چنانچہ، جب لوگوں نے صبح کی تو دیکھا کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے دریائے نیل کو جاری ہونے کا حکم فرمادیا ہے اور وہ ایک ہی رات میں سولہ گز بلند ہو گیا۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، باب صفۃ النیل ومنتہاہ، الحدیث ۹۴۵ ص ۳۱۸) (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء)

قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ خدایا میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔ (39)

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ اپنے رشد وہدایت کے بارے میں خود بیان فرمایا ہے۔ کہ میں بیت المقدس سے مصر کی طرف آ رہا تھا مجھے ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اس سے کچھ پوچھنا چاہیے جب قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کبڑی کی بوڑھی عورت ہے پشم کا جبہ پہنے اور ہاتھ میں عصا ولوٹا لیے ہوئے تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ "من این" کہاں سے آ رہی ہو؟ قالت من اللہ اس نے کہا خدا کی طرف سے۔ "قلت الی این" میں نے کہا اب کدھر کا ارادہ ہے۔ قالت الی اللہ اس نے کہا خدا کی طرف۔ میرے پاس ایک دینار تھا اسے دینا چاہا اس نے ایک طمانچہ میرے رخسار پر مار کر کہا اے ذوالنون! تو نے جو مجھے سمجھا ہے وہ تیری نافہمی ہے میں خدا کے لیے ہی کام کرتی ہوں اسی کی عبادت کرتی ہوں اور اسی سے مانگتی ہوں کسی دوسرے سے کچھ نہیں لیتی یہ کہا اور آگے بڑھ گئی۔

اس واقعہ میں لطیف رمز واشارہ ہے وہ یہ کہ اس بوڑھی نے کہا "میں خدا کے لیے ہی کام کرتی ہوں" جو صدق ومحبت کی دلیل ہے (40) کیونکہ لوگوں کا سلوک دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ جو کام کرتے ہیں اس کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ اسی کے لیے کیا ہے؟ حالانکہ وہ اپنے ہی لیے کرتے ہیں اگر اس

شرح (39): صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب ۵، الحدیث: ۶۹۲۹، ص ۵۷۸

شرح (40): ہر کام میں نیت:

کسی عارف (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کا قول ہے کہ میں ہر کام میں نیّت کو پسند کرتا ہوں حتی کہ کھانے پینے، سونے جاگنے، اور بیت الخلاء جانے تک میں نیّت کا اہتمام کرتا ہوں۔

ان سب باتوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب مقصود ہونا چاہئے کہ سونا جاگنا، کھانا پینا وغیرہ بدن کو راحت پہنچانے اور دل کو عبادت کے لئے فراغت اور تقویت دینے والے اعمال ہیں اور یہ بات دین کے معاملے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ جو شخص کھانا اس لئے کھائے کہ عبادت کی قوت قائم رہے، جماع کرنے میں اپنی (نگاہوں اور) دین کی حفاظت، نیک اولاد تک رسائی، شریک حیات کے دل کو خوش کرنا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے امتیوں اور رب (عزوجل) کے عبادت گزاروں کی تعداد میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو ایسا کرنے والا کھانے پینے اور جماع کے دوران ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا شمار ہوگا۔

عمل میں خواہشِ نفس کا دخل نہ ہو لیکن یہ خواہش تو بہر حال ہوتی ہے کہ اس جہان میں اس کا اجر و ثواب ملے گا دوسرے یہ کہ وہ اس جہان کے اجر و ثواب کی خواہش اور اس جہان میں ریا و سمع کے دخل سے اپنے عمل کو مبرا رکھتے ہیں۔ جو شخص ایسا عمل کرے گا وہ خالص اللہ تعالیٰ کے فرمان کی عظمت اور اس کی محبت کے اقتضاء پر مبنی ہوگا اور اس کے فرمان کی بجا آوری میں اجر و ثواب کی طمع نہ ہوگی۔

اول گروہ کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر عمل خیر پر گمان رکھتے ہیں کہ اس کے لیے کیا ہے حالانکہ وہ زادِ آخرت کے لیے ہوتا ہے اگرچہ یہ جائز ہے لیکن اسے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ فرمانبردار کی طاعت کا اجر اس شخص سے زیادہ ہے جو معصیت میں مبتلا ہو کیونکہ معصیت میں خوشی کچھ دیر کی ہوتی ہے اور طاعت کی خوشی دائمی ہے۔ رب بے نیاز کو مخلوق کے مجاہدے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ ان کے نہ کرنے سے اس کا کچھ نقصان ہے اگر سارا جہان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدق کے ہم پلہ ہو جائے تو اس کا فائدہ انہیں کو ہوگا نہ کہ خدا کو اور اگر سارا جہان فرعون کے مانند خدا کو جھٹلانے لگے تو اس کا نقصان انہیں کو پہنچے گا نہ کہ خدا کو۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا''،(41) (بنی اسرائیل ۷) اگر تم نیک عمل کرتے ہو تو اپنے لیے ہی اچھا کرتے ہو اور اگر برے عمل کرو تو وہ بھی تمہارے ہی لیے ہے۔(42) فرمانِ الٰہی ہے: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ

شرح (41): اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

ترجمہ کنز الایمان: اگر تم بھلائی کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے (پ ۱۵، بنی اسرائیل ۷)

شرح (42): اس حقیقت سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا کہ مختصر سی زندگی کے ایام گزارنے کے بعد ہر ایک کو اپنے پروردگار عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ جس کے بعد رحمتِ الٰہی عزوجل ہماری طرف متوجہ ہونے کی صورت میں جنت کی اعلیٰ نعمتیں ہمارا مقدر بنیں گی یا پھر گناہوں کی شامت کے سبب جہنم کی ہولناک سزائیں ہمارا نصیب ہوں گی۔ (والعیاذ باللہ)

لہٰذا! اس دنیاوی زندگی کی رونقوں، مسرتوں، اور رعنائیوں میں کھو کر حساب آخرت کے بارے میں غفلت کا شکار ہو جانا یقیناً نادانی ہے۔ یاد رکھئے! ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم ربِ کائنات عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اپنے لئے نیکیوں کا ذخیرہ اکٹھا کریں اور گناہوں کے ارتکاب سے پرہیز کریں۔ اس مقصدِ عظیم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (43) (العنکبوت: ٦) جو مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے مجاہدہ کرتا ہے کیونکہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ لوگ عافیت کے لیے اطاعت کرتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ خدا کے لیے کررہے ہیں لیکن اپنے محبوب کی راہ پر چلنا اور ہی چیز ہے ایسے لوگوں کی نگاہیں کسی اور طرف نہیں اٹھتیں۔ واللہ اعلم! (44)

(١٠) حضرت ابراہیم بن اوہم رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، امیر الامراء، سالک طریقت لقا، حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن ادہم منصور رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (45) آپ اپنے زمانہ اور اپنے سلوک میں منفرد اور سید اقران

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دل میں خوف خدا عزوجل کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک یہ نعمت حاصل نہ ہو گناہوں سے فرار اور نیکیوں سے پیار تقریباً ناممکن ہے۔

شرح (43): وَمَنْ جٰهَدَ فَاِنَّمَا یُجٰهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا ہے بیشک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔ (پ ٢٠، العنکبوت: ٦)

شرح (44): علم معاملہ کی انتہاء علم مکاشفہ ہے جبکہ علم مکاشفہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی معرفت ہے اور یہ وہ نور ہے جسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس بندے کے دل میں ڈالتا ہے جس نے عبادت و مجاہدہ کے ذریعے اپنے باطن کو آلائشوں سے پاک کر لیا ہو اور اس نور کی انتہا امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رتبۂ ایمان پر ہوتی ہے اور ان کے ایمان کے بارے میں خود حضور نبیٔ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَهْلِ الْاَرْضِ بِاِیْمَانِ اَبِیْ بَکْرٍ لَرَجَحَ ترجمہ: اگر تمام اہل زمین کا ایمان ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ان کا ایمان بھاری ہو۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب القول فی زیادۃ الایمان۔۔۔۔۔الخ، الحدیث ٣٦، ج ١، ص ٦٩)

شرح (45): حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن ادھم بن منصور رحمہ اللہ ١٢٣ھ آپ بلخ جو خراسان کا ایک مشہور شہر ہے وہاں کے رہائشی تھے۔ آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔

آپ یہ سنتے ہی گھوڑے سے اترے اور سامنے اپنے والد کے چرواہے سے ملاقات ہوگئی اس سے اونی چوغہ لے کر پہن لیا گھوڑا اور اپنا ساز و سامان اسے دے دیا اور پھر جنگل کو نکل گئے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھے۔ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے مرید تھے آپ نے بکثرت قدمائے مشائخ کی صحبت پائی اور حضرت خضر علیہ السلام نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہو کر تحصیل علم کیا۔ ابتدائے حال یہ ہے کہ آپ بلخ کے امیر تھے ایک دن شکار کے لیے نکلے ایک ہرن کے تعاقب میں گھوڑا اڑا دیا اور لشکر سے بچھڑ گئے اللہ تعالیٰ نے ہرن کو قوتِ گویائی عطا فرمائی اور اس نے بزبانِ فصیح کہا: **الهذا خلقت ام بهذا امرت** اے ابراہیم کیا تم اسی کام کے لیے پیدا کئے گئے ہو؟ یہ بات آپ کی توبہ کا سبب بنی اور آپ نے اسی وقت دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے زہد و ورع کی زندگی اپنالی اور حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت اختیار کی توبہ کے بعد اپنے ہاتھ کمائی کے سوا کچھ نہ کھایا۔ طریقت و معرفت میں آپ کے اشارات ظاہر اور کرامتیں مشہور ہیں۔ تصوف کے حقائق میں آپ کے کمالات نہایت لطیف و نفیس ہیں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا "مفاتیح العلوم ابراہیم" حضرت ابراہیم ادہم طریقت و معرفت کے علوم کی کنجیاں ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **اتخذ الله صاحبا وذر الناس جانبا** اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کر کے لوگوں کو ایک طرف چھوڑ دو۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جب بندہ کا تعلق خاطر درست ہو اور اس کی محبت میں اخلاص ہو تو حق تعالیٰ سے یہ صحیح تعلق، خلق سے کنارہ کشی کا مقتضی ہوتا ہے (46) اس لیے کہ خلق سے صحبت رکھنا خالق کی باتوں سے جدا ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ سے صحبت اسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پھرتے پھراتے مکہ پہنچے وہاں حضرت سفیان ثوری اور حضرت فضیل بن عیاض سے ملاقات کی۔ بعد ازاں شام چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

شرح (46): حضرت سیدنا حسن بصری (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم، نورِ مجسم، شاہ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْاِخْلَاصُ سِرٌّ مِنْ سِرِّیْ اسْتَوْدَعْتُهٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِیْ۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جو میں نے اپنے ان بندوں کے دلوں میں بطور امانت رکھا ہے جن سے مجھے محبت ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) فرماتے ہیں، عمل کی فکر نہ کرو بلکہ اس کی قبولیت کی فکر کرو کیونکہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیّدُنا معاذ بن جبل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صورت میں ممکن ہے جب کہ اخلاص کے ساتھ اُس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اطاعت میں اخلاص جب ہی پیدا ہوتا ہے جبکہ محبتِ الٰہی میں خلوص ہو (47) اور حق تعالیٰ سے محبت میں خلوص جب پیدا ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے فرمایا:

اِخْلِصِ الْعَمَلَ یُجْزِكَ مِنْهُ الْقَلِیْلُ

ترجمہ: یعنی اپنے عمل کو خالص کر و تھوڑا بھی کافی ہوگا (مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۰۶، کتاب الرقاق)

شرح (47): اخلاص کی حقیقت کا بیان:

جاننا چاہیے! ہر چیز میں ملاوٹ ممکن ہے جب وہ ملاوٹ سے پاک اور خالی ہو تو اسے خالص کہتے ہیں اور جس فعل سے وہ عمل صاف ہوتا ہے اس کو اخلاص کہتے ہیں، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمانِ حقیقت نشان ہے:

مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لئے۔

(پ14 النحل:66)

جب کوئی کام ریاء سے خالی اور رضائے الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے لئے ہو تو وہ خالص ہوتا ہے۔

اِخلاص کے بارے میں مشائخ کرام علیہم رحمۃ اللہ السلام کے اقوال:

حضرت سَیِّدُ نا سوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص یہ ہے کہ خود اخلاص پر بھی نظر نہ رہے، کیونکہ جو شخص اپنے اخلاص میں اخلاص کو دیکھتا ہے تو اس کا اخلاص، اخلاص کا محتاج ہے۔

حضرت سَیِّدُ نا سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا: کون سی چیز نفس پر زیادہ سخت ہے؟ انہوں نے فرمایا: اخلاص، کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور فرمایا: اخلاص یہ ہے کہ بندے کی حرکت و سکون سب کچھ محض اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رضا کے لئے ہو۔

حضرت سَیِّدُ نا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص، اعمال کا کدورتوں سے پاک ہونے کا نام ہے۔

حضرت سَیِّدُ نا فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل ترک کرنا ریا کاری اور ان کے لئے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان دونوں چیزوں سے محفوظ رکھے۔

منقول ہے: اخلاص ہمیشہ مراقبہ میں رہنے اور تمام نفسانی خواہشات کو بھول جانے کا نام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب! (لبابُ الاحیاء صفحہ ۳۷۱)

جبکہ وہ نفسانی خواہشات کا دشمن بن جائے۔ جو شخص کہ نفسانی خواہشات کا تابع بنا وہ خدا سے جدا ہو گیا اور جس نے نفسانی خواہشات کو نکال پھینکا وہ رحمتِ الٰہی سے بہرہ ور ہو گا گویا کہ تم اپنے وجود سے خود ہی تمام خلق ہو جب تم نے اپنی ذات سے اعراض کر لیا تو گویا ساری خلقت سے کنارہ کشی اختیار کر لی لیکن وہ شخص جو خلقت سے کنارہ کشی اختیار کر لے مگر اپنی نفسانی خواہش کا غلام بنا رہے تو یہ ظلم ہے کیونکہ ساری خلقت جس حالت میں ہے وہ تو حکم و تقدیر سے ہے مگر تمہارا معاملہ تمہارے ساتھ ہے۔

استقامتِ ظاہر و باطن:

طالبِ حق کی ظاہری و باطنی استقامت دو چیزوں پر ہے۔ ایک علم سے متعلق ہے (48) دوسری عمل سے۔ (49) جو علم سے متعلق ہے وہ نیک و بد تقدیر کا جاننا ہے اس لیے عالم میں کوئی شخص متحرک کو ساکن اور

شرح (48): ابو حامد حضرتِ سیدنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی ارشاد فرماتے ہیں:

حصولِ علم پر استقامت کی نصیحت:

اگر تم خوراک اور کسبِ معاش کے بغیر دس سال بھی زندہ رہ سکو تب بھی علمِ دین سے دُوری اختیار نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے علمِ دین سے منہ موڑا تو تمہاری معیشت تنگ ہو جائے گی۔ جیسا کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمانِ عبرت نشان ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

ترجمہ کنزالایمان: اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے۔

(پ16 طٰہٰ: 124) (امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیتیں صفحہ 11)

شرح (49): استقامت کیلئے عمل ضروری ہے:

بہر حال جب کسی کام کی معرفت حاصل ہو جائے اور اس کا فائدہ مند ہونا معلوم جائے تو دل اس کام کو کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے چنانچہ اب دل کے اس ارادے کو برقرار رکھنے کیلئے عمل شروع کر دینا ضروری ہے کیونکہ دل کی صفات اور ارادے کے تقاضے کے مطابق ہمیشگی عمل کے ذریعے غذا کی جگہ اختیار کرتی ہے یہاں تک کہ قلبی صفت مضبوط ہو جاتی ہے کیونکہ تجربے سے ثابت ہے کہ جو شخص علم یا کسی منصب کا خواہش مند ہو تو ابتداء میں اسکی خواہش کمزور ہوتی ہے۔

لیکن اگر وہ عملی طور پر اسے حاصل کرنے کے اقدامات کرے اور اس کیلئے مطلوبہ اعمال میں مشغول ہو جائے تو اس کا میلان مضبوط اور راسخ ہو جاتا ہے اور اب اسے اس کیفیت سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساکن کو متحرک نہیں کر سکتا اس لیے کہ ہر چیز کو اور اس میں حرکت وسکون کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور جو عمل سے متعلق ہے وہ فرمانِ الٰہی کا بجالانا ہے۔ معاملہ کی صحت، مکلفاتِ احکامِ الٰہیہ کا تحفظ اور ہر وہ حال جو تقدیر الٰہی سے متعلق ہو فرمانِ الٰہی کے ترک کے لیے حجت نہیں بن سکتا لہٰذا خلق سے کنارہ کشی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود سے کنارہ کش نہ ہو جائے جب خود سے کنارہ کش ہو جاؤ گے تو تمام خلق سے کنارہ کشی حاصل ہو جائے گی اور یہی حاصلِ مراد ہے جب حق تعالیٰ سے لگاؤ پیدا ہو گیا تو امرِ حق کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نکلنا مشکل نظر آتا ہے۔ (گویا جو شخص علم کی راہ میں عملی اقدامات کرے وہ اسمیں ترقی کرتا جاتا ہے اور دل میں مزید علم حاصل کرنے کی خواہش بڑھتی چلی جاتی ہے اسی طرح اقتدار بھی)۔

اور اگر کوئی شخص اپنے مقصود کے تقاضے کے برعکس کام کرے تو اس کی خواہش کمزور پڑ جاتی بلکہ بعض اوقات بالکل مٹ جاتی ہے۔ (یعنی جس شخص کو گناہ کرنے کی شدید خواہش ہو لیکن اگر وہ اپنے آپ کو نیک کاموں میں مصروف کرلے تو اسکی گناہ کی خواہش بلا آخر ختم ہو جائیگی)۔

بھائیو! اسی طرح نیکی اور عبادت کا معاملہ ہے کے ان سے آخرت طلب کی جاتی ہے اور برائیوں سے آخرت مقصود نہیں ہوتی بلکہ دنیا کی خواہش کی جاتی ہے اور نفس کا اخروی سعادت کی طرف میلان اور اسے دنیا مقاصد سے پھیرنا دل کو ذکر وفکر کے لئے فارغ کرتا ہے نیز یہ بات اُسی وقت پختہ ہوتی ہے جب نیک کاموں پر ہمیشگی اختیار کی جائے اور اعضاء کے گناہوں کی ترک کر دیا جائے کیونکہ دل اور دیگر اعضاء کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں مثلاً اگر اعضاء پر کوئی زخم لگے دل تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر کوئی بات دل کو تکلیف دے مثلاً کسی عزیز کی موت تو اعضاء بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں بدن کانپنے لگتا ہے اور رنگ بدل جاتا ہے ہاں ایک فرق ضرور موجود ہے کہ دل حاکم ہے اور دیگر اعضاء خدام ہیں۔ نبی اکرم شاہ بنی آدم نور مجسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کا فرمان حکمت نشان ہے:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلَحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ

ترجمہ: بلاشبہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے۔

نیز امت کے غم خوار آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحِ الرَّاعِیَ وَ الرَّعِیَّةَ

ترجمہ: اے اللہ (عزوجل) نگران اور رعایا دونوں کو درست کر دے (الاسرار المرفوعۃ ص ٦٧، حدیث ٢٣٥)

اقامت کے لیے ثابت قدمی میسر آ جائے گی معلوم ہوا کہ خلق کے ساتھ کسی حال میں چین وراحت پانا جائز نہیں ہے اگر حق کے سوا کسی غیر سے چین وراحت چاہو گے تو یہ غیر کے ساتھ راحت پانا ہوگا اور یہ بات توحید کے منافی ہے اور اپنی ذات سے آرام پانا تو سراسر نکمہ پن ہے اسی وجہ سے حضرت شیخ ابوالحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ بلی کا حکم ماننا اپنے نفس کی پیروی سے بہتر ہے اس لیے کہ اس سے محبت برائے خدا ہے اور اپنے نفس کی محبت اور اس کی پیروی خواہشات نفسانیہ کی پرورش ہے۔ مزید تفصیل دوسری جگہ آئے گی۔ انشاء اللہ۔

حکایت:

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں بیابان میں پہنچا تو ایک بوڑھے نے مجھ سے کہا اے ابراہیم تم جانتے ہو یہ کونسا مقام ہے جہاں بغیر توشہ کے سفر کر رہے ہو؟ میں نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان ہے (جو غیر کی طرف مجھے پھیرنا چاہتا ہے) میرے پاس اس وقت چار سکے تھے جو اس زنبیل کی قیمت کے تھے جسے میں نے کوفہ میں خود فروخت کر کے حاصل کیا تھا انہیں جیب سے نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو (۴۰۰) رکعت نماز پڑھوں گا۔ میں چار سال بیابان میں رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر وقت بے مشقت مجھے روزی عطا فرمائی اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت حاصل ہوئی اور مجھے اسم اعظم کی تعلیم دی اس وقت میرا دل یکدم غیر سے خالی ہو گیا۔ وباللہ التوفیق۔

(۱۱) حضرت بشر بن حافی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، سریر آرائے معرفت، تاج اہل معاملت حضرت بشر بن حافی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (50) آپ مجاہدے میں عظیم الشان اور برہانِ کبیر تھے۔ معاملات طریقت میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی اور اپنے ماموں حضرت علی بن خشرم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ارادت کی۔ آپ علم اصول وفروع کے عالم تھے۔ ابتداء کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک دن نشہ کی حالت میں گھر سے نکلے راستہ میں ایک کاغذ کا پرزہ پڑا ملا جس پر بسم

شرح (50): حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ عالی مرتبت اولیاء میں سے ہیں، آپ علومِ اصول کے زبردست عالم، کشف وکرامات اور مجاہدہ وریاضت میں کامل دسترس رکھتے تھے، آپ کی ولادت باسعادت مرو میں ہوئی اور آپ نے زندگی بغداد شریف میں گذاری آپ کا وصال ۲۲۷ ہجری میں ہوا۔

اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر تھا۔ تعظیم سے اٹھا کر خوشبو سے معطر کر کے پاک جگہ میں رکھ دیا اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا بِشر طیبت اسمی فبعزتی لاطیبن اسمك فی الدنیا والاخرۃ اے بشر تم نے میرے نام کو خوشبو میں بسایا قسم ہے مجھے اپنی عزت کی میں تمہارے نام کی خوشبو کو دنیا و آخرت میں پھیلاؤں گا یہاں تک کہ جو بھی تمہارا نام لے گا یا سنے گا اس کے دل کو راحت نصیب ہوگی۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی توبہ کی اور مضبوطی کے ساتھ طریقۂ زہد پر گامزن ہو گئے۔ (51)

حق تعالیٰ کے مشاہدہ کا غلبہ اس حد تک شدید تھا کہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہے (52) لوگوں نے برہنہ پا رہنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا زمین خدا کا فرش ہے میں جائز نہیں سمجھتا کہ فرش پر چلوں کہ میرے پاؤں اور اس کے فرش کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ آپ کی معرفت کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ جوتوں کو بھی حجاب سمجھ لیا۔ (53)

آپ فرماتے ہیں کہ ''من ارادان یکون عزیزا فی الدنیا وشریفا فی الآخرۃ فلیجتنب ثلاثا لا یسأل احد احاجۃ ولا یذکر احداً بسوءٍ ولا یجیب احداً الی الطعام'' جو یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں عزت والا اور آخرت میں شرافت والا ہو اسے لازم ہے کہ تین باتوں سے اجتناب

شرح (51): (کتاب التوابین، توبۃ بشر الحافی، ص ۲۱۰) (روض الریاحین، الفصل الثانی فی اِثبات کرامات الاولیاء، ص ۲۱۷-۲۱۸)

شرح (52): جانور بھی وَلی کی تعظیم کرتے ہیں

حضرتِ سیّدُنا بِشرِ حافی علیہ رحمۃ اللہِ الکافی ہمیشہ ننگے پاؤں چلتے تھے اور جب تک بغداد شریف میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حیات رہے کسی چَوپائے نے راستے میں گوبَر نہ کیا اور وہ صِرف اِس حُرمَت واَدَب کے پیشِ نظر کہ حضرتِ سیّدُنا بِشرِ حافی علیہ رحمۃ اللہِ الکافی یہاں ننگے پاؤں چلتے پھرتے ہیں۔ ایک دن ایک چَوپائے نے راستے میں گوبَر کردیا تو اُس کا مالِک یہ بات دیکھ کر گھبرا گیا کہ ہو نہ ہو آج حضرتِ سیّدُنا بِشرِ حافی علیہ رحمۃ اللہِ الکافی کا انتِقال ہوگیا ہے ورنہ یہ جانور کبھی راستے میں گوبَر نہ کرتا۔ چُنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے سُن لیا کہ حضرت کا وِصال ہوگیا ہے۔ (مُلَخَّص از اَحسَنُ الوِعاء ص ۱۳۷)

شرح (53): تذکرۃ الاولیاء ص ۶۸

کرے۔ ایک یہ کہ کسی سے اپنی ضرورت بیان نہ کرے (54) دوسرے یہ کہ کسی کو برا نہ کہے (55) اور

شرح (54): جو شخص کسی سے اپنی ضرورت بیان کرتا ہے تو تین خرابیوں میں پڑتا ہے:

پہلی خرابی: خلق کی نگاہ میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے، ہر ایک کے سامنے عاجزی کرنی پڑتی ہے بندے کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو بلا ضرورت خوار کردے اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کے سامنے تذلُّل (عاجزی) کرے۔

دوسری خرابی: محتاجی ظاہر کرنا مولیٰ کی شکایت ہے، جو غلام براہِ احسان فراموشی ونمک حرامی اپنے مولیٰ کے انعام وعطا پر قناعت نہ کرے اور دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ میرا مولیٰ مجھے ننگا بھوکا رکھتا ہے اور بقدر رفعِ احتیاج نہیں دیتا۔

نقل ہے ایک عابد کسی پہاڑ پر رہتا، وہاں انار کا درخت تھا ہر روز تین انار اس میں آتے، انہیں کھاتا اور عبادت کرتا، حق عزوجل کو امتحان منظور ہوا، ایک روز انار نہ لگے صبر کیا دو روز اور یہی ماجرا گزرا، تیسرے دن گھبرا کر پہاڑ سے نیچے اترا، اس کے نیچے ایک نصرانی رہا کرتا تھا اس سے سوال کیا، نصرانی نے چار روٹیاں دیں، اس کا کتا بھونکنے لگا عابد نے ایک روٹی ڈال دی کتے نے کھا کر پھر پیچھا کیا، دوسری روٹی ڈال دی، کتے نے وہ بھی کھا لی مگر پیچھا نہ چھوڑا جب چاروں کھالیں اور بھونکنے سے باز نہ آیا عابد نے کہا: اے حریصِ ناحق کوش! (یعنی: ناحق بات میں کوشش کرنے والے) تجھے شرم نہیں آتی کہ میں تیرے گھر سے بھیک مانگ کر لایا اور تو نے مجھ سے سب چھین لیں اب بھی پیچھا نہیں چھوڑتا، کتے نے کہا: میں تجھ سے زیادہ بے شرم نہیں کہ جس مالک نے برسوں بے محنت ومشقت ایسا نفیس رزق تجھے کھلایا، تین روز نہ دینے پر اتنا گھبرا گیا کہ اس کے دشمن کے گھر بھیک مانگنے آیا۔

تیسری خرابی: جس سے سوال کرتا ہے اسے ناحق رنج دیتا ہے کہ اگر وہ سوال رَدّ کردے تو لوگوں سے شرمندگی وندامت ہو اور جو خلق سے شرما کردے تو دل پر گراں گزرے اور آخرت میں مفید نہ ہو بلکہ بسبب ریاکاری کے مضر ہو ایسے شخص سے سوال کرنا گویا مُصادَرہ اور ڈانڈ طلب کرنا ہے (یعنی: تاوان طلب کرنا ہے)۔

(إحیاء علوم الدین، کتاب الفقر والزھد، آداب الفقیر المضطر فیہ، ج ۴، ص ۲۵۹)

صوفیائے کرام کہتے ہیں: جس کو جانے کہ یہ لوگوں کی شرم سے دیتا ہے اس سے لینا ممنوع ہے اور جو سوال سے خوش ہوتا ہے اور بطیبِ خاطر دیتا ہے (یعنی: خوش دلی کے ساتھ دیتا ہے) بعض اوقات سوال اس پر بھی ناگوار گزرتا ہے خصوصاً اس شخص کا جو بہت سوال کیا کرتا ہے پس بندے کو لائق ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو برا نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کے حکم میں تصرف کرتا ہے اس لیے کہ وہ شخص اور اس کا فعل بد دونوں خدا کی مخلوق ہیں اس کی پیدا کردہ چیز کو برا کہنا خدا کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ کسی فعل میں عیب ڈالنا یا فاعل میں عیب نکالنا برابر ہے سوائے اس کے کہ خدا نے جسے برا کہا اس کی موافقت میں برا کہا جائے۔ جیسے فساق وفجار اور کفار وغیرہ اسی طرح کسی کے کھانے کی دعوت قبول نہ کرنے کہ وجہ یہ ہے کہ روزی رساں حق تعالیٰ ہے اگر وہ مخلوق کو تیری روزی کا ذریعہ بنائے تو مخلوق کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ یہ وہ روزی ہے جسے خدا نے تیرے پاس پہنچایا ہے نہ یہ کہ کسی مخلوق نے روزی دی ہے اگر روزی دینے والا بندہ یہ سمجھے کہ یہ روزی اس کی طرف سے ہے اور اس بنا پر تجھ سے احسان جتاتا ہے تو اسے قبول نہ کرو۔ اس لیے کہ روزی میں کسی کا کسی پر احسان نہیں ہے البتہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک روزی غذا ہے (جسے خدا نے ان کو ذریعہ بنا کر بھیجا لہٰذا اس کی سپاس وشکر گزاری ضروری ہے) اور معتزلہ کے نزدیک روزی غذا نہیں بلکہ اشیاء میں سے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو غذا کے ذریعہ پالتا ہے نہ کہ کسی مخلوق کا ذریعہ مجازی سبب ہو اس کی اور بھی وجوہات ہیں۔ واللہ اعلم!

(۱۲) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، معرفت ومحبت کے آسمان حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ تمام مشائخِ طریقت میں جلیل القدر ہیں۔ (56) آپ کا حال سب سے رفیع

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بھولے بھالے مسلمان کو نقصان سے بچانے کے لئے ڈاکو کے عیب کو اس مسلمان سے بیان کر دینا تم پر واجب ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی بات کو اسطرح بیان فرمایا ہے کہ:

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است   اگر خاموش می مانی گناہ است

یعنی تم اگر دیکھو کہ ایک اندھا جا رہا ہے اور اس کے آگے کنواں ہے تو تم پر لازم ہے کہ اندھے کو بتا دو کہ تیرے آگے کنواں ہے اس سے بچ کر چل۔ اور اگر تم اس کو دیکھ کر چپ رہ گئے اور اندھا کنویں میں گر پڑا تو یقیناً تم گنہگار ٹھہرو گے۔

شرح (56): بایزید بسطامی جو شیخ اَبویزید البسطامی اور طیفور ابو یزید بسطامی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن سروسان اور کنیت ابو یزید ہے فارس (ایران) کے صوبے بسطام میں پیدا ہوئے۔ بسطامی آپ کے نام کے ساتھ اسی نسبت سے لگایا جاتا ہے۔ آپ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ترہے آپ کی جلالت شان کے بارے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو یزید منا بمنزلة جبرئیل من الملائکة صوفیاء کرام میں ابو یزید کی شان ایسی ہے جیسے فرشتوں میں جبریل علیہ السلام کی ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد بسطام کے رہنے والے مجوسی تھے لیکن آپ کے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کا مقام بہت بلند ہے۔ تصوف میں جو دس (۱۰) امام گزرے ہیں ان میں سے ایک آپ ہیں۔ حقائق و معرفت میں آپ سے بڑھ کر کسی کو دسترس اور قوتِ انبساط نہیں ہے طریقت و شریعت کے تمام علوم اور ان کے احوال کے آپ بہت بڑے عالم اور ان سے محبت کرنے والے تھے ملحدین کا وہ مردود گروہ جو خود کو آپ کی وضع و طریق کا پابند بتاتا ہے آپ کا حال ان کے بالکل خلاف تھا آپ کا ابتدائی زمانہ مجاہدے اور تحصیلِ علم طریقت میں گزرا تھا آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ عملت فی المجاهدة ثلثین سنته فما وجدت شیأ اشد علی من العلم ومتابعته ولو لا اختلاف العلمآء لبقیت واختلاف العلماء رحمة الا تجرید التوحید میں نے تیس سال مجاہدے میں گزارے لیکن علم اور اس کی متابعت سے زیادہ سخت و دشوار کوئی چیز مجھ پر نہیں گزری (57) اگر ہر مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں رہ جاتا اور دین حق کی معرفت نہ ہو سکتی حقیقت یہ ہے کہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (58) مگر توحید خالص میں اختلاف مضر ہے چونکہ انسانی طبیعت جہل کی طرف زیادہ مائل ہے کیونکہ بے علم آدمی بوجہ جہالت بہت سے کام بے رنج و تعب کر گزرتا ہے لیکن علم کے ساتھ ایک قدم بھی بغیر دشواری کے نہیں چل سکتا۔ شریعت کی راہ جہان کی تمام راہوں سے زیادہ باریک و پر خطر ہے ہر حال میں بندے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آباؤ اجداد مجوسی تھے جو کہ بعد میں اسلام کی طرف راغب ہو گئے۔ بسطام ایک بڑا قریہ ہے جو نیشاپور کے راستے میں واقع ہے آپ کے دادا کے تین بیٹے تھے، آدم، طیفور (بایزید بسطامی کے والد) اور علی یہ سارے بڑے ہی زاہد اور عبادت گذار تھے وفات 261 ہجری میں ہوئی۔

شرح (57): حضرت بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے ایسی کرامت دی گئی ہے کہ وہ ہوا پر چارزانو بیٹھے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب و مکروہ و حرام میں اس کا عمل کیسا ہے اور شریعت کی حدود و آداب کی کتنی حفاظت کرتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ ص ۱۸ مطبوعہ مصر)

شرح (58): الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴

کے لیے یہی سزاوار ہے کہ اگر بلند مقامات اور احوالِ رفیعہ سے گزرنا مشکل ہو تو میدان شریعت میں اتر جائے اس لیے کہ اگر اس سے ہر چیز گم ہو جائے تو وہ شریعت کے دائرے میں تو قائم رہے گا۔ مرید کے لیے سب سے بڑی آفت سلوک کے معاملات کا ترک ہے اور مدعیان کاذب کے تمام دعوے میدان شریعت میں پراگندہ ہو جاتے ہیں اور شریعت کے مقابلے میں تمام زبانیں گنگ اور خاموش ہو جاتی ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **الجنة لا خطرلها لاهل المحبة واهل المحبة محجوبون بمحبتهم** اہل محبت کے نزدیک جنت کی کوئی قدر و قیمت نہیں وہ تو اپنی محبت میں ہی مستغرق و شیدا رہتے ہیں۔ کیونکہ جنت ایک مخلوق شے ہے اگرچہ وہ بلند عزت ہے لیکن حق تعالیٰ کی محبت ایسی صفت ہے جو غیر مخلوق ہے جو شخص غیر مخلوق سے ہٹ کر مخلوق کی طرف دھیان رکھے گا وہ علائق دنیا میں پھنس کر سبک ہو گا خدا کے محبوبوں کے نزدیک مخلوق کی کوئی عزت و منزلت نہیں ہوتی وہ خدا کی محبت ہی میں مگن رہتے ہیں اس لیے کہ وجود اور ہستی دوئی کو چاہتی ہے اور اصل توحید میں دوئی ناممکن ہے محبوبان خدا کا راستہ وحدانیت سے وحدانیت کی طرف ہے اور محبت کی راہ محبت کی علت ہے۔

اگر کوئی مرید اللہ تعالیٰ سے محبت دوستی اس خیال سے کرے کہ وہ مرید ہو جائے یا مراد بن جائے اگرچہ وہ مریدِ حق ہو یا مرادِ بندہ، یا مراد حق ہو یا مریدِ بندہ، بہر صورت یہ خیال اس کے لیے آفت ہے اس لیے کہ اگر مرید حق ہو کر مراد بندہ ہو جائے تو مرادِ حق میں ہستی بندہ ثابت ہو گئی اور اگر مرید بندہ ہو کر مرادِ حق کا طالب ہو تو مخلوق کی ارادت کی وہاں گنجائش نہیں دونوں حالتوں میں یہ آفت ہے کیونکہ محبت میں ہستی کا ثبوت ہے۔ لہٰذا وہی شخص محبِ صادق ہے جو بقائے محبت میں کامل طور سے فنا ہو جائے کیونکہ اس کی فنا ہی میں محبت کی بقا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی خود فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ جب مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا تو خالی مکان دیکھ کر میں نے گمان کیا کہ حج مقبول نہیں ہوا کیونکہ میں نے ایسے پتھر تو دنیا میں بہت دیکھے ہیں اور جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو خانہ کعبہ کو بھی دیکھا اور صاحبِ خانہ کو بھی اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ ابھی میں حقیقت توحید سے دور ہوں اور جب تیسری بار حاضر ہوا تو صاحب خانہ ہی نظر آیا گھر نظر نہیں آیا اس وقت غیب سے ندا آئی اے بایزید جب تم نے اپنے آپ کو نہ دیکھا اور سارے عالم کو دیکھا تو تم مشرک نہ ہوئے لیکن جب تم نے سارے عالم کو نہ دیکھا اور اپنے آپ پر نظر رکھی تو اب تم مشرک ہو گئے اسی وقت اس خیال سے

توبہ کی۔ بلکہ میں نے توبہ کی اور اپنی ہستی کی رویت سے بھی توبہ کی۔ یہ واقعہ آپ کی درستگی حال میں بہت اہم ولطیف ہے اور صاحبانِ حال کے لیے یہ عمدہ نشانی ہے۔

(۱۳) حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، امامِ فنون جاسوس ظنون، حضرت ابوعبداللہ الحارث اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ علم اصول وفروع کے عالم اور اپنے وقت کے تمام اہل عل کے مرجع تھے۔ علم تصوف میں رغائب نامی کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے۔ اس کے سوا بکثرت تصانیف ہیں۔ (59) آپ

شرح (59): میرے آقا اعلیحضرت، اِمامِ اَہلسنّت، ولی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دین ومِلّت، حامیِ سنّت، ماحیِ بِدعت، عالِمِ شَرِیعت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیر وبرکت، حضرتِ علامہ مولٰینا الحاج اَلحافِظ اَلقاری شاہ امام اَحمد رَضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں:

بدمذہبوں کے رد میں پہلی تصنیف

امام حارث محاسبی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بدمذہبوں کے ردّ میں ایک کتاب تصنیف کی، اور وہ بدمذہبوں کے ردّ میں پہلی تصنیف تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کلام کرنا چھوڑ دیا۔ کہا: مجھ سے کیا خطا ہوئی ؟ میں نے ان کا ردّ ہی تو کیا ہے۔ فرمایا: کیا ممکن نہیں ہے کہ تم نے جو کلام بدمذہبوں کا نقل کیا ہے کسی کے دل میں جم جائے اور وہ گمراہ ہو جائے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب قواعد العقائد، الفصل الثانی فی وجہ التدریج ــــــ الخ، ج۱، ص ۱۳۲)

ردّ کی ضرورت

(پھر فرمایا) پہلے تلوار تھی، ردّ کی حاجت نہ تھی، تلوار کے ذریعہ سارا انتظام ہو سکتا تھا۔ اَب کہ ہمارے پاس سوائے ردّ کے کوئی علاج نہیں، ردّ کرنا فرض ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْقَالَ الْبِدَعُ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَل ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لَهٗ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا

جب فتنے یا بدمذہبیاں ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے تو اس پر اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت، اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب، باب اذا ظہرت الفتن، الحدیث ۱۳۶۶، ص ۳۰۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہر فن میں بلند مرتبہ اور بلند ہمت تھے۔ اپنے زمانہ میں آپ بغداد میں شیخ المشائخ کہلاتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے: **العلم بحر کات القلوب فی مطالعة الغیوب اشرف من العمل بحر کات الجوارح** دل کی حرکتوں کا علم محل غیب میں اس عمل سے زیادہ مشرف ہے جو اعضاء کی حرکتوں سے حاصل کیا جائے۔ اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ علم محلِ کمال ہے اور جہل مقام طلب اور علم حضوری اس سے بہتر ہے کہ جہل کی چوکھٹ پر کھڑا رہے کیونکہ آدمی کو علم، درجہ کمال تک پہنچاتا ہے اور جہالت تو چوکھٹ سے بھی گزرنے نہیں دیتی۔ درحقیقت علم عمل سے افضل ہے۔ علم ہی کے ذریعہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے لیکن صرف عمل سے اسے نہیں پاسکتے۔ اگر بغیر علم کے عمل اسے اس تک پہنچا سکتا تو نصاریٰ اور راہب اپنے ریاضت ومجاہدے کی شدت کی وجہ سے مشاہدے تک پہنچ چکے ہوتے اور مسلمان قلت علم کی بنا پر غیوبت میں نافرمان ونامراد ہوتے۔ معلوم ہوا کہ عمل بندہ کی صفت ہے اور علم خدا کی صفت۔ بعض ناقلوں نے آپ کے مقولہ میں دونوں جگہ عمل کو بیان کیا ہے جو کہ غلط اور محال ہے کیونکہ بندہ کا عمل حرکاتِ قلب سے تعلق نہیں رکھتا اور اگر اس سے فکر اور احوالِ باطن کا مراقبہ مراد ہو تو یہ بذاتِ خود نادر ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً (60) "ایک گھڑی دین میں غور وفکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

درحقیقت اعمال باطن، اعمالِ جوارح یعنی ظاہری عمل سے افضل ہے اور احوال واعمالِ باطن کی تاثیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے جب بھی کوئی حرام غذا لائی جاتی تھی تو انہیں اس غذا سے ایسی ناگوار بدبو محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ حرام غذا کو دیکھتے ہی ان کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابو العباس مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے لوگوں نے امتحان کے طور پر حرام کھانا رکھ دیا تو آپ رحمۃ اللہ نے فرمایا: اگر حرام غذا کو دیکھ کر حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی تو میرا یہ حال ہے کہ حرام غذا کے سامنے میری ستر رگیں پھڑکنے لگتی ہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء...الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰)

شرح (60): کنز العمال، ج ۳، ص ۴۸، رقم الحدیث ۵۷۰۷

درحقیقت اعمال ظاہری سے مکمل وجامع ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے:

نوم العالم عبادة وسهر الجاهل معصية

''عالم کا سونا عبادت اور جاہل کا جاگنا معصیت ہے۔''(61)

اس کی وجہ یہ ہے کہ سونے اور جاگنے میں جب اس کا باطن مغلوب ہوتا ہے تو ظاہر یعنی جسم بھی مغلوب ہوجاتا ہے اس لیے غلبہ حق سے باطن کا مغلوب ہونا اس نفس سے بہتر ہے جو مجاہدے کے ظاہری حرکتوں پر نفس کا غلبہ حاصل کرلیتا ہے۔

حکایت:

حضرت مجاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن ایک درویش سے فرمایا: کن الله الا فلا تکن خدا کے ہو کے رہو ورنہ خود نہ رہو۔ مطلب یہ کہ حق کے ساتھ باقی رہو اور اپنے وجود سے فانی ہوجاؤ یعنی صفائے باطن کے ساتھ خاطر جمع رہو یا فقر سے پراگندہ۔ گویا اپنی ہستی کو فنا کرکے حق کے ساتھ باقی رہو یا اس صفت پر قائم رہو جیسا کہ خدا نے فرمایا:

اسجدو الادم،(62) ''آدم کے لیے سجدہ کرو۔'' یا اس فرمانِ الٰہی کی صفت بن جاؤ:

شرح (61): بھائیو! یہاں یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ دل کا کھوٹ شیطان کا مکروفریب اور نفس کا خبث اس سے بھی زیادہ پوشیدہ اور دقیق ہوتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ عالم کی دو رکعتیں جاہل کی ایک سال کی عبادت سے افضل ہیں اور اس سے وہ عالم مراد ہے جو اعمال کی باریک ودقیق آفات کی بصیرت رکھتا ہوتا کہ ان آفات سے اپنے اعمال کو صاف کرسکے کیوں کہ جاہل کی نظر ظاہری عبادت پر رہوتی ہے اور اسی سے وہ دھوکہ کھاجاتا ہے جس طرح ایک نادان جو دینار کو دیکھتا ہے کہ سرُخ اور گول ہے حالانکہ وہ کھوٹا اور نکما سا دینار ہوتا ہے جب کہ تھوڑا سا خالص سونا جس کو تجربہ کار شخص پرکھتا ہے اس دینار سے بہتر ہے جس کو غبی اور ناواقف شخص اچھا سمجھتا ہے۔

پس عبادات میں تفاوت کا بھی یہی مسئلہ ہے بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ سخت اور بڑا ہے اور جس قدر آفات اعمال میں داخل ہوتی ہیں وہ بے شمار ہیں لہٰذا ہم نے جو مثال بیان کی ہے اس کو سمجھ لیں کہ سمجھدار آدمی کیلئے تھوڑی سی گفتگو بھی کافی ہے جبکہ بے وقوف کو لمبی چوڑی باتوں سے بھی فائدہ نہیں لہٰذا تفصیل میں جانا بے فائدہ ہے۔

شرح (62): اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

ترجمہ کنزالایمان: آدم کو سجدہ کرو تو (پ ۸، الاعراف: ۱۱)

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (63) کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا جب کہ وہ قابل ذکر شے نہ تھا۔"(64) (الدھر:۱)

لہٰذا اگر تم اپنے اختیار سے حق کے ساتھ ہو گئے تو روز قیامت اپنی خودی کے ساتھ ہو گے اور اگر اپنے اختیار سے حق کے ساتھ نہ ہو گے بلکہ اختیار کو فنا کر دو گے تو قیامت میں حق کے ساتھ ہو گے۔ یہ معنی بہت دقیق ولطیف ہیں۔ واللہ اعلم!

(۱۴) حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ وہ ہیں جو لوگوں سے کنارہ کشی اور حصولِ جاہ و مرتبہ سے بے نیاز ہیں (65) یعنی حضرت ابو سلیمان داؤد ابنِ طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ اکابر مشائخ طریقت اور ساداتِ

شرح (63): هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسٰنِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝

ترجمہ کنزالایمان: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔ (پ ۲۹، الدھر:۱)

شرح (64): پیارے بھائی! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کرو،

چنانچہ غور کرو کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ اپنی نگاہوں کے سامنے دنیا کے جاتے رہنے پر عبرت پکڑو، کیا یہ کسی کے پاس باقی رہی؟ اس دنیا میں سے کچھ باقی رہنا ایسا ہی ہے کہ پانی پانی میں مل جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں سے آزمائشوں اور مصائب کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، ج ۴، ص ۳۸۶، رقم الحدیث ۴۰۳۵، مطبوعۃ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام سے پوچھا گیا، اے انبیاء علیہم السلام میں سے سب سے طویل عمر پانے والے نبی! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ ارشاد فرمایا، دو دروازوں کی مثل، ایک سے میں داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکل گیا۔

غور و فکر کرنا ہر بھلائی کی جڑ ہے، یہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تجھے تیری اچھائیاں اور برائیاں دکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے شکر، اس کی مدد، اس کی بہترین توفیق کے ساتھ یہ گفتگو تمام ہوئی، خدائے وحدہ لاشریک لہ کا شکر ہے۔

شرح (65): امام داؤد طائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م 160ھ)

امام ربانی امام حدیث ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی الکوفی، محدث ثقہ، زاہد اعلم، افضل واورع زمانہ تھے، ضروری علوم حاصل کرنے کے بعد امام اعمش اور ابن ابی لیلیٰ سے حدیث پڑھی، پھر امام اعظم کی خدمت میں باریاب ہوئے، بیس برس تک ان سے استفادہ کرتے رہے اور ان کے کبار اصحاب و شرکاء (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل تصوف میں اپنے عہد کے بے نظیر تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر اور حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ تمام علوم میں کمالِ مہارت اور علم فقہ میں فقیہ الفقہا کہلاتے تھے۔ گوشہ نشینی اختیار کر کے ہر جاہ و مرتبہ سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ کمالِ زہد و تقوی کے مالک تھے آپ کے فضائل و مناقب اور معاملات عالم میں بہت مشہور ہیں حقائق و معرفت میں کامل دسترس حاصل تھی آپ نے ایک مرید سے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تدوین فقہ میں سے یہ بھی ایک ہیں۔ بعض اوقات صاحبین کے اختلاف کو اپنی رائے صائب سے فیصلہ کر کے ختم کر دیتے تھے، امام ابو یوسف سے بوجہ قبول قضا اپنی غایت زہد و استغناء کے باعث کچھ ناراض رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے استاذ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تازیانے کھا کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرا لیا مگر قضا کو قبول نہ کیا اس لئے ہمیں بھی ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ابن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں، امام یحییٰ بن معین وغیرہ نے آپ کی توثیق کی اور نسائی میں آپ سے روایت کی گئی ہے۔

محدث محارب بن دثار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ پہلی امتوں میں ہوتے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتے، محدث ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ داؤد فقہاء میں سے تھے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر رہا کرتے تھے، پھر رات دن عبادت میں صرف کرنے لگے تھے .آپ کو ورثہ میں بیس اشرفیاں ملیں تھیں جن سے بیس سال گزر کی اور وفات پائی، کبھی کسی بھائی، دوست یا بادشاہ کا عطیہ قبول نہیں کیا، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بس دنیا سے اتنا ہی سروکار رکھنا چاہئے جتنا داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا، روٹی کو پانی میں بھگو دیتے تھے جب وہ گھل جاتی تو اس کو شربت کی طرح پی لیتے اور فرماتے کہ جب تک میں روٹی کو ایک ایک لقمہ کر کے کھاؤں اتنے عرصہ میں پچاس آیات قرآن مجید کی پڑھ سکتا ہوں لہذا روٹی کھانے میں عمر کیوں ضائع کروں؟

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہُت بڑے ولیُ اللہ بلکہ قُطبُ الاُ قطاب شُمار کئے جاتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیّدُ نا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اَجلّہ تَلامِذہ (یعنی بُلند پایہ شاگردوں) میں سے ایک تھے۔ مُحرِّرِ مذہب حضرتِ سیّدُ نا امام محمد علیہ رَحمۃُ اللہِ الاُحد مُشکِل اِجتہادی مسائل کے حل کیلئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے۔ عبادت و تِلاوت کی خوب کثرت فرماتے تھے۔

ان اردت السلامة سلم علی الدنیا وان اردت الکرامة کبر علی الآخرة "اے فرزند اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو چھوڑ دے اور اگر بزرگی چاہتا ہے تو آخرت کے انعام و اکرام کی خواہشوں کے گلے پر چھری پھیر دے۔"

کیونکہ یہ دونوں مقام حجاب کے ہیں اور تمام خواہشیں انہی دونوں چیزوں میں مستور ہیں جو شخص جسم سے فارغ ہونا چاہے اس سے کہو کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے اور جو شخص روح سے فراغت چاہے اس سے کہو کہ آخرت کی خواہش کو دل سے نکال دے۔

آپ حضرت محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بکثرت رہا کرتے تھے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قریب تک نہ پھٹکتے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا یہ دونوں شخص بہت بڑے عالم ہیں کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو آپ عزیز رکھتے ہیں اور دوسرے کو قریب تک نہیں آنے دیتے؟ آپ نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ حضرت امام محمد بن حسن نے دنیاوی مال دے کر علم حاصل کیا ہے اور ان کا علم، دین کی عزت اور دنیا کی ذلت کا موجب ہے اور امام ابو یوسف نے درویشی و مسکینی دے کر علم حاصل کیا اور اپنے علم کو عزت و منزلت کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے امام محمد ابن حسن ان کے ہم پلہ نہیں ہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد طائی کی مانند دنیا کو حقیر و کم تر جاننے والا کسی کو بھی نہیں دیکھا (66) اس لیے کہ وہ دنیا اور اہلِ دنیا کو ذلیل و حقیر جانتے اور فقراء کو چشم کمال سے دیکھتے تھے اگرچہ وہ پر آفت ہو آپ کے مناقب بکثرت ہیں۔ واللہ اعلم!

شرح (66): حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا توکّل و نفس کشی

امام داؤد طائی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام نے جب دیکھا کہ ان کی دنیا کی طرف توجہ نہیں ان کو سب سے الگ کر کے پڑھانا شروع کیا، ایک دن تنہائی میں فرمایا: اے داؤد! آلہ تیار کر لیا مقصود کس دن حاصل کرو گے؟ ایک سال درس میں حاضر رہے، یہ ریاضت کہ طلباء آپس میں مذاکرہ کرتے ان کو آفتاب سے زیادہ وجہیں روشن معلوم ہوتیں۔ نفس بولنا چاہتا مگر یہ چپ رہتے غرض ایک سال کامل سکوت فرمایا۔ جب ان کے والد ماجد کا انتقال ہوا، کچھ درہم اور ایک مکان ورثہ میں ملا۔ وہ درہم عمر بھر کے لیے کافی ہوئے، اور مکان کے ایک درجے میں بیٹھا کرتے جب وہ گر گیا، دوسرے میں بیٹھنا شروع کیا۔ جب وہ اس قابل نہ رہا تو اور درجے میں ادھر ان کی روح نے پرواز کیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۵) حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، شیخ اہل طریقت، منقطع از جملہ علائق، حضرت ابوالحسن بن مغلس السقطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے۔ (67) تصوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ادھر بعض صالحین نے خواب میں دیکھا کہ داؤد طائی نہایت خوشی کے ساتھ ہشاش بشاش دوڑے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی آپ کو اس حالت میں نہ دیکھا تھا۔ پوچھا کیا ہے، کیوں دوڑے جاتے ہو! فرمایا ابھی جیل خانہ سے چھوٹا ہوں۔ خبر پائی کہ وہی وقت انتقال کا تھا۔

(الرسالۃ القشیریۃ، ص ۳۴، ۳۵، ملخصًا)

شرح (67): حضرت سیّدنا سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے 10ویں شیخ ہیں۔ آپ کی پیدائش تقریباً ۱۵۵ھ میں بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام سرُّ الدین اور کنیت ابوالحسن ہے اور سری سقطی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدِ گرامی کا نام حضرت مغلس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھا۔

ولی کی دعا کی تاثیر

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ابتدائے حال طریقت سے کچھ آگاہ فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا گزر میری دُکان سے ہوا۔ میں نے انہیں روٹی کے کچھ ٹکڑے پیش کئے تاکہ فقراء میں تقسیم فرمادیں اس وقت انہوں نے مجھے دعا دی: خدا تجھے نیکی کی توفیق دے۔ اسی دن سے اپنی دنیا کو سنوارنے کا خیال میرے دل سے جاتا رہا۔ آپ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے اور انہیں سے علوم ظاہر و باطن اکتساب فرمایا۔

آپ کی وصیت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ آپ کے بھانجے تھے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار ہو گئے تو میں آپ کی عیادت کو گیا۔ آپ کے پاس ہی ایک پنکھا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا لیا اور آپ کو جھلنے لگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنید! اسے رکھ دو کیونکہ آگ ہوا سے زیادہ تیز اور روشن ہوتی ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی کیا حالت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (یعنی وہ غلام جسے کسی کام کا اختیار نہیں ہوتا)، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے تمام علوم میں آپ کی بڑی عظمت و شان تھی سب سے پہلے جس نے باطنی مقامات کی ترتیب اور بسط احوال میں غور و خوض کیا ہے وہ آپ ہی تھے عراق کے بکثرت مشائخ آپ کے مرید تھے آپ نے حضرت حبیب راعی کو دیکھا اور ان کی صحبت پائی اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمائیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مخلوق کی صحبت کی وجہ سے خالق عَزَّ وَجَلَّ سے غافل نہ ہونا۔ (الروض الفائق ۱۱۶)

وصال آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ۱۳ رمضان المبارک ۲۵۳ھ بروز منگل صبح صادق کے وقت 98 برس کی عمر میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف بغداد میں مقام شونیز میں ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی اِن پر رحمت ہو اور اِن کے صدقے ہماری مغفرت ہو شرابی کو نمازی بنا دیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ ایک شرابی کو دیکھا جو نشے کی حالت میں مدہوش زمین پر گرا ہوا تھا اور اسی نشے کی حالت میں اللہ، اللہ کہہ رہا تھا۔ آپ نے اس کا منہ پانی سے صاف کیا اور فرمایا کہ اس بے خبر کو کیا خبر کہ ناپاک منہ سے کس ذات کا نام لے رہا ہے؟ آپ کے جانے کے بعد جب شرابی ہوش میں آیا تو لوگوں نے اس کو بتایا کہ تمہاری بے ہوشی کی حالت میں تمہارے پاس حضرت سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی تشریف لائے تھے اور تمہارا منہ دھو کر چلے گئے ہیں۔ شرابی یہ سن کر بہت ہی شرمندہ ہوا اور شرم وندامت سے رونے لگا اور نفس کو ملامت کر کے بولا: اے بے شرم! اب تو حضرت سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی بھی تم کو اس حالت میں دیکھ کر چلے گئے ہیں، خدا سے ڈر اور آئندہ کے لئے توبہ کر۔ رات میں حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ندائے غیبی سنی کہ اے سری سقطی! تم نے ہمارے لئے شرابی کا منہ دھویا ہے ہم نے تمہاری خاطر اس کا دل دھو دیا۔ جب حضرت نماز تہجد کے لئے مسجد میں گئے تو اس شرابی کو تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ آپ علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے اندر یہ انقلاب کیسے آگیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ آپ مجھ سے کیوں دریافت فرما رہے ہیں جبکہ خود آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ فرما دیا ہے۔ (الروض الفائق، ص ۲۴۴)

حضرت سیّدنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی فرماتے ہیں کہ میں حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے دل کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے خوف اور عشقِ الٰہی نے جلا دیا تھا۔ میں نے عرض کی: اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ شعر پڑھا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ بغداد کے بازار میں سقط (کباڑ) فروشی کرتے تھے۔ کسی وجہ سے جب بغداد کا یہ بازار جل گیا تو لوگوں نے خبر دی کہ آپ کی دوکان بھی جل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس کی فکر سے آزاد ہو گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ ان کی دوکان محفوظ ہے اور اس کے اردگرد کی تمام دوکانیں جل گئی ہیں تو آپ کو اس کی خبر دی آپ دکان پر تشریف اسے سلامت دیکھ کر اس کا تمام مال و اسباب فقراء میں تقسیم کر دیا اور تصوف کی راہ اختیار کر لی۔

لوگوں نے جب ابتدائے حال کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ایک دن حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ میری دوکان کے آگے سے گزرے تو میں نے روٹی کا ٹکڑا انہیں دیا جس طرح تمام فقیروں کو دیا جاتا ہے۔ انہوں نے مجھے یہ دُعا دی کہ خیرك اللہ یعنی اللہ تجھے خیر کی توفیق دے۔ جب سے میرے کان نے یہ دعا سنی ہے میں دنیاوی مال سے بے زار ہو گیا اور اس سے نجات پانے کی تدبیر کرنے لگا۔

آپ یہ دعا بکثرت مانگا کرتے تھے: **اللھم مھما عذبتنی بہ من شی فلا تعذبنی بذل الحجاب** خدایا جب کبھی تو مجھے کسی چیز کا عذاب دینا چاہے تو مجھے حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا(68) اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کَیْفَ اَشْکُوْ اِلٰی طَبِیْبِیْ مَابِیْ وَالَّذِیْ بِیْ اَصَابَنِیْ مِنْ طَبِیْبِیْ

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔ میں اپنے طبیب سے اس بیماری کی شکایت کیسے کروں جس میں اس نے خود ہی مجھے مبتلا کیا ہے۔

پھر میں نے پنکھا لیا تا کہ آپ کو ہوا دوں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: پنکھے کی ہوا اس شخص کو کیسے راحت پہنچائے گی جس کا دل جل رہا ہو؟ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

دل جل رہا ہے، آنسو بہہ رہے ہیں، غم جمع ہو رہے ہیں اور صبر ٹوٹ رہا ہے۔ اس شخص کو کیسے اطمینان آئے جس کے لئے راحت وسکون کی کوئی جگہ ہی نہ ہو کیونکہ وہ تو بے چینی واضطراب اور عشقِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں گرفتار ہے۔

پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر الٰہی عَزَّوَجَلَّ کرتے ہوئے داعیٔ اَجَل کو لبیک کہا اور اس دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔

شرح (68): حجاب کی ذلت کا عذاب

پیارے بھائیو! اس مقام پر امام غزالی علیہ الرحمۃ بُرے خاتمے کو سمجھانے کیلئے کچھ اس طرح رقم طراز ہیں۔ برے خاتمے کے دو مرتبے ہیں ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیے کہ جب میں حجاب میں نہ ہوں گا تو تیرا عذاب و بلا میرے لیے تیرے ذکر و مشاہدے کا ذریعہ آسان ہو جائے گا اور جب میں حجاب میں ہوں گا تو اس حجاب کی ذلت میں تیری یہ نعمتیں ہی مجھے ہلاک کر دیں گی۔ معلوم ہوا کہ جو بلا مشاہدے کی حالت میں واقع ہوتی ہے وہ بلا نہیں ہوتی لیکن وہ نعمت جو حجاب کی حالت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بڑا رتبہ:

بڑا اور پریشان کن رتبہ یہ ہے کہ موت کی سختیوں اور اس کی ہولناکیوں کے ظہور کے وقت شک یا انکار پایا جائے اور اسی انکار یا شک کے غلبہ کی حالت میں روح قبض ہو اور اس انکار کی وجہ سے جو دل پر غالب ہو گیا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حجاب دائمی بعد اور ہمیشہ کے عذاب کا باعث بن جاتا ہے۔

چھوٹا رتبہ:

برے خاتمہ کا دوسرا مرتبہ پہلے سے کم ہے اور وہ موت کے وقت دل پر امور دنیا میں سے کسی امر کی محبت یا کسی خواہش کا غالب آنا ہے اب یہ بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اسے گھیر لیتی ہے حتی کہ اس حالت میں کسی دوسری چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے اور اسی حالت میں روح پرواز کر جاتی ہے اب اس کے دل کا استغراق یوں ہوتا ہے کہ اس کا دل دنیا کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے اور اس کا رخ بھی ادھر ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخ پھر جائے تو حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور جب حجاب پیدا ہو تو عذاب نازل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جلانے والی آگ انہی لوگوں کو پکڑتی ہے جو اس سے پردے میں ہوتے ہیں لیکن وہ مومن جس کا دل دنیا کی محبت سے محفوظ ہو اور اس کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس سے جہنم کی آگ کہتی ہے اے مومن! دور ہو جا تیرے نور نے میری لپٹ کو بجھا دیا ہے۔

چنانچہ جب روح کا قبض ہونا ایسی حالت میں ہو کہ اس پر دنیا کی محبت غالب ہو تو معاملہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ آدمی اسی حالت پر مرتا ہے جس پر وہ زندہ تھا اور موت کے بعد دل میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی آنا ممکن نہیں کیونکہ دل بدلنا اعضاء کے عمل کے ذریعے ہوتا ہے اور جب موت کے ذریعے اعضاء ساکت ہو گئے تو اعمال بھی رک گئے لہٰذا اب کسی عمل کی گنجائش باقی نہیں اور دنیا میں واپسی کی بھی کوئی امید نہیں لہٰذا اس وقت بہت زیادہ حسرت ہوتی ہے۔

البتہ جب اصل ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت ایک طویل مدت تک دل میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ہو وہ ابتلا ہے۔ دوزخ میں حجاب سے بڑھ کر کوئی عذاب شدید و سخت تر نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر دوزخ میں دوزخی، اللہ تعالیٰ کے مشاہدے اور مکاشفہ میں ہوں تو گناہ گار مسلمان جنت کو ہرگز یاد نہ کرتے اسلئے کہ دیدار الٰہی جسموں میں خوشی و مسرت کی ایسی لہر دوڑا دیتا ہے کہ جسم پر بلاؤ عذاب کا ہوش ہی نہیں رہتا اور جنت میں کشف و مشاہدہ الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں بلکہ اس سے مزید سوگنا نعمتیں میسر ہوں لیکن حق تعالیٰ کے مشاہدے سے حجاب میں ہوں تو یہ ان کے دلوں کے لیے موجب ہلاکت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور محبوبوں کے دلوں کو ہر حال میں بینا رکھتا ہے تاکہ وہ تمام بشری مشقت و ریاضت کو برداشت کرسکیں ایسی حالت میں یقیناً ان کی دعا یہی ہونی چاہیے کہ تیرے حجاب کے مقابلہ میں ہر قسم کا عذاب پیارا ہے جب تک ہمارے دلوں پر تیرا جمال ظاہر و منکشف ہے۔ بلاؤ ابتلاء کا کوئی اندیشہ نہیں۔ واللہ اعلم!

(۱۶) حضرت شفیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، سرِ فہرست اہل بلا و بلوٰی، مایۂ زہد و تقوٰی حضرت ابوعلی شفیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ صوفیاء کرام کے مقتداء اور رہنما اور جملہ علومِ شرعیہ کے عالم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) راسخ ہو چکی ہو اور اچھے اعمال کے ساتھ پکی ہوگئی ہو تو وہ موت کے وقت پیش آنے والی اس حالت کو مٹا دیتی ہے اگر اس کا ایمان ایک مثقال کے برابر بھی ہو تو وہ بھی اس کو جلد ہی آگ سے نکال دیتا ہے اور اگر اس سے کم ہو تو وہ جہنم میں زیادہ مدت تک ٹھہرتا ہے اور اگر دانے کے برابر بھی ہو تو وہ اسے ضرور بضرور جہنم سے نکالے گا اگرچہ کئی ہزار سال کے بعد ہو۔

بھائیو! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ موت کے فوراً بعد آگ اس تک پہنچ جائے تو اسے قیامت تک مؤخر کرنے اور طویل عرصہ تک مہلت دینے کا کیا فائدہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اُسے عذاب قبر دینے کیلئے اتنی مہلت دی جاتی ہے اور جو شخص عذاب قبر کا منکر ہے وہ بدعتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور سے پردے میں ہے بلکہ نورِ قرآن اور نورِ ایمان سے بھی حجاب میں ہے کیونکہ اصحابِ بصیرت کے نزدیک صحیح بات وہ ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ وہ یہ ہے۔

اور حقیقت ومعرفت کی دانا تھے۔ (69) علم تصوف میں آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ بکثرت مشائخ عظام سے ملاقات کی اور ان کی مجالس میں حاضر رہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

شرح (69): تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

آپ کو حضرت موسیٰ کاظم کی صحبت بھی نصیب ہوئی جیسا کہ حضرت سیدنا شفیق بن ابراہیم بلخی علیہما رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں حج کے اِرادے سے سفر پر روانہ ہوا۔ مقام قادسیہ میں ہمارا قافلہ ٹھہرا۔ وہاں اور بھی بہت سے عازمینِ حرمین شریفین موجود تھے، بہت سہانا منظر تھا، بہت سے حجاج کرام وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ یہ خوش قسمت لوگ سفر وہجر کی صعوبتیں برداشت کر کے اپنے رب عزوجل کی رضا کی خاطر حج کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے پروردگار عزوجل! یہ تیرے بندوں کا لشکر ہے، انہیں ناکام نہ لوٹا بلکہ حج قبول فرماتے ہوئے کامیابی کی دولت سے ہمکنار فرما۔

دعا کے بعد میری نظر ایک نوجوان پر پڑی جس کے گندمی رنگ میں ایسی نورانیت تھی کہ نظریں اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ اس نے اُون کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور سر پر عمامہ سجایا ہوا تھا۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دل میں شیطانی وسوسہ آیا کہ یہ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں اور اسے اپنے قافلے کے ساتھ حج کے لئے لے جائیں۔ یہ خیال آتے ہی میں نے دل میں کہا: اللہ عزوجل کی قسم! میں ضرور اس کی نگرانی کروں گا اور اسے ملامت کروں گا کہ اس طرح کا بناوٹی انداز درست نہیں۔ چنانچہ میں اس نوجوان کے قریب گیا جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا، اس نے میری طرف دیکھا اور میرا نام لے کر کہا: اے شفیق (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! اور یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کرنے لگا:

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

ترجمہ کنزالایمان: بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔ (پ26 الحجرات: 12)

اتنا کہنے کے بعد وہ پُراسرار نوجوان مجھے وہیں چھوڑ کر رخصت ہو گیا، میں نے اپنے دل میں کہا: یہ تو بہت حیران کن بات ہے کہ اس نوجوان نے میرے دل کی بات جان لی اور مجھے میرا نام لے کر پکارا حالانکہ میری کبھی بھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ ضرور اللہ عزوجل کا مقبول بندہ ہے میں نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جعل اللہ اھل طاعۃ احیاء فی مماتھم واھل المعاصی امواتا فی حیوتھم ''اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبرداروں کی موت کو بھی زندگی قرار دی ہے اور نافرمانوں کی زندگی کو مردہ قرار دیا ہے۔''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خواہ مخواہ اس کے بارے میں بدگمانی کی، میں ضرور اس نوجوان سے ملاقات کروں گا اور معذرت کروں گا۔ چنانچہ میں اس نوجوان کے پیچھے ہولیا لیکن کافی تگ ودو کے بعد بھی میں اسے نہ ڈھونڈ سکا۔

پھر ہمارے قافلے نے مقام واقصہ میں قیام کیا وہاں میں نے اس نوجوان کو حالتِ نماز میں پایا۔ اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھے۔ میں نے اسے پہچان لیا اور اس کے قریب گیا تا کہ اس سے معذرت کروں، وہ نوجوان نماز میں مشغول تھا۔ میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا نماز سے فراغت کے بعد وہ میری جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اے شفیق! یہ آیت پڑھو:

وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰی O

ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا۔ (پ16 طٰہٰ:82)

اِتنا کہنے کے بعد وہ نوجوان پھر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ میں نے کہا: یہ نوجوان ضرور اَبدالوں میں سے ہے۔ دو مرتبہ اس نے میرے دل کی باتوں کو جان لیا اور مجھے میرے نام کے ساتھ مخاطب کیا۔ میں اس نوجوان سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا تھا۔

پھر جب ہمارے قافلے نے مقام ربال میں پڑاؤ کیا تو وہی نوجوان مجھے ایک کنوئیں کے پاس نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا تھا اور وہ کنوئیں سے پانی نکالنا چاہتا تھا۔ اچانک اس کے ہاتھ سے وہ تھیلا چھوٹ کر کنوئیں میں گر گیا، اس نوجوان نے آسمان کی جانب نظر اٹھائی اور عرض کی: اے میرے پروردگار عزوجل! جب مجھے پیاس ستاتی ہے تو تُو ہی میری پیاس بجھاتا ہے، جب مجھے بھوک لگتی ہے تو تُو ہی مجھے کھانا عطا فرماتا ہے، میری اُمید گاہ بس تُو ہی تُو ہے، اے میرے پروردگار عزوجل! میرے پاس اس تھیلے کے سوا اور کوئی شے نہیں، مجھے میرا تھیلا واپس لوٹا دے۔

حضرت سیدنا شفیق بلخی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی قسم! ابھی اس نوجوان کے یہ کلمات ختم ہی ہوئے تھے کہ کنوئیں کا پانی اُوپر آنا شروع ہو گیا۔ اس نوجوان نے اپنا ہاتھ بڑھایا، آسانی سے تھیلا نکالا اور اسے پانی سے بھر لیا کنوئیں کا پانی واپس نیچے چلا گیا۔ نوجوان نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی مطیع اگر چہ مردہ ہو مگر زندہ ہے کیونکہ فرشتے ان کی اطاعت پر قیامت تک آفریں کہتے رہتے ہیں اور ان کا اجر و ثواب بڑھتا رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ موت کی فنا کے بعد بھی بقا کے ساتھ وہ باقی ہیں اور اجر و ثواب لیتے رہیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نماز سے فراغت کے بعد وہ ایک ریت کے ٹیلے کی طرف گیا۔ میں بھی چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا۔ وہاں جا کر اس نے ریت اٹھائی اور اس تھیلے میں ڈالنے لگا پھر تھیلے کو ہلایا اور اس میں موجود ریت ملے ہوئے پانی کو پینے لگا۔ میں اس کے قریب گیا اور سلام عرض کیا۔ اس نے جواب دیا۔

پھر میں نے کہا: اے نیک سیرت نوجوان! جو رزق اللہ عزوجل نے تجھے عطا کیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی عطا کر۔ یہ سن کر اس نوجوان نے کہا: اللہ عزوجل اپنے بندوں پر ہر وقت فضل و کرم فرماتا رہتا ہے، کوئی آن ایسی نہیں گزرتی جس میں وہ پاک پروردگار عزوجل اپنے بندوں پر نعمتیں نازل نہ فرماتا ہو، اے شفیق! اپنے رب عزوجل سے ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہے۔ اِتنا کہنے کے بعد اس نوجوان نے وہ چمڑے کا تھیلا میری طرف بڑھایا جیسے ہی میں نے اس میں سے پیا تو وہ شکر اور خالص ستو ملا ہوا بہترین پانی تھا۔ ایسا خوش ذائقہ پانی میں نے آج تک نہ پیا تھا، میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

میں حیران تھا کہ ابھی میرے سامنے اس تھیلے میں ریت ڈالی گئی ہے لیکن اس نوجوان کی برکت سے وہ ریت ستو اور شکر میں بدل گئی ہے، وہ پانی پینے کے بعد کئی دن تک مجھے پانی اور کھانے کی طلب نہ ہوئی۔

پھر ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا وہاں میں نے اسی نوجوان کو ایک کونے میں آدھی رات کو نماز کی حالت میں دیکھا۔ وہ بڑے خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا تھا، آنکھوں سے سیلِ اَشک رواں تھا۔ اس نے اسی طرح نماز کی حالت میں ساری رات گزار دی پھر جب فجر کا وقت ہوا تو وہ اپنے مصلّے پر ہی بیٹھ گیا اور اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کرنے لگا، فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے طواف کیا اور ایک جانب چل دیا میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اس مرتبہ میری نظروں کے سامنے ایک حیران کُن منظر تھا، اس نوجوان کے اِرد گرد کئی خُدام ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور لوگ جوق در جوق اس کی دست بوسی اور سلام کے لئے حاضر ہو رہے تھے۔ میں یہ حالت دیکھ کر حیران و پریشان کھڑا تھا۔

پھر میں نے ایک شخص سے پوچھا: یہ عظیم نوجوان کون ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ حضرت سیدنا موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضوان اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ میں نے کہا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک بوڑھا شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا! اے شیخ میں بہت گناہ گار ہوں توبہ کے قصد سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم دیر سے آئے ہو۔ بوڑھے نے کہا نہیں جلدی ہی آیا ہوں۔ فرمایا وہ کیسے؟ اس نے کہا جو شخص مرنے سے پہلے چاہے کچھ دیر سے ہی پہنچے جلد ہی آتا ہے۔

آپ کی توبہ کا ابتدائی واقعہ یہ ہے کہ ایک سال بلخ میں شدید قحط پڑا لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے سب لوگ غمزدہ اور پریشان حال تھے ایک غلام کو دیکھا کہ بازار میں ہنستا اور خوشی مناتا پھر رہا تھا لوگوں نے اس سے کہا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ہنسی خوشی پھر رہا ہے جبکہ تمام مسلمان غمزدہ اور پریشان حال ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے کوئی غم واندیشہ نہیں ہے میں اس کا غلام ہوں جو اس شہر کا مالک ہے اس نے میرے دل سے ہر پریشانی کو دور کر دیا ہے۔ حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے غلام کی یہ بات گوشِ دل سے سن کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے خدا! یہ غلام جس کا آقا صرف ایک شہر کا مالک ہے وہ اس قدر خوش ہے تو تُو مالک الملک ہے اور ہمارے رزق کا ضامن پھر بھلا ہم اس قدر فکر مند اور پریشان کیوں ہیں؟ اس خیال کے آتے ہی آپ نے دنیاوی مشاغل سے منہ موڑ لیا اور راہِ حق میں لگ گئے پھر کبھی روزی کا فکر و غم نہ کیا۔ آپ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ میں اس غلام کا شاگرد ہوں اور جو کچھ میں نے پایا ہے اسی سے پایا ہے آپ کا یہ کہنا ازراہِ تواضع تھا۔ آپ کے مناقب بہت مشہور ہیں۔ (70)

(۱۷) حضرت عبدالرحمٰن عطیہ درانی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، اپنے وقت کے شیخ، راہِ حق میں یگانہ حضرت ابوسلیمان عبدالرحمٰن عطیہ درانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (71) آپ صوفیاء کے محبوب ان کے دلوں کے پھول تھے۔ آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اتنی کرامات کا ظاہر ہونا اس سید زادے کی شان کے لائق ہے، یہی وہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ عزوجل اتنی کرامات سے نوازتا ہے۔ (عُیُوْنُ الحِکَایَات صفحہ ۲۳۸)

شرح (70): حضرت شفیق بن ابراہیم ازدی ۱۹۴ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (71): اتباع تابعین کے زمرہ میں جہاں علم وفن کے بہت بڑے نام شامل ہیں وہیں بکثرت ایسے صاحب کمال بزرگ بھی تھے جو علمی اعتبار سے خواہ زیادہ بلند مرتبہ نہ ہوں، لیکن زہد واتقا، رشد وہدایت اور بلند روحانی مدارج میں غیر معمولی حیثیت کے مالک تھے، عملِ صالح ان کی شخصیت کا زیور اور عبادت وریاضت ان کا طغرائے امتیاز تھا، ابوسلیمان الدارانی کا شمار ایسے ہی صلحائے امت میں کیا جاتا ہے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے شدید ریاضت و مجاہدے کئے، علمِ وقت کے عالم، آفاتِ نفس اور اس کی گھاتوں کی معرفت سے باخبر تھے۔ سلوک میں آپ کے اقوال لطیف ہیں۔ آپ نے دلوں کی حفاظت اور اعضاء کی نگہداشت کے بارے میں بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

اذا غلب الرجاء علی الخوف فسد الوقت۔

"جب خوف پر امید غالب آ جاتی ہے تو وقت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔"

اس لیے کہ وقت حال کا نگہبان ہوتا ہے جب تک بندہ حال کی رعایت کرتا ہے تو اس کا خوف دل پر غالب رہتا ہے اور جب وہ خوف جاتا رہتا ہے تو وہ رعایت کو ترک کر کے اپنے وقت میں خلل انداز ہو جاتا ہے اگر امید پر خوف کو غالب کرے تو اس کی توحید باطل ہوتی ہے کیونکہ خوف کا غلبہ، ناامیدی اور مایوسی سے ہوتا ہے اور حق تعالیٰ سے مایوس و ناامید ہونا شرک ہے لہٰذا توحید کا تحفظ، امید کی صحت پر موقوف ہے اور وقت کا تحفظ، اس کے خوف کے تحفظ میں، جب دونوں برابر ہوں گے تو توحید اور وقت دونوں محفوظ رہیں گے۔ توحید کی حفاظت سے بندہ مومن بنتا ہے اور وقت کی حفاظت سے بندہ مطیع ہو جاتا ہے اس کا تعلق خاص مشاہدے سے ہے اسی میں مکمل اعتماد و بھروسہ ہے اور خوف کا تعلق خاص مجاہدے سے ہے کہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ یقیناً علم و فضل میں بھی بلند مرتبہ اور مقامِ عالی رکھتے تھے، لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ ایک عظیم المرتبت صوفی شیخِ طریقت اور بزرگ دین کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، ان کا سینہ شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھا، انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو مستفید کیا۔

ان کی وفات سے تمام مسلمانوں کو شدید رنج و غم ہوا۔ قریہ داریا میں تدفین ہوئی اور وہاں ان کا مزار آج بھی مرجع انام ہے، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: "ان کے مزار کی عمارت بہت شاندار ہے، امیر ناہض الدین بن عمر النہروانی نے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، مزید برآں اس میں قیام کرنے والوں کے مصارف کے لئے کچھ زمین بھی وقف کی جس کی پیداوار اور آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے"۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۵۹/۱۰) ان کی اولاد میں شیخ سلیمان کا تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے وہ بھی اپنے وقت کے مشہور عابد و زاہد تھے، اپنے والد کی طرح انہوں نے بھی ہدایت و ارشاد کی مجلس آراستہ کی تھی، اس میں شریک ہو کر بہ کثرت تشنگان معرفت سیراب ہوتے تھے ان کے حقیقت افروز اقوال بھی ابوسلیمان ہی کے مذکورۃ الصدر ملفوظات کے رنگ کے ہوتے تھے، اپنے والد کی وفات کے دو سال ایک ماہ بعد ۲۱۵ھ میں رحلت فرمائی۔

میں مکمل اضطراب و پریشانی ہے۔ مشاہدہ مجاہدے کی میراث ہے اور یہ وہ مراد ہے کہ سب امیدیں ناامیدی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جو شخص اپنے عمل کے سبب اپنی نجات سے ناامید ہو تو ایسی ناامیدی حق تعالیٰ کی جانب سے اسے نجات کا ثمرہ دے گی اور اسے ایسی راہ دکھائے گی جس سے خوشی کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کا دل طبعی آفتوں سے محفوظ رہے گا اور تمام اسرار منکشف ہو جائیں گے۔

حضرت احمد بن الحواری (72) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات تنہائی میں نماز پڑھی۔ مجھے اس میں بڑا سرور و لطف آیا دوسرے دن اس کا تذکرہ، حضرت ابو سلیمان سے کیا۔ آپ نے فرمایا تم ابھی کمزور ہو کیونکہ تمہارے دل میں ابھی تک لوگوں کا خیال موجود ہے اسی وجہ سے خلوت میں تمہاری اور حالت ہوتی ہے اور ظاہر میں کچھ اور حالانکہ دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہ ہونا چاہیے بندے کے لیے کوئی چیز حق تعالیٰ سے حجاب کا موجب نہ بنے۔ کیونکہ دولھا کی مجمع عام میں جلوہ نمائی کرائی جاتی ہے تاکہ خاص و عام کی نظر دولھا پر پڑھے اس نمائش میں دولھا کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ (یہی حال عارف باللہ کا ہوتا ہے) لیکن عارف باللہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اپنے مقصود حقیقی کے سوا کسی اور طرف نظر ڈالے، کیونکہ غیر کی طرف نظر اٹھانا اس کی ذلت کا موجب ہے اگر ساری مخلوق اس مطیع عارف باللہ کی کیفیت کو دیکھے تو اس کی عزت میں فرق نہیں آتا لیکن اگر وہ عارف اپنی عزت کی طرف نظر ڈالے اور اپنے وجود کو دیکھنے لگے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ۔

(۱۸) حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، متعلق درگاہِ رضا، پروردہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن موسیٰ رضا، ابوالمحفوظ حضرت معروف بن کرخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (73) آپ متقدمین سادات مشائخ میں سے

شرح (72): احمد بن ابی الحواری امام ابن ماجہ کے اساتذہ میں سے ہیں آپ کا وصال ۲۳۰ ہجری میں ہوا۔

شرح (73): آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نامِ نامی، اسمِ گرامی معروف علیہ رحمۃ اللہ الرءوف اور کنیت ابو محفوظ ہے، والدِ ماجد کا نام مبارک فیروز ہے۔ (بعض نے فَیرُزان لکھا ہے) بغداد کے علاقے کرخ کی نسبت سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کرخی کہلاتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدین عیسائی تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھلائی کی صفت سے متصف تھے، بچپن ہی سے مسلمان بچوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھا کرتے اور والدین کو دعوتِ اسلام پیش کرتے رہتے لیکن وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ڈانٹتے ہوئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھے۔ جوانمردی، انکساری اور ورع وتقویٰ میں معروف وزبان زد تھے آپ کا تذکرہ پہلے آنا چاہئے تھا لیکن دو بزرگوں کی موافقت کی وجہ سے موخر ہوگیا ان میں سے ایک تو صاحبِ نقل ہیں اور دوسرے صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اُلجھ پڑتے۔ ایک دن انہوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عیسائی مذہب کی تعلیم سیکھنے کے لئے ایک پادری کے سپرد کر دیا۔ اس نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سامنے بٹھایا اور پوچھا: اے بیٹے! تم، تمہارا باپ اور تمہاری ماں تینوں مل کر کتنے ہوئے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، تین۔ تو کہنے لگا، اب کہو! خدا تین ہیں۔ فوراً صدائے غیرت بلند ہوئی: اللہ واحد عَزَّ وَجَلَّ کے سوا کسی کا ذکر کرنے سے بچ کہ کہیں تو حیرت کے گڑھے میں نہ جا پڑے اور خدائے اَحد عَزَّ وَجَلَّ سے کسی دوسرے کی طرف تجاوز کرنے سے بچ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے ہجر و فراق کے کوڑے مارے جائیں۔ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی فرماتے ہیں: مجھے وہ آواز بہت پسند آئی۔ پھر میرے سامنے سے حجاب اٹھا دیئے گئے اور میں نے محبت واخلاص کا جام دیکھا، جس کی ایک طرف قبولیت واختصاص کے قلم سے لکھا تھا:

(1) وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ (پ2، البقرۃ:163)

اور دوسری جانب لکھا تھا:

(2) لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ترجمۂ کنز الایمان: دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے۔ (پ14 النحل:51)

اور تیسری سمت لکھا تھا:

(3) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا۔ (پ6، المائدہ:73)

جبکہ چوتھی طرف لکھا تھا:

(4) اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری بندگی کر۔

(پ16 طٰہٰ:14) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تصرف یعنی ایک بزرگ تو شیخ مبارک ابوعبدالرحمن سلمٰی ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں اسی ترتیب سے ذکر فرمایا اور دوسرے استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے بھی اپنی کتاب کے شروع میں آپ کا ذکر اسی طرح پر کیا ہے میں نے بھی انہیں کی پیروی میں یہ ترتیب برقرار رکھی۔ اس لیے کہ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ اور حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ کے مرید تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب میں نے وہ جام پیا تو خوف مجھ سے دُور ہو گیا اور شکوک وشبہات اور اطاعت نہ کرنے کی فضا بھی چُھٹ گئی تو میں اپنی ہی ہستی میں کھو گیا اور حضوری ملنے پر خوش ہو کر میں نے اپنی سوچ کی زبان سے پکارا:

میرا جسم تو ہمیشہ سے کمزور وناتواں ہے اور آنکھیں انسو ہی بہا رہی ہیں، جبکہ دِل تمہاری حفاظت ورضامندی کے تابع ہے اور صدق وصفا کے قدموں پر سعی اور طواف کر رہا ہے اور کتنی ہی دفعہ مجھے عرفان کی دولت مل چکی پس اب کیونکر میری حالت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ فضل یہی ہے کہ معروف کا انکار نہ کیا جائے۔

پادری نے پھر کہا: کہو! خدا تین ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: نہیں، خدا وَحْدَہٗ لَاشَرِیک ہے۔ تو پادری نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مارنا شروع کر دیا اور پھر کہنے لگا، اب کہو! خدا تین ہیں۔ مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم رہے، تو اس نے پہلے سے زیادہ سخت مارا، پیٹا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدین سے کہا: اس کو جیل خانے میں قید کرا دو۔ چنانچہ، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تین دن جیل خانے میں رہے، روزانہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے ایک روٹی پھینکی جاتی اور پینے کو ایک گھونٹ پانی دیا جاتا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ نے روتے روتے آپ کے والد سے کہا: آپ کا بیٹا بہت چھوٹا ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں پاگل نہ ہو جائے، اس کو جیل سے رہا کرا دو۔ چنانچہ، جب دروازہ کھولا گیا تو تینوں روٹیاں ویسی کی ویسی پڑی تھیں، والدین نے چلنے کو کہا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انکار کر دیا پھر انہوں نے پوچھا، تم قید خانے میں کیوں قید رہنا چاہتے ہو؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: جس محبوب کی وجہ سے تم نے مجھے قید کیا میں نے اُسی کو یہاں اپنے پاس پایا اور وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ جب جیل والوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قید سے آزاد کر دیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھر سے کہیں دور چلے گئے۔ کئی دن تک نہ کچھ کھایا پیا، نہ ہی کسی دیوار کے سائے میں بیٹھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدین رو رو کر کہتے: کاش! ہمارا بیٹا لوٹ آئے، چاہے کسی بھی دین پر ہو ہم اس کی پیروی کریں گے اور اُس کے مذہب کو اپنانے کے لئے تیار ہیں۔ کچھ عرصہ بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، آواز آئی، کون؟ فرمایا، معروف۔ والدین نے پوچھا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ پہلے غیر مسلم تھے۔ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ آپ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ آپ نے ان کی بڑی تعریف فرمائی ہے حضرت معروف کرخی کے فضائل ومناقب فنون علم میں بکثرت ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تمہارا دین کون سا ہے؟ فرمایا: اسلام۔ والدین نے باہر نکل کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو گلے سے لگالیا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرلیا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مرویات:

(1) حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدُ نا اَنس بن مالک اور حضرت سیِّدُ نا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب سینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ سراپا رحمت وبرکت میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے۔ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: غصہ چھوڑ دو۔ اس نے عرض کی: اگر یہ نہ ہوسکے تو؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: روزانہ بعد نمازِ عصر ستر مرتبہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے استغفار کرو تو وہ تیرے ستر برس کے گناہ بخش دے گا۔ عرض کی: اگر میرے ستر برس کے گناہ نہ ہوں تو؟ ارشاد فرمایا: پھر تیری والدہ کے ستر برس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ پھر عرض کی: اگر میری ماں دنیا سے کوچ کرچکی ہو اور اس پر بھی ستر سال کے گناہ نہ ہوں تو؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: تیرے قریبی رشتے داروں کے ستر برس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۷۰۸۵ ابو علی المفلوج، ج ۱۴، ص ۴۲۵۔ حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۷۱۹، ج ۸، ص ۴۱۱)

(2) حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدُ نا اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی کسی حاجت کو پورا کیا اس کے لئے حج وعمرہ کرنے والے کی مثل ثواب ہے۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۲۸۷۴، احمد بن محمد ابو الحسن النوری، ج ۵، ص ۳۳۹)

(3) حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اپنی سند کے ساتھ حضرت سیِّدُ نا عمرو بن دینار علیہ رحمۃ اللہ الغفّار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

للفتیان ثلث علاماتٍ وفاء بلا خلاف ومدح بلا جود عطاء بلا سوال ''مردانِ باخدا کی تین نشانیاں ہیں ہرلحظہ وفا پر عمل کرے بغیر طمع کے تعریف کرے اور بغیر مانگے دے۔''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرماتے ہیں: جس نے سوتے وقت یہ دعا پڑھی: اَللّٰھُمَّ اٰمِنَّا مِنْ مَّکْرِكَ وَلَا تُنْسِنَا ذِکْرَكَ وَلَاتَکْشِفْ عَنَّا سِتْرَكَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِیْنَ، اَللّٰھُمَّ ابْعَثْنَا فِیْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَیْكَ حَتّٰی نَذْکُرَكَ فَتَذْکُرَنَا وَنَسْاَلُكَ فَتُعْطِیْنَا وَنَدْعُوْكَ فَتَسْتَجِیْبُ لَنَا وَنَسْتَغْفِرَكَ فَتَغْفِرْلَنَا یعنی اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! ہمیں اپنی خفیہ تدبیر سے محفوظ فرما، ہمیں اپنا ذکر نہ بھلا، ہمارے گناہوں کو چھپائے رکھ، ہمیں غافلوں میں سے نہ کر، اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! ہمیں اپنے پسندیدہ لمحات میں بیدار فرما کہ ہم تیرا ذکر کریں تو تُو ہمارا چرچا کر، ہم تجھ سے سوال کریں تو تُو ہمیں عطا کر، ہم تجھ سے دعا کریں تو تُو ہماری دعا قبول کر، ہم تجھ سے مغفرت چاہیں تو تُو ہمیں بخش دے۔ تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس کے پاس اپنی پسندیدہ ساعت میں (یعنی تہجد کے وقت) بیدار کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے اگر وہ بیدار ہو جائے تو فبہا (یعنی ٹھیک ہے)، ورنہ وہ فرشتہ آسمان پر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ بھیجا جاتا ہے، وہ بیدار کرتا ہے اگر وہ اُٹھ کر نماز ادا کرلے تو فبہا، ورنہ وہ فرشتہ بھی اپنے رفیق کے ساتھ جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ شخص اُٹھ کر نمازِ تہجد پڑھے اور دُعا کرے تو اس کی دُعا قبول کرلی جاتی ہے اور اگر نماز نہ پڑھے تو بھی اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس کے لئے ان ملائکہ کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ (کنز العمال، کتاب المعیشۃ والعادات قسم الاقوال، باب رابع، فصل اول، الحدیث ۴۱۳۱۹، ج ۱۵، ص ۱۴۹۔ بتغیر قلیل)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامات:

حضرت سیِّدُنا ابنِ مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے، اس دن میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا چہرہ مبارک کِھلا ہوا دیکھ کر عرض کی: اے ابو محفوظ! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ پانی پر چلتے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: میں کبھی پانی پر نہیں چلا بلکہ جب میں پانی عبور کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کی دونوں طرفیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور میں اس پر قدم رکھ کر چلنے لگ جاتا ہوں۔

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اذانِ مغرب کے وقت حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کے پاس تھا اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چہرے پر کسی چوٹ کا نشان نہ تھا لیکن جب اگلے دن حاضر ہوا تو چوٹ کا نشان دیکھا۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے بزرگ جو کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خاصے مانوس تھے، سے عرض کی کہ آپ ان سے اس کی وجہ پوچھئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہر لحظہ وفاء پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی میں احکام کی مخالفت اور فرمانِ خدا کی معصیت کو اپنے اوپر حرام کرلے بغیر طمع کے تعریف کرنا یہ ہے کہ جس کسی کی بھلائی نہ دیکھی ہو پھر بھی اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چنانچہ، انہوں نے پوچھا: اے ابو محفوظ! کل تک تو آپ کے چہرے پر کوئی نشان نہ تھا، پھر آج یہ نشان کیسے بنا؟ ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ تمہیں معاف فرمائے! فضول باتوں کے متعلق سوال مت کرو۔ لیکن اس بزرگ نے پھر عرض کی: میں آپ کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمیں ضرور بتایئے؟ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے پوچھا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ تم پر رحم کرے، تمہیں کس نے یہ بات پوچھنے پر اُبھارا؟ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا چہرہ متغیَّر ہوگیا پھر ارشاد فرمایا: رات نمازِ عشاء کے بعد میرے دل نے بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی خواہش کی تو میں مکہ شریف جا پہنچا۔ طواف کر کے زمزم شریف کی طرف پانی پینے گیا تو اچانک ایک حسین صورت دکھائی دی۔ میری نظر اس پر جم گئی تو اچانک میرا پاؤں دروازے میں پھسل گیا جس سے میرے چہرے پر چوٹ لگ گئی۔ پھر میں نے کسی کی آواز سنی: اگر تم مزید دیکھتے تو مزید چوٹیں کھاتے۔

حضرت سیِّدُنا علی حسن بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی پانی پر چلتے ہیں، اگر مجھے کہا جائے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوا میں اڑتے ہیں تو میں اس بات کی بھی تصدیق کروں گا۔

حضرت سیِّدُنا عبد الوہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی سے بڑا زاہد کوئی نہیں دیکھا۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۷۱۷۷ معروف بن الفیر زان ابو محفوظ العابد المعروف بالکرخی، ج ۱۳، ص ۲۰۷)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بکاء علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کو ارشاد فرماتے سنا: جب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور بحث و مباحثہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور جب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کسی بندے سے شَر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے عمل کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور بحث و مباحثہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۶۹۵ ج ۸، ص ۴۰۵)

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معین اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تعریف کرے اور بغیر مانگے دینا یہ ہے کہ جب مال ہو تو اس کی تقسیم میں کوتاہی نہ کرے اسے جب کسی کی احتیاج معلوم ہو جائے تو اسے سوال کرنے کی ذلت کا موقع نہ دے یہ اخلاق اگرچہ ہر مسلمان میں ہونے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دونوں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سیّدنا یحیی بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ میں ان سے سجدۂ سہو کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خاموش رہنے کا حکم دیا لیکن وہ خاموش نہ رہے اور عرض کی: اے ابومحفوظ! آپ سجدۂ سہو کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے ارشاد فرمایا: یہ دل کے لئے سزا ہے کہ وہ نماز سے غافل ہو کر دوسری طرف کیوں متوجہ ہوا۔ یہ سن کر حضرت سیّدنا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: یہ بات آپ کی ذہانت پر دلالت کرتی ہے۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۷۱۷۷ معروف بن الفیر زان ابومحفوظ العابد المعروف بالکرخی، ج ۱۳، ص ۲۰۱)

ایک دن حضرت سیّدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز کے لئے اقامت کہی۔ پھر حضرت سیّدنا محمد بن ابی توبہ علیہ رحمۃ اللہ سے ارشاد فرمایا: آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھائیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امامت نہیں کراتے تھے، بلکہ صرف اذان و اقامت کہتے تھے جبکہ امامت کوئی اور کرتا تھا۔ حضرت سیّدنا محمد بن ابی توبہ علیہ رحمۃ اللہ نے عرض کی: اگر میں تمہیں یہ نماز پڑھاؤں تو دوسری نماز کی امامت نہیں کروں گا۔ یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: کیا تم دوسری نماز کی اُمید کرتے ہو؟ ہم لمبی اُمیدوں سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی پناہ طلب کرتے ہیں کیونکہ یہ بہترین عمل سے روک دیتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۶۸۸، ج ۸، ص ۴۰۵)

حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی فرمایا کرتے تھے: دُنیا چار چیزوں کا نام ہے: (۱) مال (۲) کلام (۳) سونا اور (۴) کھانا۔ کیونکہ مال سرکشی کا سبب ہے، کلام لہو و لعب میں مبتلا کر دیتا ہے، نیند غافل کر دیتی ہے اور کھانا دل کی سختی کا باعث ہے۔

حضرت سیّدنا سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کو یہ ارشاد فرماتے سنا: جس نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے مقابلے میں بڑائی چاہنے کا ارادہ کیا تو وہ اُسے بری طرح پچھاڑ دے گا، جس نے اس سے لڑائی کا ارادہ کیا تو وہ اسے ذلیل کر دے گا، جس نے اس کو دھوکا دینا چاہا تو وہ اسے اس کی سزا دے گا اور جس نے اس پر بھروسہ کیا تو وہ اسے نفع دے گا اور جس نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چاہئیں لیکن لوگ ان خوبیوں سے نا آشنا اور بیگانہ ہیں یہ تینوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ اپنے بندوں کی ساتھ ایسا ہی کرتا ہے اس لیے کہ اس کی یہ صفات حقیقی ہیں اللہ تعالیٰ دوستوں کے ساتھ فیاضی میں کمی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کے لئے عاجزی کی تو وہ اُسے بلند رتبہ عطا فرمائے گا۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۴۲۵ معروف الکرخی، ج ۸، ص ۲۱۸)

حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی بارگاہ میں عرض کی گئی: دل سے دنیا کی محبت نکالنے کا نسخہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے سچی محبت اور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ اور خالص محبت کی علامات تین ہیں: (۱) وعدہ پورا کرنا (۲) بغیر سوال کے عطا کرنا اور (۳) کوئی سخاوت نہ کرے پھر بھی اس کی تعریف کرنا۔ اور مُحِبّین کی علامات بھی تین ہیں: (۱) رضائے الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی جستجو میں رہنا (۲) اسی کی ذات میں مشغول رہنا اور (۳) ہمیشہ اسی کی پناہ طلب کرنا۔ (حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۷۱۸، ج ۸، ص ۴۱۱)

مصائب پر صبر قربِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کا ذریعہ ہے:

ایک شخص حضرت سیِّدُنا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا سیِّدی! مجھے بتائیے کہ میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ تک کیسے رسائی حاصل کر سکتا ہوں؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک امیر کے دروازے پر لے گئے۔ دروازے پر ایک غلام کھڑا ہوا تھا جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس غلام کی طرف اشارہ کیا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: اس کی مثل ہو جاؤ، خود ہی اللہ عَزَّ وَجَلَّ تک رسائی حاصل کر لو گے۔ (یعنی جس طرح یہ غلام ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے باوجود اپنے آقا کے دروازے پر حاضر ہے اس طرح تو بھی ہر حال میں اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی رضا پر راضی رہ اور اس کی عبادت کرتا رہ)۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خوفِ خدا عَزَّ وَجَلَّ:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر بن ابی طالب علیہ رحمۃ اللہ الخالق فرماتے ہیں کہ میں حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی مسجد میں داخل ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھر میں تشریف فرما تھے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم قافلے کی صورت میں تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں سلام کیا ہم نے بھی جواباً سلام پیش کیا۔ پھر ہمیں دعا دیتے ہوئے فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ سب کو اسلامی مملکت میں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور دنیا میں ہم سب کو احسان کی نعمت سے نوازے اور آخرت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں کرتا خواہ بندہ وفاء کرنے میں کتنا ہی ناحق شناس ہو اللہ تعالیٰ کی وفا کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں اپنے بندوں کو قبل اس کے کہ ان سے کوئی عمل خیر ہو مخاطب فرماتا ہے اور انہیں یاد فرماتا ہے اور آج دنیا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہماری مغفرت فرمائے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اذان دینی شروع کی۔ جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللہُ پر پہنچے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر شدّتِ اضطراب سے لرزہ طاری ہو گیا اور ابرُو اور داڑھی کے بال کھڑے ہو گئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قدر بے چین ہوئے کہ مجھے خوف ہوا کہ اذان مکمل نہ کر سکیں گے پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قدر جھک گئے کہ قریب تھا کہ گر جاتے۔

(حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۶۸۵، ج۸، ص ۴۰۴)

حضرت سیّدنا عبداللہ بن محمد وراق علیہ رحمۃ اللہ الرزّاق فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار ہم حضرت سیّدنا ابو محفوظ علیہ رحمۃ اللہ الوَدود کی مجلس میں ہوتے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیٹھ کر غور وفکر کر رہے ہوتے، پھر اچانک آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بے چینی طاری ہو جاتی اور بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں عرض گزار ہوتے: وَاغَوْثَاہ، اے میرے مددگار! (یعنی اپنے حقیقی مددگار کو پکارتے)۔ (المرجع السابق، الحدیث ۱۲۷۰۹، ص ۴۰۹)

حضرت سیّدنا قاسم بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی فرماتے ہیں: میں حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا پڑوسی تھا، ایک رات میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو گریہ وزاری کرتے اور درج ذیل اشعار پڑھتے سنا:

اَیُّ شَیْءٍ تُرِیْدُ مِنِّی الذُّنُوْب شَغَفَتْ بِیْ فَلَیْسَ عَنِّیْ تَغِیْب

مَا یَضُرُّ الذُّنُوْبُ لَوْ اَعْتَقَتْنِی رَحْمَةً لِّیْ فَقَدْ عَلَانِی الْمَشِیْب

ترجمہ: (۱) کون سی چیز مجھ سے گناہ کرانا چاہتی ہے، مجھے گناہوں میں مشغول رکھتی ہے اور مجھ سے دور نہیں ہوتی۔

(۲) اگر تو مجھے رحم فرماتے ہوئے بخش دے تو گناہ مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اب تو مجھ پر بڑھاپا آچکا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ، ذکر المصطفین من اھل بغداد، الرقم ۲۶۵ معروف بن الفیرزان الکرخی، ج ۲، ص ۲۱۲)

ایک نوجوان کی حکایت:

حضرت سیّدنا یحییٰ بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کو فرماتے سنا: میں نے ایک بستی میں خوبصورت اور صاف ستھرے لباس میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے افعال کے باوجود انہیں نظر انداز نہیں کرتا اور مدح بلا جود تو اس کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ کسی بندے کے فعل کا محتاج نہیں اس کے باوجود بندے کے قلیل حمد و ثناء پر اس کی تعریف کرتا ہے یہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ملبوس ایک نوجوان دیکھا، اس نے زُلفیں رکھی ہوئی تھیں، سر پر اُونی چادر، جسم پر سُوتی کپڑے کی قمیص اور پاؤں میں لکڑی کا جوتا تھا۔ مجھے اس کو اس جگہ دیکھ کر بڑی حیرانگی ہوئی۔ پھر میں نے اسے سلام کیا اور اس نے بھی سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ کہنے لگا: دمشق سے آرہا ہوں۔ میں نے پھر پوچھا: وہاں سے کب چلے تھے؟ جواب دیا: دوپہر کے وقت وہاں سے چلا تھا۔ مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا کیونکہ دمشق اور اس بستی کے درمیان بہت زیادہ مسافت اور کئی منزلیں تھیں۔ بہر حال میں نے پھر پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا: مکہ مکرمہ زَادَھَا اللہُ شَرَفًاوَّ تَکْرِیمًا جانے کا ارادہ ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اس پر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا خاص لطف و کرم ہے۔ خیر میں نے اسے الوداع کہا اور وہ چلا گیا۔ تین سال کے بعد ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہی شخص تھا۔ میں نے سلام کرنے کے بعد کہا: خوش آمدید! اور اسے اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ حسرت زدہ، پریشان اور غمگین ہو۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو اس نے بتایا: اے استاذِ محترم! اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا مجھ پر خاص کرم ہے یہاں تک کہ پہلے اس نے مجھے مصیبت میں مبتلا کیا پھر اس سے نجات دی۔ وہ مجھ پر کبھی تو اپنے لطف و کرم کی بارش برساتا ہے اور کبھی خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کبھی بھوکا رکھتا ہے اور کبھی معزز بنا دیتا ہے۔ کاش! ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے کسی خاص بندے کے بھیدوں پر آگاہ فرمادے پھر میرے ساتھ جو چاہے کرے۔ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ اس کے اس کلام سے مجھے رونا آگیا۔ میں نے مزید پوچھا: جب سے تم مجھ سے جدا ہوئے اس وقت سے تمہارے ساتھ کیا کیا معاملات پیش آئے؟ اس نے کہا: میں تو ان کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ پھر وہ رونے لگا۔ تو میں نے اس سے پوچھا: بتاؤ تو سہی کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ چنانچہ، اس نے بتانا شروع کیا: آپ سے ملاقات کے بعد میں تیس (30) دن تک بھوکا رہا۔ ایک وادی میں پہنچا جہاں ککڑیاں کاشت کی ہوئی تھیں۔ میں پتوں کو توڑ کر کھانے بیٹھ گیا۔ مالک نے جب دیکھا تو مجھے پکڑ لیا اور میری پشت اور پیٹ پر مُکّے مارتے ہوئے کہنے لگا: اے چور! تیرے علاوہ میری ککڑیاں کسی نے نہیں توڑیں، میں کب سے تیری تاک میں تھا کہ تو آئے اور میں تجھے پکڑ لوں، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! اب تو میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ وہ ابھی مجھے مار ہی رہا تھا کہ ایک گھوڑے سوار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حال عطائے بے سوال کا ہے اس کے سوا کوئی ایسا کر ہی نہیں سکتا اس لیے کہ وہ کریم ہے اور ہر ایک کے حال کا واقف و علیم ہے اور ہر ایک کے مقصد کو بغیر سوال کے پورا کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو معزز و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بڑی تیزی سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا، اس کے سر پر کوڑا برسایا اور کہنے لگا: تم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ایک دوست کو چور کہہ رہے ہو اور اس کو مارتے اور ڈانٹتے ہو حالانکہ اس نے تو پتوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں کھائی۔ یہ سن کر وہ مالک میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں اور سر کو چومنے لگا۔ پھر مجھ سے معذرت کی اور اپنے گھر لے جا کر بہت عزت کی اور حسن سلوک سے پیش آیا۔ میرے لئے اپنی ککڑیاں فقراء و مساکین کو صدقہ کر دیں۔ پھر جب میں نے بتایا کہ میں حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوستوں میں سے ہوں تو اس نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں کچھ بیان کرنے کو کہا۔ میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کچھ اوصاف بیان کئے تو اس نے پہچان لیا۔ ابھی اس نوجوان کی گفتگو پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ککڑیوں کے مالک نے دروازے پر دستک دی اور ہمارے پاس آ گیا۔ وہ بہت خوشحال تھا۔ اور اپنا سارا مال فقراء پر صدقہ کر کے ایک سال اس نوجوان کی صحبت میں رہا۔ پھر وہ دونوں حج کے لئے روانہ ہوئے، حج و عمرہ کیا اور دونوں کا وہیں انتقال ہو گیا اور مکۂ مکرمہ کے قبرستان جنّتُ المَعْلٰی میں مدفون ہوئے۔

(صِفۃ الصفوۃ، ذکر المصطفین من عباد اھل الشام المجھولی الاسماء، الرقم ۸۱۳، عابد آخر، ج ۴، ص ۲۴۵)

حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس طرح دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ یَا مَنْ وَفَّقَ اَھْلَ الْخَیْرِ لِلْخَیْرِ وَاَعَانَھُمْ عَلَیْہِ وَفِّقْنَا لِلْخَیْرِ وَاَعِنَّا عَلَیْہِ یعنی اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! اے وہ ذات جس نے نیک بندوں کو اُمورِ خیر کی توفیق دی اور اس پر ان کی مدد بھی فرمائی! ہمیں بھی بھلائی کی توفیق عطا فرما اور اس پر ہماری مدد بھی فرما۔

دُعائے معروف علیہ رحمۃ اللہ الرءُوف کی برکات:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: دعا فرمائیں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ میرے دل کو نرم کر دے۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے اس دعا کی تلقین فرمائی: یَا مُلَیِّنَ الْقُلُوْبِ! لَیِّنْ قَلْبِیْ قَبْلَ اَنْ تُلَیِّنَہٗ عِنْدَ الْمَوْتِ یعنی اے دلوں کو نرم فرمانے والے! میرے دل کو بھی نرم کر دے اس سے پہلے کہ تو موت کے وقت اسے نرم کرے۔ (آمین)

(1) حضرت سیِّدُ نا سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ العلی فرماتے ہیں کہ میں دل کی سختی کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مکرم کرنا چاہتا ہے تو اسے بزرگی عنایت فرماتا ہے اور اپنے قربِ خاص سے نوازتا ہے اور اپنی تینوں مذکورہ صفات کو استعمال فرماتا ہے جو بندہ اپنی مقدور بھر ان صفات و اخلاق کے ساتھ سلوک کرتا ہے اصلاحِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مرض میں مبتلا تھا اور مجھے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی دعا کی برکت سے چھٹکارا مل گیا۔ ہوا یوں کہ میں نمازِ عید پڑھنے کے بعد واپس لوٹ رہا تھا کہ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا جس کے بال اُلجھے ہوئے تھے۔ دل ٹوٹنے کے سبب روئے جا رہا تھا۔ میں نے عرض کی: یاسیِّدی! کیا ہوا؟ آپ کے ساتھ یہ بچہ کیوں روئے جا رہا ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا: میں نے چند بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا لیکن یہ بچہ ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ ان بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے بچے سے پوچھا تو اس نے بتایا: میں یتیم ہوں، میرا باپ انتقال کر گیا ہے، میرا کوئی سہارا نہیں اور میرے پاس کچھ رقم بھی نہیں کہ میں اخروٹ خرید کر ان بچوں کے ساتھ کھیل سکوں۔ چنانچہ، میں اس کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں تاکہ اس کے لئے گٹھلیاں اکٹھی کروں جن سے یہ اخروٹ خرید کر دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل سکے۔ میں نے عرض کی: آپ یہ بچہ مجھے دے دیں تاکہ میں اس کی حالت بدل سکوں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: چلو اس کو پکڑ لو، اللہ عَزَّ وَجَلَّ تمہارا دل ایمان کی برکت سے غنی کرے اور اپنے راستے کی ظاہری و باطنی پہچان عطا فرما دے۔

حضرت سیِّدُنا سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: میں اس بچے کو لے کر بازار چلا گیا اور اچھے کپڑے پہنائے، اخروٹ خرید کر دیئے اور وہ عید کے دن دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے چلا گیا۔ دوسرے بچوں نے پوچھا: تجھ پر یہ احسان کس نے کیا؟ اس نے جواب دیا: حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ القوی اور سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے۔ جب بچے کھیل کود کے بعد چلے گئے تو وہ بچہ خوشی خوشی میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا: بتاؤ! عید کا دن کیسا گزرا؟ اس نے کہا: اے میرے محترم! آپ نے مجھے اچھا کپڑا پہنایا، مجھے خوش کر کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے بھیجا، میرے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑا، اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی کمی پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے لئے اپنا راستہ کھول دے۔

حضرت سیِّدُنا سری سقطی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ مجھے بچے کے اس کلام سے بے حد خوشی ہوئی جس نے عید کی خوشیاں دوبالا کر دیں۔

(تذکرۃ الاولیاء، ج ۱، حصہ اول، حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی، ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، ملخصا) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تصوف میں اسے "فتوۃ" یعنی جوانمرد کہا جاتا ہے اور جوانمردوں کی فہرست میں اس کا نام درج کیا جاتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عیسائی والدین کا قبولِ اسلام:

(2) حضرت سیِّدُنا عامر بن عبداللہ کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک عیسائی رہا کرتا تھا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں موجود تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عامر! پڑوسی ہونے کی حیثیت سے میرا آپ پر حق ہے، میں آپ کو رات اور دن کے خالق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے کسی ولی کے پاس لے چلئے تا کہ وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے میرے لئے بیٹے کی دعا کرے۔ میرے دل میں اولاد کی بہت خواہش ہے اور میرا جگر جلتا رہتا ہے۔ چنانچہ، میں اس کو ساتھ لے کر حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی بارگاہ میں اس عیسائی کا معاملہ عرض کیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگا: اے معروف! جب تک اللہ عَزَّ وَجَلَّ مجھے ہدایت نہ دے آپ نہیں دے سکتے، میں آپ کے پاس صرف دعا کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کی: یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! میں تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ اسے ایسا لڑکا عطا فرما جو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور وہ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ، اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کو ایک ایسا لڑکا عطا فرمایا جو اپنی عقلِ کامل کے سبب تمام اہلِ زمانہ پر فوقیت لے گیا، وہ اپنی شرافت کی بلندی کے باعث اپنے جیسے تمام لڑکوں پر بلند مقام رکھتا تھا۔ جب وہ کچھ بڑا ہوا تو باپ اسے عیسائیت کی تعلیم دلانے کے لئے ایک پادری کے پاس چھوڑ آیا۔ پادری نے اُسے سامنے بٹھایا اور ہاتھ میں تختی پکڑا کر ابھی بولو ہی کہا تھا تو وہ بچہ کہنے لگا: کیا بولوں؟ میری زبان تمہارے تین خدا ماننے کے عقیدے سے روک دی گئی ہے اور میرا دل میرے رب عَزَّ وَجَلَّ کی محبت میں مشغول ہے۔ پادری کہنے لگا: اے بیٹے! میں نے تجھے یہ تو نہیں کہا تھا۔ تو بچے نے کہا: پھر تم نے مجھے کیا کہا تھا؟ پادری نے کہا: تم میرے پاس جس تعلیم کے لئے آئے ہو میں تو تمہیں وہ سکھا رہا ہوں جبکہ تم نے مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ یہ سن کر بچہ کہنے لگا: پھر مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے، جسے میری عقل بھی قبول کرے اور میرا ذہن بھی تسلیم کرے۔

استاد نے کہا: ٹھیک ہے، تو پھر کہو! الف۔ بچے نے کہا: الف تو وَصلی یعنی ملانے والا ہے، جس نے ہر دل کو اس محبوبِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ کا گرویدہ کر دیا جس کی صفات اَزَلی ہیں۔ استاد نے کہا: اے بیٹے! کہو! باء۔ بچے نے کہا: باء سے مراد حقیقی بقاء ہے، جس نے دلوں کو زندہ کیا اور ان میں محبتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے سوا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ تینوں صفتیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مزید تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کچھ نہ چھوڑا۔ استاد نے کہا: اے بیٹے! کہو! تاء۔ تو بچے نے کہا: تاء سے مراد دل کا جذبہ وشوق ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق دل میں کھٹکنے والے تمام شکوک وشبہات کو دور کرتا ہے۔ پادری نے کہا: اے بیٹے! کہو! ثاء۔ تو بچے نے کہا: ثاء سے مراد اس نورانی لباس کے لئے پردہ ہے جو مقامِ قرب پانے والوں کو ثابت رکھے ہوئے ہے۔ استاد نے کہا: اے بیٹے! کہو! جیم۔ تو بچے نے کہا: جیم تو نورِ جمالِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کا نام ہے، جو انسانوں پر صبح وشام اپنے انوار وتجلیات ڈالتا ہے۔ استاد نے کہا: اے بیٹے! پڑھو! حاء۔ تو بچے نے کہا: حاء سے مراد اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی حمد ہے، جس نے دلوں کی حفاظت کی اور بری خصلتوں سے پاک وصاف کر دیا۔ استاد نے کہا: اے بیٹے! کہو! خاء۔ تو بچے نے کہا: خاء سے مراد خوفِ خدا عَزَّ وَجَلَّ ہے، جس نے برگزیدہ بندوں کی تمام تکالیف اور دکھ درد دُور کر دیئے۔

یہاں تک کہ پادری بچے کو ایک ایک حرف پڑھنے کے لئے کہتا رہا اور بچہ اس حرف کے متعلق ہم وزن ومنظوم کلام سے جواب دیتا رہا۔ پادری کی عقل دنگ رہ گئی اور ایسی گفتگو سن کر اس کا دل زندہ ہو گیا اور اس نے جان لیا کہ دینِ اسلام ہی سچا دین ہے۔ پھر کہنے لگا: اے وحدانیتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کو ماننے والے پیارے بچے! میں تجھے شاباش دیتا ہوں۔ اس کے بعد بچے نے چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

کیا وہی برحق نہیں جو رلاتا و ہنساتا، زندگی وموت دیتا اور مخلوق کے لئے کھیتی اُگاتا ہے؟ یقیناً وہی معبودِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ ہے لہٰذا جو اس کا دروازہ چھوڑ کر کسی اور کے دروازے پر جاتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور جو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہے گمراہ ہو جاتا ہے۔ اے خائب وخاسر کوشش کرنے والے! جب بندے کا مقصودِ حقیقی وہی ذات ہے تو اب کون اس مقصد کے غیر کی طرف کامیاب کوشش کر سکتا ہے؟ پس وہی برتر، غالب اور رحیم ہے کہ اس کی طاقت کے بغیر کوئی کسی کو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ اپنے بندے کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے پھر بھی اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور اس کو بن مانگے عطا کرتا ہے۔ عاصیوں اور گنہگاروں سے بخشش کا معاملہ کرتا ہے اور ہجر وفراق کے ماروں کو وصال کی دولت سے نوازتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے علاوہ حقیقی پروردگار کوئی نہیں، وہ اپنے اس بندے کو پسند کرتا ہے جو اس کا حکم توجہ سے سنتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب پادری نے بچے کا ایسا کلام سنا جس نے اس کے ہوش اڑا دیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۹) حضرت حاتم بن اصم رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، زین عباد، جمال اوتاد حضرت ابوعبدالرحمن حاتم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اسے رنج وغم میں مبتلا کر دیا تو اس نے جان لیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس بچے کو قوتِ گویائی عطا کرنے والا وہی ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ، اس نے دل ہی دل میں کلمۂ شہادت اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ پھر بچے کو اس کے باپ کے پاس لے آیا۔ جب باپ نے ان دونوں کو آتے دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے دَمَک اٹھا۔ اس نے پادری سے پوچھا: آپ نے میرے بچے کی ذہانت کو کیسا پایا؟ تو وہ کہنے لگا: ذرا اس کا عارفانہ کلام تو سنیں۔ پھر اس نے ساری گفتگو بچے کے باپ کو سنا دی۔ یہ سن کر باپ بولا: اس خدا کی قسم جو ہر لاچار و بے بس کی مدد فرماتا ہے! میرا بیٹا محض حضرت سیِّدُنا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دُعا کی برکت سے اس مقام و مرتبے تک پہنچا ہے۔ پھر کہنے لگا: اے میرے بیٹے! سب خوبیاں خدائے واحد عَزَّ وَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے تیرے سبب ہم سب کو گمراہی سے نجات عطا فرمائی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت سیِّدُنا محمد صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم اس کے سچے رسول ہیں۔ اس کے بعد بچے کی ماں اور تمام گھر والے اسلام لے آئے اور اپنے گلے سے (عیسائیوں کے نشان) صلیب کو اُتار پھینکا۔ (سُبْحَانَ اللہ!) اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی دعا کی بدولت ان سب کو جہنم سے چھٹکارا دے دیا۔

مزاراتِ اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی برکات:

حضرت سیِّدُنا احمد بن عباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد سے حج کے ارادے سے نکلا تو ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس پر عبادت کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے پوچھا: آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: بغداد سے بھاگ کر آرہا ہوں کیونکہ میں نے وہاں فساد دیکھا ہے، مجھے خوف ہے کہ اہلِ بغداد کو چاند گرہن نہ لگ جائے۔ اس بزرگ نے فرمایا: آپ واپس چلے جایئے اور ڈریئے مت، کیونکہ بغداد میں چار ایسے اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبریں ہیں جن کی برکت سے اہلِ بغداد تمام بلاؤں اور مصائب سے محفوظ ہیں۔ میں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ جواب دیا: وہ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل، حضرت سیِّدُنا معروف کرخی، حضرت سیِّدُنا بشر حافی اور حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ چنانچہ، میں واپس آ گیا اور ان مردانِ حق کی قبروں کی زیارت کی تو مجھے بہت کیف و سرور حاصل ہوا۔

(تاریخ بغداد، باب ماذکر فی مقابر بغداد المخصوصۃ بالعلماء والزہاد، ج۱، ص ۱۳۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن عنوان الاصم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ بلخ کے برگزیدہ مشائخ اور خراسان کے اکابر میں سے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جس کا عمل ہو بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے:

حضرت سیِّدُ نا ابوالفتح بن بشر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں نے عالَمِ خواب میں حضرت سیِّدُ نا بِشر حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کو ایک باغیچہ میں دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے ایک دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس نے رحم فرماتے ہوئے مجھے بخش دیا اور تخت پر بٹھا کر فرمایا: اس دستر خوان پر موجود پھلوں میں سے جو چاہو کھاؤ اور لطف اٹھاؤ کیونکہ تم دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکتے تھے۔ میں نے پوچھا: آپ کے بھائی حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہاں ہیں؟ فرمایا: وہ جنت کے دروازے پر کھڑے اہلِ سنت کے ان افراد کی شفاعت کر رہے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا کلام قرآنِ کریم غیر مخلوق ہے۔ میں نے پھر پوچھا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً فرمایا: افسوس! مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان پردے حائل ہیں، انہوں نے جنت کے شوق یا جہنم کے ڈر سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت نہ کی تھی بلکہ ان کی عبادت تو محض دیدارِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے لئے تھی۔ چنانچہ، اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا اور اپنے اور ان کے درمیان سب پردے اٹھا دیئے۔ اب جس نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں کوئی حاجت پیش کرنی ہو تو اُسے چاہے کہ حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کے مَزارِ پُرانوار پر حاضر ہو کر دعا کرے، اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس کی دعا قبول کی جائے گی۔ (صفۃ الصفوۃ، ذکر المصطفین من اہل بغداد، الرقم ۲۶۵ ج ۲، ص ۲۱۴)

حضرت سیِّدُ نا محمد بن عبدالرحمن زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ حضرت سیِّدُ نا عبدالرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ حضرت سیِّدُ نا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی قبرِ انور پر تمام حاجات پوری ہوتی ہیں۔

حضرت سیِّدُ نا یحییٰ بن سلیمان علیہ رحمۃ اللہ المنّان فرماتے ہیں کہ مجھے ایک حاجت تھی اور میں کافی تنگدست تھا۔ حضرت معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی قبرِ انور پر میری حاضری ہوئی، میں نے تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کی اور اس کا ثواب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تمام مسلمانوں کی ارواح کو پہنچایا، پھر اپنی حاجت بیان کی۔ جوں ہی میں وہاں سے واپس گیا میری حاجت پوری ہو چکی تھی۔

حضرت سیِّدُ نا ابوبکر خیّاط علیہ رحمۃ اللہ الجواد فرماتے ہیں کہ میں نے عالم خواب میں خود کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قبرستان میں دیکھا۔ قبر والے اپنی قبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے پھولوں کے پودے ہیں۔ اچانک حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کو ان کے درمیان کھڑا پایا کہ کبھی اِدھر جاتے ہیں اور کبھی اُدھر۔ میں نے پوچھا: اے ابو محفوظ! مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اور کیا آپ اس دنیا سے کوچ نہیں کر چکے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً فرمایا: کیوں نہیں، پھر چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

مُتَّقی انسان کی موت درحقیقت حیاتِ جاوِدانی ہے یعنی ایسی زندگی ہے جو ختم ہونے والی نہیں۔ کئی لوگ اس جہانِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں لیکن ان کا نام ابھی تک لوگوں میں (اچھائی کے ساتھ) زندہ ہے۔ فخر کرنا صرف اہلِ علم کو روا ہے کیونکہ وہ ہدایت پر ہوتے ہیں اور جو بھی ان سے ہدایت حاصل کرنا چاہے، یقیناً ہدایت پا جاتا ہے۔ وہ خود تو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے لیکن ان کے چاہنے والے ان کے وصال کے بعد بھی ان کا نام زندہ رکھے ہوئے ہیں اور ہم بھی انہی مرنے والوں کی صف میں ہیں جو زندہ ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصالِ باکمال:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر عجوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت سیِّدُنا ثعلب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی وفات 200ھ میں ہوئی۔ حضرت سیِّدُنا ابو القاسم نصری علیہ رحمۃ اللہ القوی جن کا تعلق قبیلہ بنو نصر بن معین سے ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی نمازِ جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔

حضرت سیِّدُنا عبد الرحمن بن محمد وراق علیہ رحمۃ اللہ الرزّاق فرماتے ہیں کہ ایک شامی شخص حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا، سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا: مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرو کیونکہ وہ زمین و آسمان والوں میں مشہور و معروف ہیں۔ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو مرنے کے ایک سال بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا: اے میرے بھائی! مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو اس نے جواب دیا: اب مجھے آزاد کر دیا گیا ہے کیونکہ جب حضرت سیِّدُنا معروف کرخی علیہ رحمۃ اللہ الغنی ہمارے پاس مدفون ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے سے عذاب میں گرفتار تیس تیس ہزار گنہگاروں کو نجات دے دی گئی۔ (اَلرَّوضُ الفَائِق فِی المَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۱۴۵۶ الشَّیخ شُعَیب حَرِیفِیش رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیہِ المُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

تھے۔ (74) ابتداء سے انتہاء تک ایک قدم صدق وطریقت کے خلاف نہ رکھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق زماننا حاتم الاصم ہمارے زمانے کے صدیق حضرت حاتم الاصم ہیں۔ رویتِ الٰہی، آفاتِ نفس اور رعونت طبع کے دقائق میں آپ کا کلام بہت ارفع ہے۔ علم تصوف میں آپ کی بکثرت تصانیف ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

الشهوة ثلا ثة شهوة فی الاکل، وشهوة فی الکلام، وشهوة فی النظر، فاحفظ الاکل بالثقته واللسان بالصدق والنظر بالعبرة ''تین قسم کی شہوتیں یعنی نفسانی خواہشات ہیں ایک شہوت کھانے کی ہے دوسری شہوت گفتگو کی ہے اور تیسری شہوت نظر یعنی آنکھ کی ہے لہٰذا ان کی حفاظت اس طرح کرو کہ اپنے رزق کے لیے خدا پر بھروسہ کرو زبان سے سچ بولو اور آنکھ سے عبرت حاصل کرو۔'' (75)

شرح (74): حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے مشہور ومعروف پیرِ طریقت تھے، بڑے زاہد و پرہیز گار اور عابد بیگانہ تھے، آپ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے۔ آپ کا وصال ۲۳۷ ہجری میں ہوا۔

شرح (75): حضرت سیدنا حاتم اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک شخص نے دعوتِ طعام دی لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ جب اس شخص نے بے حد اصرار کیا تو فرمایا، اگر تمہیں میری تین شرطیں قبول ہوں تو آؤں گا۔ پہلی: میں جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا، دوسری: جو چاہوں گا کھاؤں گا، تیسری: جو میں کہوں گا وہ تمہیں کرنا ہوگا۔ اس مالدار نے یہ تینوں شرائط منظور کر لیں۔ دعوت والے دن اس نے پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا۔ اللہ کے ولی کی زیارت کے لئے بہت سے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ وقتِ مقررہ پر حضرتِ سیدنا حاتم اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے آئے اور آتے ہی جوتے اتارنے کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ میزبان چونکہ یہ شرط مان چکا تھا کہ حضرت جہاں چاہیں گے بیٹھیں گے، لہٰذا بے بس ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر بعد کھانا شروع کرنے کا اعلان کیا گیا تو لوگوں نے طرح طرح کے لذیذ کھانوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا لیکن اللہ عزوجل کے ولی نے اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور تناول فرمانے لگے۔ میزبان اس مقام پر بھی کچھ نہ کر سکا۔

جب کھانے کا سلسلہ اختتام کو پہنچا تو آپ نے میزبان سے فرمایا، دہکتی ہوئی انگیٹھی (یعنی چولہا) لاؤ اور اس پر ایک توا رکھو۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب وہ توا آگ کی تپش سے سرخ ہو گیا تو آپ اس پر ننگے پاؤں کھڑے ہو گئے اور اپنا محاسبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، میں نے آج ایک سوکھی روٹی کھائی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جس نے خوراک میں توکل کیا وہ لذتِ طعام کے فتنہ سے محفوظ رہا اور جس نے زبان کو سچائی کا عادی بنالیا وہ زبان کے فتنہ سے محفوظ رہا اور جس نے آنکھ سے درست کام لیا وہ نظر کے فتنہ سے دور رہا۔ توکل کی اصل وحقیقت، صدق واخلاص میں ہے اس لیے کہ جب ہر معاملہ میں صدق واخلاق سے کام لے گا اور خدا کی روزی رسانی پر اعتماد رکھے گا اور زبان کو عبادت میں اور نظر کو اس کی معرفت میں مشغول رکھے گا تو بندہ جو کھائے گا اور پیئے گا وہ درستی کے ساتھ ہوگا اور جو بات کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ ہوگی جب خدا کو سچا مانے گا تو اس کا ذکر زبان پر ہوگا اور جب سچ دیکھے گا تو اسی کو دیکھے گا یہ اس لیے کہ اس کے عطیہ نعمت کو اس کی اجازت کے بغیر کھانا حلال نہیں اور اس کے ذکر کے سوا زبان پر کسی اور کا ذکر لانا سچائی نہیں اور اس کے جمال کے سوا موجودات میں کسی اور پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے جب اس سے لے کر اس کی اجازت سے کھائے گا تو اس میں اس کی خواہش کا دخل نہ ہوگا لیکن جب اپنی خواہش سے کھائے گا اگرچہ وہ شے حلال ہی کیوں نہ ہو تو یہ شہوت کہلائے گی اسی طرح جب اپنی خواہش سے بولے گا اگر اسی کا ذکر ہو تو یہ جھوٹ اور شہوت ہوئی اور جب اپنی خواہش سے دیکھے گا چاہے وہ صفات الٰہی کے استدلال ہی میں ہو تو وبال وشہوت ہوگی۔ واللہ اعلم!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور توے سے نیچے تشریف لے آئے۔ پھر حاضرین سے فرمایا: (تیسری شرط کے مطابق) اب آپ حضرات باری باری اس توے پر کھڑے ہو کر اپنے کھانے کا حساب دیجئے۔ یہ سن کر لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور سب بیک زبان بول اٹھے، حضور! آپ تو اللہ کے ولی ہیں اور اس گرم توے پر کھڑا ہونا آپ کی کرامت ہے، ہم گناہ گاروں میں اتنی طاقت کہاں کہ اس پر کھڑے ہو سکیں؟

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوتِ محاسبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے لوگو! وہ وقت یاد کرو جب سورج جو آج کروڑوں میل دور ہے، صرف سوا میل دور ہوگا۔ آج اس کی پشت ہماری جانب ہے، اس دن اس کا اگلا حصہ ہماری طرف ہوگا زمین تانبے کی ہوگی اس دہکتی ہوئی زمین کا تصور کرو اور اس گرم توے کو دیکھو کہ یہ تو دنیا کی آگ سے گرم ہوا ہے، اس کی تپش تو انگارے کی مانند دہکتی ہوئی تانبے کی زمین کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَىٕذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (ترجمہ کنزالایمان: پھر بے شک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کی پرسش (پوچھ گچھ) ہوگی۔ (پ ۳۰، التکاثر: ۸)

یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ (تذکرۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۲۲۲، بتصرف ما)

(۲۰) حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت و شریعت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، امام مطلبی حضرت ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (76) آپ اپنے زمانہ کے اکابرین میں تھے اور تمام علوم کے مشہور و معروف امام

شرح (76): تعارفِ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی:

مؤرِخین (تاریخ لکھنے والے) فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا امام محمد بن ادریس شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی فلسطین کے ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دو سال تھی کہ والدِ محترم انتقال فرما گئے۔ والدۂ ماجدہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکۂ مکرمہ زَادَھَااللہُ تَعَالٰی شَرَفاًوَّ تَکْرِیْماً لے آئیں۔ وہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرورش پائی اور اہلِ علم کے اجتماعات میں شرکت فرمائی۔ پس اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر علم کا وہ دروازہ کھولا جو کسی پر نہ کھولا تھا۔ یہاں تک کہ جب عمر مبارک پندرہ برس ہوئی تو مکۂ مکرمہ زَادَھَااللہُ تَعَالٰی شَرَفاً وَّتَعْظِیْماً کے مفتیٔ اعظم حضرت سیِّدُ نا مسلم بن خالد زنجی علیہ رحمۃ اللہ الغنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتویٰ کی ترغیب دینے لگے۔ (کتاب الثقات لابن حبان، باب المیم، الرقم ۲۹۹۷ محمد بن ادریس الشافعی، ج ۵، ص ۴۵۶)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ونسب:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے اور نسب مبارک عبدِ مناف سے جا کر نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغداد شریف کا سفر کیا اور دو سال وہاں قیام فرمایا۔ پھر مکۂ مکرمہ لوٹ آئے اور یہاں چند ماہ قیام فرمایا۔ پھر مصر تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو تین حصوں میں تقسیم فرما لیتے: تہائی علم کے لئے، تہائی نماز کے لئے اور تہائی نیند کے لئے۔ (احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۴)

حضرت سیِّدُ نا ربیع علیہ رحمۃ اللہ الجلی کا بیان ہے کہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی روزانہ ایک قرآنِ عظیم ختم کیا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۴۵۴ محمد بن ادریس الشافعی، ج ۲، ص ۶۱)

مزید فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی ماہِ رمضانُ المبارک کے نوافل میں ساٹھ (60) بار قرآنِ پاک ختم کرتے تھے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۴) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گزرے ہیں۔ فتوۃ، ورع اور تقوے میں آپ کے فضائل مشہور اور کلام ارفع ہے جب تک مدینہ منورہ میں رہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ رہا اور جب عراق تشریف لائے تو امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ کی صحبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت:**

حضرت سیّدنا حسن کرابیسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں نے کئی بار حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی مَعِیَّت میں رات گزاری۔ میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تہائی رات نماز پڑھتے اور کبھی پچاس آیات سے زیادہ تلاوت نہ کرتے، اگر کبھی زیادہ پڑھتے تو بھی سو (100) آیات تک پہنچتے۔ جب کسی آیتِ رحمت کی تلاوت کرتے تو بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں اپنے لئے اور تمام مؤمنین کے لئے اطاعت پر قائم رہنے کی دعا کرتے اور جب آیت عذاب پڑھتے تو اس سے پناہ طلب کرتے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے اپنے لئے اور تمام اہلِ ایمان کے لئے نجات کی دعا کرتے۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۴۵۴، محمد بن ادریس الشافعی، ج ۲، ص ۶۱)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: سولہ سال سے میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کیونکہ یہ بدن کو بھاری کرتا، دل کو سخت کرتا، ذہانت کو ختم کرتا، نیند کو غالب کرتا اور بندے کو عبادت میں سُست کرتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۸۶، ج ۹، ص ۱۳۵)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں نے ساری زندگی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی نہ سچی قسم کھائی، نہ جھوٹی۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۹۱، ج ۹، ص ۱۳۶، بدون فی عمری)

ایک بار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جواب نہ دینے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: تاکہ میں جان سکوں کہ خاموش رہنے میں بہتری ہے یا جواب دینے میں۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۴)

امامِ مالک علیہ رحمۃ اللہ الخالق سے اِکتسابِ فیض:

حضرت سیّدنا امام مزنی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اور حضرت سیّدنا محمد بن عبداللہ بن عبد الحکم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: میں آپ سے مؤطّاء پڑھنا چاہتا ہوں۔ حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے کاتب حبیب کے پاس چلے جاؤ، وہ اس کی قراءت کرتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں رہے آپ کی طبیعت ہمیشہ گوشہ نشینی کی طرف مائل رہی اور طریقت کے حقائق کی جستجو میں مشغول رہے یہاں تک کہ لوگ آپ کے گرد جمع ہو کر آپ کی اقتداء کرنے لگے۔ حضرت امام احمد بن جنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ سے راضی ہو! مجھ سے ایک صفحہ سن لیجئے، اگر میرا پڑھنا اچھا لگے تو میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پڑھ کر سناؤں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ حضرت سیِّدُ نا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: پڑھئے! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صفحہ پڑھا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت سیِّدُ نا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مزید پڑھئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صفحہ پڑھ کر پھر خاموش ہو گئے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر ارشاد فرمایا: مزید پڑھئے! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پڑھا تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت اچھا لگا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں پوری مؤطّاء پڑھی اور جب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو تمہیں پڑھائے۔ تو حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے عرض کی: حضور! میں چاہتا ہوں کہ آپ خود میرا پڑھنا سماعت فرمائیں، اگر اچھا نہ پڑھ سکوں تو کوئی پڑھانے والا تلاش کر لوں گا۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اچھا! ٹھیک ہے، پڑھئے! تو حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے از اوّل تا آخر پوری مؤطّاء شریف زبانی پڑھ ڈالی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس پر حضرت سیِّدُ نا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دُعا دی اور انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۱۷۷ / ۱۳۱۷۸ / ۱۳۱۸۵ ج ۹، ص ۷۸، بتغیر)

حضرت سیِّدُ نا ربیع بن سلیمان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے ارشاد فرمایا: ایک بار میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لدا ہوا بُختی اونٹ لیا جس پر میرے ان سے سنے ہوئے علم کے سوا کچھ نہ تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۱۹۸، ج ۹، ص ۸۶)

حضرت سیِّدُ نا محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے ارشاد فرمایا: میں نے بچپن ہی میں علم کی تلاش شروع کر دی تھی جبکہ میرے پاس کوئی مال نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ، میں مکتب جاتا اور تیر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے کر ان پر احادیثِ مبارکہ لکھ لیا کرتا تھا۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۱۹۵، ج ۹، ص ۸۵۔ بدون فی الصغر) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ ہر حال میں خصائل حمیدہ کے حامل رہے۔ ابتداء میں صوفیاء کے زمرے میں رہے مگر دل میں کرختگی رہی لیکن جب حضرت شیبان راعی سے ملاقات ہوئی اور ان کی صحبت اختیار کی تو جہاں کہیں رہے طالبِ صادق رہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اے میرے بھائیو! لگاتار محنت کر کے یہ لوگ مراد کو پہنچے، سچی طلب کی بدولت ان کو توفیق کی دولت ملی اور عظیم ہمت کی وجہ سے لوگوں کے پیشوا بن گئے۔ اے سننے والے! یاد رکھ! بلند ہمتیں انسان کو اہم درجات کے قریب کر دیتی ہیں۔ جو اپنے آپ کو تھکاتا ہے وہی آرام پاتا ہے۔ اے فضول کاموں میں عمر برباد کرنے والے! تو ہلاک ہوا جبکہ باقی لوگ اپنا مقصد پا کر کامیاب ہو گئے۔ اے برے انجام سے اپنی نگاہیں ہٹانے والے! فضائل و مناقب کو ضائع کرنے سے بچ۔ تو نے کھیل کود میں جو عمر گزاری وہ تجھے کافی نہ ہوئی اور اپنی حالت کی تبدیلی سے بھی تو نے کوئی وعظ و نصیحت حاصل نہ کی اور تیری ساری عمر نقصان کی کمائی میں گزر گئی اور تو آخرت میں اس حالت میں آئے گا جو تجھے خوش نہ کرے گی۔

حضرت سیدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی فرماتے ہیں: جس نے دعویٰ کیا کہ میں نے دُنیا اور خالقِ دُنیا کی محبت اپنے دل میں جمع کر لی تو اس نے جھوٹ بولا۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۵)

سخاوتِ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی:

حضرت سیدنا حمیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی اپنے کسی کام کے سلسلے میں یمن تشریف لے گئے۔ جب واپس مکہ مکرمہ زَادَھَا اللہُ تَعَالٰی شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دس ہزار درہم تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ شریف سے باہر ہی خیمہ نصب کرلیا۔ لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتے رہے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیمے سے باہر نکلے تو سارا مال راہِ خدا عَزَّ وَجَلَّ میں تقسیم کر چکے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سیدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی حمام سے باہر نکلے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بہت سا مال تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا مال حمامی کو دے دیا۔ (المرجع السابق، ج ۱، ص ۴۵، بتغیر قلیل)

ایک دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار تھے کہ کوڑا ہاتھ سے گر گیا۔ ایک شخص نے اُٹھا کر پیش کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے سونے کے پچاس دینار عطا فرمائے۔ (المرجع السابق، ج ۱، ص ۴۵۔ بتغیر قلیل) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اذا رأیت العالم یشتغل بالرخص والتاویل فلن یجیی منہ بشیٔ ''جب تم ایسے عالم کو دیکھو جو رخصت و تاویل کا متلاشی رہتا ہے تو تم اس سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکو گے۔''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **مذاق کرنے والے درزی کو بھی دُعائے خیر:**

منقول ہے کہ ایک بار حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے کسی درزی سے قمیص سلوائی۔ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام و مرتبہ سے ناواقف تھا۔ اس نے مذاق کرتے ہوئے دائیں آستین اتنی تنگ کر دی کہ اس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ بمشکل داخل ہوتا اور بائیں اتنی کشادہ کر دی کہ اس میں سر بھی داخل ہو سکتا تھا۔ جب قمیص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے! تنگ آستین وضو میں اوپر چڑھانے کے لئے بہتر ہے اور کھلی آستین کتاب رکھنے کے لئے موزوں ہے۔ اسی دوران خلیفۂ وقت کا قاصد دس ہزار درہم لے کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ درزی کے پاس ہی اس کی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد کو فرمایا: اس درزی کو کپڑوں کی سلائی دے دو۔ جب درزی نے قاصد سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا: یہ حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے ہو لیا اور قدم بوسی کر کے معذرت کی پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ہی رہنے لگا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقۂ احباب میں شامل ہو گیا۔

حضرت سیّدُنا ربیع علیہ رحمۃ اللہ الولی فرماتے ہیں: جب میرا نکاح ہوا تو حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے دریافت فرمایا: تو نے کتنا مہر مقرَّر کیا؟ عرض کی: تیس (30) دینار۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: اپنی اہلیہ کو کتنی رقم دی؟ میں نے عرض کی: چھ دینار۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے ایک تھیلی بھجوائی جس میں چوبیس (24) دینار تھے اور 201 سنِ ہجری مجھے جامع مسجد میں مؤذن لگوا دیا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الجود والسخاء، الحدیث ۱۰۹۶۲ ج ۷، ص ۴۵۲)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشادِ پاک ہے کہ اپنی جان پر سب سے زیادہ ظلم کرنے والا وہ ہے کہ جب وہ کوئی مرتبہ حاصل کرلے تو اپنے عزیز و اقارب پر ظلم کرے، شناسا و واقف کار لوگوں کو نہ پہچانے، شرفاء کو حقیر جانے اور صاحبِ فضل پر تکبر کرے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطلب یہ کہ علماء چونکہ مخلوقات کے پیش رو ہیں اس لیے انہیں عزیمت کی راہ پر گامزن رہنا چاہیے (اگر غیر عالم میں عزیمت پائی گئی تو عمل میں غیر عالم آگے بڑھ جائے گا) حالانکہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ (کوئی غیر عالم) ان سے آگے بڑھ کر قدم رکھے خواہ کسی معنیٰ میں ہو راہِ حق کا اصول، احتیاط اور مجاہدے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوفِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ:

ایک دن کسی نے حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے سامنے اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت کی:

(2) هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ o وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ o

ترجمۂ کنز الایمان: یہ دن ہے کہ وہ بول نہ سکیں گے۔ اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں۔

(پ29 المرسلٰت: 35-36)

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ متغیّر ہو گیا، رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جسم کے جوڑ کپکپانے لگے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ہوش ہو کر زمین پر تشریف لے آئے۔ جب افاقہ ہوا تو عرض کی: یا الٰہی عَزَّ وَجَلَّ! میں جھوٹوں کے ٹھکانے اور غافل لوگوں کے منہ پھیرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! اہلِ معرفت کے دل تیرے لئے جھک گئے اور مشتاق لوگوں کی گردنیں تیری ہیبت کے سامنے جھک گئیں۔ اے میرے مالک و مولیٰ عَزَّ وَجَلَّ! مجھے اپنا فضل و کرم عطا فرما اور اپنے پردۂ بخشش میں چھپا لے اور اپنے لطف و کرم سے میری کوتاہیاں معاف فرما دے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج۱، ص ۴۵)

اے میرے بھائی! دیکھ! جب حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا اتنے علم کے باوجود یہ حال ہے تو تو بے علم ہونے کے باوجود کیسے بے خوف ہے۔ غافل جاہلوں کے لئے بربادی ہے! ان کی عمریں چھین لی جائیں گی۔ زندگی کے شب و روز ختم ہو جائیں گے اور گناہ لکھ دیئے جائیں گے۔ اب وہ نصیحت حاصل کرنے سے بہرے یا اندھے ہیں جبکہ نصیحتیں تو واضح ہیں۔

جیسا کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

(3) فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا o

ترجمۂ کنز الایمان: تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔ (پ5، النسآء: 78)

سخت دل والے ذکر کے اجتماعات سے ایسے ہی نکلتے ہیں جیسے داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مبالغہ کے بغیر ممکن نہیں اور عالم میں رخصت یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس میں آسانی ہو اور مجاہدے سے فرار کی راہ مل سکے لہٰذا رخصت کی جستجو تو عوام کا درجہ ہے تا کہ دائرہ شریعت سے باہر نہ نکل جائے اور جب خواص یعنی علماء ہی عوام کے درجہ میں اتر آئیں اور رخصت پر عمل کرنے لگیں تو پھر ان سے کیا حاصل ہوگا اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ربِّ عظیم عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

(4) وَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔

(پ22 یٰسٓ:10)

نصیحتیں ان کے دلوں کے گرد گھومتی رہتی ہیں مگر داخل ہونے کا راستہ نہیں پاتیں۔

اللہ قدیر عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

(5) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ٘

ترجمہ کنز الایمان: اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے۔(ا)

(پ1، البقرۃ:7)

اس کے باوجود مایوس نہیں ہونا چاہے، اس لئے کہ شراب ایک رات میں سرکہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ، مُقلِبُ القلوب رب عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ کنز الایمان: اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے۔(ا)

اس کے باوجود مایوس نہیں ہونا چاہے، اس لئے کہ شراب ایک رات میں سرکہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ، مُقلِبُ القلوب رب عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

(6) يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی۔ (پ18 النور:44)

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے پہلے گھر سے نکلے تو سخت دل تھے لیکن جب ایمان لائے تو دل صاف ہونے پر نرم پڑ گئے۔

اے بھائی! اللہ عَزَّ وَجَلَّ تجھ پر رحم فرمائے! اگر تجھے اندھیرے ڈھانپ لیں تو علمائے اسلام رَحِمَهُمُ اللہُ السَّلَام کی پیروی کر۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ماسوا ایک بات یہ بھی ہے کہ رخصت کے درپے ہونے میں فرمانِ الٰہی کا استخفاف بھی ہے علماء چونکہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور کوئی دوست اپنے دوست کے حکم کا استخفاف کرسکتا ہے نہ اس کو سبک کرسکتا ہے اور نہ علماء

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **ایک نوجوان کو نصیحت:**

حضرت سیّدُنا عبداللہ بن محمد بلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: میں حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے ساتھ بغداد کے کسی علاقے میں تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اچھے طریقے سے وضو نہ کر رہا تھا۔ تو اُسے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اپنا وضو ٹھیک کر، اللہ عَزَّ وَجَلَّ دُنیا و آخرت میں تجھ پر احسان فرمائے گا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے۔ نوجوان نے جلدی سے وضو مکمل کیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملا۔ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانتا نہ تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور استفسار فرمایا: کیا کوئی کام ہے؟ عرض کی: جی ہاں! مجھے بھی وہ علم سکھایئے جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کو سکھایا ہے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جان لے! جس نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی معرفت پالی وہ نجات پا گیا۔ جس نے اپنے دین کے معاملے میں خوف کیا وہ تباہی سے بچ گیا۔ جس نے دُنیا میں زُہد اختیار کیا تو کل (بروزِ قیامت) جب وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف سے اس کا ثواب دیکھے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

(پھر فرمایا:) کیا تجھے کچھ مزید نہ بتاؤں؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! ضرور بتایئے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: جس میں تین خوبیاں جمع ہوگئیں اس کا ایمان مکمل ہوگیا: (۱)۔۔۔۔۔۔جو نیکی کا حکم دے اور خود بھی اس پر عمل کرے (۲)۔۔۔۔۔۔جو برائی سے منع کرے اور خود بھی اس سے باز رہے اور (۳)۔۔۔۔۔۔جو حدودِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی حفاظت کرے۔ پھر ارشاد فرمایا: کیا کچھ اور بھی بتاؤں؟ عرض کی: کیوں نہیں، ضرور بتایئے۔ تو ارشاد فرمایا: دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شوق رکھنے والا ہو جا اور اپنے ہر کام میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے سچ کا معاملہ کر نجات پانے والوں کے ساتھ نجات پا جائے گا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چل دیئے۔ بعد میں اس نوجوان نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا تو اسے بتایا گیا: یہ حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی تھے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم۔۔۔۔۔۔الخ، ج۱، ص ۴۵، بتغیر)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ لوگ (میرے) اس علم سے فائدہ اُٹھائیں اور میری طرف اس میں سے کسی شئے کو منسوب نہ کریں۔ (المرجع السابق، ج۱، ص ۴۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حق ہی عوام کے درجہ میں آنا گوارا کر سکتے ہیں بلکہ وہ ہر حال میں احتیاط اور عزیمت کو ہی اختیار کرنا پسند کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جس سے بھی مناظرہ کیا تو یہی خواہش رہی کہ اُسے حق کی توفیق ملے، وہ سیدھے راستے پر رہے، اُس کی مدد کی جائے اور اُسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی حفاظت ورعایت حاصل ہو۔ میں نے جس سے بھی کلام کیا تو یہی پسند کیا کہ اس کے سامنے حق ظاہر ہو اور اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ میری زبان پر حق واضح کرتا ہے یا دوسرے کی زبان پر۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۴۱، ج ۹، ص ۱۲۵۔ المرجع السابق، ج ۱، ص ۴۶، بتغیر)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے جس پر حق اور دلیل قائم کی اور اس نے میری بات مان لی تو میں نے اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ اور جس نے حق بات میں میرا انکار کیا اور میری دلیل کی (بے جا) مخالفت کی تو وہ میری نگاہوں سے گر گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۳۷، ج ۹، ص ۱۲۵)

حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں چالیس سال سے جو بھی نماز پڑھتا ہوں اس میں حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے لئے دُعا ضرور کرتا ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے نے عرض کی: اے والدِ محترم! یہ شافعی کون شخص ہے جس کے لئے آپ دُعا کرتے ہیں؟ تو حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی دُنیا کے لئے سورج کی طرح اور لوگوں کے لئے عافیت کا باعث تھے تو اب بتاؤ! کیا ان دو صفات میں کوئی اُن کا نائب ہے؟ (احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم، ج ۱، ص ۴۶)

بھائیو! ایسے ہی صالح و پاک باز علمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام دُنیا کے لئے سورج کی طرح اور لوگوں کے لئے عافیت کا باعث ہیں۔ ان کا نائب بھی کوئی نہیں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان کی برکت سے بلائیں دور کرتا اور آسانیاں نازل فرماتا ہے۔ برکت عام ہوتی ہے اور رحمت بٹتی ہے۔

سُبْحَانَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ! یہ کیسے عظیم لوگ تھے۔ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں حاضر ہو جاتے تھے جبکہ تم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف بھاگتے ہو۔ اسلاف کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام شیطان کو نامراد کرتے تھے جبکہ تم سے شیطان مسخری کرتا ہے۔ تمہارے اور ان کے درمیان کتنی دُوری ہے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دُنیا تم پر حکمرانی کر رہی ہے جبکہ وہ دنیا پر حکمرانی کرتے تھے۔ پس تم دُنیا کے غلام ہو جبکہ وہ اس کی غلامی سے آزاد تھے۔ ان کے پاس سفرِ آخرت کا زادِ راہ تھا اس لئے اُنہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑی۔ انہوں نے زمانے کی قدر جانی تو زندگی میں ہوشیار رہے۔ اگر تم سحری کے وقت ان کا دیدار کرو تو انہیں ہدایت کے ستارے پاؤ گے۔ نہیں، بلکہ وہ تو ہدایت کے چاند ہیں جو رات کی تاریکی میں بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہو کر عذر پیش کرتے رہتے ہیں جبکہ تم نیند اور غفلت کے طوفانی سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہو۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُنیا سے بے رغبتی:

حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کو دُنیا سے کوئی رغبت نہ تھی۔ لغو اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب فرماتے تھے۔ چنانچہ، ایک روز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو کسی عالم کی برائی کر رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اپنے کانوں کو غیبت سننے سے پاک رکھو جیسے اپنی زبان کو غیبت کرنے سے بچاتے ہو۔ اس لئے کہ غیبت سننے والا بھی کرنے والے کا شریک ہوتا ہے۔ بلاشبہ بے وقوف شخص جب اپنے برتن میں گندگی دیکھتا ہے تو اسے تمہارے برتنوں میں انڈیلنا چاہتا ہے۔ اگر بے وقوف کی بات کا سختی سے انکار کر دیا گیا تو انکار کرنے والا اسی طرح خوش بختی سے سرفراز ہو جیسے بے وقوف بدبختی کا مستحق بنتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۶۴، ج۹، ص130)

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد القاہر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ الکبیر ایک متقی اور نیک شخص تھے۔ وہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی سے تقویٰ کے مسائل دریافت کرتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی طرف توجہ فرماتے۔ ایک بار انہوں نے عرض کی: صبر، آزمائش اور طاقت وقدرت میں سے کون سی چیز افضل ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: طاقت، کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ ہے اور آزمائش کے بعد ہی طاقت ملتی ہے۔ جب کسی کی آزمائش ہوتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے تو اسے طاقت دی جاتی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمائش میں ڈالا پھر اُنہیں طاقت عطا فرمائی۔ حضرت سیِّدُنا موسیٰ علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمائش میں مبتلا فرمایا پھر انہیں قوت عطا فرمائی۔ اسی طرح حضرت سیِّدُنا ایوب علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتحان لیا پھر انہیں بھی طاقت دی اور حضرت سیِّدُنا سلیمان علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آزمائش میں مبتلا فرما کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایک روایت پہنچی ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے اوتاد اولیاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عظیم بادشاہت عطا فرمائی۔ پس طاقت کا درجہ سب سے بلند ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۶)

حضرت سیّدُنا عبدالملک بن عبدالحمید میمونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت سیّدُنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا ذکرِ خیر ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت تعظیم کررہے تھے۔ پھر ارشاد فرمایا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ رحمت نشان ہے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ اِس امت میں ہر سو سال کے سرے پر ایک ایسا شخص بھیجے گا جو اس (اُمت) کے لئے اس کے دین کو قائم کریگا۔ (سنن ابی داود، کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المائۃ، الحدیث ۴۲۹۱، ص ۱۵۳۵)

(پھر فرمایا) حضرت سیّدُنا عمر بن عبدالعزیز پہلی صدی کے مجدِّد تھے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی دوسری صدی کے مجدد ہیں۔ (المستدرک، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر بعض المجدِّدین فی ھذہ الامۃ، روایۃ استاذ ابی الولید، تحت الحدیث ۸۶۳۹، ج ۵، ص ۷۳۵)

حضرت سیّدُنا ہارون بن سعید بن ہیثم ایلی علیہ رحمۃ اللہ الولی نے ارشاد فرمایا: میں نے حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی جیسا کوئی نہ دیکھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر میں ہمارے پاس تشریف لائے تو لوگوں نے کہا: ایک قریشی فقیہ ہمارے پاس آئے ہیں۔ پس ہم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ خوبصورت چہرے والا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ ہم انتظار کرتے رہے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ادا کرلی تو گفتگو کا آغاز فرمایا۔ ہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھا کلام کرنے والا بھی کوئی نہ دیکھا۔

حضرت سیّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی عام طور پر حقیقت، دُنیا سے بے رغبتی اور دلوں کے بھیدوں کے متعلق کلام فرمایا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: وہ شخص دُنیا سے کیسے بے رغبت ہوسکتا ہے جو آخرت کی معرفت نہیں رکھتا؟ وہ کیسے دنیا سے خلاصی پاسکتا ہے جو خود کو جھوٹی طمع سے خالی نہ کرے؟ وہ کیسے سلامتی پاسکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ نہ ہوں؟ وہ کیسے حکمت پاسکتا ہے جس کا کلام رضائے الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے لئے نہ ہو؟

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ابرار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا راوی نے میری یہ حدیث تم تک صحیح پہنچائی ہے۔ میں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: ریا کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: جب تجھے اپنے عمل میں خود پسندی کا ڈر ہو تو دیکھ! تو کس کی رضا کا طالب ہے؟ کس ثواب کی طرف رغبت رکھتا ہے؟ کس عذاب سے ڈرتا ہے؟ کس عافیت کا شکر ادا کرتا ہے؟ اور کس مصیبت کو یاد کرتا ہے؟ (جب تو ان میں سے کسی چیز میں غور و فکر کریگا تو اپنے اعمال کو حقیر پائے گا۔) (احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۶)

امامِ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند اشعار

حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے بہت سے اشعار ہیں جو حکمت و نصیحت پر مشتمل ہیں۔ ہم یہاں پر ان کا ذکر کریں گے جو ہم تک پہنچے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام حقائق اور دقیق معانی پر بھی مشتمل ہے۔ جس میں سے کچھ حضرت سیِّدُنا سوید بن سعید علیہ رحمۃ اللہ الحمید نے نقل فرمائے ہیں۔ چنانچہ، فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی مدینۂ منورہ میں نمازِ فجر کے بعد بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کی: میں گناہوں کے سبب اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کے حضور پیشی کے وقت میرے پاس سوائے توحید کے کوئی عمل نہ ہو گا۔ حضرت سیِّدُنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے ارشاد فرمایا: اے بندۂ مؤمن! اگر اللہ عَزَّ وَجَلَّ تجھے معافی سے مایوس کرنے کا ارادہ بھی کرلے تو بھی تیرے گناہ بخشنا اس کے لئے ناممکن نہیں۔ کیونکہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

(7) وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمۂ کنزالایمان: اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے۔ (پ4 آل عمران: 135)

اور اگر اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تجھے جہنم کی سزا اور ہمیشہ اس میں ٹھہرانے کا ارادہ فرمالیا ہوتا تو تجھے توحید و معرفت کی توفیق نہ دیتا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند اشعار پڑھے، جو یہ ہیں:

اِنۡ كُنۡتَ تَغۡدُوۡ فِي الذُّنُوۡبِ جَلِيۡدًا ... وَتَخَافُ فِيۡ يَوۡمِ الۡمَعَادِ وَعِيۡدًا

فَلَقَدۡ اَتَاكَ مِنَ الۡمُهَيۡمِنُ عَفۡوَہ، ... وَاَتَاحَ مِنۡ نِعَمٍ عَلَيۡكَ مَزِيۡدًا

لَا تَيۡأَسَنَّ مِنۡ لُطۡفِ رَبِّكَ فِي الۡحَشَا ... فِيۡ بَطۡنِ اُمِّكَ مُضۡغَةً وَوَلِيۡدًا

لَوۡ شَاءَ اَنۡ تَصۡلِيۡ جَهَنَّمَ خَالِدًا ... مَاكَانَ اَلۡهَمَ قَلۡبَكَ التَّوۡحِيۡدًا

ترجمہ: اگر تو گناہوں میں پگھل کر برف بن چکا ہے اور اب قیامت کے دن کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! پھر تو مجھے ان میں سے کسی کو دکھایا جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سزا سے ڈر رہا ہے تو یاد رکھ! حفاظت فرمانے والا خدا عَزَّ وَجَلَّ تجھ پر عفو و کرم فرمائے گا اور تجھے اپنی مزید نعمتیں فراہم کریگا۔ اے شخص! تو اپنی ماں کے پیٹ کے اندر لوتھڑے اور نوزائیدہ بچے کی طرح تھا تو تب بھی اس نے اپنے لطف و کرم سے تجھے مایوس نہ کیا۔ اگر وہ تجھے ہمیشہ جہنم میں جلانا چاہتا تو تیرے دل میں اپنی وحدت پر ایمان داخل نہ کرتا۔

یہ سن کر وہ آدمی رو پڑا اور عبادت شروع کر دی۔ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے بہت مسرور ہوا۔

امامِ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چند دعائیں

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی اشعار اور دعائیں ارشاد فرمائی ہیں۔ حضرت سیّدُ نا عبداللہ بن مروان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: میں حضرت سیّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے علمی حلقہ میں بیٹھتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھ کر لکھا کرتا۔ ایک صبح میں اپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں موجود پایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں بیٹھ گیا حتی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو دعائیں فرمائیں۔ ان میں سے کچھ میں نے یاد کرلیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ امْنُنْ عَلَیْنَا بِصَفَاءِ الْمَعْرِفَةِ وَھَبْ لَنَا تَصْحِیْحَ الْمُعَامَلَةِ فِیْمَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ عَلَی السُّنَّةِ وَارْزُقْنَا صِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْكَ وَحُسْنِ الظَّنِّ بِكَ وَامْنُنْ عَلَیْنَا بِکُلِّ مَا یُقَرِّبُنَا اِلَیْكَ مَقْرُوْنًا بِعَوَافِی الدَّارَیْنِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

یعنی اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! ہم پر احسان فرماتے ہوئے خالص معرفت عطا فرما۔ ہمیں ان معاملات کی درستگی عطا فرما جو ہمارے اور تیرے درمیان ہیں۔ اور اپنی ذات پر سچا توکل اور حسنِ یقین عطا فرما۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنی خاص رحمت سے ہمیں ہر وہ بھلائی عطا فرما جو دنیا و آخرت کی عافیتوں کے ساتھ ساتھ تیرا قرب بخشے۔ (آمین)

حضرت عبداللہ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا سے فارغ ہوئے تو مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے ہولیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھہر گئے اور آسمان کو دیکھ کر زیرِ لب کچھ اشعار پڑھنے لگے۔

مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھی عطا فرمائی:

حضرت سیّدُ نا ربیع علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیّدُ نا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محمد بن ادریس ان میں سے ایک ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کو فرماتے سنا: قیامِ یمن کے دوران میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں طواف کی جگہ بیٹھا ہوں۔ اسی دوران شیرِ خدا، حضرت سیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم تشریف لائے۔ میں جلدی سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لپکا، سلام عرض کیا اور مصافحہ کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے سینے سے لگالیا اور اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر میری انگلی میں پہنا دی۔ صبح کے وقت جب میں نیند سے بیدار ہوا تو مُعَبِّر (یعنی خواب کی تعبیر بتانے والے) سے اپنا خواب بیان کیا تو اس نے مجھے بتایا: اے ابوعبداللہ! آپ کو خوش خبری ہو! آپ کا مسجدِ حرام میں حضرت سیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کا دیدار کرنا عذابِ نار سے نجات کی بشارت ہے۔ آپ کا ان سے مصافحہ کرنا یومِ حساب میں امان ہے اور رہا ان کا آپ کی انگلی میں انگوٹھی پہنانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب ساری دنیا میں آپ کی شہرت ایسی ہوگی جیسی حضرت سیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی ہے۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۴۵۴، محمد بن ادریس الشافعی، ج ۲، ص ۵۸، بتغیر)

امامِ شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی دُعا:

یا رَبَّ الْعٰلَمِیْن عَزَّ وَجَلَّ! میں تیری پاکیزگی کے نور و عظمت اور تیرے جلال کی برکت کی پناہ مانگتا ہوں ہر آفت و مصیبت اور شریر جن و انس کے پیش آنے سے، سوائے اس کے جو خیر لائے۔ اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! تو ہی میری پناہ گاہ اور جائے قرار ہے لہٰذا میں تجھی سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے وہ ذات جس کے آگے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں خم ہو جاتی ہیں۔ یا الٰہی عَزَّ وَجَلَّ! میں تیرے سامنے رسوا ہونے، عیبوں کا پردہ چاک ہونے، تیری یاد بھول جانے اور تیرے شکر سے مُنہ موڑنے سے تیرے جلال و کرم کی پناہ میں آتا ہوں۔ میرے دن رات، آرام و سکون، اور سفر تیرے حفظ و امان میں ہیں۔ تیری حمد و ثناء میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں ہر عیب سے تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیرے وجہِ کریم کی تکریم کرتا ہوں۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھے رسوائی اور اپنے بندوں کے شر سے محفوظ فرما اور بری خفیہ تدبیر سے محفوظ فرما۔ مجھ پر اپنی حفاظت کے خیمے اوڑھا دے اور مجھے اپنی عنایت کی حفاظت میں داخل فرما دے۔ (آمین) (حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۲۵۳/۱۳۲۵۲، ج ۹، ص ۸۷)

اے میرے بھائیو! سَلَف صالحین، علماء کرام اور مجتہدینِ عظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام اس دنیائے فانی سے تو کوچ کر گئے لیکن ان کی نشانیاں باقی ہیں، اُن کے طریقے مٹا دیئے گئے مگر ان کی خوبیاں اور اچھی باتیں نہیں مٹائی جا سکیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۱) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت وشریعت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، شیخ سنت، قاطعِ بدعت حضرت ابو محمد احمد بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا سونا ہماری عبادت سے بہتر ہے:

حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ کثرت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ خیر کرتے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتے۔ حضرت سیِّدُ نا امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نیک سیرت بیٹی تھی جو رات شب بیداری میں اور دن روزے میں گزارتی۔ وہ صالحین کے واقعات کو بہت پسند کرتی تھی اور حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کو دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ ان کے والدِ محترم امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت زیادہ عظمت وشان بیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ اِتفاقاً حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں رات گزاری۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی بہت خوش ہوئی۔ اُسے اُمید تھی کہ آج امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال یعنی ان کی عبادت، اور کلام کو دیکھنے اور سننے کا خوب موقع ملے گا۔ جب رات ہوئی تو حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز اور یادِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے لئے کھڑے ہو گئے جبکہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی چِت لیٹے رہے۔ بچی فجر تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی حالت میں دیکھتی رہی اور صبح اپنے باپ سے عرض کی: میں نے دیکھا کہ آپ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی بہت تعظیم کرتے ہیں لیکن میں نے تو ان کو آج رات نماز، ذکر یا دیگر اوراد و وظائف میں مشغول نہیں پایا۔ ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی تشریف لے آئے۔ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: رات کیسی گزری؟ ارشاد فرمایا: اس سے زیادہ برکت ونفع والی اور اچھی رات میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو فرمانے لگے: وہ یوں کہ میں نے آج رات پیٹھ کے بل لیٹے لیٹے سو مسائل اَخذ کئے، جو تمام کے تمام مسلمانوں کے نفع کے لئے ہیں۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رُخصت لی اور تشریف لے گئے۔ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا: یہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا آج رات کا عمل تھا۔ وہ سوئے ہوئے اس سے افضل عمل کر رہے تھے جو میں نے کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہوئے کیا۔

اے میرے بھائی! ان برگزیدہ بندوں کی حرکات وسکنات اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے تھیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (77) آپ ورع، تقوٰی اور حافظ حدیث نبوی ہونے میں مخصوص ہیں۔ تمام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے افعال و احوال اسی کے لئے تھے۔ ان کا ذکر و فکر بھی اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہی کے لئے تھا۔ ان کا قیام اطاعتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ تھا۔ ان کی نیند صدقہ تھی۔ ان کا ذکر رب عَزَّ وَجَلَّ کی تسبیح کرنا تھا۔ ان کا سکوت فکرِ آخرت تھا۔ ان کا علم امت کے لئے شفا اور رحمت تھا۔ بلاشبہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں بہت کچھ عطا فرمایا، ان کی تعریف و توصیف فرمائی اور انہیں اسلام کا امام اور لوگوں کا پیشوا بنایا۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی علمی معاملات اور ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں رات گزارتے، حقائق و اسرار کی سرزمین میں گھومتے اور فکرِ آخرت کے پاکیزہ باغات میں سیر و سیاحت کرتے۔ جب سحری کی ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو جاتے، رنگ متغیر ہو جاتا اور محبت کی آگ بھڑک اٹھتی اور ایسی حالت طاری ہو جاتی جسے اربابِ احوال (یعنی اہلِ معرفت) کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا: اگر سحری کے وقت تم پر وہ باتیں ظاہر ہوں جو مجھ پر ہوتی ہیں تو دُنیا سے بے رغبت ہو جاؤ اور آخرت کی تیاری پر کمر بستہ ہو جاؤ۔

(اَلرَّوْضُ الفَائِق فِی المَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۳۹۴-۴۰۷ اَلشَّیخ شُعَیب حَرِیفِیش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۵ھ)

شرح (77): تعارفِ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت سیِّدُ نا ادریس حداد علیہ رحمۃ اللہ الجواد فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث پاک میں صاحبِ روایت تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کوئی نہ تھا۔ (طبقات الحنابلۃ، مقدمۃ المصنف، الرقم ۱، احمد بن محمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۵)

حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی صالح و متقی تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سچے ایمانداروں کی علامات پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ، حضرت سیِّدُ نا ادریس حداد علیہ رحمۃ اللہ الجواد فرماتے ہیں: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت سیِّدُ نا عبد اللہ علیہ رحمۃ اللہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے روٹی اور کچھ سالن دینا اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ جب وہ قاضی بن گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روٹی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں اس سے کبھی کھانا نہ کھاؤں گا۔ اور مرتے دم تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس قول پر کاربند رہے۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۹۷)

حضرت ادریس حداد علیہ رحمۃ اللہ الجواد فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُ نا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشائخِ طریقت اور علماء شریعت آپ کو مقتداء مانتے ہیں آپ نے مشائخ کبار میں حضرت ذوالنون مصری، بشر حافی، سری سقطی اور معروف کرخی رحمہم اللہ کی صحبتیں پائی ہیں آپ ظاہر الکرامت اور صحیح الفراست تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیشہ نماز پڑھتے، تلاوتِ قرآن کرتے یا کوئی کتاب پڑھتے دیکھا اور کبھی کسی دُنیوی معاملے میں مشغول نہ پایا۔ اور جب ان مذکورہ کاموں میں شدت آجاتی تو ایک، دو یا تین دن تک کچھ نہ کھاتے۔ جب اپنے گھر والوں کو دیکھتے تو پانی پی لیتے جس سے وہ سمجھتے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔

حضرت سیِّدُ نا مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، جب حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآنِ پاک کو غیرِ مخلوق ماننے پر خلیفہ واثق کے قید خانہ میں ڈالا گیا۔ تو ایک دن داروغۂ جیل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: اے ابو عبد اللہ! کیا وہ حدیث صحیح ہے جو ظالموں اور ان کے مددگاروں کے متعلق ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جی ہاں! صحیح ہے۔ اس نے کہا، پھر تو میں بھی ظالموں کے مددگاروں میں سے ہوں۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں (تو ظالموں کا مددگار نہیں)۔ اس نے کہا، کیوں نہیں؟ فرمایا: ظالموں کا مددگار تو وہ ہے جو تیرے بال سنوارے، کپڑے دھوئے اور تیرے لئے کھانا لائے جبکہ تُو خود ظالم ہو۔

(صید الخاطر لابن الجوزی، فصل انقطع بلا عمل، ص ۱۴۲)

حضرت سیِّدُ نا ادریس حداد علیہ رحمۃ اللہ الجواد فرماتے ہیں: جب حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتلا و آزمائش کی گھڑیاں ختم ہوئیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھر لایا گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کثیر مال بھیجا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضرورت کے باوجود سارا مال واپس کر دیا اور اس میں سے کچھ نہ لیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا حضرت سیِّدُ نا اسحاق علیہ رحمۃ اللہ الرزاق نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس دن کے لوٹائے ہوئے مال کا حساب لگایا تو وہ پچاس ہزار دینار کا تھا۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چچا سے فرمایا: اے چچا! میں آپ کو ایسے حساب میں مشغول پاتا ہوں جو آپ کے لئے بے فائدہ ہے۔ چچا نے کہا: آج تم نے اتنا مال واپس کر دیا حالانکہ تمہیں ایک ایک دانہ کی ضرورت ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر ہم اسے طلب کرتے تو یہ نہ ملتا اور جب ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے تو یہ ہمارے پاس آیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۸۷۶، احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج ۹، ص ۵۱۱)

حضرت سیِّدُ نا علی بن سعید رازی علیہ رحمۃ اللہ القاضی فرماتے ہیں: ایک دن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آج کچھ مشتبہ لوگ ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں لیکن وہ مفتری اور کذاب ہیں آپ تمام اتہامات سے پاک ومبرا ہیں اصولِ دین ومذہب میں آپ کے وہی معتقدات ہیں جو تمام علماء اہل سنت کے نزدیک مختار

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہم حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خلیفہ مُتوَکِّل کے دروازے پر پہنچے۔ جب درباریوں نے آپ کو خاص دروازے سے اندر داخل کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں ارشاد فرمایا: واپس لوٹ جاؤ! اللہ عَزَّ وَجَلَّ تمہیں عافیت عطا فرمائے۔ چنانچہ، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کی برکت سے آج تک ہم میں سے کوئی بیمار نہ ہوا۔ (المرجع السابق، ص ۵۱۲)

حضرت سیِّدُ نا ہلال بن علاء علیہ رحمۃُ ربِّ العُلٰی فرماتے ہیں: چار شخصیات ایسی ہیں جن کا اسلام پر احسان ہے: (۱) حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو اذیت وتکلیف پر ثابت قدم رہے اور قرآنِ عظیم کو مخلوق نہ کہا (۲) حضرت سیِّدُ نا ابوعبداللہ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنہوں نے کتاب وسنت پر فقہ کی بنیاد رکھی (۳) حضرت سیِّدُ نا ابوعبداللہ قاسم بن سلام علیہ رحمۃ اللہ السلام، جنہوں نے حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی حدیث کی تشریح فرمائی اور (۴) حضرت سیِّدُ نا ابوزکریا علیہ رحمۃ اللہ الکبریا، جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح احادیث میں فرق واضح کیا۔

حضرت سیِّدُ نا محمد بن موسیٰ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُ نا حسین بن عبدالعزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز کی طرف مصر سے بہت سا مالِ وراثت بھیجا گیا تو انہوں نے حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تین تھیلے پیش کئے۔ ہر تھیلے میں ہزار دینار تھے اور عرض کی: اے ابوعبداللہ! اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کر لیجئے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے اس مال کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے میرا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کافی ہے۔ اور سارا مال لوٹا دیا۔ (حلیۃ الاولیاء، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الحدیث ۱۳۶۳۶، ج۹، ص ۱۸۷)

حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت سیِّدُ نا عبداللہ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میرے والدِ محترم ہر رات ایک منزل قرآنِ حکیم پڑھتے اور سات دن میں قرآنِ مجید ختم فرماتے پھر صبح تک کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر دن تین سو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوڑے برسائے گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمزور پڑ گئے۔ اور پھر ہر دن ایک سو پچاس (150) رکعت ادا فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین بار سکون میں آتے اور تین بار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چیخ بلند ہوتی۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الحدیث ۱۳۶۵۸، ج۹، ص ۱۹۲) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں جب بغداد میں معتزلہ کا غلبہ وتسلط ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ کو اتنی اذیت وتکلیف پہنچائی جائے کہ آپ قرآن کو مخلوق کہنے پر مجبور ہو جائیں باوجود یہ کہ آپ ضعیف العمر اور کمزور اور لاغر ہو چکے تھے پھر بھی آپ کے ہاتھوں کو کندھے سے کھینچ کر باندھ دیا گیا اور آپ کے جسم پر ایک ہزار کوڑے مارے گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سیِّدُ نا شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جوابِ لاجواب:

حضرت سیِّدُ نا عبداللہ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ایک روز میرے والدِ محترم حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے قریب سے حضرت سیِّدُ نا شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے اُونی جبہ پہن رکھا تھا۔ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی سے فرمایا: اے ابو عبداللہ! کیا میں اس ناواقف کو اس کی ناواقفیت پر آگاہ نہ کروں؟ حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی نے فرمایا: چھوڑیئے! اسے اپنے حال پر رہنے دیجئے۔ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نہیں، اسے سمجھانا بہت ضروری ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیِّدُ نا شیبان علیہ رحمۃ اللہ المنّان کو اپنے پاس بلا کر استفسار فرمایا: اے شیبان! اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جو کسی دن اپنی نماز بھول گیا اور نہیں جانتا کہ کون سی نماز تھی تو اب اس پر کیا واجب ہے؟ تو حضرت سیِّدُ نا شیبان علیہ رحمۃ اللہ المنّان نے جواباً ارشاد فرمایا: اے احمد! ایسے شخص کا دل یادِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ سے غافل ہے اور وہ بھولا ہوا غافل ہے۔ لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ سیکھے تاکہ دوبارہ کبھی نماز سے غافل نہ ہو اور اس دن کی ساری نمازیں بھی قضا کرے۔ پھر وہ حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیِّدُ نا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا آپ دونوں میرے جواب کا رد کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی سے چلّا اُٹھے اور فرمایا: نہیں، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! یہی جواب صحیح ہے۔ پھر ان کو وہیں چھوڑ کر حضرت سیِّدُ نا شیبان علیہ رحمۃ اللہ المنّان تشریف لے گئے۔

حضرت سیِّدُ نا ادریس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضرت سیِّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلا ہوا لباس نہ پہنتے تھے بلکہ کچی سلائی کر کے درمیان سے گول کاٹ لیتے اور سر میں داخل کر لیتے اور فرماتے: جو مر جائے گا اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ تر خود رُو زمینی سبزی تناول کرتے اور فرماتے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! یہ وہ حلال چیز ہے جس میں کوئی حساب وکتاب نہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن آپ نے ان کی موافقت میں اپنے علم و ضمیر کے خلاف کہنا گوارا نہ فرمایا اس دوران آپ کا ازار بند کھل گیا چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے آپ کے ازار

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مُشعل کی روشنی میں سوت نہ کاتو:

حضرت سیّدنا ادریس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، ایک روز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفقاء کی عورتوں کا ایک گروہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آگے بڑھ کر عرض کرنے لگی: یا سیّدِی! ہم اپنے گھروں میں سوت کات رہی ہوتی ہیں تو قریب سے سپاہی مشعل لے کر گزرتے ہیں تو کیا ہمارے لئے ان مشعلوں کی روشنی میں اُون کاتنا جائز ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے عرض کی: حضرت سیّدنا بشرِ حافی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کی بہن۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: تمہارے گھر سے تقویٰ کا ظہور ہوا اس لئے تم اس کی روشنی میں اُون مت کاتو۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان، حرف الباء، الرقم ۱۱۴، الحافی، ج ۱، ص ۲۶۸، بتغیر)

حضرت سیّدنا ادریس حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے مکہ مکرمہ زَادَھَا اللہُ شَرَفًاوَّتَعْظِیْمًا حاضر ہوئے۔ وہاں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنگ دستی غالب آگئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک بالٹی تھی۔ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی چیز کے بدلے ایک سبزی فروش کے پاس گِروی رکھ دی۔ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنگ دستی دُور فرما دی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سبزی فروش کے پاس آئے اور اسے رقم دے کر اپنی بالٹی کا مطالبہ کیا۔ سبزی فروش کھڑا ہوا اور ایک جیسی دو بالٹیاں حاضر کر دیں اور کہنے لگا: مجھ پر آپ کی بالٹی مشتبہ ہو گئی ہے، آپ ان میں سے جو چاہیں لے لیں۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھ پر بھی معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے کہ کون سی بالٹی میری ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں اسے بالکل نہ لوں گا۔ سبزی فروش نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں بھی اس کو دیئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ آخر کار دونوں اس کو فروخت کر کے رقم صدقہ کرنے پر رضامند ہو گئے۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الحدیث ۱۳۶۵۱، ج ۹، ص ۱۸۱، بتغیر)

حضرت سیّدنا ادریس حداد علیہ رحمۃ اللہ الجواد فرماتے ہیں: جب بھی حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی جنازہ میں جاتے تو اس دن نہ کھانا کھاتے، نہ اس رات سوتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی قبر دیکھتے تو اس طرح روتے جیسے وہ عورت روتی ہے جس کا بچہ فوت ہو چکا ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بند کو باندھ دیا جب ان لوگوں نے آپ کی حقانیت کی یہ دلیل دیکھی تو آپ کو چھوڑ دیا انہیں کوڑوں کے زخموں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنکھوں کا احتساب**

ایک روز حضرت سیّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچانک گھر سے باہر نکلے تو ایک عورت پر نظر پڑی جس کا چہرہ کُھلا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً پڑھا:

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یعنی بلند و برتر پروردگار کے سوا کوئی طاقت و قوت نہیں۔

اور قسم کھائی کہ آئندہ جب بھی نکلوں گا چہرہ ڈھانپ کر نکلوں گا تا کہ کسی عورت پر نظر نہ پڑے۔

جب بھی کوئی نیا واقعہ یا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اس وقت تک نہ لکھتے جب تک علماء کرام رَحِمَہُم اللہُ السَّلَام کی خدمت میں پیش نہ فرما لیتے۔ اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ان کی رائے کے مطابق ہوتی تو لکھ لیتے ورنہ چھوڑ دیتے اور دل میں آنے والی بات پر استغفار کرتے۔

حضرت سیّدُ نا ادریس حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زُہد و وَرَع کا یہ عالم تھا کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلم خشک ہو جاتا تو اسے اپنے سر سے پُونچھتے، اپنے کپڑے سے نہ پونچھتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہسے وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: یہ روشنائی علم کا باقی ماندہ حصہ ہے، لہٰذا میں اسے کپڑوں سے صاف نہیں کرتا کہ ہو سکتا ہے وہ کپڑا گندگی میں ڈال دیا جائے۔

آٹھ لاکھ، ساٹھ ہزار شرکائے جنازہ:

حضرت سیّدُ نا محمد بن موسیٰ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدُ نا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سَن 164 ہجری میں پیدا ہوئے اور بوقتِ وصال آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک 77 برس تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ کی نماز کے بعد دفنایا گیا۔ کثیر لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت سیّدُ نا محمد بن طاہر علیہ رحمۃ اللہ الظاہر نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جب نمازِ جنازہ میں حاضرین کو شمار کیا گیا تو آٹھ لاکھ (8,00,000) مرد اور ساٹھ ہزار (60,000) عورتیں تھیں۔ جس جگہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی وہ چونسٹھ (64) جَرِیب تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعزیت کے لئے خلیفہ متوکل یا خلیفہ واثق بیٹھا تو حکماء و امراء اور خاص لوگوں سے کہا گیا کہ خلیفہ سے تعزیت کریں۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الحدیث ۱۳۵۶۳، ج۹، ص ۱۷۴۔ الطبقات الکبریٰ للشعرانی، الرقم ۹۴، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج۱، ص ۸۵)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے نتیجہ میں آپ کا انتقال ہوا آخر وقت میں آپ سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جنہوں نے آپ پر کوڑے برسائے۔ آپ نے فرمایا میں کیا کہہ سکتا ہوں بجز اس کے کہ انہوں نے خدا کی راہ میں اس گمان پر کوڑے مارے ہیں کہ (معاذ اللہ) میں باطل پر ہوں اور وہ حق پر ہیں میں محض زخمی ہونے پر قیامت کے دن ان سے جھگڑا نہیں کروں گا یہ آپ کے علم و بردباری اور تفویض الی اللہ کا عالم تھا رضی اللہ عنہ۔ طریقت و سلوک میں آپ کا کلام بہت ارفع و بلند ہے آپ سے جو بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا اگر وہ سلوک اور طریقت سے متعلق ہوتا تو جواب عنایت فرما دیتے اور اگر حقائق و معرفت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دس لاکھ احادیث لکھنے والا امام:

حضرت سیّدُنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد، متقی، فقیہہ اور پرہیز گار تھے۔ حدیثِ پاک کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح احادیث کو غیر صحیح احادیث سے علیحدہ کر کے نشان دہی کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجالِ حدیث (یعنی حدیث کے راویوں) اور ان میں سے سچے راویوں کے متعلق بھی سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس لاکھ (10,00,000) احادیث تحریر فرمائیں۔ جن میں سند اور متن والی احادیث کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار (1,50,000) ہے۔

منقول ہے کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تشدُّد کیا گیا اور مصائب و آلام ڈھائے گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثابت قدم رہے۔ جس کی وجہ سے اہلِ مشرق و مغرب کے محبوب بن گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں باعزت رہے یہاں تک کہ جب لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تو گویا وہ کسی شیر کو دیکھ رہے ہوتے۔

حضرت سیّدُنا مجاہد علیہ رحمۃ اللہ الواحد حضرت سیّدُنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرضِ وصال میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب المرگ تھے۔ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر رونے لگے اور عرض کی: اے ابوعبداللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

(1) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ O

ترجمۂ کنز الایمان: ایسی ہی بات کے لئے کامیوں کو کام کرنا چاہیے۔ (پارہ 23 الصّٰفّٰت: 61)

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور آپ کا طائرِ روح قفسِ عُنصری سے پرواز کر گیا۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ صفحہ ۴۳۳۔۷ ۲۴۱ اَلشَّیْخ شُعَیْب حَرِیْفِیْش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

تعلق رکھتا تو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیتے تھے چنانچہ ایک دن کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ **ما الاخلاص** اخلاص کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: **الاخلاص هو الخلاص من آفات الاعمال** اخلاص یہ ہے کہ تم اعمال کی آفتوں سے محفوظ رہو۔ مطلب یہ ہے کہ عمل ایسا ہونا چاہیے جو سمع وریا سے خالی ہو اور وہ آفت رسیدہ نہ ہو۔ (78) پھر اس نے سوال کیا کہ **ما التوکل** رضا کیا ہے؟ آپ نے

شرح (78): پیارے بھائیو! اخلاص کیا ہے؟ آیئے مشہور بزرگ حضرت سیّدُ نا یعقوب مکفوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے سمجھتے ہیں۔ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں کہ مخلص وہ شخص ہے جو اپنی نیکیوں کو بھی اسی طرح چھپائے جیسے اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔

اور حضرت سیّدُ نا سلیمان (رحمہ اللہ تعالیٰ) مخلصین کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، کہ خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جسکا ایک قدم بھی صحیح ہو جائے جس سے وہ محض رضائے الٰہی کا ارادہ کرے۔

خلیفہ دوئم حضرت سیّدُ نا عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے حضرت سیّدُ نا ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کو ایک مرتبہ کچھ اس طرح کی تحریر بھیجی کہ جسکی نیّت صحیح ہو جائے اللہ تعالیٰ اسے اسکے ان معاملات میں کافی ہو جاتا ہے جو اسکے اور لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

کسی ولی کامل (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے اپنے بھائی کو خط لکھا اپنے اعمال میں اخلاص نیّت اختیار کرو تمھیں تھوڑا عمل بھی کفایت کریگا۔ اور حضرت سیّدُ نا ایوب سختیانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں عمل کرنے والوں کیلئے سب سے زیادہ مشکل کام نیّت کو خالص کرنا ہے اور حضرت سیّدُ نا مطرف (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے تھے، جو آدمی خالص نیّت رکھتا ہو اسکا اجر بھی خالص ہوتا ہے اور جسکی نیّت میں جس قسم کی ملاوٹ ہو اسی قسم کا بدلہ اسے دیا جاتا ہے۔

گدھا کہاں گیا:

کسی بزرگ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا کہ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنے اعمال کو کیسا پایا، فرمانے لگے، میں نے جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کیلئے کیا تھا اسکا اجر پایا۔ حتیٰ کہ انار کا ایک دانہ جو ایک مرتبہ راستے سے ہٹایا تھا اور ہماری ایک بلی مر گئی تھی (تو اسکے رنج وصدمے کے ثواب کو بھی) میں نے اپنی نیکیوں میں پایا اور میری ٹوپی میں ایک دھاگہ ریشم کا تھا تو میں نے اسے برائیوں کو پلڑے میں دیکھا، اور میرا ایک گدھا جسکی قیمت ایک سو دینار تھی تو میں نے اسکا ثواب نہ پایا تو پوچھا، کہ بلی کی موت کا ثواب تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیکیوں کے پلڑے میں ہے اور گدھے کی موت والا ثواب نہیں، اسکی کیا وجہ ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ اس گدھے کا ثواب وہاں بھیجا گیا جہاں تو نے بھیجا تھا۔ کیونکہ جب تجھے تیرے گدھے کے مرنے کی اطلاع دی گئی تو تو نے کہا تھا اللہ کی لعنت میں گیا چنانچہ اس وجہ سے تیرا اجر باطل ہو گیا۔ اور اگر تم یہ کہتے کہ اللہ کے راستے میں گیا تو اسے اپنی نیکیوں میں پاتے۔ (اسی وجہ سے ہمیں ہر مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ۔۔۔۔۔۔ پڑھ لینا چاہئے)

ایک روایت میں ہے کہ انہی بزرگ نے یہ بھی ارشاد فرمایا، کہ میں نے ایک مرتبہ صدقہ اخلاص کے ساتھ لوگوں کے سامنے دیا اور لوگوں کا دیکھنا مجھے اچھا لگا تو اس کا مجھے نہ تو کوئی ثواب ملا نہ عذاب۔ یہ بات سن کر حضرت سیّدُنا سفیان ثوری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرمانے لگے یہ تو ان کی خوش نصیبی ہے کہ عذاب نہ ہوا بلکہ یہ تو عین احسان ہے۔

اور حضرت سیّدُنا یحییٰ بن مُعاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں اخلاص اعمال کو عیبوں سے اس طرح ممتاز کر دیتا ہے جسطرح دودھ گوبر اور خون میں سے نکل کر آتا ہے لیکن صاف ستھرا ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص عورتوں کا لباس پہن کر عورتوں کے اجتماعات میں جاتا تھا اور انکی غمی وخوشی کی تقریبات میں شریک ہوتا تھا ایسی ہی کسی محفل میں ایک مرتبہ وہاں ایک قیمتی موتی چوری ہو گیا اور آواز دی گئی کہ دروازہ بند کر کے ایک ایک کی تلاشی لو حتی کہ اس شخص کے برابر والی عورت کی باری آئی تو اس شخص نے بڑے اخلاص کے ساتھ اللہ (عزوجل) سے دعا مانگی یا اللہ (عزوجل) آج اگر ذلت سے چھٹکارا عطا فرمادے تو پھر کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ تو وہ موتی برابر والی عورت کے پاس سے مل گیا اور اعلان کیا گیا کہ موتی مل گیا ہے اب کسی کی تلاشی نہ لی جائے (پتہ چلا کہ اخلاص کے ساتھ دعا کرنے سے بلائیں اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں)۔

حج بہتر ہے یا ہل چلانا:

ایک بزرگ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں میں حضرت سیّدُنا ابو عبید تستری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے ساتھ کھڑا تھا وہ نو (۹) ذی الحجہ کے دن کھیت میں ہل چلا رہے تھے اسی دوران ان کا کوئی بھائی جو کہ ابدال تھا آیا اور آہستہ سے کچھ بولا آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا نہیں۔ اس پر وہ بادلوں کی سی تیزی سے واپس چلا گیا۔ میں نے حضرت ابو عبید (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے پوچھا اس نے آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کو کیا کہا تھا؟۔ تو جواب دیا اس نے مجھ سے کہا تھا میرے ساتھ حج کرو، میں نے کہا نہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ بزرگ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہنے لگے آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے انکار کیوں فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا اسلئے کہ اس وقت میری نیت حج کی نہیں تھی بلکہ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے اس کھیت کا کام نمٹا لوں۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اگر میں بغیر نیت کے محض اس ابدال کے کہنے سے حج کروں تو کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شکار نہ ہو جاؤں، کیونکہ اس طرح تو یہ حج اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوگا بلکہ کسی اور کی خاطر ہوگا اور جو کام میں کر رہا ہوں یعنی رزق حلال کے لئے محنت کر رہا ہوں وہ میرے لئے ایسے ستر حجوں سے زیادہ بڑا ہے۔

مجاہد یا تاجر:

ایک دوسرے بزرگ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ سمندر کے راستے جہاد کیلئے نکلا تو کسی کے پاس مجھے ایک توشہ دان نظر آیا، میں نے سوچا اسے خرید لیتا ہوں کہ دوران جہاد بھی کام آئے گا اور میں جب فلاں شہر پہنچوں گا تو اسے بیچ کر نفع حاصل کرلوں گا چنانچہ میں نے اسے خرید لیا اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو آدمی اترے ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے نام لکھو چنانچہ وہ اسے لکھواتا ہے کہ فلاں شخص جو بظاہر جہاد کو نکلا ہے اسکا مقصد فلاں شہر کی سیر کرنا ہے۔ فلاں ریاکاری کی غرض سے نکلا ہے۔ فلاں تاجر ہے۔

پھر میری طرف دیکھا کہ اسے تاجروں میں شمار کرو میں نے کہا خدا کا خوف کرو میں تو ہرگز تجارت کیلئے نہیں نکلا نہ میرے پاس کوئی مال تجارت ہے میں تو صرف جہاد کیلئے نکلا ہوں۔ اس نے کہا جناب کیا آپ نے کل رات ایک توشہ دان نہیں خریدا جسے آئندہ بیچ کر آپ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر میں رونے لگا اور میں نے کہا کہ مجھے تاجر نہ لکھو۔ اسنے اپنے دوسرے ساتھی کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا خیال ہے؟۔ اسنے جواباً کہا یوں لکھو کہ فلاں شخص جہاد کو نکلا لیکن راستے میں اسنے ایک توشہ دان خریدا تا کہ اسے بیچ کے نفع حاصل کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسکے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمائے۔

دو رکعتیں:

حضرت سیّدنا سری سقطی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں اگر تم اخلاص کے ساتھ تنہائی میں دو رکعتیں پڑھ لو تو یہ بات تمہارے لئے ستر یا سات سو عمدہ سند کی حدیثیں لکھنے سے بہتر ہے۔ ایک دوسرے بزرگ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہے ایک گھڑی کا اخلاص بھی ہمیشہ کی نجات کا باعث ہے لیکن اخلاص بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔

(فیضانِ احیاء العلوم صفحہ ۴۵)

فرمایا: الثقة بالله روزی رسانی میں اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد و بھروسہ رکھنا۔ (79) پھر اس نے سوال کیا کہ مالارضا رضا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تسلیم الامور الی الله تمام کاموں کو خدا کے حوالہ کرنا اور راضی برضا رہنا۔ پھر اس نے سوال کیا: ما المحبة محبت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بات حضرت بشر حافی سے دریافت کرو جب تک وہ حیات ہیں میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی معتزلہ کی طعن و تشنیع اور ان کے ظلم و ستم میں گزری اور بعد وفات متشبہ کے افتراء و اتہام کا نشانہ بنے رہے یہاں تک کہ اہل سنت و جماعت آپ کے احوال پر کما حقہ واقف نہ ہو سکے اور عدم واقفیت کی وجہ سے ان پر اتہام رکھے گئے حالانکہ وہ اس سے بری ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، سراج وقت، متحمل آفات حضرت ابوالحسن احمد بن ابی الجواری رحمۃ اللہ علیہ ہیں طریقت اور صحیح احادیث نبویہ کی روایات کے تمام علوم و فنون اور ان کے اشارات میں آپ کا کلام بلند و لطیف ہے (80) تمام علوم میں علمائے وقت آپ سے رجوع کرتے رہے ہیں آپ

شرح (79): توکّل کے متعلق اسلاف کے اقوال:

حضرت سَیِّدُ نا ابو موسیٰ دَبیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سَیِّدُ نا ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا: توکل کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے استفسار فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: ہمارے اصحاب تو فرماتے ہیں کہ اگر درندے اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں تو بھی تمہارے باطن میں کوئی حرکت نہ ہو۔ تو حضرت سَیِّدُ نا ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے: ہاں! یہ توکل کے قریب ہے لیکن اگر اہلِ جنت، جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہو، پھر تم ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے لگو، تو توکل سے نکل جاؤ گے۔

حضرت سَیِّدُ نا ابو عبداللہ قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہر حال میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے تعلق قائم رکھنا۔ سائل نے عرض کی: مزید کچھ فرمائیے۔ فرمایا: ہر اس سبب کو چھوڑ دینا جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ (لباب الاحیاء صفحہ ۳۴۵)

شرح (80):

حضرت احمد بن ابی الجواری بڑے پائے کے اولیاء کاملین میں سے ہیں، آپ ۱۶۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۳۰ ہجری میں وصال فرمایا۔

حضرت ابوسلیمان کے مرید تھے اور حضرت سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ قاری رحمہم اللہ کے صحبت یافتہ تھے آپ نے ادب کے ہر مسئلہ میں ہر ایک سے استفادہ کیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

الدنیا مزبلة ومجمع الکلاب، واقل من الکلاب من عکف علیها فان الکلب یأخذ منها حاجته وینصرف والمحب لها لایزول عنها ولا یترکها مجالٍ

یہ دنیا گندگی کا ڈھیر اور کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے وہ شخص کتے سے بھی کمتر ہے جو اس پر جم کر بیٹھ جائے کیونکہ کتا اس ڈھیر سے اپنی حاجت پوری کر کے چلا جاتا ہے لیکن دنیا سے محبت کرنے والا اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ کسی حالت میں اسے چھوڑتا ہے

آپ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ آپ دنیا پرستوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ اہل طریقت کے لئے دنیا میں آزردہ رہنا موجب مسرت وانبساط ہے (81) آپ نے ابتداء میں تحصیل علم کیا اور درجہ امامت تک پہنچے پھر اپنی کتابوں کو اٹھا کر دریا برد کرا یا، اور فرمایا:

نعم الدلیل انت واما الاشتغال بالدلیل بعد الوصول الی المدلول محال اے خدا تو بذات خود دلیل ہے مدلول کے پالینے کے بعد دلیل ہی میں مشغول رہنا محال ہے۔

کیونکہ دلیل تو اس وقت تک کام دیتی ہے جب تک سالک، حصولِ مقصد کی راہ میں ہوتا ہے حصول مقصد کے بعد دلیل کی کیا حاجت ہے؟ اس کے بعد فرماتے ہیں: وصلت فقد فصل مجھے وصول الی اللہ ہو گیا اب میں دلیل کے جھنجھٹ سے آزاد ہو گیا اس کے بعد راہ سے چمٹے رہنا محض مشغولیت ہے اب فراغت ہی فراغت ہے فراغت وشغل کے اصول میں ایک قاعدہ اور ایک نسبت ہے اور یہ دونوں بندے کی

شرح (81): اللہ عزوجل کی قسم! دنیا جب اس میں رہنے والوں کیلئے کھولی گئی تو اس کے کتے (حرص اور فتنہ وفساد) بھی کھول دیئے گئے۔ اس دنیا کے کتے سب سے برے ہیں۔ دنیا کے حصول کی خاطر لوگوں نے تو ایک دوسرے پر تلواروں سے حملے کئے۔ اور بعض نے بعض کی حرمت کو حلال جانا۔ ہائے! افسوس اس فساد پر! یہ کتنا بڑا فساد ہے،

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں حَسن کی جان ہے! اس دنیا میں جس مؤمن نے بھی صبح کی تو غم اور پریشانی کی حالت میں کی۔ پس جلدی سے اللہ عزوجل کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو جاؤ اس لئے کہ بندہ مؤمن کو اللہ عزوجل سے ملاقات کا شرف حاصل کئے بغیر راحت وسکون کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

صفتیں ہیں اور فصل و وصل اور عنایت حق اور اس کا ازلی ارادہ، بندے کے لئے یہ خیر خواہی ہے جو شغل و فراغت کے دوران بندے کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ خدا کا وصل بندے کی کرامت اور اس کی عزت افزائی ہے اور اس سے جدائیگی، اس کی اہانت و تذلیل ہے اس کے صفات کا تغیر جائز نہیں ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں لفظ وصول سے ان بزرگ کی مراد، وصولِ راہ حق ہے اس لئے کہ طریقت کی کتابوں میں اس کی تعبیر راہِ حق سے بھی کی گئی ہے جب راہ واضح ہوگئی تو عبارت یعنی دلیل مُنقطع ہو جاتی ہے کیونکہ دلیل و عبارت کی اب چنداں حاجت باقی نہیں رہتی عبارت کی تو اس وقت تک ضرورت رہتی ہے جب تک کہ مقصود مخفی ہو جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو عبارت کی احتیاج مفقود ہو گئی جب معرفت کی صحت میں زبانیں گنگ ہیں تو کتابوں کی عبارتیں بدرجہ اولیٰ بیکار ہیں ان کے سوا دیگر بعض مشائخ نے بھی اسی طرح کتابوں کو ضائع کیا ہے جیسے شیخ المشائخ ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہمینی وغیرہ اور کچھ ایسے بھی رسمی نقال ہیں جنہوں نے اپنی جہالت کے باوجود ان آزاد شیوخ کی تقلید کی ہے بلاشبہ ان مقدس آزاد بزرگوں نے انقطاع علائق، ترک التفات اور ماسویٰ اللہ سے دل کو فارغ کر کے کمال حاصل کیا ان کی یہ کیفیت، سکر کی حالت کی ہے۔ مبتدی اور نو آموز آدمی کو ایسا نہیں چاہیے کیونکہ متمکن یعنی مقام رفیع پر فائز ہونے والے کے لئے جب دونوں جہان حجاب نہیں بنتے تو کاغذ کے پرزے اس کے لئے کیا حجاب بنیں گے؟ جب دل ہی علائق سے جدا ہو گیا تو کاغذ کے پرزے کی کیا قدر و قیمت ہے لیکن کتابوں کو دریا برد سے ان کی مراد تحقیق معنیٰ سے عبارت کی نفی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا لہٰذا سب سے بہتر یہی ہے کہ عبارت کو زبان سے ادا نہ کیا جائے اس لئے کہ جو کتاب میں مکتوب ہے اور جو عبارت زبان پر جاری ہے یہ عبارت اس عبارت سے زیادہ بہتر نہیں ہے مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احمد بن ابی الجواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلبہ حال میں کسی کو اسے کے سننے کے قابل نہیں پایا (82) اور اپنے حال کی

شرح (82): حضرتِ سیّدُنا احمد بن ابو الحواری قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ایک حُور کو دیکھا جس کے چہرے پر نور کی چمک تھی میں نے پوچھا: تمہارے چہرے کی یہ چمک دمک کس وجہ سے ہے؟ وہ بولی: تمہیں وہ رات یاد ہے جس میں تم روئے تھے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: تمہارے آنسو مجھے لا کر دیئے گئے تو میں نے ان کو اپنے چہرے پر مل لیا چنانچہ میرے چہرے کی یہ چمک دَمک آپ کے اُسی آنسو کی وجہ سے ہے۔ (رسالہ قُشیریہ ص ۴۲۲)

وضاحت وتشریح کاغذوں پر تحریر فرمائی جب بہت جمع ہو گئے اور کسی کو اس کا اہل نہ پایا تو اس کو منتشر کرنے کے لئے دریا برد کر دیا، اور فرمایا: نعم الدلیل انت الخ لیکن ان کا یہ فرمانا کہ ''مدلول کے پا لینے کے بعد دلیل میں ہی مشغول رہنا محال ہے۔'' تو یہ قول بھی محتمل ہے ممکن ہے ان کے پاس بکثرت کتابیں جمع ہو گئی ہوں اور وہ کتابیں ان کو اوراد و وظائف سے باز رکھتی ہوں تو انہوں نے اس شغل کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا ہو اس طرح دل کی فراغت چاہی ہو تا کہ عبارت کو چھوڑ کر اس کے معنیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں۔

واللہ اعلم بالصواب!

(۲۳) حضرت احمد بن خضرویہ بلخی:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ سرفہرست جوانمرداں، آفتاب خراساں حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (83) آپ حال کی بلندی اور وقت کی بزرگی کے اعتبار سے مخصوص ہیں اپنے زمانہ میں اہل طریقت کے مقتداء اور محبوب خاص و عام تھے طریق ملامت کو پسند کرتے اور فوجی لباس زیب تن رکھتے تھے آپ کی زوجہ فاطمہؔ حاکم بلخ کی دختر تھیں ان کا مقام بھی طریقت میں عظیم تھا جب انہیں توبہ کی توفیق میسر ہوئی تو کسی کو حضرت احمد بن خضرویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنا پیام میرے والد کے پاس بھیجیں لیکن آپ نے منظور نہ کیا دوبارہ پھر کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ اے احمد! میں آپ کو اس سے زیادہ مردِ

شرح (83): حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بلند درجے کے ولی کامل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہکی وفات کے وقت کسی نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے پیارے بیٹے! میں ایک دروازہ جس کو پچانوے برس سے کھٹکھٹا تا رہا ہوں وہ آج اس وقت کھل رہا ہے لیکن میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ دروازہ سعادت کے ساتھ کھلے گا یا شقاوت کے ساتھ کھلے گا تو ایسی حالت میں میرے لیے کسی مسئلہ کے جواب کا بھلا کہاں موقع ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، الباب الخامس فی کلام المحتضرین...الخ، ج ۵، ص ۲۳۴)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا اور بالکل خاموش ہو گئے، جب لوگوں نے انہیں غور سے دیکھا تو وہ وفات پا چکے تھے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۱۱)

آپ کا وصال ۲۶۰ ہجری اور بعض روایات کے مطابق ۲۴۰ ہجری میں ہوا آپ کبار مشائخ خراسان سے ہیں۔

خدا جانتی تھی کہ آپ ایک عورت کی راہِ حق میں رہبری کریں گے نہ کہ رہزنی اس کے بعد آپ نے امیر بلخ کے پاس فاطمہ کے لئے پیغام بھیجا اس نے اسے برکت جان کر قبول کر لیا اور فاطمہ ان کی زوجیت میں آگئیں اور فاطمہ نے دنیاوی مشاغل ترک کر کے حضرت احمد بن خضرویہ کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی آپ اکثر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے جایا کرتے تھے اور فاطمہ بھی ان کے ساتھ جایا کرتی تھیں پہلی مرتبہ جب فاطمہ اپنے شوہر کے ساتھ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے گئیں تو چہرے سے نقاب اٹھا کر گستاخانہ کلام شروع کر دیا۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حرکت پر بڑا تعجب کیا اور طیش میں آکر کہا اے فاطمہ! حضرت بایزید کے ساتھ یہ کیسی گستاخی ہے؟ تمہاری اس بداخلاقی کی وجہ مجھے معلوم ہونی چاہئے۔ فاطمہ نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ میری طبیعت کے محرم ہیں اور حضرت بایزید میری طریقت کے محرم ہیں، میں آپ سے اپنی خواہش کے تحت رسم و راہ رکھتی ہوں اور ان سے خدا کے لئے یہ مجھے خدا سے ملاتے ہیں۔ غرض یہ کہ فاطمہ حضرت بایزید کے ساتھ ہمیشہ شوخ چشم رہیں اتفاق سے ایک دن حضرت بایز بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہ اوپر اٹھائی تو فاطمہ کے ہاتھ میں مہندی کا رنگ لگا دیکھا، حضرت بایزید نے کہا تم نے اپنے ہاتھوں میں مہندی کیوں لگائی ہے؟ فاطمہ نے کہا اے بایزید! جب تک تم نے میرے ہاتھوں میں مہندی کیوں لگائی ہے؟ فاطمہ نے کہا اے بایزید! جب تک تم نے میرے ہاتھوں کو اور اس کی مہندی کو نہ دیکھا تھا تو مجھے تم سے خوشی تھی اب جبکہ تم نے مجھ پر نظر اٹھائی تو اب تمہاری صحبت مجھ پر حرام ہوگئی اس کے بعد دونوں وہاں سے کوچ کر کے نیشاپور چلے آئے اور یہیں قیام کر لیا۔ نیشاپور کے مشائخ اور عام لوگ حضرت احمد سے بہت خوش ہوئے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ بلخ جاتے ہوئے نیشاپور آئے تو حضرت احمد نے ان کی دعوت کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں اپنی زوجہ فاطمہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا سامان ہونا چاہئے؟ انہوں نے کہا اتنی گائیں، اتنی بھیڑیں، اتنی شمعیں، اتنا عطر، اتنا سامان اور ان کے علاوہ اتنے گدھے بھی ذبح کرنے کے لئے منگوالیں، حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اس سامان کے ساتھ گدھوں کی کیا ضرورت؟ فاطمہ نے کہا جب کوئی کریم کسی کریم کے یہاں مہمان ہوتا ہے تو محلے کے کتے بھی آجاتے ہیں انہیں بھی کھلانا چاہئے۔ فاطمہ کی انہیں خوبیوں کی وجہ سے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: **من اراد ان ینظر الی رجل من الرجال مختوٍ تحت لباس النسوان فلینظر الی فاطمۃ** جو خواہش رکھتا ہے کہ کسی مرد خدا کو نسوانی لباس میں ملبوس دیکھے اسے چاہئے کہ وہ فاطمہ کو دیکھے۔

حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لولا احمد بن خضرویه ماظهرت الفتوة اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتے تو جوانمردی ظاہر ہی نہ ہوتی۔

حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بلند اور انفاس مہذب ہیں طریقت اور آدابِ طریقت کے ہر فن میں آپ کی تصانیف مشہور اور حقائق میں آپ کے نکات معروف ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ

الطريق واضح والحق لائح والراعي قد اسمع فما التحير بعدها الا من العمٰى راہ ظاہر، حق آشکار اور نگہبان خوب سننے والا ہے اس کے بعد متحیر اور پریشان رہنا بجز اندھے پن کے کچھ نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ راہ کی تلاش کے کیا معنیٰ وہ تو روز روشن کی طرح واضح ہے تو اپنے آپ کو تلاش کر تو خود کہاں بھٹک رہا ہے جب تو نے اپنے آپ کو پالیا تو تو راہِ حق پر لگ جائے گا کیونکہ راہِ حق اس سے زیادہ ظاہر ہے جتنا طالب کی طلب کے تحت آئے۔ آپ کا ارشاد ہے:

استرعز فقرك عن الخلق اپنے فقر کی عزت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھو

یعنی لوگوں سے یہ کہتے نہ پھرو کہ میں درویش ہوں تا کہ تمہارا بھید نہ کھل جائے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اس کا اکرام ہے۔ آپ ایک واقعہ مثال میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے ماہِ رمضان میں کسی تونگر کی دعوت کی حالانکہ اس کے گھر میں صرف ایک سوکھی ہوئی روٹی تھی، چنانچہ وہ روٹی اس نے تونگر کے سامنے رکھ دی جب تونگر واپس گیا تو اس نے اشرفی کی ایک تھیلی اس درویش کے پاس بھیجی، درویش نے تھیلی واپس کر کے کہلوایا کہ یہ اس کی سزا ہے جو اپنے بھید کو ناجنسوں پر کھولتا ہے۔ یہی ان کے فقر کی صداقت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم!

(۲۴) حضرت عسکر بن حسین نخشبی:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، امام متوکلاں، برگزیدہ اہل زماں ابوتراب حضرت عسکر بن الحسین نخشبی نفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ خراسان کے بزرگ ترین سادات مشائخ اور مشہور جوانمردوں میں سے تھے۔ آپ کا زہد وتقویٰ مشہور ومعروف تھا آبادی وصحرا میں ہر جگہ آپ کی بکثرت کرامتیں اور بے شمار عجائب دیکھے گئے صوفیاء اور سالکوں میں آپ بہت دانشور تھے جنگلوں میں بسیرا رکھتے، حتیٰ کہ بصرے کے جنگل ہی میں آپ کی وفات ہوئی چند سال کے بعد جب مسلمانوں کا ایک قافلہ اس طرف سے گزرا تو آپ کو

روبقبلہ قیام میں مردہ پایا آپ کا جسم خشک ہو چکا تھا، آگے لوٹا رکھا ہوا تھا اور عصا ہاتھ میں تھا اس اثناء میں نہ کوئی درندہ ان کے قریب گیا اور نہ کسی انسان کے نشانِ قدم پائے گئے۔ آپ کا ارشاد ہے:

الفقیر قوته ماوجد ولباسه ماستر ومسکنه حیث نزل درویش کی غذا وہی ہے جو اسے مل جائے اور اس کا پہناوا وہی ہے جس سے ستر پوشی ہو جائے اور اس کا مکان وہی ہے جہاں ٹھہر جائے۔

مطلب یہ ہے کہ درویش کی غذا میں اس کی اپنی کوئی پسند نہیں ہوتی اور لباس میں بھی اس کی پسند کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور مکان بھی وہی ہوتا ہے جہاں وہ ٹھہر جائے کوئی خاص جگہ یا ٹھکانا نہیں ان تینوں باتوں میں تصرف کرنا مشغولیت ہے سارے جہان کی بلائیں ان ہی تین چیزوں میں ہیں جبکہ وہ اس میں تصرف کرے یہ بات معاملہ سے متعلق ہے ورنہ از روئے تحقیق درویش کی غذا وجد ہے اور اس کا لباس تقویٰ اور اس کا مسکن غیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وان لواستقاموا علی الطریقة لاسقینا هم ماءً غدقاً (84) اگر وہ طریقت پر استقامت رکھیں تو ہم یقیناً انہیں شیریں اور ستھرا پانی پلائیں گے۔

اور فرمایا:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (85) اور تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

الفقر وطن الغیب فقر غیب کا وطن ہے۔

معلوم ہوا کہ درویش کا کھانا پینا، شرابِ قربت اور اس کا لباس تقویٰ و مجاہدہ اور اس کا وطن غیب اور انتظار وصل ہے لہٰذا طریقت کی راہ واضح اور اس کا معاملہ ظاہر و روشن ہے اور یہی کمال کا درجہ ہے۔

شرح (84): وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور فرماؤ کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر وہ راہ پر سیدھے رہتے تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔ (پ ۲۹، الجن: ۱۶)

شرح (85): وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا (پ ۸، الاعراف: ۲۶)

(۲۵) حضرت یحییٰ بن معاذ رازی:

طریقت کے اماموں سے ایک بزرگ، محبت ووفا کی زبان، ولایت وطریقت کی زینت حضرت ابو زکریا یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کا حال بلند، نیک خصلت اور حقیقت میں حق تعالیٰ کی امید پر کامل ثابت قدم تھے۔ حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو یحییٰ پیدا فرمائے ہیں ایک انبیاء میں جو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام ہیں اور دوسرے اولیاء میں جو حضرت معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام خوفِ الٰہی کی راہ پر اس طرح گامزن رہے کہ تمام مدعیانِ خوف، نجات سے ناامید ہو گئے اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی امید پر ایسے قائم رہے کہ تمام مدعیانِ امید ہاتھ باندھے کھڑے رہے لوگوں نے حضرت حضرمی سے دریافت کیا کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا حال تو معلوم ہے لیکن حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا حال کس طرح معلوم ہوا؟ انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں رہے اور نہ کبھی کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا معاملات طریقت اور اس کے مجاہدے میں اتنے کامل تھے کہ ایسی طاقت کوئی دوسرا نہیں رکھتا تھا حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی محب نے دریافت کیا کہ اے شیخ! آپ کا مقام تو مقامِ رجا یعنی امید ہے لیکن آپ کا سلوک تو خائفوں جیسا ہے؟ آپ نے فرمایا اے فرزند سنو! بندگی کو چھوڑنا ضلالت و گمراہی ہے اور خوف ورجا ایمان کے دوستون ہیں یہ محال ہے کہ کوئی شخص اپنے مجاہدے میں کسی رکن ایمان کو ضلالت و گمراہی میں ڈال دے خائف اپنے خوف کو دور کرنے کے لئے عبادت و بندگی کرتا ہے اور امید وار وصالِ الٰہی کی امید میں جب تک عبادت نہ ہو تو نہ خوف کا وجود درست اور نہ رجا کا اور جب عبادت موجود ہو تو یہ خوف ورجا سب عبادت بن جاتا ہے جہاں محض عبادت ہو تو ایسی عبادت سودمند نہیں ہوتی۔

آپ کی بکثرت تصانیف ہیں اور آپ کے نکتے اور اشارات انوکھے ہیں۔ (86) خلفائے راشدین

شرح (86): مثلاً حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ انسان کب مخلص ہوتا ہے۔ فرمایا: جب شیر خوار بچہ کی طرح اس کی عادت ہو۔ شیر خوار بچہ کی کوئی تعریف کرے تو اسے خوش نہیں لگتی اور مذمت کرے تو اسے بری نہیں معلوم ہوتی جس طرح وہ اپنی مدح اور ذم سے بے پرواہ ہوتا ہے اسی طرح انسان جب مدح وذم کی پرواہ نہ کرے تو مخلص کہا جا سکتا ہے۔ (تنبیہ المغترین، الباب الاوّل، اخلاصہم للہ تعالیٰ، ص 24)

حضرت سیدنا یحییٰ بن معاذ رازی علیہ رحمۃ اللہ القاضی یوں مناجات کرتے تھے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بعد صوفیاء کرام میں سے آپ ہی نے منبر پر وعظ و نصیحت فرمائی میں ان کے کلام کو بہت پسند کرتا ہوں چونکہ طبیعت میں رقت اور سماعت میں لذت پیدا کرنے والا اور اصل میں دقیق اور عبارت میں مفید ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! یہ بات عجیب نہیں کہ ایک حقیر بندہ اپنے ربِ جلیل عَزَّ وَجَلَّ سے محبت کرتا ہے۔ بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ربِ جلیل عَزَّ وَجَلَّ اپنے ذلیل بندے سے محبت کرتا ہے۔

حضرت سیدنا یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تم نام والے (یعنی اللہ تعالیٰ) کو طلب کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ دل غافل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

(تاریخ بغداد، ج ۵، ص ۱۱۸، رقم الحدیث ۲۵۲۰، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مجھے فرض کو چھوڑ کر فضائل کے در پے ہونے والے پر حیرانگی ہے کیونکہ جس کے ذمے کوئی قرض ہو وہ قرض خواہ کو اس کے قرض کے برابر بھی تحفہ دے ڈالے تو مدت پوری ہونے پر وہ قرض خواہ ادئیگیٔ قرض کے مطالبے میں حق بجانب ہوگا۔ حضرت ابو بکر ورّاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، اس زمانے میں چار کو چار پر قربان کردو، فضائل کو فرائض پر، ظاہر کو باطن پر، نفس پر مخلوق کو، عمل پر کلام کو۔

حضرت سیدنا یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اندازِ دعا

حضرت سیدنا محمد بن محمود سمرقندی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں، زمانے کے مشہور ولی حضرت سیدنا یحییٰ بن معاذ علیہ رحمۃ اللہ الجبار بارگاہِ خداوندی عزوجل میں اس طرح دعا کرتے: اے میرے پروردگار عزوجل! میں تجھ سے اس زبان کے ذریعے دعا کرتا ہوں جو تُو نے مجھے عطا کی ہے، میرے مولیٰ عزوجل! تُو اپنے فضل وکرم سے میری دعا قبول فرما۔ اے میرے پروردگار عزوجل! تُو مجھے ہر حال میں رزق عطا فرماتا ہے اور ہر مصیبت میں میرا مددگار تُو ہی ہے، اے میرے مولیٰ عزوجل! میں تیری عظمتوں اور رحمتوں کو دل وجان سے ماننے والا ہوں، میں تیری عظمت کا مُعترِف ہوں، میرے پاس یہی دلیل وآسرا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میری تجھ سے محبت تیری بارگاہ میں میرے لئے شفیع ہے۔ اے رحیم وکریم مولیٰ عزوجل! تُو نے ہمیں بغیر مانگے محض اپنے فضل وکرم سے ایمان کی دولت سے نوازا، دولت ایمان سب سے بڑی دولت ہے۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! جب ہم تجھ سے کوئی چیز مانگیں تُو ہمیں ضرور عطا فرمائے گا، جب بغیر مانگے تُو اتنی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرماتا ہے تو مانگنے پر بھی تُو ضرور ہماری حاجتیں پوری کریگا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الدنیا دار الاشتغال والآخرۃ دار الاھوال ولایزال العبد بین الاشغال والاھوال حتّٰی یستقربہ القرار اما الی الجنۃ واما الی النار۔ یہ دنیا مشغولیتوں کی جگہ ہے اور آخرت ہول و حشت کا مقام اور بندہ ان دونوں کے درمیان ہمیشہ رہتا ہے یہاں تک کہ کسی ایک جگہ وہ قرار حاصل کرلے خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اے میرے مولیٰ عزوجل! تُو ہم سے عفو و درگزر والا معاملہ فرما۔ اے میرے پاک پروردگار عزوجل! اگر معاف کرنا تیری صفت نہ ہوتی تو اہل معرفت کبھی بھی تیری نافرمانی نہ کرتے۔ جب ایک لمحے کا ایمان پچاس سال کے کفر کو مٹا دیتا ہے اور انسان کو کفر کی پُرانی سے پُرانی گندگی سے پاک کر دیتا ہے تو پچاس سال کا ایمان گناہوں کو کیسے نہیں مٹائے گا۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! مَیں اس بات کی اُمید رکھتا ہوں کہ جو ایمان اپنے سے قبل کفر جیسی گندگی کو انسان سے لحہ بھر میں دور کر دیتا ہے اور ایمان کی بدولت انسان کفر جیسی بیماری سے نجات پا جاتا ہے تو یہی ایمان اپنے مابعد گناہوں کو ضرور مٹا دے گا، چاہے گناہ کتنے ہی بڑے ہوں ایمان کی بدولت ضرور معاف کر دیئے جائیں گے۔

اے الٰہی عزوجل! تیری ذات تو وہ عظیم ذات ہے کہ اگر کوئی تجھ سے نہ مانگے تو تجھے اس پر جلال آتا ہے، میں تو تجھ سے مانگ رہا ہوں۔ لہٰذا میری دعا رَدّ نہ کرنا بلکہ قبول فرمالینا۔ اے میرے پاک پروردگار عزوجل! مجھ پر ہر گھڑی نظرِ رحمت فرما، میرے پاس بس ایک ہی حجت و دلیل ہے کہ میں تیری عظمتوں اور تیری تمام صفات کا معترف ہوں۔ اے اللہ عزوجل! اسی حجت کے سبب میری مغفرت فرمادے۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! میرا اس بات پر یقینِ کامل ہے کہ میرا اور تمام جہاں کا پالنے والا تُو ہی ہے، اے اللہ عزوجل! میں اپنے آپ کو تیری رحمتوں کے سائے میں پاتا ہوں، تیری رحمت کی جلوہ گری ہر طرف ہے۔ اے میرے پاک پروردگار عزوجل! میں تجھ سے اس حال میں دعا کر رہا ہوں کہ میرے گناہوں سے لتھڑے ہوئے ہاتھ دعا کے لئے پھیلے ہوئے ہیں اور آنکھیں تیری رحمت اور تیرے عفو و کرم کی اُمید سے بھیگی ہوئی ہیں۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! میری دعا قبول فرمالے کیونکہ تُو تو بُردبار اور بخشنے والا مالک ہے، میرے حال پر رحم فرما کیونکہ میں تو ایک کمزور و عاجز بندہ ہوں۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! جب تجھ سے ڈرنے میں دل کو سرور و کیف حاصل ہوتا ہے تو جس وقت تُو ہم سے راضی ہو جائے گا اور ہمیں جہنم سے آزادی کا پروانہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خوشی و مسرت کے مقام میں وہ دل ہے جو دنیا میں مشغولیتوں سے اور آخرت میں ہولنا کیوں سے محفوظ رہا ہے اور دونوں جہان سے توجہ ہٹا کر واصل بحق ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عطا فرمادے گا تو اس وقت ہمیں کتنا کیف و سرور حاصل ہو گا۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! جب دُنیوی زندگی میں تیری تجلیات میں اور تیری رحمتوں کے سائے تلے ہم کسی محفل میں تیرا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں کتنا سرور ملتا ہے، تو جب ہم اُخروی زندگی میں تیرے جلوؤں اور دیدار سے مشرف ہوں گے اس وقت ہماری خوشی اور کیف و سرور کا کیا عالم ہو گا۔ اے اللہ عزوجل! جب ہم دنیاوی زندگی میں عبادات وریاضات کر کے خوش ہوتے ہیں اور مصیبتوں پر صبر کر کے خوش ہوتے ہیں تو جس وقت ہمیں آخرت میں بخششیں، مغفرتیں اور نعمتیں عطا ہوں گی اس وقت ہماری خوشی کا کیا عالم ہو گا؟ جب ہم دنیا میں تیرے ذِکر کی لذت سے مُسّر ور وشاداں ہوتے ہیں تو جس وقت اُخروی زندگی شروع ہو گی اس وقت ہماری خوشی اور سرور کا عالم کیا ہو گا۔

اے میرے پاک پروردگار عزوجل! مجھے اپنے اَعمال پر بھروسا نہیں کہ میں ان کی وجہ سے بخشا جاؤں گا مجھے تو بس تیری رحمت سے اُمید ہے کہ تو مجھے ضرور بالضرور بخشے گا مجھے تیری رحمت سے قوی اُمید ہے۔ اعمال میں اِخلاص شرط ہے کیا معلوم کہ میرے اَعمال میں اِخلاص ہے بھی یا نہیں؟ پھر میں کیوں نہ ڈروں اس بات سے کہ ہوسکتا ہے میرے اعمال تیری بارگاہ میں قبول ہی نہ ہوں۔ اے اللہ عزوجل! میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ میرے گناہ محض تیری رحمت ہی سے بخشے جائیں گے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تُو گناہوں کو معاف نہ کرے حالانکہ تُو تو جواد و غفار ہے تو ضرور بالضرور میرے گناہوں کو بخشے گا۔

یا الٰہی عزوجل! مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھانا جب تک تُو مجھے اپنی ملاقات کا خوب شوق عطا نہ فرمادے۔ جب میں دنیا سے جاؤں تو میرے دل میں تجھ سے ملاقات کا شوق مچل رہا ہو، تیری زیارت کے لئے میرا دل بے قرار ہو، تیرے جلوؤں میں گم ہونے کے لئے میری روح تڑپ رہی ہو۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! میرے پاس ایسی زبان نہیں جو تیری خوبیاں بیان کر سکے اور نہ ہی کوئی ایسا عمل ہے جسے میں حجت و دلیل بنا سکوں اور اس کے ذریعے تیرا قُرب حاصل کر سکوں۔ میرے گناہوں کی کثرت نے مجھے بولنے سے عاجز کر دیا ہے اور میرے عیوب کی وجہ سے میری قوت بیانی ختم ہو چکی ہے۔

اے میرے پاک پروردگار عزوجل! میرے پاس کوئی عمل ایسا نہیں جسے تیری بارگاہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کا مذہب تونگری کو مفلسی پر ترجیح دینا تھا جب شہر رَے میں آپ پر بارِ قرض زیادہ ہوگیا تو خراسان کا قصد فرمایا اور جب بلخ پہونچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو روک لیا تاکہ کچھ عرصہ وعظ و نصیحت فرمائیں، وہاں کے لوگوں نے ایک لاکھ کی تھیلی پیش کی آپ وہ تھیلی لے کر بارِ قرض اتارنے کے لئے شہر رَے کی طرف واپس ہوئے راستہ میں ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈال کر تمام روپیہ چھین لیا آپ خالی ہاتھ نیشاپور آگئے وہیں آپ نے وفات پائی آپ ہر حال میں صاحب عزت اور وجیہہ و باوقار تھے۔ واللہ اعلم!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وسیلہ بنا سکوں، نہ ہی کوئی ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے میری کوتاہیاں معاف ہو جائیں۔ البتہ! یہ بات ضرور ہے کہ میں تیری رحمت سے قوی اُمید رکھتا ہوں کہ تو مجھے ضرور بخشے گا تو ضرور مجھ پر احسان فرمائے گا اور میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں۔ میرا یہ عمل بھی مجھے تیری بارگاہ سے ضرور مغفرت دِلوائے گا۔ یا اللہ عزوجل! میں تجھے تیرے فضل و کرم کا واسطہ دیتا ہوں تُو میری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ الٰہی عزوجل! میری دعا کو قبول فرمالے اگر تُو قبول فرمالے گا تو میرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ تیرے دریائے رحمت کا ایک قطرہ میرے تمام گناہوں کی سیاہی دھوڈالے گا۔ اے میرے مالک و مختار رب عزوجل! تُو نے ہم پر اپنی عبادت لازم فرمائی حالانکہ تُو ہماری عبادت کا محتاج نہیں بلکہ تُو تو بے نیاز ہے، ہماری عبادت کی تجھے کوئی حاجت نہیں لیکن اے میرے مولیٰ عزوجل! میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں اور میں مغفرت کا محتاج ہوں۔ اپنے کرم سے میری اس حاجت کو پورا فرمادے اور میری مغفرت فرما۔

اے میرے پیارے اللہ عزوجل! تُو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کروں حالانکہ تجھے میری محبت کی کوئی حاجت نہیں۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! میں تجھ سے محبت کیوں نہ کروں حالانکہ تُو تو میرا پیدا کرنے والا ہے اور مجھے تیری محبت کی حاجت ہے، تیری محبت کے بغیر میرا گزارہ ہی نہیں ہوسکتا پھر میں تجھ سے محبت کیوں نہ کروں۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! میں تیرا اَدنیٰ و حقیر بندہ ہوں، میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، میں نے تیرا دَر لازم کرلیا ہے اب کسی اور کی طرف ہرگز ہرگز اِلتفات نہ کروں گا۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! میرے دل میں یہ بات اچھی طرح گھر کر چکی ہے کہ تیری رحمت کے سہارے میں ضرور بخشا جاؤں گا مجھے تجھ سے قوی اُمید ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں تجھ سے اُمید رکھوں پھر بھی میری مغفرت نہ ہو۔

میرا اس پاک پروردگار عزوجل پر پختہ یقین ہے جو دنیاوی زندگی میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۶) حضرت عمر بن سالم حدادی نیشاپوری:

اماموں میں سے ایک بزرگ، خراسان کے شیخ المشائخ زمین و زمان کے نادر حضرت ابو حفص عمر بن سالم حدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ صوفیاء کے بزرگ و سردار اور تمام مشائخ کے ممدوح تھے۔ حضرت ابو عبداللہ دینوری کے صحبت یافتہ اور حضرت احمد خضرویہ کے رفیق تھے کرمان سے شاہ شجاع آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہماری کوتاہیوں کے باوجود ہمیں نعمتوں سے نوازتا جا رہا ہے، وہ کل بروزِ قیامت محض اپنے لُطف و کرم سے ہمارے حالِ زار پر ضرور رحم فرمائے گا۔ وہ ایسا ستار و غفار ہے کہ دنیا میں ہماری نیکیوں کو ظاہر فرماتا اور ہمارے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے وہ بروز قیامت ضرور ہماری ٹوٹی پھوٹی نیکیوں کو قبول فرمائے گا اور ہماری خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرما کر ہمیں ضرور مغفرت کا مژدہ جاں فزا سنائے گا اور جو کسی پر احسان کرتا ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ اِحسان کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ میرا مولیٰ عزوجل ہم پر اِحسان فرمانے والا ہے وہ ضرور ہمارے گناہوں کو چھپائے رکھے گا اور ضرور ہماری مغفرت فرمائے گا۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! تیری بارگاہ میں میرا وسیلہ تیری نعمتیں ہیں، تیرا لطف و کرم ہی میرا وسیلہ اور تیرا احسان و شان کریمی ہی تیری بارگاہ میں میرے لئے شفیع ہیں۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! میں گناہ گار ہوں پھر میں خوش کیسے رہ سکتا ہوں اور جب تیری رحمت کی طرف نظر کروں اور تیری بخششوں اور عطاؤں کو مدِ نظر رکھوں تو پھر میں غمگین اور پریشان کیسے رہ سکتا ہوں۔

اے اللہ عزوجل! جب میں اپنے گناہوں کی طرف نظر کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ تجھ سے دعا کس طرح مانگوں؟ کس منہ سے تیری بارگاہ میں اِلتجائیں کروں لیکن جب تیری رحمت اور کرم کی طرف نظر کرتا ہوں تو میری ڈھارس بندھ جاتی ہے کہ کریم سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں۔ اے اللہ عزوجل! بتقاضائے بشریت مجھ سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں لیکن میں پھر بھی تجھ سے دعا ضرور کروں گا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ گناہگاروں سے گناہوں کے صدور کے باوجود تُو انہیں اپنی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا۔ اے میرے مغفرت فرمانے والے پروردگار عزوجل! اگر تُو میری مغفرت فرما دے گا تو بے شک یہ محض تیری عطا ہے اور تُو سب سے زیادہ مغفرت فرمانے والا ہے اور اگر تُو مجھے عذاب دے گا تو تُو اس بات پر قادر ہے۔ تیرا کسی کو عذاب دینا کوئی ظلم نہیں بلکہ یہ تو تیرا عدل ہے۔

اے میرے پروردگار عزوجل! میں ذلیل و خوار ہوں، اپنی حیثیت کے مطابق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ جب بغداد میں وہاں کے مشائخ سے ملاقات کرنے تشریف لائے تو عربی زبان سے ناواقف تھے اس لئے مریدوں کے واسطے سے گفتگو کی مگر خیال کیا کہ یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ خراسان کے شیخ المشائخ کے لئے ترجمان کی ضرورت ہو چنانچہ جب آپ مسجد شونیز میں پہنچے تو بغداد کے تمام مشائخ کو ملاقات کی دعوت دی اور ان سے عربی میں فصیح گفتگو فرمائی، یہاں تک کہ تمام مشائخ آپ کی فصاحت پر ششدر رہ گئے بغداد کے مشائخ نے آپ سے سوال کیا کہ ما الفتوۃ جوانمردی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ میں سے کوئی صاحب اپنی رائے ظاہر فرمائیں چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تجھ سے طلب کر رہا ہوں تو اپنے کرم کے مطابق عطا فرما۔ یا اللہ عزوجل! جب مجھے تجھ سے سوال کرنے میں اِتنا سرور ملتا ہے کہ بیان سے باہر ہے تو جس وقت تُو میری دعا قبول فرمالے گا اور مجھے بخشش ومغفرت اور اپنی دائمی رضا کی دولت سے مالا مال کردے گا تو اس وقت میری خوشی کا کیا عالم ہوگا۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! میں تیرے خوف سے تھر تھر کانپتا ہوں کیونکہ میں اِنتہائی گناہگار وخطا کار ہوں اور تیری رحمت کا اُمیدوار بھی ہوں کیونکہ تُو کریم ہے تُو رحیم وحلیم ہے۔

اے میرے مولیٰ عزوجل! میری دعا قبول فرمالے کیونکہ تُو لطیف وکریم ہے، میرے حالِ زار پر رحم فرما، بے شک میں کمزور وعاجز بندہ ہوں۔ اے میرے مولیٰ! اے میرے پروردگار! اے میرے مالک! اے رحیم وکریم ذات! مجھ پر رحم فرما میں تیرا محتاج ہوں، میں تیری بارگاہ میں رحمت ومغفرت کا طلبگار ہوں، میں اپنی حاجتیں خود پوری نہیں کرسکتا، میری اُمیدگاہ کا مرکز تیری ہی ذات ہے، تیری رحمت ومغفرت کا سب سے زیادہ حق دار میں ہی ہوں، میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور آخرت کا معاملہ بہت سخت ہے۔ نہیں معلوم میرا کیا انجام ہوگا۔ یا الٰہی عزوجل! مجھے اپنی حفظ وامان میں رکھ اگرچہ میرے پاس نیک اعمال کا ذخیرہ نہیں لیکن پھر بھی میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ عزوجل! میرے پاس ایسا کوئی عذر نہیں جسے تیری بارگاہ میں پیش کرکے خلاصی حاصل کرسکوں۔ اے اللہ عزوجل! مجھے تمام آفتوں اور مصیبتوں سے اسی وقت خلاصی مل سکتی ہے جب تُو لطف وکرم فرمادے، میرے تمام گناہوں کو بخش دے اور میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے۔ یا الٰہی عزوجل! تُو پاک ہے، تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تُو پاک ہے، تُو پاک ہے۔ (عُیُونُ الحِکَایَات صفحہ ۳۱۰۔۳۱۵)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الفتوة عندی ترك الرؤية واسقاط النسبة میرے نزدیک جوانمردی یہ ہے کہ جو عمل کیا جائے اسے نہ خود دیکھے اور نہ اس کو اپنی طرف منسوب کرے۔

اس پر حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ماحسن ماقال الشیخ ولکن الفتوة عندی اداء الانصاف وترك مطالبة الانصاف شیخ نے نہایت عمدہ بات فرمائی ہے لیکن میرے نزدیک جوانمردی یہ ہے کہ خود تو دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے میں کوتاہی نہ کرے مگر دوسروں سے اپنے لئے انصاف کا خواہاں نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **معرفت کی باتیں**

حضرت سیدنا محمد بن محمود سمرقندی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیدنا یحیٰی بن معاذ رازی علیہ رحمۃ اللہ الباری کو یہ فرماتے ہوئے سنا: غربت اور تنگدستی زاہدین کے دیار ہیں۔ بندہ مؤمن جب کوئی عمل کرتا ہے یا تو اس کا وہ عمل نیک ہوتا ہے یا بد۔ اس کا نیک عمل تو نیک ہی ہے لیکن اس کے بُرے عمل کے ساتھ بھی بسا اوقات نیکیاں شامل ہو جاتی ہیں وہ اس طرح کہ جب کسی نیک انسان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس پر خوفِ خداوندی عزوجل طاری ہو جاتا ہے اور اللہ عزوجل سے ڈرنا نیکی ہے، اس کے بعد وہ اپنے رب عزوجل سے اُمید رکھتا ہے کہ وہ پاک پروردگار عزوجل اس کا گناہ بخش دے گا تو اس کی یہ اُمید بھی نیکی ہی ہے۔ پس مؤمن کا گناہ ایسا ہے جیسے دو شیروں کے درمیان لومڑی۔

پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حکمت کے سرچشمے ہیں، ان کی مجالس بابرکت ہوتی ہیں گویا یہ لوگ عمدہ باغات اور اپنی پسندیدہ جگہوں میں ہیں، ان کی مجالس میں خیر ہی خیر ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے: اللہ ربُّ العزّت نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مَردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (پ26 محمد: 19)

اس آیت کریمہ میں خود خدائے بزرگ و برتر حکم فرما رہا ہے: اے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم! آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو خود کسی کام کا حکم فرمائے اور پھر اس کی بجا آوری پر انہیں اُجر نہ دے، یا جو اس نے وعدہ کیا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ سن کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **قوموا یا اصحابنا فقد زاد ابو حفص علی آدم وذریۃ** اے میرے ہمراہیو! اٹھو یقیناً ابو حفص آدم اور ان کی اولاد پر بازی لے گئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اسے پورا نہ کرے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ پاک پروردگار عزوجل تو وعدوں کو پورا کرنے والا ہے جو اس سے اُمید رکھتا ہے وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ جب کسی بندے سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے اور اسے اپنے گناہ پر شرمندگی بھی ہو پھر نبی مکرّم، نورِ مجسّم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس کی شفاعت فرمائیں اور جس ذات کی نافرمانی اس گناہ گار شخص سے ہوئی وہ ذات بھی ایسی کریم کہ بڑے بڑے گناہوں کو محض اپنے لُطف وکرم سے بخش دے اور جو اس کے سامنے صدقِ دل سے تائب ہوجائے اور دو قطرے آنسوؤں کے بہالے تو زمین وآسمان کے برابر گناہوں کو بھی معاف فرمادے۔ کیا وہ پاک پروردگار عزوجل ہمارے گناہوں کو معاف نہیں فرمائے گا؟ ضرور فرمائے گا ہمیں اس کی پاک ذات پر کامل یقین ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کاش! کوئی ایسا راستہ مل جائے کہ وہ ہمیں کسی عارف تک لے جائے۔ اے عارفو! تم کہاں ہو؟ میں تمہارے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہتا ہوں۔ تعجب وافسوس ہے ان لوگوں پر جو اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محفلوں اور ان کے قُرب سے ناآشنا ہیں اور بادشاہوں اور وزیروں کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، محبت الٰہی عزوجل کے طلبگاروں کو دُنیوی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب تک انسان راہِ عشق میں تکالیف سے دوچار نہ ہو تب تک محبت کی مٹھاس نہیں پاسکتا۔ ۔

جو رنج ومصیبت سے دوچار نہیں ہوتا وہ عشقِ حقیقی کی لذت نہیں پاسکتا

دنیا کو ترک کردینا آخرت کا مَہر ہے یعنی جس نے دُنیوی نعمتیں ترک کردیں اس نے آخرت کی نعمتوں کو پالیا۔ اُخروی نعمتوں کی خاطر دُنیوی نعمتوں کو چھوڑ دینا ایمان ویقین کے پختہ ہونے کی دلیل ہے۔ اے میرے عقیدت مندو! جب تم دنیا حاصل کرنے پر مجبور ہوجاؤ تو بقدرِ کفایت رزقِ حلال حاصل کرو لیکن دُنیوی مال ودولت کی محبت ہرگز دل میں نہ بٹھاؤ، اپنے جسموں کو رزقِ حلال کی طلب میں مشغول رکھو لیکن اپنے دلوں کو اس میں مشغول نہ کرو بلکہ تمہارے دلوں میں آخرت کی محبت ہونی چاہے، ہر وقت آخرت کو مدِّنظر رکھو۔ بے شک یہ دنیا تو ایک گزرگاہ ہے لہٰذا اس سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے، بے وفا دنیا سے دل نہ لگاؤ بلکہ آخرت سے محبت کرو، اسی کی فکر کرو کیونکہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے، وہی دارِ قرار ہے۔ ۔

بے وفا دنیا پہ مت کر اعتبار تو اچانک موت کا ہوگا شکار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کی ابتدائے توبہ کا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے عالم شباب میں ایک لونڈی پر آپ فریفتہ ہو گئے ہر چند منانے کی تدبیریں کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی لوگوں نے بتایا کہ نیشاپور میں ایک یہودی رہتا ہے جو سحر و عمل کے ذریعہ اس کام کو آسان کر سکتا ہے ابو حفص اس کے پاس پہنچے اور اس سے اپنا حال بیان کیا۔ یہودی نے کہا اے ابو حفص! تمہیں چالیس دن نماز چھوڑنی ہو گی اور اس اثناء میں نہ تو زبانِ دل پر خدا کا نام لانا ہو گا اور نہ نیکی کا کوئی کام اگر اس پر راضی ہو تو میں جنتر منتر پڑھتا ہوں تا کہ تمہاری مراد بر آئے حضرت ابو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: موت کا خوف موت کی تکلیف سے زیادہ ہولناک ہے یعنی جسے یہ علم ہو جائے کہ مَیں فلاں وقت مروں گا تو وہ ایسے خوف میں مبتلا ہو جائے کہ جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا گویا موت کے خوف سے وہ گُھل گُھل کر مُردوں کی مانند ہو جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (عاجزی کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: میری حالت تو ایسی ہے کہ اگر میری کوئی حاجت پوری نہ ہو تو رونے لگتا ہوں لیکن موت کے خوف سے رونا نہیں آتا۔ اے ابن آدم! تجھ پر افسوس ہے، اگر تجھے کوئی دنیاوی نعمت نہ ملے تو تُو پریشان و غمگین ہو جاتا ہے اور ان عارضی چیزوں کے ملنے پر تجھے خوشی ہوتی ہے جنہیں موت تجھ سے جدا کر دے گی۔ یاد رکھ! موت آتے ہی تمام دنیاوی نعمتیں تجھ سے واپس لے لی جائیں گی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اگر عفو و درگزر اور رحم و کرم اللہ عزوجل کی صفات نہ ہوتیں تو اہلِ معرفت کبھی بھی اس کی نافرمانی نہ کرتے، جب اللہ عزوجل نے اپنے عفو و درگزر اور رحم و کرم کا مژدہ جانفزا سنایا تو گناہگاروں کا آسرا بڑھ گیا اور انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ ہمارا رب عزوجل ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے ضرور درگزر فرمائے گا۔ اللہ عزوجل نے اپنے عفو و کرم کا اعلان فرمایا تا کہ لوگ جان جائیں کہ ہمارا پروردگار عزوجل بہت رحیم و کریم ہے، وہ گناہ گاروں کے بڑے بڑے گناہوں کو محض اپنے لُطف و کرم سے معاف فرما دیتا ہے، اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحیم و کریم ہے، اس لئے گناہگار گناہ ہو جانے پر اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے پروردگار عزوجل سے اُمید واثق رکھتے ہیں کہ وہ گناہوں کو بخش دے گا اور رحم و کرم فرمائے گا کیونکہ اس کے رحم و کرم کی کوئی اِنتہا نہیں۔ ؎

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ تُو نے جب سے سنا دیا یارب عزوجل!

آسرا ہم گناہگاروں کا اور مضبوط ہو گیا یارب عزوجل!

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک بندہ جس گناہ کی وجہ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حفص نے یہودی کی یہ شرط مان لی اور چالیس دن اس طرح گزار دیئے۔ یہودی نے اپنا سحر وعمل کیا مگر ان کی مراد بر نہ آئی یہودی کہنے لگا غالباً تم نے شرط پوری نہیں کی، ضرور تم سے کوئی خلاف ورزی ہوئی ہے اور نیکی کا کوئی کام کیا ہے ذرا سوچ کر بتاؤ؟ ابو حفص نے کہا میں نے کوئی نیکی نہیں کی اور نہ ظاہر و باطن میں کوئی عمل خیر کیا البتہ ایک دن میں نے راستہ میں پتھر پڑا دیکھا اس خیال سے اسے پاؤں سے ہٹا دیا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس پر یہودی کہنے لگا افسوس ہے تم پر کہ تم نے چالیس دن تک اس کے حکم کی نافرمانی کی اور اسے فراموش کئے رکھا لیکن خدا نے تیرے ایک عمل کو بھی ضائع نہیں جانے دیا یہ سن کر حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے صدق دل سے توبہ کی اور وہ یہودی بھی اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابو حفص آہنگری کا پیشہ کرتے تھے جب بیاورد پہنچے تو حضرت ابو عبداللہ باوردی سے ملاقات کی اور ان سے بیعت کی جب نیشاپور واپس آئے تو ایک دن بازار میں ایک نابینا کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا آپ اپنی دکان میں بیٹھے سنتے رہے ان پر اتنی محویت اور وجد کی کیفیت طاری ہوئی کہ بے خودی میں بغیر دست پناہ کے بھٹی سے گرم وسرخ لوہا ہاتھ ڈال کر نکال لیا شاگردوں نے استاد کی یہ محویت واستغراق دیکھا تو ان کے ہوش اڑ گئے جب آپ کا استغراق ختم ہوا تو اس پیشہ کو چھوڑ دیا پھر کبھی دکان پر نہیں گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

ترکت العمل ثم رجعت الیہ ثم ترکنی العمل فلم ارجع الیہ۔ میں نے ایک مرتبہ اپنے پیشہ کو چھوڑ کر دوبارہ اسے اختیار کیا لیکن پھر اس پیشہ نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد میں پھر کبھی ادھر متوجہ نہ ہوا،

بندے کو جو چیز ہنر اور دستکاری سے حاصل ہو اس کے کرنے سے بہتر ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے کیونکہ تمام اکتسابات آفتوں کے محل ہیں قابل قدر اور لائق اعتنا تو وہ چیز ہے جو غیب سے بلا تکلف آئے اور جس جگہ بھی بندے کا دخل واختیار شامل ہوگا وہاں اس سے حقیقت کے لطائف زائل ہو جائیں گے اس لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے آپ کو اللہ عزوجل کی رحمت کا محتاج سمجھے، وہ اس نیکی سے افضل ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنے رب عزوجل پر دلیر ہو جائے اور مغرور ہو جائے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا: عبادت کیا ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: گوشہ نشینی اختیار کرنا، عبادت کی دُکانداری کے لئے مالِ تجارت ہے اور جنت اس تجارت کا منافع ہے یعنی جو شخص مخلوق سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول رہے گا اس کو عبادت کا صلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا۔ (عُیُونُ الحِکَایات صفحہ ۳۶۴۔۳۶۶)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بندہ پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا از خود اختیار نہیں ہے کیونکہ عطا و زوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی تقدیر سے ہے جب عطا ہوتی ہے تو اسی کی طرف سے لینا بھی ہوتا ہے اور جب زوال ہو تو اسی کی طرف سے ترک بھی ہے جب ایسی حالت ہو جائے تو اسی کی قدر و قیمت ہوتی ہے کیونکہ اخذ و ترک کا قیام اسی کی طرف سے ہے نہ یہ کہ بندہ اپنی کوشش سے نفع یا دفع کرتا ہے معلوم ہوا کہ اگر مرید ہزار برس قبول حق کی کوشش کرے تو یہ ممکن نہیں ایک لحہ کے لئے بھی حق تعالیٰ قبولیت کا شرف دیدے اس لئے کہ اس کی قبولیت تو ازل سے مقرر ہے اور دائمی مسرت پہلے ہی سے شامل ہے بندے کے لئے تو بجز خلوص کے کوئی راہ رکھی ہی نہیں اس لئے وہی بندہ صاحب عزت ہے جو عالم اسباب کی نسبت کو چھوڑ کر مسبب الاسباب سے لو لگائے۔

(۲۷) حضرت حمدون بن احمد بن قصا:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، طبقۂ ملامتیہ کے سردار، گرفتارِ بلا و ملامت، حضرت ابو صالح حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (87) آپ مشائخِ متقدمین میں متورع اور علم فقہ میں بدرجہ اتم عالم تھے۔ حضرت امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے متبع اور طریقت میں حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء دنیا سے فرماتے: اے علماء! تمہارے محلات قیصر کے محلات کی طرح اور تمہارے گھر کسریٰ کے گھر جیسے ہیں صرف تمہارے کپڑے (ظاہراً) پاک ہیں اور تمہارے موزے جالوت کے موزوں کی طرح ہیں، تمہاری سواریاں قارونی، برتن فرعونی اور محافلِ سوگ دور جاہلیت جیسی ہیں اور تمہارے طور طریقے شیطانی ہیں، شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہاں ہے؟ شاعر کہتا ہے:

وَرَاعِی الشَّاۃِ یَحْمِی الذِّئْبَ عَنْھَا   فَکَیْفَ اِذَا الرُّعَاۃُ لَھَا ذِئَابُ

ترجمہ: بکریاں چرانے والا ان کو بھیڑیئے سے بچاتا ہے مگر اس وقت کیا کریں جب چرواہے ہی بھیڑیئے بن جائیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

یَامَعْشَرَ الْقُرَّاءِ یَامِلْحَ الْبَلَدِ   مَایُصْلِحُ الْمِلْحُ اِذَا الْمِلْحُ فَسَدَ

ترجمہ: اے علماء کے گروہ! اے شہر کے نمک! جب خود نمک ہی خراب ہو جائے تو وہ کسی کو کیسے درست کر سکتا ہے۔ (لبابُ الاحیاء صفحہ ۳۸)

شرح (87): حمدون بن احمد قصار ایک عظیم صوفی بزرگ تھے آپ کا وصال ۲۷۱ ہجری میں ہوا آپ کا مزار عراق کے شہر حیرۃ میں ہے۔

ابوتراب نخشبی کے مرید تھے آپ علی نصر آبادی کے خاندان سے تھے سلوک کے ہر معاملہ میں آپ کے اشارات اور مجاہدے کی تمام اقسام میں آپ کے اشارات موجود ہیں چونکہ آپ کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا اس لئے نیشاپور کے تمام اکابرین آپ کے رشد وہدایات کے منتظر رہتے لیکن آپ سب کو یہی جواب دیتے کہ ابھی میرا دل دنیا اور حصولِ مرتبت سے خالی نہیں ہوا ہے اس حال میں میرا وعظ فرمانا سودمند نہ ہوگا اور نہ دلوں پر اثر انداز ہوگا جو بات دلوں پر اثر نہ کرے اس میں علم کا استخفاف اور شریعت کا استہزاء ہے۔ وعظ کرنا اس پر واجب ہے جس کی خاموشی دین میں خلل انداز نہ ہو اور جب کچھ کہے تو خلل دور ہو جائے علماء نے سوال کیا کہ ہمارے وعظ کے مقابلہ میں اسلاف کا وعظ کس وجہ سے دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتا تھا؟

فرمایا: **لانھم تکلمو العز الاسلام ونجات النفوس ورضاء الرحمن ونحن نتکلم لعز النفس وطلب الدنیا وقبول الخلق** اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلاف اسلام کی بہتری، لوگوں کی نجات اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے وعظ کہتے تھے اور ہم اپنی ذات کی عزت، دنیا اور مقبولِ خلائق ہونے کے لئے وعظ کرتے ہیں لہٰذا جو شخص رضائے الٰہی کے لئے بات کرتا ہے اس کی زبان سے حق بات نکلتی ہے اور اس میں دبدبہ وجلال ہوتا ہے کہ شرپسندوں کے دل بھی متاثر ہو جاتے ہیں اور جو شخص اپنی ذات کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے اس میں رسوائی اور ذلت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ایسی باتوں سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس کے کہنے سے نہ کہنا ہی بہتر ہے کیونکہ وہ حقانیت سے خالی بات ہوتی ہے۔

(۲۸) حضرت منصور بن عمار:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، شیخ باوقار، مشرف خواطر واسرار حضرت ابوالسری منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ درجہ ومرتبہ کے اعتبار سے مشائخ کبار میں سے ہیں، عراق کے اکابر میں سے آپ مقبول اہل خراسان تھے (88) پندونصائح میں حسن کلام اور نکتہ رسی تھی (89) ہر علم وفن میں وعظ

شرح (88): بَہجۃُ الأسرار شریف میں ہے، حضرتِ سیّدُنا شیخ ابوبکر بن ہوار علیہ رحمۃ الجبّار فرماتے ہیں، عراق کے اَوتاد سات ہیں، (۱) حضرتِ سیّدُنا شیخ معروف کرخی (۲) حضرتِ سیّدُنا شیخ امام احمد بن حنبل (۳) حضرتِ سیّدُنا شیخ بِشرِ حافی (۴) حضرتِ سیّدُنا شیخ منصور بن عمار (۵) حضرتِ سیّدُنا شیخ جُنید (۶) حضرتِ سیّدُنا شیخ سَہل بن عبدُ اللہ تُستَری (۷) حضرتِ سیّدُنا شیخ عبدالقادِر جیلانی رحمہم اللہ تعالیٰ (ہمارے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابھی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ غیب کی خبر سن کر) عرض کیا گیا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرماتے اور درایت وروایت اور احکام ومعاملات کی گتھیاں سلجھاتے تھے۔ بعض صوفیاء تو تعریف میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں آپ کا ارشاد ہے:

سبحان من جعل قلوب العارفین اوعیة الذکر وقلوب الزاهدین اوعیة التوکل وقلوب المتوکلین اوعیة الرضا و قلوب الفقراء اوعیة القناعة وقلوب اهل الدنیا اوعیة الطمع وہ ذات پاک ہے جس نے عارفوں کے دلوں کو ذکر کی جگہ اور زاہدوں کے دلوں کو توکل کی جگہ اور توکل کرنے والوں کے دلوں کو رضا کی جگہ اور درویشوں کے دلوں کو قناعت کی جگہ اور دنیا داروں کے دلوں کو حرص کی جگہ قرار دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عبدالقادِر جیلانی کون؟ حضرتِ سیّدُنا شیخ ہوار علیہ رحمۃ الجبّار نے جواباً ارشاد فرمایا، ایک عَجَمی شریف ہونگے (اہلِ عَرَب کے یہاں ساداتِ کرام کو شریف اور حَبیب بولتے ہیں جبکہ جناب کی جگہ لفظ سیِّد استِعمال کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک غیرعَرَبی سیِّد صاحِب) جو کہ بغداد شریف میں قیام فرمائیں گے، ان کاظُہور پانچویں صَدی ہجری میں ہوگا اور وہ صِدّیقین (یعنی اولیائے کرام کی سب سے اعلیٰ قسم) سے ہوں گے۔ اَوتاد وہ افراد ہیں جو دنیا کے سردار اور زمین کے قُطب ہیں۔ (بہجۃُ الاَسرار مترجم ۳۸۵ پروگریسو بکس)

شرح (89): گناہوں کی نحوست:

حضرتِ سیّدُنا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ارشاد فرماتے ہیں: میرا ایک دینی بھائی تھا جو کہ میرا بہت معتقد تھا۔ وہ ہر دُکھ سُکھ میں مجھ سے ملاقات کرتا۔ میں اس کو انتہائی عبادت گزار، تہجد گزار، اور گریہ وزاری کرنے والا سمجھتا تھا۔ میں نے کچھ دنوں تک اسے نہ پایا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ تو بے حد کمزور ہوگیا ہے۔ میں نے اس کے گھر کے متعلق دریافت کر کے اس کے دروازے پر دَستک دی تو اس کی بیٹی آئی اور پوچھا: کس سے ملنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا: فلاں سے۔ وہ میرے آنے کی اجازت طلب کرنے اندر گئی، پھر لوٹ کر آئی اور کہنے لگی: آپ اندر آجائیں۔ میں نے داخل ہو کر دیکھا کہ وہ گھر کے وسط میں بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ چہرہ سیاہ، آنکھیں نیلی اور ہونٹ موٹے ہو چکے ہیں۔ میں نے اسے ڈرتے ڈرتے کہا: اے میرے بھائی! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی کثرت کرو۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بڑی مشکل سے میری طرف دیکھا، پھر اس پر غشی طاری ہوگئی۔ میں نے دوسری مرتبہ یہی تلقین کی تو اس نے مجھے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا لیکن دوبارہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔

جب میں نے تیسری مرتبہ کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اور کہا کہ اگر تو نے یہ کلمہ نہ پڑھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جب حس و اعضاء پیدا فرمائے تو اس میں اسی قسم کی طاقت و توانائی بخشی، مثلاً ہاتھوں کو پکڑنے کا آلہ اور پاؤں کو چلنے کی طاقت، آنکھوں کو بینائی کا ذریعہ، کانوں کو سننے کے لئے اور زبان کو بولنے کے واسطے پیدا فرمایا ان کی تخلیق و ظہور میں کوئی زیادہ اختلاف نہ رکھا لیکن جب دلوں کو پیدا فرمایا تو ہر دل کی مراد مختلف، ہر دل کا ارادہ مختلف اور ہر دل کی خواہش گونا گوں پیدا فرمائی چنانچہ کسی دل کو معرفت کی جگہ، کسی دل کو گمراہی کا مقام، کسی دل کو قناعت کی جگہ اور کسی دل کو حرص و لالچ کا مقام بنایا اور اس نے دل سے بڑھ کر کوئی چیز نرالی پیدا نہیں کی۔ آپ کا ایک ارشاد یہ ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو میں تجھے غسل دوں گا، نہ کفن اور نہ ہی تیرا نمازِ جنازہ پڑھوں گا۔ یہ سن کر اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: اے میرے بھائی! اے منصور! اس کلمہ کے اور میرے درمیان رکاوٹ کھڑی کردی گئی ہے۔ میں نے کہا: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہاں گئیں وہ نمازیں، وہ روزے، تہجد اور راتوں کا قیام؟ تو اس نے مجھے حسرت سے بتایا: اے میرے بھائی! یہ سب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رضا کے لئے نہیں تھے، بلکہ میں یہ عبادتیں اس لئے کیا کرتا تھا تا کہ لوگ مجھے نمازی، روزے دار، اور تہجد گزار کہیں اور میں لوگوں کو دکھانے کے لئے ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کیا کرتا تھا۔ جب میں تنہائی میں ہوتا تو دروازہ بند کر لیتا، برہنہ ہو کر شراب پیتا، اور نافرمانیوں سے اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کا مقابلہ کرتا۔ ایک عرصہ تک میں اسی طرح کرتا رہا پھر ایسا بیمار ہوا کہ بچنے کی امید نہ رہی، میں نے اپنی اسی بیٹی سے کہا کہ قرآنِ پاک لے کر آؤ، اس نے ایسا ہی کیا، میں مصحف شریف کے ایک ایک حرف کو پڑھتا رہا یہاں تک کہ جب سورۂ یٰس تک پہنچا تو مصحف شریف کو بلند کر کے بارگاہ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں عرض کی: اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! اس قرآنِ عظیم کے صدقے مجھے شفا عطا فرما، میں آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے مجھ سے بیماری کو دور کر دیا۔ جب میں شفایاب ہوا، تو دوبارہ لہو ولعب اور لذات و خواہشات میں پڑ گیا۔ شیطان لعین نے مجھے وہ عہد بھلا دیا جو میرے رب عَزَّ وَجَلَّ کے اور میرے درمیان ہوا تھا، عرصۂ دراز تک گناہ کرتا رہا، پھر اچانک اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس میں میں نے موت کے سائے دیکھے تو گھر والوں سے کہا کہ مجھے میری عادت کے مطابق وسطِ مکان میں نکال دیں۔ میں نے مصحف شریف منگوا کر پڑھا اور بلند کر کے عرض کی: یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! اس کی عظمت کا واسطہ جو اس مصحف شریف میں ہے، مجھے اس مرض سے نجات عطا فرما۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے میری دعا قبول فرمائی اور دوبارہ اس بیماری سے مجھے شفا عطا فرما دی۔ لیکن میں پھر اسی طرح نفسانی خواہشات اور نافرمانیوں میں پڑ گیا یہاں تک کہ اب اس مرض میں مبتلا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الناس رجلان عارف بنفسه فشغله فی المجاهدات والریاضة وعارف بربه وشغله بخدمته وعبادته ومرضاته لوگ دو قسم کے ہیں یا وہ اپنے نفس کے عارف ہوں گے یا حق تعالیٰ کے عارف، اگر وہ اپنے نفس کے عارف ہیں تو ان کا مشغلہ ریاضت و مجاہدہ ہے اور اگر حق تعالیٰ کے عارف ہیں تو ان کا مشغلہ خدمت، عبادت اور طلب رضا ہے۔

لہٰذا جو عارف نفس ہوتے ہیں ان کی نظر عبادت و ریاضت پر ہوتی ہے تا کہ درجہ و مقام حاصل کریں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہاں پڑا ہوں، میں نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ اس دفعہ بھی مجھے وسطِ مکان میں نکال دو جیسا کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب میں مصحف شریف منگوا کر پڑھنے لگا تو ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مجھ پر سخت ناراض ہے، میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر عرض کی: یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! اس مصحف شریف کی عظمت کا صدقہ! مجھ سے اس مرض کو زائل فرما دے۔ تو میں نے ہاتفِ غیبی کی آواز سنی مگر اُسے دیکھ نہ سکا۔ یہ آواز اشعار کی صورت میں تھی، جن کا مفہوم یہ ہے:

جب تو بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور جب تندرست ہوتا ہے تو پھر گناہ کرنے لگ جاتا ہے۔ تو جب تک تکلیف میں مبتلا رہتا ہے تو روتا رہتا ہے اور جب قوت حاصل کر لیتا ہے تو بُرے کام کرنے لگتا ہے۔ کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں میں تو مبتلا ہوا مگر اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تجھے ان سب سے نجات عطا فرمائی۔ اس کے منع کرنے اور روکنے کے باوجود تو گناہوں میں مستغرق رہا اور عرصہ دراز تک اس سے غافل رہا۔ کیا تجھے موت کا خوف نہ تھا؟ تو عقل اور سمجھ رکھنے کے باوجود گناہوں پر ڈٹا رہا۔ اور تجھ پر جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فضل وکرم تھا، تُو نے اسے بھلا دیا اور کبھی بھی تجھ پر نہ کپکپی طاری ہوئی، نہ ہی خوف لاحق ہوا۔ کتنی مرتبہ تو نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ساتھ عہد کیا لیکن پھر توڑ دیا، بلکہ ہر بھلی اور اچھی بات کو تو بھول چکا ہے۔ اس جہانِ فانی سے منتقل ہونے سے پہلے پہلے جان لے کہ تمہارا ٹھکانہ قبر ہے، جو ہر لمحہ تجھے موت کی آمد کی خبر سنا رہی ہے۔

حضرتِ سیِّدُ نا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفار فرماتے ہیں: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں اس سے اس حال میں جدا ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ابھی گھر کے دروازے تک بھی نہ پہنچا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ وہ شخص انتقال کر چکا ہے۔ ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے حُسنِ خاتمہ کی دعا کرتے ہیں کیونکہ بہت سے روزے دار اور راتوں کو قیام کرنے والے برے خاتمے سے دوچار ہو گئے۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقْ صفحہ ۴۴-۴۵ اَلشَّیْخ شُعَیب حَرِیْفِیش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

اور جو عارفِ رب ہوتے ہیں ان کی نظر عبادت و ریاضت کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہ عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خود سب کچھ ہو جائیں۔

فشتان مابین الرتبتین ان دونوں مرتبوں میں بڑا بعد ہے، ایک بندہ مجاہدے میں قائم ہے اور دوسرا مشاہدے میں۔ واللہ اعلم!

آپ کا ایک ارشاد یہ ہے[(90)] کہ

شرح (90): آپ کے چند واقعات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

واصل باللہ نوجوان:

حضرت سیّدُنا منصور بن عمار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے عراق کے ایک شہر میں ایسا نصیحت بھرا بیان کیا کہ جس سے پتھر دل بھی پگھل جاتے اور جگر پاش پاش ہو جاتے، لیکن میری اس محفل میں کسی نے آنسو کا ایک قطرہ تک نہ بہایا، اور ایسی بات نہیں تھی کہ میری تقریر ان کے کانوں کے راستے دلوں میں نہ اُتر رہی ہو۔ میری گفتگو کی سحر انگیزی نے دلوں کو دم بخود کر رکھا تھا، اور لوگوں کی ارواح جلوۂ محبوب میں کھوئی ہوئی تھیں، اچانک میں نے صاف ستھرے لباس میں ملبوس ایک خوبصورت نوجوان دیکھا، اس نے کھڑے ہو کر چیخ ماری، پھر گھبرا کر بیٹھ گیا، لیکن اس کی اس چیخ سے میرے بیان میں خلل آ گیا۔ میں اپنے منبر سے نیچے اُتر آیا، اور اس کے مدہوشی سے افاقہ پانے تک انتظار کرتا رہا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا: اے میرے محترم! آپ کے وجدان کے گھوڑے کہاں تک رسائی پا چکے ہیں (یعنی آپ قربِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی کس منزل تک پہنچ چکے ہیں)؟ تو اس نے جواب دیا: میرے وجد و سرور کے گھوڑوں نے اپنا مقصود پا لیا۔ میں نے پوچھا: آپ کو وصالِ بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی یہ دولت کیسے نصیب ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا: طویل مشقت و تھکاوٹ کے بعد میں نے اس راحت و وصال کو پایا۔ میں نے پوچھا: کس شرط پر آپ نے اپنا مقصود پایا؟ جواب ملا: مجھے اپنے مقصود کی انتہائی طلب کی وجہ سے کامیابی ملی۔ میں نے پوچھا: کیا آپ کا گزر بارگاہِ قرب سے بھی ہوا؟ جواب ملا: ہاں، وہی میرے حصولِ فیض کی جگہ ہے۔ میں نے پوچھا: کیا آپ نے صاحبِ وقار مَردوں کا مشاہدہ کر لیا اور ان کے قرب میں آپ کی جھجھک ختم ہو گئی؟ جواب ملا: اے ابن عمار! بغیر ہچکچائے آگے بڑھنا ہی میرا طریقہ ہے؟ میں نے پوچھا: پھر آپ کس وسیلے سے بارگاہِ قرب تک پہنچے؟ جواب ملا: میں درِ رحمت پر کھڑا رہا اور اس کے آداب کو ہر لحظہ ملحوظِ خاطر رکھا۔ جب اللہ ربُّ العالمین عَزَّ وَجَلَّ نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الناس رجلان مفتقر الی اللہ فھوفی اعلی الدرجات علی لسان الشریعۃ والآخر لایری

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میرے انتہائی شوق کو ملاحظہ فرمایا تو مجھ پر گرم کے بادل برساتے ہوئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے، اور سارے حجابات اٹھا دیئے اور مجھے ندا دی: تمام حجابات اُٹھے ہوئے ہیں، لہٰذا تم میرے دِیدار سے کیف وسرور حاصل کرلو۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ صفحہ ۲۶۵ اَلشَّیْخ شُعَیْب حَرِیْفِیْش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

تائبین کے لئے بخشش کی نوید:

ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ماہِ رمضان کے آخری جمعہ حضرتِ منصور بن عمار واعظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محفل میں حاضر ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے روزوں کی فضیلت، راتوں کی عبادت اور مخلصین کے لئے جو اجر تیار کیا گیا ہے اس کے متعلق بیان فرمایا تو ایسے لگ رہا تھا گویا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کے اثر سے ٹھوس پتھروں سے آگ ظاہر ہو رہی ہے۔ بلاشبہ اللہ عزَّ وَجَلَّ کی قسم! (ایسا ہوسکتا ہے) کیونکہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1) وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ

ترجمۂ کنز الایمان: اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں۔ (پ1، البقرہ:74)

لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محفل میں نہ کسی نے حرکت کی، نہ ہی کسی نے اپنے گناہوں کی شکایت کی جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محفل کی خاموشی کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا اپنے عیوب سے آگاہ ہو کر کوئی بھی رونے والا نہیں؟ کیا یہ مہینہ توبہ و بخشش کا نہیں؟ کیا یہ مہینہ عفوورضا کا سرچشمہ نہیں؟ کیا اس میں جنت کے دروازے نہیں کھولے جاتے؟ کیا اس میں جہنم کے دروازے بند نہیں کئے جاتے؟ کیا اس میں شیاطین کو جکڑا نہیں جاتا؟ کیا اس میں انعام واکرام کی بارش نہیں ہوتی؟ کیا اس میں اللہ عزَّ وَجَلَّ تجلی نہیں فرماتا؟ کیا اس میں ہر رات افطاری کے وقت دس لاکھ جہنمی جہنم سے آزاد نہیں کئے جاتے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس ثواب سے محروم ہوتے ہو؟ اور مخالفت کے لبادے میں تکبر کرتے ہو۔

ارشادِ ربانی ہے:

(2) اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: تو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں۔ (پ27 الطور:15)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الافتقار لما علم من فراغ اللہ من الخلق والرزق والاجل والحیات والسعادۃ والشقاوۃ وھوفی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (اس کے بعد آپ نے فرمایا:) سب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ کرو، تو سب اہلِ مجلس بلند آواز سے گریہ و زاری کرنے لگے اور ایک نوجوان اپنے گناہوں کی وجہ سے روتا ہوا غم کی حالت میں کھڑا ہو گیا اور عرض کی: یا سیدی! بتایئے کہ کیا میرے روزے مقبول ہیں؟ کیا میرا راتوں کا قیام دوسرے قیام کرنے والوں کے ساتھ لکھا جائے گا؟ حالانکہ مجھ سے بہت گناہ سرزد ہوئے، میں نے اپنی عمر نافرمانیوں میں برباد کر دی، عذاب کے دن سے غافل رہا۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ اس نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

(3) وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ

ترجمۂ کنز الایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی۔ (پ16طٰہٰ:82)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن پڑھنے والے کو یہ آیتِ مبارکہ پڑھنے کا حکم فرمایا:

(4) وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ (۱)

(پ25الشوریٰ:25)

اس نوجوان نے ایک زوردار چیخ ماری اور کہا: میری خوش نصیبی ہے کہ اس کا احسان مجھ تک پہنچتا رہا لیکن اس کے باوجود میں نافرمانیوں میں اضافہ کرتا رہا اور گمراہی کے راستے سے نہ لوٹا۔ کیا گزرے ہوئے وقت کی جگہ کوئی اور وقت ہوگا کہ جس میں اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔ پھر اس نے دوبارہ چیخ ماری اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

پیارے بھائیو! ماہِ رمضان کے فراق پر کیوں نہ رویا جائے؟ اور عفو و مغفرت کے مہینے پر کیوں نہ افسوس کیا جائے؟ اس مہینے کی جدائی پر کیوں نہ غم کیا جائے جس میں جہنم سے آزادی نصیب ہوتی ہے؟

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ صفحہ ۴۴۔۱۴۵ اَلشَّیْخ شُعَیْب حَرِیْفِیْش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

شراب خانہ اور صدائے حق:

حضرت سیّدُنا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفار جو عراق کے مشہور مبلّغ تھے، فرماتے ہیں کہ ایک رات عالَمِ خواب میں مَیں نے آسمان میں ایک کھلا ہوا دروازہ دیکھا، اس سے ایک انتہائی نورانی فرشتہ اُترا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

افتقارہ الیہ و استغنائہ بہ عن غیرہ لوگ دو قسم کے ہیں، ایک خدا کی طرف محتاج، تو ان کا درجہ شریعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور مجھ سے کہنے لگا: اے ابن عمار! خدائے جبّار و قہّار، دن رات کا خالق عَزَّ وَجَلَّ تمہیں سلام فرماتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ کل اپنا منبر شراب خانے میں رکھ کر وہیں دل سے نصیحت بھرا بیان کرنا کہ اس میں ہمارے بہت سے راز پوشیدہ ہیں اور ہم تمہیں اپنی عجیب نشانیاں دکھائیں گے۔ چنانچہ، میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا اور سوچا کہ یہ عجیب معاملہ ہے، شاید! میرا وہم ہو۔ میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ اور سوچنے لگا کہ صحیح احادیث نا اہلوں کے سامنے کیسے بیان کی جائیں؟ اور شراب کے مٹکوں اور پیالوں کے درمیان کس طرح قرآنِ کریم کی تلاوت کی جائے؟ نصیحتوں اور آیاتِ مقدّسہ کو شرابیوں کے سامنے اور وہ بھی شراب خانے میں کیسے پیش کیا جائے؟ چنانچہ، میں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر دوبارہ سو گیا۔ وہی فرشتہ خواب میں دوبارہ نظر آیا اور کہنے لگا: اے منصور! میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہی کے حکم سے آیا ہوں، اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے: تم اٹھو اور شراب خانے میں بیان کرو، تمہاری حفاظت ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔ چنانچہ، میں نیند سے بیدار ہوا، مجھے اس معاملے سے بڑا تعجب ہوا، سوچ و بچار کے بعد میں نے دل میں کہا: منبر اٹھانے کے لئے کسی کو لاتا ہوں۔

یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا: کون؟ جواب آیا: اے میرے محترم! میں منبر اٹھانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ چاہیں تو آپ کے لئے شراب خانے کے درمیان منبر رکھ دوں یا مٹکوں کے درمیان؟ میں نے پوچھا: تجھ پر یہ راز کیسے منکشف (یعنی ظاہر) ہوا؟ اس نے بتایا: یہ مجھ پر اُسی نے ظاہر کیا ہے جو کسی شئے کو کُنْ (یعنی ہو جا) فرماتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ حضور! جو فرشتہ آج رات آپ کے پاس آیا تھا، وہی آپ کے بعد میرے پاس بھی آیا تھا اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے لئے شراب خانے میں منبر بچھا دوں۔ میں نے کہا: اے میرے دوست! اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسے تم کہہ رہے ہو تو وہی کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ جب صبح خوب روشن ہو گئی، تو میں نے حکم کی بجا آوری میں جلدی کی، میں نے دیکھا کہ تمام شرابی حلقہ بنائے انتظار میں بیٹھے ہیں، بہر حال میں منبر پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر میں نے اپنا سر اُٹھایا اور نصیحت بھرا بیان شروع کر دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ! سب خوبیاں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے محبوب بندوں کے دلوں کو اپنے قرب کی لذت عطا فرمائی اور انہیں اپنے مئے خانۂ وصال میں داخل کیا اور اپنی شرابِ طہور سے سیراب کر کے اپنے غیر سے بے خبر کر دیا۔ اور محب اپنے محبوب کے علاوہ کسی شئے میں مشغول نہیں ہوتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی ظاہری زبان میں بہت بلند ہے دوسرا وہ ہے جو اپنی نیاز مندی کو دیکھتا ہی نہیں اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب اس ربِّ جلیل عَزَّ وَجَلَّ نے ان پر تجلّی فرمائی تو جمالِ قدرت کے مشاہدے کے وقت ان کے ہوش اڑ گئے۔ اے خواہشات کی شراب میں بدمست ہونے والو! اگر تم محبتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے مئے خانے میں داخل ہو جاؤ اور شراب کے مٹکوں کے بجائے قرب کے گھڑوں کا مشاہدہ کرو، بخشنے والے رب عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں صاحبِ وقار مَردوں کو دیکھو کہ ان پر خوشی و مسرت کے جام گردش کر رہے ہیں، خالص شرابِ طہور کے پیالوں نے ان کو دنیا کی شراب سے بے پرواہ کر دیا ہے، ان کے پیالے اُن کی خوشی و مسرت ہے۔ ان کی شراب ذِکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ ہے۔ ان کی خوشبو اُن کا قرآن ہے۔ ان کی شمع ان کی سماعت ہے۔ ان کے نغمے توبہ و استغفار ہیں۔ جب رات تاریک ہوتی ہے اور سب لوگ سو جاتے ہیں تو ربِّ کائنات عَزَّ وَجَلَّ ان پر تجلّی فرماتا اور پردے اُٹھا دیتا ہے، اور اس کے محبوب بندے ایسے جہاں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس کا تصور کسی کی عقل میں ایا، نہ کسی کے ذہن میں اس کا خیال گزرا۔

اے عقل مندو! ذرا غور تو کرو کہ اخروٹ اور اس کے چھلکے کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے، دلوں کی ٹہنیوں کو حرکت دینے والے اور حضرت سیّدنا یعقوب و یوسف علٰی نبینا وعلیہما الصلٰوۃ والسلام کو ملانے والے نے مجھے یہاں بیٹھنے کا اس لئے حکم فرمایا ہے تاکہ وہ تمہارے گناہوں اور نافرمانیوں کو بخش دے اور عفو و رضا کی دولت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دے، ماضی کے گناہوں کو مٹا دے، مجرموں سے درگزر فرمائے اور دھتکارے ہوؤں اور نافرمانوں کی توبہ قبول فرمائے۔ (ارے! غور کرو کہ) محبوبِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ موجود ہے، اُس کی رضا کی آنکھ تمہیں دیکھ رہی ہے، اور مصیبت تم سے ٹال دی گئی ہے، تو کیا تم میں توبہ کا عزمِ مصمّم کرنے والا کوئی نہیں؟ بے شک صلح کے جام تمہارے اردگرد گھوم رہے ہیں اور تم پر سخاوت کی ہوائیں چل رہی ہیں۔

حضرت سیّدنا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفار فرماتے ہیں: میرا کلام و بیان ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ نشے میں مدہوش و مجنون ایک نوجوان ہاتھ میں شراب سے بھرا پیالہ لئے میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے ابن عمار! بتایئے، کیا اللہ عَزَّ وَجَلَّ مجھے اس حالت میں بھی قبول فرما لے گا؟ میں نے کہا: اے میرے دوست! کیسے نہیں قبول فرمائے گا حالانکہ وہ خود قرآنِ حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

(2) وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

ترجمہ کنزالایمان: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا۔ (پ 25 الشوریٰ: 25) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں ہر مخلوق کے رزق، موت وحیات سعادت وشقاوت کو لکھ دیا ہے وہ خدا سے اپنی نیازمندی میخالص، غیروں سے بے پرواہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ سن کر اُس نوجوان نے پیالہ اپنے ہاتھ سے پھینکا اور حیران وسرگرداں باہر نکل گیا اور اپنی غفلت کی نیند سے بیدار ہو گیا۔

اس کے بعد نشے میں چُور ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں طنبورہ (ایک قسم کا باجا) لئے کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے ابن عمار! کیا اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس شخص کی توبہ قبول فرمائے گا جس کی تمام عمر نافرمانی اور گناہوں میں ضائع ہو گئی ہے؟ میں نے کہا: اے محترم! وہ کیسے نہ بخشے گا، حالانکہ وہ خود فرماتا ہے: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ (پ۱۶، طٰہٰ: ۸۲) ترجمہ کنز الایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔ اس نے توبہ کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے اور ان کے لئے رحم وکرم کا دروازہ کھول دیا ہے۔

جب اس بوڑھے نے میرا کلام سنا تو طنبورہ پھینک دیا، اور غمگین حالت میں جدھر رُخ تھا اُدھر نکل گیا۔ پھر میرے سامنے شراب سے کھیلتا ہوا ایک نوجوان کھڑا ہوا جس پر وجد اور مستی چھائی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا: اے منصور! اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھ سے عہد لو، اب تو عہد کا زمانہ گزر چکا ہے اور وعدہ پورا ہونے والا ہے اور مطلوب ومقصود کے حصول کا وقت آچکا ہے۔ میں نے پوچھا: اے نوجوان! تمہیں اس مقامِ قرب پر کس نے فائز کیا؟ اس نے جواب دیا: میری ہی وجہ سے خواب میں آپ کو وعظ کا حکم دیا گیا اور آپ کے پاس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف سے فرشتہ آیا۔ میں نے کہا: اے میرے دوست! یہ تو بتاؤ کہ تم پر یہ راز کس نے منکشف کیا؟ اس نے جواب میں یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی:

(3) یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ O

ترجمہ کنز الایمان: اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔ (پ24 المؤمن: 19)

پھر کہنے لگا: اے منصور! جس پر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لطف وکرم کی خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں وہ صاحبِ کشف بن جاتا ہے۔ میں نے پھر دریافت کیا: اے محترم! لطف وکرم کی یہ خوشگوار ہوائیں تم پر کب چلیں؟ وہ بولا: آج رات، جبکہ آپ سو رہے تھے۔ پھر کہنے لگا: اے ابن عمار! آپ میری رہنمائی اور اس کی بارگاہ میں قرب کا سبب بنے ہیں، تو کیا اس کی بارگاہ میں آپ کو کسی قسم کی کوئی حاجت ہے؟ میں نے پوچھا: تمہاری مراد کیا ہے؟ کہنے لگا: اے منصور! اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہِ قرب میں، ایسے دوستوں کے درمیان جن پر محبت واُنس کے پیالے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لہٰذا وہ پہلا شخص جو افتقار کی شان میں تقدیر دیکھنے کی وجہ سے رویت احتیاج میں محجوب ہے اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گردش کرتے ہیں، اور حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں، اگر آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں تو کل وہاں مجھ سے ملاقات کیجئے گا۔ وہ ہوا میں اُڑتا ہوا میری نگاہوں سے غائب ہو گیا، اور میں اسے دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اُسے چند اشعار پڑھتے سنا، جن کا مفہوم یہ ہے:

میرے محبوبِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ نے مجھے پکارا ہے، اس سے وصال کی گھڑیاں قریب آ گئی ہیں۔ اب اگر اس نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے تو میں کہہ دوں گا: تیری محبت کا ایسا جام کہ جس کے نشے میں عرصۂ دراز تک حیران و سرگرداں رہوں۔ اے میری آنکھوں کے نور! میں تجھ کو ایسی نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں جس میں دوری کے بجائے صرف قرب ہو کہ اب اس شوق میں تو میری عقل ختم ہو چکی ہے۔ اے میرے محبوب! میری زبان پر سوائے تیرے ذکر کے کچھ نہیں۔ اور جب سے تو نے مجھے وصال کی خوشخبری دی ہے اور میں نے اس پر لَبَّیک کہا ہے تو اس کے بعد کبھی بھی حاضر ہونے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حالانکہ میری حالت تو یہ تھی کہ لگاتار گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا لیکن تو نے مجھ پر کرم کیا اور میرے دل کی بیماریوں کا علاج اپنے وصال سے کیا۔ مجھے اپنی بارگاہ سے دور نہ کیا۔ میں گناہوں کے گڑھے کے کنارے پر تھا لیکن تو نے مجھے اس میں گرنے سے بچا لیا۔ اور مجھے اس راستے کی پہچان کروادی جو تیری بارگاہ تک پہنچانے والا ہے۔ اب میں اس پر چل کر یقیناً اپنا مقصود پالوں گا۔ (اَلرَّوْض الفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۲۷۰۔ ۲۷۳ اَلشَّیْخ شُعَیب حَرِیْفِیْش رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

مزارات اولیاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی برکات:

حضرت سیِّدُنا احمد بن عباس رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد سے حج کے ارادے سے نکلا تو ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس پر عبادت کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے پوچھا: آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: بغداد سے بھاگ کر آ رہا ہوں کیونکہ میں نے وہاں فساد دیکھا ہے، مجھے خوف ہے کہ اہلِ بغداد کو چاند گرہن نہ لگ جائے۔ اس بزرگ نے فرمایا: آپ واپس چلے جایئے اور ڈریئے مت، کیونکہ بغداد میں چار ایسے اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی قبریں ہیں جن کی برکت سے اہلِ بغداد تمام بلاؤں اور مصائب سے محفوظ ہیں۔ میں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ جواب دیا: وہ حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل، حضرت سیِّدُنا معروف کرخی، حضرت سیِّدُنا بشر حافی اور حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ چنانچہ، میں واپس آ گیا اور ان مردانِ حق کی قبروں کی زیارت کی تو مجھے بہت کیف و سرور حاصل ہوا۔

(تاریخ بغداد، باب ماذکر فی مقابر بغداد المخصوصۃ بالعلماء والزہاد، ج ۱، ص ۱۳۳) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوسرا شخص جو اپنی نیاز مندی کی رویت کو چھوڑے ہوئے ہے وہ اپنی نیاز مندی کی رویت میں مکاشفہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **ایک نوجوان کی توبہ:**

منقول ہے، ایک دن حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفّار لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کے لئے منبر پر تشریف لائے اور انہیں عذابِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ سے ڈرانے اور گناہوں پر ڈانٹنے لگے۔ قریب تھا کہ لوگ شدَّتِ اضطراب سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے۔ اس محفل میں ایک گنہگار نوجوان بھی موجود تھا جو اپنے گناہوں کی وجہ سے قبر میں اُترنے کے متعلق کافی پریشان تھا۔ جب وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتماع سے واپس گیا تو یوں لگتا تھا جیسے بیان اس کے دل پر بہت زیادہ اثر انداز ہو چکا ہو۔ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے میری امی جان! تم چاہتی تھی کہ میں شیطانی لہو ولعب اور خدائے رحمن عَزَّ وَجَلَّ کی نافرمانی چھوڑ دوں لہٰذا آج سے میں اسے ترک کرتا ہوں۔ اور اس نے اپنی امی جان کو یہ بھی بتایا کہ میں حضرت سیِّدُنا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفّار کے اجتماعِ پاک میں حاضر ہوا اور اپنے گناہوں پر بہت نادِم ہوا۔ چنانچہ، ماں نے کہا: اے میرے بیٹے! تمام خوبیاں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے تجھے بڑے اچھے انداز سے اپنی بارگاہ کی طرف لوٹایا اور گناہوں کی بیماری سے شفا عطا فرمائی اور مجھے قوی اُمید ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ میرے تجھ پر رونے کے سبب تجھ پر ضرور رحم فرمائے گا اور تجھے قبول فرما کر تجھ پر احسان فرمائے گا، پھر اس نے پوچھا: اے بیٹے! نصیحت بھرا بیان سنتے وقت تیرا کیا حال تھا؟ تو اس نے جواب میں چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

میں نے توبہ کے لئے اپنا دامن پھیلا دیا ہے اور اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے مطیع وفرماں بردار بن گیا ہوں۔ جب بیان کرنے والے نے میرے دل کو اطاعتِ خداوندی کی طرف بلایا تو میرے دل کے تمام قفل (یعنی تالے) کھل گئے۔ اے میری امی جان! کیا میرا مالک ومولیٰ عَزَّ وَجَلَّ میری گناہوں بھری زندگی کے باوجود مجھے قبول فرمالے گا۔ ہائے افسوس! اگر میرا مالک مجھے ناکام ونامراد واپس لوٹا دے یا اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے سے روک دے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

پھر وہ نوجوان دن کو روزے رکھتا اور راتوں کو قیام کرتا یہاں تک کہ اس کا جسم لاغر وکمزور ہو گیا، گوشت جھڑ گیا، ہڈیاں خشک ہو گئیں اور رنگ زرد ہو گیا۔ ایک دن اس کی والدۂ محترمہ اس کے لئے پیالے میں ستو لے کر آئی اور اصرار کرتے ہوئے کہا: میں تجھے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ یہ پی لو، تمہارا جسم بہت مُشَقَّت اُٹھا چکا ہے۔ چنانچہ، ماں کی بات مانتے ہوئے جب اس نے پیالہ ہاتھ میں لیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

استغناء میں ہے۔ گویا ایک نعمت کے ساتھ ہے دوسرا نعمت دینے والے کے ساتھ لیکن وہ جو نعمت کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو بے چینی و پریشانی سے رونے لگا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان کو یاد کرنے لگا:

(2) يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

ترجمۂ کنز الایمان: بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اُتارنے کی امید نہ ہو گی۔ (پ13 ابراھیم:17)

پھر اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور زمین پر گر گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا طائرِ روح قفسِ عُنصری سے پرواز کر گیا۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۳۶۴۔۳۶۳ لِلشَّیْخ شُعَیْب حَرِیْفِیْش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

بادشاہ کے بیٹے کی توبہ

ایک روز حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ الرحمۃ بصرہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک جگہ ایک محل نما عمارت دیکھی جس کی دیواریں نقش و نگار سے مزین تھیں اور اس کے اندر خدام وحشم کا ایک ہجوم تھا جو ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر مختلف کاموں کو سرانجام دینے میں مصروف تھا۔ اس میں بے شمار خیمے بھی لگے ہوئے تھے اور محل کے دروازے پر دربان بالکل اسی طرح سے بیٹھے تھے جس طرح بادشاہ کے محل کے باہر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس محل نما عمارت کے منقش دیوان خانے میں سونے چاندی کا جڑا ہوا تخت رکھا ہوا تھا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے ایک انتہائی خوبصورت نوجوان کو اس پر بیٹھے ہوئے دیکھا جس کے گرد نوکر اور خادم ہاتھ باندھے کسی اشارے کے منتظر تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس محل نما خوبصورت عمارت میں داخل ہونا چاہا تو دربانوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت یہ نوجوان دنیا کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے لیکن اسے بھی موت تو آنی ہے جب موت آئے گی تو اس کی بناوٹی بادشاہی کا خاتمہ ہو جائے گا جو کچھ اس کے پاس کل تک تھا وہ اگلے دن تک نہیں رہے گا لہٰذا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے اور اسکے پاس جا کر حق بات کی نصیحت کرنی چاہیے شاید اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ چنانچہ میں موقع کی تلاش میں رہا جونہی دربان ذرا مشغول ہوئے میں آنکھ بچا کر اندر داخل ہو گیا میں نے دیکھا کہ اس نوجوان نے کسی عورت کو پکارا۔ اے نسواں! اس کے بلانے پر ایک کنیز حاضر ہو گئی۔

مجھے یوں لگا جیسے اچانک دن چڑھ آیا ہو۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کنیزیں تھیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نعمت کی رویت میں ہے اگر چہ وہ غنی ہے مگر وہ دراصل فقیر ہے اور جو منعم کے ساتھ ہے اس کی رویت و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جن کے ہاتھوں میں خوشبودار مشروب سے بھرے ہوئے برتن تھے۔ اس مشروب کے ساتھ اس نوجوان کے دوستوں کی خدمت کی گئی۔ مشروب سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس کے تمام احباب یکے بعد دیگرے اس کو سلام کر کے رخصت ہونے لگے۔ جب وہ دروازے تک پہنچے تو انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے خوف زدہ ہونے کے بجائے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ انہوں نے بتایا: یہ بادشاہ کا بیٹا ہے۔ میں یہ سن کر تیزی سے اس نوجوان کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے جا کر رک گیا۔ جب بادشاہ کے بیٹے نے مجھ جیسے فقیر کو بالکل اپنے سامنے کھڑا پایا تو سخت غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ارے پاگل! تو کون ہے؟ تجھے کس نے اندر داخل ہونے دیا؟ اور تو میری اجازت کے بغیر یہاں کیسے آیا؟

میں نے کہا: اے شہزادے! ذرا ٹھہر جایئے اور میری لاعلمی کو اپنے حلم اور میری خطا کو اپنے کرم سے درگزر کیجئے، میں ایک طبیب ہوں۔ میرے اتنا کہنے سے اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور کہنے لگا: ٹھیک ہے، ذرا ہمیں بھی بتایئے کہ آپ کیسے طبیب ہیں؟ میں نے کہا: میں گناہوں کے درد اور نافرمانیوں کے زخموں کا علاج کرتا ہوں۔ اس نے کہا: اپنا علاج بیان کرو۔ میں نے کہا: اے شہزادے! تو اپنے گھر میں آرام سے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور لہو ولعب میں مصروف جبکہ تیرے کارندے باہر لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، کیا تجھے اللہ سے خوف نہیں آتا اس کے دردناک عذاب کا تجھے کوئی ڈر نہیں؟ تجھے اس دن کا کوئی لحاظ نہیں جس دن تمام بادشاہوں اور حکمرانوں کو ان کی بادشاہیوں اور حکمرانیوں سے معزول کر دیا جائے گا اور تمام سرکش ظالموں کے ہاتھ باندھ دیے جائیں گے، یاد کر اس اندھیری رات کو جو یومِ قیامت کے بعد آنے والی ہے اور جہنم کی وہ آگ جو غصے کی وجہ سے پھٹنے والی ہے اور غیظ و غضب سے چنگھاڑ رہی ہے، سب لوگ اس کے خوف سے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ عقل مند آدمی کو دنیا کی فانی نعمتوں، چھن جانے والی حکومتوں اور عورتوں کے ان خوبصورت بدنوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جو مرنے کے بعد صرف تین دن میں خون پیپ اور بدبودار لوتھڑوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں بلکہ عقل مند آدمی تو جنت کی ان عورتوں (یعنی حوروں) کا طالب ہوتا ہے جن کا خمیر کستوری عنبر اور کافور سے اٹھایا گیا ہے، جو اتنی حسین و جمیل ہیں کہ آج تک کسی نے ان جیسی حسین و جمیل عورت نہ دیکھی ہے اور نہ ہی سنی ہے۔ اللہ تعالی نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے:

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشاہدے میں ہے اگر چہ وہ فقیر ہے مگر وہ دراصل غنی ہے۔

(۲۹) حضرت احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، ممدوحِ اولیاء، قدوۂ اہل رضا حضرت ابوعبداللہ احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (91) آپ خاصانِ خدا اور سادات صوفیاء میں سے ہیں علوم شریعت و طریقت اور ان کے فروع واصول کے عالم تھے طویل عمر پائی اور متقدمین مشائخ کی صحبت میں رہے تبع تابعین کا زمانہ پایا اور حضرت بشر حافی، سری سقطی کے ہم زمانہ اور حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہما کے مرید تھے آپ نے حضرت فضیل کو دیکھا اور ان کی صحبت میں رہے اور ہر شیخ نے آپ کی تعریف وتوصیف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O کَاَنَّھُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ O

ترجمہ کنز الایمان: ان بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں ان سے پہلے انہیں نہ چھوا کسی آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے، گویا وہ لعل اور یاقوت اور مونگا ہیں۔

(پ ۲۷، الرحمن: ۵۶۔۵۸)

لہٰذا! داناوہی ہے جو جنت کی نعمتوں کی خواہش رکھے اوعذاب جہنم سے بچنے کی کوشش کرے۔

میری یہ باتیں سن کر بادشاہ کے بیٹے نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا: اے طبیب! تو نے تو کسی اسلحے کے بغیر ہی مجھے قتل کر ڈالا ہے، مجھے بتاؤ کیا ہمارا رب عزوجل اپنے نافرمان بھگوڑے بندوں کو قبول کرلیتا ہے کیا وہ مجھ جیسے گنہگار کی توبہ قبول فرمائے گا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! وہ بڑا غفور ورحیم اور کریم ہے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ اس نے اپنی قیمتی عباء چاک کر ڈالی اور محل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ چند سالوں بعد جب میں حج کے لئے بیت اللہ شریف گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نوجوان طواف کعبہ میں مصروف ہے۔ اس نے مجھے سلام کیا اور کہنے لگا: آپ نے مجھے پہچانا نہیں، میں وہی بادشاہ کا بیٹا ہوں جس نے آپ کی باتیں سن کر توبہ کی تھی۔ (حکایات الصالحین، ص ۷۲)

حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ رحمۃ اللہ الغفار عراق کے مشہور مبلّغ فرماتے ہیں کہ ایک رات عالمِ خواب میں مَیں نے آسمان میں ایک کھلا ہوا دروازہ دیکھا، اس سے ایک انتہائی نورانی فرشتہ اُترا اور مجھ سے کہنے لگا: اے ابن عمار! خدائے جبّار وقہار، دن رات کا خالق عَزَّ وَجَلَّ تمہیں سلام فرماتا ہے۔

(روض الفائق، باب فی حکایات الصالحین ۔۔۔۔۔۔الخ، ص ۱۴۰)

شرح (91): آپ ۱۴۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۳۹ ہجری میں نیشا پور میں وصال فرمایا۔

کی ہے طریقت اور اس کے فنون میں آپ کا کلام ارفع اور لطائف دل پسند ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

انفع الفقر ما کنت به متجملا وبه راضیا نافع ترین درویشی وہ ہے جس کے ذریعہ تم صاحب جمال بن کر اس سے راضی رہو۔

مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے نزدیک تو جمال یہ ہے کہ بندہ ہر ناز ونعم کا مالک اور مختار ہے۔ درویشی میں جمال یہ ہے کہ اسباب کی نفی اور اثبات اور مسبب اور اس سے رغبت کچھ نہ ہو اور خدا کے احکام سے راضی رہے اس لئے کہ درویشی، سبب کی عدم موجودگی کا نام ہے اور تونگری سبب کی موجودگی کا نام۔ درویش بغیر سبب کے حق کے ساتھ ہوتا ہے اور تونگر، سبب کے ساتھ اپنے لئے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سبب محل حجاب ہے اور ترک سبب محل کشف، اور دونوں جہان میں جمال، کشف ورضا کے اندر ہے۔ سارے جہان کی سختی حجاب میں۔ یہ بیان تونگری پر درویشی کی فضیلت میں واضح اور ظاہر ہے۔ واللہ اعلم!

(۳۰) حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رضی اللہ عنہ:

ائمۂ طریقت میں سے ایک بزرگ سالک طریق ورع وتقوای، امت میں مشابہ زہد حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ طریقت کے ہر حال میں زاہد وتابع اور احادیث میں آپ کی روایات بلند مرتبہ رکھتی ہیں آپ فقہ اور سلوک میں امام ثوری کے پابند ہیں ان کے اصحاب کو دیکھنے والے اور ان کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ آپ کا کلام سلوک وطریقت میں پرمغز ہے۔ (92) آپ کا ارشاد ہے:

من اراد ان یکون حیا فی حیوته فلا یسکن الطمع فی قلبه جو شخص اپنی زندگی کو سکون قلب کے ساتھ گزارنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ دل میں طمع کو جگہ نہ دے۔ (93)

شرح (92): تصوف کی لغوی واصطلاحی تعریف

حضرت سیدنا ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ تصوّف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (طبقات کبریٰ از امام شعرانی ص ۱۸)

شرح (93): جان لیجئے! فقر قابلِ تعریف ہے لیکن فقیر کو چاہے کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس میں طمع نہ کرے اور یہ خوبی تب پیدا ہوسکتی ہے جب وہ کھانے، پینے اور لباس کے معاملے میں بقدرِ ضرورت پر قناعت کرے، اور ادنیٰ اور کم مقدار پر اکتفاء کرے اور اپنی اُمید کو ایک دن یا ایک مہینے تک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حتیٰ کہ وہ لذت کام ودہن سے بھی بے نیاز رہے اس لئے کہ حریص آدمی طمع دنیا میں مردہ حال ہوتا ہے حرص وآز سے دل پر مہر سی لگ جاتی ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مہر شدہ دل مردہ ہوتا ہے سب سے عمدہ وبہتر دل وہ ہے جو ماسوی اللہ سب کے لئے مردہ اور حق تعالیٰ کے لئے زندہ رہے کیونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بڑھادے تا کہ اس کے اندر فاقہ پر صبر کرنے کی قوت پیدا ہو جائے ورنہ یہ چیز اسے مال داروں سے طمع رکھنے، مانگنے اور ذِلت اختیار کرنے کی طرف لے جائے گی۔

تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت، مَحبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: بے شک روح القدس (یعنی حضرت سیِّدُ نا جبرائیل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی جان اپنا پورا رزق حاصل کئے بغیر نہیں مرتی پس تم اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے مانگو۔

(التمہید لابن عبدالبر، باب الف، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، تحت الحدیث ۱۵، ج۱، ص۲۳۹)

حضرت سیِّدُ نا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

يَا اَبَاهُرَيْرَةَ! اِذَا اشْتَدَّ بِكَ الْجُوْعُ فَعَلَيْكَ بِرَغِيْفٍ وَّكُوْزٍ مِّنْ مَاءٍ وَعَلَى الدُّنْيَا الدِّمَارُ۔

ترجمہ: اے ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جب تمہیں سخت بھوک لگے تو تمہارے لئے ایک روٹی اور پانی کا ایک پیالہ کافی ہے اور دنیا پر راکھ ڈالو (یعنی اسے چھوڑ دو)۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزہد وقصر الأمل، الحدیث ۱۰۳۶۶، ج۷، ص۲۹۵)

15 دن تک کھانا نہیں کھاؤں گا!

حضرتِ سیِّدُ نا ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک جگہ دعوت میں تھے۔ ایک فاقہ مست مُرید نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شروع کرنے سے پہلے ہی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا! اِس پر ایک پیر بھائی نے ناراضگی کے انداز میں ان کے سامنے کھانے کی کوئی چیز رکھ دی جس سے وہ سمجھ گئے کہ میں نے پیر ومرشد سے پہلے ہاتھ بڑھا کر کھانے کے آداب کی خِلاف ورزی کی ہے لہٰذا اپنے نَفس کو سزا دینے کے لئے انہوں نے عہد کیا کہ پندرہ دن تک کچھ نہیں کھاؤں گا اس طرح انہوں نے اپنی بے ادبی سے توبہ کرنے کی ظاہری صورت نکالی حالانکہ وہ پہلے ہی سے فاقہ میں مبتلا تھے۔ (الرِّسالۃُ القُشیریہ ص۱۷۹)

حق تعالیٰ نے دل کو عزت دینے والا اور ذلت دینے والا پیدا کیا ہے اور وہ اپنے ذکر سے دل کو عزت بخشا اور طمع دنیا سے دل کو ذلیل کرتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

خلق الله تعالیٰ القلوب مساکن الذکر۔ فصارت مساکن الشهوات من القلوب الاخوف مزعج اوشوق مغلق اللہ تعالیٰ نے دلوں کو ذکر کا مقام بنایا ہے پھر جب وہ نفس کی پیروی کرتے ہیں تو خواہشات کی جگہ بن جاتی ہے۔ شہوتوں سے دلوں کی پاکیزگی یا تو بے قرار کرنے والے خوف سے ہوتی ہے یا بے آرام کرنے والے شوق سے۔

معلوم ہوا کہ خوف اور شوق، ایمان کے دو ستون ہیں جبکہ دل ایمان کا مسکن ہے تو اس کے لائق ذکر و قناعت چاہئے نہ کہ طمع و غفلت، لہٰذا مومنِ باخلاص کا دل نہ طماع ہو سکتا ہے نہ خواہشات کا غلام کیونکہ طمع و شہوت، موجب وحشت ہیں اس سے دل پریشان رہتا ہے اور ایمان سے غافل و بے خبر کر دیتا ہے ایمان کو حق سے انس و محبت اور ماسوٰی اللہ سے وحشت و نفرت۔ چنانچہ فرمایا:

الطماع مستوحش منه کل واحدٍ طمع کرنے والے سے ہر ایک ڈرتا اور پریشان ہوتا ہے۔

(۳۱) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، طریقت کے شیخ المشائخ، شریعت کے امام الائمہ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (94) آپ علمائے ظاہر اور ارباب قلوب میں

شرح (94): حضرتِ سیدُنا جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی

حضرتِ سیدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی ولادتِ مبارکہ تقریباً ۲۱۸ ھ میں بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام جُنید، نسبت بغدادی، کنیتا بو القاسم ہے اور القابات سیدُ الطائفہ، طاؤس العلماء، زجاج، قواریری اور لسانُ القوم ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد حضرت سیدُنا محمد بن جنید شیشہ کی تجارت کرتے تھے اور نہاوند کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع میں آئینہ کی تجارت کرتے تھے اور اس وقت آپ کا معمول تھا کہ بلا ناغہ اپنی دوکان پر تشریف لے جاتے اور پردہ گرا کر چار سو رکعت نماز نفل ادا فرماتے۔ ایک مدت تک آپ نے اس عمل کو جاری رکھا۔ پھر آپ نے اپنی دکان کو چھوڑ دیا اور اپنے شیخ طریقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کے مکان کی ایک کوٹھری میں خلوت گزیں ہو کر اپنے دل کی پاسبانی شروع کر دی اور حالت مراقبہ میں آپ اپنے نیچے سے مصلّٰی کو بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقبول تھے فنونِ علم میں کامل، سلوک و معاملات کے اصول و فروع میں امام و مفتی اور امام ثوری کے مصاحب تھے آپ کا کلام بلند پایہ اور احوال کامل ہیں یہاں تک کہ تمام اہل طریقت آپ کی امامت پر اتفاق رکھتے ہیں (95) اور کسی مدعی و متصرف نے آپ پر اعتراض نہیں کیا ہے آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور انہیں کے مرید تھے ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کیا کوئی مرید اپنے پیر سے بلند مرتبہ ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اور اس کا ثبوت ظاہر ہے کہ حضرت جنید کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے حالانکہ ان کا یہ فرمانا ازراہِ انکسار و تواضع تھا مگر انہوں نے جو فرمایا بصیرت سے فرمایا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے سے بلند کا درجہ نہیں دیکھ سکتا کیونکہ دیدار تحت تعلق ہے اور ان کا یہ فرمان دلیل واضح ہے کہ انہوں نے حضرت جنید کو اپنے سے بلند مقام پر پایا جب بھی انہیں دیکھا۔ اگرچہ انہوں نے بلندی میں دیکھا لیکن درحقیقت وہ ان کے تحت ہی ہے چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سری

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نکال ڈالتے تاکہ آپ کے دل پر سوائے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہ وسلم کے خیال کے کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔ اس طرح آپ نے 40 سال کا طویل عرصہ گزارا۔ تیس سال تک آپ کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صبح تک اللہ اللہ کہا کرتے اور اسی وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ آپ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ بیس برس تک تکبیر اولیٰ مجھ سے فوت نہیں ہوئی اور نماز میں اگر دنیا کا خیال آجاتا تو میں اس نماز کو دوبارہ ادا کرتا اور اگر بہشت اور آخرت کا خیال آتا تو میں سجدہ سہو ادا کرتا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال شریف ۲۷ رجب المرجب ۲۹۷ھ یا ۲۹۸ھ کو ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار بھی بغداد شریف میں شونیزیہ کے علاقے میں واقع ہے۔

شرح (95): حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے پیر حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دعا دی: اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث داں کر کے صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے۔ (احیاء العلوم، کتاب العلم، الباب الثانی، مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۲۲)

حضرت امام قُشَیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب رسالہ قُشَیریہ میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے آگاہ نہیں طریقت میں اس کی اقتداء نہ کریں اور اسے اپنا پیر نہ بنائیں کیونکہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب وسنت کا پابند ہے۔

(رسالہ قشیریہ ص ۲۴ مطبوعہ مصر)

سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں مریدوں نے حضرت جنید سے عرض کیا اے شیخ ہمیں ایسی نصیحت فرمایا کیجئے جس سے ہمارے دلوں کو چین وقرار آئے آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے شیخ اپنے مقام پر جلوہ افروز ہیں میں کوئی تلقین نہیں کرسکتا یہاں تک کہ ایک رات آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا اے جنید لوگوں کو پند ونصائح کیوں نہیں کیا کرتے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک جہان کو نجات عطا فرمائے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ یہ خیال فرمار ہے تھے کہ میرا درجہ، میرے شیخ کے درجہ میں پیوست ہو گیا ہے اور مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کا امر فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنید نماز فجر کا سلام پھیریں تو ان سے کہنا تم نے مریدوں کے کہنے سے تعلیم وتبلیغ نہ کی اور نہ مشائخ بغداد کی سفارش قبول کی سب کی درخواستوں کو رد کرتے رہے میرا پیغام بھی پہنچا جب بھی تبلیغ شروع نہیں کی اب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی ہو چکا ہے اب تو حکم بجالاؤ۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے جانا کہ میرا شیخ میرے دل سے بخوبی واقف ہے اور وہ میری ظاہری و باطنی ہر حالت سے باخبر ہیں، ان کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے کیونکہ وہ تو میرے اسرار سے واقف ہیں اور میں تو ان کے احوال سے بے خبر ہوں اس کے بعد میں اپنے شیخ کے دربار میں حاضر ہوا اور توبہ و استغفار کیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں نے خواب میں رب العزت جل وعلا کو دیکھا اس نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو وعظ وتبلیغ کیا کریں تا کہ بغداد کے لوگوں کی دلی مراد بر آئے۔

اس واقعہ کی روشن دلیل یہ ہے کہ مرشد جس حال میں بھی ہو وہ مریدوں کی ہر حالت سے باخبر ہوتا ہے۔ (96) آپ کا کلام بہت بلند اور پر مغز ولطیف ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ:

شرح (96): ایک دن کسی نوجوان نے اجتماع میں کھڑے ہو کر سُوال کیا۔ اے شیخ! بتایئے حُضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ یعنی مؤمن کی فِراسَت سے ڈرو کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھا کرتا ہے۔ (ترمذی ج ۵ ص ۸۸ حدیث ۳۱۳۸) کا کیا مطلب ہے؟ اُس کا سوال سُن کر چند لمحوں کیلئے حضرتِ سیِّدُنا شیخ جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی نے سر جھکا لیا پھر سرِ مبارک اُٹھا کر (غیب کی خبر دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا: اے نوجوان! تُو نصرانی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کلام الانبیاء نباء عن الحضور و کلام الصدیقین اشارات عن المشاھدہ نبیوں کا کلام حضور حق کی اطلاع دیتا ہے اور صدیقوں کا کلام مشاہدے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

خبر کی صحت نظر سے اور مشاہدے کی صحت فکر سے ہوتی ہے خبر عین ذات کو دیکھے بغیر نہیں دی جا سکتی اور اشارہ غیر کے بغیر نہیں ہو سکتا غرض یہ کہ صدیقین کا جو حد کمال اور انتہا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے حالات کی ابتداء ہے نبی و ولی کے درمیان یہ فرق اور ان کی فضیلت جو نبیوں کو اولیاء پر ہے اس سے واضح اور ظاہر ہے۔ بخلاف ملحدوں کے ان دو گروہوں کے جو فضیلت میں انبیاء کو موخر اور اولیاء کو مقدم کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے دل میں شیطان کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی ایک روز میں مسجد کے باہر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ دور سے ایک بوڑھا آتا ہوا نظر پڑا جب میں نے اس کی صورت دیکھی تو مجھ پر شدید نفرت کا غلبہ ہوا جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے کہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (یعنی کرسچین) ہے اور اب تیرے مسلمان ہونے کا وَقت آن پہنچا ہے، ایمان لے آ۔ وہ جوان جو کہ واقعی کرسچین تھا۔ الحمد للہ عزوجل یہ کرامت دیکھ کر اُسی وَقت مسلمان ہو گیا۔ (رَوْض الرَّیاحِین ص ۱۵۷)

اللہ اپنے اولیا کو علمِ غیب عطا فرماتا ہے

پیارے بھائیو! اس حِکایت سے مبلِّغ کا مقام معلوم ہوا۔ سبحٰن اللہ! سیِّدُنا شیخ جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی بطورِ انکساری اپنے آپ کو بیان کیلئے نا اَہل تصوُّر فرماتے تھے، حالانکہ اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ عِلیہ زبردست عالم تھے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کرم بالائے کرم یہ ہوا کہ خواب میں تشریف لا کر رسولِ اکرم، نُورِ مجسَّم، شاہِ آدم و بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے بیان کا حکم فرمایا۔ اِس حِکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے مکّی مَدَنی مصطَفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم بَعطائے ربُّ العُلیٰ غیب کا عِلم رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم کو معلوم تھا کہ جُنید بغدادی کو اِن کے پیر و مُرشد کہہ رہے ہیں پھر بھی یہ بیان کرنے سے جھجکتے ہیں، لہٰذا بَنفسِ نَفیس خواب میں تشریف لا کر بیان کا حکم صادِر فرمایا۔ یہ بھی جاننے کو ملا کہ فیضانِ مصطَفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم سے حَضراتِ اولیاء کو بھی علمِ غیب ہوتا ہے جبھی تو حضرتِ سیِّدُ نا سَرِی سَقَطی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اپنے مُریدِ خاص کا خواب جان لیا۔ نیز حضرتِ سیِّدُ نا شیخ جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بھی تو نصرانی یعنی کرسچین کو مومنانہ فِراست سے پہچان لیا۔

اے بوڑھے تو کون ہے؟ کہ تیری مہیب شکل کو میری آنکھیں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں اور تیری موجودگی سے میرے دل کو سخت وحشت ہو رہی ہے؟ اس نے کہا میں وہی ابلیس ہوں جس کے دیکھنے کی تم نے تمنا کی تھی۔ میں نے کہا او ملعون! حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے باز رکھا؟ شیطان نے کہا اے جنید تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں غیر خدا کو سجدہ کر لیتا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ ابلیس کی یہ بات سن کر میں ہکا بکا اور ششدر رہ گیا اور مجھے کوئی جواب نہ بن پڑا اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ **قل له کذبت لو کنت عبدا ماموراً لما خرجت من امره ونهيه فسمع النداء من قلبي فصاح وقال احرقتني بالله وغاب** اے جنید اس ملعون سے کہو، تو جھوٹا ہے اگر تو فرمانبردار ہوتا تو اس کے حکم سے اور اس کی ممانعت سے کیوں انکار کرتا۔ شیطان نے میرے دل کے اندر سے یہ آواز سنی تو وہ چیخا اور کہنے لگا خدا کی قسم تم نے مجھے جلا دیا پھر اچانک وہ غائب ہو گیا۔ (97)

شرح (97): تین مرتبہ شیطان کو پچھاڑا

دشمنان دیں اس کو انوکھا واقعہ نہ سمجھیں ایسا واقعہ اسلاف سے بھی ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی بھرنے کے لیے بھیجا۔ شیطان ایک کالے غلام کی صورت میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی بھرنے سے روکنے لگا اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پچھاڑ دیا تو وہ عاجزی کرنے لگا۔ اسی طرح تین مرتبہ شیطان نے پانی بھرنے سے آپ کو روکا اور لڑنے پر تیار ہوا اور تینوں مرتبہ آپ نے اس کو پچھاڑ دیا جس وقت شیطان سے آپ کی کشتی ہو رہی تھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بتا دیا کہ آج عمار نے تین مرتبہ شیطان کو پچھاڑ دیا ہے جو ایک کالے غلام کی صورت میں ان سے لڑ رہا ہے۔

حضرت عمار جب پانی لے کر آ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ تمہارے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم نے تین مرتبہ شیطان کو پچھاڑا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ شیطان ہے ورنہ میں اس کو مار ڈالتا ہاں البتہ تیسری مرتبہ مجھے بڑا ہی غصہ آ گیا تھا اور میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں دانت سے اس کی ناک کاٹ لوں مگر میں جب اس کی ناک کے قریب منہ لے گیا تو مجھے بہت ہی گندی بدبو محسوس ہوئی اس لئے میں پیچھے ہٹ گیا اور اس کی ناک بچ گئی۔ (شواھد النبوۃ، رکن سادس در بیان شواھد... الخ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، ص ۲۸۳)

یہ حکایت آپ کی حفاظت وعصمت کی دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی نگہداشت فرماتا ہے اور ہر حال میں انہیں شیطان کے شر و فساد سے محفوظ رکھتا ہے۔

آپ کے ایک مرید کے دل میں یہ گمان پیدا ہو گیا کہ وہ کسی درجہ پر پہنچ گیا ہے اور وہ منہ موڑ کر چلا گیا اس کے بعد ایک دن اس خیال سے آیا کہ وہ آپ کا تجربہ کرے آپ اپنی بزرگی سے اس کے دلی خیالات سے باخبر ہو چکے تھے اس نے آپ سے ایک سوال کیا۔ حضرت جنید نے فرمایا اس کا جواب لفظوں میں چاہتا ہے یا معنی میں؟ اس نے کہا دونوں شکلوں میں؟ آپ نے فرمایا: اگر لفظوں میں چاہتا ہے تو اگر تو نے اپنا تجربہ کر لیا ہے تو میرے تجربہ کی تجھے حاجت نہیں حالانکہ تو یہاں میرے تجربہ کے لئے آیا اور اگر تو معنوی تجربہ چاہتا ہے تو میں تجھے اسی وقت ولایت سے معزول کرتا ہوں فوراً اور اسی لمحہ اس مرید کا چہرہ کالا ہو گیا اور وہ کہنے لگا کہ یقین کی راحت میرے دل سے جاتی رہی ہے پھر وہ توبہ استغفار میں مشغول ہو گیا اور فضول باتوں سے تائب ہو گیا اس وقت حضرت جنید نے اس سے فرمایا تو اسے نہیں جانتا کہ اولیاء اللہ اسرار کے والی اور حاکم ہوتے ہیں تو ان کے زخم کی طاقت نہیں رکھتا پھر آپ نے اس پر دم کیا اور وہ دوبارہ اپنی مراد پر بحال ہو گیا اس کے بعد اس نے مشائخ سے بدگمانی رکھنے سے توبہ کر لی۔ (98)

شرح (98): سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار ہوئے۔ آپ کا قارورہ (یعنی پیشاب) ایک طبیب نصرانی کے پاس گیا۔ بغور دیکھتا رہا پھر دفعتاً (یعنی اچانک) کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ کہا: میں دیکھتا ہوں یہ قارورہ ایسے شخص کا ہے جس کا جگر عشقِ الٰہی (عَزَّ وَجَلَّ) نے کباب کر دیا۔

جریری محدث کا بیان ہے کہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانکنی کے وقت جب کہ وہ سکرات کے عالم میں تھے حاضر ہوا تو وہ تلاوت کر رہے تھے۔ جمعہ کا دن تھا، جب وہ تلاوت ختم کر چکے تو میں نے عرض کی کہ اس وقت میں بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تلاوت کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے زیادہ تلاوت کا حقدار دوسرا کون ہوگا؟ دیکھ نہیں رہے ہو؟ کہ میری زندگی کا نامہ اعمال لپیٹا جا رہا ہے۔ پھر کسی نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو تڑپ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کلمہ کو تو زندگی میں کبھی بھولا ہی نہیں ہوں جو تم مجھے اس وقت یاد دلا رہے ہو۔

ابو العباس بن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نزع کے عالم میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳۲) حضرت ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شیخ المشائخ، شریعت کے امام الائمہ، بادشاہِ اہل تصوف، بری از آفت تکلف، حضرت ابوالحسن احمد بن محمد خراسانی نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو تصوف کے معاملات میں عمدہ کلمات میں ظاہر تر اور مجاہدوں میں واضح تر تھے تصوف میں میں آپ کا اپنا ایک خاص مشرب ہے۔ صوفیاء کی جماعت آپ کو نوری کہتی اور ان کے اقتداء و پیروی کرتی ہے۔ صوفیوں کے بارہ گروہ جن میں سے دو گروہ مردود ہو چکے ہیں اور دس مقبول ہیں اور ان مقبول گروہوں میں ایک گروہ محاسبیوں کا ہے (99) اور دوسرا قصاریوں کا (100) تیسرا اسیفوریوں کا، چوتھا جنیدیوں کا، پانچواں نوریوں کا، چھٹا سہیلیوں کا، ساتواں حکیموں کا، آٹھواں حرازیوں کا، نواں خفیفیوں کا اور دسواں ستاریوں کا ہے یہ دسوں گروہ محقق اور اہل سنت و جماعت ہیں لیکن وہ دو گروہ جو مردہ ہیں ان میں سے ایک حلولیوں کا جو حلول وامتزاج سے منسوب ہے اور سالمی اور مشبہ ان سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرا گروہ حلاجیوں کا ہے جو ترک شریعت کے قائل ہیں انہوں نے الحاد کی راہ اختیار کی جس سے وہ ملحد و بے دین ہو گئے۔ (101) اباحتی اور فارسی ان ہی سے متعلق ہیں۔ اس کتاب میں اپنی جگہ ہر ایک کا جدا جدا تذکرہ آئے گا، اور ان کا اختلاف بھی مذکور ہوگا اور دو گروہ کے خلافیات بھی بیان کئے جائیں گے۔ تا کہ مکمل استفادہ کیا جا سکے۔ انشاء اللہ!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے معذور سمجھو، میں اس وقت وظیفہ میں مشغول تھا۔ پھر اپنا چہرہ انہوں نے قبلہ کی طرف کر لیا اور نعرہ تکبیر لگایا اور روح نکل گئی۔ (احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، الباب الخامس فی کلام المحتضرین... الخ، ج ۵، ص ۲۳۲-۲۳۴)

شرح (99): جو حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتقدین کا گروہ ہے۔

شرح (100): حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین کا گروہ ہے۔

شرح (101): حضرت سیدی ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم زمانہ بزرگوں میں سے ہیں فرماتے ہیں: تو جس شخص کو دیکھے کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اپنے ایسے حال کا دعویٰ کرتا ہے جو اسے شریعت کی حد سے باہر کر دے اس کے قریب بھی نہ جا۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۵ مطبوعہ مصر)

لیکن نوری طریق، ترک مداہنت جوانمردی کی رفعت اور دائمی مجاہدے ان کی قابل تعریف خصوصیات ہیں۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں مسند صدارت پر تشریف فرما دیکھ کر میں نے کہا: **یا ابا القاسم غشیتھم فصدروك ونصحتھم فرمونی بالحجارۃ** اے ابوالقاسم آپ نے ان سے حق کو چھپایا تو انہوں نے آپ کو مسند صدارت پر بٹھایا اور میں نے ان کو نصیحت کی تو انہوں نے مجھ پر پتھر پھینکے اس کی وجہ یہ ہے کہ مداہنت، خواہشات کے ساتھ موافقت رکھتی ہے اور نصیحت کو اپنے خلاف سمجھتی ہے اور آدمی چونکہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جو اس کی خواہش کے خلاف ہو اور اس کو پسند کرتا ہے جو اس کی خواہش کے موافق ہو۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق اور ان کے شیخ طریقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت نوری نے بکثرت مشائخ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت میں رہے اور حضرت احمد بن ابی الجواری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملے ہیں طریقت وتصوف میں آپ کے اشارات لطیف اور پسندیدہ ہیں اور فنون علم میں آپ کے نکات بہت بلند ہیں۔ (102) آپ کا ارشاد ہے:

شرح (102): بدگمانی کرنے والی کنیز

علامہ عبدالکریم بن ھوازن قشیری علیہ رحمۃ اللہ الوالی (اَلْمُتَوَفّٰی ۴۶۵ھ) رقم طراز ہیں: حضرت سیدنا ابوالحسن نوری علیہ رحمۃ اللہ الھادی کی خادِمہ زیتونہ کا بیان ہے: ایک مرتبہ سخت سردی تھی، میں نے حضرت سے پوچھا: آپ کے لئے کچھ لاؤں؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دودھ اور روٹی لانے کا حکم فرمایا۔ میں مطلوبہ چیزیں لے کر حاضرِ خدمت ہوئی تو دیکھا کہ آپ کے سامنے کچھ کوئلے پڑے تھے جنہیں آپ ہاتھ سے اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ آپ نے روٹی لی اور کھانا شروع کر دی۔ اب منظر یہ تھا کہ آپ روٹی کھا رہے تھے اور دُودھ آپ کے ہاتھ پر بہہ رہا تھا جس پر کوئلے کی کالک لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر میں نے دِل میں کہا: الٰہی عَزَّ وَجَلَّ! تیرے یہ ولی کس قدر گندے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی صفائی کا خیال رکھنے والا نہیں ہوتا۔

اِس کے بعد میں کسی کام سے گھر سے باہر نکلی تو اچانک ایک عورت آکر مجھ سے چمٹ گئی اور مجھ پر اپنے کپڑوں کی گٹھڑی کی چوری کا اِلزام لگانے لگی۔ میرے فریاد کرنے کے باوُجود لوگ مجھے پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ حضرت کو اِطّلاع ہوئی تو آپ تشریف لائے اور میرے حق میں سِفارش فرمائی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الجمع بالحق تفرقة عن غیرہ والتفرقة من غیرہ جمع بالحق

حق کے ساتھ جمع ہونا اس کے غیر سے جدائی ہے اور اس کے غیر سے جدائی حق کے ساتھ ملنا ہے مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو حق تعالیٰ سے واصل ہے وہ ماسوی اللہ سے جدا ہے۔ اصطلاحِ طریقت میں اسی کو جمع کہتے ہیں معلوم ہوا کہ حق سے واصل ہونا فکر خلائق سے علیحدگی ہے جس وقت خلق سے کنارہ کشی ہو جائے حق سے وصال درست ہوگا اور جب حق تعالیٰ سے وصال درست ہے تو خلق سے اعراض صحیح ہوگا کیونکہ ''الضدان لا یجتمعان'' ایک ساتھ دو ضدیں جمع نہیں ہوسکتیں۔

حکایت:

ایک مرتبہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے تین شبانہ روز اپنے گھر میں کھڑے ہو کر شور مچایا (103) لوگوں نے حضرت جنید بغدادی سے جا کر حال بیان کیا۔ آپ اٹھ کر فوراً تشریف لائے اور فرمایا اے ابوالحسن! اگر تم جانتے ہو کہ اس شور وغل میں کچھ بھلائی ہے تو بتاؤ میں بھی شور وغل کروں اور اگر تم جانتے ہو کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں تو دل کو رضائے الٰہی کے حوالہ کر دینا چاہئے تا کہ تمہارا دل خوش وخرم رہے چنانچہ حضرت نوری اس سے باز آ گئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم! آپ کیسے اچھے ہمارے استاد و رہنما ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مگر کوتوال نے بصد ادب عرض کی: حضرت میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں جبکہ یہ عورت اس پر چوری کا اِلزام لگا رہی ہے۔ اتنے میں ایک لڑکی وہاں آئی جس کے پاس وہی گھڑی تھی اور میری جان بخشی ہوگئی۔ حضرت مجھے لے کر گھر واپس آئے اور فرمایا: کیا اب دوبارہ کہو گی کہ اللہ کے ولی کس قدر گندے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر میں حیران رہ گئی اور فوراً توبہ کر لی۔ (الرسالۃ القشیریۃ، باب حدیث الغار، ص ۴۰۶)

شرح (103): حالتِ وجد میں بھی نماز قضا نہ ہوئی

حضرت سید ابوالحسین احمد نوری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) پر وجد طاری ہوا، تین شبانہ روز (یعنی رات دن) گزر گئے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر (یعنی ہم زمانہ) تھے، کسی نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حالت عرض کی۔ فرمایا: نماز کا کیا حال ہے؟ عرض کی: نمازوں کے وقت ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ان کا وجد سچا ہے۔

(ملخصا، تذکرۃ الاولیاء، حصہ دوم، ذکر ابوالحسن نوری، باب چہل وششم، ص ۴۲)

اعزالاشیاء فی زماننا شیاء عالم یستفید بعلمہ وعارف ینطق عن الحقیقة

ہمارے زمانہ میں دو چیزیں بہت پیاری ہیں ایک وہ جو اپنے علم سے کام لے دوسرا وہ عارف جو حقیقت کو بیان کرے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں علم و معرفت دونوں عزیز ہیں اس لئے کہ بے عمل علم بجائے خود جہالت و نادانی ہے اور بغیر حقیقت کے معرفت ناشناسی ہے آپ نے اپنے زمانہ کے حالات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں ورنہ آپ خود اپنے تمام اوقات میں عزیز ہوئے ہیں اور آج بھی عزیز ہیں۔ (104)

جو شخص عالم اور عارف کی جستجو میں سرگرداں رہتا ہے وہ اپنے حال میں پریشان رہتا ہے وہ کبھی عالم و عارف کو نہ پاسکے گا حالانکہ اسے اپنی ذات میں تلاش کرنا چاہئے تاکہ اسے سارا جہان عالم و عارف نظر آئے

شرح (104): غیبی آواز

حضرت سیدنا ابوالقاسم قادی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات قادسیہ شہر کے باسیوں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ، اے قادسیہ والو! اللہ عزوجل کے ایک ولی نے اپنے نفس کو درندوں کے جنگل میں قید کردیا ہے۔ جاؤ اور اسے شہر میں لے آؤ، ایسا نہ ہو کہ درندے اسے کوئی نقصان پہنچادیں۔ یہ غیبی آواز سن کر تمام شہر والے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ ایک جگہ پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ حضرت سیدنا ابوالحسن نوری رضی اللہ تعالی عنہ ایک گڑھے میں آرام فرمارہے ہیں۔ ہم سب نے مل کر انہیں گڑھے سے باہر نکالا اور (بھرپور اصرار کر کے) شہر میں لے آئے۔ آپ نے مجھے شرف میزبانی عطا فرمایا اور چند دن میرے گھر مقیم رہے۔

جب آپ روانہ ہونے لگے تو میں نے آپ سے اُس گڑھے میں آرام کرنے کا مقصد پوچھا۔ آپ نے جواب دیا، اس کا سبب یہ تھا کہ جب میں سفر کرتا ہوا اس مقام پر پہنچا تو میرا نفس خوشی سے جھومنے لگا اور کہنے لگا کہ میں جلد ہی شہر میں داخل ہو جاؤں گا، جہاں بہت سے لوگ مجھے جاننے اور پہچاننے والے ہیں، وہ میری مہمان نوازی کریں گے اور مجھے طرح طرح کے لذیذ کھانے کھلائیں گے۔ جب میں نے اپنے نفس کی یہ حالت دیکھی تو سخت افسردہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا، اے نفس! تو اس بات پر خوش ہو رہا ہے کہ تجھے اچھے اچھے کھانے ملیں گے، آرام وسکون حاصل ہوگا، رب تعالیٰ کی قسم! میں تجھے شہر نہیں لے کر جاؤں گا بلکہ تجھے یہیں قید کردوں گا اور تیری موت بھی اسی جگہ واقع ہوگی، تُو کبھی بھی قادسیہ شہر کا نظارہ نہیں کر سکے گا۔ لہذا میں نے نذر مان لی کہ میں شہر میں داخل نہیں ہوں گا اور نہ ہی اپنے نفس کی خواہش کو پورا کروں گا۔ (حکایات الصالحین، ص ۳۳)

اور خود کو حوالۂ خدا کر دے تا کہ جہان کو عارف نظر آئے کیونکہ عالم و عارف بہت پیارا اور عزیز ہوتا ہے اور عزیز و محبوب دشواری سے حاصل ہوتا ہے جس چیز کا ادراک دشوار ہو اس کے حاصل کرنے میں وقت کی اضاعت ہے خود اپنے میں علم و معرفت کو حاصل کرنا چاہئے اور اپنے ہی اندر علم و حقیقت کے چشمے جاری کرنے چاہئیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

من علم الاشیاء باللہ فرجوعہ فی کل شیء الی اللہ جو شخص ہر چیز کو خدا کی طرف سے جانتا اور سمجھتا ہے وہ ہر شئے کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لئے کہ مِلک اور مُلک دونوں کا قیام مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔

لہٰذا تسکین خاطر، خالق کائنات کو دیکھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے نہ کہ پیدا شدہ اشیاء کو دیکھنے سے کیونکہ اگر اشیاء کو افعال کی علت بنائے گا تو غم و فکر میں مبتلا ہو جائے گا اور کسی شئے کی طرف اس کا متوجہ ہونا شرک ہوگا اور اگر اشیاء کو فعل کا سبب قرار دے گا تو سبب از خود قائم نہیں ہوتا بلکہ اس کا قیام مسبب کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہو گیا تو وہ غیر میں مشغول ہونے سے نجات پائے گا۔

واللہ اعلم!

(۳۳) حضرت سعید بن اسمٰعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، پیشوائے سلف، یادگارِ صلحا حضرت ابو عثمان سعید بن اسمٰعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (105) آپ مقتدمین میں بزرگ تر، اور اپنے زمانہ میں منفرد تھے۔ اولیاء اللہ کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی ابتداء میں حضرت یحییٰ بن معاذ کی صحبت میں رہے پھر شاہ شجاع کرمانی کی صحبت میں عرصہ تک رہے (106) بعد ازاں حضرت ابو حفص کی زیارت کے لئے نیشاپور

شرح (105): حضرت سیدنا ابو عثمان حیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۳۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰ ربیع الثانی ۲۹۸ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (106): شیخ کرمانی کی تربیت

حضرت سیدنا شیخ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ نے زہد و تقویٰ اختیار فرمایا ہوا تھا اور دنیاوی مشاغل سے بہت دور ہو چکے تھے۔ آپ کی ایک صاحبزادی تھیں جو بہت حسین و جمیل اور نیک و پرہیز گار تھیں۔ ایک دن اس صاحبزادی کے لئے بادشاہ کرمان نے نکاح کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آ گئے اور ان کی صحبت میں رہے اور تمام عمر وہیں گزار دی۔

آپ خود اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بچپن ہی سے میرا دل حقیقت کی طلب میں لگا ہوا تھا اور اہل ظاہر سے میرا دل متنفر تھا میرا دل جانتا تھا کہ عام لوگ جس ظاہری حالت میں ہیں یقیناً اس کے سوا کوئی باطنی حالت ضرور ہوگی یہاں تک کہ میں بالغ ہوگیا ایک دن میں حضرت یحییٰ بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیغام بھیجا۔ آپ یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ ملکہ بن کر میری بیٹی دنیا کی طرف مائل ہو۔ اس لئے آپ نے کہلا بھیجا کہ مجھے جواب کے لئے تین روز کی مہلت دیں۔

اس دوران آپ مسجد مسجد گھوم کر کسی صالح انسان کو تلاش کرنے لگے۔ دورانِ تلاش ایک لڑکے پر آپ کی نگاہ پڑی جس کے چہرے پر عبادت و پرہیز گاری کا نور چمک رہا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پوچھا :تمہاری شادی ہو چکی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ پھر پوچھا: کیا ایسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہو جو قرآن مجید پڑھتی ہے، نماز روزہ کی پابند ہے، خوبصورت پاکباز اور نیک ہے۔ اس نے کہا: میں تو ایک غریب شخص ہوں بھلا مجھ سے ان صفات کی حامل لڑکی کا رشتہ کون کریگا؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں کرتا ہوں، یہ درا ہم لو اور ایک درہم کی روٹی، ایک درہم کا سالن اور ایک درہم کی خوشبو خرید لاؤ۔

نوجوان وہ چیزیں لے آیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اس پارسا نوجوان کے ساتھ کر دیا۔ صاحبزادی جب رخصت ہو کر شوہر کے گھر آئی تو اس نے دیکھا کہ گھر میں پانی کی ایک صراحی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس صراحی پر ایک روٹی رکھی ہوئی دیکھی۔ پوچھا: یہ روٹی کیسی ہے؟ شوہر نے جواب دیا: یہ کل کی باسی روٹی ہے، میں نے افطار کے لئے رکھ لی تھی۔ یہ سن کر کہنے لگیں کہ مجھے میرے گھر چھوڑ آیے۔ نوجوان نے کہا :مجھے تو پہلے ہی اندیشہ تھا کہ شیخ کرمانی کی دختر مجھ جیسے غریب انسان کے گھر نہیں رک سکتی۔ لڑکی نے پلٹ کر کہا: میں آپکی مفلسی کے باعث نہیں لوٹ رہی ہوں بلکہ اس لئے کہ مجھے آپ کا توکل کمزور نظر آرہا ہے، اسی لئے مجھے اپنے والد پر حیرت ہے کہ انہوں نے آپ کو پاکیزہ خصلت، عفیف اور صالح کیسے کہا جب کہ آپ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا یہ حال ہے کہ روٹی بچا کر رکھتے ہیں۔

یہ باتیں سن کر نوجوان بہت متاثر ہوا اور ندامت کا اظہار کیا۔ لڑکی نے پھر کہا: میں ایسے گھر میں نہیں رک سکتی جہاں ایک وقت کی خوراک جمع کر کے رکھی ہو اب یہاں میں رہوں گی یا روٹی۔ یہ سن کر نوجوان فوراً باہر نکلا اور روٹی خیرات کر دی۔ (روض الریاحین، الحکایۃ الثانیہ والتسعون بعد المائۃ، ص ۱۹۲)

معاذ (107) رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچا تو وہاں میں نے باطنی حقیقت اور مقصود کا چشمہ بہتا ہوا دیکھا میں نے ان کی صحبت اختیار کر لی حتیٰ کہ ایک جماعت شاہ شجاع کرمانی کے پاس سے ان کی صحبت میں آئی لوگوں نے ان کی باتیں مجھے سنائیں تو میرا دل ان کی زیارت کے لئے بے تاب ہو گیا پھر میں نے رَے سے کرمان جانے کا عزم کیا میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح شاہ شجاع کی صحبت میسر آجائے مگر انہوں نے مجھے اجازت نہ دی اور فرمایا چونکہ تم مقام رجآ کے پروردہ اور صحبت یافتہ ہو اور تم نے حضرت یحییٰ کی صحبت اٹھائی ہے جو کہ مقام رجا پر فائز ہیں اس لئے جسے مشرب رجا مل جائے وہ طریقت پر گامزن نہیں رہ سکتا کیونکہ رجآ کی تقلید سے کاہلی اور سستی آجاتی ہے لیکن میں نے بہت منت وسماجت کی اور بیس دن ڈیوڑھی پر پڑا رہا تب کہیں جا کر قدمبوسی کی اجازت ملی۔ ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہا وہ مردِ غیور تھے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابوحفص کی زیارت کے لئے نیشاپور کا ارادہ کیا تو میں بھی ان کے ہمراہ ہو گیا جب ہم حضرت ابوحفص کے پاس پہنچے تو شاہ شجاع قبا زیب تن کئے ہوئے تھے حضرت ابوحفص نے جب انہیں دیکھا تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور استقبال کے لئے دوڑے اور فرمایا: **وجدت فی القباء ماطلبتُ فی العباء** جسے میں گدڑی میں دیکھنا چاہتا تھا وہ قبا میں ملبوس ہے۔ وہ عرصہ دراز تک وہاں رہے اور میری تمام کوششیں حضرت ابوحفص کی صحبت میں حصول اسرار میں صرف ہوئیں لیکن شاہ کا دبدبہ اور ان کی خدمت کا التزام مجھے مانع رہا مگر حضرت ابوحفص میری دلی خواہش کو بھی ملاحظہ فرما رہے تھے اور میں دل میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا تھا کہ مجھے حضرت ابوحفص کی صحبت اس طرح میسر آئے کہ شاہ شجاع آزردہ خاطر نہ ہوں غرض یہ کہ جب شاہ نے واپسی کا قصد کیا تو میں نے بھی ان کی ہمسفری کے لئے سفری لباس پہن لیا حالانکہ میرا دل حضرت ابوحفص کا گرویدہ ہو چکا تھا اس وقت حضرت ابوحفص نے شاہ سے فرمایا اس فرزند کو خوشدلی کے ساتھ یہاں چھوڑ دو تو میرے لئے باعث مسرت ہو گا۔ شاہ نے میری طرف رخ پھیر کر فرمایا "اجب الشیخ" شیخ کی خواہش کو قبول کرو۔ بالآخر شاہ چلے گئے اور میں وہیں رہ گیا میں نے حضرت ابوحفص کی صحبت میں بڑے عجائب وغرائب دیکھے مجھ پر ان کی بڑی شفقت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوعثمان کو تین بزرگوں کی صحبت میں تین منزلوں سے گزارا اور وہ تینوں منازل خود ان کے اشارات میں موجود ہیں یعنی مقام رجآ حضرت یحییٰ کی صحبت میں مقام غیرت شاہ شجاع کی صحبت

شرح (107): حضرت یحییٰ بن معاذ کا ذکر پیچھے ہو چکا۔

میں اور مقام شفقت حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہما کی صحبت میں حاصل ہوا۔ طریقت میں یہ جائز ہے کہ مرید پانچ یا چھ یا اس سے زائد شیوخ کی صحبت میں رہ کر کوئی خاص منزل حاصل کرے اور شیخ اور اس کی صحبت اسے کسی خاص مقام کا کشف کرائے لیکن سب سے بہتر یہ خصلت ہے کہ مرید اپنے مقام سے کسی شیخ کو ملوث نہ کرے اور اس مقام میں ان کی نہایت کو ظاہر نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ ان کی صحبت میں میرا اتنا حصہ تھا ان کا مرتبہ تو اس سے بلند تر تھا البتہ میرے نصیب میں ان کی صحبت سے اس سے زیادہ حصہ مقدر نہ تھا ایسی روش مقامِ ادب کے زیادہ نزدیک ہے اس لئے کہ سالکانِ حق کو کسی کے مقام و احوال سے سروکار نہیں ہوتا۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور اور خراسان میں تصوف کا اظہار کیا (108) اور حضرت جنید، حضرت رویم، یوسف بن حسین اور محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں بھی حاضر رہے مشائخ کے دلوں سے کسی نے اتنا فائدہ نہ اٹھایا ہوگا جتنا حضرت ابو عثمان نے اٹھایا تھا مشائخ اور اہل نیشاپور نے آپ کو منبر پر بٹھایا تاکہ لوگوں کو تصوف کے رموز و نکات سمجھائیں۔ آپ کی کتابیں بلند اور علم طریقت کے فنون میں آپ کی روایتیں وقیع ہیں۔ (109) آپ کا ارشاد ہے:

حق لمن عزہ اللہ بالمعرفۃ ان لایذل لہ بالمعصیۃ اللہ تعالیٰ جسے معرفت سے معزز فرمائے اسے واجب ہے کہ وہ معصیت کے ذریعہ خود کو ذلیل نہ کرے۔

شرح (108): حضرت سیدنا ابو عثمان حیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اجلہ اکابر اولیاء معاصرین حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں وقت انتقال اپنے صاحبزادے ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ سے فرمایا:

خلاف السنۃ یابنی فی الظاھر علامۃ ریاء فی الباطن۔

(الرسالۃ القشیریۃ، ذکر ابو عثمن سعید بن اسمعیل الحیری، مصطفی البابی مصر ص ۲۱)

اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کا خلاف اس کی علامت ہے کہ باطن میں ریاکاری ہے۔

شرح (109): مثلاً حضرت سعید بن اسمعیل حیری ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الصحبۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باتباع السنۃ ولزوم ظاھر العلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ زندگانی کا طریقہ یہ ہے کہ سنت کی پیروی کرے اور علم ظاہر کو لازم پکڑے۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ذکر ابو عثمن سعید بن اسمعیل الحیری، مصطفی البابی مصر ص ۲۱)

اس ارشاد کا تعلق بندے کے کسب، مجاہدے اور امورِ حق کی دائمی رعایت سے ہے (110) اگر تم اس

شرح (110): خوبصورت دُولہا اور بدصورت دُلہن

اس کی بہترین مثال یہ واقعہ ہے کہ حضرتِ سیّدُنا محمد بن نُعَیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی والدہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتِ سیّدُنا ابو عثمان حِیرِی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی زوجہ محترمہ حضرتِ سیّدَتُنا مریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو یہ کہتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ مجھے میرے سرتاج حضرتِ سیّدی ابو عثمان حِیرِی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے ساتھ تنہائی میسر آئی تو میں نے موقع غنیمت جان کر پوچھا: اے ابو عثمان! اپنی زندگی کا کون سا عمل آپ کو سب سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے؟ فرمایا: اے مریم! جب میں عالَمِ شباب میں تھا تو اس وقت میری رہائش رَے میں تھی۔ لوگ مجھے بہت پسند کرتے۔ سب کی خواہش تھی کہ میری شادی ان کے گھر ہو جائے لیکن میں سب کو انکار کر دیتا۔ ایک دن ایک عورت میرے پاس آئی اور یوں گویا ہوئی: میں تیری محبت میں بہت زیادہ بے قرار ہو گئی ہوں، میری رات کی نیندیں اور دن کا چین برباد ہو گیا ہے، میں تجھے اس کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں جو دلوں کو پھیرنے والا ہے کہ تو مجھ سے شادی کر لے۔

اس کے یہ جذبات دیکھ کر میں نے پوچھا: کیا تمہارا باپ زندہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، میرا باپ درزی ہے اور فلاں محلے میں رہتا ہے۔ میں نے اس کے والد کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو وہ بہت خوش ہوا، اس نے فوراً گاؤں کے معزز لوگوں کو بلا کر میرا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔ جب میں حجرۂ عروسی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میری نئی نویلی دلہن ایک آنکھ سے محروم، پاؤں سے لنگڑی اور انتہائی بدشکل تھی، اسے دیکھ کر میں نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: اے میرے پروردگار عَزَّ وَجَلَّ! تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو نے جو میرا مقدر بنایا میں اس پر تیرا شکر گزار ہوں۔ پھر جب میرے گھر والوں کو میری زوجہ کی کیفیت معلوم ہوئی تو مجھے برا بھلا کہا اور خوب ڈانٹا۔ لیکن میں نے اپنی زوجہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو اسے بری لگتی بلکہ میں اس پر بہت زیادہ مہربان ہو گیا اور اسے ضرورت کی ہر شئے مہیا کرتا۔

میری محبت وشفقت کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی کہ لمحہ بھر کے لئے بھی مجھ سے جدائی برداشت نہ کرتی۔ چنانچہ، اپنی اس مجبور و بے کس، محبت کی پیاسی اور معذور بیوی کی خاطر میں نے دوستوں کی محفل میں جانا چھوڑ دیا اور زیادہ وقت اسی کے پاس گزارنے لگا، تا کہ اس بیچاری کا دل خوش رہے اور یہ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو۔ اور اس طرح میں نے اپنی زندگی کے پندرہ سال اپنی اس معذور بیوی کے ساتھ گزار دیئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

راہ پر گامزن ہو جو کہ اس کے لائق ہے تو یاد رکھو کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے کو معرفت سے نوازے تو وہ گناہ میں مبتلا ہو کر خود کو ذلیل نہ بنائے کیونکہ معرفت حق تعالیٰ کی عطا اور اس کی عنایت ہے اور معصیت بندے کا فعل ہے جسے حق تعالیٰ کے عطا کی عزت مل جاتی ہے اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کسی فعل کے ذریعہ اسے ذلیل کرے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس نے اپنی معرفت سے معزز فرمایا تو پھر اپنے فعل سے انہیں ذلیل نہ فرمایا۔

(۳۴) حضرت احمد بن یحییٰ بن جلالی:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، سہیل اوج معرفت، قطب محبت حضرت ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ بن جلالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،(111) آپ بزرگانِ قوم اور سادات وقت میں سے تھے نیک خصلت، عمدہ سیرت اور حضرت جنید ابوالحسن نوری اور دیگر اکابرِ طریقت کے صحبت یافتہ تھے حقائق میں آپ کا کلام ارفع اور اشارات لطیف ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

همت العارف الى مولاه ولم يعطف على شيئى سواه عارف کا عزم و ارادہ اپنے مولیٰ کی طرف ہوتا ہے اس کے سوا کسی چیز کی طرف وہ مائل ہی نہیں ہوتا۔

عدمِ میلان کی وجہ یہ ہے کہ عارف کو معرفت کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتا جب اس کے دل کا خزانہ معرفت ہو جاتا ہے تو اس کی ہمت کا مقصود دیدارِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا کیونکہ افکار کی پراگندگی غم و فکر پیدا کرتی ہے اور اس کے لئے بارگاہ حق میں مانع و حجاب بن جاتی ہے۔

آپ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک خوبصورت اور حسین مجوسی لڑکے کو دیکھا میں اس کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اس کے روبرو جا کر کھڑا ہو گیا اتنے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا گزر ادھر سے ہوا میں نے ان سے عرض کیا کہ اے استاد! اللہ تعالیٰ ایسے حسین و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بعض اوقات مجھے اتنی تکلیف ہوتی جیسے مجھے سُلگتے انگاروں پر ڈال دیا گیا ہو لیکن میں نے کبھی بھی اس کیفیت کا اظہار اس پر نہ کیا۔ یہاں تک کہ پندرہ سال بعد وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئی۔ میری اس معذور بیوی کو مجھ سے جو محبت تھی اسے نبھانے اور اس کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی خاطر میں نے جو عمل کیا وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (عیون الحکایات صفحہ ۶۴)

شرح (111): آپ کی پیدائش ۱۷۲ ہجری اور وصال ۲۵۸ ہجری میں ہوا۔

جمیل چہرے کو دوزخ میں جلائے گا؟ آپ نے فرمایا اے فرزند! یہ نفس کا کھیل ہے جو تجھے لاحق ہوا ہے یہ نظارۂ عبرت نہیں ہے کیونکہ اگر تو بنگاہِ عبرت دیکھے تو عالم کے ہر ذرے میں ایسے ہی عجوبے موجود پائے گا تجھے بہت جلد مشیت الٰہی کی بے حرمتی کی بنا پر سزا ملنے والی ہے اس کے بعد آپ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جنید منہ پھیر کر تشریف لے گئے تو اسی وقت میرے حافظہ سے قرآن کریم فراموش ہو گیا یہاں تک کہ میں نے برسوں اللہ سے مدد مانگی اور توبہ کی تب کہیں جا کر دوبارہ پھر قرآن کریم کی نعمت مجھے حاصل ہوئی اب مجھ میں یہ جرات نہیں کہ موجودات عالم میں کسی چیز کی طرف ملتفت ہوں اور اپنی محبت کو اس کائنات میں عبرت کی نظر سے دیکھنے میں ضائع کروں۔

(۳۵) حضرت رویم بن احمد:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، وحید العصر، امام الدہر حضرت رویم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اجلۂ سادات مشائخ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مقربین خاص اور راز داروں میں سے تھے۔ آپ فقیہ الفقہا حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مشرب تھے علم تفسیر وقرأت میں کامل مہارت اور اپنے زمانہ میں تمام علوم وفنون میں ایسے منفرد تھے کہ کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ علوِ حال، رفعت مقام اور نیک خصلتی میں یگانۂ روزگار اور ریاضت شدیدہ میں یکتا و بے مثال تھے اپنی عمر کے آخری ایام میں علائق دنیا میں ملوث ہو کر منصب قضا پر فائز ہو گئے تھے آپ کا درجہ در پردہ ہونے سے زیادہ کامل تھا چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مشغول عارف ہیں اور رویم مشغول فارغ ہیں۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں خاص کر وہ کتاب جس کا ''**غلطة الواجدين**'' میں نام ہے مجھے بہت پسند ہے۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا: **كيف حالك** آپ کا حال کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: **كيف حال من دينه هواه وهمته دنياه ليس هو بصالح تقي ولا بعارف نقي** تم اس کا حال کیا پوچھتے ہو کہ جس کا حال یہ ہے کہ اس کا دین اس کی خواہش، اس کی ہمت اس کی دنیا ہے نہ وہ صالح متقی ہے نہ عارفِ مصفی۔ آپ کا یہ اشارہ نفس کے عیبوں کی طرف ہے اس لئے کہ نفس کے نزدیک ہوا کا نام دین ہے اور ہوا کے پیروکار اسے دین کا نام دیتے اور اس کی پیروی کو شریعت کی متابعت کہتے ہیں جو بھی نفس کی خواہش پر چلے گا اگرچہ وہ مبتدع ہو، اہل ہوا کے اندر دیندار کہلائے گا اور جو اس کے خلاف چلے گا اگرچہ وہ متقی ہی

کیوں نہ ہو اسے بے دین کہا جائے گا۔ ہمارے زمانہ میں یہ فتنہ وفساد ایک دوسرے میں عام ہے لہٰذا
ایسی حالت ہو ہم ان کی صحبت سے پناہ مانگتے ہیں در حقیقت شیخ نے سائل کے جواب میں اہل زما
حال کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سائل کو اس حال کے مطابق پایا ہو تو آپ نے اپ
ڈھال کر اس کا حال اس طرح بیان کیا ہو اور اپنا حال مخفی رکھا ہو۔ **واللہ اعلم**

(۳۶) حضرت یوسف بن حسین رازی:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، نادر زمانہ، رفیع المنزلت حضرت ابو یعقوب یوسف
حسین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو وقت کے اکابر ائمہ اور متقدمین مشائخ میں سے تھے [(112)] اپنی
بہت عمدہ گزاری حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، بکثرت مشائخ کے صحبت یافتہ اور ا
خدمت گزار تھے۔ [(113)] آپ کا ارشاد ہے:

شرح (112): آپ کا وصال ۳۰۴ ہجری میں ہوا آپ کافی طویل العمر ہوئے۔

شرح (113): حضرتِ سیّدُ نا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی کے زمانہ صحبت کے چند واقعات

ہنسنے والا مخلص نوجوان:

حضرتِ سیّدُ نا یوسف بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرتِ سیّدُ نا ذوالنون مصر
رحمۃ اللہ القوی کی بارگاہ میں حاضر تھا اور آپ ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بیان فرما رہے تھے۔ سب لوگ ر
تھے مگر ایک نوجوان ہنس رہا تھا۔ حضرتِ سیّدُ نا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس سے پوچھا
نوجوان! تجھے کیا ہے؟ لوگ رو رہے ہیں اور تم ہنس رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: لوگ یا تو جہنم کے خوف
عبادت کرتے ہیں اور نجات کو ہی اپنا اجر سمجھتے ہیں یا جنت میں جانے کے لئے عبادت کرتے ہیں تاکہ اس
باغوں میں رہیں اور اس کی نہروں سے پئیں۔ لیکن میرا ٹھکانہ نہ تو جنت ہے اور نہ ہی جہنم۔ میں اپنی محبت کا بد
چاہتا۔ حضرتِ سیّدُ نا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے دوبارہ اس سے پوچھا: اگر اس نے تمہیں دھتکا
کیا کرو گے؟ تو اس نے چند اشعار سنائے جن کا مفہوم یہ ہے: جب میں نے محبت کے باوجود وصال حاصل
دوزخ میں ٹھکانا بنالوں گا۔ پھر جب مجھے صبح و شام عذاب ہوگا تو میری چیخ و پکار سے اہلِ دوزخ بھی تنگ آج
گے۔ جب میں وصالِ یار پانے کی کوئی راہ نہ پا سکا تو گنہگاروں کی ٹولیاں بھی مجھ پر گریہ وزاری کریں گی۔
میرے مالک عَزَّ وَجَلَّ! چاہے تو مجھے عذاب میں مبتلا کر دے یا آزاد کر دے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفح

اذل الناس الفقیر الطماع واعزھم المحب المحبوبه الصدیق لوگوں میں سب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مجھے تیری مرضی قبول ہے۔ اگر میں اپنے دعوۂ محبت میں سچا ہوں تو محض اپنے کرم سے میری حالت کو تبدیل کردے اور اگر میرا دعوۂ محبت جھوٹا ہے تو مجھے اس کی سزا میں طویل عذاب سے دو چار کردے۔ جب وہ چپ ہوا تو ایک غیبی آواز آئی: اے ذوالنون! مُخلصین کی اپنے ربّ عَزَّ وَجَلَّ سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ وہ خوشحالی وتنگدستی میں بھی اس سے محبت کرتے، نعمتوں اور مصیبتوں پر بھی اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

نیک لوگ اس لئے سعادت مند ہو گئے کیونکہ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے ربّ عَزَّ وَجَلَّ کو مقصود بنایا، جب انہوں نے اس مقصد میں رغبت اختیار کی تو انہیں اس تک پہنچنے سے بیوی بچوں کی محبت نہ روک سکی، انہوں نے اس راہ میں آنے والی مشقت کو شہد سے زیادہ میٹھا پایا، اُن کے لئے شہد بھی ان تکالیف جیسا میٹھا نہیں، وہ ہمیشہ اپنے محبوب کی محبت میں مصائب جھیلتے رہے پھر بھی قرب کی طلب سے پیچھے نہ ہٹے، اور ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی شہر سے کوچ کرتے ہیں تو وہ شہر بھی اُن کے فراق میں آنسو بہاتا ہے۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ صفحہ ۱۴۲ اَلشَّیخ شُعَیب حَرِیْفِیْش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

چاند جیسا نورانی چہرہ

حضرت سیدنا یوسف بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ میں لبنان کی پہاڑیوں میں رات کے وقت سفر پر تھا، چلتے چلتے مجھے ایک درخت نظر آیا جس کے قریب ایک خیمہ نما جھونپڑی تھی۔ یکایک اس جھونپڑی سے ایک حسین وجمیل نوجوان نے اپنا چاند جیسا نورانی چہرہ باہر نکالا اور کہنے لگا: اے میرے پروردگار عز وجل! میرا دل ہر حال میں (چاہے خوشی ہو یا غمی) اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تیری ہی ذات ایسی ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے (یعنی تمام فضیلتیں اور عظمتیں تیرے ہی لئے ہیں) میرا دل اس بات کی گواہی کیوں نہ دے، حالانکہ میرے دل میں تیرے سوا اور کسی کی محبت سمائی ہی نہیں، میں تو بس تجھ ہی سے محبت کرتا ہوں، افسوس! صد ہزار افسوس! ان لوگو ں پر جنہوں نے تجھ سے محبت نہ کی، اور کوتاہی کرتے رہے۔

پھر اس نوجوان نے اپنا نورانی چہرہ جھونپڑی میں داخل کرلیا۔ میں اس کی باتیں سن کر بڑا حیران ہوا، اور مجھے اس کی باتیں بھول گئیں، میں وہیں حیران وپریشان کھڑا رہا یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا، اس نوجوان نے پھر اپنا نور بار چہرہ جھونپڑی سے باہر نکالا، اور چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ لالچی ذلیل درویش ہے اور ان میں سب سے زیادہ صاحبِ عزت درویش صادق ہے۔ (114)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اے میرے معبودِ حقیقی عزوجل! تیرے ہی نور سے زمین وآسمان روشن ہیں، تیرا ہی
اندھیروں کو ختم کرتا ہے اور اسی سے ہر جگہ اُجالا ہوتا ہے، اے میرے پاک پروردگار عزوجل! تیرا جلوہ ہما
آنکھوں سے حجاب میں ہے، اور تیری معرفت اہلِ معرفت کو حاصل ہوتی ہے، اے میرے رحیم وکریم ما
عزوجل! میں اس رنج وغم کی حالت میں صرف تجھ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ تو مجھ پر کرم کی ایسی نظر فرما جیسی ا
فرمانبردار بندوں پر ڈالتا ہے۔

حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: جب میں نے نوجوان کی یہ باتیں سنیں، تو
سے نہ رہا گیا اور میں اس کے پاس گیا اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا: اے نوجوان! اللہ عزوجل
پر رحم فرمائے، میں تجھ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ نوجوان نے کہا: نہیں، تو مجھ سے سوال نہ کر۔ میں نے کہ
مجھے سوال کرنے سے کیوں منع کر رہا ہے؟ اس نے کہا: اس لئے کہ ابھی تک میرے دل سے تیرا رعب نہیں نکلا،
ابھی تک تجھ سے خوفزدہ ہوں۔ میں نے کہا: اے نیک سیرت نوجوان! میں نے ایسی کونسی حرکت کی جس نے
خوفزدہ کر دیا ہے؟ وہ نوجوان کہنے لگا: تم کام (یعنی عبادت) کے دنوں میں بے کار پھر رہے ہو، اور آخرت کی تی
کے لئے کچھ بھی عمل نہیں کر رہے، اے ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی تم نے صرف اچھے گمان پر تکیہ کیا ہوا ہے

حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں اس نوجوان کی یہ باتیں سن کر بے
ہو گیا اور زمین پر گر پڑا، میں کافی دیر بے ہوش رہا، پھر سورج کی تیز دھوپ کی وجہ سے مجھے ہوش آیا، میں نے
سر اٹھا کر دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ اب میرے سامنے نہ تو کوئی درخت ہے نہ جھونپڑی اور نہ ہی وہ نوجوان۔ یہ س
چیزیں نہ جانے کہاں غائب ہو گئیں، میں کافی دیر اسی طرح حیران وپریشان وہاں کھڑا رہا، اس نوجوان کی با
اب تک میرے دل ودماغ میں گھوم رہی ہیں، پھر میں اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ (عیون الحکایات صفحہ ۱۷۹۔۱۸۰)

شرح (114): انڈے اور روٹی کھانے کی خواہش

حضرت سیّدنا یوسف بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے، میں نے حضرت سیّدنا ابوتُراب نَخْشَبی
رحمۃ اللہ القوی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے کبھی نفسانی خواہشات کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دیا اور ہم
اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا۔ ایک مرتبہ دورانِ سفر میرے نفس نے بڑی شدت سے روٹی اور انڈا کھا
مطالبہ کیا، باوجود کوشش کے میں اس خواہش پر قابو نہ پا سکا۔ نفس بار بار انڈا اور روٹی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ

کیونکہ لالچ درویش کو دونوں جہان میں خوار کر دیتی ہے اس لئے کہ بجائے خود درویشی اہل دنیا کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے اور جب اس کے ساتھ لالچ بھی شامل ہو جائے تو اور زیادہ ذلیل بنا دیتی ہے لہٰذا صاحب عزت تونگر، ذلیل درویش سے بہت اچھا ہے اور طمع و لالچ سے درویش محض فریبی اور جھوٹا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا محب بھی اپنے محبوب کی نظر میں تمام مخلوق سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے اس لئے کہ محب خود کو اپنے محبوب کے مقابلہ میں بہت ذلیل جانتا ہے وہ اس کے ساتھ انکساری سے پیش آتا یہ بھی طمع و لالچ کا نتیجہ ہے جب طبیعت سے طمع جاتی رہتی ہے تب ہر ذلت میں وہ عزت پاتا ہے چنانچہ جب تک زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی طامع رہی وہ ہمیشہ ذلیل تر ہوتی رہی اور جب طمع جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حسن و جمال

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کھانے کی خواہش کر رہا تھا۔ چنانچہ، میں ایک قریبی بستی کی طرف گیا جیسے ہی میں بستی میں داخل ہوا ایک شخص مجھ پر جھپٹا اور شور مچانے لگا: پکڑو! پکڑو! یہ بھی چوروں کا ساتھی ہے۔ لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور کوڑے مارنے لگے۔ جب ستر کوڑے مار چکے تو ایک جاننے والے شخص نے مجھے پہچان لیا اور کہا: اے لوگو! یہ تم کسے مار رہے ہو؟ ارے! یہ تو زمانے کے مشہور ولی حضرت سیّدنا ابوتراب نخشبی علیہ رحمۃ اللہ القوی ہیں۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو مجھے چھوڑ دیا اور معافی مانگنے لگے۔ پھر ایک شخص مجھے اپنے گھر لے گیا اور میرے سامنے گرم گرم روٹیاں اور انڈے لا کر رکھ دیئے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے نفس سے کہا:

اے نفس! ستر (70) کوڑے کھانے کے بعد تیری خواہش پوری ہوگئی ہے، لے! اب انڈے اور روٹی کھالے۔

(اللہ عزوجل کی اُن پر رحمت ہو۔۔اور۔۔اُن کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم)

(اے بھائیو! دیکھا آپ نے! ہمارے اَسلاف کس طرح نفسانی خواہشات کی مخالفت کرتے، حرام تو دَر کنار مشتبہ بلکہ مباح اشیاء بھی ترک کر کے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے پیٹ کا قفل مدینہ لگایا کرتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّ وَجَلَّ! دعوتِ اسلامی کے مشکبار مدنی ماحول میں بھی یہ ترغیب دلائی جاتی ہے کہ حرام و مشتبہ چیزوں سے بچا جائے اور جائز و مباح کھانے بھی بھوک سے کم کھائے جائیں تا کہ بھوک کی بدولت عبادت میں دل لگ جائے اور برے کاموں کی طرف ذہن نہ جائے۔ جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو عبادت میں سُستی ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس بھوک کی حالت میں سوز و گداز مزید بڑھ جاتا ہے۔ (عیون الحکایات صفحہ ۱۲۱)

اور عالم شباب انہیں واپس کر دیا یہ قاعدہ ہے کہ محب جتنا محبوب کے سامنے آنے کی کوشش کرے گا، محبوب اتنا ہی دور ہوتا جائے گا جب دوستی کو ہاتھ میں لے اور محض دوستی میں دوست سے کنارہ کش ہو اور صرف دوستی ہی پر اکتفا کرے تو لامحالہ دوست اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ درحقیقت محب کی عزت اس وقت تک ہے جب تک وصل کی طمع نہ کرے اور جب محب میں وصال کی ہوس پیدا ہو اور وصل میسر نہ آئے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ ذلیل ہو جاتا ہے اور جس محب کو دوستی میں دوست کے وصال و فراق سے بے نیازی نہ ہو اس کی محبت غرضمندانہ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(۳۷) حضرت ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواص رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ طریقت، آفتاب اہل محبت، قدوۂ اہل معاملت حضرت ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواص رحمۃ اللہ علیہ ہیں (115) جو اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ محبت میں آپ کا مرتبہ بلند تھا (116) تمام مشائخ بزرگ جانتے تھے اور سمنون المحب کہتے تھے حالانکہ وہ خود اپنے کو سمنون الکذب کہا کرتے تھے آپ نے غلام الخلیل سے بڑی تکلیفیں اٹھائیں اس نے خلیفہ وقت کے آگے ناممکن و محال جھوٹی گواہیاں دیں جس سے تمام مشائخ آزردہ رہے یہ غلام الخلیل ایک ریاکار آدمی تھا جو صوفی و پارسا ہونے کا مدعی تھا جس نے خود کو بادشاہ کا حضوری اور اس کا نائب و خلیفہ مشہور کر رکھا تھا اور پکا دنیادار اور چغل خور انسان تھا جیسے چغل خور اور جھوٹے لوگ آج بھی پائے جاتے ہیں اسی طرح یہ مدعی، درویشیوں اور مشائخ کی بدگوئیاں حکام امراء کے سامنے کرتا رہتا تھا تاکہ ایسے لوگوں کی رسائی آمروں اور حاکموں تک نہ ہونے پائے اور خود اس کا مرتبہ برقرار رہے مقام مسرت ہے کہ حضرت سمنون اور ان مشائخ کے زمانہ میں صرف ایک ہی ایسا بدخصلت شخص تھا ورنہ اس زمانہ میں تو ہر محقق کے لئے ایک لاکھ غلام الخلیل جیسے بدطینت موجود ہیں۔

بغداد میں جب حضرت سمنون کے مرتبہ کا غلغلہ بلند ہوا اور ہر ایک آپ کی نزدیکی کا خواہاں ہوا تو غلام الخلیل اس سے رنجیدہ ہوا اور اس نے کئی باتیں گھڑلیں یہاں تک کہ ایک خوبصورت عورت کو حضرت سمنون کے پاس بھیجا حضرت سمنون کی نظر جب اس کے جمال پر پڑی تو عورت نے اپنے آپ کو پیش کیا آپ نے اسے جھڑک دیا پھر وہ حضرت جنید کے پاس پہنچی اور ان سے کہا کہ آپ سمنون سے فرمائیں کہ وہ مجھ سے

شرح (115): آپ کا وصال ۲۹۸ ہجری میں ہوا۔

شرح (116): حضرت سیدنا سمنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ پانچ سو رکعات پڑھتے تھے۔

نکاح کرلیں حضرت جنید کو اس کی یہ درخواست ناپسند آئی اور اسے جھڑک کر نکال دیا اس کے بعد وہ غلام الخلیل کے پاس آئی اور اس سے ان عورتوں کی مانند جو دھتکاری جاتی ہیں اور اتہام طرازی شروع کردیتی ہیں آپ پر تہمت دھرنے لگی اور اس قسم کی باتیں بنا کر کہنے لگی کہ جو سنتا ان سے برگشتہ ہو جاتا حتیٰ کہ خلیفہ وقت کو ان سے اتنا برگشتہ کر دیا کہ اس نے انہیں قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا جب جلاد کو بلایا گیا اور اس نے خلیفہ سے قتل کی اجازت مانگی اور خلیفہ نے قتل کی اجازت دینی چاہی تو اس کی زبان گنگ ہوگئی جب اس رات وہ سویا تو خواب میں اسے خبردار کیا گیا کہ تیرے ملک اور حکومت کا زوال حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے وابستہ ہے دوسرے دن خلیفہ نے ان سے معافی مانگی اور حسن سلوک سے پیش آیا۔

حقیقت ومحبت میں آپ کا کلام بلند اور اشارات دقیق ہیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ حجاز سے واپس آرہے تھے تو شہر "قید" کے لوگوں نے درخواست کی کہ منبر پر تشریف فرما ہو کر کچھ پند ونصائح فرمائیں۔آپ منبر پر وعظ کے لئے تشریف لے گئے کوئی متوجہ نہ ہوا آپ نے اپنا رخ مسجد کی قندیلوں کی طرف کر کے فرمایا اے قندیلو! میں تم سے مخاطب ہوں دفعتاً سب قندیلیں گر کر چکنا چور ہوگئیں۔آپ کا ارشاد ہے:

لایعبر عن شئی الابما ھو ادق منہ ولا شئی ادق من المحبۃ فبم یعبر عنھا چیزوں کی تعبیر اس سے زیادہ دقیق چیز سے ہوتی ہے کیونکہ محبت سے زیادہ ادق چیز کوئی نہیں ہے اس کی تعبیر کسی چیز سے نہیں کی جاسکتی۔

مطلب یہ ہے کہ محبت کے مفہوم کو الفاظ وعبارت میں ادا نہیں کیا جاسکتا (117) چونکہ عبارات معبر یعنی

شرح (117): محبت کا معنیٰ:

امام غزالی فرماتے ہیں:

محب کے نزدیک محبت کے لذیذ ہونے کی وجہ سے طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور بغض اس کی ضد ہے جو کسی چیز سے طبعی نفرت کا نام ہے، کیونکہ وہ طبیعت کے موافق نہیں ہوتی، اور جس چیز کی لذّت بڑھتی ہے اس کی محبت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، آنکھوں کی لذّت دیکھنے میں، کانوں کی لذّت سننے میں اور ناک کی لذّت پاکیزہ خوشبوؤں میں ہے۔اسی طرح ہر حس کے موافق ایک چیز ہے جس سے انسان لذّت حاصل کرتا ہے اور اسی سبب سے اس چیز سے محبت کرتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معنیٰ کی صفت ہے اور محبت محبوب کی صفت ہے لہٰذا عبارت کے ذریعہ اس کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔ واللہ اعلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّیْبُ، اَلنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ۔

ترجمہ: تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) خوشبو (۲) عورتیں اور (۳) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، الحدیث ۳۳۹۱، ص ۲۳۰۷، مفہوما)

حدیثِ پاک کی شرح:

اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ حواس کے لئے محسوس ہونے والی اشیاء کے علاوہ بھی محبوب چیزیں ہوتی ہیں جن سے وہ لذّت حاصل کرتے ہیں کیونکہ نماز ان چیزوں میں سے نہیں جن سے حواسِ خمسہ (یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، پکڑنے اور چکھنے کی قوت) کے ساتھ لذت حاصل کی جائے کیونکہ باطنی بصیرت ظاہری نگاہوں سے قوی ہوتی ہے اور دل آنکھ سے زیادہ ادراک رکھتا ہے، عقل سے حاصل ہونے والا جمالِ معنوی ظاہری صورت کے جمال سے اعظم واکمل ہوتا ہیں۔ پس دل جن امورِ الٰہیہ شریفہ کا ادراک کرتا ہے وہ زیادہ مکمل وبلیغ ہوتے ہیں اور حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ لہٰذا طبعِ سلیم کا ان کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے پس محبت کا معنی یہی ہوا کہ دل کا اس چیز کی طرف مائل ہونا جس کے پانے میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس لذت کا وہی شخص انکار کرتا ہے جس کو اس کی کوتاہی جانوروں کے درجہ میں بٹھا دیتی ہے اور اس کا ادراک حواس سے آگے بالکل نہیں بڑھتا۔

جاننا چاہیے! انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے کیونکہ یہ نفس کے موافق چیزوں میں سے سب سے بڑی ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنا پسند کرتا ہے اور پھر اس سے محبت کرتا ہے، جو اس پر احسان کرے کیونکہ انسان احسان کا غلام ہے، اور کبھی کسی چیز سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ چیز بذاتِ خود حسین وجمیل ہوتی ہے اور یہ محبت کی سب سے بڑی قسم ہے جس میں کوئی غرض شامل نہیں ہوتی، کیونکہ ہر خوبصورت چیز محبوب ہوتی ہے اور جو لوگ خیالات کی قید میں بند ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ جمال صرف محسوس چیز یا خیالی صورت میں ہوتا ہے۔

جبکہ ہم کہتے ہیں، یاد رکھئے! ہر چیز کی حسن وخوبی وہی ہے جو اس کے ممکن ولائق ہو، یہاں تک کہ ہم جانتے ہیں کہ گھوڑا ان اوصاف سے خوبصورت ہوتا ہے جن اوصاف سے آدمی حسین نہیں ہوتا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳۸) حضرت شاہ شجاع کرمانی:

از ائمہءطریقت، شاہ شیوخ، تغیراتِ زمانہ سے محفوظ حضرت ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور خط کو اس چیز کے ساتھ حسن حاصل ہوتا ہے جس چیز سے آواز اور تصور کو حسن حاصل نہیں ہوتا، حالانکہ یہ تمام چیزیں محبوب ہے اور اگر خیال کرنے والا تصور کرے تو یہ چیز حس کی طرف لوٹتی ہے، پس اخلاقِ حسنہ، علم، قدرت اور عقل ہر چیز حسین و محبوب ہوتی ہے حالانکہ ظاہری حواس سے ان کا ادارک نہیں ہوسکتا، بلکہ انہیں نورِ بصیرت سے سمجھا جاتا ہے اور اسی طرح امامُ الانبیاء صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، آپ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان، حضرت سیدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی اور دیگر اربابِ مذاہب کی محبت ممکن ہے، حالانکہ یہ غیر محسوس ہے اور حواسِ خمسہ سے اس کا ادراک نہیں ہوتا، بلکہ جب اس نے بھلائی کی عادات کے مجموعے کو سنا اور ہر اس چیز کے بارے میں سنا جو محسوس نہیں، تو اس نے اسے اچھا جانا اور یہ اچھا سمجھنا نورِ بصیرت کے ذریعے ہے۔
جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سوا محبت کا مستحق کوئی نہیں، کیونکہ وہی اصل فطرت سے پیدا کرنے والا اور بخشنے والا ہے، پھر وہی دوام، بقاء اور سلامتی کا سبب ہے اور وہی ہر حال میں احسان فرمانے والا اور وہی حسین وجمیل ہے اور ہر حسن و جمال اسی کے وجود سے آشکار ہے۔

پس جو شخص انبیاء کرام علیہم والسلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور آئمۂ عظام سے اخلاقِ جمیلہ کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو تمام بھلائی اسی سے ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے وہ جمال ہے کہ ہر جمال میں اس کا اثر ہے اور تم نے جان لیا کہ ہر خوبصورت اپنی ذات کی وجہ سے محبوب ہوتا ہے اور تم نے یہ بات بھی پہچان لی کہ انسان کی خاصیت صفاتِ حمیدہ سے مزیّن ہونے پر قادر ہونا ہے حتی کہ کہا گیا ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اخلاق اپناؤ، اور انسان کے باطن میں ایک حقیقت ہے جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہی کے مناسب ہے اور دل کے اندر ایک طبیعت ہے جسے نورِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کہا جاتا ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ (پ23 الزمر: 22)

اور یہی وہ طبیعت ہے جس کے ذریعے اپنی قوت کے مطابق جمالِ ربوبیت کا ادراک کیا جاتا ہے۔ جب جمال محبوب ہو تو کیا وجود میں کوئی ایسی شئے ہے جو اس کے فضل و کرم سے عطا ہونے والے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علیہ ہیں (118) جو خانوادۂ سلاطین سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں بے نظیر اور ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے بکثرت مشائخ سے ملاقات کی حضرت ابوعثمان حیری کے تذکرے میں آپ کا مختصر حال مذکور ہے تصوف میں آپ کی کتب وتحریریں مشہور ہیں آپ کو ''مرآۃ الحکما''، یعنی دانشمندوں کا آئینہ کہا جاتا تھا آپ کا کلام بلند ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لاهل الفضل فضل مالم یروہ فاذا رأوہ فلا فضل لهم ولاهل والایة ولایة مالم یروها فاذا رأوها فلا ولا یته لهم صاحب فضیلت کو اس وقت تک فضیلت ہے جب تک کہ اپنی فضیلت کو نہ دیکھے جب اسے دیکھ لیا تو اب اس کی کوئی فضیلت نہیں ایسے ہی صاحب ولایت کے لئے اس وقت تک ولایت ہے جب تک کہ وہ اس کی نظر سے پوشیدہ ہے جب اسے نظر آ گئی تو اب اس کے لئے کوئی ولایت نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ فضیلت ایسی صفت ہے جسے فاضل نہیں دیکھتا اسی طرح ولایت بھی ایسی صفت ہے جسے ولی نہیں دیکھتا جس نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں فاضل ہوں یا ولی ہوں تو وہ نہ فاضل ہے اور نہ ولی۔ (119) آپ کی سیرت کے تذکرے میں مذکور ہے کہ آپ چالیس سال تک نہیں سوئے اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جمال سے زیادہ جلیل، اعلیٰ، اشرف، اعظم اور کامل ہو اور جس قدر اس کا ادراک ہو اسی قدر لذت حاصل ہوگی اور جس قدر لذت حاصل ہوگی اسی قدر اس سے محبت ہوگی۔ (لباب الاحیاء صفحہ ۳۵۰۔۳۵۲)

شرح (118): آپ کا وصال ۲۱۹ ہجری میں ہوا آپ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

شرح (119): انسان کی حیثیت ہی کیا ہے؟

اے بھائیو! انسان کی پیدائش بدبودار نُطفے (یعنی گندے قطرے) سے ہوتی ہے انجام کار سڑا ہوا مُردہ ہے اور اس قدر بے بس ہے کہ اپنی بھوک، پیاس، نیند، خوشی، غم، یاداشت، بیماری یا موت پر اسے کچھ اختیار نہیں، اس لئے اسے چاہیے کہ اپنی اصلیّت، حیثیت اور اوقات کو کبھی فراموش نہ کرے، وہ اس دنیا میں ترقیوں کی منزلیں طے کرتا ہوا کتنے ہی بڑے مقام و مرتبے پر کیوں نہ پہنچ جائے، خالقِ کون و مکاں عَزَّ وَجَلَّ کے سامنے اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، صاحبِ عقل انسان تواضع اور عاجزی کا چلن اختیار کرتا ہے اور یہی چلن اس کو دنیا میں بڑائی عطا کرتا ہے ورنہ اس دنیا میں جب بھی کسی انسان نے فِرعونیت، قارونیت اور نَمرودیت والی راہ پکڑی ہے بسا اوقات اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا ہی میں ایسا ذلیل وخوار کیا ہے کہ اُس کا نام مقامِ تعریف میں نہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوئے تو انہیں خواب میں دیدار الٰہی نصیب ہوا انہوں نے عرض کیا اے خدا! تجھے تو میں بیداری میں تلاش کر رہا تھا مگر تو خواب میں ملا فرمایا اے شاہ! تو نے بے داری کی وجہ ہی سے خواب میں نعمت دیدار پائی ہے اگر تو وہاں سوتا تو یہاں نہ پاتا۔ واللہ اعلم

(۳۹) حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، دلوں کے سرور، بواطن کے نور حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر سادات اہل طریقت میں سے تھے علم طریقت کے حقائق میں آپ کی تصانیف مشہور ہیں اپنی نسبت ارادت، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کرتے تھے ان کے بعد انہوں نے حضرت ابوسعید خراز سے ملاقات کی اور ناجی کی صحبت پائی۔ اصول میں آپ امام وقت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لایقع علی کیفیۃ الوجد عبارۃ لانہ سر اللہ عند المومنین مردانِ خدا کے وجد کی کیفیت عبارت سے ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ حق کا بھید ہے جو مومنوں کے لئے ہے۔

اس لئے کہ جن لفظوں کو مرکب کر کے مفہوم ادا کیا جائے گا وہ حق تعالیٰ کا بھید نہیں ہوگا بندوں کی ہر سعی، تکلف و تصرف پر مبنی ہے اور اسرارِ ربانی اس سے بہت دور ہیں۔ حضرت عمرو جب اصفہان تشریف لائے تو ایک نوجوان آپ کی صحبت میں شامل ہو گیا (120) اس کا باپ ان کی صحبت سے منع کرتا تھا یہاں تک کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بطورِ مذمت لیا جاتا ہے۔ لہٰذا عقل وفہم کا تقاضہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اونچی پرواز کے لئے انسان جیتے جی پیوندِ زمین ہو جائے اور عاجزی وانکساری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے پھر دیکھئے کہ اللہ ربُّ العزت اُس کو کس طرح عزت وعظمت سے نوازتا ہے اور اُسے دنیا میں محبوبیت اور مقبولیت کا وہ اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے جو اُس کے فضل وکرم کے بغیر مل جانا ممکن ہی نہیں ہے۔

شرح (120): اچھے دوست کی ہمنشینی سَعادتِ دارین ہے

ابن ابی الدنیا، بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابونعیم نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی نہیں مرتا مگر اس کے اہلِ مجلس اس پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ (مرنے والا) اہلِ ذکر سے ہوتا ہے تو ذکر والے اور اگر کھیل کود والوں میں سے ہوتا ہے تو کھیل کود والے پیش کیے جاتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء، مجاہد بن جبر، الحدیث: ۴۱۱۵، ج ۳، ص ۳۲۴) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوجوان اس غم میں بیمار پڑ گیا اور عرصہ تک صحبت میں نہ آیا ایک روز حضرت عمرو اپنے رفقاء کے ساتھ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے نوجوان نے اشارہ کیا کہ کسی قوال کو بلا کر چند اشعار سنوا دیجئے چنانچہ قوال بلایا گیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

مالی مرضت فلم یعدنی عاید منکم ویمرض عند کم فاعود

میرا عجب حال ہے کہ میں بیمار ہوتا ہوں تو تم میں سے کوئی میری عیادت کو نہیں آتا اور جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بیمار پرسی کرتا ہوں۔ نوجوان نے جب یہ شعر سنا تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور مرض کی شدت بہت کم ہو گئی وہ کہنے لگا اے قوال اور کوئی شعر سناؤ۔ چنانچہ اس نے پڑھا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیارے بھائیو! اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں نیکوکاروں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے تاکہ جب ہم مرتے وقت اہلِ ذکر کو ملاحظہ کریں تو ہمارے لبوں پر بھی اللہ عزوجل کا ذکر جاری ہو۔

اچھے ہمنشین کی پہچان

حدیث شریف میں ہمیں اچھے دوست کی پہچان بتائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اچھا ہمنشین وہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے اور اس کی گفتگو سے تمہارے عمل میں زیادتی ہو اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔ (الجامع الصغیر، حرف الخاء، الحدیث: ۴۰۶۳، ص ۲۴۷)

اچھے دوست کی ہمنشینی نہ صرف دنیا میں سودمند ہوتی ہے بلکہ قبر میں بھی نیکوکار کی صحبت فائدہ پہنچاتی ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے ابن ابی الدنیا نے قبور میں حضرت عبداللہ بن نافع مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی کہ ایک شخص مدینہ میں انتقال کر گیا تو اسے دفن کر دیا گیا پھر کسی شخص نے اسے خواب میں دیکھا، گویا کہ وہ اہل نار (دوزخ والوں) سے ہے تو اسے اس پر غم ہوا پھر سات یا آٹھ روز کے بعد دوبارہ اسے دیکھا۔ گویا کہ وہ اہلِ جنت سے ہے۔ (خواب دیکھنے والے نے) اس سے (یہ معاملہ) پوچھا تو (مرنے والے نے) کہا کہ ہمارے ساتھ نیکوکاروں میں سے ایک مرد صالح دفن کیا گیا، پس اس نے اپنے پڑوس میں سے چالیس آدمیوں کے لئے سفارش کی، ان (چالیس) میں سے ایک میں بھی تھا۔

(شرح الصدور، باب دفن العبد فی الارض التی خلق منہا، ص ۱۰۲)

ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا: بڑوں کی صحبت میں بیٹھا کرو اور علماء سے باتیں پوچھا کرو اور حکماء سے میل جول رکھو۔ (المعجم الکبیر، الحدیث: ۳۲۴، ج ۲۲، ص ۱۲۵)

واشد من مرضی علی صدودکم وصدود عندکم علی شدید

تمہاری صحبت میں حاضری کی بندش اپنے مرض سے زیادہ سخت ہے اور تمہاری صحبت سے روکنا مجھ پر بہت دشوار ہے۔ یہ سن کر وہ نوجوان کھڑا ہو گیا اور سارا مرض دور ہو گیا یہ دیکھ کر اس کے باپ نے اسے حضرت عمرو کے سپرد کر دیا ان کی طرف سے دل میں جو اندیشہ تھا اس کی معذرت چاہی اور توبہ کی۔ وہ نوجوان مشائخ طریقت میں شامل ہے۔ واللہ اعلم

(۴۰) حضرت سہل بن عبداللہ تستری:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، مالک القلوب، ماحی العیوب حضرت ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو شیخ وقت اور سب کے نزدیک ستودہ صفات تھے (121) آپ صاحب ریاضت شدیدہ اور نیک خصلت تھے (122) اخلاص اور افعال کے عیوب میں آپ کا کلام لطیف ہے۔

شرح (121): آپ کی پیدائش ۲۰۳ ہجری اور وصال ۲۸۳ ہجری میں ہوا۔

شرح (122): بچپن ہی سے ریاضت

حضرت سیِّدُنا سہل تستری علیہ رحمۃ اللہ الولی سے منقول ہے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میری عمر تین سال تھی اور میں رات کو اٹھ کر اپنے ماموں حضرت سیِّدُنا محمد بن محمد بن سوّار علیہ رحمۃ اللہ الوہاب کو خلوت میں نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ ایک دن میرے ماموں نے مجھ سے پوچھا: کیا تو اس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کو یاد نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا؟ میں نے پوچھا: میں اسے کس طرح یاد کروں؟ انہوں نے فرمایا: جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو تین بار زبان کو حرکت دیئے بغیر محض دل میں یہ کلمات کہو: اَللّٰہُ مَعِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرٌ اِلَیَّ، اَللّٰہُ شَاھِدِیْ یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ میرے ساتھ ہے، اللہ عَزَّ وَجَلَّ مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ میرا گواہ ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے چند راتیں یہ کلمات پڑھے پھر انہیں بتایا تو انہوں نے فرمایا: ہر رات سات مرتبہ پڑھو۔ میں نے انہیں پڑھا پھر انہیں بتایا تو انہوں نے فرمایا: ہر رات گیارہ مرتبہ یہ کلمات پڑھو۔ میں نے اسی طرح پڑھا، تو میرے دل میں اس کی لذت پائی گئی، جب ایک سال گزر گیا تو میرے ماموں نے مجھ سے فرمایا: میں نے جو کچھ تمہیں سکھایا ہے اسے یاد رکھو اور قبر میں جانے تک ہمیشہ پڑھتے رہنا، تمہیں دنیا وآخرت میں نفع دے گا۔ میں نے کئی سال تک ایسا کیا تو اپنے اندر اس کا مزہ پایا پھر ایک دن میرے ماموں نے فرمایا: اے سہل! اللہ عَزَّ وَجَلَّ جس شخص کے ساتھ ہو، اسے دیکھتا ہو اور اس کا گواہ ہو، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علماء ظاہر فرماتے ہیں کہ **ھو جمع بین الشریعة والحقیقة** وہ شریعت وحقیقت کے جامع تھے حالانکہ یہ مقولہ بجائے خود خطا کی علامت ہے اس لئے کہ کسی نے شریعت وطریقت میں فرق نہیں کیا ہے کیونکہ شریعت بغیر حقیقت کے نہیں اور حقیقت بغیر شریعت کے نہیں دونوں لازم ملزوم ہیں ممکن ہے اس مقولہ سے ان کی مراد یہ ہو کہ ان کا کلام فہم حقیقت میں بہت آسان اور دلوں میں اثر کرنے والا تھا اللہ تعالیٰ نے جب خود شریعت اور حقیقت کو یکجا فرمایا ہے تو ناممکن ہے کہ کوئی ولی ان میں فرق کرے۔ لامحالہ جو فرق کو جائز رکھتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ایک کو قبول کرے اور دوسرے کو رد کرے حالانکہ شریعت کا رد کرنا الحاد و بے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ اس کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہے؟ گناہ سے بچو۔ میں تنہائی میں یہ ذکر کرتا رہا پھر انہوں نے مجھے مکتب میں بھیجا، تو میں نے عرض کی: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے ذکر میں خلل نہ آجائے۔ چنانچہ انہوں نے استاد صاحب سے یہ شرط مقرر کی، کہ میں ان کے پاس جا کر صرف ایک گھنٹہ پڑھوں گا، پھر لوٹ آؤں گا، میں مکتب جاتا رہا اور قرآن مجید حفظ کرلیا، اسوقت میری عمر چھ، سات سال تھی، میں روزانہ روزہ رکھتا، بارہ سال تک میں جَو کی روٹی کھاتا رہا، تیرہ سال کی عمر میں مجھے ایک مسئلہ پیش آیا، میں نے گھر والوں سے کہا: مجھے بصرہ بھیج دو تاکہ میں وہاں کے علماء سے اس کے بارے میں دریافت کروں لیکن ان میں کسی نے مجھے شافی جواب نہ دیا، پھر میں عبادان کی طرف نکلا۔

میں نے وہاں پر حضرت سیّدنا ابوحبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نامی بزرگ سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے مجھے قابلِ اطمینان جواب دیا، میں ان کے پاس ٹھہر گیا، ان کے کلام سے نفع حاصل کرتا اور آداب سیکھتا رہا، پھر میں تستر کی طرف آگیا، میں نے اپنی روزی کا انتظام یوں کیا کہ میرے لئے ایک درہم کے ایک فِرق (چار کلو) جَو خریدے جاتے، انہیں پیس کر روٹی پکائی جاتی، میں ہر رات سحری کے وقت ایک اوقیہ روٹی کھاتا جو نمک اور سالن کے بغیر ہوتی، چنانچہ ایک درہم مجھے سال بھر کے لئے کافی ہوجاتا پھر میں نے ارادہ کیا، کہ تین دن مسلسل روزہ رکھوں گا، پھر افطار کروں گا پھر پانچ دن، پھر سات دن اور پھر پچیس دن کا مسلسل روزہ رکھا اور بیس سال تک میرا یہی معمول رہا۔ پھر میں زمین میں سیر وسیاحت کے لئے نکلا، پھر تستر واپس لوٹ آیا اور میں ساری رات قیام کرتا تھا۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ جو قوی اور کریم ہے وہی اس کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

(لباب الاحیاء ۲۱۸۔۲۱۹)

دینی ہے اور طریقت کا رد کرنا کفر وشرک ہے [123] اور جو فرق بھی نظر آتا ہے وہ معنی کا فرق نہیں ہے بلکہ اثبات حقیقت کا فرق ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ حقیقہ محمد رسول اللہ شریعة لا الٰہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے اگر کوئی صحت ایمان کی حالت میں ایک کو دوسرے سے جدا کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا اس کی یہ خواہش صحت ایمان کو باطل کرتی ہے حالانکہ پوری شریعت حقیقت کی فرع ہے جس طرح توحید کا اقرار حقیقت کی معرفت ہے اسی طرح فرمان کو بجالانا شریعت کے ہم معنیٰ ہے یہ ظاہر دار لوگ جو انہیں پسند نہ آئے اس کے منکر ہوجاتے ہیں راہ حق کے اصولوں میں سے کسی اصل کا انکار خطرناک ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

ما طلعت الشمس ولا غربت علی اهل وجه الارض الا دهم جهال بالله الا من یوثر الله علی نفسه وروحه و دنیاه وآخرته روئے زمین کے رہنے والوں پر اس حال میں سورج طلوع و غروب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی بے خبری بڑھتی ہی جاتی ہے بجز ان خوش نصیب لوگوں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ پر اور اہل وعیال اور اپنی دنیا وآخرت پر مقدم کررکھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے مقدر کے دامن پر دست اندازی کرتا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے لاعلم ہے کیونکہ اگر اسے معرفت ہوتی تو وہ تدبیر سے کنارہ کش ہوجاتا کیونکہ معرفت تدبیر کے ترک کی مقتضی ہے اور اسی کا دوسرا نام تسلیم ورضا ہے تدبیر کا اثبات تقدیر سے جہالت ونادانی ہے۔واللہ اعلم

شرح (123): جہالت سے بڑھ کر

حضرت سیّدُنا سہل تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہُ فرماتے ہیں جہالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوتی۔آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے پوچھا گیا، کیا آپ کے نزدیک کوئی چیز جہالت سے بھی زیادہ بری ہے، فرمایا، ہاں اور وہ یہ کہ بندے کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہ ہو (اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھدار اور فہیم خیال کرتا رہے)۔ اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے سچ فرمایا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی جہالت سے غافل ہوتا ہے تو سیکھنے کا دروازہ مکمل طور پر بند ہوجاتا ہے بھلا وہ شخص کیا سیکھے گا جو اپنی نظر میں بہت بڑا عالم اور سمجھدار ہو۔

(فیضانِ اِحیاء العلوم صفحہ ۲۲)

(۴۱) حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، مختار اہلِ حرمین، مشائخ کے قرۃ العین حضرت ابو محمد عبد اللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اجلۂ مشائخ میں سے تھے اور اہل عراق و اخراسان کے محبوب تھے (124) حضرت احمد بن حضرویہ کے مرید تھے اور حضرت ابو عثمان حیری کو آپ سے عظیم تعلق خاطر تھا متعصب لوگوں نے اپنے جنون میں آپ کو بلخ سے نکال دیا آپ وہاں سے سمرقند تشریف لے گئے اور وہیں عمر گزار دی۔ آپ کا ارشاد ہے:

اعرف الناس باالله اشدهم مجاهدة فی اوامره واتبعهم بسنة نبيه لوگوں میں سب سے زیادہ عارف وہ ہے جو ادائے شریعت میں کوشاں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا سب سے زیادہ خواہاں ہے۔

کیونکہ جو جتنا زیادہ خدا کے نزدیک ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ ادائے حکم میں حریص ہوگا اور جتنا خدا سے دور ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے کنارہ کش ہوگا۔ آپ کا ارشاد ہے:

عجبت لمن يقطع البوادی والقفار والمغاوز حتی يصل الی بيته وحرمه لان فيه اٰثار انبياءه كيف لايقطع باديته نفسه وهواه حتی يصل الی قلبه لان فيه آثار مولاه میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو جنگل و صحرا اور بیابانوں کو طے کرتا ہوا خدا کے گھر اور حرم تک تو پہنچتا ہے کیونکہ اس میں اس کے نبیوں کے آثار ہیں لیکن وہ اپنے نفس کے جنگل اور اپنی خواہشات کی وادیوں کو طے کر کے اپنے دل تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا کیونکہ دل میں تو اس کے مولیٰ کے آثار ہیں۔

شرح (124): امام جلیل حضرت سیدنا محمد بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دورانِ تعلیم کبھی بازار سے کھانا نہیں کھایا۔ ان کے والد ہر جمعہ کو اپنے گاؤں سے ان کے لئے کھانا لے آتے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ کھانا دینے آئے تو ان کے کمرے میں بازار کی روٹی رکھی دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور اپنے بیٹے سے بات تک نہیں کی۔ صاحبزادے نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی: ابا جان! یہ روٹی بازار سے میں نہیں لایا، میرا رفیق میری رضامندی کے بغیر خرید کر لایا ہے۔ والد صاحب نے یہ سن کر ڈانٹتے ہوئے فرمایا: اگر تمہارے اندر تقویٰ ہوتا تو تمہارے دوست کو کبھی بھی یہ جرأت نہ ہوتی۔ (تعلیم المتعلم طریق التعلم، ص ۶۷)

مطلب یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے (125) وہ اس کعبہ سے بہتر ہے جو خدمت و عبادت کا قبلہ ہے کعبہ وہ ہے جس کی طرف بندہ کی نظر ہے اور دل وہ ہے جس کی طرف حق تعالیٰ خود نظر فرماتا ہے جہاں میرے دوست کا دل ہوگا میں وہاں ہوں گا اور جہاں اس کا حکم ہوگا میری مراد وہاں ہوگی اور جس جگہ میرے نبیوں کے آثار ہیں وہ جگہ میرے دوستوں کا قبلہ ہے۔

(۴۲) حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شیخ باخطر، فانی از صفاتِ بشر حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو فنون علم کے کامل امام اور برگزیدہ شیخ المشائخ تھے آپ کی تصانیف بکثرت ہیں (126) اور ہر کتاب سے آپ کی کرامتیں ظاہر ہیں آپ کی تصانیف میں کتاب ''ختم الولایت''، ''کتاب النہج'' اور ''نوادر الاصول'' زیادہ مشہور ہیں۔ (127) میں آپ کی ہر کتاب پر فریفتہ ہوں میرے شیخ نے فرمایا ہے کہ

شرح (125): دل سارے اعضاء کا بادشاہ ہے اور دیگر اعضاء اس کے لشکر اور تابع ہیں، جب بادشاہ بگڑ جائے تو سارا لشکر بگڑ جاتا ہے، جیسا کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: دل بادشاہ ہے جبکہ دیگر اعضاء اس کے لشکر ہیں، جب بادشاہ اچھا ہو تو فوج بھی اچھی ہوتی ہے اور جب بادشاہ ہی خبیث ہو جائے تو فوج بھی خبیث ہو جاتی ہے۔

لہٰذا جسے ان امراض سے محفوظ دل عطا کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اللہ عزوجل کا شکر ادا کرے اور جو اپنے دل میں ان میں سے کوئی مرض پائے اس پر اس بیماری کے زائل ہو جانے تک اس کا علاج کرنا واجب ہے، اگر وہ اس کا علاج نہ کریگا تو گناہ گار ہوگا اور ان امراض کی موجودگی میں بندہ اسی صورت میں گناہ گار رہتا ہے جب کہ وہ کسی گناہ کی نیت اور ارادہ اپنے دل میں کرے، محض دل میں خیال آنے یا سبقتِ لسانی سے زبان سے نکل جانے سے گناہ گار نہیں ہوتا۔

شرح (126): حضرت محمد حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ زہد وتقویٰ، عالم ربانی اور اچھے خلق کے مالک تھے، آپ کا مذہب علم پر تھا، اسی لئے حکیم الاولیاء کہلائے، آپ کی تصانیف بہت سی ہیں، مگر اکثر فرماتے تھے کہ کبھی ایک جزء اس خواہش سے تصنیف نہیں کیا کہ میرا نام مشہور ہو، بلکہ جب میں تنگ آتا ہوں تو کتاب لکھنے میں مصروف ہو جاتا ہوں۔

شرح (127): نوادرُ الاصول سے ایک روایت پڑھنے کی سعادت حاصل کریں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت محمد بن علی ترمذی ایسے درِّ یتیم ہیں جن کی مثال سارے جہان میں نہیں ہے علوم ظاہری میں بھی آپ کی کتابیں ہیں اور احادیث میں آپ کی سند بہت وقیع ہے آپ نے ایک تفسیر بھی شروع کی تھی مگر آپ کی عمر نے وفا نہ کی جس قدر تحریر فرمائی ہے وہ تمام اہل علم میں مروج ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مصاحبین میں سے کسی ایک خاص مصاحب کو فقہ پڑھائی شہر ترمذ میں آپ کو حکیم ترمذی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس ولایت میں تمام دانشور صوفیاء آپ کی پیروی کرتے تھے آپ کے مناقب بہت ہیں آپ حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں بھی رہے آپ کے مرید حضرت ابوبکر وراق بیان کرتے ہیں کہ ہر اتوار کو حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آتے اور ایک دوسرے سے واقعات و حالات دریافت کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اَبدال

حضرتِ سیِّدُنا امام محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضرتِ سیِّدُنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مَروی ہے، بے شک انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام زمین کے اَوتاد تھے جب سلسلۂ نُبُوَّت ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم میں سے ایک قوم کو اُن کا نائب بنایا جنہیں اَبدال کہتے ہیں، وہ حضرات (فَقَط) روزہ و نماز اور تسبیح و تقدیس میں کثرت کی وجہ سے لوگوں سے افضل نہیں ہوئے بلکہ اپنے حُسنِ اَخلاق، وَرع و تقویٰ کی سچّائی، نیّت کی اچھائی، تمام مسلمانوں سے اپنے سینے کی سلامتی، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رضا کے لیے حِلم، صَبر اور دانشمندی، بغیر کمزوری کے عاجزی اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے افضل ہوئے ہیں۔ پس وہ انبیاء عَلَیْہِم الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے نائب ہیں۔ وہ ایسی قوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ذاتِ پاک کے لئے مُنتخب اور اپنے عِلم اور رِضا کے لئے خاص کرلیا ہے۔ وہ 40 صِدّیق ہیں، جن میں سے 30 رحمٰن عَزَّ وَجَلَّ کے خلیل حضرتِ سیِّدُنا ابراہیم علیٰ نَبِیِّنا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے یقین کی مِثل ہیں۔ ان کے ذَرِیعے (وسیلے) سے اَہلِ زمین سے بلائیں اور لوگوں سے مصیبتیں دُور ہوتی ہیں ان کے ذَرِیعے سے ہی بارِش ہوتی اور رِزق دیا جاتا ہے ان میں سے کوئی اُسی وَقت فوت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کی جانشینی کیلئے کسی کو پروانہ دے چکا ہوتا ہے۔ وہ کسی پر لعنت نہیں بھیجتے، اپنے ماتحتوں کو اَذِیَّت نہیں دیتے، اُن پر دست درازی نہیں کرتے، اُنہیں حقیر نہیں جانتے، خود پر فوقیت رکھنے والوں سے حسد نہیں کرتے، دنیا کی حِرص نہیں کرتے، دِکھاوے کی خاموشی اختیار نہیں کرتے، تکبُّر نہیں کرتے اور دکھاوے کی عاجزی بھی نہیں کرتے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

من جهل باوصاف العبوديته يكون اجهل باوصاف الربوبيّة ومن لم يعرف طريق معرفة النفس لم يعرف طريق معرفته الرب بان الظاهر متعلق بالباطن والتعلق بالظاهر بلاباطن محال ودعوى الباطن بلا ظاهر محال فمعرفته اوصاف الربوبية فى الصحيح اركان العبوديته ولايصح ذالك الا بالادب جو شخص علم شریعت اور اوصافِ عبودیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ بات کرنے میں تمام لوگوں سے اچھے اور نفس کے اعتبار سے زیادہ پرہیز گار ہیں، سخاوت ان کی فطرت میں شامل ہے، اَسلاف نے جن (نامناسب) چیزوں کو چھوڑا اُن سے محفوظ رہنا ان کی صِفَت ہے اُن کی یہ صِفَت جدا نہیں ہوتی کہ آج خشیَّت کی حالت میں ہوں اور کل غفلت میں پڑے ہوں بلکہ وہ اپنے حال پر ہمیشگی اِختیار کرتے ہیں، وہ اپنے اور اپنے ربّ عَزَّ وَجَلَّ کے درمیان ایک خاص تعلُّق رکھتے ہیں، انھیں آندھی والی ہوا اور بے باک گھوڑے نہیں پہنچ سکتے، اُن کے دل اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی خوشی (رِضا) اور شوق میں آسمان کی طرف بُلند ہوتے ہیں پھر (پارہ اٹھائیسواں سورۃُ المُجَادَلَۃ کی) آیت (نمبر ۲۲) تِلاوت فرمائی: اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (ترجَمہ کنزالایمان: یہ اللہ عزوجل کی جماعت ہے، سُنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے) راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جو کچھ آپ نے بیان فرمایا اس میں کون سی بات مجھ پر بھاری ہے؟ مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ میں نے اُسے پالیا؟ فرمایا: آپ اِس کے درمیانے دَرَجے میں اُس وَقت پہنچیں گے جب دُنیا سے بُغض رکھیں گے اور جب دنیا سے بُغض رکھیں گے تو آخرت کی مَحبَّت اپنے قریب پائیں گے اور آپ جتنا دُنیا سے زُہد (بے رغبتی) اِختیار کریں گے اُتنا ہی آپ کو آخرت سے مَحبَّت ہوگی اور جتنا آپ آخرت سے مَحبَّت کریں گے اُتنا ہی اپنے نَفع اور نقصان والی چیزوں کو دیکھیں گے۔ (مزید فرمایا) جس بندے کی سچی طلب علمِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں ہوتی ہے اس کو قول وفعل کی دُرُستی عطا فرما دیتا اور اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ اس کی تصدیق اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی کتاب (قرآنِ مجید) میں موجود ہے پھر (پارہ چودھواں سورۃُ النَّحل کی) یہ آیت (نمبر ۱۲۸) تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۝

(ترجَمہ کنزالایمان: بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔ (پ ۱۴ النحل ۱۲۸) (مزید فرمایا) جب ہم نے اس (قرآنِ مجید) میں دیکھا تو یہ پایا کہ اللہ تعالیٰ کی مَحبَّت اور اس کی رِضا کی طلب سے زیادہ لذّت کسی شے میں حاصل نہیں ہوتی (نوادرُ الاصول لِلحکیم الترمذی ص ۱۶۸)

سے ناواقف ہے وہ اوصافِ ربوبیت سے تو اور بھی زیادہ بے خبر ہوگا اور جو ظاہر میں معرفتِ نفس کی راہ سے بے خبر ہے وہ معرفت رب کی راہ یعنی طریقت سے بھی بے خبر ہوگا کیونکہ ظاہر باطن کے ساتھ مربوط ہے اور ظاہری تعلق بغیر باطن کے محال ہے نیز بغیر ظاہر کے باطن کا دعوٰی بھی باطل ہے لہٰذا اوصاف ربوبیت کی معرفت، ارکانِ عبودیت و بندگی کی صحت پر منحصر ہے اور یہ بات صحتِ ادب اور احکامِ شریعت کی پابندی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۴۳) حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شرفِ زہادِ امت، مزکی اہل صفوت، حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر و زہاد مشائخ میں سے تھے آپ نے حضرت احمد بن خضرویہ سے ملاقات کی اور حضرت محمد بن علی ترمذی کی صحبت پائی ہے۔ آداب و معاملات میں آپ کی تصانیف بکثرت ہیں مشائخ عظام آپ کو ''مؤدب الاولیاء'' کہتے ہیں۔ (128)

حکایت:

آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ حضرت محمد بن علی ترمذی نے چند اوراق مجھے دیئے تھے کہ میں انہیں

شرح (128): محبت کی حقیقت:

حضرتِ سیّدُنا ابوبکر وراق علیہ رحمۃ اللہ الرزاق فرماتے ہیں کہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محب ہر وقت محبوب کا دیدار کرتا رہے کیونکہ غیر میں مشغول ہونا محبت کے لئے حجاب ہے۔ محبت کی اصل کامل اتباع اور یقین ہے۔ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو جنت میں پرہیزگاروں کے درجے میں پہنچا دیتی ہیں۔

اشعار:

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَاَطْلُبُ اَنْ اَنَالَ بِهِمْ شَفَاعَهْ

وَاَكْرَهُ مَنْ بِضَاعَتُهُ الْمَعَاصِيْ وَلَوْكُنَّا سَوَاءً فِي الْبِضَاعَةْ

ترجمہ: (ا) میں نیک لوگوں (اولیاء) سے محبت کرتا ہوں حالانکہ میں ان میں سے نہیں، اور ان لوگوں کے مرتبہ تک پہنچنے کے لئے سفارش کا طلب گار ہوں۔

(۲) میں اسے ناپسند کرتا ہوں جس کا سرمایۂ حیات گناہ ہوں، اگرچہ ہم اس سرمایہ (گناہ) میں برابر ہیں۔

(بحرُ الدُّموع صفحہ ۱۶۴)

دریائے جیحون (129) میں ڈال دوں لیکن میرا دل ان کے دریا برد کرنے پر راضی نہ ہوا میں نے ان اوراق کو اپنے گھر رکھ لیا اور حاضر ہو کر کہہ دیا کہ میں نے دریا میں ڈال دیا ہے آپ نے فرمایا تم نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ فرمایا تو پھر تم نے انہیں دریا برد نہیں کیا جاؤ انہیں دریا برد کر کے آؤ چنانچہ میں گیا اس وقت دل میں کئی قسم کے وسوسے لاحق ہو رہے تھے بالآخر ان اوراق کو دریا میں ڈال دیا۔ دریا کا پانی اسی لمحہ چھٹا اور ایک صندوق نمودار ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا وہ اوراق اس صندوق میں چلے گئے پھر اس کا ڈھکنا بند ہو گیا اور پانی برابر ہو کر صندوق روپوش ہو گیا واپس آ کر انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا آپ نے فرمایا ہاں اب تم نے ڈالا ہے۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ کیا اسرار ہیں مجھ پر ظاہر فرمایئے۔؟ آپ نے فرمایا میں نے اصول تحقیق میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا سمجھنا دشوار تھا میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے اسے مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کو مامور فرمایا کہ وہ ان تک پہنچا دے۔ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

الناس ثلثة العلماء والامراء والفقراء فاذا فسد العلماء فسد الطاعة والشريعة

شرح (129): کرخہ صوبہ خوزستان میں واقع ہے اس کا رقبہ 3000 ہیکٹر ہے جہاں بے شمار پرندے، جانور، سانپ اور ممالیہ جاندار پائے جاتے ہیں۔ یہ علاقہ بین النہرین کہلاتا ہے۔ اس میں بہنے والے دریا کرخہ کو جیحون دریا بھی کہا جاتا ہے۔ ایرانی حکومت نے اس علاقہ کو حفاظت یافتہ علاقہ قرار دیا ہوا ہے۔ دریائے جیحون کا تذکرہ بائبل کی کتاب دانیال میں بھی ملتا ہے۔ اس علاقے میں انسان 3000 سال قبل پہنچا تھا۔ عیلامی ثقافت بھی اسی علاقے میں پروان چڑھی آج بھی احرام زیگورت کے کھنڈرات اس جنگل کے کنارے پائے جاتے ہیں۔ اس معبد کو چغازنبیل بھی کہا جاتا ہے یہ احرام نما عمارت کثیر منزلہ تھی مگر اب اس کی چند منزلیں ہی باقی بچی ہیں۔۔ دریائے جیحون بالآخر فرات سے پہلے دجلہ میں مل جاتا ہے۔ دریائے کرخہ یا دریائے جیحون زغروس کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور اسکی حیثیت ایک حدسی دریا کی سی ہے۔ بین النہرین کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ دریائے کرخہ چند میل شوش کے مغرب میں بہنے کے بعد ایک دوسرا بڑا دریا جو کہ شوش کے بالکل مغرب میں اس دریائے کرخہ کے متوازی بہتا تھا اور سیلاب کے ایام میں دونوں دریاؤں کے مابین خالی علاقہ زیر آب آ جاتا تھا۔ تاہم ان تاریخی جغرافیائی تغیرات کے بارے میں کوئی سند موجود نہیں کہ یہ تبدیلیاں کب رونما ہوئیں۔ مگر عیلامی تہذیب اب صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہے۔

واذا فسد الامراء فسد المعاش واذا فسد الفقراء فسد الاخلاق لوگ تین طرح کے ہیں، علماء، امراء اور فقراء جب علماء خراب ہو جاتے ہیں تو خلق کے طاعت و احکام تباہ ہو جاتے ہیں اور جب امراء خراب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کی معیشت تباہ اور برباد ہو جاتی ہے اور جب فقراء خراب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کے اخلاق برباد ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا امراء سلاطین کی خرابی ظلم و ستم، علماء کی حرص و طمع کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور فقراء کی خرابی جاہ و منصب کی خواہش میں رونما ہوتی ہے جب تک امراء و سلاطین علماء سے منہ نہ موڑیں تباہ و برباد نہیں ہوتے اور جب تک علماء بادشاہوں کی صحبت سے اجتناب کریں تباہ و خراب نہیں ہوتے اور جب تک فقراء میں جاہ و حشم کی خواہش پیدا نہیں ہوتی تباہ و خراب نہیں ہوتے اس لئے کہ بادشاہوں کا ظلم، بے علمی کی وجہ سے، علماء میں طمع بد دیانتی کی وجہ سے اور فقراء میں جاہ و حشم کی خواہش بے توکلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا بے علم بادشاہ، بد دیانت عالم اور بے توکل فقیر بہت برے ہوتے ہیں لوگوں میں خرابیوں کا ظہور اور برائیوں کا صدور ان ہی تینوں گروہوں سے رونما ہوتا ہے۔ (130)

(۴۴) حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خرازی رحمۃ اللہ علیہ: (131)

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ، سفینۂ توکل و رضا، سالک طریق فنا حضرت ابوسعید احمد

شرح (130): خوفِ خدا عزوجل:

اُخروی کامیابی کے حصول کے لئے ہمارے دل میں خوفِ خدا عزوجل کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ جب تک یہ نعمت حاصل نہ ہو، گناہوں سے فرار اور نیکیوں سے پیار تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے لئے اپنی اولاد کو ان کے جسم وجاں کی ناتوانی کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈراتے رہیے۔ ہمارے اکابرین علیھم رحمۃ اللہ المتین کی اولاد بھی خوفِ خدا عزوجل کا پیکر ہوا کرتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدنی منّے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے:

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۝

ترجمہ کنز الایمان: اس دن سے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ (پ ۲۹، المزمل: ۱۷) تو خوفِ الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ دم توڑ دیا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ذکر ابوبکر وراق ج ۲، ص ۸۷)

شرح (131): آپ کا وصال ۲۷۷ ہجری میں ہوا۔

بن عیسیٰ خرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (132) جو احوال مریداں کی زبان اور طالبان اوقات کی برہان تھے۔ سب سے پہلے جس نے طریق بقا و فنا کی تعریف لفظوں میں کی وہ آپ ہی تھے آپ کے مناقب، عمدہ ریاضتیں اور اس کے نکتے مشہور ہیں ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں آپ کا کلام اور آپ کے رموز و اشارات بلند ہیں (133) حضرت ذوالنون مصری، بشر حافی اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہا کی صحبت اٹھائی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

جبلت القلوب علی حب من احسن الیها قال و عجبا لمن لم یر محسنا غیر الله کیف لا یمیل بکلیته الی الله اللہ تعالیٰ نے دلوں کو اس خاصیت پر پیدا فرمایا ہے کہ جو اس پر احسان کرتا ہے اس کا دل محبت کے ساتھ اس کی طرف مائل ہوتا ہے مجھے ایسے دل پر تعجب ہوتا ہے جو یہ دیکھنے کے باوجود کہ

شرح (132): حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یہ اکابر اولیاء میں سے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں ابلیس کو دیکھا تو اس کو مارنے کے لیے اپنی لاٹھی اٹھائی مگر وہ بالکل خوفزدہ نہیں ہوا تو اس وقت ایک غیبی آواز میں نے سنی کہ اے ابو سعید خراز! یہ ابلیس ہے یہ لاٹھی ڈنڈے سے نہیں ڈرتا ہے یہ تو بس اس شخص سے کانپتا ہے اور لرزتا ہے جس کے قلب میں ایمان کا نور ہوتا ہے، اور ابو سعید خراز نے یہ بھی فرمایا کہ میں دمشق میں تھا تو میں نے یہ خواب دیکھا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاندھوں پر ٹیک لگائے تشریف لائے اور میں اس وقت کوئی راگ گا رہا تھا اور سینہ کوٹ رہا تھا تو حضور نے فرمایا کہ اے ابو سعید! اس کا شر اس کے خیر سے بڑھ کر ہے۔ (احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت و مابعدہ، الباب الثامن، بیان منامات المشائخ، ج ۵، ص ۲۶۵)

شرح (133): مثلاً ایک فقیر حضرت سیّدُنا ابو سعید خراز (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کی خدمت کیا کرتا اور ان کے اعمال میں مدد کرتا ایک دن حضرت سیّدُنا ابو سعید (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے حرکات کے سلسلے میں اخلاص کا ذکر کیا تو فقیر ہر حرکت میں دل کی نگرانی کرنے لگا اور اخلاص کو تلاش کرتا۔ چنانچہ اس کیلئے حاجات کی تکمیل بھی مشکل ہو گئی جس سے شیخ کو نقصان ہوا انہوں نے فقیر سے پوچھا کام کیوں نہیں کرتے تو اس نے بتایا کہ میں نفس سے حقیقت اخلاص طلب کرتا ہوں اور میرا نفس اخلاص سے عاجز ہے لہٰذا میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ حضرت سیّدُنا ابو سعید (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے فرمایا اس طرح نہ کرو کیوں کہ اخلاص عمل کو ختم نہیں کرتا لہٰذا ہمیشہ عمل کرو اور اخلاص کی کوشش کرو میں نے تم سے یہ نہیں کہا ہے کہ عمل چھوڑ دو میں نے تو صرف یہ کہا کہ عمل میں اخلاص پیدا کرو۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی احسان کرنے والا نہیں مگر وہ خلوص دل سے خدا کی طرف مائل نہیں ہوتا

حقیقت یہ ہے کہ وہی احسان کرتا ہے جو ایمانوں یعنی جانوں کا حقیقی مالک ہو احسان کی تعریف یہ ہے کہ صاحب احتیاج کے ساتھ بھلائی کی جائے اور جو خود دوسرے کا احسان مند ہے وہ بھلا کسی دوسرے پر کیا احسان کرے گا؟ چونکہ حقیقی ملکیت اور حقیقی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اسی ہی کی ذات ایسی ہے جو کسی دوسرے کے احسان سے بے نیاز ہے جب بندگانِ خدا منعم و محسن کے انعام و احسان کے اس معنی کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں تو ان کے قلوب صافیہ مکمل طور پر اسی کی محبت میں غرق ہو جاتے ہیں اور وہ ہر غیر سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ (134)

شرح (134): انوکھی ضیافت

حضرت سیدنا ابوسعید خراز علیہ رحمۃ اللہ الوھاب فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک متقی و پرہیز گار دوست کے ساتھ مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفا و تعظیما) میں قیام کیا۔ ہم تین دن وہاں رہے۔ ہم نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اپنی جھونپڑی میں رہتا ہے، اس کے پاس صرف ایک ڈول تھا جو ٹاٹ کے رومال سے ڈھکا رہتا۔ وہ فقیر عمدہ آٹے کی سفید روٹی کھاتا تھا۔ ہم حیران تھے کہ نہ جانے یہ روٹی اس کے پاس کہاں سے آتی ہے۔ مسلسل تین دن سے ہم نے کوئی شئے نہ کھائی تھی۔ میں نے دل میں کہا: خدا عزوجل کی قسم! آج میں اس فقیر سے کہوں گا کہ آج رات ہم آپ کے ہاں بطور مہمان ٹھہریں گے، چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور کہا: آج رات ہم آپ کے مہمان ہیں۔ اس نے کہا: خوش آمدید! یہ تو میرے لئے سعادت کی بات ہے۔ چنانچہ ہم دونوں دوست اس کی جھونپڑی میں آگئے۔ عشاء کے وقت تک میں اسے دیکھتا رہا لیکن اس کے پاس میں نے کوئی شئے ایسی نہ دیکھی جس سے وہ ہماری ضیافت کرتا۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو اس نے مجھے پکڑا دی۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ بہترین قسم کے دو درہم تھے۔ چنانچہ ہم نے کھانا خریدا اور کھا کر اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا۔ کچھ دنوں بعد میری اس فقیر سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ میں نے سلام کیا اور پوچھا: جس رات ہم آپ کے ہاں ٹھہرے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں اچانک دو درہم آگئے تھے اور یہ بہت حیران کن بات تھی ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کیا راز ہے؟ اگر کسی عملِ صالح کے ذریعے آپ کو یہ کرامت ملی ہے تو وہ عمل مجھے بھی بتائیے؟ فقیر نے کہا: اے ابوسعید! وہ کوئی بڑا عمل نہیں، صرف ایک حرف ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ فقیر نے جواب دیا: اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دے اور خالق عزوجل کی محبت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴۵) حضرت علی بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شاہ محققان دل مریداں حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی بن محمد جو اکابر مشائخ میں سے تھے اور ان سے حضرت جنید بغدادی کی لطیف مکاتبت ہوئی اور عمرو بن عثمان مکی ان کی زیارت کو اصفہان تشریف لے گئے۔ وہ ابوتراب کے مصاحب، حضرت جنید کے رفیق خاص تھے۔ واللہ اعلم۔ غرض یہ کہ آپ ممدوح مشائخ، رضا و ریاضت سے آراستہ اور فتنہ و آفت سے محفوظ تھے حقائق و معاملہ میں عمدہ زبان اور دقائق و اشارات میں لطیف بیان کے حامل تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

الحضور افضل من الیقین لان الحضور وطنات والیقین خطرات بارگاہ قدسی مین حضوری یقین سے افضل ہے اس لئے حضور دل میں جاگزیں ہوتا ہے اس میں غفلت جائز نہیں اور یقین میں خطرے ہیں کبھی ہو کبھی نہ ہو۔

لہٰذا حاضر رہنے والے حضور میں رہتے ہیں اور یقین کرنے والے چوکھٹ پر، نیز آپ کا ارشاد ہے کہ:

من وقت آدم الی قیام الساعت الناس یقولون القلب القلب وانا احب ان اری رجلا یصف القلب ویقول ایش القلب او کیف القلب فلا اریٰ آدم علیہ السلام سے قیامت تک لوگ یہی کہتے رہے اور کہتے رہیں گے کہ ہائے دل، ہائے دل، لیکن میں ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرتا ہوں جو یہ کہے کہ دل کیا ہے یا دل کیسا ہوتا ہے لیکن میں نے ایسا شخص ابھی تک نہیں دیکھا۔

عام لوگ گوشت کے لوتھڑے کو دل کہتے ہیں وہ تو پاگلوں، دیوانوں اور بچوں میں بھی ہوتا ہے اگر وہ دل نہیں ہے؟ تو پھر دل کیا ہے جسے بجز لفظوں کے نہیں سنتا یعنی اگر عقل کو دل کہیں تو وہ دل نہیں ہے اور اگر روح کو دل کہیں تو وہ بھی دل نہیں ہے اگر علم کو دل کہیں تو وہ بھی نہیں مطلب یہ ہے کہ شواہد حق کا قیام جس دل سے کیا جاتا ہے وہ لفظ و بیان میں تو ہے لیکن ظاہر میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ (135)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دل میں بٹھالے ان شاء اللہ عزوجل تیری تمام حاجتیں پوری ہو جائیں گی۔ (عُیُونُ الحِکَایات صفحہ ۴۰۱)

شرح (135): احکامِ دل کا بیان

پیارے بھائی! کسی بھی دل کی چار حالتیں ہوتی ہیں:

(1) بلندی (2) کشادگی (3) پستی (4) سختی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴۶) حضرت ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النسار رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شیخ اہل تسلیم، طریق محبت میں مستقیم حضرت ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے زمانہ میں بزرگانِ مشائخ میں سے اور معاملات میں عمدہ زبان اور مہذب بیان رکھتے تھے طویل عمر پائی حضرت شبلی اور حضرت ابراہیم خواص رحمہا اللہ نے آپ کی مجلس میں توبہ کی اور حضرت شبلی کو حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں احترام وعزت کے ساتھ بھیج دیا۔

آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے حضرت ابوالحسن نوری کے ہم زمانہ اور حضرت جنید بغدادی کے نزدیک قابل احترام شخص تھے حضرت ابوحمزہ نے آپ کی خیر خواہی کی آپ کو خیر النساج کہنے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پس..... دل کی بلندی ذکرُ اللہ عزوجل میں ہے،

اس کی کشادگی رضائے الٰہی عزوجل پالینے میں ہے،

اس کی پستی غیر اللہ عزوجل میں مشغول ہونے میں ہے اور

اس کی سختی یادِ الٰہی عزوجل سے غافل ہوجانے میں ہے۔

دل کی بلندی کی تین علامات ہیں:

(1) اطاعتِ الٰہی عزوجل میں دل کی موافقت کا پایا جانا،

(2) احکامِ شرع کو پورا کرنے میں دل کی طرف سے مخالفت کا نہ ہونا،.... اور

(3) دل میں عبادت کے شوق کا مستقل ہونا۔

دل کی کشادگی کی علامات بھی تین ہیں:

(i) توکل (ii) صدق (iii) یقین۔

دل کی پستی کی نشانیاں بھی تین ہیں:

(۱) خود پسندی، (۲) دکھاوا، (۳) دنیا کی حرص۔

دل کی سختی کی بھی تین علامات ہیں:

(1) دل سے لذتِ عبادت کا جاتے رہنا،......

(2) دل میں نافرمانی کی کڑواہٹ کا محسوس نہ ہونا،...... اور

(3) حلال کو بلا دلیل مشکوک سمجھنا۔ (منہاج العارفین صفحہ ۱۰۔۱۲)

وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی جائے ولادت سامرّہ سے بارادۂ حج روانہ ہوئے جب کوفہ سے گزر ہوا تو شہر پناہ کی دیوار پر ایک ریشم بننے والے نے آپ کو پکڑ لیا اور کہنے لگا تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے آپ نے اس معاملہ میں قضا و قدر کا ہاتھ دیکھا تو اس سے تعرض نہ کیا یہاں تک کہ سالہا سال اس کے ساتھ کام کرتے رہے جب بھی وہ پکارتا کہ اے خیر! تو جواب دیتے کہ حاضر ہوں حتیٰ کہ وہ شخص اپنے کئے پر شرمسار ہوا اور آپ سے کہنے لگا کہ میں نے غلطی کی ہے تم میرے غلام نہیں ہو اب تم جاؤ پھر آپ وہاں سے چل کر مکہ مکرمہ آئے اور اس درجہ و مقام تک رسائی پائی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''خیر خیرنا'' ہمارا خیر بہت اچھا ہے۔ آپ اسے پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو خیرؔ سے پکاریں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک مسلمان نے میرا نام خیر رکھا میں اسے بدل دوں۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شام کی نماز کا وقت تھا جب موت کی بے ہوشی میں آنکھ کھولی تو ملک الموت کے سوا کچھ نظر نہ آیا اس وقت آپ نے کہا:

قف عافك الله فانما انت عبد مامور وانا عبد مامور وامرت به لا يفوتك وما امرت به فهو شيئى يفوتني فدعني امضي فيما امرت به ثم امضي بما امرت به اے ملک الموت خدا تیرا بھلا کرے ذرا ٹھہر جا تو بھی بندہ فرمانبردار ہے اور میں بھی بندہ فرمانبردار ہوں تجھے جو حکم دیا گیا ہے تو اسے ترک نہیں کر سکتا یعنی تم روح ضرور قبض کرو گے اور جو حکم مجھے دیا گیا ہے۔ میں بھی اسے نہیں چھوڑ سکتا یعنی شام کی نماز ضرور ادا کروں گا لہٰذا تم مجھے اتنی مہلت دو کہ فرمانِ الٰہی بجالاؤں پھر میں تمہیں اجازت دے دوں گا کہ تم بھی خدا کا حکم بجالاؤ۔

اس کے بعد آپ نے پانی طلب فرمایا وضو کر کے نماز ادا کی اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی اسی رات لوگوں نے خواب میں آپ کو دیکھا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو آپ نے فرمایا: **لاتسألني عن هٰذا ولكن استرحت من دينا كم** یہ بات مجھ سے نہ پوچھو کیونکہ میں نے تمہاری دنیا سے رہائی پائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

شرح الله صدور المتقين بنور اليقين و كشف بصائر المومنين بنور حقائق الايمان اللہ نے متقیوں کے سینہ کو نور یقین سے بھر دیا ہے اور مسلمان کی آنکھوں کو حقائق ایمان کے نور سے منور فرما دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ متقیوں کے لئے یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں ان کا دل نورِ یقین کے لئے کھولا گیا ہے اور مومن کو ایمان کے حقائق کے سوا کوئی چارہ نہیں ان کی عقلوں کی بصیرتوں کو نورِ ایمان سے روشن کر دیا گیا ہے لہٰذا جہاں ایمان ہوگا یقین ہوگا اور جہاں یقین ہوگا تقویٰ بھی ہوگا کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب اور ایک دوسرے کے تابع ہیں۔

(۴۷) حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، داعی عصر، یگانۂ دہر، حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو خراسان کے قدماء مشائخ میں سے ہیں (136) آپ نے حضرت ابوتراب کی صحبت پائی اور حضرت خراز سے ملاقات کی توکل پر آپ کو کامل اعتماد و ایقان تھا۔

حکایت:

ایک دن کا واقعہ ہے آپ جا رہے تھے کہ اچانک کنویں میں گر پڑے تین دن کے بعد ایک قافلہ ادھر سے گزرا اور کنویں کے کنارے اس نے پڑاؤ کیا۔ آپ نے دل میں خیال کیا کہ اہل قافلہ کو مدد کے لئے پکاریں یا نہیں؟ پھر خیال گزرا کہ آواز دینا اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ غیر خدا سے مدد چاہنا ہوگا اور اس کی شکایت بھی گویا میں یہ کہوں گا کہ خدا نے تو مجھے کنویں میں ڈالا اب تم مجھے یہاں سے آ کر نکال لو (137) اتنے میں

شرح (136): آپ کا وصال ۲۹۰ ہجری میں ہوا۔

شرح (137): اگر یہاں کوئی بے عقل دلیل پکڑے اور کہے کہ جو خدا کے سوا کسی کو مددگار سمجھے وہ مشرک اور کافر ہے تو نقل و عقل دونوں کے خلاف ہے نقل کے تو اس لئے کہ خود قرآن میں اللہ کے بندوں کے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۝

خداوندا ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ولی اور مددگار مقرر فرما دے۔ (پ5، النسآء: 75)

فرماتا ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۝

پس اپنے نبی کا مددگار اللہ اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔ (پ28 التحریم: 4)

فرماتا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قافلہ والے خود کنویں پر آ گئے اور کنویں میں جھانک کر کہنے لگے یہ کنواں سر راہ واقع ہے نہ کوئی روک اس پر ہے نہ مڈیر وغیرہ ایسا نہ ہو کہ کوئی راہ گزر اس میں گر پڑے آؤ مل کر اس پر چھت ڈال دیں اور اس کا دہانہ بند کر دیں تا کہ اس میں کوئی گر نہ پڑے اور اس عمل خیر کا اجر خدا سے حاصل کریں۔ حضرت ابوحمزہ فرماتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ O

تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومن بندے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔ (پ6، المائدۃ:55)

فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے ولی ہیں۔ (پ10 التوبۃ:71)

اس قسم کی بہت آیات ملیں گی۔

عقل کے خلاف اس لئے ہے کہ دنیا و دین کا قیام ایک دوسرے کی مدد پر ہی ہے، اگر امداد باہمی بند ہو جائے تو نہ دنیا آباد رہے نہ دین۔ پھر ایسی ضروری چیز کو رب شرک کیسے فرما سکتا ہے۔ آؤ اب اس ممانعت کی تفسیر قرآن کریم سے پوچھیں، جب قرآن کریم کی تحقیق کی تو پتا لگا کہ کسی کو ولی ماننا چار طرح کا ہے جن میں سے تین قسم کا ولی ماننا تو کفر و شرک ہے اور چوتھی قسم کا ولی ماننا عین ایمان ہے۔

(ا) رب تعالیٰ کو کمزور جان کر کسی اور کو مددگار ماننا یعنی رب ہماری مدد نہیں کر سکتا ہے لہٰذا فلاں مددگار رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا O

اور نہیں ہے اللہ کا کوئی ولی کمزوری کی بنا پر اور اس کی بڑائی بولو۔ (پ15 بنی اسرآءیل:111)

(۲) خدا کے مقابل کسی کو مددگار جاننا یعنی رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے اور ولی بچالے۔ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ

یہ کفار خدا کو عاجز نہیں کر سکتے زمین میں اور نہ کوئی خدا کے مقابل ان کا ولی مددگار ہے۔ (پ12 ہود:20)

رب تعالیٰ فرماتا ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں کہ ان کی یہ باتیں سن کر مجھ گھبراہٹ طاری ہوگئی اور میں اپنی زندگی سے ناامید ہوگیا قافلہ والوں نے کنویں پر چھت ڈالی اور دہانہ بند کر کے زمین ہموار کی اور چلے گئے میں خدا سے دعا مانگنے لگا موت کے تصور سے میرا دل بیٹھنے لگا چونکہ اب کسی مخلوق کی مدد پہنچنے کا امکان ہی نہیں تھا چنانچہ جب رات ہوئی تو میں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ O

خبردار! کفار ہمیشہ کے عذاب میں ہیں۔ (پ25 الشوریٰ:45)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اور ان کا کوئی ولی نہ ہوگا جو اللہ کے مقابل ان کی مدد کرے۔ (پ25 الشوری:46)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا O

فرمادو! کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر مہر فرمانا چاہے اور وہ اللہ کے مقابل کوئی ولی نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ (پ21 الاحزاب:17)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا O

اور جس پر خدا لعنت کردے اس کا مددگار کوئی نہیں۔ (پ5، النسآء:52)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

جسے اللہ گمراہ کردے اس کے بعد اس کا کوئی ولی نہیں۔ (پ25 الشوری:44)

ان آیات میں خدا کے مقابل ولی، مددگار کا انکار کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی آیات ہیں جن میں ولی کے یہ معنی ہیں۔

(۳) کسی کو مددگار سمجھ کر پوجنا یعنی ولی بمعنی معبود۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیکھا کہ چھت میں جنبش پیدا ہوئی جب غور سے دیکھا تو نظر آیا کہ کوئی چیز دہانہ کے سر کو کھول رہی ہے اور اژدہے کی مانند کوئی بہت بڑا جانور اپنی دم کنویں میں لٹکا رہا ہے اس وقت مجھے یقین ہوا کہ یہ میری نجات کا ذریعہ ہے اور یہ حق تعالیٰ کی فرستادہ ہے میں نے اس جانور کی دم پکڑ لی اور اس نے مجھے کھینچ کر باہر نکال لیا اس وقت غیب سے آواز آئی اے ابا حمزہ! کیسی اچھی تمہاری نجات ہے کہ جان لینے والے کے ذریعہ تمہاری جان کو نجات دلائی گئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ

اور جنہوں نے رب کے سوا اور ولی بنائے کہتے ہیں ہم تو انہیں نہیں پوجتے مگر اس لئے کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کر دیں۔ (پ23 الزمر:3)

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ (پ19 الفرقان:68)

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے اس لئے اس کے ساتھ عبادت کا ذکر ہے۔ یہ تین طرح کا ولی ماننا کفر و شرک ہے اور ایسا ولی ماننے والا مشرک و مرتد ہے چوتھی قسم کا ولی وہ کہ کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اللہ کے حکم سے اسے مددگار مانا جائے اور اس کی مدد کو رب تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھا جاوے یہ بالکل حق ہے جس کی آیات ابھی گزر چکیں۔

ان آیات نے تفسیر کر دی کہ ممانعت کی آیات میں پہلی تین قسم کے ولی مراد ہیں اور ثبوت اولیاء کی آیات میں چوتھی قسم کے ولی مراد ہیں۔ سبحان اللہ! اس قرآنی تفسیر سے کوئی اعتراض باقی نہ رہا لیکن وہابی جب اس تفسیر سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو اب ولی میں قید لگاتے ہیں کہ مافوق الاسباب کسی کو مددگار ماننا شرک ہے یہ تفسیر نہایت غلط ہے اولاً تو اس لئے کہ مافوق الاسباب کی قید ان کے گھر سے لگی ہے۔ قرآن میں نہیں ہے دوسرے اس لیے کہ یہ تفسیر قرآن کے خلاف ہے جو ہم نے عرض کی تیسرے یہ کہ اللہ کے بندے مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں۔ جس کی آیات باب مسائل قرآنیہ میں عرض ہوں گی غرضیکہ یہ تفسیر باطل ہے اور قرآنی تفسیر بالکل صحیح ہے یہ تفسیر قرآن بالقرآن کی چند مثالیں عرض کیں۔

تفسیر قرآن بالحدیث کی بہت سی مثالیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ غریب یعنی اجنبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: **المستوحش من الالف** وہ شخص ہے جو الفت ومحبتِ الٰہی سے پریشان ووارفتہ ہو۔ درویش کے لئے دنیا وآخرت میں کوئی وطن نہیں ہے اور وطن کے سوا الفت کرنا وحشت ہے جب درویش کی الفت مخلوق سے منقطع ہوگئی تو وہ ہر ایک سے وحشت زدہ ہوگا اس کی یہ حالت غربت کہلائے گی یہ بہت بلند درجہ ہے۔ **واللہ اعلم!**

(۴۸) حضرت ابو العباس احمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، داعیٔ مریداں بحکم فرمانِ الٰہی حضرت ابو العباس احمد بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نماز قائم کرو زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (پ1، البقرۃ:43)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے۔

(پ2، البقرۃ:183)

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ

لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ (پ4، اٰل عمرٰن:97)

اس کے علاوہ تمام احکام کی آیتیں تفصیل اور تفسیر چاہتی ہیں مگر قرآن کریم نے ان کی نہ مکمل تفسیر فرمائی نہ تفصیل۔ نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، زکوۃ کے نصاب اور خود زکوۃ کی تعداد اور شرائط، روزے کے فرائض وممنوعات، حج کے شرائط وارکان تفصیلاً نہ بتائے، ان آیات میں ہم حدیث کے محتاج ہوئے اور تمام تفاصیل وہاں سے معلوم کیں غرضیکہ تفصیل طلب آیات میں بغیر تفسیر کے ترجمہ بے فائدہ بلکہ خطرناک ہے اور تفسیر محض اپنی رائے سے نہیں ہوسکتی ہم اپنی اس کتاب میں ترجمہ کرنے کے قواعد، بعض ضروری قرآنی مسائل اور قرآن کریم کی کچھ ضروری اصطلاحیں بیان کریں گے مگر ہر چیز کی تفسیر خود قرآن شریف سے پیش کریں گے اگر تائید میں کوئی حدیث بھی پیش کی جاوے تو اسے بھی قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے گا کیونکہ آج کل اس طرز استدلال کو مسلمان بہت پسند کرتے ہیں اور اس سے زیادہ مانوس ہیں ضرورت زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

(علم القرآن صفحہ ۳۸۔۳۳)

مسروق رحمۃ اللہ علیہ ہیں (138) جو خراسان کے اجلۂ مشائخ و اکابر میں سے ہیں اور تمام اولیاء آپ کے زمین پر اوتاد ہونے پر متفق ہیں (139) آپ نے ''قطب المدار علیہ'' کی صحبت پائی لوگوں نے آپ سے

شرح (138): آپ کی پیدائش ۲۱۴ ہجری اور وصال ۲۹۸ ہجری میں ہوا۔

شرح (139): اوتاد کسے کہتے ہیں؟

امامِ اہلسنت، حضرت سیّدنا امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: غوث بالیقین اس (یعنی ولی مسمّٰی بالخضر) سے افضل ہوتا ہے کہ وہ اپنے دورے میں سلطان کل اولیاء ہے۔ یونہی امامین، یونہی افراد، یونہی اوتاد، یونہی بُدلاء، یونہی ابدال کہ یہ سب یکے بعد دیگرے باقی اولیائے دورہ (یعنی زمانہ) سے افضل ہوتے ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں:

اِنَّ اَکْبَرَ الْاَوْلِیَاءِ بَعْدَ الصَّحَابَۃِ رضی اللہ تعالٰی عنہما لْقُطْبُ ثُمَّ الْاَفْرَادُ عَلٰی خِلَافٍ فِیْ ذَالِكَ ثُمَّ الْاِمَامَانِ ثُمَّ الْاَوْتَادُ ثُمَّ الْاَبْدَالُ اھ۔ اَقُوْلُ وَالْمُرَادُ بِالْاَبْدَالِ اَلْبُدَلَاءُ السَّبْعَۃُ لِمَا ذُکِرَ بَعْدَہٗ اَنَّ الْاَبْدَالَ السَّبْعَۃُ لَایَزِیْدُوْنَ وَلَا یَنْقُصُوْنَ وَھٰؤُلَاءِ ھُمُ الْبُدَلَاءُ اَمَّا الْاَبْدَالُ فَاَرْبَعُوْنَ بَلْ سَبْعُوْنَ کَمَا فِی الْاَحَادِیْثِ۔

(الفتاوی الرضویۃ، ج۳۰ ص۸۷)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد سب سے بڑا ولی قطب ہوتا ہے، پھر افراد، اس میں اختلاف ہے، پھر امامان، پھر اوتاد، پھر ابدال اھ میں کہتا ہوں: ابدال سے مراد سات بُدلاء ہیں، اس دلیل کی وجہ سے جو اس کے بعد مذکور ہے کہ بے شک ابدال سات ہیں، نہ زیادہ ہوتے ہیں نہ کم، اور یہی بدلاء ہیں۔ رہے ابدال تو وہ چالیس بلکہ ستر ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے۔

اور حضرت سیدنا امام، محقق، علامہ محمد یوسف نبہانی قدس سرہ النورانی اپنی کتاب جامعِ کراماتِ اولیاء میں ان مبارک ہستیوں کی اقسام کی وضاحت یوں کرتے ہیں: اقطاب: یہ حضرات اصالتاً یا نیابتاً سب احوال ومقامات کے جامع ہوتے ہیں۔ مشائخ کی اصطلاح میں جب یہ لفظ بغیر اضافت استعمال ہو تو ایسے عظیم انسان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زمانہ بھر میں صرف ایک ہی ہوتا ہے، اسی کو غوث بھی کہتے ہیں۔ یہ مقرّبینِ خدا سے ہوتے ہیں اور اپنے زمانے میں گروہِ اولیاء کے آقا ہوتے ہیں اوتاد: یہ صرف چار حضرات ہوتے ہیں۔ کسی دور میں ان میں کمی بیشی نہیں ہوتی ان چار میں سے ایک کے ذریعے اللہ عزَّ وَجلَّ مشرق کی حفاظت فرماتا ہے اور ایک کی ولایت مشرق میں ہوتی ہے، دوسرا مغرب میں، تیسرا جنوب اور چوتھا شمال میں ولایت کا مرکز ہوتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''قطب المدار علیہ'' کی بابت پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ آپ نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی البتہ اشارات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے آپ کی مراد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔آپ نے چالیس صاحب تمکین اولیاء کی خدمت کی اور ان سے استفادہ کیا۔ظاہری و باطنی علوم میں آپ کو کمال دسترس حاصل تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے معاملات کی تقسیم کعبہ (معظمہ) سے شروع ہوتی ہے ان چاروں کے القاب اور صفاتی نام یہ ہیں: عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالقادر اور عبدالمرید ابدال: یہ سات سے کم وبیش نہیں ہوتے۔اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان کے ذریعے اقالیمِ سبعہ کی حفاظت فرماتا ہے۔ہر بدل کی ایک اقلیم ہوتی ہے جہاں اس کی ولایت کا سِکّہ چلتا ہے نقباء: ہر دور میں صرف بارہ نقیب ہوتے ہیں۔آسمان کے بارہ ہی برج ہیں اور ہر ایک نقیب ایک ایک برج کی خاصیتوں کا عالم ہوتا ہے۔اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان نقبائے کرام کے ہاتھوں میں شریعتوں کے نازل کئے ہوئے علوم دے دیئے ہیں۔نفوس میں چھپی اشیاء اور آفاتِ نفوس کا انہیں علم ہوتا ہے۔نفوس کے مکر وخداع کے استخراج پر یہ قادر ہوتے ہیں۔ابلیس ان کے سامنے یوں منکشف ہوتا ہے کہ اس کی مخفی قوتوں کو بھی یہ جانتے ہیں جنہیں وہ خود نہیں جانتا۔ان کے علم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اگر کسی کا نقش پا زمین پر لگا دیکھ لیں تو انہیں اس کے شقی وسعید ہونے کا پتہ چل جاتا ہے نجباء: ہر دور میں آٹھ سے کم وبیش نہیں ہوتے۔ان حضرات کے احوال سے ہی قبولیت کے علامات ظاہر ہوتی ہیں حالانکہ ان علامات پر ضروری نہیں کہ انہیں اختیار بھی ہو۔بس حال کا ان پر غلبہ ہوتا ہے، اس حال کے غلبہ کو صرف وہ حضرات پہچان سکتے ہیں جو رتبہ میں ان سے اوپر ہوتے ہیں۔ان سے کم مرتبہ لوگ نہیں پہچان سکتے رجال الغیب: یہ دس حضرات ہوتے ہیں۔کم وبیش نہیں ہوتے۔ہمیشہ ان کے احوال پر انوارِ الٰہی کا نزول رہتا ہے لہٰذا یہ اہلِ خشوع ہوتے ہیں۔اور سرگوشی میں بات کرتے ہیں یہ مستور (یعنی نظروں سے اوجھل) رہتے ہیں۔زمین وآسمان میں چھپے رہتے ہیں، ان کی مناجات صرف حق تعالیٰ سے ہوتی ہیں اور ان کے شہود کا مرکز بھی وہی ذاتِ بے مثال ہوتی ہے وہ مجسمۂ حیا ہوتے ہیں، اگر کسی کو بلند آواز سے بولتا سنتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور ان کے پٹھے کانپنے لگتے ہیں، اہل اللہ جب بھی لفظ رجالُ الغیب استعمال فرماتے ہیں تو ان کا مطلب یہی حضرات ہوتے ہیں۔کبھی اس لفظ سے وہ انسان بھی مراد لئے جاتے ہیں جو نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔کبھی رجالُ الغیب سے نیک اور مومن جنّ بھی مراد لئے جاتے ہیں۔کبھی ان لوگوں کو بھی رجالُ الغیب کہہ دیا جاتا ہے جو علم اور رزقِ محسوس حسّی دنیا سے نہیں لیتے بلکہ غیب کی دنیا سے علم ورزق انہیں ملتا ہے۔

(جامع کرامات اولیاء (مترجم) ج1 ص230 تا239 ملخصا)

آپ کا ارشاد ہے کہ:

من کان سرورہ بغیر الحق فسرورہ یورث الھموم ومن لم یکن انسہ فی خدمتہ ربہ فانسہ یورث الوحشة یعنی خوشی و مسرت خدا کے سوا کسی اور سے ہے تو اس کی یہ خوشی دائمی غم کا وارث بناتی ہے اور جس کا لگاؤ خدا کی خدمت و عبادت سے نہ ہو تو اس کا یہ لگاؤ دائمی وحشت کا ورثہ دیتی ہے۔

اس لئے کہ خدا کے سوا ہر چیز فانی ہے (140) اور جس کی خوشی فانی چیز سے ہوگی تو جب وہ چیز فنا ہو جائے گی تو اس کے لئے بجز حسرت و غم کے کچھ نہ رہے گا اور غیر خدا کی خدمت حقیر شئے ہے جس وقت اشیاء مخلوق کی دنائت اور خواری ظاہر ہوگی تو اس کے لئے اس سے انس و محبت رکھنا موجب وحشت و پریشانی ہوگا لہٰذا غیر اللہ پر نظر رکھنے ہی سے سارے جہان میں غم و پریشانی ہے۔ **واللہ اعلم!**

(۴۹) حضرت ابو عبداللہ بن احمد اسمٰعیل مغربی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، استاذِ متوکلان، شیخ محققان حضرت ابو عبداللہ بن احمد اسمٰعیل

شرح (140): كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ○

زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

(پ ۲۷، الرحمٰن: ۲۶۔۲۷)

دَوام (یعنی ہمیشگی) کسی کے لئے نہیں، ہمیشہ نہ کوئی رہا ہے نہ رہے۔ ہمیشگی ربّ عَزَّ وَجَلَّ کو ہے، باقی جو موجود ہے مَعدوم (یعنی مٹ جانے والا، نہ رہنے والا ہے) اور ایک دن سب کو فنا ہے۔ اسی لئے اَسلافِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے پاک اَنفاسِ قُدسیہ کے حالاتِ مبارکہ و مَکاتیبِ طیّبہ (یعنی خطوط مبارک) و مَلفوظاتِ طاہرہ (یعنی پاکیزہ ارشادات) جمع فرمائے یا اس کا اِذن دیا (یعنی اجازت دی) کہ ان کا نفع قیامت تک عام ہو جائے اور ہمیں (یعنی ہم ہی) مُستَفِید (یعنی فائدہ اٹھانے والے) و محظوظ (یعنی لطف اَندوز) نہ ہوں بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی فائدہ اٹھائیں اور پھر وہ بھی یوں ہی اپنے اَخلاف (یعنی بعد میں آنے والوں کے لئے) کیلئے پند و نصائح و وَصایا، تنبیہات و اِخلاص کے ذخیرے، اَذکارِ عشق و محبت، مسائلِ شریعت و طریقت کے مجموعہ، معرفتو حقیقت کے گنجینہ (یعنی خزانہ) کو اپنے پچھلوں کے لئے چھوڑ جائیں اور یہ سلسلہ یونہی قیامت تک جاری رہے سچ ہے ؎

نہ تنہا عشق اَز دیدار خیزد　　بسَا کیں دولت اَز گفتار خیزد

(یعنی: نہیں عشق محتاجِ زیارت، کہ یہ دولت حاصلِ گفتار سے بھی ہے) (کلیاتِ جامی)

مغربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بزرگان سلف اور اپنے زمانہ کے مقبول اساتذہ میں سے تھے مریدوں کی خوب نگہبانی فرماتے تھے۔ حضرت ابراہیم خواص اور ابراہیم شیبانی رحمۃ اللہ علیہما دونوں آپ کے مرید تھے آپ کا کلام عالی اور براہین واضح ہیں خلوت نشینی میں کامل تر تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

ما رائیت انصف من الدنیا ان خدمتها خدمتك وان تركتها تركتك میں نے دنیا سے زیادہ منصف چیز نہیں دیکھی اگر تم اس کی خدمت کرو تو وہ تمہاری خدمت کرے گی اگر تم اسے چھوڑ دو تو وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک تم دنیا کی طلب میں رہو گے تو وہ تمہاری طلب میں رہے گی (141) اور جب اسے چھوڑ کر خدا کے طالب بن جاؤ گے تو وہ تمہیں چھوڑ دے گی اور اس کا خطرہ تمہارے دل میں نہ رہے گا لہٰذا جو صدق دل سے دنیا سے کنارہ کش ہوتا ہے وہ اس کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ واللہ اعلم!

(۵۰) حضرت ابو علی بن الحسن بن علی جورجانی:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شیخ زمانہ، اپنے وقت کے یگانہ حضرت ابو علی بن الحسن بن علی جورجانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے زمانہ میں بے مثل تھے آپ کی تصانیف، معاملاتِ علم اور رویت آفات میں مشہور ہیں۔ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کے ہم

شرح (141): اے وہ شخص! جس کا سفر دنیا کی طلب میں تیزی سے کٹ رہا ہے، ۔۔۔۔۔ تو دنیا کی جھوٹی امیدوں سے کب چھٹکارا پائے گا؟ ۔۔۔۔۔ یاد رکھ! تجھے چھٹکارا اسی وقت ملے گا جب تُو دنیا سے کٹے گا ۔۔۔۔۔ اگر تو آخرت کا طلب گار ہے تو سست رفتار ہوتے ہوئے نفع کس طرح پائے گا؟ ۔۔۔۔۔ تعجب ہے کہ تُو فنا ہو جانے والی دنیا کی تلاش میں تو سفر کی تیاری خوب کرتا ہے، حالانکہ اس راستے میں تو بہت سے رہزن بھی ہیں، ۔۔۔۔۔ تیری زندگی ایک امانت ہے جس کی جوانی تُو نے خیانت میں گزار دی، ادھیڑ عمری بیکار کاموں میں ضائع کر دی اور اب بڑھاپے میں رو رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہائے! میری عمر ضائع ہو گئی۔ ۔۔۔۔۔ خرید و فروخت میں بددیانتی کرنے والا بھلا کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ ۔۔۔۔۔ دنیا کی طلب میں تو تیرا جسم بڑا چاک و چوبند رہا اور اب طلبِ آخرت میں تجھے مختلف تکالیف ہونے لگی ہیں، ۔۔۔۔۔ کب تک راہِ تقویٰ پر چلنے میں سستی کریگا، ۔۔۔۔۔ اے غفلت کی تاریکی میں زندگی بسر کرنے والے! بڑھاپے کا سورج طلوع ہو چکا، مرنے سے پہلے توبہ کرنے والوں کی رفاقت اختیار کر لے۔

عصر تھے حضرت ابراہیم سمرقندی آپ ہی کے مرید تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

الخلق کلھم فی میادین الغفلة یر کضون وعلی الظنون یعتمدون وعندھم انھم فی الحقیقه ینقلبون وعن المکاشفة ینطقون تمام مخلوق غفلت کے میدانوں میں محض ظن وگمان پر اعتماد کر کے بھاگی چلی جارہی ہے اور وہ اپنے خیال میں سمجھ رہے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ کشف سے کر رہے ہیں۔

آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ طبیعت کے غرور اور نفس کی رعونت کی وجہ سے ہے کیونکہ آدمی جاہل ہونے کے باوجود اپنی جہالت پر کامل اعتقاد رکھتا ہے بالخصوص جاہل صوفی، جس طرح عالم صوفی، مخلوق خدا میں سب سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے اسی طرح جاہل صوفی مخلوق خدا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار ہوتا ہے اس لئے کہ علماء طریقت علم وحقیقت پر گامزن ہوتے ہیں نہ کہ محض ظن وگمان پر اور جاہل صوفی کا تکیہ گمان پر ہوتا ہے نہ کہ یقین پر وہ غفلت کے میدانوں میں چرتے ہیں اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ ولایت کے میدانوں میں دوڑ رہے ہیں (142) ظن وگمان پر اعتماد ہوتا ہے اور خیال یہ کرتے ہیں کہ یقین پر ہیں ظاہری رسموں پر ان کا عمل ہوتا ہے اور گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت پر ہیں نفسانی خواہش سے بولتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ یہ مکاشفہ ہے آدمی کے دماغ سے ظن وگمان کا اخراج اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ جلالِ حق یا جمال حق کا اسے دیدار نہ ہو جائے کیونکہ اس کے جمال کے اظہار میں سب کچھ اسی کا دیکھتا ہے اور اس کا ظن وگمان فنا ہو جاتا ہے کشفِ جلال میں خود کو بھی نہیں دیکھتا اور اس کا گمان سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ واللہ اعلم!

(۵۱) حضرت ابو محمد بن احمد بن حسین حریری رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، باسط علوم، واضح رسوم طریقت حضرت ابو محمد بن احمد الحسین حریری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے محرم اسرار تھے۔ حضرت سہل بن عبداللہ

شرح (142): اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں۔ جاہل صوفی شیطان کا مسخرہ ہے اس لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (ترمذی) بغیر علم کے عبادت میں مجاہدہ کرنے والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔ ان کے منہ سے لگام اور ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچتا پھرتا ہے اور طریقت سے جاہل سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

تستری کی صحبت پائی تھی۔ آپ تمام اقسام علوم کے عالم اور فقہ میں امام وقت تھے اصول میں مہارت اور طریق تصوف میں ایسا درجۂ کمال حاصل تھا کہ حضرت جنید بغدادی آپ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے مریدوں کو ادب و ریاضت کی تعلیم دیا کریں حضرت جنید رحمۃ اللہ کی عدم موجودگی میں آپ ان کے ولی عہد ہوتے اور ان کی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

دوام الایمانِ وقوام الادیان وصلاح الابدان فی ثلثة خصال الاکتفاء والاتقاء والاحتماء من اکتفٰی باللہ صلحت سریرته ومن اتقی ما نھی اللہ عنه استقامت سیرته ومن احتما مالم یوافقه ارتاضت طبیعته فثمرة الاکتفاء صفو المعرفته وعاقبته الاتقاء حسن الخلیقة وغایته الاحتماء اعتدال الطبیعة ایمان کا دوام، دین کا قیام اور بدن کی اصلاح کا انحصار تین چیزوں پر ہے قناعت تقوٰی اور غذا کی حفاظت، جس نے خدا پر اکتفا کیا اور اسی پر قناعت کی اس کے باطنی اسرار درست رہیں گے اور جس نے خدا کی ممنوعہ چیزوں سے اجتناب کیا اس کی سیرت عمدہ اور مضبوط ہو جائے گی اور جس نے ناموافق غذا کھانے میں احتیاط برتی اس کی طبیعت درست رہے گی لہٰذا اکتفا و قناعت کا پھل صفائے معرفت ہے اور تقوٰی کا نتیجہ پاکیزہ اخلاق سے مزین ہوتا ہے اور غذا میں احتیاط کا ثمرہ تندرستی کا ضامن ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالٰی پر اکتفا کرتا ہے اس کی معرفت پاک و صاف ہو جاتی اور جو معاملات میں تقوٰی کا دامن تھامے رہتا ہے اس کی عادت و خصلت دنیا و آخرت میں عمدہ ہو جائے گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من کثر صلٰوة باللیل حسن وجهه بالنھار جو رات میں نماز کی کثرت رکھتا ہے اس کا چہرہ دن میں دمکتا چمکتا رہتا ہے۔ (143) ایک حدیث میں وارد ہے کہ روزِ قیامت اہل تقوٰی اس

شرح (143): تہجد اور رات میں نماز پڑھنے کا ثواب

اس بارے میں قرآن مجید فرقان حمید میں کئی آیات ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(1) مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَ هُمْ یَسْجُدُوْنَ ○ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ وَ مَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ○

ترجمہ کنز الایمان: کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شان سے لائے جائیں گے کہ وجوھھم نور علی منابر من نور ان کے چہرے منور نوری تخت پر جلوہ فگن ہوں گے اور جو غذا میں احتیاط برتتا ہے اس کا جسم بیماری سے اور اس کا نفس خواہشات سے محفوظ رہتا ہے سمع وطاعت میں یہ کلام جامع ہے۔ واللہ اعلم!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ لائق ہیں اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے گا اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے۔ (پ 4 آل عمران: 115-114-113)

(2) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○

ترجمہ کنزالایمان: اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ (پ 15 بنی اسرائیل: 79)

(3) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○

ترجمہ کنزالایمان: اور رحمن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے پھیر دے جہنم کا عذاب بے شک اس کا عذاب گلے کا غل (پھندا) ہے بے شک وہ بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں (پ 19 الفرقان: 63 تا 67)

(4) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت کے دن اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵۲) حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن سہل آملی رحمۃ اللہ علیہ:

طریقت کے اماموں میں ایک بزرگ، شیخ اہل معاملہ، قدوہ اہلِ صفا حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ 19 الفرقان: 67 تا 70)

(5) وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ وَ الَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ وَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ○ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ○ اُولٰٓىٕكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ یُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّ سَلٰمًا ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ○

ترجمہ کنز الایمان: اور جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہے تھی اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں اور وہ کہ جب انہیں انکے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بی بیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا ان کو جنت کا سب سے اونچا بالا خانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہاں مجرے اور سلام کے ساتھ ان کی پیشوائی ہوگی ہمیشہ اس میں رہیں گے کیا ہی اچھی ٹھہرنے اور بسنے کی جگہ۔ (پ 19 الفرقان: 71 تا 73)

(6) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ کنز الایمان: ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خواب گاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے اور ہمارے دیئے ہوئے سے کچھ خیرات کرتے ہیں تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا۔ (پ 21 السجدہ: 17-16)

(7) اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىٕمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ کنز الایمان: کیا وہ جسے فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گزریں سجود میں اور قیام میں آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا تم فرماؤ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سہل آملی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے زمانہ میں بزرگ ترین اکابر مشائخ میں سے محرم اسرار تھے۔ علم تفسیر و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

(پ23 الزمر: 9)

(8) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝

ترجمہ کنزالایمان: بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہیں اپنے رب کی عطائیں لیتے ہوئے بے شک وہ اس سے پہلے نیکوکار تھے وہ رات میں کم سویا کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔ (پ26 الذّٰریٰت: 15 تا 19)

اس بارے میں احادیثِ مقدسہ:

حضرتِ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ آقائے مظلوم، سرورِ معصوم، حسنِ اخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، مَحبوبِ رَبِّ اکبر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ ٖالہٖ وسلَّم نے فرمایا، رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ عزوجل کے مہینے محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم، رقم ۱۱۶۳، ص ۵۹۱)

حضرتِ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجسَّم، رسول اکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ ٖالہٖ وسلَّم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص سوجاتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصے پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، وہ ہر گرہ پر کہتا ہے کہ لمبی تان کے سوجا، ابھی تو بہت رات باقی ہے۔ جب وہ شخص بیدار ہوکر اللہ عزوجل کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز ادا کرے تو تیسری بھی کھل جاتی ہے اور وہ شخص تازہ دم ہوکر صبح کرتا ہے بصورت دیگر تھکا ماندہ سست ہوکر صبح کرتا ہے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے، تو وہ تازہ دم ہوکر صبح کرتا ہے اور خیر کو پالیتا ہے بصورت دیگر تھکا ماندہ صبح کرتا ہے اور خیر کو نہیں پاتا۔ جبکہ ایک روایت میں ہے لہذا شیطان کی گانٹھوں کو کھول لیا کرو اگرچہ دو رکعتوں کے ذریعے ہی سے ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب عقد الشیطان علی قافیۃ الراس الخ، رقم ۱۱۴۲، ج ۱، ص ۳۸۷)

حضرتِ سیدنا عُقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ ٖالہٖ وسلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرأت کے عالم اور لطائف قرآن بیان کرنے میں خاص کر ماہر تھے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میری امت میں سے جو شخص رات کو بیدار ہو کر اپنے نفس کو طہارت کی طرف مائل کرتا ہے حالانکہ اس پر شیطان گرہیں لگا چکا ہوتا ہے تو جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، جب وہ چہرہ دھوتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو چوتھی گرہ کھل جاتی ہے تو اللہ عزوجل حجاب کے پیچھے موجود فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو اپنے نفس کو مجھ سے سوال کرنے پر مائل کرتا ہے یہ بندہ مجھ سے جو کچھ مانگے گا وہ اسے عطا کر دیا جائے گا۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء، رقم ۱۱۴۹، ج ۲، ص ۱۹۴)

حضرتِ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا، بے شک رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس گھڑی میں مسلمان بندہ جب اللہ عزوجل سے دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی طلب کرتا ہے تو اللہ عزوجل اسے وہ بھلائی ضرور عطا فرماتا ہے اور یہ ساعت ہر رات میں ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا، باب فی اللیل ساعۃ مستجاب فیھا الدعاء، رقم ۷۵۷، ص ۳۸۰)

حضرتِ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جب میں نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو غور سے دیکھا اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں چھان بین کی تو جان لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں اور پہلی بات جو میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے سنی وہ یہ تھی کہ اے لوگو! سلام کو عام کرو اور محتاجوں کو کھانا کھلایا کرو اور صلۂ رحمی اختیار کرو اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھا کرو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

(سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۴۲، رقم ۲۴۹۳، ج ۴، ص ۲۱۹)

حضرتِ سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ سیِّدُ المبلغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا، بے شک جنت میں کچھ ایسے محلات ہیں جن میں آر پار نظر آتا ہے، اللہ عزوجل نے وہ محلات ان لوگوں کیلئے تیار کئے ہیں جو محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں، سلام کو عام کرتے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مریدوں میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم مارستانی کی صحبت پائی حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ آپ کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھتے ہیں۔
(صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب افشاء السلام واطعام الطعام، رقم ۵۰۹، ج ۱، ص ۳۶۳)

حضرتِ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا،" یارسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم! جب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل خوش ہوجاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں مجھے اشیاء کے حقائق سے متعلق خبر دیجئے۔ تو ارشاد فرمایا، ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے پھر میں نے عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جسے کرکے میں جنت میں داخل ہوجاؤں تو فرمایا کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو عام کرو اور صلۂ رحمی اختیار کرو اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھا کرو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ گے (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلوۃ، باب فصل فی قیام اللیل، رقم ۲۵۵۰، ج ۴، ص ۱۱۵)

حضرتِ سیدتنا اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، قیامت کے دن تمام لوگ ایک ہی جگہ اکٹھے ہوں گے پھر ایک منادی ندا کریگا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے تھے؟ پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور وہ تعداد میں بہت کم ہونگے اور بغیر حساب جنت میں داخل ہوجائیں گے، پھر تمام لوگوں سے حساب شروع ہوگا۔ (الترغیب، والترہیب، کتاب النوافل، رقم ۹، ج ۱، ص ۲۴۰)

امیر المومنین حضرتِ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال،، دافعِ رنج وملال، صاحبِ جودونوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا، بے شک جنت میں ایک درخت ہے جس کی شاخوں سے حلے یعنی کپڑوں کے نئے جوڑے نکلتے ہیں جبکہ اس کی جڑوں سے سونے کے گھوڑے نکلتے ہیں جو کہ زین پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی لگامیں موتی اور یاقوت کی ہوتی ہیں اور وہ بول وبراز نہیں کرتے ان کے پر ہوتے ہیں اور وہ حدِ نگاہ پر قدم رکھتے ہیں اہلِ جنت ان پر اڑتے ہوئے سواری کریں گے اور ان سے ایک درجہ نیچے والے لوگ عرض کریں گے کہ اے اللہ عزوجل! ان لوگوں کو یہ درجہ کیسے ملا؟ تو ان سے کہا جائے گا، یہ رات کو نماز پڑھا کرتے تھے جبکہ تم سوجایا کرتے تھے، یہ دن میں روزہ رکھا کرتے جبکہ تم کھایا کرتے تھے اور یہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے جبکہ تم جہاد سے فرار اختیار کرتے تھے۔ (الترغیب والترہیب، کتاب النوافل، الترغیب فی قیام اللیل، رقم ۸، ج ۱ ص ۲۴۰) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہت احترام کرتے تھے اور آپ کے سوا کسی کو تصوف میں مسلم و معتبر نہ گردانتے تھے آپ کا ارشاد ہے کہ:

السکون الی مالوفات الطبائع یقطع صاحبها عن بلوغ درجات الحقائق طبیعتوں کی مرغوبات سے چین و راحت پانے والا شخص درجات حقائق سے محروم رہ جاتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرتِ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم المرسلین، رحمۃ للعٰلمین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، سراج السالکین، محبوبِ ربُّ العلمین، جنابِ صادق و امین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا، رات کی نماز کی دن کی نماز پر فضیلت اسی طرح ہے جیسے پوشیدہ صدقے کی فضیلت اعلانیہ صدقے پر ہے۔ (طبرانی کبیر، رقم ۸۹۹۸، ج۹، ص ۲۰۵)

حضرتِ سیدنا اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت، مخزنِ جود وسخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت، محبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور میدان جہاد میں نماز پڑھنا بیس لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور ان سب سے زیادہ فضیلت والی نماز بندے کی وہ دو رکعتیں ہیں جنہیں وہ رات کے درمیانی حصے میں رضائے الٰہی کے لئے ادا کرتا ہے۔

(الترغیب والترہیب، کتاب النوافل، الترغیب فی قیام اللیل، رقم ۲۲، ج۱، ص ۲۴۳)

حضرتِ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا، میری امت کے بہترین لوگ حاملین قرآن اور رات کو جاگ کر اللہ عزوجل کی عبادت کرنے والے ہیں۔

(الترغیب والترہیب، کتاب النوافل، الترغیب فی قیام اللیل، رقم ۲۷، ج۱، ص ۲۴۳)

حضرتِ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرتِ جبرائیل علیہ السلام، سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، دو عالَم کے مالک و مختار، حبیبِ پروردگار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! جتنا چاہیں زندہ رہیں بالآخر موت آنی ہے، جو چاہیں عمل کریں بالآخر اس کی جزا ملنی ہے، جس سے چاہیں محبت کریں بالآخر اس سے جدا ہونا ہے، جان لیجئے کہ مؤمن کا کمال رات کو قیام کرنے میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے بے نیاز ہونے میں ہے۔ (طبرانی اوسط، رقم ۴۲۷۸، ج ۳، ص ۱۸۷)

حضرتِ سیدنا اَبُواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے مظلوم، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی جو طبعی مرغوبات سے عیش و آرام حاصل کرلے گا وہ حقیقت سے محروم رہے گا اس لئے کہ طبائع نفس کے آلات و اوزار ہیں اور نفس جائے حجاب اور حقیقت مقام کشف ہے (144) مرید محجوب، مکاشف کے برابر چین و راحت نہیں پاتا لہٰذا حقائق کا ادراک کشف کا محل ہے اور یہ حقیقت، مرغوباتِ طبع سے اعراض کرنے میں وابستہ ہے طبائع کی رغبت دو چیزوں سے ہوتی ہے ایک دنیا اور اس کی چیزوں سے دوسرے آخرت اور اس کے احوال سے لہٰذا جو دنیا سے الفت و رغبت رکھتا ہے وہ تو ہم جنس ہونے کی وجہ سے ہے لیکن آخرت سے الفت رکھنا ظن و گمان کی بناء پر ہے جو بے دیکھی اور غیر جنس ہے آخرت سے الفت گمان اور ناشناخت ہی کی وجہ سے ہے نہ کہ مشاہدۂ عینی سے اگر حقیقت کی معرفت ہو جائے تو وہ اس جہان میں پگھل جائے اور جب اس جہان میں پگھل جاتا ہے اور دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو وہ طبائع کی ولایت سے گزر جاتا ہے پھر کہیں جا کر کشف حقائق کا درجہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ عاقبت کو فنائے طبع کے بغیر سکون

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سرورِ معصوم، حسنِ اخلاق کے پیکر، نبیوں کے تاجور، محبوبِ ربِّ اکبر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا، رات کے قیام کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور تمہارے رب عزوجل کی قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو مٹانے اور گناہوں سے بچانے کا سبب ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء النبی، رقم ۳۵۶۰، ج۵، ص ۳۲۳)

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کو حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء النبی، رقم ۳۵۶۰، ج۵، ص ۳۲۳)

حضرتِ سیدنا بلال اور حضرتِ سیدنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسول اکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا، رات کے قیام کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور تمہارے رب عزوجل کی قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو مٹانے اور جسم سے بیماریاں دور کرنے کا سبب ہے۔ (طبرانی کبیر، رقم ۶۱۵۴، ج۶، ص ۲۵۸)

شرح (144): جان لو! دین دار عالم کے زیادہ لائق یہ بات ہے کہ وہ اپنے کھانے، لباس، رہائش اور اپنی دنیوی زندگی سے متعلق تمام چیزوں میں میانہ روی اختیار کرے۔ آسودگی اور عیش و عشرت کی طرف توجہ نہ دے اور نہ اس میں مبالغہ کرے اگرچہ دنیا سے زہد اختیار کرنے میں مبالغہ نہ کرے اور علماء کو چاہے کہ جہاں تک ممکن ہو حکمرانوں اور دنیاداروں کے پاس جانے سے بچیں تاکہ ان کے فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔

نہیں ملتا۔

لان فیھا مالا خطر علی قلب بشرٍ کیونکہ تحقیق عقبیٰ میں وہ چیز ہے جس کا گزر بندے کے دل پر نہیں ہوتا۔

آخرت کا خطرہ بھی یہی ہے کہ اس کا راستہ خطرناک ہے اور اس کا کوئی خطرہ ایسا نہیں جو دنیا میں دل کے اندر آسکے جبکہ آخرت کی معرفتِ حقیقت سے ہمارا ذہن وشعور علیحدہ ہے تو طبیعت کو اس کے تصور عینی سے کس طرح الفت ہو سکتی ہے یہ بات صحیح ہے کہ طبیعت کو آخرت سے الفت گمان ہی کی وجہ سے ہے۔

واللہ اعلم!

(۵۳) حضرت ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ:

منجملہ اکابر طریقت، مستغرق معنی مستہلک دعویٰ حضرت ابوالمغیث الحسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں (145) جو طریقت کے مشتاق اور اس کے رہین منت تھے آپ کا حال قوی اور ہمت بلند تھی (146) آپ کے بارے میں مشائخ کی رائیں مختلف ہیں بعض مردود گردانتے تھے اور بعض مقبول

شرح (145): آپ ۲۴۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۰۹ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (146): حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اور ان کا اسم گرامی حسین، اکابر اہل حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدر جہا مرتبہ ولایت ومعرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتا نہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہو لئے، دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر یاقوت کا جام اُترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آگا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمہیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در ودیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے۔ انہوں نے کہنا شروع کیا اَنَا لَاَ حَق بیشک میں سب سے زیادہ اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا انا الحق (میں حق ہوں۔ ت)، وہ دعوی خدائی سمجھے، اور یہ کفر ہے۔ اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جانتے تھے چنانچہ عمرو بن عثمان مکی، ابو یعقوب نہر جوری، ابو یعقوب اقطع اور علی بن سہل جیسے مشائخ نے آپ کو ''مردود'' قرار دیا ہے اور حضرت ابن عطا محمد بن خفیف ابو القاسم نصر آبادی اور تمام مشائخ متاخرین آپ کو مقبول جانتے تھے (147) تیسرا طبقہ ایسا ہے جو آپ کے بارے میں توقف کی راہ پر قائم ہے ان میں حضرت جنید بغدادی، شبلی، حریری، حضرمی وغیرہ مشائخ طریقت ہیں چوتھا طبقہ ایسا ہے جو جادو وغیرہ کی نسبت کرتا ہے لیکن ہمارے زمانہ میں شیخ المشائخ ابو سعید ابو الخیر، شیخ ابو القاسم گرگانی اور شیخ ابو العباس شقانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بدل دینه فاقتلوه، رواه احمد۔ والستة الامسلما عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما۔ والله سبحٰنه وتعالی اعلم۔ (جامع الترمذی ۱ / ۱۷۶، سنن ابی داود ۲ / ۲۴۲، سنن ابن ماجہ باب المرتد عن دینہ ص ۱۸۵) (مسند احمد بن حنبل، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، المکتب الاسلامی بیروت ۲ / ۲۱۷ و ۲۸۲ و ۲۸۳) (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب لایعذب بعذاب اللہ الخ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۴۲۳)

جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم!

(فتاوی رضویہ، جلد ۲۶، ص ۴۰۱، ۴۰۲ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شرح (147): حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز، سیدنا ابو الحسن نور الدین بہجۃ الاسرار شریف میں سیدنا ابو القاسم عمر بزاز قدس سرہ سے روایت فرماتے ہیں:

قال سمعت السید الشیخ عبد القادر الجیلی رضی الله تعالی عنه یقول غیر مرة عثرا خی حسین الحلاج فلم یکن فی زمانه من یاخذ بیده ولو کنت فی زمانه لاخذت بیده وانا لکل من عثربه مرکوبه من اصحابی و مریدی و محبی الی یوم القیمة اخذ بیده۔ والحمد لله رب العلمین۔

(بہجۃ الاسرار، فضل اصحابہ وبشراہم، مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲)

یعنی میں نے اپنے مولٰی حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بارہا فرماتے سنا میرے بھائی حسین حلاج کا پاؤں پھسلا ان کے وقت میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی دستگیری کرتا اس وقت میں ہوتا تو ان کی دستگیری فرماتا اور میرے اصحاب اور میرے مریدوں اور مجھ سے محبت رکھنے والوں میں قیامت تک جس سے لغزش ہوگی میں اس کا دستگیر ہوں۔

رحمۃ اللہ علیہما نے اسے باطنی اسرار پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک وہ بزرگ تھے لیکن استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ارباب معانی وحقائق میں سے ہوتے تو لوگوں کی جدائی انہیں حق سے جدا نہ ہونے دیتی اور اگر وہ مہجورِ طریقت اور مردودِ حق ہوتے تو خلق کی قبولیت سے مقبول نہ ہوتے؟ اب ہم بحکم تسلیم حق، ان کے معاملہ کو خدا کے حوالہ کرتے ہیں اور ان میں جس قدر حق کی نشانیاں پاتے ہیں اتنا ہی ہم ان کو بزرگ جانتے ہیں بہر حال چند کے سوا تمام مشائخ ان کے کمال فضل، صفائے حال اور کثرت ریاضت ومجاہدہ کے منکر نہیں ہیں اس کتاب میں ان کے تذکرے کو بیان نہ کرنا بد دیانتی ہوگی کیونکہ کچھ ظاہری لوگ ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کے منکر ہیں اور ان کے احوال کو عذر، حیلہ اور جادو سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ حسین بن منصور حلاج بغدادی ملحد ہے جو محمد بن زکریا کا استاد تھا اور ابوسعید قرمطی کا ساتھی وہمعصر حالانکہ وہ اور شخص ہے، ہم جس حسین بن منصور حلاج کا تذکرہ کر رہے ہیں ان کے بارے میں ہمیں اختلاف ہے وہ فارس کے شہر بیضا کے رہنے والے ہیں ان کے بارے میں مشائخ کا جو ہجر اور ردّ ہے وہ ان کے دین ومذہب پر طعنہ زنی کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ ان کے حال اور کیفیت کے بارے میں ہے کیونکہ وہ ابتداء میں سہل بن عبداللہ تستری کے مرید ہوئے پھر بغیر اجازت لئے ان کے پاس سے چلے گئے اور عمرو بن عثمان کی صحبت اختیار کر لی پھر ان کے پاس سے بھی بغیر اجازت چلے گئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور صحبت کی اجازت نہ دی اس بناء پر مشائخ ان کو مہجور گردانتے تھے۔ لہٰذا یہ مہجوری معاملہ میں ہے نہ کہ اصل طریقت میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر غور کرو! فرمایا:

انا والحلاج فی شیئ واحدٍ فخلصنی جنونی واھلکہ عقلہ میں اور حلاج دونوں ایک ہی راہ کے راہی ہیں مجھے میری وارفتگی نے نجات دی اور ان کو ان کی عقل نے خراب کر دیا۔

اگر وہ ایسے ہی مطعون ومردود ہوتے تو شبلی یہ نہ فرماتے کہ "میں اور حلاج ایک ہی راہ کے راہی ہیں۔" اور حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ھو عالم ربانی حلاج ربانی عالم ہیں

اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی ناخوشی اور عاق کر دینا طریقت میں ہجران ووحشت کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بکثرت ہیں اور

احوال و فروع میں ان کا رموز و کلام مہذب ہے۔

حضرت سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں ان کی تصانیف میں سے پچاس کتابیں دیکھی ہیں اور کچھ خوزستان، فارس اور خراسان میں بھی ہیں تمام کتابوں میں ایسی ہی باتیں تھیں جس طرح نو آموز مرید ظاہر کرتا ہے کچھ قوی اور کچھ کمزور کچھ آسان اور کچھ سخت جب کسی پر تجلی حق ہو جاتی ہے تو اپنی قوت استعداد کے مطابق اپنے حال کو ظاہر کرتا ہے فضل الٰہی اس کا معاون و مددگار بن جاتی ہے اور جب کوئی بات مشکل و دشوار ہو بالخصوص جبکہ بیان کرنے والا عجلت و حیرت میں اظہار کرے تو اس کے سننے سے اوہام میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور عقل سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے ایسے ہی وقت کہا جاتا ہے کہ یہ بات اونچی ہے اور کچھ لوگ جہالت سے انکار کرتے ہیں اور کچھ جہالت سے اقرار کر لیتے ہیں ان کا اقرار بھی ان کے انکار کے مانند ہے لیکن جب محقق اور اہل بصیرت دیکھتے ہیں تو وہ عبارت میں نہ اٹکتے ہیں نہ حیرت و تعجب کرتے ہیں وہ مدح و ذم سے بے تعلق ہو کر انکار و اقرار سے دامن کو بچا کر گزر جاتے ہیں۔

لیکن وہ لوگ جو اس جوانمرد کے حال پر سحر و جادو سے نسبت دیتے ہیں تو یہ محال ہے اس لئے کہ اہل سنت و جماعت کے اصول میں سحر و جادو اسی طرح حق ہے جیسے کرامت حق ہے لیکن حالت کمال میں سحر کا اظہار تو کمتر ہے مگر اس حالت میں کرامت کا اظہار معرفت ہے اس لئے کہ سحر اگر خدا کی ناراضگی کا موجب ہے تو کرامت خدا کی رضامندی کی علامت یہ مسئلہ اثبات کرامت کے بیان میں تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

اہل سنت کے صاحبان بصیرت کا اتفاق ہے کہ مسلمان زیاں کار اور جادوگر نہیں ہوتے اور نہ کافر صاحبِ کرامت کیونکہ جمع اضداد محال ہے حضرت حسین علاج جب تک جامہ حیات میں رہے درست کار رہے عمدہ طریق پر نماز ادا کرتے تھے بکثرت ذکر و اذکار کرتے تھے متواتر روزہ دار رہتے تھے اور پاکیزہ حمد و ثنا کیا کرتے تھے (148) اور توحید خدا کے نکات بیان کرتے رہتے تھے اگر ان کے افعال میں سحر ہوتا

شرح (148): ایک مرتبہ ایک شخص نے منصور حلاج سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ تمہارا نفس ایک ایسی چیز ہے کہ اگر تم نے اسے نیک کاموں میں مشغول نہ رکھا تو یہ تمہیں اپنی خواہشات کے حصول میں مشغول کر دے گا۔ لہٰذا ہر کسی کو چاہیے کہ اپنے نفس کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

توان سب کا صدور ان سے محال تھا لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یہ کرامت تھی اور کرامت بجز ولی کے متحقق نہیں ہوتی۔

اہلِ سنت میں کچھ حضرات ایسے ہیں جو ان کے اصولِ الٰہی کا رد کرتے ہیں اور ان کے کلمات پر اعتراض کرتے ہیں جو امتزاج واتحاد کی تعبیر میں ہیں یہ الفاظ اگر چہ تعبیر و بیان میں بہت برے ہیں لیکن مفہوم و معنیٰ میں اتنے برے نہیں ہیں اس لیے کہ مغلوب الحال میں صحیح تعبیر کی قدرت نہیں ہوتی اور اپنے غلبہ حال میں اس کی عبارت صحیح نہیں لاسکتا اور یہ بھی امکان ہے کہ معنیٰ میں عبارت مشکل ہو اور تعبیر کرنے والا اظہار مقصود میں آسان عبارت لانے سے قاصر رہا ہو اور وہ منکرین جن کی فہم میں اس کے معنی صحیح نہیں آئے وہ ایسی صورت بنادیں کہ جس سے انکار کا جواز پیدا ہو جائے تو ایسوں کا انکار انہیں کی طرف راجع ہوگا نہ کہ معنی میں۔ بایں ہمہ میں نے بغداد اور اس کے گرد ونواح میں ایسے ملحدوں کو دیکھا ہے جو ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنی زندیقی کی دلیل میں ان کا کلام پیش کرتے ہیں اور وہ خود کو حلاجی کہلواتے ہیں ان کے بارے میں ایسا غلو کرتے ہیں جیسے روافض محبتِ علی رضی اللہ عنہ کے دعوے میں۔ (149) ان کے ایسے کلمات کا رد انشاء اللہ اس باب میں لاؤں گا جہاں جدا جدا فرقوں کا تذکرہ ہوگا۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ سلامتی اسی میں ہے کہ ان کے کلام کو مقتداء نہ بنایا جائے اس لیے کہ وہ اپنے حال میں مغلوب تھے، متمکن نہ تھے متمکن کے کلام کی ہی اقتداء کرنی چاہیے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کارِ خیر میں مصروف رکھے تا کہ وہ اسے خواہشات نفسانیہ میں نہ پھنسا سکے۔ پس ایک عقل مند کو دنیا کے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے کیونکہ فکر و غم نہ تو کسی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں بلکہ فکر و غم کرنا دل ودماغ اور بدن کے لیے بہت نقصان دہ اور نیک اعمال میں خلل پیدا کرنے والا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ دنیا کا فکر و غم کرنے کے بجائے اپنی آخرت کی فکر کرے کہ یہ فکر بہت فائدہ مند ہے۔

شرح (149): لیکن نہ روافض اپنے دعویٰ میں سچے نہ یہ، یقیناً حب علی ایمان کی نشانی ہے بغض علی نفاق کی علامت ہے مگر محبت سے مراد ہے سچی محبت نہ کہ محض دعویٰ کی محبت، سچی محبت علی بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت کو حاصل ہے۔ سچی محبت کی چند علامات ہیں: ایک یہ کہ اعمال میں ان سرکار کی پیروی کرے ان کی مخالفت نہ کرے، حضرت علی کی ساری اولاد سارے دوستوں سے محبت کرے، بغض صحابہ اور حب علی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ غضب تو دیکھو کہ حضرت علی کے دو بیٹوں سے محبت اور ان کے باقی بیٹوں، باقی بیٹیوں سے عداوت، ابوبکر، عثمان، ام کلثوم یہ سب اولاد علی ہیں ان کو گالیاں دیتے ہیں یہ محبت علی کیسی۔

الحمدللہ حضرت حسین بن علاّج رحمۃ اللہ علیہ مجھے دل سے مرغوب ومحبوب ہیں لیکن ان کا طریق کسی اصل پر قائم نہیں اور نہ کسی حال پر ان کی استقامت ہے ان کے حالات میں فتنہ بہت ہے مجھے ابتدائے ظہور کے وقت ان سے بہت تقویت ملی ہے اور دلائل حاصل ہوئے ہیں اس کتاب سے قبل میں نے ان کے کلام کی شرح لکھی ہے اس میں دلائل وشواہد سے علو کلام اور ان کے صحتِ حال کا اثبات کیا ہے اور اپنی کتاب ''منہاج العابدین'' میں ان کی ابتداء ان کی انتہا کا تذکرہ کیا ہے یہاں بھی اتنا تذکرہ کردیا ہے لہٰذا جس کے طریق کی اصل کو اتنے اعتراضات، اعترافات اور حیلوں سے ثابت کیا جائے اس سے تعلق اور اس کی پیروی کیوں کی جائے؟ لیکن جو نفسانی خواہش کا پیروکار ہے اسے راہِ راست سے کیا تعلق؟ کیونکہ وہ ایسا ہی راستہ تلاش کرتا ہے جس میں کجی اور ٹیڑھا پن ہو۔ چنانچہ حضرت حسین حلاج کا ایک قول یہ ہے کہ:

الالسنته مستنطقات تحت نطقها مستهلكات ''بولنے والی زبانیں اپنی گویائی کے نیچے ہلاک ہیں (150) (ان کے دل خاموش ہیں)''

شرح (150): زبان کی آفات

جان لو! زبان کا خطرہ بہت بڑا ہے اور اس کے خطرے سے نجات صرف خاموشی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیٔ اکرم، نورِ مجسم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے خاموشی کی تعریف کی اور خاموش رہنے کی ترغیب دی۔

چنانچہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: مَنْ صَمَتَ نَجَا ترجمہ: جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

(جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب حدیث من کان یؤمن اللہ فلیکرم ضیفہ، الحدیث ۲۵۰۱، ص ۱۹۰۳)

سیِّدُ المبلغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: اَلصَّمْتُ حِکَمٌ وَقَلِیْلٌ فَاعِلُہٗ، ترجمہ: خاموشی حکمت ہے اور اِسے اختیار کرنے والے کم ہیں۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی حفظ اللسان، فصل فی فضل السکوت عمالایعنیہ، الحدیث ۵۰۲۶، ج ۴، ص ۲۶۴)

شہنشاہِ نبوت، پیکرِ جودو حکمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے:

مَنْ یَّتَکَفَّلُ لِیْ مَابَیْنَ لِحْیَیْہِ وَرِجْلَیْہِ اَتَکَفَّلُ لَہٗ بِالْجَنَّۃِ

ترجمہ: جو شخص مجھے دو جبڑوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان) اور دو ٹانگوں کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ عبارت سراسر آفت ہے اور حقیقی معنیٰ میں یہ عبارت ایک قسم کی بڑ ہے۔ کیونکہ معنیٰ حاصل ہوں تو عبارت مفقود نہیں ہوتی اور جب معنیٰ مفقود ہوں تو عبارت موجود نہیں ہوتی بجز اس کے کہ اس میں کوئی ایسا گمان ظاہر ہو کہ جس میں طالب کی ہلاکت مضمر ہو اس لیے کہ وہ عبارت کو گمان کرتا ہے کہ یہ اس کے حقیقی معنیٰ ہیں۔ واللہ اعلم!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) درمیان والی چیز (یعنی شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، الحدیث ۶۴۷۴، ص ۵۴۳، مفہوماً)

مروی ہے کہ حضرت سیّدُنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ عزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزَّ وَجَلَّ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اپنے آپ کو مرنے والوں میں شمار کر، اور اگر تو چاہے تو میں تجھے بتاؤں، کہ تیرے لئے کون سی چیز بہتر ہے، پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔

(موسوعۃ لابن ابی الدنیا، کتاب الصَّمت وآداب اللِّسان، باب حفظ اللسان وفضل الصمت، الحدیث ۲۲، ج ۷، ص ۴۳۔۴۴)

حضرت سیّدُنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ عزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کیا ہماری گفتگو پر بھی مؤاخذہ ہوگا؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اے ابنِ جبل! تیری ماں تجھ پر روئے، لوگوں کو ان کے نتھنوں کے بل جہنم میں گرانے والی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی (یعنی گفتگو) کے سوا اور کیا ہے۔

(جامع الترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، الحدیث ۲۶۱۶، ص ۱۹۱۵)

امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے منہ میں چھوٹے چھوٹے پتھر رکھتے تھے، جن کے ذریعے گفتگو سے پرہیز کرتے، نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زبان کی طرف اشارہ کرکے فرماتے: اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں پہنچایا۔

حضرت سیّدُنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اُس اللہ عزَّ وَجَلَّ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی محتاج نہیں۔

(۵۴) حضرت ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ ائمہ طریقت، سرہنگ متوکلان، سردارِ مستسلمان حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ علیہ ہیں (151) جن کا توکل میں بڑا مرتبہ ہے بکثرت مشائخ کی صحبت پائی (152) آپ کی بکثرت

شرح (151): آپ ۲۹۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۵۱ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (152): ہمیشہ وصال کی دولت پانے والا لڑکا:

حضرتِ سیّدُنا ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شدید گرمی والے سال حج کے ارادے سے نکلا۔ ایک دن جبکہ ہم حجازِ مقدّس میں تھے، میں قافلے سے بچھڑ گیا اور مجھے ہلکی سی نیند آنے لگی، مجھے اتنا ہی علم تھا کہ میں جنگل میں تنہا ہوں۔ اچانک ایک شخص میرے سامنے ظاہر ہوا، میں جلدی سے اسے جا ملا، وہ ایک کم سِن لڑکا تھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند یا دوپہر کے سورج کی طرح چمک رہا تھا، اس پر خوشحالی و رہنمائی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے یوں جواب دیا: وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یا ابراہیم! مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا، میں نے پوچھا: تم مجھے کیسے پہچانتے ہو حالانکہ اس سے پہلے تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا؟ تو وہ کہنے لگا: اے ابراہیم! جب سے مجھے معرفت نصیب ہوئی ہے تب سے میں ناواقف نہ رہا اور جب سے مجھے اللہ تعالیٰ کے وصال کی دولت ملی ہے تب سے میں جدائی سے نہ آزمایا گیا۔ میں نے پوچھا: اتنی شدید گرمی والے سال اس جنگل میں کیسے آ گئے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: اے ابراہیم! میں نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے علاوہ کبھی کسی سے محبت نہ کی، نہ اس کے غیر سے کبھی ملاقات کی ہے اور مکمل طور پر اسی کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور اس کا بندہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا: کھاتے پیتے کہاں سے ہو؟ تو بولا: میرا محبوب میری کفالت کرتا ہے۔ جب اس نے مجھے یہ جواب دیا تو اس کے آنسوؤں کی لڑی رخسار پر موتیوں کی طرح اُمنڈ آئی۔ پھر اس نے چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

کون ہے جو مجھے چٹیل میدان میں جانے سے ڈرا رہا ہے، میں تو ضرور اس زمین سے گزر کر اپنے محبوب تک پہنچوں گا اور میں اس پر پہلے ہی ایمان لا چکا ہوں، محبت و شوق مجھے مضطرب کئے ہوئے ہیں اور جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا محب ہو وہ کسی انسان سے نہیں ڈرتا، کیا آج آپ میری کم سنی کی وجہ سے مجھے حقیر جان رہے ہیں، میرے ساتھ جو بیتی ہے اس کی وجہ سے مجھ پر ملامت کرنا چھوڑ دیں۔

اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تم قافلے سے بچھڑ گئے ہو؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کم سن لڑکے کو دیکھا کہ وہ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھا کر کچھ پڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا، اسی وقت مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو قافلے میں پایا اور مجھے میرا رفیق کہہ رہا ہے: اے ابراہیم! خیال رکھنا، کہیں سواری سے گر نہ جاؤ۔ مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کم سن لڑکا کہاں گیا، آسمان پر چڑھ گیا یا زمین میں اُتر گیا۔ جب میں میدانِ عرفات پہنچا اور حرمِ پاک میں داخل ہوا تو اس لڑکے کو کعبہ شریف کے پردوں سے لپٹ کر روتے ہوئے یہ مناجات کرتے دیکھا: میں کعبۂ مکرمہ زَادَھَا اللہُ تَعَالٰی شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا کے غلاف سے چمٹا ہوا ہوں، اے میرے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو دلوں کے بھید اور پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے، میں تیری بارگاہ میں پیدل چل کر حاضر ہوا ہوں کیونکہ میں تیری محبت میں مبتلا ہوں، میں تو بچپن سے ہی تیری محبت و چاہت میں گرفتار ہو گیا تھا جس وقت مجھے محبت کا صحیح مفہوم بھی معلوم نہ تھا۔ اے لوگو! مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں تو ابھی محبت کے اصول سیکھ رہا ہوں اور اے میرے محبوبِ حقیقی عَزَّوَجَلَّ! اگر میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے تو پھر مجھے اُمید ہے کہ میں تیرا وصال پا کر اپنی محبت کا حصہ حاصل کر لوں گا۔ پھر وہ سجدے میں گر گیا۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جب اس کا سجدہ بہت طویل ہو گیا تو میں نے اس کو حرکت دی تو معلوم ہوا کہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا، میں اپنی سواری کے جانور کی طرف گیا اور کفن کے لئے ایک کپڑا لیا اور غسل دینے والے کی مدد طلب کی۔ جب واپس اس لڑکے کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اس کے متعلق تمام حاجیوں سے پوچھا مگر مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملا جس نے اُسے زندہ یا مُردہ دیکھا ہو تو میں سمجھ گیا کہ وہ لڑکا مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ تھا اور اُسے میرے علاوہ کسی نے نہ دیکھا، میں اپنی قیام گاہ میں آ کر سو گیا۔

خواب میں، مَیں نے اُسے ایک بہت بڑی جماعت کے آگے آگے دیکھا کہ اس پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم میرے ساتھ نہ تھے؟ تو اس نے جواب دیا: یقیناً میں آپ کے ساتھ ہی تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم مر نہیں گئے تھے؟ تو اس نے جواب دیا: ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا: میں تو تمہیں کفن دینے کے لئے تلاش کر رہا تھا تا کہ تجہیز و تکفین کے بعد تمہاری تدفین عمل میں لاؤں، مگر جب میں واپس آیا تو تم موجود ہی نہ تھے۔ تو اس نے جواب دیا: اے ابراہیم! جس ذات نے مجھے شہر سے نکالا اور اپنی محبت کا شوق عطا کیا اور میرے گھر والوں سے مجھے دور کر دیا، اسی نے مجھے سب کی نظروں سے چھپا کر کفن بھی دے دیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نشانیاں اور کرامتیں ہیں (153) طریقت کے معاملات میں آپ کی تصانیف عمدہ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پھر میں نے پوچھا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا: مجھے میرے اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا: تجھے کیا چاہیے؟ میں نے عرض کی: یا الٰہی عَزَّ وَجَلَّ! تو خوب جانتا ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا: تو میرا سچا بندہ ہے، میرے نزدیک تیرا مقام یہ ہے کہ میرے اور تیرے درمیان کبھی حجاب نہ ہوگا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا: اور بھی کچھ چاہیے؟ میں نے عرض کی: میں جس بستی میں رہتا تھا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ ارشاد فرمایا: میں نے اس بستی کے حق میں تیری شفاعت بھی قبول فرمائی۔ حضرتِ سیِّدُنا ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ پھر اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا اور ارکانِ حج ادا کرنے کے بعد قافلے والوں کے ساتھ چل پڑا۔ جس سے بھی میری ملاقات ہوتی وہ یہی کہتا: آپ کے ہاتھوں کی پاکیزہ خوشبو سے سب لوگ حیران ہیں۔ اس واقعہ کے ناقل کا کہنا ہے کہ حضرتِ سیِّدُنا ابراہیم خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق کے ہاتھ سے مرتے دم تک وہ خوشبو آتی رہی۔

(اَلرَّوضُ الفَائِق فِی المَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۳۲۲۔۳۲۳ اَلشَّیْخ شُعَیب حَرِیْفِیش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اَلْمُتَوَفّٰی ۸۱۰ھ)

شرح (153): حضرت سیدنا ابراہیم خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق اور یتیم گھرانہ

حضرت سیدنا معمر بن احمد بن محمد اصبہانی قدس سرہ الربانی نقل فرماتے ہیں، حضرت سیدنا ابراہیم خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق نے ایک دفعہ بیان فرمایا: میں ہر روز دریا کے کنارے جاتا اور کھجور کے پتّوں سے ٹوکریاں بناتا پھر وہ ٹوکریاں دریا میں ڈال دیتا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس عمل سے مجھے دلی خوشی اور سکون حاصل ہوتا۔ مجھے یہ عمل کرتے ہوئے بہت دن گزر گئے۔ ایک دن میں نے دل میں کہا: جو ٹوکریاں میں پانی میں ڈالتا ہوں آج دیکھوں گا کہ آخر وہ کہاں جاتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اس دن ٹوکریاں نہ بنائیں اور دریا کے کنارے کئی گھنٹے مسلسل چلتا رہا۔

آخر کار میں دریا کے کنارے ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک بڑھیا بیٹھی رو رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: تو کیوں رو رہی ہے؟ وہ کہنے لگی: میرے چھوٹے چھوٹے پانچ یتیم بچے ہیں، ہمیں فقر و فاقہ اور تنگدستی پہنچی تو میں رزقِ حلال کی تلاش میں اس دریا کے کنارے پر آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ کھجور کے پتوں سے بنی ٹوکریاں دریا میں بہتی ہوئی میری جانب آ رہی ہیں۔ میں نے انہیں پکڑا اور بیچ کر ان کی قیمت کو اپنے بچوں پر خرچ کر دیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی اسی طرح ہوا۔ پھر روزانہ ایسے ہی ہوتا رہا اور یوں ہمارے گھر کا خرچ چلتا رہا لیکن آج ابھی تک ٹوکریاں نہیں آئیں، میں ان کے انتظار میں یہاں پریشان بیٹھی ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

العلم کله فی کلمتین لا تکلف فی ما کفیت ولا تضیع ما استکفیت سارا علم دو کلموں میں جمع ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا اندیشہ دل سے اٹھا دیا ہے اس میں تکلف نہ کرو دوسرا یہ کہ جو کچھ تمہیں کرنا ہے وہ تم پر فرض ہے اسے ضائع نہ کرو یہاں تک کہ دنیا وآخرت میں اس کے موافق بن جاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ تقدیر میں تکلف نہ کرو کیونکہ ازلی قسمت تمہارے تکلف سے بدل نہیں سکتی اور اس کے کسی حکم کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ نافرمانی تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ آپ سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ عجائبات میں سے آپ نے کیا کیا دیکھا؟ آپ نے فرمایا میں نے بکثرت عجائبات دیکھے ہیں (154) لیکن اس سے زیادہ عجیب کچھ نہ تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا ابراہیم خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور رب کی بارگاہ میں عرض کرنے لگا: اے میرے رحیم کریم پروردگار عزوجل! اگر میں جانتا کہ میری کفالت میں پانچ بچے اور بھی ہیں تو میں زیادہ ٹوکریاں دریا میں ڈالتا۔ پھر میں نے اس بڑھیا سے کہا: محترمہ! آپ پریشان نہ ہوں، آج آپ لوگوں کے لئے کھانے وغیرہ کا بندوبست میں کروں گا۔ پھر میں اس کے گھر کی طرف چل دیا۔ میں نے دیکھا کہ واقعی بڑھیا غریب عورت ہے۔ چنانچہ میں کئی سال تک اسی طرح اس غریب بڑھیا اور اس کے یتیم بچوں کی پرورش کرتا رہا۔ اللہ عزوجل اس عمل کو قبول فرمائے۔ (عُیُونُ الحِکَایَات صفحہ ۴۰۳)

شرح (154): ایک غریب الوطن

حضرت سیدنا علی بن محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیدنا ابراہیم خواص علیہ رحمۃ اللہ الرزاق کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں تقریباً سترہ سال تک جنگلوں اور صحراؤں میں پھرتا رہا اور مختلف مقامات پر اپنے ربّ عزوجل کی عبادت کرتا رہا۔ ان سترہ سالوں میں مجھے جو سب سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا: ایک مرتبہ میں نے جنگل میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے اور وہ گھِسٹ گھِسٹ کر چل رہا تھا۔ اس کے علاوہ بھی وہ بہت سی مشکلات سے دوچار تھا۔ میں اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور مجھے اس پر ترس آنے لگا، میں نے قریب جا کر اسے سلام کیا، اس نے میرا نام لے کر جواب دیا۔ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی، میں نے اس سے پوچھا: آپ سے یہ میری پہلی ملاقات ہے، پھر آپ نے میرا نام کیسے جان لیا؟

تو وہ کہنے لگا: جو ذات تجھے میرے پاس لائی ہے اسی نے مجھے تمہاری پہچان کرادی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اجازت چاہی کہ میں تمہاری مجلس میں شامل رہوں مگر میں نے اسے منظور نہ کیا لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا میرا منظور نہ کرنا اس لیے نہ تھا کہ میں ان سے بہتر رفیق کو چاہتا تھا بلکہ میں ڈرتا تھا کہ میں کسی غیر حق کے ساتھ اعتماد کر کے اپنے توکل کو ضائع نہ کر بیٹھوں کہیں ایسا نہ ہو کہ نفل کے بدلے فرض جاتا رہے۔ یہ آپ کا درجہ کمال ہے۔

(۵۵) حضرت ابوحمزہ بغدادی بزاز رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ ائمہ طریقت محرم سراپردۂ تمکین، اساس اہل یقین حضرت ابوحمزہ بغدادی بزاز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر متکلمین مشائخ میں سے تھے آپ حضرت محاسبی کے مرید، حضرت سری سقطی کے صحبت یافتہ اور حضرت نوری وخیر النساج کے ہم زمانہ تھے آپ نے اکابر مشائخ کی صحبت پائی اور بغداد میں مسجد صافیہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے تفسیر وقرأت کے عالم تھے آپ کی روایات حدیث بلند مرتبہ ہیں جس وقت حضرت نوری پر ابتلاء کا زمانہ آیا تو آپ ان کے ساتھ تھے اللہ نے سب کو نجات عطا فرمائی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نے کہا: آپ نے بالکل بجا فرمایا، واقعی میرا پروردگار عزوجل ہر چاہے پر قادر ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: میں شہر بخارا سے آ رہا ہوں اور حرمین طیبین کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ نہ اس شخص کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں۔ پھر یہ بخارا سے یہاں تک کیسے پہنچا اور اب یہ مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً) تک جانا چاہتا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ہے، یہ وہاں تک تنِ تنہا کیسے پہنچے گا؟ میں انہیں خیالات میں گم بڑی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس شخص نے میری طرف جلال بھری نگاہ ڈالی اور کہنے لگا: اے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! کیا تجھے اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ قادر وقدیر پروردگار عزوجل مجھ جیسے ضعیف واپاہج کو یہاں تک لے آیا۔ اتنا کہنے کے بعد اس شخص کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا اور وہ زار وقطار رونے لگا۔ میں نے اسے کہا: آپ بالکل پریشان نہ ہوں، اللہ عزوجل کی رحمت ہر شخص کے ساتھ ہے، وہ کسی کو مایوس نہیں کرتا۔

پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا، میرا ابھی اس سال حج کا ارادہ تھا جب میں مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً) پہنچا اور طواف کے لئے خانہ کعبہ میں حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی اپاہج شخص مجھ سے پہلے خانہ کعبہ پہنچا ہوا ہے اور مشغولِ طواف ہے، وہ گھِسٹ گھِسٹ کر طواف کر رہا تھا۔ (عُیُونُ الحِکَایات صفحہ ۳۸۴)

اذا سلمت منك نفسك فقل اديت حقها واذا اسلم منك الخلق قضيت حقوقهم

جب تمہارا جسم تم سے سلامتی پائے تو جان لو کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا اور جب لوگ تم سے محفوظ رہیں تو جان لو کہ تم نے ان کا حق ادا کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ حق دو طرح کے ہیں۔ اپنے اوپر اپنا حق دوسرا اپنے اوپر لوگوں کا حق (155) جب تم

شرح (155): انسانی حقوق:

بعض ایسے بھی حقوق ہیں جو ہر آدمی کے دوسرے آدمی پر ہیں خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان ※ نیکوکار ہو یا بدکار۔ ان حقوق میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) بلا خطا ہرگز ہرگز کسی انسان کی جان و مال کو نقصان نہ پہنچائے۔

(۲) بلا کسی شرعی وجہ کے کسی انسان کے ساتھ بدزبانی وسخت کلامی نہ کرے۔

(۳) کسی مصیبت زدہ کو دیکھے یا کسی کو بھوک پیاس یا بیماری میں مبتلا پائے تو اس کی مدد کرے۔ کھانا پانی دے دے۔ دوا علاج کر دے۔

(۴) جن جن صورتوں میں شریعت نے سزاؤں یا لڑائیوں کی اجازت دی ہے ان صورتوں میں خبردار خبردار حد سے زیادہ نہ بڑھے اور ہرگز ہرگز ظلم نہ کرے۔ یہ شریعت اسلام کی مقدس تعلیم کی رو سے ہر انسان کا ہر انسان پر حق ہے جو انسانی حیثیت سے ایک دوسرے پر لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

(جامع الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة المسلمین، رقم ۱۹۳۱، ج ۳، ص ۳۷۱)

یعنی رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم لوگوں پر رحم فرمائے گا۔

اور ایک دوسری حدیث میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله۔

(کنز العمال، کتاب الزکوٰۃ، الباب الثانی فی السخاء والصدقۃ، الفصل الاول، رقم ۱۶۱۶۷، ج ۶، ص ۱۶۴)

یعنی تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے جو اس کی پرورش کی محتاج ہے اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک وہ پیارا ہے جو اللہ کی عیال یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

نے اپنے آپ کو معصیت سے محفوظ رکھا اور دنیا میں سلامتی کی راہ پر قائم رہ کر آخرت کے عذاب سے اسے بچالیا تو تم نے اس کا حق ادا کر دیا اور جب تم نے لوگوں کو اپنی اذیت سے محفوظ رکھا اور ان کی بدخواہی نہ کی تو تم نے ان کا حق ادا کر دیا لہٰذا کوشش کرو کہ نہ تم خود برائی میں پڑو اور نہ لوگوں کو برائی میں ڈالو اس کے بعد حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں پوری کوشش کرو۔ واللہ اعلم۔

(۵۶) حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ:

منجملہ آئمہ طریقت، اپنے حق کے امام عالی حال، لطیف کلام، حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو محققین مشائخ میں سے تھے۔(156) حقائق میں آپ کا بہت بلند درجہ تھا(157) تمام مشائخ کے نزدیک آپ لائق تعریف اور حضرت جنید کے قدیم مصاحبوں میں تھے آپ کے اظہار و بیان میں ایسی گہرائی ہوتی تھی کہ اصحابِ غور و فکر کی فہم سے بالاتر ہوتی تھی آپ نے کسی شہر میں مستقل اقامت اختیار نہیں کی جب آپ شہر مرو میں تشریف لائے تو وہاں کے لوگ آپ کی لطافت طبع اور نیک سیرتی کے گردیدہ ہو گئے اور آپ کا وعظ غور سے سنا کرتے تھے عمر کے آخری ایام وہیں گزارے۔ آپ کا ارشاد ہے:

الذاکر فی ذکرہ اکثر غفلة من الناس لذکرہ ذکر کرنے والے کو اس کی یاد میں فراموش کنندہ ذکر سے زیادہ غفلت ہوتی ہے۔

اس لیے کہ جب خدا کو یاد رکھے اور اس کے ذکر کو بھول جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے خرابی تو اس میں ہے کہ تو اس کے ذکر کو یاد رکھے اور اسے بھول جائے کیونکہ ذکر اور چیز ہے اور مذکور یعنی جس کا ذکر کیا جائے اور ہے لہٰذا جب ذکر کے گمان پر ذاتِ مذکور سے منہ موڑ لے تو اس میں غفلت زیادہ پائی جاتی ہے بہ نسبت اس کے کہ عین مذکور کی یاد کو فراموش کر دے اور گمان بھی نہ ہو۔ بھول جانے والے کو نسیان و غیبت کی

شرح (156): ۳۲۰ ہجری میں میں وصال فرمایا۔

شرح (157): حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ بلند مرتبہ اور بہت زبردست صاحب کشف و کرامات ولیٔ کامل تھے، آپ بہت ہی منکسر المزاج تھے، خواص و عوام میں ہمیشہ سادگی پسند کرتے تھے، آپ معارف و حقائق میں یکتا اور توحید و تجرید میں بے مثل تھے، حضرت ابوبکر وسطی رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ ذکر و اذکار میں مشغول رہتے تھے۔

حالت میں حضور کا گمان نہیں رہتا اور ذاکر کو حالت ذکر وغیبت میں ذاتِ مذکور کے حضور کا گمان ہوتا ہے لہٰذا عدم حضور کی حالت میں حضور کا گمان بہ نسبت اس کے جو غیبت خالی از گمان ہو غفلت سے زیادہ نزدیک ہے اس لیے کہ طالبانِ حق کی ہلاکت ان کے گمان میں ہے کہیں گمان زیادہ اور معنیٰ کم ہوں گے اور کہیں معنیٰ زیادہ اور گمان کم ہوگا درحقیقت ان کا گمان، عقل کی اتہام طرازی ہے اور عقل کی اتہام طرازی نفس کے ارادہ سے حاصل ہوتی ہے لیکن ہمت کا تہمت سے کوئی تعلق نہیں اصل ذکر یا تو غیبت میں ہوتا ہے یا حضور میں، جب غائب از خود غیبت میں اور حق کے حضور میں ہو تو وہاں ذکر نہیں ہوتا بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور جب بندہ حق سے غائب اور از خود حاضر ہو تو وہاں بھی ذکر نہیں ہوتا کیونکہ غیبت غفلت سے ہوتی ہے۔

(۵۷) حضرت ابوبکر بن دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ:

منجملہ ائمہ طریقت، سکینۂ احوال، سفینۂ مقال حضرت ابوبکر بن دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر مشائخ میں سے تھے اور سب کے نزدیک قابل تعریف تھے (158) آپ کے حالات ومقالات بیان حق میں مہذب و پاکیزہ ہیں اشارے لطیف اور قابلِ ستائش ہیں جیسا کہ متاخرین مشائخ فرماتے ہیں کہ **ثلثة من عجائب الدنیا اشارات الشبلی ونکات المرتعش و حکایات الجعفر** دنیا میں تین بزرگوں کی عجیب وغریب خصوصیتیں ہیں ایک شبلی کے اشارے دوسرے مرتعش کے نکتے اور تیسرے جعفر کی حکایتیں۔ آپ اکابر قوم اور ساداتِ اہلِ طریقت میں سے ہیں ابتداء میں آپ خلیفہ وقت کے مقرب خاص تھے حضرت خیر النساج کی صحبت میں آپ نے توبہ کی اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ارادت قائم

شرح (158): حضرتِ سیّدنا شیخ ابوبکر شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی پیدائش بغداد کے نواحی علاقے سامرہ میں ۲۴۷ھ میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام جعفر اور کنیت ابوبکر ہے۔ آپ کو شبلی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ موضع شبلہ یا شبیلہ میں رہنے والے تھے۔

آپ نے حضرت جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الهادی کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ آپ نے شیخ کی خدمت میں رہ کر بہت ہی ریاضت وعبادت کی۔ حدیث کی مشہور کتاب مؤطا امام مالک آپ کو زبانی یاد تھی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ۲۷ ذوالحجۃ الحرام ۳۳۴ھ کو 88 برس کی عمر میں ہوا۔ آپ کا مزارِ پُرنور بغداد شریف میں سامرہ کے مقام میں ہے۔

کیا۔ بکثرت مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔ آپ نے ارشادِ حق قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (159) (النور: ۳۰) کی تفسیر میں فرمایا:

اَیْ ابصار الروس عن المحارم والبصار القلوب عما سوی الله۔ اے نبی ﷺ مسلمانوں کو یہ حکم پہنچا دو کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں یعنی سروں کی آنکھوں کو نامحرموں کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنے سے بچائیں اور دلوں کی آنکھوں کو غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھیں۔

مطلب یہ ہے کہ دل کی آنکھ کو انواعِ فکر سے محفوظ رکھو، اسے دیدار و مشاہدہ کے سوا اور کسی سے سروکار نہ رکھو لہٰذا خواہشات کی پیروی اور نامحرموں کی طرف نظر، غفلت سے ہوتی ہے اور غافلوں کے لیے اہانت آمیز مصیبت یہ ہے کہ وہ اپنے عیبوں سے جاہل ہوتے ہیں جو شخص دنیا میں جاہل ہے وہ آخرت میں بھی جاہل ہوگا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (160) جو اس جہان میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ (بنی اسرائیل: ۷۲)

درحقیقت جب تک اللہ تعالیٰ کسی کے دل سے شہوانی خیالات کو دور نہ فرمائے اس وقت تک سر کی آنکھیں اس کے غوامض سے محفوظ نہیں ہوتیں اور جب تک اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور اپنا ارادہ کسی کے دل میں جاگزیں نہ کرے اس وقت تک دل کی آنکھیں غیر کے نظارے سے محفوظ نہیں رہتیں۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں بازار گیا تو لوگ کہنے لگے: هٰذا مجنون یہ پاگل ہے۔ میں نے ان کو جواب دیا: انا عند کم مجنون و انتم عندی اصحاء فزادنی الله فی جنونی وزاد صحتکم میں تمہارے نزدیک پاگل ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ میرے جنون کو اور

شرح (159): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

ترجمہ کنز الایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں (پ ۱۸، النور: ۳۰)

شرح (160): وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ

(پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۷۲)

زیادہ کرے اور تمہاری صحت کو اور بڑھائے [161] کیونکہ میرا جنون شدتِ محبت میں ہے اور تمہاری صحت قوی غفلت کی وجہ سے ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ میری دیوانگی کو بڑھائے تا کہ اس سے میری قربت اور زیادہ ہو اور تمہاری ہوشیاری اور زیادہ کرے تا کہ اس سے اور زیادہ دوری ہو جائے یہ فرمان غیر تمندی کی وجہ سے ہے تا کہ آدمی ایسا نہ بنے کہ وہ صحت و دیوانگی میں فرق نہ کر سکے۔ واللہ اعلم

(۵۸) حضرت ابومحمد بن جعفر بن نصیر خالدی رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ آئمہ طریقت، حکایت کنندۂ احوال اولیاء حضرت ابومحمد جعفر بن نصیر خالدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں [162] آپ حضرت جنید کے اصحاب کبار اور متقدمین مشائخ میں سے ہیں فنون طریقت کے مُتبحر عالم، اتقا میں مشائخ کے محافظ تھے ہر فن میں آپ کا کلام ارفع ہے ترک رعونت کے ہر مسئلہ میں حکایات بیان کی ہیں یہاں پر اس کا حوالہ کسی دوسرے کی طرف کیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

التوکل استواء القلب عن الوجود والعدم متوکل وہ ہے کہ اس کے دل میں وجود اور عدم برابر ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ رزق پانے سے دل خوش نہ ہو اور اس کے نہ ہونے سے دل غمگین نہ ہو اس لیے کہ

شرح (161): عیسائی طبیب مسلمان ہوگیا

حضرت سیّدُنا شیخ شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے۔ لوگ آپ کو علاج کے لئے ایک شفاء خانے لے گئے۔ شفاء خانے میں بغداد کے وزیر علی بن عیسیٰ نے آپ کی حالت دیکھی تو فوراً بادشاہ سے رابطہ کیا کہ کوئی تجربہ کار معالج بھیجئے۔ بادشاہ نے ایک عیسائی طبیبِ حاذق کو بھیج دیا۔ اس نے شیخ کے علاج کے لئے سر توڑ کوششیں کیں لیکن آپ کو شفاء نہ ہوئی۔ ایک دن طبیب کہنے لگا، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے پارہ گوشت سے آپ کو شفاء مل جائے گی تو اپنے بدن کا گوشت کاٹ کر دینا بھی مجھ پر کچھ گراں نہ ہوتا۔ یہ سن کر شیخ شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ارشاد فرمایا، میرا علاج اس سے بھی کم میں ہو سکتا ہے۔ طبیب نے دریافت کیا، وہ کیا؟ ارشاد فرمایا، زُنّار (کمر میں باندھا جانے والا دھاگہ جو کہ عیسائیوں کی مذہبی علامت ہے) توڑ دے اور مسلمان ہو جا۔ یہ سن کر اس نے عیسائیت سے توبہ کر لی اور مسلمان ہو گیا اور اس کے مسلمان ہونے پر شیخ شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی بھی تندرست ہو گئے۔ (روض الریاحین، الحکایۃ الرابعۃ والثلاثون بعد المئۃ، ص ۲۱۲)

شرح (162): آپ ۲۵۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۴۸ ہجری میں بغداد میں وصال فرمایا۔

جسم مالک کا ملک ہے اس کی پرورش اور اس کی ہلاکت دونوں مالک ہی کے قبضہ میں ہیں اور وہ اپنے ملک کو تم سے زیادہ جانتا ہے وہ جیسا چاہے رکھے تم اس میں دخل نہ دو ملکیت کو مالک کے حوالہ کر کے اس سے لاتعلق ہو جاؤ۔ (163)

شرح (163): تَوَکُّل کے متعلق اسلاف کے اقوال:

حضرت سَیِّدُنا ابو موسیٰ دَیبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سَیِّدُنا ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا: توکل کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے استفسار فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: ہمارے اصحاب تو فرماتے ہیں کہ اگر درندے اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں تو بھی تمہارے باطن میں کوئی حرکت نہ ہو۔ تو حضرت سَیِّدُنا ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے: ہاں! یہ توکل کے قریب ہے لیکن اگر اہلِ جنت، جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہو، پھر تم ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے لگو، تو توکل سے نکل جاؤ گے۔

حضرت سَیِّدُنا ابو عبداللہ قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہر حال میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے تعلق قائم رکھنا۔ سائل نے عرض کی: مزید کچھ فرمائیے۔ فرمایا: ہر اس سبب کو چھوڑ دینا جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔

توکل کے درجات:

توکل کے تین درجے ہیں:

(۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کا اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر اعتماد اس طرح ہو جس طرح اس کا اعتماد اس وکیل پر ہوتا ہے جسکی سچائی، امانت، عنایت، ہدایت اور شفقت اسے معلوم ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ساتھ اس کا حال ایسا ہو جیسے بچے کا حال اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور تمام امور میں اسی کی پناہ لیتا ہے اور یہی اس کا پہلا خیال ہوتا ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے رحم و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے سوا کسی سے سوال نہ کیا جائے۔

(۳) تیسرا درجہ بیمار کی زردی کی طرح ہے کبھی ہمیشہ رہتی ہے اور کبھی زائل ہو جاتی ہے۔

اگر تم سوال کرو، کہ کیا ان احوال میں بندے کے ساتھ تدبیر اور اسباب کا تعلق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتو ان کو بخار میں مبتلا پایا میں نے عرض کیا کہ اے استاذ! آپ حق تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ صحت بخشے۔ حضرت جنید نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) باقی رہتا ہے؟ تو جان لیجئے! تیسرا درجہ تو تدبیر کی بالکل نفی کرتا ہے جب تک یہ حالت باقی رہے اور دوسرا مقام بھی ہر تدبیر کی نفی کرتا ہے، ہاں! اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے فریاد کرنا اور سوال کرنا باقی رہتا ہے جیسے بچہ صرف اپنی ماں کو پکارتا ہے۔

مُتَوَکِّلِین کے اعمال کا بیان

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ متوکل کو ایسا ہونا چاہیے، جیسے قصاب کے پھٹے پر گوشت کا ٹکڑا رکھا ہوتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

اعمالِ متوکلین کی اقسام:

ہم کہتے ہیں، متوکلین کے اعمال دو اقسام میں منقسم ہوتے ہیں: (۱) نفع بخش چیز کا حاصل کرنا اور اس کی حفاظت کرنا (۲) نقصان دہ چیز کو دور کرنا اور اسے ختم کرنا۔

(۱) نفع بخش چیز کا حاصل کرنا: رہا نفع مند چیز حاصل کرنا تو یہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق جاری ہوتا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوتا جیسا کہ سامنے رکھے ہوئے کھانے کو چبانا یا منہ تک لے جانا اور ایسا نہ کرنا بے وقوفی اور پاگل پن ہے اور وہ اسباب جن کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ اسباب کے بغیر ان کا حصول بہت مشکل ہے جیسے وہ شخص جو شہروں اور قافلوں سے دور ہو جائے اور ایسے جنگلوں میں سفر کر رہا ہو، جہاں لوگوں کی آمد ورفت بہت کم ہو اور ایسے سفر میں زادِراہ ساتھ نہ لے جائے، مگر یہ چیز توکل میں شرط نہیں البتہ اگر وہ زادِراہ کے بغیر ایسا کرے تو یہ توکل کا اعلیٰ درجہ ہے، اور وہ چیز جو بہت کم مقصود کی طرف لے جاتی ہے جیسا کہ کمانے کی تدبیر نہ کرنا تو یہ چیز توکل کو مکمل طور پر ختم کر دیتی ہے۔

توکل کا دوسرا درجہ: یہ ہے کہ آدمی کسی گاؤں یا شہر میں اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جائے تو یہ بھی توکل ہے کیونکہ ایسا شخص ظاہری کسب کو چھوڑ دیتا ہے لیکن یہ پہلے درجے سے کمزور ہے کیونکہ یہ تنہائی چھوڑ کر لوگوں کے سامنے ہوتا اور ایسی جگہ بیٹھتا ہے جہاں لوگ اس کی خبر گیری کرتے ہیں۔

توکل کا تیسرا درجہ: یہ ہے کہ وہ سنت کے مطابق رزقِ حلال کمائے جیسا کہ کسب کے باب میں بیان ہو چکا ہے اور کہا گیا کہ یہ چیز اسے توکل سے خارج نہیں کرتی، لیکن یہ توکل کا سب سے کمزور درجہ ہے اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا اعتماد سامان پر نہ ہو، اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ چوری یا مال کے ضائع ہونے پر غمزدہ نہ ہو۔

فرمایا میں نے کل دعا کی تھی میرے دل میں آواز آئی کہ اے جنید! تمہارا جسم، ہماری ملکیت ہے ہمیں اختیار ہے چاہے تندرست رکھیں یا بیمار تم کون ہو کہ ہمارے اور ہماری ملکیت کے درمیان دخل دو اپنا اختیار ختم کرو تا کہ بندے ہو جاؤ۔ واللہ اعلم!

(۵۹) حضرت ابوعلی محمد بن قاسم رود باری رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ آئمۂ طریقت، شیخ محمود، معدنِ جود، حضرت ابوعلی محمد بن قاسم رود باری رحمۃ اللہ علیہ اللہ ہیں (164) جو اکابر جوان مردانِ صوفیا کے سرخیل تھے خاندانِ سلاطین سے تعلق رکھتے تھے فنون معاملات میں عظیم المرتبہ تھے۔ آپ کے مناقب ونشانیاں بکثرت اور معرفت وطریقت کے دقائق میں کلام لطیف ہے۔ (165) آپ کا ارشاد ہے:

المرید لا یرید لنفسه الا ما اراد الله له والمراد لا یرید من الکونین شیأ غیره مرید

وہ ہے جو اپنے لیے کچھ نہ چاہے بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ اس کے لیے چاہے اور مراد وہ ہے جو دونوں جہان سے بجز خدا کسی چیز کو نہ چاہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ارادے پر راضی رہ کر اپنے لیے کوئی خواہش نہ رکھے (166) تا کہ وہ

شرح (164): آپ ۳۲۲ ہجری میں کرگ میں وصال فرمایا۔

شرح (165): حضرت عالی منزلت امام طریقت سیدنا ابوعلی رود باری بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اجلہ خلفائے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں حضرت عارف باللہ سیدنا استاذ ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مشائخ میں ان کے برابر علم طریقت کسی کو نہ تھا۔ اس جناب گردوں قباب سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر سنتا ہے اور کہتا ہے یہ میرے لئے حلال ہے اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا ہوں کہ احوال کے اختلاف کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا فرمایا: نعم قد وصل ولکن الی سقر۔ ہاں پہنچا تو ضرور ہے مگر جہنم تک، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ابوعلی احمد بن محمد رود باری، مصطفی البابی مصر ص ۲۸)

شرح (166): امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی قبیل کتاب آداب النکاح میں فرماتے ہیں: حکی ابوعلی الرودباری رحمه الله تعالیٰ عن رجل انه اتخذ ضیافة فاوقد فیها الف سراج وقال له رجل قد اسرفت فقال له ادخل فکلما اوقدته لغیر الله فاطفئه فدخل الرجل فلم یقدر علی اطفاء واحد منها فانقطع ا ہ۔ یعنی امام اجل عارف اکمل، سند الاولیاء حضرت سیدنا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مرید صادق بن جائے۔ محب کو زیبا ہے کہ اپنا کوئی ارادہ نہ ہوتا کہ خدا ہی اس کی مراد ہو گویا وہ حق تعالیٰ ہی کو چاہے اور کسی غیر کی طلب نہ رکھے اور وہی چاہے جو خدا چاہے کیونکہ اسے حق چاہتا ہے لہٰذا وہ بجز حق کے کسی کو نہ چاہے چونکہ تسلیم و رضا طریقت کا ابتدائی مقام ہے اور ربوبیت کے ساتھ محبت کرنا احوال کی انتہا ہے۔ عبودیت کے تحقق سے مقامات کی نسبت ہے اور ربوبیت کی تائید سے احوال کی منزلت ہے جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو مرید بخود قائم اور مراد بحق قائم ہو جائے گا۔ واللہ اعلم!

(۶۰) حضرت ابوالعبّاس قاسم بن مہدی سیّاری رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ ائمۂ طریقت، خزینہ دار توحید، سمسار تفرید حضرت ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (167) جو اپنے زمانہ کے امام اور علوم ظاہر اور فنونِ حقائق کے عالم تھے حضرت ابو بکر واسطی (168) کے صحبت یافتہ، بکثرت مشائخ سے ادب گرفتہ، صوفیاء کی صحبت میں از ہمہ اشرف اور راہِ الفت میں زاہد تر تھے آپ کا کلام بلند اور تصانیف عمدہ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

التوحید ان لا یخطر بقلبك ما دون توحید توحید یہ ہے کہ دل میں حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا تصور نہ ہو۔

دل کے اسرار پر کسی مخلوق کا گذر نہ ہو اور نہ معاملات کی پاکیزگی میں کوئی کدورت ہو اس لیے کہ غیر کا اندیشہ غیر کے اثبات سے ہے جب غیر کا اثبات ہے تو حکمِ توحید ساقط ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام ابوعلی رودباری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ اجلّہ اصحاب سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں ۳۲۲ ہجری میں وصال شریف ہے، امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ نے رسالہ مبارک میں ان کی نسبت فرمایا اظرف المشائخ واعلمھم بالطریقۃ (مشائخ میں سب سے زیادہ عقلمند اور طریقت کے سب سے بڑے عالم۔ت) حکایت فرماتے ہیں کہ ایک بندہ صالح نے احباب کی دعوت کی اس میں ہزارہا چراغ روشن کیے، کسی نے کہا آپ نے اسراف کیا، صاحب خانہ نے فرمایا: اندر آیئے جو چراغ میں نے غیر خدا کے لیے روشن کیا وہ گل کر دیجیے، معترض اندر گئے، ہر چند کوشش کی ایک چراغ بھی نہ بجھا سکے، آخر قائل ہو گئے وللہ الحمد۔

(احیاء العلوم والدین، الباب الرابع من آداب الضیافۃ، مکتبہ ومطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۰)

شرح (167): آپ ۲۶۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۴۲ ہجری میں بغداد میں وصال فرمایا۔

شرح (168): حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے

حضرت ابو العباس سیاری کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ مرو کے علاقے کے ایک بڑے رئیس تھے کہ کوئی شخص دولت اور مرتبہ میں آپ سے بڑھ کر نہ تھا آپ نے اپنے والد کی میراث میں بہت مال و دولت پایا تھا لیکن یہ تمام مال و منال دے کر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو موئے مبارک حاصل کر لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان موئے مبارک کی برکت سے سچی توبہ عطا فرمائی اور حضرت ابوبکر واسطی کی صحبت میں رہ کر ایسا کمال پایا کہ صوفیاء کے امام حنیف ہو گئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا ان موئے مبارک کی برکت سے ملا (169) جب آپ دنیا

شرح (169): اہلسنت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ تبرکات کی تعظیم کرتے ہیں۔

تعظیم تبرکات

مہر نبوت چوم لی:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے پہلے مختلف دینی و مذہبی راہنماؤں کے پاس آتے جاتے رہے۔ ہر مذہبی رہنما انھیں وصیت کیا کرتا کہ میرے بعد فلاں کے پاس جانا، یہ بھی پوچھ لیا کرتے کہ ان کی زندگی کے بعد کس کے پاس رہنا چاہیے، جب آپ نے آخری راہب سے پوچھا کہ اب مجھے کس کی خدمت میں رہنا ہوگا، اس نے کہا: اب دنیا میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کی صحبت میں تمھیں امن و سلامتی نصیب ہو، ہاں! عنقریب نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں جو دین ابراہیمی پر ہوں گے، ان کی ہجرت گاہ ایسا مقام ہوگا جو دو پہاڑوں کے درمیان ہوگا اور اس میں کھجور کے درخت کثرت سے پائے جائیں گے، نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، آپ ہدیہ قبول کریں گے صدقہ نہیں کھائیں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نصیحت کو پیش نظر رکھا اور ملک عرب کی طرف رخ کیا جونہی وہ مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے قبا تشریف لا چکے تھے۔ سلمان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ چیزیں لیکر حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یہ صدقہ ہے حضور قبول فرمایئے! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: تم کھالو لیکن خود نہ کھایا۔ حضرت سلمان نے دل میں کہا ایک نشانی تو پوری ہوگئی۔ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں بعد ازاں میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت میں مل گیا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے رحلت فرمانے لگے تو وصیت کی کہ وہ موئے مبارک کو میرے منہ میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قبا سے مدینہ تشریف لائے تو میں کچھ چیزیں لیکر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی! حضور یہ ہدیہ ہے قبول فرمائیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیساتھ مل کر کھالیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا دو علامتیں پوری ہو گئیں۔

اس کے بعد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جنت البقیع میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کندھوں پر دوشالہ تھا جسے آپ چادر اور ازار کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب کپڑے کا دامن ایک طرف ہوا تو میں نے مہر نبوت کو ویسا ہی پایا جیسے مجھے بتایا گیا تھا، میں جذبات سے اس قدر مغلوب ہوا کہ بے اختیار مہر نبوت کو بڑھ کر چوم لیا اور رونے لگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے اپنے پاس بلالیا، میں نے اپنی ساری سرگزشت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سنائی آپ نے اسے پسند فرمایا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی میری سرگزشت سنی۔

(شواہد النبوۃ، رکن رابع، ص ۸۴)

موئے مبارک:

مقام حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بال بنوا کر تمام بال مبارک ایک سبز درخت پر ڈال دیئے۔ تمام اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی درخت کے نیچے جمع ہو گئے اور بالوں کو ایک دوسرے سے چھیننے لگے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بھی چند بال حاصل کر لئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد جب کوئی بیمار ہوتا تو میں ان مبارک بالوں کو پانی میں ڈبو کر پانی مریض کو پلاتی تو رب العزت اسے صحت عطا کر دیتا۔ (مدارج النبوت، قسم سوئم، باب ششم، ج ۲، ص ۲۱۷)

لعاب مبارک:

عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں موصل کو فتح کیا ان کی بیوی ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں کوشش کرتی تھیں تا کہ دوسری سے اطیب ہو اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی خوشبو نہ لگاتے تھے مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر داڑھی کو مل لیتے تھے اور ہم میں سب سے زیادہ خوشبودار تھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب وہ باہر نکلتے تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ ہم استعمالِ خوشبو میں کوشش کرتی ہیں اور تم ہم سے زیادہ خوشبودار ہو، اس کا سبب کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلے نمودار ہوئے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم سے اس بیماری کی شکایت کی۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔ میں نے ستر کے علاوہ کپڑے اتار دیئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم نے اپنا لعاب اپنے دست مبارک پر ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا اس دن سے مجھ میں خوشبو پیدا ہو گئی۔

(الاستیعاب، باب حرف العین، عتبہ بن فرقد، ج ۳، ص ۱۴۸)

پسینہ مبارک:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالت خواب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کو پسینہ آیا، میری ماں ام سُلیم نے ایک شیشی لی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم بیدار ہوئے اور فرمانے لگے: ام سلیم تم یہ کیا کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کا پسینہ ہے، ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں اور وہ سب خوشبوؤں سے عمدہ خوشبو ہے۔

دوسری روایت مسلم میں ہے کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم ہم اپنے بچوں کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کے عرق مبارک کی برکتکے امیدوار ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کے عرق مبارک کو چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم، الحدیث ۲۳۳۱، ص ۱۲۷۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے، میں اسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں، میرے پاس کوئی خوشبو نہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گیا[170] اسی کا اثر ہے کہ مرو میں آج بھی آپ کی قبر کا نشان ہے لوگ مزار مبارک پر حاضر ہو کر مرادیں مانگتے ہیں حل مشکلات کی دعائیں کرتے ہیں اور ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔[171] یہ آزمودہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کچھ عنایت فرمائیں۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میرے پاس موجود نہیں مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میرے پاس لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لیکر حاضر خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ مبارک ڈالنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بھر گئی پھر فرمایا کہ اسے لے جا کر اپنی بیٹی سے کہہ دینا کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کر کے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسینہ مبارک کو لگاتی تو تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی یہاں تک کہ اس کے گھر کا نام بیت مطیبین (یعنی خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا۔

(شواہد النبوۃ، رکن خامس، ص ۱۸۱)

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

ادب و برکت اندوزی:

حدیث شریف میں مروی ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں بال اس قدر دراز تھے کہ جب وہ بیٹھتے اور ان بالوں کو چھوڑ دیتے تو زمین پر پہنچتے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بالوں کو اتنا کیوں بڑھایا؟ انہوں نے کہا کہ اس وجہ سے ان کو نہیں کٹواتا کہ ایک وقت ان پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دست مبارک لگا تھا اس لئے میں نے تبرکاً ان بالوں کو چھوڑ رکھا ہے۔

(مدارج النبوت، باب نہم، واجبات حقوق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم... الخ، ج ۱، ص ۳۱۶)

شرح (170): حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ایک کرتہ، ایک تہبند ایک چادر، اور چند موئے مبارک تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیئے جائیں۔

(تاریخ الخلفاء، معاویۃ بن ابو سفیان، ص ۱۵۸ بتصرف)

شرح (171): صاحبِ مزار کا اپنے زائر کی خبر گیری کرنا

اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السّلام پر ربُّ الانام مجلّ جَلالُہٗ کے خوب خوب انعام واکرام (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(٦١) حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ:

منجملہ ائمۂ طریقت، اپنے زمانہ میں تصوف کے مالک، حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں (172) آپ کی طبیعت تکلف و تصرف سے پاک تھی انواع علوم میں اپنے وقت کے امام تھے، مجاہدہ عظیم حقائق میں بیان شافی اور حال عمدہ تھا (173) آپ کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوتے ہیں ان کی عظمتوں کے کیا کہنے! میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: حضرتِ سیِّدی احمد بدوی کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی مجلسِ مِیلاد مِصر میں ہوتی ہے۔ مزارِ مبارک پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کے دن ہر سال مجمع ہوتا ہے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مِیلاد پڑھا جاتا ہے۔ امام عبدُ الوَہاب شَعرانی قُدِّسَ سِرُّہُ الرَّبّانی اِلتزام کے ساتھ ہر سال حاضِر ہوتے، اپنی کتاب میں بھی بہُت تعریف لکھی ہے۔ کئی وَرقوں (یعنی صَفحات) میں اس مجلس کے حالات بیان کئے ہیں۔ مجلس تین دن ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ (یعنی امام شَعرانی) کو تاخیر ہوگئی، یہ ہمیشہ (یعنی ہر سال) ایک دن پہلے ہی حاضِر ہوجاتے تھے، اس دَفعہ آخر دن پہنچے۔ جو اولیائے کرام (رَحِمَہُمُ اللہُ السّلام) مزارِ مبارک پر مُراقِب تھے اُنھوں نے (امام شَعرانی سے) فرمایا: کہاں تھے؟ دو روز سے حضرت (سیِّدی احمد بدوی کبیر علیہ رحمۃ القدیر) مزارِ مبارک سے پردہ اُٹھا اُٹھا کر فرماتے ہیں: عبدُ الوَہاب آیا؟ عبدُ الوَہاب آیا؟ اُنھوں نے (یعنی امام شعرانی نے) فرمایا: کیا حُضور (یعنی صاحبِ مزار) کو میرے آنے کی اِطّلاع ہوتی ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: اِطّلاع (بھی) کیسی! حُضُور (یعنی صاحبِ مزار) تو فرماتے ہیں کہ کتنی ہی منزِل پر کوئی شخص میرے مزار پر آنے کا ارادہ کرے، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اس کی حفاظت کرتا ہوں، اگر اس کا ایک ٹکڑا رَسّی کا جاتا رہے گا اللہ تعالیٰ مجھ سے سُوال کریگا۔ (یہ حکایت بیان کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا) اِن (یعنی امام شَعرانی) پر خاص توجُّہ تھی اور اِن کو (یعنی امام شعرانی کو) بھی خاص نیاز مندی (خصوصی عقیدت) تھی، اسی وجہ سے حضرت (سیِّدی احمد بدوی کبیر علیہ رحمۃ القدیر) کو ان سے خاص مَحبَّت تھی۔ حدیث میں ہے: جو کوئی دریافت کرنا چاہے کہ اللہ کے یہاں اُس کی کس قدر، قَدر و منزِلَت ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کی کس قدَر قدر و منزِلَت ہے اتنی ہی اس کی اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کے یہاں ہے۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت حصّہ سوم ص 361، مُسْنَدُ اَبِی یَعْلٰی ج 2 ص 224 حدیث 1 8 60)

شرح (172): آپ ۲۷۶ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۷۱ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (173): حضرت سیدنا ابو عبداللہ محمد بن خفیف ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن عطا، حضرت شبلی، حسین بن علاج، منصور حریری اور مکہ مکرمہ میں حضرت یعقوب نہر جوری کی صحبت پائی تھی۔ (174) مجرد رہ کر خوب سیاحت کی آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے توبہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرماتے ہیں: تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (طبقات کبریٰ از امام شعرانی ص ۱۸)

شرح (174): مراقبہ کس سے سیکھا:

حضرت سیدنا ابوعبداللہ بن خفیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں میں مصر سے رملہ جانے کیلئے نکلا تاکہ وہاں ابو علی روذباری (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے ملاقات کروں تو معروف زاہد حضرت سیدنا عیسیٰ بن یونس مصری (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے مجھے حکم دیا کہ مقام صور میں ایک نوجوان اور ایک بوڑھا شخص مراقبہ کی حالت میں ہیں اگر آپ ان کو ایک نظر دیکھ لیں تو شاید ان سے آپ کو نفع حاصل ہو۔ (فرماتے ہیں) میں مقام صور میں داخل ہوا اور میں بھوکا پیاسا تھا، میری کمر میں ایک کپڑا بندھا ہوا تھا لیکن میرے کاندھوں پر کچھ بھی نہ تھا۔

جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں دو آدمیوں کو دیکھا جو قبلہ رُخ بیٹھے ہوئے تھے میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا میں ان کو دوسری اور تیسری بار سلام کیا لیکن مجھے جواب نہیں سنائی دیا میں نے کہا میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میرے سلام کا جواب دو تو نوجوان نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہا اے ابن خفیفص! دنیا بہت تھوڑی ہے اور اس تھوڑی میں سے بھی بہت قلیل باقی رہ گئی ہے۔ اے ابن خفیفص! کیا تمہیں کوئی کام نہیں کہ تم ہم سے ملاقات کرنے کیلئے آ گئے۔

حضرت سیدنا ابن خفیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں اس کے کلام نے مجھ پر مکمل طور پر اثر کیا اور میں نے وہیں سر جھکا لیا۔ میں ان دونوں کے پاس ٹھہرا رہا حتی کہ ہم نے ظہر اور عصر کی نماز پڑھی اور اس دوران نہ مجھے بھوک محسوس ہوئی نہ پیاس۔

اس کے بعد جب عصر کا وقت ہوا تو میں نے کہا مجھے کچھ نصیحت کریں تو انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا اے ابن خفیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ)! ہم مصیبت کے مارے ہوئے لوگ ہیں ہمارے پاس نصیحت کے لئے زبان نہیں۔ فرماتے ہیں میں تین دن تک ان کے پاس رہا اور اس دوران میں نے کچھ کھایا نہ پیا اور نہ ہی سویا اور میں نے ان کو بھی کوئی چیز کھاتے پیتے نہیں دیکھا تیسرا دن ہوا تو میں نے دل میں کہا میں ان کو قسم دیتا ہوں کہ مجھے کوئی نصیحت کریں شاید ان کی نصیحت سے مجھے کوئی نفع حاصل ہو۔ اتنے میں نوجوان نے سر اٹھایا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

توفیق بخشی اور بادشاہت چھوڑ کر راہِ طریقت اختیار کر لی آپ کا باطن اہل معانی کے باطن پر فائق تھا۔ آپ کا ارشاد ہے:

التوحید الاعراض عن الطبیعتہ طبیعت سے منہ موڑنے ہی میں توحید کا قیام ہے۔

اس لیے کہ طبیعت سراپا حجاب ہے جو خدا کی نعمتوں سے محجوب و اندھا کر دیتی ہے لہٰذا جب تک طبیعت سے منہ نہ موڑا جائے اس وقت تک وصالِ حق ممکن نہیں اور صاحب طبع حقیقت توحید سے حجاب میں رہتا ہے جس وقت طبیعت کی آفتوں سے باخبر ہو گیا اس وقت حقیقت توحید منکشف ہو جائے گی۔ آپ کے دلائل بکثرت ہیں۔ واللہ اعلم!

(۶۲) حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ آئمۂ طریقت، سیفِ سیادت، آفتابِ نجابت حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اہل استقامت بزرگوں میں سے تھے (175) صاحبِ ریاضت و سیاست اور فنون علم میں کامل مہارت رکھتے تھے روایات میں مانند آفتاب نجابت تھے (176) آپ کی نشانیاں بکثرت اور براہین عمدہ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

من آثر صحبتہ الاغنیاء علیٰ مجانسۃ الفقراء ابتلاہ اللہ تعالیٰ بموت القلب جو درویشوں کی صحبت پر تونگروں کی ہم نشینی کو ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دل کی موت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور فرمایا اے ابن خفیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ)! ان لوگوں کی مجلس اختیار کرو جنہیں دیکھنے سے تمہیں خدا دیاد آئے اور ان کی ہیبت تمہارے دل پر چھا جائے وہ تجھے عمل کی زبان سے نصیحت کریں قول کی زبان سے نہیں اب ہمارے پاس سے چلے جاؤ۔ (فیضانِ احیاء العلوم صفحہ ۸۸)

شرح (175): آپ نے ۳۸۳ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (176): حضرت سیدنا ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کے مرید نے عرض کیا، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل کی رغبت کے بغیر بھی میری زبان سے ذِکرُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ جاری رہتا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا، یہ بھی تو مقام شکر ہے کہ تمھارے ایک عضو (یعنی زبان) کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے ذِکر کی توفیق بخشی ہے۔ جس کا دل ذِکرُ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ میں نہیں لگتا اس کو بعض اوقات شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ جب تیرا دل ذِکرُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ میں نہیں لگتا تو خاموش ہو جا کہ ایسا ذِکر کرنا بے ادبی ہے۔

اس لیے کہ جب درویشوں کی مجلس کے مقابلہ میں تونگروں کی صحبت اختیار کرے گا تو اس کا دل حاجت کی موت سے آپ ہی مرجائے گا اور اس کا جسم وہم وگمان میں گرفتار ہوجائے گا جب کہ مجلس چھوڑنے کا نتیجہ دل کی موت ہے تو صحبت سے اعراض کا کیا انجام ہوگا؟ ان مختصر کلمات میں صحبت اور مجانست کا فرق ظاہر ہے۔ واللہ اعلم!

(۶۳) حضرت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ:

منجملۂ آئمۂ متقدمین، صوفیا کے صف کے بہادر، عارفوں کے احوال کے معبر حضرت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جس طرح نیشاپور میں خوارزم بادشاہ تھے اور شاہ پور میں حمویہ بادشاہ گزرے ہیں اسی طرح آپ نیشاپور میں بلند مرتبہ پر فائز تھے فرق یہ تھا کہ وہ دنیا کی عزت رکھتے تھے اور آپ آخرت کی عزت سے مالا مال آپ کا کلام انوکھا اور نشانیاں بہت ہیں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور متاخرینِ اہل خراسان کے استاذ تھے اپنے زمانے میں ہر فن میں اعلم و اورع تھے۔ (177) آپ کا ارشاد ہے:

انت بین نسبتین نسبته الی آدم ونسبته الی الحق فاذا انتسبت الیٰ آدم دخلت فی میادین الشهوات ومواضع الآفات وازلا لات وهی نسبته تحقق البشریته قال الله تعالیٰ انه کان ظلوما جهولا واذا نسبت الی الحق دخلت فی مقامات الکشف والبراهین والعصمة والولایته وهی نسبته تحقق العبودیته قال الله تعالیٰ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا (الآیه) یعنی تم دونسبتوں کے درمیان ہو ایک نسبت حضرت آدم کی طرف ہے اور دوسری نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے جب تم آدم کی طرف منسوب ہوتے ہو تو شہوت کے میدانوں میں اور آفت کی غلط جگہوں اور مقامات میں داخل ہوجاتے ہو یہی وہ نسبت ہے جس سے تمہارا بشر ہونا ثابت ہے اسی نسبت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابن آدم بڑا جفا کار اور ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے جب تم اپنی نسبت حق تعالیٰ سے قائم کرتے ہو تو تم کشف و براہین اور عصمت وولایت کے مقامات میں داخل

شرح (177): آپ نے ۳۶۷ ہجری میں وصال فرمایا۔

حضرت ابوالقاسم نصر آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سیدنا ابوبکر شبلی اور سیدنا ابوعلی رودباری کے جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں فرماتے ہیں تصوّف کی بنیاد یہ ہے کہ کتاب وسنت کو لازم پکڑے رہے (طبقات کبریٰ ۱۲۲)

ہو جاتے ہو یہی وہ نسبت ہے جس سے حق تعالیٰ کی بندگی کا ثبوت ملتا ہے اسی نسبت کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے فرمایا رحمن کے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔

پہلی نسبت بشریت کی ہے اور دوسری نسبت عبودیت کی نسبتِ آدم تو قیامت میں منقطع ہو جائے گی البتہ نسبتِ عبودیت ہمیشہ قائم و دائم رہے گی اس میں تغیر تبدل جائز نہیں رکھا گیا جب اپنی نسبت کو اپنی طرف یا حضرت آدم علیہ السلام سے جوڑے تو اس کا کمال یہ ہے کہ وہ کہے: اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ (178) میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اور جب اپنی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرتا ہے تو وہ بندہ اسی کا محل بن جاتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمائے یَا عِبَادِیۡ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ (179) (الزخرف: ٦٨) اے میرے بندے آج تم پر کوئی خوف نہیں۔ واللہ اعلم!

(٦٤) حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حضرمی رحمۃ اللہ علیہ:

منجملہ آئمہ متقدمین، سالکانِ طریق حق کے سردار، اہل تحقیق کی جانوں کے جمال حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حضرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بارگاہِ الٰہی کے بزرگ ترین احرار بندوں اور صوفیاء کبار کے اماموں میں سے تھے۔ آپ اپنے عہد میں بے نظیر تھے ہر معانی میں آپ کا کلام ارفع اور عبارتیں عمدہ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

دعونی فی بلائی واسمعوا مالکم الستم من اولاد آدم الذی خلقه الله تعالیٰ بیده ونفخ فیه من روحه واسجدله المائکته ثم امره بامر فخالف فاذا کان اول الدن دُرۡ دِیًّا فکیف کان آخره۔ مجھے اپنی بلاؤں میں چھوڑ دو، سنو! تم کیا اسی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کر کے اپنی طرف سے ان میں روح پھونکی اور انہیں فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر ایک حکم دیا تو اس کی بھی خلاف ورزی کی جب کہ شروع ہی میں تلچھٹ ہے تو آخر

شرح (178): اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ

میں نے اپنی جان پر زیادتی کی۔ (پ ٢٠، القصص: ١٧)

شرح (179): یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: ان سے فرمایا جائے گا اے میرے بندو آج نہ تم پر خوف نہ تم کو غم ہو

(پ ٢٩، الزخرف: ٦٨)

میں کیا ہوگا؟

آپ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سراسر مخالفِ حق بن جائے گا اور اگر اس پر عنایتِ حق ہو جائے تو سرتاپا محبت ہو جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حسنِ عنایت کو سمجھ کر اپنے معاملات کی برائی کا اس سے موازنہ کرتے رہنا چاہیے اور اپنی تمام عمر اسی موازنہ میں گزار دینی چاہیے۔ وباللہ التوفیق!

یہ ہے سلف کے برگزیدہ متقدمین مشائخ کا مختصر تذکرہ (180) اگر میں اس کتاب میں تمام بزرگوں کا تذکرہ کرتا یا تشریح و تفصیل کے درپے ہوتا اور ان کے تمام حالات و واقعات کو درج کرتا تو اصل مقصود فوت ہو جاتا طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اب کچھ متاخرین صوفیاء کا تذکرہ شامل کرتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

شرح (180): جس طرح اللہ عزَّ وَجَلَّ کے مقرب بندوں کی زیارت اور ان کی خدمت میں حاضری انسان کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے اِکسیر کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح ان بزرگوں کے اقوال و احوال کو پڑھنا اور سننا بھی انتہائی مفید ہے۔ نیز ان نفوس قدسیہ کا ذکر خیر تو عبادت اور کفارہ سیّئات کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ،

حضرت سیِّدُنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی ٔپاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان ذیشان ہے: انبیاء کرام (علیہم السلام) کا ذکر عبادت، صالحین (اولیاء کرام) کا ذکر (گناہوں کا) کفّارہ اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر تمہیں جنت سے قریب کردے گا۔

(الجامع الصغیر، الحدیث: ۴۳۳۱، ص ۲۶۴)

باب 12:

متاخرین ائمہ ومشائخ کا تذکرہ

واضح رہنا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہے جو ریاضت کا بوجھ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور بے ریاضت مرتبہ کا خواہاں ہے اور وہ تمام صوفیاء کو اپنا ہی جیسا کا ہل خیال کرتا ہے جب وہ ان صوفیاء کی باتیں سنتے ہیں اور ان کے عزت ومرتبہ کو دیکھتے ہیں اور ان کے معاملات کو پڑھتے ہیں اور پھر اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہیں تو خود کو ان سے بہت دور پاتے ہیں اس وقت تصوف کو چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایسے باہمت لوگ نہیں ہیں اور نہ ہمارے زمانہ میں ایسے حضرات نظر آتے ہیں حالانکہ ان کا یہ کہنا باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو ہرگز بے حجت نہیں چھوڑتا اور اس امت کو بغیر ولی کے کبھی نہیں رکھتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لَایَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْخَیْرِ وَالْحَقِّ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ خیر وحق پر تا قیامت قائم رہے گی [1] نیز فرمایا: لَایَزَالُ فِیْ اُمَّتِیْ اَرْبَعُوْنَ عَلٰی خُلُقِ اِبْرَاهِیْمَ میری امت کے چالیس افراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلق پر ہمیشہ موجود رہیں گے [2] ان میں سے کچھ افراد کا تذکرہ اس جگہ لا رہا ہوں اگرچہ کچھ حضرات دنیا سے کوچ کر کے بہشت میں آرام پذیر ہیں اور کچھ زندہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین و المسلمات برحمۃ

(۱) حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ:

منجملہ متاخرین ائمہ طریقت، طراز طریق ولایت، جمال اہل ہدایت، حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ نے ماوراء النہر کے صوفیاء متقدمین سے ملاقات کی اور ان کی صحبت میں رہے آپ علو حال، صدق فراست، کثرت برہان اور زہد وکرامت میں مشہور ومعروف تھے امام طبرستان حضرت

شرح (1): صحیح مسلم۔ جلد: ۳ حدیث نمبر: ۴۹۴۱

شرح (2): (المعجم الاوسط حدیث ۴۱۱۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۵ / ۶۵) (کنز العمال حدیث ۳۴۶۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ / ۱۸۸)

ابوعبداللہ خیاطی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل یہ ہے کہ وہ کسی کو بغیر تعلیم کے ایسا بنا دیتا ہے کہ جب ہم کو اصول دین اور توحید کے دقائق میں کوئی مسئلہ دشوار و مشکل نظر آتا ہے تو ہم ان سے جا کر حل کر لیتے ہیں وہ حضرت ابوالعباس قصاب ہیں چونکہ آپ اُمیّ تھے لیکن علم تصوف اور اصول دین میں آپ کا کلام بہت ارفع تھا آپ کی حالت ابتداء وانتہا بہت اعلیٰ اور نیک سیرت تھی۔ اگرچہ مجھے آپ کی بہت سی حکایتیں سنائی گئی ہیں لیکن میرا طریق اس کتاب میں اختصار ہے اس لئے آپ کی ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔

حکایت:

ایک بچہ اونٹ پر بوجھ لادے اس کی نکیل پکڑے آمل کے بازار میں جا رہا تھا اس بازار میں کیچڑ بہت تھی اونٹ کا پاؤں پھسلا وہ گر پڑا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا لوگوں نے چاہا کہ اونٹ کی کمر سے بوجھ اتار لیں لیکن بچہ ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہا تھا اور روتا جا رہا تھا اتفاق سے ادھر حضرت ابوالعباس کا گزر ہوا آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے آپ نے اونٹ کی نکیل تھامی اور آسمان کی طرف منہ کر کے دعا مانگی کہ اے خدا! اس اونٹ کا پاؤں ٹھیک کر دے اور اگر تو درست کرنا نہیں چاہتا تو اس قصابی کا دل بچے کے رونے سے کیوں جلاتا ہے اسی وقت اونٹ کھڑا ہو گیا اور دوڑنے لگا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ سارے عالم کو خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں بہر طور خدا کی خو سے خوگیر ہونا چاہئے ورنہ وہ رنج میں رہیں گے اس لئے کہ جب تم حق تعالیٰ کی خصلت کے عادی بن گئے تو بلاء وابتلا کی حالت میں رغبت زیادہ پاؤ گے کیونکہ بلا پر بلا نہیں آتی اگر حق کے خوگر نہ ہو گے تو بلا کی حالت میں تم آزردہ دل ہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خوشی و سختی دونوں مقدر فرمائے ہیں وہ اپنی تقدیر کو بدلتا نہیں ہے لہٰذا اس کے حکم پر ہمارا راضی ہونا ہماری راحت کا سبب ہو گا اور جو بھی اس کا عادی ہو گا اس کا دل راحت پائے گا اور اس سے اعراض کرو گے تو تقدیر کے نازل ہونے پر آزردہ ہو گے۔ واللہ اعلم!

(۲) حضرت ابوعلی بن حسین بن محمد دقاق رحمۃ اللہ علیہ:

ازائمۂ متاخرین، بیان مریداں، برہانِ محققاں حضرت ابوعلی بن حسین بن محمد دقاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے فن کے امام، زمانہ میں بے نظیر اور کشفِ راہِ حق میں بیان صریح اور زبان فصیح رکھتے تھے بکثرت مشائخ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت پائی آپ حضرت نصر آبادی کے مرید تھے وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

من آنس بغیرہ ضعف فی حالہ ومن نطق من غیرہ کذب فی مقالہ جو حق تعالیٰ کے ماسواء کسی اور سے انس رکھے وہ اپنے حال میں کمزور ہے اور جو اس کے غیر کی بات کرے وہ اپنے کلام میں جھوٹا ہے۔

اس لئے کہ غیر سے انس رکھنا معرفت کی کمی کی بناء پر ہے (3) اور خدا سے انس رکھنا غیر کی وحشت سے محفوظ رہنا ہے اور جو غیر سے ڈرنے والا ہوتا ہے وہ غیر سے بات تک نہیں کر سکتا۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی مجلس میں اس لئے گیا کہ میں ان سے متوکلین کا حال دریافت کروں۔ آپ اس وقت طبری کا نفیس عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھے میرا دل دستار پر مائل ہو گیا میں نے ان سے عرض کیا اے شیخ! توکل کیا ہے آپ نے فرمایا یہ ہے کہ تم لوگوں کی دستار کا لالچ نہ کرو یہ فرما کر اپنا عمامہ میرے آگے ڈال دیا۔ (4)

شرح (3): آپ نے ۳۶۰ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (4): اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام محبتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے دریا میں تیرتے ہیں۔ اس کے بابِ کرم کو لازم پکڑ لیتے ہیں۔ اس کی بارگاہ میں کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے احکام کی بجا آوری پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں اور اس سے والہانہ پیار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ راتوں کو آرام نہیں کرتے بلکہ بیدار رہتے ہیں۔ پس جب وہ اس کی محبت میں دنیا سے جاتے ہیں تو انہیں کوئی ملامت نہیں ہوتی۔

میں تیری محبت میں کمزور نہیں:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، جب حضرت سیِّدُنا یحیٰی بن معاذ رازی علیہ رحمۃ اللہ الباقی کا انتقال ہوا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا گیا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا: کس سبب سے؟ فرمایا: میں اپنی دعا میں عرض کرتا تھا: یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! اگرچہ میں تیری عبادت میں کمزور ہوں مگر تیری محبت میں کمزور نہیں۔

اہلُ اللہ قناعت کی مَدَنی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، اِن کی نظر دولتمندوں کے فانی مال پر نہیں، رَحمتِ ربِّ ذوالجلال عزوجل پر ہوتی ہے۔ یاد رہے! اہلِ مال وثَروَت کی بہ سَبَبِ دولت تعظیم کی سخت مُمانَعت ہے چُنانچہ منقول ہے: جو کسی غنی (یعنی مالدار) کی اِس کے غِنا (یعنی مالداری) کے سبب تواضُع کرے اُس کا دو تہائی دین جاتا رہا۔ (کشفُ الخِفاء ج ۲ ص ۲۱۵ رقم ۲۴۴۲)

(۳) حضرت ابوالحسن علی بن احمد خرقانی رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین شرف اہل زمانہ در زمانہ خود یگانہ حضرت ابوالحسن علی بن احمد خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (5) جو برگزیدہ جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں (6) تمام اولیاء کے ممدوح رہے حضرت شیخ ابوسعید نے ان کی زیارت کا قصد کیا انہوں نے ان کے ساتھ ہر فن کے لطیف محاورات استعمال کئے جب واپسی کا عزم کیا تو فرمایا میں آپ کو اپنے زمانہ کا صاحب ولایت اور برگزیدہ شخص مانتا ہوں اور آپ کی باتیں حسن ادب سے سنی ہیں حالانکہ وہ شیخ ابوسعید کے خادم تھے اور جب یہ شیخ ان کے پاس پہنچتے تب بھی ان سے کوئی اور بات نہ کرتے وہ ان کی باتیں سنتے رہتے اور بات کا جواب دیتے رہتے اس کے سوا کچھ نہ فرماتے میں نے ان سے دریافت کیا اے شیخ! آپ نے ایسی خاموشی کس لئے اختیار فرمائی آپ نے فرمایا ایک ہی شخص بیان کرنے کے لئے کافی ہے حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا وہ فرماتے ہیں کہ جب میں خرقان کی ولایت میں داخل ہوا تو اس بزرگ کے جلال ودبدبہ کی وجہ سے میری فصاحت جاتی رہی اور میری تمام نکتہ سنجیاں ختم ہوگئیں میں نے خیال کیا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ راستے دو ہیں، ایک گمراہی کا دوسرا ہدایت کا جو راستہ گمراہی کا ہے وہ بندے کا

شرح (5): آپ ۳۵۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴۲۵ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (6): سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ خرقان پہنچے تو لوگوں کو خبر دی کہ اس سرزمین میں سو برس کے بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوں گے جو انہیں پائے میرا اسلام پہنچائے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزانہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پرانوار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر منور سے باہر تشریف لائے اور حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنی نسبت طریقت سے سرفراز فرما کر خلافت عطا فرمائی۔

چنانچہ شجرہ نقشبندیہ پڑھنے والے یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ ہیں حالانکہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے تقریباً انتالیس برس بعد حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خرقان میں پیدا ہوئے۔

راستہ خدا کی طرف ہے اور جو راستہ ہدایت کا ہے وہ خدا کی راہ بندے کی طرف ہے لٰہذا جو یہ کہے کہ میں حق تک پہنچ گیا وہ نہیں پہنچا اور جو یہ کہے کہ مجھے اس تک پہنچا دیا گیا ہے وہ پہنچ گیا اس لئے کہ جو خود بخود اس تک پہنچنے کا دعوٰی کرتا ہے گویا وہ بغیر پہنچانے والے کے دعوٰی کرتا ہے اور یہ کہنا کہ میں خود نہیں پہنچا، پہنچایا گیا ہوں تو یہ پہنچنے سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم!

(۴) حضرت محمد بن علی المعروف بہ داستانی رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ، متاخرین، بادشاہِ وقت، اپنے زمانہ میں بیان وتعبیر میں منفرد، حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بہ داستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بسطام کے رہنے والے انواعِ علوم کے عالم اور برگزیدۂ بارگاہِ حق تھے۔ آپ کا کلام مہذب اور اشارات لطیف ہیں اس علاقہ کے امام شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ساتھ خوش اعتقادی رکھتے تھے میں نے ان کے کچھ انفاس شیخ سہلکی سے سنے ہیں وہ بہت بلند مرتبہ اور خوش اخلاق تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

التوحید عنك موجود وانت فی التوحید مفقود تم سے متعلق توحید موجود ہے لیکن تم توحید میں غیر موجود ہو۔

کیونکہ توحید کا اقتضاء ہے اس پر تم قائم نہیں ہو۔ توحید کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ملکیت میں اپنا تصرف و اختیار ختم کر دیا جائے اور اپنے تمام امور خدا کے حوالہ کر کے اس پر ثابت قدم رہے۔

حضرت سہلکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ شہر بسطام میں ایک مرتبہ ٹڈی دل نے یلغار کی اور ان کی کثرت سے تمام درخت اور کھیتیاں سیاہ ہو گئیں سب لوگ ہاتھ ملتے ہوئے دلفگار نکلے حضرت شیخ نے مجھ سے پوچھا یہ کیسا شور وغل ہے؟ میں نے بتایا کہ ٹڈیاں آ گئی ہیں لوگ پریشان ہیں۔ شیخ اٹھے اور چھت پر چڑھ کر منہ آسمان کی طرف اٹھایا اسی وقت تمام ٹڈیاں اٹھ گئیں اور ظہر کی نماز تک ایک ٹڈی باقی نہ رہی اور کسی درخت کا ایک پتہ تک ضائع نہ ہوا۔ (7)

شرح (7): یہ حضرات اللہ کے حکم سے دافع البلاء اور مشکل کشا ہیں جہاں اذن الٰہی نہ ہو وہاں بلا دفع نہ ہوگی۔ ہر چیز کا یہی حال ہے کہ خدا کے حکم سے نفع یا نقصان دیتی ہے غرضیکہ انبیاء واولیاء مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں مشکلیں آسان، مصیبت دور فرماتے ہیں۔

(۵) حضرت فضل اللہ بن محمد مہمینی رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین، شہنشاہِ محباں، ملک الملوک صوفیاں، حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہمینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں [(8)] جو سلطان وقت اور جمال طریقت تھے تمام لوگ آپ سے مسخر تھے کچھ آپ کے دیدار جمال سے اور کچھ عقیدت سے اور کچھ قوت حال سے۔ آپ فنونِ علوم کے عالم اور نرالی شان رکھتے تھے اسرارِ الٰہی سے مشرف حضرات میں آپ کا مرتبہ بلند تھا علاوہ ازیں آپ کی نشانیاں اور براہین بکثرت ہیں اور آج بھی جہان میں ان کے آثار ظاہر ہیں آپ کا ابتدائی حال یہ ہے کہ آپ مہنہ سے تحصیل علم کے لئے سرخس آئے [(9)] اور حضرت ابوعلی زاہد کے درس میں بیٹھے آپ ان سے ایک دن میں تین دن کا درس لیتے اور تین دن عبادت میں گزارتے یہاں تک کہ آپ کے استاد نے آپ کے رشد کا حال دیکھا تو تعظیم وتکریم میں اضافہ کر دیا اس زمانہ میں سرخس کا حاکم شیخ ابوالفضل حسن تھا ایک روز آپ نہر کے کنارے جارہے تھے کہ سامنے سے ابوالفضل آتے دکھائی دیا وہ کہنے لگا اے ابوسعید تمہارا راستہ یہ نہیں ہے جس پر تم چل رہے ہو، اپنی راہ چلو۔ آپ نے اس سے کچھ تعرض نہ کیا اور پلٹ کر اپنی جگہ آ گئے اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کا دروازہ کھول دیا اور مراتب علیا پر فائز کر دیا۔

حضرت شیخ ابومسلم فارسی نے مجھے بتایا کہ میری ان سے بڑی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی ایک مرتبہ میں ان سے ملنے گیا اس وقت میں میلی سی ایک گدڑی پہنے ہوئے تھا جب مکان کے اندر ان کے روبرو پہنچا تو انہیں دیبائے مصری پہنے ہوئے تخت پر بیٹھے دیکھا میں نے دل میں کہا یہ اس ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ بود وباش پر درویشی کا دعویٰ کرتے ہیں اور میں ان تمام علاقوں سے مجرد رہ کر درویشی کا مدعی ہوں ان کے ساتھ میری موافقت کیسے ہوگی؟ وہ مردِ خدا، میرے اس دلی خدشہ سے باخبر ہو گیا۔ [(10)] سر اٹھا کر فرمایا:

شرح (8): آپ نے ۴۴۰ ہجری میں وصال فرمایا۔

شرح (9): ایران کا ایک معروف شہر۔

شرح (10): اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔ (پ۲۶، الحجرات: ۱۲)

اور حدیث صحیح میں فرمایا:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا ابا مسلم! فی ای دیوان وجدت من کان قلبہ قائماً فی مشاھدۃ الحق یقع فیی اسم الفقر اے ابو مسلم! تم نے کس کتاب میں پایا ہے کہ جس کا دل مشاہدۂ حق میں قائم ہوا اس پر نام فقر (ناداری و مفلسی) لکھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اصحاب مشاہدہ تو حق تعالیٰ کے ساتھ غنی ہوتے ہیں فقراء تو اربابِ مجاہدہ میں سے ہوتے ہیں۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ میں اپنے گمان پر پشیمان ہوا اور برے اندیشہ سے توبہ کی۔ حضرت ابو سعید

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ

گمان سے دور رہو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الادب، باب یاایھا الذین امنوا۔۔۔۔۔۔الخ، الحدیث ۶۰۶۶، ج ۴، ص ۱۱۷)

بعض گمان گناہ ہیں

ایک مرتبہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا ایک گدڑی پہنے مدینہ طیبہ سے کعبہ معظّمہ کو تشریف لیے جاتے تھے اور ہاتھ میں صرف ایک تاملوٹ (یعنی ڈونگا)۔ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا (تو) دل میں خیال کیا کہ یہ فقیر اوروں پر اپنا بار (یعنی بوجھ) ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ وسوسہ شیطانی آنا تھا کہ امام نے فرمایا: شقیق! بچو گمانوں سے (کہ) بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ نام بتانے اور وسوسہ دلی پر آگاہی سے نہایت عقیدت ہوگئی اور امام کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں ایک ٹیلے پر پہنچ کر امام نے اس سے تھوڑا ریت لے کر تاملوٹ میں گھول کر پیا اور شقیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی پینے کو فرمایا۔ انہیں انکار کا چارہ نہ ہوا۔ جب پیا تو ایسے نفیس لذیذ خوشبودار سَتُّو تھے کہ عمر بھر میں نہ دیکھے، نہ سنے۔ (عیون الحکایات، حکایت نمبر ۱۳۱، ص ۱۴۹/ ۱۵۰ ملخصًا)

یہ تمہارے دکھانے کو ہے

ایک روز شقیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسجد حرام شریف میں دیکھا کہ وُہی صاحب بیش بہا (یعنی قیمتی) لباس پہنے درس دے رہے ہیں۔ لوگوں سے پوچھا: یہ کون بزرگ ہیں؟ کسی نے کہا: ابنِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جبتخَلِیَہ ہوا (یعنی تنہائی میں ملاقات ہوئی)، انہوں نے عرض کیا: حضرت یہ کیا بات ہے کہ راہ میں آپ کو ایک گدڑی پہنے دیکھا تھا اور اِس وقت یہ لباس دیکھ رہا ہوں؟ آپ نے دامن مبارک اٹھایا کہ وہی گدڑی نیچے زیبِ تن ہے اور فرمایا کہ وہ تمہارے دکھانے کو ہے اور یہ گدڑی اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کے لیے۔

(تذکرۃ الاولیاء ذکر امام جعفر صادق صفحہ ۲۲ ملخصًا)

کا ارشاد ہے:

التصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطتہ تصوف وہ ہے کہ بے واسطہ حق کے ساتھ دل کا قیام ہو

یہ اشارہ مشاہدہ کی طرف ہے اور مشاہدہ دوستی کے غلبہ کا نشان ہے اور صفت میں مستغرق ہونا دیدار کے شوق کا ثبوت ہے اور صفت کا فنا ہونا حق کے ساتھ بقا کا ثبوت ہے۔ مشاہدے کی تفصیل باب اگے میں بیان کی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوسعید نے نیشاپور سے مقام طوس جانے کا ارادہ کیا راستہ میں ایک گھاٹی اتنی سرد آئی کہ موزے میں پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے ایک درویش کو خیال آیا کہ میں اپنی چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے شیخ کے پاؤں پر لپیٹ دوں چادر چونکہ عمدہ اور قیمتی تھی ٹکڑے کرنے کو دل نے گوارہ نہ کیا جب ہم طوس پہنچے تو اس درویش نے ان سے سوال کیا کہ اے شیخ! شیطانی وسوسہ اور الہام حق کے درمیان کیا فرق ہے؟ (11) انہوں نے فرمایا کہ الہام وہ تھا کہ تجھے چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ابوسعید کے پاؤں پر لپیٹنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ سردی سے محفوظ رہیں اور شیطانی وسوسہ وہ تھا کہ تجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس قسم کی بکثرت اور متواتر باتیں ان سے منسوب ہیں۔ مردانِ خدا کا یہی کام ہے۔ واللہ اعلم

(۶) حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین زین اوتاد، شیخ عباد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ طریقت میں میری ارادت انہیں سے ہے آپ علم تفسیر و روایات کے عالم اور تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مشرب تھے حضرت حصری کے مرید اور حضرت سردانی کے مصاحب اور حضرت ابوعمر قزوینی حضرت ابوالحسن بن سعالبہ رحمۃ اللہ علیہما کے ہم عصر تھے ساٹھ سال کامل گوشہ نشینی اختیار کر کے پہاڑوں کے غاروں میں زندگی گزار دی اور اپنا نام و نشان گم رکھا زیادہ تر لگام نامی پہاڑی پر اقامت رکھی عمدہ زندگی گزاری آپ کی نشانیاں اور براہین بکثرت ہیں لیکن آپ عام صوفیاء کے رسم و لباس کے پابند نہ تھے اہل

شرح (11): وسوسہ کے لغوی معنی ہیں نرم آواز۔ اصطلاح میں برے خیالات، فاسد فکر کو وسوسہ کہتے ہیں اور اچھے خیالات کو الہام۔ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، الہام رب کی طرف سے۔ حق یہ ہے کہ غیر نبی کا الہام شرعی حجت نہیں کیونکہ شبہ ہے کہ وہ شیطانی وسوسہ ہو۔ (از مرقات واشعۃ اللمعات)

رسوم سے سخت بے زار تھے میں نے آپ سے بڑھ کر رعب ودبدبہ والا کسی مردِ خدا کو کبھی نہ دیکھا۔آپ کا ارشاد ہے:

الدنیا یوم ولنا فیھا صوم دنیا ایک دن کی ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں

مطلب یہ ہے کہ ہم نہ تو دنیا سے کچھ حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں اور نہ اس کی بندش میں آنا چاہتے ہیں (12) ہم نے اس کی آفتوں کو دیکھ لیا ہے اور اس کے حجابات سے باخبر ہو چکے ہیں ہم اس سے بھاگتے ہیں۔

شرح (12): یعنی اے انسان! نیکی کے کاموں میں کوشش کر اور موت سے پہلے پہلے اپنی عمر سے فائدہ اٹھا،۔۔۔۔۔۔دنیا ایک محدود وقت ہے اس میں جتنے بھلائی کے کام تو کرنا چاہے کرسکتا ہے،۔۔۔۔۔۔اور ایک وقت وہ ہے جو آنے والا ہے جس میں تجھے نہیں معلوم کہ قادر مطلق عزوجل تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمانے والا ہے...؟ جولمحہ گزر گیا تیرے اچھے یا برے عمل کو ساتھ لے گیا اب وہ قیامت تک واپس نہیں آئے گا۔اے انسان! اپنی فراغت سے موقع اٹھا اور صحت سے فائدہ حاصل کر (یعنی زندگی کے ایسے لمحات کو غنیمت جان اور کچھ نیک اعمال کرلے)۔چنانچہ،

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر وبَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عظمت نشان ہے: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ دھوکے میں ہیں (ایک) صحت اور (دوسری) فراغت۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الصحۃ والفراغ......الخ، الحدیث: ۶۴۱۲، ص ۵۳۹)

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:

امام ابن جوزی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کبھی تندرست ہوتا ہے مگر کسبِ معاش میں مشغولیت کی بناء پر فارغ نہیں ہوتا اور کبھی خوشحال ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں رہتا پس جب تندرست اور فارغ ہو اور طاعت کی بجائے سستی غالب آجائے تو ایسا شخص خسارے میں ہے۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس میں ایسی تجارت موجود ہے جس کا نفع آخرت میں ملے گا۔

وہ شخص قابلِ رشک ہے جو اپنی صحت اور فراغت کو خداوند قدُّوس عزوجل کی بندگی واطاعت میں گزارے تو جس نے اپنی صحت وفراغت کو اللہ عزوجل کی نافرمانی میں ضائع کردیا وہ دھوکے میں رہا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں وضو کرتے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا میرے دل میں خیال گزرا کہ جب تمام کام قسمت وتقدیر پر منحصر ہیں تو آزاد لوگ کیوں کرامت کی خواہش میں مرشدوں کے غلام بنتے پھرتے ہیں آپ نے فرمایا اے فرزند! جو خیالات تمہارے دل میں گزر رہے ہیں میں نے جان لیا ہے لہٰذا تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر حکم کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی سپاہی بچہ کو تاج وتخت عطا فرماتا ہے تو وہ اسے توبہ کی توفیق دے کر کسی دوست ومحبوب کی خدمت کی سعادت نصیب فرماتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت کا موجب بنے اس قسم کے بکثرت لطائف روزانہ ظہور پذیر ہوتے تھے جس دن آپ کی رحلت ہوئی اس وقت آپ، دمشق دینان رود کے مابین گھاٹی کے کنارے ایک گاؤں ''بیت الحق'' نامی میں تشریف فرما تھے اور آپ کا سر مبارک میرے آغوش میں تھا اس وقت اپنے کسی دوست کی طرف سے میرے دل میں کچھ رنج تھا جو انسانی خاصہ مزاج ہے آپ نے مجھ سے فرمایا اے فرزند! دل کو مضبوط کرنے والا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر خود کو اس پر کاربند کریں تو تمام رنج وفکر سے محفوظ ہوگے۔ فرمایا ہر محل اور حالت کو خواہ وہ نیک ہو یا بد، اللہ تعالیٰ ہی نے اسے پیدا فرمایا ہے لہٰذا اس کے کسی فعل پر معترض نہ ہونا چاہئے اور نہ دل کو رنجیدہ کرنا چاہئے اس کے سوا آپ نے کوئی وصیت نہ فرمائی اور اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ **واللہ اعلم!**

(۷) حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین، استاذ وامام وزین اسلام حضرت ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ فراغت کے بعد مشغولیت اور صحت کے بعد بیماری آگھیرتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو پھر بڑھاپا ہی کافی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

یَسُرُّ الْفَتٰی طولُ السَّلَامَۃِ وَالْبَقَا   فَکَیْفَ تَرٰی طُوْلَ السَّلَامَۃِ یَفْعَلُ

یَرُدُّ الْفَتٰی بَعْدَ اعْتِدَالٍ وَصِحَّۃٍ   یَنُوْءُ اِذَا رَامَ الْقِیَامَ وَیُحْمَلُ

ترجمہ: (۱) لمبی عمر اور طویل سلامتی (صحت) نوجوان کو خوش کرتی ہے، (اے انسان) تو کیسے سمجھتا ہے کہ طویل سلامتی ایسا کرتی رہے گی؟

(۲) وہ تو نوجوان کو صحت اور معتدل زندگی کے بعد بڑھاپے کی طرف لوٹا دے گی کہ جب کھڑا ہونا چاہے گا تو مشقت سے اٹھے گا اور (کبھی) بوجھ کی مثل اٹھایا جائے گا۔

ہیں جو اپنے زمانہ میں یکتا اور قدر ومنزلت میں ارفع واشرف تھے۔ (13) آپ کے حالات اور گونا گوں فضائل اہل زمانہ میں مشہور ہیں ہر فن میں آپ کے لطائف موجود ہیں آپ کی محققانہ تصانیف بکثرت ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے حال وزبان کو لغویات سے محفوظ رکھا۔ میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ:

مثل الصوفی کعلۃ ابرسام اولہ ہذیان وآخرہ سکوت فاذا تمکن خرس صوفی سرسام کی بیماری کی مانند ہے کہ پہلے بکواس ہوتی ہے آخر میں خاموشی پھر جب قائم ہو جائے تو گونگا بنا دیتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صفوت کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک وجد کی دوسرے نمود کی نمود مبتدیوں کے لئے ہے، نمود سے مراد ہذیان ہے اور وجد منتہیوں کے لئے ہے اور حالت وجد کا بیان محال ودشوار ہوتا ہے لہٰذا جب تک طالب ہے علو ہمت سے گویا ہے اور گویائی اہل طلب کے نزدیک ہذیان ہے جب وصال ہو گیا تو واصل ہو گئے ان کے لئے بیان واشارے کی حاجت نہیں رہتی جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مبتدی تھے تو ان کی تمام ہمتیں رویت الٰہی کی تمنا میں رہیں اور **رب ارنی انظر الیك** اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا کہ میں تیرے دیدار سے مشرف ہو جاؤں کی مناجات کرتے رہے یہ مقصود کی نارسائی میں نمود کی تعبیر ہے اور ہمارے آقا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتہی اور صاحب تمکین ہیں جب آپ کا وجود مقام ہمت سے بلند ہوا اور ہمت فنا ہوئی تو ارشاد ہوا: **لا احصی ثناءً علیك** میں تیری ثنا شمار نہیں کر سکتا۔ یہ منزلت رفیع اور مقام اعلیٰ ہے۔ **واللہ اعلم!**

(۸) حضرت ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین، شیخ وامام اوحد در طریق خود مفرد حضرت ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو فنون علم کے اصول وفروع میں امام اور ہر معانی میں کامل واکمل تھے۔ اہل تصوف کے اکابر اور اجلہ میں آپ کا شمار ہے بکثرت مشائخ سے ملاقات کی آپ اہل راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے اور مغلق ومشکل عبارت بولنے میں مخصوص تھے میں نے جہلا کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ان عبارتوں کی تقلید کرتے اور ان کی شطحیات کی پیروی کرتے اور غیر محمود معنیٰ کا اتباع کرتے تھے حالانکہ ان کی عبارتوں پر غور وفکر کی ضرورت

شرح (13): پیدائش: 376ھ بمطابق 976ء

وفات: 465ھ بمطابق 1072ء

نیشا پور میں وفات پائی اور اپنے مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے "الرسالۃ القشیریہ" آپ کی مشہور تصنیف ہے

تھی مجھے ان سے بڑی محبت تھی چونکہ وہ مجھ پر بڑی مہربانی وشفقت فرماتے تھے بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے شریعت کی تعظیم کرتے اور ہر شخص سے کنارہ کش رہنے میں ان سے زیادہ کسی شخص کو میں نے نہ دیکھا علم اصول میں ان کی دقیق عبارتوں سے امام ومحقق کے سوا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا وآخرت سے بے زار رہی اور ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ **اشتھی عدما مالا وجودله** میں ایسی فنا کا طالب ہوں جس میں وجود کا شائبہ تک نہ ہو اور فارسی میں فرماتے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کو محال کی خواہش ہے مجھے بھی محال درکار ہے لیکن میں یقین سے جانتا ہوں کہ ایسا کبھی نہ ہوگا حالانکہ ممکن وہی ہے جس کی مجھے ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی فنا میں لے جائے گا جہاں فنا کا بھی وجود نہ ہوگا (14) کیونکہ جتنے مقامات جو کہ زمانہ میں ہیں وہ سب ہی حجاب وابتلاء ہیں اور آدمی خود اپنے حجاب کا عاشق ہے۔ دیدار کی آرزو میں بندہ کا فنا ہونا حجاب میں آرام وسکون سے بہتر ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور اس پر عدم وفنا جائز ہی نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں اس کے قبضہ قدرت ہی میں فنا ہو جاؤں کیونکہ ایسے فنا کے لئے ہرگز بقا نہ ہوگی۔ صحت فنا میں یہ قاعدہ مضبوط ومستحکم ہے۔ **واللہ اعلم!**

شرح (14): یعنی پیارے بھائیو! راہِ سلوک بہت دُشوار گزار اور سالک کے لئے بہت مشکل ہے۔ اسی راہ میں حضرتِ سیّدُ نا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آنسو بہاتے رہے، حضرتِ سیّدُ نا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گریہ وزاری کی، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے خلیل حضرتِ سیّدُ نا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا، حضرتِ سیّدُ نا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو ذبح کیا گیا، حضرتِ سیّدُ نا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو فروخت کیا گیا، حضرتِ سیّدُ نا زکریا علیہ الصلوۃ والسلام پر آرا چلایا گیا، حضرتِ سیّدُ نا یحییٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو شہید کیا گیا، حضرتِ سیّدُ نا ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کو آزمایا گیا، حضرتِ سیّدُ نا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خوفِ الٰہی میں گھومتے رہے اور نبیِّ آخر الزماں حضرتِ سیّدُ نا محمدِ مصطفی، احمدِ مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ساری زندگی فقر اپنایا۔

اے میرے بھائی! اس راہ میں پہلا قدم روح کو فنا کرنا ہے۔ شاہراہ تو موجود ہے سالک کہاں ہے؟ قمیص تو موجود ہے پہننے والے کہاں ہیں؟ طورِ سینا تو موجود ہے اس پر فائز ہونے والے کہاں ہیں؟ اے جنید بغدادی کی سی تڑپ رکھنے والو! آؤ اور اس راہ پہ چلو، اے شیخ ابو بکر شبلی کی محبت کے دعویدارو! ہماری بات سنو اور اے ابراہیم بن ادہم کے دیوانو! ادھر متوجہ ہو جاؤ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

(۹) حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین قطب زمانہ در وقت خود یگانہ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے وقت وزمانہ میں بے نظیر و بے عدیل تھے آپ کا ابتدائی حال بہت اچھا تھا آپ کی مسافرت سخت اور باشرط تھی لوگوں کے دل آپ کی طرف مائل تھے تمام طلباء آپ سے عقیدت رکھتے تھے اور مریدوں کے وقوعِ کشف میں ایک قسم کا نشان تھے ظاہری حالت مزین اور تمام علوم میں ماہر تھے آپ کا ہر مرید جہان کی زینت تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو نیک چھوڑا توقع ہے کہ انشاء اللہ وہ قوم کے پیشوا ہوں گے۔ آپ لسان الوقت تھے۔

حضرت ابوعلی فضل بن محمد نے ان کے حق میں اپنا نصیب نہ چھوڑا تھا چونکہ وہ سب سے کنارہ کش رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس اعراض کی برکت سے اس مقتداء کو زبانِ حال بنا دیا تھا۔ ایک دن میں شیخ کے روبرو حاضر تھا اپنے احوال ونمود کو شمار کر رہا تھا تا کہ اپنی کیفیت آپ سے بیان کروں کیونکہ آپ ہی وقت کے ناقد تھے۔ آپ نے مجھ پر شفقت فرما کر انہیں سنا اور اسے میرے بچپن کے غرور اور جوانی کی آگ پر محمول فرمایا اور اسی نتیجہ میں اس کیفیت کی موجودگی قرار دی، چونکہ یہ شیخ اپنے ابتدائے حال میں اس کوچہ سے گزر چکے تھے اس لئے میرے بارے میں انہوں نے اتنا عجز وانکسار برتا لیکن وہ میری دلی کیفیت کو سمجھ گئے۔ فرمانے لگے اے والد کے دوست! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرا یہ انکسار نہ تمہارے لئے ہے نہ تمہارے حال کے لئے کیونکہ حال کا بدلنے والا محال کے محل میں آتا ہے بلکہ میرا یہ انکسار محوّلِ احوال اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہے یہ بات تمام طلباء کے لئے عام ہے صرف تمہارے ہی لئے نہیں ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو میں از خود رفتہ ہو گیا۔ انہوں نے میری باطنی حالت کو ملاحظہ فرما کر کہا اے فرزند! آدمی کو اس طریقت سے اس سے زیادہ نسبت نہیں ہوتی کہ جب اسے طریقت کی طرف لگائیں تو اس کے گمان کو پھیر دیا جائے اور جب وہ گمان سے پھر جائے تو پھر اس پر خیالی تعبیر کی راہ بند کر دی جائے لہٰذا نفی واثبات اور اس کا وجود وعدم دونوں خیال ہیں آدمی کسی طرح خیالی بندش سے باہر نہیں نکل سکتا اسے چاہئے کہ وہ حق کی بندگی اختیار کرے [15] اور اپنے دل سے تمام نسبتوں کو نکال پھینکے صرف بندگی اور فرمانبردار کی نسبت کو

شرح (15): بندگی کی حقیقت

بندگی تین چیزوں کا نام ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

برقرار رکھے اس کے سوا اور بھی بکثرت اسرار کی باتیں ہوئیں جن کے تذکرے میں اصل موضوع خلط مبحث ہوجائے گا۔ واللہ اعلم!

(۱۰) حضرت ابو احمد المظفر رحمۃ اللہ علیہ:

از ائمہ متاخرین، رئیس اولیاء، ناصح اصفیاء حضرت ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کا باطن مسند جلوہ ہائے ربانی تھا۔ تصوف کے دروازے کشادہ اور سر پر تاجِ فراست آراستہ تھا فنا و بقا کی تشریح عمدہ اور تعبیر بلند تھی۔ شیخ المشائخ حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ ہمیں بارگاہِ الٰہی کا قرب بندگی کی راہ سے عطا ہوا اور خواجہ المظفر کو براہِ راست خدا کی طرف سے ملا۔ (16) مطلب یہ ہے کہ ہم نے مجاہدے سے مشاہدہ کیا اور انہوں نے مشاہدے سے مجاہدہ کیا۔ انہیں سے میں نے سنا کہ بزرگوں کو جو کچھ بادیہ پیمائی اور قطع مسافت کے بعد ملا وہ مجھے مسند اور بالانشینی سے حاصل ہوا۔ اصحاب رعونت و متکبرین شیخ کی اس بات کو دعوٰی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ دعوٰی عیب ہے اور کسی صورت سے اپنے حال کی صداقت کے بیان کو دعوٰی نہیں کہا جاسکتا خاص کر جبکہ اہل معنیٰ بیان کریں۔ ان کا فرزند رشید موجود ہے۔

حضرت خواجہ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس موجود تھا کہ نیشاپور کا ایک مدعی آیا اور آپ کے ارشاد پر کہنے لگا "فانی شود انگاہ باقی شود"۔ یعنی فانی ہوجانے کے بعد باقی ہوتا ہے۔ خواجہ المظفر نے فرمایا فنا پر بقا کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ فنا معدوم ہونے کو کہتے ہیں اور بقا موجود کو۔ یہ ہر ایک دوسرے کو نفی کرنے والا ہے لہٰذا فنا تو معلوم ہے کہ چیز ناپید ہوجاتی ہے اگر وہ موجود ہوجائے تو وہ عین شئے نہیں ہوسکتی بلکہ وہ بجائے خود دوسری چیز ہوگی اور یہ جائز نہیں کہ ایمان و ذات فنا ہوجائیں البتہ فنائے صفت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱) احکامِ شریعت کی پابندی کرنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا و قدر اور تقسیم پر راضی رہنا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کی خواہشات کو قربان کردینا۔

شرح (16): ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ اولیاء کے رئیس اور صوفیوں کے ناصح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاست ہی کے مسند پر آپ پر بھید کھولا اور کرامت کا تاج آپ کے سر پر رکھا۔ میں نے خود ان سے سنا کہ دوسرے لوگوں نے جو کچھ بیابانوں اور جنگلوں کی منزلیں قطع کرکے پایا مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں مسند اور بالانشینی میں عطا فرمائی۔

اور فنائے سبب جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ جب سبب اور صفت معدوم ہوگئی تو اب موصوف ومسبب رہ گیا اور ذات کے لئے فنا درست نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ کی بعینہٖ عبارت مجھے یاد نہیں البتہ اس کا مفہوم یہی تھا جو درج کیا گیا ہے مزید وضاحت عام فہم طور پر یوں کی جائے گی کہ بندے کا اختیار بندے کی صفت ہے۔ بندہ اپنے اس اختیار کی وجہ سے اختیارِ حق میں محجوب ہے لہٰذا اس صفت کی بناء پر بندہ حق تعالیٰ سے حجاب میں آ گیا اور یہ یقینی امر ہے کہ اختیارِ حق ازلی ہے اور بندہ حادث۔ ازل کے لئے فنا جائز نہیں ہے اور جب اختیارِ حق بندہ کے بارے میں بقا بنی تو لامحالہ بندے کا اختیار فانی ہوا اور اس کا تصرف منقطع ہوگیا۔ واللہ اعلم!

ایک دن میں پراگندہ حال سفری کپڑے پہنے کرمان (17) ان کے پاس پہنچا انہوں نے مجھ سے فرمایا اے ابوالحسن! اپنا حال بیان کرو؟ میں نے عرض کیا، سماع چاہتا ہوں۔ آپ نے اسی وقت قوال کو بلانے بھیجا۔ اس کے بعد اہل عشرت کی ایک جماعت آئی۔ جوشِ جوانی، قوت ارادی اور سوزِ محبت نے مجھے کچھ کلمات سننے پر بے چین کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب جوش ٹھنڈا پڑا اور غلبہ کم ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا سماع کے بارے میں کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا اے شیخ! مجھے بڑی فرحت حاصل ہوئی۔ انہوں نے فرمایا جس وقت قوال کو بلایا گیا تھا اس وقت سماع کی آواز اور کوؤں کی آواز دونوں برابر تھیں کیونکہ سماع کی طاقت اس وقت تک ہے جب تک کہ مشاہدہ نہ ہو، اور جب مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو قدرت سماع ناپید ہو جاتی ہے دیکھو ایسی عادت اختیار نہ کرو کہ کہیں طبیعت ثانیہ نہ بن جائے اور مشاہدے سے دور ہو جاؤ۔ واللہ اعلم!

☆☆☆☆☆

شرح (17): ایران کے جنوب مشرق میں واقع صوبہ کرمان رقبہ کے لحاظ سے ایران کا دوسرا بڑا صوبہ ہے۔

باب 13:

مختلف شہروں میں مشائخ متاخرین کا تذکرہ

اگر میں ہر ایک کے ذکر اور حال کی تشریح کروں تو کتاب طویل ہو جائے گی اور بالکل ہی ذکر نہ کروں تو کتاب کا مقصد فوت ہو جائے گا اس لئے صرف ان کے اسماء گنا تا ہوں جو میرے زمانے میں طریقت کے مشائخ اور صوفیا گزرے ہیں اور وہ ارباب معانی میں سے ہیں نہ کہ اصحاب رسوم میں سے۔

عراقؔ وشامؔ میں مشائخ متاخرین میں سے (۱) شیخ زکی بن العلاء ہیں جو برگزیدہ اور سادات زمانہ میں سے ہیں۔ میں نے ان کو سراپا شعلۂ محبت پایا ان کی نشانیاں اور براہین ظاہر ہیں، (۲) شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح صیدلانی ہیں جو رؤساء متصوفین میں سے ہیں اور تحقیق میں زبان و بیان کے ماہر ہیں وہ حضرت حسین بن منصور حلاج سے بڑی محبت رکھتے ہیں ان کی بعض تصانیف میں نے پڑھی ہیں، (۳) حضرت ابوالقاسم سدی جو صاحب مجاہدہ اور صاحب حال ہیں۔ حسنِ عقیدت کے ساتھ درویشوں کی نیازمندی اور خدمت گزاری کرتے ہیں۔

ملک فارسؔ میں (۱) شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہ ہیں جو تصوف میں افصح اللسان اور توحید میں اوضح البیان ہیں ان کے کلمات مشہور ہیں، (۲) شیخ مرشد ابواسحٰق ابن شہریار ہیں جو برگزیدۂ قوم اور صاحب سیاست ہیں، (۳) شیخ طریقت ابوالحسن بن بکران ہیں جو اکابر صوفیا میں سے ہیں، (۴) شیخ ابومسلم ہروی ہیں جو عزیز وقت اور صاحب حال ہیں، (۵) شیخ ابوالفتح سالبہ ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید اور امیدوار ہیں، (۶) شیخ ابوطالب ہیں جو ایک بزرگ پابند کلمات حق ہیں، (۷) شیخ الشیوخ شیخ ابواسحٰق راندیدہ جوان سب میں بزرگ ہیں۔

قہستانؔ، آذربائیجانؔ، بحرستانؔ اور فکؔ میں (۱) شیخ شفیق فرح المعروف بہ اخی زنجانی ہیں جو مردنیک سیرت اور ستودہ طریقت ہیں اور اپنے زمانہ کے شیخ اور بزرگ صوفی ہیں ان کی نیکیاں بہت ہیں۔ بادشاہ جو عیار شخص تھا ان کی وجہ سے تائب ہو کر راہ حق پر آ گیا، (۲) شیخ ابوعبداللہ جنیدی ہیں جو مہربان و شفیق بزرگ ہیں، (۳) اجلہ مشائخ میں سے شیخ ابوطالب مکشوف ہیں، (۴) خواجہ حسن سمنانی جو ایک مرد گرفتار بلا اور

امیدوار ہیں، (۵) شیخ سہلکی ہیں جو جماعت صوفیا میں دانشور ہیں، (۶) احمد بن شیخ خرمانی جو اپنے والد کے فرزند رشید ہیں، (۷) حضرت ادیب کمندی جو ساداتِ زمانہ میں سے ہیں۔

کرمانؔ میں (۱) حضرت خواجہ علی بن حسین کیرکانی ہیں جو سیاحِ وقت اور نیک خصلت ہیں، ان کے فرزند حکیم، ایک مردِ عزیز ہیں، (۲) حضرت شیخ محمد بن سلمہ ہیں جو اس عہد کے بزرگوں میں سے ہیں ان کے سامنے بکثرت اولیاءاللہ جوانمرد اور طالب و امید گزرے ہیں۔

خراسانؔ میں جہاں آج سایۂ اقبالِ حق ہے (۱) شیخ مجتہد حضرت ابوالعباس وامغانی ہیں جن کا حال اور زمانہ بہت عمدہ ہے، (۲) حضرت خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی ہیں جو طریقت کے محققوں میں سے ہیں، (۳) حضرت خواجہ ابوجعفر ترشیزی ہیں جو عزیزانِ وقت میں سے ہیں، (۴) حضرت خواجہ محمود نیشا پوری جو مقتدا اور فصیح ہیں، (۵) حضرت شیخ محمد معشوق ہیں جن کا حال عمدہ و نیک ہے اور نہایت خوش خلق ہیں، (۶) حضرت جمرۃ الحب جو نیک باطن اور خوش و خرم بزرگ ہیں، (۷) حضرت خواجہ رشید مظفر فرزند شیخ ابوسعید امیدوار ہیں جو مقتدائے قوم اور دلوں کے قبلہ ہیں، (۸) حضرت خواجہ شیخ احمد نجار سمرقندی مقیم مرو ہیں جو سلطانِ زمانہ ہیں، (۹) حضرت خواجہ شیخ احمد جماری سرخسی ہیں جو وقت کے سپاہی اور میرے ساتھی ہیں ان کے کاموں میں بڑی قدرت دیکھی ہے جوانمردان متصوفہ میں سے ہیں، (۱۰) حضرت شیخ ابوالحسن علی بن علی الاسود ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید اور اپنے زمانہ میں علو ہمت اور صدق و فراست میں بہترین و بے مثل ہیں۔ خراسان کے تمام مشائخ کا ذکر تو دشوار ہے ان میں سے تین سو مشائخ سے تو میں نے ملاقات کی ہے اور ہر ایک کا مشرب جدا جدا پایا ہے ان میں کا ہر ایک فرد سارے جہان کے لئے کافی ہے یہ سب اس لئے ہیں کہ خراسان کے افق پر آفتاب محبت اور اقبال طریقت ہمیشہ تاباں رہا ہے۔

ماوراءؔ النہر میں (۱) خواجہ و امام، مقبول خاص و عام حضرت ابوجعفر محمد بن حسین حرمی ہیں جو صاحب سماع اور پابند طریقت ان کی ہمت بلند اور حال پاکیزہ ہے۔ سالکانِ راہِ حق کے ساتھ شفقت فرماتے ہیں اور اپنے ساتھیوں میں سردار و فقیہ ہیں، (۲) حضرت ابومحمد پالغری ہیں جو عمدہ حال اور محکم معاملات رکھتے ہیں، (۳) شیخ وقت حضرت احمد ایلاقی ہیں جو برگزیدۂ وقت اور تارکِ رسوم و عادات ہیں، (۴) فرید العصر اور یکتائے زمانہ حضرت خواجہ عارف ہیں، (۵) حضرت خواجہ زمن علی بن ابی اسحق ہیں جو مردِ محتشم اور نیک زبان ہیں۔ یہ وہ مشائخ ہیں کہ جن سے میں نے ملاقات کی ہے اور ہر ایک کا مقام معلوم کیا ہے یہ سب محقق

ہیں۔

غزنی میں (۱) شیخ عارف، ممدوحِ زمانہ حضرت ابوالفضل بن اسدی ہیں جو شیخ طریقت ہیں اور ان کی کرامت و براہین ظاہر ہیں۔ جب سوزِ محبت کا غلبہ ہوا تو ظاہری حالت سے لوگوں نے دھوکہ کھایا، (۲) شیخ مجرد، علائق دنیوی کے تارک حضرت اسمٰعیل شاشی ہیں جو شیخ محتشم اور ملامتی طریق پر ہیں، (۳) منجملہ علماء طریقت حضرت شیخ سالار ہیں جن کا حال عمدہ ہے، (۴) شیخ دانا، معدنِ اسرار حضرت ابوعبداللہ محمد بن حکیم معروف بہ "مرید از مستانِ حق" ہیں جو اپنے زمانہ میں اپنے فن میں ثانی نہیں رکھتے ان کا حال لوگوں پر پوشیدہ ہے براہین ونشانات ظاہر و روشن ہیں ان کا حال صحت میں بہتر ہے اس لئے کہ وہ صاحبِ مشاہدہ ہیں، (۵) شیخ محترم تمام میں مقدم حضرت سعید بن ابی سعید عِیار ہیں جو حدیث مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حافظ ہیں عمدہ زندگی پائی، حال میں قوی و باخبر مگر پوشیدہ رہتے ہیں کسی پر ظاہر نہیں ہوتے بکثرت مشائخ کی صحبت پائی ہے، (۶) خواجہ بزرگوار، جانشینِ ہمت و وقار، حضرت ابوالعلی عبدالرحیم بن احمد سعدی ہیں جو عزیز قوم اور سردار وقت ہیں۔ مجھے وہ دل سے پیارے لگتے ہیں ان کی زندگی مہذب، حال عمدہ اور فنون کے عالم ہیں، (۷) شیخ اوحد حضرت قصورہ بن محمد جرویزی ہیں جو اہل طریقت سے کمال محبت رکھتے ہیں اور ہر ایک کا احترام فرماتے ہیں بکثرت مشائخ سے ملاقات کی۔ مجھے اس شہر کے عام لوگوں کے اعتقاد اور وہاں کے علماء سے اچھی امید وابستہ ہے وہاں کا رہنے والا جو بھی ملتا ہے مجھے اس سے حسن عقیدت ہوتی ہے۔ یہ گروہِ مشائخ، منتشر اور مختلف شہروں میں اقامت پذیر ہے یہ طریقہ میرے نزدیک اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے شہر کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں جو بزرگوں کی اقامت گاہ ہے۔ اب میں طریقت کے فرقوں اور ان کے مذاہب کا بیان شروع کرتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

باب: 14

اہل طریقت کے مذاہب اور ان میں امتیازی فرق

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اہل طریقت کے بارہ مذہب ہیں جن میں سے دو مردود اور دس مقبول ہیں ان دسوں کے معاملات اور طریقت کے سلوک درست وعمدہ ہیں (1) مشاہدات میں ان کے آداب لطیف و دقیق ہیں اگرچہ باہم معاملات و مجاہدات اور ان کی

شرح (1): علم تصوُّف کی ضرورت

جب یہ عمدہ ترین" اَدوار" گزر گئے تو حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ، روحانیت بھی کمزور ہونے لگی۔ اور لوگ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بندگی سے غافل ہونے لگے۔ تو اربابِ ریاضت و زہد نے، دعوت الی الحق اور توجہ الی اللہ کے لئے علم تصوُّف کی تدوین کی۔

معلوم ہوا! "تصوُّف وطریقت" کوئی نئی اصطلاح نہیں، بلکہ یہ سیرت رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حیات صحابہ علیہم الرضوان سے ماخوذ ہے۔ اور تصوُّف وطریقت کی اَساس، اِس "امت" کے سَلَف وصالحین علیہم الرحمۃ جلیل القدر صحابہ، تابعین، تبع تابعین علیہم الرضوان کے طریقے پر ہے۔ اور یہ طریقہ عین اسلام سے عملی مطابقت کا ہی نام ہے۔

شَیخ اَحمد زروق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں! جس طرح عُلَماءِ ظاہر نے حدودِ شریعہ کی حفاظت کی ہے، اسی طرح عُلَماءِ تصوُّف نے شرِیعت کی روح اور آداب کی حفاظت کی ہے۔ (فوائد التصوُّف، ۲۹۵)

مجاہدات اور ریاضتوں کا بیان

شرعی احکام شرعی اَحکام جن کے ساتھ انسان کو مُکَلَّف بنایا گیا ہے۔ ان کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ اَحکام، جن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ اور دوسرے وہ اَحکام ہیں، جن کا تعلق باطنی اعمال سے ہے۔ بالفاظ دیگر ایک قسم کے اَحکام کا تعلق، جسم انسانی سے ہے۔ اور دوسرے قسم کے اَحکام کا تعلق، دل کے اعمال سے ہے

جسمانی اعمال سے متعلق اَحکام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ماموراتِ جسمانی: (یعنی وہ جسمانی افعال جن کے کرنے کا حکم ہے) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اود یگر فرائض وواجبات وغیرہ

(۲) مُنہیاتِ جسمانی: (یعنی وہ جسمانی اعمال جن سے رکنے کا حکم ہے) جیسے قتل، زِنا، شراب، چوری ودیگر کبیرہ گناہ وغیرہ۔

اعمالِ قلبیہ سے متعلقہ اَحکام کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) مامورات قلبیہ: (یعنی وہ قلبی افعال جن کے کرنے کا حکم ہے) جیسے ایمان باللہ (یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر ایمان)، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور جمیع انبیاء ورُسُل علیہم السلام پر ایمان اور اخلاص، رِضا، صِدق، خشوع، توکُّل وغیرہ۔

(۲) مُنہیات قلبیہ: (یعنی وہ قلبی افعال جن سے رکنے کا حکم ہے) جیسے کفر، نِفاق، تکبر، عجب (خود پسندی) رِیا، غُرور، کینہ اور حسد وغیرہ۔ (حقائق عن التصوُّف، ۲۶)

اَہم ترین اعمال

اگر چہ دونوں قسم کے اعمال (جسمانی اور قلبی) اَہم ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے نزدیک قلب سے متعلق اعمال جسمانی اعمال سے زیادہ اہم ہیں۔ کیونکہ باطن، ظاہر کیلئے اساس اور جائے صدور ہے، اعمالِ قلبیہ اعمالِ ظاہرہ کے لئے بنیاد ہیں۔ اعمالِ قلبیہ میں فساد کے سبب، اعمالِ ظاہرہ میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْلِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝

ترجمہ کنزالایمان: تو جسے اپنے ربّ سے ملنے کی امید ہو، اسے چاہے کہ نیک کام کرے اور اپنے ربّ کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (سورۃ الکھف، آیت ۱۱۰)

اس آیت میں دل کی صفائی کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے یہاں، حُضور وشہود کے لیے، ضَروری شرط ٹھہرایا گیا ہے۔

قلب کے چالیس خَطرات

اعلیٰ حضرت امام اَحمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے کم وبیش چالیس قلب کے خَطرات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ (۱) رِیا (۲) عُجب (یعنی خود پسندی)، (۳) حَسد، (۴) کینہ، (۵) تکبر، (۶) حُبِ مدح (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ریاضتوں میں اختلاف ہے تاہم توحید اور شریعت کے اصول و فروع میں سب متفق ہیں۔ (2) حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (یعنی تعریف کی خواہش)، (۷) حُبِّ جاہ (یعنی عزت کی خواہش)، (۸) مَحبتِ دنیا، (۹) طلبِ شہرت، (۱۰) تعظیمِ اُمراء، (۱۱) تحقیر مساکین، (۱۲) اتباعِ شہوت، (۱۳) مداہنت (یعنی دینی معاملات میں سستی) (۱۴) کفرانِ نعم (یعنی ناشکری) (۱۵) حرص، (۱۶) بُخل، (۱۷) طولِ اَمل (یعنی لمبی امید) (۱۸) سوئے ظن (براگمان)، (۱۹) عِنادِ حق (حق سے دشمنی) (۲۰) اصرارِ باطل، (۲۱) مکر، (۲۲) غدر (یعنی دھوکا)، (۲۳) خیانت، (۲۴) غفلت، (۲۵) قسوت (یعنی سختی) (۲۶) طمع، (۲۷) تملُّق (چاپلوسی کرنا)، (۲۸) اعتمادِ خَلق (یعنی مخلوق پر اعتماد)، (۲۹) نسیانِ خالق (یعنی خالق کو بھول جانا) (۳۰) نِسیانِ موت (یعنی موت کو بھول جانا)، (۳۱) جرات علی اللہ، (۳۲) نِفاق، (۳۳) اتباعِ شیطان، (۳۴) بندگیِ نفس (یعنی نفس کی اطاعت)، (۳۵) رغبتِ بطالت (یعنی باطل کی طرف رغبت)، (۳۶) کراہتِ عمل، (۳۷) قلتِ خشیت (یعنی خوف کی کمی)، (۳۸) جزع (یعنی بے صبری)، (۳۹) عدمِ خشوع (یعنی خشوع کا نہ ہونا)، (۴۰) غضب للنفس و تساہل فی اللہ (یعنی اللہ عزَّ وَجلَّ کے معاملات میں سستی کرنا) وغیرہ۔ (فتاوی افریقہ، ص ۱۳۳)

مشائخِ کِرام رحمہم اللہ کے نزدیک قلب کی نورانیت حاصل کرنے اور اسے مذکورہ خطرات سے بچانے کے لئے کسی کامل مرشد سے مرید ہو کر اس کے مبارک دامن سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مرشدِ کامل فیضِ باطنی کے ذریعے خُصوصی رَاہنمائی فرما کر بے نور وسخت دل کو نورانیت وجِلا (یعنی زندگی) عطا کرے۔

شرح (2): شریعت نام ہے عقائد ضروریہ اور احکام کا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ ایک ہے۔ قیامت۔ فرشتے۔ آسمانی کتابیں۔ تقدیر انبیاء برحق ہیں اور ان احکام کا جو کتاب اللہ سے صریحاً ثابت ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، نکاح، طلاق، عدت، حلت بیع، حرمت ربواء وقمار وخمر وغیرہ۔ مگر ان احکام کی تفصیلات کتاب اللہ میں موجود نہیں البتہ ان کی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال واعمال سے ثابت ہے۔ جن احکام کے بارے میں آپ کے اقوال واعمال بغیر اختلاف کے موجود ہیں۔ ان احکام شرع میں امت کا اختلاف نہیں جیسے نماز کی رکعتیں، تکبیر تحریمہ، رکوع، سجدہ، قعدہ، زکوٰۃ میں نصاب اور سال کا گزرنا وغیرہ۔ اور جہاں آپ کے اقوال یا اعمال میں اختلاف ملا وہاں آئمہ دین نے آپ کے اقوال واعمال کی روشنی میں ان احکام کو سمجھنے کی کوشش کی جیسے تکبیر تحریمہ کے علاوہ میں رفع یدین۔ احادیث میں آپ کا رفع یدین کرنا بھی آیا ہے اور چھوڑنا بھی آیا ہے۔ اس میں اب علماء کا فہم مختلف ہو گیا اور یہ اختلاف علمی ایک فطری امر ہے اور اسی اختلاف کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف العلماء رحمۃ الا فی تجرید التوحید یعنی توحید خالص کے سوا ہر مسئلہ میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ (3) اس قول کے موافق ایک مشہور حدیث بھی ہے۔ اخیارِ مشائخ کے درمیان تصوف کی حقیقت، دو حصوں پر منقسم ہے ایک باعتبارِ حقیقت دوسرے باعتبارِ مجاز و رسوم۔ اب میں ان کے اقوال کو جو ان حصوں پر مشتمل ہیں بطریق ایجاز و اختصار بیان کرتا ہوں اور ہر مذہب کی اساس اور ان کی بنیاد کا تذکرہ کرتا ہوں تاکہ طالب کو ان کا علم ہو اور علماء کو علم کا مخزن ایک جگہ مل جائے اور یہ کہ مریدوں کی اصلاح مجوبوں کی فلاح اور دانشوروں کو مروت و تنبیہ ہو اور دونوں جہان میں میرے لئے اجر و ثواب کا سبب بنے۔ وباللہ التوفیق!

(۱) فرقہ محاسبیہ

فرقہ محاسبیہ کی نسبت و عقیدت، حضرت ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے (4) وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) {{اختلاف امتی رحمۃ}} (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) فرمایا گیا ہے۔

نوٹ: (۱) غیر مقلدین سے اختلاف رحمت نہیں کیوں کہ ان سے اصل اختلاف رفع یدین کا نہیں بلکہ اصولوں کا ہے۔

(۲) شافعی امام شافعی کی تقلید کرتے ہوئے رفع یدین کریں تو درست اور غیر مقلدین نفس کی پیروی کرتے ہوئے رفع یدین کریں تو غلط ہے۔

شرح (3): (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ الخ، ج ۱۱، ص ۹۱) (الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴)

شرح (4): حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۶۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۴۳ ہجری میں وصال فرمایا۔ حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اکابر ائمہ اولیاء معاصرین حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں فرماتے ہیں:

من صحح باطنہ بالمراقبۃ والاخلاص زین اللہ ظاہرہ بالمجاھدۃ واتباع السنۃ۔

(الرسالۃ القشیریۃ ذکر حارث محاسبی، مصطفی البابی مصر ص ۱۳)

جو اپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص سے صحیح کرلے گا۔ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مجاہدہ و پیروی سنت سے آراستہ فرمادے۔

اپنے زمانے میں مقبول النفس اور قاطع النفس تھے۔ آپ کا کلام توحید خالص کے حقائق اور اس کے فروع و اصول کے بیان میں ہے آپ کے تمام ظاہری و باطنی معاملات صحیح و درست تھے آپ کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رضائے الٰہی کو مقامات کے قبیل سے نہیں مانتے تھے بلکہ از قسم احوالِ طریقت سمجھتے تھے۔ طریقت میں یہ پہلا اختلاف ہے جو ان سے واقع ہوا اس پر علماء خراسان و عراق نے گرفت و مواخذہ کیا ان کا کہنا ہے کہ رضا طریقت کے ایک مقام کا نام ہے جو توکل کی آخری منزل ہے یہ اختلاف آج تک علماء کے درمیان موجود و برقرار ہے۔ اب میں اس قول کی کچھ تشریح کرتا ہوں۔

حقیقت رضا:

بیانِ مذہب اور وجہ اختلاف کے لئے ضروری ہے رضا کی حقیقت اور اس کے اقسام کی وضاحت کروں اس کے بعد حال و مقام کی حقیقت اور ان کا اختلاف ظاہر کروں جاننا چاہئے کہ رضا پر کتاب و سنت ناطق اور اس پر امت کا اجماع ثابت ہے (5) چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَرَضُوْ عَنْهُ (المجادلہ: ۲۲) وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ (6) نیز ارشاد باری ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح: ۱۸) اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت

شرح (5): فقر کا مرکز اور محور ہی تسلیم و رضائے الٰہی ہے۔ رضا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ سالک (طالب) اس امر پر یقینِ کامل رکھے کہ ہر چیز کی عطا یا منا ہی اللہ کی مشیت اور ارادہ ہے۔ دنیا اور راہِ سلوک میں اس کی بہتری اسی بات میں ہے کہ ہر بات میں خوف اور امید میں رہے۔ اطاعت کے وقت اس کے ہاں فخر نہ کرے اور مصیبت کے وقت اس کے در سے مایوس نہ ہو جائے۔ ہیبت و پریشانی، دکھ اور سکھ، سکون اور اضطراب، آسانی اور تنگی، بیماری اور صحت، بھوک اور سیری الغرض ہر حالت میں اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنا اور سر تسلیمِ خم کر دینا ہی اللہ پاک کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہے۔ مقامِ رضا فقر کی منازل میں سے بہت بڑی منزل ہے اور مقامِ رضا کے بعد ہی باطن کے دو اہم اور آخری مقامات مشاہدۂ حق تعالیٰ اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ ان دو مقامات سے پہلے تسلیم و رضا کا مقام آخری مقامات میں سے ہے اور یہی نفسِ مطمئنہ کا مقام بھی ہے۔

شرح (6): رَضُوْا عَنْهُ

ترجمۂ کنز الایمان: وہ اللہ سے راضی (پ ۲۸ المجادلہ: ۲۲)

کی۔ (7) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا (8) اس نے ایمان کا ذائقہ پالیا جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا۔ (9)

صورتِ رضا:

رضا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا دوسری یہ کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا ہے (10) لیکن خدا کے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بندے کو ثواب و نعمت اور کرامت سے نوازے (11) اور بندے کا خدا سے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے فرمان پر عمل کرے اور

شرح (7): لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے (پ۲۶ الفتح:۱۸)

شرح (8): (مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد اول ۳۳)

شرح (9): اللہ کی ربوبیت سے راضی ہونا یہ ہے کہ راضی بقضاء ہے، بیمار طبیب کی کڑوی دوا اور آپریشن سے بھی راضی ہوتا ہے۔

شرح (10): یہاں صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندے کی رضا رب کی رضا کے بعد ہے، پہلے اللہ بندے سے راضی ہوتا ہے تو بندہ رب سے راضی ہو کر اچھے اعمال کی توفیق پاتا ہے، پہلے وہ ہمیں یاد کرتا ہے تو بعد میں ہم اسے یاد کرتے ہیں، پھر ہماری یاد کے بعد رب ہمیں یاد کرتا ہے: فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ یہ کیونکہ بہت باریک ہے، مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گفت اللہ گفتنت لبیک ما است   ایں گداز و سوز و درد از پیک ما است

شرح (11): خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا دو قسم کی ہے، رضاء ازلی دوسری رضاء ابدی۔ اللہ کی رضاء ازلی ہماری رضا سے پہلے ہے جب وہ ہم سے راضی ہوتا ہے تو ہم کو نیکیوں کی توفیق ملتی ہے مگر رضاء ابدی ہماری رضا کے بعد ہے، جب ہم اللہ عزوجل سے راضی ہو جاتے ہیں نیکیاں کر لیتے ہیں تو وہ ہم سے راضی ہوتا ہے یہاں رضاء ابدی کا ذکر ہے اس لیے بندے کی رضا پہلے بیان ہوئی اور اس آیت کریمہ میں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، میں رضاء ازلی کا ذکر ہے اس سے وہاں رضاء الٰہی عزوجل کا پہلے ذکر ہے۔ (مراۃ المناجیح، ج۷، ص ۸۴)

اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دے (12) اور خدا کے معاملات میں چون و چرا نہ کرے اس لئے کہ رضائے بندہ، رضائے خدا پر موقوف ہے اسی پر اس کا قیام ہونا چاہئے۔

رضائے بندہ کا خلاصہ یہ ہے کہ منع و عطاء کی دونوں حالتوں میں اس کا دل یکساں رہے اور جلال و جمال کے نظارے میں اس کا باطن مضبوط و مستحکم رہے خواہ اسے منع سے روک دیا جائے یا عطا میں آگے بڑھایا جائے ہر حالت میں اس کا قیام مساوی ہو خواہ آتشِ جلال میں جلے یا لطف و جمال کے نور سے منور ہو، اس کے دل میں جلنا اور منور ہونا یکساں ہو کیونکہ اس کا ظہور حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی جانب سے جو بھی کچھ آئے اچھا ہی ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے آگے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ قول رکھا گیا ہے کہ **الفقر احب الی من الغناء والسقم احب الی من الصحت** میرے نزدیک مفلسی تونگری سے اور بیماری صحت مندی سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **رحم اللہ اباذر اما انا اقوال من اشرف علی حسنِ اختیار اللہ لہٗ لم یتمن غیر ما اختار اللہ لہ** اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے جو اختیار فرمایا ہے بندۂ خدا کے اختیار کردہ حالت کے سوا کسی اور حالت کی آرزو نہ کرے اللہ تعالیٰ بندے کے لئے جو پسند فرمائے بندہ اسی کو چاہے۔ جب بندہ خدا کی رضا اور اختیار کو دیکھ لیتا ہے تو وہ اپنی مرضی و اختیار سے منہ موڑ کر ہر غم و فکر سے نجات پا جاتا ہے۔ (13) یہ معنی حالت غیبوبت میں ممکن نہیں اس کے لئے مشاہدہ درکار ہے۔ **لان الرضا للاحزان نافیتہ وللغفلۃ غفلت معالجۃ شافیہ** رضا بندے کو غفلت سے چھڑاتی اور غموں کے پنجوں سے بچاتی ہے اور غیر کے اندیشے کو دل سے نکالتی اور تکلیفوں کی بندشوں سے نجات دیتی ہے کیونکہ

شرح (12): اللہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قضاء سے راضی رہے، رضاء بالقضاء خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے اور اسلام سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے تمام احکام پر خوش ہو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں،

شرح (13): پیارے بھائیو! مصائب و تکالیف پر صبر کرنا چاہے اور راضی برضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ رہنا چاہے۔ اور یہ سعادت اہلِ حق کا حصہ ہے۔ انہیں چاہے کیسی ہی مصیبت پہنچتی، کیسی ہی پریشانی لاحق ہوتی وہ ہر گز ہر گز ناشکری اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کرتے بلکہ اس حالت کو بہت بڑی سعادت سمجھتے۔

رضا کی صفت ہی آزاد کرنا ہے۔

معاملاتِ رضا کی حقیقت:

معاملاتِ رضا کی حقیقت بندے کی پسندیدگی ہے کہ وہ یقین رکھے کہ منع وعطا اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے اور وہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات کا دیکھنے والا باخبر ہے۔ اس معنی کے حق میں علماء کے چار گروہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کی عطا پر راضی ہو یہ معرفت ہے، دوسرا یہ کہ وہ نعمتوں پر راضی ہو یہ دنیا کے اندر ہے، تیسرا یہ کہ مصائب وابتلا پر راضی رہے یہ مختلف الانواع مشقتیں ہیں، چوتھا یہ کہ برگزیدگی پر راضی ہو یہ محبت ہے لہٰذا وہ لوگ جو عطا کرنے والے کے جلوے کو اس کی عطا میں دیکھتے ہیں اور جان ودل سے قبول کرتے ہیں تو ان کا یہ قبول کرنا ان کے دل سے اس کی کلفت ومشقت کو دور کر دیتی ہے اور جو لوگ عطا کے ذریعہ عطا کرنے والے کو دیکھتے ہیں وہ عطا ہی میں رہ جاتے ہیں وہ تکلف سے رضا کی راہ پر چلتے ہیں اور تکلف میں سراسر رنج ومشقت ہے معرفت اس وقت حقیقت ہوتی ہے جب بندہ حق کی معرفت میں مکاشف ومشاہد ہو اور جب اس کے لئے معرفت قید وحجاب ہو تو وہ معرفت مکروہ، وہ نعمت عذاب اور وہ عطا حجاب بن جاتا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو دنیا کے اندر نعمتوں کے ذریعہ اس سے راضی ہوں وہ ہلاکت ونقصان میں رہتے ہیں ایسی رضا، اسے دوزخ میں جھونک دیتی ہے اس لئے کہ جس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے اس کے لئے دنیاوی نعمتوں کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی اور نہ اس کے دل میں محرومی پر کوئی رنج وملال گزرتا ہے۔ (14) نعمت تو اس وقت نعمت کہلاتی ہے جبکہ وہ نعمت دینے والے کی طرف رہنمائی کرے لیکن جب وہ اسے منعم سے محجوب کردے تو ایسی نعمت سراپا آفت وبلا ہوتی ہے۔

لیکن وہ لوگ جو ابتلا کے ذریعہ اس سے راضی ہوں وہ وہ ہیں جو بلا میں میلان کو دیکھتے اور مشقت کے

شرح (14): تکلیف ونعمت کا فرق:

چنانچہ مروی ہے کہ ایک جماعت اللہ تعالیٰ کی محبت میں انتہا کو پہنچ گئی اور انہوں نے کہا کہ ہم تکلیف اور نعمت میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہم اسی بات پر خوش ہوتے ہیں جس میں اس کی رضا ہوتی ہے حتیٰ کہ کسی بزرگ رحمہ اللہ نے یوں کہا کہ اگر مجھے یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور عذاب دے گا تو میں تب بھی اس کی نافرمانی پسند نہ کرو۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا سمنون (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے عرض کی اے اللہ مجھے تیرے سوا کچھ بھی نہیں چاہئے تو جس طرح چاہے مجھے آزمالے۔ (فیضانِ احیاء العلوم صفحہ ۲۵۴)

ذریعہ مشاہدے کی طرف مائل ہوتے ہیں اس حالت میں ان کی تکلیف ان کو دوست کے مشاہدہ کی مسرت میں آزردہ نہیں کرتی۔ (15)

شرح (15): حضرت سیدنا امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عُیُونُ الحِکَایَات میں تحریر فرماتے ہیں:

نعمت پر غمگین اور مصیبت پر خوش ہونے والی عورت

حضرت سیدنا ابن یسار مسلم علیہ رحمۃ اللہ المنعم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں تجارت کی غرض سے بحرین کی طرف گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک گھر کی طرف بہت لوگوں کا آنا جانا ہے، میں بھی اس طرف چل دیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک عورت نہایت افسردہ اور غمگین پھٹے پرانے کپڑے پہنے مصلے پر بیٹھی ہے اور اس کے ارد گرد غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت ہے، اس کے کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں، تجارت کا بہت سارا ساز و سامان اس کی ملکیت میں ہے، خریداروں کا ہجوم لگا ہوا ہے، وہ عورت ہر طرح کی نعمتوں کے باوجود نہایت ہی غمگین تھی نہ کسی سے بات کرتی، نہ ہی ہنستی۔

میں وہاں سے واپس لوٹ آیا اور اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ اسی گھر کی طرف چل دیا۔ وہاں جا کر میں نے اس عورت کو سلام کیا۔ اس نے جواب دیا اور کہنے لگی: اگر کبھی دوبارہ یہاں آنا ہو اور کوئی کام ہو تو ہمارے پاس ضرور آنا، پھر میں واپس اپنے شہر چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے دوبارہ کسی کام کے لئے اسی عورت کے شہر میں جانا پڑا۔ جب میں اس کے گھر گیا تو دیکھا کہ اب وہاں کسی طرح کی چہل پہل نہیں۔ نہ تجارتی سامان ہے، نہ خدام و لونڈیاں نظر آرہی ہیں اور نہ ہی اس عورت کے لڑکے موجود ہیں، ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کسی کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آواز آنے لگی۔ جب دروازہ کھولا گیا اور میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہی عورت اب نہایت قیمتی اور خوش رنگ لباس میں ملبوس بڑی خوش و خرم نظر آرہی تھی، اور اس کے ساتھ صرف ایک عورت گھر میں موجود تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے اس عورت سے پوچھا: جب میں پچھلی مرتبہ تمہارے پاس آیا تھا تو تم کثیر نعمتوں کے باوجود غمگین اور نہایت افسردہ تھی لیکن اب خادموں، لونڈیوں اور دولت کی عدم موجودگی میں بھی بہت خوش اور مطمئن نظر آرہی ہو، اس میں کیا راز ہے؟

تو وہ عورت کہنے لگی: تم تعجب نہ کرو، بات دراصل یہ ہے کہ جب پچھلی مرتبہ تم مجھ سے ملے تو میرے پاس دنیاوی نعمتوں کی بہتات تھی، میرے پاس مال و دولت اور اولاد کی کثرت تھی، اس حالت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن وہ لوگ جو برگزیدگی کے ذریعہ اس سے راضی ہوں وہ اس کے محبوب ہوتے ہیں کیونکہ وہ حالت رضا میں بلا و سختی سے خالی ہوتے ہیں ان کے دلوں کی منزلیں صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہے ان کے سوا پردۂ اسرار بجز محبت کے گل و غنچہ کے کچھ نہیں ہوتا غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتے ہیں، فرشی ہوتے ہوئے بھی عرشی ہوتے ہیں اور جسمانی ہوتے ہوئے بھی روحانی ہوتے ہیں یہ لوگ خالص موحد ربانی اور لوگوں سے دل برداشتہ ہوتے ہیں ان کے مقامات و احوال محفوظ، ان کا باطن خلق سے جدا، حق تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ اور اس کے لطف و کرم کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا (16) وہ اپنی جانوں کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہوتے نہ موت و حیات اور مرنے کے بعد اٹھنے کے مالک ہوتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید! میرا رب عزوجل مجھ سے ناراض ہے، اس وجہ سے مجھے کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچا ورنہ اس کے پسندیدہ بندے تو آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس وقت یہی سوچ کر میں پریشان و غمگین تھی اور میں نے اپنی حالت ایسی بنائی ہوئی تھی۔

اس کے بعد میرے مال و اولاد پر مسلسل مصیبتیں ٹوٹتی رہیں، میرا سارا اثاثہ ضائع ہوگیا، میرے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا انتقال ہوگیا، خدام و لونڈیاں سب جاتی رہیں اور میری تمام دنیاوی نعمتیں مجھ سے چھن گئیں۔ اب میں بہت خوش ہوں کہ میرا رب عزوجل مجھ سے خوش ہے اسی وجہ سے تو اس نے مجھے آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ پس میں اس حالت میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھ رہی ہوں، اسی لئے میں نے اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ حضرت سیدنا یسار مسلم علیہ رحمۃ اللہ المُنعِم فرماتے ہیں: اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور میں نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس عورت کے متعلق بتایا تو وہ فرمانے لگے: اس عورت کا حال تو حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہے اور میرا تو یہ حال ہے کہ ایک مرتبہ میری چادر پھٹ گئی میں نے اسے ٹھیک کروایا لیکن وہ میری مرضی کے مطابق ٹھیک نہ ہوئی تو مجھے اس بات نے کافی دن غمگین رکھا۔

(عُیُوْنُ الحِکَایَات صفحہ ۹۴)

شرح (16): وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوۃً وَّ لَا نُشُوْرًا ٥

ترجمۂ کنز الایمان: اور خود اپنی جانوں کے بھلے برے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ اٹھنے کا (پ ۱۸ الفرقان: ۳)

ہیں۔ (الفرقان: ۳)

لہٰذا غیرِ حق پر راضی ہونا نقصان کا موجب اور حق تعالیٰ سے راضی ہونا رضوان کا سبب ہے اس لئے کہ اللہ سے راضی ہونا صریحاً بادشاہت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِاللّٰہِ وَبِقَضَائِہٖ شَغَلَ قَلْبُہٗ وَتَعِبَ بَدَنُہٗ جو اللہ کی رضا اور اس کی قضا پر راضی نہ ہوا اس نے اپنے دل کو تقدیر و اسباب میں مشغول کر کے بدن کو سختی میں ڈال دیا۔ واللہ اعلم! (17)

شرح (17): کیا ہم اپنی تقدیر ہی پر بھروسہ کرلیں؟

صرف تقدیر ہی پر بھروسہ کر لینا درست نہیں کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب مذکورہ بات سنی تو عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! پھر عمل کس لئے کریں، کیا ہم اپنی تقدیر ہی پر بھروسہ نہ کرلیں؟ تو محبوبِ ربُّ العلمین، جنابِ صادق و امین عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ عمل کرو، کیونکہ جسے جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے۔ پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی O وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی O فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی O وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی O وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی O فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی O

ترجمۂ کنزالایمان: تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا اور سب سے اچھی کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے۔ (پ 30 اللیل: 5 تا 10)

اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے عالم بلعم بن باعوراء کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے، اس پر بھی غور کرنا چاہے کہ وہ کس طرح اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہوا اور جنت کی اَبدی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کے فانی مال پر قناعت کر کے اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ گیا۔

منقول ہے کہ جب اس نے حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف دعا کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس کی زبان سینے تک لٹک گئی، وہ کتے کی طرح ہانپنے لگا اور اللہ عزوجل نے اس سے ایمان، علم اور معرفت چھین لی۔

ولی کے گستاخ کا عبرتناک انجام:

اسی طرح بَرصِیص نامی عابد اپنی سخت ترین عبادات ومجاہدات کے باوجود کفر پر مرا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت کلیم کی دعائے رضا:

احادیث میں وارد ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ دُلَّنِیْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور ابن سقا جو کہ بغداد کا مشہور فاضل اور ذکی شخص تھا، اللہ عزوجل کے ایک ولی کی گستاخی کا مرتکب ہوا، ان کی ولایت کا انکار کیا تو انہوں نے اسے بددعا دی، یہ قسطنطنیہ منتقل ہوا، وہاں ایک عورت کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گیا، پھر اس کی وجہ سے نصرانی ہو گیا، اس کے بعد کسی موذی مرض میں مبتلا ہوا تو اسے سڑک پر پھینک دیا گیا، تو وہ بھیک مانگنے لگا، وہاں سے اس کا کوئی جاننے والا گزرا، اس نے اس سے واقعہ دریافت کیا تو اس نے اپنی آزمائش کا حال سنا دیا اور بتایا: میں نصرانی ہو گیا ہوں اور اب قرآن پاک کا کوئی ایک حرف یاد کرنے پر بھی قدرت نہیں پاتا اور نہ ہی میرے دل میں اس کا خیال آتا ہے۔ اس شخص کا بیان ہے پھر میں تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہاں سے گزرا تو میں نے اسے نزع کے عالم میں پایا، اس کا چہرہ مشرق کی طرف تھا میں جب بھی اسے قبلہ کی طرف پھیرتا تو وہ پھر مشرق کی طرف پھر جاتا اور روح نکلنے تک ایسے ہی رہا۔

مصر میں ایک مؤذن تھا، وہ بہت نیک سمجھا جاتا تھا، ایک مرتبہ اس نے منارے سے ایک نصرانی عورت کو دیکھا تو اس کے فتنے میں مبتلا ہو گیا، وہ اس کی طرف گیا تو اس نے زنا پر راضی ہونے سے انکار کر دیا، اس نے کہا میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، عورت نے جواب دیا تو مسلمان ہے اور میرا باپ تجھ سے میرے نکاح پر راضی نہ ہو گا۔ اس نے کہا: میں نصرانی ہو جاتا ہوں۔ عورت نے کہا: پھر تو میرا باپ راضی ہو جائے گا۔ وہ نصرانی ہو گیا اور نصرانیوں نے اس کے ساتھ وعدہ کر لیا کہ وہ اس کا نکاح اس عورت سے کر دیں گے، اسی اثنا میں ایک دن وہ کسی کام سے چھت پر چڑھا تو اس کا قدم پھسلا اور وہ گر کر مر گیا نہ اپنا دین بچا سکا اور نہ ہی اس عورت کو پا سکا۔

ہم اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر سے اس کی پناہ چاہتے ہیں اور اسی سے اس کی پناہ چاہتے ہیں اور اس کی سزا کے بدلے اس کا عفو اور ناراضگی کے بدلے اس کی رضا چاہتے ہیں۔ آمین!

اسی لئے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب ہدایت پھیر دی گئی ہو اور استقامت اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہو، انجام کار مخفی ہو، ارادہ نا معلوم ہو اور نہ ہی کوئی اس پر غالب آسکے تو اپنے ایمان، نماز اور دیگر نیکیوں پر خوشیاں مت مناؤ کیونکہ یہ محض تمہارے رب عزوجل کے فضل و کرم سے ہیں، کہیں وہ تم سے انہیں چھین نہ لے اور تم ایسی جگہ ندامت کی اتھاہ گہرائی میں نہ جا گرو جہاں ندامت بھی نفع نہ دے۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر، صفحہ ۲۹۴)

عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُ رَضِیْتَ عَنِّیْ اے میرے رب! مجھے ایسا عمل بتا جس پر میں عمل کروں تو مجھے تیری رضا حاصل ہو جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَطِیْقُ ذَالِكَ یَامُوْسٰی، فَخَرَّ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا اے موسیٰ یہ بات تمہاری قوتِ برداشت سے باہر ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔ چنانچہ وحی نازل فرمائی کہ یَا ابْنَ عِمْرَانَ اِنَّ رِضَائِیْ فِیْ رِضَائِكَ بِقَضَائِیْ اے فرزندِ عمران! میری رضا تو تمہارے اندر ہے تم کو چاہئے کہ قضا پر راضی رہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے گا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

زہد و رضا کے مابین فضیلت:

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ زہد افضل ہے یا رضا؟ حضرت فضیل نے فرمایا:

الرضا افضل من الزهد لان الارضی لایتمنی فوق منزله زہد سے رضا افضل ہے کیونکہ "راضی" اس سے اوپر کی منزل کی خواہش نہیں کرتا۔

مقصد یہ ہے کہ زہد کے اوپر اور بھی ایک منزل ہے جس کو حاصل کرنے کی زاہد تمنا کرتا ہے لیکن رضا کے اوپر کوئی منزل نہیں جس کی راضی تمنا کرے۔ اوپر کا درجہ نیچے کے درجہ سے افضل ہوتا ہے۔ یہ واقعہ حضرت محاسبی کے اس قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے کہ رضا احوال کے قبیل سے ہے یہ کوئی شئے نہیں ہے جو مجاہدے اور کسب کے ذریعہ حاصل ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہبی یعنی عطیہ اور بخشش کے طور پر حاصل ہوتی ہے نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ راضی کو سرے سے تمنا ہی نہ ہو جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک دعا میں فرمایا کہ **اسألك الرضا بعد القضا** میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ نزول قضا کے بعد مجھے راضی رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایسی صفت عطا فرما کہ جب تیری جانب سے قضا کا اترا ہو تو نزول قضا کے وقت تو مجھے راضی پائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے نزولِ قضا سے پہلے رضا درست نہیں ہوتی اس لئے کہ یہاں رضا پر عزم ہوگا اور عزم رضا، عین رضا نہیں ہوتی۔

رضا کے بارے میں اقوالِ مشائخ:

حضرت ابوالعباس بن عطا فرماتے ہیں کہ **الرضا نظر القلب الی قدیم اختیار الله للعبد** بندے پر اللہ کے قدیم اختیار کی جانب دلی نگاہ کو رضا کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بندے کو جو کچھ پہنچے اس پر وہ

اعتقاد رکھے کہ یہ اللہ کے ارادہ قدیم اور حکم ازلی کی بنا پر ہے جو میرے لئے مقدر فرمایا ہے اس پر بندہ بے چین نہ ہو بلکہ خوش دل رہے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ صاحب مذہب فرماتے ہیں کہ **الرضا سکون القلب تحت مجاری الاحکام** احکام الٰہی کے اجراء پر سکون قلب کا نام رضا ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت محاسبی کا مسلک قوی ہے کیونکہ دل کا سکون واطمینان بندے کے اختیاری عمل سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ وہبی اور اللہ تعالیٰ کی بخشش وعطا سے تعلق رکھتا ہے یہ بات اس کی دلیل ہے کہ رضا احوال کے قبیل سے ہے مقام سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عتبۃ الغلام رات بھر نہیں سوئے اور دن چڑھے تک یہی کہتے رہے کہ **ان تعذبنی فانالك محب وان ترحمنی فانالك محب** اگر تو مجھے دوزخ کے اندر عذاب میں ڈال دے یا اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے! دونوں حالتوں میں میں تجھ سے محبت کرتا رہوں گا۔

مطلب یہ ہے کہ عذاب کی تکلیف اور نعمت اور لذت جسم پر ہوگی لیکن اگر محبت ودوستی میرے دل میں قائم رہے تو یہ عذاب میرے لئے نقصان رساں نہ ہوگا یہ بات بھی حضرت محاسبی کے مذہب ہی کی تائید کرتی ہے کیونکہ رضا محبت کا نتیجہ ہے اور محبت کرنے والا محبوب کے ہر فعل پر راضی رہتا ہے اگر وہ عذاب میں رکھے جب بھی دوستی سے محجوب نہیں ہوتا بلکہ خوش رہتا ہے اور اگر نعمت میں رکھے تب بھی دوستی سے محجوب نہیں ہوتا اور اپنی خواہش کو حق تعالیٰ کے اختیار کے مقابلہ میں دخل انداز نہیں کرتا۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **منذ اربعین سنتہ ما اقامنی اللہ فی حال فکرھتہ وما نقلنی الی غیرہ وسخطتہ** چالیس سال گزر گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اسے ناپسند نہ کیا اور جس حال کی طرف بھی اس نے مجھے پھیرا میں نے اس سے ناراضگی ظاہر نہیں کی۔ یہ اشارہ دائمی رضا اور کمالِ محبت کی طرف ہے۔

حکایت:

مشہور واقعہ ہے کہ دجلہ میں ایک درویش پھنس گیا وہ تیرنا نہیں جانتا تھا کسی نے کنارے سے پکار کر کہا اے درویش اگر تم چاہو تو کسی کو بلاؤں تاکہ وہ تمہیں نکال لے؟ درویش نے کہا نہیں، اس شخص نے کہا کیا غرق ہونے کی خواہش ہے؟ درویش نے کہا نہیں، اس نے کہا پھر کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا وہی چاہتا ہوں جو

میرا رب میرے لئے چاہتا ہے۔

غرض کہ رضا کی تعریف و بیان میں مشائخ کا بہت اختلاف ہے لیکن اس باب میں دو بنیادی قاعدے ہیں جن کو بیان کر کے بحث کو مختصر کرتا ہوں مگر مناسب ہے کہ پہلے احوال و مقام کا فرق اور اس کے حدود ظاہر کردوں تا کہ اس کے سمجھنے میں سب کو آسانی ہو اور اس کے حدود سے بھی واقفیت ہو جائے۔ انشاء اللہ!

مقام وحال کا فرق

معلوم ہونا چاہئے کہ مقامؔ وحالؔ کے دونوں لفظ تمام مشائخ کے مابین مستعمل اور ان کی عبارتوں میں رائج اور محققین کے علوم و بیان میں متداول ہیں طالبانِ علم طریقت کے لئے ان کی واقفیت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ (18)

شرح (18): جان لیجئے! اُمید اور خوف سالکین کے مقامات اور طالبین کے احوال میں سے ہیں اور جب تک کوئی وصف عارضی اور زائل ہونے والا ہو، تو اُسے حال کہتے ہیں اور جب پختہ ہو جائے تو اُسے مقام کہا جاتا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں، جان لیجئے! اگر مستقبل میں کسی ایسی چیز کا انتظار ہو جس سے دل کو تکلیف ہوتی ہو اسے خوف کہا جاتا ہے اور اگر وہ ایسی چیز ہو جس سے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہو تو اُسے امید کہا جاتا ہے۔ گویا اُمید دل کی راحت کا نام ہے جو محبوب چیز کے انتظار سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا کوئی سبب ہونا ضروری ہے لہٰذا جب اس کے اکثر اسباب پائے جائیں تو اس پر رجاء (یعنی اُمید) کا لفظ صادق آتا ہے اور اگر اس کا انتظار بغیر اسباب کے ہو تو اس پر غرور (یعنی دھوکے) کا لفظ صادق آتا ہے اور اگر اسباب کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو تو اس پر تمنا کا لفظ صادق آتا ہے۔

اہلِ معرفت جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، دل زمین کی طرح ہے، جس میں ایمان بیج کی طرح ہے اور عبادت زمین کو سیراب کرنے، اُلٹ پلٹ کرنے اور زمین کو زرخیز بنانے والی چیزوں کی طرح ہے اور دنیا میں غرق اور ڈوبا ہوا دل اس بنجر زمین کی طرح ہے جس میں بیج نہیں اُگتا اور یومِ قیامت فصل کاٹنے کا دن ہے اور ہر شخص وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہوگا اور کھیتی کا بڑھنا ایمان کے بیج کے بغیر ناممکن ہے اور جب دل میں خبیث اور برے اخلاق ہوں تو ایمان بہت کم نفع دیتا ہے جس طرح بنجر زمین میں بیج نہیں اُگتا پس جس شخص کو عمدہ زمین، پانی، ضروری سامان اور تمام خرابیوں سے پاک زمین حاصل ہو جائے پس وہ اس میں اچھا بیج ڈالے پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فضل کا امیدوار بن کر کھیتی کے کٹنے کا انتظار کرے کہ وہ زمین کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقام کی تحقیق:

واضح ہو کہ مُقام، میم کے پیش سے بندے کا قیام اور میم کے زبر سے بندے کے جائے اقامت و قیام کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ مقام کے معنیٰ اور اس کی تفصیل کے لئے عربی زبان کے قواعد کا اعتبار و لحاظ کرنا سہو و غلط ہے چونکہ قواعدِ عربی میں لفظ مُقام، میم کے پیش سے بمعنیٰ اقامت و جائے قیام کے ہیں اور بندے کا راہِ حق میں اقامت کے معنیٰ اس میں نہیں ہیں اسی طرح مَقام میم کے زبر سے قیام کے ہیں۔ بندے کا راہِ حق میں قیام کے معنیٰ اس میں نہیں ہے اور بندے کا اس مقام کے حق کو ادا کرنا اور اس کی رعایت کرنا تا کہ اس کے کمال تک وہ رسائی پائے جہاں تک بھی اس کی قدرت ہو جائز ہے البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ اس مقام کا حق ادا کئے بغیر اس مقام سے گزر جائے مثلاً پہلا مقام توبہ ہے اس کے بعد انابت پھر زہد پھر توکل وغیرہ وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر توبہ کئے انابت میں پہنچ جائے یا بغیر انابت کے زہد حاصل کر لے یا بغیر زہد کے توکل مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جبریل علیہ السلام کے کلام میں تعلیم دی کہ **وما منا الا له مقام معلوم** یعنی ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے لئے کوئی مقام معلوم نہ ہو۔

حال کی تحقیق:

حال اس معنیٰ کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل پر طاری ہو اور اسے وہ اپنے قدرت و اختیار سے دور نہ کرسکتا ہو اور نہ کسی محنت و مجاہدے سے حاصل کرسکتا ہو مطلب یہ کہ جب دل میں آئے تو دور نہ کر سکے اور نہ آئے تو وہ لا نہ سکے لہٰذا بارگاہِ الٰہی میں ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ محل ریاضت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بجلی کی گرج اور دیگر خرابیوں سے بچائے گا۔ پس اسی طریقے کا نام اُمید ہے۔

اور اگر انسان شورزدہ سخت زمین میں بیج ڈال دے کہ اس تک پانی نہ پہنچے پھر اس کے کٹنے کا انتظار کرے، تو اسے دھوکا کہتے ہیں اور اگر بیج اچھی زمین میں بوئے، لیکن اسے پانی نہ ملے اور بارش کے پانی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے کٹنے کا انتظار کرے تو اسے تمنا کہا جاتا ہے۔

پس تمہیں معلوم ہوگیا کہ جو شخص اپنے دل میں ایمان کی کھیتی بوتا ہے اور اس کو عبادات کا پانی دیتا ہے اور دل کو خبائث سے پاک کرتا ہے، جس طرح وہ زمین کو کانٹوں اور گھاس پھوس سے پاک کرتا ہے تو اسے امید رکھنی چاہے لیکن جو ایسا نہیں کرتا وہ فضول تمنا کرنے والا اور دھوکے میں مبتلا ہے۔ (لباب الاحیاء صفحہ ۳۱۲)

اور اس کے درجہ میں طالب کی راہ اور اس کی جائے اقامت کا نام مقامؔ ہے اور جو کیفیت بغیر ریاضت و مجاہدے کے دل پر وارد ہو وہ اللہ تعالیٰ کا لطف و فضل ہے اس کا نام حالؔ ہے اسی لحاظ سے مقام اعمال کی قبیل سے ہے اور حالؔ، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی عطا کے زمرے میں ہے گویا مقامؔ اول تا آخر کسبیؔ ہے اور حالؔ وہبی ہے لہٰذا صاحب مقام اپنے مجاہدے میں قائم اور صاحب حال، اپنے وجود میں فانی ہے اور وہ اس حالؔ کے ساتھ قائم ہے جسے حق تعالیٰ نے اس کے دل میں پیدا فرمایا ہے۔ مشائخ کی ایک جماعت حال کے دوام کو جائز رکھتی ہے۔

اور ایک جماعت دوام کو جائز نہیں رکھتی اس سلسلے میں ان کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حال کے دوام کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ محبت وشوق اور قبض و بسط یعنی دل کی تنگی و کشادگی یہ سب احوالؔ سے متعلق ہیں اگر اس میں دوام کو جائز نہ مانا جائے تو محب، محب نہیں رہ سکتا، اور نہ مشتاق، مشتاق رہ سکتا ہے۔ جب تک حال بندے کی صفت نہ ہو تو اس کا وقوع بندے پر کس طرح ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر آپ رضا کو احوال کی قبیل سے شمار کرتے ہیں اور حضرت ابو عثمان حیری کے قول کا اشارہ بھی اسی طرف ہے کہ ''چالیس (۴۰) برس گزر گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اسے ناپسند نہیں کیا۔''

مشائخ کی وہ دوسری جماعت جو حال کے دوام و بقا کو جائز نہیں مانتی، ان میں سے ایک حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ:

الاحوال کالبروق وان یبقی فحدیث النفس احوال بجلی کوندنے کی مانند ہیں کہ جو ظاہر ہوتی اور ختم ہو جاتی ہے اور جو باقی رہتی ہے وہ حدیث نفس یعنی طبعی تخلیق ہے۔

ایک جماعت نے اس کی نسبت یہ کہا کہ:

الاحوال کاسمھا یعنی انھا کما تحل فی القلب تزول احوال کی کیفیت اپنے نام ہی کی مانند ہے یعنی جس طرح دل میں آتا ہے اسی طرح دوسرے وقت دل سے زائل ہو جاتا ہے۔

اور جو کیفیت باقی و برقرار رہتی ہے اس کو صفت کہتے ہیں اور صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ موصوف اپنی صفت میں کامل ہو، یہ محال ہے۔

میں نے حال اور مقام کا یہ فرق اس لئے واضح کر کے بیان کیا ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں بھی مشائخ کے اقوال میں حال و مقام کا ذکر آئے تو جان سکو کہ اس سے کیا مراد ہے؟ مختصراً اتنا یاد رکھو کہ رضا

مقامات کی انتہا اور احوال کی ابتداء ہے اور یہ مقام ایسا ہے جس کا ایک کنارہ ریاضت و مجاہدے کی طرف ہے اور دوسرا کنارہ محبت و اشتیاق کی سمت! اس سے اوپر اور کوئی مقام نہیں ہے اور تمام مجاہدے اسی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی ابتدا کسبی ہے اور اس کی انتہا وہبی۔ البتہ اس کا امکان ہے کہ جس نے اپنی رضا کی ابتداء اپنے ساتھ دیکھی اس نے کہہ دیا کہ یہ مقام ہے اور جس نے اپنے رضا کی انتہا، حق کے ساتھ دیکھی اس نے کہہ دیا کہ یہ حال ہے۔ تصوف میں حضرت محاسبی کے مذہب کا معاملہ یہ ہے۔ بایں ہمہ تصوف کے معاملات میں انہوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ البتہ انہوں نے اپنے مریدوں کو ایسی عبارات اور معاملات میں زجر و توبیخ فرمائی ہے جس میں کسی قسم کا ابہام و خطا ہو اگر چہ وہ اصل میں درست ہی کیوں نہ ہو۔

جیسے ایک دن حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت محاسبی کے مرید تھے ان کے پاس آئے چونکہ وہ صاحب حال اور صاحب سماع تھے اور حضرت حارث محاسبی کے یہاں ایک مرغ تھا جو بانگ دیا کرتا تھا، اتفاق سے مرغ نے اس وقت بانگ دینی شروع کر دی۔ اسی بانگ پر حضرت حمزہ نے نعرہ مارا۔ حضرت محاسبی خنجر لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''کفرت'' تو نے کفر کیا اور حضرت حمزہ کو مار ڈالنے کے لئے بڑھے۔ دیگر مریدین حضرت شیخ کے قدموں میں گر پڑے اور بمشکل انہیں باز رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے ابوحمزہ سے فرمایا ''اسلم یا مطرود'' او مردود اسلام قبول کر۔ (جب معاملہ رفت گزشت ہو گیا) تو مریدوں نے عرض کیا کہ اے شیخ! جبکہ ہم آپ سب، ابوحمزہ کو مخصوص اولیا اور توحید پر استقامت رکھنے والوں میں سے جانتے ہیں تو آپ کو ان پر کیوں شک و تردّد ہوا؟ حضرت محاسبی نے فرمایا مجھے اس کے ایمان پر کوئی شک تردد نہیں ہوا یقینا میں اسے مشاہدۂ حق اور دل سے توحید میں مستغرق جانتا ہوں لیکن ہم اسے ایسا کرنے کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں جیسے حلولیوں کا وطیرہ اور ان کے کردار کا شعار ہے مرغ ایک بے عقل جانور ہے وہ اپنی عادت کے مطابق بانگ دیتا ہے اسے حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کیسے ہو گئی۔ یہ بات حق تعالیٰ کے شایانِ شان بھی نہیں۔ وہ تجزی سے پاک ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا ہر وقت اور ان کا ہر حال حق کے ساتھ ہے اور ان کا ہر لمحہ خدا کے شایان شان سلام و کلام کے بغیر آرام و چین سے نہیں گزرتا اس کے باوجود کسی چیز میں اس کا حلول و نزول بھی جائز نہیں ہے اور نہ قدیم پر اتحاد و امتزاج اور ترکیب جائز ہے۔ حضرت ابوحمزہ نے جس وقت مرشد کی بالغ نظری کو دیکھا عرض کرنے لگے اے شیخ! اگر چہ میں اصل کے اعتبار سے راستی پر تھا لیکن چونکہ میرا یہ فعل ایسی قوم کے مشابہ بن گیا تھا جو

حلولی اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔ میں رجوع و توبہ کرتا ہوں۔

چونکہ میرا مقصود اختصار ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ بلا شبہ ان کا یہ طریق سلامتی اور حفاظت کی راہ میں صحت کمال کے باوجود بہت پسندیدہ اور لائق تعریف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّھَمِ تم میں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا وہ تہمت کی جگہوں پر ہرگز کھڑا نہ ہو۔ (19)

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے بھی اللہ ایسی ہی توفیق نصیب فرمائے اور آج کل کے رسمی پیروں فقیروں کی صحبت سے بچائے یہ لوگ ایسے نہیں جن کی ریا و معصیت میں اگر موفقت نہ کی جائے تو دشمن ہو جاتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من الجهل۔ واللہ اعلم بالصواب!**

(۲) فرقہ قصاری

قصاری فرقہ کے پیشوا، حضرت ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عمارہ قصار رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر علماء اور ساداتِ طریقت میں سے ہیں ان کا مسلک و مشرب، ملامت کی نشر و اشاعت ہے۔ فنونِ معاملات میں ان کا کلام بلند و بالا ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جتانے کے مقابلہ میں تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت بہتر سے بہتر ہونا چاہئے مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بہتر ہونا چاہئے جو تم لوگوں کے ساتھ ظاہر میں کرتے ہو اس لئے کہ راہِ حق میں سب سے بڑا حجاب یہ ہے کہ تمہارا دل لوگوں کے ساتھ مشغول ہو۔ ملامتی مشرب کے بارے میں شروع کتاب میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ مختصراً یہ کہ:

حکایت:

حضرت ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نیشاپور میں نہر حیرہ کے کنارے جا رہا تھا وہاں

شرح (19): (مراقی الفلاح مع الطحطاوی قبیل باب سجود السہو، نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۴۹)

یہ امر کسی کے ساتھ خاص نہیں سب مسلمانوں کو عام ہے۔ وہ عام ہوں یا خاص اور ظاہر کہ اولیائے کرام (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) مُکَلَّف (یعنی پابندِ قانونِ شرع) ہیں تو وہ بھی مامور (یعنی حکم میں شامل) ہوئے پھر انہیں اس امر کا خلاف کیونکر جائز ہوگا اور پھر اس صورت میں صرف تہمت کے موقع سے نہ بچنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بلاوجہ بدگمانی کا مرتکب کرنا بھی ہے، جو حرام ہے۔

ایک شخص نوح نامی جس کی جوانمردی نیشاپور میں مشہور تھی، راستے میں ملا میں نے اس سے پوچھا کہ اے نوح! جوانمردی کیا چیز ہے؟ اس نے کہا آپ میری جوانمردی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں یا اپنی جوانمردی کے بارے میں؟ میں نے کہا دونوں کے بارے میں۔ اس نے کہا میری جوانمردی تو یہ ہے کہ میں نے قبا کو اتار کر گدڑی پہن لی ہے اور ایسا معاملہ کرنے لگا ہوں جس سے صوفی بن جاؤں خدا سے حیاء کرتا ہوں اور اس لباس میں معصیت سے پرہیز کرتا ہوں اور آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ آپ اس گدڑی کو اتار ڈالیں تا کہ آپ سے لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں لہٰذا میری جوانمردی ظاہر شریعت کی حفاظت میں ہے اور آپ کی جوانمردی، باطنی حقیقت کی حفاظت میں ہے۔ یہ اصل بڑی قوی ہے۔ **واللہ اعلم!**

(۳) فرقہ طیفوریہ

طیفوری فرقہ کے پیشوا، حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشاں بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر اور سادات صوفیا میں سے ہیں۔ (20) یہ صاحب غلبہ اور صاحبِ سکر تھے (21) شوق الٰہی کا غلبہ، سکر اور

شرح (20): بایزید بسطامی جو شیخ اَبو یزید البسطامی اور طیفور ابو یزید بسطامی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن سروسان اور کنیت ابو یزید ہے فارس (ایران) کے صوبے بسطام میں پیدا ہوئے۔ بسطامی آپ کے نام کے ساتھ اسی نسبت سے لگایا جاتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مجوسی تھے جو کہ بعد میں اسلام کی طرف راغب ہو گئے۔ بسطام ایک بڑا قریہ ہے جو نیشاپور کے راستے میں واقع ہے آپ کے دادا کے تین بیٹے تھے، آدم، طیفور (بایزید کے والد) اور علی یہ سارے بڑے ہی زاہد اور عبادت گذار تھے وفات 261 ہجری میں ہوئی۔

شرح (21): سالِک اور مَجذُوب کے اَحکام

سُلوک کے معنی راستے پر چلنا ہے، اور راستے پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ سالک! شَرِیْعت وطریقت دونوں کا جامع ہوتا ہے وہ لطائفِ روحانی کی بیداری سے دَرَجہ بدَرَجہ ترقی کرتا ہے۔ اُس وجہ سے اُس کے شُعور کی سنگت (یعنی قوت) قائم رہتی ہے اور اسکا شُعور مغلوب نہیں ہوتا۔ جبکہ مجذوب لطائف کی بیداری سے یکدم روحانیت کی بلند منزلوں میں مُستَغرِق ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُس کی شُعوری صلاحیتیں مغلوب ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ ہوش وحواس سے بے نیاز ہو کر دنیاوی دلچسپیوں سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔ یعنی مجاذیب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے وہ مخصوص بندے ہیں جنہیں دیگر مخلوق سے کوئی واسطہ وتعلق نہیں ہوتا۔ وہ از خود نہ کھاتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محبت۔ انسان کی محبت کسی جنس سے نہیں ہے بلکہ یہ انسان کے کسب و اختیار کے احاطہ سے باہر ہے جو اس کا دعوی کرے وہ باطل ہے اور ایسوں کی تقلید محال ہے لہٰذا کسی صحت مند کے لئے سکر یعنی مدہوشی صفت نہیں ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہ پیتے ہیں، نہ پہنتے ہیں نہ نہاتے ہیں، انہیں سردی گرمی، نفع و نقصان کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے کھلا دیا تو کھا پی لیا، پہنا دیا تو پہن لیا، نہلا دیا تو نہا لیا، سردیوں میں بغیر کمبل چادر لئے سکون، گرمیوں میں لحاف اوڑھ لیں تو پرواہ نہیں۔ یعنی مجذوب (بظاہر) ہوش میں نہیں ہوتا۔ اسلئے وہ شَرِیعت کا مُکلَّف بھی نہیں ہوتا۔ یعنی اس پر شرعی اَحکام لاگو نہیں ہوتے۔ مگر وہ شرعی اَحکام کی مخالفت بھی نہیں کرتا۔

نقشِ قدم

حضرت شیخ محی الدین ابنِ عَرَبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کے نقشِ قدم پر ہوتا ہے جیسے حضرت محبوب سبحانی سید قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے میں بدرِ کامل نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدمِ مبارک پر ہوں،

اسی طرح حالتِ جذب والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقشِ قدم پر ہیں۔ مجذوب کو جذب کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے قرب کے ذریعے حاصل ہوتی ہے یعنی مجذوب وہ شخص ہے جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی محبت میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

عظمتِ مجاذیب

کتابوں میں اَولیاء کرام کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مجاذیب کا ذکر خیر بھی ملتا ہے۔ ان کی تقلید نہیں کی جاسکتی لیکن ان کی عظمت و رِفعت کو صوفیاء کرام نے تسلیم کیا ہے۔

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ نے مجذوب کی عظمت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے، بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ جس کے مصداق مجذوب اولیاء ہیں۔

حضور اکرم، نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال الجھے ہوئے اور گرد و غبار میں اَٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے خستہ حال ہوتے ہیں کہ اگر وہ لوگوں کے دروازوں پر جائیں تو لوگ حقارت سے انہیں دھکا دے کر نکال دیں۔ لیکن خدا کے دربار میں ان کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھا لیں تو پروردگارِ عالم عَزَّ وَجَلَّ ضرور ضرور اُن کی قسم پوری فرما دیتا ہے اور اُن کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، رقم ۵۲۳۱، ج ۳، ص ۱۱۸)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سکتی۔ لامحالہ آدمی، سکر کو اپنی طرف لانے کی قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ خود سکر کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتا ہے۔ نہ وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ اس سے تکلف کی کوئی صفت ظاہر ہوتی ہے۔ اس بارے میں مشائخ کا مسلک یہ ہے کہ صاحب استقامت ہی کی پیروی اور تقلید کی جائے گردشِ احوال کی اقتداء درست نہیں ہوتی اگرچہ مشائخ کی ایک جماعت اسے جائز رکھتی ہے کہ آدمی اپنے اختیار سے غلبہ و سکر کی راہ اختیار کر سکتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِبْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا (22) تضرع و زاری کرو اگر نہ کر سکو تو رونے کی سی صورت بنا لو (ابن ماجہ)

اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ریاکاروں کی مانند خود کو بھی ویسا ہی بنالو یہ شرک صریح ہے۔ دوسری یہ کہ خود کو ویسا بنالو تاکہ حق تعالیٰ اس بناوٹ کو حقیقت کے اس درجہ کے مطابق بنادے جو اہل حقیقت کا ہے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے موافق بن جاؤ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (23) (ابوداؤد) جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ اسی میں سے ہے لہٰذا اقسام مجاہدے میں سے جس قدر ہو سکے اسے تو کرتا رہے اس کے بعد وہ خدا سے امیدوار رہے کہ اس پر اس کے معنی حقیقت کو کھول دے ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) روحانی منازل

اعلیحضرت علیہ الرحمۃ مجذوبوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں! کہ وہ خود سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ مگر ان کا کوئی سلسلہ، پھر ان سے آگے نہیں چلتا۔ یعنی مجذوب! اپنے سلسلہ میں منتہی (یعنی کامل) ہوتا ہے۔ اپنا جیسا دوسرا مجذوب پیدا نہیں کر سکتا۔

وجہ غالباً یہ ہے! کہ مجذوب! مقام حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے اور بقاء حاصل کر لیتا ہے۔ اسلئے اُس کی غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ (انوار رضا ص ۲۴۳)

بعض لوگ پیدائشی مجذوب ہوتے ہیں، بعض پر روحانی منازل طے کرتے ہوئے کسی مرحلے پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کچھ نُفوسِ قُدسیہ غلبہ شوق اور وُفورِ عشق سے زندگی کے آخری سالوں میں عالمِ استغراق میں چلے جاتے ہیں۔ (آدابِ مرشدِ کامل صفحہ ۲۰۲)

شرح (22): (سنن ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب الحزن والبکاء، الحدیث ۴۱۹۶، ج۴، ص ۴۷۲)

شرح (23): (سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، الحدیث ۴۰۳۱، ج ۴، ص ۶۲)

بزرگ فرماتے ہیں کہ المشاھدات مواریت المجاھدات مجاہدوں سے مشاہدے حاصل ہوتے ہیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدے ہر لحاظ سے عمدہ اور بہتر ہیں لیکن سکر و غلبہ انسان کے کسب و اختیار میں نہیں ہیں کہ وہ مجاہدوں سے اسے حاصل کر سکے اور حصولِ سکر کے لئے عین مجاہدات بھی علت و سبب نہیں ہیں۔ مجاہدے صحت مندی کی حالت ہی میں ممکن ہیں اور کوئی صحت مند سکر کی حالت کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ یہ محالِ عادی ہے اب میں سکر و صحو کو اور اس میں اختلاف اقوال کو بیان کرتا ہوں تا کہ مشکلات دور ہو جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

سکر و صحو کی بحث

واضح رہنا چاہئے کہ ارباب معانی نے سکر و غلبہ (مدہوشی) سے غلبہ محبت الٰہی اور صحو (صحت مندی) سے حصول مقصد مراد لئے ہیں۔ اس مسئلہ میں اہل معانی کا بہت اختلاف ہے چنانچہ ایک جماعت، سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت صحو کو سکر پر برتری دیتی ہے۔ پہلی جماعت جو سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے ان میں حضرت ابو یزید بسطامی اور ان کے متبعین ہیں (24) ان کا کہنا ہے کہ صحو آدمیت کی صفت پر اعتدال و استقامت کی شکل بناتی ہے اور یہ مشاہدہ حق میں بہت بڑا حجاب ہے اور سکر آفت کے زائل ہونے، صفاتِ بشریت کے فنا کرنے، تدبیر و اختیار کے نیست و نابود ہونے اور معنوی بقا اور حق تعالیٰ کے افعال میں بندے کے تصرفات کے فنا ہونے اور اس قوت کے فنا ہونے سے جو بندے میں اس کی جنس کے خلاف ہے حاصل ہوتا ہے یہ حالت سکر، بمقابلہ صحو ابلغ و اتم اور زیادہ مکمل ہے چنانچہ حالت صحو میں جب حضرت داؤد علیہ السلام سے وہ فعل صادر ہوا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ان کے اس فعل کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی (25) جیسا کہ فرمایا: وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (26) (البقرہ: ۲۵۱) حضرت داؤد علیہ السلام

شرح (24): یہ بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

شرح (25): حضرت داؤد علیہ السلام کس طرح بادشاہ بنے؟

جب طالوت بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے تیار کیا اور ایک کافر بادشاہ جالوت سے جنگ کرنے کے لئے اپنی فوج کو لے کر میدان جنگ میں نکلے۔ جالوت بہت ہی قد آور اور نہایت ہی طاقتور بادشاہ تھا وہ اپنے سر پر لوہے کی جو ٹوپی پہنتا تھا اس کا وزن تین سو رطل تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے جالوت کو قتل کیا اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ حالت سکر (یعنی فنافی الذات) پر فائز تھے تو آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں لڑائی کے لئے صف آرائی کر چکیں تو حضرت طالوت نے اپنے لشکر میں یہ اعلان فرمادیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کریگا، میں اپنی شہزادی کا نکاح اس کے ساتھ کر دوں گا۔ اور اپنی آدھی سلطنت بھی اس کو عطا کر دوں گا۔ یہ فرمان شاہی سن کر حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے جو ابھی بہت ہی کمسن تھے اور بیماری سے چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اور غربت و مفلسی کا یہ عالم تھا کہ بکریاں چرا کر اس کی اجرت سے گزربسر کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام گھر سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں ایک پتھر یہ بولا کہ اے حضرت داؤد! مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر دوسرے پتھر نے آپ کو پکارا کہ اے حضرت داؤد مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر ایک تیسرے پتھر نے آپ کو پکار کر عرض کیا کہ اے حضرت داؤد علیہ السلام مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں جالوت کا قاتل ہوں۔ آپ علیہ السلام نے ان تینوں پتھروں کو اٹھا کر اپنے جھولے میں رکھ لیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی گوپھن لے کر صفوں سے آگے بڑھے اور جب جالوت پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان تینوں پتھروں کو اپنی گوپھن میں رکھ کر اور بسم اللہ پڑھ کر گوپھن سے تینوں پتھروں کو جالوت کے اوپر پھینکا اور یہ تینوں پتھر جا کر جالوت کی ناک اور کھوپڑی پر لگے اور اس کے بھیجے کو پاش پاش کر کے سر کے پیچھے سے نکل کر تیس جالوتیوں کو لگے اور سب کے سب مقتول ہو کر گر پڑے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے لا کر اپنے بادشاہ حضرت طالوت کے قدموں میں ڈال دیا اس پر حضرت طالوت اور بنی اسرائیل بے حد خوش ہوئے۔

جالوت کے قتل ہو جانے سے اس کا لشکر بھاگ نکلا اور حضرت طالوت کو فتح مبین ہو گئی اور اپنے اعلان کے مطابق حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اپنی آدھی سلطنت کا ان کو سلطان بنا دیا۔ پھر پورے چالیس برس کے بعد جب حضرت طالوت بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام پوری سلطنت کے بادشاہ بن گئے اور جب حضرت شمویل علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ آپ سے پہلے سلطنت اور نبوت دونوں اعزاز ایک ساتھ کسی کو بھی نہیں ملا تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ ان دونوں عہدوں پر فائز ہو کر ستر برس تک سلطنت اور نبوت دونوں منصبوں کے فرائض پورے کرتے رہے اور پھر آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور نبوت دونوں مرتبوں سے سرفراز فرمایا۔ (تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۳۰۸، پ ۲، البقرۃ ۲۵۱)

سے جب فعل وجود میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی جیسا کہ فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (27) (الانفال: ۱۷) آپ نے وہ مشتِ خاک نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہے۔ "فبعد مابين عبد ومعبوديته" (28) لہٰذا بندے اور بندگی کے درمیان بڑا فاصلہ ہے۔ جواز خود قائم اور اپنی صفات میں ثابت و برقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے "تو نے کیا" اگرچہ اس میں بھی ان کی بزرگی اور کرامت کا اظہار ہے لیکن وہ ذات جو حق کے ساتھ قائم ہے اور اپنی صفات میں فانی ہے اسے یوں فرمایا کہ "جو کچھ تم نے کیا وہ ہم نے کیا" لہٰذا بندے کے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہونا اس سے افضل و بہتر ہے جس میں حق تعالیٰ کے فعل کی نسبت بندے کی طرف کی جائے۔ جب فعل الٰہی کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے تو بندہ اپنے وجود سے قائم ہوتا ہے اور جب بندے کے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہو تو وہ حق کے ساتھ قائم و باقی رہتا ہے جب بندہ اپنے وجود میں ثابت و برقرار ہوتا ہے تو بندہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زیرِ قدم نظر آتا ہے اور بسا اوقات ایسی حالت میں اس کی نظر نامناسب مقام پر بھی پڑ جاتی ہے جیسے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اوریا عورت پر پڑی اور جو دیکھا سو دیکھا، اور جب

شرح (26): وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

ترجمہ کنز الایمان: اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو (پ ۲ البقرہ ۲۵۱)

شرح (27): وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

ترجمہ کنز الایمان: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی

(پ۹ الانفال: ۱۷)

شرح (28): مٹھی بھر خاک کا شاہکار

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین میں جب کفار نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنی سواری سے اتر پڑے اور زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینکی اور شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فرمایا تو کافروں کے لشکر میں کوئی ایک انسان بھی باقی نہیں رہا جس کی دونوں آنکھیں اسی مٹی سے نہ بھر گئی ہوں چنانچہ وہ سب اپنی اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور شکست کھا گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکے اموالِ غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب فی غزوۃ حنین، الحدیث: ۱۷۷۷، ص ۹۸۱)

بندہ حق کے ساتھ قائم ہو جائے جیسے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو اس کی نظر کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ جب اس کی نظر جنس عورت پر ہی پڑتی ہے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی، خود زید پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ محل صحو (ہوش واختیار) میں تھے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محل سکر میں۔

اور وہ جماعت جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتی ہے ان میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تابعین ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ سکر محل آفت ہے اس لئے کہ سکر میں احوال پراگندہ، صحت وہوش مفقود اور بندے کے تمام علائق گم ہوتے ہیں اور جب بندہ تمام قواعد معانی کا طالب ہو خواہ صورتِ فنا میں یا حالت بقا میں، خواہ نابود ہونے کی صورت میں یا اثبات کی شکل میں! اگر بندہ صحیح الحال نہ ہوگا تو تحقیق کا فائدہ کیسے حاصل کر سکے گا اس لئے کہ اہل حق کا دل ہر موجود مخلوق سے خالی ہونا چاہئے اور بینائی کی بنیاد، قیدِ اشیاء میں کبھی چین نہیں پاتی اور اس کی آفت ہرگز زائل نہیں ہوتی۔ لوگ حق تعالیٰ کے مشاہدے سے اسی لئے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا چیزوں کو جیسی کہ وہ ہیں کہ وہ ناپید و فنا ہونے والی ہیں، نہیں دیکھ پاتے اور وہ اس میں پھنسے رہتے ہیں۔

صحیح طور پر اشیاء کا دیکھنا دو طرح پر ہے دیکھنے والی چیزوں کو یا تو بقا کی نظر سے دیکھے یا پھر فنا کی نظر سے؟ اگر وہ بقا کی نظر سے دیکھے گا تو ان تمام چیزوں کو اپنے وجود میں ناقص پائے گا کیونکہ وہ چیزوں کو ان کی موجودہ حالت میں اپنے وجود کے ساتھ باقی دیکھے گا۔ اور اگر وہ فنا کی نظر سے دیکھے گا تو وہ تمام چیزوں کو حق تعالیٰ کی بقا کے پہلو میں فانی اور ناپید دیکھے گا۔ یہ دونوں کیفیتیں، موجودات سے، دیکھنے والے کا منہ پھیر دیتی ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحالتِ دعا یہ فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ اے خدا مجھے اشیاء کی حقیقت جیسی کہ وہ ہیں دکھا۔ یہ اس لئے کہ جس نے اشیاء کو ان کی حقیقت کے ساتھ دیکھا وہ آسودہ رہا۔ اسی معنی میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (29) (الحشر: ۲) اے دیکھنے والے صاحب بصیرت، بہ نگاہِ عبرت دیکھ۔ بندہ جب تک دیکھے گا نہیں تو وہ عبرت کیسے حاصل کر سکے

شرح (29): فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

ترجمہ کنز الایمان: تو عبرت لو اے نگاہ والو (پ ۲۸ الحشر: ۲)

گا۔ (30) اس لئے یہ باتیں حالت صحو (ہوش و اختیار) کے سوا کیسے درست ہوسکتی ہیں۔ اہل سکر کی ان معانی تک کیسے رسائی ممکن ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سکر کی حالت میں تھے۔ وہ ایک تجلی ربانی کو برداشت نہ کرسکے۔ ہوش جاتے رہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا"، (31) (الاعراف: ۱۴۳) موسیٰ علیہ السلام چیخ مار کر زمین پر گر پڑے اور ہمارے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت صحو کی تھی اس لئے مکہ مکرمہ سے "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"، (32) (النجم: ۹) تک عین تجلی ربانی میں، بیدار اور ہوشیار رہے۔ (33)

شرح (30): حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یعنی چیزوں کی حقیقتیں مختلف ہوتی ہیں پاک لوگوں کے معاملات کو اپنے اوپر مت قیاس کر، اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر بالکل ہم شکل اور مشابہ ہیں لیکن ایک شیر وہ ہے کہ انسان کو پھاڑ کر کھا جاتا ہے اور ایک شیر (دودھ) ہے کہ اسے انسان کھاتا اور پیتا ہے۔

شرح (31): وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا

ترجمہ کنزالایمان: موسیٰ گرا بے ہوش (پ ۸ الاعراف: ۱۴۳)

شرح (32): فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○

ترجمہ کنزالایمان: پھر خوب اُتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ (پ ۲۷ النجم: ۹)

شرح (33): یہ مسائل دراصل بہت ہی اونچے درجے کے مسائل ہیں جن کو سمجھنا عوام کا کام نہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت فتاویٰ رضویہ میں ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عوام کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے،

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بیان کرتا ہے کہ فخر عالم سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ ذاتی سے پیدا کیا، اور وہ نورِ مقدس قدیم ہے۔ اور بکر بیان کرتا ہے اپنے نورِ مبارک سے مراد نورِ قدرت اس کی کا ہے اور وہ نور حادث ہے۔

اور مسئلہ دیگر یہ کہ زید بیان کرتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شربت الراح کأسا بعد کأس فما نفد الشراب وما رویت

میں نے شرابِ راحت، پیالے بھر بھر کے پیے،

لیکن شراب نے مجھ پر نہ اثر کیا اور نہ میں اس سے سیراب ہی ہوسکا۔

میرے شیخ و مرشد نے فرمایا جو جنیدی مشرب کے تھے کہ سکر بچوں کے کھیل کا میدان ہے اور صحو، مردانِ خدا کے فنا کا میدان۔ (34)

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شیخ و مرشد کی متابعت اور ان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ (القرآن الکریم ۵۳/ ۸و۹)

(پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا اور اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔)

سے مراد قرب اللہ تعالیٰ کا ہے کہ معراج شریف میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنے قریب ہوئے اللہ سے کہ درمیان فرق دو کمان کا رہ گیا۔ اور اکثر یہ بیان مولود شریف میں ذکر ہوتا ہے۔ اور بکر بیان کرتا ہے کہ یہ قریب ہونا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُس مقام پر مراد جبرئیل علیہ السلام سے ہے نہ خدائے تعالیٰ سے، بیّنوا توجروا۔ (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے)

الجواب:

عوام مسلمین کو نماز، روزے، وضو، غسل، قراءت کی تصحیح فرض ہے جس سے روزِ قیامت ان پر مطالبہ و مواخذہ ہوگا، اپنے مرتبہ سے اونچی باتوں میں کچہریاں جمانا اور کھچڑیاں پکانا اور رائیں لگانا گمراہی کا پھاٹک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ، جلد ۲۹، ص ۵۹۱ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شرح (34): ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں:

لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی تربع فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود واداء الشریعۃ

(نزھۃ الناظرین للشیخ تقی الدین عبد الملک، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص 11)

یعنی اگر تم دیکھو کہ ایک شخص جسے یہاں تک کرامات دی گئی ہیں کہ وہ ہوا پر چارزانو بیٹھے تو اس کے دھوکے میں نہ آؤ یہاں تک کہ دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی وحفظ حدود و ادائے شریعت میں کیسا ہے۔

موافقت میں کہتا ہوں کہ صاحب سکر کے حال کا کمال صحوٓ ہے اور صحو کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ بشری حالت میں دیدار سے محروم رہ جائے۔ لہٰذا ایسا صحوٓ جو یہ آفت برپا نہ کرے اس سکر سے بہتر ہے جو سراسر آفت ہے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ (35) کے واقعات میں مذکور ہے کہ انہوں نے ابتدائے احوال میں جنگلوں میں بیس سال تک ایسی گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی کہ کسی آدمی کی بو تک نہ سونگھی۔ یہاں تک کہ ریاضت و مجاہدے نے چہرے پر جھریاں اور آنکھوں میں حلقے ڈال دیئے بیس سال کے بعد صحبت وجلوت کا فرمان ہوا۔ اس وقت انہوں نے دل میں سوچا کہ پہلے اہل اللہ اور خانہ کعبہ کے ہم نشینوں کے ساتھ ہم نشینی کرنا مبارک رہے گا چنانچہ مکہ مکرمہ کا قصد کر کے چل دیئے۔ ادھر اولیاء کرام کے دلوں میں الہام ہو چکا تھا کہ حضرت ابوعثمان آرہے ہیں تو وہ سب ان کے استقبال کے لئے باہر آگئے۔ انہوں نے ان کو اس حال میں پایا کہ بینائی پتھرا چکی تھی اور سوائے زندگی کے رمق کے ان کے جسم میں کچھ نہ تھا۔ یہ حال دیکھ کر کہنے لگے کہ اے ابوعثمان! آپ نے زندگی کے بیس سال اس شان سے گزارے کہ تمام لوگ آپ کے زندہ ہونے ہی سے مایوس ہو چکے تھے ہمیں بتایئے آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اور آپ نے کیا دیکھا؟ اور کیا پایا؟ اور کیوں واپس آئے؟ حضرت ابوعثمان نے فرمایا میں بحالت سکر گیا، سکر کی آفت دیکھی، مایوسی کو پایا اور عاجزی سے واپس آیا۔ تمام مشائخ نے بیک زبان کہا اب آپ کے بعد صحوٓ و سکر کی تعبیر، ہر تعریف کرنے والے پر حرام ہے کیونکہ انہوں نے تشریح و تعبیر کا حق ادا کیا اور سکر کی آفت کو ظاہر فرما دیا۔

غرضیکہ سکر، بقائے صفت کا عین اور فنائے صفت کا گمان ہے اور یہ سراپا حجاب ہے اور صحوٓ فنائے صفت میں مکمل مشاہدہ کی بقا ہے اور یہ عین کشف و مشاہدہ ہے۔ اگر کسی کی یہ صورت ہو کہ صحوٓ کے مقابلہ میں سکر فنا سے زیادہ نزدیک ہو تو یہ محال ہے کیونکہ سکر ایسی صفت ہے جو صحو پر زیادہ ہے اور جب تک بندے میں ایسی صفات کا اضافہ ہوتا رہے وہ اس وقت تک بے خبر رہتا ہے اور جب بندے میں یہ صفات کم ہونے لگیں اس وقت طالب کو امید ہو سکتی ہے کہ مشاہدہ ہو۔ صحوٓ و سکر کی تعریف میں یہ انتہائی حالت کا بیان ہے۔

شرح (35): حضرت ابوعثمان سعید بن سلام المغربی (وصال: ۳۸۳ھ) ابوعلی کاتب کے شاگرد خاص تھے آپ مصر کے بڑے ذاکر و مفکر صوفی بزرگ تھے، آپ آپ نے 130 سال کی عمر پائی، آپ کو ریاضت اور کرامات میں کمال حاصل تھا۔

حکایت:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو مغلوب الحال تھے ان کا واقعہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ نے ان کے نام ایک خط بھیجا جس میں دریافت کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے دریائے محبت سے ایک قطرہ پیا اور مست ہو گیا؟ حضرت بایزید نے جواب میں تحریر فرمایا آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر سارے جہان کے دریا، محبت کی شراب بن جائیں اور وہ شخص ان سب کو پی جائے پھر بھی وہ سیراب نہ ہو اور پیاسا ہی رہ جائے؟ لوگوں نے اس سے یہ سمجھا کہ حضرت یحییٰ نے سکر کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور حضرت بایزید نے صحو کی طرف اشارہ فرمایا حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے یعنی صاحب صحو وہ ہوتا ہے جو ایک قطرہ کی بھی برداشت نہ رکھے اور صاحب سکر وہ ہوتا ہے جو مستی میں سب کچھ پی کر بھی پیاسا رہتا ہے۔ اس لئے کہ شراب محبت، مستی کا سرچشمہ ہے۔ جنس کے لئے ہم جنسی ہی بہتر ہوتی ہے۔ صحو چونکہ اس کی ضد ہے اس لئے وہ شراب سے راحت نہیں پاتا (بلکہ اس کے لئے شربت وصال اور دیدار و مشاہدہ موجب راحت ہوتا ہے۔ مترجم)

سکر کے اقسام:

سکر کی دو قسمیں ہیں ایک شراب مودّت سے دوسرے جام محبت سے۔ سکرِ مودت معلول ہے یعنی وہ سب کے ساتھ ہے کیونکہ مدہوشی اور مستی، نعمت کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے اور سکرِ محبت غیر معلول یعنی بے علت وسبب ہے کیونکہ یہ مستی، منعم یعنی حق تعالیٰ کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا جس نے نعمت کو دیکھا گویا اس نے خود کو دیکھ لیا اور جس نے منعم کو دیکھا اس نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ حالتِ سکر میں ہے لیکن اس کا یہ سکر، صحو ہے۔

صحو کی اقسام:

اسی طرح صحو کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صحو بر غفلت، دوسرا صحو بر محبت، صحو بر غفلت بہت بڑا حجاب ہے اور صحو بر محبت، روشن و واضح کشف و مشاہدہ ہے۔ لہٰذا جو غفلت پر ہوتا ہے اگرچہ وہ صحو و ہوشمند ہے مگر سکر و مدہوش ہے اور جو محبت میں واصل بحق ہو جائے اگرچہ وہ سکر و مدہوشی میں ہو مگر وہ صحو و ہوشمند ہے اور جب اصل و بنیاد، مضبوط و مستحکم ہوتی ہے تو صحو سکر کی مانند اور سکر صحو کی مانند ہوتی ہے اور جب اصل و بنیاد، درست و

صحیح نہ ہوتو دونوں بے فائدہ اور بے کار ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردانِ خدا کی جائے اقامت میں صحو وسکر اختلاف سبب کی وجہ سے معلول ہوتا ہے لیکن جب سلطانِ حقیقت اللہ رب العزت اپنا جمال دکھادے تو صحو وسکر دونوں طفیلی رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کے کنارے اور سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور ایک کی انتہا میں دوسرے کی ابتداء شامل ہے۔ ابتداء وانتہا سوائے تفرقہ کے کچھ نہیں ہے۔ چونکہ ان کی نسبت تفرقہ سے ہے اس لئے حکم میں دونوں برابر ہیں، اور دونفی کے جمع کرنے سے تفرقہ ہی ہوگا۔ اسی مفہوم میں یہ شعر کہا گیا ہے:

اذا طلع الصباح بنجم راج تساوی فیه سکران وصاج

''جب دیدارِ حق کی صبح دل کو خوش کرنے والے تاروں کے ساتھ طلوع ہوتی ہے تو اس میں مست و ہوشیار دونوں برابر ہوتے ہیں۔''

حکایت:

سرخس میں دو بزرگ رہتے تھے ایک کا نام لقمان اور دوسرے کا نام ابوالفضل حسن تھا۔ ایک دن لقمان، ابوالفضل کے پاس آئے۔ ابوالفضل کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر کہا اے ابوالفضل! کتاب میں کیا تلاش کررہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اسے تلاش کررہا ہوں جسے تم اس کو چھوڑ کر تلاش کررہے ہو۔ لقمان نے کہا یہ خلاف کیوں ہے؟ ابوالفضل نے جواب دیا خلاف تو تم کررہے ہو اور مجھ سے دریافت کرتے ہو کہ کیا تلاش کررہے؟ لہٰذا مستی سے ہوشیار بنو اور ہوشیاری سے بیدار ہوتا کہ تم سے خلاف اٹھ جائے اور جان سکو کہ ہم اور تم کسے تلاش کررہے ہیں۔

مذکورہ بحث سے تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ طیفوریوں کا جنیدیوں سے کتنا اختلاف ہے۔ تصوف کے معاملات میں ان کا مذہب مطلقاً ترکِ صحبت اور عزلت نشینی اختیار کرنا ہے اور وہ اپنے مریدوں کو اسی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اگر یہ میسر آجائے تو یہ طریقہ محمود اور سیرت لائق ستائش ہے۔(36)

شرح (36): نزع کے عالم میں مسکراہٹ:

حضرتِ سیدُنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے انتقال کے وقت رونے لگے پھر ہنس دیئے پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ دنیا چھوڑ کر رخصت ہوگئے تو ان کے انتقال کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتقال سے قبل کیوں روئے اور پھر کیوں ہنسے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) فرقہ جنیدیہ

فرقہ جنیدیہ کے پیشوا، حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو اپنے زمانہ میں ''طاؤس العلماء'' کہا جاتا تھا۔ (37) وہ مشائخ کے سردار اور امام الائمہ تھے۔ ان کا طریقہ، طیفوری مذہب کے برعکس صحو پر مبنی ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ جنیدی مسلک ومشرب، تمام مذاہب میں سب سے زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ اکثر و بیشتر مشائخ جنیدی مسلک پر ہوئے ہیں۔ ماسوا اس کے طریقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے فرمایا: جب میں نزع کے عالم میں تھا تو شیطان ملعون میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا: اے بایزید! تم میرے جال سے آزاد ہو گئے۔ تو میں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرنے لگا پس آسمان سے ایک فرشتہ میرے پاس اُترا اور مجھ سے کہنے لگا: اے بایزید! رب العالمین عزوجل تجھ سے فرماتا ہے: ڈرو مت اور غم نہ کرو اور جنت کی خوشخبری سن لو۔ تو میں ہنسنے لگا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (بحر الدموع ص ٦٦)

شرح (37): حضرتِ سیدُنا جُنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی

حضرتِ سیدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی ولادتِ مبارکہ تقریباً ۲۱۸ھ میں بغداد شریف میں ہوئی اور وصال ۲۹۷ ہجری میں ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام جُنید، نسبت بغدادی، کنیت ابوالقاسم ہے اور القابات سیدُ الطائفہ، طاؤس العلماء، زجاج، قواریری اور لسانُ القوم ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد حضرت سیدُنا محمد بن جنید شیشہ کی تجارت کرتے تھے اور نہاوند کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع میں آئینہ کی تجارت کرتے تھے اور اس وقت آپ کا معمول تھا کہ بلاناغہ اپنی دوکان پر تشریف لے جاتے اور پردہ گرا کر چار سو رکعت نماز نفل ادا فرماتے۔ ایک مدت تک آپ نے اس عمل کو جاری رکھا۔ پھر آپ نے اپنی دکان کو چھوڑ دیا اور اپنے شیخ طریقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کے مکان کی ایک کوٹھری میں خلوت گزیں ہو کر اپنے دل کی پاسبانی شروع کر دی اور حالت مراقبہ میں آپ اپنے نیچے سے مصلیٰ کو بھی نکال ڈالتے تاکہ آپ کے دل پر سوائے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خیال کے کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔ اس طرح آپ نے 40 سال کا طویل عرصہ گزارا۔ تیس سال تک آپ کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صبح تک اللہ اللہ کہا کرتے اور اسی وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ آپ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ بیس برس تک تکبیر اولیٰ مجھ سے فوت نہیں ہوئی اور نماز میں اگر دنیا کا خیال آجاتا تو میں اس نماز کو دوبارہ ادا کرتا اور اگر بہشت اور آخرت کا خیال آتا تو میں سجدہ سہو ادا کرتا۔

کے معاملات میں ان کے اختلاف اور بھی بہت سے ہیں لیکن میں نے اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کر کے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

حکایت:

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ (38) اپنے غلبہ حال میں جب حضرت عمرو بن عثمان سے جدا ہو کر حضرت جنید کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لئے کہ شیخ کی صحبت میں رہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے مجنونوں کی صحبت درکار نہیں ہے کیونکہ صحبت کے لئے صحت چاہئے۔ جب تم آفت کی موجودگی میں میرے قریب رہو گے تو ایسا ہی ہوگا جیسے تم نے حضرت عبداللہ تستری اور عمرو کے ساتھ رہ کر کیا اور پھر جدا ہو کر چلے آئے۔ حضرت حلاج نے عرض کیا: ایھا الشیخ الصحو و سکر صفتان للعبد وما دام العبد محجوبا عن ربه حتی فنی اوصافہ اے شیخ! صحو و سکر تو بندے کی صفتیں ہیں اور یہ بندے کے ساتھ اس وقت تک پیوست ہیں جب تک وہ اپنے رب سے محجوب ہے حتیٰ کہ اس کی تمام صفات فنا نہ ہو جائیں۔ اس کے جواب میں حضرت جنید نے فرمایا: یا ابن المنصور اخطأت فی الصحو والسکر لان الصحو بلا خلاف عبارۃ عن صحته حال العبد مع الحق، وذالك لا یدخل تحت صفته العبد والکتاب الحق وانا اریٰ یا ابن المنصور فی کلامك فضولا کثیرا وعبارات لا طائل تحتها اے منصور کے بیٹے! تم نے صحو و سکر کے معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے اس لئے کہ بلا خلاف صحو کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ کا حال حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح ہو اور یہ مفہوم نہ بندے کی صفت ہے اور نہ اس کے اکتساب حق کے تحت داخل ہے اور اے ابن منصور میں نے تمہاری باتوں میں بہت سی لغو اور بے معنی عبارتیں پائی ہیں۔ (39) واللہ اعلم!

شرح (38): اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سیّدنا منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر مزاج کی تبدیلی کو دائر فرمایا تو وہ عشقِ حقیقی کے نشے میں مست ہو گئے۔ اور شوقِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی آگ میں راتوں کو اُلٹ پلٹ ہونے لگے اور جب انہوں نے ساقی شہود کو اپنے وجود میں تجلّی فرما دیکھا تو زبانِ وجد سے ایسی بات ظاہر ہوئی کہ ظاہری حدود سے باہر ہو گئے۔

شرح (39): جریری محدث کا بیان ہے کہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانکنی کے وقت جب کہ وہ سکرات کے عالم میں تھے حاضر ہوا تو وہ تلاوت کر رہے تھے۔ جمعہ کا دن تھا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) فرقہ نوریہ

نوری فرقہ کے پیشوا، حضرت ابوالحسن احمد بن نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو مشائخ میں علماء اعلام گزرے ہیں اور نوری کے لقب سے مشہور ہیں۔ (40) مشائخ میں ان کے اوصافِ حمیدہ اور دلائل قویہ معروف ہیں۔ تصوف میں ان کا مذہب مختار ہے۔ ان کے مذہب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فقر پر تصوف کو فضیلت دیتے ہیں اور ان کا معاملہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے اور اس طریقہ کے نوادرات میں سے یہ ہے کہ صاحب حق صحبت میں اپنے حق کا ایثار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بغیر ایثار کے صحبت حرام جانتے ہیں۔ حضرت نوری فرماتے ہیں کہ درویشوں کے لئے صحبت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ، اور یہ کہ ہم نشیں کا دوسرے ہم نشیں کے لئے ایثار بھی فرض ہے۔ چنانچہ ان کا ارشاد ہے:

ایاکم والعزلة فان العزلة مقاربته الشیطان وعلیکم بالصحبته فان الصحبة

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب وہ تلاوت ختم کر چکے تو میں نے عرض کی کہ اس وقت میں بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تلاوت کرر ہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے زیادہ تلاوت کا حقدار دوسرا کون ہوگا؟ دیکھ نہیں رہے ہو؟ کہ میری زندگی کا نامہ اعمال لپیٹا جار ہا ہے۔ پھر کسی نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو تڑپ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کلمہ کو تو زندگی میں کبھی بھولا ہی نہیں ہوں جو تم مجھے اس وقت یاد دلا رہے ہو۔

ابوالعباس بن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نزع کے عالم میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے معذور سمجھو، میں اس وقت وظیفہ میں مشغول تھا۔ پھر اپنا چہرہ انہوں نے قبلہ کی طرف کر لیا اور نعرہ تکبیر لگایا اور روح نکل گئی۔ (احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، الباب الخامس فی کلام المحتضرین...الخ، ج ۵، ص ۲۳۲۔ ۲۳۴)

شرح (40): ابوالحسین احمد بن محمد بن محمد المعروف بہ شیخ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: 295ھ/ 907ء) بغداد میں پیدا ہوئے شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ سلسلہ نوریہ آپ سے منسوب ہے۔ آپ کی تعلیمات سلسلہ جنیدیہ سے ملتی جلتی ہیں۔ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ آپ صاحب کشف وشہود بزرگ تھے۔

رضاء الرحمٰن گوشہ نشینی سے بچو (41) کیونکہ گوشہ نشینی شیطان کی ہم نشینی ہے اور بندگان خدا کی صحبت

شرح (41): گوشہ نشینی کا بیان

جان لیجئے! گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے گوشہ نشینی کو پسند کیا ہے اور اسے میل جول سے افضل قرار دیا ہے، ان علماء میں حضرت سیّدُ نا سفیان ثوری، حضرت سیّدُ نا ابراہیم بن ادھم، حضرت سیّدُ نا داوٗد طائی، حضرت سیّدُ نا فضیل بن عیاض، حضرت سیّدُ نا سلیمان خواص، اور حضرت سیّدُ نا بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں، جب کہ اکثر تابعین نے میل جول کو پسند کیا ہے کیونکہ دوستوں کا بکثرت ہونا نیکی وتقوٰی کے کاموں میں معاون ہوتا ہے اور ان علماء نے اُخوّت اور اُلفت کے بارے میں وارد ہونے والے نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ جب نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں ایک شخص پیش کیا گیا جو پہاڑوں میں رہ کر عبادت کرنا چاہتا تھا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: نہ تم ایسا کرو اور نہ ہی تم میں سے کوئی دوسرا ایسا کرے کہ تمہارا اسلام کے بعض مقامات پر صبر کرنا چالیس سال تک (تنہا) عبادت کرنے سے افضل ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، باب حرف العین، الرقم ۲۰۵۲۔ عسعس بن سلامۃ التمیمی، ج ۳، ص ۳۰۹)

اور جنہوں نے گوشہ نشینی کو افضل قرار دیا ہے مثلاً حضرت سیّدُ نا فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو انہوں نے نبیِّ اَکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت سیّدُ نا عبداللہ بن عامر جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ عزَّ وجلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نجات کیا ہے؟ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

لِیَسْعَکَ بَیْتُکَ، وَاَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ، وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ۔

ترجمہ: تمہیں اپنا گھر کافی ہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔

(جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، الحدیث ۲۴۰۶، ص ۱۸۹۳ بتغیرٍ)

گوشہ نشینی کے فوائد ونقصانات اور اس کی فضیلت کا واضح بیان

جان لیجئے! اس معاملہ میں اختلاف لوگوں کے مختلف ہونے کی بنیاد پر ہے۔

فوائد: گوشہ نشینی اختیار کرنے سے عبادت پر پابندی اور علمی تربیت ہوتی ہے اور انسان کو میل جول کی وجہ سے سرزد ہونے والے گناہوں سے نجات ملتی ہے جیسے ریا، اور غیبت میں مبتلا ہونا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیکی کا حکم نہ دینا، اور برائی سے منع نہ کرنا کو چھوڑنا اور طبیعت میں برے اخلاق کا آنا وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح آدمی صنعت وحرفت کے معاملے میں دنیاوی مصالح کے لئے فارغ ہوجاتا ہے۔

پہلا فائدہ: انسان عبادت، غور وفکر، اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے محبت، اس کی بارگاہ میں مناجات اور کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ ہونے کے لئے فارغ ہوجاتا ہے اور یہ چیز گوشہ نشینی اور مخلوق سے جدائی اختیار کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں، اسی بنا پر بعض حکماء کا قول ہے کہ گوشہ نشینی پر وہی شخص قادر ہوسکتا ہے جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی کتاب سے اُنس رکھتا ہے اور جو لوگ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں وہی ذکر خداوندی کی وجہ سے دنیا میں آرام پاتے ہیں اور ذکر الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کرنے والے ذکر کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور اسی کے ذکر پر فوت ہوتے ہیں اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے ڈرتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں سے میل جول ان کے لئے ذکر اور فکر میں رکاوٹ بنتا ہے، اسی لئے نبیٔ اَکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ابتداءً غارِ حرا میں سب سے الگ ہوکر گوشہ نشینی فرماتے تھے۔

جب آدمی خلوت پر مداومت اختیار کرلیتا ہے تو حضرت سیِّدُنا جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق اس کے معاملہ کی انتہاء اس مقام پر ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں تیس سال سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ہم کلام ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے گفتگو کررہا ہوں۔

کسی (گوشہ نشین) سے کہا گیا: تجھے تنہا رہنے پر کس چیز نے ابھارا؟ اس نے جواب دیا: میں تنہا نہیں ہوں بلکہ میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ہم نشین ہوں جب میں چاہتا ہوں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ مجھ سے ہم کلام ہو تو میں اس کی کتاب کو پڑھتا ہوں اور جب میں اس سے ہم کلام ہونا چاہتا ہوں تو نماز پڑھتا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس حضرت سیِّدُنا ہَرِم بن حیان حاضر ہوئے آپ نے ان سے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: میں آپ سے اُنس حاصل کرنے آیا ہوں۔ حضرت سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی معرفت بھی رکھتا ہو اور پھر کسی دوسرے سے اُنس حاصل کرے۔

حضرت سیِّدُنا فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب میں رات ہوتے دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اب میں اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں خلوت اختیار کروں گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں آؤ۔ کیونکہ صحبت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ (42)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور جب دن نکلتے دیکھتا ہوں تو لوگوں سے ملاقات کو ناپسند جاننے کی وجہ سے وحشت محسوس کرتا ہوں کہ اب وہ چیز آرہی ہے جو مجھے میرے رب عَزَّ وَجَلَّ کی یاد سے غافل کر دے گی۔

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص مخلوق سے گفتگو کے سبب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ہم کلامی سے مانوس نہیں ہوتا وہ کم عمل اور دل کا اندھا ہے اور اس نے اپنی عمر ضائع کر دی۔

دوسرا فائدہ: گوشہ نشینی کی وجہ سے انسان ان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے جو عموماً میل جول کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً غیبت اور ریاکاری میں مبتلا ہونا، نیکی کا حکم نہ دینا اور نہ ہی برائی سے منع کرنا اور ان سب کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلق طور پر یہ حکم لگانا ناممکن ہے کہ گوشہ نشینی اور میل جول میں سے ایک بہتر ہے کیونکہ یہ لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور ان میں حالتِ اعتدال ہی بہتر ہے کہ انسان اس قدر تنہا نہ ہو جائے کہ میل جول سے حاصل ہونے والے فوائد کھو دے اور نہ ہی لوگوں سے اس قدر بے تکلف ہو جائے کہ تنہائی کے فوائد ضائع کر دے اور گوشہ نشینی سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے شر سے لوگوں کو دور رکھے اور مکمل طور پر اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو اور لمبی امیدیں نہ باندھے پس لمبی امیدیں نہ باندھنے کی وجہ سے اس کا نفس پر امن رہے گا اور تنہائی کے ذریعے جہاد اکبر کی نیت کرے اور اس سے مراد نفس سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ارشاد فرمایا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ترجمہ: ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس بات کو سمجھ لو فائدہ ہوگا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَاِلَيْهِ الْمَرْجَعُ وَالْمَآبُ

(لباب الاحیاء صفحہ ۱۶۳)

شرح (42): اعلیٰحضرت، امام اہلِ سنت، مجدد دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

آدمی تین قسم کے ہیں: (1) مُفِید (2) مُستَفِید (3) مُنفَرِد۔

مفید وہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے، مستفید وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے، منفرد وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔ مفید اور مستفید کو عُزلَت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب۔ امام ابنِ سیرین کا واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا: وہ لوگ جو پہاڑ پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اب میں ایثار کی حقیقت بیان کرتا ہوں اور جب صحبت اور عزلت کے باب میں پہنچوں گا تو وہاں اس کی بھی وضاحت کردوں گا۔ انشاء اللہ

ایثار کی بحث

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (43) مسلمان اپنی جانوں کی نسبت دوسروں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ انہیں تنگی ہو۔ (الحشر:۹)

ایثار کرنے والے اگرچہ خود اس کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ یہ آیۂ کریمہ فقراء صحابہ کی شان میں خاص طور پر نازل ہوئی۔ (44)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے تھے وہ خود فائدہ حاصل کیے ہوئے تھے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ان میں قابلیت نہ تھی ان کو گوشہ نشینی جائز تھی اور امام ابنِ سیرین پر عُزلت حرام تھی۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ ۳۷۳)

شرح (43): وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (پ ۲۸ الحشر:۹)

شرح (44): ایثار کی فضیلت:

جان لیجئے! سخاوت میں سب سے بلند درجہ ایثار کا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود مال کے ساتھ سخاوت کرنا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (پ 28 الحشر:9)

نبیِ رحمت، شفیعِ امت، قاسمِ نعمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٍ اِشْتَهٰى شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَه، وَآثَرَ عَلٰى نَفْسِهٖ غُفِرَ لَهٗ۔

ترجمہ: جو شخص کسی چیز کی خواہش رکھتا ہو پھر اپنی خواہش ترک کردے اور دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے تو اس کی بخشش کردی جائے گی۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، الرقم ۱۲۸۹۔ عمرو بن خالد، ج ۶، ص ۲۲۳)

رسولِ اکرم، نورِ مجسم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمت میں ایک مہمان آیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایثار کی حقیقت:

ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت میں اپنے رفیق کے حق کی حفاظت رکھے اور اپنے حق سے اس کے حق کی خاطر دستبردار ہو جائے اور اپنے رفیق کو آرام و راحت پہنچانے میں خود تکلیف برداشت کرے اور اپنے آرام و راحت کو اس پر قربان کر دے۔ لِاَنَّ الْاِیْثَارَ اَلْقِیَامُ بِمُعَاوَنَةِ الْاَغْیَارِ مَعَ الْاَشْتِغَالِ بِمَا اَمَرَهُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِهِ الْمُخْتَارِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ تَعَالٰی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ (الاٰیة) (45) اس لئے کہ ایثار یہ ہے کہ دوسروں کی مدد کرنے میں قائم رہے باوجود یہ کہ وہ خود اس کا حاجت مند ہو۔ یہ اس حکم خداوندی کے تحت ہے جسے اپنے رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ درگزر سے کام لو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے دور رہو۔ یہ مسئلہ اپنی کامل تشریح کے ساتھ آدابِ صحبت کے باب میں آئے گا۔ انشاء اللہ!

ایثار کی اقسام:

ایثار کی دو قسمیں ہیں ایک صحبت میں ایثار کرنا جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ دوسرے محبت میں ایثار کرنا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے گھر میں کچھ نہ پایا تو ایک انصاری آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مہمان کو اپنے گھر لے گئے پھر اس کے سامنے کھانا رکھا اور بیوی کو چراغ بجھانے کا حکم دیا، خود کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے رہے جیسے کھا رہے ہوں حالانکہ کھا نہیں رہے تھے یہاں تک کہ مہمان نے کھانا کھا لیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ عزّ وجلّ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ عَجَبَ اللهُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ اِلٰی ضَیْفِکُمْ۔

ترجمہ: تمہارا اپنے مہمان سے (حسنِ) سلوک سے پیش آنا اللہ عزّ وجلّ کو بہت پسند آیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب اکرام الضیف------الخ، الحدیث ۵۳۵۹، ص ۱۰۴۵)

تو مندرجہ بالا آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

شرح (45): خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ٥

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو

(پ۹، الاعراف: ۱۹۹)

لیکن ہم نشین اور رفیق کے حق میں ایثار کرنا ایک طرح سے رنج و تکلیف ہے لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنا سراسر راحت ہی راحت ہے۔

حکایت:

یہ واقعہ مشہور ہے کہ غلام الخلیل نے جماعت صوفیاء کے ساتھ جب عداوت کا اظہار کیا اور ہر ایک سے طرح طرح کی دشمنی پیدا کی اور حضرت نوری، رقام اور ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہما کو گرفتار کرا کے دربارِ خلافت میں بلوایا تو اس وقت اس غلام الخلیل نے کہا یہ زندیقوں کی جماعت ہے۔ اے امیر المومنین! اگر آپ ان زندیقوں کے قتل کا حکم دے دیں تو ان زندیقوں کی نسل ہی ختم ہو جائے کیونکہ یہ تینوں تمام زندیقوں کے سرغنہ ہیں جس کے ہاتھ سے ایسی نیکی واقع ہو میں اس کے اجر و ثواب کا ضامن ہوں گا۔ خلیفہ نے ان سب کے گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ سیاف یعنی جلاد آیا اور اس نے تینوں کے ہاتھ باندھے اور حضرت رقام کی گردن اڑانے کے لئے تلوار اٹھائی تو حضرت نوری جلدی سے اٹھے اور رقام کی جگہ تلوار کی زد میں جا بیٹھے۔ تمام لوگوں نے اس پر تعجب کیا۔ جلاد نے کہا اے جوانمرد یہ تلوار ایسی نہیں ہے جسے کھیل سمجھا جائے! اور تم اس کے سامنے آؤ۔ ابھی تمہاری باری نہیں آئی ہے۔ حضرت نوری نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا طریقہ ایثار ہے دنیا میں سب سے عزیز چیز زندگانی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے جو بقیہ سانس ہیں ان کو اپنے بھائیوں پر قربان کر دوں کیونکہ میرے نزدیک دنیا میں ایک سانس لینا آخرت کے ہزار سانس سے بہتر ہے۔ یہ دنیا خدمت و عبادت اور خدا کی بندگی کا مقام ہے اور آخرت قربت کی جگہ اور قربت خدا ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ خلیفہ نے جب یہ بات سنی تو وہ ان کی طبیعت کی نرمی اور کلام کی باریکی پر ایسا متعجب ہوا کہ اسی وقت حکم دیا کہ ابھی ٹھہر جاؤ۔ اس زمانے میں قاضی القضاۃ ابوالعباس بن علی تھے۔ خلیفہ نے ان کے احوال کی تفتیش کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ قاضی ابوالعباس ان تینوں کو اپنے گھر لے گیا۔ اس نے شریعت اور حقیقت کے احکام و مسائل کے بارے میں سوالات کئے اور ہر سوال کے جواب میں انہیں راہِ حق پر پایا اور ان کے احوال سے اپنی غفلت و نادانی پر شرمسار ہوا۔ اس وقت حضرت نوری نے فرمایا اے قاضی! جو سوالات تم نے دریافت کئے ہیں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ فان اللہ عباد یأکلون باللہ ویشربون باللہ ویجلسون باللہ ویقولون باللہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اسی کے ساتھ کھاتے، پیتے، بیٹھتے اور اسی کے ساتھ بات کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ ان مردانِ خدا کا قیام وقعود، اکل وشرب، حرکت وسکون اور نطق وکلام اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے (46) اسی کے لئے زندہ ہیں اور اسی کے مشاہدے میں محور رہتے ہیں اگر ایک لمحہ کے لئے بھی

شرح (46): سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں رب العزت تبارک وتعالی فرماتا ہے: لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔ یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہوجاتا ہے پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں جس سے وہ چلتا ہے انتہی۔

(صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الخ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۶۳)

اب کہئے کون کہتا اور کون سنتا ہے، آواز تو شجرہ طور سے آتی ہے مگر لاواللہ پیڑ نے نہ کہا انی انا اللہ رب العالمین۔ (یقیناً میں ہی تمام جہانوں کا پروردگار اللہ تعالی ہوں۔ت) (القرآن الکریم ۲۸ / ۳۰)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کا ارشاد درحقیقت اللہ تعالی کا ارشاد ہے اگرچہ بظاہر اللہ تعالی کے بندے کے منہ سے نکلے۔ت)

یہی حال سننے کا ہے وللہ الحجة البالغة (اور خدا ہی کے لیے کامل دلیل ہے۔ت) مگر اللہ اللہ یہ عباد اللہ کبریت احمر وکوہ یاقوت ہیں اور نادر احکام شرعیہ کی بنا نہیں تو ان کا حال مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہوسکتا،

کما افاده المولی المحقق حیث اطلق سیدی کمال الدین محمد بن الهمام رحمة الله تعالی علیه فی اخر الحج من فتح القدیر فی مسئلة الجواز۔

جیسا کہ مولی المحقق نے اس کا افادہ بیان کیا چنانچہ میرے آقا ورہنما کمال الدین محمد بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر بحث حج کے آخر پر مسئلہ جواز میں اس کو مطلق بیان فرمایا۔

نہ یہ مدعیان خامکاران کے مثل ہیں نہ بے بلوغ مرتبہ محفوظیت نفس پر اعتماد جائز،

فانها اکذب مایکون اذا حلفت فکیف اذا وعدت۔ جب تو قسم کھائے تو جھوٹ ہوتا ہے تو تیرے وعدے کا کیا حال ہوگا۔ (ت)

رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہرالینا صحیح، ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشاہدۂ حق نہ ہو تو ان کی زندگی مضمحل و پراگندہ ہو جاتی ہے۔ ایسا لطیف کلام سن کر قاضی بہت حیرت زدہ ہوا اس نے اسی وقت تمام گفتگو اور ان کے حالات کی درستگی قلم بند کر کے خلیفہ کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ اگر یہ جماعت ملحدوں کی ہے تو "فمن الموحد فی العالم" جہان میں پھر کون موحد اور توحید پرست ہوگا؟ میں گواہی دیتا ہوں اور فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر یہ ملحد ہیں تو روئے زمین میں کوئی موحد نہیں ہے۔ خلیفہ نے ان سب کو بلایا اور کہا اگر کچھ ضرورت ہو تو بتائیں؟ انہوں نے کہا اے خلیفہ! ہمیں تم سے یہی حاجت ہے کہ تم ہم سب کو فراموش کر دو۔ نہ اپنی قبولیت سے ہمیں اپنا مقرب بناؤ اور نہ اپنی دوری سے ہمیں مردود و مقہور قرار دو۔ کیونکہ ہمارے لئے تمہاری دوری تمہاری قبولیت کے مشابہ ہے اور تمہاری قبولیت، تمہاری دوری کی مانند، خلیفہ رونے لگا اور عزت و احترام کے ساتھ انہیں رخصت کر دیا۔

اثرِ صحابہ:

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک روز مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ شہر بھر میں مچھلی تلاش کرائی مگر نہ ملی۔ چند روز بعد مجھے مچھلی مل گئی میں نے باورچی کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب میں نے ان کے روبرو پیش کیا تو مچھلی دیکھتے ہی ان کی پیشانی پر خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسی وقت ایک سائل ان کے دروازے پر آ گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ یہ مچھلی سائل کو دے دی جائے۔ غلام نے کہا اے آقا، آپ اتنے دن سے مچھلی کی تلاش میں تھے آپ کو اس کی خواہش تھی۔ آپ اسے کیوں دے رہے ہیں میں سائل کو کوئی اور چیز دے دیتا ہوں؟ فرمایا اے غلام! اب اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے کیونکہ میرے دل میں اس کی خواہش نہیں رہی۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَيُّمَا امْرِئٍ يَشْتَهِي شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَهُ وَآثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلٰی نَفْسِهٖ غُفِرَلَهٗ (47) یعنی جس آدمی کے دل میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہوا اور وہ چیز اسے مل جانے پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جہاں اسکا انتفا معلوم نہ ہو تحسین ظن کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذات فاعل سے بحث نہ کیجئے،

هذا هو الانصاف فی امثال الباب والله الهادی بالصواب۔

امثال باب میں یہی انصاف ہے، واللہ الہادی بالصواب۔

شرح (47): (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، الرقم ۱۲۸۹۔ عمرو بن خالد، ج ۶، ص ۲۲۳)

وہ اس سے ہاتھ کھینچ لے اپنے آپ پر دوسرے کو ترجیح دے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس ایثار پر اسے بخش دے گا۔

ایثار کی نادر مثال:

دس (۱۰) درویش بیابان میں سفر کر رہے تھے۔ اثنائے راہ میں انہیں شدت کی پیاس لگی۔ ان کے پاس صرف ایک پیالہ پانی تھا۔ ہر ایک نے دوسرے کو وہ پیش کیا مگر کسی نے نہیں پیا یہاں تک کہ پیاس کی شدت میں نو درویش دینا سے رخصت ہو گئے صرف ایک درویش رہ گیا اس نے کہا جب میں نے دیکھا کہ سب فوت ہو چکے ہیں اور صرف میں ہی رہ گیا ہوں تو میں نے وہ پانی پی لیا جس سے مجھے ہوش آیا اور توانائی محسوس ہوئی۔ کسی نے اس درویش سے کہا اگر تم بھی اسے نہ پیتے تو اچھا ہوتا، اس نے کہا او شخص! شریعت کو کیا سمجھتا ہے؟ اگر اس وقت میں اسے نہ پیتا اور مر جاتا تو میں اپنی جان کا قاتل ہوتا اور مواخذہ دار ٹھہرتا۔ اس شخص نے کہا پھر تو وہ نو درویش بھی اپنے قاتل ٹھہرے۔ درویش نے کہا نہیں، انہوں نے ایک دوسرے کی خاطر پانی نہیں پیا کہ ان کی زندگیاں بچ جائیں جب وہ اس خاطر داری اور ایثار میں جان بحق ہوئے اور صرف میں اکیلا رہ گیا تو اب شرعاً پانی کا پینا مجھ پر واجب ہو گیا۔

ایثار میں فرشتوں کی آزمائش:

امیر المومنین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ، بوقت ہجرت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آرام فرما ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے غارِ ثور میں تشریف فرما ہوئے چونکہ اس رات کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا (48) تو

شرح (48): کفار کا نفرنس

جب مکہ کے کافروں نے یہ دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی ہو گئے اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو کفار مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ چنانچہ اس خطرہ کا دروازہ بند کرنے کے لئے کفار مکہ نے اپنے دار الندوہ (پنچائت گھر) میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی۔ اور یہ کفار مکہ کا ایسا زبردست نمائندہ اجتماع تھا کہ مکہ کا کوئی بھی ایسا دانشور اور بااثر شخص نہ تھا جو اس کانفرنس میں شریک نہ ہوا ہو۔ خصوصیت کے ساتھ ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، اُمیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل ومیکائیل (علیہما السلام) سے فرمایا: میں نے تم دونوں کے درمیان برادری اور محبت پیدا کر کے ایک دوسرے پر زندگی دراز کردی ہے اب بتاؤ تم دونوں میں سے کون سا بھائی ایسا ہے جو اپنی زندگی کو دوسرے پر قربان کر کے اپنی موت کو چاہے گا؟ مگر ان دونوں فرشتوں نے اپنی اپنی زندگی کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تمام سرداران قریش اس مجلس میں موجود تھے۔ شیطانِ لعین بھی کمبل اوڑھے ایک بزرگ شیخ کی صورت میں آ گیا۔ قریش کے سرداروں نے نام ونسب پوچھا تو بولا کہ میں شیخ نجد ہوں اس لئے اس کانفرنس میں آ گیا ہوں کہ میں تمہارے معاملہ میں اپنی رائے بھی پیش کردوں۔ یہ سن کر قریش کے سرداروں نے ابلیس کو بھی اپنی کانفرنس میں شریک کرلیا اور کانفرنس کی کارروائی شروع ہوگئی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ پیش ہوا تو ابوالبختری نے یہ رائے دی کہ ان کو کسی کوٹھری میں بند کر کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور ایک سوراخ سے کھانا پانی ان کو دے دیا کرو۔ شیخ نجدی (شیطان) نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہیں ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم لوگوں نے ان کو کسی مکان میں قید کردیا تو یقیناً ان کے جاں نثار اصحاب کو اس کی خبر لگ جائے گی اور وہ اپنی جان پر کھیل کر ان کو قید سے چھڑا لیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو تا کہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں۔ اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ اسلام سے نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمہاری اس رائے پر لعنت، کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کلام میں کتنی مٹھاس اور تاثیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو یہ پورے ملک عرب میں لوگوں کو قرآن سنا سنا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کردیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز ولاچار ہو جاؤ گے اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ بنائے نہ بنے گی اس لئے ان کو جلاوطن کرنے کی تو بات ہی مت کرو۔

ابوجہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہوگئے اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیے وہ کیا ہے؟ تو ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کرنے کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا۔ ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لئے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا یقیناً وہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی اختیار کیا اور ایک دوسرے پر ایثار و قربانی کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں حضرت علی مرتضیٰ کی بزرگی و فضیلت کو دیکھو کہ میں نے علی مرتضیٰ اور اپنے رسول کے درمیان برادری قائم فرمائی لیکن علی مرتضیٰ نے ان کے مقابلہ میں اپنے قتل اور اپنی موت کو پسند کیا اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر سو گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔ ابو جہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور کہا کہ بے شک یہ تدبیر بالکل درست ہے۔ اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا اور مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی اور ہر شخص یہ خوفناک عزم لے کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔ خداوند قدوس نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ O (پ۹، الانفال: ۳۰)

(اے محبوب یاد کیجیے) جس وقت کفار آپ کے بارے میں خفیہ تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں یہ لوگ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ کی پوشیدہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کیا تھی؟ اگلے صفحہ پر اس کا جلوہ دیکھیے کہ کس طرح اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور کفار کی ساری اسکیم کو کس طرح اس قادر قیوم نے تہس نہس فرما دیا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ہجرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۹۱ ـ ۱۹۳)

ہجرتِ رسول کا واقعہ

جب کفار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے کہ اے محبوب! آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی جان کو ان پر فدا کرنے اور اپنی زندگی کو ان پر نثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور خود کو ہلاکت کے منہ میں ڈال دیا۔ اب تمہارا فرض یہ ہے کہ تم زمین پر جاؤ اور علی مرتضیٰ کی خدمت بجالاؤ اور ان کو دشمنوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادی ہو چکی تھی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرما دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان! مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمائیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرمالیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادل ناخواستہ فرمان رسالت سے مجبور ہو کر اس کو قبول کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت بی بی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔ یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بنا پر ان کو ذات النطاقین (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کافر کو جس کا نام عبداللہ بن اُرَیقِط تھا جو راستوں کا ماہر تھا راہ نمائی کے لئے اُجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر غار ثور کے پاس آجائے۔ یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لائے۔ (صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ، الحدیث: ۳۹۰۵، ج ۲، ص ۵۹۲ والسیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ہجرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۹۲۔ ۱۹۳)

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت گھر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محفوظ رکھو چنانچہ جبریل و میکائیل علیہما السلام آئے ایک علی مرتضیٰ کے سرہانے اور دوسرے ان کی پائینتی حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے کہا "بَخٍ بَخٍ مِنْ مِثْلُكَ اِبْنَ اَبِیْ طَالِبٍ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانۂ نبوت میں تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں مگر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔ اپنے اسی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شیرِ خدا نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ

وَقَیْتُ بِنَفْسِیْ خَیْرَ مَنْ وَطِیَٔ الثَّرٰی وَمَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ وَبِالْحَجَرِ

میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس ذات گرامی کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔

رَسُوْلُ اِلٰہٍ خَافَ اَنْ یَّمْکُرُوْا بِہٖ فَنَجَّاہُ ذُو الطَّوْلِ الْاِلٰہُ مِنَ الْمَکْرِ

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ تدبیر سے بچا لیا۔ (مدارج النبوت، قسم دوم، باب چہارم، ج ۲، ص ۵۸ و شرح الزرقانی علی المواهب، باب ہجرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۹۵ و السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ہجرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۹۴)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور سورۂ یٰس کی ابتدائی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے۔ نہ کسی کو نظر آئے نہ کسی کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِنَّ اللہ یُبَاھِیْ بِكَ عَلٰی مَلٰئِکَتِہٖ ''اے علی ابن ابی طالب! تم کتنے خوش قسمت ہو، کون ہے جو تمہاری

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود نہ تھا اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ ان کور بختوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔

(مدارج النبوت، قسم دوم، باب چہارم، ج ۲، ص ۵۷)

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام حزورہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات غار ثور پہنچے۔ (مدارج النبوت، قسم دوم، باب چہارم، ج ۲، ص ۵۷ وشرح الزرقانی علی المواھب، باب ہجرۃ المصطفٰی... الخ، ج ۲، ص ۱۰۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یار غار کے پاؤں میں کاٹا مگر حضرت صدیق جاں نثار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خوابِ راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ جس سے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور اپنے یارِ غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے پوچھا ابوبکر! کیا ہوا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثل ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ آج تمہارے ساتھ فرشتوں پر فخر ومباہات فرمارہا ہے اور تم اپنی نیند میں مگن ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (المواھب اللدنیۃ والزرقانی، باب ہجرۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج ۲،ص ۱۲۱ و المواھب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب ہجرۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج۲،ص ۱۲۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کررہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کردیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آجاتے اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے یار غار پی لیتے تھے۔

(المواھب اللدنیۃ والزرقانی، باب ہجرۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج۲،ص ۱۲۷)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو غار ثور میں تشریف فرما ہوگئے۔ اُدھر کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار جب صبح کو مکان میں داخل ہوئے تو بستر نبوت پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ظالموں نے تھوڑی دیر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھ گچھ کرکے آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش وجستجو میں مکہ اور اطراف وجوانب کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار قریش آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پاکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا مت گھبراؤ! خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر سکون واطمینان کا ایسا سکینہ اُتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہوگئے۔ (المواھب اللدنیۃ والزرقانی، باب ہجرۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج ۲، ص ۱۲۳ ملخصاً ومدارج النبوت، قسم دوم، باب چہارم، ج ۲،ص ۵۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی وہ جاں نثاریاں ہیں جن کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس ایثار پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ بِالۡعِبَادِ (49) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی خاطر بیچتے ہیں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (50) (البقرہ:۲۰۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دربار نبوت کے مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

وَثَانِيَ اثۡنَيۡنِ فِي الۡغَارِ الۡمُنِيۡفِ وَقَدۡ طَافَ الۡعَدُوُّ بِهٖ اِذۡ صَاعَدَ الۡجَبَلَا

اور دو میں کے دوسرے (ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب کہ پہاڑ پر چڑھ کر بلند مرتبہ غار میں اس حال میں تھے کہ دشمن ان کے اردگرد چکر لگا رہا تھا۔

وَكَانَ حِبَّ رَسُوۡلِ اللّٰهِ قَدۡ عَلِمُوۡا مِنَ الۡخَلَائِقِ لَمۡ يَعۡدِلۡ بِهٖ بَدَلَا

اور وہ (ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ تمام مخلوق اس بات کو جانتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو بھی ان کے برابر نہیں ٹھہرایا ہے۔

(المواہب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب ہجرۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج ۲، ص ۱۲۴)

بہر حال چوتھے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکم ربیع الاول دوشنبہ کے دن غار ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبد اللہ بن اریقط جس کو رہنمائی کے لئے کرایہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرارداد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غار ثور پر حاضر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے اور عبد اللہ بن اُریقط آگے آگے پیدل چلنے لگا اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

(المواہب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب ہجرۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹ ملخصا)

شرح (49): وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ بِالۡعِبَادِ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

(پ ۲، البقرہ:۲۰۷)

شرح (50): اس کا شان نزول یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

شان نزول: حضرت صہیب ابن سنان رومی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غزوۂ احد میں ایثار کی مثال:

جس وقت اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں سختی و مشقت کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لیا تو ایک انصاری عفت مآب عورت شربت کا پیالہ لے کر آئی تا کہ کسی مجروح کو پلائے وہ بیان کرتی ہیں کہ میدانِ جنگ میں ایک بزرگ صحابی کو زخموں سے چور دیکھا جو گنتی کے سانس پورے کر رہا تھا۔ اس نے اشارہ کیا کہ مجھے پانی دو۔ جب میں پانی لے کر اس کے قریب پہنچی تو دوسرے زخمی نے پکارا مجھے پانی دو، پہلے زخمی نے پانی نہ پیا اور مجھ سے کہا اس کے پاس لے جاؤ، جب میں اس کے پاس پہنچی تو تیسرے زخمی نے پکارا پانی، اس نے بھی پانی نہ پیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جاؤ یہاں تک کہ اس طرح میں سات زخمیوں کے پاس پہنچی جب میں ساتویں کے پاس پہنچی اور اس نے چاہا کہ پانی پئے تو جان بحق ہو گیا میں پانی لے کر چھٹے کے پاس پہنچی تو اس نے بھی جان دے دی اسی طرح ہر ایک زخمی اپنی جان کو حق تعالیٰ کے حوالہ کرتے رہا اور کسی نے ایک دوسرے کے ایثار میں پانی نہیں پیا۔ (51) اس سلسلے میں آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے مشرکین قریش کی ایک جماعت نے آپ کا تعاقب کیا تو آپ سواری سے اترے اور ترکش سے تیر نکال کر فرمانے لگے کہ اے قریش تم میں سے کوئی میرے پاس نہیں آسکتا جب تک کہ میں تیر مارتے مارتے تمام ترکش خالی نہ کر دوں اور پھر جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے اس سے ماروں اس وقت تک تمہاری جماعت کا کھیت ہو جائے گا اگر تم میرا مال چاہو جو مکہ مکرمہ میں مدفون ہے تو میں تمہیں اس کا پتا بتا دوں، تم مجھ سے تعرض نہ کرو وہ اس پر راضی ہو گئے اور آپ نے اپنے تمام مال کا پتا بتا دیا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی حضور نے تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا: کہ تمہاری یہ جاں فروشی بڑی نافع تجارت ہے۔

شرح (51): ایسا ہی ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں!

باکمال و بے مثال لوگ

حضرت سیدنا ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: غزوہ یرموک کے دن میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کر رہا تھا اور میرے پاس ایک برتن میں پانی تھا۔ میرا یہ ارادہ تھا کہ میں زخمیوں کو پانی پلاؤں گا۔ اتنی ہی دیر میں مجھے میرے چچا زاد بھائی نظر آئے۔ میں ان کی طرف لپکا دیکھا تو وہ زخموں سے چور چور اور خون میں لت پت تھے، میں نے ان کے چہرے سے خون صاف کیا اور پوچھا: کیا تم پانی پیؤ گے؟ انہوں نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ (52) (الحشر:۹) مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں۔ (53)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گردن کے اشارے سے ہاں کی تو میں نے پانی کا پیالہ ان کی طرف بڑھا دیا۔

ابھی انہوں نے برتن منہ کے قریب ہی کیا تھا کہ اچانک کسی زخمی کے کراہنے کی آواز آئی، فوراً پیالہ میری طرف بڑھایا اور کہا: جاؤ، پہلے اس زخمی کو پانی پلاؤ۔ میں دوڑ کر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت سیدنا ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا تم پانی پینا چاہتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے ان کو پانی دیا۔ اتنے میں ایک اور زخمی کی آواز آئی، تو انہوں نے فرمایا: جاؤ، پہلے میرے اس زخمی بھائی کو پانی پلاؤ۔ میں دوڑ کر وہاں پہنچا تو وہ بھی جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے، میں واپس حضرت سیدنا ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو وہ بھی اپنے خالقِ حقیقی عزوجل کی بارگاہ میں جا چکے تھے۔ پھر میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس آیا تو وہ بھی واصلِ بحق ہو چکے تھے۔

امام واقدی اور حضرت سیدنا ابن الاعرابی رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے: حضرت سیدنا عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب پانی دیا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سیدنا سہل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شدید پیاس میں مبتلا ہیں اور ان کی طرف دیکھ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی نہ پیا، اور فرمایا: جاؤ، پہلے میرے بھائی کو پانی پلاؤ۔

جب ان کو پانی دیا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سیدنا حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شدید زخمی حالت میں ہیں، اور شدتِ پیاس کی وجہ سے ان کی طرف دیکھ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جاؤ، پہلے میرے بھائی کو پانی پلاؤ، جب ان کے پاس پہنچے تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔ دوبارہ جب حضرت سیدنا سہل بن حارث اور حضرت سیدنا عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گئے تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔

حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ان کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: تم جیسے عظیم لوگوں پر میری جان قربان ہو۔ (عُیُوْنُ الْحِکَایَات ص ۷۳)

شرح (52): وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (پ ۲۸ الحشر:۹)

شرح (53): اس کا شان نزول یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ:

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے چار سو (۴۰۰) سال تک عبادت کی۔ ایک دن اس نے کہا اے خدا، اگر اس پہاڑ کو پیدا نہ فرمایا ہوتا تو لوگوں کے آنے جانے اور سفر و سیاحت کرنے میں بہت آسانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے بطور ہدیہ ایک صحابی کے گھر بکری کا ایک سر بھیج دیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم سے زیادہ تو میرا فلاں بھائی اس سر کا ضرورت مند ہے۔ وہ سر اس کے گھر بھیج دیا تو اُس نے کہا کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہے۔ یہ کہا اور وہ سر اُس صحابی کے گھر بھیج دیا۔ اسی طرح ایک نے دوسرے کے گھر اور دوسرے نے تیسرے کے گھر اُس سر کو بھیج دیا یہاں تک کہ جب یہ سر چھٹے صحابی کے پاس پہنچا تو انہوں نے سب سے پہلے والے کے گھر یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہ ہم سے زیادہ مفلس اور حاجت مند ہیں اس طرح وہ سر جس گھر سے سب سے پہلے بھیجا گیا تھا پھر اسی گھر میں آ گیا۔ اس موقع پر سورہ حشر کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی جس میں اللہ جل جلالہٗ نے صحابہ کرام کی سخاوت کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔ (پ28 الحشر:9)

یہ تو زمانہ رسالت کا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تقریباً اِسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا جو عبرت خیز اور نصیحت آموز ہونے میں پہلے واقعہ سے کم نہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بند کر کے اپنے غلام کو حکم دیا کہ یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی خدمت میں پیش کر دو اور پھر تم گھر میں اس وقت تک ٹھہرے رہو کہ تم دیکھ لو کہ وہ اس تھیلی کا کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ غلام تھیلی لے کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ حضرت امیر المؤمنین نے یہ دیناروں کی تھیلی آپ کے پاس بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ اس کو اپنی حاجتوں میں خرچ کریں۔ امیر المومنین کا پیغام سن کر آپ نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کا بھلا کرے۔ پھر اپنی لونڈی سے فرمایا کہ اے خادمہ! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ دینار فلاں کو۔ اسی طرح انہوں نے ایک ہی نشست میں تمام دیناروں کو حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیا۔ صرف دو دینار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتی۔ اس زمانہ کے نبی صلوات اللہ علیہ سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم فلاں عابد کو بتادو کہ ہماری ملکیت میں تجھے تصرف کرنے اور رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔ اب چونکہ تو نے یہ گستاخی و جرأت کی ہے تو سن کہ تیرا نام نیک بختوں کی فہرست سے خارج کر کے نافرمانوں اور بد بختوں کی فہرست میں لکھتا ہوں۔ عابد کے دل میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے سامنے رہ گئے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اے لونڈی! یہ دو دینار بھی فلاں ضرورت مند کو دے دو۔

یہ ماجرا دیکھ کر غلام امیر المومنین کے پاس واپس آ گیا تو امیر المومنین نے چار سو دینار کی دوسری تھیلی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجی اور غلام سے فرمایا کہ تم اس وقت تک ان کے گھر میں بیٹھے رہنا اور دیکھتے رہنا کہ وہ اس تھیلی کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ غلام حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیلی لے کر پہنچا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کا تحفہ اور پیغام پانے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کو نیک بدلہ دے پھر فوراً ہی اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ فلاں فلاں صحابہ کے گھروں میں اتنی اتنی رقم پہنچادو۔ صرف دو دو دینار باقی رہ گئے تھے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی آگئیں اور کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ بھی تو مفلس اور مسکین ہی ہیں۔ یہ سن کر وہ دینار جو باقی رہ گئے تھے بیوی کی طرف پھینک دیئے۔ یہ منظر دیکھ کر غلام امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور سارا چشم دید ماجرا سنانے لگا۔ امیر المومنین حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس سخاوت و اولوالعزمی کی داستان کو سن کر فرطِ تعجب سے انتہائی مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرام یقیناً آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے پر انتہائی رحم دل اور آپس میں بے حد ہمدرد ہیں۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

(تفسیر صاوی، ج ۶، ص ۲۱۳۸، پ ۲۸، الحشر: ۹)

ایک حدیث میں ہے کہ آیت مذکورہ بالا کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا کہ بارگاہِ نبوت میں ایک بھوکا شخص حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے حجروں میں معلوم کرایا کہ کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ معلوم ہوا کہ کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ کرام سے فرمایا کہ جو اس شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور فوراً سجدۂ شکر میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کے ذریعہ کہلوایا کہ او نادان، شقاوت و بدبختی پر سجدۂ شکر واجب نہیں ہوتا۔ عابد نے کہا میرا شکر، شقاوت پر نہیں ہے بلکہ اس پر ہے کہ میرا نام اللہ تعالیٰ کے کسی دیوان میں تو ہے۔ لیکن اے خدا کی نبی! میری ایک حاجت خدا کی بارگاہ میں پیش کر دو۔ نبی نے فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے کہا خدا سے عرض کرو کہ اب جبکہ تو نے میرے لئے دوزخ میں جانا مقرر کر دیا ہے تو اتنا کرم کر کہ مجھے ایسا بنا دے کہ تمام موحد گنہگاروں کے بدلے صرف میں ہی گنہگار ٹھہروں تا کہ وہ سب جنت میں جائیں۔ فرمانِ الٰہی ہوا کہ اس عابد سے کہہ دو، تیرا یہ امتحان تیری ذلت کے لئے نہیں تھا بلکہ لوگوں کے سامنے تیرے ایثار کے اظہار کے لئے تھا۔ اب روزِ قیامت تو جس جس کی شفاعت کرے گا میں ان سب کو جنت میں بھیج دوں گا۔

حضرت احمد حماد سرخسی کا ایثار:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد حماد سرخسی سے پوچھا کہ تمہاری توبہ کا ابتدائی واقعہ کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ سرخس سے جنگل کی طرف گیا اور عرصہ تک وہاں اونٹوں کے پاس رہا اور میں ہمیشہ خواہش مند رہا کہ میں بھوکا رہوں اور اپنا کھانا کسی دوسرے کو دے دوں چونکہ خدا کا یہ ارشاد لوحِ قلب پر نقش تھا کہ ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (الحشر: ۹) مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگر چہ انہیں خود تنگی ہو۔ اسی بناء پر ایثار پسند لوگوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گھر جا کر بیوی سے دریافت کیا کہ گھر میں کچھ کھانا ہے؟ انہوں نے کہا کہ صرف بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو۔ اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے کے لئے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تا کہ مہمان اچھی طرح کھالے۔ یہ تجویز اس لئے کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہلِ خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں۔ کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے گا تو وہ اصرار کریگا اور کھانا تھوڑا ہے۔ اس لئے مہمان بھوکا رہ جائے گا۔ اس طرح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہمان کو کھانا کھلا دیا اور خود اہلِ خانہ بھوکے سو رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر فرمایا کہ رات فلاں فلاں کے گھر میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بہت راضی ہے اور سورہ حشر کی یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۸۴، پ ۲۸، الحشر: ۹)

حسن عقیدت رکھتا تھا ایک دن ایک بھوکا شیر جنگل سے آیا اور میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کو مار ڈالا اور جا کر ایک بلند جگہ پر خاص قسم کی آواز نکالی۔ گردونواح کے تمام درندے اس آواز پر اس کے گرد جمع ہو گئے شیر نے ان سب کے سامنے اس اونٹ کو پھاڑ ڈالا اور خود کچھ نہ کھایا، اور دور جا کر اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ وہ درندے جس میں بھیڑیا، چیتا، لومڑی اور گیدڑ وغیرہ تھے سب اسے کھانے لگے۔ شیر اس وقت تک کھڑا دیکھتا رہا جب تک کہ وہ درندے کھا کر واپس نہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد شیر نے خود کھانے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں ایک لنگڑی لومڑی نمودار ہوئی شیر پھر جا کر اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ لومڑی سے جتنا کھایا گیا کھایا اور چلی گئی۔ اس وقت شیر آیا اور اس میں سے تھوڑا سا کھایا، میں دور بیٹھا اس نظارے کو دیکھ رہا تھا۔ جب لوٹنے لگا تو شیر نے فصیح زبان میں مجھ سے کہا اے احمد! لقمہ کا ایثار تو کتوں کا کام ہے۔ مرد تو اپنی جان و زندگی تک قربان کر دیتے ہیں۔ جب میں نے اس دلیل کو دیکھا تو میں نے ہر مشغولیت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ تھا میری توبہ کا ابتدائی واقعہ۔ (54)

شرح (54): مرغی کا توکل

پیارے بھائیو! دیکھا آپ نے! بھوکے شیر نے اپنا شکار دوسرے جانوروں پر ایثار کر کے بھوک برداشت کرنے کی بہترین مثال قائم کی اور پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عطا سے اُس نے کتنی زبردست نصیحت کی کہ ایک لقمہ کا ایثار تو کُتوں کا کام ہے مرد کو چاہئے کہ اپنی جان قربان کر دے۔ مگر آہ! آج کے ہم جیسے بے عمل مسلمان ایک لُقمہ کا ایثار تو کیا کریں گے، جن سے بن پڑتا ہے وہ دوسروں کے منہ سے بھی لقمہ چھین لیتے ہیں بلکہ ایک لقمہ کی خاطر بعض اوقات قتل و غارت گری تک سے نہیں چُوکتے۔ ڈھیروں ڈھیر غِذائیں موجود ہونے کے باوُجود ایک ایک ٹکڑے کی خاطِر فساد برپا کرتے پھرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے، صِرف تین ذی روح ایسے ہیں جو غذاؤں کا ذخیرہ کرتے ہیں، (۱) (ہم جیسے گنہگار) انسان (۲) چوہا اور (۳) چیونٹی۔ ان کے علاوہ کوئی بھی حَیوان دوسرے وقت کیلئے بچا کر نہیں رکھتا، آپ نے مُرغی کا توکُّل دیکھا ہوگا، اُس کو پانی کا پیالہ پیش کیا جاتا ہے تو پی چکنے کے بعد پیالے کے کَنارے پر پاؤں رکھ کر اِس کو اُلٹ دیتی ہے، اسے اپنے اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر کامل بھروسہ ہوتا ہے کہ ابھی پلایا ہے تو پیاس لگنے پر دوبارہ بھی پلائے گا۔ اور لُطف کی بات یہ ہے کہ اُس کو پلانے کی خدمت بھی انسان سے لی جاتی ہے۔ ہاں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے نیک بندوں کا توکُّل بے مِثال ہوتا ہے۔ توکل کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ صِرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عنایت پر بھروسہ کرے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اُس سے مایوس ہو جائے۔

(ملخص از رسالۃُ القُشیریہ ص ۱۶۹ باب توکُّل)

حضرت نوری کی مناجات:

جعفر خلدی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ خلوَت میں مناجات کر رہے تھے میں ان کی مناجات کے الفاظ سننے کی غرض سے اس طرح قریب ہوا کہ ان کو خبر نہ ہو کیونکہ وہ مناجات فصیح و بلیغ تھیں۔ انہوں نے مناجات میں کہا کہ اے خدا، تو دوزخیوں کو عذاب دے گا حالانکہ وہ سب تیرے بندے ہیں اور تیرے پیدا کردہ ہیں اور وہ تیرے ازلی علم و ارادہ اور قدرت میں ہیں اگر تو واقعۃً دوزخ کو لوگوں سے بھرنا ہی چاہتا ہے تو تُو اس پر قادر ہے کہ مجھ سے دوزخ اور اس کی طبقات کو بھر دے اور ان دوزخیوں کو جنت میں بھیج دے۔ جعفر کہتے ہیں کہ میں یہ الفاظ سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے آکر مجھ سے کہا کہ تم ابوالحسن سے جاکر کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہاری اس شفقت و ایثار پر جو تمہیں ہمارے بندوں سے ہے تمہیں بخش دیا۔

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کو نوری اس بنا پر کہا جاتا تھا کہ اندھیرے گھر میں جب وہ بات کرتے تھے تو ان کے باطن کے نور سے وہ گھر روشن ہو جاتا تھا اور یہ کہ وہ مریدوں کے اَسرار کو نورِ حق سے معلوم کر لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "ابوالحسن تو دلوں کا جاسوس ہے۔"(55)

شرح (55): وھابیہ کے نزدیک اولیاء اللہ کے لئے یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ دلوں کے حالات جان لیتے ہیں شرک اکبر ہے۔ لیکن ان کا یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا۔

کراماً کاتبین دلوں کا حال بھی جان لیتے ہیں

حضرتِ سیِّدُنا ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ مدینے کے سلطان، سردارِ دوجہان، رحمتِ عالمیان، سرورِ ذیشان، محبوبِ رحمٰن عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے اور اُس پر عمل نہ کرے تو اس کو مت لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اُس کا ایک گناہ لکھ لو۔ اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھ لو۔ ایک اور روایت کے مطابق اللہ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب، طبیبوں کے طبیب، عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے فرمایا: ملائکہ عرض کرتے ہیں: پروردگار! تیرا بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ حالانکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کو اس بات پر خوب بصیرت ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ ہیں نوری مذہب کی خصوصیات، جو اہل بصیرت کے نزدیک قوی الاصل اور عظیم المعاملات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے روح پر خرچ کرنے اور اپنی محبوب و مرغوب چیز سے دستکش ہونے سے زیادہ شدید چیز کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیوں کی کنجی، سب سے زیادہ محبوب چیز خرچ کرنے کو بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (56) ہرگز ہرگز نیکی نہ پاؤ گے جب تک کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب چیز اس کے لئے خرچ نہ کرو گے۔ (57) (ال عمران: ۹۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا انتظار کرو، اگر یہ اس گناہ کو کرے تو اس کا گناہ لکھو اور اگر اس کو ترک کر دے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو، کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے۔ (صحیح مسلم ص79 حدیث 205-203)

توجہ رہے کہ اولیاء اللہ کا مقام فرشتوں سے بھی افضل ہے، چنانچہ!

اپنے مریدوں کے ظاہر و باطن سے باخبر:

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تمہارا ظاہر و باطن میرے سامنے آئینہ ہے اگر شریعت کی روک میری زبان پر نہ ہوتی تو میں تم کو بتاتا کیا کھاتے ہو اور کیا پیتے ہو اور کیا جمع کر کے رکھتے ہو۔

(بہجۃ الاسرار، ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ محدثا بنعمۃ ربہ، ص ۵۵)

ہمارا ظاہر و باطن ہے ان کے آگے آئینہ کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوث اعظم کا

شرح (56): لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ

ترجمہ کنز الایمان: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو،

(پ ۴، آل عمران: ۹۲)

شرح (57): بر سے تقویٰ و طاعت مراد ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہاں خرچ کرنا عام ہے تمام صدقات کا یعنی واجبہ ہوں یا نافلہ سب اس میں داخل ہیں حسن کا قول ہے کہ جو مال مسلمانوں کو محبوب ہو اور اسے رضائے الٰہی کے لئے خرچ کرے وہ اس آیت میں داخل ہے خواہ ایک کھجور ہی ہو (خازن) عمر بن عبدالعزیز شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ کرتے تھے ان سے کہا گیا اس کی قیمت ہی کیوں نہیں صدقہ کر دیتے فرمایا شکر مجھے محبوب و مرغوب ہے یہ چاہتا ہوں کہ راہِ خدا میں پیاری چیز خرچ کروں (مدارک) بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری مدینے میں بڑے مالدار تھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طریقت کی اصل یہی ہے۔ چنانچہ حضرت ردیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا:

یابنی لیس الامر غیر بذل الروح ان قدرت علی ذالك والا فلا تشتغل بترهات الصوفیته اے فرزند! کوئی چیز جان خرچ کرنے سے بڑھ کر نہیں ہے بشرطیکہ تم کو اس پر قابو ہو ورنہ صوفیوں کی گہری باتوں کے درپے نہ ہو اس کے سوا جو کچھ ہے سب باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا[58] یعنی جو خدا کی راہ میں جان دے چکے ہیں انہیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے[59]

(آل عمران:۱۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہیں اپنے اموال میں بیرحا (باغ) بہت پیارا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں کھڑے ہو کر عرض کیا مجھے اپنے اموال میں بیرحا سب سے پیارا ہے میں اس کو راہِ خدا میں صدقہ کرتا ہوں حضور نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت ابوطلحہ نے بایمائے حضور اپنے اقارب اور بنی عم میں اس کو تقسیم کر دیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوموسی اشعری کو لکھا کہ میرے لئے ایک باندی خرید کر بھیج دو جب وہ آئی تو آپ کو بہت پسند آئی آپ نے یہ آیت پڑھ کر اللہ کے لئے اس کو آزاد کر دیا۔ (خزائن العرفان)

شرح (58): وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔ (پ ۴، آل عمران:۱۶۹)

شرح (59): شان نزول:

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت شہداء احد کے حق میں نازل ہوئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے وہ جنتی نہروں پر سیر کرتے پھرتے ہیں جنتی میوے کھاتے ہیں طلائی قنادیل جو زیر عرش معلق ہیں ان میں رہتے ہیں جب انہوں نے کھانے پینے رہنے کے پاکیزہ عیش پائے تو کہا کہ ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تا کہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ کریں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ (60) (الآیہ) جنہوں نے راہِ خدا میں جان دی انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں حیات ابدی اور قربِ سرمدی راہِ خدا میں جان دینے اپنے نصیب کو چھوڑنے اور اللہ کے دوستوں کی فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے۔ (61) (البقرہ: ۱۵۴)

عین ایثار و اختیار، اگرچہ معرفت کی نظر میں جدا جدا ہیں مگر عین میں جمع ہیں، عینِ ایثار یہ ہے کہ اپنے نصیب کو جو قربان کیا ہے حقیقت میں وہ ایثار و قربانی ہی اس کا نصیب تھا۔ (کیونکہ حقیقت میں وہ حصہ اگر اس کے مقدر میں ہوتا تو مقدر میں چونکہ تغیر و تبدل کا امکان نہیں لامحالہ وہ کسی دوسرے پر کیسے خرچ ہوتا بلکہ اس کا مقدر وہی ہے جو اسے نہ ملا بلکہ دوسرے کو پہنچا۔ فافہم مترجم) طالب کا سلوک جب تک اس کے حصول سے متعلق رہے گا وہ ہلاکت میں رہے گا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد شامل ہو جائے تو طالب کے تمام افعال و احوال پراگندہ اور ناپید ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیت کی کوئی لفظی تعبیر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کیفیت کا کوئی نام تجویز کیا جا سکتا ہے جس سے اس کی تعبیر کی جا سکے یا اس کا حوالہ دے کر کسی نام سے پکارا جا سکے۔ اس مفہوم کو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ:

غبت عنی فما احس بنفسی   وتلاشت بصفاتی الموصوفته

فانا الیوم غائب عن جمیع   لیس الا العبارة الملهوفته

"یعنی جب تو میری نگاہوں سے اوجھل تھا تو میں اپنے آپ کو بھی نہ پہچان سکا اور ذات موصوف میری

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور جنگ سے بیٹھ نہ رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں انہیں تمہاری خبر پہنچاؤں گا۔ پس یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابوداؤد)

اس سے ثابت ہوا کہ ارواح باقی ہیں جسم کے فنا کے ساتھ فنا نہیں ہوتیں۔ (خزائن العرفان)

شرح (60): وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

(پ ۲، البقرہ: ۱۵۴)

شرح (61): شانِ نزول: یہ آیت شہداء بدر کے حق میں نازل ہوئی لوگ شہداء کے حق میں کہتے تھے کہ فلاں کا انتقال ہو گیا وہ دنیوی آسائش سے محروم ہو گیا ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

صفتوں کو تلاش ہی کرتی رہی۔ آج تو میں سب سے غائب ہوں۔ اب افسوس کی عبارتوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' (62)

(۶) فرقۂ سُہیلیہ

فرقہ سہیلیہ کے پیشوا، حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ اکابر و برگزیدہ مشائخ میں سے ہیں۔ ان کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ غرض یہ کہ یہ اپنے زمانہ کے سلطانِ وقت اور طریقت میں اہل حل وعقد، صاحبِ اسرائے تھے۔ ان کے دلائل بہت واضح اور ان کی حکایات فہم عقل سے بہت بلند ہیں۔ ان کے مذہب کی خصوصیت، اجتہاد، مجاہدۂ نفس اور ریاضت شاقہ ہے۔ (63) مریدوں کو مجاہدے سے درجہ کمال تک پہنچا دیتے تھے۔

آپ کے واقعات میں مشہور ہے کہ ایک مرید سے فرمایا خوب جہد و کوشش کرو یہاں تک کہ ایک روز تمام دن یا اللہ یا اللہ یا اللہ ہی کہتے رہو اور دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی ورد رہے۔ اس کے بعد فرمایا

شرح (62): حالتِ وجد میں بھی نماز قضا نہ ہوئی

حضرت سیّد ابو الحسین احمد نوری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) پر وجد طاری ہوا، تین شبانہ روز (یعنی رات دن) گزر گئے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر (یعنی ہم زمانہ) تھے، کسی نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حالت عرض کی۔ فرمایا: نماز کا کیا حال ہے؟ عرض کی: نمازوں کے وقت ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ان کا وجد سچا ہے۔

(ملخصا، تذکرۃ الاولیاء، حصہ دوم، ذکر ابو الحسن نوری، باب چہل و ششم، ص ۴۲)

شرح (63): تین سال کی عمر سے ریاضت

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ تین سال کی عمر میں ہی اپنے ماموں کے ہمراہ مشغول عبادت ہو گئے تھے۔ آپ کے ماموں نے اولاً تلقین فرمائی کہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے یہ کلمات ایک بار پڑھ لیا کرو، اَللّٰہُ مَعِیَ اَللّٰہُ نَاظِرِیْ اَللّٰہُ شَاھِدِیْ۔ یعنی اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھنے والا ہے، اللہ مجھ پر گواہ ہے۔ جب آپ اس پر عامل ہو گئے، تو ارشاد فرمایا، اب اسے روزانہ سات بار پڑھا کرو۔ جب سات مرتبہ پڑھنے پر بھی عمل کی سعادت حاصل کر لی، تو اس کی تعداد پندرہ کروا دی۔ پھر آپ تا حیات اس پر عامل رہے۔

(تذکرۃ الاولیاء، ج ا، صفحہ ۲۲۸)

اب ان کے ساتھ رات کو بھی شامل کرلو، اور یہی کہتے رہو چنانچہ مرید نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ مرید جب خواب میں ہوتا تو وہ خواب میں بھی یہی کہتا تھا حتیٰ کہ یہ اس کی طبعی عادت بن گئی۔ اس کے بعد فرمایا اب اس سے لوٹ آؤ اور اس کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ پھر اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ہمہ وقت اسی میں مستغرق رہنے لگا۔ ایک دن مرید اپنے گھر میں تھا ہوا کی وجہ سے وزنی لکڑی گری اور اس نے اس کا سر پھاڑ دیا سر سے جو خون کے قطرے ٹپک کر زمین پر گرتے تھے وہ بھی اللہ اللہ لکھتے جاتے تھے۔

غرض کہ مجاہدے و ریاضت کے ذریعہ مریدوں کی تربیت، سہیلیوں کا خاص طریقہ ہے۔ (64) درویشوں کی خدمت اور ان کی تعظیم و توقیر حمدونیوں کا خاص امتیاز ہے اور باطن کا مراقبہ جنیدیوں کا امتیاز ہے اس میں ریاضت و مجاہدہ فائدہ مند نہیں ہوتا؟

اب میں معرفت نفس اور اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں اس کے بعد مجاہدوں کے مذاہب اور ان کے احکام بیان کروں گا تاکہ طالب معرفت پر حقیقت آشکارا ہو جائے۔ واللہ اعلم!

نفس کی حقیقت اور ہوٰی کے معنیٰ کی بحث

واضح ہو کہ نفس کے لغوی معنیٰ، وجودِ شیئ اور حقیقت و ذات کے ہیں۔ (65) لوگوں کی عادت اور ان

شرح (64): جہالت سے بڑھ کر

حضرت سیّدُنا سہل تستری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں جہالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوتی۔ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے پوچھا گیا، کیا آپ کے نزدیک کوئی چیز جہالت سے بھی زیادہ بری ہے، فرمایا، ہاں اور وہ یہ کہ بندے کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہ ہو (اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھدار اور فہیم خیال کرتا رہے)۔ اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) نے سچ فرمایا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی جہالت سے غافل ہوتا ہے تو سیکھنے کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو جاتا ہے بھلا وہ شخص کیا سیکھے گا جو اپنی نظر میں بہت بڑا عالم اور سمجھدار ہو۔

(فیضانِ احیاء العلوم ص ۲۲)

شرح (65): نفس کے معانی:

اس کے بھی دو معانی ہیں:

پہلا معنی: یہ وہ معنی ہے جو غضب، شہوت اور (انسان میں پائی جانے والی) مذموم صفات کی قوّت کا جامع ہے۔ حضور نبی پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ اَفلاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے استعمال میں اس کے معانی بہت ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف بلکہ متضاد ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ کے نزدیک نفس کے معنی روح ہیں، اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنی مودّت ہیں اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنی جسم وبدن کے ہیں ایک دوسرے گروہ کے نزدیک اس کے معنی خون کے ہیں۔ لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس فرمان سے بھی یہی مراد ہے:

اَعْدٰی عُدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ

ترجمہ: تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے پہلوؤں کے درمیان ہے۔

(الزھد الکبیر للبیھقی، الجزالثانی فصل فی ترک الدنیا ومخالفۃ النفس والھوی، الحدیث ۳۴۳، ص ۱۵۶۔۱۵۷)

(نفس سے دُشمنی) نفس سے جہاد کرنا ہے۔ اور نفس کی خواہشات کو توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسرا معنی: یہ وہ ربانی لطیفہ ہے، جو روح اور قلب کے دونوں معنی میں سے ایک ہے۔ اسی طرح نفس کا قلب وروح کے لفظ کے ساتھ اسی لطیفہ پر اِطلاق کیا جاتا ہے اور یہی حقیقتِ انسان ہے، جس کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

جب یہ صفات اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر سے مزیّن ہوں اور اس سے بُری صفات وشہوات کے آثار ختم ہو جائیں، تو اسے نفسِ مطمئنہ کہا جاتا ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فرمان سے بھی یہی مراد ہے، چنانچہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: اے اطمینان والی جان۔ (پ30 الفجر: 27)

اور نفس کے اس درجہ پر پہنچنے سے پہلے صفات کے اعتبار سے اس کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں اسے نفس لوّامہ کہا جاتا ہے۔ اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے فرمان میں اسی کی قسم اِرشاد فرمائی ہے:

وَ لَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر ملامت کرے۔ (پ29 القیمۃ: 2)

اور اس سے مراد وہ نفس ہے، جو گناہوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتا، نہ ان سے خوش ہوتا ہے اور اس درجہ پر پہنچنے سے پہلے ایک اور درجہ ہے اور یہ برائی کا حکم دینے والا نفس (یعنی نفسِ امّارہ) ہے جس کے بارے میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طریقت کے محققین کے نزدیک اس لفظ کے مذکورہ معانی میں سے کوئی معنی مراد نہیں ہیں۔ ارباب طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ درحقیقت نفس، تمام شر اور برائی کا سرچشمہ ہے جو بڑا امام اور قائد ہے لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ نفس وہ شئے ہے جو قالب میں بطور امانت رکھا گیا ہے جیسے روح، ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ قالب ہی کی ایک صفت ہے جس طرح حیات وزندگانی اس کی صفت ہے بایں ہمہ اس میں سب متفق ہیں کہ کمینہ خصلتیں اور برے افعال اسی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (66)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ٥

ترجمہ کنزالایمان: بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (پ13 یوسف:53)

اور یہ اس حالت پر ہوتا ہے، کہ نہ تو نیکی کا حکم دیتا اور نہ برائی پر ملامت کرتا ہے اور نفس کا یہ درجہ نہایت قابلِ مذمت ہے اور مُطمئنہ بہترین نفس ہے اور لوامہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ نہ تو شر پر راضی ہوتا ہے کہ اس کی طرف مائل ہو اور نہ ہی اطمینان کی طاقت رکھتا ہے کہ بھلائی کی طرف قرار پکڑے اور اس بھلائی سے مراد اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ذکر ہے۔

شرح (66): اپنے نفس کو ملامت کرنے والا خوش نصیب ہے:

پیارے بھائیو! حضرت سیدنا انس بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کے ساتھ چلا آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ میرے اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کے درمیان ایک دیوار حائل تھی میں نے دیکھا کہ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) اکیلے تھے اور فرمارہے تھے اے عمر بن خطاب! تو امیر المؤمنین ہے، کیا خوب؟ اللہ کی قسم! تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہوگا ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔

جیسا کہ ربِّ کائنات کا فرمان والاشان ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ٥

ترجمہ کنزالایمان: اور اس جان کی قسم! جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے (پارہ ۲۹، سورہ القیامۃ، آیت ۲)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا حسن بصری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں مومن ہمیشہ اپنے نفس کو جھڑکتا ہی رہتا ہے کہ اس کلام سے میرا ارادہ کیا تھا؟ اُس کھانے سے کیا مقصود تھا؟ میرے اس پینے سے کیا ارادہ تھا؟ اور بدکار آدمی زندگی بسر کرتا رہتا ہے لیکن کبھی بھی اپنے نفس کو عتاب نہیں کرتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

افعال نفس کے اقسام:

نفس کے افعال کی دو قسمیں ہیں ایک معصیت و نافرمانی دوسرے کمینہ خصائل، جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ وغیرہ ان کے ماسوا وہ تمام باتیں جو عقل و شریعت کے نزدیک مذموم و رکیک ہیں نفس کے افعال بد ہیں۔ اس لئے ریاضت و مجاہدے سے ان برے خصائل کو زائل کیا جا سکتا ہے جس طرح توبہ سے معصیت کو دور کیا جاتا ہے اور یہ کہ معاصی، نفس کے ظاہری اوصاف میں سے ہے اور کمینہ خصائل اس کے باطنی اوصاف میں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ اس کے ظاہری افعال کو اور توبہ اس کے باطنی افعال کو نیست و بود کرتے ہیں (67) اور کمینہ خصائل سے جو باطن میں کدورت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہری اوصاف (ریاضت و مجاہدے) کے ذریعہ پاک وصاف کی جا سکتی ہے اور جو کدورت، ظاہری افعالِ بد سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا میمون بن مہران (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) مزید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے نفس سے کہتا ہے کیا تو فلاں گناہ والا نہیں؟ کیا تو فلاں عمل والا نہیں؟ پھر اسے لگام ڈال کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کا پابند کر دیتا ہے تو یہ شخص فائدے میں رہتا ہے۔ اور یہی نفس کا محاسبہ اور عتاب ہے۔

حضرت سیدنا میمون بن مہران (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں مومن اپنے نفس کا محاسبہ ظالم بادشاہ اور بخیل شریک سے بھی زیادہ کرتا ہے۔

شرح (67): ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل نہ ہو اس کی حرکات و سکنات اور خیالات اور لطف اندوزی کی حد بندی کر دے کیوں کہ زندگی کا ہر سانس ایک ایسا نفیس جوہر ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اس سے ایسے خزانے خریدے جا سکتے ہیں جن کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں تو ایسے سانسوں کو ضائع کرنا یا ایسے کاموں میں صرف کرنا جو ہلاکت کا باعث ہیں بہت بڑا نقصان ہے اور انتہائی ہلاکت خیز ہے جسے کوئی بھی سمجھدار آدمی پسند نہیں کرتا۔

حضرت سیدنا سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

من لم یر نفسه فی ملك النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یذق حلاوة سنّته۔

(المواہب اللدنیۃ، المقصد السابع الرضی بما شرعہ، المکتب الاسلامی بیروت ۳/۲۹۹و۳۰۰)

جو اپنے آپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مملوک نہ جانے اس نے ان کی سنت کا مزہ نہ چکھا۔

پیدا ہوتی ہے وہ باطن کی صفائی سے جاتی رہتی ہے۔ نفس و روح (68) دونوں قالب میں اتنے ہی لطیف ہیں جتنے عالم شیاطین و فرشتے اور جنت و دوزخ۔ لیکن ایک محلِ خیر ہے اور ایک محل شر۔ جس طرح آنکھ محل بصر، کان محل سماعت، اور زبان محل ذائقہ ہے اسی طرح کچھ ایمان و اوصاف قالب انسان میں بطور امانت رکھے گئے ہیں لہٰذا نفس کی مخالفت، تمام عبادتوں کی جڑ اور مجاہدوں کی اصل ہے اس کے بغیر بندہ راہِ حق نہیں پا سکتا اس لئے کہ نفس کی موافقت میں بندے کی ہلاکت ہے اور اس کی مخالفت میں بندے کی نجات ہے۔ (69) چونکہ حق تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

شرح (68): روح کے معانی:

روح کے بھی دو معانی ہیں:

پہلا معنی: روح طبیعہ ہے اور یہ دُھواں (یعنی لطیف جسم) ہے جس کا مرکز دل کے خلا میں سیاہ خون ہوتا ہے اور دِل سے مراد صنوبری شکل کا گوشت ہے اور یہ شریانوں کے ذریعے تمام اجزاء بدن تک پہنچتا ہے۔ اس کی مثال گھر میں رکھے ہوئے چراغ کی طرح ہے، جس سے گھر کے تمام کونے روشن ہو جاتے ہیں اور طبیب جب لفظِ روح بولتے ہیں، تو اس سے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔

دوسرا معنی: یہ وہ ربانی لطیفہ ہے، جو حقیقتِ دل کا معنی ہے، روح اور قلب ایک ہی طریقے سے اس لطیفہ پر وارد ہوتے ہیں، اسی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ15 بنی اسرائیل: 85)

شرح (69): جب آدمی اپنے نفس کا احتساب کرے اور پھر اس گناہ کے ارتکاب اور حق خداوندی میں کوتاہی سے محفوظ نہ پائے تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ نفس کو کھلی چھٹی دے دے کیونکہ اسے مہلت دینے کی صورت میں گناہوں کا ارتکاب آسان سے آسان ہو جائے گا۔ نفس ان کا عادی ہو جائے گا اور پھر انہیں چھوڑنا نہایت مشکل ہوگا۔ اور یہی اس کی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ اس کو تنبیہ کرتا رہے جب نفس کی خواہش کے مطابق کوئی مشتبہ لقمہ کھائے تو اسے چاہئے کہ نفس کو بھوک کے ذریعے سزا دے اور اگر کسی غیر محرم کو دیکھے تو آنکھ کو روکنے کے ذریعے سزا دے اسی طرح جسم کے ہر عضو کو خواہشات کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تکمیل سے روکنے کے ذریعے سزا دے کہ آخرت کے راستے پر چلنے والوں کا یہی طریقہ تھا۔

حضرت سیدنا منصور بن ابراہیم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک عبادت گزار آدمی نے کسی عورت سے بات کی حتی کہ اس نے اس کی ران پر ہاتھ رکھ دیا پھر اسے ندامت ہوئی اور یہ ندامت اتنی بڑھی کہ کچھ وقت کے لئے اس کی عقل زائل ہوگئی اور اس نے اپنا ہاتھ آگ پر رکھ دیا حتی کہ وہ جل کر کباب ہوگیا۔

حضرت سیدنا جنید بغدادی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے ابن کریبی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات میں جنبی ہوگیا اور مجھے غسل کی ضرورت پڑ گئی رات ٹھنڈی تھی میں نے محسوس کیا کہ میرا دل اس میں کوتاہی کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ صبح ہو جائے اور میں گرم پانی کے حمام میں نہاؤں اور نفس پر مشقت نہ ڈالوں۔ میں نے کہا تعجب کی بات ہے میرا زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے اور اس کا مجھ پر حق واجب ہوا اور میں جلدی کرنے کی بجائے توقف اور تاخیر کر رہا ہوں میں نے قسم کھائی کہ میں اسی گدڑی میں غسل کروں گا اور یہ بھی قسم کھائی کہ میں نہ تو اسے اتاروں گا اور نہ نچوڑوں گا اور نہ ہی اسے دھوپ میں خشک کروں گا۔

اسی طرح منقول ہے کہ سیدنا غزوان اور سیدنا ابو موسیٰ رحمہا اللہ دونوں ایک جہاد میں مشغول تھے کہ ایک عورت سامنے آئی سیدنا غزوان (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنی آنکھ پر اس قدر زور سے طمانچہ مارا کہ آنکھ پتھرا گئی اور فرمایا تو اسی چیز کو دیکھتی ہے جو تیرے لئے نقصان دہ ہے۔ یونہی کسی دوسرے بزرگ نے ایک عورت کی طرف ایک نگاہ کی تو اپنے اوپر لازم کر دیا کہ وہ زندگی بھر ٹھنڈا پانی نہیں پئیں گے اور چنانچہ وہ گرم پانی پیتے تھے تا کہ نفس اس تلخی کا مزہ چکھتا رہے۔

اسی طرح حضرت سیدنا حسان بن ابو سنان (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک بالاخانے کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے یہ کب بنا ہے پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تو ایسے کام کے بارے میں پوچھتا ہے تیرے لئے جو بے مقصد ہے میں تجھے ایک سال روزہ رکھنے کی سزا دوں گا چنانچہ انہوں نے سال بھر روزہ رکھا۔

حضرت سیدنا مالک بن ضیغم (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں حضرت سیدنا رباح قیسی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) عصر کے بعد آئے اور میرے والد کے بارے میں پوچھا ہم نے کہا وہ تو سوئے ہوئے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمایا کیا اس وقت سو رہے ہیں؟ کیا یہ سونے کا وقت ہے؟ پھر واپس پھر گئے ہم نے ان کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور پوچھا کیا آپ کے لئے ان کو جگا دیں؟ قاصد واپس آیا اور کہنے لگا وہ تو میری بات سمجھنے سے زیادہ اہم بات میں مشغول ہیں میں نے دیکھا کہ وہ قبرستان میں چلے گئے اور اپنے نفس کو اس طرح عتاب کرنے لگے کیا تم نے یہ کہا کہ کیا یہ سونے کا وقت ہے؟ کیا یہ بات کہنا تم پر لازمی تھا آدمی جب چاہے سوئے تمہیں کیا معلوم کہ یہ سونے کا وقت نہیں ہے جس بات کا علم نہیں اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہو میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں جسے کبھی نہیں توڑوں گا کہ سال بھر تک سونے کے علاوہ زمین پر پیٹھ نہیں لگاؤں گا البتہ یہ کہ کوئی مرض حائل ہو جائے یا عقل زائل ہو جائے تو الگ بات ہے تجھے شرم نہیں آتی کب تک تو لوگوں کو جھڑکتا رہے گا اور اپنی گمراہی سے باز نہیں آئے گا۔ راوی فرماتے ہیں وہ رونے لگے اور انہیں میری موجودگی کا علم نہ ہوا میں نے یہ بات دیکھی تو انہیں چھوڑ کر واپس آ گیا۔

حضرت سیدنا تمیم داری (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے منقول ہے کہ وہ ایک رات سوئے اور تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے تو اس کوتاہی کی سزا کے طور پر وہ ایک سال تک نہ سوئے اور رات کو قیام کرتے رہے۔

حضرت سیدنا طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن ایک شخص چلا اور وہ اوپر کے زائد کپڑے اتار کر کے گرم ریت پر خوب لوٹا اور اپنے نفس سے کہنے لگا اے رات کے مردار اور دن کے بیکار چکھو اور جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے وہ اسی حالت میں تھا کہ اس کی نگاہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پڑی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے سائے میں آرام فرما تھے۔ وہ حاضر اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کا اظہار فرماتا ہے اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا اپنے بھائی سے کچھ توشہ لے لو تو ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے کہا اے فلاں! میرے لئے دعا کرو میرے لئے دعا کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کے لئے دعا کرو چنانچہ اس نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ التَّقْوٰی زَادَھُمْ وَاجْمَعْ عَلَی الْھُدٰی اَمْرَھُمْ

ترجمہ: یا اللہ! تقویٰ ان کا سامان بنا دے اور ان سب کے معاملے کو ہدایت پر جمع کر دے،

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمانے لگے یا اللہ! اس کو راہ راست پر رکھ۔ تو اس نے کہا یا اللہ ان سب کا ٹھکانہ جنت میں بنا دے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۶۱۷، ۶۱۸ حدیث ۴۸۹۷) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا حذیفہ بن قتادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم اپنے نفس کی خواہشات کے سلسلے میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا رُوئے زمین پر مجھے اپنے نفس سے زیادہ کس چیز سے نفرت نہیں تو میں اس کی خواہشات کو کیسے پورا کر سکتا ہوں۔

حضرت سیدنا ابن سماک، حضرت سیدنا داؤد طائی (رحمہا اللہ) کے وصال کے بعد ان کے پاس پہنچے اور وہ اپنے گھر میں مٹی پر پڑے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا اے داؤد! تو نے اپنے نفس کو اس کے قید ہونے سے پہلے قید کر دیا اور اس کو عذاب ہونے سے پہلے عذاب میں مبتلا کیا آج تم اس کی طرف سے ثواب دیکھو گے جس کے لئے ایسا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا وہب بن منبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عرصہ تک عبادت کی پھر اسے کوئی حاجت پیش آئی تو وہ ستر ہفتے اس طرح کھڑا رہا کہ وہ ہر ہفتے میں گیارہ کھجوریں کھاتا تھا۔ پھر اپنی حاجت کا سوال کیا لیکن اس کی حاجت پوری نہ ہوئی چنانچہ اس نے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہا یہ تیری وجہ سے ہوا اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہوتی تو تیری حاجت پوری ہو جاتی اس وقت ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے کہا اے ابن آدم! تیری یہ ساعت جس میں تو نے نفس کو جھڑکا تیری گذشتہ عبادت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیری حاجت کو پورا کر دیا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن قیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں ہم ایک جہاد میں شریک تھے جب دشمن سر پر آ گیا تو لوگوں میں چیخ و پکار شروع ہو گئی وہ سخت ہوا کا دن تھا لوگ اسی حالت میں میدان جنگ کی طرف چل پڑے تو میں نے اپنے سامنے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور کہہ رہا تھا اے میرے نفس کیا میں فلاں فلاں جنگ میں شریک نہیں ہوا تو تُو نے کہا اپنے اہل وعیال کی طرف چل میں نے تیری بات مانی اور واپس لوٹ گیا کیا میں فلاں جنگ میں شریک نہیں ہوا اور اس میں بھی تم نے وہی بات کہی اور اہل وعیال کی یاد دلائی تو میں نے تیری بات مانی اور واپس لوٹ گیا اللہ کی قسم! آج میں تجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا اس کی مرضی ہے وہ تجھے پکڑے یا چھوڑ دے۔

راوی کہتے ہیں میں نے دل میں کہا کہ آج میں اس شخص کی نگرانی کروں گا میں اسے دیکھتا رہا لوگوں نے دشمن پر حملہ کیا تو وہ سب سے آگے تھا پھر دشمن ان لوگوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ بکھر گئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لیکن وہ شخص اپنی جگہ کھڑا رہا حتی کہ وہ کئی مرتبہ اِدھر اُدھر ہوئے لیکن یہ ثابت قدمی سے لڑتا رہا اللہ کی قسم وہ اسی حالت میں رہا حتی کہ وہ شہید ہو کر گر پڑا تو میں نے اس پر اور اس کی سواری پر ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ زخم شمار کیے۔

حضرت سیدنا ابوطلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے متعلق حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب ایک پرندے نے نماز میں ان کی توجہ کو ہٹایا جو ان کے باغ میں تھا تو انہوں نے اس کے کفارے کے طور پر اپنا باغ صدقہ کر دیا اور حضرت سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہر رات اپنے پاؤں پر درہ مارا کرتے تھے اور فرماتے بتا آج تو نے کیا عمل کیا ہے؟

اسی طرح حضرت سیدنا مجمع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے منقول ہے انہوں نے اپنا سر چھت کی طرف اٹھایا تو ان کے نظر ایک عورت پر پڑی تو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ جب تک دنیا میں موجود ہیں آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گے۔

حضرت سیدنا احنف بن قیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیشہ رات کے وقت اپنی انگلی جلتے ہوئے چراغ پر رکھتے اور اپنے نفس سے فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں عمل کیوں کیا؟

حضرت سیدنا وہیب بن ورد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے نفس کی کوئی بات بری معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے سینے کے کچھ بال اکھیڑ دیئے حتی کہ جب سخت تکلیف محسوس ہوئی تو فرمانے لگے میں تو تیری بھلائی چاہتا ہوں۔

حضرت سیدنا محمد بن بشر نے حضرت سیدنا داؤد طائی رحمہا اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ وہ افطاری کے وقت نمک کے بغیر روٹی کھا رہے تھے فرمایا اگر نمک کے ساتھ کھاتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا میرا نفس ایک سال سے مجھ سے نمک کا مطالبہ کر رہا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب تک حضرت سیدنا داؤد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دنیا میں رہے انہوں نے نمک نہیں چکھا۔

پیارے بھائیو! محتاط لوگ تو اس طرح اپنے نفس کو سزا دیتے تھے اور تعجب کی بات ہے کہ ہم اپنے نوکروں ماتحتوں اور اپنی بیوی بچوں سے کوئی بد اخلاقی یا کسی کام میں کوتاہی دیکھتے ہیں تو ان کو سزا دیتے ہیں اور اس بات کا ڈر ہے کہ اگر ان سے درگزر کیا جائے تو یہ لوگ ہاتھ سے نکل جائیں گے اور سرکشی کریں گے لیکن اپنے نفس کو چھوڑ دیتے ہیں حالاں کہ وہ ہمارا بہت بڑا دشمن ہے اور اس کی سرکشی کا نقصان ہمارے اہل وعیال کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى (70) جس نے نفس کو خواہش سے روکا بے شک جنت اس کا مسکن ہے۔ (71) (النّٰزعٰت: ۴۰،۴۱)

اور ارشاد ہے: اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ (72)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سرکشی کے نقصان سے زیادہ ہے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ ہماری زندگی میں ہمیں پریشان کریں گے اور اگر ہم سمجھ دار ہوتے تو معلوم ہوتا کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور اس میں دائمی نعمتیں ہیں جن کی انتہاء نہیں اور ہمارا نفس ہی ہماری آخرت کو خراب کرتا ہے لہٰذا دوسروں کی نسبت یہ سزا کا زیادہ مستحق ہے۔

شرح (70): وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا۔

(پ ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰)

شرح (71): امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی ایھا الولد میں ایک شفیق باپ کی طرح اپنے روحانی بیٹے کو نصیحت ارشاد فرمائی ہے۔

میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے نفس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کیلئے بڑی تیزی سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ربِّ کریم عزَّ وجلَّ کے اس ارشادِ گرامی میں غور وفکر کیا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور جو اپنے ربّ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا، اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانہ ہے۔ (النّٰزعٰت/ ۴۱،۴۰)

مجھے یقین ہے کہ قرآنِ حکیم حق، اور اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے۔ لہذا میں نے اپنے نفس کی مخالفت شروع کردی۔ اور ریاضت ومجاہدات کی طرف مائل ہوا۔ اور نفس کی کوئی خواہش اس وقت تک پوری نہ کی، جب تک یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں راضی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے اَحکامِ الٰہی عزَّ وجلَّ کے سامنے اپنے سر کو جھکا دیا۔ اور سچا مطیع وفرمانبردار بن گیا۔

شرح (72): اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

ترجمہ کنز الایمان: تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو۔ (پ ۱، البقرۃ: ۸۷)

جب بھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لے کر آئے جو تمہارے جی کو پسند نہیں تھی تو تم نے اس سے تکبر کیا۔ (البقرہ:۸۷)

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے قول کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ، اِنَّ النَّفۡسَ لَاَ مَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ (73) میں اپنے نفس کی پاکی نہیں بیان کرتا کیونکہ نفس تو بہت زیادہ برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جو خدا نے مجھ پر رحم فرمایا۔

(یوسف:۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبۡدٍ خَیۡرًا اَبۡصَرَہٗ بِعُیُوۡبِ نَفۡسِہٖ (74) اللہ تعالیٰ جب بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ (75)

شرح (73): وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ

ترجمہ کنز الایمان: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بیشک نفس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ (پ ۱۳، یوسف: ۵۳)

شرح (74): (شعب الایمان للبیھقی، باب فی الزھد وقصر الأمل، الحدیث ۱۰۵۳۵، ج۷، ص ۳۴۷)

شرح (75): اپنے عیوب پہچاننے کے طریقوں میں سے سب سے بہترین طریقہ یہ ہے، کہ انسان اپنے مُرشد کے سامنے بیٹھے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرے، کبھی اسی وقت اس پر اپنے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی اس کا مُرشد اسے اس کے عیوب سے آگاہ کر دیتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے اعلیٰ و بہترین ہے، مگر آج کل یہ بہت مشکل ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی نیک دوست تلاش کرے، جو اس معاملہ کے اسرار سے واقف ہو، اس کی صحبت اختیار کرے اور اسے اپنے نفس کا نگران بنائے، تاکہ وہ اس کے اَحوال کو ملاحظہ کر کے اس کے عیوب سے آگاہ کرے۔ اَکابرائمہ دین اسی طرح کیا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے تھے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب بتائے۔ جب حضرت سَیِّدُنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اپنے عیبوں کے بارے میں پوچھا: کیا آپ تک میری کوئی ایسی بات پہنچی ہے جو آپ کو ناپسند ہو؟ انہوں نے بتانے سے معذرت کی، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی:
یَادَاوُدُ عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّ وُدِّيْ فِيْ عَدَاوَتِهَا اے داؤد تم اپنے نفس کو دشمن جانو کیونکہ میری محبت اس کی دشمنی میں ہے۔

یہ جو کچھ بیان ہوا سب صفات ہیں، اور یہ یقینی چیز ہے کہ صفت کے لئے موصوف درکار ہوتا ہے تا کہ وہ اس کے ساتھ قائم ہو کیونکہ صفت از خود قائم نہیں ہوتی، اور صفت کی معرفت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ قالب کی پہچان مکمل طور پر سے نہ ہو جائے اس کی پہچان کا طریقہ، انسان کے اوصاف کا بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا تو حضرت سیّدنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے دستر خوان پر دو سالن جمع کرتے ہیں اور آپ کے پاس دو جوڑے ہیں، ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: اس کے علاوہ بھی کوئی بات پہنچی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: نہیں۔ امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر صرف یہی دو ہیں تو میں انہیں کافی ہو جاؤں گا۔

حضرت سیّدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ منافقین کی پہچان کے معاملے میں رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے راز دار تھے، امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے پوچھتے: کیا آپ کو مجھ میں منافقت کے آثار نظر آتے ہیں؟ تو امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر بلند مرتبہ اور عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اس طرح اپنے نفس کو اس قدر تہمت لگاتے تھے۔

اگر تجھے کوئی دوست نہ ملے تو اپنے حاسدین کی باتوں پر غور کر، تو ایسے حاسد کو پائے گا جو تیرے عیبوں کا متلاشی ہوتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا ہے، پس تو اس سے فائدہ اٹھا اور اس کی طرف سے بتائے جانے والے تمام عیوب کے ساتھ اپنے نفس کو متّہم جان اور اگر کوئی شخص تجھے تیرے عیب بتائے تو اس پر غضب وغصہ نہ کر کیونکہ عیوب سانپ اور بچھو ہیں جو دنیا و آخرت میں تجھے ڈستے ہیں۔ کیونکہ جو شخص تجھے بتائے کہ تیرے کپڑوں کے نیچے سانپ ہے تو تو اس شخص کا احسان مند ہوتا ہے، لیکن اگر تو اس پر غصہ کرے تو یہ آخرت میں تیرے ایمان کی کمزوری پر دلیل ہے۔ اور اگر تو اس کی نصیحت سے فائدہ اٹھائے تو یہ تیری قوتِ ایمانی پر دلیل ہے اور جان لے کہ ناراض ہونے والی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے، اور ایمان کا قوی ہونا تجھے اس وقت فائدہ دے گا جب تو حاسدوں کی ملامت کو غنیمت جانے اور ان عیوب سے بچے۔ (لباب الاحیاء ص ۲۱۶)

ہے اور لوگوں کی انسانیت کی حقیقت میں عرفاء کے بہت سے قول ہیں یہاں تک کہ یہ نام کس چیز کا ہے اور کس چیز کے لئے سزاوار ہے؟ اس کا علم ہر طالب حق پر فرض ہے اس لئے کہ جو طالب خود سے بے خبر ہے وہ اپنے غیر سے زیادہ جاہل ہوگا۔ جب بندے کو معرفت الٰہی کا مکلف بنایا گیا ہے تو لامحالہ پہلے اسے اپنی معرفت ہونی چاہئے تاکہ اپنے حادث و نو پید ہونے کی صحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قدیم و ازلی ہونے کو پہچانے اور اپنی فنا سے حق تعالیٰ کے ساتھ بقا کو معلوم کر سکے۔ نص قرآنی اس پر ناطق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر صفت جہالت سے کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

ومن یرغب عن ملت ابراھیم الامن سفه نفسهٗ (76) جس نے ملت ابراہیمی سے منہ موڑا وہ اپنے آپ سے جاہل ہے۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا۔ (77)

طریقت کے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

من جهل نفسه فهو بالغیر اجهل جو اپنے نفس سے جاہل ہے وہ دوسروں سے زیادہ جاہل ہوگا یعنی اس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا۔ (78)

شرح (76): وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے۔

(پ ۱، البقرۃ: ۱۳۰)

شرح (77): شان نزول: علماء یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام نے اسلام لانے کے بعد اپنے دو بھتیجوں مہاجر و سلمہ کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں فرمایا ہے کہ میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی پیدا کروں گا جن کا نام احمد ہوگا جو ان پر ایمان لائے گا راہ یاب ہوگا اور جو ایمان نہ لائے گا ملعون ہے، یہ سن کر سلمہ ایمان لے آئے اور مہاجر نے اسلام سے انکار کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ظاہر کر دیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اس رسول معظم کے مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تو جو اُن کے دین سے پھرے وہ حضرت ابراہیم کے دین سے پھرا اس میں یہود و نصاریٰ و مشرکین عرب پر تعریض ہے جو اپنے آپ کو افتخاراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے جب ان کے دین سے پھر گئے تو شرافت کہاں رہی۔

شرح (78): پس تم پر لازم ہے کہ اپنے نفس پر توجہ دو اور اسے بار بار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (79) جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔(80)

مطلب یہ کہ جس نے اپنے نفس کی بابت یہ جان لیا کہ وہ فنا ہونے والی چیز ہے تو اس نے اپنے رب کو پہچان لیا اور سمجھ لیا کہ وہی باقی رہنے والی ذات ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو جان لیا کہ وہ ذلیل وخوار ہونے والی چیز ہے اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ وہ عزت وکرامت بخشنے والی ذات ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو بندگی سے پہچان لیا اس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچان لیا جس نے اپنے ہی کو نہ پہچانا وہ دوسرے کو کیا پہچانے گا؟ اس جگہ معرفت نفس سے مراد، معرفت انسانیت ہے۔

معرفت انسانیت:

باہمی معارضہ کی وجہ سے لوگوں کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ انسان صرف روح کا نام ہے (81) اور جسم اس کی زرہ اور لباس اور اس کے رہنے کی جگہ ہے تاکہ طبائع کے خلل سے محفوظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کی حماقت، جہالت اور دھوکا دہی بتاؤ اور اُسے کہو: تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو لوگوں کو احمق وجاہل بتاتا ہے، حالانکہ تو خود سب سے بڑا جاہل ہے، بے شک تو جنت یا دوزخ کی طرف جائے گا اور تجھے کیا ہے کہ تو لہو ولعب اور ہنسنے میں مشغول ہے، حالانکہ تو ہر اس کام کے لئے مطلوب ہے، شاید تو موت کو دور سمجھتا ہے حالانکہ وہ قریب ہے، شاید موت آج دن، رات یا کل آجائے اور مستقبل میں واقع ہونے والی ہر چیز قریب ہی ہوتی ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ اچانک آئے گی اور اس سے پہلے کوئی قاصِد نہیں آئے گا۔

شرح (79): (کشف الخفاء، حدیث ۲۵۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴)

شرح (80): یعنی معرفتِ نفس اسی وقت حاصل ہوگی جب پہلے معرفتِ ربّ ہولے۔ زندیق لوگ اسے اس پر حمل کرتے ہیں کہ نفس ہی ربّ ہے اور یہ کفرِ خالص ہے۔

شرح (81): روح کے معانی:

روح کے بھی دو معانی ہیں:

پہلا معنی: روح طبیعہ ہے اور یہ دُھواں (یعنی لطیف جسم) ہے جس کا مرکز دل کے خلا میں سیاہ خون ہوتا ہے اور دِل سے مراد صنوبری شکل کا گوشت ہے اور یہ شریانوں کے ذریعے تمام اجزاء بدن تک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رہے اور حسن عقل اس کی صفت ہے۔ یہ قول باطل ہے اس لئے کہ جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے تب بھی اسے انسان کہا جاتا ہے یہ نام مردہ شخص سے بھی جدا نہیں ہوتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جب جسم میں روح تھی تو زندہ انسان تھا اور جب روح نکل گئی تو وہ انسان مردہ ہو گیا۔ بطلان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حیوان کے اجسام میں بھی روح رکھی گئی ہے مگر اسے انسان نہیں کہا جاتا۔ اگر انسانیت کی علت روح ہوتی تو چاہئے تھا کہ روح جہاں کہیں بھی ہو اس پر انسانیت کے حکم کا اطلاق کیا جاتا اور وہ بھی دلائل کے ساتھ۔ یہ قول باطل ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جب تک روح و جسم دونوں یکجا ہیں اس کا نام ''انسان'' ہے اور جب یہ دونوں جدا ہو جائیں تو پھر یہ نام ساقط ہو جاتا ہے جس طرح گھوڑے میں جب دو رنگ مل جائیں ایک سیاہ دوسرا سفید تو اسے ابلق کہتے ہیں اور جب کوئی اور رنگ اس سے جاتا رہے تو پھر ابلق نہ کہیں گے بلکہ سفید یا سیاہ کہیں گے۔ یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا (82) کیا انسان پر زمانہ میں ایسا وقت نہ گزرا جبکہ وہ کوئی قابل ذکر شئ نہ تھا (83) (الدھر:1)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پہنچتا ہے۔ اس کی مثال گھر میں رکھے ہوئے چراغ کی طرح ہے، جس سے گھر کے تمام کونے روشن ہو جاتے ہیں اور طبیب جب لفظِ روح بولتے ہیں، تو اس سے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔

دوسرا معنی: یہ وہ ربانی لطیفہ ہے، جو حقیقتِ دل کا معنی ہے، روح اور قلب ایک ہی طریقے سے اس لطیفہ پر وارد ہوتے ہیں، اسی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا ہے:

وَیَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ15 بنی اسرائیل:85) (لبابُ الاحیاء ص۱۹۶)

شرح (82): هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسٰنِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ۝

ترجمہ کنزالایمان: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔ (پ۲۹، الدھر:۱)

شرح (83): چنانچہ غور کرو کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟۔۔۔۔۔ اپنی نگاہوں کے سامنے دنیا کے جاتے رہنے پر عبرت پکڑو، کیا یہ کسی کے پاس باقی رہی؟۔۔۔۔۔ اس دنیا میں سے کچھ باقی رہنا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی (پتلے) کو انسان کہا گیا حالانکہ ان کے قالب میں اس وقت جان وروح، ڈالی بھی نہیں گئی تھی۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ انسان ایسے حصۂ جسم کا نام ہے جس کا تجزیہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کا مقام دل ہے کیونکہ آدمی کے تمام صفات کی بنیاد یہی دل ہے یہ قول بھی باطل ہے اس لئے کہ اگر کوئی مار ڈالا جائے اور اس کا دل نکال کر پھینک دیا جائے تب بھی انسانیت کا نام اس سے جدا نہیں ہوتا اور نفخ روح سے پہلے باتفاق حضرت آدم علیہ السلام کے قالب میں دل نہ تھا۔

مدعیانِ تصوف کا ایک گروہ انسان کے معنیٰ میں شدید غلطی پر اصرار کرتا ہے اس کا قول ہے کہ انسان میں کھانے پینے اور تغیر پذیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے انسان کا وجود خدا کا ایک بھید ہے اور جسم اس کا لباس، یہ خدا کا بھید، امتزاجِ طبع اور جسم وروح کے اتحاد میں پنہاں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام غافل، دیوانے، فاسق و فاجر اور تمام کافروں کے ساتھ بھی انسانیت کا نام مستعمل ہے حالانکہ ان میں ان کے مزعومہ میں اَسرارِ الٰہی کا نام ونشان تک نہیں۔ وہ سب متغیر اور اپنے وجود میں کھانے پینے والے ہیں۔ اسی طرح شخصی وجود کے بھی کوئی معنی نہیں کہ اسے انسان کہا جائے خواہ وہ موجود ہو یا ناپید؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان تمام عناصر کو جن سے ہم مرکب ہیں انسان ہی فرمایا ہے باوجود ان معانی کے جو بعض آدمیوں میں نہیں ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ علیھم السلام ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایسا ہی ہے کہ پانی پانی میں مل جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں سے آزمائشوں اور مصائب کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، ج ۴، ص ۳۸۶، رقم الحدیث ۴۰۳۵، مطبوعۃ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام سے پوچھا گیا، اے انبیاء علیھم السلام میں سے سب سے طویل عمر پانے والے نبی! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ ارشاد فرمایا، دو دروازوں کی مثل، ایک سے میں داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکل گیا۔

الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (84) بے شک ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند (نطفہ) کیا ایک مضبوط جگہ (رحم) میں، پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹکی بنایا اور پھر اس کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈی اور پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا یا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ، سب سے بہتر بنانے والا۔ (85) (المؤمنون: ۱۲، ۱۳، ۱۴)

شرح (84): وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○

اور بیشک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے

شرح (85): تخلیق انسانی کے مراحل

اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قیوم ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک لحہ میں ہزاروں انسانوں کو پیدا فرما دے مگر وہ قادرِ مطلق اپنی قدرتِ کاملہ کے باوجود اپنی حکمتِ کاملہ سے انسانوں کو بتدریج شرفِ وجود بخشتا ہے۔ چنانچہ نطفہ ماں کی بچہ دانی میں پہنچ کر طرح طرح کی کیفیات اور قسم قسم کے تغیرات سے ایک خاص قسم کا مزاج حاصل کر کے جما ہوا خون بن جاتا ہے۔ پھر وہ جما ہوا خون گوشت کی ایک بوٹی بن جاتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی ہڈیاں بن جاتی ہیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھ جاتا ہے اور پورا جسم تیار ہو جاتا ہے پھر اُس میں رُوح ڈالی جاتی ہے اور یہ بے جان بدن جان دار ہو جاتا ہے اور اس میں نطق اور سمع و بصر وغیرہ کی مختلف طاقتیں ودیعت رکھی جاتی ہیں۔ پھر ماں اس بچہ کو جنتی ہے اس طرح مختلف منازل و مراحل کو طے کر کے ایک انسان بتدریج عالم وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے تخلیق انسانی کے ان مراحل کا نقشہ ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے۔

تخلیق انسانی کے ان مختلف مراحل سے گزرنے میں خداوند قدوس کی کون کون سی حکمتیں اور کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں؟ ان کو بھلا ہم عام انسان کیا اور کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟

لیکن کم سے کم ہر انسان کے لئے اس میں عبرتوں اور نصیحتوں کے بہت سے سامان ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لہٰذا بفرمان الٰہی جو تمام سچوں سے بڑھ کر سچا ہے۔ یہ مخصوص صورت جو اعضاء وطبائع اور مزاجوں سے مرکب ہے اس کا نام انسان رکھا ہے جیسے کہ اہل سنت و جماعت کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ انسان اس صورت کا نام ہے جو ان صفات کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ اس کے نام کو اس کی موت سے جدا نہیں کرتی یہاں تک کہ ظاہر و باطن کی جو کیفیت اس صورتِ مخصوصہ پر مترتب ہے اسی ظرف وآلہ ہی کا نام انسان ہے اس صورتِ معہودہ ومخصوصہ سے مراد، تندرست و بیمار ہونا اور آلہ موسومہ سے مراد مجنون و پاگل ہے اور غافل ہونا ہے۔ باتفاق جو خلقت میں صحیح تر ہو گا وہ اتنا ہی کامل تر ہو گا۔

کامل تر انسان:

واضح ہو کہ محققین کے نزدیک کامل تر انسان، باعتبارِ ترکیب، تین معنیٰ سے ہوتا ہے ایک تو روح، دوسرے نفس، تیسرے جسم۔ اور اس کے ہر ذات وجود کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ روح کے لئے عقل، نفس کے لئے خواہش (ہوا) اور جسم کے لئے احساس، انسان سارے عالم کا نمونہ ہے اور عالم نام دونوں جہان کا ہے۔ انسان میں دونوں جہان کی نشانیاں موجود ہیں۔ اِس جہان کی نشانی پانی، مٹی، ہوا اور آگ ہے اسی سے بلغم، خون، صفراء اور سودا کی ترکیب ہے اور اُس جہان کی نشانی جنت و دوزخ اور میدانِ قیامت ہے۔ انسان میں جنت کی لطافت کی قائم مقام روح ہے۔ اور دوزخ کی آفت اور اس کی ہولناکیوں کا قائم مقام نفس ہے اور میدانِ قیامت کا قائم مقام جسم ہے۔ ان دونوں معنیٰ کا جمال و پرتو قہر و محبت ہے۔ لہٰذا جنت خدا کے رضا کی تاثیر اور دوزخ اس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مومن کی روح معرفت کی راحت، اور اس کا نفس حجاب وضلالت سے ہے۔ جب تک مومن روزِ قیامت دوزخ سے نجات حاصل کر کے جنت میں نہ پہنچے وہ دیدارِ الٰہی کی حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور مراد کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تا کہ انسان یہ سوچتا رہے اور کبھی اس سے غافل نہ رہے کہ میں اصل میں کیا تھا؟ اور خداوند قدوس نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا؟ یہ غور کر کے خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لائے اور کبھی فخر و تکبر اور خودنمائی کو اپنے قریب نہ آنے دے اور یہ سوچ کر کہ میں نطفہ کی ایک بوند سے پیدا ہوا ہوں ہمیشہ عاجزی و فروتنی کے ساتھ منکسر المزاج بن کر زندگی بسر کرے اور یہ سوچ کر قیامت پر بھی ایمان لائے کہ جس خدا نے مجھے ایک بوند نطفہ پانی سے انسان بنا دیا وہ بلاشبہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ مجھے زندہ کر کے میرے اعمال نیک و بد کا حساب لے گا۔

تحقیق سے ہم کنار نہیں ہوسکتا اور نہ قربت و معرفت کی حقیقت جو روح ہی کی اصل ہے حاصل کرسکتا ہے۔
جو شخص دنیا میں خدا کو پہچانتا ہے وہ دوسروں سے منہ موڑ کر راہِ شریعت پر قائم رہتا ہے وہ روزِ قیامت نہ دوزخ میں جائے گا اور نہ پل صراط کی دشواریوں سے دوچار ہوگا۔
خلاصہ یہ ہے کہ مومن کی روح اسے جنت کی طرف بلاتی ہے کیونکہ روح دنیا میں جنت کا نمونہ ہے اور نفس دوزخ کی طرف لے جانے والا ہوتا ہے کیونکہ نفس دنیا میں دوزخ کا نمونہ ہے مومن و عارف ربانی کے لئے عقل مدبر کامل ہے اور جاہل و نادان کے لئے نفس کی خواہشیں نکمی قائد ہیں۔ عارف کے عقل کی تدبیر درست و صواب اور ان کے ماسوا کی خطا و غلط، لہٰذا طالبانِ راہ حق پر واجب ہے کہ ہمیشہ نفس کی مخالفت کی راہ پر جمے رہیں تاکہ اس کی مخالفت میں عقل و روح مدد کرتی رہے۔ کیونکہ وہ اسرارِ الٰہی کا مقام ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

حقیقتِ نفس (86) میں مشائخ کے اقوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

شرح (86) :نفس کے عیوب پہچاننے کا بیان:

سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شمار، دو عالَم کے مالک و مختار، حبیبِ پروردگار عَزَّ وَجَلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ والاشان ہے:
اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ۔
ترجمہ: جب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔
(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزھد وقصر الأمل، الحدیث ۱۰۵۳۵، ج۷، ص۳۴۷)
اپنے عیوب پہچاننے کے طریقوں میں سے سب سے بہترین طریقہ یہ ہے، کہ انسان اپنے مُرشد کے سامنے بیٹھے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرے، کبھی اسی وقت اس پر اپنے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی اس کا مُرشد اسے اس کے عیوب سے آگاہ کر دیتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے اعلیٰ و بہترین ہے، مگر آج کل یہ بہت مشکل ہے۔
دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی نیک دوست تلاش کرے، جو اس معاملہ کے اسرار سے واقف ہو، اس کی صحبت اختیار کرے اور اسے اپنے نفس کا نگران بنائے، تاکہ وہ اس کے اَحوال کو ملاحظہ کر کے اس کے عیوب سے آگاہ کرے۔ اَکابر ائمہ دین اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اشد العذاب رویته النفس وتدبیرها بندے کے لئے سخت ترین حجاب، نفس کو دیکھنا اور اس کی تدبیر کی پیروی کرنا ہے۔

کیونکہ نفس کی پیروی میں حق تعالیٰ کی مخالفت مخفی ہے اور حق تعالیٰ کی مخالفت حجابات کا منبع ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے تھے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب بتائے۔ جب حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اپنے عیبوں کے بارے میں پوچھا: کیا آپ تک میری کوئی ایسی بات پہنچی ہے جو آپ کو ناپسند ہو؟ انہوں نے بتانے سے معذرت کی، لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا تو حضرت سیِّدُ نا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے دسترخوان پر دو سالن جمع کرتے ہیں اور آپ کے پاس دو جوڑے ہیں، ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: اس کے علاوہ بھی کوئی بات پہنچی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: نہیں۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر صرف یہی دو ہیں تو میں انہیں کافی ہو جاؤں گا۔

حضرت سیِّدُ نا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ منافقین کی پہچان کے معاملے میں رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے رازدار تھے، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے پوچھتے: کیا آپ کو مجھ میں منافقت کے آثار نظر آتے ہیں؟ تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر بلند مرتبہ اور عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اس طرح اپنے نفس کو اس قدر تہمت لگاتے تھے۔

اگر تجھے کوئی دوست نہ ملے تو اپنے حاسدین کی باتوں پر غور کر، تُو ایسے حاسد کو پائے گا جو تیرے عیبوں کا متلاشی ہوتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا ہے، پس تو اس سے فائدہ اٹھا اور اس کی طرف سے بتائے جانے والے تمام عیوب کے ساتھ اپنے نفس کو متَّہم جان اور اگر کوئی شخص تجھے تیرے عیب بتائے تو اس پر غضب وغصہ نہ کر کیونکہ عیوب سانپ اور بچھو ہیں جو دنیا و آخرت میں تجھے ڈستے ہیں۔ کیونکہ جو شخص تجھے بتائے کہ تیرے کپڑوں کے نیچے سانپ ہے تو تو اس شخص کا احسان مند ہوتا ہے، لیکن اگر تو اس پر غصہ کرے تو یہ آخرت میں تیرے ایمان کی کمزوری پر دلیل ہے۔ اور اگر تو اس کی نصیحت سے فائدہ اٹھائے تو یہ تیری قوتِ ایمانی پر دلیل ہے اور جان لے کہ ناراض ہونے والی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے، اور ایمان کا قوِی ہونا تجھے اس وقت فائدہ دے گا جب تو حاسدوں کی ملامت کو غنیمت جانے اور ان عیوب سے بچے۔ (لُبابُ الِاحْیاء ص ۲۱۵۔۲۱۶)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

النفس صفة لا تسكن الا بالباطل نفس کی خو بو ایسی ہے کہ وہ باطل ہی سے چین پاتا ہے۔ اور راہِ حق سے اسے کبھی فرحت محسوس نہیں ہوتی۔ (87)

حکیم ترمذی حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

تريد ان تعرف الحق مع بقاء نفسك فيك ونفسك لا تعرف نفسها فكيف تعرف غيرها تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے نفس کی بقاء کے باوجود جو تمہارے اندر ہے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ تمہارا نفس اپنے وجود کے باقی رکھنے کی تدبیر سے بھی آشنا نہیں ہے وہ اپنے غیر کو کیسے پہچان سکے گا؟

مطلب یہ ہے کہ نفس تو خود اپنے بقا کی حالت سے نابلد اور محجوب ہے اور جو خود اپنے آپ سے نابلد و محجوب ہو وہ حق تعالیٰ کو کس طرح پہچان سکے گا۔؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اساس الكفر قيامك على مراد نفسك کفر کی بنیاد، اپنے نفس کی آرزو پر تیرا قائم رہنا ہے۔ گویا نفس کی خواہشات پر قائم رہنے میں بندے کے لئے کفر کی بنیاد ہے (88) کیونکہ اسلام کی

شرح (87): نفسانی اور شیطانی خواہش میں فرق

اس قسم کی خواہش یا تو نفسانی ہوا کرتی ہے یا شیطانی جس کے دو امتیاز سَہل (یعنی آسان) ہیں، ایک یہ کہ شیطانی خواہش میں بہت جلد کا تقاضا ہوتا ہے کہ ابھی کرلو اَلْعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطٰنِ عجلت (یعنی جلدی) شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی، کتاب البر، باب ماجاء فی الاَنی والعجلۃ، الحدیث ۲۰۱۹، ج ۳، ص ۴۰۷)

اور نفس کو ایسی جلدی نہیں ہوتی۔ دوسری یہ کہ نفس اپنی خواہش پر جما رہتا ہے جب تک پوری نہ ہو اُسے بدلتا نہیں۔ اُسے واقعی اُسی شے کی خواہش ہے۔ اگر شیطانی ہے تو ایک چیز کی خواہش ہوئی، وہ نہ ملی، دوسری چیز کی ہوگئی ،وہ نہ ملی تیسری کی ہوگئی اس واسطے کہ اُس کا مقصد گمراہ کرنا ہے خواہ کسی طور پر ہو۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۵۸)

شرح (88): حضور نبی پاک، صاحبِ لَوْلَاک، سیاحِ افلاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اس فرمان سے بھی یہی مراد ہے:

اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لطافت کے ساتھ نفس کو کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ لہٰذا خواہشات نفس سے اعراض کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے اس سے پہلوتہی کرنے والا منکر ہوتا ہے بلکہ منکر بیگانہ حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

النفس مانعة بالاخائنة مانعة من الرضا وافضل الاعمال خلافها نفس، امانت میں خیانت کرنے والا اور رضائے الٰہی سے روکنے والا ہے اور سب سے بہتر عمل نفس کشی ہے۔

کیونکہ امانت میں خیانت بے گانگی اور رضائے الٰہی کے ترک میں گمشدگی ہے اس سلسلے میں مشائخ کے اقوال بکثرت ہیں جن کی تفصیل پیش کرنا دشوار ہے۔

اب میں اپنے مقصود کی طرف آتا ہوں اور حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے اثبات اور ان کے مجاہدۂ نفس، ریاضت اور حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق!

مجاہدۂ نفس کی بحث

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (89) جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا یقیناً ہم نے انہیں اپنا رستہ دکھایا (90) (العنکبوت:۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ترجمہ: تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے پہلوؤں کے درمیان ہے۔

(الزھد الکبیر للبیہقی، الجزالثانی، فصل فی ترک الدنیاومخالفۃ النفس والھوی، الحدیث ۳۴۳، ص ۱۵۶۔۱۵۷)

(نفس سے دُشمنی) نفس سے جہاد کرنا ہے۔ اور نفس کی خواہشات کو توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شرح (89): وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

ترجمہ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

(پ۲۱، العنکبوت:۶۹)

شرح (90): حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ معنیٰ یہ ہیں کہ جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انہیں ثواب کی راہ دیں گے۔ حضرت جنید نے فرمایا جو توبہ میں کوشش کریں گے انہیں اخلاص کی راہ دیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا جو طلبِ علم میں کوشش کریں گے انہیں ہم عمل کی راہ دیں گے۔ حضرت سعد بن عبداللہ نے فرمایا جو اقامتِ سنّت میں کوشش کریں گے ہم انہیں جنّت کی راہ دکھادیں گے۔ (خزائن العرفان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِي اللّٰهِ (91) مجاہد وہ ہے جس نے راہِ خدا میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ (92)

شرح (91): (ابوداؤد، مرآۃ المناجیح، ج۵، ص ۲۴۲)

شرح (92): پیارے بھائیو! ہم جانتے ہیں کہ نفس کے خلاف جہاد، جہاد اکبر ہے چنانچہ رب قدیر (عزوجل) کا فرمان عبرت بار ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کرلو (پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۹۴)

نیز نفس کے حیلوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جاسکتا بلکہ بے حد احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کیونکہ نفس بہت مکار اور فسق و فجور کی طرف مائل رہنے والا ہوتا ہے اور فاسق کی خبر کے بارے میں رب کائنات (عزوجل) کا فرمان عالی شان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو

(پارہ ۲۶، سورہ حجرات، آیت ۶)

گویا نفس مکار کے حیلوں کی تفتیش شریعت کے مطابق کرنا ضروری ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ

ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اسکا نفس ڈالتا ہے

(پارہ ۲۶، سورہ قٓ، آیت ۱۶)

پیارے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ ذکر فرمایا تا کہ بندہ مستقبل کے بارے میں احتیاط سے کام لے چنانچہ، حضرت سیدنا عبادہ بن صامت (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم، شاہ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور آپ نے فرمایا کہ:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ اَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ اب ہم چھوٹے جہاد یعنی غزوے سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا سن لو! وہ نفس سے مجاہدہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدۂ نفس کو جہاد یعنی غزوات پر فضیلت دی ہے اس لئے کہ اس میں رنج و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اِذَا اَرَدْتَ اَمْرًا فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهٗ فَاِنْ كَانَ رُشْدًا فَامْضِهٖ وَاِنْ كَانَ غَيًّا فَانْتَهِ عَنْهُ

ترجمہ: جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام کے بارے میں سوچو اگر وہ اچھا ہے تو اسے کرو (اور اگر) اس کا نتیجہ غلط نظر آتا ہو تو اس سے بچو۔ (کنز العمال، جلد ۳ ص ۱۰۱، حدیث ۵۶۷۶)

کسی دانا کا قول ہے کہ اگر عقل کو خواہش پر غالب رکھنا چاہتے ہو تو خواہشات کی پیروی اس وقت تک نہ کرو جب تک ان کے انجام پر غور نہ کرلو کیوں کہ دل میں ندامت کا ٹھہرنا، خواہش پورا نہ ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔

ایسے ہی حضرت سیدنا لقمان حکیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے فرمایا جب مومن اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے تو ندامت سے محفوظ رہتا ہے۔

اور کچھ ایسا ہی مضمون حضرت سیدنا شداد بن اوس (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ

ترجمہ: سمجھدار وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے اور اسکے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے انعام کی خواہش کرے۔

(مسند امام احمد بن حنبل (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، جلد ۴، ص ۱۲۴، مرویات شداد بن اوس)

اپنے انجام سے غافل رہنے والوں کا یہ قول رب کائنات نے اپنے قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے:

اَئِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ

ترجمہ کنز الایمان: تو کیا ہمیں جزاء وسزا دی جائے گی (فیضانِ احیاء العلوم ۷۷)

مشقت زیادہ ہے اور اس میں پائمال کرنا واجب ہے اور مجاہدۂ نفس میں نفس کو مغلوب و مقہور کرنا ہے۔ (93)

شرح (93): رسولِ اکرم، نبیِّ مکرّم، نورِ مجسّم، شہنشاہِ بنی آدم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

ترجمہ: ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹے۔

(الزھد الکبیر للبیھقی، الجزالثانی فصل فی ترک الدنیا ومخالفۃ النفس والھوی، الحدیث ۳۷۳، ص ۱۶۵، مفہوماً)

جان لو! نفس کی کچھ بیماریاں ہیں جن سے اس کا پاک وصاف ہونا ضروری ہے اس طرح وہ ہمیشہ کی سعادت اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا قُرب حاصل کرسکتا ہے۔

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَوْلاک، سیاحِ اَفلاک صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ يُذِيْبُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا تُذِيْبُ الشَّمْسُ الْجَلِيْدَ

ترجمہ: بے شک اچھے اخلاق گناہ کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے۔

(شعب الایمان للبیھقی، باب فی حسن الخلق، الحدیث ۸۰۳۶، ج ۶، ص ۲۴۷۔۲۴۸)

حضرت سیِّدُنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر تھے، نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: گذشتہ رات میں نے ایک عجیب بات دیکھی، میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گھٹنوں کے بل جُھکا ہوا تھا، اس کے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے درمیان حجاب تھا پس حُسنِ اخلاق آیا اور اس نے اسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے قرب میں پہنچا دیا۔

(مکارم الاخلاق للخرائطی، باب ثواب حسن الخلیقۃ وجسیم خطرھا، الحدیث ۴۹، ج ۱، ص ۵۲)

اچھے اور بُرے اخلاق کا بیان:

کہا جاتا ہے کہ فلاں اچھے خَلْق اور اچھے خُلُق یعنی اچھے ظاہر و باطن والا ہے۔ ظاہر کا حُسن خوبصورتی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور باطنی حُسن سے مراد بُری صفات پر اچھی صفات کا غالب ہونا ہے اور باطن میں تفاوُت (یعنی فرق)، ظاہر میں تفاوت سے زیادہ ہوتا ہے اور اسی کی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے اس فرمانِ اقدس میں اشارہ فرمایا، چنانچہ ارشادِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو اے عزیز! اللہ تعالیٰ تمہیں عزت بخشے، آگاہ رہو کہ مجاہدۂ نفس کا طریقہ کتاب و سنت سے واضح و ظاہر ہے اور تمام دینوں اور سب ملتوں میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ اہل طریقت تو خاص طور سے اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ

ترجمۂ کنزالایمان: میں مٹی سے انسان بناؤں گا پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں۔ (پ23 ص:71۔72)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اس آیت مبارکہ میں آگاہ فرمایا کہ انسان کی ظاہری صورت مٹی سے بنی ہوئی ہے اور اس کی باطنی صورت اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے عالمِ اَمر سے ہے۔ لہٰذا حُسنِ خلق سے ہماری مراد باطنی صورت کا اچھا ہونا ہے پس جس قدر بندہ بری صفات سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، اس کے بدلے میں اچھی صفات پائی جاتی ہیں، پس یہی اچھے اخلاق ہیں اور حُسنِ اخلاق کی مکمل صورت اللہ کے رسول، رسولِ مقبول عَزَّ وَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے لئے ہے، کیونکہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم حُسنِ اخلاق کے اس معنی میں درجۂ کمال پر فائز ہوئے۔

نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے:

حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ۔

ترجمہ: اپنے اخلاق کو سنوارو۔

(جامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، الحدیث ۱۹۸۷، ص۱۸۵۱، مفھومًا)

آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے یہ فرما کر اس بات سے آگاہ فرمایا، کہ اخلاق تبدیلی کو قبول کرتے اور تصرف سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا تجھے غصہ، شہوت اور حرص سے بچنے کی کوشش کرنی چاہے اور یہ تمام صفات حکمِ شرع کے مطابق ہونی چاہئیں، پس جب تو ایسا کریگا تو مقصد حاصل ہوجائے گا اور یہ چیز ناپسندیدہ اشیاء پر صبر کرنے اور مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے تاکہ اس کے بعد یہ عادت بن جائے۔

سیِّدُ المبلغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِین صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ والاشان ہے: اَلْخَیْرُ عَادَۃٌ ترجمہ: بہترین چیز عادت ہے۔ (سنن ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، الحدیث ۲۲۱، ص۲۴۹۰)

مثال کے طور پر جو شخص اصل فطرت سے سخی نہ ہو تو وہ تکلف سے اس عادت کو اپناتا ہے اور اسی طرح جس کی تخلیق تواضع پر نہ ہو تو اسے اس چیز کو عادت بنانے میں مشقت ہوتی ہے اور اسی طرح وہ تمام صفات جن کا علاج ان کی ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے حتّٰی کہ مقصد حاصل ہوجائے چنانچہ عبادات پر ہمیشگی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملحوظ رکھتے ہیں اور تمام عام و خاص مشائخ میں اس کے معمولات جاری و مستعمل ہیں۔اس بارے میں مشائخ کے بکثرت رموز واشارات ہیں۔حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ تو اس خصوص میں بہت زیادہ اصرار کرتے ہیں مجاہدے کے سلسلہ میں ان کے دلائل و براہین بکثرت ہیں۔عرفاء فرماتے ہیں کہ حضرت سہل کی عادت تھی کہ ہر پندرہویں روز ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔اتنی قلیل غذا پر انہوں نے طویل عمر پائی۔ (94) تمام محققین نے مجاہدے کو ثابت کیا ہے اور اسے مشاہدے کا ذریعہ بتایا ہے۔مشائخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور خواہشات کی مخالفت باطنی صورت کو حسین بنا دیتے ہیں اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے اُنس حاصل ہو جاتا ہے۔

شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُودو نوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے:

اُعْبُدِ اللّٰہَ بِالرِّضَا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ خَیْرٌ کَثِیْرٌ۔

ترجمہ: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت رضامندی سے کرو اگر ایسا نہ ہو سکے تو ناگوار بات پر صبر کرنے میں بہت زیادہ بھلائی ہے۔(شعب الایمان للبیھقی، باب فی الصبر علی المصائب، فصل فی ذکر ما فی الأوجاع ۔۔۔۔۔۔الخ، الحدیث ۱۰۰۰۰، ج ۷، ص ۲۰۳، بتغیر)

پس ابتداء میں صبر کر یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، کیونکہ اصل فطرت بھی باطنی صورت کے حُسن کا تقاضا کرتی ہے اور اسی طرف مائل ہوتی ہے اور عیناً کرم، رسولِ محتشم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے اس فرمانِ عالیشان میں اسی جانب اشارہ فرمایا: اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا ترجمہ: ایک حسنہ دس نیکیوں کے برابر ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم، الحدیث ۱۸۹۴، ص ۱۴۸)

اور یہی اصلِ فطرت کی موافقت ہے۔

شرح (94): مجاہدے کے معنی

مجاہدہ اس آیہ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی O فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی O

جو اپنے رب (عَزَّ وَجَلَّ) کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہشوں سے روکے بے شک تو جنت ہی ٹھکانہ ہے۔(پ ۳۰، النّزعٰت: ۴۰، ۴۱)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرماتے ہیں کہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجاہدے کو مشاہدے کی علت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ طالب کے لیے عرفانِ حق میں مجاہدہ نہایت موثر عمل ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ دنیاوی زندگانی کو جو طالب عرفانِ حق میں ہو اس آخرت کی زندگانی کے مقابلہ میں جو حصول مراد سے تعلق رکھتی ہے افضل بتاتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کا یہ ارشاد ہے کہ اخروی حصول مراد، اس دنیوی مجاہدے کا ثمرہ ہے۔ جب تم دنیا میں خدمت و عبادت کرو گے تو آخرت میں قربت پاؤ گے۔ بغیر خدمت کے وہ قربت حاصل نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ یہ اتنا ضروری ہے کہ وصولِ حق کی علت بندہ کا مجاہدہ ہے بشرطیکہ خدا اس کی توفیق بخشے۔

المشاهدة مواريث المجاهدات مجاہدوں کی میراث مشاہدہ ہے۔

اس کے برعکس دیگر مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ وصولِ حق کے لیے کوئی علت و سبب نہیں ہے جو بھی واصل ہوتا ہے وہ فضلِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ فضل کے مقابلہ میں بندے کے افعال کی کیا حقیقت؟ مجاہدہ تو تہذیب نفس اور اس کے تزکیہ کے لیے ہے نہ کہ حقیقت قریب کے لیے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجاہدے کی طرف رجوع ہونا بندے کی جانب سے ہے اور مشاہدہ کے احوال حق تعالیٰ کی طرف اس صورت میں محال ہے کہ بندے کے افعال اس کا سبب یا اس کا آلہ بن سکیں۔ اس مسئلہ میں ان کے خلاف حضرت سہیل یہ دلیل پیش

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہی جہادِ اکبر ہے۔ حدیث میں ہے: جہادِ کفار سے واپس آتے ہوئے فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ

ہم اپنے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پھرے۔

(کشف الخفاء، حرف الراء المہملۃ، الحدیث ۱۳۶۰، ج۱، ص ۳۷۵)

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کِھلاتے ہیں

ایک صاحب کو اَنار کی خواہش میں تیس برس گزر گئے اور نہ کھایا۔ اِس کے بعد خواب میں زِیارتِ اَقدس حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ فرماتے ہیں: اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا تیرے نفس کا بھی کچھ تجھ پر حق ہے۔ صبح اٹھے انار کھایا۔ اب نفس نے دودھ کی خواہش کی، فرمایا تیس برس خواہش کر پھر شاید حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائیں اور فرمائیں، اس سے یہی بہتر ہے کہ صبر کر۔ فوراً خواہش دُور ہو گئی۔

کرتے ہیں کہ:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (95) جس نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا یقیناً ہم اسے اپنی راہ دکھاتے ہیں۔ (العنکبوت:٦٩)

مطلب یہ کہ جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ پاتا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت، شریعت کا قیام، کتابوں کا نزول اور تمام احکام مکلّفہ یہ سب مجاہدے ہی تو ہیں۔ اگر مجاہدہ مشاہدے کی علت نہ ہوتو ان سب کا حکم باطل قرار پاتا ہے۔ نیز دنیا وآخرت کے تمام احکام، علل وحکم کے ساتھ ہی متعلق ہیں۔ جو حکم سے علت کی نفی کرتا ہے وہ شریعت اور اس کے احکام کو اٹھاتا ہے۔ اس صورت میں نہ اصل میں احکام مکلّفہ کا ثبوت درست ہوگا اور نہ فرع میں۔ کھانا بھوک کو ختم کرنے اور لباس سردی کو دور کرنے کی علت ہوتے ہیں لہٰذا علتوں کی نفی سے تمام مقصود ومعانی میں تعطل وخلل واقع ہوتا ہے لہٰذا افعال میں اسباب پر نظر توحید اور اس کی نفی تعطیل ہے۔ اس بارے میں ان کے مسلک کے بموجب مشاہدے کے اثبات میں دلائل ہیں اور مشاہدہ کا انکار، مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سرکش گھوڑے کو چابک کے ذریعہ سدھا کر بہادری کی شان پیدا کی جاتی ہے اور اس کی سرکشی کو ختم کیا جاتا ہے اور آخر میں وہی چابک زمین سے اٹھا کر گھوڑا خود مالک کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور اپنے منہ میں لگام لے لیتا ہے۔ اس طرح نادان عجمی بچے پر محنت کر کے عربی زبان سکھا دی جاتی ہے اور اس کی طبعی بولی کو بدل دیا جاتا ہے پھر یہ کہ وحشی جانوروں کو ریاضت کے ذریعہ ایسا سدھا دیا جاتا ہے کہ جب اسے چھوڑتے ہیں تو وہ خود چلا جاتا ہے اور جب بلاتے ہیں تو آجاتا ہے۔ پنجرے میں رہنا آزادی اور چھوڑنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ناپاک کتے کو سدھا کر اس منزل تک پہنچا دیا جاتا ہے کہ اس کا شکار حلال ہوجاتا ہے حالانکہ آدمی کے بغیر سدھائے اس کا شکار حرام ہے۔ اس قوم کی بے شمار مثالیں ہیں۔ لہٰذا پوری شریعت اور اس کے احکام کا مدار مجاہدے پر

شرح (95): وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

(پ٢١، العنکبوت:٦٩)

ہے۔ (96) اللہ کے حبیب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بکثرت مجاہدے فرمائے ہیں۔ آپ کو حصولِ قرب،

شرح (96): مجاہدہ کرنا:

مجاہدہ یہ ہے کہ اگر نفس سے خیانت ظاہر ہو تو وہ اسے سزا دے اور اگر وہ نیکی نہ کرے اور اطاعت بجا نہ لائے تو نفس کا مجاہدہ کرے اور اسے سخت مجاہدات پر امادہ کرے مثلاً اگر وہ نماز باجماعت یا نوافل میں سستی کرے تو پوری رات عبادت میں جاگنا اپنے اوپر لازم کرے، لیکن اگر وہ شب بیداری سے انکار کرے، تو اپنے نفس پر مجاہدہ کی فضیلت میں وارِد ہونی والی آیات واحادیث پڑھے۔

نفس کو جھڑ کنا:

یاد رکھو! تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے، جو تمہارے پہلوؤں میں ہے۔ اسے یوں پیدا کیا گیا کہ وہ برائی کا حکم دینے والا، شر کی طرف مائل ہونے والا اور نیکی سے بھاگنے والا ہے اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے نفس سے مجاہدہ کرو، اسے زبردستی اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت کی طرف مائل کرو اور عبادات کرنے اور شہوات ترک کرنے کے ساتھ اسے پاک کرو۔ اگر تم اسے بالکل ڈھیل دے دوگے، تو وہ سرکش ہو جائے گا، بھاگ جائے گا اور تجھ پر غالب آ جائے گا، تو اس کے بعد تیری اطاعت نہ کریگا۔ اگر تم اسے مسلسل جھڑکتے اور عتاب کرتے رہو گے، تو یہ تمہاری اطاعت کریگا اور ترقی کر کے نفس لوّامہ بن جائے گا اور اسی طرح نفسِ لوّامہ نفسِ مُطْمَئِنَّہ بن جائے گا، پس وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے بندوں میں داخل ہو جائے گا وہ اس طرح کہ وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے راضی اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس سے راضی ہوگا، لہٰذا تم نفس سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ رہو اور جب تک اس کی اصلاح نہ کرلو دوسرے کو نصیحت نہ کرو۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سَیِّدُ نا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے اِرشاد فرمایا: اے ابن مریم! اپنے نفس کو نصیحت کرو، اگر اس نے نصیحت مان لی، تو لوگوں کو نصیحت کرنا ورنہ مجھ سے حیاء کرنا۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

ترجمۂ کنز الایمان: اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ (پ 27 الذّٰریٰت: 55)

پس تم پر لازم ہے کہ اپنے نفس پر توجہ دو اور اسے بار بار اس کی حماقت، جہالت اور دھوکا دہی بتاؤ اور اُسے کہو: تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو لوگوں کو احمق وجاہل بتاتا ہے، حالانکہ تو خود سب سے بڑا جاہل ہے، بے شک تو جنت یا دوزخ کی طرف جائے گا اور تجھے کیا ہے کہ تو لہو ولعب اور ہنسنے میں مشغول ہے، حالانکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وصول مقصود، عافیت عقبیٰ اور قیام بر عصمت حاصل تھا۔ اس کے باوجود بھوکے رہے۔ طویل مدت تک صومِ وصال رکھے اور کتنی ہی راتوں تک شب بیداری فرمائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (97) اے محبوب! آپ پر قرآن ہم نے اس لیے نازل نہیں کیا کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالیں۔ (98) (طٰہٰ: ۱، ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینٹیں اٹھا رہے تھے (99) اور میں دیکھ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہو رہی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو ہر اس کام کے لئے مطلوب ہے، شاید تو موت کو دور سمجھتا ہے حالانکہ وہ قریب ہے، شاید موت آج دن، رات یا کل آجائے اور مستقبل میں واقع ہونے والی ہر چیز قریب ہی ہوتی ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ اچانک آئے گی اور اس سے پہلے کوئی قاصد نہیں آئے گا۔ (لبابُ الاحیاء صفحہ ۳۷۵)

شرح (97): طٰهٰ ٥ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ٥

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو

(پ۱۶، طٰہٰ: ۱، ۲)

شرح (98): شانِ نزول: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت میں بہت جہد فرماتے تھے اور تمام شب قیام میں گزارتے یہاں تک کہ قدم مبارک ورم کر آتے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازِل ہوئی اور جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بحکمِ الٰہی عرض کیا کہ اپنے نفسِ پاک کو کچھ راحت دیجئے اس کا بھی حق ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کے کفر اور ان کے ایمان سے محروم رہنے پر بہت زیادہ متأسف و متحسّر رہتے تھے اور خاطرِ مبارک پر اس سبب سے رنج و ملال رہا کرتا تھا اس آیت میں فرمایا گیا کہ آپ رنج و ملال کی کوفت نہ اٹھائیں قرآنِ پاک آپ کی مشقت کے لئے نازِل نہیں کیا گیا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (99): مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان با جماعت نماز پڑھ سکیں اس لئے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی بنو النجار کا ایک باغ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مسجد تعمیر کرنے کے لئے اس باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا۔ ان لوگوں نے یہ کہہ کر یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم خدا ہی سے اس کی قیمت (اجر و ثواب) لیں گے۔ مفت میں زمین مسجد کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اینٹوں کا کام میرے سپرد فرمادیں میں یہ خدمت بجا لاؤں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ!

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تعمیر کے لئے پیش کردی لیکن چونکہ یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کے لئے نذر کرنی چاہی مگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرمادی۔ (مدارج النبوت، قسم سوم، باب اول، ج ۲ ص ۶۷، ۶۸)

اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں۔ آپ نے درختوں کے کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ پھر زمین کو ہموار کرکے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جوش دلانے کے لئے ان کے ساتھ آواز ملا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ ؎

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ   فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

(صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ... الخ، الحدیث: ۴۲۸، ج ۱ ص ۱۶۵)

اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت ہی کی بھلائی ہے۔ لہٰذا اے اللہ! تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔ اسی مسجد کا نام مسجد نبوی ہے۔ یہ مسجد ہر قسم کے دُنیوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی، اس مسجد کی عمارتِ اوّل طول و عرض میں ساٹھ گز لمبی اور چون گز چوڑی تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا مگر جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہوگیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا۔ اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید و توسیع ہوتی رہی۔

مسجد کے ایک کنارے پر ایک چبوترہ تھا جس پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنادی گئی تھی۔ اسی چبوترہ کا نام صفہ ہے جو صحابہ گھر بار نہیں رکھتے تھے وہ اسی چبوترہ پر سوتے بیٹھتے تھے اور یہی لوگ اصحاب صفہ کہلاتے ہیں۔

(مدارج النبوت، قسم سوم، باب اول، ج ۲ ص ۶۸ ملخصاً و المواھب اللدنیۃ والزرقانی، ذکر بناء المسجد النبوی... الخ، ج ۲، ص ۱۸۶)

خُذْ غَيْرَهَا فَإِنَّهُ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ۔ تم اور کام کرو کیونکہ حقیقی عیش تو آخرت کا ہی عیش ہے۔

دنیا تو رنج ومحنت کی جگہ ہے۔ حضرت حیان بن خارجہ مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ جہاد کیا ہے؟ تو فرمایا

اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَاغْزِهَا فَإِنَّكَ إِنْ قُتِلْتَ فَارًّا بَعَثَكَ اللهُ فَارًّا وَإِنْ قُتِلْتَ مِرَائَةً بَعَثَكَ اللهُ مُرَائِيًا وَإِنْ قُتِلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا پہلے اپنے نفس سے جہاد کی ابتداء کرو اور اس کے ساتھ جنگ شروع کرو اب اگر تم بھاگتے ہوئے مارے گئے تو اللہ تعالیٰ بھاگنے والوں میں تمہیں اٹھائے گا اور اگر تم ریاکاری میں مارے گئے تو اللہ تعالیٰ ریاکاروں میں اٹھائے گا اور اگر حصولِ اجر وثواب کے لیے صبر وتحمل میں مارے گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صابروں اور شاکروں میں اٹھائے گا۔

لہٰذا حق تعالیٰ کے معانی کے بیان میں جتنی عباریں تصنیف وتالیف میں مروی وماثور ہیں اتنی ہی مجاہدے کے اصولِ معانی اور اس کی ترکیب وتالیف میں مروی ہیں جس طرح بغیر عبارت وترکیب کے بیان درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح وصولِ حق، بغیر ریاضت ومجاہدے کے درست نہیں۔ جو بغیر مجاہدے کے وصولِ حق کا دعوٰی کرتا ہے وہ غلطی پر ہے اس لیے کہ جہان اور اس کے حدوث کا ثبوت اس کے پیدا کرنے والے کی معرفت کی دلیل ہے، وہاں معرفتِ نفس اور اس کا مجاہدہ، اس کے وصل اور مشاہدے کی دلیل ہے۔ اہل طریقت کے ایک گروہ کی دلیل یہ ہے کہ تفسیر کے لحاظ سے کلمات آیہ مقدم اور مؤخر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (100) أَيْ وَالَّذِيْنَ هَدَيْنَا هُمْ سُبُلَنَا جَاهَدُوْا فِيْنَا۔ جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ دکھاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے اپنی راہ دکھادی ہے وہ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

شرح (100): وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ

ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے

(پ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

لَمْ يَنْجُوْ اَحَدُ كُمْ بِعَمَلِهٖ قِيْلَ وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّاۤ اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ۔ تم میں سے کوئی اپنے عمل کے ذریعہ نجات نہیں پائے گا کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا ہاں میں بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ رکھا ہے۔

لٰہذا مجاہدہ فعلِ بندہ ہے اور یہ محال ہے کہ اس کا فعل اس کی نجات کا موجب بنے کیونکہ بندے کی نجات مشیتِ الٰہی سے متعلق ہے (101) نہ کہ مجاہدے سے؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (102) جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہدایت پائے تو اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہو کہ وہ گمراہ رہے تو وہ اس کے سینہ کو بہت زیادہ تنگ کر دیتا ہے۔ (الانعام: ۱۲۵)

ارشاد ہے کہ:

شرح (101): اہلسنت و جماعت کا یہ عقیدہ بالکل حق ہے کہ مؤمن کی میت مشیّت کے تابع ہے، اگر اللہ عزوجل چاہے تو اس بندے کو ابتداءً ہی معاف فرما کر اس پر نرمی فرمائے اور اس کے مخالفین کو اس سے راضی فرما دے اور پھر نجات پانے والوں کے ساتھ اسے بھی جنت میں داخل فرما دے اور اگر اللہ عزوجل چاہے تو اسے اپنی مشیت کے مطابق عذاب دے گا اور پھر بالآخر اسے معاف فرما کر جہنم سے نکال دے گا، اس وقت وہ جہنم میں جلنے کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہوگا، پھر وہ بندہ نہرِ حیات میں غوطہ لگائے گا تو اسے ایک عظیم حسن و جمال اور تازگی حاصل ہوگی پھر اللہ عزوجل اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس نے اس بندے کے سابقہ ایمان اور اس کے اعمال صالحہ کے مطابق اس کے لئے جو انعامات تیار کئے ہوں گے وہ اسے عطا فرمائے گا جیسا کہ یہ بات بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

شرح (102): فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے۔ (پ ۸، الانعام: ۱۲۵)

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (103) جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے۔(الِ عمران:۲٦)

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے اثبات میں سارے جہان کے افعال کی نفی فرمائی ہے۔اگر مجاہدہ وصولِ حق کا وسیلہ ہوتا تو شیطان مردود نہ ہوتا اگر مجاہدے کا ترک مردود ہونے کی علت ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام ہرگز مقبول و مصفانہ ہوتے۔لہٰذا حصولِ مقصد، فضل و عنایت الٰہی کی سبقت ہے نہ کہ کثرت مجاہدہ۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ جو سب سے زیادہ مجاہدہ کرے وہ سب سے زیادہ محفوظ ہو بلکہ جس پر حق تعالیٰ کی عنایت زیادہ ہے وہی حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے کوئی کلیسا میں رہ کر ہمیشہ طاعت میں مشغول رہتے ہوئے حق تعالیٰ سے دور رہے اور کوئی شراب خانہ میں رہ کر معصیت میں مبتلا ہو کر حق تعالیٰ سے قریب ہے۔ ہر لحاظ سے بچے کا ایمان سب سے زیادہ مشرف ہے کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے اس کا حکم، حکمی ایمان ہے۔یہی حال دیوانوں کا ہے۔ظاہر ہے کہ جب عنایت الٰہی میں زیادہ مشرف ہونے کے لئے مجاہدہ وسیلہ نہیں ہے تو جو بھی اس سے کم ہو اس کے لئے بھی وسیلہ کی محتاجی نہیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تعبیر دو طرح پر خلافِ عمل ہے کیونکہ ایک قول ہے: **من طلب وجد** جس نے چاہا پالیا، اور دوسرا قول ہے: **من وجد طلب** جس نے پایا وہ طالب ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ پانے کا سبب طلب ہوتی ہے اور طلب کا سبب پانا ہے۔ایک مجاہدہ کرتا ہے تاکہ مشاہدہ کرے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے تاکہ مجاہدہ کرے۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ مشاہدے میں مجاہدہ، طاعت میں توفیق الٰہی میسر آنے کی وجہ سے ہے جو خاص اس کا فضل اور عطا ہے۔لہٰذا جب بے توفیق کے حصول کی طلب محال ہے تو حصولِ توفیق بھی بے طاعت محال ہے۔جب بغیر مشاہدے کے مجاہدے کا وجود نہیں تو بے مجاہدہ کے مشاہدہ بھی ممکن نہیں اس کے لئے جمالِ الٰہی کا نور درکار ہے تاکہ مجاہدے میں بندے کی رہنمائی کر سکے۔پھر جب مجاہدے کی علت، نور جمال الٰہی ہے تو مجاہدے پر ہدایت پہلے ہوئی لیکن یہ جماعت، یعنی حضرت سہیل اور ان کے اتباع جو دلیل دیتے ہیں کہ جو مجاہدے کا اثبات نہیں کرتا وہ تمام انبیاء، کتب

شرح (103): تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ

ترجمۂ کنزالایمان: تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔

(پ ۳ال عمران::۲٦)

سماوی اور شرائع کا منکر ہے کیونکہ تکلیف کا مدار مجاہدے پر ہے۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ وہ یہ کہتے کہ تکلیف کا مدار حق تعالیٰ کی ہدایت پر منحصر ہے۔ مجاہدہ تو اثباتِ حجت کے لئے ہے نہ کہ وصل الٰہی کی حقیقت کے لئے۔ چونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۔ (104) اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو اتاریں اور مُردوں کو ان سے کلام کرائیں اور تمام چیزوں کو ان کے روبرو اٹھائیں تب بھی وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر یہ کہ اللہ اگر چاہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔ (105) (الانعام:۱۱۱)

کیونکہ ایمان کی علت، ہماری مشیت ہے نہ کہ دلائل کے دیکھنے اور ان کے مجاہدے پر موقوف ہے نیز ارشاد حق ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (106) بے شک

شرح (104): وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا لیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں۔ (پ ۸، الانعام:۱۱۱)

شرح (105): شانِ نُزول: ابنِ جریر کا قول ہے کہ یہ آیت اِستہزاء کرنے والے قریش کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے مُردوں کو اُٹھا لائیے ہم ان سے دریافت کرلیں کہ آپ جو فرماتے ہیں یہ حق ہے یا نہیں اور ہمیں فرشتے دکھائیے جو آپ کے رسول ہونے کی گواہی دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (106): اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں (پ ۱، البقرہ:۶)

جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان لانے والے نہیں۔ (107) (البقرہ:٦)

کیونکہ کافروں کے لئے اظہار حجت اور ورودِ دلائل اور روزِ قیامت سے ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں۔ وہ اس وقت تک ایمان لانے والے نہیں جب تک ہم انہیں اہل ایمان ہونے کی توفیق نہ بخشیں۔ اس لئے کہ ان کے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی مہر لگ چکی ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی بعثت، کتابوں کا نزول اور احکام شریعت کا ورود سب حق تعالیٰ سے ملنے کے اسباب ہیں نہ کہ علت۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبول اسلام میں ایسے ہی مکلف تھے جس طرح ابو جہل تھا لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تو عدل اور فضل الٰہی کو پہنچ گئے لیکن ابو جہل بے عدل اور بے فضل ہی پڑا رہا۔ لہٰذا ابو جہل کے اس میں پڑے رہنے کی علت، عین وصول اور توفیق الٰہی سے محرومی ہے نہ کہ طلب وصول یعنی جدوجہد وغیرہ کیونکہ اگر طلب اور مطلوب دونوں برابر ہوتے تو طالب واجد ہوتا جب واجد ہوتا تو طالب نہ رہتا اس لئے کہ واجد تو واصل ہوتا ہے اور طالب کے لئے آرام درست نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ جس کے دو دن یکساں رہیں وہ آفت زدہ ہے۔

مطلب یہ کہ طالبانِ حق کے لئے ہر دن پہلے دن سے برتر و بہتر ہونا چاہئے کیونکہ اس کا ہر دن ترقی پذیر ہے یہ طالبوں کا درجہ ہے پھر حضور نے فرمایا:

اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصِنُوْا استقامت پہ رہو اور ایک حال پہ نہ رہو۔

گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدے کو سبب قرار دیا اور حجت کے اثبات کے لئے سبب کا اثبات فرمایا

شرح (107): شانِ نزول: یہ آیت ابو جہل، ابولہب وغیرہ کُفّار کے حق میں نازل ہوئی جو علمِ الٰہی میں ایمان سے محروم ہیں اسی لئے ان کے حق میں اللہ تعالٰی کی مخالفت سے ڈرانا، نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، انہیں نفع نہ ہو گا مگر حضور کی سعی بیکار نہیں کیونکہ منصبِ رسالتِ عامّہ کا فرض رہنمائی و اقامت حُجّت و تبلیغ علٰی وجہِ الکمال ہے۔

مسئلہ: اگر قوم پند پذیر نہ ہو تب بھی ہادی کو ہدایت کا ثواب ملے گا۔ اس آیت میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تسکینِ خاطر ہے کہ کُفّار کے ایمان نہ لانے سے آپ مغموم نہ ہوں آپ کی سعی تبلیغ کامل ہے اس کا اجر ملے گا محروم تو یہ بدنصیب ہیں جنہوں نے آپ کی اطاعت نہ کی۔ کُفر کے معنٰی اللہ تعالٰی کے وجود یا اس کی وحدانیت یا کسی نبی کی نبوّت یا ضروریاتِ دین سے کسی امر کا انکار یا کوئی ایسا فعل جو عِنْدَ الشَّرع انکار کی دلیل ہو کُفر ہے۔

اور تحقیق الٰہیت کے لئے سبب سے وصول کی نفی کر دی اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ گھوڑے کو سدھا کر محنت و مشقت کے ذریعہ دوسری صفت میں بدلا جا سکتا ہے تو اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ گھوڑے میں ایک خاص صفت پوشیدہ ہوتی ہے جس کے اظہار کا سبب محنت و مشقت ہے جب تک اس پر محنت و مشقت نہ کی جائے اس صفت کا اظہار نہ ہو گا اور چونکہ گدھے میں وہ صفت سرے سے ہے ہی نہیں اس لئے وہ گھوڑے کی مانند ہوشیار نہیں ہو سکتا اور نہ گھوڑے کو محنت و مشقت کے ذریعہ گدھے کی مانند بنایا جا سکتا ہے چونکہ وہ صفت سرے سے ہے ہی نہیں اس لئے کہ یہ قلب عین یعنی ذات کی تبدیلی ہے لہٰذا جب کسی چیز کی عین و ذات نہیں بدل سکتی تو حق تعالیٰ کے لئے اس کا اثبات کرنا محال ہے حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ پر مجاہدے کا ورود تھا کیونکہ وہ اس سے آزاد تھے اور ان کی ذات میں اس کا بیان منقطع تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے کہ جنہوں نے بغیر درستگی معاملہ، صرف بیان بازی کو اپنا مذہب بنا لیا ہو۔ یہ محال ہے کہ تمام اعمال و معاملات کی وضاحت صرف لفظ و بیان سے کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ باتفاق، اہل طریقت میں ریاضت و مجاہدہ موجود ہے (108) لیکن مجاہدہ کی حالت میں

شرح (108): ہر حال میں مجاہدہ کرنا چاہیے

حضرت سیّدنا سروق الاجوع تابعی رضي الله تعالي عنه اتنی لمبی نماز ادا فرماتے کہ ان کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے اور یہ دیکھ کر ان کے گھر والوں کو ان پر ترس آتا اور وہ رونے لگتے۔ ایک دن ان کی والدہ نے کہا، میرے بیٹے! تو اپنے کمزور جسم کا خیال کیوں نہیں کرتا؟ اس پر اتنی مشقت کیوں لادتا ہے؟ تجھے اس پر ذرا رحم نہیں آتا؟ کچھ دیر کے لئے آرام کر لیا کرو، کیا اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ صرف تیرے لئے پیدا کی ہے کہ تیرے علاوہ کوئی اس میں پھینکا نہیں جائے گا؟ انہوں نے جواباً عرض کی، امی جان! انسان کو ہر حال میں مجاہدہ کرنا چاہیے کیونکہ قیامت کے دن دو ہی باتیں ہوں گی، یا تو مجھے بخش دیا جائے گا یا پھر میری پکڑ ہو جائے گی، اگر میری مغفرت ہو گئی تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہو گی اور اگر میں پکڑا گیا تو یہ اس کا عدل ہو گا، لہٰذا اب میں آرام نہیں کروں گا اور اپنے نفس کو مارنے کی پوری کوشش کرتا رہوں گا۔

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے گریہ و زاری شروع کر دی۔ لوگوں نے پوچھا، آپ نے تو ساری عمر مجاہدوں اور ریاضتوں میں گزاری ہے، اب کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، مجھ سے زیادہ کس کو رونا چاہیے کہ میں ستر سال تک جس دروازے کو کھٹکھٹاتا رہا، آج اسے کھول دیا جائے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مجاہدے کی دید آفت ہے، لہٰذا جو حضرات مجاہدے کی نفی کرتے ہیں ان کی مراد، عین مجاہدے کی نفی نہیں بلکہ ان کی مراد، عدم رویت مجاہدہ اور اپنے ان افعال میں ہے جو بارگاہ قدس میں ظہور پذیر ہو رہے ہوں ان پر عجب و غرور نہ کرنا ہے اس لئے کہ مجاہدہ بندے کا فعل ہے اور مشاہدہ من جانب اللہ ہے اور جب تک عطائے حق نہ ہو، بندے کے افعال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ایک زمانہ کے بعد وہ اپنے دل میں خود پالے گا کہ اس قدر دل کی آراستگی کی کوشش کی مگر فضل الٰہی کو نہ دیکھا اور کیوں اپنے افعال پر باتیں بنائیں۔ اس کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے دوستوں کا مجاہدہ ان کے اپنے اختیار کے بغیر محض حق تعالیٰ کے فضل اس کے غلبہ اور اس کے سوز و گداز سے ہوتا ہے اور سوز و گداز کا ہونا سراسر حق تعالیٰ کی مہربانی ہے اور جاہلوں کا مجاہدہ خود ان کا اپنا فعل ہوتا ہے، جو پریشان کن ہے۔ پریشان ہونا اور دل کی پراگندگی، آفت کی پراگندگی سے ہوتی ہے لہٰذا تم سے جہاں تک ہو سکے اپنے فعل کا اظہار و بیان نہ کرو اور کسی حال میں نفس کی پیروی نہ کرو کیونکہ تمہاری ہستی کا وجود تمہارے لئے حجاب ہے۔ اگر تم کسی ایک فعل سے محجوب ہوئے تو دوسرا فعل اپنا سر اٹھائے گا۔ چونکہ تم سراپا حجاب ہو لہٰذا جب تک تم بالکل فانی نہ ہو گے اس وقت تک تم بقا کے لائق نہیں بنو گے۔

لان النفس کلب باغ وجلد الکلب لا یطھر الا بالدباغ نفس باغی کتا ہے اور کتے کی کھال پکانے ہی سے پاک ہوتی ہے۔

درستگئ معاملہ کی مثال:

حضرت حسین بن منصور (109) رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں محمد بن حسین علوی کے گھر مقیم تھے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جب کوفہ تشریف لائے تو انہوں نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ اے ابراہیم! طریقت میں آپ کو چالیس سال گزر چکے ہیں اس کے معانی میں آپ نے کیا حاصل کیا؟ انہوں نے فرمایا مجھے توکل کا طریقہ کامل طور سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت حسین بن منصور نے کہا:

ضیعت عمرك فی عمران باطنك فاین الفنا فی التوحید آپ نے اپنے باطن کی بستی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لیکن یہ نہیں معلوم کہ جنت کا دروازہ کھلتا ہے یا دوزخ کا۔۔۔۔۔۔، کاش! میری ماں نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا اور مجھے یہ مشقت نہ دیکھنا پڑتی۔ (حکایات الصالحین، ص ۳۶)

شرح (109): یعنی منصور حلاج

اتنی عمر ضائع کر دی پھر بھی آپ کو توحید میں فنا حاصل نہ ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ توکل کے معنی تو یہ ہیں کہ اپنے معاملات کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اپنے باطن کو اعتماد کے ساتھ درست رکھے (110) اور جب کوئی ساری عمر، باطنی معاملات کی درستگی ہی میں صرف کر دے تو ظاہری معاملات کی درستگی کے لئے اسے ایک اور عمر درکار ہوگی یہ دونوں عمریں ضائع ہونے کی بعد بھی اس پر حق کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

نفس کی سرکشی کی مثال:

حضرت شیخ ابو علی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نفس کو ایسی شکل میں دیکھا جو میری ہم صورت تھا کسی نے ان کے بال پکڑ رکھے تھے اس نے اسے میرے حوالہ کر دیا میں نے اسے ایک درخت سے باندھ دیا اس کے بعد میں نے اسے ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس نے مجھ سے کہا اے ابو علی! زحمت نہ اٹھاؤ میں خدا کا لشکری ہوں تم مجھے فنا نہیں کر سکتے۔ (111)

شرح (110): توکل سے مراد یہ جانتے ہوئے اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر دل کا اعتماد کرنا ہے کہ اس کے علم وقدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں اور اس کا غیر نفع ونقصان پر قادر نہیں۔

تَوَکُّل کے متعلق اسلاف کے اقوال:

حضرت سَیِّدُ نا ابو موسیٰ دَبیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سَیِّدُ نا ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا: توکل کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے استفسار فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: ہمارے اصحاب تو فرماتے ہیں کہ اگر درندے اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں تو بھی تمہارے باطن میں کوئی حرکت نہ ہو۔ تو حضرت سَیِّدُ نا ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے: ہاں! یہ توکل کے قریب ہے لیکن اگر اہلِ جنت، جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہو، پھر تم ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے لگو، تو توکل سے نکل جاؤ گے۔

حضرت سَیِّدُ نا ابو عبد اللہ قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہر حال میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے تعلق قائم رکھنا۔ سائل نے عرض کی: مزید کچھ فرمایئے۔ فرمایا: ہر اس سبب کو چھوڑ دینا جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔

شرح (111): پیارے بھائیو! محتاط لوگ تو اس طرح اپنے نفس کو سزا دینے کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نفس کی الٹی خصلت کی مثال:

حضرت محمد بن علیان نسوی جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر اصحاب میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ ابتدائے حال میں جب میں نفس کی آفتوں پر بینا ہوا اور اس کی خفیہ پناہ گاہوں سے واقف ہوا اسی وقت میرے دل میں نفس کی طرف سے کینہ ہوگیا تھا۔ ایک دن لومڑی کے بچے کی مانند کوئی چیز میرے حلق سے باہر نکلی۔ حق تعالیٰ نے مجھے اس سے واقف کرایا اور میں جان گیا کہ وہ نفس ہے میں اسے پاؤں سے روندنے لگا اور ٹھوکریں مارنے لگا مگر وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس وقت میں نے کہا اے نفس! ہر چیز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کوشش کرتے ھیں اور تعجب کی بات ہے کہ ہم اپنے نوکروں، ماتحتوں اور اپنی بیوی بچوں سے کوئی بداخلاقی یا کسی کام میں کوتاہی دیکھتے ہیں تو ان کو سزا دیتے ہیں اور اس بات کا ڈر ہے کہ اگر ان سے درگزر کیا جائے تو یہ لوگ ہاتھ سے نکل جائیں گے اور سرکشی کریں گے لیکن اپنے نفس کو چھوڑ دیتے ہیں حالاں کہ وہ ہمارا بہت بڑا دشمن ہے اور اس کی سرکشی کا نقصان ہمارے اہل وعیال کی سرکشی کے نقصان سے زیادہ ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) ہر رات اپنے پاؤں پر درہ مارا کرتے تھے اور فرماتے بتا آج تو نے کیا عمل کیا ہے؟

اسی طرح حضرت سیدنا مجمع (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے منقول ہے انہوں نے اپنا سر چھت کی طرف اٹھایا تو ان کے نظر ایک عورت پر پڑی تو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ جب تک دنیا میں موجود ہیں آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گے۔

حضرت سیدنا احنف بن قیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) ہمیشہ رات کے وقت اپنی انگلی جلتے ہوئے چراغ پر رکھتے اور اپنے نفس سے فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں عمل کیوں کیا؟

حضرت سیدنا وہیب بن ورد (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کو اپنے نفس کی کوئی بات بری معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے سینے کے کچھ بال اکھیڑ دیئے حتی کہ جب سخت تکلیف محسوس ہوئی تو فرمانے لگے میں تو تیری بھلائی چاہتا ہوں۔

حضرت سیدنا محمد بن بشر نے حضرت سیدنا داؤد طائی رحمہا اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ وہ افطاری کے وقت نمک کے بغیر روٹی کھا رہے تھے فرمایا اگر نمک کے ساتھ کھاتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا میرا نفس ایک سال سے مجھ سے نمک کا مطالبہ کر رہا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب تک حضرت سیدنا داؤد (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) دنیا میں رہے انہوں نے نمک نہیں چکھا۔

مارنے اور زخمی کرنے سے ہلاک ہو جاتی ہے تو اس کے برعکس بڑھتا ہی جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ نفس نے کہا میری تخلیق الٹی ہے۔ اوروں کو جو چیزیں تکلیف پہنچاتی ہیں وہ مجھے آرام و راحت پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں دوسروں کو آرام و راحت پہنچاتی ہیں وہ مجھے تکلیف دیتی ہیں۔

کتے کی شکل میں نفس کا ظہور:

حضرت شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام وقت تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں گھر آیا تو زرد رنگ کے ایک کتے کو اپنے بستر پر سوتا ہوا پایا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید محلہ کا کتا گھس آیا ہے اسے باہر نکالنے کا ارادہ کیا مگر وہ میرے دامن میں گھس کر غائب ہو گیا۔

مختلف صورتوں میں نفس کا ظہور:

حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی جو آج قطب زمانہ اور طریقت کے دار المہام ہیں...... ابقاہ اللہ تعالیٰ۔ وہ اپنے ابتدائے حال کی ایک نشانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی صورت میں دیکھا ہے اور ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نفس کو چوہے کی شکل میں دیکھا ہے تو میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں غافلوں کو ہلاکت میں ڈالنے والا، ان کو شرارت و برائی کی طرف بلانے والا اور دوستوں کی نجات ہوں۔ چونکہ میرا وجود سراپا آفت ہے تو وہ اپنی پاکی و طہارت پر نازاں ہو کر اپنے افعال پر تکبر کرنے لگتے ہیں وجہ یہ کہ جب وہ دل کی پاکیزگی، سیرت کی صفائی، نورِ ولایت اور طاعت پر اپنی استقامت کو دیکھتے ہیں تو ہوا و تکبر ان میں پیدا ہو جاتا ہے پھر جب وہ اپنے پہلو میں مجھے دیکھتے ہیں تو وہ ان تمام عیبوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام امثال و حکایات اس بات کی دلیل ہیں کہ نفس مستقل ذات ہے نہ کہ صفت، البتہ نفس کی کچھ صفات بھی ہیں جن کو ہم ظاہر طور پر دیکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَعِدِیُّ عَدُوِّكَ نَفْسَكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ (112) تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو دونوں پہلو کے درمیان ہے۔

لہٰذا جسے نفس کی معرفت ہو جاتی ہے وہ جان لیتا ہے کہ اسے ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ ہی قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ چونکہ نفس کی اصل و ماہیت اچھی نہیں ہے اگر طالب کو اس کی صحیح طور پر پہچان ہو جائے تو

شرح (112): (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الامارۃ والقضاء) (فیضانِ احیاء العلوم ص ۱۳۱)

اس کی موجودگی میں بھی اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لِاَنَّ النَّفْسَ کَلْبٌ بِنَاجٍ وَاِمْسَاکُ الْکَلْبِ بَعْدَ الرِّیَاضَةِ مُبَاحٌ اس لئے کہ نفس آزاد کتا ہے سکھانے کے بعد کتے کو باندھنا مباح ہے۔

لہٰذا مجاہدہ، نفس کی صفات کو تو فنا کر دیتا ہے لیکن اس کی ذات کو ناپید نہیں کرتا۔ اس بارے میں مشائخ کے اقوال بکثرت ہیں بخوف طوالت، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اب ہوا کی حقیقت اور ترکِ شہوت کی بحث شروع کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق!

ہویٰ کی حقیقت اور ترکِ شہوت کی بحث

اے عزیز! اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے، جاننا چاہئے کہ ایک گروہ کے نزدیک اصناف نفس میں سے ایک وصف ہوا یعنی خواہش ہے اور ایک گروہ کے نزدیک طبعی ارادہ خواہش کا متصرف و مدبر ہے اس کا نام ہوا ہے۔ (113) جس طرح روح کے لئے عقل ہے اور اور ہر وہ روح جس کی اپنی افزائش میں عقلی قوت نہ

شرح (113): مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، مولینا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

وقال اللہ تعالیٰ افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ۔ (القرآن الکریم ۴۵ / ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اے محبوب!) کیا آپ نے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اور بیشک بے حصول معرفت الٰہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار، یہ (خاص) بندگان خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب و ارادت بلکہ خود اصل ہستی و وجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں لاالہ الا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔) کے معنی عوام کے نزدیک لامعبود الااللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔)، خواص کے نزدیک لامقصود الااللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا مقصود و مطلوب نہیں۔)، اہل ہدایت کے نزدیک لامشھود الااللہ (اللہ تعالیٰ کے کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی وحدانیت کی گواہی دی جائے اور جس کی بارگاہ میں مخلوق حاضر ہونے والی ہو۔) ان اخص الخواص ارباب نہایت کے نزدیک لاموجود الااللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا حقیقتاً کوئی موجود نہیں۔) تو اہل توحید کا سچا نام انہیں کو زیبا، ولہٰذا ان کے علم توحید کہتے ہیں: جعلنا اللہ تعالیٰ من خدامھم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہونا قص ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ نفس جس کے لئے ہوا کی قوت نہ ہونا قص ہوتی ہے لہٰذا روح کا ناقص ہونا قربت کا نقص ہے اور نفس کا ناقص ہونا عین قربت ہے۔ بندہ کے لئے ہمیشہ دو دعوتیں ہوتی ہیں ایک عقل کی طرف سے دوسری ہوا کی طرف سے۔ جو عقل کی دعوت کو قبول کر کے اس کا مطیع بن گیا وہ صاحب ایمان ہوگیا اور جو ہوا کی دعوت کو قبول کر کے اس کا فرمانبردار بن گیا وہ ضلالت و کفر میں پڑ گیا۔ لہٰذا ہوا واصلوں کے لئے حجاب اور گمراہ کرنے والی چیز ہے۔ غافلوں کے لئے جائے قیام ہے اور طالبوں کے لئے محل اعراض ہے۔ بندے کو اس کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے اس کے ارتکاب سے روکا گیا ہے۔

لان من رکبها هلك ومن خالفها ملك جس نے اس کی سواری کی یعنی فرمانبرداری کی وہ ہلاک ہوا اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ مالک ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (114) جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرتے اور نفسانی خواہشوں سے بچتے ہیں یقیناً انہی کے لئے جنت میں ٹھکانا ہے۔ (115) (النٰزعٰت: ۴۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وتراب اقدامهم فی الدنیا ولاٰخرة وغفرلنا بجاههم عنده انه اهل التقوٰی واهل المغفرة آمین! اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے خادموں میں شامل فرمائے اور دنیا و آخرت میں ان کے قدموں کی مٹی بنا دے اور ان کے اس مرتبہ عالیہ کے طفیل جو ان کا اس کی بارگاہ میں ہے ہمیں بخش دے بیشک وہی اس لائق ہے کہ اس سے خوف رکھا جائے اور وہی بخش دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اے اللہ! میری دعا قبول و منظور فرما۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۴، ص ۵۷۴، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شرح (114): وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى o

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا۔

(پ ۳۰، النٰزعٰت: ۴۰)

شرح (115): امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی سے ان کے ایک شاگرد نے اس بارے میں مکتوب کے ذریعے استفسار کیا اور ساتھ میں کچھ نصیحتوں کا بھی طالب ہوا۔ چنانچہ امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ اِتِّبَاعُ الْھَوٰی وَطُوْلُ الْاَمَلِ میری امت پر سب سے زیادہ خوفناک ہوا کی پیروی اور امیدوں کی درازی ہے۔ (116)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

اَرَئَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ اَیْ اَلْھَوٰی اِلٰھاً مَّعْبُوْدًا کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنی ہوا کو اپنا معبود بنالیا ہے یعنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے (117) (الفرقان: ۴۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جوابا رسالہ نما مکتوب تحریر فرمایا جو ایھا الولد کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مکتوب میں امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی نے ایک شفیق باپ کی طرح اپنے روحانی بیٹے کو نصیحت ارشاد فرمائی ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے نفس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کیلئے بڑی تیزی سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ربِّ کریم عزَّ وجلّ کے اس ارشادِ گرامی میں غور وفکر کیا۔

مجھے یقین ہے کہ قرآنِ حکیم حق، اور اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے۔ لہذا میں نے اپنے نفس کی مخالفت شروع کردی۔ اور ریاضت ومجاہدات کی طرف مائل ہوا۔ اور نفس کی کوئی خواہش اس وقت تک پوری نہ کی، جب تک یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں راضی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے اَحکامِ الٰہی عزَّ وجلّ کے سامنے اپنے سر کو جھکا دیا۔ اور سچا مطیع وفرمانبردار بن گیا۔ (ایھا الولد ۳۰)

شرح (116): حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے یہی ارشاد فرمایا: اے لوگو! مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف لمبی امیدوں، اور نفسانی خواہشات کی پیروی کا ہے،۔۔۔۔۔ کیونکہ لمبی امیدیں آخرت کو بھلادیتی ہیں اور نفسانی خواہشات کی پیروی حق سے بھٹکا دیتی ہے،۔۔۔۔۔ خبردار! بے شک دنیا پیٹھ پھیرنے والی ہے اور یقینا آخرت آنے والی ہے،۔۔۔۔۔ اور ان دونوں ہی کے چاہنے والے ہیں،۔۔۔۔۔ پس تم آخرت کے چاہنے والے بنو اور دنیا کے چاہنے والے نہ بنو،۔۔۔۔۔ آج عمل ہے حساب نہیں اور کل (قیامت میں) حساب ہوگا، عمل کا موقع نہیں ہوگا۔ (الزُّھْدُ وَقَصْرُ الْاَمَلِ ص ۴۷)

شرح (117): یعنی جسے نفس نے چاہا پوجنے لگا، مشرکین کا یہی حال تھا کہ وہ پتّھر اور سونے اور چاندی وغیرہ کو پوجتے تھے، جب کوئی چیز انہیں پہلی چیز سے اچھی معلوم ہوتی تھی تو پہلی کو توڑ دیتے پھینک دیتے، دوسروں کو پوجنے لگتے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

وہ شخص قابل افسوس ہے جس نے حق تعالیٰ کے سوا اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا کر اپنی طاقتیں رات دن اس کی اطاعت و چاپلوسی میں صرف کر دی ہیں۔

خواہشات نفسانیہ کی قسمیں:

تمام نفسانی خواہشیں دو قسم کی ہیں ایک لذت (118) اور شہوت کی (119) دوسرے لوگوں میں

شرح (118): دل پر گناہوں کی لذت کا غلبہ

بعض اوقات انسان کے دل و دماغ پر مختلف گناہوں مثلاً زنا، شراب نوشی، بدنگاہی، نامحرم عورتوں سے ہنسی مذاق، فلم بینی وغیرہ کی لذت کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان گناہوں کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ان گناہوں کے بغیر اسے اپنی زندگی بہت اداس اور ویران محسوس ہوتی ہے، یوں وہ توبہ سے محروم رہتا ہے۔

شرح (119): شہوت پرستی بھی بُرے خاتمے کا سبب ہے

پیارے بھائیو! اپنے آپ کو ہمیشہ گناہوں سے بچاتے رَہنا چاہئے کہ گناہوں کی نُحُوست سے ایمان برباد ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ یاد رکھئے! شہوت پرستی بھی بُرے خاتمے کا ایک سبب ہے لہٰذا جن کو غیر عورتوں کے خیالات تنگ کریں یا اَمْرَد حسین (یعنی پُرکشش لڑکے) سے شہوت کے باوُجود دوستی، نزدیکی یا اُن کو لذّت کے ساتھ دیکھنے، لپٹا لینے، مذاق مسخری و کھینچا تانی کرنے، گلے میں ہاتھ ڈالنے کی خواہش ہو وہ اس حِکایت کو پڑھ لیا کریں یا ذِہن میں دوہرا لیا کریں:

جس کو غیر عورتوں کے خیالات تنگ کریں یا اَمْرَد حسین (یعنی پُرکشش لڑکے) سے شہوت کے باوُجود دوستی، نزدیکی یا اُن کو لذّت کے ساتھ دیکھنے، لپٹا لینے، مذاق مسخری و کھینچا تانی کرنے، گلے میں ہاتھ ڈالنے کی خواہش ہو وہ اس حِکایت کو پڑھ لیا کریں یا ذِہن میں دوہرا لیا کریں:

دو اَمْرَد پسند مؤذِّنوں کی بربادی

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن احمد مُؤَذِّن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں طوافِ کعبہ میں مشغول تھا کہ ایک شخص پر نظر پڑی جو غِلافِ کعبہ سے لِپٹ کر ایک ہی دُعا کی تکرار کر رہا تھا: یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ مجھے دنیا سے مسلمان ہی رُخصت کرنا۔ میں نے اُس سے پوچھا: اِس کے علاوہ کوئی اور دُعا کیوں نہیں مانگتے؟ اُس نے کہا: میرے دو بھائی تھے، بڑا بھائی چالیس سال تک مسجِد میں بِلا مُعاوَضہ اذان دیتا رہا۔ جب اُس کی موت کا وقت آیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عزت ومنزلت کی۔ (120) جوشخص کسی لذت کا غلام ہے وہ شراب خانہ میں ہے لوگ اس کے فتنہ سے محفوظ ہیں لیکن جو شہوت اور لوگوں میں عزت ومنزلت کا خواہش مند ہے وہ حرص وطمع اور خواہشات کے چکروں میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے فتنہ ہے۔ خودتو راہِ حق سے برگشتہ ہے ہی دوسروں کو بھی اس گمراہی میں پھنساتا ہے۔ نعوذ باللہ من متابعۃ الھوٰی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو اُس نے قرانِ پاک مانگا، ہم نے اُسے دیا تا کہ اس سے بَرَکتیں حاصل کرے، مگر قران شریف ہاتھ میں لے کر وہ کہنے لگا: تم سب گواہ ہوجاؤ کہ میں قران کے تمام اِعتِقادات واَحکامات سے بیزاری ظاہر کرتا اور نَصرانی (کرسچین) مذہب اختیار کرتا ہوں۔ پھر وہ مر گیا۔ اس کے بعد دوسرے بھائی نے تیس برس تک مسجِد میں فی سبیلِ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اذان دی۔ مگر اُس نے بھی آخری وَقت نَصرانی (یعنی کرسچین) ہونے کا اقرار کیا اور مر گیا۔ لہٰذا میں اپنے خاتمہ کے بارے میں بے حد فِکر مند ہوں اور ہر وقت خاتمہ بِالخیر کی دعا مانگتا رہتا ہوں۔ حضرتِ سیِّدنا عبداللہ بن احمد مُؤَذِّن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُس سے اِستِفسار فرمایا، کہ تمہارے دونوں بھائی آخر ایسا کون سا گناہ کرتے تھے؟ اُس نے بتایا، وہ غیر عورَتوں میں دلچسپی لیتے تھے اور اَمردوں (یعنی بے ریش لڑکوں) کو (شہوت سے) دیکھتے تھے۔ (الرَّوض الفائق ص 17)

شرح (120): کوئی بھی نیک عمل اور عبادت ہو خدا کی رضا چاہتے ہوئے، اور اخلاص کی نیت سے کرنا لازم ہے اگر نام ونمود اور شہرت یا کوئی دوسری نفسانی خواہش مقصود ہو تو ریا کاری ہے اور ریا کاری وہ گناہ کبیرہ ہے جس کو شرک کی ایک شاخ کہا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ریا کاری کرنے والوں کو شیطان کا ساتھی بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد قرآنی ہے کہ

وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ○

ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر اور جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا مصاحب ہے۔ (پ5، النساء:38)

دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا کہ

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے۔ (پ30 الماعون: 4۔7)

جس کی حرکتیں خواہش نفس کی پیرو ہیں اور وہ ان کا دلدادہ ہے وہ حق تعالیٰ سے دور ہے[121] اگرچہ وہ تمہارے ساتھ مسجد میں شریک جماعت ہی کیوں نہ ہو اور جس کی حرکتیں خواہشات سے پاک ہیں اور وہ اس کی پیروی سے نفرت کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اگرچہ کسی دیر ہی میں کیوں نہ ہو۔

ایک راہب کی نفس کشی:

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سنا کہ رومؔ میں راہب ہے جو ستر سال سے کنیسہؔ میں زہد و رہبانیت میں مشغول ہے میں نے تعجب سے کہا کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس سال ہوتی ہے یہ آدم زاد کس مذہب پر ستر سال سے کنیسہؔ میں بیٹھا ہوا ہے۔ چنانچہ میں اس سے ملنے گیا۔ اس نے کھڑکی کھول کر مجھ سے بات چیت کی اور کہا کہ اے ابراہیم! میں جانتا ہوں کہ تم کس لئے آئے ہو میں یہاں رہبانیت کی غرض سے ستر سال سے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو خواہش میں سرکش ہے میں اس کتے کی رکھوالی کر رہا ہوں تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں ورنہ میں یہاں نہ ہوتا۔ میں نے جب راہب کی یہ بات سنی تو خدا سے مناجات کی کہ اے خدا تو بڑا قادر ہے، کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے شخص کو بھی صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ پھر راہب نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! تم کب تک لوگوں کی طلب میں رہو گے جاؤ پہلے اپنے آپ کو طلب کرو جب تم اپنے آپ کو پا جاؤ تو اس کی نگہبانی کرو کیونکہ ہر روز یہ ہوا یعنی نفسانی خواہش تین سو ساٹھ قسم کی الوہیت کا لباس پہن کر بندے کو گمراہی کی طرف بلاتی ہے۔

غرض کہ شیطان کا بندے کے دل اور باطن پر اس وقت تک قبضہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ معصیت و نافرمانی کا جذبہ اور خواہش اس کے اندر نہ ابھر آئے۔ جس وقت بندے کے اندر خواہش نے سر اٹھایا اسی وقت شیطان کا اس پر قبضہ ہو جاتا ہے وہ دل میں آرام کرتا ہے اور اس کے باطن میں جم کر بیٹھ جاتا ہے اس حالت کا نام ''وسواس'' ہے۔[122] اس کی ابتداء ہوا و خواہش سے ہوتی ہے **والبادی اظلم** پہل

شرح (121): حضور نبئ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کو کمزور کردے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لئے عمل کرے اور بے وقوف وہ ہے جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے لمبی امیدیں رکھے۔

(فردوس الأخبار للدیلمی، باب الکاف، الحدیث ۴۹۶۶، ج ۲، ص ۱۸۵، الاحمق بدلہ العاجز)

شرح (122): یعنی ہر عاقل بالغ انسان کے ساتھ وسوسہ دلانے کے لیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرنے والا زیادہ ظالم ہوتا ہے۔ یہ مطلب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے جو اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا اور اس نے کہا تھا میں تمام آدمیوں کو راہِ حق سے ورغلاؤں گا حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (123) اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی قبضہ واختیار نہیں ہے۔ (الحجر:۴۲)

درحقیقت شیطان ہی بندے کا نفس وہوا ہے (124) اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ غَلَبَهٗ شَیْطَانُهٗ اِلَّا عُمَرَ فَاِنَّهٗ غَلَبَ شَیْطَانَهٗ (125) کوئی شخص ایسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک شیطان اور الہام کے لیئے ایک فرشتہ ہر وقت رہتا ہے۔ مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ جب کوئی انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ابلیس کے ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جسے فارسی میں ہمزاد عربی میں وسواس کہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ابلیس کے ہر ہر آن سیکڑوں بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں، مطابق تعداد اولاد انسان جیسے مچھلی، ناگن سانپ بیک وقت ہزار ہا انڈے دیتی ہے۔ طاغوتی جراثیم ہر آن بچے دیتے رہتے ہیں۔

شرح (123): اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔

ترجمہ کنزالایمان: بیشک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (پ ۱۴، الحجر:۴۲)

شرح (124): اُمُّ المُؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا صَفِیَّہ بنت حُیَیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سلطانِ مدینۂ منورہ، سردارِ مکہ مکرمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ڈالہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک شیطان انسان کی رَگ رَگ میں خون کی طرح جاری وساری ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، الحدیث ۳۲۸۱، ج۲، ص ۴۰۰)

حضرت سیدنا اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک شیطان اپنی چونچ آدمی کے دِل پر رکھے ہوئے ہے، جب آدمی خدا تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، شیطان دَبک (دَ۔بک) یعنی بھاگ جاتا ہے اور جب آدمی (ذِکر سے) غفلت کرتا ہے (بھول جاتا ہے) تو شیطان اُس کا دِل اپنے مُنہ میں لے لیتا ہے۔

(شعب الایمان، الحدیث ۵۴۰، ج۱، ص ۴۰۲)

شرح (125): سلطانِ مدینۂ منورہ، سردارِ مکہ مکرمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ڈالہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس راستے پر عمر ہو وہاں سے شیطان راستہ بدل لیتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج 2 رقم الحدیث 880)

نہیں ہے جس پر اس کا شیطان غالب نہ آتا ہو بجز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کہ وہ اپنے شیطان پر غالب آ گئے ہیں۔

اس حدیث میں شیطان سے مراد، بندے کی نفسانی خواہشیں ہیں لہٰذا آدمی کے سرشت میں ہی ہوا کی ترکیب ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْهَوٰى وَالشَّهْوَةُ مَعْجُوْنَةٌ بِطِيْنَةِ ابْنِ اٰدَمَ ہوا اور شہوت سے ابن آدم کا خمیر مرکب ہے۔

ترکِ ہوا بندے کو امیر کرتا ہے اور اس کا ارتکاب امیر کو اسیر بناتا ہے چنانچہ زلیخا نے ہوا یعنی خواہش کا ارتکاب کیا وہ امیر تھی اسیر ہو گئی حضرت یوسف علیہ السلام نے ترکِ ہوا کیا تو وہ اسیر تھے پھر امیر بن گئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا "**ما الوصل قال ترك ارتكاب الهوٰى**" وصل کیا ہے فرمایا خواہش کے ارتکاب کو ترک کرنا۔

جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے وصال سے مشرف ہو اس سے کہو کہ جسم کو خواہش کے خلاف کرے کیونکہ بندہ کو کوئی عبادت حق سے اتنا قریب نہیں کرتی جتنی ہوا کی مخالفت، ہوا کی مخالفت کرنے والا ہی زیادہ بزرگ ہے کیونکہ آدمی کے لئے ناخن سے پہاڑ کھودنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ وہ اپنی خواہش کے خلاف کرے۔ (126)

خواہش پر قدم رکھ کر اڑنا:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو فضا میں اڑ رہا تھا

شرح (126): سب سے پہلا مرحلہ فضول نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے اس کے نتیجے میں دل ذکر کے لئے فارغ ہو جائے گا اور پھر ذکر پر دوام اختیار کرنے سے اللہ (عز وجل) سے اُنس پیدا ہو گا اور اس کی قدرت پر غور کرنے سے معرفت حاصل ہو گی۔ پھر یہ معرفت رفتہ رفتہ محبت میں بدل جائے گی اور جو شخص اپنے رب (عز وجل) کی محبت میں سرشار ہو کر دنیا سے جائے گا وہ اس کی ملاقات کا شرف اور اخروی سعادت مندی ضرور پائے گا۔ چنانچہ جب بندے کو ان سب باتوں کی پہچان ہو جائے اور توفیق الٰہی (عز وجل) ساتھ ہو تو پھر بندہ نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نیکی کا ارادہ کرتا ہے برائی سے نفرت کرتا ہے اور اسے برا جانتا ہے اسطرح عقلمند آدمی پچھنے لگوانے اور خون نکلوانے پر راضی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کاموں میں اسکی صحت کی سلامتی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کمال کیسے حاصل ہوا؟ اس نے کہا میں ہوائے نفس پر قدم رکھ کر ہوا میں اڑ جاتا ہوں۔

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو نفسانی خواہش کو لے کر خانہ کعبہ جاتا ہے اور اس کی زیارت کرتا ہے۔ وہ ہوائے نفس پر قدم کیوں نہیں رکھتا تا کہ وہ حق تعالیٰ تک پہنچے اور اس کا دیدار پائے۔

نفسانی شہوت:

نفس کی سب سے بڑھ کر ظاہر صفت شہوت ہے اور شہوت کے معنی آدمی کے تمام اعضا میں انتشار پیدا ہونا ہے بندے کو ان کے تحفظ کی تکلیف دی گئی ہے قیامت کے دن ہر ایک عضو کے افعال کی بابت سوال ہوگا چنانچہ آنکھ کی شہوت، دیکھنا، کان کی شہوت، سننا، ناک کی شہوت، سونگھنا، زبان کی شہوت، بولنا، تالو کی شہوت، چکھنا، جسم کی شہوت، چھونا اور سینہ کی شہوت، سوچنا ہے۔ لہٰذا طالب پر لازم ہے کہ وہ اپنے وجود کا حاکم ونگہبان بنے اور دن ورات اس کی حفاظت کرے [127] یہاں پر تک کہ خواہش کے ہر داعیہ کو جو اس میں ظاہر ہوا اپنے سے جدا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ وہ اسے وہ صفت عطا فرمائے تا کہ اس کے باطن سے ہر خواہش دور ہو جائے کیونکہ جو شہوت کے بھنور میں پھنسا رہتا ہے وہ ہر لحاظ سے محجوب رہتا ہے۔ اگر بندہ اپنی طاقت سے اسے دور کرنا چاہے تو یہ بندے کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے اور اس کے جنس کا ورود پے در پے ہوتا رہتا ہے۔ اس کا چارہ کار طریق تسلیم ہے تا کہ مراد حاصل ہو۔

شرح (127): پیارے بھائی! تمہارے اعضائے جسمانی میں سے ہر حصے کی زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے لئے تم پر واجب ہے۔ چنانچہ دل کی زکوٰۃ، اللہ تعالیٰ کی عظمت، حکمت، قدرت، حجت، نعمت، رحمت کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے۔ آنکھ کی زکوٰۃ کسی شے پر نگاہِ عبرت ڈالنا اور اسے شہوت بھری اشیاء کو دیکھنے سے جھکا لینا ہے۔ کان کی زکوٰۃ اس شے کو غور سے سننا جو تمہاری نجات کا وسیلہ بن رہی ہو۔ زبان کی زکوٰۃ اس سے وہ کلام کرنا جو تمہیں بارگاہِ الٰہی عز وجل میں مقرب بنا دے۔ ہاتھ کی زکوٰۃ انہیں شر کی طرف بڑھنے سے روک کر بھلائی کے لئے پھیلا دینا ہے۔ پاؤں کی زکوٰۃ ان سے چل کر ایسی جگہ (مثلاً اجتماع وغیرہ میں) جانا جہاں تمہارے دل کی درستی اور دین کی سلامتی کا سامان ہو۔

مقام عبرت:

حضرت ابوعلی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حمام میں گیا اور سنت کے مطابق استرہ استعمال کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اے ابوعلی اس عضو کو جو تمام شہوتوں کی جڑ ہے اور اس سے تجھے کتنی آفتوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، اپنے سے جدا کر کے کیوں نہیں پھینک دیتا تا کہ تو شہوت کی ہر آفت سے محفوظ رہے۔ اسی لمحہ ایک آواز محسوس ہوئی کہ اے ابوعلی! تم ہماری ملک میں تصرف کر رہے ہو ہمارے بنائے ہوئے کسی عضو سے کوئی دوسرا عضو زیادہ بہتر نہیں ہے مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تم نے اسے کاٹ کر پھینک دیا تو میں تمہارے ہر بال کو سوگنا شہوت دے کر اس کا قائم مقام بنا دوں گا۔ اسی مفہوم میں یہ شعر ہے:

تبتغی الاحسان دع احسانك
اترك بخشی الله ريحانك

تو احسان کا متلاشی ہے۔ اپنے احسان کو چھوڑ خوفِ خدا سے سب کو چھوڑ دے اسی میں تیری راحت ہے

بندے کے لئے اس کے جسم کے کسی حصہ کی بنا پر فساد نہیں ہے بلکہ تبدیل صفت میں خرابی وفساد ہے اور توفیق الٰہی اور تسلیم اور امر ونواہی میں اپنے تصرف اختیار اور قوت کے ذریعہ تغیر وتبدل سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔

درحقیقت جب تسلیم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے (128) تو اس میں عصمت وحفاظت آجاتی ہے اور بندہ خدا کی حفاظت میں رہ کر مجاہدے کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ اور فنائے آفت میں نزدیک تر ہو جاتا ہے۔

شرح (128): رضا وتسلیم یہ کہ اپنا اِرادہ اس کے ارادے میں فنا ہو جائے جو کچھ وہ چاہے اپنا دل بھی اسی کو پسند کرے اور اس کے خلاف کی خواہش نہ رکھے ولہٰذا قرآن عظیم میں: (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ) پر اکتفا نہ فرمایا یعنی قسم تیرے رب کی وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تجھے حَکَم نہ بنائیں اس جھگڑے میں جو اِن کے آپس میں ہو کہ فقط اس قدر تو ہر حکم حَکَم کے ساتھ ہوتا ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہ (ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) یعنی پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں اصلاً تنگی تیرے حکم سے اور تسلیم کر لیں مان کر۔ (پ۵، النسآء: ۶۵)

لان نفی الذباب بالمکنة ایسر من نفیه بالمذبة اس لئے کہ مکھی کو جھاڑو سے دور کرنا آسان ہے بمقابلہ لاٹھی کے

لہٰذا خدا کی حفاظت، تمام آفتوں سے بچانے والی ہے اور تمام علتوں کو دور کرنے والی ہے اور کسی صفت میں بھی بندہ اس کا شریک نہیں ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ اس کے مِلک میں کوئی تصرف کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ عصمتِ الٰہی مقدر نہ ہو جائے بندہ اپنی قوتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اگر توفیق الٰہی میسر نہ ہو تو اس کی تمام کوششیں رائیگاں اور بے فائدہ ہو جاتی ہیں۔ بندے کی تمام کوششیں دو ہی صورتوں کے لئے ہو سکتی ہیں یا تو اس لئے کہ کوشش کے ذریعہ اپنی جانب سے تقدیر الٰہی کو بدل دے یا تقدیر کے خلاف اپنے لئے کوئی اور چیز بنائے حالانکہ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں ہیں نہ تو کوشش سے تقدیر کو بدلا جا سکتا ہے اور نہ بغیر تقدیر کے کوئی کام ہو سکتا ہے۔ (129)

شرح (129): تقدیر کا بیان

عالم میں جو کچھ بھلا، برا ہوتا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ اس کے ہونے سے پہلے ہمیشہ سے جانتا ہے اور اس نے اپنے اسی علم ازلی کے موافق پر بھلائی برائی مقدر فرمادی ہے تقدیر اسی کا نام ہے جیسا ہونے والا ہے اور جو جیسا کرنے والا تھا اس کو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے جانا اور اسی کو لوح محفوظ پر لکھ دیا۔ تو یہ نہ سمجھو کہ جیسا اس نے لکھ دیا مجبوراً ہم کو ویسا ہی کرنا پڑتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا ہی اس نے بہت پہلے لکھ دیا۔ زید کے ذمہ برائی لکھی اس لئے کہ زید برائی کرنے والا تھا۔ اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا تو وہ زید کے لئے بھلائی لکھتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تقدیر لکھ کر کسی کو بھلائی یا برائی کرنے پر مجبور نہیں کر دیا ہے۔ (النبراس، مسئلۃ القضاء والقدر، ص ۱۷۴۔۱۷۵/ شرح الملاء علی القاری علی الفقہ الاکبر، لم یجبر اللہ احداً من خلقہ، ص ۴۸۔۵۳)

عقیدہ ۱: تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات دین میں سے ہے تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس امت کا مجوس بتایا ہے۔

(المعتقد المنتقد مع المستند المعتمد، منہ (۱۴) الاعتقاد بقضاءہ وقدرہ، ص ۵۱۔۵۲)

عقیدہ ۲: تقدیر کے مسائل عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اس لئے تقدیر کے مسائل میں زیادہ غور وفکر اور بحث ومباحثہ کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق وامیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تقدیر کے مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرما گئے ہیں۔ پھر بھلا ہم تم کس گنتی میں ہیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل تقدیر کی مثال:

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے تو ایک طبیب ان کے پاس آیا اور اس نے مشورہ دیا کہ پرہیز کیا جائے۔ آپ نے پوچھا کس چیز سے پرہیز کیا کروں کیا اس سے جو میری روزی ہے یا اس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے۔ اگر پرہیز روزی سے متعلق ہے تو یہ ممکن ہی نہیں۔ اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہی نہیں۔

ان المشاھدۃ لا تجاھد جسے مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے وہ مجاہدہ نہیں کرتا۔

اس مسئلہ کو کسی اور جگہ مزید بیان کروں گا۔

(۷) فرقہ حکمیہ

فرقہ حکمیہ کے پیشوا حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (130) جو اپنے زمانہ کے امام وقت، تمام ظاہری و باطنی علوم کے ماہر، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کے مذہب کی خصوصیت اثباتِ ولایت اور اس کے قواعد و درجات کا بیان ہے۔ آپ حقیقت کے معانی اور اولیاء کے درجات اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ کریں۔ ہمارے لئے یہی حکم ہے کہ ہم تقدیر پر ایمان لائیں۔ اور اس مشکل اور نازک مسئلہ میں ہرگز ہرگز کبھی بحث و مباحثہ اور حجت و تکرار نہ کریں کہ اسی میں ایمان کی سلامتی ہے۔ (جامع الترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء من التشدید فی الخوض فی القدر، رقم ۲۱۴۰، ج ۴، ص ۵۱ / المعجم الکبیر، رقم ۱۴۲۳، ج ۲، ص ۹۵) واللہ تعالیٰ اعلم!

شرح (130): یاد رہے کہ "ترمذی" کی نسبت سے ائمہ میں تین حضرات مشہور ہیں، اس لئے اکثر لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے حالانکہ تینوں کے درجات مختلف ہیں۔ اس لیے "ترمذی" کی ہر نسبت کو امام ترمذی اور ان کی کتاب "جامع ترمذی شریف" کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تین حضرات درج ذیل ہیں، جن کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) امام ابو عیسیٰ ترمذی، جو ترمذی شریف کے مصنف ہیں۔

(۲) ابو الحسن احمد بن حسن، یہ "ترمذی کبیر" کے لقب سے مشہور ہیں اور امام احمد کے تلامذہ میں سے ہیں، نیز خود امام ترمذی مولف ترمذی شریف و امام بخاری و ابن ماجہ ان کے شیوخ ہیں۔

(۳) حکیم ترمذی صاحب متوفی ۲۵۵ھ، جن کی ایک کتاب "نوادر الاصول" معروف ہے۔

ترتیب اور ایسے انداز سے واضح فرماتے تھے گویا وہ ایک بحرِ بے پایاں تھے جس میں بکثرت عجیب و غریب چیزیں تھیں۔ ان کے مذہب کی ابتدائی وضاحت یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو یہ بتانا اور سکھانا چاہتے تھے کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کو دنیا میں برگزیدہ کر کے ان کی ہمتوں کو متعلقات سے جدا کر کے اور نفس و ہوا کے ہر داعیہ سے منزہ بنا کر کسی نہ کسی درجہ پر فائز فرماتا ہے اور جو معانی کا دروازہ ان پر کھول دیا گیا ہے (131) اس کا کلام طویل ہے۔ چند اصول و قواعد کے لئے بھی شرح درکار ہے۔ اب میں بر سبیل اختصار اس تحقیق کو ظاہر کرتا ہوں اور ان کے کلام کے اسباب و اوصاف بیان کرتا ہوں۔

اثباتِ ولایت کی بحث

واضح رہنا چاہئے کہ تصوف و معرفت کے طریقہ کے اصول و قواعد، اور تمام ولایتوں کی پہچان اور اس

شرح (131): شانِ اولیاء بزبانِ امامُ الانبیاء صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم:

حضرت سیدنا اَنَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ اَفلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی گئی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ایسے اولیاء کون ہیں جنہیں نہ کچھ خوف ہے، نہ غم؟ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اولیاء وہ ہیں کہ جب لوگ دنیا کا ظاہر دیکھتے ہیں تو وہ اس کا باطن دیکھتے ہیں اور جب لوگ دُنیا کی جلد آنے والی شئے کا اہتمام کرتے ہیں تو وہ اس کی دیر سے آنے والی شئے کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی ہر اس چیز کو ختم کر دیتے ہیں جس کے متعلق انہیں خوف ہو کہ وہ انہیں ختم کردے گی اور دنیا کی ہر اس چیز کو چھوڑ دیتے ہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ عنقریب وہ انہیں چھوڑ دے گی۔ دنیا کے عطیّات میں سے کوئی چیز ان کے آڑے آئے تو وہ اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی رفعتوں میں سے کوئی چیز انہیں دھوکا دے تو وہ اسے ترک کر دیتے ہیں۔ دنیا ان کے نزدیک پرانی ہو چکی ہے، وہ دوبارہ اِسے نیا نہیں کرتے۔ یہ اُن کے سامنے ویران ہو چکی ہے، وہ اِسے آباد نہیں کرتے۔ یہ ان کے سینوں میں مر چکی ہے، وہ اِسے زندہ نہیں کرتے بلکہ سرے سے گرا دیتے ہیں۔ دنیا سے اپنی آخرت کی بنیاد رکھتے ہیں اور اسے بیچ کر باقی رہنے والی چیز خریدتے ہیں۔ ان کی نظر میں دنیا دار وہ نیم مردہ لوگ ہیں جن کے لئے عبرت ناک سزا لکھ دی گئی ہے۔ لہٰذا دُنیا دار جس چیز کی اُمید رکھتے ہیں وہ اسے امان نہیں سمجھتے اور جس چیز سے اہلِ دنیا ڈرتے ہیں وہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔

(الفتوحات المکیۃ لمحی الحق والدین المعروف بابن عربی، الباب الموفی ستین۔۔۔۔۔۔الخ، ج۸، ص۴۶۱)

بات کے سلسلہ میں اتنا جان لینا کافی ہے کہ تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے البتہ ہر ایک نے ولایت کا اثبات جداگانہ انداز میں کیا ہے۔ چنانچہ حکیم ترمذی حقیقت وطریقت کے معانی کے بیان و اطلاق میں خاص کمال رکھتے تھے۔

ولایت کی تحقیق:

ولایت، واؤ کے زبر سے اس کے لغوی معنی ''تصرف کرنا'' ہے اور ولایت، واؤ کے زیر سے اس سے معنی امارت وحکومت کے ہیں۔ (132) دونوں کا مصدر بروزنِ فعلی ولیۃ ہے۔ نیز ولایت کے معنی ربوبیت

شرح (132): ولایت کا بیان

ولایت دربار خداوندی میں ایک خاص قرب کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

عقیدہ ۱: تمام امتوں کے اولیاء میں ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی امت کے اولیاء سب سے افضل ہیں۔ اور اس امت کے اولیاء میں سب سے افضل واعلیٰ حضرات خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق وحضرت عثمان وحضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہم ہیں اور ان میں جو خلافت کی ترتیب ہے وہی افضلیت کی بھی ترتیب ہے۔ یعنی سب سے افضل حضرت صدیق اکبر ہیں۔ پھر فاروق اعظم۔ پھر عثمان غنی۔ پھر علی مرتضیٰ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (شرح العقائد النسفی، مبحث افضل البشر بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۴۹۔۱۵۰)

عقیدہ ۲: اولیائے کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سچے نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام کو بہت بڑی طاقت اور عالم میں ان کو تصرفات کے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اور بہت سے غیب کے علوم ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ لوح محفوظ کے علوم پر بھی مطلع فرما دیتا ہے۔ لیکن اولیاء کو یہ سارے کمالات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے واسطہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

عقیدہ ۳: اولیاء کی کرامت حق ہے۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔ کرامت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفاء دینا، لمبی مسافتوں کو منٹ دو منٹ میں طے کر لینا۔ پانی پر چلنا۔ ہواؤں میں اڑنا۔ دور دور کی چیزوں کو دیکھ لینا۔ مفصل بیان کے لئے پڑھو ہماری کتاب کرامات صحابہ علیھم الرضوان

(شرح العقائد النسفی، مبحث کرامات الاولیاء حق، ص ۱۴۵۔۱۴۷)

عقیدہ ۴: اولیائے کرام کو دور و نزدیک سے پکارنا جائز اور سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ [133] (الکہف: ۴۴) اس جگہ ولایت یعنی ربوبیت اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کیونکہ کفار اس سے التجا کرتے ہیں اور اپنے خداؤں سے اظہارِ بیزاری کرتے ہیں نیز ولایت کے ایک معنی محبت کے بھی ہیں۔

لفظ وَلی کی تحقیق:

لفظِ وَلی فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں بھی ممکن ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ [134] اللہ تعالیٰ نیکوں کا کارساز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ان کے افعال واوصاف کے ساتھ نہیں چھوڑتا اور اپنی حفاظت و پناہ کی چادر میں چھپالیتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ وَلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عقیدہ ۵: اولیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کا علم اور ان کا دیکھنا ان کا سننا دنیاوی زندگی سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

عقیدہ ۶: اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری مسلمانوں کے لئے باعث سعادت و برکت ہے اور ان کی نیاز و فاتحہ اور ایصال ثواب مستحب اور خیر و برکت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اولیائے کرام کا عرس کرنا یعنی لوگوں کا ان کے مزاروں پر جمع ہو کر قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و نعت خوانی و وعظ و ایصال ثواب یہ سب اچھے اور ثواب کے کام ہیں۔ ہاں البتہ عرسوں میں جو خلاف شریعت کام ہونے لگے ہیں۔ مثلاً قبروں کو سجدہ کرنا، عورتوں کا بے پردہ ہو کر مردوں کے مجمع میں گھومتے پھرنا، عورتوں کا ننگے سر مزاروں کے پاس جھومنا، چلانا اور سر پٹک پٹک کر کھیلنا کودنا۔ اور مردوں کا تماشا دیکھنا، باجا بجانا، ناچ کرانا یہ سب خرافات ہر حالت میں مذموم و ممنوع ہیں۔ اور ہر جگہ ممنوع ہیں اور بزرگوں کے مزاروں کے پاس اور زیادہ مذموم ہیں لیکن ان خرافات و ممنوعات کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بزرگوں کا عرس حرام ہے جو حرام اور ممنوع کام ہیں ان کو روکنا لازم ہے۔ ناک پر اگر مکھی بیٹھ گئی ہے تو مکھی کو اڑا دینا چاہیے ناک کاٹ کر نہیں پھینک دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر جاہلوں اور فاسقوں نے عرس میں کچھ حرام کام اور ممنوع کاموں کو شامل کر دیا ہے تو ان حرام و ممنوع کاموں کو روکا جائے عرس ہی کو حرام نہیں کہہ دیا جائے گا۔

شرح (133): هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ

ترجمہ کنز الایمان: یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے (پ ۱۵، الکہف: ۴۴)

شرح (134): وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○

ترجمہ کنز الایمان: اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۹۶)

اسم فاعل کے معنی میں مبالغہ کے طور پر آیا ہو؟(135) کیونکہ بندہ طاعت میں خوب محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے حقوق کی ہمیشہ نگہبانی کرتا ہے اور اس کے غیر سے مُنہ موڑ لیتا ہے۔ ایسا شخص مرید کہلائے گا اور اللہ تعالیٰ مرادؔ۔ یہ تمام معانی، حق کا بندہ کے ساتھ ہونا یا بندہ کا حق کے ساتھ ہونا دونوں صورتوں میں جائز ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا مددگار ہو کیونکہ اس نے ان کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دوستوں سے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں مدد کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا

شرح (135): ولی کی اصل ولاء سے ہے جو قرب و نصرت کے معنی میں ہے۔ ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قربِ الٰہی حاصل کرے اور اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہے اور اس کا دل نورِ جلالِ الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہو۔ جب دیکھے دلائلِ قدرتِ الٰہی کو دیکھے اور جب سنے اللہ کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب کی ثنا ہی کے ساتھ بولے اور جب حرکت کرے طاعتِ الٰہی میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے اسی امر میں کوشش کرے جو ذریعۂ قربِ الٰہی ہو، اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشمِ دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔ یہ صفت اولیاء کی ہے۔ بندہ جب اس حال پر پہنچتا ہے تو اللہ اس کا ولی وناصر اور معین ومددگار ہوتا ہے۔ متکلمین کہتے ہیں: ولی وہ ہے جو اعتقادِ صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہو اور اعمالِ صالحہ شریعت کے مطابق بجالاتا ہو۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قربِ الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ یہی طبری کی حدیث میں بھی ہے ابن زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس آیت میں مذکور ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی ایمان وتقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے محبت کریں۔ اولیاء کی یہ صفت احادیث کثیرہ میں وارد ہوئی ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا: ولی وہ ہیں جو طاعت سے قربِ الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے یا وہ جن کی ہدایت کا برہان کے ساتھ اللہ کفیل ہو اور وہ اس کا حقِ بندگی ادا کرنے اور اس کی خلق پر رحم کرنے کے لئے وقف ہو گئے۔ یہ معانی اور عبارات اگرچہ جداگانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتی ہیں۔ ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک بقدر اپنے درجے کے فضل وشرف رکھتا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان)

ہے کہ:

اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ [136] آگاہ رہو اللہ کی نصرت قریب ہے

نیز ارشاد ہے:

وَاَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ اَیۡ لَا نَاصِرَ لَہُمۡ یقینا کافروں کا کوئی مولیٰ یعنی مددگار نہیں ہے۔ [137] (محمد: ۱۱)

جب کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے تو لامحالہ مسلمانوں کا کوئی مددگار ضرور ہونا چاہئے جو ان کی مدد کرے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو آیات و دلائل کے لانے میں ان کی عقلوں کے اور معانی کے بیان کرنے میں اور ان کے اسرار منکشف کرنے کے لئے ان کے دلوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو نفس و شیطان کی مخالفت اور احکام الٰہیہ کی متابعت کرنے میں مدد دیتا ہے۔

دوسرے یہ بھی جائز ہے کہ محبت و خلت میں انہیں مخصوص فرما کر دشمنی کے مقامات سے محفوظ رکھے جیسا کہ ارشاد ہے: یُحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ [138] (المائدہ: ۵۴) وہ خدا سے محبت کرتے ہیں اور خدا انہیں محبوب رکھتا ہے۔ تاکہ ان کی دوستی خدا کے لئے ہو اور انہیں کو دوست رکھے۔ [139] اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو

شرح (136): اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ ۝

ترجمہ کنزالایمان: سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے (پ ۲، البقرۃ: ۲۱۴)

شرح (137): وَاَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں (پ ۲۶، محمد: ۱۱)

شرح (138): یُّحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗۤ

ترجمہ کنزالایمان: وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا (پ ۶، المائدہ: ۵۴)

شرح (139): رسولِ اکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: اللہ عزوجل کے بندوں میں سے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ ہی شہداء، بلکہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کی گئی کہ ہمیں بتائیے: وہ کون ہیں؟ تاکہ ہم ان سے محبت کرنے لگیں؟ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو رشتہ داری اور کسی تعلق کے بغیر صرف اللہ عزوجل کے نور کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہوں گے، ان کے چہرے نور کے ہوں گے، وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولایت عطا فرما کر طاعت پر قائم رکھے اور اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے تا کہ وہ اطاعتِ الٰہی پر قائم رہیں اور اس کی مخالفت سے اجتناب کریں یہاں تک کہ ان کی حسنِ طاعت کو دیکھ کر شیطان ذلیل ہو کر بھاگے اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو ولایت اس لئے عطا فرمائے کہ اس کی عقدہ کشائی سے ملک میں عقدہ کشائی ہو اور تمام بندوبست اور امور تکوینیہ ان کے قبضہ میں دے کر ان کی دعاؤں کو مستجاب اور ان کے انفاس کو مقبول بنائے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یَعْبَأُ بِہٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (140) بکثرت بندگانِ خدا پریشان حال، غبار آلود بال بکھرے، کپڑے پھٹے، ایسے ہیں جن کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسموں کو ضرور پورا کرتا ہے۔ (141)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حقیقی امارت کی مثال:

مشہور واقعہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حسب قدیم دریائے نیل کا پانی خشک ہو گیا۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ ہر سال ایک جوان خوبصورت لڑکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غمزدہ ہوں گے تو انہیں کچھ غم نہ ہوگا۔ پھر آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ O

ترجمۂ کنز الایمان: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ (پ 11 یونس: 62)

(صحیح ابن حبان، کتاب الصحۃ والمجالسۃ، باب ذکر وصف المتحابین فی اللہ۔۔۔۔۔۔ الخ، الحدیث: ۵۷۲، ج۱، ص ۳۹۰)

شرح (140): (جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب البراء ابن مالک، الحدیث ۳۸۵۴، ص ۲۰۴۷) (سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب من لایؤبہ لہ، الحدیث ۴۱۱۵، ج ۴، ص ۴۲۹) (الاحسان بترتیب صحیح ابنِ حبان، کتاب المعجزات، باب من ابطل وجود المعجزات... الخ، الحدیث ۶۴۴۹ ج ۸، ص ۱۳۹)

شرح (141): یعنی میری امت میں بعض غرباء مساکین جن کی کوئی نہ سنے وہ عند اللہ ایسے مقبول ہوں گے کہ اگر وہ کہہ دیں کہ خدا کی قسم تو جنتی ہے یا قسم خدا کی تجھے بیٹا ملے گا یا قسم اللہ کی کل بارش ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتے ہوئے یہ کام کر دے، بزرگوں سے دعاء کرانے کی اصل یہ حدیث بھی ہے۔ اللہ بے قراروں کی سنتا ہے یا بے قرار بنو یا کسی بے قرار سے دعا کراؤ "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ"۔

زیورات سے آراستہ کر کے دریا کو بھینٹ چڑھائی جاتی تھی تب جا کر دریا جاری ہوتا تھا۔ (مصر کے گورنر نے یہ واقعہ لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجا آپ نے گورنر کے حکم کی توثیق کرتے ہوئے) ایک کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر ارسال فرمایا (اور گورنر کو حکم دیا کہ یہ رقعہ دریائے نیل میں پڑھ کر ڈال دیں۔ اس رقعہ پر تحریر تھا کہ) اے پانی! اگر تو اپنی مرضی سے رکا ہے تو جاری نہ ہو اور اگر خدا کے حکم سے رکا ہے تو عمر کہتا ہے کہ جاری ہو جا۔ جب رقعہ پڑھ کر پانی میں ڈالا گیا تو پانی جوش مارتا ہوا جاری ہو گیا [142] (اس کے بعد آج تک اس کا پانی خشک نہیں ہوا) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ امارت حقیقی تھی۔ [143]

میری مراد، ولایت اور اس کے اثبات سے یہی حقیقی امارت ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ وَلی کا نام اسی کے لئے جائز ہے جس میں مذکورہ معانی موجود ہوں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور وہ صاحبِ حال ہو نہ کہ صاحب قال اور مالک بحث وجدال۔ اسی لئے گزشتہ مشائخ نے اس سلسلہ میں بکثرت کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ اب صاحب مذہب حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اور اس کی خوبیاں بیان کرتا ہوں کیونکہ مجھ کو ان سے حد درجہ حسن عقیدت ہے خدا کرے کہ ہر طالب راہِ حق اور اس کتاب کے پڑھنے والے کو فائدہ پہنچے اور سعادت حاصل کرے۔ واضح رہنا چاہئے کہ لفظِ وَلی لوگوں میں بہت مستعمل ہے اور کتاب وسنت اس پر ناطق وشاہد ہے۔

نام ولی کے اطلاقات:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ [144] خبردار! اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن

شرح (142): (ازالۃ الخفاء، مقصد ۲، ص ۱۶۶) (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ... الخ، ص ۶۱۲ ملخصاً)

شرح (143): اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہوا پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت تھی اسی طرح دریاؤں کے پانیوں پر بھی آپ کی حکمرانی کا پرچم لہرا رہا تھا اور دریاؤں کی روانی بھی آپ کی فرماں بردار و خدمت گزار تھی۔

شرح (144): اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ (پ ۱۱، یونس: ۶۲)

پر نہ خوف ہوتا ہے اور نہ حزن وملال (یونس: ۶۲)

اور ارشاد ہے:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ (145) ہم تمہاری دنیاوی اور اخروی زندگانی میں مددگار ہیں۔(حم السجدہ:۳۱)

اور ارشاد ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (146) ایمان داروں کا مددگار اللہ ہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنۡ عِبَادِ اللّٰہِ لَعِبَاد یَّغۡبِطُھُمُ الۡاَنۡبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ بلاشبہ بندگان خدا میں سے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر انبیاء وشہداء غبطہ (رشک) کرتے ہیں۔ (147)

صحابہ نے عرض کیا "یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ صِفۡھُمۡ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّھُمۡ" یارسول اللہ! ہمیں ان کی پہچان بتائیے تا کہ ہم ان سے محبت قائم رکھیں۔ آپ نے فرمایا:

شرح (145): نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ

ترجمہ کنز الایمان: ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (پ ۲۴، حم السجدہ:۳۱)

شرح (146): اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

ترجمہ کنز الایمان: اللہ والی ہے مسلمانوں کا (پ ۳، البقرۃ: ۲۵۷)

شرح (147): یا تو یہاں غبطہ سے مراد ہے خوش ہونا تب تو حدیث واضح ہے کہ حضرات انبیاء کرام ان لوگوں کو اس مقام پر دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور ان لوگوں کی تعریف کریں گے۔(مرقات) اور اگر غبطہ بمعنی رشک ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر حضرات انبیاء وشہداء کسی پر رشک کرتے تو ان پر کرتے تو یہ فرضی صورت کا ذکر ہے۔(اشعۃ اللمعات) یا یہ رشک اپنی موت کی بنا پر ہوگا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ لوگ ایسے درجے میں ہیں کہ ہماری امت میں نہیں یا یہ مقصد ہے کہ وہ حضرات اپنی امت کا حساب کرا رہے ہوں گے اور یہ لوگ آرام سے ان منبروں پر بے فکری سے آرام کر رہے ہوں گے تو حضرات انبیاء کرام ان لوگوں کی بے فکری پر رشک کریں گے کہ ہم مشغول ہیں یہ فارغ البال۔ بہر حال اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ یہ حضرات انبیاء کرام سے افضل ہوں گے۔(مرقات واشعہ وغیرہ)

قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوْحِ اللهِ مِنْ غَيْرِ اَمْوَالٍ وَاكْتِسَابٍ وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ تَلَا اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (148) یہ وہ لوگ ہیں جو مال ومحنت کے بغیر صرف ذات الٰہی سے محبت رکھتے ہیں ان کے چہرے نور کے مناروں پر روشن وتاباں ہیں۔ لوگوں کے خوف کے وقت یہ بے خوف اور ان کے غموں کے وقت یہ بے غم ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ بے شک اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف ہے اور نہ حزن وملال۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ اٰذٰى وَلِيًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِيْ جس نے میرے ولی کو ایذا دی اس سے میرا لڑنا حلال ہوگیا۔

کتاب وسنت کے ان دلائل سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی دوستی وولایت سے مخصوص کرکے اپنے ملک کا والی بنایا ہے اور ان کے احوال کو برگزیدہ کرکے اپنے فعل و اظہار کا مرکز بنایا ہے اور متعدد کرامتوں سے سرفراز کرکے ان کی طبع کی آفتوں اور نفس وہوا کی پیروی سے پاک ومنزہ فرمایا ہے (149) تاکہ ان کے تمام ارادے خدا کے لئے ہی ہوں اور ان کی محبت اسی سے ہو۔

شرح (148): (صحیح ابن حبان، کتاب الصحبۃ والمجالسۃ، باب ذکر وصف المتحابین فی اللہ۔۔۔۔الخ، الحدیث: ۵۷۲، ج ۱، ص ۳۹۰) (المعجم الکبیر، الحدیث ۳۴۳۳، ج ۳، ص ۲۹۰ بتغیر)

شرح (149): حضرت سیدنا وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے: ایک مرتبہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے حواریوں نے پوچھا: اے عیسیٰ علیہ السلام! اللہ عزوجل کے وہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کون ہیں جن پر کوئی خوف ہوگا نہ غم۔

تو حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب دنیاداروں کی نظریں دنیا کے ظاہر پر ہوتی ہیں تو ان کی نظریں دنیا کے انجام اور باطن پر ہوتی ہیں۔ جن چیزوں سے انہیں (دینی اعتبار سے) نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ان اشیاء کو فنا کر ڈالتے ہیں۔ جن چیزوں کے بارے میں انہیں علم ہوتا ہے کہ یہ اشیاء انہیں چھوڑ دیں گی تو ایسی چیزوں کو پہلے ہی ترک کر دیتے ہیں، ان کی نظروں میں کسی شئے کی کثرت، انتہائی قلیل ہوتی ہے اور یہ لوگ عارضی چیزوں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زمانہ ماضی میں ہم سے پہلے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام گزشتہ امتوں پر شرافت و بزرگی عطا فرمائی ہے اور ضمانت دی ہے کہ میں شریعت محمد یہ علیہ السلام کی ہمیشہ حفاظت فرماؤں گا۔ اس پر دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ علماء کے درمیان آج بھی موجود ہیں اور غیبی دلائل بھی کہ اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارا اختلاف دو گروہ سے ہے ایک معتزلہ سے دوسرے حشویوں سے۔ معتزلہ، ایمانداروں میں ایک کی دوسرے پر تخصیص کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وَلی کے خاص ہونے سے انکار کرنا نبی کے انکار کو مستلزم ہے اور یہ کفر ہے اور عام حشوی، اگرچہ تخصیص کو جائز تو رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ وَلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب انہیں دنیوی چیزیں ملتی ہیں تو غمگین ہو جاتے ہیں، دنیاوی آسائشوں کو خاطر میں نہیں لاتے، جس رتبے اور عہدے کے اہل نہیں ہوتے اسے کبھی بھی قبول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک دنیا پرانی ہو چکی ہے، یہ اس کی تجدید نہیں چاہتے، دنیا ان کی نظروں میں کچھ بھی نہیں، یہ اسے کوئی وقعت نہیں دیتے، خواہشات ان کے سینوں میں دم توڑ چکی ہیں، یہ دنیا کو ترک کرنے کے بعد دوبارہ طلب نہیں کرتے بلکہ اخروی نعمتوں کے خواہش مند رہتے ہیں، انہوں نے اپنی دنیوی نعمتوں کے بدلے اخروی و دائمی نعمتوں کو خرید لیا ہے، اور یہ اس سودے پر بہت خوش ہیں اور اسے نفع بخش سمجھتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اہلِ دنیا، دنیا کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں اور دنیا انہیں دھتکار کر چلی گئی تو انہوں نے موت کی یاد کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور زندگی کے متعلق غور و فکر ترک کر دیا۔ یہ لوگ اللہ عزوجل اور اس کے ذکر سے محبت کرتے ہیں اور اس کے نور سے فیض یاب ہو کر منور ہو جاتے ہیں۔

ان کی باتیں عجیب و غریب اور ان کی حالت حیران کن ہوتی ہے، کتاب اللہ میں ایسے لوگوں کے لئے خوشخبریاں ہیں اور یہ کتاب اللہ عزوجل پر عمل کرنے والے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کی صفات بیان کی گئی ہیں، اور یہ قرآن پاک کی خوب تلاوت کرتے ہیں، ان کے متعلق قرآن کریم میں معلومات ہیں اور یہی لوگ قرآن پاک کو صحیح سمجھنے والے ہیں۔ یہ اپنے نیک اعمال کو زیادہ گمان نہیں کرتے بلکہ انہیں بہت کم خیال کرتے ہیں، اور جس (یعنی ثواب و انعام) کی انہیں آخرت میں اُمید ہے اس کے علاوہ (دنیا کی) کسی اور نعمت کی امید نہیں رکھتے اور (اخروی عذاب) کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں ڈرتے بلکہ ہر وقت جہنم کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں۔ (عُیُوْنُ الحِکَایَات ص ۸۹)

ہوئے تو ہیں لیکن آج نہیں ہیں۔ حالانکہ ماضی و حال و مستقبل کا انکار سب برابر ہے اس لئے کہ انکار کا ایک رخ دوسرے رخ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے براہین نبوت کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ آیاتِ حق، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے دلائل ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو جہان کا والی بنایا ہے یہاں تک کہ وہ خالص سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہو کر رہے اور نفس کی پیروی کی راہوں کو چھوڑ دیا۔ (150) آسمان سے رحمتوں کی بارش انہی کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے اور زمین میں جو کچھ اگتا ہے وہ انہی کی برکت اور ان کے احوال کی صفائی کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ کافروں پر مسلمانوں کی فتح یابی انہی کے ارادے سے ہے۔

مخفی اولیاء کی تعداد:

اولیاء اللہ میں سے چار ہزار تو وہ ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں وہ نہ تو ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں اور نہ اپنے حال کی خوبی و جمال کو جانتے ہیں ان کی حالت خود اپنے سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں اور اولیاء کرام کے اقوال اس پر شاہد و ناطق ہیں۔ مجھ پر خود بحمد اللہ اس کے معانی ظاہر ہو چکے ہیں۔

اولیاء کے اقسام:

جو اولیاء حق تعالیٰ کی بارگاہ کے لشکری اور مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے ہیں، (151) ان کی تعداد تین سو (۳۰۰) ہے۔ ان کو اخیار کہا جاتا ہے اور چالیس (۴۰) وہ ہیں جن کو

شرح (150): قرآن وسنت

شیخ اَحمد زروق علیہ الرحمۃ نے فرمایا! جو پیر سنت کو نہ اپنا سکا۔ اس کی اتباع دُرُست نہیں۔ خواہ وہ (بظاہر) ہزار کرامتیں دکھائے۔ (وہ سب اِستدراج یعنی دھوکا ہے)۔

(حقائق عن التصوف، الباب الخامس، التحذیر من الفصل بین الحقیقۃ الشریعۃ، ص ۴۸۷)

حضرت جُنید بَغدادی علیہ رَحمۃ الھادی نے فرمایا! ہماری طریقت قرآن وسنت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور راہ طریقت! نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور سنت کی تابعداری کے بغیر طے نہیں ہو سکتی۔ (اَیضاً)

شرح (151): مجدِّدِ اعظم، امامِ اہلسنت، حضرت سیّدُنا امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: غوث بالیقین اس (یعنی ولی مسمّٰی بالخضر) سے افضل ہوتا ہے کہ وہ اپنے دورے میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابدال اور سات وہ ہیں جن کو ابرار اور چار وہ ہیں جن کو اوتاد اور تین وہ ہیں جن کو نقباء اور ایک وہ ہے جسے قطب اور غوث کہا جاتا ہے۔ یہ اولیاء وہ ہیں جنہیں ایک دوسرے پہچانتے ہیں اور امور و معاملات میں ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سلطان کل اولیاء ہے۔ یونہی امامین، یونہی افراد، یونہی اوتاد، یونہی بُدلاء، یونہی ابدال کہ یہ سب یکے بعد دیگرے باقی اولیائے دورہ (یعنی زمانہ) سے افضل ہوتے ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں:

اِنَّ اَکْبَرَالْاَوْلِیَاءِ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اَلْقُطْبُ ثُمَّ الْاَفْرَادُ عَلٰی خِلَافٍ فِیْ ذَالِكَ ثُمَّ الْاِمَامَانِ ثُمَّ الْاَوْتَادُ ثُمَّ الْاَبْدَالُ اھ۔ اَقُوْلُ وَالْمُرَادُ بِالْاَبْدَالِ الْبُدَلَاءُ السَّبْعَةُ لِمَا ذُکِرَ بَعْدَہٗ اَنَّ الْاَبْدَالَ السَّبْعَةَ لَایَزِیْدُوْنَ وَلَا یَنْقُصُوْنَ وَھٰؤُلَاءِ ھُمُ الْبُدَلَاءُ اَمَّا الْاَبْدَالُ فَاَرْبَعُوْنَ بَلْ سَبْعُوْنَ کَمَا فِی الْاَحَادِیْثِ۔

(الفتاوی الرضویہ، ج ۳۰ ص ۸۷)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے بعد سب سے بڑا ولی قطب ہوتا ہے، پھر افراد، اس میں اختلاف ہے، پھر امامان، پھر اوتاد، پھر ابدال اھ میں کہتا ہوں: ابدال سے مراد سات بُدلاء ہیں، اس دلیل کی وجہ سے جو اس کے بعد مذکور ہے کہ بے شک ابدال سات ہیں، نہ زیادہ ہوتے ہیں نہ کم، اور یہی بدلاء ہیں۔ رہے ابدال تو وہ چالیس بلکہ ستر ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے۔

حضرت سیدنا امام، محقق، علامہ محمد یوسف نبہانی قدس سرہ النورانی اپنی کتاب جامع کراماتِ اولیاء میں ان مبارک ہستیوں کی اقسام کی وضاحت یوں کرتے ہیں: اقطاب: یہ حضرات اصالتاً یا نیابتاً سب احوال و مقامات کے جامع ہوتے ہیں مشائخ کی اصطلاح میں جب یہ لفظ بغیر اضافت استعمال ہو تو ایسے عظیم انسان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زمانہ بھر میں صرف ایک ہی ہوتا ہے، اسی کو غوث بھی کہتے ہیں۔ یہ مقربینِ خدا سے ہوتے ہیں اور اپنے زمانے میں گروہِ اولیاء کے آقا ہوتے ہیں اوتاد: یہ صرف چار حضرات ہوتے ہیں۔ کسی دور میں ان میں کمی بیشی نہیں ہوتی ان چار میں سے ایک کے ذریعے اللہ عَزَّ وَجَلَّ مشرق کی حفاظت فرماتا ہے اور ایک کی ولایت مشرق میں ہوتی ہے، دوسرا مغرب میں، تیسرا جنوب اور چوتھا شمال میں ولایت کا مرکز ہوتا ہے۔ ان کے معاملات کی تقسیم کعبہ (معظمہ) سے شروع ہوتی ہے ان چاروں کے القاب اور صفاتی نام یہ ہیں: عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالقادر اور عبدالمرید ابدال: یہ سات سے کم و بیش نہیں ہوتے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان کے ذریعے اقالیم سبعہ کی حفاظت فرماتا ہے۔ ہر بدل کی ایک اقلیم ہوتی ہے جہاں اس کی ولایت کا سِکّہ چلتا ہے نقباء: ہر دور میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں اس پر مروی صحیح حدیثیں ناطق ہیں اور اہل سنت و جماعت کا ان کی صحت پر اجماع ہے۔ یہاں شرح وبسط کی گنجائش نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صرف بارہ نقیب ہوتے ہیں۔ آسمان کے بارہ ہی برج ہیں اور ہر ایک نقیب ایک ایک برج کی خاصیتوں کا عالم ہوتا ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان نقبائے کرام کے ہاتھوں میں شریعتوں کے نازل کئے ہوئے علوم دے دیئے ہیں۔ نفوس میں چھپی اشیاء اور آفاتِ نفوس کا انہیں علم ہوتا ہے۔ نفوس کے مکر وخداع کے استخراج پر یہ قادر ہوتے ہیں۔ ابلیس ان کے سامنے یوں منکشف ہوتا ہے کہ اس کی مخفی قوتوں کو بھی یہ جانتے ہیں جنہیں وہ خود نہیں جانتا۔ ان کے علم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اگر کسی کا نقشِ پا زمین پر لگا دیکھ لیں تو انہیں اس کے شقی وسعید ہونے کا پتہ چل جاتا ہے نجباء: ہر دور میں آٹھ سے کم وبیش نہیں ہوتے۔ ان حضرات کے احوال سے ہی قبولیت کے علامات ظاہر ہوتی ہیں حالانکہ ان علامات پر ضروری نہیں کہ انہیں اختیار بھی ہو۔ بس حال کا ان پر غلبہ ہوتا ہے، اس حال کے غلبہ کو صرف وہ حضرات پہچان سکتے ہیں جو رتبہ میں ان سے اوپر ہوتے ہیں۔ ان سے کم مرتبہ لوگ نہیں پہچان سکتے رجال الغیب: یہ دس حضرات ہوتے ہیں۔ کم وبیش نہیں ہوتے۔ ہمیشہ ان کے احوال پر انوارِ الٰہی کا نزول رہتا ہے لہٰذا یہ اہلِ خشوع ہوتے ہیں۔ اور سرگوشی میں بات کرتے ہیں یہ مستور (یعنی نظروں سے اوجھل) رہتے ہیں۔ زمین وآسمان میں چھپے رہتے ہیں، ان کی مناجات صرف حق تعالیٰ سے ہوتی ہیں اور ان کے شہود کا مرکز بھی وہی ذاتِ بے مثال ہوتی ہے وہ مجسمۂ حیا ہوتے ہیں، اگر کسی کو بلند آواز سے بولتا سنتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور ان کے پٹھے کانپنے لگتے ہیں، اہل اللہ جب بھی لفظ رجالُ الغیب استعمال فرماتے ہیں تو ان کا مطلب یہی حضرات ہوتے ہیں۔ کبھی اس لفظ سے وہ انسان بھی مراد لئے جاتے ہیں جو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ کبھی رجالُ الغیب سے نیک اور مومن جن بھی مراد لئے جاتے ہیں۔ کبھی ان لوگوں کو بھی رجالُ الغیب کہہ دیا جاتا ہے جو علم اور رزقِ محسوس حسّی دنیا سے نہیں لیتے بلکہ غیب کی دنیا سے علم ورزق انہیں ملتا ہے۔

(جامع کرامات اولیاء (مترجم) ج1 ص230 تا239 ملخصاً)

سب خوبیاں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے جس نے اپنے حسنِ انتخاب سے نیکوکار اولیاء میں خواص کو خاص فرمایا۔ اس نے حصولِ مقاصد والی رات میں ان میں سے افضل واعلیٰ ہستیوں کو عالَمِ اسرار کی سیر کرائی۔ اور وہ اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو گئے تو اُس نے انہیں اپنے آزاد اور غلام سب بندوں پر امین بنا دیا۔ ان کے ہاتھوں مانگنے والوں کو مرادیں ملتی اور ان کی برکتوں سے خطاکاروں کی خطائیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اعتراضات اوران کے جوابات:

عام لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے جو یہ کہا ہے کہ "یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے ولی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اپنی عاقبت سے بے خوف ہوں حالانکہ یہ محال ہے کہ معرفت الٰہی اور منصب ولایت، بے خوفی کا اقتضاء کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ جائز ہے کہ مومن اپنے ایمان کا عارف ہوتے ہوئے بے خوف نہیں ہوتا تو یہ بھی جائز ہے کہ ولی اپنی ولایت کا عارف ہوتے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہ شہریوں اور دیہاتیوں کو نفع پہنچانے کے لئے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے حکم سے دنیا میں تصرف کرتے ہیں۔ ان میں کچھ نقباء ہیں تو کچھ ابدال، بعض نجباء ہیں تو بعض رجال، بعض اقطاب ہیں اور کوئی غوث کہ اس کے وسیلہ سے بارشیں برستی، اس کی برکت سے (چوپایوں کے) تھن دودھ سے بھرتے اور پھل اور کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوتی ہیں۔ ☆ نقباء 70 ہیں اور یہ مصر میں ہیں، کسی دوسرے شہر میں نہیں ہوتے۔ ☆ ابدال 40 ہیں اور یہ شام میں ہیں اور معرفت و بصیرت رکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ ☆ نجباء 300 ہیں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں مغرب میں (شیاطین و کفار سے) جنگ کے لئے مقرر فرمایا۔ یہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے دین کے محافظ و مددگار ہیں۔ ☆ رجالُ الغیب 10 ہیں اور یہ عراق میں ہیں۔ اور ان کا جامِ محبت ہر طرح کی آمیزش سے پاک وصاف اور شفاف ہے۔ ☆ اقطاب 7 ہیں۔ جنہیں اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے شہروں اور اطراف عالم میں بسنے والوں کے نفع کے لئے سات مُلکوں میں پیدا فرمایا۔ ☆ اور غوث (ہر زمانے میں) صرف ایک ہوتا ہے۔ جسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ عزت وعظمت والے شہر مَکَّۃُ الْمُکَرَّمَہ (زَادَھَا اللہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا) پر مامور فرماتا ہے۔

پس یہ برگزیدہ بندے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے محفوظ راز اور پوشیدہ علم کے خزانوں پر امین ہیں حتی کہ عمریں ختم ہو جائیں۔ اگر ان ہستیوں کا وجود نہ ہو تو چشمے اور نہریں خشک ہو جائیں۔ اگر ان کے رکوع و سجود نہ ہوں تو بارشیں بند ہو جائیں، زمین کھیتی اُگانا اور درخت پھل دینا چھوڑ دیں۔ یہ ارادۂ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے دائرے میں رہتے ہیں۔ انہیں بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں حاضر ہونے سے نہ تو غفلت روکتی ہے، نہ ہی اس سے دوری میں قرار آتا ہے۔ جب بادشاہوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو ان کے لئے پردوں کو اٹھا دیا جاتا ہے۔ جب سلاطین کے پردے آویزاں (آ۔وِ۔زاں) ہو جاتے ہیں تو ان کے لئے اللہ واحد وقہار عَزَّ وَجَلَّ تجلّی فرماتا ہے۔ پس اگر وہ تجلی ان میں سے کسی سے پلک جھپکنے کی دیر چھپ جائے تو پہاڑ ٹوٹ کر زمیں بوس ہو جائیں اور دنیا میں زلزلہ آ جائے۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِقْ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقْ ص ۳۵۹)

بے خوف نہ ہو۔ (152)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ حق تعالیٰ کرامت کے طور پر ولی کو اس کے حال کی صحت اور مخالفت پر خدا کی حفاظت بتا کر اسے اپنی عاقبت کے محفوظ ہونے پر عارف اور مشرف فرمادے۔

چونکہ اس جگہ مشائخ کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ میں نے ظاہر کردی ہے کہ کچھ اولیاء وہ ہیں جو چھپے رہتے ہیں جن کی تعداد چار ہزار ہے ان کو اپنے ولایت سے آگاہی جائز نہیں لیکن مشائخ کی ایک جماعت ایسی ہے جو اس آگاہی کو جائز رکھتی ہے۔ تو یہ وہ اولیاء ہیں جن کی تفصیل اس کے بعد بیان کی گئی ہے۔ بکثرت فقہاء و متکلمین پہلے گروہ کی بھی موافقت کرتے ہیں اور دوسری جماعت کے نظریہ کی بھی۔ چنانچہ استاد ابو اسحاق اسفرائی اور متقدمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے؟ (153) اور استاد ابوبکر بن موزک اور متقدمین کی ایک اور جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ولی اپنی ولایت کو پہچانتا ہے۔

جب ہم پہلے گروہ سے دریافت کرتے ہیں کہ ولی کو اپنی آگاہی میں کیا آفت ونقصان ہے تو وہ کہتے ہیں کہ آگاہ ہونے پر وہ عجب وغرور میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس پر ہم کہتے ہیں کہ ولایت کی شرط تو یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی حفاظت میں رہ کر ہر آفت سے محفوظ رہے بھلا خدا کی حفاظت میں رہ کر اس پر عجب وغرور کا

شرح (152): مفسرِ قرآن، حبرُ الاُمّہ حضرت سیّدُنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر دُنیا میں کوئی خوف نہیں، نہ ہی وہ آخرت میں غمگین ہوں گے بلکہ ربّ تعالیٰ خوشی وعزت کے ساتھ ان کا استقبال فرمائے گا اور انہیں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں عطا کریگا۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق ص ۳۵۹)

شرح (153): ولی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی ولایت کا اعلان کرے یا اپنی ولایت کا ثبوت دے، بلکہ ولی کے لیے تو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود بھی جانے کہ میں ولی ہوں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی ہوئے کہ انکو اپنے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ ولی ہیں۔ بلکہ دوسرے اولیاء کرام نے اپنے کشف وکرامت سے انکی ولایت کو جانا پہچانا اور ان کے ولی ہونے کا چرچا کیا، مگر نبی کے لیے اپنی نبوت کا اثبات ضروری ہے اور چونکہ انسانوں کے سامنے نبوت کا اثبات بغیر معجزہ دکھائے ہو نہیں سکتا، اس لیے ہر نبی کے لیے معجزہ کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ (کراماتِ صحابہ ۳۸)

صدور جائز ہی کب ہے؟ اور یہ بات تو بہت ہی عامیانہ اور بودی ہے کہ جو ولی ہو اور اس سے خرق عادات اور کرامتوں کا صدور بھی ہو پھر بھی وہ اتنا نہ جانے کہ میں ولی ہوں اور یہ کہ یہ کرامتیں ہیں۔؟ عوام میں سے کچھ لوگوں نے پہلے گروہ کی تقلید کی اور کچھ لوگوں نے دوسرے گروہ کی۔ اور ان کی باتوں کو قابل اعتناء نہیں سمجھا لیکن معتزلہ تو سرے سے تخصیص ایمان اور کرامتوں ہی کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ولایت کی حقیقت تخصیص اور کرامت ہی سے ہے۔ (154) معتزلہ کہتے ہیں کہ تمام وہ مسلمان جنہوں نے ایمانی احکام کو قائم

شرح (154): تحقیق کرامات

زمانہ نبوت سے آج تک کبھی بھی اس مسئلہ میں اہل حق کے درمیان اختلاف نہیں ہوا کہ اولیاء کرام کی کرامتیں حق ہیں اور ہر زمانے میں اللہ والوں کی کرامتوں کا صدور و ظہور ہوتا رہا اور ان شاء اللہ عزوجل قیامت تک کبھی بھی اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا، بلکہ ہمیشہ اولیاء کرام سے کرامات صادر و ظاہر ہوتی ہی رہیں گی۔

اور اس مسئلہ کے دلائل میں قرآن مجید کی مقدس آیتیں اور احادیث کریمہ نیز اقوالِ صحابہ و تابعین کا اتنا بڑا خزانہ اوراقِ کتب میں محفوظ ہے کہ اگر ان سب پراگندہ موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو ایک ایسا گراں قدر وبیش قیمت ہار بن سکتا ہے جو تعلیم و تعلم کے بازار میں نہایت ہی انمول ہوگا اور اگر ان منتشر اوراق کو صفحات قرطاس پر جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم وعظیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔

کرامت کیا ہے

مؤمن متقی سے اگر کوئی ایسی نادر الوجود و تعجب خیز چیز صادر و ظاہر ہو جائے جو عام طور پر عادتاً نہیں ہوا کرتی تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ اسی قسم کی چیزیں اگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے اعلانِ نبوت کرنے سے پہلے ظاہر ہوں تو ارہاص اور اعلان نبوت کے بعد ہوں تو معجزہ کہلاتی ہیں اور اگر عام مؤمنین سے اس قسم کی چیزوں کا ظہور ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں اور کسی کافر سے کبھی اس کی خواہش کے مطابق اس قسم کی چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو اِستدراج کہا جاتا ہے۔ (النبراس شرح شرح العقائد، اقسام الخوارق سبعۃ، ص ۲۷۲، ملخصا)

معجزہ اور کرامت

اوپر ذکر کی ہوئی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ معجزہ اور کرامت دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔ بس دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ خلاف عادت و تعجب خیز چیزیں اگر کسی نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوں تو یہ معجزہ کہلائیں گی اور اگر ان چیزوں کا ظہور کسی ولی کی جانب سے ہو تو ان کو کرامت کہا جائے گا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رکھا اور حق کی فرمانبرداری کی وہ سب اولیاء اللہ ہیں اور جس نے ایمانی احکام کو قائم نہ رکھا، صفات الٰہی اور دیدارِ خدا کا انکار کیا، مومن کے لئے خلودِ دوزخ کو جائز رکھا اور انبیاء ومرسلین کی بعثت اور نزولِ کتب سماویہ کے بغیر، محض عقل کے ذریعہ احکام کے جواز کا قائل ہوا ان کے نزدیک وہ وَلی ہے۔ بلاشبہ جس کے معتقدات ایسے ہوں تمام مسلمانوں کے نزدیک وہ ولی ہے مگر وہ خدا کا وَلی نہیں بلکہ شیطان کا وَلی ہوگا؟ نعوذ باللہ منہا۔

معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ولایت کے لئے اگر کرامت واجب ہوتی تو لازم تھا کہ ہر مسلمان کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چنانچہ حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب نشر المحاسن الغالیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ امام الحرمین و ابوبکر باقلانی وابوبکر بن فورک و حجۃ الاسلام امام غزالی وامام فخر الدین رازی و ناصر الدین بیضاوی و محمد بن عبدالملک سلمی و ناصر الدین طوسی و حافظ الدین نسفی و ابوالقاسم قشیری ان تمام اکابر علماء اہل سنت و محققین ملت نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا کہ معجزہ اور کرامت میں یہی فرق ہے کہ خوارقِ عادات کا صدور وظہور کسی نبی کی طرف سے ہو تو اس کو معجزہ کہا جائے گا اور اگر کسی ولی کی طرف سے ہو تو اس کو کرامت کے نام سے یاد کیا جائے گا حضرت امام یافعی نے ان دس اماموں کے نام اور ان کی کتابوں کی عبارتیں نقل فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ان اماموں کے علاوہ دوسرے بزرگان ملت نے بھی یہی فرمایا ہے، لیکن علم و فضل اور تحقیق وتدقیق کے ان پہاڑوں کے نام ذکر کردینے کے بعد مزید محققین کے ناموں کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الاول فی تجویز الکرامۃ للاولیاء... الخ، ص ۶۰۴)

معجزہ ضروری، کرامت ضروری نہیں

معجزہ اور کرامت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہر ولی کے لیے کرامت کا ہونا ضروری نہیں ہے، مگر ہر نبی کے لیے معجزہ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ولی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی ولایت کا اعلان کرے یا اپنی ولایت کا ثبوت دے، بلکہ ولی کے لیے تو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود بھی جانے کہ میں ولی ہوں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی ہوئے کہ انکو اپنے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ ولی ہیں۔ بلکہ دوسرے اولیاء کرام نے اپنے کشف وکرامت سے انکی ولایت کو جانا پہچانا اور ان کے ولی ہونے کا چرچا کیا، مگر نبی کے لیے اپنی نبوت کا اثبات ضروری ہے اور چونکہ انسانوں کے سامنے نبوت کا اثبات بغیر معجزہ دکھائے ہو نہیں سکتا، اس لیے ہر نبی کے لیے معجزہ کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

کرامت ہوتی کیونکہ تمام مسلمان ایمان میں مشترک ہیں جب کہ وہ اصل میں مشترک ہیں تو لامحالہ وہ فرع میں بھی مشترک ہوں گے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ مسلمان اور کافر سے کرامت صادر ہو جائے اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ سفر میں کوئی بھوکا ہو اور اسے کوئی میزبان مل جائے اور کھانا کھلا دے یا تھکا ہوا ہو اور اسے کوئی سواری مل جائے وغیرہ وغیرہ۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی کے لئے طویل مسافت ایک رات میں طے کرنا جائز ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی یہ بات جائز ہوتی حالانکہ جب آپ نے مکہ مکرمہ کا عزم فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ (155) اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہر کی طرف کہ تم اس تک نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر (النحل: ۷)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ قول باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا (الآیہ) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے مختصر حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ (156)

(بنی اسرائیل: ۱)

لیکن جس آیت کو تم پیش کرتے ہو اس میں بوجھ اٹھانے کے معنی، صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان کو مکہ کی طرف لے جانا ہے کیونکہ کرامت خاص ہے عام نہیں ہے اگر کرامت سے ان سب کو مکہ مکرمہ لے جاتے تو کرامت عام ہو جاتی اور ایمان بالغیب ضروری نہ رہتا اور غیبی ایمان کے تمام احکام اور غیبی خبروں کا وجود سب جاتا رہتا کیونکہ ایمان مطیع و عاصی میں محل عموم ہے اور ولایت، محل خاص ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو محل عام نہیں رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کرام کی موافقت پر بوجھ اٹھانا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ

شرح (155): وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہر کی طرف کہ اس تک نہ پہونچتے مگر ادھ مرے ہو کر بیشک (پ ۱۴، النحل: ۷)

شرح (156): سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا۔

ترجمہ کنزالایمان: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک۔

(پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے دوسری جگہ حکم کو محل خاص میں رکھا اور اپنے نبی ﷺ کو رات کے مختصر حصہ میں مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس کے بعد وہاں سے "قاب قوسین" اور عالم کے دونوں کناروں پر لے جا کر سب کچھ دکھایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس میں ایک صریح نکتہ یہ ہے کہ جو بات نہایت عجیب ہوتی ہے اس پر تسبیح کی جاتی ہے، سبحن اللہ الذی کیسی عمدہ چیز ہے۔ سبحن کیسی عجیب بات ہے جسم کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا کوئی زمہریر طے فرمانا، کُرہ نار طے فرمانا، کروڑوں برس کی راہ کو چند ساعت میں طے فرمانا۔ تمام ملک وملکوت کی سیر فرمانا۔ یہ تو انتہائی عجیب آیات بینات ہی ہیں۔ اتنی بات کہ کفارِ مکہ پر حجت قائم فرمانے کے لیے ارشاد ہوئی کہ شب کو مکہ معظمہ میں آرام فرمائیں صبح بھی مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوں، اور رات ہی رات بیت المقدس تشریف لے جائیں اور واپس تشریف لائیں۔

کیا کم عجیب ہے، اس لیے سبحن الذی ارشاد ہوا، کفار نے آسمان کہاں دیکھے، ان پر تشریف لے جانے کا اُن کے سامنے ذکر ایک ایسا دعوٰی ہوتا جس کی وہ جانچ نہ کر سکتے، بخلاف بیت المقدس جس میں ہر سال اُن کے دو پھیرے ہوتے۔

رحلۃ الشتاء والصیف۔ (القرآن الکریم ۱۰۶/ ۲)

(سردی اور گرمی میں کوچ کرنا۔)

اور وہ خوب جانتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی وہاں تشریف نہ لے گئے تو اس معجزے کی خوب جانچ کر سکتے تھے اور ان پر حجت الٰہی پوری قائم ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالٰی یہ ہی ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیت المقدس تشریف لے جانا اور شب ہی شب میں واپس آنا بیان فرمایا، ابو جہل لعین اپنے دل میں بہت خوش ہوا کہ اب ایک صریح حجت معاذ اللہ ان کے غلط فرمانے کی مل گئی، ولہذا ملعون نے تکذیب ظاہر نہ کی بلکہ یہ عرض کی کہ آج ہی رات تشریف لے گئے؟ فرمایا: ہاں۔ کہاں اور آج شب میں واپس آئے؟ فرمایا: ہاں کہاں: اروں کے سامنے بھی ایسا ہی فرماد یجئے گا؟ فرمایا: ہاں اب اس نے قریش کو آواز دی اور وہ جمع ہوئے اور حضور سے پھر اس ارشاد کا اعادہ چاہا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اعادہ فرمادیا۔ کافر بغلیں بجاتی صدیق اکبر کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ گمان تھا کہ ایسی ناممکن بات سن کر وہ بھی معاذ اللہ تصدیق سے پھر جائیں گے۔ صدیق سے عرض کی۔ آپ نے کچھ اور بھی سنا آپ کے یار فرماتے ہیں کہ میں آج کی رات بیت المقدس گیا اور شب ہی میں واپس ہوا۔ صدیق اکبر نے فرمایا: کیا وہ ایسا فرماتے ہیں؟ کہاں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جب واپس تشریف لائے تو رات کا بیشتر حصہ باقی تھا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان کا حکم عام ہے اور عام لوگوں سے متعلق ہے اور کرامت کا حکم خاص ہے اور خاص لوگوں سے وابستہ ہے۔ تخصیص کا انکار تو کھلا مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے اسے یوں سمجھو جیسے کہ بادشاہ کے دربار میں حاجب، دربان، امیر اور وزیر ہوتے ہیں حالانکہ خدمت ونوکری کے اعتبار سے وہ سب برابر ہوتے ہیں لیکن ایک کو دوسرے پر فرق مراتب کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایمان کی حقیقت میں تمام مسلمان برابر ہیں اس کے باوجود کوئی عاصی، کوئی مطیع، کوئی عالم اور کوئی جاہل ہے۔ اسی بناء پر خصوصیت کے انکار سے ہر معنی کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

ولایت کے رموز واشارات:

ولایت کے معنی کی تحقیق میں مشائخ کے متعدد رموز واشارات ہیں حتی المقدور ان کے مختار رموز کو بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہاں وہ یہ حرم میں تشریف فرما ہیں۔ صدیق نے فرمایا۔ تو واللہ حق فرمایا یہ تو مکہ سے بیت المقدس تک کا فاصلہ ہے میں تو اس پر ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح شام آسمان کی خبر ان کے پاس آتی ہے، پھر کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے نشان پوچھے، جانتے تھے کہ یہ تو کبھی تشریف لے گئے نہیں کیونکر بتائیں گے وہ جو کچھ پوچھتے گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے گئے۔

کافروں نے کہا: واللہ! نشان تو پورے صحیح ہیں۔ پھر اپنے ایک قافلہ کا حال پوچھا جو بیت المقدس کو گیا ہوا تھا کہ وہ بھی راستہ میں حضور کو ملا تھا اور کہاں ملا تھا اور کیا حالت تھی کب تک آئے گا؟ حضور نے ارشاد فرمایا: فلاں منزل میں، ہم کو ملا تھا اور یہ کہ اُتر کر ہم نے اس میں ایک پیالہ سے پانی پیا تھا اور اس میں ایک اونٹ بھاگا اور ایک شخص کا پاؤں ٹوٹ گیا اور قافلہ فلاں دن طلوع شمس کے وقت آئے گا۔ یہ مدت جو ارشاد ہوئی منزلوں کے حساب سے قافلہ کے لیے بھی کسی طرح کافی نہ تھی۔ جب وہ دن آیا کفار پہاڑ پر چڑھ گئے کہ کسی طرح آفتاب چمک آئے اور قافلہ نہ آئے تو ہم کہہ دیں کہ دیکھو معاذ اللہ وہ خبر غلط ہوئی۔ کچھ جانبِ شرق طلوع آفتاب کو دیکھ رہے تھے کچھ جانبِ شام راہ قافلہ پر نظر رکھتے تھے اُن میں سے ایک نے کہا: وہ آفتاب چمکا، کہ اُن میں سے دوسر ابولا کہ وہ قافلہ آیا۔ یہ ہوتی ہے سچی نبوت جس کی خبر میں سرِ مو فرق آنا محال ہے۔

کرتا ہوں۔ (157)

شرح (157): ولایت کا بیان

ولایت دربار خداوندی میں ایک خاص قرب کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

عقیدہ ۱: تمام امتوں کے اولیاء میں ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی امت کے اولیاء سب سے افضل ہیں۔ اور اس امت کے اولیاء میں سب سے افضل واعلیٰ حضرات خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق وحضرت عثمان وحضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور ان میں جو خلافت کی ترتیب ہے وہی افضلیت کی بھی ترتیب ہے۔ یعنی سب سے افضل حضرت صدیق اکبر ہیں۔ پھر فاروق اعظم۔ پھر عثمان غنی۔ پھر علی مرتضیٰ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (شرح العقائد النسفی، مبحث افضل البشر بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۴۹۔ ۱۵۰)

عقیدہ ۲: اولیائے کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے سچے نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام کو بہت بڑی طاقت اور عالم میں ان کو تصرفات کے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اور بہت سے غیب کے علوم ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ لوح محفوظ کے علوم پر بھی مطلع فرما دیتا ہے۔ لیکن اولیاء کو یہ سارے کمالات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے واسطہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

عقیدہ ۳: اولیاء کی کرامت حق ہے۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔ کرامت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفاء دینا، لمبی مسافتوں کو منٹ دو منٹ میں طے کر لینا۔ پانی پر چلنا۔ ہواؤں میں اڑنا۔ دور دور کی چیزوں کو دیکھ لینا۔ مفصل بیان کے لئے پڑھو ہماری کتاب کرامات صحابہ علیہم الرضوان!

(شرح العقائد النسفی، مبحث کرامات الاولیاء حق، ص ۱۴۵۔ ۱۴۷)

عقیدہ ۴: اولیائے کرام کو دور و نزدیک سے پکارنا جائز اور سلف صالحین کا طریقہ ہے۔

عقیدہ ۵: اولیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کا علم اور ان کا دیکھنا ان کا سننا دنیاوی زندگی سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

عقیدہ ٦: اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری مسلمانوں کے لئے باعث سعادت و برکت ہے اور ان کی نیاز و فاتحہ اور ایصال ثواب مستحب اور خیر و برکت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اولیائے کرام کا عرس کرنا یعنی لوگوں کا ان کے مزاروں پر جمع ہو کر قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(ا) حضرت ابوعلی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نعت خوانی و وعظ و ایصال ثواب یہ سب اچھے اور ثواب کے کام ہیں۔ ہاں البتہ عرسوں میں جو خلاف شریعت کام ہونے لگے ہیں۔ مثلاً قبروں کو سجدہ کرنا، عورتوں کا بے پردہ ہو کر مردوں کے مجمع میں گھومتے پھرنا، عورتوں کا ننگے سر مزاروں کے پاس جھومنا، چلانا اور سر پٹک پٹک کر کھیلنا کودنا۔ اور مردوں کا تماشا دیکھنا، باجا بجانا، ناچ کرانا یہ سب خرافات ہر حالت میں مذموم و ممنوع ہیں۔ اور ہر جگہ ممنوع ہیں اور بزرگوں کے مزاروں کے پاس اور زیادہ مذموم ہیں لیکن ان خرافات و ممنوعات کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بزرگوں کا عرس حرام ہے جو حرام اور ممنوع کام ہیں ان کو روکنا لازم ہے۔ ناک پر اگر مکھی بیٹھ گئی ہے تو مکھی کو اڑا دینا چاہیے ناک کاٹ کر نہیں پھینک دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر جاہلوں اور فاسقوں نے عرس میں کچھ حرام کام اور ممنوع کاموں کو شامل کر دیا ہے تو ان حرام و ممنوع کاموں کو روکا جائے عرس ہی کو حرام نہیں کہہ دیا جائے گا۔

پیری مریدی: علماء اور مشائخ سے مرید ہونا اور ان کے ہاتھوں پر توبہ کر کے نیک اعمال کرنے کا عہد کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے مگر مرید ہونے سے پہلے پیر کے بارے میں خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں ورنہ اگر پیر بدعقیدہ اور بدمذہب ہوا تو ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ آج کل بہت سے ایمان کے ڈاکو پیروں کے لباس میں پھرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا مرید بننے میں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ یوں تو پیر بننے کے لئے بہت سی شرطوں کی ضرورت ہے مگر کم سے کم چار شرطوں کا پیر میں ہونا تو بے حد ضروری ہے۔ اول سنی صحیح العقیدہ ہو، دوم اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔ سوم فاسق معلن نہ ہو۔ چہارم اس کا سلسلہ اور شجرہ طریقت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہٖ وسلّم تک متصل ہو ورنہ اوپر سے فیض نہ ہوگا۔

لہٰذا خوب سمجھ لو اور یاد رکھو کہ بدمذہب مثلاً رافضی، خارجی، وہابی وغیرہ سے مرید ہونا حرام اور گناہ ہے اسی طرح بالکل ہی جاہل جو حلال و حرام اور فرض و واجب اور ضروریات دین کا علم نہ رکھتا ہو اس سے مرید ہونا بھی ناجائز ہے۔ یوں ہی نماز و روزہ چھوڑنے والا۔ داڑھی منڈانے والا یا حد شریعت سے کم داڑھی رکھنے والا یا گناہ کبیرہ اور خلاف شریعت اعمال کرنے والا بھی پیر بنانے کے لائق نہیں۔ اور ایسے فاسق سے مرید ہونا بھی درست نہیں بلکہ گناہ ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جس کا سلسلہ اور شجرہ بیعت درمیان میں کہیں سے بھی کٹا ہوا ہو۔ مثلاً اس کو خود ہی خلافت و اجازت کسی بزرگ سے نہ حاصل ہو یا اس کے شجرہ کے پیروں میں سے کوئی بلا خلافت و اجازت والا ہو، یا گمراہ ہو تو ایسے شخص سے بیعت ہونا بھی درست نہیں ہے۔

الولی ھو الفانی فی حالہ والباقی فی مشاھدۃ الحق لم یکن لہ عن نفسہ اخبار ولا مع غیر اللہ قرار ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ الٰہی میں باقی ہے اس کے لئے ممکن نہ ہو کہ اپنے حال کی خبر دے اور نہ اسے غیر اللہ سے سکون وقرار حاصل ہو۔ (158)

کیونکہ خبر دینا تو بندے کے احوال کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے جب بندے کے احوال ہی فنا ہو گئے تو اس کی خبر دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب وہ خدا کے سوا کسی سے آرام پا ہی نہیں سکتا تو اپنے احوال کی خبر کسی دوسرے کو کیسے دے سکتا ہے کیونکہ اپنے حال کی خبر کسی دوسرے کو دینا گویا حبیب کے اَسرار کو منکشف کرنا ہے جو غیبی حال سے متعلق ہے اور حبیب کے اسرار کا انکشاف غیر حبیب پر محال ہے نیز جب ولی مشاہدے سے ہوتا ہے تو مشاہدے میں غیر کی رویت محال ہوتی ہے۔ جب غیر کی رویت تک کا امکان نہیں تو غیر سے سکون وقرار تو بعید از قیاس ہے۔ (159)

شرح (158): متکلمین کہتے ہیں: ولی وہ ہے جو اعتقادِ صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہو اور اعمالِ صالحہ شریعت کے مطابق بجالاتا ہو۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قربِ الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ یہی طبری کی حدیث میں بھی ہے ابن زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس آیت میں مذکور ہے: اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ یعنی ایمان وتقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے محبت کریں۔ اولیاء کی یہ صفت احادیث کثیرہ میں وارد ہوئی ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا: ولی وہ ہیں جو طاعت سے قربِ الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے یا وہ جن کی ہدایت کا برہان کے ساتھ اللہ کفیل ہو اور وہ اس کا حقِ بندگی ادا کرنے اور اس کی خلق پر رحم کرنے کے لئے وقف ہو گئے۔ یہ معانی اور عبارات اگرچہ جداگانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتی ہیں۔ ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک بقدر اپنے درجے کے فضل وشرف رکھتا ہے۔

شرح (159): ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ والی وارث ہو گیا کہ اسے ایک آن کے لیے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ خود اس سے نیک کام لیتا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الولی من لایکون له خوف لان الخوف ترتب مکروه یحل فی المستقبل وانتظار المحبوب یفوت فی المستانف والولی ابن وقته لیس له وقت مستقبل فیخاف شیاً کما لاخوف له ولا رجاء له لان الرجاء انتظار محبوب یحصل او مکروه یکشف وذالك فی الثانی من الوقت و کذالك لایحزن من حزونته الوقت من کان فی ضیاء الرضاء ونور الشکر وروضة الموافقة فانّٰی یکون له حزن قال الله تعالیٰ الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولا هم یحزنون۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ولی کو خوف نہیں ہوتا کیونکہ خوف اس مکروہ چیز کو کہتے ہیں جس کے آنے سے دل میں ناگواری یا جسم پر کوئی سختی آئے یا حاصل شدہ محبوب چیز کے گم ہونے کا خدشہ ہو۔ ولی کے پاس اتنا وقت ہی کہاں کہ وہ آنے والے لمحات کا خوف کرے جس طرح ولی کو خوف نہیں ہوتا اسی طرح اسے امید بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ ''امید'' نام ہے کہ کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے کا انتظار کرنا یا کسی ناگوار چیز کے دور ہونے کا انتظار کرنا۔ یہ دوسری بات بھی وقت کے قبیل سے ہے اور ان کے پاس اتنا وقت ہوتا نہیں اسی طرح ولی کو کوئی غم بھی نہیں ہوتا کیونکہ غم وقت کی تلچھٹ ہے جو شخص رضا کی روشنی اور شکر کی چاندنی میں ہو اسے غم کہاں؟ اللہ تعالیٰ اسی کی خبر دیتا ہے کہ خبردار، اللہ کے ولیوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم و فکر۔ (160)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ اور وہ بندہ ہے جو خود رب تعالیٰ کی عبادت کا متولی ہو جائے، پہلی قسم کے ولی کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسرے کا نام سالک یا مرید ہے وہاں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد فرق صرف ابتداء میں ہے یہ مقام قال سے وراء ہے حال سے معلوم ہوسکتا ہے۔

شرح (160): تمام خوبیاں اللہ عزَّ وَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے اپنی مخلوق میں سے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو پسند فرمایا اور ان کو بلند مقام و مرتبہ عطا فرمایا جنہوں نے اس سے کئے ہوئے عہد کو پورا کیا تو اس نے ان کا تذکرہ پوری کائنات میں پھیلا دیا، زمانے کو ان کی برکت سے زینت عطا فرمائی، ان کے عرفان کی مہک سے تمام عالم کو معطر فرما دیا، انہیں اپنا قرب عطا فرما کر ان کا مطالبہ پورا کر دیا، اُن کی محبت کو اُن کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا بنا دیا، انہوں نے اللہ عزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں اپنے سر جھکا دیئے اور اپنی خواہشات کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس قول سے عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ اولیاء کو جب نہ کوئی خوف وغم ہے اور نہ امید ورجا تو ضرور انہیں امنؔ ہوگا حالانکہ انہیں امن بھی نصیب نہیں کیونکہ امن، غیب کے نہ دیکھنے اور وقت کے منہ موڑنے سے تعلق رکھتا ہے یہ تمام اوصاف ان کے ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی بشریت کو نہ دیکھا ہو۔ وہ تو ہر صفت سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ خوف وغم اور امید سب نفس کے نصیبہ میں ہیں جب بندہ اپنے نفس کو فنا کر لیتا ہے اس وقت بندہ کی صفت رضاؤ تسلیم بنتی ہے اور جب رضاؔ کا حصول ہو گیا تو مشاہدۂ الٰہی میں استقامت پیدا ہو کر تمام احوال سے کنارہ کشی ظاہر ہو گئی پھر کہیں جا کر ولایت دل پر منکشف ہوتی ہے اور اس کے معنی باطن پر ظاہر ہوتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الولی قد یکون مشھور ا ولا یکون مفتونًا ولی مشہور تو ہو سکتا ہے لیکن فتنہ میں نہیں پڑ سکتا۔

(۴) ایک بزرگ بیان فرماتے ہیں:

الولی قد یکون مستورا ولا یکون مشھورًا ولی گمنام تو ہو سکتا ہے لیکن مشہور نہیں ہو سکتا۔

ان بزرگوں کے نزدیک ولی کی گمنامی کی وجہ یہ ہے کہ وہ شہرت سے بچتا ہے کیونکہ شہرت میں فتنہ ہوتا ہے۔ (161) اس پر حضرت ابوعثمان نے فرمایا ہے کہ جائز ہے کہ ولی مشہور ہو (162) لیکن اس کی شہرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قربانی دے دی تو اس نے بھی انہیں اجر وثواب کے خزانے عطا فرما دیئے، انہوں نے اپنے محبوبِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ کی رضا کے لئے بخوشی تکالیف برداشت کیں اور کڑوی چیز کو میٹھا سمجھا، رب عَزَّ وَجَلَّ کی تلاش میں دیوانوں کی طرح گھومتے رہے اور اس کو پانے میں اپنی جان تک قربان کر دی اور محبت کی بیڑیوں میں اسیر ہو گئے، اُن کو خزانے پیش کئے گئے مگر انہوں نے ٹھکرا دیئے، دُنیا ان پر فدا ہونے کی کوشش کرتی رہی لیکن انہوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی، انہوں نے فقر وفاقہ اختیار کیا۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں آزمائش میں مبتلا فرمایا تو انہوں نے ان احسانات پر شکر ادا کیا اور صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ شیطان نے ان پر اپنے مکر وفریب کا جال ڈالنے کی کوشش کی لیکن اس کا ان پر کوئی بس نہ چل سکا اور وہ انہیں دھوکا دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔

شرح (161): حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رحمتِ عالم، نورِ مجسّم شاہِ بنی آدم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل اپنے بندوں میں سے ان کو زیادہ پسند فرماتا ہے جو مخلص، پرہیزگار اور گمنام ہوتے ہیں، جن کے چہرے گرد آلود، بھوک کی وجہ سے پیٹ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

موجب فتنہ نہ ہوگی اس لئے جھوٹی شہرت میں فتنہ ہوتا ہے مگر جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہے تو یہ شہرت موجب فتنہ نہیں اور جھوٹے پر ولایت کا اطلاق نہیں ہوتا اور جھوٹے کے ہاتھ پر کرامت کا ظہور بھی ناممکن و محال ہے۔ اس ارشاد کے بموجب لازم آتا ہے کہ صادق ولی کے زمانہ سے فتنہ دور ہو جاتا ہے اور ان دونوں قول سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ ولی خود کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے کیونکہ اگر آگاہی ہو جائے تو مشہور ہو جائے اور اگر آگاہی نہ ہو تو فتنہ میں پڑ جائے۔ اس کی تشریح طوالت چاہتی ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

مستغرقِ ولایت کی مثال:

(۵) حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے ولی ہو جاؤ؟ اس نے کہا خواہش تو ہے۔ آپ نے فرمایا:

لا ترغب فی شئ من الدنیا والأخرۃ وفرغ نفسك للہ واقبل بوجھك علیہ اے عزیز! دنیا و آخرت کی کسی چیز سے رغبت نہ رکھو کیونکہ دنیا کی طرف راغب ہونا، حق تعالیٰ کی طرف سے منہ موڑ کر فانی چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے۔(163)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کمر سے ملے ہوئے، اور بال بکھرے ہوئے ہوں، اگر وہ امراء کے پاس جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہ ملے، اگر کسی محفل میں موجود نہ ہوں تو کوئی ان کے متعلق سوال نہ کرے، اور اگر موجود ہوں تو کوئی انہیں اہمیت نہ دے، اگر وہ کسی سے ملاقات کریں تو لوگ ان کی ملاقات سے خوش نہ ہوں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو کوئی ان کی عیادت نہ کرے، اور جب مر جائیں تو لوگ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یا رسول اللہ عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم! ایسے لوگوں سے ہماری ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اویس قرنی (علیہ رحمۃ اللہ الغنی) انہی لوگوں میں سے ہیں۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق ص ۵۹)

شرح (162): اگر خلفائے راشدین ہی اولیاء نہیں تو کائنات میں کوئی بھی ولی نہیں۔ اگر ائمہ مجتہدین ہی اولیاء نہیں تو بھی کائنات میں کوئی بھی ولی نہیں اور یہ سب مشہور ترین لوگوں میں سے ہیں۔

شرح (163): حضور نبی کریم، رءوف رحیم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: دنیا سے بے رغبتی مال کو ضائع کر دینے اور حلال کو حرام کر دینے کا نام نہیں، بلکہ دنیا سے کنارہ کشی تو یہ ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اُخروی چیز کی رغبت رکھنا گویا حق تعالیٰ کی جانب سے منہ موڑنا ہے۔ (164) جب فانی چیز سے اعراض ہو تو وہ فانی چیز فنا ہو جاتی ہے اور اعراض نابود ہو جاتا ہے اور جب کسی چیز سے اعراض باقی ہو تو بقا پر فنا جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اس اعراض پر بھی فنا جائز نہیں۔ اس قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی دنیا و آخرت کی خاطر اللہ تعالیٰ کو نہ چھوڑو۔ (165) آخر میں حضرت ابراہیم نے نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو خدا کی دوستی کے لئے وقف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے وہ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو جو اللہ عزوجل کے پاس ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الزھادۃ.....الخ، الحدیث: ۲۳۴۰، ص ۱۸۸۷)

شرح (164): شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی کا ارشاد مبارک ہے: جب بندہ مخلوق، خواہشات، نفس، ارادہ، اور دنیا و آخرت کی آرزوؤں سے فنا ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل کے سوا اس کا کوئی مقصود نہیں ہوتا اور یہ تمام چیز اس کے دل سے نکل جاتی ہیں تو وہ اللہ عزوجل تک پہنچ جاتا ہے، اللہ عزوجل اسے محبوب و مقبول بنا لیتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اور مخلوق کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ پھر بندہ ایسے مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل اور اس کے قرب کو محبوب رکھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اس پر سایہ فگن ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اللہ عزوجل نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اللہ عزوجل اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور اس سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ رحمت الٰہی عزوجل کے یہ دروازے کبھی اس پر بند نہیں ہوں گے اس وقت وہ اللہ عزوجل کا ہو کر رہ جاتا ہے، اس کے ارادہ سے ارادہ کرتا ہے اور اس کے تدبر سے تدبیر کرتا ہے، اس کی چاہت سے چاہتا ہے، اس کی رضا سے راضی ہوتا ہے، اور صرف اللہ عزوجل کے حکم کی پابندی کرتا ہے۔

(فتوح الغیب مع قلائد الجواہر، المقالۃ السادسۃ والخمسون، ص ۱۰۰)

شرح (165): حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے سوا کسی کی طرف نگاہ نہ اٹھانا جو کہ طریقت کا ایک بلند مرتبہ ہے ضروری ہے کہ وہ ان چیزوں کے ساتھ ہو کہ تو اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرے اور اس کے تمام احکام کی حفاظت کرے اور اگر تیری طرف سے شریعت کی حدود میں سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے اور بیشک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے لہٰذا تو فوراً شریعت کے حکم کی طرف لوٹ آ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی نفسانی خواہش کو چھوڑ دے کیونکہ جس حقیقت کی تصدیق شریعت سے نہ ہو وہ حقیقت باطل ہے (طبقات الاولیاء از امام عبدالوہاب شعرانی جلد ۱ ص ۱۳۱ مطبوعہ مصر)

کردو۔ دنیا و آخرت کو اپنے دل میں راہ نہ دو اور دل کا لگاؤ صرف خدا ہی کے ساتھ ہو جس وقت یہ اوصاف تمہارے اندر پیدا ہو جائیں گے تو تم ولی بن جاؤ گے۔

شریعت کی پاسداری:

(٦) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا ولی کون ہے؟ انہوں نے فرمایا:

الولی هو الصابر تحت الامر والنهی ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے تحت صبر کرے (166)

کیونکہ جس کے دل میں محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ اس کے حکم کی دل سے تعظیم کرے گا اور اس کی مخالفت سے دور رہے گا۔ (167) نیز یہ بھی انہی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ فلاں شہر میں اللہ کا ایک ولی رہتا ہے۔ میں اٹھا اور اس کی زیارت کی غرض سے سفر شروع کر دیا جب میں اس کی مسجد کے پاس پہنچا تو وہ مسجد سے نکل رہا تھا میں نے دیکھا کہ منہ کا تھوک فرشِ مسجد پر گر رہا ہے میں وہیں سے واپس لوٹ پڑا اسے سلام تک نہ کیا۔ (168) میں نے کہا کہ ولی کے لئے شریعت کی پاسداری ضروری ہے

شرح (166): حدیث پاک میں ہے:

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِبْتَلَاهُ فَإِنْ صَبَرَ اجْتَبَاهُ وَإِنْ رَضِيَ اصْطَفَاهُ۔

ترجمہ: جب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے پس اگر وہ صبر کرے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسے چن لیتا ہے اور راضی ہو تو اسے منتخب فرما لیتا ہے۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب الالف، الحدیث ٩٧٦، ج ا، ص ١٥١)

شرح (167): حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(الصوفی) هو الذی لا یطفیٔ نور معرفته نور ورعه ولا یتکلم بباطن فی علم ینقضه علیه ظاهر الکتاب ولا تحمله الکرامات علی هتك محارم الله تعالی (وفیات الاعیان حرف السین المهملة ابو الحسن سری بن مغلس ج 2 ص 299)

کہ صوفی وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کی پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھائے یعنی اوامر پر اس کا عمل ہو اور نواہی سے بچتا ہو اور کوئی باطن کی ایسی بات نہ کرے جس کو ظاہر قرآن توڑتا ہو اور کرامات اسے اللہ عزوجل کی محرمات کی ہتک پر برانگیختہ نہ کریں۔ حاصل یہ ہے کہ وہ شریعت کا سچا و پکا تابعدار ہو۔

شرح (168): (رسالہ قشیریہ ص ١٧)

تا کہ حق تعالیٰ اس کی ولایت کی حفاظت فرمائے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو اپنے منہ کے تھوک سے مسجد کی زمین کو آلودہ نہ کرتا اس کا احترام کرتا۔ (169) اسی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے بایزید! جو کام تم نے کیا ہے اس کی برکتیں تم ضرور پاؤ گے دوسرے دن ہی میں اس درجہ پر فائز ہو گیا جہاں آج تم سب مجھے دیکھ رہے ہو۔ (170)

(۷) حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے مسجد میں پہلے بایاں قدم رکھا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اسے نکال دو جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کا سلیقہ نہیں رکھتا اور بایاں قدم رکھتا ہے وہ ہماری مجلس کے لائق نہیں ہے۔

ملحدوں کی ایک جماعت اس بزرگ کے ساتھ تعلق کا اظہار کرتی ہے۔ (خدا ان پر لعنت کرے) وہ ملحدین کہتے ہیں کہ خدمت یعنی عبادت اتنی ہی کرنی چاہئے جس سے بندہ ولی بن جائے۔ جب ولی ہو جائے تو خدمت و عبادت ختم۔ یہ کھلی گمراہی ہے کیونکہ راہِ حق میں کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں خدمت و عبادت کے ارکان میں سے کوئی رکن ساقط ہو جائے۔ (171) اس کی تشریح اپنی جگہ انشاء اللہ آئے گی۔

شرح (169): (رسالہ قشیریہ ص ۱۵۳ مطبوعہ مصر)

شرح (170): رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا ہے تو آپ نے فرمایا: لایصلی لکم کہ یہ تمہاری جماعت نہ کرائے۔ اُس نے پھر جماعت کرانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو منع کیا اور اس کو خبر دی کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں (میں نے منع کیا ہے) انک قد اذیت اللہ ورسولہ کہ تو نے (قبلہ کی طرف تھوک کر) اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو ایذا دی۔ (ابوداؤد) (مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الفصل الثالث، الحدیث: 747 ج1 ص156)

یہاں سے معلوم کر لینا چاہیے کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ شریف کی بے ادبی کرنے کے سبب منع فرمایا کہ یہ شخص نماز نہ پڑھائے۔ جو شخص سر سے پاؤں تک بے ادب ہو، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں گستاخ ہو، ائمہ دین کی بے ادبی کرتا ہو، حضرات مشائخ پر طرح طرح کے تمسخر کرے، ایسا شخص امام بننے کا شرعاً حق رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

شرح (171): حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اثباتِ کرامت

واضح رہنا چاہئے کہ صحیح طور پر مکلف ہونے کی حالت میں ولی کے لئے کرامت کا ظہور جائز ہے۔ اہل سنت و جماعت کے دونوں فریق یعنی علماء و مشائخ کا اس پر اتفاق ہے اور عقل کے نزدیک بھی یہ ناممکن و محال نہیں ہے اس لئے کہ یہ از قسم قدرتِ الٰہی ہے اور شریعت کے اصول میں اس کے اظہار کے منافی ہونے پر کوئی اصل نہیں ہے۔ اور یہ ارادۂ حسن اور وہم و عقل سے بعید بھی نہیں ہے۔ کرامت ولی کی صداقت کی علامت ہے جھوٹے پر کرامت کا ظہور جائز ہی نہیں ہے اور ولایت کا جھوٹا دعوٰی، کرامت نہ ہونے سے ثابت ہے بلکہ اس کے جھوٹے دعوے کا نشان ہے۔

کرامت کی تعریف:

کرامت ایسا فعل ہے جو اس کی مانند لانے پر انسانی عادتوں کو عاجز کر دے (172) معرفتِ الٰہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ تھے اور ہم اللہ تعالیٰ تک پہنچ گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟ فرمایا وہ سچ کہتے ہیں وہ پہنچنے والے ضرور ہیں مگر کہاں تک ؟ جہنم تک، ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے تو چور اور زانی بہتر ہیں۔ میں اگر ہزار سال تک بھی زندہ رہوں تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہیں۔ میں نے جو نوافل و مستحبات مقرر کر لئے ہیں ان میں سے بھی کچھ کم نہ کروں گا۔

(الیواقیت والجواہ للامام الشعرانی جلد ا ص ۱۳۹)

شرح (172): حضرت عین المکاشفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ایدك الله ان الكرامة من الحق من اسمه البر فلا تكون الا للابرار وهى حسية ومعنوية ، فالعامة ماتعرف الا الحسية مثل الكلام على الخاطر والاخبار المغيبات الماضية والكائنة والأتية والمشى على الماء واختراق الهوا وطى الارض والاحتجاب عن الابصار ومعنوية لايعرفها الا الخواص وهى ان تحفظ عليه اداب الشريعة و يوفق لاتيان مكارم الاخلاق واجتباب سفسافها والمحافظة على اداء الواجبات مطلقا فى اوقاتها فهذه كرامات لا يدخل مكر ولا استدراج والكرامات التى ذكرنا ان العامة تعرفها فكلها يمكن ان يدخلها المكر الخفى ثم لابدان تكون نتيجة عن استقامة اوتنتج استقامة والا فليست بكرامة والمعنوية لايدخلها شيئ مما ذكرنا فان العلم يصحبها وقوة العلم وشرفه تعطيك و ان المكر لايدخلها فان الحدود الشرعية لاتنصب حبالة (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے استدلالی قوتوں سے صدق کے مقابل باطل کو عاجز کر دینا بھی کرامت ہے۔ اہل سنت و جماعت کے ایک طبقہ کے نزدیک کرامت حق ہے لیکن معجزے کی حد تک نہیں مثلاً دعاؤں کا لازمی قبول ہونا یا مرادوں کا ضروری حاصل ہونا یا اس قسم کی باتیں جو انسانی عادتوں کو توڑنے والی ہوں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکلف ہونے کی حالت میں ولی صادق سے ایسا فعل سرزد ہو جس سے عادتِ انسانی ٹوٹتی ہو تو اس میں فساد کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر تم یہ کہو کہ از قسم قدرت الٰہی نہیں ہے تو یہ خود گمراہی ہے اور اگر یہ کہو کہ یہ از قسم قدرتِ الٰہی تو ہے لیکن ولیِ صادق سے اس کا ظہور، ابطالِ نبوت اور انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کی نفی ہے تو ہم جواب دیں گے کہ یہ بھی محال ہے اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) للمکر الالٰھی فانھا عین الطریق الواضحة الی نیل السعادة لان العلم ھو المطلوب وبه تقع المنفعة ولو لم یعمل به فانه لایستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون فالعلماء ھم الامنون من التلبیس۔ اختصار۔

یقین جان اللہ تیری مدد کرے کہ کرامت حق سبحانہ کے نام بر یعنی محسن کی بارگاہ سے آتی ہے تو اسے صرف ابرار نیکوکار ہی پاتے ہیں اور وہ دو قسم ہے، محسوس ظاہری و معقول معنوی، عوام صرف کرامت محسوسہ کو جانتے ہیں جیسے کسی کو دل کی بات بتا دینا گزشتہ و موجودہ وآئندہ غیبوں کی خبر دینا، پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا۔ صدہا منزل زمین ایک قدم میں طے کرنا، آنکھوں سے چھپ جانا کہ سامنے موجود ہو اور کسی کو نظر نہ آئیں اور کرامات معنویہ کہ صرف خواص پہچانتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادتوں سے بچنے کی توفیق دیا جائے تمام واجبات ٹھیک ادا کرنے پر التزام رکھے، ان کرامتوں میں مکر واستدراج کو دخل نہیں اور کرامتیں جنہیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکر نہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ظاہری کرامتیں استقامت کا نتیجہ ہوں یا خود استقامت پیدا کریں ورنہ کرامت نہ ہوگی اور کرامت معنویہ میں مکر واستدراج کی مداخلت نہیں اس لئے کہ علم ان کے ساتھ ہے علم کا شرف خود ہی تجھے بتائے گا کہ ان میں مکر کا دخل نہیں اس لئے کہ شریعت کی حدیں کسی کے لئے مکر کا پھندا قائم نہیں کرتیں اس وجہ سے کہ شریعت سعادت پانے کا عین صاف وروشن راستہ ہے علم ہی مقصود ہے اور اسی نے نفع پہنچانا ہے اگر چہ اس پر عمل نہ ہو کہ مطلقا ارشاد ہوا ہے کہ عالم و بے علم برابر نہیں تو علماء ہی مکر واشتباہ سے امان میں ہیں وبس۔

(الفتوحات المکیة، للشیخ ابن عربی الباب الرابع والثمانون ومائة، دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۹)

لئے کہ ولی کراماتوں کے ساتھ مخصوص ہے اور نبی معجزات کے ساتھ۔

والمعجزة لم تكن معجزة بعينها انما كانت معجزة لحصولها ومن شرطها اقتران دعوى النبوة فالمعجزة تختص للانبياء والكرامات يكون للاولياء

فی نفسہٖ معجزہ عاجز کرنے والا نہیں ہوتا البتہ اس کا حاصل کرنا عاجز کرنے والا ہوتا ہے اور معجزہ کی شرط یہ ہے کہ دعوئ نبوت بھی شامل ہو لہٰذا معجزہ انبیاء کے لئے مخصوص ہے اور کرامات اولیاء کے لئے ہیں۔ (173)

شرح (173): جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ مؤمن متقی سے اگر کوئی ایسی نادر الوجود و تعجب خیز چیز صادر و ظاہر ہو جائے جو عام طور پر عادتاً نہیں ہوا کرتی تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ اسی قسم کی چیزیں اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اعلانِ نبوت کرنے سے پہلے ظاہر ہوں تو ارہاص اور اعلان نبوت کے بعد ہوں تو معجزہ کہلاتی ہیں اور اگر عام مؤمنین سے اس قسم کی چیزوں کا ظہور ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں اور کسی کافر سے کبھی اس کی خواہش کے مطابق اس قسم کی چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو اِستدراج کہا جاتا ہے۔ (النبراس شرح شرح العقائد، اقسام الخوارق سبعۃ، ص ۲۷۲ ملخصا)

معجزہ اور کرامت

اوپر ذکر کی ہوئی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ معجزہ اور کرامت دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔ بس دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ خلاف عادت و تعجب خیز چیزیں اگر کسی نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوں تو یہ معجزہ کہلائیں گی اور اگر ان چیزوں کا ظہور کسی ولی کی جانب سے ہو تو ان کو کرامت کہا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب نشر المحاسن الغالیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ امام الحرمین و ابوبکر باقلانی و ابوبکر بن فورک و حجۃ الاسلام امام غزالی و امام فخر الدین رازی و ناصر الدین بیضاوی و محمد بن عبد الملک سلمی و ناصر الدین طوسی و حافظ الدین نسفی و ابو القاسم قشیری ان تمام اکابر علماء اہل سنت و محققین ملت نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا کہ معجزہ اور کرامت میں یہی فرق ہے کہ خوارقِ عادات کا صدور و ظہور کسی نبی کی طرف سے ہو تو اس کو معجزہ کہا جائے گا اور اگر کسی ولی کی طرف سے ہو تو اس کو کرامت کے نام سے یاد کیا جائے گا حضرت امام یافعی نے ان دس اماموں کے نام اور ان کی کتابوں کی عبارتیں نقل فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ان اماموں کے علاوہ دوسرے بزرگان ملت نے بھی یہی فرمایا ہے، لیکن علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے ان پہاڑوں کے نام ذکر کر دینے کے بعد مزید محققین کے ناموں کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الاول فی تجویز الکرامۃ للاولیاء... الخ، ص ۶۰۴)

چونکہ وَلی وَلی ہے اور نبی نبی اور ان کے درمیان کوئی وجہ التباس واشتباہ بھی نہیں ہے جس سے احتراز کیا جائے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کی بزرگی اور ان کی عظمت و برتری، عصمت اور صفائے باطنی کی وجہ سے ہے نہ کہ صرف معجزہ یا کرامت یا ایسے افعال کے صدور کی وجہ سے ہے جو خرق عادات ہوں۔ باتفاق تمام نبیوں کے تمام معجزات، خارقِ عادات ہوتے ہیں اور اصل اعجاز میں سب برابر ہیں البتہ فضیلت میں ایک دوسرے پر فائق ہے جبکہ یہ بات جائز ہے کہ انبیاء کے معجزات خرقِ عادات میں مساوی ہونے کے باوجود ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ یہ کرامت بھی ہو اور وہ کرامت خارقِ عادت بھی ہو اور جبکہ انبیاء اولیاء سے افضل ہیں جب وہاں خرقِ عادت فعل، فضیلت کی علت اور ان کے ساتھ ایک دوسرے سے خصوصیت نہیں رکھتے تو اس جگہ بھی خرقِ عادت فعل وَلی کی خصوصیت کی علت نہیں ہو سکتی اور نبی کے ساتھ ان کی برابری و مساوات نہیں ہو سکتی۔ ہر صاحب عقل و خرد، جب اس بات کو دلیل سے سمجھے گا تو اس کے دل سے یہ شبہ جاتا رہے گا۔

اب اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وَلی کی کرامت اگر خارقِ عادت ہوتی تو وہ نبوت کا دعوٰی کر لیتا؟ تو یہ بات محال ہے اس لئے کہ ولایت کی شرط راست گوئی اور صداقت ہے اور خلاف معنی دعوٰی کرنا جھوٹ و کذب ہے جھوٹا آدمی ولی نہیں ہو سکتا اگر وَلی نبوت کا دعوٰی کرے تو بلاشبہ یہ معجزے میں دست درازی ہے اور یہ کفر ہے اور کرامت فرمانبردار مومن کے سوا دوسرے سے ظاہر نہیں ہوتی اور کذب و جھوٹ معصیت ہے نہ کہ طاعت جب حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ تو ولی کی کرامت نبی کی حجت کے اثبات کے موافق ہو گی اس لئے کرامت اور معجزے کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور طعنہ واقع نہیں ہوتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت کا اثبات معجزے کے اثبات سے کیا ہے اور وَلی بھی اپنی ولایت کے ساتھ کرامت کے ذریعہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں لہٰذا سچا ولی اپنی ولایت کے اثبات میں وہی کہتا ہے جو نبی صادق اپنی نبوت میں فرماتے ہیں۔ ولی کی کرامت، نبی کے اعجاز کا عین ہوتی ہے اور مومن کے لئے ولی کی کرامت دیکھنا، نبی کی صداقت پر زیادہ مہر یقین ثبت کرتا ہے نہ کہ اس میں شبہ ڈالنا کیونکہ ان کے دعوٰی میں تضاد واقع نہیں ہوتا جس سے ایک دوسرے کی نفی ہوتی ہو۔ ایک کا دعوٰی بعینہٖ دوسرے کے دعوٰی کی دلیل ہے۔ چنانچہ شریعت میں جب ایک گروہ وراثت کے دعوٰی میں متفق ہو تو جس وقت ایک کی حجت ثابت ہو جائے تو اس کے دعوٰی میں متفق ہونے کی وجہ سے دوسرے کی حجت بھی ثابت ہو جاتی ہے

اور جب دعوٰی میں تضاد ہو اس وقت ایک حجت دوسرے کی حجت نہیں ہوتی۔ جب نبی معجزے کی دلالت سے نبوت کی صحت کا مدعی ہوتا ہے تو ولی، نبی کے دعوٰی میں اس کا تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ اس میں شبہ کا ثابت کرنا محال ہے۔ واللہ اعلم

معجزات اور کرامتوں کے درمیان فرق و امتیاز

جب کہ یہ بات صحیح ہے کہ جھوٹے سے معجزہ، اور کرامت محال ہے تو لامحالہ خوب واضح کوئی فرق و امتیاز ہونا چاہئے تاکہ اچھی طرح معلوم و ظاہر ہو جائے۔ جاننا چاہئے کہ معجزات کی شرط، اظہار ہے اور کراماتِ اولیاء کی شرط اخفاء ہے۔ اس لئے کہ معجزے کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے (کہ لوگ نبی کی صداقت پر یقین کر کے ایمان لائیں) اور کرامت کا فائدہ خاص ولی یعنی صاحب کرامت کو پہنچتا ہے (کیونکہ اس میں ولی کی عزت افزائی اور اس کی بزرگی کی نشانی پوشیدہ ہے) اور ایک فرق یہ بھی ہے کہ صاحب معجزہ یعنی نبی، اسے دور بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہ عین اعجاز ہے اور ولی دور نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کرامت بمعنی عزت افزائی ہے یا استدراج ہے (اصل کتاب فارسی کی عبارت سے ایک مفہوم یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ صاحب معجزہ یقین رکھتا ہے کہ یہ خالص اعجاز ہے اور ولی یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کرامت ہے یا استدراج ہے۔[174] واللہ اعلم! مترجم غفرلہٗ)

ایک فرق یہ بھی ہے کہ صاحب معجزہ یعنی نبی، شریعت میں تصرف کر سکتا ہے اور اس کی ترتیب میں بفرمان خدا، نفی و اثبات کر سکتا ہے لیکن صاحب کرامت یعنی ولی کو اس میں بجز تسلیم کرنے اور احکام پر عمل کرنے کے سوا کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ولی، اپنی کرامت کے ذریعہ نبی کے کسی شرعی حکم میں کسی قسم کی منافات اور ردو بدل نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب تم معجزے کو خرقِ عادت سے اور ولایت کو نبی کی صداقت سے تعبیر کرتے ہو اور اسے نبی کے علاوہ بصورتِ کرامت دوسروں کے لئے جائز سمجھتے ہو تو اثبات معجزہ پر کرامت کے اثبات کی تمہاری عین حجت باطل ہو جاتی ہے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ تمہاری یہ بات اس صورت کے برخلاف ہے جس پر تمہارا اعتقاد ہے اس لئے کہ معجزہ وہ ہے جو لوگوں کی عادت کو توڑنے والا ہو۔ جب ولی کی کرامت نبی کا ہی عین معجزہ ہے تو وہی دلیل دکھائے گی جو نبی کے معجزے کی ہے اور ایک معجزہ دوسرے

شرح (174): اپنی عاجزی کے سبب یہ گمان کرتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔

معجزے کا توڑ نہیں ہوتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کافروں نے مکہ مکرمہ میں سولی پر چڑھایا تو مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں تشریف فرما ہو کر وہ سب کچھ دیکھ لیا اور صحابہ کو بتا دیا کہ کفارِ مکہ حضرت خبیب کے ساتھ ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ (175)

شرح (175): حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عرصے تک قید رہے۔ حجیر بن ابی اہاب تمیمی کی باندی جو بعد میں مسلمان ہو گئیں کہتی ہیں: کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم لوگوں کی قید میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر برابر، ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے تھے اور مکہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا تو انھوں نے صفائی کیلئے اُسترہ مانگا وہ دیدیا گیا، اتفاق سے ایک کمسن بچہ اس وقت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ استرہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ انکے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ قتل کر دوں گا، ایسا نہیں کر سکتا اس کے بعد ان کو حرم سے باہر لایا گیا اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اللہ جل شانہ کی ملاقات قریب ہے چنانچہ مہلت دی گئی انھوں نے دو رکعتیں بڑے اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تختہ دار پر: جب مشرکین مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تختہ دار پر کھڑا کیا تو جناب خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مکہ کے لئے بددعا کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے زمین پر لٹا دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر زمین پر لیٹ جائیں تو بددعا کا اثر نہیں ہوتا۔ اس بددعا سے حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی مجھ پر اس بددعا کا یہ اثر ہوا کہ کئی سالوں تک میری شہرت ختم رہی۔ کہتے ہیں کہ ایک سال کے اندر اندر جتنے آدمی بھی سولی پر چڑھاتے وقت موجود تھے مر کھپ گئے۔

سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض اوقات بے ہوش ہو جاتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں ایک عمل بتایا اور ساتھ ہی پوچھا کہ یہ غشی کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ جب خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی پر کھڑا کیا گیا تو میں وہاں موجود تھا جونہی اس کا نقشہ سامنے آتا ہے میں حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب کی آنکھوں سے بھی درمیان کے پردے اٹھادئے حتیٰ کہ انہوں نے بھی حضور اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ پر درود وسلام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا سلام حضور ﷺ کے گوش مبارک میں پہنچایا اور حضور ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور یہ جواب حضرت خبیب کے کانوں نے سنا اور دعا کی یہاں تک کہ وہ روبقبلہ ہوگئے۔ (176)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تختہ دار پر حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے اللہ عزوجل! ہم نے اپنے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی تبلیغ پر عمل کیا، یہاں کوئی بھی نہیں جو میرا پیغام ان تک پہنچادے۔ تو قادر وقیوم ہے۔ میرا سلام ان تک پہنچادے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں مدینہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آثار وحی ظاہر ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بتایا خدا عزوجل نے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام مجھے پہنچایا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے بشارت دی جو شخص حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تختہ دار سے نیچے اتارے گا اس کا مقام بہشت ہے۔

(شواہد النبوۃ، رکن رابع، ص ۱۰۰)

شرح (176): حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار لائے اس کے لئے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام وحضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام تنعیم میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سولی کے پاس پہنچے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سورہے تھے ان دونوں حضرات نے سولی سے لاش کو اُتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیئے۔ چالیس دن گزرجانے کے باوجود لاش تروتازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے، ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کرلیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹ گئی اور لاش مبارک کو نگل گئی اور پھر زمین اس طرح برابر ہوگئی کہ پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ میں ان کو دیکھنا ایسا فعل تھا جو خارق عادت یعنی معجزہ تھا۔ اسی طرح حضرت خبیب کا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنا خارق عادت یعنی ان کی کرامت تھی۔ باتفاق غائب کو دیکھنا خرق عادت ہے لہٰذا غیبتِ زمان اور غیبت مکان میں کچھ فرق نہ رہا اس لئے کہ حضرت خبیب کی یہ کرامت اس حالت میں ہے جبکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت مکانی تھی یہی صورتِ حال متاخرین اولیاء کے لئے ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبتِ زمانی کی حالت میں ہیں اور یہ ظاہر فرق اور واضح دلیل اس بات کی ہے کہ کرامت، معجزے کے برخلاف نہیں ہوتی۔ (اگرچہ صورت میں یکساں اور برابر ہوتی ہے مگر معنی اور اعتقاد میں فرق ہوتا ہے۔ مترجم) کیونکہ کرامت، صاحب معجزہ کی تصدیق کے بغیر، کسی اور حالت میں ثابت نہیں ہوتی اور تصدیق کرنے والے عبادت گزار مومن کے سوا کسی اور سے بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ امت کی کرامت درحقیقت نبی ہی کا معجزہ ہے (177) کیونکہ آپ کی شریعت باقی ہے، اس لئے لازمی ہے کہ اس کی حجت بھی باقی رہے۔ لہٰذا اولیاء امت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صداقت کے گواہ ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے کہ غیر امتی سے کرامت کا ظہور ہو۔ اسی مفہوم کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بلیع الارض (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

اس کے بعد ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کفار سے کہا کہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو ورنہ اپنا راستہ لو۔ کفار نے ان حضرات کے پاس لاش نہیں دیکھی اس لئے مکہ واپس چلے گئے۔ جب دونوں صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں سارا ماجرا عرض کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر دربار تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے ان دونوں یاروں کے اس کارنامہ پر ہم فرشتوں کی جماعت کو بھی فخر ہے۔ (مدارج النبوت، قسم سوم، باب چہارم، ج ۲، ص ۱۴۱)

شرح (177): حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کرامت جو کسی ولی کو اِتباعِ نبی علیہ السلام سے حاصل ہو وہ اس نبی علیہ السلام ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے جس کی وہ اتباع کرتا ہے اور یہ بھی اس نبی علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہوتا ہے اس لئے کہ یہ کرامت اس ولی کو اس نبی علیہ السلام کی اتباع کرنے، ان پر ایمان لانے، ان کے لائے ہوئے ہر حکم کو قبول کرنے اور ان کی شریعت کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اگر بالفرض وہ اپنے نبی علیہ السلام کی مخالفت کرتا ہے تو ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اسے کرامت حاصل نہیں ہو سکتی۔

حکایت یہ ہے۔

ایک ولی کی کرامت اور ایک نصرانی کا مقابلہ:

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی عزلت نشینی کی عادت کے تحت جنگل میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بیابان کے ایک جانب سے ایک شخص آیا اس نے مجھ سے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی۔ جب میں نے اس پر گہری نظر ڈالی تو میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی اور میں نے خیال کیا یہ کس لائق ہے؟ اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم آپ آزردہ خاطر نہ ہوں میں نصرانی راہب ہوں۔ آپ کی صحبت کی آرزو میں ملک روم سے آرہا ہوں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص غیر ہے تو میرے دل کو اطمینان ہوا اور صحبت کا طریق اور اس کا حق مجھ پر بہت آسان ہو گیا۔ میں نے کہا اے نصرانی راہب! میرے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ اس جنگل میں تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ راہب نے کہا اے ابراہیم! جہان میں آپ کا بڑا شہرہ ہے لیکن آپ ابھی تک کھانے پینے کے ہی غم میں مبتلا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ راہب کی اس بات پر مجھے تعجب ہوا اور تجربہ کے طور پر اس کی صحبت کو قبول کر لیا کہ وہ اپنے دعوے میں کتنا سچا ہے۔ جب ہمیں سات دن اور سات راتیں سفر کرتے ہوئے گزر گئے تو ہمیں پیاس معلوم ہوئی تو راہب رک کر کہنے لگا کہ اے ابراہیم! جہان میں آپ کا نقارہ بج رہا ہے اب کچھ لایئے آپ کیا رکھتے ہیں پیاس کی شدت نے بے جان کر رکھا ہے بجز آپ کی جناب میں گستاخی کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور دعا مانگی کہ اے خدا مجھے اس بیگانہ کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی بے گانگی میں مجھ سے نیک گمان رکھتا ہے کیا مضائقہ ہے اگر ایک کافر کا گمان مجھ پر پورا ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک طشت میں دو روٹی اور دو گلاس پانی کے رکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے اسے کھایا پیا اور وہاں سے چل دیئے جب سات روز اسی طرح گزر گئے تو میں نے دل میں خیال کیا کہ میں اس کافر کا تجربہ کروں قبل اس کے کہ وہ مجھ سے کسی اور چیز کا سوال کرے اور میرا امتحان۔ لے اور اپنے مطالبہ میں مجھ سے اصرار کرے اور میں ذلت محسوس کروں۔ میں نے کہا اے نصرانیوں کے راہب! آج تمہاری باری ہے دیکھوں کہ اتنا عرصہ ریاضت کر کے تم نے کیا پایا ہے؟ اس نے بھی سر زمین پر رکھا اور کچھ دعا مانگی اسی وقت ایک طشت نمودار ہوا جس میں چار روٹی اور چار گلاس پانی کے رکھے ہوئے تھے۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوا اور آزردہ خاطر ہوا اور اپنے احوال سے

ناامید ہوگیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ کافر کے لئے آسمان سے اترا ہے اس میں اس کی معونت یعنی مدد ہے میں اسے کیسے کھا سکتا ہوں۔ راہب نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! کھایئے۔ میں نے کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ راہب نے پوچھا کیا وجہ؟ میں نے کہا تم اس کے اہل نہیں ہو۔ اور بات تمہارے حال کی جنس سے نہیں ہے میں اس معاملہ میں سخت حیران ہوں اگر اسے کرامت پر محمول کروں تو کافر پر کرامت جائز نہیں اور اگر اسے معونت کہوں تو مدعی شبہ میں پڑ جائے گا۔ راہب نے مجھ سے کہا کھایئے اور دو چیزوں کی بشارت سنئے۔ ایک تو میرے اسلام کی کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں کہ اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ دوسرے یہ کہ خدا کی جناب میں آپ کا بڑا مرتبہ ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لئے کہ اس جنس میں سے میرے پاس تو کچھ نہیں تھا میں نے صرف شرمساری کی وجہ سے زمین پر سر رکھا تھا اور دعا مانگی تھی کہ اے خدا اگر دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو تُو مجھے دو روٹی اور دو گلاس پانی کے دے اور اگر ابراہیم خواص تیرا بندۂ وَلی ہے تو دو روٹی اور دو گلاس پانی اور عطا فرما۔ جب میں نے سر اٹھایا تو اس طشت کو موجود پایا۔ یہ ماجرا سن کر حضرات ابراہیم نے اسے کھایا پیا۔ وہ راہب جوانمرد اور بزرگانِ دین میں گزرا ہے۔ یہ معنی ہیں عین اعجاز نبی کے جو ولی کی کرامت سے قریب تر ہے۔ یہ حکایت عجیب ہے نبی کی غیبت میں غیر کے لئے دلیل رُونما ہو اور وَلی کے حضور میں اس کے غیر کے لئے اس کی کرامت میں سے حصہ ملے۔ درحقیقت ولایت کی منتہی کو اس کے مبتدی کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے کہ وہ راہب فرعون کے جادوگروں کی طرح تھا اس کا ایمان پوشیدہ تھا لہٰذا حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کے معجزے کی صداقت ثابت کی اور راہب نے بھی نبوت کی صداقت کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی ولایت کی عزت کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بحسن عنایت ازلی اس کے مقصود کو پورا فرما دیا۔ کرامت و اعجاز کے درمیان یہ ایک ظاہر فرق ہے۔

اولیاء کرام کا کرامت ظاہر فرمانا یہ ان کی مزید کرامت ہے کیونکہ ولایت کی شرط تو پوشیدہ رکھنا ہے نہ کہ بالقصد اظہار کرنا۔ میرے شیخ و مرشد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ولی ولایت ظاہر کرے اور اس سے اپنے حال کی درستگی ثابت کرے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اسے تکلف سے ظاہر کرے تو یہ رعونت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب!

خدائی دعویٰ کرنے والے کے ہاتھ سے از قسم معجزہ ظاہر ہونے کی بحث

طریقت کے مشائخ اور تمام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ سے معجزہ و کرامت کے مشابہ کوئی خرقِ عادت فعل کا ظاہر ہونا جائز ہے کیونکہ شبہات کے مواقع کو اس فعل کا ظہور دور کر دیتا ہے اور کسی کو اس کے جھوٹے ہونے میں شک نہیں رہتا اور اس فعل کا ظہور اس کے جھوٹے ہونے پر گواہ بن جاتا ہے جس طرح کے فرعون تھا کہ اس نے چار سو (۴۰۰) سال عمر پائی لیکن اس دوران وہ کبھی بیمار تک نہ ہوا اس کا حال یہ تھا کہ دریا کا پانی اس کی پشت کے عقب میں اونچا ہو جاتا اور جب وہ کھڑا ہوتا تو پانی بھی ٹھہر جاتا اور جب چلنے لگتا تو پانی بھی چلنے لگتا (178) لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی کسی عقل مند کو اس

شرح (178): دریائے نیل کے متعلق حکایت:

منقول ہے کہ فرعون زمین میں سرکشی کے ساتھ ساتھ خدائی کا بھی دعوے دار تھا۔ اس نے اپنی قوم کو دریائے نیل کے ذریعے گمراہ کر رکھا تھا وہ یوں کہ جب یَوْمِ نَیْرُوْز (یعنی آتش پرستوں کی عید کا دن) آتا اور دریائے نیل انتہائی ٹھاٹھیں مارنے لگتا تو لوگوں میں یہ اعلان کر دیا جاتا کہ تمہارے لئے فرعون نے دریائے نیل کو پُرجوش کر دیا ہے لہٰذا تم اسے سجدہ کرو تو جاہل لوگ اس کی بات پر یقین کرتے ہوئے اُسے سجدہ کرتے۔ ایک سال دریائے نیل کا پانی کم ہونا شروع ہوا تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اسے پُرشور موجیں مارنے کی اجازت نہ دی۔ لوگ بھوک کے سبب نڈھال ہو گئے اور قحط میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ، پوری قوم اکٹھی ہو کر فرعون کے پاس گئی اور اس سے مطالبہ کیا، ہمارے اہل وعیال، اولاد اور جانور سب ہلاک ہوئے جا رہے ہیں، اگر تم ہمارے خدا ہو تو دریائے نیل کا پانی جاری کر دو۔ تو اس لعین نے جواب دیا: ایسا ہی ہوگا۔ پھر وہ اُونی لباس، بالوں کی بنی ہوئی ٹوپی اور راکھ بھری تھیلی لے کر ایک ویران جزیرے کی طرف چلا گیا جو اب تک مقیاس کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اور حکم دیا کہ اس کی رعایا اور قوم میں سے کوئی شخص اس کے پیچھے نہ آئے۔ اس نے جزیرے میں داخل ہوتے ہی شاہی لباس اور سر کا تاج اُتار کر اونی لباس اور بالوں سے بنی ہوئی ٹوپی پہن لی اور راکھ زمین پر بکھیر کر اس پر لوٹ پوٹ ہونے لگا اور روتے ہوئے بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں سجدہ ریز ہو گیا اور اپنا چہرہ راکھ پر لت پت کرتے ہوئے کہنے لگا:

اے میرے مالک و مولیٰ! میں جانتا ہوں کہ تو ہی زمین و آسمان کا مالک اور اوّلین و آخرین کا معبود ہے۔ لیکن مجھ پر بدبختی غالب آگئی، میں تیری نافرمانی و سرکشی میں بہت آگے بڑھ گیا۔ تُو میرا معبود ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، تو نے میرے متعلق جو فیصلہ فرمادیا، فرمادیا۔ مولیٰ! اب مجھے میری قوم میں ذلیل و رسوا نہ کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے دعویٰ خدائی کے جھوٹے ہونے میں شبہ نہ ہوا کیونکہ عقل مند کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مجسم و مرکب نہیں ہے اس قسم کی باتیں اور افعال عاقل کے لئے اس کے جھوٹے مدعی ہونے میں شبہ نہیں ڈالتے۔
باغ ارم کے مالک شداد (179) و نمرود (180) کے بارے میں بھی اس قسم کی باتیں سنی جاتی ہیں ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور تو ہی سب سے بڑھ کر کرم فرمانے والا ہے۔ ابھی فرعون کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اسی وقت دریائے نیل کو جاری ہونے کا حکم دے دیا اور اسے فرمایا کہ جہاں تک فرعون جائے وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلے۔ چنانچہ، فرعون اپنی قوم میں اس حالت میں جارہا تھا کہ دریا کا پانی اس کے دامن کو تر کرتے ہوئے ساتھ ساتھ جارہا تھا اور لوگ اپنی آستینوں کو پانی اور کیچڑ میں ڈبو کر خوشی سے ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ اس وقت سے اب تک مصر میں خوشی منانے کا یہ طریقہ رائج ہے اور اہلِ مصر اِسے یومِ نوروز یعنی دریائے نیل کی طغیانی کا دن کہتے ہیں۔

پیارے بھائیو! دیکھا آپ نے! فرعون اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا دشمن تھا جو لمحہ بھر اس کے لئے مخلص ہوا تو اسے بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ سے طلب کے مطابق عطا کیا گیا، اس کی پردہ پوشی کی گئی اور قوم میں اس کو ذلیل ورسوا ہونے سے بچا لیا گیا۔ تو جو شخص ساری زندگی اخلاص سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی اطاعت وعبادت کرتا رہے تو وہ اسے کس قدر انعامات سے نوازے گا اور اسے آخرت میں کیا کچھ عطا نہ فرمائے گا۔ اسی طرح جب نافرمان بندہ اپنے گناہوں سے تائب ہو جائے اور اپنی خامیوں اور گناہوں کا اعتراف کرلے۔ بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں اونچی اور آہستہ آواز سے گڑگڑائے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ اس سے پاک ہے کہ بروزِ قیامت اسے عذاب دے یا سب کے سامنے ذلیل ورسوا کرے۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۳۷۳)

شرح (179): شدّاد کی جنت

حضرتِ سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ بن قِلَابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں نکلے۔ جب عدن کے صحرا میں پہنچے تو ایک عظیم الشان شہر ظاہر ہوا جس کے گرد قلعہ بنا ہوا تھا اور قلعے کے اردگرد بہت سے خوبصورت محل تھے۔ وہ یہ سوچ کر اس طرف گئے کہ کسی سے اپنے اونٹوں کے متعلق پوچھ لیں گے، لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری سے اتر کر گلے میں تلوار لٹکائے قلعے میں داخل ہوئے تو دو بڑے بڑے دروازے دیکھے جن پر سفید وسرخ قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے، ایسے مضبوط اور خوب صورت دروازے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اسی کے ہم معنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ویران صحرا میں عظیمُ الشّان خوب صورت شہر دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت گھبرائے۔ جب ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو اپنے آپ کو ایک ایسے شہر میں پایا جس میں بہت سے محلات تھے۔ ہر محل کے اوپر کمرے تھے جن کے اوپر سونے سے بنے ہوئے بہت سے کمرے تھے۔ ان کی تعمیر میں سونا، چاندی اور قیمتی جواہرات استعمال کئے گئے تھے۔ ان مکانوں کی بلندی، شہر میں تعمیر شدہ کمروں جتنی تھی۔ صحن میں جابجا قیمتی پتھر اور مشک وزعفران کی ڈلیاں بکھری ہوئی تھیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں سے کچھ قیمتی موتی اور مشک وزعفران کی ڈلیاں اُٹھائیں، لیکن دروازوں اور صحن میں نصب موتیوں اور جواہرات کو جدا نہ کر سکے۔ پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اس کے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس یمن پہنچے اور لوگوں کو اس عجیب وغریب شہر کے متعلق بتاتے ہوئے وہاں سے لائی ہوئی چیزیں دکھائیں۔ طویل عرصہ گزرنے کی وجہ سے ان موتیوں کا رنگ پیلا ہو چکا تھا۔

جب یہ واقعہ پورے ملک میں مشہور ہو گیا تو امیر المؤمنین حضرتِ سیّدُنا امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بُلا کر واقعہ دریافت کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عجیب وغریب شہر اور وہاں کی اشیاء کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ امیر المؤمنین حضرتِ سیّدُنا امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ باتیں بڑی عجیب معلوم ہوئیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مُتعجب ہو کر پوچھا: تم نے جو باتیں بیان کیں ان کے سچ ہونے کے بارے میں، مَیں کیسے یقین کرلوں؟ عرض کی: حضور! میں وہاں کے موتی جواہرات اپنے ساتھ لے آیا تھا، کچھ چیزیں اب بھی میرے پاس موجود ہیں، یہ کہہ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ یاقوت پیش کئے جو عام یاقوتوں کی نسبت قدرے پیلے ہو چکے تھے۔ کچھ مشک کی ڈلیاں پیش کیں جن میں خوشبو نہ تھی، لیکن جب انہیں توڑا گیا تو ان میں سے تیز خوشبو نکلی جسے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونگھا اسی طرح زعفران کی خوشبو بھی سونگھی۔ اب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کا یقین ہو گیا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: ایسا کون ہے؟ جو مجھے اس عجیب وغریب شہر اور اس کے بانی کا نام بتائے اور یہ بتائے کہ یہ کس قوم کا واقعہ ہے؟ خدا عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! حضرتِ سیّدُنا سلیمان بن داوٗد علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی مثل کسی کو سلطنت عطا نہیں کی گئی، اس طرح کا شہر تو ان کے ملک میں بھی نہ تھا۔ بعض لوگوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اس زمانے میں پوری دُنیا میں اس واقعہ کے متعلق صحیح معلومات صرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دجال نکلے گا جو خدائی کا دعوٰی کرے گا اور دو پہاڑ ایک داہنی جانب اور ایک بائیں جانب ساتھ ساتھ لے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرتِ سیِّدُنا کَعْبُ الاَحْبار رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی فراہم کر سکتے ہیں۔ اگر آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ مناسب سمجھیں تو انہیں بلوائیں اور حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ بن قِلَابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو چھپا دیں، اگر واقعی یہ اس شہر میں داخل ہوئے ہوں گے تو حضرتِ سیِّدُنا کَعْبُ الاَحْبار رضی اللہ تعالٰی عنہ شہر اور اس میں داخل ہونے والے کے بارے میں ضرور بتائیں گے کیونکہ یہ ایسا عظیم معاملہ ہے کہ اس شہر میں داخل ہو کر اس کے اَسرار (یعنی رازوں) سے واقف ہونے والے کا ذِکر سابقہ کتب میں ضرور ہوگا۔ اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ! اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے جو اشیاء زمین پر پیدا فرمائیں، جو واقعات و حادثات رونما ہوئے اور مستقبل میں جو بھی عظیم واقعات ہوں گے وہ تمام کے تمام تورات میں مفصل بیان کر دیئے گئے۔ اور اس وقت حضرتِ سیِّدُنا کَعْبُ الاُحْبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سابقہ کتب کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ اِنْ شَاءَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ وہ آپ کو اس واقعہ کی خبر ضرور دیں گے۔

امیر المؤمنین حضرتِ سیِّدُنا امیرِ مُعاوِیَہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرتِ سیِّدُنا کَعْبُ الاُحْبار رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلوا کر فرمایا: اے ابو اِسحاق رضی اللہ تعالٰی عنہ! میں نے تمہیں ایک بڑے کام کے لئے بلایا ہے، اُمید ہے کہ تمہارے پاس اس کا علم ضرور ہوگا۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ علیم وخبیر ہے، اس کے سامنے سب عاجز ہیں۔ میرا سارا علم اسی کی عطا سے ہے، فرمایئے! آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: اے ابو اِسحاق رضی اللہ تعالٰی عنہ! مجھے بتاؤ کہ کیا دنیا میں کسی ایسے شہر کے متعلق تمہیں کوئی خبر پہنچی ہے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا ہو۔ جس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے ہوں۔ جس کے محلات اور بالا خانوں کو موتیوں سے مزین کیا گیا ہو، جس میں باغات اور نہریں جاری ہوں اور جس کے راستے کشادہ ہوں۔

حضرتِ سیِّدُنا کَعْبُ الاُحْبار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! مجھے ظنِ غالب تھا کہ اس شہر اور اس کے بنانے والے کے متعلق مجھ سے ضرور سوال کیا جائے گا۔ اس شہر کی جو صفات آپ نے بیان کیں اور جو کچھ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بتایا گیا وہ حق ہے۔ اس کو شَدَّاد بن عاد نے بنایا اور اس کا نام اِرم ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب قرآنِ مجید میں اس طرح ارشاد فرمایا:

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: وہ اِرَم حد سے زیادہ طول والے کہ ان جیسا شہروں میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کر چلے گا داہنی جانب کے پہاڑ کو وہ جنت کہے گا اور بائیں جانب کے پہاڑ کو دوزخ۔ وہ لوگوں کو اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پیدا نہ ہوا۔ (پ30 الفجر:7۔8)

امیر المؤمنین حضرتِ سیّدُ نا امیرِ مُعاوِیَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے کَعْب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے، اس کے متعلق ذرا تفصیل سے بتائیے۔

فرمایا: اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! عاد کے دو بیٹے تھے، شدید اور شَدَّاد۔ جب عاد کا انتقال ہوا تو دونوں بیٹوں نے سرکشی کی اور قہر وغضب سے تمام شہروں پر زبردستی مسلط ہو گئے۔ کچھ حکمران تو ڈر کر ان کی اطاعت پر مجبور ہوئے اور بقیہ سے جنگ وجدال کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے زمانے میں مشرق ومغرب میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے طَوعاً یا کرھاً (یعنی خوشدلی یا مجبوری سے) اُن کی حکمرانی قبول نہ کی ہو۔ جب دونوں کی سلطنت خوب مضبوط ہو گئی اور ہر جگہ ان کی بادشاہت کے سکّے بیٹھ گئے تو شدید مر گیا۔ اب شَدَّاد اکیلا ہی پوری سلطنت کا بادشاہ تھا۔ کسی کو اس سے جنگ وجدل کرنے کی ہمت نہ تھی۔ شَدَّاد کو سابقہ کتب پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ان کتابوں میں جب بھی جنت اور اس میں موجود محلات، یاقوت، جواہرات اور باغات کا تذکرہ پڑھتا یا سنتا تو اس کا شریر نفس اسے اس بات پر ابھارتا کہ تُو بھی ایسی جنت بنا سکتا ہے۔

جب اس بدبخت ونامراد کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تو سو خزانچیوں کو بلایا اور ہر خزانچی کو ایک ایک ہزار مددگار دے کر کہا: جاؤ! اور روئے زمین کا سب سے بڑا اور عمدہ جنگل تلاش کرو۔ پھر اس میں ایک ایسا شہر بناؤ جو سونے، چاندی، یاقوت، زبرجد اور موتیوں سے مزین ہو۔ اس کے نیچے زبرجد کے ستون اوپر محلات اور بالاخانے ہوں، پھر ان کے اوپر مزید بہترین وعمدہ کمرے ہوں ان کمروں کے اوپر بھی بالاخانے ہوں۔ محلات کے نیچے گلی کوچوں میں ہر قسم کے ایسے میوہ دار درخت ہوں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ کیونکہ میں نے سابقہ کتب میں جس جنت کے بارے میں پڑھا اور سنا وہ ایسی ہی ہے۔ اور میں ایسی جنت دنیا ہی میں بنانا چاہتا ہوں۔ شَدَّاد ملعون کی یہ بات سن کر خزانچیوں نے کہا: آپ نے اس شہر کی جو صفات بیان کی ہیں اس کی تعمیر کے لئے اتنے سارے یاقوت، زبرجد، ہیرے جواہرات اور سونا چاندی کہاں سے لائیں گے۔ کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت ساری دنیا پر میری حکومت ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! بے شک ایسا ہی ہے۔ کہا: تو پھر پوری دنیا میں پھیل جاؤ! زمین پر، سمندر میں جہاں جہاں زبرجد، یاقوت اور ہیرے جواہرات کا خزانہ ہو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طرف بلائے گا جو اس کی دعوت قبول نہ کرے گا وہ اسے سزا دے گا اور وہ لوگوں کو اپنی گمراہی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سب لے لو اور ہر قوم پر ایک ایسا فرد مقرر کرو جو اپنی قوم کے تمام خزانے جمع کر لے۔ جتنا ہمیں مطلوب ہے اس سے کہیں زیادہ خزانہ دنیا میں موجود ہے۔ یہ کہہ کر شَدَّاد نے پوری دنیا کے بادشاہوں کو پیغام بھجوایا کہ وہ اپنے اپنے ملک کا خزانہ میرے شہر میں بھجوادیں۔ حکم پاتے ہی ساری دنیا کے بادشاہ دس سال تک شَدَّاد کے شہر میں اپنے اپنے ملک کا خزانہ جمع کراتے رہے۔ جس میں سونا، چاندی، یاقوت، زبرجد، ہیرے جواہرات، الغرض ہر قسم کی زیب وزینت کا سامان تھا۔

حضرتِ سیِّدُنا امیرِ مُعاوِیَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: اے کَعْب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ان بادشاہوں کی تعداد کتنی تھی؟ فرمایا: اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! وہ دوسو ساٹھ (260) تھے، جب سب سامان جمع ہو گیا تو کام کرنے والے نکلے تا کہ ایسی جگہ تلاش کریں جہاں شَدَّاد کی جنت بنائی جاسکے کافی تلاش کے بعد وہ ایسے صحراء میں پہنچے جو ٹیلوں اور پہاڑوں وغیرہ سے خالی تھا وہ کہنے لگے کہ یہی وہ جگہ ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ بس پھر کیا تھا! کاریگر اور مزدور جوق در جوق وہاں پہنچنے لگے جتنی جگہ درکار تھی اس کی حد مقرر کی، چشمے کھودے، گلی کُوچے بنائے، نہروں کے لئے گڑھے کھودے ان کی جڑوں میں خوشبودار سفید پتھر رکھے۔ پھر عمارتوں اور ستونوں کے لئے بنیادیں کھودی گئیں اور ان میں بھی بہت قیمتی اور مضبوط پتھر لگائے گئے۔ اب زبرجد، یاقوت، سونا چاندی اور ہیرے جوہرات منگوائے گئے۔ کاریگر ستون بنانے لگے، معمار سونے چاندی کی اینٹوں سے محلات تعمیر کرنے لگے، دودھ اور خوشبودار پانی کی نہریں جاری کی گئیں۔ اور اس طرح اس شہر کی تعمیر مکمل ہوئی۔

حضرتِ سیِّدُنا امیرِ مُعاوِیَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: اے کَعْب! خدا عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میرا خیال ہے کہ ا نہیں اس شہر کی تعمیر میں بہت عرصہ لگا ہوگا؟ کہا: جی ہاں! میں نے تورات میں پڑھا کہ یہ سارا کام تین سو (300) سال میں مکمل ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: شَدَّاد بدبخت کی عمر کتنی تھی؟ فرمایا: نوسو (900) سال۔ فرمایا: اے ابو اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ نے ہمیں عجیب وغریب خبر دی ہے، اس بارے میں مزید کچھ بتائیے۔ فرمایا: اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اس کا نام اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَاد رکھا اس کے ستون زبرجد و یاقوت کے تھے، اس شہر کے علاوہ پوری دنیا میں کوئی اور شہر ایسا نہیں جو یاقوت وزبرجد سے بنایا گیا ہو۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ ترجمۂ کنز الایمان: وہ اِرَم حد سے زیادہ طول والے کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا۔ (پ ۳۰، الفجر: ۷۔۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سبب ہلاک کرے گا پھر انہیں زندہ کرے گا۔ سارے جہان میں اسی کا حکم چلے گا اگر وہ اس سے بڑھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اس جیسا کوئی اور شہر نہیں، جب شداد کو اس کی تکمیل کی خبر دی تو اس نے کہا: جاؤ! اس کے گرد مضبوط قلعہ بناؤ اور قلعہ کے گرد ایک ہزار محل بناؤ، ہر محل میں ایک ہزار جھنڈے گاڑو اور ہر ہر جھنڈے پر ایک مخصوص نشان بناؤ، یہ محلات میرے وزراء کے لئے ہوں گے۔ حکم پاتے ہی کاریگر مصروفِ عمل ہو گئے۔ فراغت کے بعد جب کاریگروں نے شداد کو خبر دی تو اس نے اپنے خاص وزیروں میں سے ایک ہزار وزراء کو حکم دیا کہ میری اس بنائی ہوئی جنت کی طرف چلنے کی تیاری کرو۔ ہر خاص و عام اِرَم کی طرف جانے کی تیاری میں لگ گیا۔ لوگوں نے جھنڈے اور نشانات اٹھا لئے، حکم جاری ہوا کہ میرے وزراء اور خاص عہدے داران، اپنی عورتوں، خادموں اور کنیزوں کو لے جانے کی تیاری کریں۔ پھر شَدَّاد نے وزراء اور دوسرے لوگوں کو بہت ساری دولت و خورد و نوش کا سامان دینے کا حکم جاری کیا۔ تمام لوگ دس سال تک اس جنت میں جانے کی تیاری کرتے رہے۔ شَدَّاد نے دو آدمیوں کو اپنے شہر کا نگران مقرر کیا اور اجازتِ عام دے دی کہ جو آنا چاہے میرے ساتھ آ جائے۔ اب شَدّاد بڑے جاہ و جلال اور متکبرانہ و فاتحانہ انداز میں بڑی شان و شوکت سے سپاہیوں کے جھرمٹ میں روانہ ہوا۔ جب وہ اس جنت سے صرف ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر رہ گیا تو خالقِ کائنات، مالکِ لَم یَزَل، قادرِ مطلق خدائے بزرگ و برتر عَزَّ وَجَلَّ نے ان پر عذاب بھیجا، آسمان سے ایک چیخ سنائی دی شَدَّاد نامراد اپنی بنائی ہوئی جنت کی ایک جھلک دیکھے بغیر ہی اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا، سب لشکری تباہ و برباد ہو گئے اور کوئی بھی اس شہر میں داخل نہ ہو سکا۔ اور اب قیامت تک بھی کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ تھا اِرَم کا سارا واقعہ۔ ہاں! آپ کے زمانے میں ایک شخص اس میں داخل ہو گا، وہ اس کی تمام چیزیں دیکھے گا اور واپس آ کر بیان کریگا۔ لیکن اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کوئی اس کی بات ماننے کو تیار نہ ہو گا۔

یہ سن کر امیر المؤمنین حضرتِ سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے ابو اِسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا آپ اس میں داخل ہونے والے شخص کی کچھ صفات بتا سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! وہ شخص سرخ و بھورا اور پست قد ہو گا اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور اس کے ابرو پر ایک تِل ہو گا۔ وہ اپنے گمشدہ اونٹ کی تلاش میں اس صحرا میں جائے گا تو اس پر وہ شہر ظاہر ہو گا۔ وہ اس میں داخل ہو کر کچھ چیزیں وہاں سے اُٹھا لائے گا۔ اس وقت حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ بن قِلَابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرتِ سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کر سو گنا خرقِ عادات افعال ظاہر کرے تب بھی کسی عقل مند کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرتِ سیِّدُ نا کَعبُ الاَحْبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا: اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہی وہ شخص ہے جو اس میں داخل ہوا ہے، آپ اس سے وہ چیزیں پوچھ لیجئے جو میں نے آپ کو بتائیں۔ حضرتِ سیِّدُ نا امیرِ مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے ابواسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ تو میرے خادموں میں سے ہے اور میرے پاس ہی ہے۔ فرمایا: یا تو یہ اس شہر میں داخل ہو چکا ہے یا عنقریب داخل ہوگا، بس یہی وہ شخص ہے۔ یہ سن کر حضرتِ سیِّدُ نا امیرِ مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے ابو اِسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں دوسرے علماء پر فضیلت دی ہے، بے شک! تمہیں اولین وآخرین کا علم دیا گیا ہے۔ حضرتِ سیِّدُ نا کَعبُ الاَحْبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس پاک پروردگار عَزَّ وَجَلَّ کی جس کے قبضہ قدرت میں کَعب کی جان ہے! اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی مگر اس کی تفسیر اپنے برگزیدہ رسول حضرتِ سیِّدُ نا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتادی۔ بے شک قرآنِ کریم بہت بلند وعظیم اور وعید سنانے والا ہے۔ (عیون الحکایات ص ۲۹۸۔۲۹۹)

شرح (180): نمرود کون تھا؟

نمرود بڑے طنطنے کا بادشاہ تھا سب سے پہلے اس نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ یہ ولد الزنا اور حرامی تھا اور اس کی ماں نے زنا کرالیا تھا جس سے نمرود پیدا ہوا تھا کہ سلطنت کا کوئی وارث پیدا نہ ہوگا تو بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ حرامی لڑکا بڑا ہو کر بہت اقبال مند ہوا اور بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہی صرف چار ہی شخصوں کو ملی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین تو صاحبان ایمان تھے اور نمرود و بخت نصر یہ دونوں کافر تھے۔ نمرود نے اپنی سلطنت بھر میں یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ اس نے خوراک کی تمام چیزوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ یہ صرف ان ہی لوگوں کو خوراک کا سامان دیا کرتا تھا جو لوگ اس کی خدائی کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے دربار میں غلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے تو اس خبیث نے کہا کہ پہلے تم مجھ کو اپنا خدا تسلیم کرو جبھی میں تم کو غلہ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھرے دربار میں علی الاعلان فرمادیا کہ تو جھوٹا ہے اور میں صرف ایک خدا کا پرستار ہوں جو وحدہ لاشریک لہ ہے یہ سن کر نمرود آپے سے باہر ہو گیا اور آپ کو دربار سے نکال دیا اور ایک دانہ بھی نہیں دیا۔ آپ اور آپ کے چند متبعین جو مومن تھے بھوک کی شدت سے پریشان ہو کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوگا۔ (181) ہر ذی شعور بخوبی جانتا ہے کہ خدا گدھے پر نہیں بیٹھتا اور متغیر و متلون نہیں ہوتا ایسی باتوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جاں بلب ہو گئے۔ اس وقت آپ ایک تھیلا لے کر ایک ٹیلے کے پاس تشریف لے گئے اور تھیلے میں ریت بھر کر لائے اور خداوند قدوس سے دعا مانگی تو وہ ریت آٹا بن گئی اور آپ نے اس کو اپنے متبعین کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر نمرود کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے آپ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ مگر وہ آگ آپ پر گلزار بن گئی اور آپ سلامتی کے ساتھ اس آگ سے باہر نکل آئے اور علی الاعلان نمرود کو جھوٹا کہہ کر خدائے وحدہ لاشریک لہ کی توحید کا چرچا کرنے لگے۔ نمرود نے آپ کے کلمہ حق سے تنگ آ کر ایک دن آپ کو اپنے دربار میں بلایا اور حسب ذیل مکالمہ بہ صورت مناظرہ شروع کر دیا۔ (تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۲۱۹، ۲۲۰، پ ۳، البقرۃ: ۲۵۸)

نمرود: اے ابراہیم! بتاؤ تمہارا رب کون ہے جس کی عبادت کی تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو؟

حضرت ابراہیم: اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔

نمرود: یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ اس وقت اس نے دو قیدیوں کو جیل خانہ سے دربار میں بلوایا ایک کو موت کی سزا ہو چکی تھی اور دوسرا رِہا ہو چکا تھا۔ نمرود نے پھانسی پانے والے کو تو چھوڑ دیا اور بے قصور کو پھانسی دے دی اور بولا کہ دیکھ لو کہ جو مردہ تھا میں نے اس کو جلا دیا اور جو زندہ تھا میں نے اس کو مردہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ نمرود بالکل ہی احمق اور نہایت ہی گھامڑ آدمی ہے جو جلانے اور مارنے کا یہ مطلب سمجھ بیٹھا، اس لئے آپ نے اس کے سامنے ایک دوسری بہت ہی واضح اور روشن دلیل پیش فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم: اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو مغرب سے نکال دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل سن کر نمرود مبہوت و حیران رہ گیا اور کچھ بھی نہ بول سکا۔ اس طرح یہ مناظرہ ختم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مناظرہ میں فتح مند ہو کر دربار سے باہر تشریف لائے اور توحیدِ الٰہی کا وعظ علی الاعلان فرمانا شروع کر دیا۔

شرح (181): دجّال ایک کذاب کا نام ہے۔ اس کی ایک آنکھ ہوگی وہ کانا ہوگا اور اس کی پیشانی پر ک ا ف ر (یعنی کافر) لکھا ہوگا۔ ہر مسلمان اس کو پڑھے گا، کافر کو نظر نہ آئے گا۔ وہ چالیس دن میں تمام زمین میں پھرے گا مگر مکہ شریف اور مدینہ شریف میں داخل نہ ہو سکے گا۔ ان چالیس دن میں پہلا دن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نمائش کو استدراج کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی جھوٹے مدعی نبوت سے خرق عادات فعل صادر ہو جو اس کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہو جیسے صادق نبی سے ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ اس کے صدق کی دلیل ہوتا ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے ایسا فعل سرزد ہو جس سے صاحب عقل کو شبہ پڑ جائے۔ اگر ہم شبہ کو بھی جائز مان لیں تو پھر کاذب سے صادق کو اور صادق سے کاذب کو نہیں پہچان سکیں گے اس وقت طالب کو دشوار ہو گا کہ کس کی تصدیق کریں اور کس کی تکذیب، اس طرح حکم ثبوت بالکل باطل ہو جاتا ہے۔

جائز ہے کہ مدعیِ ولایت سے از قسم کرامت کوئی فعل ظاہر ہو کیونکہ وہ دین میں تو درست ہے اگرچہ معاملاتِ طریقت میں بہتر نہیں ہے۔ وہ ظہور و کرامت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا اثبات اور خود پر فضل حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ یہ فعل اس کی اپنی قوت و طاقت سے نہیں ہے اور جو اصل ایمان میں بلادلیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا ایک مہینہ کے برابر، تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور باقی دن معمول کے دنوں کے برابر ہوں گے۔ دجّال خدائی کا دعویٰ کریگا اور اسکے ساتھ ایک باغ اور ایک آگ ہوگی، جس کا نام وہ جنّت و دوزخ رکھے گا۔ جو اس پر ایمان لائے گا اس کو وہ اپنی جنت میں ڈالے گا، جو حقیقت میں آگ ہوگی اور جو اس کا انکار کریگا اس کو اپنی جہنم میں داخل کریگا جو واقع میں آسائش کی جگہ ہوگی۔ بہت سے عجائب دکھائے گا۔ زمین سے سبزہ اُگائے گا۔ آسمان سے مینہ برسائے گا۔ مُردے زندہ کریگا۔ ایک مومن صالح اس طرف متوجہ ہوں گے اور ان سے دجّال کے سپاہی کہیں گے کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں لاتے؟ وہ کہیں گے۔ میرے رب کے دلائل چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر وہ ان کو پکڑ کر دجال کے پاس لے جائیں گے۔ یہ دجال کو دیکھ کر فرمائیں گے اے لوگو یہ وہی دجال ہے جس کا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔ دجال کے حکم سے ان کو زدوکوب کیا جائے گا۔ پھر دجال کہے گا کیا تم میرے اوپر ایمان نہیں لاتے؟ وہ فرمائیں گے تو مسیح کذّاب ہے۔ دجال کے حکم سے ان کا جسم مبارک سر سے پاؤں تک چیر کے دو حصے کر دیا جائے گا اور ان دونوں حصوں کے درمیان دجال چلے گا۔ پھر کہے گا اٹھ! تو وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ تب دجال ان سے کہے گا تم مجھ پر ایمان لاتے ہو؟ وہ فرمائیں گے میری بصیرت اور زیادہ ہوگئی۔ اے لوگو! یہ دجال اب میرے بعد کسی کے ساتھ پھر ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر دجال انہیں پکڑ کر ذبح کرنا چاہے گا اور اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ پھر ان کے دست و پا سے پکڑ کر اپنی جہنم میں ڈالے گا۔ لوگ گمان کریں گے کہ ان کو آگ میں ڈالا۔ مگر درحقیقت وہ آسائش کی جگہ ہوں گے۔ (کتاب العقائد ص ۲۹)

راست گو ہو وہ اعتقاد کے تمام اصول اور ولایت میں دلیل کے ساتھ راست گو ہوگا اس لئے کہ اس کا اعتقاد ہر حال میں ولی کے اعتقاد کی صفت میں ہوگا اگرچہ اس کے اعمال اس کے اپنے اعتقاد کے موافق نہ ہوں۔ اس کے دعویٰ ولایت پر ولایت کے معاملات نہ کرنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا جس طرح ایمان کا دعویٰ، احکام وعمل نہ کرنے سے باطل قرار نہیں پاتا۔ درحقیقت کرامت اور ولایت، حق تعالیٰ کی عطاؤ بخشش سے متعلق ہے نہ کہ بندے کے کسب و اختیار سے (182) لہٰذا بندے کا کسب و مجاہدہ درحقیقت ہدایت کے لئے علت نہیں ہوتا۔ اس سے قبل بتا چکا ہوں کہ اولیاء معصوم نہیں ہیں کیونکہ عصمت نبوت کے لئے ہے لیکن اولیاء آفتوں سے محفوظ ہیں کیونکہ اُن کے وجود سے نفی مقتضی ہو سکتی ہے اور ولایت کا نفی میں آفت کا وجود ایمان کی نفی کا حکم رکھتی ہے۔ اس میں ارتداد از قسم معصیت نہیں ہے یہ مذہب محمد بن علی حکیم ترمذی کا ہے اور حضرت جنید، حضرت ابوالحسن نوری اور حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہما اور ان کے بکثرت محقق اتباع کا بھی یہی مسلک ہے لیکن اہل معاملات جیسے حضرت سہل بن عبداللہ تستری، ابوسلیمان درانی اور ابوحمدون قصاب وغیرہ رحمۃ اللہ علیہما کا مشرب ہے کہ ولایت کی شرط ہمیں طاعت پر قائم رہنے کی ہے جب ولی کے دل پر کبیرہ کا گزر ہو جائے تو وہ ولایت سے معزول ہو جاتا ہے۔ میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں کہ امت کا اجماع ہے کہ کبیرہ کے ارتکاب سے بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا کوئی ولایت، دوسری ولایت سے بہتر نہیں ہے اور جب معرفت کی ولایت جو تمام کرامتوں کی جڑ ہے معصیت سے ساقط نہیں ہوتی تو یہ ناممکن ہے کہ جو چیز شرف و کرامت میں اس سے کم درجہ پر ہو وہ معصیت سے زائل ہو جائے۔ مشائخ کے درمیان یہ اختلاف بہت طویل بحث بن چکا ہے۔

ظہور کرامت کی حالت:

اس سلسلہ میں سب سے اہم بات علم یقین سے اس کا جاننا ہے کہ ولی سے ظہورِ کرامت کس حالت میں

شرح (182): ولایت وَہبی شے ہے، نہ یہ کہ اَعمالِ شاقہ سے آدمی خود حاصل کر لے، البتہ غالباً اَعمالِ حسنہ اِس عطیہ الٰہی کے لیے ذریعہ ہوتے ہیں اور بعضوں کو ابتداءً مل جاتی ہے۔

ولایت بے علم کو نہیں ملتی، خواہ علم بطورِ ظاہر حاصل کیا ہو، یا اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر اللہ عزوجل نے اس پر علوم منکشف کر دیے ہوں۔

ہوا ہے؟(183) آیا حالت صحو میں ہوا ہے یا حالت سکر میں؟ غلبۂ حال میں ہوا ہے یا محل استقامت میں؟

شرح (183): اولیاء کرام سے صادر وظاہر ہونے والی کرامتیں کتنی اقسام کی ہیں اوران کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب طبقات میں تحریر فرمایا کہ میرے خیال میں اولیاء کرام سے جتنی قسموں کی کرامتیں صادر ہوئی ہیں ان قسموں کی تعداد ایک سو سے بھی زائد ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف الصدر نے قدرے تفصیل کے ساتھ کرامت کی پچیس قسموں کا بیان فرمایا ہے جن کو ہم ناظرین کی خدمت میں کچھ مزید تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

(۱) مردوں کو زندہ کرنا

یہ وہ کرامت ہے کہ بہت سے اولیائے کرام سے اس کا صدور ہو چکا ہے،

چنانچہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابوعبید بسری جو اپنے دور کے مشاہیر اولیاء میں سے ہیں ایک مرتبہ جہاد میں تشریف لے گئے۔ جب انہوں نے وطن کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا تو ناگہاں ان کا گھوڑا مر گیا، مگر ان کی دعا سے اچانک ان کا مرا ہوا گھوڑا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور وہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن بسر پہنچ گئے اور خادم کو حکم دیا کہ اس کی زین اور لگام اتار لے۔ خادم نے جوں ہی زین اور لگام کو گھوڑے سے جدا کیا فوراً ہی گھوڑا مر کر گر پڑا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۸)

اسی طرح حضرت شیخ مفرج جو علاقہ مصر میں صعید کے باشندہ تھے، ان کے دسترخوان پر ایک پرندہ کا بچہ بھنا ہوا رکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو خدا تعالیٰ کے حکم سے اڑ کر چلا جا۔ ان الفاظ کا ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ ایک لمحہ میں وہ پرندہ کا بچہ زندہ ہو گیا اور اڑ کر چلا گیا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۸ ملخصا)

اسی طرح حضرت شیخ اہدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مری ہوئی بلی کو پکارا تو وہ دوڑتی ہوئی شیخ کے سامنے حاضر ہو گئی۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۸ ملخصا)

اسی طرح حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دسترخوان پر پکی ہوئی مرغی کو تناول فرما کر اس کی ہڈیوں کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اے مرغی! تو اس اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو سڑی گلی ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔ زبان مبارک سے ان الفاظ کے نکلتے ہی مرغی زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگی۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحو وسکر کی تفصیل طیفوری مذہب کے ذکر میں آچکی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اسی طرح حضرت شیخ زین الدین شافعی مدرس مدرسہ شامیہ نے اس بچے کو جو مدرسہ کی چھت سے گر کر مر گیا تھا، زندہ کر دیا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصاً)

اسی طرح عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بغداد شریف میں چار بزرگ ایسے ہوئے جو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شفا دیتے تھے اور اپنی دعاؤں سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ شیخ ابوسعد قیلوی و شیخ بقا بن بطو و شیخ علی بن ابی نصر ہیتی و شیخ عبدالقادر جیلانی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم (بہجۃ الاسرار، ذکر فصول من کلامہ مرصعاً بشیئ... الخ، ص ۱۲۴)

(۲) مردوں سے کلام کرنا

کرامت کی یہ قسم بھی حضرت شیخ ابوسعید خراز اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ بہت سے اولیاء کرام سے بارہا اور بکثرت منقول ہے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹)

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مبارک پر گیا اور انہوں نے سلام کیا تو قبر انور سے آواز آئی کہ وعلیك السلام یا سید اهل الزمان۔ (بہجۃ الاسرار، ذکر کلمات اخبر بہا عن نفسہ محدثا... الخ، ص ۵۳)

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی اور بقا بن بطو، یہ دونوں بزرگ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے تو ناگہاں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر شریف سے باہر نکل آئے اور فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانی! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں علم شریعت وطریقت اور علم قال وحال میں تمہارا محتاج ہوں۔ (بہجۃ الاسرار، ذکر علمہ وتسمیۃ بعض... الخ، ص ۲۲۶ ملخصاً)

(۳) دریاؤں پر تصرف

دریا کا پھٹ جانا، دریا کا خشک ہو جانا، دریا پر چلنا بہت سے اولیاء کرام سے ان کرامتوں کا ظہور ہوا، بالخصوص سید المتاخرین حضرت تقی الدین بن دقیق العید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے تو ان کرامتوں کا بار بار ظہور عام طور پر مشہور خلائق ہے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصاً) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت بایزید بسطامی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت محمد بن خفیف، حضرت حسین بن منصور، حضرت یحییٰ ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہما اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ولی سے ظہور کرامت، بجز حالت سکر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۴) انقلاب ماہیت

کسی چیز کی حقیقت کا ناگہاں بدل جانا یہ کرامت بھی اکثر اولیاء کرام سے منقول ہے۔ چنانچہ شیخ عیسیٰ ہتار یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بطورِ مذاق کے کسی بدباطن نے شراب سے بھری ہوئی دو مشکیں تحفہ میں بھیج دیں۔ آپ نے دونوں مشکوں کا منہ کھول کر ایک کی شراب کو دوسری میں انڈیل دیا۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کو تناول فرمائیں حاضرین نے کھایا تو اتنا نفیس اور اس قدر عمدہ گھی تھا کہ عمر بھر لوگوں نے اتنا عمدہ گھی نہیں کھایا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا)

(۵) زمین کا سمٹ جانا

سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونا یہ کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ چنانچہ طرسوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرما تھے۔ اچانک انہوں نے اپنا سر گریبان میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیائ... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا)

(۶) نباتات سے گفتگو

بہت سے حیوانات و نباتات اور جمادات نے اولیاء کرام سے گفتگو کی جن کی حکایات بکثرت کتابوں میں مذکور ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیت المقدس کے راستہ میں ایک چھوٹے سے انار کے درخت کے سایہ میں اتر پڑے تو اس درخت نے باآواز بلند کہا کہ اے ابواسحاق! آپ مجھے یہ شرف عطا فرمایے کہ میرا ایک پھل کھا لیجئے، اس درخت کا پھل کھٹا تھا، مگر درخت کی تمنا پوری کرنے کیلئے آپ نے اس کا ایک پھل توڑ کر کھایا، تو وہ نہایت ہی میٹھا ہو گیا۔ اور آپ کی برکت سے وہ سال میں دو بار پھلنے لگا اور وہ درخت اس قدر مشہور ہو گیا کہ لوگ اس کو رُمَّانَۃُ الْعَابِدِیْنَ (عابدوں کا انار) کہنے لگے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا)

(۷) شفائے امراض

اولیائے کرام کے لیے اس کرامت کا ثبوت بھی بکثرت کتابوں میں مرقوم ہے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ممکن نہیں اور جو حالت صحو میں واقع ہوتا ہے وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ان کے مذہب میں کرامت و معجزے کے درمیان یہ فرق واضح ہے کیونکہ ولی پر اظہارِ کرامت سکر کی حالت میں ہوگا یعنی وہ مغلوب الحال اور دعوٰی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چنانچہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ ایک پہاڑ پر میں نے ایک ایسے بزرگ سے ملاقات کی جو اپاہجوں، اندھوں اور دوسرے قسم قسم کے مریضوں کو خداعزوجل کے حکم سے شفایاب فرماتے تھے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء۔۔۔ الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا)

(۸) جانوروں کا فرماں بردار ہو جانا

بہت سے بزرگوں نے اپنی کرامت سے خطرناک درندوں کو اپنا فرمانبردار بنالیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید بن ابی الخیر میہنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیروں کو اپنا اطاعت گزار بنا رکھا تھا اور دوسرے بہت سے اولیاء شیروں پر سواری فرماتے تھے جن کی حکایات مشہور ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا4-----)

(۹) زمانہ کا مختصر ہو جانا

یہ کرامت بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ ان کی صحبت میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ پورا دن اس قدر جلدی گزر گیا کہ گویا گھنٹہ دو گھنٹہ کا وقت گزرا ہے۔ (المرجع السابق، ص ۶۱۰ ملخصا)

(۱۰) زمانہ کا طویل ہو جانا

اس کرامت کا ظہور سینکڑوں علماء و مشائخ سے اس طرح ہوا کہ ان بزرگوں نے مختصر سے مختصر وقتوں میں اس قدر زیادہ کام کر لیا کہ دنیا والے اتنا کام مہینوں بلکہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ امام شافعی و حجۃ الاسلام امام غزالی و علامہ جلال الدین سیوطی و امام الحرمین شیخ محی الدین نووی وغیرہ۔ علماء دین نے اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ اگر ان کی عمروں کا حساب لگایا جائے تو روزانہ اتنے زیادہ اوراق ان بزرگوں نے تصنیف فرمائے ہیں کہ کوئی اتنے زیادہ اوراق کو اتنی قلیل مدت میں نقل بھی نہیں کر سکتا، حالانکہ یہ اللہ والے تصنیف کے علاوہ دوسرے مشاغل بھی رکھتے تھے اور نفلی عبادتیں بھی بکثرت کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح منقول ہے کہ بعض بزرگوں نے دن رات میں آٹھ آٹھ ختم قرآن مجید کی تلاوت کر لی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کے اوقات میں اس قدر اور اتنی زیادہ برکت ہوئی ہے کہ جس کو کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ (حجۃ اللہ ج ۲، ص ۸۵۷) (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰ ملخصا) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

بے نیاز ہوگا اور نبی پر معجزے کا اظہار اس کے صحو کی حالت میں ہوگا کیونکہ وہ تحدی کرتا اور لوگوں کو اپنے مقابلہ میں بلاتا ہے اور صاحب معجزہ حکم کے دونوں اطراف میں مختار کیا گیا ہے۔ ایک اس کے اظہار میں جبکہ وہ اعجاز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱۱) مقبولیت دعا

یہ کرامت بھی بہت زیادہ بزرگوں سے منقول ہے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹)

(۱۲) خاموشی وکلام پر قدرت

بعض بزرگوں نے برسوں تک کسی انسان سے کلام نہیں کیا اور بعض بزرگوں نے نمازوں اور ضروریات کے علاوہ کئی کئی دنوں تک مسلسل وعظ فرمایا اور درس دیا ہے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹)

(۱۳) دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا

سینکڑوں اولیائے کرام سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ جن بستیوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے عداوت ونفرت رکھتے تھے۔ جب ان حضرات نے وہاں قدم رکھا تو ان کی توجہات سے ناگہاں سب کے دل ان کی محبت سے لبریز ہوگئے اور سب کے سب پروانوں کی طرح ان کے قدموں پر نثار ہونے لگے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا)

(۱۴) غیب کی خبریں

اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اولیاء کرام نے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات وخطرات کو جان لیا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دیتے رہے اور ان کی پیش گوئیاں سو فیصدی صحیح ہوتی رہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملخصا)

(۱۵) کھائے پیئے بغیر زندہ رہنا

ایسے بزرگوں کی فہرست بہت ہی طویل ہے جو ایک مدت دراز تک بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور انہیں کھانا یا پانی چھوڑ دینے سے ذرہ برابر کوئی ضعف بھی لاحق نہیں ہوا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے معارضہ میں لائے۔ دوسرے ان کے پوشیدہ رکھنے میں۔ چونکہ اولیاء کے لئے یہ صورت متصور نہیں کہ انہیں کرامت میں اختیار دیا گیا ہے کیونکہ بسا اوقات وہ ظہور کرامت چاہتے ہیں اور ظہور نہیں ہوتا اور کبھی چاہتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۱۶) نظام عالم میں تصرفات

منقول ہے کہ بہت سے بزرگوں نے شدید قحط کے زمانے میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرمایا تو ناگہاں آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی اور مشہور ہے کہ حضرت شیخ ابو العباس شاطر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو درہموں کے بدلے بارش فروخت کیا کرتے تھے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۰۹ ملتقطاً)

(۱۷) بہت زیادہ مقدار میں کھا لینا

بعض بزرگوں نے جب چاہا بیسیوں آدمیوں کی خوراک اکیلے کھا گئے اور انہیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

(۱۸) حرام غذاؤں سے محفوظ

بہت سے اولیاء کرام کی یہ کرامت مشہور ہے کہ حرام غذاؤں سے وہ ایک خاص قسم کی بدبو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے جب بھی کوئی حرام غذا لائی جاتی تھی تو انہیں اس غذا سے ایسی ناگوار بدبو محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ حرام غذا کو دیکھتے ہی ان کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابو العباس مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے لوگوں نے امتحان کے طور پر حرام کھانا رکھ دیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر حرام غذا کو دیکھ کر حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی تو میرا یہ حال ہے کہ حرام غذا کے سامنے میری ستر رگیں پھڑکنے لگتی ہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰)

(۱۹) دور کی چیزوں کو دیکھ لینا

چنانچہ شیخ ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ وہ بغداد شریف میں بیٹھے ہوئے کعبہ مکرمہ کو دیکھا کرتے تھے۔ (حجۃ اللہ ج ۲، ص ۸۵۷)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں مگر ظہور ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی داعی نہیں ہوتا ہے کہ اس کا حال قیام سے منسوب ہو بلکہ وہ پوشیدہ ہے اور اس کا حال صفت فنا سے موصوف ہے لہٰذا ایک صاحب شرع ہے اور دوسرا صاحب اَسرار۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲۰) ہیبت و دبدبہ

بعض اولیاء کرام سے اس کرامت کا صدور اس طور ہوا کہ ان کی صورت دیکھ کر بعض لوگوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ ان کا دم نکل گیا، چنانچہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہیبت سے ان کی مجلس میں ایک شخص مر گیا۔ (حجۃ اللہ ج ۲، ص ۸۵۷) (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰)

(۲۱) مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا

اس کرامت کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں خلع ولبس کہتے ہیں، یعنی ایک شکل کو چھوڑ کر دوسری شکل میں ظاہر ہو جانا۔ حضرات صوفیہ کا قول ہے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان ایک تیسرا عالم بھی ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اس عالم مثال میں ایک ہی شخص کی روح مختلف جسموں میں ظاہر ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۝

ترجمۂ کنز الایمان: وہ اسکے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔ (پ ۱۶، مریم: ۱۷)

سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے ایک تندرست جوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا تھا۔

یہ کرامت بہت سے اولیاء نے دکھائی ہے، چنانچہ حضرت قضیب البان موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا اولیاء کے طبقہ ابدال میں شمار ہوتا ہے، کسی نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ سنکر آپ جلال میں آگئے اور فوراً ہی اپنے آپ کو اس کے سامنے چند صورتوں میں ظاہر کیا اور پوچھا کہ بتا تو نے کس صورت میں مجھ کو ترک نماز کرتے ہوئے دیکھا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰ ملخصا)

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مشائخ نقشبندیہ میں بہت ہی ممتاز بزرگ ہیں۔ جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی خدمت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لئے سزاوار یہ ہے کہ کرامت، خوف اور غیبت حال کے سوا ظاہر نہ ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس کا تصرف حق تعالیٰ کے تصرف سے وابستہ ہے۔ جس وقت ولی کا ایسا حال ہو جائے اس وقت اس کی ہر بات حق تعالیٰ کی مدد سے وجود میں آتی ہے اس لئے کہ صفت بشریت کی برقراری یا تو اہل لہو کو ہوگی یا اہل سہو کو یا مطلق الٰہی کو لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی بشریت لہو اور سہو کی بنا پر نہیں ہوگی اور انبیاء کے سوا کوئی مطلقِ الٰہی نہیں ہوگا۔ (جن پر اطلاق بشریت خدا کی طرف سے ہو اور اصل حقیقت عوام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چہرہ اقدس پر ان کو داغ دھبے نظر آئے جس سے ان کے دل میں کچھ کراہت پیدا ہوئی تو اچانک آپ ان کے سامنے ایک ایسی نورانی شکل میں ظاہر ہو گئے کہ بے اختیار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور وہ فوراً ہی بیعت ہو گئے۔ (نفحات الانس (مترجم)، ص ۴۲۷)

(۲۲) دشمنوں کے شر سے بچنا

خداوند قدوس نے بعض اولیاء کرام کو یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ ظالم امراء و سلاطین نے جب ان کے قتل یا ایذارسانی کا ارادہ کیا تو غیب سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایذارسانی کے خیال سے دربار میں طلب کیا مگر جب وہ سامنے گئے تو خلیفہ خود ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰ ملخصاً)

(۲۳) زمین کے خزانوں کو دیکھ لینا

بعض اولیائے کرام کو یہ کرامت ملی ہے کہ وہ زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھ لیا کرتے تھے اور اس کو اپنی کرامت سے باہر نکال لیتے تھے۔ چنانچہ شیخ ابوتراب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ایسے مقام پر جہاں پانی نایاب تھا زمین پر ایک ٹھوکر مار کر پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰ ملخصاً)

(۲۴) مشکلات کا آسان ہو جانا

یہ کرامت بزرگان دین سے بار بار اور بے شمار مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے جس کی سینکڑوں مثالیں تذکرۃ الاولیاء، وغیرہ مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے مخفی ہو۔ فافہم مترجم) اس جگہ ایک تردد و تلون رہ جاتا ہے جو تحقیق و تمکین کے سوا ہے۔

اولیاء کی بشریت جب تک قائم و باقی رہتی ہے وہ محجوب رہتے ہیں اور صفاتِ بشریت کو فنا کر کے مکاشف اور مشاہدے میں ہوتے ہیں تو وہ الطاف حق کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتے ہیں لہٰذا حالت کشف کے بغیر، اظہار کرامت صحیح نہیں ہوتا اور یہ ان کے قرب کا درجہ ہے۔ اس حال میں ان کے دل میں پتھر اور سونا دونوں برابر ہیں۔ (184) یہ حال انبیاء کے سوا کسی صورت میں کسی اور کے لئے ممکن نہیں اگر کسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲۵) مہلکات کا اثر نہ کرنا

چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بدباطن بادشاہ نے کسی خدارسیدہ بزرگ کو گرفتار کیا اور انہیں مجبور کر دیا کہ وہ کوئی تعجب خیز کرامت دکھائیں ورنہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

آپ نے اونٹ کی مینگنیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اٹھالاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟ جب لوگوں نے ان کو اٹھا کر دیکھا تو وہ خالص سونے کے ٹکڑے تھے۔ پھر آپ نے ایک خالی پیالے کو اٹھا کر گھمایا اور اوندھا کر کے بادشاہ کو دیا تو وہ پانی سے بھرا ہوا تھا اور اوندھا ہونے کے باوجود اس میں سے ایک قطرہ بھی پانی نہیں گرا۔

یہ دو کرامتیں دیکھ کر یہ بدعقیدہ بادشاہ کہنے لگا کہ یہ سب نظر بندی کے جادو کا کرشمہ ہے۔ پھر بادشاہ نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے تو بادشاہ نے مجلس سماع منعقد کرائی جب ان درویشوں کو سماع سنکر جوشِ وجد میں حال آ گیا تو یہ سب لوگ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہو کر رقص کرنے لگے۔ پھر ایک درویش بادشاہ کے بچے کو گود میں لے کر آگ میں کود پڑا اور تھوڑی دیر تک بادشاہ کی نظروں سے غائب ہو گیا بادشاہ اپنے بچے کے فراق میں بے چین ہو گیا مگر پھر چند منٹوں میں درویش نے بادشاہ کے بچے کو اس حال میں بادشاہ کی گود میں ڈال دیا کہ بچے کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے ہاتھ میں انار تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ بیٹا! تم کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ میں ایک باغ میں تھا جہاں سے میں یہ پھل لایا ہوں۔

یہ دیکھ کر بھی ظالم و بدعقیدہ بادشاہ کا دل نہیں پسیجا اور اس نے اس بزرگ کو بار بار زہر کا پیالہ پلایا مگر ہر مرتبہ زہر کے اثر سے اس بزرگ کے کپڑے پھٹتے رہے

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثانی فی انواع الکرامات، ص ۶۱۰-۶۱۱ ملخصاً)

شرح (184): جو رب کائنات (عزوجل) سے سچی محبت کرتا ہے، اسکا عاشق زار ہے اور فکر آخرت میں اس قدر گرفتار ہے کہ اسکا دل دنیا کی محبت سے بیزار ہے اور دنیا کی محبت کیلئے دل میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا ہو بھی جائے تو وہ عارضی حالت ہوگی یہ حال بجز سکر و مدہوشی کے نہ ہوگا۔ جس طرح حضرت حارث محاسبی ایک دن دنیا سے ایسے گم ہوئے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی عقبیٰ سے جا ملے اس وقت انہوں نے فرمایا:

عرضت نفسی من الدنیا فاستوت عندی حجرھا وذھبھا وفضتھا ومدرھا میں نے دنیا سے اپنے آپ کو جدا کیا تو اس وقت میرے نزدیک دنیا کا سونا چاندی اور پتھر ڈھیلے سب برابر ہو گئے۔

دوسرے دن لوگوں نے جب باغ میں کام کرتے دیکھا تو پوچھا اے حارث کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا اپنی روزی حاصل کر رہا ہوں کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ ایک دن ان کا وہ حال تھا اور دوسرے دن ان کا یہ حال۔؟

اولیاء کے نزدیک صحو عوام کا درجہ ہے اور ان کے سکر کا مقام انبیاء کا درجہ ہے۔ جب وہ اپنے آپ میں واپس آتے ہیں تو اس وقت وہ خود کو دیگر لوگوں کی مانند ایک فرد جانتے ہیں اور جب وہ اپنے آپ سے غائب ہو جاتے ہیں اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کا سکر انہیں مہذب اور شائستہ بنانے والا ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ کے ساتھ شائستہ ہو جاتے ہیں اور سارا جہان مثل سونے کے ہو جاتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ذھب اینما ذھبنا ودر حیثما درنا وفضۃ فی الفضاء جہاں ہم گئے سونا تھا اور جس جگہ پہنچے موتی تھے اور فضاء میں چاندی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کوئی جگہ موجود نہیں حتی کے اسے کھانے پینے کی طرف رغبت نہیں ہوتی بلکہ اس سلسلے میں اسکی رغبت محض اتنی ہوتی ہے جس سے ضرورت پوری ہو جائے کہ یہ ایک فطری امر ہے لہٰذا وہ کھانے کی خواہش اسلئے نہیں کرتا کہ یہ کھانا ہے بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قدرت حاصل ہو سکے۔

وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ بھوک کی آفت سے محفوظ ہو جائے، تا کہ اسے کھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے چنانچہ اسکے دل میں ضرورت سے زائد چیزوں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی اور ضرورت کی چیزوں کی طلب بھی محض اس وجہ سے ہوتی ہے کہ یہ اسکے دین کی ضرورت ہے اسے اگر فکر ہوتی ہے تو صرف فکر الٰہی پس ایسا شخص جب کھاتا، پیتا یا قضائے حاجت کیلئے جاتا ہے تو تمام حرکات و سکنات میں اسکا عمل خالص اور نیت درست ہوتی ہے مثلاً وہ اس نیت سے سوتا ہے تا کہ آرام حاصل کر کے عبادت کیلئے تیار ہو جائے۔ تو اسکا سونا بھی عبادت ہے اور اس معاملے میں اسے مخلصین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

استاد امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے طبرانی سے ابتدائی حال کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا ایک دن مجھے ایک پتھر کی ضرورت لاحق ہوئی سرخس کی شاہراہ سے جو پتھر اٹھاتا تھا وہ جو ہر و پارس ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک دونوں برابر تھے بلکہ یہ اس لئے تھا کہ جو لعل ان کے ہاتھ میں آتا تھا وہ ان کی مراد کے مقابلہ میں پتھر سے زیادہ حقیر چیز تھی۔ (185)

مجھ سے خواجہ امام خرامی نے سرخس میں فرمایا کہ میں بچہ تھا اور مایۂ قزر کے لئے شہتوت کے پتوں کی تلاش میں وہاں کے ایک محلہ میں پہنچا اور ایک درخت پر چڑھ کر ایک ٹہنی سے پتے جھاڑنے لگا۔ شیخ ابوالفضل بن حسن رحمۃ اللہ علیہ علیہ اس کوچہ سے گزرے انہوں نے مجھے درخت پر چڑھا ہوا نہ دیکھا مجھے اس میں کوئی شک نہیں وہ اس وقت اپنے آپ سے غائب تھے اور ان کا دل خدا کے ساتھ خوش وخرم تھا۔ حضرت ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر اٹھا کر کہا اے خدا ایک سال سے زیادہ گزر گیا تو نے مجھے ایک دمڑی تک نہ دی کہ میں سر کے بال ہی بنوالیتا دوستوں کے ساتھ ایسا کرتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت درخت کے تمام پتے، ٹہنیاں اور جڑیں سونے کی ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوالفضل نے کہا، عجیب بات ہے؟ میری کنارہ کشی پر میرے دل کی کشادگی کے لئے یہ سب پھبتی اور استہزاء ہے میں تجھ سے ایک

شرح (185): حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں میں نے بہت سے لوگوں کو پایا اور ان میں سے کچھ حضرات کی مجلس اختیار کی وہ دنیا کی کسی چیز پر جوان کے پاس آتی تھی، خوش نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں دنیا کے چلے جانے پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے نزدیک یہ دنیا اس مٹی سے بھی زیادہ حقیر تھی جسے تم اپنے پاؤں سے روندتے ہو ان میں سے ایک پوری زندگی گزار لیتا لیکن اس کے لئے نہ تو کپڑے کو تہہ لگائی جاتی اور نہ وہ اپنے گھر والوں کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہتا نہ اس کے سونے کے لئے زمین پر کوئی چیز بچھائی جاتی میں نے دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے تھے جب رات چھا جاتی تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے اپنے چہروں کو بچھا دیتے اور ان کے آنسو ان کے رخساروں پر جاری ہوتے۔ آخرت کی نجات کے بارے میں اپنے رب سے مناجات کرتے۔ جب اچھا کام کرتے تو اس پر خوش ہوتے اور اس کا شکر ادا کرنے میں جدوجہد کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کا سوال کرتے اور جب کوئی برا عمل کرتے تو اس سے غمگین ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتے اللہ کی قسم! وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے اور قسم بخدا انہوں نے گناہوں سے سلامتی اور نجات مغفرت کے بغیر نہیں پائی۔

بات بھی نہیں کہہ سکتا۔ (186)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے چار ہزار اشرفیاں دریائے دجلہ میں پھینک دیں۔ (187) لوگوں نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا پتھر پانی میں اچھے ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا اسے مخلوق خدا میں تقسیم کیوں نہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! اپنے دل سے حجاب اٹھا کر مسلمان بھائیوں کے دلوں پر ڈال دوں۔ میں خدا کو کیا جواب دوں گا کیونکہ دین میں اس کی گنجائش کہاں ہے کہ مسلمان بھائیوں کو اپنے سے بدتر سمجھوں۔ یہ سب سکر و مدہوشی کے حالات ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اس جگہ مقصود اثبات کرامت ہے۔

حضرت جنید بغدادی، ابو العباس سیاری، ابو بکر واسطی اور صاحب مذہب محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ کرامت، صحو و تمکین یعنی استقامت کی حالت میں بغیر سکر کے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اولیاء اللہ، حق تعالیٰ کی طرف سے مدبرانِ عالم اور برگزیدہ حضرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہان کا حاکم بنا کر دنیا کا حل و عقد و بسط و کشاد ان سے وابستہ کیا ہے اور انہیں کے ارادوں پر جہان کے لئے احکام منحصر فرمائے ہیں لہٰذا سزاوار یہی ہے کہ ان کی رائے سب سے زیادہ صحیح اور خلق خدا پر ان کا دل سب سے بڑھ کر

شرح (186): اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ناز اٹھاتا ہے جیسا کہ حضرت سیدی ابو علی قدس سرہ، سے راوی، میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا اور ان کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ ان کی غربت پر رحم کرے، فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

یا اباعلی أتذلنی بین یدی و من دللنی۔

اے ابو علی! مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب احوالھم عند الخروج من الدنیا، مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰)

شرح (187): حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: اگر دنیا فنا ہو جانے والے سونے کی بنی ہوئی ہوتی اور آخرت باقی رہنے والے مٹی کے ٹھیکرے سے تو پھر بھی ہم پر لازم ہوتا کہ ہم باقی رہنے والے ٹھیکرے کو ختم ہو جانے والے سونے پر ترجیح دیں (تو اے لوگو!) پھر ہم نے کیونکر باقی رہنے والے سونے (یعنی آخرت) کے مقابلے میں فنا ہونے والے مٹی کے ٹھیکرے (یعنی دنیا) کو اختیار کر رکھا ہے؟

(الزھد وقصر الأمل ص ۷۸)

مہربان ہو کیونکہ وہ واصل بحق ہیں، تلوین وسکر تو ان کا ابتدائی حال ہے جب بلوغ حاصل ہو جاتا ہے تو تلوین وسکر، تمکین واستقامت سے بدل جاتا ہے اس وقت وہ حقیقی ولی اور ان کی کرامت صحیح ہوتی ہے اولیاء کے درمیان مشہور ہے کہ اوتاد کے لئے لازم ہے کہ وہ رات بھر میں سارے جہان کا گشت مکمل کر لیں اور اگر کوئی جگہ ایسی رہ جائے جہاں ان کی نظر نہ پڑے تو دوسرے دن اس جگہ کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے اس وقت وہ اوتاد، اپنے غوث وقطب کی طرف رجوع ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنی قوت اس طرف مبذول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اسی غوث وقطب کی برکت سے جہان کے اس خلل کو دور فرما دیتا ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ''سونا اور پتھر ان کے نزدیک برابر ہیں'' یہ بات سکر اور دیدار الٰہی میں نادرستی کی علامت ہے اس کے لئے یہ حالت بزرگی کی نہیں ہے مردانِ خدا کی بزرگی تو صحیح اور راست پندار میں ہے اور ان کے نزدیک سونا سونا اور پتھر پتھر ہے مگر وہ اس کی آفت سے باخبر ہوتا کہ انہیں دیکھ کر یہ کہہ سکے کہ اے زرد سونے اے سفید چاندی مجھے کیوں فریب دیتے ہو میں تمہارے دھوکے میں نہیں آسکتا کیونکہ میں نے تمہاری آفتوں کو دیکھ لیا ہے اور جس نے ان آفتوں کو دیکھ لیا اس کے لئے وہ محل حجاب نہیں بنتا۔ جب وہ ان کے چھوڑنے کو کہتا ہے تو وہ ثواب پاتا ہے پھر یہ کہ جب وہ سونے کو پتھر کہتا ہے تو پتھر کو چھوڑنے کی تلقین کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت حارث جب حالت سکر میں تھے تو انہوں نے فرمایا: سونا چاندی اور پتھر ڈھیلے میرے نزدیک سب برابر ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صاحب صحو تھے دنیا کے قبضہ کی آفت کو دیکھا اور اس کی جدائی میں اجر وثواب معلوم ہوا تو مال وزر سے ہاتھ اٹھا لیا یہاں تک کہ نبی کریم نے ان سے فرمایا اے صدیق گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔ (188)

شرح (188): اللہ عزوجل اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم بس: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اتفاقاً اس زمانے میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا آج اتفاق سے میرے پاس مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں خوشی خوشی گھر گیا اور جو کچھ گھر میں تھا اس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا، میں نے عرض کیا: کہ چھوڑ آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واقعہ:

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا اے ابوبکر آج میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا میں نے عرض کیا شیخ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ان کے ساتھ چلدیا زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے ایک نہایت گھنا جنگل دیکھا اور اس جنگل کے درمیان ایک سرسبز درخت کے نیچے ایک زرنگار تخت بچھا ہوا دیکھا جہاں ایک چشمہ پانی کا جاری تھا۔ ایک شخص عمدہ لباس پہنے ہوئے اس تخت پر بیٹھا ہوا تھا جب حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کے نزدیک پہنچے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور انہیں اس تخت پر بٹھا دیا تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف سے لوگ آنے لگے یہاں تک کہ چالیس آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے اشارہ کیا اسی وقت آسمان سے کھانے کی چیزیں اترنے لگیں ہم سب نے کھایا، حکیم ترمذی نے کوئی سوال کیا اس مرد نے اس کا بہت طویل جواب دیا جس کا میں ایک کلمہ بھی نہ سمجھ سکا کچھ عرصہ بعد اجازت مانگی اور واپس آ گئے۔ مجھ سے فرمایا تم نیک بخت ہو۔ جب کچھ مدت بعد ترمذ پھر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا اے شیخ! وہ کون سی جگہ تھی؟ اور وہ کون شخص تھا؟ انہوں نے فرمایا بنی اسرائیل کا جنگل تھا اور وہ مرد ''قطب مدار علیہ'' تھا۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! اتنی مختصر گھڑی میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں کیسے پہنچ گئے؟ وہ بولے اے ابوبکر! تمہیں پہنچنے سے کام ہے نہ کہ پوچھنے اور سبب دریافت کرنے سے؟ یہ حالت صحو کی علامت ہے نہ کہ سکر کی۔ مختصراً کرامت کے اثبات میں تمام پہلو پر گفتگو کر چکا ہوں مزید تفصیل وتشریح کی یہاں گنجائش نہیں اب اس ضمن میں یہاں کچھ حکایات لطیف بیان کرتا ہوں جن کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رکھا تھا سب لے آئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا: ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں۔

پروانے کو چراغ ہے تو بلبل کو پھول بس — صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

یعنی اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے نام کی برکت، ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔ یہ قصہ غزوہ تبوک کے لئے فراہمی مال واسباب کا ہے۔

(شرح العلامۃ الزرقانی، باب غزوۃ تبوک، ج ۴، ص ۶۹)

درمیان کچھ دلائل بھی ہوں گے تا کہ ہر طبقہ کے لئے سودمند ثابت ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

کرامات اولیاء کے ثبوت میں دلائل نقلیہ

واضح رہنا چاہئے کہ جب کرامت کی صحت پر دلائل عقلیہ اور اس کے ثبوت میں براہین ساطعہ قائم ہو جائیں تو مناسب ہے کہ کچھ دلائل نقلیہ بھی بیان کر دیئے جائیں چنانچہ اہل اللہ کی کرامتیں (189) اور ان سے خرق عادات افعال کے صدور ہونے کی صحت پر کتاب وسنت اور احادیث صحیحہ مروی ہیں اس کا انکار تمام نصوصی احکام کا انکار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں خبر دی ہے کہ:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (190) اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور ہم نے من وسلوٰی اتارا (جو ہر رات تازہ اترتا تھا)۔ (البقرہ: ۵۷)

شرح (189): اولیاء اللہ سے عجیب وغریب کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں مثلاً آن کی آن میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، جمادات وحیوانات سے کلام کرنا، بلائیں دفع کرنا، دور دراز کے حالات ان پر منکشف ہونا۔ اولیاء کی کرامتیں درحقیقت ان انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں جن کے وہ امتی ہوں۔ اولیاء کی محبت دارین کی سعادت اور رضائے الٰہی کا سبب ہے۔ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوق کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ان کی دعاؤں سے خلق فائدہ اٹھاتی ہے۔ ان کے مزاروں کی زیارت، ان کے عُرسوں کی شرکت سے برکات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے وسیلہ سے دعا کرنا کامیابی ہے۔

شرح (190): وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ط

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے ابر کو تمہارا سائبان کیا اور تم پر منّ اور سلوٰی اتارا (پ ۱، البقرہ: ۵۷)

مَنّ وسَلوٰی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کے افراد کے ساتھ میدانِ تیہ میں مقیم تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے کھانے کے لئے آسمان سے دو کھانے اتارے۔ ایک کا نام من اور دوسرے کا نام سلویٰ تھا۔ من بالکل سفید شہد کی طرح ایک حلوہ تھا۔ یا سفید رنگ کی شہد ہی تھی جو روزانہ آسمان سے بارش کی طرح برستی تھی اور سلویٰ پکی ہوئی بٹیریں تھیں جو دکھنی ہوا کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے قرآن مجید میں مندرجہ بالا ارشاد فرمایا،

اس مَن وسلویٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم تھا کہ روزانہ تم لوگ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر کوئی منکر یہ کہے کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا تو ہم جواب دیں گے کہ ٹھیک ہے اولیاء کی کرامتیں بھی تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے معجزے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ اولیاء کی کرامت نبی کی غیبت میں واجب نہیں کیونکہ وہ نبی کا معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ان میں موجود تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے غائب ہو کر کوہِ طور پر گئے تھے اس وقت بھی تو یہ معجزہ برقرار تھا لہٰذا غیبت مکان اور غیبت زمان برابر ہے جبکہ وہ معجزہ غیبت مکان میں درست تھا تو اس وقت غیبت زمان میں بھی درست ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آصف بن برخیا کی کرامت کی بھی ہمیں خبر دی ہے جس وقت کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا تھا کہ بلقیس کا تخت ان کے سامنے پیش کیا جائے اور انہوں نے اس جگہ حاضر کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت آصف کی شرافت و بزرگی لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی کرامت لوگوں کے روبرو ظاہر کریں کیونکہ کرامت اولیاء جائز ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار میں فرمایا تھا کون ہے جو بلقیس کے آنے سے پہلے اس کا تخت ہمارے سامنے لے آئے؟ اللہ نے ہمیں اس طرح خبر دی ہے کہ:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (191) جنات میں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کو کھالیا کرو اور کل کے لئے ہرگز ہرگز اس کا ذخیرہ مت کرنا۔ مگر بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں کو یہ ڈر لگنے لگا اگر کسی دن من وسلویٰ نہ اترا تو ہم لوگ اس بے آب وگیاہ، چٹیل میدان میں بھوکے مرجائیں گے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے کچھ چھپا کر کل کے لئے رکھ لیا تو نبی کی نافرمانی سے ایسی نحوست پھیل گئی کہ جو کچھ لوگوں نے کل کے لئے جمع کیا تھا وہ سب سڑ گیا اور آئندہ کے لئے اس کا اُترنا بند ہو گیا اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نہ ہوتے تو نہ کھانا کبھی خراب ہوتا اور نہ گوشت سڑتا، کھانے کا خراب ہونا اور گوشت کا سڑنا اسی تاریخ سے شروع ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے نہ کھانا بگڑتا تھا نہ گوشت سڑتا تھا۔

(تفسیر روح البیان، ج ۱، پ ۱، البقرۃ ۵۷)

شرح (191): قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ

ترجمہ کنز الایمان: ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں۔ (پ ۱۹، النمل: ۳۹)

ایک دیو نے کہا میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ (النمل: ۳۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے جلدی درکار ہے۔ حضرت آصف بن برخیا نے عرض کیا: اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا (192) میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا پھر جب نظر اٹھائی تو تخت موجود تھا۔ (193) (النمل: ۴۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت آصف کی اس تعمیل پر نہ حیرت کا اظہار فرمایا نہ انکار کیا اور نہ اسے محال جانا حالانکہ یہ کسی حال میں معجزہ نہ تھا کیونکہ حضرت آصف نبی نہ تھے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ یہ کرامت تھی اگر معجزہ ہوتا تو اس کا ظہور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے ہونا چاہئے تھا۔ تیسری دلیل پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا نبی نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی صریح طور پر خبر دی کہ:

وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا (194) اے مریم کھجور کے درخت کی ٹہنی اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تروتازہ کھجوریں گرائے گا (195)۔ (مریم: ۲۵)

شرح (192): اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا۔

ترجمہ کنزالایمان: ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا۔

(پ ۱۹، النمل: ۴۰)

شرح (193): اس آیت میں آصف بن برخیا کی جو بنی اسرائیل کے نبی نہیں بلکہ ولی ہیں کئی کرامتیں بیان ہوئیں۔ بغیر کسی کے پوچھے یمن پہنچ جانا۔ وہاں سے اتنا وزنی تخت لے آنا اور یہ دور دراز سفر شام سے یمن تک جانا آنا ایک آن میں طے کر لینا۔

شرح (194): وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ۝

ترجمہ کنزالایمان: اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔ (پ ۱۶، مریم: ۲۵)

شرح (195): شجر مریم رضی اللہ عنہا اور نہر جبریل علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت بی بی مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ جب ولادت کا وقت آیا تو حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آبادی سے کچھ دور ایک کھجور کے سوکھے درخت کے نیچے تنہائی میں بیٹھ گئیں اور اُسی درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے قصہ میں ہمیں خبر دی کہ جب زکریا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس گرمی کے موسم میں سردی کے میوے اور سردی کے موسم میں گرمی کے میوے موجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چونکہ آپ بغیر باپ کے کنواری مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے۔ اس لئے حضرت مریم بڑی فکر مند اور بے حد اداس تھیں اور بدگوئی وطعنہ زنی کے خوف سے بستی میں نہیں آرہی تھیں۔ اور ایک ایسی سنسان زمین میں کھجور کے سوکھے درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں کہ جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ ناگہاں حضرت جبریل علیہ السلام اُتر پڑے اور اپنی ایڑی زمین پر مار کر ایک نہر جاری کردی اور اچانک کھجور کا سوکھا درخت ہرا بھرا ہو کر پختہ پھل لایا۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پکار کر اُن سے یوں کلام فرمایا:۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو اسے اس کے تلے سے پکارا کہ غم نہ کھا بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہا دی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ (پ۱۶، مریم: ۲۴۔۲۶)

سوکھے درخت میں پھل لگ جانا اور نہر کا اچانک جاری ہونا، بلاشبہ یہ دونوں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامات ہیں۔

حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بچی تھیں اور بیت المقدس کی محراب میں عبادت کرتی تھیں تو بغیر کسی محنت کے وہاں بلا موسم کے پھل ملا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد پکی ہوئی کھجوریں تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ضرور ملیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ کھجور کی جڑیں ہلاؤ تب تم کو کھجوریں ملیں گی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی جب تک صاحب اولاد نہیں ہوتا تو اس کو بلا محنت کے بھی روزی مل جایا کرتی ہے اور وہ کہیں نہ کہیں کھا پی لیا کرتا ہے۔ مگر جب آدمی صاحبِ اولاد ہو جائے تو اُس پر لازم ہے کہ محنت کر کے روزی حاصل کرے۔ دیکھو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تک صاحبِ اولاد نہیں ہوئی تھیں تو بلا کسی محنت ومشقت کے اُن کے محرابِ عبادت میں پھلوں کی روزی ملا کرتی تھی۔ مگر جب اُن کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو اب خدا کا یہ حکم ہوا کہ کھجور کے درخت کو ہلاؤ اور محنت کرو اور اس کے بعد کھجوریں ملیں گی۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

پاتے (196) چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

شرح (196): محراب مریم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم (رضی اللہ عنہا) کے والد کا نام عمران اور ماں کا نام حنہ تھا۔ جب بی بی مریم اپنی ماں کے شکم میں تھیں اس وقت ان کی ماں نے یہ منت مان لی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کردوں گی۔ چنانچہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر گئیں۔ اس وقت بیت المقدس کے تمام عالموں اور عابدوں کے امام حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اپنی کفالت اور پرورش میں لے لیا اور بیت المقدس کی بالائی منزل میں تمام منزلوں سے الگ ایک محراب بنا کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اس محراب میں ٹھہرایا۔ چنانچہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس محراب میں اکیلی خدا کی عبادت میں مصروف رہنے لگیں اور حضرت زکریا علیہ السلام صبح وشام محراب میں ان کی خبر گیری اور خورد ونوش کا انتظام کرنے کے لئے آتے جاتے رہے۔

چند ہی دنوں میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی محراب کے اندر یہ کرامت نمودار ہوئی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں جاتے تو وہاں جاڑوں کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑوں میں پاتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام حیران ہو کر پوچھتے کہ اے مریم یہ پھل کہاں سے تمہارے پاس آتے ہیں؟ تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا یہ جواب دیتیں کہ یہ پھل اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو خداوند قدوس نے نبوت کے شرف سے نوازا تھا مگر ان کے کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ بالکل ضعیف ہو چکے تھے۔ برسوں سے ان کے دل میں فرزند کی تمنا موجزن تھی اور بارہا انہوں نے گڑگڑا کر خدا سے اولادِ نرینہ کے لئے دعا بھی مانگی تھی مگر خدا کی شانِ بے نیازی کہ باوجود اس کے اب تک ان کو کوئی فرزند نہیں ملا۔ جب انہوں نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی محراب میں یہ کرامت دیکھی کہ اس جگہ بے موسم کا پھل آتا ہے تو اس وقت ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میری عمر اب اتنی ضعیفی کی ہو چکی ہے کہ اولاد کے پھل کا موسم ختم ہو چکا ہے۔ مگر وہ اللہ جو حضرت مریم کی محراب میں بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے وہ قادر ہے کہ مجھے بھی بے موسم کی اولاد کا پھل عطا فرمادے۔ چنانچہ آپ نے محراب مریم میں دعا مانگی اور آپ کی دعا مقبول ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام خود خداوند عالم نے یحییٰ رکھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللہ (197) تمہارے پاس یہ میوے کہاں سے آئے تو مریم نے کہا یہ اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں۔ (198) (ال عمران: ۳۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف بھی عطا فرمایا۔ قرآن مجید میں خداوند قدوس نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا:۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَھُوَ قَاۗىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے کہا اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے یہاں پکارا زکریا اپنے رب کو بولا اے رب میرے مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بے شک تو ہی ہے دعا سننے والا، تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا بے شک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحیی کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کریگا اور سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔ (پ 3، ال عمران: 37 تا 39)

شرح (197): اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ۭ قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۭ

ترجمہ کنزالایمان: یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے (پ ۳، ال عمران: ۳۷)

شرح (198): حضرت مریم رضی اللہ عنہا باکرامت ولیہ ہیں

واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا صاحب کرامت اور مرتبہ ولایت پر فائز ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے ان کی محراب میں پھل آتے تھے اور وہ بھی جاڑوں کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑوں میں۔ یہ ان کی ایک بہت ہی عظیم الشان اور واضح کرامت ہے جو ان کی ولایت کی شاہد عدل ہے۔

عبادت گاہ مقامِ مقبولیت ہے:۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ والے یا اللہ والیاں جس جگہ عبادت کریں وہ جگہ اس قدر مقدس ہو جاتی ہے کہ وہاں رحمت خداوندی عزوجل کا نزول ہوتا ہے اور وہاں پر دعائیں مقبول ہوا کرتی ہیں جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا محراب مریم میں مقبول ہوئی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف (199) کے حالات میں ان کے کتے کا ان سے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حالانکہ وہ اس سے پہلے بیت المقدس میں بار بار یہ دعا مانگ چکے تھے مگر ان کی مراد پوری نہیں ہوئی تھی۔

قبروں کے پاس دعا

جہاں اللہ کے مقبول بندے اور مقبول بندیاں چند دن بیٹھ کر عبادت کریں جب ان جگہوں پر دعائیں مقبول ہوتی ہیں تو ان مقبولان بارگاہِ الٰہی کی قبروں کے پاس جہاں ان بزرگوں کا پورا جسم برسہا برس تک رہا ہے، وہاں بھی ضرور دعائیں مقبول ہوں گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ کا حل میرے لئے مشکل ہو جاتا تھا تو میں بغداد جا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر اپنے اور خدا کے درمیان امام ممدوح کی مبارک قبر کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتا تھا تو میری مراد بر آتی تھی اور مسئلہ حل ہو جایا کرتا تھا۔

(الخیرات الحسان، الفصل الخامس والثلاثون فی تادب الائمہ معہ فی مماتہ الخ، ص ۲۳۰)

چنانچہ داتا صاحب کے مزار پر یا خواجہ صاحب کی چلہ گاہ پر دعائیں مانگنا انتہائی مفید ہے۔

شرح (199): اصحابِ کہف (غار والے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے بعد عیسائیوں کا حال بے حد خراب اور نہایت ابتر ہو گیا۔ لوگ بت پرستی کرنے لگے اور دوسروں کو بھی بت پرستی پر مجبور کرنے لگے۔ خصوصاً ان کا ایک بادشاہ دقیانوس تو اس قدر ظالم تھا کہ جو شخص بت پرستی سے انکار کرتا تھا یہ اُس کو قتل کر ڈالتا تھا۔

اصحابِ کہف کون تھے؟:۔ اصحابِ کہف شہر اُفسوس کے شرفاء تھے جو بادشاہ کے معزز درباری بھی تھے۔ مگر یہ لوگ صاحبِ ایمان اور بت پرستی سے انتہائی بیزار تھے۔ دقیانوس کے ظلم و جبر سے پریشان ہو کر یہ لوگ اپنا ایمان بچانے کے لئے اُس کے دربار سے بھاگ نکلے اور قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہوئے اور سو گئے، تو تین سو برس سے زیادہ عرصے تک اسی حال میں سوتے رہ گئے۔ دقیانوس نے جب ان لوگوں کو تلاش کرایا اور اُس کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ غار کے اندر ہیں تو وہ بے حد ناراض ہوا۔ اور فرط غیظ و غضب میں یہ حکم دے دیا کہ غار کو ایک سنگین دیوار اُٹھا کر بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ اُسی میں رہ کر مر جائیں اور وہی غار ان لوگوں کی قبر بن جائے۔ مگر دقیانوس نے جس شخص کے سپرد یہ کام کیا تھا وہ بہت ہی نیک دل اور صاحبِ ایمان آدمی تھا۔ اُس نے اصحابِ کہف کے نام اُن کی تعداد اور اُن کا پورا واقعہ ایک تختی پر کندہ کرا کر تانبے کے صندوق کے اندر رکھ کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرنے اور غار میں دائیں بائیں پہلو بدلتے رہنے کی خبر دی ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دیوار کی بنیاد میں رکھ دیا۔ اور اسی طرح کی ایک تختی شاہی خزانہ میں بھی محفوظ کرادی۔ کچھ دنوں کے بعد دقیانوس بادشاہ مرگیا اور سلطنتیں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ ایک نیک دل اور انصاف پرور بادشاہ جس کا نام بیدروس تھا، تخت نشین ہوا جس نے اڑسٹھ سال تک بہت شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ اُس کے دور میں مذہبی فرقہ بندی شروع ہوگئی اور بعض لوگ مرنے کے بعد اُٹھنے اور قیامت کا انکار کرنے لگے۔ قوم کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ رنج وغم میں ڈوب گیا اور وہ تنہائی میں ایک مکان کے اندر بند ہوکر خداوند قدوس عزوجل کے دربار میں نہایت بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری کر کے دعائیں مانگنے لگا کہ یا اللہ عزوجل کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمادے تاکہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ ہوکر اٹھنے اور قیامت کا یقین ہوجائے۔ بادشاہ کی یہ دعا مقبول ہوگئی اور اچانک بکریوں کے ایک چرواہے نے اپنی بکریوں کو ٹھہرانے کے لئے اسی غار کو منتخب کیا اور دیوار کو گرادیا۔ دیوار گرتے ہی لوگوں پر ایسی ہیبت ودہشت سوار ہوگئی کہ دیوار گرانے والے لرزہ براندام ہوکر وہاں سے بھاگ گئے اور اصحابِ کہف بحکم الٰہی اپنی نیند سے بیدار ہوکر اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے سے سلام وکلام میں مشغول ہوگئے اور نماز بھی ادا کرلی۔ جب ان لوگوں کو بھوک لگی تو ان لوگوں نے اپنے ایک ساتھی یملیخا سے کہا کہ تم بازار جاکر کچھ کھانا لاؤ اور نہایت خاموشی سے یہ بھی معلوم کرو کہ دقیانوس ہم لوگوں کے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے؟ یملیخا غار سے نکل کر بازار گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہر میں ہر طرف اسلام کا چرچا ہے اور لوگ اعلانیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ یملیخا یہ منظر دیکھ کر محوِ حیرت ہوگئے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ کہ اس شہر میں تو ایمان واسلام کا نام لینا بھی جرم تھا آج یہ انقلاب کہاں سے اور کیونکر آگیا؟

پھر یہ ایک نانبائی کی دکان پر کھانا لینے گئے اور دقیانوسی زمانے کا روپیہ دکاندار کو دیا جس کا چلن بند ہوچکا تھا بلکہ کوئی اس سکہ کا دیکھنے والا بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ دکاندار کو شبہ ہوا کہ شاید اس شخص کو کوئی پرانا خزانہ مل گیا ہے چنانچہ دکاندار نے ان کو حکام کے سپرد کردیا اور حکام نے ان سے خزانے کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کردی اور کہا کہ بتاؤ خزانہ کہاں ہے؟ یملیخا نے کہا کہ کوئی خزانہ نہیں ہے۔ یہ ہمارا ہی روپیہ ہے۔ حکام نے کہا کہ ہم کس طرح مان لیں کہ روپیہ تمہارا ہے؟ یہ سکہ تین سو برس پرانا ہے اور برسوں گزر گئے کہ اس سکہ کا چلن بند ہوگیا اور تم ابھی جوان ہو۔ لہٰذا صاف صاف بتاؤ کہ عقدہ حل ہوجائے۔ یہ سن کر یملیخا نے کہا کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ دقیانوس بادشاہ کا کیا حال ہے؟ حکام نے کہا کہ آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہاں سینکڑوں برس گزرے کہ اس نام کا ایک بے ایمان بادشاہ گزرا ہے جو بت پرست تھا۔ یملیخا نے کہا کہ ابھی کل ہی تو ہم لوگ اس کے خوف سے اپنے ایمان اور جان کو بچا کر بھاگے ہیں۔ میرے ساتھی قریب ہی کے ایک غار میں موجود ہیں۔ تم لوگ میرے ساتھ چلو میں تم لوگوں کو اُن سے ملا دوں۔ چنانچہ حکام اور عمائدین شہر کثیر تعداد میں اُس غار کے پاس پہنچے۔ اصحابِ کہف یملیخا کے انتظار میں تھے۔ جب ان کی واپسی میں دیر ہوئی تو اُن لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ شاید یملیخا گرفتار ہو گئے اور جب غار کے منہ پر بہت سے آدمیوں کا شور و غوغا ان لوگوں نے سنا تو سمجھ بیٹھے کہ غالباً دقیانوس کی فوج ہماری گرفتاری کے لئے آن پہنچی ہے۔ تو یہ لوگ نہایت اخلاص کے ساتھ ذکرِ الٰہی اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔

حکام نے غار پر پہنچ کر تانبے کا صندوق برآمد کیا اور اس کے اندر سے تختی نکال کر پڑھا تو اُس تختی پر اصحابِ کہف کا نام لکھا تھا اور یہ بھی تحریر تھا کہ یہ مومنوں کی جماعت اپنے دین کی حفاظت کے لئے دقیانوس بادشاہ کے خوف سے اس غار میں پناہ گزیں ہوئی ہے۔ تو دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے ان لوگوں کو غار میں بند کر دیا ہے۔ ہم یہ حال اس لئے لکھتے ہیں کہ جب کبھی بھی یہ غار کھلے تو لوگ اصحابِ کہف کے حال پر مطلع ہو جائیں۔ حکام تختی کی عبارت پڑھ کر حیران رہ گئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے بادشاہ بیدروس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ فوراً ہی بیدروس بادشاہ اپنے امراء اور عمائدین شہر کو ساتھ لے کر غار کے پاس پہنچا تو اصحابِ کہف نے غار سے نکل کر بادشاہ سے معانقہ کیا اور اپنی سرگزشت بیان کی۔ بیدروس بادشاہ سجدہ میں گر کر خداوند قدوس کا شکر ادا کرنے لگا کہ میری دعا قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ایسی نشانی ظاہر کر دی جس سے موت کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے کا ہر شخص کو یقین ہو گیا۔ اصحابِ کہف بادشاہ کو دعائیں دینے لگے کہ اللہ تعالیٰ تیری بادشاہی کی حفاظت فرمائے۔ اب ہم تمہیں اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر اصحابِ کہف نے السلام علیکم کہا اور غار کے اندر چلے گئے اور سو گئے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وفات دے دی۔ بادشاہ بیدروس نے سال کی لکڑی کا صندوق بنوا کر اصحابِ کہف کی مقدس لاشوں کو اس میں رکھوا دیا اور اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا ایسا رعب لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا کہ کسی کی یہ مجال نہیں کہ غار کے منہ تک جا سکے۔ اس طرح اصحابِ کہف کی لاشوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے سامان کر دیا۔ پھر بیدروس بادشاہ نے غار کے منہ پر ایک مسجد بنوا دی اور سالانہ ایک دن مقرر کر دیا کہ تمام شہر والے اس دن عید کی طرح زیارت کے لئے آیا کریں۔ (خازن، ج ۳، ص ۱۹۸۔ ۲۰۰)

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ (200) ہم انہیں دائیں اور بائیں پہلو بدلتے رہتے ہیں اوران کا کتا دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے۔ (201) (الکہف:۱۸)

مذکورہ تمام افعال خرق عادات سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ معجزے نہیں ہیں۔ لامحالہ انہیں کرامت ہی کہنا چاہئے خواہ یہ کرامتیں قبولیت دعا کے معنی میں ہوں جو تکلیف کے زمانہ میں امور موہوم کے حاصل ہونے کے لئے ہوں، خواہ طویل مسافت، مختصر وقت میں طے کرنا ہو، خواہ طعام کا ظاہر ہونا غیر متوقع جگہ سے ہوا ہو خواہ لوگوں کے ذہنوں میں شرافت و بزرگی جمانی مقصود ہو یا کسی اور سلسلہ میں ہو۔

احادیث سے کرامت کا ثبوت:

(۱) احادیث صحیحہ میں حدیث غار مشہور و معروف ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا! یارسول اللہ! گزشتہ امتوں کے احوال میں سے کوئی عجیب چیز بیان فرمایئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گزشتہ زمانہ میں تین شخص کہیں جا رہے تھے۔ جب رات کا وقت آیا تو ایک غار میں چلے گئے اور وہاں سو گئے جب رات کا ایک پہر گزرا تو پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور غار کے منہ پر آگرا جس سے دہانہ بند ہو گیا سب پریشان ہو کر کہنے لگے اب یہاں سے ہماری خلاصی ممکن نہیں جب تک کہ ہر ایک اپنے اپنے ان افعال کو یاد کر کے (جو بغیر ریاکاری کئے ہوں) خدا کی بارگاہ میں توبہ نہ کرلے۔ چنانچہ ایک نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے اور ضعیف تھے اور میرے پاس سوائے ایک بکری کے کوئی دنیاوی مال نہ تھا میں بکری کا دودھ انہیں پلاتا تھا اور خود روزانہ لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انہیں فروخت کر کے اپنا اور ان کا کھانا تیار کرتا تھا اتفاق سے ایک رات دیر سے آیا اور وہ بغیر دودھ پئے اور کھانا کھائے سو گئے، میں بھی کچھ کھائے پئے بغیر دودھ کا پیالہ ہاتھ

شرح (200): وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

ترجمہ کنزالایمان: ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے

(پ ۱۵، الکہف:۱۸)

شرح (201): اس آیت میں اصحاب کہف جو اولیاء ہیں۔ ان کی تین کرامتیں بیان ہوئیں ایک تو جاگنے کی طرح اب تک سونا۔ دوسرے رب کی طرف سے کروٹیں بدلنا اور زمین کا ان کے جسموں کو نہ کھانا اور بغیر غذا باقی رہنا تیسرے ان کے کتے کا اب تک لیٹے رہنا یہ بھی ان کی کرامت ہے نہ کہ کتے کی۔

میں لئے ان کی بیداری کے انتظار میں کھڑا رہا یہاں تک کہ ساری رات بیت گئی صبح دم وہ بیدار ہوئے اور کھانا کھایا اس کے بعد میں بیٹھا۔ پھر اس نے دعا مانگی کہ اے خدا اگر میں صحیح کہہ رہا ہوں تو ہمارے لئے راستہ کھول دے اور ہماری فریاد کو قبول فرما۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت اس پتھر نے جنبش کی اور تھوڑا سا دہانہ سے سرک گیا۔ اس کے بعد دوسرے نے کہا میرے چچا کی ایک خوبصورت لڑکی تھی میں اس پر فریفتہ تھا میں اسے بلاتا تھا مگر وہ منظور نہ کرتی تھی یہاں تک کہ میں نے ایک دن بہانے سے دو ہزار اشرفیاں بھیجیں تا کہ ایک رات میرے پاس گزارے جب وہ میرے پاس آئی تو میرا دل خوفِ خدا سے کانپ اٹھا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور اشرفیاں بھی اس کے پاس رہنے دیں اس کے بعد اس نے دعا مانگی کہ اے خدا اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لئے راستہ کھول دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پتھر نے جنبش کی اور وہ دہانہ سے کچھ اور ہٹ گیا لیکن ابھی اتنا راستہ نہ ہوا تھا کہ اس سے گزر سکیں۔ پھر تیسرے شخص نے کہنا شروع کیا میرے پاس کچھ مزدور کام کرتے تھے جب کام ختم ہو گیا تو تمام مزدوروں کو اجرت دے کر رخصت کر دیا لیکن ایک مزدور ان میں سے غائب تھا۔ میں نے اس کی مزدوری سے ایک بھیڑ خریدی دوسرے سال وہ دو ہو گئیں تیسرے سال وہ چار ہو گئی ہر سال وہ اسی طرح بڑھتی رہیں یہاں تک کہ چند سالوں میں ایک ریوڑ بن گیا اس وقت وہ مزدور آیا اس نے کہا تم کو یاد ہو گا کہ فلاں وقت میں نے تمہاری مزدوری کی تھی اب مجھے اس کی مزدوری چاہیئے۔ میں نے کہا وہ تمام بھیڑیں لے جاؤ وہ سب تمہارا مال ہے تم اس کے مالک ہو اس نے کہا تم مجھے ہنسی کرتے ہو میں نے کہا نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں نے وہ تمام مال تمہارے لئے ہی جمع کر کے رکھا ہے تم انہیں لے جاؤ اس کے بعد اس نے دعا مانگی کہ اے خدا اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لئے راستہ کھول دے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر غار کے دہانہ سے بالکل ہٹ گیا اور یہ تینوں باہر نکل آئے۔ (202) یہ فعل بھی خرقِ عادات ہی تھا۔

(۲) جریج راہب والی ایک حدیث مشہور ہے (203) جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے

شرح (202): (صحیح مسلم، کتاب الرقائق، باب قصۃ اصحاب الغار، رقم ۲۷۴۳، ص ۱۴۶۵)
(الترغیب والترھیب، کتاب الحدود، باب من الزنا سیما بحلیلۃ الجار، رقم ۳۹، ج ۳، ص ۱۹۳)
شرح (203): (صحیح بخاری: ۳۴۳۶ و صحیح مسلم: ۲۵۵۰)

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیر خوارگی کے زمانہ میں کسی نے جھولے میں کلام نہ کیا بجز تین شخصوں کے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کا حال سب کو معلوم ہے اور دوسرے بنی اسرائیل میں جریج نامی ایک راہب نے جو ایک مجتہد شخص تھا اس کی ماں پردہ نشین عورت تھی۔ ایک دن وہ اپنے بیٹے جریج کو دیکھنے آئی وہ خانہ خدا کے حجرے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ دروازہ نہ کھلا، دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا اس کی ماں نے دل برداشتہ ہو کر بددعا کی کہ اے خدا میرے بیٹے کو میرے حق میں نکال کر رسوا کر دے اسی دوران ایک فاحشہ عورت نے ایک گروہ کی خوشنودی اور خوشامد کی خاطر وعدہ کیا کہ میں جریج کو بے راہ کر دوں گی چنانچہ وہ اس کے حجرے میں گھس آئی لیکن جریج نے اس کی طرف التفات تک نہ کیا۔ واپسی پر اسی عورت نے راستہ میں ایک چرواہے کے پاس رات گزاری اور وہ اس سے حاملہ ہوگئی جب وہ بستی میں آئی تو کہنے لگی کہ یہ حمل جریج نامی راہب کا ہے۔ جب اس عورت نے بچہ جنا تو لوگوں نے جریج کے حجرے میں گھس کر اسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ جریج نے نوزائیدہ بچے کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے بچے! بتا تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا اے جریج! میری ماں نے تم پر الزام و بہتان باندھا ہے میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔

شیر خوارگی میں کلام کرنے والا تیسرا بچہ اس عورت کا ہے جو اپنے گھر کے دروازے پر بن سنور کر بیٹھی تھی ایک حسین و جمیل سوار عورت کے آگے سے گزرا اس عورت نے دعا مانگی کہ اے خدا میرے بچہ کو اس سوار کی مانند بنا دے۔ اس شیر خوار بچے نے کہا اے خدا! مجھے ایسا نہ کر۔ کچھ دیر بعد ایک بدنام عورت گزری۔ بچہ کی ماں نے کہا اے خدا! میرے بچہ کو اس جیسا نہ بنا۔ اسی وقت بچہ نے کہا اے خدا! مجھے اس عورت جیسا کر دے۔ بچہ کی ماں نے متعجب ہو کر پوچھا ایسا کیوں کہتا ہے؟ بچے نے جواب دیا وہ سوار متکبر اور ظالم ہے اور یہ عورت اصلاح پسند ہے لیکن لوگ اسے برا کہتے ہیں حالانکہ وہ اسے پہچانتے نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ظالموں اور متکبروں میں سے ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اصلاح کرنے والا بنوں۔

(۳) ایک اور حدیث امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی باندی زائدہ کی مشہور ہے۔ ایک دن زائدہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئی۔ اس نے سلام عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا

زائدہ اتنے دنوں کے بعد کیوں آئی ہے حالانکہ تو فرمانبردار ہے اور میں تجھے پسند بھی کرتا ہوں۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں ایک عجیب بات عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔ فرمایا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا، صبح کے وقت میں لکڑیاں تلاش کرنے نکلی اور ایک گٹھر باندھ کر پتھر پر رکھا تاکہ اسے میں اٹھا کر سر پر رکھوں اتنے میں ایک سوار کو آسمان سے زمین پر اترتے دیکھا اس نے پہلے مجھے سلام کیا اور پھر کہا کہ حضور اکرم ﷺ سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ خازنِ جنت رضوان نے سلام پیش کیا ہے اور آپ کو بشارت دی ہے کہ جنت کو آپ کی کرامت کے لئے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور ایک حصہ ان لوگوں کے لئے ہے جن پر حساب آسان ہوگا اور ایک حصہ ان لوگوں کے لئے جو آپ کی سفارش اور آپ کے وسیلہ سے بخشے جائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ سوار آسمان پر چڑھنے لگا پھر زمین و آسمان کے درمیان میری طرف رخ کر کے اس نے دیکھا میں لکڑی کا گٹھر اٹھا کر سر پر رکھنا چاہتی تھی لیکن وہ مجھ سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ اس سوار نے کہا: اے زائدہ! اسے پتھر پر ہی رہنے دو۔ پھر پتھر سے کہا: اے پتھر! اس گٹھر کو زائدہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان تک پہنچا دے اس پتھر نے ایسا ہی کیا اور وہ پتھر گھر تک پہنچا گیا۔ نبی کریم ﷺ اٹھے اور اپنے صحابہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور پتھر کے آنے اور جانے کا نشان ملاحظہ فرمایا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: الحمدللہ! خدا نے مجھے دنیا سے اس حال میں رخصت فرمایا ہے کہ رضوان کے ذریعہ میری امت کی بشارت مرحمت فرمائی اور میری امت میں سے ایک عورت جس کا نام زائدہ ہے اسے مریم سلام اللہ علیہا کے درجہ پر فائز کیا ہے۔

(۴) مشہور واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علاء بن حضری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ سفر کے دوران ایک نہر پڑی لشکریوں نے اس میں قدم ڈال دیئے۔ سب گزر گئے اور کسی کا پاؤں تک نہ بھیگا۔ (204)

شرح (204): حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا اصلی نام عبداللہ اور ان کا اصلی وطن حضر موت ہے۔ یہ ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کو بحرین کا حاکم بنا دیا۔ ۱۴ھ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اولیائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرامات

(اولیائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرامات اگرچہ اس کتاب میں جگہ بجگہ ہیں تکرار کے لحاظ سے ان کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بحالت جہاد آپ کی وفات ہوئی۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابۃ، ص ۶۰۷)

(والطبقات الکبری لابن سعد، العلاء بن الحضرمی، ج ۴، ص ۲۶۶، ۲۶۸)

کرامات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین کے مرتدین سے جہاد کرنے کے لیے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو ہم لوگوں نے ان کی تین کرامتیں ایسی دیکھی ہیں کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان تین میں سے کون سی زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔

پیادہ اور سوار دریا کے پار

دارین پر حملہ کرنے کے لیے کشتیوں اور جہازوں کی ضرورت تھی مگر کشتیوں کے انتظام میں بہت لمبی مدت درکار تھی اس لئے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر کو للکار کر پکارا کہ اے مجاہدین اسلام! تم لوگ خشک میدانوں میں تو خداوند قدوس کی امداد و نصرت کا نظارہ بار بار دیکھ چکے ہو۔ اب اگر سمندر میں بھی اس کی تائید غیبی کا جلوہ دیکھنا ہو تو تم سب لوگ سمندر میں داخل ہو جاؤ۔ آپ نے یہ کہا اور مع اپنے لشکر کے یہ دعا پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا کَرِیْمُ یَاحَلِیْمُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَاحَیُّ یَامُحْیِ الْمَوْتٰی یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ

کوئی اونٹ پر سوار تھا، کوئی گھوڑے پر، کوئی گدھے پر سوار تھا، کوئی خچر پر اور بہت سے پیدل چل رہے تھے مگر سمندر میں قدم رکھتے ہی سمندر کا پانی خشک ہو کر اس قدر رہ گیا کہ جانوروں کے صرف پاؤں تر ہوئے تھے۔ پورا اسلامی لشکر اس طرح آرام و راحت کے ساتھ سمندر میں چل رہا تھا گویا بھیگے ہوئے ریت پر چل رہا ہے جس پر چلنا نہایت ہی سہل اور آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کرامت کو دیکھ کر ایک مسلمان مجاہد نے جن کا نام عفیف بن المنذر تھا برجستہ اپنے ان دو شعروں میں اس کی ایسی منظر کشی کی ہے جو بلاشبہ وجد آفریں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ ذَلَّلَ بَحْرَہٗ وَاَنْزَلَ بِالْکُفَّارِ اِحْدَی الْجَلَائِلِ

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدوں کے لیے اپنے سمندر کو فرمانبردار بنا دیا اور کفار پر ایک بہت بڑی مصیبت نازل فرما دی۔) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اعادہ نہیں کیا جارہا ہے مزید چند جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں جو اہم ہیں)۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر (205) رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے کہ وہ کسی سفر میں جارہے تھے آپ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دَعَوْنَا اِلٰی شَقِّ الْبِحَارِ فَجَاءَ نَا بِاَعْجَبَ مِنْ فَلْقِ الْبِحَارِ الْاَوَائِلِ

(ہم لوگوں نے سمندر کے پھٹ جانے کی دعا مانگی تو خدا نے اس سے کہیں زیادہ عجیب واقعہ ہمارے لئے پیش فرمادیا جو دریا پھاڑنے کے سلسلے میں پہلے لوگوں کے لیے ہوا تھا۔) (البدایۃ والنھایۃ، کتاب تاریخ الاسلام۔۔۔۔۔الخ، ذکر ردۃ اھل البحرین...الخ، ج۵، ص ۳۵) (ودلائل النبوۃ لابی نعیم، ذکر خبر، الفصل التاسع والعشرون...الخ، ج۲، ص ۱۳۰) (والکامل فی التاریخ، سنۃ احدی عشرۃ، ذکر ردۃ اہل البحرین، ج۲، ص ۲۲۷)

چمکتی ریت سے پانی نمودار ہوگیا

دوسری کرامت یہ ہے کہ ہم لوگ چٹیل میدان میں جہاں پانی بالکل ہی نایاب تھا پیاس کی شدت سے بے تاب ہوگئے اور بہت سے مجاہدین کو تو اپنی ہلاکت کا یقین بھی ہوگیا۔ اپنے لشکر کا یہ حال دیکھ کر حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھ کر دعا مانگی تو ایک دم ناگہاں لوگوں کو بالکل ہی قریب سوکھی ریت پر پانی چمکتا ہوا نظر آگیا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی اور اس قدر پانی برسا کہ جل تھل ہوگیا اور سارا لشکر جانوروں سمیت پانی سے سیراب ہوگیا اور لشکر والوں نے اپنے تمام برتنوں کو بھی پانی سے بھرلیا۔

(جامع کرامات الاولیاء، اسماء الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، العلاء بن الحضرمی، ج۱، ص ۱۵۲) (ودلائل النبوۃ لابی نعیم، ذکر خبر، الفصل التاسع والعشرون...الخ، ج۲، ص ۱۳۰)

لاش قبر سے غائب

تیسری کرامت یہ ہے کہ جب حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو ہم لوگوں نے ان کو ریتلی زمین میں دفن کردیا۔ پھر ہم لوگوں کو خیال آیا کہ کوئی جنگلی جانور آسانی کے ساتھ ان کی لاش کو نکال کر کھا ڈالے گا لہٰذا ان کو کسی آبادی کے قریب سخت زمین میں دفن کرنا چاہے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے فوراً ہی پلٹ کر ان کی قبر کو کھودا تو ان کی مقدس لاش قبر سے غائب ہوچکی تھی اور تلاش کے باوجود ہم لوگوں کو نہیں ملی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، ذکر خبر، الفصل التاسع والعشرون...الخ، ج۲، ص ۱۳۰)

شرح (205): حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملاحظہ فرمایا کہ سرِ راہ ایک جماعت خوفزدہ کھڑی ہے اور ایک شیر ان کا راستہ روکے کھڑا ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے۔ یہ بچپن ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ علم و فضل کے ساتھ بہت ہی عبادت گزار اور متقی و پرہیز گار تھے۔ میمون بن مہران تابعی کا فرمان ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بڑھ کر کسی کو متقی و پرہیز گار نہیں دیکھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات اقدس کے بعد ساٹھ برس تک حج کے مجمعوں اور دوسرے مواقع پر مسلمانوں کو اسلامی احکام کے بارے میں فتویٰ دیتے رہے۔ مزاج میں بہت زیادہ سخاوت کا غلبہ تھا اور بہت زیادہ صدقہ وخیرات کی عادت تھی۔ اپنی جو چیز پسند آجاتی تھی فوراً ہی اس کو راہ خدا عزوجل میں خیرات کر دیتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار غلاموں کو خرید خرید کر آزاد فرمایا۔ جنگ خندق اور اس کے بعد کی اسلامی لڑائیوں میں برابر کفار سے جنگ کرتے رہے۔ ہاں البتہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں آپ ان لڑائیوں میں غیر جانبدار رہے۔

عبدالملک بن مروان کی حکومت کے دوران حجاج بن یوسف ثقفی امیر الحج بن کر آیا۔ آپ نے خطبہ کے درمیان اس کو ٹوک دیا۔ حجاج ظالم نے جل بھن کر اپنے ایک سپاہی کو حکم دے دیا کہ وہ زہر میں بجھایا ہوا نیزہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں مار دے چنانچہ اس مردود نے آپ کے پاؤں میں نیزہ مار دیا۔ زہر کے اثر سے آپ کا پاؤں بہت زیادہ پھول گیا اور آپ علیل ہو کر صاحب فراش ہو گئے۔ مکار حجاج بن یوسف آپ کی عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ کس نے آپ کو نیزہ مارا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کو جان کر پھر تم کیا کرو گے؟ حجاج نے کہا کہ اگر میں اس کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے مار ڈالے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم کبھی ہرگز ہرگز اس کو قتل نہیں کرو گے اس نے تو تمہارے حکم ہی سے ایسا کیا ہے۔ یہ سن کر حجاج بن یوسف کہنے لگا کہ نہیں نہیں، اے ابو عبدالرحمن! آپ ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کریں اور جلدی سے اٹھ کر چل دیا۔ اسی مرض میں ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے تین ماہ بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوراسی یا چھیاسی برس کی عمر پا کر وفات پا گئے اور مکہ معظمہ میں مقام محصب یا مقام ذی طویٰ میں مدفون ہوئے۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابۃ، ص ۶۰۴۔ ۶۰۵) (واسد الغابۃ، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ج ۳، ص ۳۴۷۔ ۳۵۱ ملخصا)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شیر کو مخاطب کر کے فرمایا اے کتے !اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے راستہ روکے کھڑا ہے تو ہمیں راستہ نہ دے اگر خدا کی حکم سے نہیں تو راستہ چھوڑ دے۔ شیر اٹھا اوران کے آگے سر جھکا دیا اور راستہ سے ہٹ گیا۔ (206)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دیگر کرامات

ایک فرشتہ سے ملاقات

حضرت عطاء بن ابی رباح کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوپہر کے وقت دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت سانپ نے سات چکر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر دورکعت نماز پڑھی۔ آپ نے اس سانپ سے فرمایا: اب آپ جب کہ طواف سے فارغ ہو چکے ہیں یہاں پر آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ میرے شہر کے نادان لوگ آپ کو کچھ ایذا پہنچادیں گے۔ سانپ نے بغور آپ کے کلام کو سنا پھر اپنی دم کے بل کھڑا ہو گیا اور فوراً ہی اڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ اس طرح لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی فرشتہ تھا جو سانپ کی شکل میں طواف کعبہ کے لیے آیا تھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم، اجابۃ الدعوۃ، اذا البصر بحیۃ...الخ، ج ۲، ص ۱۲۲)

زیاد کیسے ہلاک ہوا؟

زیاد سلطنت بنو امیہ کا بہت ہی ظالم و جابر گورنر تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر ملی کہ وہ حجاز کا گورنر بن کر آ رہا ہے۔ آپ کو یہ ہرگز ہرگز گوارا نہ تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر ایسا ظالم حکومت کرے۔ چنانچہ آپ نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! عزوجل ابن سمیہ (زیاد) کی اس طرح موت ہو جائے کہ اس کے قصاص میں کوئی مسلمان قتل نہ کیا جائے۔ آپ کی یہ دعا مقبول ہوگئی کہ اچانک زیاد کے انگوٹھے میں طاعون کی گلٹی نکل پڑی اور وہ ایک ہفتہ کے اندر ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ (الکامل فی التاریخ، سنۃ ثلاث وخمسین، ذکر وفاۃ زیاد، ج ۳، ص ۳۴۱)

اللہ والوں کی دعائیں اس تیر کی طرح ہوتی ہیں جو کمان سے نکل کر نشانہ سے بال برابر خطا نہیں کرتیں۔ اس لئے ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ کبھی بھی کسی بد دعا کی زد اور پھٹکار میں نہ پڑیں اور مغرب زدہ ملحدوں اور بے دینوں کی طرح ہرگز ہرگز یہ نہ کہا کریں کہ میاں کسی کی دعا یا بد دعا سے کچھ نہیں ہوتا، یہ ملا لوگ خواہ مخواہ لوگوں کو بد دعا کی دھونس دیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایمان رکھیں کہ بزرگوں کی دعاؤں اور بد دعاؤں میں بہت زیادہ تاثیر ہے۔

شرح (206): (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء...الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ...الخ، ص ۶۱۶)

(۲) ایک بہادر عجمی شخص مدینہ منورہ آیا اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (207) کی بابت دریافت کیا

شرح (207): حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفہء دوم جانشین پیغمبر حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشرافِ قریش میں اپنی ذاتی وخاندانی وجاہت کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز ہیں۔ آٹھویں پشت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندانی شجرہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے شجرہ نسب سے ملتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور اعلان نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے، جبکہ ایک روایت میں آپ سے پہلے کل انتالیس آدمی اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی اور ان کو ایک بہت بڑا سہارا مل گیا یہاں تک کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ کی مسجد میں اعلانیہ نماز ادا فرمائی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اسلامی جنگوں میں مجاہدانہ شان کے ساتھ کفار سے لڑتے رہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی تمام اسلامی تحریکات اور صلح وجنگ وغیرہ کی تمام منصوبہ بندیوں میں حضور سلطان مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وزیر ومشیر کی حیثیت سے وفادار رفیق کار رہے۔

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا اور دس برس چھ ماہ چار دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخت خلافت پر رونق افروز ہو کر جانشینی رسول کی تمام ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کے دن نماز فجر میں ابولؤلوہ فیروز مجوسی کافر نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شکم میں خنجر مارا اور آپ یہ زخم کھا کر تیسرے دن شرف شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ بوقت وفات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف تریسٹھ برس کی تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور روضہ مبارکہ کے اندر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلوئے انور میں مدفون ہوئے۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابۃ، ص ۶۰۲)

دیگر کرامات

قبر والوں سے گفتگو

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ ایک نوجوان صالح کی قبر پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوگوں نے بتایا کسی جھونپڑے میں سورہے ہوں گے۔ چنانچہ اس حال میں ان کو سوتا پایا کہ کوڑہ ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے فلاں! اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔

ترجمہء کنزالایمان: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

(پ ۲۷، الرحمن: ۴۶)

اے نوجوان! بتا تیرا قبر میں کیا حال ہے؟ اس نوجوان صالح نے قبر کے اندر سے آپ کا نام لے کر پکارا اور باآواز بلند دومرتبہ جواب دیا کہ میرے رب نے یہ دونوں جنتیں مجھے عطافرمادی ہیں۔

(حجۃ اللّٰہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ... الخ، ص ۶۱۲)

مدینہ کی آواز نہاوند تک

امیرالمؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے روانہ فرمادیا۔ آپ جہاد میں مصروف تھے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ناگہاں یہ ارشاد فرمایا کہ یَاسَارِيَۃُ الْجَبَل (یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو) حاضرین مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرزمین نہاوند میں مصروف جہاد ہیں اور مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر ہیں۔ آج امیرالمؤمنین نے انہیں کیونکر اور کیسے پکارا؟ لیکن نہاوند سے جب حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد آیا تو اس نے یہ خبر دی کہ میدان جنگ میں جب کفار سے مقابلہ ہوا تو ہم کو شکست ہونے لگی اتنے میں ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو۔ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو امیرالمؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہے، یہ کہا اور فوراً ہی انہوں نے اپنے لشکر کو پہاڑ کی طرف پشت کر کے صف بندی کا حکم دیا اور اس کے بعد جو ہمارے لشکر کی کفار سے ٹکر ہوئی تو ایک دم اچانک جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا اور دم زدن میں اسلامی لشکر نے کفار کی فوجوں کو روند ڈالا اور عساکر اسلامیہ کے قاہرانہ حملوں کی تاب نہ لاکر کفار کا لشکر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور افواج اسلام نے فتح مبین کا پرچم لہرادیا۔

(مشکوۃ باب الکرامات، ص ۵۴۶ و حجۃ اللہ ج ۲، ص ۸۶۰ و تاریخ الخلفاء، ص ۸۵) (تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، عمر الفاروق، فصل فی کراماتہ، ص ۹۹ ملتقطاً) (و حجۃ اللّٰہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ... الخ، ص ۶۱۲ ملخصاً) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا اس نے اپنے دل میں کہا جہان میں سارا فتنہ انہیں کے دم کا ہے اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کرامت سے چند باتیں معلوم ہوئیں جو طالب حق کے لیے روشنی کا مینارہ ہیں۔

{۱} یہ کہ حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے سپہ سالار دونوں صاحب کرامت ہیں کیونکہ مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر آواز کو پہنچا دینا یہ امیر المؤمنین کی کرامت ہے اور سینکڑوں میل کی دوری سے کسی آواز کو سن لینا یہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ہے۔

{۲} یہ کہ امیر المؤمنین نے مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر نہاوند کے میدان جنگ اور اس کے احوال وکیفیات کو دیکھ لیا اور پھر عساکر اسلامیہ کی مشکلات کا حل بھی منبر پر کھڑے کھڑے لشکر کے سپہ سالار کو بتا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے کان اور آنکھ اور ان کی سمع وبصر کی طاقتوں کو عام انسانوں کے کان وآنکھ اور ان کی قوتوں پر ہرگز ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے کان اور آنکھ کو عام انسانوں سے بہت ہی زیادہ طاقت عطا فرمائی ہے اور ان کی آنکھوں، کانوں اور دوسرے اعضاء کی طاقت اس قدر بے مثل اور بے مثال ہے اور ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام پاتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

{۳} حدیث مذکور بالا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت ہوا پر بھی تھی اور ہوا بھی ان کے کنٹرول میں تھی اس لئے کہ آوازوں کو دوسروں کے کانوں تک پہنچانا درحقیقت ہوا کا کام ہے کہ ہوا کے تموج ہی سے آوازیں لوگوں کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر سنائی دیا کرتی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چاہا اپنے قریب والوں کو اپنی آواز سنادی اور جب چاہا تو سینکڑوں میل دور والوں کو بھی سنادی، اس لئے کہ ہوا آپ کے زیر فرمان تھی، جہاں تک آپ نے چاہا ہوا سے آواز پہنچانے کا کام لے لیا۔

سبحان اللہ! سچ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (یعنی جو خدا کا بندہ فرماں بردار بن جاتا ہے تو خدا اس کا کارساز ومددگار بن جاتا ہے) اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کا مار ڈالنا بہت آسان ہے اس نے قتل کرنے کے ارادہ سے تلوار سونتی اتنے میں دو شیر نمودار ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد زِ حکم تو ہیچ

(یعنی تو خدا کے حکم سے سرتابی نہ کر، تا کہ تیرے حکم سے دنیا کی کوئی چیز روگردانی نہ کرے۔)

دریا کے نام خط

روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ مصر کا دریائے نیل خشک ہو گیا۔ مصری باشندوں نے مصر کے گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فریاد کی اور یہ کہا کہ مصر کی تمام تر پیداوار کا دارومدار اسی دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ اے امیر! اب تک ہمارا یہ دستور رہا ہے کہ جب کبھی بھی یہ دریا سوکھ جاتا تھا تو ہم لوگ ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو اس دریا میں زندہ دفن کر کے دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے تو یہ دریا جاری ہو جایا کرتا تھا اب ہم کیا کریں؟ گورنر نے جواب دیا کہ ارحم الراحمین اور رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا دین ہمارا اسلام ہرگز ہرگز کبھی بھی اس بے رحمی اور ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا لہٰذا تم لوگ انتظار کرو میں دربار خلافت میں خط لکھ کر دریافت کرتا ہوں وہاں سے جو حکم ملے گا ہم اس پر عمل کریں گے چنانچہ ایک قاصد گورنر کا خط لے کر مدینہ منورہ دربار خلافت میں حاضر ہوا امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر کا خط پڑھ کر دریائے نیل کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”اے دریائے نیل! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہو جا۔“

امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خط کو قاصد کے حوالہ فرمایا اور حکم دیا کہ میرے اس خط کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق گورنر مصر نے اس خط کو دریائے نیل کی خشک ریت میں دفن کر دیا، خدا کی شان کہ جیسے ہی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط دریا میں دفن کیا گیا فوراً ہی دریا جاری ہو گیا اور اس کے بعد پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ... الخ، ص ۶۱۲ ملخصا)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہوا پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت تھی اسی طرح دریاؤں کے پانیوں پر بھی آپ کی حکمرانی کا پرچم لہرا رہا تھا اور دریاؤں کی روانی بھی آپ کی فرماں بردار و خدمت گزار تھی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دونوں نے اس پر حملہ کر دیا اس نے مدد کے لئے پکارا اس کی چیخ و پکار سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چادر دیکھ کر آگ بجھ گئی

روایت میں ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ ناگہاں ایک پہاڑ کے غار سے ایک بہت ہی خطرناک آگ نمودار ہوئی جس نے آس پاس کی تمام چیزوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا، جب لوگوں نے دربار خلافت میں فریاد کی تو امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم میری یہ چادر لے کر آگ کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقدس چادر کو لے کر روانہ ہو گئے اور جیسے ہی آگ کے قریب پہنچے یکا یک وہ آگ بجھنے اور پیچھے ہٹنے لگی یہاں تک کہ وہ غار کے اندر چلی گئی اور جب یہ چادر لے کر غار کے اندر داخل ہو گئے تو وہ آگ بالکل ہی بجھ گئی اور پھر کبھی بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء...الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ...الخ، ص ۶۲۱) (وازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مقصد دوم، الفصل الرابع، ج ۴، ص ۱۰۹)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا اور پانی کی طرح آگ پر بھی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی تھی اور آگ بھی آپ کے تابع فرمان تھی۔

مار سے زلزلہ ختم

امام الحرمین نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں زلزلہ آ گیا اور زمین زوروں کے ساتھ کانپنے اور ہلنے لگی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلال میں بھر کر زمین پر ایک درہ مارا اور بلند آواز سے تڑپ کر فرمایا: قِرِّیْ اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَیْکِ (اے زمین! ساکن ہو جا کیا میں نے تیرے اوپر عدل نہیں کیا ہے) آپ کا فرمان جلالت نشان سنتے ہی زمین ساکن ہو گئی اور زلزلہ ختم ہو گیا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء...الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ...الخ، ص ۶۱۲)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت جس طرح ہوا، پانی، آگ پر تھی اسی طرح زمین پر بھی آپ کے فرمان شاہی کا سکہ چلتا تھا۔ مذکورہ بالا چاروں کرامتوں سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی حکومت ہوا، آگ، پانی اور مٹی سبھی پر ہے اور چونکہ یہ چاروں اربع عناصر کہلاتے ہیں یعنی انہیں چاروں سے تمام کائنات عالم کے مرکبات بنائے گئے ہیں، تو جب ان چاروں عناصر پر اولیاء کرام کی حکومت ثابت ہو گئی تو جو جو چیزیں ان چاروں عناصر سے مرکب ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہو گئے پھر اس نے سارا قصہ بیان کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ (208)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان پر بطریق اولیٰ اولیاء کرام کی حکومت ہو گی۔

دور سے پکار کا جواب

حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرزمین روم میں مجاہدین اسلام کا ایک لشکر بھیجا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد بالکل ہی اچانک مدینہ منورہ میں نہایت ہی بلند آواز سے آپ نے دو مرتبہ یہ فرمایا: یَالَبَّیْکَاہُ! یَالَبَّیْکَاہُ! (یعنی اے شخص! میں تیری پکار پر حاضر ہوں) اہل مدینہ حیران رہ گئے اور ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس فریاد کرنے والے کی پکار کا جواب دے رہے ہیں؟ لیکن جب کچھ دنوں کے بعد وہ لشکر مدینہ منورہ واپس آیا اور اس لشکر کا سپہ سالار اپنی فتوحات اور اپنے جنگی کارناموں کا ذکر کرنے لگا تو امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو! پہلے یہ بتاؤ کہ جس مجاہد کو تم نے زبردستی دریا میں اتارا تھا اور اس نے (اے میرے عمر! میری خبر لیجئے) پکارا تھا اس کا کیا واقعہ تھا۔

سپہ سالار نے فاروقی جلال سے سہم کر کانپتے ہوئے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اپنی فوج کو دریا کے پار اتارنا تھا اس لئے میں نے پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کو دریا میں اترنے کا حکم دیا، چونکہ موسم بہت ہی سرد تھا اور زوردار ہوائیں چل رہی تھیں اس لئے اس کو سردی لگ گئی اور اس نے دو مرتبہ زور زور سے یا عُمَرَاہُ! یا عُمَرَاہُ! کہہ کر آپ کو پکارا، پھر یکا یک اس کی روح پرواز کر گئی۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے ہرگز ہرگز اس کو ہلاک کرنے کے ارادہ سے دریا میں اترنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب اہل مدینہ نے سپہ سالار کی زبانی یہ قصہ سنا تو ان لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن جو دو مرتبہ یَالَبَّیْکَاہُ! یَالَبَّیْکَاہُ! فرمایا تھا در حقیقت یہ اسی مظلوم مجاہد کی فریاد و پکار کا جواب تھا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپہ سالار کا بیان سن کر غیظ و غضب میں بھر گئے اور فرمایا کہ سرد موسم اور ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں میں اس مجاہد کو دریا کی گہرائی میں اتارنا یہ قتل خطا کے حکم میں ہے ،لہٰذا تم اپنے مال میں سے اس کے وارثوں کو اس کا خون بہا ادا کرو اور خبردار! خبردار! آئندہ کسی سپاہی سے ہرگز ہرگز کبھی کوئی ایسا کام نہ لینا جس میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کا ہلاک ہو جانا بڑی سے بڑی ہلاکتوں سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہلاکت ہے۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مقصد دوم، الفصل الرابع، ج ۴، ص ۱۰۹)

امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وفات پانے والے سپاہی کی فریاد اور پکار کو سینکڑوں میل کی دوری سے سن لیا اور اس کا جواب بھی دیا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولیاء کرام دور کی آوازوں کو سن لیتے ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں۔

شرح (208): (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مقصد دوم، الفصل الرابع، ج ۴، ص ۱۰۹)

(۳) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (امیر لشکر اسلام)[209] کے پاس سوادِ عراق سے تحفوں میں ایک ڈبہ لائے جس میں زہر قاتل تھا۔ اس سے

شرح (209): حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ خاندان قریش کے بہت ہی نامور اشراف میں سے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت بی بی لبابہ صغری رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المؤمنین حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں۔ یہ بہادری اور فن سپہ گری وتدابیر جنگ کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے انکی اوران کے باپ ولید کی اسلام دشمنی مشہور تھی۔ جنگ بدر اور جنگ احد کی لڑائیوں میں یہ کفار کے ساتھ رہے اوران سے مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی نقصان پہنچا مگر ناگہاں ان کے دل میں اسلام کی صداقت کا ایسا آفتاب طلوع ہوگیا کہ ۷ھ میں یہ خود بخود مکہ سے مدینہ جاکر دربار رسالت میں حاضر ہوگئے اور دامن اسلام میں آگئے اور یہ عہد کرلیا کہ اب زندگی بھر میری تلوار کفار سے لڑنے کے لئے بے نیام رہے گی چنانچہ اس کے بعد ہر جنگ میں انتہائی مجاہدانہ جاہ وجلال کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں شمشیر بکف رہے یہاں تک ۸ھ میں جنگ موتہ میں جب حضرت زید بن حارثہ وحضرت جعفر بن ابی طالب وحضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تینوں سپہ سالاروں نے یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کرلیا تو اسلامی فوج نے ان کو اپنا سپہ سالار منتخب کیا اور انہوں نے ایسی جاں بازی کے ساتھ جنگ کی کہ مسلمانوں کی فتح مبین ہوگئی۔ اور اسی موقع پر جب کہ یہ جنگ میں مصروف تھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے سامنے ان کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا تو انہوں نے ان معرکوں میں بھی خصوصاً جنگ یمامہ میں مسلمان فوجوں کی سپہ سالاری کی ذمہ داری قبول کی اور ہر محاذ پر فتح مبین حاصل کی۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دوران رومیوں کی جنگوں میں بھی انہوں نے اسلامی فوجوں کی کمان سنبھالی اور بہت زیادہ فتوحات حاصل ہوئیں ۲۱ھ میں چند دن بیمار رہ کر وفات پائی۔

(لاکمال فی اسماء الرجال، حرف الخاء، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۲ مختصراً) (وکنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل الصحابۃ خالد بن الولید، الحدیث: ۳۰۲۰۷، ج ۷، الجزء ۱۳، ص ۱۶۱) (وتاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، ابوبکر الصدیق، فصل فیما وقع فی خلافتہ، ص ۵۸) (واسد الغابۃ، خالد بن الولید بن المغیرۃ، ج ۲، ص ۱۳۵۔۱۳۸ ملتقطاً)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ مہلک زہر اور کوئی نہ تھا۔ حضرت خالد نے اس ڈبہ کو کھولا اور زہر کو ہتھیلی پر رکھ کر بسم اللہ پڑھی اور منہ میں ڈال لیا۔ زہر نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ لوگ حیران رہ گئے اور ان میں سے بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (210)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دیگر کرامات

شراب کی شہد

حضرت خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شراب سے بھری ہوئی مشک لے کر آیا تو آپ نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! عزوجل اس کو شہد بنا دے۔ تھوڑی دیر بعد جب لوگوں نے دیکھا تو وہ مشک شہد سے بھری ہوئی تھی۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ... الخ، ص ٦١٧)

شراب سرکہ بن گئی

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ اے امیر لشکر! آپ کی فوج میں کچھ لوگ شراب پیتے ہیں۔ آپ نے فوراً ہی تلاشی لینے کا حکم دے دیا۔ تلاشی لینے والوں نے ایک سپاہی کے پاس سے شراب کی ایک مشک برآمد کی لیکن جب یہ مشک آپ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! عزوجل اس کو سرکہ بنا دے چنانچہ جب لوگوں نے مشک کا منہ کھول کر دیکھا تو واقعی اس میں سے سرکہ نکلا۔ یہ دیکھ کر مشک والا سپاہی کہنے لگا: خدا کی قسم! یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ میں نے اس مشک میں شراب بھر رکھی تھی۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء... الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ... الخ، ص ٦١٧)

کرامت کی پچیس قسموں میں سے قلب ماہیت یعنی کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا بھی ہے۔ مذکورہ بالا دونوں روایات کرامت کی اسی قسم کی مثالیں ہیں کہ اولیاء اللہ جب بھی چاہتے ہیں اپنی روحانی طاقت یا اپنی مستجاب دعاؤں کی بدولت ایک چیز کی حقیقت کو بدل کر اس کو دوسری چیز بنا دیتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامتوں کے تذکروں میں اس کی ہزاروں مثالیں ملیں گی۔

شرح (210): زہر نے اثر نہیں کیا

روایت ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام حیرہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) حضرت ابو الدرداء (211) اور حضرت سلمان فارسی (212) رضی اللہ عنہما

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر لشکر! آپ عجمیوں کے زہر سے بچتے رہیں۔ ہم لوگوں کو اندیشہ ہے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو زہر نہ دے دیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لاؤ میں دیکھ لوں کہ عجمیوں کا زہر کیسا ہوتا ہے؟ لوگوں نے آپ کو دیا تو آپ بسم اللہ پڑھ کر کھا گئے اور آپ کو بال برابر بھی ضرر نہیں پہنچا اور کلبی کی روایت میں یہ ہے کہ ایک عیسائی پادری جس کا نام عبد المسیح تھا ایک ایسا زہر لے کر آیا کہ اس کے کھا لینے سے ایک گھنٹہ کے بعد موت یقینی ہوتی ہے۔ آپ نے اس سے وہ زہر مانگ کر اس کے سامنے ہی بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَایَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ پڑھا اور یہ زہر کھا گئے۔ یہ منظر دیکھ کر عبد المسیح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! یہ اتنا خطرناک زہر کھا کر بھی زندہ ہیں یہ بہت ہی حیرت کی بات ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کر لو ورنہ انکی فتح یقینی ہے۔ چنانچہ ان عیسائیوں نے ایک گراں قدر جزیہ دے کر صلح کر لی۔ یہ واقعہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء...الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ...الخ، ص ۶۱۷) (والکامل فی التاریخ، سنۃ اثنتی عشرۃ، ذکر وقعۃ یوم...الخ، ج ۲، ص ۲۴۴ ملتقطا) (وحیاۃ الحیوان الکبری، باب الحاء المھملۃ، الحیۃ، فائدۃ، ج ۱، ص ۳۹۰۔۳۹۱ ملخصا)

ہم اسی کتاب کی ابتداء میں تحقیق کرامات کے عنوان کے تحت میں یہ تحریر کر چکے ہیں کہ کرامت کی پچیس قسموں میں سے مہلکات کا اثر نہ کرنا یہ بھی کرامت کی ایک بہت ہی شاندار قسم ہے چنانچہ مذکورہ بالا روایت اس کی بہترین مثال ہے۔

شرح (211): حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ قبیلہ انصار میں خاندان خزرج سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام عویمر بن عامر انصاری ہے۔ یہ بہت ہی علم وفضل والے فقیہ اور صاحب حکمت صحابی ہیں اور زہد و عبادت میں بھی یہ بہت ہی بلند مرتبہ ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کر لی اور ۳۲ھ میں شہر دمشق کے اندر وصال فرمایا۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، حرف الدال، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۴)

شرح (212): حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دونوں ایک جگہ کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں سے تسبیح کی آواز سن رہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ فارس کے شہر رامہرمز کے باشندہ تھے۔ مجوسی مذہب کے پابند تھے اور ان کے باپ مجوسیوں کی عبادت گاہ آتش خانہ کے منتظم تھے۔ یہ بہت سے راہبوں اور عیسائی سادھوؤں کی صحبت اٹھا کر مجوسی مذہب سے بیزار ہو گئے اور اپنے وطن سے مجوسی دین چھوڑ کر دین حق کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے اور عیسائیوں کی صحبت میں رہ کر عیسائی ہو گئے۔ پھر ڈاکوؤں نے گرفتار کر لیا اور اپنا غلام بنا کر بیچ ڈالا اور یکے بعد دیگرے یہ دس آدمیوں سے زیادہ اشخاص کے غلام رہے۔ جب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت یہ ایک یہودی کے غلام تھے جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو جناب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرما دیا۔

جنگ خندق میں مدینہ منورہ شہر کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا۔ یہ بہت ہی طاقتور تھے اور انصار ومہاجرین دونوں ہی ان سے محبت کرتے تھے۔ چنانچہ انصاریوں نے کہنا شروع کیا کہ سَلْمَانُ مِنَّا یعنی سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے بھی یہی کہا کہ سَلْمَانُ مِنَّا یعنی سلمان ہم میں سے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ان پر بہت بڑا اکرم عظیم تھا جب انصار ومہاجرین کا نعرہ سنا تو ارشاد فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ (یعنی سلمان ہم میں سے ہیں) یہ فرما کر ان کو اپنے اہل بیت میں شامل فرما لیا۔ عقد مواخات میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کو ابوالدرداء صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنا دیا تھا، اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان کا شمار ہے۔ بہت عابد وزاہد اور متقی و پرہیز گار تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ یہ رات میں بالکل ہی اکیلے صحبت نبوی سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اول بھی سیکھا اور علم آخر بھی سیکھا اور وہ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ احادیث میں ان کے فضائل ومناقب بہت مذکور ہیں۔ ابونعیم نے فرمایا کہ ان کی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ بعض کا قول ہے تین سو پچاس برس کی عمر ہوئی اور دو سو پچاس برس کی عمر پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ ۳۵ھ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی۔

یہ مرض الموت میں تھے تو حضرت سعد اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ ان حضرات نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ہم لوگوں کو وصیت کی تھی کہ تم لوگ دنیا میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھے۔ (213)

(۵) حضرت ابراہیم نخفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو ہوا میں بیٹھا دیکھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا اے بندۂ خدا، تجھے یہ کمال کس چیز سے حاصل ہوا۔ اس نے کہا تھوڑی سی چیز سے، پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہے اور خدا کے فرمان سے دل لگا لیا ہے اس نے کہا اب تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہ کہ ایک مکان ہوا میں ہوتا کہ میرا دل لوگوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اتنا ہی سامان رکھنا جتنا کہ ایک سوار مسافر اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن افسوس کہ میں اس مقدس وصیت پر عمل نہیں کر سکا کیونکہ میرے پاس اس سے کچھ زائد سامان ہے۔

بعض مؤرخین نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا سال ۱۰ رجب ۳۳ھ یا ۳۶ھ تحریر کیا ہے۔ مزار مبارک مدائن میں ہے جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ (اسد الغابۃ، سلمان الفارسی، ج ۲، ص ۴۸۷۔۴۹۲ ملتقطا) (والاکمال فی اسماء الرجال، حرف السین، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۷) (وکنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل الصحابۃ، سلمان الفارسی، الحدیث: ۳۷۱۲۶، ج ۷، الجزء ۱۳، ص ۱۸۴) (وتھذیب التھذیب، حرف السین، سلمان الخیر الفارسی، ج ۳، ص ۲۴۴ ملتقطا)

شرح (213): ہانڈی اور پیالے کی تسبیح

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ہانڈی کے نیچے آگ سلگا رہے تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگہاں ہانڈی میں سے تسبیح پڑھنے کی آواز بلند ہوئی پھر خود بخود وہ ہانڈی چولہے پر سے گر کر اوندھی ہو گئی پھر خود بخود ہی چولہے پر چلی گئی لیکن اس ہانڈی میں سے پکوان کا کوئی حصہ بھی زمین پر نہیں گرا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے سلمان! یہ تعجب خیز اور حیرت انگیز معاملہ دیکھو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالدرداء! اگر تم چپ رہتے تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بہت سی دوسری بڑی بڑی نشانیاں بھی تم دیکھ لیتے۔ پھر یہ دونوں ایک ہی پیالہ میں کھانا کھانے لگے تو پیالہ بھی تسبیح پڑھنے لگا اور اس پیالہ میں جو کھانا تھا اس کھانے کے دانے دانے سے بھی تسبیح پڑھنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۲۲۴ و ۲۸۹)

عقد مواخات میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، الحدیث: ۷۵۳، ۷۵۴، ج ۱، ص ۲۸۵) (واسد الغابۃ، عویمر بن عامر، ج ۴، ص ۳۴۰)

جدا ہو جائے۔

(۶) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک حبشی عابد ویرانوں میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن میں بازار سے کچھ خرید کر اس کے پاس لے گیا۔ اس نے پوچھا کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کچھ کھانے کی چیزیں ہیں اس خیال سے لایا ہوں کہ شاید تمہیں حاجت ہو؟ وہ میری طرف دیکھ کر ہنسا اور ہاتھ کا اشارہ کیا میں نے دیکھا کہ اس ویران مکان کے تمام اینٹ پتھر سونے کے بن گئے ہیں میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوا اور جو لے گیا تھا اسے چھوڑ کر عابد کے رعب سے بھاگ کھڑا ہوا۔[214]

(۷) حضرت ابراہیم ادہم[215] رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور اس سے پانی مانگا۔ اس نے کہا میرے پاس دودھ ہے پانی کیوں مانگتے ہو؟ میں نے کہا مجھے پانی ہی چاہئے وہ اٹھا اور ایک لکڑی کو پتھر پر مارا اس پتھر سے صاف وشیریں پانی جاری ہو گیا اس کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا؟ اس نے مجھ سے کہا حیرت وتعجب نہ کرو جب بندہ حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جاتا ہے تو سارا جہان اس کے حکم کے تابع ہو جاتا ہے۔

(۸) حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگل میں سفر کر رہا تھا میرا معمول تھا کہ ہر تیسرے دن کھانا کھاتا تھا جب تیسرے دن کے بعد پھر تیسرا دن گزر گیا تو کھانا نہ ملنے کی وجہ سے مجھے کمزوری معلوم ہونے لگی بدن غذا مانگ رہا تھا میں نقاہت سے ایک جگہ بیٹھ گیا غیب سے ایک آواز آئی اے ابوسعید نفس کے آرام کے لئے کھانا چاہتے ہو یا وہ سبب چاہتے ہو جو بغیر غذا کے کمزوری دور کر دے؟ میں نے عرض کیا اے خدا مجھے قوت چاہئے۔ اسی وقت توانائی آ گئی اور اٹھ کر سفر شروع کر دیا اور بغیر کھائے پئے بارہ منزلیں (بارہ دن میں) اور طے کر لیں۔

(۹) مشہور ہے کہ شہر تستر میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے گھر کو لوگ بیت السباع کہتے ہیں اور تستر کے باشندوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس بکثرت درندے اور شیر وغیرہ آتے ہیں اور وہ ان کو کھلاتے اور خاطر داری کرتے ہیں۔

شرح (214): (اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ ص ۱۹۵)

شرح (215): آپ رحمۃ اللہ علیہ بلخ کے بادشاہ تھے کسی واقعہ سے متاثر ہو کر تارک الدنیا ہو گئے اور صحرا نوردی کرتے ہوئے نیشاپور کے نواح میں پہنچ گئے

(۱۰) حضرت ابوالقاسم مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوسعید خزاری کے ساتھ دریا کے کنارے جارہا تھا۔ میں نے ایک جوان گدڑی پہنے دیکھا پہاڑ کی کھوہ میں ایک توشہ دان لٹکا ہوا تھا۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا اس نوجوان کی پیشانی سے ظاہر تھا کہ یہ طریقت میں ضرور کوئی مقام رکھتا ہے جب اس نوجوان کی طرف دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ یہ واصل ہے اور جب توشہ دان پر نظر پڑتی تھی تو خیال آتا تھا کہ یہ ابھی طالب راہ ہے۔ انہوں نے فرمایا آؤ اس سے دریافت کریں کہ کیا حال ہے؟ چنانچہ حضرت خراز نے پوچھا اے نوجوان خدا کی راہ کون سی ہے؟ اس نے جواب دیا خدا کے دو راستے ہیں ایک عوام کی راہ دوسری خواص کی لیکن تمہیں خواص کی راہ کا تو پتہ ہی نہیں البتہ عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم گامزن ہو اور اپنی ریاضت ومجاہدے کو وصولِ حق کا ذریعہ بنائے ہوئے ہو اس توشہ دان کو حجاب کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہو۔

(۱۱) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا اور مصر سے جدہ کا ارادہ تھا۔ ایک نوجوان بھی گدڑی پہنے شریک سفر ہو گیا۔ مجھے خواہش ہوئی کہ میں اس کی صحبت میں بیٹھوں مگر اس کے رعب وہیبت سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ وہ بہت ہی معزز تھا اور اس کا کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہ تھا یہاں تک کہ ایک دن ایک شخص کے جواہرات کی تھیلی گم ہو گئی اس تھیلی کے مالک نے اس جوان پر الزام لگایا اور وہ چاہتا تھا کہ اس پر سختی کرے۔ میں نے اس سے کہا تم اس سے بات نہ کرو میں اس سے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور نرمی سے بات کر کے بتایا کہ یہ لوگ تم پر ایسا شک کرتے ہیں اور میں نے ان کو ظلم وسختی سے روکا ہے۔ اب کیا کرنا چاہئے؟ اس نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کچھ پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ مچھلیاں منہ میں ایک ایک موتی دبائے نکل آئیں۔ اس جوان نے ان میں ایک موتی لیا اور اس شخص کو دے دیا۔ کشتی میں تمام لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے وہ جوان اٹھا اور پانی پر قدم رکھ کر چلا گیا جس نے وہ تھیلی چرائی تھی وہ کشتی ہی میں تھا اس نے اسے نکال کر ڈال دیا۔ تمام کشتی والے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

(۱۲) حضرت ابراہیم رقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائے احوال میں حضرت مسلم مغربی کی زیارت کرنے گیا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہ نماز کی امامت کر رہے تھے اور قرأت میں الحمد

غلط پڑھ رہے تھے میں نے دل میں خیال کیا کہ میری محنت ضائع گئی۔ اس رات میں وہیں رہا دوسرے دن طہارت کے وقت اٹھا تا کہ نہر فرات کے کنارے جا کر وضو کرلوں راستہ میں ایک شیر سوتا دکھائی دیا۔ میں واپس آنے لگا اتنے میں ایک اور شیر چیختا ہوا میرے عقب میں آ گیا میں مجبور ہو کر رک گیا اس وقت حضرت مسلم مغربی اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے جب شیروں نے انہیں دیکھا تو سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دونوں کے کان پکڑ کر سرزنش کی اور فرمایا اے خدا کے کتو! میں نے تم سے نہیں کہا ہے کہ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کیا کرو اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے ابوالحسن! تم لوگوں کی ظاہری درستگی کے در پے ہو اور حال یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ڈرتے ہو اور میں حق تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور باطن کی درستگی کے در پے ہوں۔ مخلوق خدا ہم سے ڈرتی ہے۔

(۱۳) ایک دن میرے مرشد برحق رحمۃ اللہ علیہ نے بیت الجن سے دمشق جانے کا ارادہ فرمایا۔ بارش ہو رہی تھی مجھے کیچڑ میں چلنے سے دشواری ہو رہی تھی مگر جب میں نے اپنے مرشد کی طرف دیکھا تو ان کے کپڑے اور جوتیاں خشک تھیں میں نے ان سے عرض کیا تو فرمایا ہاں! جب سے میں نے توکل کی راہ میں اپنے قصد اور ارادہ کو ختم کر کے باطن کو لالچ کی وحشت سے محفوظ کرلیا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کیچڑ سے بچالیا ہے۔

(۱۴) حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا حل میرے لئے دشوار ہو گیا۔ میں حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی کی زیارت کرنے طوس پہنچا (216) میں نے ان کو اپنے مکان کی مسجد میں تنہا پایا۔ انہوں نے بعینہٖ میری مشکل کو مسجد کے ستون کو مخاطب کر کے بیان کرنا شروع کر دیا۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ بات آپ کس سے فرما رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اے فرزند! حق تعالیٰ نے اسی وقت اس ستون کو مجھ سے بات کرنے کا حکم دیا اور اس نے مجھ سے یہ سوال کیا اور میں نے اس کو یہ جواب دیا (اس طرح میرے باطن کی عقدہ کشائی بغیر عرض کئے انہوں نے فرمادی)

(۱۵) فرغانہ (217) میں ایک گاؤں سلانگ نامی ہے، وہاں ایک بزرگ زمین کے اوتاد میں سے تھے

شرح (216): ایران کا ایک شہر۔ اب طوس اور مشہد ایک ہی شہر بن چکے ہیں جسے مشہد کہا جاتا ہے۔

شرح (217): ازبکستان کا ایک شہر جو فرغانہ صوبہ میں واقع ہے۔

جنہیں لوگ باب عمر کہتے تھے چونکہ اس شہر کے تمام مشائخ سب سے بڑے بزرگ کو باب کہا کرتے تھے۔ ان کے یہاں فاطمہ نام کی ایک بوڑھی عورت تھی میں نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب ان کے روبرو پہنچا تو انہوں نے پوچھا کس لئے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ شیخ نے شفقت و مہربانی سے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے فرزند! میں فلاں روز سے برابر تمہیں دیکھ رہا ہوں اور جب تک تم مجھ سے روپوش نہ ہو جاؤ گے میں تم کو برابر دیکھتا رہوں گا جب میں نے ان کے بتائے ہوئے دن پر غور کیا تو وہی دن اور سال تھا جو میری توبہ اور بیعت کا ابتدائی دن تھا۔ پھر فرمایا اے فرزند! مسافت طے کرنا بچوں کا کام ہے لہٰذا اس ملاقات کے بعد ہمت کرو کہ حضورِ قلب حاصل ہو اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اس کے بعد فرمایا اے فاطمہ! جو ہو لے آؤ تا کہ اس درویش کی کچھ خاطر کی جا سکے وہ ایک طباق میں تازہ انگور لائی حالانکہ وہ موسم انگوروں کا نہ تھا۔ اس طباق میں کچھ تازہ کھجوریں بھی تھیں حالانکہ فرغانہ میں کھجوریں ہوتی ہی نہ تھیں۔

(۱۶) مہنہ میں ایک دن حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حسب عادت تنہا بیٹھا تھا ایک سفید کبوتر دکھائی دیا جو قبر کے اوپر پڑی ہوئی چادر کے نیچے چلا گیا میں نے خیال کیا غالباً یہ کبوتر کسی کا چھوڑا ہوا ہے۔ میں اٹھا اور چادر اٹھا کر دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا دوسرے اور تیسرے دن بھی میں نے ایسا ہی دیکھا۔ میں حیرت و تعجب میں پڑ گیا یہاں تک کہ ایک رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کی بابت ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ قبر میں میری ہم نشینی کے لئے آتا ہے۔

(۱۷) حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کے کچھ اوراق مجھے دیئے کہ میں اسے دریائے جیحون (218) میں ڈال دوں۔ جب باہر آ کر میں نے دیکھا تو وہ لطائف و نکات سے پر تھے۔ میرے دل نے کسی طرح قبول نہ کیا کہ دریا میں یونہی ضائع کر دوں۔ انہیں اپنے گھر رکھ کر واپس آ گیا اور کہہ دیا کہ میں نے دریا برد کر

شرح (218): کرخہ صوبہ خوزستان میں واقع ہے اس کا رقبہ 3000 ہیکٹر ہے جہاں بے شمار پرندے، جانور، سانپ اور ممالیہ جاندار پائے جاتے ہیں۔ یہ علاقہ بین النہرین کہلاتا ہے۔ اس میں بہنے والے دریا کرخہ کو جیحون دریا بھی کہا جاتا ہے۔

دے۔ انہوں نے پوچھا تم نے کیا ماجرا دیکھا؟ میں نے عرض کیا میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ فرمایا تم نے دریا میں نہیں ڈالے۔ جاؤ انہیں دریا میں ڈال کر آؤ۔ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت میرے لئے دو مشکلیں تھیں ایک یہ کہ پانی میں ڈالنے کا کیوں حکم دیا جا رہا ہے دوسرے یہ کہ وہ کیا خاص بات ظاہر ہوگی جس کی بابت مجھ سے پوچھا جا رہا ہے؟ ناچار میں اٹھا اور دردِ دل کے ساتھ ان اوراق کو جیجوںؔ کے کنارے لاکر خود انہیں اپنے ہاتھ سے پانی میں ڈال دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ پانی کی سطح پھٹی اور ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا یہ اوراق اس صندوق میں جا گرے اور اس کا ڈھکنا بند ہو کر پانی کے تہہ میں روپوش ہوگیا۔ واپس آکر تمام سرگزشت بیان کردیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں اب تم نے ڈالا ہے۔ میں نے عرض کیا یا شیخ! آپ کو عزتِ ذوالجلال کی قسم! یہ کیا اسرار ہیں؟ مجھ پر واضح فرمائیے؟ انہوں نے فرمایا اے فرزند! میں نے علم مشائخ پر یہ کتاب لکھی تھی چونکہ ان کی تحقیق معقولات کے لئے دشوار تھی میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے مانگا تھا وہ آہنی صندوق ان کے حکم سے آیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ وہ ان تک پہنچا دے۔

اس طرح کی حکایات و کرامات اس قدر ہیں کہ وہ ختم ہی نہیں ہوسکتیں (219) چونکہ میرا مقصد اصولِ

شرح (219): چند مزید کرامات اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق سے ملاحظہ فرمائیں۔

وادی کے پتھر جواہرات بن گئے:

حضرت سیّدنا ابو یزید علیہ رحمۃ اللہ الوحید سے منقول ہے کہ میرے پاس میرے استاذ حضرت سیّدنا ابوعلی سندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، ان کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی، انہوں نے اسے اُنڈیلا تو اس سے جواہر نمودار ہوئے، میں نے عرض کی: یہ موتی آپ کو کہاں سے ملے؟ ارشاد فرمایا: میں یہاں ایک وادی میں اترا تو اچانک چراغ کی طرح ٹمٹماتے ہوئے یہ موتی دیکھے، میں نے ان کو اٹھا لیا۔ میں نے عرض کی: جب آپ وادی میں گئے تھے تو آپ کی کیفیت کیسی تھی۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: اس وقت میں اس حال میں نہیں تھا جس میں اِس وقت ہوں۔

مغفرت کا پروانہ:

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طریقت کا اثبات ہے اس لئے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے اب میں مذاہب کے بارے میں چند اہم عنوان شامل کتاب کرتا ہوں تا کہ حصولِ معنی کے لئے کسی اور جگہ نہ جانا پڑے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو کعبہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً کے نزدیک کثرت سے رکوع و سجود کررہا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا: بلاشبہ تم کثرت سے نماز پڑھ رہے ہو۔ تو وہ کہنے لگا: میں اپنے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے یہاں سے واپس جانے کے پروانے کا انتظار کر رہا ہوں۔ حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ اوپر سے کاغذ کا ایک ٹکڑا گرا جس میں لکھا ہوا تھا: یہ پیغام عزیز وغفار کی جانب سے اپنے سچے بندے کی طرف ہے، اب تو اس حال میں لوٹ جا کہ تیرے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔

منکرینِ کرامات بھی مان گئے:

حضرت سیّدنا جابر رجبی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ رحبہ کے اکثر لوگ کراماتِ اولیاء کے منکر تھے۔ ایک دن میں ایک درندے پر سوار ہو کر رحبہ میں داخل ہو گیا اور پوچھا: کہاں ہیں وہ لوگ جو اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کرامات کو جھٹلاتے ہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس کے بعد وہ میرے بارے میں ایسی یاوہ گوئیوں سے باز آ گئے۔

گائے بول اٹھی:

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے بیان فرمایا: ایک شخص گائے پر بوجھ اٹھائے اسے ہانکتا جا رہا تھا کہ گائے اس کی طرف متوجہ ہو کر (بزبانِ فصیح) کہنے لگی: میں اس لئے پیدا نہیں کی گئی، مجھے تو کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل ابی بکر الصدیق، الحدیث ۲۳۸۸، ص ۱۰۹۸)

کیکر کے درخت سے کھجوریں:

حضرت سیّدنا بکر بن عبدالرحمن علیہ رحمۃ اللہ الحنان فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنگل میں حضرت سیّدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ محوِ سفر تھے۔ ہم نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیا اور کہا: یہ جگہ کتنی عمدہ ہے، کاش! اس درخت پر تروتازہ کھجوریں ہوتیں۔ حضرت سیّدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسکرانے اور پوچھنے لگے: کیا تروتازہ کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟ اس کے ساتھ ہی آپ نے درخت کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت

واضح رہنا چاہئے کہ تمام احوال وواقعات میں باتفاق تمام مشائخ طریقت، اولیاء کرام انبیاء کے متبع

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حرکت دے کر کہا: میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا اور تنا اور درخت بنایا! ہماری طرف تازہ کھجوریں پھینک۔

پھر آپ نے اس درخت کو ہلایا تو اس سے واقعتاً تازہ کھجوریں گرنے لگیں۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھائیں پھر ہم سو گئے اور بیدار ہو کر جب ہم نے دوبارہ درخت کو حرکت دی تو ہم پر کانٹے گرے۔

دائرے سے پانی رواں ہو گیا:

ایک قافلہ حضرت سیّدنا ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ سفر پر تھا۔ جب قافلے والے پیدل چلنے سے عاجز آ گئے تو شدتِ پیاس کی وجہ سے پانی طلب کیا۔ حضرت سیّدنا ایوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے پوچھا: کیا تم میری زندگی میں اس راز کو پوشیدہ رکھو گے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! رکھیں گے۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک گول دائرہ کھینچا تو اس سے پانی جاری ہو گیا۔ ان سب نے جی بھر کر پانی پیا۔ جب قافلہ بصرہ پہنچا اور حضرت سیّدنا حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات بتائی تو حضرت سیّدنا عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس دن میں بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔

درندہ بھی تابع ہو گیا:

حضرت سیّدنا سفیان ثوری علیہ رحمۃ اللہ القوی اور حضرت سیّدنا شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں حج کے ارادے سے نکلے تو ان کے سامنے ایک درندہ آ گیا۔ حضرت سیّدنا سفیان ثوری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے حضرت سیّدنا شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا: کیا آپ اس درندے کو نہیں دیکھ رہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ڈریئے مت۔ پھر حضرت سیّدنا شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا کان پکڑ کر دبایا تو وہ دُم ہلانے لگا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی دُم پکڑی تو حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: کیا یہ شہرت نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: اگر مجھے شہرت کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنا زادِ راہ اس کی پیٹھ پر رکھ دیتا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچ جاتا۔

فقراء پر صدقہ نہ کرنے کی سزا:

حضرت سیّدنا جعفر بن ترکان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: میں فقراء کی صحبت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اوران کے دعووں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور انبیاء علیہم السلام، اولیاء سے افضل ہیں اس لئے کہ جہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے ایک دینار ملا تو میں نے ارادہ کیا کہ یہ دینار ان فقراء کو دے دوں پھر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید مجھے اس کی ان سے زیادہ حاجت ہے۔ تو اچانک مجھے دانت کا درد محسوس ہوا میں نے اپنے دانت کو جڑ سے اُکھیڑ دیا پھر دوسرا درد کرنے لگا۔ اس کو بھی جڑ سے اکھیڑ دیا تو ہاتفِ غیبی سے آواز آئی: اگر تم ان فقراء کو وہ دینار نہ دو گے تو تمہارے منہ میں ایک دانت بھی باقی نہ رہے گا۔

میت نے ہاتھ پکڑ لیا:

حضرت سیِّدُنا احمد بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت سیِّدُنا ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے ایک مرید کو غسل دیا تو اس نے تختۂ غسل پر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اس سے کہا: اے میرے بیٹے! میرا ہاتھ چھوڑ دے، میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں تُو تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوا ہے۔ تو اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

درخت بول اٹھا:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے یہ عہد کیا کہ میں حلال کے سوا کچھ نہ کھاؤں گا۔ ایک دن میں جنگل سے گزر رہا تھا کہ مجھے انجیر کا ایک درخت نظر آیا، میں نے کھانے کے لئے جوں ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو درخت بول اٹھا اور کہنے لگا: اپنا وعدہ پورا کرو اور مجھ سے نہ کھاؤ کیونکہ میرا مالک یہودی ہے۔

صبر کرتے تو قدموں سے چشمہ جاری ہو جاتا:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن حنیف علیہ رحمۃ اللہ اللطیف فرماتے ہیں کہ میں حج کے ارادے سے جب بغداد پہنچا تو میری حالت یہ تھی کہ لگا تار چالیس دن تک کچھ نہ کھایا اور نہ ہی وہاں حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ پھر میں ایک کنوئیں پر پانی پینے کی غرض سے گیا تو وہاں ایک ہرن کو کنوئیں کے اوپر دیکھا جو کہ پانی پی رہا تھا، میں بھی بہت پیاسا تھا۔ جب میں ہرن کی جگہ کنوئیں کے قریب ہوا تو وہ مجھے دیکھ کر بھاگ گیا۔ جب میں نے کنوئیں میں دیکھا تو پانی کنوئیں میں نیچے تک تھا کہ نکالا نہیں جا سکتا تھا تو میں یہ کہتے ہوئے چل دیا کہ اے میرے مالک و مولیٰ عَزَّ وَجَلَّ! میرا مرتبہ اس ہرن کے برابر بھی نہیں۔ تو مجھے پیچھے سے ندا دی گئی: ہم نے تجھے آزمایا تھا لیکن تو نے صبر نہ کیا، اب واپس جا اور پانی پی لے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولایت کی انتہا ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہے۔تمام انبیاء لازماً اولیا ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب میں واپس گیا تو کنواں واقعی پانی سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا اور شہر جاتے ہوئے اسی سے پانی بھی پیتا رہا اور وضو بھی کرتا رہا لیکن وہ ختم نہ ہوا۔ جب میں خوب سیراب ہو گیا تو غیب سے ایک آواز سنی: ہرن تو بغیر مشکیزے اور رسی کے ساتھ آیا تھا لیکن تم مشکیزے کے ساتھ آئے ہو۔ جب میں حج سے لوٹ کر آیا اور جامع مسجد میں داخل ہوا تو جوں ہی حضرت سیِّدُ نا جنید بغدادی کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے ارشاد فرمایا: اگر تم لحہ بھر بھی صبر کرتے تو تمہارے قدموں سے چشمہ جاری ہو جاتا۔

اونٹ زندہ ہو گیا:

حضرت سیِّدُ نا محمد بن سعید بصری علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے راستے میں پیدل چل رہا تھا کہ میں نے ایک اعرابی کو اپنے اونٹ کو ہانکتے ہوئے دیکھا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک اونٹ گر کر مر گیا اور وہ شخص اور کجاوہ گر گیا تو وہ اعرابی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگا: اے تمام اسباب کو پیدا کرنے والے! اور ہر طلبگار کی طلب کو پورا کرنے والے! مجھے اسی حالت پر لوٹا دے۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اونٹ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا اور وہ شخص اور کجاوہ بھی اس کے اوپر ہو گیا۔

حضرت سیِّدُ نا خضر علیہ السلام کا کھانا کھِلانا:

حضرت سیِّدُ نا ابو بکر ہمدانی قُدِّسَ سِرُّہ، النُّورَانِی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کچھ کھائے پیے بغیر حجاز کے جنگل میں چالیس دن رہا۔ پھر ایک دن مجھے گرم ساگ اور روٹی کھانے کی خواہش ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا: میں جنگل میں ہوں، میرے اور عراق کے درمیان طویل مسافت ہے۔ ابھی میری بات بھی پوری نہ ہوئی تھی کہ میں نے ایک اعرابی کو دور سے یہ ندا دیتے ہوئے سنا: اے گرم ساگ اور روٹی کے خواہش مند! میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا: کیا آپ کے پاس گرم ساگ اور روٹی ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ پھر اس نے چادر بچھا کر روٹی اور ساگ نکالا اور مجھے کھانے کو کہا، میں نے کھا لیا۔ اس نے پھر کہا: مزید کھائیں۔ میں نے پھر کھا لیا۔ اس نے تیسری بار کھانے کو کہا تو میں نے کھا لیا لیکن جب چوتھی مرتبہ اس نے کہا تو میں نے اس سے پوچھا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو میرے پاس بھیجا! آپ کون ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ پھر وہ غائب ہو گئے اس کے بعد میں ان کی زیارت نہ کر سکا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور انبیاء علیہم السلام صفاتِ بشریت کی نفی میں متمکن و برقرار ہیں۔ اور اولیاء اس میں عارضی ہیں اس لئے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **ولی کی حفاظت کا خدائی انتظام:**

حضرت سیّدُنا ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سفرِ مکہ کے دوران رات کے وقت میرا گزر ایک ویران کھنڈر سے ہوا، اس میں ایک بہت بڑا درندہ دیکھ کر میں ڈر گیا۔ اچانک غیب سے ایک آواز آئی: ثابت قدم رہو، کیونکہ تمہارے اردگرد حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتے موجود ہیں۔

فرمانبردار گدھا:

حضرت سیّدُنا ایوب حمال علیہ رحمۃ اللہ الرزاق فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدُنا ابو عبداللہ دیلمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی جب سفر میں کسی جگہ ٹھہرتے تو اپنے گدھے کے کان میں فرمایا کرتے: میں تجھے باندھنا چاہتا تھا لیکن اب نہیں باندھوں گا بلکہ تجھے اس صحرا میں بھیج رہا ہوں تاکہ تو گھاس کھالے۔ لہٰذا جب ہم یہاں سے کوچ کا ارادہ کریں تو واپس آجانا۔ جب روانگی کا وقت ہوتا تو وہ گدھا حقیقتاً آپ کے پاس واپس آجاتا۔

ریت ستّو بن گئی:

حضرت سیّدُنا آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں عسقلان میں تھا اور ہمارے پاس ایک نوجوان شخص آتا، ہمارے پاس بیٹھتا، گفتگو کرتا رہتا اور جب ہم فارغ ہوتے تو نماز پڑھنے لگ جاتا۔ اس نے ایک دن ہمیں الوداع کہتے ہوئے کہا: میں اسکندریہ جارہا ہوں۔ میں بھی اس کے ساتھ نکل پڑا اور اس کو کچھ درہم دیئے لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ جب میں نے اس کو مجبور کیا تو اس نے اپنے مشکیزے میں مٹھی بھر ریت ڈال کر اوپر سے سمندر کا پانی ڈال دیا پھر مجھے کہا: کھاؤ۔ میں نے دیکھا تو یہ انتہائی لذیذ اور میٹھے ستو تھے۔ اس نے کہا: جس کی حالت ایسی ہو اسے درہموں کی کیا ضرورت ہے؟ پھر اس نے چند اشعار کہے، جن کا مفہوم یہ ہے:

دل میں کوئی جگہ ایسی نہیں جو محبوب کے علاوہ کسی کی محبت کے لئے خالی ہو۔ میرا سوال اور اُمید و مراد سب وہی میرا حبیب ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں میری زندگی اسی کے لئے ہے۔ جب کبھی کوئی بیماری میرے دل پر اُتری تو اس کے علاوہ اس بیماری کا علاج کسی نے نہ کیا۔

پیارے بھائیو! جب ایک قوم پر عنایتِ باری تعالیٰ کی ہوا چلی تو اس نے ان کے جہالت و غفلت سے مرے ہوئے دلوں کو زندہ کر دیا۔ ان کو توفیق کے پیالے میں پاکیزہ شراب سے سیراب کیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اولیاء پر جو خاص کیفیت طاری ہوتی ہے وہ انبیاء کا دائمی مقام ہے اور اولیاء کا جو مقام ہوتا ہے وہ انبیاء کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو ان کی ارواح میں خوشی و مسرت کے آثار نمودار ہو گئے اور وجد و راحت کا اثر چمک اٹھا۔ انہوں نے دنیا کو نگاہِ عبرت سے دیکھا تو اس حقیقت کو پالیا کہ یہاں کوئی حقیقی گھر نہیں اور انہوں نے دولت و اقتدار کی بجائے آخرت کی تیاری میں جلدی کرنے کو غنیمت جانا۔ ان کے دن روزے میں اور راتیں ذکر و اذکار میں گزریں۔ جب غافل نیند سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے تو وہ مولیٰ کریم عَزَّ وَجَلَّ سے مناجات میں مشغول رہتے۔ محبوبِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ نے ان کو اپنی رضا عطا کی تو انہوں نے اس کی محبت کو ہر شئے پر ترجیح دی۔ اس نے ان کو محبت کے پیالے سے سیراب کر کے رات کی تنہائی میں ان پر تجلّی فرمائی تو وہ اس کے مشاہدہ اور دیدار سے لطف اندوز ہوئے۔ پھر محبوب نے ان کو ندا دی: اے میرے محبوب بندو! میرے دروازے پر آجاؤ، میں نے تمہارے لئے حجاب اٹھا کر جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو اس کی من مانتی مرادیں عطا کر دی ہیں۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق ص ۱۹۹۔۲۰۰)

مزید کرامات بھی پڑھنے کی سعادت حاصل کریں!

اندھی آنکھیں روشن ہو گئیں

حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے کی لونڈی تھیں۔ اسلام کی حقانیت ان کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے جونہی حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے خود بھی ان کو خوب مارا اور ان کے گھر کے افراد بھی برابر مارتے رہے یہاں تک کہ مکہ کے کفار نے سر بازار ان کو اس قدر مارا کہ ضربات کے صدمات سے ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی اور یہ نابینا ہو گئیں۔

اس کے بعد کفار مکہ نے طعنہ دینا شروع کیا کہ اے زنیرہ! چونکہ تم ہمارے معبودوں یعنی لات و عزیٰ کو برا بھلا کہتی تھیں اس لئے ہمارے ان بتوں نے تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔ یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رگوں میں اسلامی خون جوش مارنے لگا اور انہوں نے کہا: ہرگز ہرگز نہیں! خدا کی قسم! تمہارے لات و عزیٰ میں ہرگز ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ میری آنکھوں کی روشنی چھین سکیں میرا اللہ جو وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے وہ جب چاہے گا میری آنکھوں میں روشنی آجائے گی۔ ان الفاظ کا ان کی زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ بالکل ایک دم ہی اچانک ان کی آنکھوں میں روشنی واپس آ گئی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لئے حجاب ہوتا ہے۔ (220)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء...الخ، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ...الخ، الزنیرۃ رضی اللہ عنہا، ص ۶۲۳) (وشرح الزرقانی علی المواہب، اسلام حمزۃ، ج۱، ص ۵۰۲)

دعا سے مردہ زندہ ہوگیا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیٹا نوعمری میں اچانک انتقال کر گیا۔ ہم لوگوں نے اس لڑکے کی آنکھوں کو بند کر کے اس کو ایک کپڑا اوڑھا دیا اور ہم لوگوں نے اس کی ماں کے پاس پہنچ کر لڑکے کی موت کی خبر سنائی اور تعزیت و تسلی کے کلمات کہنے لگے۔ حضرت ام سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر چونک گئیں اور آبدیدہ ہوگئیں پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اس طرح دعا مانگی:

یا اللہ! میں تجھ پر ایمان لائی اور میں نے اپنا وطن چھوڑ کر تیرے رسول کی طرف ہجرت کی ہے اس لئے اے میرے خدا! عزوجل میں تجھ سے دعا کرتی ہوں کہ تو میرے لڑکے کی مصیبت مجھ پر مت ڈال۔

یہ دعا ختم ہوتے ہی حضرت ام سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مردہ لڑکا اپنے چہرہ سے کپڑا اٹھا کر اٹھ بیٹھا اور زندہ ہوگیا۔

(البدایۃ والنہایۃ، کتاب الشمائل، باب ما یتعلق بالحیوانات......الخ، قصۃ اخری مع قصۃ العلاء بن الحضرمی، ج۴، ص ۵۵۰)

کبھی پیاس نہیں لگی

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے روانہ ہوئی تو میرا کھانا پانی راستہ میں سب ختم ہوگیا اور میں جب مقام روحاء میں پہنچی تو پیاس کی شدت سے بے قرار ہو کر زمین پر لیٹ گئی۔ اتنے میں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے سر کے اوپر کچھ آہٹ ہو رہی ہے جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ ایک پانی سے بھرا ہوا چمکدار رسی میں بندھا ہوا آسمان سے زمین پر ایک ڈول اتر رہا ہے میں نے لپک کر اس ڈول کو پکڑ لیا اور خوب جی بھر کر پانی پی لیا۔ اس کے بعد میرا یہ حال ہے کہ مجھے کبھی پیاس نہیں لگی۔ میں سخت گرمیوں میں روزہ رکھتی ہوں اور روزہ کی حالت میں شدید چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کعبہ معظمہ کا طواف کرتی ہوں تاکہ مجھے پیاس لگ جائے لیکن اس کے باوجود مجھے کبھی پیاس نہیں لگتی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما جاء فی ماظہر علی ام ایمن...الخ، ج۶، ص ۱۲۵)

شرح (220): امام شعرانی فرماتے ہیں ولایت کی انتہا کبھی نبوّت کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علمائے اہل سنت اور محققین اہل طریقت کا اس معنی میں کوئی اختلاف نہیں البتہ خراسان کے فرقہ حشویہ نے اختلاف کیا ہے جو سراپا عیب مجسم ہیں انہوں نے اصل توحید میں متناقض اور متخالف باتیں کہی ہیں حالانکہ انہیں طریقت کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ بایں جہالت وہ ولایت کا دعوٰی کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے وہ ولی ضرور ہیں لیکن وہ شیطان کے ولی ہیں رحمن کے نہیں۔

حشوی ٹولہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں (معاذ اللہ) ان کی گمراہی کے لئے یہی قول کافی ہے کہ وہ ایک جاہل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل کہتے ہیں۔ ایک گروہ اور ہے جن کو مشبہ کہتے ہیں وہ بھی طریقت کا دعوٰی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے نزول وحلول بمعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو جائز جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے تجزی یعنی اعضاء وجوارح کو جائز جانتے ہیں۔ طریقت میں یہی دو مذہب مذموم ومردود ہیں۔ میں حسب وعدہ آخر کتاب میں ان دونوں فرقوں کا مکمل تذکرہ انشاء اللہ ضرور کروں گا خلاصہ یہ کہ یہی دو گروہ مدعی اسلام ایسے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی تخصیص کی نفی میں برہمنوں کے ہم نوا ہیں اور جو بھی انبیاء کی تخصیص کے انکار پر اعتقاد رکھے گا وہ کافر ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی طرف بلانے والے اور امام مطلق ہیں اور اولیاء کرام حسن اعتقاد کے ساتھ انبیاء کے متبع اور پیروکار ہیں۔ یہ محال ہے کہ مقتدی وماموم اپنے امام ورہنما سے افضل ہو۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہئے کہ تمام اولیاء کے اقوال وانفاس اور ان کے معاملات کو صدق نبی کے پہلو میں رکھا جائے تو وہ تمام احوال وانفاس پریشان اور معدوم نظر آئیں گے اس لئے کہ اولیاء راہ حق کے طالب وسالک ہیں اور انبیاء بارگاہِ الٰہی کے واصل اور مقصود کو حاصل کئے ہوئے ہیں جو حکم دعوت وتبلیغ کے تحت رجوع ہو کر دعوت وتبلیغ فرماتے ہیں۔

ملحدوں کے اعتراضوں کے جوابات:

اگر کوئی مذکورہ ملحدوں میں سے (اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے) یہ کہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ابتداء تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر کوئی ولی اس چشمہ تک بڑھے جس سے انبیاء کرام علیہم السلام فیض لیتے ہیں۔ تو ولی جل جائے اولیاء کرام کی انتہا یہی ہے کہ شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق عبادات بجالاتے رہیں خواہ کشف حاصل ہو یا نہیں اور جب کبھی کوئی شریعت سے نکلے گا ہلاک ہو جائے گا اور ان کی مدد کٹ جائے گی۔ اور انہیں کبھی ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل سے بذات خود بغیر شریعت کے واسطے کے لیں۔
(الیواقیت والجواہر ص ۲۲۰ مطبوعہ مصر)

کا قاصد دوسرے ملک میں آتا ہے تو وہ مبعوث الیہ یعنی جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہو وہ ملک اس قاصد سے افضل ہوتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل سے افضل ہیں۔ (حالانکہ ان کی پیدا کردہ یہ صورت غلط ہے)

میں جواب میں کہتا ہوں اگر کسی ملک سے ایک شخص کی طرف قاصد آئے تو جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہے قاصد سے افضل ہوگا جیسے جبریل علیہ السلام ایک ایک رسول و نبی کے پاس آتے رہے تو وہ سب نبی و رسول جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن جب قاصد و رسول کی ایک جماعت کو اور کسی قوم کی طرف بھیجا جائے تو وہ قاصد و رسول یقیناً اس قوم و جماعت سے افضل ہوگا جس طرح ہر نبی اپنی اپنی امت کی طرف مبعوث ہوا اور اس میں کسی ذی فہم کو حکم احادیث کے تحت اشتباہ نہیں ہوسکتا لہٰذا انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک سانس، اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے اس لئے کہ اولیاء جب اپنی عادت وعرف کے مطابق انتہا کو پہنچتے ہیں تب وہ مشاہدے کی خبر دیتے ہیں اور حجابِ بشریت سے خلاصی پاتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی عین بشر کیوں نہ ہوں؟ لیکن نبی و رسول کا پہلا قدم ہی مشاہدے میں ہوتا ہے جب نبی و رسول کی ابتداء ولی کی انتہا ہوتی ہے تو ان کے ساتھ انہیں قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمام طالبانِ حق، اولیاء کا اتفاق ہے کہ تفرقہ سے نکل کر مقام جمع میں ہونا کمالِ ولایت کی معراج ہے۔

تفرقہ و جمع کی صورت:

اس کی صورت یہ ہے کہ جب بندہ غلبہ محبت میں کسی منزل پر فائز ہوتا ہے تو اس کی عقل فعل پر نظر کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے اور شوقِ محبت میں فاعل حقیقی کا فعل ہی سارے جہان میں نظر آتا ہے اس سلسلہ میں حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

لو زالت عنا رویته ما عبدناه اگر اس کا دیدار ہم سے جدا ہو جائے تو ہم سے بندگی کا نام جاتا رہے۔

اس لئے کہ عبادت کا شرف اس کے دیدار کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ (221) انبیاء کے لئے یہ معنی

شرح (221): یاد رہے دنیا میں جاگتی آنکھوں سے پروردگار عَزَّ وَجَلَّ کا دیدار صرف سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دنیا میں جاگتی حالت میں دیدارِ الٰہی کا دعویٰ کرے اُس پر حکمِ کفر ہے جبکہ ایک قول اس بارے میں گمراہی کا بھی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے حال کی ابتداء ہے کیونکہ انبیاء کی تمام زندگی میں تفرقہ کی صورت پیدا ہی نہیں ہوتی اور ان کی نفی و اثبات، مسلک و مقطع، اقبال و اعراض اور ہدایۃ و نہایۃ سب کے سب عین ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ابتدائی حال یہ ہے کہ جب آفتاب کو دیکھا تو فرمایا: ''ھٰذَا رَبِّیْ''(222) اور چاند ستاروں کو دیکھا تو فرمایا: ''ھٰذا ربی''(223) اس کی وجہ یہ کہ آپ کے دل پر حق کا غلبہ تھا اور عین جمع میں اپنے اجتماع

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چنانچہ سیّدُنا مُلا علی قاری علیہ رحمۃُ اللہ الباری مِنَحُ الرَّوض میں لکھتے ہیں: اگر کسی نے کہا میں اللہ تعالیٰ کو دنیا میں آنکھ سے دیکھتا ہوں یہ کہنا کفر ہے۔ مزید لکھتے ہیں: جس نے اپنے لیے دیدارِ خداوندی کا دعویٰ کیا اور یہ بات صَراحت کے ساتھ (یعنی بالکل واضح طور پر) کی اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑی تو اس کا یہ اِعتِقاد فاسد اور دعوٰی غَلَط ہے وہ گمراہی کے گڑھے میں ہے اور دوسرے کو گمراہ کرتا ہے۔ (مِنَحُ الرَّوض ص 356-354)

ہاں! خواب میں دیدارِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ ہوسکتا ہے۔ امامِ اعظم، فَقیہِ اَفْخَم، شمسُ الاَئمّہ، سراجُ الاُمّہ حضرتِ سیّدُنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں سو بار پروردگار عَزَّ وَجَلَّ کا دیدار کیا۔ چُنانچِہ منقول ہے: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی 99 مرتبہ خواب میں زیارت کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں اللہ غفار عَزَّ وَجَلَّ کا پورے سو بار دیدار کروں گا تو اُس سے عرض کروں گا کہ یااللہ! تُو مخلوق کو اپنے عذاب سے کس طرح نَجات دے گا؟ چُنانچِہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہُ رَبُّ الْعِزَّت کی جب 100 ویں بار زیارت کی تو اس سے سُوال عرض کیا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے جواب ارشاد فرمایا۔ (الخیرات الحسان ص 234) اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے کیا جواب ارشاد فرمایا یہ محولہ کتاب میں منقول نہیں)

شرح (222): فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ (پ ۷، الانعام: ۷۸)

شرح (223): فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ○

پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے (پ ۷، الانعام: ۷۶)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے اندر غیر نظر آیا ہی نہیں اگر نظر ڈالی بھی تو دیدۂ جمع کی نظر ڈالی اور اپنی رویت سے بیزاری کے اظہار میں فرمایا:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنی میں روپوش ہونے والے کو پسند نہیں کرتا (224) ۔(الانعام:۷۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ O

ترجمہ کنزالایمان: پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا۔(پ ۷،الانعام:۷۷)

شرح (224): حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ توحید

مفسرین کا بیان ہے کہ نمرود بن کنعان بڑا جابر بادشاہ تھا۔ سب سے پہلے اسی نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ اس سے پہلے کسی بادشاہ نے تاج نہیں پہنا تھا یہ لوگوں سے زبردستی اپنی پرستش کراتا تھا کاہن اور نجومی اس کے دربار میں بکثرت اس کے مقرب تھے۔ نمرود نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ایک ستارہ نکلا اور اس کی روشنی میں چاند، سورج وغیرہ سارے ستارے بے نور ہو کر رہ گئے۔ کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ ایک فرزند ایسا ہوگا جو تیری بادشاہی کے زوال کا باعث ہوگا۔ یہ سن کر نمرود بے حد پریشان ہو گیا اور اس نے یہ حکم دے دیا کہ میرے شہر میں جو بچہ پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے۔ اور مرد عورتوں سے جدا رہیں۔ چنانچہ ہزاروں بچے قتل کر دیئے گئے۔ مگر تقدیراتِ الٰہیہ کو کون ٹال سکتا ہے؟ اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہو گئے اور بادشاہ کے خوف سے ان کی والدہ نے شہر سے دور پہاڑ کے ایک غار میں ان کو چھپا دیا اسی غار میں چھپ کر ان کی والدہ روزانہ دودھ پلا دیا کرتی تھیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات برس کی عمر تک اور بعضوں نے تحریر فرمایا کہ سترہ برس تک آپ اسی غار میں پرورش پاتے رہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (روح البیان، ج ۳،ص ۵۹،پ ۷،الانعام:۷۵)

اس زمانے میں عام طور پر لوگ ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ علیہ السلام نے زہرہ یا مشتری ستارہ کو دیکھا تو قوم کو توحید کی دعوت دینے کے لئے آپ نے نہایت ہی نفیس اور دل نشین انداز میں لوگوں کے سامنے اس طرح تقریر فرمائی کہ اے لوگو! کیا ستارہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ ڈوب جانے والوں سے میں محبت نہیں رکھتا۔ پھر اس کے بعد جب چمکتا چاند نکلا تو آپ نے فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گویا آپ کی ابتداء میں بھی جمع ہے اور انتہا میں بھی جمع۔ بلاشک وشبہ یہی ولایت کی ابتداء وانتہا ہے اور نبوت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے یہاں تک کہ ان کی ابتداء بھی نبوت سے ہے اور انتہا بھی نبوت پر اور اس سے قبل جبکہ مخلوق موجود نہ تھی اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مراد وہی تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا انبیاء علیہم السلام کے احوال کی بابت کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو میں بھی انہیں گمراہوں میں سے ہوتا۔ پھر جب چمکتے دمکتے سورج کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان سب سے بڑا ہے، کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب یہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم لوگ خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ اور میں نے اپنی ہستی کو اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے۔

بس میں صرف اسی ایک ذات کا عابد اور پجاری بن گیا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ پھر ان کی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ اس خدا نے تو مجھے ہدایت دی ہے اور میں تمہارے جھوٹے معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ سن لو! بغیر میرے رب کے حکم کے تم لوگ اور تمہارے دیوتا میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا رب ہر چیز کو جانتا ہے۔ کیا تم لوگ میری نصیحت کو نہیں مانو گے؟ اس واقعہ کو مختصر مگر بہت جامع الفاظ میں قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ:۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو۔ یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔ (پ 7، الانعام: 76 تا 79)

غور کیجئے کہ کتنا دلکش طرزِ بیان اور کس قدر مؤثر طریقہ استدلال ہے کہ نہ کوئی سخت کلامی ہے، نہ کسی کی دل آزاری، نہ کسی کے جذبات کو ٹھیس لگا کر اس کو غصہ دلانا ہے، بس اپنے مقصد کو نہایت ہی حسین پیرایہ اور خوبصورت انداز میں منکرین کے سامنے دلیل کے ساتھ پیش کر دینا ہے۔ ہمارے سخت گو اور تلخ زبان مقررین کے لئے اس میں ہدایت کا بہترین درس ہے۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین۔

فرمایئے؟ انہوں نے فرمایا افسوس کہ ہمیں ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں جو کچھ بھی ان کے بارے میں ہم کہیں گے وہ سب ہم ہی ہم ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے نفی و اثبات کو اس درجہ میں رکھا ہے کہ وہاں تک مخلوق کی نظر نہیں پہنچ سکتی جس طرح اولیاء کے مرتبہ کے ادراک سے عام لوگ عاجز ہیں کیونکہ ان کا ادراک نہاں ہے اسی طرح اولیاء بھی انبیاء کے مرتبہ کے ادراک سے عاجز ہیں کیونکہ ان کا ادراک ان سے پوشیدہ ہے۔ (225)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے مسلمہ صاحب حجت تھے وہ فرماتے ہیں کہ:

اول ماسرت الی الوحدانیته فصرت طیرًا جسمهٗ من الاحدیته وجناحه من الدیمومیته فلم ازل اطیر فی هواء الهویته حتی الی هواء التنزیهه ثم اشرفت علی میدان الازلیته ورأیته شجر الاحدیته فنظرت فعلمته ان هٰذا کله غیره یعنی میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے میرا باطن آسمانوں پر لے جایا گیا (میں نے کسی چیز کی طرف نگاہ نہ ڈالی جنت و دوزخ دکھائے گئے اس کی طرف بھی نگاہ نہ کی موجودات اور حجابات سے گزارا گیا ان کی طرف بھی التفات نہ کیا) ''فصرت طیراً'' اس وقت میں ایک پرندہ بن گیا جس کا جسم، احدیت کا، اور اس کے بال و پر دیمومیت کے تھے میں ذاتِ حق کی محبت میں مسلسل پرواز کرتا رہا یہاں تک کہ میں مقام تنزیہہ سے گزرا اور ازلیت کے میدان سے مشرف ہوا وہاں میں نے احدیت کے درخت دیکھے پھر جب میں نے نگاہ ڈالی تو وہ سب کچھ میں ہی میں تھا۔

اس وقت میں نے مناجات کی کہ اے خدا، میری خودی کو تیرا راستہ ہی نہیں ملتا اور مجھے اپنی خودی سے نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی میری رہنمائی فرما اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ فرمانِ حق آیا کہ اے بایزید! تمہاری اپنی خودی سے نجات، ہمارے دوست (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت سے وابستہ ہے ان کے قدم مبارک کے نیچے کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤ اور ان کی پیروی میں ہمیشہ مصروف رہو۔ یہ حکایت

شرح (225): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا تھا:

یا أبابکر! والذی بعثنی بالحق! لم یعلمنی حقیقة غیر ربی

''اے ابوبکر! قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میری حقیقت میرے پروردگار کے سوا کوئی دُوسرا نہیں جانتا۔'' (محمد فاسی، مطالع المسرات: 129)

بہت طویل ہے اہل طریقت اس کو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی معراج کہتے ہیں معراج سے ان کی مراد قرب حق ہے۔

انبیاء کی معراج از روائے اظہار، ان کی ذات و جسم کے ساتھ ہے اور اولیاء کی معراج از روئے ہمت و اَسرار ہے۔ انبیاء کے اجسام صفاء و پاکیزگی اور قرب سے متصف ہیں۔ جس طرح اولیاء کے دل ان کے اَسرار کا مسکن، اور یہ فضیلت ظاہر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ولی کو اپنے حال میں مغلوب کر کے مدہوش کر دیا جاتا ہے پھر اس کے باطنی درجات کو اس سے غائب کر کے قربِ حق سے سرفراز کر دیا جاتا ہے جب ان کی واپسی حالت صحو کی طرف ہوتی ہے تو وہ تمام دلائل ان کے دل میں نقش زن ہوتے ہیں اور ان کا علم اسے حاصل کرتا ہے لہٰذا وہ ہستی جس کے جسم کو قربِ حق میں لے جایا جائے یعنی نبی کو، اور وہ شخص جس کے فکر و باطن کو قرب میں لے جایا جائے یعنی ولی کو۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

فرشتوں پر انبیاء و اولیاء کی فضیلت

واضح رہنا چاہئے کہ اہل سنت اور جمہور مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور وہ اولیاء جو محفوظ ہیں فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرشتوں کو انبیاء سے افضل کہتے ہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ فرشتوں کا مرتبہ بلند، ان کی خِلقت لطیف تر اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے فرمانبردار ہیں اسی لیے بہتر ہے کہ انہیں افضل کہا جائے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حقیقت تمہارے اس گمان کے خلاف ہے اس لیے کہ بدنی اطاعت بلند مرتبت اور لطیف خِلقت فضل الٰہی کے لیے علت نہیں ہے فضیلت وہاں ہوتی ہے جہاں حق تعالیٰ رکھے جو کچھ تم فرشتوں کے لیے کہتے ہو وہ سب ابلیس کو بھی حاصل تھا لیکن باتفاق وہ ملعون و رسوا ہوا لہٰذا فضیلت اسی کو ہے جسے حق تعالیٰ دے کر خلق پر برتری عطا فرمائے۔

انبیاء علیہم السلام کی افضلیت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ (226) یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جسے سجدہ کیا جائے اس کا حال سجدہ کرنے والے کے حال سے

شرح (226): انبیاء حسب و نسب میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں، عقل و فراست و دانائی اور بردباری میں فزوں تر، علم و بصیرت میں سب سے برتر، یقینِ محکم اور عزمِ راسخ میں سب سے قوی تر، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بلند ہوتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ خانہ کعبہ جو پتھر اور بے حس وحرکت جماد ہے مسلمان اس سے افضل ہو کر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رحم وکرم میں سب سے زیادہ رحیم وشفیق ہیں۔ اللہ عزوجل نے ان کے روح وجسم کو مصفّٰی اور عیب ونقص سے ان کو منزہ رکھا، ایسی حکمت ودانائی سے ان کو نوازا کہ جس نے اندھی آنکھوں، غافل دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا الغرض انبیاء کو ایسے فضائل کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں۔

خلافتِ آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کا لقب خلیفۃ اللہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں میں جو مکالمہ ہوا وہ بہت ہی تعجب خیز ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی فکر انگیز وعبرت آموز بھی ہے، جو حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں جو میرا نائب بن کر زمین میں میرے احکام کو نافذ کریگا۔

ملائکہ: اے باری تعالیٰ کیا تو زمین میں ایسے شخص کو اپنی خلافت ونیابت کے شرف سے سرفراز فرمائے گا جو زمین میں فساد برپا کریگا اور قتل وغارت گری سے خوں ریزی کا بازار گرم کریگا؟ اے خداوند تعالیٰ! اس شخص سے زیادہ تیری خلافت کے حق دار تو ہم ملائکہ کی جماعت ہے، کیونکہ ہم ملائکہ نہ زمین میں فساد پھیلائیں گے، نہ خوں ریزی کریں گے بلکہ ہم تیری حمد وثناء کے ساتھ تیری سبوحیت کا اعلان اور تیری قدوسیت اور پاکی کا بیان کرتے رہتے ہیں اور تیری تسبیح وتقدیس سے ہر لحظہ وہر آن رطب اللسان رہتے ہیں اس لئے ہم فرشتوں کی جماعت ہی میں سے کسی کے سر پر اپنی خلافت ونیابت کا تاج رکھ کر اس کو خلیفۃ اللہ کے معزز لقب سے سربلند فرما۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! آدم (علیہ السلام) کے خلیفہ بنانے میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کو میں ہی جانتا ہوں، تم گروہِ ملائکہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو نہیں جانتے۔

فرشتے باری تعالیٰ کے اس ارشاد کو سن کر اگرچہ خاموش ہو گئے مگر انہوں نے اپنے دل میں یہ خیال چھپائے رکھا کہ اللہ تعالیٰ خواہ کسی کو بھی اپنا خلیفہ بنا دے مگر وہ فضل وکمال میں ہم فرشتوں سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم ملائکہ فضیلت کی جس منزل پر ہیں وہاں تک کسی مخلوق کی بھی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے فضیلت کے تاجدار بہر حال ہم فرشتوں کی جماعت ہی رہے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا علم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف سجدہ کرتے ہیں لہٰذا جائز ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں اگر وہ انہیں سجدہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کو عطا فرمادیا اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تم سے افضل کوئی دوسری مخلوق نہیں ہو سکتی تو تم تمام ان چیزوں کے نام بتاؤ جن کو میں نے تمہارے پیش نظر کر دیا ہے۔

ملائکہ: اے اللہ تعالیٰ! تو ہر نقص وعیب سے پاک ہے ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں عطا فرمادیا ہے اس کے سوا ہمیں اور کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے، ہم بالیقین یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ بلاشبہ علم وحکمت کا خالق و مالک تو صرف تو ہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم ان فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے تمام اشیاء کے نام اور ان کی حکمتوں کا علم فرشتوں کو بتادیا جس کو سن کر فرشتے متعجب ومحو حیرت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو! کیا میں نے تم سے یہ نہیں فرمادیا تھا کہ میں آسمان وزمین کی چھپی ہوئی تمام چیزوں کو جانتا ہوں اور تم جو علانیہ یہ کہتے تھے کہ آدم فساد برپا کریں گے اس کو بھی میں جانتا ہوں اور تم جو خیالات اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے کہ کوئی مخلوق تم سے بڑھ کر افضل نہیں پیدا ہوگی، میں تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے ان خیالات کو بھی جانتا ہوں۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے فضل وکمال کے اظہار واعلان کے لئے اور فرشتوں سے ان کی عظمت وفضیلت کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو چنانچہ سب فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو کافر ہو کر مردودِ بارگاہ ہو گیا۔

اس پورے مضمون کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ طرزِ بیان میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ۙ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کریں اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ مسلمان خانۂ کعبہ یا مسجد کے محراب و دیوار کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ O وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ O

(پ1، البقرۃ:34-30)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ بولے کیا ایسے کو نائب کریگا جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کرے اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم بتا دے انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم نے انہیں سب کے نام بتا دیئے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

ان آیاتِ کریمہ سے مندرجہ ذیل ہدایت کے اسباق ملتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی شان فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس کے ارادہ میں دخل انداز ہو سکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے کہ اس کے کسی کام میں چون و چرا کر سکے۔ مگر اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و خلافت کے بارے میں خداوند قدوس نے ملائکہ کی جماعت سے مشورہ فرمایا۔ اس میں یہ ہدایت کا سبق ہے کہ باری تعالیٰ جو سب سے زیادہ علم و قدرت والا ہے اور فاعل مختار ہے جب وہ اپنے ملائکہ سے مشورہ فرماتا ہے تو بندے جن کا علم اور اقتدار و اختیار بہت ہی کم ہے تو انہیں بھی چاہے کہ وہ جس کسی کام کا ارادہ کریں تو اپنے مخلص دوستوں، اور صاحبان عقل ہمدردوں سے اپنے کام کے بارے میں مشورہ کر لیا کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا مقدس دستور ہے۔

(۲) فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا کہ وہ فسادی اور خوں ریز ہیں۔ لہٰذا ان کو خلافتِ الٰہیہ سے سرفراز کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم فرشتوں کو خلافت کا شرف بخشا جائے۔ کیونکہ ہم ملائکہ خدا کی تسبیح و تقدیس اور اس کی حمد و ثناء کو اپنا شعار زندگی بنائے ہوئے ہیں لہٰذا ہم ملائکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سجدہ کرتا ہے سب یہی کہتے ہیں کہ خدا کا سجدہ کرتے ہیں (227) اور ہمارا یہ کہنا ہے کہ فرشتوں نے آدم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔

فرشتوں نے اپنی یہ رائے اس بناء پر دی تھی کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ پیدا ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں باری تعالیٰ ودیعت فرمائے گا، ایک قوت شہویہ، دوسری قوت غضبیہ، تیسری قوت عقلیہ اور چونکہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ ان دونوں سے لوٹ مار اور قتل و غارت وغیرہ قسم قسم کے فسادات رونما ہوں گے، اس لئے فرشتوں نے باری تعالیٰ کے جواب میں یہ عرض کیا کہ اے خداوند تعالیٰ! کیا تو ایسی مخلوق کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمائے گا جو زمین میں قسم قسم کے فساد برپا کریگا اور قتل و غارت گری سے زمین میں خوں ریزی کا طوفان لائے گا۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تو ہم فرشتوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے۔ کیونکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری تقدیس اور پاکی کا چرچا کرتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر فرشتوں کو خاموش کر دیا کہ میں جس مخلوق کو خلیفہ بنا رہا ہوں اس میں جو جو مصلحتیں اور جیسی جیسی حکمتیں ہیں ان کو بس میں ہی جانتا ہوں تم فرشتوں کو ان حکمتوں اور مصلحتوں کا علم نہیں ہے۔

وہ مصلحتیں اور حکمتیں کیا تھیں؟ اس کا پورا پورا علم تو صرف عالم الغیوب ہی کو ہے۔ مگر ظاہری طور پر ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں قوت شہویہ و قوت غضبیہ کو فساد و خوں ریزی کا منبع اور سرچشمہ سمجھ کر ان کو خلافت کا اہل نہیں سمجھا۔ مگر فرشتوں کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ حضرت آدم علیہ السلام میں قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کے ساتھ ساتھ قوت عقلیہ بھی ہے اور قوت عقلیہ کی یہ شان ہے کہ اگر وہ غالب ہو کر قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لے تو قوت شہویہ و قوت غضبیہ بجائے فساد و خوں ریزی کے ہر خیر و خوبی کا منبع اور ہر قسم کی صلاح و فلاح کا سرچشمہ بن جایا کرتی ہیں، یہ نکتہ فرشتوں کی نگاہ سے اوجھل رہ گیا۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں فرمایا کہ میں جو جانتا ہوں اس کو تم نہیں جانتے اور فرشتے یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ چونکہ بندے خداوند قدوس کے افعال اور اس کے کاموں کی مصلحتیں اور حکمتوں سے کماحقہ واقف نہیں ہیں اس لئے بندوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر تنقید و تبصرہ سے اپنی زبان کو روکے رہیں۔ اور اپنی کم عقلی و کوتاہ فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ ایمان رکھیں اور زبان سے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اور جیسا بھی کیا بہر حال وہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے حکم کی تعمیل میں سجدہ کیا تھا چانچہ حق تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنے کاموں کی حکمتوں اور مصلحتوں کو خوب جانتا ہے جن کا ہم بندوں کو علم نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے ناموں، اوران کی حکمتوں کا علم بذریعہ الہام ایک لمحہ میں عطا فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حصول کتابوں کے سبقاً سبقاً پڑھنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر اپنا فضل فرما دے اس کو بغیر سبق پڑھنے اور بغیر کسی کتاب کے بذریعہ الہام چند لمحوں میں علم حاصل کرا دیتا ہے اور بغیر تحصیل علم کے اس کا سینہ علم وعرفان کا خزینہ بن جایا کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء کرام کے بارے میں معتبر روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی کسی مدرسہ میں قدم نہیں رکھا۔ نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا نہ کبھی کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، مگر شیخ کامل کی باطنی توجہ اور فضل ربی کی بدولت چند منٹوں بلکہ چند سیکنڈوں میں الہام کے ذریعے وہ تمام علوم ومعارف کے جامع کمالات بن گئے اوران بزرگوں کے علمی تبحر اور عالمانہ مہارت کا یہ عالم ہو گیا کہ بڑے بڑے درسگاہی مولوی جو علوم و معارف کے پہاڑ شمار کئے جاتے تھے ان بزرگوں کے سامنے طفل مکتب نظر آنے لگے۔

(۴) ان واقعات سے معلوم ہوا کہ خدا کی نیابت اور خلافت کا دارومدار کثرتِ عبادت اور تسبیح وتقدیس نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار علوم ومعارف کی کثرت پر ہے۔ چنانچہ حضرات ملائکہ علیہم السلام باوجود کثرت عبادت اور تسبیح وتقدیس خلیفۃ اللہ کے لقب سے سرفراز نہیں کئے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام علوم ومعارف کی کثرت کی بناء پر خلافت کے شرف سے ممتاز بنا دیئے گئے جس پر قرآن مجید کی آیات کریمہ شاہد عدل ہیں۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علوم کی کثرت کو عبادت کی کثرت پر فضیلت حاصل ہے اور ایک عالم کا درجہ ایک عابد سے بہت زیادہ بلند تر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے علمی فضل وکمال اور بلند درجات کے اظہار واعلان کے لئے اور ملائکہ سے اس کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے روبرو سجدہ کریں۔ چنانچہ تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت آدم کو سجدہ کرلیا اور وہ اس کی بدولت تقرب الی اللہ اور محبوبیت خداوندی کی منزل بلند پر فائز ہو گئے اور ابلیس چونکہ اپنے تکبر کی منحوسیت میں گرفتار ہو کر اس سجدہ سے انکار کر بیٹھا تو وہ مردودِ بارگاہ الٰہی ہو کر ذلت وگمراہی کے ایسے عمیق غار میں گر پڑا کہ قیامت تک وہ اس غار سے نہیں نکل سکتا اور ہمیشہ ہمیشہ وہ دونوں جہان کی لعنتوں کا حق دار بن گیا اور قہر قہار وغضب جبار میں گرفتار ہو کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے حکم دیا کہ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ [228] (طٰہٰ:۱۱۶) یعنی ہم فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور جب مسلمانوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس طرح فرمایا کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دائمی عذاب نار کا سزاوار بن گیا۔

(۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے علم کو جانچنے اور علم کی قلت و کثرت کا اندازہ لگانے کے لئے امتحان کا طریقہ جو آج کل رائج ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے کہ خداوندِ عالم نے فرشتوں کے علم کو کم اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو زائد ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان لیا۔ تو فرشتے اس امتحان میں ناکام رہ گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کامیاب ہو گئے۔

(۷) ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کا پُتلا کہہ کر ان کی تحقیر کی اور اپنے کو آتشی مخلوق کہہ کر اپنی بڑائی اور تکبر کا اظہار کیا اور سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کیا، درحقیقت شیطان کے اس انکار کا باعث اس کا تکبر تھا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تکبر وہ بری شے ہے کہ بڑے سے بڑے بلند مراتب و درجات والے کو ذلت کے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے بلکہ بعض اوقات تکبر کفر تک پہنچا دیتا ہے اور تکبر کے ساتھ ساتھ جب محبوبانِ بارگاہ الٰہی کی توہین اور تحقیر کا بھی جذبہ ہو تو پھر تو اس کی شناعت و خباثت اور بے پناہ منحوسیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا اور اس کے ابلیس لعین ہونے میں کوئی شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے ان لوگوں کو عبرت آموز سبق لینا چاہیے جو بزرگان دین کی توہین کر کے اپنی عبادتوں پر اظہار تکبر کرتے رہتے ہیں کہ وہ اس دور میں ابلیس کہلانے کے مستحق نہیں تو پھر کیا ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عجائب القرآن مع غرائب القرآن ص ۲۵۸۔۲۵۹)

شرح (227): مسئلہ: نماز اللہ ہی کے لیے پڑھی جائے گی اور اسی کے لیے سجدہ ہو گا نہ کہ کعبہ کو، اگر کسی نے معاذ اللہ کعبہ کے لیے سجدہ کیا، حرام و گناہ کبیرہ کیا اور اگر عبادت کعبہ کی نیت کی، جب تو کھلا کافر ہے کہ غیر خدا کی عبادت کفر ہے۔ (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، بحث النیۃ، ج ۲، ص ۱۳۴)

شرح (228): وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ○

ترجمہ کنزالایمان: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدہ میں گرے مگر ابلیس اس نے نہ مانا (پ ۱۶ طٰہٰ: ۱۱۶)

وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ (229) اپنے رب کو سجدہ کرو اور اس کی بندگی بجالاؤ اور نیک کام کرو۔ (الحج:۷۷)

لہٰذا خانہ کعبہ آدم علیہ السلام کی مانند نہیں ہے کیونکہ مسافر جب عبادت کرنا چاہتا ہے تو سواری کی پشت پر خدا کی نفلی عبادت کرتا ہے اگر سواری کا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ ہو تو معذور مقصود ہوتا ہے۔ (230) اسی طرح وہ شخص جس پر سمت قبلہ ظاہر نہ ہو اور جنگل میں کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو وہ تحری کر کے جدھر دل متوجہ ہو کر رخ کرلے نماز ادا کر سکتا ہے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں عذر نہ ہوا اور جس نے اپنے لیے خود عذر گھڑا وہ ملعون ورسوا ہوا۔ اہلِ بصیرت کے لیے یہ دلائل واضح کافی ہیں۔

شرح (229): يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو (پ۱۷، الحج:۷۷)

شرح (230): مسئلہ: جو شخص استقبال قبلہ سے عاجز ہو، مثلاً مریض ہے کہ اس میں اتنی قوت نہیں کہ ادھر رُخ بدلے اور وہاں کوئی ایسا نہیں جو متوجہ کردے یا اس کے پاس اپنا یا امانت کا مال ہے جس کے چوری ہوجانے کا صحیح اندیشہ ہو یا کشتی کے تختہ پر بہتا جا رہا ہے اور صحیح اندیشہ ہے کہ استقبال کرے تو ڈوب جائے گا یا شریر جانور پر سوار ہے کہ اترنے نہیں دیتا یا اتر تو جائے گا مگر بے مددگار سوار نہ ہونے دے گا یا یہ بوڑھا ہے کہ پھر خود سوار نہ ہو سکے گا اور ایسا کوئی نہیں جو سوار کرادے، تو ان سب صورتوں میں جس رُخ نماز پڑھ سکے، پڑھ لے اور اعادہ بھی نہیں، ہاں سواری کے روکنے پر قادر ہو تو روک کر پڑھے اور ممکن ہو تو قبلہ کو مونھ کرے، ورنہ جیسے بھی ہو سکے اور اگر روکنے میں قافلہ نگاہ سے مخفی ہو جائے گا تو سواری ٹھہرانا بھی ضروری نہیں، یوہیں روانی میں پڑھے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب: کرامات الأولیاء ثابتۃ، ج۲، ص۱۴۲)

مسئلہ: اگر کسی شخص کو کسی جگہ قبلہ کی شناخت نہ ہو، نہ کوئی ایسا مسلمان ہے جو بتادے، نہ وہاں مسجدیں محرابیں ہیں، نہ چاند، سورج، ستارے نکلے ہوں یا ہوں مگر اس کو اتنا علم نہیں کہ ان سے معلوم کر سکے، تو ایسے کے لیے حکم ہے کہ تحری کرے (سوچے جدھر قبلہ ہونا دل پر جمے ادھر ہی مونھ کرے)، اس کے حق میں وہی قبلہ ہے۔ (الدرالمختار و ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب: مسائل التحری فی القبلۃ، ج۲، ص۱۴۳)

نیز یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ فرشتے اگر چہ معرفتِ الٰہی میں انبیاء کے برابر ہیں لیکن اس سے ان کے درجوں میں برابری کسی طرح ضروری نہیں کیونکہ فرشتوں کی خِلقت میں نہ شہوت ہے نہ دل میں حرص و آز اور نہ طبع میں ذوق وحیلہ ہے۔ ان کی غذا اطاعت، ان کا پینا فرمانِ الٰہی پر اقامت ہے۔ پھر یہ کہ آدمی کی سرشت شہوت سے مرکت ہے اس سے معاصی کا ارتکاب ممکن ہے اور دنیا کی زیب وزینت اس کے دل پر اثر انداز ہوسکتی ہے اس کی طبیعت میں حرص وحیلہ موجیں مار سکتا ہے اور شیطان کو اس کی ذات پر اتنا غلبہ حاصل ہے کہ وہ لوگوں میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے (231) اور وہ اس نفس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے جو تمام برائیوں اور آفتوں کا سرچشمہ ہے۔ جس کے وجود میں یہ تمام باتیں شامل ہوں پھر وہ غلبہ شہوت کے امکان کے ساتھ فسق وفجور سے اجتناب کرے۔ سراپا حریص ہو کر دنیا سے منہ موڑ لے اور یا شیطانی وسوسے باقی رہتے ہوئے معاصی سے رجوع وتوبہ کرے اور نفسانی خواہش سے روگردانی کر کے بندگی پر قائم اور طاعت پر مستحکم ہو کر مجاہدہ نفس اور مجادلہ شیطانی میں مشغول ہو درحقیقت وہ فرشتوں سے افضل ہے کیونکہ فرشتوں کی خِلقت میں نہ تو شہوت سے معرکہ آرائی ہے اور نہ ان کی طبیعت میں غذاؤ لذت کی خواہش نہ بیوی بچوں کا غم نہ خویش واقرباء کی مشغولیت، نہ سبب ووسیلہ کے محتاج، نہ امید وآفت کا استغراق ہے۔ ان میں سے مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو افعال وکردار میں فضل کو دیکھتا ہے یا خوبی وجمال میں عزت کو دیکھتا ہے یا عزت ومال میں بزرگی کو تلاش کرتا ہے وہ جلد ہی اس نعمت وبزرگی کو اپنے سے زائل دیکھے گا۔ وہ مالک الاعیان حق تعالیٰ کے افضال کو کیوں نہیں دیکھتا۔ رضائے الٰہی میں عزت اور معرفت و ایمان میں بزرگی کو کیوں نہیں دیکھتا تا کہ اس نعمت کو ہمیشہ موجود پائے اور اپنے دل کو دونوں جہان میں خوش اور شادماں دیکھے۔ جبریل علیہ السلام نے ہزار ہا سال خلعت کے انتظار میں خدا کی بندگی کی لیکن انکی خلعت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزاری میں تھی یہاں تک کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی خدمت کی۔ وہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہو سکتے ہیں؟

شرح (231): اُمُّ المُؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا صَفِیَّہ بنت حُیَیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سلطانِ مدینۂ منورہ، سردارِ مکہ مکرمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک شیطان انسان کی رَگ رَگ میں خون کی طرح جاری وساری ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، الحدیث ۳۲۸۱، ج ۲، ص ۴۰۰)

جن بندگانِ خدا نے دنیا میں نفس کو مارنے میں ریاضتیں کیں۔ رات دن مجاہدے کیے، حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور اپنے دیدار سے سرفراز کر کے تمام خطرات سے محفوظ رکھا۔

جب فرشتوں کی نخوت حد سے بڑھ گئی اور ہر ایک نے اپنے معاملہ کی صفائی کو دلیل بنا کر بنی آدم کے بارے میں زبانِ ملامت دراز کی تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا حال ان پر ظاہر فرمائے چنانچہ فرمایا اے فرشتو! اپنے میں سے تین ایسے بزرگ افراد کو منتخب کر لو جن پر تمہیں اعتماد ہو وہ زمین پر جا کر زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور مخلوقِ خدا کو راہِ راست پر لائیں اور بنی آدم میں عدل و انصاف قائم کریں۔ فرشتوں نے تین فرشتے چن لیے ان میں سے ایک تو زمین پر آنے سے پہلے ہی زمین کی آفتوں کو دیکھ کر پناہ مانگ گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو روک لیا اور باقی دو فرشتے زمین پر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی سرشت اور خِلقت کو بدل دیا تا کہ کھانے پینے کے خواہشمند ہو کر شہوت کی طرف مائل ہوں۔ یہاں تک کہ اس پر انہیں مستوجب سزا بنایا۔ اس طرح فرشتوں نے بنی آدم کی فضیلت کا اندازہ کر لیا۔ (232)

خلاصہ کلام یہ کہ خواصِ مومن، خواصِ ملائکہ سے افضل اور عوام مومن، عام فرشتوں سے افضل ہیں لہٰذا وہ جو معصوم و محفوظ نہیں وہ حفظہ اور کراماً کاتبین سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس معنی میں بکثرت اقوال ہیں ہر شیخ نے اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بزرگی سے سرفراز فرماتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ تصوف میں حکیمیوں کے مذہب کے متعلقات اور صوفیاء کے باہمی اختلافات یہ ہیں جن کو بطور اختصار ہم نے بیان کر دیا۔

درحقیقت ولایت اَسرارِ الٰہی میں سے ایک سِرّ ہے جو ریاضت و مجاہدہ اور تربیت شیخ کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا اور ولی کو ولی ہی پہنچانتا ہے (233) اگر اس حقیقت کا اظہار ہر صاحب عقل پر جائز ہوتا تو دوست و دشمن

شرح (232): اصطلاح شریعت میں معصوم صرف حضرات انبیاء کرام ہیں اور فرشتے بعض اولیاء محفوظ ہیں۔ معصوم وہ جو گناہ نہ کر سکے محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے، یہاں معصوم لغوی معنے میں ہے جو محفوظ کو بھی شامل ہے۔ ہاروت و ماروت فرشتوں سے گناہ اس لیے ہوا کہ ان میں عارضی طور پر بشریت شامل کر دی گئی تھی لہذا ان کے واقعہ سے فرشتوں کی عصمت پر اعتراض نہیں ہو سکتا، رب تعالیٰ فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے: لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

شرح (233): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی تمیز نہ رہتی اور واصل بحق، غافل سے ممتاز نہ ہوتا۔ لہٰذا مشیت الٰہی یہی ہے کہ دوستی و محبت کے جوہر کو ذلت و خواری کی سیپ یعنی صدف میں لوگوں سے محفوظ رکھا جائے اور اسے بلاؤں کے دریا میں چھپایا جائے تا کہ اس کا طالب اپنی جانِ عزیز کو اس کے فرمان کے تحت خطرے میں ڈالے اس جان لیوا دریا میں گزارہ کرے اور دریا کی گہرائی میں غوطہ زن ہو کر اپنی مراد کو حاصل کرے یا اسی طلب میں دنیا سے کوچ کر جائے۔ واللہ اعلم!

(۸) فرقۂ خرازیہ

خرازی فرقہ کے پیشوا، حضرت ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (234) طریقت میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں اور تجرید و انقطاع میں ان کا مرتبہ عظیم ہے۔ فنا و بقا (235) کے حال پر سب سے پہلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام اَحمد رَضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: حضرتِ سیّدُ نا ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمی بسطامی کے والِد رَحِمَہُمَا اللہ تعالیٰ سے فرمایا: چلو اُس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنامِ وِلایت مشہور کیا ہے۔ وہ شخص مَرجَعِ ناس و مشہورِ زُہد تھا، (یعنی عقیدتمندوں کا اُس کے پاس ہجوم رہتا تھا اور دنیا سے بے رغبتی میں اُس کی شہرت تھی) جب وہاں تشریف لے گئے اِتّفاقاً اُس نے قبلہ کی طرف تھوکا، حضرتِ سیّدُ نا ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً واپس آئے اور اس سے سلام علیک نہ کی اور فرمایا: یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آداب سے ایک ادب پر تو اَمین ہے نہیں، جس چیز کا اِدّعا (یعنی دعویٰ کرنا) رکھتا ہے اُس پر کیا امین ہو گا۔ (الرِّسالۃُ القُشَیریۃ ص 38۔ فتاوٰی رضویہ ج 21 ص 539) اور دوسری رِوایت میں ہے، فرمایا: یہ شخص شریعت کے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں اَسرارِ اِلٰہیہ (یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے رازوں) پر کیوں کر امین ہو گا! (اَیضاً ص 292 ایضاً ص 540) حضرتِ سیّدُ نا ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر تم کسی شخص کو ایسی کرامت دیا گیا بھی دیکھو کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکتا ہے تب بھی اُس سے فریب (دھوکا) نہ کھانا جب تک کہ فرض و واجِب، مکروہ و حرام اور محافَظَتِ حُدود و آدابِ شریعت میں اس کا حال نہ دیکھ لو۔ (اَیضاً ص 38 ایضاً ص 540)

شرح (234): آپ کا وصال ۲۷۷ ہجری میں ہوا۔

شرح (235): امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا شخص میرے پاس آیا جس کے ساتھ اس کے معتقدین کی ایک جماعت تھی، وہ شخص بے علم تھا۔ اس کو فنا و بقا میں کوئی ذوق حاصل نہ تھا۔ میرے پاس چند روز ٹھہرا میں نے اُسے ایک دن پوچھا کہ وضو اور نماز کی شرطیں بتاؤ کیا ہیں؟ کہنے لگا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انہوں ہی نے گفتگو فرمائی اور طریقت کے تمام رموز کو آپ نے ان ہی دو کلموں میں پوشیدہ کر دیا ہے۔

اب میں ان کے معنی بیان کر کے جنہوں نے اس میں غلطیاں کی ہیں ظاہر کرتا ہوں تا کہ ان کے مذہب کی معرفت کے ساتھ ان کے استعمال کا مقصد سمجھا جا سکے۔

بقا اور فنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ (236) جو تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔ (النحل: ۹۲)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (237) روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ فانی ہے اور تمہارے رب کی عزت وجلال والی ذات باقی رہنے والی ہے۔ (238)

(الرحمن: ۲۶، ۲۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نے علم حاصل نہیں کیا۔ میں نے کہا: بھائی قرآن وسنت کے ظاہر پر عبادات کا صحیح کرنا لازم ہے جو شخص واجب اور مستحب، حرام اور مکروہ میں فرق نہیں جانتا وہ تو جاہل ہے اور جاہل کی اقتداء نہ ظاہر میں درست ہے نہ باطن میں۔ اس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور چلا گیا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے شر سے بچا لیا۔

(تنبیہ المغترین، الباب الاوّل، شروعہ فی المقصود، ص 19 ملخصاً)

شرح (236): مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ ؕ

ترجمہ کنز الایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے

(پ ۱۴، النحل: ۹۲)

شرح (237): كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝

ترجمہ کنز الایمان: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا

(پ ۲۷، الرحمٰن: ۲۶، ۲۷)

شرح (238): دوام (یعنی ہمیشگی) کسی کے لئے نہیں، ہمیشہ نہ کوئی رہا ہے نہ رہے۔ ہمیشگی ربّ عَزَّ وَجَلَّ کو ہے، باقی جو موجود ہے مَعدوم (یعنی مٹ جانے والا، نہ رہنے والا ہے) اور ایک دن سب کو فنا ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ علم زبان میں فنا و بقا کے معنی اور ہیں اور اصطلاحِ طریقت اور زبانِ حال میں اس کے معنی اور ہیں، علماء ظواہر جس قدر ان کے معنی میں حیران ہیں اتنے اور کسی معنی میں نہیں ہیں۔ لہٰذا بقا کے معنی علم زبان اور اقتضائے لغت میں تین قسم کے ہیں، ایک یہ کہ بقا وہ ہے جس کا ابتدائی کنارہ بھی فنا ہو اور اس کا آخری کنارہ بھی فنا، مثلاً دنیا کہ یہ ابتداء میں بھی نہ تھی اور انتہا میں بھی نہ ہوگی اور موجودہ وقت باقی ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ بقا سرے سے موجود ہی نہ ہو اور جب موجود ہو جائے تو پھر وہ فنا ہی نہ ہو جیسے بہشت و دوزخ اور جہانِ آخرت اور اس کے رہنے والے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ بقا نہ آگے معدوم ہو اور نہ پہلے معدوم تھی یہ حق تعالیٰ کی ذات قدس اور اس کے صفات ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ اپنی قدیم صفات کے ساتھ باقی رہے گا اور دائمی بقا سے مراد اس کا دائمی وجود ہے اور کوئی بھی کسی نوعیت سے اس کی ذات و صفات میں شریک و سہیم نہیں ہے۔

فنا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا ہے کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا ہے کہ آخرت باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (239) ”آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔“ (الاعلیٰ: ۱۷)

اس آیت میں ابقیٰ کا کلمہ مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ آخرت کی عمر کے لیے اس جہان میں فنا نہیں ہے لیکن طریقت کے اصطلاح میں بقائے حال اور فنائے حال سے مراد یہ ہے کہ جہالت کے لیے یقیناً فنا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے۔ چنانچہ معصیت فانی ہے اور طاعت باقی (240) بندہ جب اپنی طاعت کا علم حاصل کر لیتا ہے تو غفلت و جہالت معدوم ہو کر بقا کے ذکر میں باقی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ بندہ جب حق تعالیٰ کو پہچان جاتا ہے تو وہ اس کے علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اس سے جہل فنا ہو جاتا ہے اور جب سے فنا ہوتا ہے تو وہ غفلت کے ذکر میں باقی ہوتا ہے۔ یہ بیان مذموم قبیح اوصاف کے دور کرنے اور محمود و

شرح (239): وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔ (پ ۳۰، الاعلیٰ: ۱۷)

شرح (240): جیسا کہ کسی بزرگ نے ارشاد فرمایا: کبھی لذّت کی وجہ سے گناہ نہ کرو کہ لذت جاتی رہے گی لیکن گناہ تمہارے ذمے باقی رہ جائے گا اور کبھی مشقّت کی وجہ سے نیکی کو ترک نہ کرو کہ مشقت کا اثر ختم ہو جائے گا لیکن نیکی تمہارے نامہ اعمال میں محفوظ رہے گی۔

پسندیدہ اوصاف کے قائم کرنے میں ہے لیکن خواصِ اہل طریقت کے نزدیک یہ مراد نہیں ہے، ان کے اشارات، اصل طریقت میں علم وحال سے متعلق نہیں ہیں وہ فنا و بقا کا استعمال ولایت کے درجہ کمال کے سوا نہیں کرتے۔

خواصِ اہل طریقت کے نزدیک فنا و بقا سے متصف وہ حضرات ہیں جو مجاہدے کی مشقت سے آزاد ہیں اور مقامات کی قید سے اور احوال کے تغیر سے نجات پا کر حصولِ مقصود میں فائز المرام ہو چکے ہیں (241) ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں حق تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے سننے کی تمام

شرح (241): اے معرفتِ حق کے طالب! جب محبت کی ہوا دل کے خانوں میں چلتی ہے تو یہ محبوب کی ملاقات سے ہی راحت پاتی ہے۔ اور تو سحری کے وقت اہلِ معرفت کی مناجات سنے گا تو ان میں سے ہر ایک زبانِ حال سے اسی کے مطابق جواب دے گا جو احوال اس پر گزر رہے ہوں گے۔ پس اگر اس سے پوچھا جائے کہ اے غمگین انسان! تو ہم تک کیسے پہنچا؟ تو وہ جواب میں کہے گا: میں نے توکّل اور عشقِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کو اپنایا تو مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ مجھے اس کی حضوری مل گئی۔ اور اگر اس سے سوال کیا جائے کہ اے موت سے خوف کھانے والے! تو نے موت کو کیسا پایا؟ تو وہ کہے گا: میں نے محبوبِ حقیقی عَزَّ وَجَلَّ کی رضا میں تکلیف کو خوشگوار جانا۔ پس میں نے اس کے فضل کو سبقت لے جانے والا اور اپنے حوصلے کو پیچھے رہ جانے والا پایا۔ مجھے اس سے کامیابی کی اُمید کیونکر نہ ہو حالانکہ میں اس کی رحمت پر یقین رکھتا ہوں۔ اور اگر اس سے پوچھا جائے کہ اے زاہد! اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے خرچ کرنے والی جگہوں کے متعلق تیرا عہد کیسا ہے؟ تو اس کا جواب ہوگا: میں نے خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کے متعلق اس کا یہ فرمانِ عالیشان سنا:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ

ترجمۂ کنز الایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا۔ (پ14 النحل: 96)

تو جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اسے اس کے لئے چھوڑ دیا جو ربّ عَزَّ وَجَلَّ کے پاس ہے۔ میں نے فنا ہو جانے والی چیزوں سے توجہ ہٹا کر باقی رہنے والی چیزوں پر توجہ دی۔ اور اگر اس سے سوال کیا جائے کہ اے ہم سے محبت کرنے والے! تیری ہماری بارگاہ تک کیسے رسائی ہوئی؟ تو وہ کہے گا: میں نے بارگاہِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ سے يُحِبُّهُمْ کا جام پیا جس کے نشے سے وَيُحِبُّوْنَهٗ کی خلوت میں کھو گیا اور اس جامِ عشق کی وجہ سے مجھ پر غشی طاری ہو گئی پھر جلوۂ محبوب سے ہی افاقہ ہوا۔

قوتیں کلام الٰہی کی سماعت کے ساتھ پیوست ہیں اور اور دل سے جاننے کی تمام استعداد، اَسرارِ الٰہی کے حصول میں منہمک ہو چکی ہے یہ صاحبانِ ولایت اپنے اسرار کے حصول میں خود بینی کی آفت کو دیکھ چکے ہیں وہ سب سے کنارہ کش ہو کر مراد میں ہیں ان کے ارادے فنا ہو چکے ہیں۔ وہ واصل بحق ہو کر ہر دعوے سے بے زار اور ہر لحاظ سے منقطع، کرامتوں سے محجوب مقامات کو دیکھنے والے ہوتے ہیں اور عین مراد میں آفتوں کا لباس پہننے سے بے مراد ہوتے ہیں اور ہر مشرب سے جدا ہو کر ہر مانوس شئے کی انسیت سے علیحدہ ہوتے ہیں۔

لیھلك من ھلك بینتہٖ ویحییٰ من حییّ عن بینتہ تا کہ ہلاک ہوں تو مشاہدے میں ہلاک ہوں اور زندہ رہیں تو مشاہدے میں زندہ رہیں۔ اسی معنی میں مَیں کہتا ہوں کہ:

فنیت فنائی بفقد ھوائی
فصار ھوائی فی الامور ھوالك
فاذا فنی العبد عن اوصافہ
ادرك البقاء بتمامہ

یعنی میں نے فنا کو اپنی خواہش ناپید کر کے فنا کیا ہے
ہر امر میں میری خواہش صرف تیری محبت ہے
بندہ جب اپنے صفات بشری کو کریدتا ہے تو
وہ بقا کے تمام معانی جان لیتا ہے

مطلب یہ ہے کہ بندہ وجود اوصاف کی حالت میں جب وصف کی آفتوں سے فانی ہو جاتا ہے تب مراد کی فنا میں مراد کی بقا کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ قرب و بعد بھی نہیں رہتا نہ وحشت و انس رہتا ہے نہ صحو و سکر نہ فراق وصال رہتا ہے نہ مایوسی و خلع نہ اسماء و اعلام رہتے ہیں نہ نقوش و رسوم اسی معنی میں ایک بزرگ فرماتے ہیں:

وطاح مقامی والرسوم کلاھما
فلست اری فی الوقت قرباً ولا بعدا
فنیت بہ عنی فبان لی الھدیٰ
فھٰذا ظھور الحق عند الفناء قصدا

میرا مقام اور رسوم دونوں فنا ہو گئے
اب نزدیکی اور دوری کچھ نہیں رہی
جب یہ مجھ سے فنا ہو گئے تب میرے لئے ہدایت کی راہ کھلی
اب راہ حق کا ظہور، بالقصد فنا کے بعد ہے

درحقیقت اشیاء کی فناء، ان کی آفتوں کو دیکھے بغیر اوران کی خواہش کی نفی کے بغیر درست نہیں ہوسکتی۔ جسے یہ خیال ہے کہ اشیاء کی فنا، اس چیز کے حجاب میں ہونے کے بغیر درست نہیں وہ غلطی پر ہے۔ایسا نہیں ہے کہ آدمی کسی چیز کو دوست رکھے اور کہے کہ میں اس کے ساتھ باقی ہوں یا یہ کہ وہ کسی چیز سے دشمنی رکھے اور یہ کہے کہ میں اس کے ساتھ فانی ہوں کیونکہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں۔فنا میں محبت وعداوت نہیں ہے اور نہ بقاؔ میں جمعؔ وتفرقہؔ کی رویت۔ایک گروہ کو اس معنی میں غلطی لاحق ہوئی ہے ان کا گمان ہے کہ ذات کے گم ہونے اور وجود کو ناپید کرنے کا نام فنا ہے اور بقا یہ ہے کہ بندے کے ساتھ حق کی بقا مل جائے یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔

میں نے (غیر منقسم) ملک ہندوستان میں ایک شخص کو دیکھا جو تفسیر وتذکیر اور علم وفہم کا مدعی تھا۔اس معنی میں اس نے مناظرہ کیا۔جب میں نے اس سے گفتگو کی تو پتہ چلا کہ وہ نہ تو فنا کو جانتا ہے اور نہ بقا کو۔قدم و حدوث کے فرق کو بھی نہیں جانتا۔ایسے جاہل قسم کے لوگ بہت ہیں جو فنائے کلیت کو جائز جانتے ہیں حالانکہ یہ کھلی ہوئی ہٹ دھرمی اور مکابرہ ہے۔کسی چیز کے اجزائے ترکیبی کی فنا اور اس سے ان اجزاء کا انفکاک قطعاً جائز ہی نہیں۔میں ان جاہل، غلط کاروں سے پوچھتا ہوں کہ ایسی فنا سے تمہارا مدعا کیا ہے؟ اگر یہ کہو کہ ذات فنا مقصود ہے تو یہ محال ہے اور اگر یہ کہو کہ وصف کی فنا مراد ہے تو اسے ہم جائز رکھتے ہیں کیونکہ فنا ایک علیحدہ صفت اور بقاؔ ایک علیحدہ صفت بندہ ان دونوں صفات سے متصف ہوگا اور یہ محال ہے کہ کوئی شخص اپنے سوا کسی دوسرے کی صفت سے قائم ہو۔

نسطوریوں کا مذہب جو رومی نصرانیوں کا ہے یہ ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا مجاہدے کے ذریعہ تمام ناسوتی صفات کو فنا کر کے لاہوتی بقا کے ساتھ قائم ہو گئیں اور انہوں نے ایسی بقا پائی ہے کہ معبود کی بقا کے ساتھ باقی ہو گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عناصر ترکیبی کی بنیاد، انسانی عناصر نہیں کہ انسان کے ساتھ بقا پائیں ان کا تحقق بقائے الوہیت کے ساتھ ہوا ہے

لہٰذا وہ اور ان کی والدہ مریم اور اللہ تعالیٰ ایک ہی بقا کے ساتھ باقی ہیں جو کہ قدیم ہے اور حق تعالیٰ کی صفت ہے (معاذ اللہ) یہ سب باتیں ان حشویوں کے قول کے موافق ہیں جو مجسمہ ومشبہ کے قائل ہیں اور حق تعالیٰ کو محل حوادث کہتے ہیں اور قدیم کے لئے صفت حدوث جائز مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

میں ان سب کے جواب میں کہتا ہوں کہ کیا محدث، قدم کا محل ہوتا ہے؟ کیا قدیم کے لئے حدوث کی صفت ہو سکتی ہے؟ اور کیا حادث کے لئے قدیم صفت بن سکتی ہے؟ اس کا جائز رکھنا دہریوں کا مذہب ہے وہ حدوثِ عالم کی دلیل کو باطل کرتے ہیں اور اس سے مصنوع اور صانع دونوں کو قدیم کہنا چاہتے ہیں یا دونوں کو حادث یعنی مخلوق کا ترکب وامتزاج نامخلوق یعنی خدا کے ساتھ اور نامخلوق (خدا) کا حلول مخلوق کے ساتھ بنانا چاہتے ہیں۔ ایسی خرابی وبدنصیبی انہیں کو سزاوار ہو کیونکہ وہ قدیم کو محل حوادث یا حوادث کو محل قدیم کہتے ہیں لہٰذا مصنوع اور صانع دونوں کو قدیم ہی کہنا چاہئے اور جب دلیل سے ثابت ہے کہ مصنوع حادث ہے تو لامحالہ صانع کو بھی محدث ہی کہنا چاہئے کیونکہ کسی چیز کا محل اس چیز کے عین کی مانند ہوتا ہے جب محل حادث ہے تو چاہئے کہ حال بھی حادث ہو لہٰذا ان سب باتوں سے لازم آتا ہے کہ محدث کو قدیم کہیں یا قدیم کو محدث؟ حالانکہ یہ دونوں ضلالت وگمراہی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو چیز کسی دوسرے کے ساتھ متصل ومتحد اور ممتزج ہو ان دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے لہٰذا ہماری بقا ہماری صفت ہے اور ہماری فنا ہماری صفت، اور ہمارے اوصاف کی خصوصیت میں ہماری فنا ہماری بقا کی مانند اور ہماری بقا ہماری فنا کی مانند ہے اور ہماری فنا ایسی صفت ہے جو ہماری بقا کے ساتھ ایک اور صفت ہے۔

اس کے بعد اگر کوئی فنا سے یہ مراد لے کہ بقا کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ جائز ہے اور اگر بقا سے یہ مراد لے کہ فنا کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کی مراد اس فنا سے غیر کے ذکر کی فنا ہے اور بقا سے حق تعالیٰ کے ذکر کی بقا ہے۔

من فنا من المراد بقی بالمراد جو اپنی مراد سے فانی ہو گیا وہ مرادِ حق سے باقی ہو گیا۔

اس لئے کہ بندے کی مراد فانی ہے اور حق تعالیٰ کی مراد باقی ہے۔ جب تم اپنی مراد سے وابستہ ہو گئے تو تمہاری مراد فانی ہوگی اور فنا کے ساتھ اس کا قیام ہوگا پھر جب حق تعالیٰ کی مراد کے ساتھ متصف ہو گئے تو حق کی مراد کے ساتھ باقی ہو گے اور بقا کے ساتھ باقی ہو گے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جو چیز آگ کے غلبہ

میں ہوگی اس کے غلبہ کی وجہ سے اس میں بھی وہی صفت پیدا ہوجائے گی جو آگ کی ہے تو جب آگ کا غلبہ اس چیز کی صفت کو دوسری صفت کے ساتھ بدل دیتا ہے تو حق تعالیٰ کے ارادہ کا غلبہ آگ کے غلبہ سے بدرجہ اولیٰ بہتر ہے لیکن آگ کا یہ تصرف لوہے کے وصف میں ہے نہ کہ لوہے کی ذات میں؟ کیونکہ لوہا ہرگز آگ نہیں بن جاتا۔ واللہ اعلم!

فنا و بقا میں مشائخ کے رموز و لطائف:

فنا و بقا کی تعریف میں ہر بزرگ نے لطائف و رموز بیان کئے ہیں۔ چنانچہ صاحب مذہب حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الفناء فناء العبد عن رویته العبودیته والبقاء بقاء العبد بمشاهدة الالهیته فنا یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کی دید سے فانی ہو اور بقا یہ ہے کہ بندہ مشاہدۂ الٰہی سے باقی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ افعالِ بندگی کی رویت میں آفت ہے اور بندگی کی حقیقت سے وہ اس وقت روشناس ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے افعال کو نہ دیکھے اور ان افعال کو دیکھنے سے وہ فانی ہو اور فضل الٰہی کی دید سے باقی ہو۔ تاکہ اس کے معاملہ کی نسبت حق کے ساتھ وابستہ ہو نہ کہ اس کے ساتھ کیونکہ بندہ کے ساتھ جب تک ان افعال کا تعلق رہے گا اس وقت تک وہ ناقص رہے گا اور جب حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت ہوجائے گی تو وہ پورے طور پر کامل ہوجائے گا۔ لہٰذا جب بندہ اپنے متعلقات سے فانی ہوجاتا ہے تب کمالِ الٰہی سے باقی ہوجاتا ہے۔ حضرت یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

صحته العبودیته فی الفناء والبقاء بندگی کی صحت و درستگی فنا و بقا میں ہے۔

کیونکہ جب تک بندہ اپنے ہر تعلق و نسبت سے بے زاری نہ کرے خلوص کے ساتھ خدمت الٰہی کے لائق نہیں بنتا۔ لہٰذا انسان کا اپنے تعلق سے بے زاری کرنا فنا ہے اور بندگی میں خلوص کا ہونا بقا ہے۔ (242)

شرح (242): مقامِ فنا:

حضرتِ سیّدُنا ابو بکر شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پہاڑ پر ریحانہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو یہ شعر پڑھتے سنا:

أَحْضَرْتَنِي فِيكَ وَلَكِنْ غَيْبَتِي فِي التَّجَلِّي

ترجمہ: (اے میرے رب!) تو نے مجھے اپنی بارگاہ میں حضوری عطا فرمائی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابراہیم شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

علم الفناء والبقاء یدور علی الاخلاص والوحدانیته وصحة العبودیته وما کان غیر ھٰذا فھوا المغالیط والزندقته اخلاص، وحدانیت اور بندگی کی درستگی پر منحصر ہے اور جو اس کے ماسوا ہے وہ غلط اور بے دینی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مگر میں تیری تجلیات میں گم ہوگئی۔

میں نے اسے دائیں بائیں تلاش کیا تو نظر آئی میں نے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: اے ریحانہ! اس نے جواب دیا: اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! میں حاضر ہوں۔ میں نے پوچھا: کس کو ڈھونڈ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا: ریحانہ کو۔ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا: کیا تو ریحانہ نہیں؟ اس نے جواب دیا: اے شبلی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! کیوں نہیں، مگر جب سے مجھے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا قرب ملا ہے میں قید ہوگئی ہوں اور مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ میں کہاں ہوں؟ میں اپنے آپ سے غائب ہو چکی اور اپنے آپ کو بھول چکی ہوں، اور اب مسافروں سے اپنے متعلق پوچھتی رہتی ہوں مگر میں نے کوئی شخص ایسا نہ پایا جو مجھے میرے بارے میں بتادے۔ یہ سن کر میں نے اُسے کہا: اب میں بھی تیری طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ تجھ پر نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں۔ تو وہ کہنے لگی: اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! میں نے اس سلسلے میں اپنے عناصر سے پوچھا تو کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ میں نے حواس سے پوچھا تو ان کو بغیر جامِ محبت پئے مدہوش پایا۔ اپنی فہم سے پوچھا تو اس نے وہم کی طرف میری رہنمائی کی۔ میں نے اپنے راز سے پوچھا تو اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ میں نے دل سے پوچھا تو اس نے بھی مجھے میری مراد تک نہ پہنچایا۔ اپنے قلب سے پوچھا تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر کہنے لگا: مجھے اجازت نہیں، میں نہ تو بتا سکتا ہوں اور نہ ہی ظاہر کر سکتا ہوں۔

پھر ریحانہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کہنے لگی: اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! میں نے ہر زندہ سے کہا کہ مجھے میری ذات تک پہنچادے اور مجھ پر میری رہنمائی کردے لیکن کوئی بھی میری باتیں نہ سمجھ سکا، اے شبلی (علیہ رحمۃ اللہ القوی)! اگر تجھے میرا ٹھکانہ معلوم ہے تو میرے ترجمان کو اِدھر لے آ۔ میں نے اسے کہا: تیرا ٹھکانہ رحیم و رحمن عَزَّ وَجَلَّ کے قُرب میں ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور اس کے بعد لمبا سانس لیا۔ میں نے اسے حرکت دی تو اس کی روح قَفَسِ عُنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ میں نے اسے ایک چٹان کے سہارے لٹایا اور خود اس امید پر وسیع وعریض میدان میں چلا گیا تاکہ کوئی ایسا شخص پاؤں جو اس کی تجہیز و تکفین پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطلب یہ کہ فنا و بقا کے علم کا قاعدہ اخلاص و وحدانیت پر ہے چونکہ جب بندہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو حکم الٰہی میں مغلوب و مجبور دیکھتا ہے اور جو مغلوب ہوتا ہے وہ غالب کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے جس وقت اس کی فنا درست ہو جاتی ہے اور اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے تب وہ بجز بندگی کے کچھ نہیں دیکھتا اور اپنی تمام صلاحیتیں بارگاہِ الٰہی میں گم کر دیتا ہے۔ جو کوئی فنا و بقا کی اس کے سوا تعریف کرتا ہے اور وہ فنا کو ذات کی فنا اور بقا کو بقائے حق سے تعبیر کرتا ہے "وہ زندیق ہے۔ یہ مذہب تو نصاریٰ کا ہے۔"

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال باعتبار معنیٰ قریب قریب ہیں اگرچہ عبارات مختلف ہیں ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ کے لئے فنا، جلالِ حق کی دید اور اس کی عظمت کا کشف و مشاہدہ دل سے تعلق رکھتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے غلبہ میں اس کے دل سے دنیا و آخرت فراموش ہو جاتی ہے اور اس کی ہمت کی نظر میں، احوال و مقام حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں اور اس کی حالت میں ظہور و کرامت پراگندہ اور عقل و نفس سے فانی ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے اور عین فنا میں گم ہو کر اس کی زبان حق کے ساتھ گویا ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں خشیت اور جسم میں عاجزی پیدا ہو جاتی ہے جس طرح کہ ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام کے صلب سے ذریت کے اخراج کے وقت بندگی کے اقرار میں آفت شامل نہ تھی ایک بزرگ اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ:

ان كنت دری كيف السبيل اليك

فنيت عن جميعي فصرت ابكی اليك

اگر مجھے تجھ تک پہنچنے کی راہ معلوم ہوتی تو میں سب سے

اپنے آپ کو فنا کر دیتا اور تیری یاد میں روتا رہتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میری مدد کرے مگر مجھے کوئی نہ ملا۔ میں واپس آیا تو اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئی۔ ہاں! میں نے وہاں ایک نور دیکھا جو شعاعیں دے رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی۔ میں دل میں کہنے لگا: کاش! میں جان لیتا کہ اس نیک بندی کے ساتھ کیا ہوا تو مجھے ندا دی گئی: اے شبلی! ہم جس کو اس کی زندگی میں اس سے لے لیتے ہیں تو موت کے بعد بھی اسے لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیتے ہیں۔

حضرتِ سیّدنا شبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں، میں نے اسی رات اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا: اے نوجوان! قید ختم ہو گئی، میں نے اپنی مراد اور نعمتیں پالیں اور میرا مقصد پورا ہو گیا۔ اگر تم بھی ہمیشہ کی عزت چاہتے ہو تو میری طرح موت کو گلے لگا لو۔

اور ایک بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ:

ففی فنائی فناء فنائی
وفی فنائی وجدت انت
محوت اسمی و رسم جسمی
سالت عنی فقلت انت

یعنی میری فنا میں اپنی فنا کی فنا ہے
اور خود کو فنا کرنے میں تیرا پانا ہے
لہٰذا میں نے اپنے نام و جسم کی آسائشوں کو مٹا دیا ہے
اگر تو نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں یہی کہوں گا تو ہی علیم ہے

فقر و تصوف میں فنا و بقاء کے احکام اور اس کا بیان یہ تھا جسے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا اس کتاب میں جہاں بھی فنا و بقاء کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے اور یہ قاعدہ خرازیوں کے مذہب کا ہے اور تمام مشائخ اسی اصل پر گامزن ہیں۔ اس جماعت کا عام مقولہ ہے کہ جو جدائی دلیل وصال ہو وہ بے اصل نہیں ہوتی۔ **واللہ اعلم**

(۹) فرقہ خفیفیہ

خفیفیہ فرقے کے پیشوا، حضرت ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی (243) رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر سادات مشائخ میں سے مقبول و محبوب تھے اور اپنے زمانہ میں ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ طریقت کے علوم و فنون میں ان کی تصانیف مشہور ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب بے حد و شمار ہیں۔ آپ مقبولِ زمانہ، عزیز نفس اور پاکیزہ صفات تھے نفسانی خواہشوں کی پیروی سے کنارہ کش تھے۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے چارسو (۴۰۰) نکاح کئے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس وقت انہوں نے توبہ کی تو شیراز کے تمام لوگ آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے لگے جب آپ کا حال ارفع و اعلیٰ ہوا تو شاہی خاندان اور رئیسوں کی لڑکیوں نے حصولِ برکت کی خاطر آپ سے نکاح کی استدعا کی۔ آپ ان سے نکاح کرتے اور دخول سے پہلے باکرہ حالت میں طلاق دے دیا کرتے تھے البتہ

شرح (243): آپ کا وصال ۳۳۱ ہجری میں ہوا۔

چالیس بیبیاں ایسی خوش نصیب تھیں جنہوں نے ایک ایک دو دو تین تین راتیں گزاری تھیں ان میں سے صرف ایک بی بی چالیس سال تک ان کی صحبت میں رہی وہ ایک وزیر کی لڑکی تھی۔

حضرت ابوالحسن علی بن بکران شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے زمانہ حکومت میں عورتوں کی ایک جماعت اس پر متفق تھی کہ اس شخص سے خلوت میں کوئی خاص شہوانی جذبات نہیں دیکھے گئے۔ ہر ایک کے دل میں قسم قسم کے وسوسے پیدا ہوتے اور حیرت و تعجب کا اظہار کرتی تھیں۔ اس سے قبل سب یہ جانتے تھے کہ وہ شہوت میں خاص مزاج رکھتے ہیں اور سب یہی کہتے تھے کہ ان کی صحبت کا راز وزیر زادی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ ان کی صحبت میں وہی سالہا سال رہی ہیں اور ان کی چہیتی بیوی ہیں۔

حضرت ابوالحسن فرماتے ہیں کہ ہم نے دو آدمیوں کو منتخب کر کے وزیر زادی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے ان سے پوچھا شیخ کو تم سے بڑی محبت رہی ہے اس لئے ہمیں ان کی صحبت کی کوئی خاص بات بتاؤ؟ وزیر زادی نے کہا جس دن، میں ان کے نکاح میں آئی اس وقت کسی نے مجھ سے کہا کہ آج شیخ تمہارے پاس رہیں گے۔ میں نے عمدہ قسم کا کھانا تیار کیا اور خود کو خوب بنایا سنوارا۔ جب وہ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے کھانا لا کے آگے رکھا اس کے بعد انہوں نے میری طرف کچھ دیر غور سے دیکھا پھر کھانے کی طرف کچھ دیر نظریں جمائیں بعد ازاں میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں لے گئے میں نے سینہ سے لے کر ناف تک پندرہ گرہیں پڑی ہوئی پائیں۔ انہوں نے فرمایا اے وزیر کی دختر! پوچھو کہ یہ گرہیں کیسی ہیں؟ میرے دریافت کرنے پر فرمایا یہ سب سوزش اور صبر کی شدت سے پڑی ہوئی گرہیں ہیں (244) کیونکہ میں نے

شرح (244): جان لیجئے! صبر علم، حال اور عمل سے مرکب ہے، اس میں علم درخت کی طرح، حال ٹہنیوں کی طرح اور عمل پھل کی طرح ہے اور تم نے جان لیا کہ صبر میں دینی مصلحت ہے اور یہ ایسی قوت ہے جو صبر کا تقاضا کرتی ہے اور یہ صبر یا تو عبادت پر ہمیشگی اختیار کرنے سے یا شہوت کو ترک کرنے سے ہوتا ہے اور یوں وہ تمام احوال میں صبر ہی کی کسی قسم کو اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مباح کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرتا ہے اور حد سے نہیں بڑھتا اور جہاں تک عبادت پر صبر کرنے کا تعلق ہے تو یہ جاننا چاہیے کہ وہ اس پر کچھ روز صبر کریگا تو اس کے مقابلہ میں ہمیشہ سعادت پائے گا اور عبادت پر صبر میں اسے ضرورت ہے کہ اسے نہ ظاہر کرے اور نہ ہی دکھاوے کے ذریعے ضائع کرے اور سب سے بڑا صبر خواہشات نفسانیہ اور اس کے موجبات سے بچنا ہے جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا ہے اور وہ باتیں جن پر صبر کرنا لازمی ہے یہ ہیں کہ کوئی انسان اسے قول یا فعل کے ذریعے اذیت دے۔

ہمیشہ ایسے خوبصورت وحسین چہروں اور ایسے لذیذ خوشبودار کھانوں پر صبر کیا ہے یہ فرما کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے بڑا معاملہ جو میرے ساتھ ان کا ہوا وہ یہی تھا۔

تصوف میں ان کے مذہب کی خصوصیت غیبت اور حضور ہے جس کو عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا تاہم مقدور بھر بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

غَیبت اور حضور

غیبت وحضور، ایسی دو عبارتیں اور کلمے ہیں جو مقصود کے عین مفہوم کو بیان کرتے ہیں عکس وسایہ کی مانند ہیں (گویا لفظوں میں ان کے مقصود کا حقیقی مفہوم ادا کرنا ناممکن ہے) یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں جو ارباب زبان اور اہل معانی کے درمیان بکثرت مستعمل ہیں لہٰذا حضور سے مراد وہ حضورِ قلب ہے جو یقینی ولایت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے لئے غیبی حکم عینی حکم کی مانند ہو جائے۔ (245)

اور غیب سے مراد، ماسوی اللہ سے دل کا غائب ہونا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو کر اپنی غیبت سے بھی غائب ہو جائے اور اپنی غیبت کو بھی وہ خود نہ دیکھ سکے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ رسمی حکموں سے بھی کنارہ کش ہو جس طرح نبی ارتکاب حرام سے معصوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے سے غیبت، حق سے حضور ہے اور حق سے حضوری اپنے سے غیبت ہے چنانچہ جو اپنے سے غائب ہو گیا وہ حق تعالیٰ کے حضور پہنچ گیا اور جو حق تعالیٰ میں حاضر ہو گیا وہ اپنے سے غائب ہو گیا کیونکہ دل کا مالک حق تعالیٰ ہے جب کسی جذبہ حق سے طالب کا دل مغلوب ہو جائے تو اس کے نزدیک دل کی غیبت، حضور کی مثل ہو جاتی ہے اور اس وقت دل سے شرکت وقسمت اٹھ جاتی ہے اور اپنے سے بھی نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

ولی فواد وانت مالکه
بلا شریک فکیف ینقسم

شرح (245): ابن عطاء اللہ سکندری علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ حضورِ قلب حاصل نہ ہونے پر ذکر (اَورادووظائف) ترک نہیں کرنا چاہیے، (اَورادووظائف) اور ذکر کو بالکل چھوڑ دینا غفلت کے ساتھ ذکر کرنے سے بڑی غفلت ہے۔ عین ممکن ہے کبھی بھی آپ غفلت کے ساتھ ذکر کرتے کرتے، دل کی حُضوری کے ساتھ ذکر کرنے کے مرتبے میں پہنچ جائیں۔ اہل طریقت نے تو مراتب حاصل کرنے کے باوُجود اپنے اَوراد نہیں چھوڑے۔ (حقائق عن التصوف، الباب الثاب الذکر، باب آداب الذکر المنفرد، ص ۱۲۵)

میرے دل کا تو ہی بلا شریک مالک ہے
اب وہ کیسے تقسیم ہو؟

جب دل کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں رہتا تو اس وقت وہ خواہ غائب ہو یا حاضر، اسی کے قبضہ وتصرف میں ہوتا ہے اور نظری حکم میں عین کے ساتھ ہوتا ہے۔ تمام اربابِ طریقت کی دلیل، یہی سلوک ہے البتہ مشائخ کو جو اختلاف ہے وہ اس میں ہے کہ ایک گروہ حضور کو غیبت پر مقدم رکھتا ہے اور دوسرا گروہ غیبت کو حضور پر ترجیح دیتا ہے جیسا کہ سکر وصحو میں ہم نے بیان کیا لیکن فرق یہ ہے کہ صحو وسکر صفات بشریہ کے باقی رہنے کی نشاندہی کرتے ہیں اور غیبت وحضور ان کے فنا ہونے کا پتہ دیتے ہیں لہٰذا میدان تحقیق میں اس کا بڑا اعزاز ہے اور جو مشائخ، غیبت کو حضور پر مقدم رکھتے ہیں ان میں حضرت ابن عطاء، حسین بن منصور، ابوبکر شبلی، پندار بن حسین، ابوحمزہ بغدادی اور سمنون محب رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔

اہل عراق کی ایک جماعت کہتی ہے کہ راہِ حق میں سب سے بڑا حجاب تُو خود ہے (246) جب تُو نے

شرح (246): موت کے وقت دل پر امور دنیا میں سے کسی امر کی محبت یا کسی خواہش کا غالب آنا ہے اب یہ بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اسے گھیر لیتی ہے حتی کہ اس حالت میں کسی دوسری چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے اور اسی حالت میں روح پرواز کر جاتی ہے اب اس کے دل کا استغراق یوں ہوتا ہے کہ اس کا دل دنیا کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے اور اس کا رخ بھی ادھر ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخ پھر جائے تو حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور جب حجاب پیدا ہو تو عذاب نازل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جلانے والی آگ انہی لوگوں کو پکڑتی ہے جو اس سے پردے میں ہوتے ہیں لیکن وہ مومن جس کا دل دنیا کی محبت سے محفوظ ہو اور اس کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس سے جہنم کی آگ کہتی ہے اے مومن! دور ہو جا تیرے نور نے میری لپٹ کو بجھا دیا ہے۔

چنانچہ جب روح کا قبض ہونا ایسی حالت میں ہو کہ اس پر دنیا کی محبت غالب ہو تو معاملہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ آدمی اسی حالت پر مرتا ہے جس پر وہ زندہ تھا اور موت کے بعد دل میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی آنا ممکن نہیں کیونکہ دل بدلنا اعضاء کے عمل کے ذریعے ہوتا ہے اور جب موت کے ذریعے اعضاء ساکت ہو گئے تو اعمال بھی رک گئے لہٰذا اب کسی عمل کی گنجائش باقی نہیں اور دنیا میں واپسی کی بھی کوئی امید نہیں لہٰذا اس وقت بہت زیادہ حسرت ہوتی ہے۔

البتہ جب اصل ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت ایک طویل مدت تک دل میں راسخ ہو چکی ہو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنے آپ کو غائب کرلیا تو تجھ سے تیری ہستی کو برقرار و ثابت رکھنے والی تمام آفتیں فنا ہو جاتی ہیں اور زمانہ کے قاعدے بدل جاتے ہیں۔ مریدوں کے تمام مقامات تیرے لئے حجاب، طالبوں کے تمام احوال، تیری آفت گاہ بن جاتے ہیں۔ اسرارِ زمانہ نابود ہو گئے ارادہ کو قائم رکھنے والی چیزیں ذلیل ہو جاتی ہیں۔ اپنے وجود اور غیر اللہ کے وجود کو دیکھنے سے آنکھیں جل جاتی ہیں اور بشری اوصاف اپنی جگہ، قربت کی آگ سے خود بخود نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس غیبت کی حالت میں تجھے آدم کی پیٹھ سے نکالا اور اپنا کلام عزیز تجھے سنایا پھر خلعت توحید اور مشاہدہ کے لباس سے تجھے سرفراز فرمایا۔ جب تک تو اپنے سے غائب رہے گا بارگاہِ حق میں بے حجاب حاضر رہے گا اور جب تک اپنی صفات کے ساتھ حاضر رہے گا تو قربت حق سے غائب رہے گا۔ تیری ہلاکت، تیرے بشری صفات کی حاضری میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (247) یقیناً تم ہمارے حضور اکیلے آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔ (الانعام:٦)

حضرت محاسبی، حضرت جنید بغدادی، سہیل بن عبد اللہ تستری، ابوحفص حداد، ابوحمدون قصار، ابومحمد جریری، صاحب مذہب حضرمی اور محمد بن حفیف رحمۃ اللہ علیہما کے علاوہ ایک اور جماعت کا مذہب یہ ہے کہ حضور غیبت سے مقدم ہے اس لئے کہ تمام خوبیاں حضور میں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے سے غیبت تو حضور حق کا راستہ ہے۔ جب حضور حق حاصل ہو گیا تو پہنچنے کا راستہ تو آفت ہے لہٰذا جو شخص اپنے سے غائب ہو گیا، یقیناً وہ بارگاہِ حق میں حاضر ہو گیا۔ غیبت کا فائدہ تو حضور ہے۔ بے حضور غیبت دیوانگی اور مغلوبیت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اچھے اعمال کے ساتھ پکی ہو گئی ہو تو وہ موت کے وقت پیش آنے والی اس حالت کو مٹا دیتی ہے اگر اس کا ایمان ایک مثقال کے برابر بھی ہو تو وہ بھی اس کو جلد ہی آگ سے نکال دیتا ہے اور اگر اس سے کم ہو تو وہ جہنم میں زیادہ مدت تک ٹھہرتا ہے اور اگر دانے کے برابر بھی ہو تو وہ اسے ضرور بضرور جہنم سے نکالے گا اگرچہ کئی ہزار سال کے بعد ہو۔

شرح (247): وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔

(پ ۷، الانعام: ۹۴)

مناسب یہی ہے کہ تارک غفلت ہو جاؤ تاکہ غیبت کا جو مقصود ہے یعنی حضور، وہ حاصل ہو جائے جس وقت مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس وقت علت ساقط ہو جاتی ہے اسی معنی میں یہ شعر ہے:

لیس الغائب من غاب من البلاد
انما الغائب من غاب من المراد
ولیس الحاضر من لیس له المراد
انما الحاضر من لیس له الفواد
حتی استقر فیه المراد

غائب وہ نہیں جو شہروں سے غائب ہے
بلکہ غائب وہ ہے جو مقصود و مراد سے غائب ہے
وہ حاضر نہیں جس کی مراد موجود نہ ہو
بلکہ وہ حاضر ہے جسے قلبی خواہشیں کچھ نہ ہوں
یہاں تک کہ وہ مراد سے مالا مال ہو جائے

مطلب یہ ہے کہ جو بستی و شہر سے غائب ہے وہ دراصل غائب نہیں ہے بلکہ وہ غائب ہے جو اپنے ہر ارادہ سے غائب ہو حتیٰ کہ حق تعالیٰ کا ارادہ ہی اس کا ارادہ بن جائے اور جس میں چیزوں کا ارادہ نہ ہو اسے حاضر نہیں کہتے بلکہ حاضر وہ ہے جس کے دل میں رعنائی اور دلپسندی نہ ہو تاکہ اس میں دنیا و آخرت کی فکر نہ رہے اور خواہش سے اسے راحت نہ ہو۔ اسی معنی میں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

من لم یکن فاینا عن نفسه
وعن الھوٰی بالانس والاحباب
فکانما بین المراتب واقف
لمنال حظٍ اولحسن مآب

جس کا حال یہ نہ ہو کہ وہ اپنے سے اور نفسانی
خواہشوں سے انسان اور عزیزوں سے فانی ہو
وہ گویا نفسانی خواہشوں کے حصول اور نیک انجام
کی تمنا میں مراتب کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے ارادہ سے گیا۔ دروازہ پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کون ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا کہ حضرت بایزید کی زیارت کو آیا ہوں۔ پوچھا بایزید کون ہے؟ کہاں ہے اور وہ کیا ہے میں مدت سے بایزید کو تلاش کر رہا ہوں مگر وہ نہیں ملتا۔ (248) جب مرید نے واپس ہو کر حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حال بیان کیا تو انہوں نے فرمایا:

اخی بویزید ذہب فی الذاہبین الی اللہ میرا بھائی بایزید بسطامی تو خدا کی طرف جانے والوں میں جاملا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر ایک شخص نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر میرے پاس رہ کر کچھ باتیں کر لیجئے مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے؟

آپ نے فرمایا اے جوانمرد تم مجھ سے وہ چاہتے ہو جسے عرصہ سے میں خود چاہتا ہوں برسوں سے اسی تمنا میں ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے اپنے آپ میں موجود ہو جاؤں لیکن اب تک ایسا وقت نہیں آیا پھر ہمیں بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں؟ اس سے معلوم ہوا کہ غیبت میں حجاب کی وحشت ہے اور حضور میں مشاہدے کی راحت۔ تمام احوال میں مشاہدہ حجاب کی مانند نہیں ہوتا۔ (249) اسی معنی میں حضرت ابوسعید

شرح (248): یہ پاکیزہ ہستیاں اللہ عزوجل ہی کی عبادت کرتی ہیں۔ انہوں نے خود کو محبتِ الٰہی عزوجل میں فنا کر دیا اور وہ ہر وقت اسی کے مشتاق رہتے ہیں۔ اس نے دنیا کی بادشاہی کو ان کے پاؤں کی زنجیر بننے سے روک دیا اور ان پر غیرت فرماتے ہوئے انہیں غیروں سے چھپا لیا اور انہیں تسلیم و رضا کی سند عطا فرمائی اور مشروبِ الہام پلایا۔

شرح (249): اولیاء کے احوال کی خوبیاں اللہ عزوجل ہی کے لئے ہوتی ہیں جس نے ان کے دلوں سے انوار و حکمت کے چشمے جاری کیے اور ان کے ساکن وجود کو حرکت دی اور ان کو جھکی ہوئی ٹہنی کی طرح جھکا دیا اور ان کی ارواح کے آئینہ کو شفاف کیا اور ان کے لئے شرابِ محبت بہائی اور احکام خداوندی سننے کے لئے ان کی سماعتوں کو خوش ذوق بنایا۔ ان پر رحمایت کی برسات کی تو انہیں بیداری نیند سے پیاری ہو گئی، ان میں سے کچھ تو دیوانے اور سرشار ہیں اور ان کا ہر دن اپنے محبوب کے ساتھ عید ہے۔ اللہ عزوجل نے رات بھر سونے والے کے مقابلہ میں ان کی تنہائی کی رات کو طویل کر دیا لہٰذا یہ لوگ اللہ عزوجل کی محبت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقشع غيم الهجر عن قمر الحب
واسفر نور الصبح عن ظلمته الغيب

محبت کے چاند سے ہجرت کے بادل ناپید ہوگئے
اور غیبت کی تاریکی سے صبح کا تڑکا چمک اٹھا

غیبت وحضور کے فرق میں مشائخ کے بکثرت لطائف، حالات اور ظاہری اقوال ہیں جن کا مفہوم باہم قریب قریب ہے یعنی بارگاہ حق کا حضور اور اپنے سے غیبت برابر ہے کیونکہ اپنے سے غیبت کا مقصود، حضور ہے اور جو اپنے سے غائب نہیں ہے وہ بارگاہِ حق میں حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے نزول بلا کے وقت فریاد میں اپنے آپ کو نہ دیکھا بلکہ وہ اس حال میں اپنے آپ سے غائب تھے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی عین فریاد کو صبر سے جدا نہیں ہونے دیا۔ (250) انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فنا ہوجانے والے نفس کا شوق رکھتے ہیں اور محروم ہے وہ شخص جس کا دن بدبختی میں گزرتا ہے اور رات نیند میں اور زندگی دنیاوی اسباب کے سلسلہ میں تگ ودوکرتی ہوئی کٹتی ہے کیونکہ اسی مصروفیت میں اصل فساد ہے۔ اس نے اپنی زندگی غفلت میں گزاری اور بڑھاپے میں گزشتہ وقت پر روتا ہے جو کہ کبھی واپس پلٹنے والا نہیں، اے گنہگارو! روحوں کے جسم سے جدا ہونے سے پہلے ہی آخرت کی تیاری کرلو۔

شرح (250): حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ حسن صورت بھی اور مال واولاد کی کثرت بھی، بے شمار مویشی اور کھیت وباغ وغیرہ کے آپ مالک تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش و امتحان میں ڈالا تو آپ کا مکان گر پڑا اور آپ کے تمام فرزندان اس کے نیچے دب کر مر گئے اور تمام جانور جس میں سینکڑوں اُونٹ اور ہزارہا بکریاں تھیں، سب مر گئے۔ تمام کھیتیاں اور باغات بھی برباد ہوگئے۔ غرض آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا۔ آپ کو جب ان چیزوں کے ہلاک وبرباد ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو آپ حمدِ الٰہی کرتے اور شکر بجالاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا کیا تھا اور کیا ہے جس کا تھا اس نے لے لیا۔ جب تک اس نے مجھے دے رکھا تھا میرے پاس تھا، جب اس نے چاہا لے لیا۔ میں ہر حال میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے فریاد کی کہ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (251) (الانبیاء: ۸۳) اے خدا میں تکلیف میں ہوں تو ہی بہت مہربان ہے۔ (252) حق تعالیٰ نے فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ (253) (ایوب صابر تھا) لہٰذا ہم نے اس کی فریادسنی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے جسم مبارک پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ اس حال میں سب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا، بس فقط آپ کی بیوی جن کا نام رحمت بنت افرائیم تھا۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں، آپ کی خدمت کرتی تھیں۔ سالہا سال تک آپ کا یہی حال رہا، آپ آبلوں اور پھوڑوں کے زخموں سے بڑی تکلیفوں میں رہے۔

شرح (251): اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ (پ ۱۷، الانبیاء: ۸۳)

ترجمہ کنز الایمان:۔ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔

شرح (252): عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ معاذ اللہ آپ کو کوڑھ کی بیماری ہو گئی تھی۔ چنانچہ بعض غیر معتبر کتابوں میں آپ کے کوڑھ کے بارے میں بہت سی غیر معتبر داستانیں بھی تحریر ہیں، مگر یاد رکھو کہ یہ سب باتیں سرتاپا بالکل غلط ہیں اور ہرگز ہرگز آپ یا کوئی نبی بھی کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا تمام ان بیماریوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے جو عوام کے نزدیک باعث نفرت وحقارت ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ تبلیغ وہدایت کرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ جب عوام ان کی بیماریوں سے نفرت کر کے ان سے دور بھاگیں گے تو بھلا تبلیغ کا فریضہ کیونکر ادا ہو سکے گا؟ الغرض حضرت ایوب علیہ السلام ہرگز کبھی کوڑھ اور جذام کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ آپ کے بدن پر کچھ آبلے اور پھوڑے پھنسیاں نکل آئی تھیں جن سے آپ برسوں تکلیف اور مشقت جھیلتے رہے اور برابر صابر وشاکر رہے۔ پھر آپ نے بحکم الٰہی اپنے رب سے یوں دعا مانگی:

ترجمہ کنز الایمان:۔ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔

شرح (253): فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اسے تھی۔

(پ ۱۷، الانبیاء: ۸۳)

اس کی ہر تکلیف کو دور کر دیا۔ (254) (الانبیاء: ۸۴)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ تمام زمین و آسمان والے میری پریشانی پر روتے تھے پھر ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ مجھے نہ اپنی خبر ہے نہ زمین وآسمان کی۔ یہ حضورِ حق کے متعلق بہترین اشارہ ہے۔

یہ ہیں غیبت وحضور کے معنی جسے میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا تاکہ خفیفیوں کا مسلک معلوم ہو جائے کہ غیبت وحضور سے ان کی کیا مراد ہے۔

(۱۰) فرقہ سیاریہ

سیاری فرقہ کے پیشوا، حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (255) جو مرو کے امام، تمام علوم کے عالم اور حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب تھے۔ شہر نساء اور مرو میں ان کے مریدین بکثرت ہیں۔ تصوف کا کوئی مذہب اپنے حال پر باقی نہیں ہے لیکن ان کا مسلک اب بھی اپنے حال پر باقی ہے کیونکہ یہ دونوں اس مذہب کے رہنماؤں سے کبھی خالی نہ رہے ان کے مریدین وتلامذہ نے ان کے مذہب کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور انہوں نے ان کے لئے بکثرت رسائل لکھے ہیں۔

میں نے شہر مرو میں ان کے کچھ خطوط ورسائل دیکھے ہیں جو نہایت جامع وعمدہ ہیں سیاری مذہب کی

شرح (254): جب آپ خدا کی آزمائش میں پورے اترے اور امتحان میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی دعا مقبول ہوئی اور ارحم الراحمین نے حکم فرمایا کہ اے ایوب علیہ السلام! اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ آپ نے زمین پر پاؤں مارا تو فوراً ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ حکم الٰہی ہوا کہ اس پانی سے غسل کرو، چنانچہ آپ نے غسل کیا تو آپ کے بدن کی تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔ پھر آپ چالیس قدم دور چلے تو دوبارہ زمین پر قدم مارنے کا حکم ہوا اور آپ کے قدم مارتے ہی پھر ایک دوسرا چشمہ نمودار ہو گیا جس کا پانی بے حد ٹھنڈا، بہت شیریں اور نہایت لذیذ تھا۔ آپ نے وہ پانی پیا تو آپ کے باطن میں نور ہی نور پیدا ہو گیا۔ اور آپ کو اعلیٰ درجے کی صحت ونورانیت حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد کو دوبارہ زندہ فرما دیا اور آپ کی بیوی کو دوبارہ جوانی بخشی اور ان کے کثیر اولاد ہوئی، پھر آپ کا تمام ہلاک شدہ مال ومویشی اور اسباب وسامان بھی آپ کو مل گیا بلکہ پہلے جس قدر مال ودولت کا خزانہ تھا اس سے کہیں زیادہ مل گیا۔

شرح (255): آپ کی پیدائش ۲۶۲ ہجری میں ہوئی اور آپ کا وصال ۳۴۲ ہجری میں ہوا۔

خصوصیت جمع وتفرقہ ہے جو تمام اہل علم کے درمیان مستعمل ہے۔ ہر گروہ نے اپنی مراد اور اپنی عبارتوں کے سمجھانے میں ان دونوں کلمات کا استعمال کیا ہے لیکن ہر ایک کی وضاحت ایک دوسرے سے مختلف رہی ہے چنانچہ مذہب محاسبی میں جمع وتفرقہ سے مراد، کسی چیز کے شمار میں جمع اور افتراق لیا گیا ہے اور نحوی اور اصحابِ لغت ان سے مراد، ناموں کا جمع کرنا اور ان کا فرق لیتے ہیں۔ حضرات فقہانے نص کا جمع کرنا اور ان کی صفات کو جدا کرنا یا نص کا جمع کرنا اور قیاس کو جدا کرنا مراد لیا ہے اور اصولِ کلام والوں نے صفات ذات کا جمع اور صفات فعل کا تفرقہ مراد لیا ہے لیکن مشائخ طریقت کے نزدیک ان میں سے کوئی مراد نہیں ہے بلکہ ان کی مراد وہ ہے جسے ہم بیان کر رہے ہیں۔

جمع وتفرقہ

اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ اپنی دعوت میں تمام مخلوق کو جمع کر کے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (256) اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔(یونس:۲۵)

دوسری جگہ ہدایت حق میں انہیں تفرقہ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ:

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (257) اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔(البقرہ:۲،۳)

دعوت میں تو اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کر کے پکارا اور اظہار مشیت میں ایک گروہ کو حکم سے خارج کر کے بیان کیا اور باقی کو حکم میں جمع کر دیا گویا ایک گروہ کو تو مردود رسوا کر کے فرق کر دیا اور انہیں جدا کر دیا اور کچھ کو توفیق دے کر مقبول بنایا اور کچھ کو ممانعت کے ذریعہ جمع کر کے نکالا۔ ایک گروہ کو عصمت دی اور ایک گروہ کو آفت کی طرف میلان دیا لہٰذا اس معنی میں حقیقت واسرار اور حق تعالیٰ کی معلوم ومراد میں لفظ جمع ہے اور امر ونہی کے اظہار میں لفظ تفرقہ ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کر دیں حالانکہ مشیتِ الٰہی یہ تھی کہ ایسا نہ ہو۔ ابلیس کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ

شرح (256): وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے۔(پ۱۱، یونس:۲۵)

شرح (257): يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ کنزالایمان:۔ جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔(پ۲، البقرہ:۱۴۲)

السلام کو سجدہ کرے اور مشیت الٰہی یہ تھی کہ وہ سجدہ نہ کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ دانہ گندم نہ کھانا مگر مشیتِ الٰہی یہ تھی کہ وہ کھائیں۔ اس قسم کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ (258)

جمع وتفرقہ کی تعریف:

تصوف میں جمع وتفرقہ کی تعریف یہ ہے کہ:

جمع وہ ہے جو اپنے اوصاف کے ساتھ جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اپنے افعال سے جدا ہو۔

اس سے مراد مکمل ارادہ کا انقطاع اور ارادۂ الٰہی کے اثبات میں خلق کے تصرف کا مکمل ترک ہے۔ اس تعریف پر معتزلہ کے سوا تمام اہل سنت و جماعت اور تمام مشائخ کا اجماع ہے البتہ ان کے استعمال میں مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ ایک گروہ ان دونوں کلمات کو توحید پر محمول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جمع کے دو درجے ہیں ایک حق تعالیٰ کے اوصاف میں دوسرا بندوں کے اوصاف میں۔ حق تعالیٰ کے اوصاف سے جس کا تعلق ہے وہ توحید کا بھید ہے جس پر بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہے اور جو بندوں کے اوصاف میں ہے اس سے مراد، توحید میں صدق عقیدت اور صحت عزیمت ہے یہ قول حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ دوسرا گروہ حق تعالیٰ کے اوصاف پر محمول کرتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ جمع، حق تعالیٰ کی صفت ہے اور تفرقہ حق تعالیٰ کا فعل۔ حق تعالیٰ کے صفت وفعل میں بندے کو کوئی اختیار نہیں ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کی اُلوہیت میں کوئی شئی متنازعہ نہیں ہے۔ جمع ذات وصفات اسی کے لئے ہے کیونکہ **الجمع التسویته فی الاصل** جمع اصل میں برابری کا مقتضی ہے حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی اس کا مساوی نہیں (259) اور اس کی

شرح (258): اس کی قدرت سے سب کچھ پیدا ہوا۔ اس کی رحمت سے لگاتار نعمتیں ملیں۔ اس کی حکمت سے زمین وآسمان شق ہوئے۔ اس کی مشیت وارادے سے سعادت وشقاوت لکھی گئی۔

قرآن پاک میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یُعَذِّبُ مَن یَّشَآءُ وَیَرۡحَمُ مَن یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ○

ترجمۂ کنز الایمان: عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ (پ۲۰ العنکبوت:۲۱)

شرح (259): اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ذات مقدسہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی مثل نہیں، بے نیاز ہے اس کا کوئی مقابل نہیں، تنہا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں، قدیم ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جدائی میں خلق کی تفصیل وعبارت مجتمع نہیں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم ہیں اور وہ اسی کے ساتھ مختص ہیں اور ان کا قیام بھی اسی کے ساتھ ہے اور ان کی خصوصیات بھی اسی سے وابستہ ہیں چونکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں دوئی نہیں ہے اور نہ اس کی وحدانیت میں فرق وعدد روا ہے اس لحاظ سے جمع کا استعمال حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا۔

لیکن حکم میں تفرقہ، اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہے کیونکہ تمام احکام متفرق ہیں کسی کے لئے وجود کا حکم ہے اور کسی کے لئے عدم کا اس لحاظ سے جمع کا استعمال ہوا اس میں ایک کو فنا کا حکم ہے اور دوسرے کو بقا کا حکم۔

ایک گروہ وہ ہے جو تفرقہ کو علم الٰہی پر محمول کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

الجمع علم التوحید والتفرقته علم الاحکام توحید کا علم جمع، اور احکام کا علم تفرقہ ہے۔

اس لحاظ سے علم اصول، جمع اور علم فروع تفرقہ ہوں گے۔ ایک بزرگ کا قول یہ ہے کہ:

الجمع ما اجتمع علیه اهل العلم والتفرقته ما اختلفوا فیه جس پر اہل علم کا اجماع ہو وہ جمع اور جس میں ان کا اختلاف ہو وہ تفرقہ ہے۔

لیکن جمہور محققین تصوف کی عبارات و اشارات میں تفرقہ سے مکاسب (بندے کے اختیاری اعمال) اور جمع سے مواہب (مجاہدے اور مشاہدے) مراد لئے ہیں۔ لہٰذا جو بندہ مجاہدے کے ذریعہ و اصل بحق ہو وہ تفرقہ ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر جو خاص عنایت وہدایت ہو وہ جمع ہے اور بندے کی عزت وتکریم اس میں ہے کہ وہ اپنے وجودی افعال اور جمال حق کے لئے مجاہدے کی قدرت میں اپنے افعال کی آفتوں سے محفوظ رہے اور اپنے افعال کو باعطائے فضل الٰہی جان کر مشاہدے کو ہدایت الٰہی کے دامن میں منفی دیکھے۔ لہٰذا ایسا بندہ اپنی ہر اقامت میں حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو کر اس کا نائب اور اوصاف میں اس کا وکیل ہوگا اور اس کے تمام افعال کی نسبت اسی کی طرف ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے کسب کی نسبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس سے پہلے کوئی نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اس کی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ رہے گا جس کی انتہاء نہیں، ابدی ہے اس کی نہایت نہیں، قائم ہے اس کے لئے اختتام نہیں، ہمیشہ کے لئے ہے اس کے لئے ٹوٹنا نہیں، وہ ہمیشہ صفاتِ جلالیہ سے متصف ہے اور رہے گا، مدتوں اور زمانوں کے گزر جانے سے اس کے لئے ختم ہونا اور جدا ہونا نہیں بلکہ وہی اوّل وآخر ہے، وہی ظاہر وباطن ہے۔

سے محفوظ ہو جائے گا جیسا کہ حق تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام حدیث قدسی میں فرمایا:

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّیَدًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ (260) میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری قربت کا ہمیشہ خواہاں رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں پھر جب میں اپنے کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان آنکھ ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے ہی دیکھتا، مجھ سے ہی بولتا اور مجھ سے پکڑتا ہے۔ (بخاری شریف)

مطلب یہ ہے کہ ہمارا بندہ مجاہدے کے ذریعہ جب ہمارا مقرب ہو کر محبوب ہو جاتا ہے تو ہم اس کے وجود کو اس سے فنا کر دیتے ہیں اور اس کے افعال کی نسبت کو اس سے اٹھالیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہمارے ذریعہ ہی سنتا ہے جو وہ سنے اور ہمارے ہی ذریعہ بولتا ہے جب وہ بولے اور ہمارے ہی ذریعہ دیکھتا ہے جب وہ دیکھے اور ہمارے ذریعہ پکڑتا ہے جب وہ پکڑے گویا وہ ہمارے ذکر میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ وہ ذکر کا مغلوب بن جاتا ہے۔ اور اس کے ذکر میں اس کا کسب مفقود ہو جاتا ہے اور ہمارا ذکر اس کے ذکر کا سلطان بن جاتا ہے اور اس کے ذکر سے آدمیت کی نسبت جدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا ذکر ہمارا ہی ذکر ہوگا حتیٰ کہ بحالت غلبہ وہ اسی کے ساتھ موصوف ہوگا (261) چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ غلبہ حال میں نعرہ لگاتے ہیں کہ "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ" (پاکی ہے مجھے، کتنی ہی بڑی میری شان) یہ جو کچھ فرمایا حق

شرح (260): (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، الحدیث ۶۵۰۲، ج ۴، ص ۲۴۸) (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الخ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۶۳)

شرح (261): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

یعنی مجھ تک پہنچنے کے بہت ذریعہ ہیں، مگر ان تمام ذرائع سے زیادہ محبوب ذریعہ ادائے فرائض ہے اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرائض کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے افسوس ان لوگوں پر جو فرض عبادات میں سستی کریں اور نوافل پر زور دیں اور ہزار افسوس ان پر جو بھنگ، چرس حرام گانے بجانے کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھے نماز روزے کے قریب نہ جائیں۔

بندہ مسلمان فرض عبادات کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ میرا پیارا ہو جاتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تعالیٰ کی گفتار سے تھا اور جو کہا حق کہا۔ (262) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ وہ فرائض ونوافل کا جامع ہوتا ہے۔ (مرقات) اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض چھوڑ کر نوافل ادا کرے محبت سے مراد کامل محبت ہے۔

اس عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ ولی میں حلول کر جاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ و بو کہ خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں: ایک یہ کہ ولی اللہ کے یہ اعضاء گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ ان سے ٹھیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں اس پر عبادات آسان ہوتی ہے گویا ساری عبادتیں اس سے میں کرا رہا ہوں یا یہ کہ پھر وہ بندہ ان اعضاء کو دنیا کے لیے استعمال نہیں کرتا، صرف میرے لیے استعمال کرتا ہے ہر چیز میں مجھے دیکھتا ہے ہر آواز میں میری آواز سنتا ہے، یا یہ کہ وہ بندہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں اور وہ ویسے کام کر لیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے چلی ہوئی قمیص یوسفی کی خوشبو سونگھ لی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی حضرت آصف برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لا کر شام میں حاضر کر دیا۔ حضرت عمر نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچا دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرما لیے۔ یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں آج نار کی طاقت سے ریڈیو تار، وائرلیس ٹیلی ویژن عجیب کرشمے دکھا رہے ہیں تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقت اولیاء کے منکر ہے، بعض صوفیاء جوش میں سبحانی ما اعظم شانی کہہ گئے بعض نے کہا ما فی جبتی الا اللہ یہ سب اسی فنا کے آثار تھے، مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

چوں روا باشد انا اللہ از درخت　　　　کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

وہ بندہ مقبول الدعاء بن جاتا ہے کہ مجھ سے خیر مانگے یا شر سے پناہ میں اس کی ضرور سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اولیاء رب تعالیٰ کی پناہ میں رہتے ہیں تو جو شخص ان سے دعا کرائے اس کی قبول ہوگی اور جو ان کی پناہ میں آئے وہ رب کی پناہ میں آجائے گا، مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام　　　　ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آوردہ ام

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳، ص ۴۹۰)

شرح (262): میرے آقا اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، مولینا شاہ امام احمد رضا خان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا، اور جو کرے گا حاشا ولی نہ ہوگا شیطان ہوگا، حضرت سیدنا بایزید بسطامی اوران کے امثال ونظائر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت ورود تجلی خاص شجرہ موسیٰ ہوتے ہیں سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا:

یموسٰی انی انا اللہ رب العالمین ۳؎ اے موسیٰ! بیشک میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا، کیا یہ ہر پیڑ نے کہا تھا حاشا اللہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں؟ نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا، جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا: یموسٰی انی انا اللہ رب العالمین ۱؎ (اے موسیٰ! میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا۔ت) اسی نے یہاں بھی فرمایا:

سبحانی ما اعظم شانی ۲؎ (میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے۔ت) اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۳؎ (میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ت) بیشک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلیٰ ہے،

(۳؎ القرآن الکریم ۲۷/ ۳۰) (۱؎ القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰) (۲؎ تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی، مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲) (۳؎ تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی، مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۸۹، ۱۱۲)

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلط جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے بلاشبہہ اللہ قادر ہے اور معترض کا اعتراض باطل، اس کا فیصلہ خود حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہو چکا ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ آپ سبحانی ما اعظم شانی کہا کرتے ہیں، فرمایا: حاشا میں نہیں کہتا کہا آپ ضرور کہتے ہیں ہم سب سنتے ہیں فرمایا: جو ایسا کہے واجب القتل ہے میں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر مار دو، وہ سب خنجر لے کر منتظر وقت رہے یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا سبحانی ما اعظم شانی مجھے سب عیبوں سے پاکی ہے میری شان کیا ہی بڑی ہے، وہ لوگ چار طرف سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ [263] حق تعالیٰ حضرت عمر کی زبان میں بولتا ہے [264] (ابن ماجہ)

اس کی حقیقت اس طرح پر ہے کہ آدمیت پر جب حق تعالیٰ کے غلبہ کا ظہور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی ہستی سے نکال دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی تمام باتیں حق تعالیٰ ہی کی فرمودہ ہوتی ہیں اس استحالہ کے باوجود کہ حق تعالیٰ کسی میں حلول نہیں کرتا اور نہ کسی مخلوق یا مصنوع میں ممتزج و متحد ہوجاتا ہے اور نہ کسی چیز میں وہ پیوست ہوتا ہے۔

تعالی اللہ عن ذالك وعما یصفه الملاحدة علوا کبیرا

البتہ یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت بندے کے دل پر غالب ہوجائے اور اس کے غلبہ کی زیادتی میں اس کی عقل و طبع اس کی برداشت سے عاجز آجائے اور اس کا امر اس کے کسب سے ساقط ہوجائے۔ اس درجہ میں اس حالت کا نام جمع ہے جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبتِ الٰہی میں ایسے مستغرق و مغلوب تھے کہ جو فعل آپ سے رونما ہوتا اللہ تعالیٰ اس فعل کی نسبت کو آپ سے دور فرماتا اور فرماتا کہ وہ فعل میرا تھا آپ کا نہ تھا ہر چند کہ اس فعل کا ظہور و صدور آپ سے ہوا۔ چنانچہ ارشاد حق ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی [265] اے محبوب وہ مشت خاک جو آپ نے دشمنوں پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وار کئے جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط بھی نہ آیا، جب افاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں، فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا، واللہ اعلم (فتاوی رضویہ ج ۱۴ ص ۶۶۸)

شرح (263): (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۸، ص ۲۸۶)

شرح (264): یعنی ان کے دل میں جو خیالات آتے ہیں وہ حق ہوتے ہیں اور زبان سے جو بولتے ہیں وہ حق بولتے ہیں، ان کے خیالات ان کے کلام نفسانی یا شیطانی نہیں ہوتے بلکہ رحمانی ہوتے ہیں۔ یہ فرما کر یہ بتایا کہ یہ حقانیت ان کی اپنی کوشش سے نہیں بلکہ قدرتی فطرتی ہے رب کی طرف سے ہے جو کبھی زائل نہیں ہوسکتی۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۸، ص ۲۸۶)

شرح (265): وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

(پ۹، الانفال: ۱۷)

پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ ہم نے پھینکی تھی۔ (266) (الانفال:۱۷)

اسی قسم کا فعل جب حضرت داؤد علیہ السلام سے صادر ہوا تو حق تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت ان کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (267) حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ (268) (البقرہ:۲۵۱)

یہ حالت تفرقہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں نبیوں کے افعال میں فرق و امتیاز رکھا۔ ایک کے فعل کی نسبت ان کی طرف ہی رکھی اور یہ نسبت فعل محل آفت وحوادث ہے اور دوسرے کے فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے لہٰذا اس کی طرف نسبت فعل، آفت وحوادث سے پاک ہے۔ بنا بریں اگر آدمی سے ایسا فعل سرزد ہو جو آدمی کے افعال کی جنس سے اور اس کے قبیل سے نہ ہو تو یقیناً اس کے فعل کا فاعل، حق تعالیٰ ہے اور اعجاز و کرامت سب کچھ اس کے ساتھ شامل

شرح (266): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولیٰنا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں:

پھر ایک مشت خاک دستِ پاک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا: شاھت الوجوہ [۱]۔ چہرے بگڑ گئے۔ (۱۔ کنزالعمال حدیث ۳۰۲۱۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/۵۴۱) (جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ لقد نصرکم اللہ الخ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۰/۱۱۸)

وہ خاک ان ہزاروں کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے، ان میں جو مشرف باسلام ہوئے وہ بیان فرماتے ہیں جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں ہماری طرف پھینکیں ہمیں یہ نظر آیا کہ زمین سے آسمان تک تانبے کی دیوار قائم کردی گئی اور اس پر سے پہاڑ ہم پر لڑھکائے گئے ،سوائے بھاگنے کے کچھ بن نہ آئی، (فتاوٰی رضویہ ج ۳۰ ص ۲۷۹)

شرح (267): وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

ترجمہ کنزالایمان: قتل کیا داؤد نے جالوت کو۔ (پ۲، البقرہ:۲۵۱)

شرح (268): جب طالوت بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے تیار کیا اور ایک کافر بادشاہ جالوت سے جنگ کرنے کے لئے اپنی فوج کو لے کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے لہٰذا تمام عادی افعال تفرقہ ہیں اور تمام ناقض عادت فعل، جمع ہیں کیونکہ ایک رات میں ''قاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میدان جنگ میں نکلے۔ جالوت بہت ہی قد آور اور نہایت ہی طاقتور بادشاہ تھا وہ اپنے سر پر لوہے کی جو ٹوپی پہنتا تھا اس کا وزن تین سو رطل تھا۔ جب دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں لڑائی کے لئے صف آرائی کر چکیں تو حضرت طالوت نے اپنے لشکر میں یہ اعلان فرما دیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کریگا، میں اپنی شہزادی کا نکاح اس کے ساتھ کر دوں گا، اور اپنی آدھی سلطنت بھی اس کو عطا کر دوں گا۔ یہ فرمان شاہی سن کر حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے جو ابھی بہت ہی کمسن تھے اور بیماری سے چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اور غربت و مفلسی کا یہ عالم تھا کہ بکریاں چرا کر اس کی اجرت سے گزر بسر کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام گھر سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں ایک پتھر یہ بولا کہ اے حضرت داؤد! مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر دوسرے پتھر نے آپ کو پکارا کہ اے حضرت داؤد مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر ایک تیسرے پتھر نے آپ کو پکار کر عرض کیا کہ اے حضرت داؤد علیہ السلام مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں جالوت کا قاتل ہوں۔ آپ علیہ السلام نے ان تینوں پتھروں کو اٹھا کر اپنے جھولے میں رکھ لیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی گوپھن لے کر صفوں سے آگے بڑھے اور جب جالوت پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان تینوں پتھروں کو اپنی گوپھن میں رکھ کر اور بسم اللہ پڑھ کر گوپھن سے تینوں پتھروں کو جالوت کے اوپر پھینکا اور یہ تینوں پتھر جا کر جالوت کی ناک اور کھوپڑی پر لگے اور اس کے بھیجے کو پاش پاش کر کے سر کے پیچھے سے نکل کر تیس جالوتیوں کو لگے اور سب کے سب مقتول ہو کر گر پڑے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے لا کر اپنے بادشاہ حضرت طالوت کے قدموں میں ڈال دیا اس پر حضرت طالوت اور بنی اسرائیل بے حد خوش ہوئے۔

جالوت کے قتل ہو جانے سے اس کا لشکر بھاگ نکلا اور حضرت طالوت کو فتح مبین ہو گئی اور اپنے اعلان کے مطابق حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اپنی آدھی سلطنت کا ان کو سلطان بنا دیا۔ پھر پورے چالیس برس کے بعد جب حضرت طالوت بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام پوری سلطنت کے بادشاہ بن گئے اور جب حضرت شمویل علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ آپ سے پہلے سلطنت اور نبوت دونوں اعزاز ایک ساتھ کسی کو بھی نہیں ملا تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ ان دونوں عہدوں پر فائز ہو کر ستر برس تک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قوسین،، (269) پہنچنا فعل عادی نہیں ہے اور یہ بجز فعل الٰہی ممکن نہیں اسی طرح غایت درجہ سچی اور درست بات کہنا فعل عادی نہیں یہ بھی فعل الٰہی کے سوا ممکن نہیں اور آگ سے نہ جلنا بھی فعل عادی نہیں یہ بھی فعل الٰہی کے بغیر ممکن نہیں اور غیبوبتؔ میں درست وصحیح بات کہنا بھی فعل عادی نہیں یہ بھی اس کے فعل کے بغیر ممکن نہیں۔ (270) غرض کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء واولیاء کو یہ معجزات وکرامات عطا فرما کر ان کے افعال کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور ان افعال کو اپنا ہی فعل بتایا جبکہ محبوبوں کا فعل اسی کا فعل قرار پایا تو ان کی بیعت، خدا کی بیعت اور ان کی اطاعت، خدا کی اطاعت ہوئی چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سلطنت اور نبوت دونوں منصبوں کے فرائض پورے کرتے رہے اور پھر آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور نبوت دونوں مرتبوں سے سرفراز فرمایا۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۳۰۸، پ ۲، البقرۃ ۲۵۱)

شرح (269): فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ پھر خوب اُتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

(پ ۲۷، النجم: ۹)

شرح (270): روایت ہے کہ جب نمرود نے اپنی ساری قوم کے روبرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تو زمین و آسمان کی تمام مخلوقات چیخ مار مار کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگیں کہ خداوندا! تیرے خلیل آگ میں ڈالے جارہے ہیں اور اُن کے سوا زمین میں کوئی اور انسان تیری توحید کا علمبردار اور تیرا پرستار نہیں، لہٰذا تو ہمیں اجازت دے کہ ہم ان کی امداد ونصرت کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم میرے خلیل ہیں اور میں اُن کا معبود ہوں تو اگر حضرت ابراہیم تم سبھوں سے فریاد کر کے مدد طلب کریں تو میری اجازت ہے کہ سب ان کی مدد کرو۔ اور اگر وہ میرے سوا کسی اور سے کوئی مدد طلب نہ کریں تو تم سب سن لو کہ میں ان کا دوست اور حامی ومددگار ہوں۔ لہٰذا تم اب اُن کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ اس کے بعد آپ کے پاس پانی کا فرشتہ آیا اور کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں پانی برسا کر اس آگ کو بجھا دوں۔ پھر ہوا کا فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں زبردست آندھی چلا کر اس آگ کو اڑا دوں تو آپ نے ان دونوں فرشتوں سے فرمایا کہ مجھے تم لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہی میرا بہترین کارساز ہے وہی جب چاہے گا اور جس طرح اس کی مرضی ہوگی میری مدد فرمائے گا۔ (صاوی، ج ۴، ص ۱۳۰۷، پ ۱۷، الانبیاء: ۶۸)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہ [271] یقینا جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔ [272] (الفتح:۱۰)

شرح (271): اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ

ترجمہ کنزالایمان:۔ وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں (پ ۲۶، الفتح:۱۰)

شرح (272): ذوالقعدہ ۶ ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چودہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ شاید کفار مکہ ہمیں عمرہ ادا کرنے سے روکیں گے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ بھیج دیا تھا تاکہ وہ کفار مکہ کے ارادوں کی خبر لائے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قافلہ مقام عسفان کے قریب پہنچا تو وہ شخص یہ خبر لے کر آیا کہ کفار مکہ نے تمام قبائل عرب کے کافروں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کو ہرگز ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ کفار قریش نے اپنے تمام ہمنوا قبائل کو جمع کر کے ایک فوج تیار کر لی اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے مکہ سے باہر نکل کر مقامِ بلدح میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اور خالد بن الولید اور ابو جہل کا بیٹا عکرمہ یہ دونوں دو سو چنے ہوئے سواروں کا دستہ لے کر مقام غمیم تک پہنچ گئے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راستہ میں خالد بن الولید کے سواروں کی گرد نظر آئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہراہ سے ہٹ کر سفر شروع کر دیا اور عام راستہ سے کٹ کر آگے بڑھے اور مقام حدیبیہ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پانی کی بے حد کمی تھی۔ ایک ہی کنواں تھا۔ وہ چند گھنٹوں ہی میں خشک ہو گیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیاس سے بے تاب ہونے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بڑے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈال دیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خشک کنویں میں اپنے وضو کا غسالہ اور اپنا ایک تیر ڈال دیا تو کنویں میں اس قدر پانی ابل پڑا کہ پورا لشکر اور تمام جانور اس کنویں سے کئی دنوں تک سیراب ہوتے رہے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، الحدیث: ۴۱۵۰، ۴۱۵۲، ج ۳، ص ۶۸، ۶۹ ملخصا والکامل فی التاریخ، ذکر عمرۃ الحدیبیۃ، ج ۲، ص ۸۶، ۸۷ ملخصا)

بیعۃ الرضوان

مقام حدیبیہ میں پہنچ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ کفار قریش کا ایک عظیم لشکر جنگ کے لئے آمادہ ہے اور ادھر یہ حال ہے کہ سب لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں اس حالت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نیز فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جو ئیں بھی نہیں مار سکتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کفار مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے کسی کو مکہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار قریش میرے بہت ہی سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ کو ان کافروں سے بچا سکے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا۔ انہوں نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مالداری اور اپنے قبیلہ والوں کی حمایت و پاسداری کی وجہ سے کفار قریش کی نگاہوں میں بہت زیادہ معزز تھے۔ اس لئے کفار قریش ان پر کوئی دراز دستی نہیں کر سکے۔ بلکہ ان سے یہ کہا کہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کر لیں مگر ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کبھی ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہ آنے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساتھ لئے کبھی ہرگز ہرگز اکیلے اپنا عمرہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور کفار نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں روک لیا۔ مگر حدیبیہ کے میدان میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کفار قریش نے ان کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جاں نثار رہو گے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہایت ہی ولولہ انگیز جوش و خروش کے ساتھ جاں نثاری کا عہد کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخ اسلام میں بیعۃ الرضوان ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے اس بیعت اور اس درخت کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا ہے کہ

یقیناً جو لوگ (اے رسول) تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اسی سورہ فتح میں دوسری جگہ ان بیعت کرنے والوں کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ (273) جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔(النسآء:۸۰)

خلاصہ یہ کہ محبوبانِ خدا اولیاء اللہ، اَسرارِ الٰہی سے تو مجتمع اور معاملات و اظہار سے مفترق ہیں یہاں تک کہ اجتماع کے ساتھ دوستی و محبت کے اسرار مستحکم ہیں اور افتراق کے ساتھ بندگی کی اقامت کا اظہار صحیح و درست ہے۔ ایک بزرگ بحالت جمع فرماتے ہیں کہ:

قد تحققت بسرّی فناجاک لسانی
فاجتمعنا لمعان وافترقنا لمعانی
فلیس عینک التعظیم لحظه عن عیانی
ولقد صیرک الواجد من الاجساد امانی

میرا باطن متحقق ہوا تو میری زبان نے تیری مناجات کی
لہٰذا ہم کچھ معانی میں جمع اور کچھ معانی میں مفترق ہیں

اس شعر میں اجتماع اسرار کو جمع اور زبان کی مناجات کو تفرقہ کہا گیا ہے اس کے بعد جمع وتفرقہ کا اپنے وجود میں نشانی بتائی اور اس قاعدہ کو اپنے پر محمول کیا۔ یہ بہت لطیف بات ہے۔ وباللہ التوفیق۔

جمع وتفرقہ کے معنیٰ میں مشائخ کا اختلاف

اب اس جگہ ایک اختلاف کا بیان باقی ہے جو ہمارے اور مشائخ کے اس گروہ کے درمیان ہے جو یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قرآن مجید میں اس طرح خطبہ پڑھا کہ

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے پھر ان پر اطمینان اتار دیا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ (پ۲۶، الفتح:۱۸)

لیکن بیعۃ الرضوان ہوجانے کے بعد پتا چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ وہ باعزت طور پر مکہ میں زندہ وسلامت تھے اور پھر وہ بخیر وعافیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر بھی ہوگئے (المواهب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب امر الحدیبیۃ، ج۳، ص ۲۲۲۔۲۲۶)

شرح (273): مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ج

ترجمہ کنزالایمان: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔ (پ۵، النسآء:۸۰)

کہتا ہے کہ جمع کا اظہار، تفرقہ کی نفی ہے اس لئے کہ یہ دونوں ضدیں ہیں کیونکہ جب ہدایت کا غلبہ اور استیلا ہوتا ہے تو بندے سے کسب و مجاہدے کا اختیار جاتا رہتا ہے اور یہ تعطیل محض ہے۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ بات خود تمہارے عقیدے ہی کے خلاف ہے اس لئے کہ جب تک معاملہ کی قدرت اور کسب و مجاہدے کی طاقت موجود رہتی ہے اس وقت تک بندے سے وہ ہرگز ساقط نہیں ہوتی اسی لئے جمع تفرقہ سے جدا نہیں ہے جیسے آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں کی جا سکتی اسی طرح ہدایت سے مجاہدہ اور شریعت سے طریقت وحقیقت اور طلب سے وجدان کبھی جدا نہیں البتہ یہ مجاہدہ کبھی مقدم ہوتا ہے اور کبھی مؤخر لیکن مجاہدہ جہاں مقدم ہو اس پر مشقت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ غیبت میں ہوتا ہے اور مجاہدہ جہاں مؤخر ہو اس پر رنج و کلفت نہیں ہوتی کیونکہ وہ حضور میں ہوتا ہے اور جو اعمال کے مشرب و مذہب کی نفی کرتا ہے وہ عین عمل کی نفی کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے البتہ یہ جائز ہے کہ بندہ ایسے درجہ پر فائز ہو جائے جہاں اسے اپنے افعال معیوب نظر آنے لگیں جبکہ وہ اپنے اوصاف محمودہ کو بھی عیب کی نظر سے ناقص دیکھتا ہے تو لامحالہ وہ اوصاف قبیحہ مذمومہ کو تو بدرجہ اولیٰ عیب دار دیکھے گا۔ (274)

شرح (274): صِرف اپنے عیبوں کو دیکھئے

جب کبھی دوسرے کے عیب بیان کرنے کو جی چاہے اُس وقت اپنے عُیُوب ہی کی طرف مُتَوَجِّہ ہوکر ان کو دُور کرنے میں لگ جانا چاہیے، خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! یہ بَہُت بڑی سعادت مندی ہے۔ سرکارِ دو عالم، نُورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم، رسولِ مُحتَشَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اُس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اس کے عیوب (پر نظر) نے دوسروں کی عیب جوئی سے پھیر دیا۔ (اَلْفِردَوس بمأثور الخطاب ج ۲ ص ۷ ۴۴ حدیث ۳۹۲۹)

اپنے عیبوں کو یاد کرو

حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے: جب تو کسی کے عُیُوب بیان کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے عیبوں کو یاد کر لیا کر۔ (ذَمُّ الغِیبۃِ لِابنِ اَبِی الدُّنیا ص ۹۵ رقم ۵۶)

اپنے عیبوں کو جاننے کے باوُجود۔۔

حضرتِ سیِّدُنا زید قُمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: وہ شخص کیسا عجیب ہے جسے معلوم ہے کہ مجھ میں فُلاں عیب ہے پھر بھی اپنے آپ کو اچھا انسان سمجھتا ہے جبکہ اپنے مسلمان بھائی کو صرف شک (یا سنی سنائی بات) کی بنیاد پر بُرا آدمی تصوُّر کرتا ہے۔ پس عَقل کہاں ہے؟ (تَنبِیہُ المُغتَرِّین ص ۱۹۷)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں نے یہ معنی اس لئے بیان کئے ہیں کہ میں نے ایک جاہل قوم کو اس غلطی میں آلودہ پایا ہے چونکہ وہ بحالت بے گانگی ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ یافت کے لئے کسی ریاضت کی حاجت نہیں اور ہمارے افعال و طاعات معیوب اور مجاہدات ناقص ہیں اس لئے انہیں کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ ہمارے افعال باتفاق فعل ہیں اور ہمارے ہر قسم کے فعل، محل علت، اور منبع شر و آفت ہیں بایں ہمہ "نہ کرنے" کو بھی فعل ہی کہا جائے گا جب کہ دونوں فعل ہی ہوئے اور فعل محل علت ہوئے تو کس وجہ میں "نہ کرنے" کو "کرنے" سے بہتر جانتے ہو؟ یہ تو ظاہری بدنصیبی و نقصان اور واضح عیب ہے لہٰذا یہ کفر و ایمان کے درمیان بہترین فرق ہے کیونکہ مومن و کافر دونوں متفق ہیں کہ ان کے افعال محل علت ہیں مگر مومن بحکم فرمان خدا، "کرنے کو نہ کرنے" سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور کافر بحکم تعطیل نہ کرنے کو کرنے سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ لہٰذا جمع یہ ہے کہ آفت کو دیکھنے میں آفت تفرقہ و رحکم تفرقہ ساقط نہ ہو اور تفرقہ یہ ہے کہ جمع کے حجاب میں تفرقہ کو جمع جانے۔ حضرت مزین کبیر اس معنی میں فرماتے ہیں کہ:

الجمع الخصوصیة والتفرقة العبودیته موصول احدھما بالأخر غیر مفصول عنه

بندے کے لئے حق تعالیٰ کی خصوصیت جمع ہے اور بندے کی بندگی اس کے لئے تفرقہ یہ دونوں بندے سے جدا نہیں ہیں۔

اس لئے کہ خصوصیت کی علامت بندگی کی حفاظت ہے۔ معاملہ میں جب مدعی معاملہ کے ساتھ قائم نہ ہوگا تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا البتہ یہ جائز ہے کہ حکم الٰہی بجالانے اور مجاہدے کا حق ادا کرنے میں جو تکلیف و مشقت ہوتی ہے اس کا بوجھ بندے پر نہ پڑے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ عین جمع میں بغیر واضح عذر کے کوئی حکم شریعت یا مجاہدہ جو شریعت میں عام ہو بندے سے وہ عین حکم اٹھ جائے۔ اس مسئلہ کو کچھ وضاحت سے بیان کرتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جو اپنے عیبوں کو جان لیتا ہے

حضرت سیدتنا رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی تھیں: بندہ جب اللہ ربُّ العزت عزَّوجلَّ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے اللہ عزَّوجلَّ اُسے خود اُس کے اپنے عیبوں پر مطلع فرمادیتا ہے پس اِس وجہ سے وہ دوسروں کے عیبوں میں مشغول نہیں ہوتا۔ (بلکہ اپنے عیبوں کی اصلاح کی طرف متوجہ رہتا ہے) (تنبیہ المغترین ص ۱۹۷)

واضح رہنا چاہئے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں ایک جمع سلامت اور دوسری جمع تکسیر، جمع سلامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بحالت غلبہ، قوت، وجد شدت اور شوق کو ظاہر فرما کر بندے کی حفاظت فرمائے اور اپنا حکم ظاہر طور پر بندے پر جاری کر کے اسے بجالانے میں اس کی نگہبانی کرے اور اسے مجاہدے سے آراستہ بنادے چنانچہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری، ابو حفص حداد، ابو العباس سیاری مروری صاحب مذہب ہذا، بایزید بسطامی، ابو بکر شبلی، ابو الحسن حضرمی اور مشائخ کی ایک جماعت قدس سرہم ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے۔ بایں ہمہ جب بھی نماز کا وقت آتا تو وہ اپنے حال پر لوٹ آتے ہیں اور جب نماز ادا کر چکتے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے اس لئے کہ جب تک تم محلِ تفرقہ میں ہو گے تو تم ہو گے اور خدا کا حکم بجالانا تم پر لازم ہو گا اور جب حق تعالیٰ تمہیں جذب کر کے مغلوب الحال بنادے گا تو بہتر ہے کہ حق تعالیٰ اپنے حکم میں دو باتوں میں تمہاری حفاظت کرے گا۔ ایک یہ کہ بندگی کی علامت تم سے نہ اٹھے دوسرے یہ کہ وعدے کے حکم پر قائم رکھے کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ میں کبھی بھی شریعت محمدی کو منسوخ نہ کروں گا۔

اور جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ حکم میں دیوانہ اور مدہوش ہو جائے اور اس کا حکم پاگلوں کی مانند بن جائے ایسا شخص معاملہ میں معذور ہوتا ہے اور پہلا شخص مشکور، اور جو مشکور ہوتا ہے اس کے حالات دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتے ہیں کیونکہ دوسرا ہر حال میں معذور ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جمع کے لئے نہ کوئی مخصوص مقام ہے اور نہ کوئی ایک حال کیونکہ جمع اپنے مطلوب کے معنی میں ہمت کا جمع کرنا ہے۔ چنانچہ کسی گروہ کے لئے اس معنی کا کشف مقامات میں ہوتا ہے اور کسی گروہ کا کشف احوال میں ہوتا ہے اور دونوں وقتوں میں صاحب جمع کی مراد، نفی مراد سے حاصل ہوتی ہے۔ لان التفرقتہ فصل والجمع وصل اس لئے کہ تفرقہ جدائی ہے اور جمع وصل وملاپ اور یہ قول تمام اقوال میں صحیح ودرست ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہمت، حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جمع تھی کیونکہ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا اسی طرح مجنوں کی ہمت، لیلیٰ کے ساتھ جمع تھی کیونکہ اسے لیلیٰ کے سوا کچھ نظر آتا ہی نہ تھا اسے سارے جہاں میں ہر چیز کے اندر لیلیٰ نظر آتی تھی۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حجرے میں تشریف فرما تھے کسی نے دستک دی اور پوچھا کیا بایزید حجرے میں ہیں؟ انہوں نے فرمایا بجز حق کے حجرے میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک درویش مکہ مکرمہ آیا اور وہ ایک سال تک خانہ کعبہ کے روبرو اس طرح بیٹھا رہا کہ نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا، نہ سویا نہ رفع حاجت کو کہیں گیا اس کی تمام ہمتیں خانہ کعبہ کے مشاہدے ہی میں مجتمع رہیں اس نے اپنے آپ کو خانہ کعبہ سے اس طرح منسوب کر دیا کہ اس کا دیدار ہی اس کے جسم کی غذا اور اس کے روح کی توانائی بن گئی۔

ان حقائق کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے خمیر کو جو کہ جوہر ہے حصہ حصہ کر کے اس کا ایک ایک حصہ اپنے محبوب کے لئے اس کی تقدیر ولیاقت کے موافق مخصوص کر دیا ہے[275] اس وقت اس سے

شرح (275): بعض اسلاف سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنے کسی صدیق بندے کی طرف الہام فرمایا: میرے کچھ بندے مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے محبت کرتا ہوں، وہ میرے مشتاق اور میں ان کا مشتاق ہوں، وہ مجھے یاد کرتے اور میں انہیں یاد کرتا ہوں، وہ مجھے دیکھتے اور میں انہیں دیکھتا ہوں، اگر تُو ان کے طریقے پر چلے، تو میں تجھ سے محبت کروں گا اور اگر ان کی راہ سے روگردانی کریگا، تو میں تجھ سے ناراض ہوں گا۔ اس نے پوچھا: اے میرے رب عَزَّ وَجَلَّ! ان کی علامات کیا ہیں؟ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے فرمایا: وہ دِن کے وقت سائے کو یوں دیکھتے ہیں، جس طرح شفیق چرواہا اپنی بکریوں کو دیکھتا ہے اور غروبِ آفتاب کے اس طرح مشتاق ہوتے ہیں جیسے پرندے مغرب کے وقت اپنے گھونسلے کا مشتاق ہوتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے، بستر بچھ جاتے ہیں، تخت لگا دیئے جاتے ہیں اور ہر محب اپنے محبوب سے تنہائی اختیار کر لیتا ہے تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، میری بارگاہ میں اپنی پیشانیاں بچھا دیتے ہیں، میرے کلام کے ساتھ مجھ سے سرگوشی کرتے ہیں اور میرے انعام کے باعث میری تعریف کرتے ہیں، کوئی چیختا تو کوئی روتا ہے، کوئی آہیں بھرتا تو کوئی شکایت کرتا ہے، کوئی قیام میں ہے تو کوئی قعدہ میں، کوئی حالتِ رکوع میں ہے تو کوئی سجدہ کر رہا ہے، وہ میری رضا کے حصول کے لئے جو مشقت اٹھاتے ہیں میں اسے دیکھتا ہوں اور میری محبت میں جو شکایت کرتے ہیں میں اُسے سنتا ہوں، میں انہیں پہلے تین اِنعام عطا فرماتا ہوں:

(۱) اپنا نُور ان کے دل میں ڈالتا ہوں، تو وہ میرے بارے میں ایسے ہی خبر دیتے ہوں جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں،

(۲) اگر زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں ہے، اِن کے وزن کے برابر ہو تو میں اسے ان کی نظروں میں کم کر دیتا ہوں،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انسانی جوش، طبعی لباس مزاجی پردے اور روح کے حجاب اٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ جز و محبت جو اسے عطا ہوا ہے اپنی صفت پر اسے ڈھال لیتا ہے اور وہ سر تا پا محبت کا پیکر بن جاتا ہے اس کی تمام حرکتیں اور مشاہدے اسی سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اسی بناء پر اربابِ معانی و اصحابِ زبان اس کیفیت کو جمع کے نام سے موسوم کرتے ہیں اسی معنی میں حضرت حسین بن منصور فرماتے ہیں کہ:

لبیک لبیک یا سیدی ومولائی

لبیک لبیک یا مقصدی ومعنائی

یاعین، عین وجودی یا منتهی هممی

یامنطقی واشاراتی وایمائی

یاکل کلی ویاسمعی ویابصری

ویاجملتی وتباعض واجزائی

یعنی حاضر ہوں حاضر ہوں اے میرے سردار اے میرے مولا

حاضر۔ ہوں حاضر ہوں اے میرے مقصد و معنیٰ

اے ذات، تو میرے وجود کا عین ہے اے منتہیٰ تو میری ہمتوں کا منتہیٰ ہے

اے مجھے گویائی دینے والے! میرا کلام، میرا اشارہ اور میرا کہنا تو ہی ہے

اے میرے کل کے کل! اے میرے کان اور میری آنکھ

اے میرے تمام بدن اور میرے کل اعضاء و اجزاء سب تجھ سے ہی ہیں

لہٰذا جو اپنی صفات میں مستعار ہوتا ہے وہ اپنی ہستی میں عار اور لائق شرمسار ہوتا ہے اور دونوں جہان میں اس کی توجہ کفر ہوتی ہے اور موجودات میں اس کی ہمت موجب ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

ارباب زبان کا ایک گروہ اپنی عبارت و بیان کو مشکل و محیر العقول بنانے کے لئے جمع الجوامع یعنی "جمع کی جمع بول جاتے ہیں اگرچہ یہ کلمہ عبارت میں تو اچھا ہے مگر معنی میں یہی بہتر ہے کہ جمع کی جمع نہ بولا جائے اس لئے کہ اولاً تفرقہ ہو تو اس پر جمع درست ہو سکتی ہے اور جبکہ جمع خود جمع ہے تو تفرقہ کیسے ہوگا؟ اور جمع کو اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۳) میری رحمت ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے، کیا کوئی جانتا ہے کہ میں جس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اسے کیا دیتا ہوں؟ (لُبَابُ الْاِحْیَاء ۳۵۴)

حال سے کیسے گرایا جائے گا۔ اس طرح یہ عبارت یعنی جمع الجمع تہمت کی جگہ بن جائے گی اس لئے کہ جو جمع ہو جائے وہ فوق وتحت میں اپنے سے باہر نہیں دیکھ سکتا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج، سارا جہان دکھایا گیا مگر آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہ فرمایا (276) کیونکہ آپ جمع کے ساتھ جمع تھے اور مجتمع کو مشاہدے کی تفریق جدا نہیں کرسکتی اور وہ تفرقہ کو نہیں دیکھتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (277) محبوب کی آنکھ نہ ادھر ادھر پھری اور نہ حد سے گزری۔ (278)

(النجم: ۱۷)

میں نے اس معنی میں ایک کتاب بنام ''کتاب البیان لاہل العیان'' شروع میں لکھ دی ہے اور کتاب ''بحر القلوب'' میں جمع کے بیان میں چند واضح فصلیں تحریر کر دی ہیں۔ اس جگہ اظہار حقیقت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ سیاری مذہب، تصوف میں مقبول ومحقق ہے۔ اب میں ان نام نہاد صوفیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو ملحدین کا گروہ ہے اور ان کی عبارتوں کو بیان کرتا ہوں جن کو پھیلا کر وہ خود ذلیل وخوار ہوئے ہیں،

شرح (276): آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تمام کائنات کے سردار اور جن وانس کے امام ہیں، جنہیں (رات کے تھوڑے حصے میں) مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، پھر وہاں سے سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی تک، اور وہاں سے قَابَ قَوْسَیْنِ تک سیر کرائی گئی۔ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی سواری بُراق تھی، حضرت سیّدنا جبریل امین علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام لگام پکڑے ہوئے تھے اور تمام نوری مخلوق آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جب آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی سواری مسجدِ اقصیٰ پہنچی تو انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفوں میں کھڑے پایا۔ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے امامت فرمائی تو ہر نبی ورسول علیہم السلام نے آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے دعا کی۔

شرح (277): مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (پ ۲۷، النجم: ۱۷)

شرح (278): اس میں سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ قوت کا اظہار ہے کہ اس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے، داہنے بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے، نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھیری، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے ہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اور اپنی عزت گنوائی ہے۔ ضروری ہے کہ ان کی غلطیاں ظاہر ہو جائیں اور صاحب ارادت ان کے جھوٹے دعوؤں اور ان کے مکروفریب سے محفوظ ہو جائیں اور خود کو ان سے بچائیں۔ والامر کل بیدہٖ!

(۱۱-۱۲) ملحدوں کے حلولی فرقے

حلولیوں کے دو مردود گروہ ہیں۔ جو صوفیاء کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنی گمراہی کے اندر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلاَّ الضَّلَالُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ (279) اب حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں تم کہا بھٹک رہے ہو۔ (یونس: ۳۲)

ایک مردود گروہ اپنا پیشوا ابوحلمان دمشقی کو بتاتا ہے اور ان کی طرف ایسی روایتیں منسوب کرتا ہے جو ان کے برخلاف ہیں جن کو مشائخ اپنی کتابوں میں ان سے منقول لکھ چکے ہیں اور مشائخ ان کو ارباب ولایت میں سے جانتے ہیں لیکن ملحد و بے دین گروہ ان کی طرف حلول وامتزاج اور نسخ ارواح کی باتیں منسوب کرتے ہیں میں نے متقدمین کی کتابوں میں ان کے اوپر طعنوں کو پڑھا ہے اور علماء اصول بھی ان کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ صحیح حقیقتِ حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اور دوسرا مردود گروہ وہ ہے جو فارس کی طرف نسبت کرتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ حضرت حسین بن منصور کا مذہب ہے حالانکہ ان ملحدوں کے سوا حضرت حسین بن منصور کے اصحاب وتلامذہ میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے۔ میں نے ابوجعفر صیدلانی کو دیکھا ہے جو چار ہزار لوگوں کے ساتھ عراق میں پھیلا ہوا ہے اور اپنے آپ کو حلاجی کہلاتا ہے۔ ان کے اقوال کے سبب فارس پر تمام بزرگ لعنت کرتے ہیں حالانکہ حضرت حسین بن منصور کی مصنفات میں بجز تحقیق کے کسی قسم کی لغویت نہیں ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ فارسؔ اور ابوحلمان کون ہے؟ اور ان کے کیا اقوال ہیں؟ لیکن جو بھی کوئی ایسی بات کا قائل ہو جو توحید وتحقیق کے خلاف ہو دین میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ چونکہ دین میں جو چیز اصل ہے وہ توحید وتحقیق کا استحکام ہے (280) جبکہ وہ اس میں

شرح (279): فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلاَّ الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی پھر کہاں پھرے جاتے ہو (پ۱۱، یونس: ۳۲)

شرح (280): توحید کے معنی کی وضاحت لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی مستحکم نہیں تو تصوف جو کہ دین کی فرع اور اس کا نچوڑ ہے بدرجہ اولیٰ خلل پذیر ہوگا اس لئے کہ ظہور کرامات کشف اور مشاہدۂ آیاتِ الٰہیہ اہل توحید اور دینداروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان باطل اقوال کے ماننے والوں کی روح میں تو سراسر غلطیاں ہی غلطیاں ہیں (انہیں دین وولایت سے کیا علاقہ) اب میں قانون سنت کے مطابق ان کے احکام اور ملحدوں کے اقوال ومغالطے اور ان کے شبہات کو بیان کرتا ہوں تا کہ تم جان سکو کہ اس میں کتنے فساد پھیلائے گئے ہیں۔ **وباللہ التوفیق!**

روح کی بحث

واضح رہنا چاہئے کہ روح کے وجود کا علم ضروری ہے لیکن اس کی حقیقت ومعرفت میں عقل عاجز و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (یعنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں) سے ہوتی ہے اور قدرت پر ایمان کی ترجمانی لَهُ الْمُلْكُ (یعنی اسی کی بادشاہت ہے) سے ہوتی ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے جود وحکمت پر وَلَهُ الْحَمْدُ (یعنی اسی کی لئے تمام خوبیاں ہیں) دلالت کرتا ہے پس جس شخص کے دل پر اس جملہ کا معنی غالب ہو تو وہ مُتَوَکِّل بن جاتا ہے۔ ان تمام کی اصل توحید ہے۔

مراتبِ توحید:

توحید کے چار مراتب ہیں، اخروٹ کی طرح اس کے چار حصے ہیں، جیسے (۱) مغز (۲) مغز کا مغز (۳) چھلکا اور (۴) چھلکے کا چھلکا۔

پہلا مرتبہ: یہ ہے کہ انسان چھلکے کے چھلکے کی طرح صرف اپنی زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے، یہ منافقین کا ایمان ہے، ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ: یہ ہے کہ انسان دل سے کلمہ کے معنی کی تصدیق کرے اور یہ عام مسلمانوں کا ایمان ہے۔

تیسرا مرتبہ: یہ ہے کہ انسان کشف کے ذریعے ایمان کا مشاہدہ کرے اور یہ مقربین کا مقام ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کثرتِ اسباب دیکھے لیکن ان سب کو خدائے واحد عَزَّ وَجَلَّ کی طرف سے سمجھے۔

چوتھا مرتبہ: یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی جستجو میں رہے، یہ صدیقین کا مشاہدہ ہے، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اسے فَنَا فِی التَّوحِید کہتے ہیں اور اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ باطن کے توحید میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا، حضرت سَیِّدُنا ابویزید علیہ رحمۃ اللہ المجید کے فرمان کہ مجھے اپنی یاد بھلادی گئی سے یہی مراد ہے۔

لاچار ہے۔ امت مسلمہ کے ہر عالم ودانشور نے اپنے اپنے فہم وقیاس کے موافق کچھ نہ کچھ کہا ہے اور کفار و ملحدین نے بھی اس میں خامہ فرسائی کی ہے۔ جس وقت کفارِ قریش نے یہودیوں کے سکھلانے پر نضر بن حارث کو بھیجا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روح کی کیفیت اور اس کی ماہیت دریافت کرے (281) تو اللہ تعالیٰ نے پہلے روح کا اثبات کرتے ہوئے فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ اے محبوب تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

(بنی اسرائیل:۸۵)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح کی قدامت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (282) اے محبوب کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

(بنی اسرائیل:۸۵)

شرح (281): قریش مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور ان میں باہم گفتگو یہ ہوئی کہ محمدِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم میں رہے اور کبھی ہم نے ان کو صدق وامانت میں کمزور نہ پایا کبھی ان پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ نہ آیا، اب انہوں نے نبوّت کا دعوٰی کردیا تو ان کی سیرت اور ان کے چال چلن پر کوئی عیب لگانا تو ممکن نہیں ہے، یہود سے پوچھنا چاہیئے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے، اس مطلب کے لئے ایک جماعت یہود کے پاس بھیجی گئی، یہود نے کہا کہ ان سے تین سوال کرو اگر تینوں کے جواب نہ دیں تو وہ نبی نہیں اور اگر تینوں کا جواب دے دیں جب بھی نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دے دیں ایک کا جواب نہ دیں تو وہ سچے نبی ہیں، وہ تین سوال یہ ہیں اصحاب کہف کا واقعہ، ذوالقرنین کا واقعہ اور روح کا حال چنانچہ قریش نے حضور سے یہ سوال کئے آپ نے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے واقعات تو مفصّل بیان فرمادیئے اور روح کا معاملہ ابہام میں رکھا جیسا کہ توریت میں مبہم رکھا گیا تھا قریش یہ سوال کر کے نادم ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سوال حقیقتِ روح سے تھا یا اس کی مخلوقیت سے، جواب دونوں کا ہو گیا اور آیت میں یہ بھی بتادیا گیا کہ مخلوق کا علم علمِ الٰہی کے سامنے قلیل ہے اگرچہ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ کا خطاب یہود کے ساتھ خاص ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (282): وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

(پ ۱۵، بنی اسرائیل:۸۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ (بخاری شریف)

روحیں لشکر پیوستہ ہیں تو جو اس کی معرفت کی کوشش کرتا ہے وقت ضائع کرتا ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ اس قسم کے بکثرت دلائل ہیں لیکن ان میں روح کی ماہیت پر بحث نہیں کی گئی جو روح کے وجود پر کیفیت میں تصرف کے بغیر شاہد ہے (283) چنانچہ ایک گروہ کہتا ہے کہ:

الروح ھو الحیوۃ التی یحیی بہ الجسد روح ایک زندگی ہے جس سے بدن زندہ رہتا ہے۔

متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس معنی میں روح ایک عرض ہے جس سے حکم خدا کے تحت جاندار زندہ ہوتا ہے اور تالیف وحرکت کے اقسام کا اجتماع اسی سے وابستہ ہے۔ جس طرح دیگر اعراض ہوتے ہیں جو ہر شخص کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ:

"ھو غیر الحیٰوۃ ولا یوجد الحیٰوۃ الا معھا کما لا یوجد الروح الا مع البنیہ وان لا یوجد احدھما دون الأخر کالالم والعلم بھا لانھما شیئان لا یفترقان۔"

"روح زندگی کے سوا ایک شئے ہے اور زندگی اس کے بغیر نہیں پائی جاتی اور روح جسم کے بغیر نہیں پائی جاتی اور دونوں میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائی جاتی جیسے الم اور اس کا علم کیونکہ یہ دونوں جداگانہ شئے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ حیٰوۃ کے سوا روح کا وجود علیحدہ ہے اس کا وجود بغیر حیات کے ممکن نہیں ہے جیسے کہ

شرح (283): عالم خلق وہ چیزیں جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے انسان، حیوان، نباتات، جمادات، زمین وآسمان وغیرہا کہ نطفہ وتخم وعناصر سے بنے عالم امر وہ جو صرف امر کن سے بنا، اس کے لئے کوئی مادہ نہیں جیسے ملائکہ وارواح وعرش ولوح وقلم وجنت ونار وغیرہ۔ تو فرمایا روح عالم امر سے ایک چیز ہے، عقل کا حصہ اسی قدر ہے، آگے اس کی ماہیت اکابر اہل باطن جانتے ہیں، سبحان اللہ! آدمی خود اسی روح کا نام ہے اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر نا کام۔

تنت زندہ بجاں جان نہانی — توا ز جاں زندہ وجاں را نہ دانی

(تیرا بدن مخفی جان کی وجہ سے زندہ ہے، تو جان کے سبب زندہ ہے، اور جان کو نہیں جانتا ہے۔ ت)

غیر معتدل شخص کی روح جو ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائی جاتی مثلاً الم و تکلیف اور اس کا علم کہ یہ دونوں وجود میں تو مختلف ہیں لیکن وقوع میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ اسی معنی میں اسے عرضی بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہ حیات کہا جاتا ہے۔ (284)

شرح (284): اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے، موت بدن کے لیے ہے روح کے لیے نہیں، انما خلقتم للابد تم۔ ہمیشہ رہنے کے لیے بنائے گئے ہو۔

(شرح الصدور باب فضل الموت، خلافت اکیڈمی سوات ص ۵)

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں بعض ائمہ کرام سے نقل فرماتے ہیں کہ کسی نے ان کے سامنے موت وروح کا ذکر کیا، فرمایا: سبحن اللہ ھذا قول اھل البدع۔ سبحان اللہ! یہ بدمذہبوں کا قول ہے۔

(شرح الصدور باب مقر الارواح ،خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰۶)

اللہ عزوجل فرماتا ہے: کل نفس ذائقہ الموت ۔ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔

(القرآن الکریم ۳/ ۱۸۵)

موت جب تک واقع نہ ہوئی معدوم کا مزہ کہاں سے آیا اور جب واقع ہوئی اگر روح مرجائے تو موت کا مزہ کون چکھے یوں ہی اہلسنت و جماعت کا اجماع اور صحیح حدیثوں کی تصریح ہے کہ ہر میت اپنی قبر پر آنے والے کو دیکھتا اور اس کا کلام سنتا ہے، موت کے بعد سمع بصر، علم ادراک، سب بدستور باقی رہتے ہیں بلکہ پہلے سے بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، کہ یہ صفتیں روح کی تھیں اور روح اب بھی زندہ ہے پہلے بدن میں مقید تھی اور اب اس قید سے آزاد ہے، اولیائے کرام سے اس طرح عرض حاجت بلاشبہ جائز ہے،

امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی سبکی قدس سرہ الملکی نے کتاب مستطاب شفاء السقام اور شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اشعۃ اللمعات اور دیگر اکابر نے اپنی تصنیفات میں ان مسائل کی تحقیق جلیل فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں زیر آیہ کریمہ والقمر اذا اتسق لکھتے ہیں:

بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف دردنیا دادہ، واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد واویسیان تحصیل کمالات باطنی از آنہامے نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود از انہامی طلبند وے یابند۔

(فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم تحت آیہ والقمر اذا اتسق الخ مسلم بکڈ پولال کنواں دہلی ص ۲۰۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جمہور مشائخ اور اکثر اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ روح نہ عینی ہے نہ وصفی، اللہ تعالیٰ جب تک روح کو انسانی قالب میں رکھتا ہے تو وہ دستور کے مطابق قالب میں حیات پیدا کرتا ہے اور حیات انسانی کی صفت ہے اور وہ اسی سے زندہ رہتا ہے اور یہ کہ روح جسم انسانی میں عاریۃً ہے ممکن ہے کہ وہ انسان سے جدا ہو جائے اور حیات کے ساتھ زندہ رہے جس طرح کہ نیند کی حالت میں روح نکل جاتی ہے مگر وہ حیات کے ساتھ زندہ رہتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ جسم سے روح نکل جانے کے وقت اس میں عقل و علم باقی رہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ (285) یقیناً اس سے یہ لازم آتا ہے کہ روح عینی ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: **الارواح جنود مجندة**

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ تعالیٰ کے بعض خاص اولیاء ہیں جن کو بندوں کی تربیت کاملہ اور رہنمائی کے لیے ذریعہ بنایا گیا ہے، انہیں اس حالت میں بھی دنیا کے اندر تصرف کی طاقت و اختیار دیا گیا ہے اور کامل وسعتِ مدارک کی وجہ سے ان کا استغراق اس طرف متوجہ ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ صوفیائے اویسیہ باطنی کمالات ان اولیاء اللہ سے حاصل کرتے ہیں اور غرض مند و محتاج لوگ اپنی مشکلات کا حل ان سے طلب کرتے اور پاتے ہیں۔

شرح (285): حضرت سیدنا مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ O

ترجمہ کنز الایمان: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔ (پ 4 آل عمران: 169)

تو انہوں نے فرمایا، ہم نے جب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں، ان کے گھونسلے عرش سے معلق ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں پھر ان قندیلوں میں لوٹ آتے ہیں، پھر ان کا رب عزوجل ان پر تَجَلّی فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے، کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں، ہمیں کس چیز کی خواہش ہوگی جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل تین مرتبہ یہی فرماتا ہے کہ کوئی خواہش ہے؟ جب وہ جان لیتے ہیں کہ ہمارے لئے کچھ مانگے بغیر چارہ نہیں تو عرض کرتے ہیں، یا رب عزوجل! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تا کہ ہم ایک مرتبہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روحیں صف بستہ لشکر ہیں لامحالہ جنود باقی ہوتا ہے اور عرض پر بقا جائز نہیں اور نہ عرض از خود قائم ہوسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی جاتی ہے۔ (286) نبی کریم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پھر تیری راہ میں قتل کئے جائیں۔ جب اللہ عزوجل دیکھتا ہے کہ انہیں کوئی حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیتا ہے۔ (مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ارواح الشھداء فی الجنۃ، رقم ۱۸۸۷، ص ۱۰۴۷)

حضرتِ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرّم، نُورِ مجسّم، رسول اکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا، بیشک شہداء کی روحیں جنت میں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں جو جنت کے پھلوں یا جنت کے درختوں میں سے کھاتی ہیں۔

(الترغیب والترھیب، کتاب الجھاد، باب الترغیب فی الشھادۃ، رقم ۱۸، ج ۲، ص ۲۰۷)

حضرتِ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ عزوجل نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دیا جو جنت کی نہروں پر آکر اس کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سائے میں معلق سونے کی قندیلوں میں پناہ گزیں ہوجاتی ہیں۔ جب ان لوگوں نے اپنے کھانے اور پینے کی پاکیزگی کو دیکھا تو کہا کہ ہمارے بھائیوں تک ہمارا یہ پیغام کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد سے کنارہ کشی نہ کریں اور جنگ سے اجتناب نہ کریں تو اللہ عزوجل نے فرمایا، میں تمہارا پیغام پہنچاؤں گا پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔ (پ 4 آل عمران: 169)

(ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فی فضل الشھادۃ، رقم ۲۵۲۰، ج ۳، ص ۲۲)

شرح (286): امام عینی شارح کنز عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الاذان بعد ذھاب الوقت میں فرماتے ہیں:

الروح جوھر لطیف نورانی مدرک للجزئیات والکلیات غنی عن الاغتذاء بری عن التحلل والنماء ولھذا یبقی بعد فناء البدن اذ لیست لہ حاجۃ الی البدن ومثل ھذا الجوھر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ، یوسف صدیق، موسیٰ کلیم اللہ، ہارون حلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کو آسمانوں پر دیکھا۔ بلاشبہ وہ ان کی ارواحِ مقدسہ تھیں۔ اگر روح شئے عرضی ہوتی تو از خود قائم نہ ہوتی اور اسے ہستی و وجود کی حالت میں نہیں دیکھا جاسکتا تھا اگر وہ عرضی ہوتی تو اس کے وجود کے لئے کوئی مقام درکار ہوتا تا کہ عارض اس مقام میں قیام کرے اور وہ مقام اس کا جوہر ہوتا اور جواہر مرکب و کثیف ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ روح کے لئے جسم لطیف ہے جبکہ وہ صاحب جسم ہے تو اس کا دیکھنا بھی ممکن ہے خواہ دل کی آنکھ سے ممکن ہو یا سبز پرندوں کی شکل میں یا صف بستہ لشکری کی صورت میں؟ جن سے وہ آئیں اور جائیں اس پر حدیثیں شاہد ہیں اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (287) اے محبوب تم کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

(بنی اسرائیل:۸۵)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لایکون من عالم العنصر بل من عالم الملکوت فمن شانه ان لا یضره خلل البدن وتلتذ بمایلائمه ویتالم بما ینافیه، والدلیل علی ذٰلك قوله تعالیٰ ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم الأیة وقول صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا وضع المیّت علی نعشه رفرف روحه فوق نعشه ویقول یا اهلی ویاولدی۔

روح ایک جوہر لطیف نورانی ہے کہ علم سمع وبصر وغیرہا تمام ادراکات رکھتی ہے، کھانے پینے سے بے نیاز، گھٹنے بڑھنے سے بری ہے۔ اسی لئے فنائے بدن کے بعد باقی رہتی ہے کہ اسے بدن کی طرف اصلاً احتیاج نہیں، ایسا جوہر عالمِ آب و گل سے نہیں ہوتا بلکہ عالم ملکوت سے، تو اس کی شان یہ ہے کہ بدن کا خلل پذیر ہونا اسے کچھ نقصان نہ پہنچائے، جو بات موافق ہو اس سے لذت پائے، جو مخالف ہو اس سے درد پہنچے، اور اس پر دلیل اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو راہ خدا میں مارے گئے ہرگز انھیں مردہ نہ جانیوں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (الآیۃ) اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کہ جب مردہ نعش پر رکھا جاتا ہے اس کی روح بالائے نعش پرافشاں رہتی ہے اور کہتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میرے بچو! (عمدۃ القاری شرح البخاری، باب الاذان بعد ذہاب الوقت، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/۸۸)

شرح (287): قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

ترجمہ کنز الایمان: ۔تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرائیل:۸۶)

اب بے دینوں کے ایک اختلاف کا بیان اور باقی ہے وہ یہ کہ وہ روح کو قدیم کہتے اور اس کو پوجتے ہیں۔ (288) اشیاء کا فاعل اور ان کا مدبر اسی کو جانتے ہیں۔ وہ ارواح کو آلہ کہتے اور اسے ہمیشہ مدبر سمجھتے اور ایک سے دوسرے کی طرف الٹنے پلٹنے والا جانتے ہیں (گویا وہ آواگون اور تناسخ کے قائل ہیں) ان لوگوں نے عوام میں جس قدر شبہات پھیلائے ہیں کسی نے اتنے نہیں پھیلائے اور نصاریٰ کا مذہب اسی پر ہے اگرچہ ان کی ظاہری عبارتیں اس کے برخلاف ہیں اور تمام اہل ہنود تبت وچین اور ماچین کے لوگ بھی اسی کے قائل ہیں۔ گروہ شیعہ، قرامطہ اور باطنی لوگ بھی اس کے قائل ہیں اور یہ دونوں مردود و باطل گروہ بھی انہیں خیالات فاسدہ کے قائل ہیں اور ہر گروہ اسے مقدم جانتا اور دلائل پیش کرتا ہے۔ ہم ان کے تمام دعوؤں میں سے صرف لفظ قِدَم کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا شئی محدِث اپنے وجود میں متقدم ہے یا ہمیشہ قدیم۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہماری مراد، محدث، وجود میں متقدم ہے تو اس بنیاد پر اصل سے اختلاف ہی جاتا رہتا ہے کیونکہ ہم بھی روح کو محدِث کہتے ہیں یا یہ کہ اس شخص کے وجود پر روح کا وجود متقدم ہے کیونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

شرح (288): اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ رب العزت فتاویٰ رضویہ جلد 21 صفحہ 124 پر لکھتے ہیں؛ (ہندوؤں) میں ایک نیا فرقہ ہے جو آریہ کہلاتا ہے، وہ زبانی طور پر توحید کا دعویٰ کرتے ہیں اور بت پرستی کے حرام ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن برادری الفت ومحبت اور اتحاد میں ان کا رویہ بت پرستوں سے مختلف نہیں، ان بت پرستوں کے ساتھ ان کی الفت ومحبت ان کا اتحاد قائم ہے جو پتھر، پانی، درختوں اور تراشیدہ مورتیوں کو خدا سمجھتے ہوئے پوجتے ہیں اور یہ انھیں اپنا ہم مذہب اور دینی بھائی خیال کرتے ہیں۔ پھر یہ خبیث اگرچہ غیر کی عبادت وبندگی سے پرہیز کرتے ہیں مگر مادہ اور روح دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح قدیم اور غیر مخلوق مانتے ہیں اور کہتے ہیں۔ پس اگر عبادت میں شرک نہ ہوا تو وجوبِ وجود میں شرک ہوگیا پس ہر وجہ سے ان پر تین خدا لازم ہوگئے لہٰذا وہ یقیناً مشرک ہیں، اُن کا دعویٰ توحید ہوا میں پاؤں رکھنے کے مترادف ہے۔ اگر ہم آخری درجہ پر فرض کرلیں کہ وہ مشرک نہیں تاہم ان کے کفر یعنی کافر ہونے میں بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے اور جو انھیں کافر نہ جانے وہ خود کفر میں ان کے ساتھ برابر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج۲۱، ص ۱۲۴)

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِمَاْئَتِیْ اَلْفِ عَامٍ اللہ تعالیٰ نے اجسام کی تخلیق سے دو لاکھ برس قبل ارواح کو پیدا فرمایا۔

چونکہ ارواح کا محدِث ہونا صحیح ہے تو لامحالہ محدث کے ساتھ جو محدث ہو وہ بھی محدث ہوتا ہے اور دونوں ایک جنس کے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تخلیق میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا ہے اور اس اتصال سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حیات پیدا فرمائی ہے۔ مطلب یہ کہ تخلیق میں روح ایک جدا جنس ہے اور اجسام ایک جنس جداگانہ۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو حیات عطا فرماتا ہے تو روح کو جسم کے ساتھ ملنے کا حکم دیتا ہے اور اس سے زندگانی حاصل ہو جاتی ہے البتہ ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف روح کا منتقل ہونا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب ایک جسم کے لیے دو قسم کی حیات جائز نہیں تو ایک روح کے لئے دو مختلف جسم یا وجود بھی جائز نہیں۔ اگر اس پر احادیث ناطق نہ ہوتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ارشاد میں صادق نہ ہوتے از روئے عقل، صرف معقول روح، حیات کے بغیر نہ ہوتی اور وہ صفتی ہوتی عینی نہ ہوتی۔

اگر یہ ملحدین یہ کہیں کہ قِدَم سے مراد قدیم و دوام ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ از خود قائم ہے یا کسی دوسرے کے ساتھ؟ اگر یہ کہیں کہ قائم بنفسہٖ ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے یا نہیں؟ اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا نہیں ہے تو دوسرا قدیم ثابت ہوتا ہے اور یہ عقلاً محال ہے کیونکہ قدیم محدود نہیں ہوتا حالانکہ ایک ذات کا وجود دوسرے کی ضد ہوتی ہے اور یہ محال ہے۔ اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے تو ہم جواب دیں گے کہ وہ تو قدیم ہے اور مخلوق محدِث اور یہ محل ہے کہ محدِث کا قدیم کے ساتھ امتزاج ہو یا اتحاد و حلول یا محدث قدیم کی جگہ ہو یا قدیم محدث کی جگہ اور جب ایک دوسرے سے ملایا جائے گا تو دونوں ایک ہو جائیں گی اور جدائی محدثات کے سوا جائز نہیں کیونکہ جنسیں مختلف ہیں۔ تعالی اللہ عن ذالك علوا كبيرا!

اور اگر یہ کہیں کہ وہ قائم بنفسہٖ نہیں ہے اور اس کا قیام غیر کے ساتھ ہے تو یہ صورت دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ صفتی ہوگا یا عرضی۔ اگر عرضی کہیں تو لامحالہ اسے یا کسی محل میں کہیں گے یا لا محل میں۔ اگر اسے محل میں کہیں تو وہ محل بھی اس کی مانند ہوگا اور قِدم کا نام ہر ایک سے باطل ہو جائے گا اور اگر لا محل میں کہیں تو یہ محال ہے جبکہ عرض خود ہی قائم بنفسہٖ نہیں تو لا محل میں کس طرح متصور ہوگا اور اگر کہیں کہ صفت قدیم ہے جیسے کہ حلول و تناسخ والے کہتے ہیں اور وہ صفت کو حق تعالیٰ کی صفت کہتے ہیں تو یہ بھی محال ہے کہ حق تعالیٰ کی

قدیم صفت کسی مخلوق کی صفت بن جائے اور اگر یہ جائز ہو کہ خدا کی حیات مخلوق کی صفت ہو جائے تو یہ بھی جائز ہو گا کہ اس کی قدرت مخلوق کی قدرت ہو جائے۔ اس طرح صفت موصوف کے ساتھ قائم ہو جائے۔ لہٰذا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ قدیم صفت کے لئے حادث موصوف ہو لامحالہ قدیم کو حادث سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ بہر طور اس بارے میں ملحدوں کا قول باطل ہے۔

فرمانِ الٰہی کے موافق روح مخلوق ہے جو اس کے خلاف کہے گا وہ کھلا مکابرہ ہے اور وہ حادث و قدیم کا فرق نہیں جانتا اور ولی کے لئے یہ کسی طور پر جائز نہیں ہے کہ وہ صحتِ ولایت کے ساتھ حق تعالیٰ کے اوصاف سے بے بہرہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں بدعت و ضلالت اور وسواس شیطانی سے محفوظ کر کے عقل سلیم عطا فرمائی ہے جس کے ذریعہ غور و فکر اور استدلال کرتے ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ اس نے ہمیں دولت ایمان سے سرفراز فرمایا ہے جس سے ہم اسے پہنچانتے ہیں۔ وہ حمد ہی کیا جو حمد اپنی غایت کو نہ پہنچے کیونکہ نامتناہی نعمتوں کے مقابلہ میں حمد متناہی ہوتی ہے وہ نامقبول ہوتی ہے جب اہل ظواہر نے ارباب اصول سے اس قسم کی باتیں سنیں تو گمان کرنے لگے کہ تمام صوفیاء کا ایسا ہی اعتقاد ہو گا اس لئے وہ ان نیکوکار بزرگوں کے بارے میں کھلے نقصان اور ان کے جمال سے محجوب ہو گئے اور وہ ولایت حق کے لطائف اور شعلہ ہائے رموزِ ربانی کے ظہور سے پوشیدہ رہ گئے اس لئے اکابر سادات کی راہوں سے برگشتہ ہونا اور انہیں رد کرنا ان کے قبول کرنے کی مانند اور ان کا قبول کرنا ان کے رد کرنے کی مانند ہوتا ہے۔ **واللہ اعلم!**

روح کے بارے میں اقوالِ مشائخ (289)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

شرح (289): ابن المبارک کتاب الزہد و ابوبکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذہب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین۔

(کتاب الزہد لابن مبارک، باب ماجاء فی التوکل، حدیث ۴۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴)

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الروح فی الجسد کالنار فی الحطب فالنار مخلوقة والفحم مصنوعة جسم میں روح، لکڑی میں آگ کی مانند ہے آگ مخلوق ہے اور کوئلہ مصنوع۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلة تذهب حیث شاءت۔

(شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا، باب مقر الارواح، خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸)

فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البران ارواح الشهداء فی الجنة وارواح غیرهم علی افنیة القبور فتسرح حیث شاءت۔

(شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا، باب مقر الارواح، خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵)

امام ابوعمر ابن عبد البر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں،

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من هذا الهیکل وانفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت۔

(تیسیر شرح جامع صغیر، تحتِ حدیث ان روح المومنین الخ، مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/۳۲۹)

بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہندمی روندا۔

(تذکرۃ الموتٰی والقبور، اردو ترجمہ مصباح النور، باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں، نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶ و ۷۵)

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

خزانۃ الروایات میں ہے:

عن بعض العلماء المحقیقین ان الارواح تتخلص لیلة الجمعة وتنتش فجاؤ الی مقابر ثم جاؤا الی بیوتهم۔ (خزانۃ الروایات)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا باطل ہے۔ حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے بارے میں مفصل بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

الارواح علی عشر مقامات دس مقامات پر روحیں قائم ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔

دستور القضاۃ مسند صاحب مائۃ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے:

ان ارواح المومنین یاتونی فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل و احد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا۔ الخ۔ (دستور القضاۃ)

بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز وشب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہوکر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہر کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اذا کان یوم عید اویوم جمعۃ اویوم عاشوراء ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا۔ الحدیث۔ (خزانۃ الروایات)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔

علامہ سبکی شفاء السقام میں لکھتے ہیں:

وحیاۃ الشھداء اکمل واعلیٰ فھذا النوع من الحیاۃ والرزق لایحصل لمن لیس فی رتبتھم، وانما حیاۃ الانبیاء اعلیٰ واکمل واتم من الجمیع لانھا للروح والجسد علی الدوام علی ماکان فی الدنیا۔

(شفاء السقام، الفصل الرابع من الباب التاسع، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) مفسدوں کی روحیں تاریکی میں مقید ہیں...... اور جانتی ہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔
(۲) نیک و متقی حضرات کے جسموں کی روحیں آسمان کے نیچے اعمال صالحہ کے باعث خوش اور طاعت الٰہی میں مسرور ہو کر اس کی طاقت سے چلتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شہداء کی زندگی بہت اعلیٰ ہے، زندگی اور رزق کی یہ قسم ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو ان کے ہم مرتبہ نہیں اور انبیاء کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ وہ جسم و روح دونوں کے ساتھ ہے جیسی کہ دنیا میں تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ گفتہ اند ارواحنا اجسادنا یعنی ارواح ایشاں کار اجساد مے کنند و گاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح مے برآید، می گویند کہ رسول خدا را سایہ نبود (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ارواح ایشاں از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند مے روند، و بسبب ایں ہمیں حیات اجساد آنہا را در قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم می ماند، ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود ارواحِ مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند، مراد از مومنین کاملین اند، حق تعالیٰ اجسادِ ایشاں را قوتِ ارواح مے دہد کہ در قبور نماز میخوانند (ادا کنند) و ذکر می کنند و قرآن کریم مے خوانند۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور راردو ارواح کے ٹھہرنے کی جگہ نوری کتب خانہ نوری مسجد اسلام گنج لاہور ص ۷۵)

اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں۔ یعنی ان کی ارواح جسموں کا کام دیا کرتی ہیں اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے ارواح کی طرح ظاہر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی ارواح زمین آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہیں آتی جاتی ہیں، اس لیے قبروں کی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیاء نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ مومنین سے مراد کاملین ہیں، حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ قبروں میں نماز ادا کرتے اور ذکر کرتے ہیں اور قرآن کریم پڑھتے ہیں۔

اور شیخ الہند محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اولیاء خدائے تعالیٰ نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار بقا و زندہ اند نزد پرودگار خود، و مرزوق اند و خوشحال اند، و مردم را ازاں شعور نیست۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، مطبع تیج کمار لکھنؤ ۳ / ۴۰۲)

اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) محسنین کے جسموں کی روح نورانی قندیلوں میں عرشِ الٰہی سے آویزاں ہیں جن کی غذا محبت اور ان کا پانی شرابِ لطف وقربتِ ربانی ہے۔

(۴) مریدین کے جسموں کی روح کا مسکن چوتھے آسمان پر ہے وہاں صدق کی لذت پاتے ہیں اور اپنے اعمال کے سایہ میں فرشتوں کے ساتھ ہیں۔

(۵) اہل وفا کے جسموں کی روح حجابِ صفا اور مقام اصطفا میں خوش ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش حال ہیں، اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔

اور علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

لافرق لهم فی الحالین ولذ قیل اولیاء الله لایموتون ولکن ینتقلون من دارٍ الی دار ۔ الخ

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب الجمعہ، فصل الثالث، مطبع امدادیہ ملتان ۳/۲۴۱)

اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں (حیات وممات) میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔

علامہ جلا الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور میں اولیائے کرام علیہم الرضوان کی حیات بعد ممات کے متعلق چند روایات مستندہ لکھی ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہیں: امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدہ سرہ، اپنے رسالے میں بسند خود حضرت ولی مشہور سیدنا ابوسعید خراز قدس اللہ ثرہ الممتاز سے روای ہے کہ میں مکہ معظہ میں تھا، بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا، جب میں نے اس کی طرف نظر کی تو مجھے دیکھ مسکرایا اور کہا:

یا ابا سعید اما علمت ان الاحبا احیاء وان ماتوا وانما ینقلون من دارٍ الی دار۔

(شرح الصدور، باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۶)

اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالٰی کے پیارے زندہ ہیں اگر چہ مرجائیں، وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بدلائے جاتے ہیں۔

وہی عالی جناب حضرت سیدی ابوعلی قدس سرہ، سے راوی ہیں: میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا ان کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ تعالٰی ان کی غربت پر رحم کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

یا اباعلی اتذللنی بین یدی من یدللنی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

(٦) شہداء کے جسموں کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں جنت اور اس کے باغوں میں رہتی ہیں وہ جہاں چاہیں اور جب چاہیں جائیں۔

(٧) مشتاقوں کے جسموں کی ارواح ادب کے فرش پر انوار صفات کے پردوں میں قیام کرتی ہیں۔

(٨) عارفوں کے جسموں کی روحیں قدس کے توشک میں صبح وشام کلامِ الٰہی کی سماعت کرتی ہیں اور وہ دنیا اور جنت میں اپنے مساکن کو ملاحظہ کرتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (اے ابو علی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے) میں عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی ہے؟ فرمایا:

بل انا حیّ وکل محب اللہ حی لانصرنك بجاهي غدا۔

(شرح الصدور، باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی، خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ٨٦)

(میں زندہ ہوں، اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے، بیشک وہ وجاہت وعزت جو مجھے روز قیامت ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا)

وہی جنان مستطاب حضرات ابراہیم بن شیبان قدس سرہ، سے راوی: میرا ایک مرید جوان فوت ہو گیا، مجھ کو سخت صدمہ ہوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتداء کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جان پدر! تو سچا ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔

(شرح الصدور، باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی، خلافت اکیڈمی سوات ص ٨٦)

وہی امام، حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہ، سے راوی: میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختے پر لٹایا اس نے میرا انگوٹا پکڑ لیا۔ میں نے کہا: جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔ (شرح الصدور، باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی، خلافت اکیڈمی سوات ص ٨٦)

مکہ معظمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا: پیر مرشد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، حضرت ایک اشرفی لیں، آدھی میں میرا دفن اور آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دوسرا دن ہوا اور ظہر کا وقت آیا مرید مذکور نے آ کر طواف کیا، پھر کعبے سے ہٹ کر لیٹا تو روح نہ تھی، میں نے قبر میں اتارا۔ آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: کیا موت کے بعد زندگی؟ کہا:

اَنَا حَیٌّ وکُلُّ مُحِبُّ اللهِ حَیٌ (شرح الصدور، باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی، خلافت اکیڈمی سوات ص ٨٦)

(میں زندہ ہوں اور اللہ تعالٰی کا ہر دوست زندہ ہے)۔

(۹) محبوبوں اور دوستوں کے جسموں کی ارواح مشاہدۂ جمال الٰہی اور مقام کشف میں محو ہیں اس کے سوا وہ کسی چیز کی خبر نہیں رکھتیں اور نہ کسی سے انہیں بجز اس کے چین و راحت ملتی ہے۔

(۱۰) درویشوں کے جسموں کی روحیں محل فنا میں مقرب ہو کر اور اپنی صفات کو بدل کر احوال میں متغیر ہوتی ہیں۔

اربابِ طریقت بیان کرتے ہیں کہ مشائخ نے ہر ایک کو ان کی جداگانہ صورتوں میں دیکھا ہے اور یہ دیکھنا جائز ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ وہ موجود ہیں اور ان کے اجسام لطیف ہیں ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس طرح چاہے اپنے کسی بندے کو دکھا دیتا ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری زندگانی ہر حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اسی سے قیام بھی ہے اور ہمیں زندہ رکھنا حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ ہمارا وجود اور ہماری حیات سب اسی کی پیدا کردہ ہے اس کی ذات و صفات سے نہیں ہیں۔ حلولیوں کا قول سراسر باطل ہے اور وہ بہت بڑی گمراہی ہے ان کا پہلا باطل قول یہ ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے ہیں اگرچہ ان کی عبارتیں مختلف ہیں لیکن ان کے مفہوم یکساں ہیں، اور ان کا ایک گروہ نفس و ہیولیٰ کہتا ہے اور ایک گروہ نور و ظلمت کہتا ہے اور اس طریقت کو باطل ٹھہرانے والے لوگ اسے یا تو فنا اور بقا کہتے ہیں یا جمع و تفرقہ وغیرہ اس قسم کی بیہودہ باتیں گھڑ لی ہیں اور اپنے اس کفر کی داد چاہتے ہیں۔ صوفیاء کرام ایسے گمراہ گروہوں سے بے زار اور متنفر ہیں کیونکہ اثباتِ ولایت اور محبت الٰہی کی حقیقت بجز معرفت الٰہی کے درست نہیں ہو سکتی اور جب کوئی قدیم کو محدث سے جدا کر کے پہچان نہ سکے اس بارے میں وہ جو کچھ کہے گا وہ جہالت پر مبنی ہوگا۔ عقلمند جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے میں نے ان دونوں مردود گروہوں کا مقصد اور ان کا بطلان واضح کر دیا ہے اگر مزید علم کی خواہش ہو تو میری دیگر تصانیف کی طرف رجوع کریں۔ میں اس کتاب کو طول دینا نہیں چاہتا۔

اب میں طریقت و تصوف کے حجابات کا کشف اور معاملات و حقائق کے ابواب کو روشن دلائل کے ساتھ بیان کرتا ہوں تاکہ آسان طریقہ سے مقصود کا علم ہو سکے اور منکرین کے لئے سامان بصیرت فراہم ہو جائے اور یہ انکار سے باز آ جائیں اس طرح مجھے دعا و ثواب حاصل ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

باب 15:

پہلا کشف: معرفتِ الٰہی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ[1] انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ جانی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے۔ (الانعام: ۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَوْعَرَفْتُمُ اللہَ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ لَمَشَیْتُمْ عَلَی الْبُحُوْرِ وَالزَالَتْ بِدُعَائِکُمُ الْجِبَالُ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہ حاصل ہوتی تو تم دریاؤں پر خشک قدم چلتے اور تمہاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔

معرفت کی اقسام:

معرفت الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک علمی دوسری حالی۔ معرفت علمی تو دنیا و آخرت کی تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو بندے کے لئے ہمہ وقت اور ہر حالت میں تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔

معرفت علمی کے دلائل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (اَیْ لِیَعْرِفُوْنَ)[2] ہم نے جن وانس کو

شرح (1): وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی (پ ۷، الانعام: ۹۱)

شرح (2): وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی اسی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

(پ ۲۷، الذّٰریٰت: ۵۶)

اپنی معرفت ہی کے لئے پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ اس سے ناواقف اور روگرداں ہیں۔

(الذّٰریٰت:۵۶)

لیکن وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر دنیاوی تاریکیوں سے محفوظ رکھا اور ان کے دلوں کو زندہ وتابندہ بنایا[3] ان میں سے ایک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ یَعْنِیْ عُمَرَ[4] اور ہم نے ان کے لئے نور مقرر کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتے ہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

اور اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں پر مہر لگائی اور دنیاوی تاریکیوں میں مبتلا کیا ان میں سے ایک ابوجہل لعین کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمَاتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا یَعْنِیْ اَبُوْ جَهْلٍ[5] کون ہے اس کی مثل جو تاریکیوں میں ہے جو کبھی اس سے نکلتا ہی نہیں۔ یعنی ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ

(الانعام:۱۲۲)

لہٰذا معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہو اور اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو

شرح (3): اللہ عزَّ وجَلَّ کی معرفت کے باغات میں عظیم الشان سلطنت کی شاداب زمین اور نہروں میں سیر کرتے ہیں۔ کائنات کا ہر ذرہ انہیں توحید کے نغمات میں محو نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں امارت وغربت، عزت و ذلت، مدحت ومذمت، سہولت وصعوبت سب یکساں ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے انہیں راہِ نجات پر اخلاص کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو انہوں نے دنیا کے جال سے چھٹکارا پا کر قربِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ پالیا، لہٰذا انہیں بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی۔

شرح (4): وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ

ترجمہ کنزالایمان:۔اور اس کے لئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے (پ۸، الانعام:۱۲۲)

شرح (5): کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

ترجمہ کنزالایمان:۔ وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے اُن سے نکلنے والا نہیں

(پ۸، الانعام:۱۲۲)

اور ہر ایک کی قدر و منزلت معرفت سے ہے (6) اور جسے معرفت نہیں وہ بے قیمت ہے اسی لئے تمام علماء و فقہا، علم کی صحت اور درستگی کو معرفتِ الٰہی کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اور تمام مشائخ طریقت، حال کی صحت اور اس کی درستگی کو معرفتِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں اسی بنا پر وہ معرفت کو علم سے افضل کہتے ہیں کیونکہ صحت حال، صحت علم کے بغیر ممکن نہیں اور صحت علم کے لئے صحت حال لازمی ہے مطلب یہ ہے کہ بندہ اس وقت تک عارف نہیں ہو سکتا جب تک کہ عالم بحق نہ ہو البتہ عالم کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ عارف نہ ہو جو لوگ اس معنی اور حقیقت سے واقف اور بے خبر ہیں خواہ کسی طبقہ سے متعلق ہوں ان سے مناظرہ کرنا بے فائدہ ہے یہی وہ لوگ ہیں جو طریقت کے منکر ہیں اور طبقہ صوفیاء ان سے جدا ہے۔ اس اجمال کے بعد اب میں اس مسئلہ کے اسرار واضح کرتا ہوں تا کہ دونوں طبقوں کو فائدہ پہنچے۔

معرفت میں نظریاتی اختلاف:

اے عزیز واضح ہو کہ معرفتِ الٰہی اور اس کے علم کی صحت کے متعلق لوگوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت عقلی ہے عاقل کے سوا اس کی معرفت جائز نہیں یہ قول باطل ہے اس لئے کہ وہ دیوانے جو دارالاسلام میں ہوں ان کے لئے حکمی معرفت ہے اسی طرح وہ بچے جو عاقل نہیں ان کے لئے حکمی ایمان ہے۔ اگر حکم معرفت میں عقل شرط ہوتی تو جنہیں عقل نہیں وہ معرفت کے حکم میں نہ ہوتے اور کافروں میں چونکہ عقل ہے تو ان پر کفر نہ ہوتا اور اگر معرفت کے لئے عقل علت ہوتی تو ہر عاقل کو عارف کہا جاتا اور ہر بے عقل کو جاہل یہ کھلا مکابرہ ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کی علت استدلال ہے اور جس میں استدلال کی استعداد نہ ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں یہ قول بھی ابلیس کی مثال سے باطل ٹھہرتا ہے اس لئے کہ ابلیس نے بکثرت نشانیاں اور آیات الٰہیہ دیکھیں مثلاً جنت، دوزخ، عرش و کرسی، وغیرہ لیکن اس کے لئے ان کی دید بھی معرفت کی علت نہ بنی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۤئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

شرح (6): تمام اولیائے محمدیین میں سب سے زیادہ معرفت و قربِ الٰہی میں خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور اُن میں ترتیب وہی ترتیب افضلیت ہے، سب سے زیادہ معرفت و قرب صدیقِ اکبر کو ہے، پھر فاروقِ اعظم، پھر ذوالنورین، پھر مولیٰ مرتضیٰ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ [7] اگر ہم فرشتوں کو کفار کے پاس بھیجتے اور مردے ان سے کلام کرتے اور ان کے سامنے ہر چیز کو اٹھاتے جب بھی وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ تھے مگر جسے اللہ چاہے۔ [8] (الانعام:۱۱۱)

اگر آیاتِ الٰہیہ کی دید اور ان کا استدلال معرفتِ حق کی علت ہوتی تو اللہ تعالیٰ معرفت کی علت انہیں قرار دیتا نہ کہ اپنی مشیت کو۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک، صحت عقل اور رویتِ آیاتِ الٰہیہ معرفت کا سبب ہے نہ کہ اس کی علت، اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معرفت کی علت، بجز عنایتِ الٰہی اور اس کی مشیت کے کچھ نہیں ہے کیونکہ بغیر عنایت الٰہی عقل اندھی ہوتی ہے کیونکہ عقل بجائے خود جاہل ہے۔ بکثرت عقلاء نے حق تعالیٰ کی حقیقت کو نہ جانا جبکہ عقل بجائے خود جاہل ہے تو بغیر عنایت الٰہی وہ اپنے غیر کو کس طرح جانے گی؟ اسی طرح آیات الٰہیہ کی رویت میں تفکر و استدلال بھی خطا ہے کیونکہ اہل ہوا اور ملحدوں کی جماعت استدلال ہی کرنے والے ہوتے ہیں بایں ہمہ وہ عرفان سے محروم رہتے ہیں۔ پھر یہ کہ جو عنایت الٰہی سے اہل عرفان ہیں ان کی تمام حرکتیں معرفت کی علامت ہیں اور ان کا استدلال اور ان کا ترک وطلب سب مسلم ہے اور صحت معرفت میں تسلیم طلب سے افضل نہیں ہے کیونکہ طلب ایسی اصل اور بنیاد ہے جس کا ترک جائز نہیں ہے اور تسلیم ایسی اصل اور بنیاد ہے کہ اس میں اضطراب جائز نہیں ہے اور ان دونوں کے لئے معرفت حقیقت نہیں ہے لیکن یہ

شرح (7): وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا۔ (پ۸، الانعام:۱۱۱)

شرح (8): شانِ نزول: ابنِ جریر کا قول ہے کہ یہ آیت اِستہزاء کرنے والے قریش کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے مُردوں کو اُٹھا لائیے، ہم ان سے دریافت کر لیں کہ آپ جو فرماتے ہیں یہ حق ہے یا نہیں اور ہمیں فرشتے دکھائیے جو آپ کے رسول ہونے کی گواہی دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے۔ اس کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حقیقت میں بندے کے دل کو کھولنے والا اور اس کی رہنمائی کرنے والا حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ محض عقل و دلائل، ہدایت کی قدرت نہیں رکھتے اور دلیل اس سے زیادہ واضح نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْرُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا (9) اگر انہیں لوٹائیں تو یقیناً وہ اسی طرف پلٹیں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے۔ (الانعام: ۲۸)

مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کو قیامت کے بعد دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو پھر وہ اپنے اسی کفر میں آلودہ ہو جائیں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جس وقت معرفت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

عَرَفْتُ اللّٰہَ بِاللّٰہِ وَعَرَفْتُ مَادُوْنِ اللّٰہِ بِنُوْرِ اللّٰہ میں نے خدا کو اس کی مدد سے پہچانا اور ماسوٰی اللہ کو اسی کے نور سے جانا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے جسم کو پیدا کر کے اس کی حیات کو روح کے حوالہ کر دیا لیکن دل کو پیدا کر کے اس کی حیات کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ ظاہر ہے کہ جب عقل اور آیات کو جسم کے زندہ کرنے کی قدرت نہیں دی تو محال ہے کہ وہ دل کو زندہ کر سکے چنانچہ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ:

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنٰہُ (10) جو شخص مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کیا۔ (الانعام: ۱۲۲)

اس فرمان میں ہر قسم کی زندگانی کا اپنے قبضہ میں ہونا بیان فرمایا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ (11) اور ہم نے اس کے لئے نور مقرر کیا جس

شرح (9): وَلَوْرُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْہُ وَاِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ٥

ترجمہ کنز الایمان:۔ بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے۔ (پ ۷، الانعام: ۲۸)

شرح (10): اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا۔ (پ ۸، الانعام: ۱۲۲)

شرح (11): وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور اس کے لئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے۔ (پ ۸، الانعام: ۱۲۲)

کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ (الانعام: ۱۲۲)

مطلب یہ ہے کہ ایسے نور کا پیدا کرنے والا جس کی روشنی میں مسلمان چلیں وہ میں ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَہُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ (12) کیا اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے جس کا سینہ کھولا۔ تو وہ اپنے رب کے نور پر ہے۔ (13) (الزمر: ۲۲)

اس ارشاد میں بتایا گیا ہے کہ دل کی کشادگی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے اسی طرح اس کی بندش بھی اسی کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ دل کے قبض کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِہِمۡ وَعَلٰی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ (14) اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ (البقرہ: ۷)

شرح (12): اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَہُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ۔

ترجمہ کنز الایمان: ۔ تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ (پ ۲۳، الزمر: ۲۲)

شرح (13): جب سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب سینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اس فرمان مبارک،

میں موجود لفظِ شَرَحَ کے معنی پوچھے گئے تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک نور جب دل میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ کھل جاتا ہے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ہاں دھوکے والے گھر (یعنی دنیا) سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور ہمیشہ والے گھر کی طرف متوجہ ہونا، نیز موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

(المستدرک، کتاب الرقاق، باب أعلام النور فی الصدور، الحدیث ۷۹۳۳، ج ۵، ص ۴۴۲، بتغیرٍ قلیلٍ)

شرح (14): خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشٰوَۃٌ ۫

ترجمہ کنز الایمان: ۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے۔

(پ ۱، البقرۃ: ۷)

اور فرمایا:

وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا [15] (اے سننے والے) اس کی پیروی نہ کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔ (الکہف:۲۸)

جبکہ دل کا قبض و بسط اور اس کا ختم و شرح، اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے تو محال ہے کہ اس کے سوا کسی غیر کو رہنما بنایا جائے [16] اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ سب علت اور سبب ہے۔ ہرگز علت و سبب بغیر مسبب یعنی خدا کے راہ نہیں دکھا سکتا کیونکہ حجاب راہزن ہوتا ہے نہ کہ راہبر اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ [17] لیکن اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اسی نے تمہارے دلوں کو اس سے مزین فرمایا۔

(الحجرات:۷)

اس ارشاد میں حق تعالیٰ نے دل کی تزئین اور محبت جاگزیں کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ تقویٰ اور خدا کی محبت میں قائم رہنا جو کہ عین معرفت ہے اسی کی جانب سے ہے اور ملزم کو اپنے الزام میں اس حالت کو اپنے سے جدا کرنے یا اپنی طرف لانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا جب

شرح (15): وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ (پ ۱۵، الکہف:۲۸)

شرح (16): اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا حضور انور کے سامنے فرما دی ہے مگر اس کشف کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے، کبھی خِفا جسے صوفیاء کی اصطلاح میں قبض و بسط کہتے ہیں۔ جب رب تعالیٰ کی طرف سے بسط کا فیض ہوا تو یہ حال ہو گیا کہ کفار وہاں کے نشانات پوچھتے تھے اور حضور انور دیکھ دیکھ کر بتاتے تھے، قبض و بسط کی مثال ایسی ہے جیسے کھیت میں بارش کی تری اور دھوپ کی خشکی، بسط بارش ہے قبض دھوپ، کھیت کے لیے نہ ہمیشہ بارش مفید ہے نہ ہمیشہ خشکی فائدہ مند دونوں ہی چاہئیں۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۸، ص ۱۲۵)

شرح (17): وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ

ترجمہ کنزالایمان:۔ لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔

(پ ۲۶، الحجرات:۷)

تک اللہ تعالیٰ خود اپنی معرفت نہ کرائے لوگوں کے نصیب میں ہرگز اس کی معرفت ممکن نہیں ہے۔ مخلوق حصول معرفت الٰہی میں عاجز ہے۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لا دلیل علی اللہ سواہ انما العلم یطلب لآداب الخدمۃ اللہ تعالیٰ پر اس کے سوا کوئی دلیل و رہنما نہیں علم تو خدمت (عبادت) کا طریقہ سیکھنے کے لئے حاصل کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ کسی مخلوق کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ بندے کو خدا تک پہنچادے۔ استدلال کرنے والا، حضرت ابوطالب سے بڑھ کر عاقل نہ ہوگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بزرگ کوئی دلیل نہ ہوگی جبکہ حضرت ابوطالب کو شقاوت پر اجرا کا حکم تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلالت انہیں فائدہ نہ پہنچا سکی۔ استدلال کی خرابیوں میں سے پہلا درجہ یہ کہ مستدل، حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے روگرداں ہوتا ہے کیونکہ بوقت استدلال وہ غیر خدا پر غور وفکر کرتا ہے حالانکہ معرفت کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ غیر خدا سے روگرداں ہو اور دلائل کی جستجو کرنے والوں کی عادت استدلال کے سلسلے میں یہی ہے اور حق کی معرفت کے خلاف ہے لہٰذا جب معرفتِ الٰہی، بجز دوامی حیرانی عقل نہیں تو عنایتِ الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنا بندے کے لئے اپنے اختیار میں کیسے ہوگا؟ کیونکہ اس راہ میں مخلوق کے کسب واختیار کو کوئی دخل ہے ہی نہیں اور خدا کے سوا بندے کی دلالت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ رہا شرح صدر اور کشادگی قلب کا معاملہ، تو یہ غیبی خزانوں سے متعلق ہے اس لئے کہ جو کچھ خدا کے سوا ہے وہ سب حادث ہے اور اپنے جیسوں تک تو پہنچ سکتا ہے لیکن اپنے پیدا کرنے والا تک (خدا کی عنایت کے بغیر) نہیں پہنچ سکتا باوجود یہ کہ اس کا کسب واختیار بھی اسی کا پیدا کردہ ہے لیکن جب وہ کسی کے تحت آجاتا ہے تو کسبِ کاسِب غالب ہوجاتا ہے اور حاصل شدہ مغلوب لہٰذا اس میں عزت نہیں کہ عقل انسانی، فعل کی دلالت سے فاعل کی ہستی کا اثبات کرے بلکہ عزت وکرامت اس میں ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے نور سے اپنی ہستی کی نفی کرے۔ اول شخص کو معرفتِ قولی حاصل ہے اور دوسرے کو معرفتِ حالی۔

لیکن وہ گروہ جو عقل کو معرفت کی علت جانتا ہے اس سے کہو کہ تمہارے دل میں عین معرفت سے کیا چیز ثابت ہوتی ہے؟ کیونکہ جو کچھ عقل ثابت کرتی ہے معرفت اس کی نفی کا اقتضاء کرتی ہے مطلب یہ کہ دلالت عقلی کے ذریعہ دل میں جو خدا کی صورت بندھتی ہے کہ خدا ایسا ہے اس کی حقیقت اس کے برخلاف

ہے لہٰذا عقل کو کہاں قدرت ہے کہ استدلال کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل کر لے اس لئے کہ عقل و وہم دونوں ہم جنس ہیں جہاں جنس ثابت ہوتی ہے وہاں معرفت کی نفی ہوتی ہے لہٰذا استدلال عقلی سے تشبیہ کا اثبات ہوتا ہے اور اس کی نفی سے تعطیل۔ عقل کی رسائی انہیں دونوں قاعدوں تک ہے اور یہ دونوں معرفت کے لئے بیکار ہیں۔ کیونکہ مشبہ اور معطلہ موحد نہیں ہوتے عقل کی رسائل وہیں تک ہے جہاں تک اس کا امکان ہے اور جو کچھ اس سے نمودار ہوتا ہے وہ سب امکان یعنی حادث و مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جستجو و تلاش کریں لامحالہ وہ خدا کے حضور میں حاضر ہو کر بغیر کسی علت و سبب کے آ کھڑے ہوئے اور اپنے آرام میں بے آرام ہو کر آہ و زاری کے ساتھ ہاتھ پھیلا دئے اور اپنے زخم دل کے لئے مرہم مانگنے لگے کیونکہ ان کی راہ، اپنی قدرت و طلب کے اقسام سے ناواقف تھی تب قدرت حق اس جگہ ان کی طاقت بنی اور اس طرح وہ اس تک رسائی پا گئے اور غیبت کی تکلیف سے نجات حاصل کی محبت کے باغ میں جگہ بنا کر آرام کرنے لگے اور ان کی روح میں سرور پیدا ہوا۔ جب عقل نے دلوں کو فائز المرام دیکھا تو اس نے اپنا تصرف ظاہر کرنا چاہا مگر اس نے دخل نہ پایا تو تھک ہار کر بیٹھ گئی اور متحیر و پریشان ہو گئی جب حیرت و پریشانی کا استیلاء ہوا تو عقل معزول ہو گئی اور جب عقل معزول ہوئی تو حق تعالیٰ نے خدمت کا لباس عطا کر کے فرمایا اے عقل جب تک تو باخود تھی اس وقت تک اپنے تصرف و اسباب کے ساتھ محجوب تھی جب تیرے آلاتِ تصرف فانی ہو گئے اور تو تنہا رہ گئی جیسے کہ پہلے تھی تب تو نے رسائی حاصل کی اس طرح دل کو قربت اور عقل کو خدمت نصیب ہوئی۔ چونکہ اپنی معرفت کے اندر معرفت پنہاں تھی جب اپنی معرفت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنا عرفان عطا کر کے منزل عرفان سے روشناس کرایا تاکہ بندہ عرفان سے معرفت الٰہی کو پہچانے نہ کہ اسباب کے ذریعہ بلکہ اس کی شناخت اس وجود کے ذریعہ ہے جو اسے عطا کیا گیا ہے یہاں تک کہ عارف کی انانیت مکمل طور پر فانی ہو کر اس کا ذکر بغیر نسیان کے اور اس کا حال بغیر تقصیر کے بن گیا اب اس کی معرفت حال ہے نہ کہ گفتار۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ الٰہی الہامی ہے حالانکہ یہ بھی محال ہے اس لئے کہ معرفت کے لئے صادق و کاذب ہر طرح کی دلیلیں ہو سکتی ہیں اور الہام والوں کے لئے خطا و صواب پر محتمل دلیل نہیں ہوتی اس لئے کہ ایک کہے گا مجھے الہام ہوا ہے کہ خدا مکان میں ہے اور دوسرا کہے گا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اس کے لئے مکاں نہیں ہے لامحالہ ان دونوں مختلف دعووں میں ایک ہی حق پر ہو سکتا ہے حالانکہ دونوں ہی الہام کے مدعی

ہیں یقیناً اس کے فیصلہ کے لئے کوئی ایسی دلیل درکار ہوگی جس سے صدق و کذب کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے اور یہ دونوں مدعی جان لیں کہ الہامی حکم باطل ہے یہ قول برہمنوں کا ہے میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو الہام کے مدعی ہیں اور اس میں بہت غلو کرتے ہیں اور اپنے حالات کی نسبت مردانِ پارسا کی طرح کرتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ گمراہی پر ہیں۔ ان کی باتیں نہ صرف مسلمانوں کے خلاف ہیں بلکہ کافروں کے عقلمندانہ نظریات کے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ دس (۱۰) مدعیانِ الہام، دس (۱۰) ہی متناقض و متخالف باتوں کا دعوٰی کرتے ہیں جو حکم میں سب کے سب باطل ہوتے ہیں۔ ان مدعیانِ الہام میں سے کوئی ایک بھی حق پر نہیں ہوتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ''جو کچھ شریعت کے خلاف ہو وہ الہام نہیں ہوتا'' تو ہم جواب دیں گے کہ تم تو اپنے اصل و قاعدے میں غلطی پر ہو اس لئے کہ شریعت کو اپنے الہام پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہو کہ شریعت سے ہمارا الہام ثابت ہے حالانکہ معرفت الٰہی شرعی، ثبوتی او ہدایتی ہوتی ہے نہ کہ الہامی اور معرفت میں الہام کا حکم بہمہ وجوہ باطل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ حق ضروری یعنی بدیہی ہے حالانکہ یہ قول بھی باطل ہے اس لئے کہ بندے کے لئے ہر وہ چیز جس کا اسے علم ہو اگر بدیہی ہو تو ضروری ہے کہ اس میں تمام عقلاء مشترک و متحد ہوں۔ میں نے عقلاء کی ایک جماعت ایسی دیکھی ہے جو بدیہی ہونے کی منکر ہے اور تشبیہ و تعطیل کو جائز سمجھتی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ضروری اور بدیہی نہیں ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر معرفتِ الٰہی ضروری و بدیہی ہوتی تو اس پر تکلیف جائز نہیں ہوتی کیونکہ محال ہے کہ کسی ایسی چیز کی معرفت کے لئے جس کا علم ضروری و بدیہی ہو، اس پر تکلیف ہو مثلاً اپنی پہچان آسمان و زمین، دن و رات اور تکلیف و راحت وغیرہ وغیرہ کہ یہ سب بدیہی ہیں اور ان میں سے کسی کے وجود کے لئے عاقل کو شک و شبہ لاحق نہیں ہوتا اور نہ اسے اس کی حاجت ہوتی ہے کہ وہ پریشان ہو اور علم حاصل کرنا چاہے تو بھی حاصل نہ ہو سکے۔ البتہ صوفیوں کے ایک گروہ نے جب اپنے یقین کی صحت و درستگی پر غور کیا تو کہنے لگے کہ ہم اسے ضروری و بدیہی جانتے ہیں کیونکہ دل میں کوئی شک و شبہ واقع نہیں ہے۔ انہوں نے یقین کا نام ضروری و بدیہی رکھ لیا۔ یہ بات معنی کے لحاظ سے درست ہے لیکن تعبیر و بیان کے اعتبار سے غلط ہے اس لئے کہ ضروری و بدیہی علم میں، صحت و درستگی کی تخصیص جائز نہیں ہوتی ہے اور وہ تمام عقلوں میں مساوی ہوتی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ضروری و بدیہی علم ہوتا ہے

جو زندوں کے دلوں میں بغیر سبب و دلیل ظاہر ہو لیکن علم الٰہی اور معرفتِ ربانی سببی ہے۔

حضرت استاد ابو علی دقاق [18] اور شیخ ابو سہل صعلوکی اور ان کے والد جو نیشا پور کے امام و رئیس تھے ان کا نظریہ یہ ہے کہ معرفت کی ابتداء استدلال سے ہے اور اس کی انتہا ضرورت و بداہت ہے۔

اہل سنت و جماعت کا ایک قول یہ ہے کہ جبکہ جنت میں علم الٰہی ضروری و بدیہی ہو جائے گا اور یہ جائز بھی ہے تو یہاں بھی ممکن ہے کہ وہ ضروری بدیہی ہو جائے نیز ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں خواہ وہ بے واسطہ ہو یا فرشتہ یا وحی کے ذریعہ تو وہ اسے ضروری و بدیہی جانتے ہیں اور ہم بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اہل جنت، بہشت میں اللہ تعالیٰ کو ضرورت و بداہت سے جانیں گے چونکہ جنت تکلیف کا گھر نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام مامون العاقبۃ اور قطعی طور پر محفوظ ہیں ان کے لئے معرفتِ الٰہی ضروری و بدیہی ہے نیز انہیں خوف اور جدائی کا خطرہ بھی نہیں ہے ایمان و معرفت کو فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ وہ غیب ہے۔ جب وہ عیاں ہو جائے تو ایمان خبر بن جائے اور اس کے عیاں ہونے کے بعد اختیار ختم ہو جائے اصول شرع مضطرب ہو جاتے ہیں اور ردت کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور بلعم باعوراء [19] اور برصیصا [20] کی تکفیر

شرح (18): حضرت علامہ قشیری علیہ الرحمۃ کے مرشد کامل ابو علی دَقاق علیہ الرحمۃ کے ہیں اور ان کے پیر و مرشد نصر آبادی علیہ الرحمۃ ہیں۔

شرح (19): بلعم بن باعوراء:

یہ شخص اپنے دور کا بہت بڑا عالم اور عابد و زاہد تھا۔ اور اس کو اسم اعظم کا بھی علم تھا۔ یہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا اپنی روحانیت سے عرش اعظم کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ اور بہت ہی مستجاب الدعوات تھا کہ اس کی دعائیں بہت زیادہ مقبول ہوا کرتی تھیں۔ اس کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، مشہور یہ ہے کہ اس کی درسگاہ میں طالب علموں کی دواتیں بارہ ہزار تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم جبارین سے جہاد کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے تو بلعم بن باعوراء کی قوم اس کے پاس گھبرائی ہوئی آئی اور کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ہی بڑا اور نہایت ہی طاقتور لشکر لے کر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ہماری زمینوں سے نکال کر یہ زمین اپنی قوم بنی اسرائیل کو دے دیں۔ اس لئے آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایسی بددعا کر دیجئے کہ وہ شکست کھا کر واپس چلے جائیں۔ آپ چونکہ مستجاب الدعوات ہیں اس لئے آپ کی دعا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درست نہیں رہتی کیونکہ وہ سب باتفاق اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے مردود مرجوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ضرور مقبول ہو جائے گی۔ یہ سن کر بلعم بن باعوراء کانپ اٹھا۔ اور کہنے لگا کہ تمہارا برا ہو۔ خدا کی پناہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔ اور ان کے لشکر میں مومنوں اور فرشتوں کی جماعت ہے ان پر بھلا میں کیسے اور کس طرح بددعا کر سکتا ہوں؟ لیکن اس کی قوم نے رو رو کر اور گڑگڑا کر اس طرح اصرار کیا کہ اس نے یہ کہہ دیا کہ استخارہ کر لینے کے بعد اگر مجھے اجازت مل گئی تو بددعا کر دوں گا۔ مگر استخارہ کے بعد جب اس کو بددعا کی اجازت نہیں ملی تو اس نے صاف صاف جواب دے دیا کہ اگر میں بددعا کروں گا تو میری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔

اس کے بعد اس کی قوم نے بہت سے گراں قدر ہدایا اور تحائف اس کی خدمت میں پیش کر کے بے پناہ اصرار کیا۔ یہاں تک کہ بلعم بن باعوراء پر حرص اور لالچ کا بھوت سوار ہو گیا، اور وہ مال کے جال میں پھنس گیا۔ اور اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چل پڑا۔ راستہ میں بار بار اس کی گدھی ٹھہر جاتی اور منہ موڑ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر یہ اس کو مار مار کر آگے بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ گدھی کو اللہ تعالیٰ نے گویائی کی طاقت عطا فرمائی۔ اور اس نے کہا کہ افسوس! اے بلعم باعوراء تو کہاں اور کدھر جا رہا ہے؟ دیکھ! میرے آگے فرشتے ہیں جو میرا راستہ روکتے اور میرا منہ موڑ کر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ اے بلعم! تیرا برا ہو کیا تو اللہ کے نبی اور مومنین کی جماعت پر بددعا کرے گا؟ گدھی کی تقریر سن کر بھی بلعم بن باعوراء واپس نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ حسبان نامی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور بلندی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکروں کو بغور دیکھا اور مال و دولت کے لالچ میں اس نے بددعا شروع کر دی۔ لیکن خدا عزوجل کی شان کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرتا تھا۔ مگر اس کی زبان پر اس کی قوم کے لئے بددعا جاری ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر کئی مرتبہ اس کی قوم نے ٹوکا کہ اے بلعم! تم تو الٹی بددعا کر رہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ اے میری قوم! میں کیا کروں میں بولتا کچھ اور ہوں اور میری زبان سے کچھ اور ہی نکلتا ہے۔ پھر اچانک اس پر یہ غضبِ الٰہی نازل ہو گیا کہ ناگہاں اس کی زبان لٹک کر اس کے سینے پر آ گئی۔ اس وقت بلعم بن باعوراء نے اپنی قوم سے رو کر کہا کہ افسوس میری دنیا و آخرت دونوں برباد و غارت ہو گئیں۔ میرا ایمان جاتا رہا اور میں قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو گیا۔ اب میری کوئی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ مگر میں تم لوگوں کو مکر کی ایک چال بتاتا ہوں تم لوگ ایسا کرو تو شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکروں کو شکست ہو جائے۔ تم لوگ ہزاروں خوبصورت لڑکیوں کو بہترین پوشاک اور زیورات پہنا کر بنی اسرائیل کے لشکروں میں بھیج دو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہونے کے وقت کی خبر دیتے ہوئے شیطان کا قول بیان کیا کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اگر ان کا ایک آدمی بھی زنا کریگا تو پورے لشکر کو شکست ہو جائے گی۔ چنانچہ بلعم بن باعوراء کی قوم نے اس کے بتائے ہوئے مکر کا جال بچھایا۔ اور بہت سی خوبصورت دوشیزاؤں کو بناؤ سنگھار کرا کر بنی اسرائیل کے لشکروں میں بھیجا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا ایک رئیس ایک لڑکی کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو اپنی گود میں اٹھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے گیا۔ اور فتویٰ پوچھا کہ اے اللہ عزوجل کے نبی! یہ عورت میرے لئے حلال ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خبردار! یہ تیرے لئے حرام ہے۔ فوراً اس کو اپنے سے الگ کر دے۔ اور اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈر۔ مگر اس رئیس پر غلبہ شہوت کا ایسا زبردست بھوت سوار ہو گیا تھا کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے فرمان کو ٹھکرا کر اُس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا۔ اور زنا کاری میں مشغول ہو گیا۔ اس گناہ کی نحوست کا یہ اثر ہوا کہ بنی اسرائیل کے لشکر میں اچانک طاعون (پلیگ) کی وبا پھیل گئی اور گھنٹے بھر میں ستر ہزار آدمی مر گئے اور سارا لشکر تتر بتر ہو کر ناکام و نامراد واپس چلا آیا۔ جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر بہت ہی صدمہ گزرا۔ (تفسیر الصاوی، ج ۲، ص ۷۲۷، پ ۹، الاعراف، :۱۷۵)

شرح (20): برصیصا راہب

حضرت عبدالمنعم بن ادریس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عبادت گزار شمار کیا جاتا تھا، وہ بستی سے الگ تھلگ ایک مکان میں اللہ عزوجل کی عبادت کیا کرتا، اسی بستی میں تین بھائی اپنی ایک جوان کنواری بہن کے ساتھ رہا کرتے تھے، اچانک ان کے ملک پر دشمن حملہ آور ہو گیا، ان تینوں بہادر نوجوانوں نے جہاد پر جانے کا عزمِ مُصَمَّم کر لیا، لیکن انہیں اس بات کی فکر لاحق ہوئی کہ ہم اپنی جوان بہن کس کے سپرد کر کے جائیں انہوں نے بہت غور و فکر کیا لیکن کوئی ایسا قابل اِعتماد شخص نظر نہ آیا جس کے پاس وہ اپنی جوان کنواری بہن کو چھوڑ کر جاتے، پھر انہیں اس عابد کا خیال آیا اور وہ سب اس بات پر راضی ہو گئے کہ یہ عابد قابل اِعتماد ہے، ہم اپنی بہن کو اس کی نگرانی میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

چنانچہ وہ تینوں اس عابد کے پاس آئے اور اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ عابد نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا: میں یہ ذمہ داری ہرگز قبول نہیں کروں گا، لیکن وہ تینوں بھائی اس کی منت سماجت کرتے رہے بالآخر وہ عابد اس بات پر راضی ہو گیا کہ مَیں تمہاری بہن کو اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بلکہ میرے مکان کے سامنے جو خالی مکان ہے تم اپنی بہن کو اس میں چھوڑ جاؤ، وہ تینوں بھائی اس پر راضی ہو گئے اور اپنی بہن کو اس عابد کے مکان کے سامنے والے مکان میں چھوڑ کر جہاد پر روانہ ہو گئے۔

وہ عابد روزانہ اپنے عبادت خانے سے نیچے اُترتا اور دروازے پر کھانا رکھ دیتا پھر اپنے عبادت خانے کا دروازہ بند کر کے اُوپر اپنے عبادت خانے میں چلا جاتا پھر لڑکی کو آواز دیتا کہ کھانا لے جاؤ، لڑکی وہاں سے کھانا لے کر چلی جاتی۔

اس طرح کافی عرصہ تک عابد اور اس لڑکی کا آمنا سامنا نہ ہوا۔ وقت گزرتا رہا، ایک مرتبہ شیطان مردود نے اس عابد کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ بے چاری اکیلی لڑکی ہے، روزانہ یہاں کھانا لینے آتی ہے، اگر کسی دن اس پر کسی مرد کی نظر پڑ گئی اور وہ اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا تو یہ کتنی بری بات ہے، کم از کم اتنا تو کر کہ دن کے وقت تو اس لڑکی کے دروازے پر کھانا رکھ آیا کر، تا کہ اسے باہر نہ نکلنا پڑے، اس طرح تجھے زیادہ اُجر بھی ملے گا اور وہ لڑکی غیر مردوں کے شر سے بھی محفوظ رہے گی، اس عابد کے دل میں یہ وسوسہ گھر کر گیا اور وہ شیطان کے جال میں پھنس گیا۔

چنانچہ وہ روزانہ دن میں لڑکی کے مکان پر جاتا اور کھانا دے کر واپس آجاتا لیکن اس سے گفتگو نہ کرتا پھر کچھ عرصہ بعد شیطان نے اسے ترغیب دلائی کہ تیرے لئے نیکی کمانے کا کتنا عظیم موقع ہے کہ تُو کھانا اس کے گھر میں پہنچا دیا کر، تا کہ اس لڑکی کو پریشانی نہ ہو، اس طرح تجھے اس کی خدمت کا ثواب زیادہ ملے گا، چنانچہ اس عابد نے اب گھر میں جا کر کھانا دینا شروع کر دیا کچھ عرصہ اسی طرح معاملہ چلتا رہا، شیطان نے اسے پھر مشورہ دیا کہ دیکھ وہ لڑکی کتنے دنوں سے اکیلی اس مکان میں رہ رہی ہے، اسے تنہائی میں وحشت ہوتی ہوگی، اگر تُو اس سے کچھ دیر بات کر لے اور اس کے پاس تھوڑی بہت دیر بیٹھ جائے تو اس کی وحشت ختم ہو جائے گی اور اس طرح تجھے بہت اُجر و ثواب ملے گا۔ عابد پھر شیطان لعین کے چکر میں پھنس گیا اور اس نے اب لڑکی کے پاس بیٹھنا اور اس سے بات چیت کرنا شروع کر دی، پہلے پہل تو اس طرح ہوا کہ وہ عابد اپنے عبادت خانے سے بات کرتا اور لڑکی اپنے مکان سے، پھر وہ دونوں دروازوں پر آکر گفتگو کرنے لگے، پھر شیطان کے اُکسانے پر وہ عابد اس لڑکی کے مکان میں جا کر اس کے پاس بیٹھتا اور باتیں کرتا، بالآخر شیطان نے اب اسے ورغلانا شروع کر دیا کہ دیکھ یہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے! کیسی حسین و جمیل ہے! جب اس نے جوان لڑکی کی جوانی پر نظر ڈالی تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کے دل میں گناہ کا اِرادہ ہوا۔ ایک دن اس نے لڑکی سے بہت زیادہ قربت اِختیار کی اور اس کی ران پر ہاتھ رکھا پھر اس سے بوس و کنار کیا، بالآخر اس بد بخت عابد نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر اس لڑکی سے زنا کیا جس کے نتیجے میں لڑکی حاملہ ہوگئی اور اس حمل سے ایک بچہ پیدا ہوا۔

پھر شیطان مردود نے اس عابد کے پاس آ کر کہا: دیکھ! تیری حرکت کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے، تیرا کیا خیال ہے کہ جب اس لڑکی کے بھائی آئیں گے اور وہ اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھیں گے تو تجھے کتنی رسوائی ہوگی اور وہ تیرے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ تیری بہتری اسی میں ہے کہ تُو اس بچے کو مار ڈال تا کہ انہیں اس واقعہ کی خبر ہی نہ ہو اور تُو رسوائی سے بچ جائے۔ چنانچہ اس بد بخت نے بچے کو ذبح کر ڈالا اور ایک جگہ دفن کر دیا، اب وہ مطمئن ہو گیا کہ لڑکی اپنی رسوائی کے خوف سے اپنے بھائیوں کو اس واقعے کی خبر نہ دے گی لیکن شیطان ملعون دوبارہ اس عابد کے پاس آیا اور کہا: اے جاہل انسان! کیا تُو نے یہ گمان کر لیا ہے کہ یہ لڑکی اپنے بھائیوں کو کچھ نہیں بتائے گی، یہ تیری بھول ہے، یہ ضرور تیری حرکتوں کے بارے میں اپنے بھائیوں کو آگاہ کرے گی اور تجھے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، تیری بہتری اسی میں ہے کہ تُو اس لڑکی کو بھی قتل کر کے دفن کر دے تا کہ معاملہ ہی ختم ہو جائے۔ عابد نے شیطان کے مشورہ پر عمل کیا اور لڑکی کو قتل کر کے اسے بھی بچے کے ساتھ ہی دفن کر دیا اور عابد دوبارہ مصروفِ عبادت ہو گیا۔

وقت گزرتا رہا جب اس لڑکی کے بھائی جہاد سے واپس آئے تو انہوں نے اس مکان میں اپنی بہن کو نہ پا کر عابد سے پوچھا تو اس نے بڑے مغموم انداز میں روتے ہوئے جواب دیا: تمہارے جانے کے بعد تمہاری بہن کا انتقال ہو گیا اور یہ اس کی قبر ہے، وہ بہت نیک لڑکی تھی، اتنا کہنے کے بعد وہ عابد رونے لگا اور اس کے بھائی بھی قبر کے پاس رونے لگے۔ کافی دن وہ اسی مکان میں اپنی بہن کی قبر کے پاس رہے پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور انہیں اس عابد کی باتوں پر یقین آ گیا۔

ایک رات جب وہ تینوں بھائی اپنے اپنے بستروں پر آرام کے لئے لیٹے اور ان کی آنکھ لگ گئی تو شیطان ان تینوں کے خواب میں آیا اور سب سے بڑے بھائی سے سوال کیا: تمہاری بہن کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ تو مر چکی ہے اور فلاں جگہ اس کی قبر ہے۔ شیطان نے کہا: اس عابد نے تم سے جھوٹ بولا ہے، اس نے تمہاری بہن کے ساتھ زنا کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، پھر اس نے رسوائی کے خوف سے تمہاری بہن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اس بچے کو مار ڈالا اور ان دونوں کو ایک ساتھ دفن کر دیا، اگر تمہیں یقین نہیں آئے تو تم وہ جگہ کھود کر دیکھ لو۔ اس طرح اس نے تینوں بھائیوں کو خواب میں آ کر ان کی بہن کے متعلق بتایا، جب صبح سب کی آنکھ کھلی تو سب حیران ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: رات تو ہم نے عجیب وغریب خواب دیکھا ہے۔ پھر سب نے اپنا اپنا خواب بیان کیا، بڑا بھائی کہنے لگا: یہ محض ایک جھوٹا خواب ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، لہٰذا اسے ذہن سے نکال دو۔ چھوٹے بھائی نے کہا: میں اس کی ضرور تحقیق کروں گا اور ضرور اس جگہ کو کھود کر دیکھوں گا۔

چنانچہ وہ تینوں بھائی اسی مکان میں پہنچے اور جب اس جگہ کو کھودا جس کی شیطان نے نشاندہی کی تھی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں ان کی بہن اور ایک بچہ ذبح شدہ حالت میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ اس بد بخت عابد کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا: سچ سچ بتا تُو نے ہماری بہن کے ساتھ کیا کیا ہے؟ عابد نے جب ان کا غصہ دیکھا تو اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا اور سب کچھ بتا دیا۔ چنانچہ وہ تینوں بھائی اسے پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں لے گئے، بادشاہ نے ساری بات سن کر اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔

جب اس بد بخت عابد کو پھانسی دی جانے لگی تو شیطان مردود اپنا آخری وار کرنے پھر اس کے پاس آیا اور اسے کہا: میں ہی تیرا وہ ساتھی ہوں جس کے مشوروں پر عمل کر کے تو عورت کے فتنے میں مبتلا ہوا، پھر تُو نے اسے اور اس کے بچے کو قتل کر دیا، ہاں! اگر آج تُو میری بات مان لے گا تو میں تجھے پھانسی سے رہائی دلوا دوں گا۔ عابد نے کہا: اب تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ شیطان لعین بولا: تُو اللہ عزوجل کی وحدانیت کا اِنکار کر دے اور کافر ہو جا، اگر تُو ایسا کریگا تو میں تجھے آزاد کروا دوں گا۔ یہ سن کر کچھ دیر تو عابد سوچتا رہا لیکن پھر دنیاوی عذاب سے بچنے کی خاطر اُس نے اپنی زبان سے کفریہ کلمات بکے اور اللہ عزوجل کی وحدانیت کا منکر ہو گیا (والعیاذ باللہ تعالیٰ)۔ جب شیطان ملعون نے اس بد بخت عابد کا ایمان بھی برباد کروا دیا تو اُسے حالتِ کفر میں پھانسی دے دی گئی اور وہ فوراً اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے غائب ہو گیا۔

شیطان کی شیطانیت کے بارے میں قرآن کریم بیان فرماتا ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ [21] اب تیری عزت کی قسم ہے میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا۔ (الزمر: ۸۲)

درحقیقت بات کرنا اور کلام سننا معرفت کے مقتضیات میں سے ہے اور عارف جب تک عارف رہے وہ جدائی کے خطرے سے محفوظ ہے اور جب جدائی ہو جائے تو معرفت زائل ہو جاتی ہے حالانکہ علم بدیہی کے لئے زوال کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

یہ مسئلہ لوگوں کے درمیان خطرناک ہے۔ بس اسی قدر شرط ہے کہ اتنا جان لو جس سے آفت سے چھٹکارا مل جائے کیونکہ بندے کو علم اور حق تعالیٰ کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ حق تعالیٰ ازلی علم و ہدایت کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

البتہ یہ جائز ہے کہ معرفت میں بندے کے یقین میں احیاناً کمی و بیشی ہو لیکن اصل معرفت میں کمی و بیشی ممکن نہیں کیونکہ معرفت میں زیادتی موجب نقصان ہے اور کمی میں بھی۔

معرفت الٰہی میں تقلید جائز نہیں ہے حق تعالیٰ کو صفاتِ کمالیہ کے ساتھ پہچاننا لازم ہے اور یہ بات بجز حسن رعایت اور خالص عنایت ربانی کے صحیح نہیں ہوسکتی۔ تمام عقلی دلائل حق تعالیٰ کی مِلک اور اس کے قبضہ اختیار میں ہیں وہ اگر چاہے تو اپنے کسی ایک فعل کو اس کے لئے دلیل بنا دے اور اسی کے ذریعہ اپنی راہ دکھا دے اور اگر وہ چاہے تو اپنے تمام افعال کو اس کے لئے حجاب بنا دے اور وہ خدا تک رسائی سے محروم رہ جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت کے لئے معرفتِ الٰہی کی دلیل بنے وہاں نصاریٰ کے ایک گروہ کے لئے معرفت کے حجاب بنے۔ مسلمانوں نے انہیں خدا کا بندہ اور رسول مانا اور نصاریٰ نے انہیں خدا کا بیٹا گمان کیا (معاذ اللہ) یہی حال اصنام اور چاند اور سورج کا ہے۔ کسی کے لئے وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ترجمہ کنز الایمان: شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کرلیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب۔ (پ 28 الحشر:)

(تفسیر القرطبی، سورۃ الحشر، تحت الآیۃ: ۱۶، الجزء الثامن عشر، جلد ۹، ص ۳۰ تا ۳۲)

شرح (21): قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o

ترجمہ کنز الایمان: ۔ بولا تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ (پ ۲۳، ص: ۸۲)

معرفت کی دلیل ہیں اور کئی اس سے محروم رہے۔ اگر دلیل ہی معرفت کی علت ہوتی تو چاہئے تھا کہ ہر مستدل عارف ہوتا حالانکہ یہ کھلا مکابرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو برگزیدہ بنا کر ان چیزوں کو دلیل معرفت بنا دیتا ہے تا کہ ان ذرائع سے وہ خدا تک رسائی پائیں اور خدا کو پہچانیں۔ معلوم ہوا کہ دلیل خدا کی معرفت کا سبب تو ہو سکتی ہے مگر علت نہیں بن سکتی اور کوئی سبب کسی سبب سے مسبب یعنی خدا کے لئے بہتر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مسبب کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (22) اے محبوب! آپ کی حیات کی قسم بے شک یہ کافر اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں۔

کیونکہ عارف کے لئے سبب کا اثبات کفر ہے اور غیر کی طرف توجہ شرک ہے۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (23) (الاعراف: ۱۸۶) جسے خدا دلیل سے اندھا بنائے اسے کون راہِ ہدایت دکھا سکتا ہے۔ لہٰذا جب کسی کے لئے لوحِ محفوظ میں لاَ (نہیں) لکھا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی مراد معلوم میں کسی کے نصیب میں شقاوت و بدنصیبی ہے تو اس کے لئے دلیل واستدلال کس طرح موجب ہدایت بن سکتی؟ من التفت الی الاغیار فمعرفتہٗ زنار جس نے غیر کی طرف توجہ کی اس کی معرفت کفر ہے۔ جو بندے خدا کے غلبہ محبت میں مستغرق اور اس کے متلاشی ہیں ان کے لئے خدا کے سوا اور چیزیں راہ میں رکاوٹ کیسے بن سکتی ہیں؟

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب غار سے باہر تشریف لائے تو دن میں کوئی چیز نہ دیکھی حالانکہ دن میں بکثرت دلائل اور عجیب تر براہین موجود ہوتے ہیں لیکن جب رات ہوئی تو ستاروں کو دیکھا۔ اگر معرفتِ الٰہی کی علت دلیل ہوتی تو دن میں زیادہ دلائل نظر آتے اور اس سے زیادہ عجیب نشانیاں ظاہر ہوتیں لہٰذا اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے بندے کو اپنی راہ دکھاتا ہے اور اس پر معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے تا کہ عین معرفت میں اس درجہ تک پہنچے جہاں عین معرفت بھی اسے غیر نظر آئے اور اسے معرفت کی صفت آفت

شرح (22): لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ اے محبوب تمہاری جان کی قسم بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں

(پ ۱۴، الحجرات: ۷۲)

شرح (23): مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۸۶)

معلوم ہو کیونکہ معرفت کے ساتھ معروف یعنی خدا اسے وہ محجوب ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے معرفت کی تحقیق اس درجہ تک پہنچا دیتی ہے کہ معرفت اس کا دعوٰی بن جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ایاك ان لاتکون بالمعرفته مدعیا اے عزیز تم اس سے بچو کہ تم (بغیر تحقیق) معرفت کے مدعی بنو۔

کیونکہ:

یدعی العارفون معرفته

اقرا بالجھل ذاک معرفتی

عرفاء تو اپنی معرفت کا دعوٰی کرتے ہیں لیکن

میں ناواقفیت کا اقرار کرتا ہوں اور یہی میری معرفت ہے

اس لئے تمہیں سزاوار نہیں کہ تم معرفت کا دعوٰی کرو کیونکہ اس میں تمہاری ہلاکت ہے اور تمہارا تعلق اسی خوبی کے ساتھ ہونا چاہئے جس میں تمہاری نجات ہو اسی لئے جسے حق تعالیٰ کا کشف و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اس کے لئے اپنی ہستی وبال بن جاتی ہے اور تمام صفتیں آفت بن جاتی ہیں اور جو خدا کا ہو جائے اس کے لئے کوئی چیز ایسی نہیں رہتی جس کی نسبت اس بندے کی طرف کرنا درست ہو، نہ اس دنیا میں نہ اس جہان میں۔

معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز خدا کی ملکیت سمجھے۔ (24) جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ ہر چیز خدا کی ملکیت ہے اور اسی کے تحت تصرف میں ہے تو پھر اسے کسی مخلوق سے کوئی سروکار نہیں رہتا حتیٰ کہ خود اپنے سے بھی نہیں وہ اپنے آپ سے اور تمام مخلوق سے محجوب ہو جاتا ہے اس کا جواب ہر شئے سے ناواقفیت ہے۔ جب یہ بھی فنا ہو جاتی ہے تو حجاب بھی پراگندہ ہو جاتا ہے اور دنیا بمنزلہ عقبیٰ ہو جاتی ہے۔

شرح (24): جاننا چاہیے! فقیر وہ ہے جو اُس چیز کا محتاج ہو جس کا وہ مالک نہ ہو اور تمام لوگ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فقیر ہیں کیونکہ وہ اپنے وجود کو قائم و دائم رکھنے میں اسی کے محتاج ہیں اور ان کے وجود کی ابتداء بھی اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہی سے ہے اور یہ چیز ان کی ملکیت میں نہیں، بلکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ملکیت میں ہے، وہ غنی ہے۔

معرفت میں مشائخ کے رموز و لطائف

معرفت کے سلسلہ میں مشائخ کے بکثرت رموز و لطائف ہیں۔ حصولِ فائدہ کے لئے چند رموز درج کئے جاتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (25) فرماتے ہیں کہ:

المعرفة ان لاتتعجب من شيئی معرفت یہ ہے کہ تم کسی چیز سے متعجب نہ ہو۔

کیونکہ تعجب ''عجب'' ایسے فعل پر ہوتا ہے جو بندے کی اپنی طاقت سے زیادہ ہو اور جب اللہ تعالیٰ کمال پر قادر ہے تو عارف کے لئے خدا کے افعال میں حیرت و تعجب کا اظہار کرنا محال ہے۔

اگر کہیں عجب کی کوئی صورت ممکن ہو سکتی تو یہ بات تھی کہ اس نے ایک مٹھی خاک کو اس درجہ تک پہنچایا کہ وہ دنیا پر حکومت کرے ایک قطرہ خون کو اس مرتبہ تک پہنچایا کہ وہ معرفتِ الٰہی اور اس کی محبت و دوستی کی باتیں کرنے لگا اور وہ دیدارِ الٰہی اور اس کے قرب و وصال کا خواہش مند ہو گیا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حقيقته المعرفته اطلاع الحق على الاسرار بمواصلة لطائف الانوار

معرفت کی حقیقت حق تعالیٰ کا اَسرار پر مطلع کرنا اور اپنی معرفت کے انوار سے سرفراز فرمانا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عنایت سے بندے کو اپنے انوار سے آراستہ کر کے تمام آفتوں سے محفوظ کر دیتا ہے چنانچہ جب تک بندے کے دل میں رائی کے دانہ برابر مخلوق کا اثر رہتا ہے اس وقت تک وہ غیبی اسرار کے مشاہدے سے سرفراز نہیں کرتا اور نہ اس کے ظاہر کو مغلوب کرتا ہے۔ جب وہ بندے کے دل سے تمام تر اثرات نکال دیتا ہے تب وہ مشاہدات کا معائنہ کراتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

المعرفته دوام الحيرة حیرت دوام ہی تو معرفت ہے۔

شرح (25): حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۸۱ ہجری بہت ہی عظیم الشان محدث اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہت ہی محبوب اور محب شاگرد رشید ہیں۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے، ان کو ان کے والد کی میراث سے بہت کثیر دولت ملی تھی اور ہمیشہ بہت ناز و نعمت کی زندگی بسر کی تھی اور بہت ہی نفاست پسند امیر کبیر تھے۔

کیونکہ حیرت دو قسم کی ہوتی ہے ایک حیرت ہستی و وجود میں دوسری حیرت کیفیت میں۔ ہستی میں حیرت تو شرک ہے اور کیفیت میں حیرت معرفت ہے اس لئے کہ عارف کو اس کی ہستی و وجود میں شک کی کوئی گنجائش اور اس کی کیفیت میں عقل کو کوئی دخل نہیں اس جگہ اسے وجودِ باری تعالیٰ میں یقین، اور کیفیت میں حیرت حاصل ہو جاتی ہے اسی بنا پر کسی نے کہا ہے کہ:

یا دلیل المتحیرین زدنی تحیرا اے حیرت زدوں کے رہنما! میری حیرت کو اور زیادہ کر۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قائل نے پہلے تو حق تعالیٰ کے وجود کی معرفت اور اس کے اوصاف کا کمال ثابت کیا اور اقرار کیا کہ وہی مقصودِ خلق اور ان کی دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے اور حیرت زدوں کی حیرت اس کے سوا نہیں ہے۔ اس کے بعد قائل نے زیادتی حیرت کی استدعا کی اور اعتراف کیا کہ مطلوب کی معرفت میں عقل کا کوئی دخل نہیں وہاں حیرت و سرگردانی کے سوا اس کے لئے کوئی حصہ نہیں یہ معنی لطیف ہیں نیز اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ہستی و وجود کی معرفت، اپنی ہستی پر حیرت کا اقتضاء کر لے اس لئے کہ بندہ جب حق تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اور ہر چیز کو اس کے قبضہ و اختیار میں دیکھتا ہے اور یقین کر لیتا ہے کہ اس کا وجود بھی اسی سے ہے اور اس کا عدم بھی اسی سے تو اس کی قدرت میں سکون و حرکت سے متحیر ہوتا ہے کیونکہ جب کل کا قیام اسی سے ہے تو ''میں کون ہوں اور کیا ہوں'' (حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے) میں مستغرق ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی معنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ(26) جس نے اپنے آپ کو فنا سے پہچان لیا یقیناً اس نے حق تعالیٰ کو بقا سے پہچان لیا۔

کیونکہ فنا سے عقل وصفت باطل ہوتی ہے اور جب چیز کا عین، عقلی نہ ہو تو اس کی معرفت میں حیرت کے سوا کچھ ممکن نہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ان تعرف ان حرکات الخلق وسکنا تھم باللہ معرفت یہ ہے کہ تم جان لو کہ خلق کی تمام حرکت و سکون حق تعالیٰ سے ہے۔

اور کسی کو اس کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا اختیار نہیں۔ عین بھی اسی کے عین سے

شرح (26): (کشف الخفاء، حدیث ۲۵۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴)

ہے۔ اثر بھی اسی کے اثر سے اور صفت بھی اسی کی صفت سے اور حرکت وسکون بھی اسی کے حرکت وسکون سے کیونکہ جب تک حق تعالیٰ بندے کے وجود میں طاقت اور اس کے دل میں ارادہ پیدا نہ فرمائے بندہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ بندے کے افعال مجازی ہیں اور مخلوق کے تمام افعال خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ عارف کی صفت میں فرماتے ہیں کہ:

من عرف الله قل کلامه ودام تحیره جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی وہ بات کم کرے گا اور اس کی حیرت دائمی ہوگی۔ (27)

کیونکہ الفاظ کا جامہ اسے پہنایا جاسکتا ہے جو تحت عبارت ہو اور اصول میں عبارت کی ایک حد ہے اور معبر چونکہ محدود نہیں ہے تو عبارت کی بنیاد اس پر کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ جب عبارت کی ایک حد ہے اور معبر یعنی اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے تو اسے عبارت کی حد بندی میں کیسے لایا جاسکتا ہے اور جب مقصود عبارت میں نہ سما سکے اور بندہ اس میں عاجز ولاچار رہ جائے تو بجز دائمی حیرت کے کیا چارۂ کار ہوتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

العجز عن المعرفته یعنی معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ معرفت الٰہی سے عاجز رہے۔

شرح (27): حضرتِ سیِّدُنا بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، سلطانِ دوجہان، رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمانِ حقیقت نشان ہے: کوئی شخص اچھی بات بول دیتا ہے اُس کی انتہا نہیں جانتا اس کی وجہ سے اس کے لیے اللہ کی رِضا اُس دن تک کیلئے لکھی جاتی ہے جب وہ اسے ملیگا۔ اور ایک آدمی بُری بات بول دیتا ہے جس کی انتہا نہیں جانتا ش اس کی وجہ سے اپنی ناراضی اُس دن تک لکھ دیتا ہے جب وہ اس سے ملے گا۔ (مِشکاۃُ المَصابیح، ج ۲ ص ۱۹۳ حدیث ۴۸۳۳، سُنَنُ التِّرمِذی ج ۴ ص ۱۴۳ حدیث ۲۳۲۶)

مُفسّرِ شہیر حکیم الاُمّت حضرتِ مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنّان اِس حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں: (بعض اوقات آدمی) کوئی بات ایسی بُری بول دیتا ہے جس سے رب تعالیٰ ہمیشہ کے لیے ناراض ہوجاتا ہے لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ بہُت سوچ سمجھ کر بات کیا کرے۔ حضرتِ سیِّدُنا علقمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بہُت سی باتوں سے بِلال ابنِ حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی (مذکورہ) حدیث روک دیتی ہے۔ (مرقات) یعنی میں کچھ بولنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث سامنے آجاتی ہے اور میں خاموش ہوجاتا ہوں۔

(مراۃ ج ۶ ص ۴۶۲)

کیونکہ حق تعالیٰ کی حقیقت سے بندہ، سوائے عجز کے کوئی نشان نہیں رکھتا۔ ممکن ہے کہ بندے کو اس کے ادراک میں اپنے سے زیادہ دعویٰ نہ ہو اس لئے کہ عجز اس کی طلب ہے اور جب تک طالب اپنی صفت اور اسباب پر قائم ہے اس وقت تک اس پر عجز کا اطلاق درست نہیں ہوتا البتہ جب وہ اسباب اور اوصاف سے گزر جاتا ہے تب اسے فنا حاصل ہوتی ہے نہ کہ عجز۔

مدعیوں کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس حالت میں جبکہ آدمیت کی صفت برقرار و ثابت ہو اور صحت خطاب سے مکلف ہو اور حق تعالیٰ کی حجت اس پر قائم ہو، عاجز ہونے کا نام معرفت ہے اور ہم عاجز ہو کر سب سے پیچھے رہ گئے ہیں یہ قول گمراہی اور زیاں کاری پر مبنی ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ تم کس چیز کی طلب میں عاجز ہوئے ہو؟ حالانکہ عجز کی دو نشانیاں ہیں اور وہ دونوں تم میں نہیں ہیں ایک نشانی طلب کے اسباب کی فنا ہے اور دوسری نشانی اظہار تجلی ہے۔ جہاں اسباب کی فنا ہے وہاں عبارات گم ہوتی ہیں۔ اگر عجز کی تعبیر، عبارت سے کرو گے تو عجز کی عبارت بجز عجز کے نہ ہو گی اور جہاں اظہار تجلی ہے وہاں نشان نہیں ہوتا اور تمیز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی حتیٰ کہ عاجز بھی نہیں جانتا کہ وہ عاجز ہے یا یہ کہ وہ عجز سے منسوب ہے جس کی بنا پر اسے عاجز کہیں، اس کی بھی صورت نہیں۔ کیونکہ عجز غیر ہے اور غیر کی معرفت کا اثبات، معرفت نہیں ہے۔ جب تک دل میں غیر کی جگہ ہے یا عارف کو غیر کی تعبیر کی قدرت ہے اس وقت تک معرفت درست نہیں ہوتی اور جب تک عارف غیر سے کنارہ نہ کرے اس وقت تک عارف عارف نہیں ہوتا تو تمہارا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ [28] فرماتے ہیں کہ:

مذ عرفت اللہ ما دخل فی قلبی حق ولا باطل مجھے جب سے عرفانِ حق ہوا ہے اس وقت سے میرے دل میں کسی حق و باطل کا خطرہ نہیں آیا۔

اس لئے کہ جب تک لوگوں سے تعلق اور خواہش رہے اس وقت تک وہ دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور دل اس اثر کو لے کر نفس کے حوالہ کر دیتا ہے اور نفس باطل کا مقام ہے اسی طرح جب کسی کی محبت دل میں

شرح (28): حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کرامات ولیٔ وقت گذرے ہیں، آپ علوم ظاہریہ اور باطنیہ میں کمال رکھتے تھے آپ کو بادشاہِ مشائخ بھی کہا جاتا تھا، اور آپ قطب عالم کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں، آپ کو بلاواسطہ کشف مراتب حاصل ہوئے، حضرت ابوعثمان الحیری رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے شاگرد تھے۔

ہمیشہ رہے گی تو وہ بھی دل پر اثر انداز ہوگی اور دل اس اثر کو لے کر روح کے سپرد کر دے گا کیونکہ روح حق اور حقیقت کا منبع ہے۔ اور جب دل میں غیر کا دخل ہو تو اس کی طرف عارف کا رجوع کرنا معرفت کے منافی ہے لہٰذا تمام لوگ معرفت کی دلیل کی طلب بھی دل سے کرتے ہیں اور حرص و ہوا کی طلب بھی دل ہی سے ہے اور جب انہیں اپنی مراد حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے دل کی طرف رجوع نہ کیا اور غیر حق سے راحت نہ پائی اور صرف حق تعالیٰ کو پایا اور اسی سے لو لگائے رکھی اور جب نشان و دلیل کی ضرورت پیش آئی تو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور دل کی طرف رجوع نہ کیا۔ یہ فرق ہے ان بندوں کے درمیان، جو دل کی طرف رجوع ہوتے ہیں یا جو حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من عرف الله انقطع عن الكل بل خرس وانقمع جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ ہر ایک سے نہ صرف جدا ہو گیا بلکہ گونگا اور دل برداشتہ بھی ہو گیا۔

مطلب یہ کہ جس نے اسے پہچان لیا اس نے دل سے تمام اغیار کو نکال دیا اور اس کی تعبیر میں گونگا بن کر اپنے اوصاف سے فانی ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ [29] تیری حمد و ثناء کو میں گھیر نہیں سکتا۔

جب تک آپ غیبتؐ میں رہے آپ عرب میں سب سے زیادہ فصیح تھے آپ فرماتے ہیں کہ **أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ** میں عرب و عجم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ اور جب آپ کو غیبتؐ سے حضورؐ میں بھیجا گیا تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کناں ہوئے کہ میری زبان تیری حمد و ثنا کے کمال کو گھیرنے کی تاب و تواں نہیں رکھتی کس طرح تیری حمد ثنا کروں۔ قال سے بے قال اور حال سے بے حال ہوں تو وہی ہے جو تو ہے میری عرض یا تو میری وجہ سے ہوگی یا آپ کی وجہ سے۔ اگر اپنی وجہ سے کہوں تو محجوب ہوتا ہوں اگر تیری وجہ سے کہوں تو تیری قربت کی تحقیق میں اپنے اختیار میں معیوب ہوتا ہوں لہٰذا میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔

حق تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوا کہ اے محبوب اگر تم کچھ نہیں کہہ سکتے تو ہم فرماتے ہیں کہ **لَعَمْرُكَ إِذَا سَكَتَّ عَنْ ثَنَائِيْ فَالْكُلُّ مِنْكَ ثَنَائِيْ** یعنی اے محبوب تمہاری زندگانی کی قسم، جب آپ ثنا سے ساکت ہو گئے ہیں تو میں جہان کی ہر چیز کو تمہارا قائم مقام بناتا ہوں جو بھی میری ثنا کرے گا وہ تمہاری

شرح (29): (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر ۸۵۷)

طرف سے میری ثنا کرے گا گویا ان سب کی ثنا تمہارے حوالہ ہوگی، اور تم اپنی طرف سے میرے حضور پیش کرو گے۔[30]

شرح (30): ہماری حمد وثناء

تمام تعریفیں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے حقیقی عقلمندوں کو چن لیا کہ قربت سے غفلت کو چھوڑ کر اس کی معرفت کے چھپے ہوئے مطالب کو تلاش کریں۔ اور اس نے پختہ سمجھ کی کشتیوں کو، اپنی ہمیشہ رہنے والی صفت کے متعلق سوال کے دریاؤں کی تیز لہروں میں غرق کر دیا۔ اور غور و فکر کے پرندوں کے پروں کو کنوئیں سے آزاد کر کے اپنی شانِ بے نیازی کے میدانوں میں پہنچا دیا۔ اور حواس و شعور کے پیمانوں کی بنیاد نا اُمیدی کے کدّ ال سے گرادی، لہٰذا اس کی صفات و قدرت کا اندازہ لگانے کا کوئی پیمانہ نہیں۔ اور عقل و دانش کے پرندوں کو اپنی ذات کی معرفت کے جال میں داخل کیا تو افلاک و املاک سبھی اس کی شانِ اَحدِیَّت کے ادراک سے عاجز آگئے اور عقلیں اس کے رازِ یکتائی کے حصول کے قریب پہنچنے سے عاجز آگئیں۔ پس وہ اوّل ہے جس کی اَوَّلِیَّت پر سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔ وہ آخر ہے جس کے آخری ہونے پر کوئی آخر نہیں۔ وہ ظاہر ہے کہ اپنے اہلِ محبت پر دلیل کے ساتھ عیاں ہے۔ وہ باطن ہے کہ غور و فکر کے باوجود دل اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ وہ ایسا سمیع (یعنی سننے والا) ہے کہ رحمِ مادر کے پردوں کی تاریکی میں بچہ کے سانس کی آواز بھی سن لیتا ہے۔ وہ ایسا بصیر (یعنی دیکھنے والا) ہے کہ رات کے اندھیرے میں چھپی ہوئی سیاہ چٹان پر چیونٹی کے رینگنے کا نشان بھی دیکھ لیتا ہے۔ وہ علیم ہے کہ ہر وہ بات جانتا ہے جسے بندہ اپنے دل میں چھپاتا ہے۔ وہ جبّار ہے کہ ہر جابر اس کی بلند ہیبت کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ وہ قہّار ہے کہ ہر متکبر پر اپنی شانِ اقتدار سے غالب ہے۔ ساری کائنات اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے اور تمام مخلوق اس کی بزرگی کی معترف ہے۔ اور گرج اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی بولتی ہے اور فرشتے اس کے ڈر سے (یعنی اس کی ہیبت وجلال سے) اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

اے اعلیٰ مقصد کے طلب گار! راستے میں بہت زیادہ ہلاکتیں اور دُشوار گزار گھاٹیاں ہیں۔ اگر تو نے یہاں توفیقِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کو پالیا تو اپنی ملاقات میں کامیاب ہو جائے گا، اپنی اُمید کی انتہاء کو پالے گا، پھر تو ایسے جمال کو دیکھے گا جو کبھی تیرے خیال میں نہ آیا تھا اور ایسے جواب سنے گا جو کبھی تیرے دل میں نہ کھٹکے ہوں گے، اور تو ایسا جام پئے گا جو تجھے سیراب کر دے گا اور اہل و مال سے بے پرواہ کر دے گا۔ اگر تو اپنی عقل ورائے اور مثال سے اس کی بارگاہ میں رسائی چاہے گا تو ملاقات تو کجا اپنی دیگر نعمتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور خسارہ وعذاب مول لے گا۔ اپنے تجسس اور سوال میں کمی کر اور چھان بین اور جھگڑے سے رک جا۔ اور جان لے کہ (جس طرح تو مقصود چاہتا ہے) اللہ عزوجل کی مشیّت اس کے برعکس ہے۔

ذاتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی معرفت کے میدانوں کی طرف کتنے ہی عقلوں کے قافلے چلے اور بھٹکتے رہے، لیکن منزل پر نہ پہنچ سکے۔ بہت سی عقلوں نے اس دروازے میں داخل ہونا چاہا مگر وہ ہمیشہ بند رہا۔ عقل نے کتنے ہی پیغام بھیجے مگر وہ حیرانی کے عالم میں واپس لوٹ آئے۔ عقل بغیر بدلے اس در پر کھڑی ہے، فکر اس بارگاہ میں ہمیشہ سے حاضر ہے، پختہ سمجھ اس کی شانِ بے نیازی کے ادراک میں حیران و ششدر ہے کہ حواس باختہ ہو چکی ہے۔ عقلیں دنگ ہیں کہ معقول کے ذریعے اس کی پہچان نہیں ہوتی اور اذہان ہکا بکا ہیں کہ منقول کے ذریعے اس کا ادراک نہیں ہوتا۔

پاک ہے جو معبود ہے، کیسا؟ کیسے ہو کہ وہ کیفیت سے پاک ہے۔ کہاں؟ کہاں ہو کہ وہ کسی جگہ میں ہونے سے پاک ہے۔ وہ ہر شئے سے اوّل ہے اور اس کے لئے ابتداء نہیں، وہ ہر شئے کا آخر ہے اور اس کے لئے انتہاء نہیں۔ اس کو کسی مثل پر قیاس کیا جاسکتا ہے نہ کسی مادی شئے کے ساتھ اسے متصف کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی جسم کے ساتھ اس کی پہچان ہوسکتی ہے۔ اس نے شر کو پیدا کیا اور اسے لکھ دیا، اس نے خیر کو پیدا کیا اور اسے پسند فرمایا۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس پر رحم فرماتا ہے اور جس نے نافرمانی کی اسے عذاب دیتا ہے، کسی فیصلے کے بارے میں پوچھنے کا محتاج نہیں۔ اپنے اولیاء سے چھپتا نہیں اور نہ ہی انہیں حجاب میں رکھتا ہے۔ اس کا یہ ازلی وعدہ ہے کہ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ٥ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ٥

ترجمۂ کنزالایمان: اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ (پ ۳۰ الفجر: ۲۷۔۲۸)

پاک ہے ملک وملکوت والا، عزت وعظمت والا، وہ زندہ ہے جسے موت نہیں۔ وہ پوشیدہ رازوں، دلوں کی دھڑکنوں اور چھپے ہوئے خیالوں کی آہٹوں کو بھی جانتا ہے۔ اس نے عقلوں کو اپنی معرفت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس سمندر میں غرق کردیا جس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ وہ سوچوں کو پیغام دینے والا ہے، اس کی معرفت کی راہ میں سوچ رک گئی اور حیران ہے مگر وہ ہمیشہ سے باقی ہے۔ احساس کا جاسوس آیا تاکہ اس کی بعض صفات کو جانے لے تو تقدیر نے اسے آواز دی کہ اے حیرت زدہ! تو کہاں چل دیا، دروازے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور راستہ تو بند ہیں۔ اس کے ادراک کی طرف کوئی راہ نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی شبیہ و مثل ہے۔ ایسا سمندر ہے کہ وہاں سے جوہر نکالنا کسی غوطہ خور کے لئے ممکن نہیں۔ ایسی رات ہے کہ بہت چمکنے والا ستارہ بھی اس میں آنکھ کے لئے روشنی نہیں کر سکتا۔

پاک ہے وہ ذات جس نے تمام موجودات کو بنایا، زمانے کی تدبیر فرمائی، انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے بولنا سکھایا، قرآن کریم اتارا، ایمان و کفر اور اطاعت و نافرمانی کو مقدر کیا، وہ بھول سے پاک ہے، اسے ایک کام دوسرے سے غافل نہیں کرتا، زمانے اسے نہیں بدل سکتے، امور کا بدلنا اس پر مختلف نہیں ہوتا۔ اختیار کو مقرر فرمانے والا ہے اور قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اس کی شان سب سے بلند ہے، اور اسی کے لئے ہیں سب اچھے نام اور بلند صفات۔ اور وہ فرماتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا۔

ترجمۂ کنز الایمان: آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بنائے۔ (پ۱۹، الفرقان:۵۹)

اور

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○

ترجمۂ کنز الایمان: وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ (پ۱۶، طٰہٰ:۵)

زمانے اسے پرانا نہیں کر سکتے، مقدار اسے روک نہیں سکتی، اطرافِ عالم اُسے گھیر نہیں سکتے اور نگاہیں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اور اس کا فرمان ذیشان ہے:

یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ۔

ترجمۂ کنز الایمان: رات کو دن پر لپیٹتا ہے۔ (پ۲۳، الزمر:۵) اور

وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے سے ہے۔ (پ۱۳، الرعد:۸)

اس کی ذات دیگر ذوات کی طرح نہیں اور اس کی صفات دیگر صفات کی مثل نہیں۔ وہ درجات بلند کرنے والا، زندوں کو مارنے والا اور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بولیاں اس پر مشتبہ نہیں ہوتیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور نہ ہی آوازیں اس پر مختلف ہوتی ہیں۔ حواس کے ترازو سے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اسے نیند آئے نہ اُونگھ۔ اولیاء اس کی خفیہ تدبیر سے ڈرتے ہیں۔ ملائکہ اس کے خوف سے اس کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔ جن وانس اس کے قبضہ واقتدار میں ہیں۔ جنت وجہنم اس کے امرونہی کے تحت ہیں۔ بیان کرنے والے (جیسا اس کا حق ہے) اس کی تعریف وتوصیف نہیں کر سکتے۔ گمان اسے قید نہیں کر سکتے۔ اس پر کسی کا احسان نہیں۔ آنکھیں اسے کھلم کھلا نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ جب کسی شئے کو چاہے تو اس سے فرمائے: ہوجا۔ تو وہ فوراً ہوجاتی ہے۔ مخلوق اس کے غالب ارادہ میں مقید ہے۔ اُسی نے مخلوق اور ان کے اعمال کو پیدا فرمایا اور وہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں اور وہ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ (پ ١٧، الانبیآء: ٢٣)

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت تک جانے والی حقائق کی راہوں کو کٹھن ودشوار بنا دیا پس اس پر چلنے والے چٹیل میدان میں اگئے۔ اس نے مخلوق کے ادراک کو حیران کر دیا تو اب وہ حیرت زدہ ہیں۔ انہوں نے عقلوں کے تیل سے معرفت کے چراغ جلائے اور ایمان کی بجلی کے نور سے رہنمائی حاصل کی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ

ترجمۂ کنزالایمان: جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے۔ (پ ١، البقرۃ: ٢٠)

پھر انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا تو دل کہنے لگے: ہم پاکیزگی کے گھر ہیں اور گھر والا بہتر جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے۔ پھر انہوں نے صفات کا دامن تھاما تو وہ بولیں: ہمیں اس کے اظہار کی طاقت نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے عقل کی طرف اشارہ کیا تو عقل نے مدہوشی وحیرت کے عالم میں ان سے کہا: میں بھی اس معاملہ میں تمہاری طرح حیران ہوں، میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتی کہ اسے بیان کروں۔ میں اس کی صفات بیان نہیں کر سکتی کہ اس کی تعریف وتوصیف کروں اور میں نہیں جانتی کہ کس طرف سے اس تک رسائی حاصل کروں۔ تم نے اس امر کے متعلق پوچھا ہے جسے میں نہیں جانتی اور تم اس راز کا اظہار چاہتے ہو جسے حاصل کرنے میں، مَیں خود ہمیشہ عاجز رہی۔ مجھے تو یہاں سے صرف حیرت وتعجب ہی حاصل ہوا ہے۔ لیکن اے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معرفتِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے بارے میں حیرت زدہ! اے اس کے معانی کے حسن میں عقل کو لٹا دینے والے! اگر تُو اس کی معرفت چاہتا ہے تو توفیقِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی راہ پر چل۔ کیونکہ وہ ایسا قریب ہے کہ تُو جب چاہے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اور وہ بعید ہے مگر فاصلے کے ساتھ نہیں کہ تو اسے طے کر لے۔ اگر تو اس سے خالص دوستی اور تعلق رکھے گا تو وہ تجھے پاکیزگی و پسندیدگی کے جام سے سیراب فرمائے گا اور اگر تو نے اس کی محبت کا جام پی لیا تو یہی جام تجھے سیراب کر دے گا اور اگر تو اس کے ذکر اور حمد و ثنا کے نغمے سننا چاہتا ہے تو اسے کسی بھی چیز سے تشبیہ دینے سے بچتے ہوئے توحید و پاکی بیان کرنے والی زبان سے کہہ:

تَبَارَكَ اللهُ فِي عُلْيَاءِ عِزَّتِهٖ وَجَلَّ مَعْنًى فَلَيْسَ الْوَهْمُ يَحْوِيْهٖ

وُجُوْدُهٗ سَابِقٌ لَاشَيْءَ يُشْبِهُه، وَلَاشَرِيْكَ لَهٗ لَاشَكَّ لِيْ فِيْهٖ

لَاكَوْنٌ يَحْصُرُهٗ، لَاعَوْنٌ يَنْصُرُهٗ، لَاكَشْفُ يُظْهِرُهٗ، لَاجَهْرٌ يُبْدِيْهٖ

لَادَهْرٌ يَخْلُقُه، لَانَقْصٌ يُلْحِقُه، لَانَقْلٌ يَسْبِقُه، لَاعَقْلٌ يَدْرِيْهٖ

حَارَتْ جَمِيْعُ الْوَرٰى فِيْ كُنْهِ قُدْرَتِهٖ وَلَيْسَ تُدْرِكُ مَعْنًى مِنْ مَعَانِيْهٖ

سُبْحَانَهٗ، وَتَعَالٰى فِيْ جَلَالَتِهٖ وَجَلَّ لُطْفًا وَعَزَّ فِيْ تَعَالِيْهٖ

ترجمہ: (۱)۔۔۔۔۔۔اللہ عَزَّ وَجَلَّ اپنی عُلوِ عزت کے اعتبار سے بلند و برتر ہے اور وہ بڑا ہے کہ وہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ (۲)۔۔۔۔۔۔اس کا وجود ہمیشہ سے ہے، کوئی شئے اس کے مشابہ نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔ (۳)۔۔۔۔۔۔کوئی جگہ نہیں جو اسے گھیر لے، کوئی مددگار نہیں جو اس کی مدد کرے، کوئی کشف نہیں جو اسے ظاہر کرے اور کوئی اعلان نہیں جو اسے بیان کرے۔ (۴)۔۔۔۔۔۔کوئی زمانہ نہیں جس نے اسے پیدا کیا، کوئی عیب نہیں جو اس سے مل جائے، کوئی ایسی ذات نہیں جو اس سے بڑھ جائے اور کوئی عقل نہیں جو اس کا ادراک کرے۔ (۵)۔۔۔۔۔۔ساری مخلوق اس کی قدرت کی حقیقت میں حیران و سرگرداں ہے مگر اس کے معانی میں سے ایک معنی کا بھی ادراک نہیں کر سکی۔ (۶)۔۔۔۔۔۔وہ پاک ہے اور اس کی شانیں بلند و بالا ہیں اور وہ بڑا ہی مہربان اور طاقتور و برتر ہے۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِي الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ صفحہ ۵۰۱۔۵۰۳)

باب:16

دوسرا کشف: توحید کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ [1] تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ [2] (البقرہ:۱۶۳)

نیز فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ [3] تم فرما دو کہ اللہ اکیلا ہے۔ [4] (اخلاص:۱)

شرح (1): وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ (پ ۲، البقرہ:۱۶۳)

شرح (2): شانِ نزول: کفار نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا آپ اپنے رب کی شان و صفت بیان فرمائیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں بتادیا گیا کہ معبود صرف ایک ہے نہ وہ متجزّی ہوتا ہے نہ مُنْقَسِم نہ اس کے لئے مثل نہ نظیر۔ اُلُوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک نہیں وہ یکتا ہے اپنے افعال میں، مصنوعات کو تنہا اسی نے بنایا۔ وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے کوئی اس کا قسیم نہیں اپنے صفات میں یگانہ ہے کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ ابوداؤد و ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ایک یہی آیت وَاِلٰـهُكُمْ دوسری الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْاٰیہ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (3): قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔ (پ ۳۰، اخلاص:۱)

شرح (4): شانِ نزول: کفّارِ عرب نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اللہ ربُّ العزّت وعزّ وعلا تبارک وتعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے سوال کئے کوئی کہتا تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے، کوئی کہتا تھا کہ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے کس چیز کا ہے ؟ کسی نے کہا وہ کیا کھاتا ہے، کیا پیتا ہے، ربوبیّت اس نے کس سے ورثہ میں پائی اور اس کا کون وارث ہوگا؟ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اپنے ذات وصفات کا بیان فرما کر معرفت کی راہ واضح کی اور جاہلانہ خیالات واوہام کی تاریکیوں کو جن میں وہ لوگ گرفتار تھے اپنی ذات وصفات کے انوار کے بیان سے مضمحل کر دیا۔

نیز فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ [5] تم دو معبود نہ بناؤ بلاشبہ معبود ایک ہی ہے۔ (النحل: ۵۱)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

بَيْنَنَا رَجُلٌ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ اِلَّا تَوْحِيْدَ فَقَالَ لِاَهْلِهٖ اِذَا اُمِتُّ فَاَحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اسْتَحِقُوْنِيْ ثُمَّ ذَرُّوْنِيْ نِصْفِيْ فِي الْبَرِّ وَنِصْفِيْ فِي الْبَحْرِ فِيْ يَوْمٍ رَائِحٍ فَفَعَلُوْا فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلرِّيْحِ وَالْمَاءِ اَجْمِعَا مَا اَخَذْتُمَا فَاِذَا هُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لَهٗ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ فَقَالَ اِسْتِحْيَاءً مِّنْكَ فَغَفَرَ لَهٗ [6]

تم سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جس کی کوئی نیکی توحید کے سوا نہ تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا پھر خاکستر کو خوب باریک کر کے تیز ہوا کے دن آدھا خشکی میں اور آدھا دریا میں بہا دینا۔ گھر والوں نے ایسا ہی کیا اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی سے فرمایا جو تم نے پھیلایا ہے ان سب کو اکٹھا کرو اور میرے حضور لاؤ۔ جب خدا کے حضور وہ پیش ہوا تو حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا تجھے کس چیز نے اپنے ساتھ ایسا سلوک کرنے پر آمادہ کیا۔ اس نے عرض کیا خدایا مجھے تیری حیا دامنگیر تھی اس لئے میں نے اپنی جان پر ایسا ظلم کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ [7] (بخاری شریف، مسلم شریف)

شرح (5): لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ۔

ترجمہ کنز الایمان: دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے تو مجھی سے ڈرو۔ (پ ۱۴، النحل: ۵۱)

شرح (6): (مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ تعالیٰ وانہا سبقت غضبہ، رقم ۲۷۵۶، ص ۱۴۶۷) (صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب (۵۶)، رقم ۳۴۸۱، ج ۲، ص ۴۷۰) (شعب الایمان، جلد ۱، ص ۱۹، رقم الحدیث ۱۰۳۷)

شرح (7): اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:
غالب یہ ہے کہ یہ شخص کوئی اسرائیلی تھا کیونکہ بنی اسرائیل نے بارہا خوف الٰہی میں بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب انبیاء کرام کی تعلیم دنیا سے گم ہو چکی تھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

توحید کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اکیلا جانے اور اس پر صحیح علم رکھے چونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ بے مثل، اپنی ذات وصفات میں بے نظیر اور اپنے افعال میں لاشریک ہے توحید کے ماننے والے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو ان ہی خوبیوں کے ساتھ جانا ہے اور اس جاننے کو توحید کی یکتائی کہا ہے۔

توحید کے اقسام:

توحید کی تین قسمیں ہیں ایک حق تعالیٰ کی توحید اسی کے لئے یعنی خود حق تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسری حق تعالیٰ کی توحید، مخلوق کے لئے یعنی خدا کا حکم کہ بندے توحید تسلیم کریں...... اور اس نے بندوں کے دل میں توحید پیدا فرمائی۔ تیسری مخلوق کی توحید خدا کے لئے یعنی مخلوق کا جاننا کہ اللہ ایک ہے ...... لہٰذا بندہ جب حق کے ساتھ عارف ہوتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔

اثبات توحید:

واضح رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے (8) وہ نہ وصل کو قبول کرتا ہے نہ فصل کو نہ اس پر دوئی جائز ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لوگ رب تعالیٰ کی صفات سے بے خبر ہو گئے تھے لہٰذا اگلے واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

اگرچہ اس زمانہ میں دفن کا رواج تھا مگر اس ناسمجھ نے خیال کیا کہ دفن ہونے کی صورت میں میری لاش ایک ہی جگہ ہوگی جسے رب دوبارہ زندگی بخش دے گا اور اگر میری مٹی کے ذرے دریا اور خشکی میں بکھر گئے تو رب اسے جمع نہ کرے گا یا جمع نہ کر سکے گا۔ اس کا یہ خیال قدرت الٰہی سے بے خبری کی بنا پر تھا اور یہ بے خبری نور نبوت نہ پہنچنے کی وجہ سے تھی لہٰذا یہ بندہ معذور تھا اور اسے اس بنا پر کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسے زمانہ میں نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی ہوتا ہے۔

اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مردہ کو جلا ڈالنے اور اس کی مٹی کو اڑا دینے سے مردہ حساب و عذاب سے نہیں بچ سکتا، رب تعالیٰ ایک آن میں اس کے تمام ذرے جمع فرما کر حساب بھی لے لیتا ہے اور عذاب و ثواب بھی دے دیتا ہے جیسا کہ عذاب قبر کے باب میں عرض کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زمانہ فترت کے لوگ صرف عقیدۂ توحید پر بخشے جائیں گے، صفات الٰہی سے غفلت اور گناہوں پر ان کی پکڑ نہ ہوگی سوائے حقوق العباد اور ظلم کے کہ ظلم کی سزا تو جانوروں کو بھی ملے گی۔ تیسرے یہ کہ خوف خدا رب تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے جس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، دیکھو یہ بندہ عمر بھر کا گنہگار تھا محض غلبۂ خوف الٰہی سے بخشا گیا۔ چوتھے یہ کہ عذاب و ثواب کا حکم تو مرتے ہی ہو جاتا ہے اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ (مرآۃ المناجیح، ج ۳، ص ۵۹۲)

شرح (8): اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ذات مقدسہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ یکتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور نہ اس کی وحدانیت عددی ہے جو کسی عدد کے ثابت ہو جانے پر دو ہو جائے اور اس کی وحدانیت عدد بن جائے اور نہ وہ محدود ہے کہ اس کے لئے جہات اور سمتوں کا تحقق ہو اور نہ اس کے لئے مکان ہے اور نہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا کوئی مثل نہیں، بے نیاز ہے اس کا کوئی مقابل نہیں، تنہا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں، قدیم ہے اس سے پہلے کوئی نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اس کی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ رہے گا جس کی انتہاء نہیں، ابدی ہے اس کی نہایت نہیں، قائم ہے اس کے لئے اختتام نہیں، ہمیشہ کے لئے ہے اس کے لئے ٹوٹنا نہیں، وہ ہمیشہ صفاتِ جلالیہ سے متصف ہے اور رہے گا، مدتوں اور زمانوں کے گزر جانے سے اس کے لئے ختم ہونا اور جدا ہونا نہیں بلکہ وہی اوّل و آخر ہے، وہی ظاہر و باطن ہے۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہر عیب سے پاک ہے:

وہ نہ جسم صوری ہے نہ جوہر ہے جو کسی حد اور مقدار میں آسکے وہ جسموں کی مثل نہیں نہ اندازہ کرنے میں اور نہ تقسیم قبول کرنے میں، نہ وہ جوہر ہے نہ اس میں کوئی جوہر آسکتا ہے، نہ وہ عرض ہے اور نہ اس میں اعراض داخل ہو سکتے ہیں بلکہ وہ کسی موجود کی مثل نہیں اور نہ کوئی موجود اس کی مثل ہے نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے اور نہ وہ کسی چیز کی مثل ہے نہ ہی وہ مقدار میں آتا ہے نہ کنارے اس کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ جہات کے احاطہ میں آتا ہے، زمین و آسماں اس کو گھیر نہیں سکتے اور اس نے اپنی شان کے لائق عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے اور اس طریقہ پر جو اس کی مراد ہے وہ ایسا استواء ہے جو چھونے، قرار پکڑنے، ٹھہرنے، داخل ہونے اور منتقل ہونے سے پاک ہے۔ عرش اُسے نہیں اٹھاتا بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے اس کی قدرت سے قائم ہیں اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ عرش و آسمان اور تحت الثریٰ کی حدوں سے بالاتر ہے، اور یہ بالاتر ہونا ایسا نہیں جس کی وجہ سے وہ عرش و آسمان کے قریب اور زمین و تحت الثریٰ سے دور ہو بلکہ وہ عرش کے درجات سے بالا ہے جیسے وہ تحت الثریٰ کے درجات سے بالا ہے، اس کے باوجود وہ ہر چیز کے قریب ہے، وہ بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے ہے کیونکہ اس کا قرب اجسام کے قرب کی طرح نہیں جیسے اس کی ذات اجسام کی ذات کی مثل نہیں اور وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا، نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے، وہ اس بات سے بلند ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرے جس طرح وہ زمانے کے دائرے میں محدود ہونے سے پاک ہے بلکہ وہ تو زمان و مکان کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھا اور اب بھی پہلے کی طرح موجود ہے اور رہے گا۔ وہ اپنی صفات کے ساتھ مخلوق سے ممتاز ہے۔ اس کی ذات میں کوئی دوسرا نہیں اور وہ کسی دوسری ذات میں نہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کسی مکان میں ہے کہ اس کے لئے مکان کے اثبات کی ضرورت لاحق ہو اس لئے کہ اگر وہ مکان میں متمکن ہوتا تو مکان کے لئے بھی مکان کی حاجت ہوتی اس طرح فعل، فاعل اور قدیم و حادث کا حکم باطل ہو جاتا ہے نہ وہ عرضی ہے کہ وہ کسی جوہر کا محتاج ہوتا کہ اپنے محل میں باقی رہے اور نہ جوہر ہے کیونکہ اس کا وجود،

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ تبدیلی اور انتقال سے پاک ہے۔ حوادث و عوارض اس پر وارد نہیں ہوتے بلکہ وہ ہمیشہ بزرگی کے ساتھ متصف اور زوال سے منزہ رہتا ہے۔ وہ اپنی صفات کمالیہ میں مزید کمال حاصل کرنے سے بے نیاز ہے۔ اس کی ذات عقل کے اعتبار سے معلوم و موجود ہے جنت میں نیک لوگ اس کے فضل و کرم اور مہربانی سے آنکھوں کے ساتھ اس کی زیارت کریں گے اور اس کے جمال اقدس کو آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے اس کی نعمتوں کی تکمیل ہوگی۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی حیات وقدرت:

بے شک اللہ عَزَّ وَجَلَّ زندہ وقادر ہے، جبار و غالب ہے، اسے کوئی عاجزی و کوتاہی لاحق نہیں ہوتی۔ نہ اسے اونگھ و نیند آتی ہے نہ اس پر فنا و موت طاری ہوتی ہے۔ وہ بادشاہی و ملکوت کا مالک اور عزت و جبروت والا ہے، اسی کے لئے حکومت و غلبہ ہے، پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے اختیار میں ہے۔ تمام آسمان اسی کے قابو میں ہیں وہ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے میں یکتا ہے۔ کسی چیز کو ابتداءً وجود دینے اور کسی نمونہ کے بغیر پیدا کرنے میں وہ یکتا ہے۔ اس نے مخلوق اور ان کے اعمال کو پیدا کیا اور ان کے رزق اور موت کا تعین کیا۔ نہ اس کی مقدورات کا شمار ہے نہ ہی معلومات کی انتہا ہے۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا علم:

وہ تمام معلومات کا عالم ہے، زمین کی تہہ سے لے کر آسمانوں کی بلندی تک جو کچھ جاری ہے سب کو گھیرنے والا ہے۔ اس کے علم سے زمین و آسمان کا کوئی ذرہ باہر نہیں بلکہ سخت اندھیری رات میں سیاہ چٹان پر چلنے والی چیونٹی کے چلنے کی آواز کو بھی جانتا ہے اور وہ فضاء میں ایک ذرے کی حرکت کو بھی جانتا ہے۔ پوشیدہ امور، دلوں کے وسوسوں، خطرات اور پوشیدہ باتوں کا علم رکھتا ہے اسکا علم قدیم و ازلی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس علم کے ساتھ متصف ہے۔ اس کا علم نیا نہیں اور نہ ہی وہ اس کی ذات میں آنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ارادہ:

بے شک وہ کائنات کا ارادہ فرمانے والا اور نئے پیدا ہونے والے امور کی تدبیر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی ذات کے سوا درست ہی نہیں اور نہ وہ طبعی ہے کہ وہ مبداء حرکت وسکون ہو، اور نہ وہ روح ہے کہ کسی جسم کا محتاج ہو، نہ وہ جسمی ہے کہ اس کے اجزاء ترکیبی ہوں اور نہ وہ چیزوں میں قوت وحال ہے کہ چیزوں کی ہم جنس ہو۔ نہ کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست و پیوند ہے کہ وہ چیز اس کا جزو ہو۔ اس کی ذات وصفات ہر عیب و

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمانے والا ہے اس کی بادشاہی وملکوت میں تھوڑی یا زیادہ، چھوٹی یا بڑی، بھلائی یا برائی، نفع یا نقصان، ایمان یا کفر، عرفان یا انکار، کامیابی یا ناکامی، اطاعت یا نافرمانی ہر چیز اسی کے فیصلے اور قدرت اور اسی کی حکمت ومشیّت سے واقع ہوتی ہے۔ پلک کا جھپکنا اور دل کا خیال اس کی مشیّت سے باہر نہیں نکل سکتا وہ جس چیز کو چاہتا ہے ہو جاتی ہے اور جسے نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔ وہی ابتداءً پیدا کرنے والا اور دوبارہ (یعنی قرب قیامت میں) لوٹانے والا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کے فیصلے کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا۔ بندے کے لئے اس کی توفیق ورحمت کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنا ممکن نہیں۔ اس کی اطاعت کی قوت بھی اسی کی محبت وارادہ سے حاصل ہوتی ہے اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان دنیا میں کسی ذرہ کو حرکت دینے پر اتفاق کرلیں یا اسے ٹھہرادیں تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ارادہ ومشیّت کے بغیر وہ اس سے عاجز رہ جائیں گے اس کا ارادہ دیگر صفات کے ساتھ اس کی ذات میں قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے اس سے موصوف ہے۔ اس نے اَزَل میں اشیاء کے وجود کا ان کے اوقات پر ظہور کا ارادہ فرمایا چنانچہ ہر چیز اس کے ازلی ارادہ کے مطابق بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے اپنے وقت پر ظاہر ہوئی۔ اس نے امور کی تدبیر سوچ بچار اور وقت کی تاخیر کے بغیر فرمائی اس لئے اسے کوئی ایک کام دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی سماعت وبصارت:

اللہ عَزَّ وَجَلَّ سمیع وبصیر ہے۔ وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اس کی سماعت سے کوئی سنی جانے والے چیز اگر چہ وہ پوشیدہ ہو باہر نہیں اور باریک سے باریک چیز بھی اس کی بصارت سے غائب نہیں۔ اس کی سماعت میں دوری اور اندھیرا رکاوٹ نہیں، وہ آنکھوں کی پتلیوں اور پلکوں کے بغیر دیکھتا ہے اور کانوں اور ان کے سوراخ کے بغیر سنتا ہے جیسے وہ دل کے بغیر جاننا، کسی عضو کے بغیر پکڑتا اور کسی آلہ کے بغیر پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں جیسے اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا کلام:

اللہ عَزَّ وَجَلَّ اپنے اَزَلی وقدیم کلام کے ساتھ کلام فرمانے والا، حکم دینے والا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نقص سے پاک اور ہر آفت سے منزہ ہے اور نہ وہ کسی کے مانند ہے کہ اپنے مانند کے ساتھ دو ہو جائے اور نہ کوئی اولاد ہے کہ جس کی مثل اصل کی اقتضاء کرے اور نہ اس کی ذات وصفات پر تغیر جائز ہے کہ اس کا وجود اس سے متغیر ہو اور متغیر کے حکم میں تغیر کی مانند ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) منع کرنے والا، وعدہ کرنے والا اور وعید بتانے والا ہے اور اس کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں وہ ایسی آواز نہیں جو ہوا کے کھینچنے یا اجسام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے اور نہ ایسے حروف کے ساتھ جو ہونٹوں کے بند ہونے یا زبان کے حرکت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

بے شک قرآن مجید، تورات، انجیل اور زبور اس کی کتابیں ہیں جو اس نے اپنے رسولوں علیہم السلام پر نازل فرمائیں قرآن مجید زبانوں سے تلاوت کیا جاتا، مصاحف میں لکھا جاتا اور دلوں میں محفوظ ہوتا ہے اس کے باوجود یہ کلام قدیم ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، دلوں اور اوراق کی طرف منتقل ہونے کے باوجود اس کی ذات سے جدا نہیں ہوا حضرت سیّدُ نا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا کلام آواز اور حرف کے بغیر سنا جس طرح نیک لوگ (بروزِ قیامت) اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی زیارت یوں کریں گے کہ نہ تو وہ جوہر ہوگا (یعنی جو خود قائم ہو) نہ عرض (یعنی جو دوسری چیز کے ساتھ قائم ہو)۔

جب وہ ان صفات سے متصف ہے تو وہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سماعت، بصارت اور کلام کے ساتھ زندہ، عالم، قادر، ارادہ کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا اور کلام کرنے والا ہے محض ذات کی وجہ سے نہیں۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے افعال:

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ اس کے فعل سے پیدا ہوا اور اس کے عدل کا فیضان ہے کہ وہ نہایت اچھے طریقے پر حد درجہ کامل وتمام اور نہایت درست پیدا ہوا، وہ اپنے افعال میں حکیم اور اپنے فیصلوں میں انصاف کرنے والا ہے لیکن اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بندے کے دوسرے کی مِلک میں تصرف کرنے سے ظلم کا تصور بھی ہو سکتا ہے لیکن اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے بارے میں ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی مالک نہیں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا تصرف ظلم بن جائے اس کے سوا جو کچھ ہے خواہ وہ انسان ہو یا جن فرشتہ ہو یا شیطان، زمین ہو یا آسمان، حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات، جوہر ہو یا عرض، اس چیز کا ادراک ہوتا ہو یا وہ محسوسات میں سے ہو اور ہر حادث چیز کو وہ اپنی قدرت سے عدم سے وجود میں لایا ہے اس کے بعد کہ وہ کچھ نہ تھا اسے پیدا کیا ازل سے صرف اور صرف وہی ذات تھی اس کے ساتھ دوسرا نہ تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ ان صفات کمالیہ سے متصف ہے جن کا اثبات تمام اہل توحید مسلمان بحکم بصیرت کرتے ہیں کیونکہ خدا نے ان سے اپنی صفات خود بیان فرمائی ہیں اور وہ ان صفات سے پاک ہے جن کو ملحدین اپنی خواہش سے متصف قرار دیتے ہیں کیونکہ خدا نے ان سے اپنی صفات خود بیان نہیں کیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے حیی، علیم، رؤف، رحیم، مرید، قدیر، سمیع، بصیر، متکلم اور باقی ہے۔ اس کا علم اس کا حال نہیں ہے اور اس کی قدرت، اس میں سختی نہیں ہے اس کی شنوائی و بصارت میں تجدد یعنی بار بار پیدائش نہیں ہے اور اس کا کلام ایسا ہے جس میں نہ بعضیت ہے نہ تجدید۔ وہ ہمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے اور تمام معلومات اس کے علم سے باہر نہیں اور کسی موجود کو اس کے ارادہ سے مفر کی راہ نہیں۔ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو اس کی مشیت ہے مخلوق کو اس میں کوئی بزرگی نہیں۔ اس کا ہر حکم حق ہے۔ اس کے دوستوں کو بجز تسلیم کے کوئی چارہ نہیں اس کا حکم حتمی اور قطعی ہے اس کے دوستوں کو اس کی فرمانبرداری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہر خیر و شر اس کا مقدر کیا ہوا ہے۔ اس کے سوا کسی سے امید و خوف رکھنا لائق نہیں۔ اس کے سوا کوئی نفع و نقصان کا پیدا کرنے والا نہیں۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔ اس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ہر ایک کو اسی سے وصل اور اسی تک رسائی چاہئے اہل جنت کے لئے اس کا دیدار جائز ہے وہ تشبیہ و جہت سے پاک ہے۔ اس کی ہستی پر مقابلہ و مواجہہ کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا میں اس کے دوستوں کے لئے مشاہدہ جائز ہے۔ انکار کرنا شرط نہیں۔ جو خدا کو اس طرح جانتا ہے اہل قطعیت سے نہیں جو اس کے خلاف جانے اس کے لئے دیانت نہیں اصل معنی میں اصولی اور وصولی بکثرت اقوال

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پس اس نے اپنی قدرت اور ارادۂ اَزَلی کے اظہار کے لئے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اَزَل سے یہ طے ہو چکا تھا نہ اس لئے کہ وہ مخلوق کا محتاج و ضرورت مند تھا۔ اس نے مخلوق کو پیدا کر کے اور مکلف بنا کر احسان فرمایا یہ عمل اس پر لازم نہ تھا اس نے انعامات و اصلاح سے نوازا لیکن یہ بات اس پر لازم نہ تھی اگر وہ اپنے بندوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتا تو اس کی طرف سے عدل ہوتا ہے اور بندوں کو اطاعت پر جو ثواب عطا فرماتا ہے وہ محض اس کے کرم سے ہے نہ کہ وہ اس پر لازم ہے اس نے اپنا حق عبادات کی صورت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے لازم کیا محض عقل کی وجہ سے نہیں۔ اس نے رسولوں کو بھیجا اور واضح معجزات کے ذریعے ان کی سچائی کو ظاہر کیا۔ انہوں نے اس کے ہر امر و نہی اور وعدہ و وعید کو لوگوں تک پہنچایا پس جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام لائے لوگوں پر اس کی تصدیق واجب ہے۔ (لُبَابُ الْاِحْیَاء صفحہ ۴۰)

ہیں جسے طوالت کے خوف سے مختصر کرتا ہوں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائے عنوان میں لکھ دیا ہے کہ توحید یہ ہے کہ کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا ہے اور یہ حکم علم کے سوا نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اہل سنت و جماعت تحقیق کے ساتھ وحدانیت کا حکم دیتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے خدا کی لطیف صنعتوں، عجیب و بدیع فعلوں اور بکثرت لطائف کو دیکھا ہے اور اس پر غور و فکر کیا ہے۔ ان کا از خود ہونا محال جانا۔ انہوں نے ہر چیز کے اندر حدوث کی علامتوں کو موجود پایا۔ لامحالہ کوئی فاعل ایسا چاہے جو ان کو عدم سے وجود میں لائے۔ مطلب یہ کہ خدا ہی کی وہ ذات ہے جس نے اس جہان، زمین و آسمان، چاند و سورج، خشکی و تری اور پہاڑ و صحراء کو وجود بخشا، اور اسی نے ان سب کو حرکت و سکون، علم و نطق اور موت و حیات کے ساتھ پیدا فرمایا۔ لہٰذا ان سب کے لئے کوئی بنانے والا اور پیدا کرنے والا لازی ہونا چاہئے، اور یہ سب دو یا تین بنانے والوں سے مستغنی ہے۔ وہی ایک بنانے والا، کامل، حیی، قائم، قادر، مختار اور ہر ایک شریک سے بے نیاز ہے۔ جب کوئی فعل، ایک فاعل سے مکمل نہ ہو تو مزید فاعلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ لامحالہ بلاشک وشبہ اور علم الیقین سے جاننا چاہئے کہ ایک ہی صانع اور فاعل ہے اس مسئلہ میں ثنویوں نے نور و ظلمت کے اثبات میں ہم سے اختلاف کیا ہے۔ مجوسیوں نے یزداں (خالق خیر) اور اہرمن (خالق شر) کے اثبات میں اختلاف کیا ہے نیچریوں نے طبع و قوت کے اثبات کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ نجومیوں نے سات ستاروں کے اثبات کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور فرقہ معتزلہ نے تو بے شمار خالقوں اور صانعوں کے اثبات کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ میں نے ان سب کی رد کے لئے مختصر مگر جامع و مکمل دلیل بیان کر دی ہے۔ چونکہ یہ کتاب ان کے بیہودہ اقوال لانے کی نہیں ہے اس لئے طالب علم کو کسی اور کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اب میں مشائخ کے ان رموز کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو توحید کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

توحید کے سلسلہ میں مشائخ کے رموز واشارات

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَلتَّوْحِیْدُ اِفْرَادُ الْقِدَمِ عَنِ الْحَدَثِ توحید یہ ہے کہ قدیم کو حادث سے جدا جانے۔

مطلب یہ ہے کہ مومن قدیم کو محل حوادث اور حوادث کو محل قدیم نہ سمجھے اور جانے کے حق تعالیٰ قدیم

ہے اور خود محدث اور جو تمہاری جنس سے مخلوق ہے وہ بھی حادث ہے اور کوئی مخلوق اس سے ملحق نہیں اور نہ اس کی صفت، تم جیسی مخلوق میں شامل ہے۔ کیونکہ قدیم حادث کا ہم جنس نہیں ہے اس لئے کہ قدیم کا وجود محدثات کے وجود سے پہلے ہے جبکہ محدثات کے وجود سے پہلے قدیم تھا اور محدث کا محتاج نہ تھا تو بعد وجودِ محدث بھی وہ اس کا محتاج نہ ہوگا یہ قاعدہ ان لوگوں کے برخلاف ہے جو ارواح کو قدیم کہتے ہیں۔ ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے جب کوئی قدیم کو محدث میں نازل کہتا ہے یا محدث کو قدیم کے ساتھ متعلق جانتا ہے وہ حق تعالٰی کی قدامت اور عالم کے حدوث پر دلیل نہیں رکھتا۔ یہی مذہب دہریوں کا ہے۔

خلاصہ یہ کہ محدثات کی تمام حرکتیں، توحید کے دلائل حق تعالٰی کی قدرت کی گواہ اور اس کے قدیم ہونے کا اثبات کرتی ہیں لیکن بندہ اس میں بہت زیادہ غافل ہے کہ وہ اس کے غیر سے مراد چاہتا ہے اور اس کے غیر کے ذکر سے راحت پاتا ہے۔ جب کوئی تمہارے وجود و عدم میں اس کا شریک نہیں ہے تو ناممکن ہے کہ تمہاری قربیت اور پرورش میں خدا کے سوا کوئی اور شریک ہو۔ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اول قدم فی التوحید فناء التفرید توحید میں پہلا قدم تفرید کا فنا کرنا ہے۔

اس لئے کہ تفرید کا حکم یہ ہے کہ کسی کو آفتوں سے جدا کر دے اور توحید کا حکم یہ ہے کہ خدا کو ہر چیز سے اکیلا جانے۔ تفرید میں غیر کا اثبات روا تھا اور اس کے غیر کے لئے اس کا اثبات درست لیکن وحدانیت میں غیر کا اثبات ناروا ہے اور یہ کسی غیر کے لئے ثابت کرنا درست نہیں اور نہ ایسا سمجھنا چاہئے کہ تفرید میں اشتراک کی تعبیر ہے اور توحید میں شرکت کی نفی اس لئے توحید میں پہلا قدم ہی شریک کی نفی، اور راستہ سے مزاج کا دور کرنا ہے کیونکہ راستہ میں مزاج کا ہونا ایسا ہے جیسے چراغ کی روشنی میں راستہ ڈھونڈا جائے۔ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اصولنا فی التوحید خمسة اشیاء رفع الحدث واثبات القدم وهجر الاوطان ومفارقته الاخوان ونسیان ما علم وجهل یعنی توحید میں ہمارے پانچ اصول ہیں حدث کا ارتفاع قِدم کا اثبات، ترک اوطان، بھائیوں سے جدائی، اور ہر علم و جہل کا بھول جانا۔

لیکن حدث کے ارتفاع کا مطلب! توحید کی مقارنت سے محدثات کی نفی کرنا ہے اور خدا کی مقدس

ذات پر حوادث کو محال جاننا ہے اور اثبات قدم کا مطلب اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے موجود ماننا ہے۔ اس کی تشریح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے کی جا چکی ہے اور ترک اوطان کا مطلب! نفس کی الفتوں، دل کی راحتوں اور طبیعت کی قرار گاہوں سے ہجرت کرنا یعنی چھوڑنا ہے اور مریدوں کے لئے دنیاوی رسموں، بلند مقاموں، عزت کی حالتوں اور اونچی منزلتوں سے ہجرت کرنا ہے اور بھائیوں سے جدائی کا مطلب لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی کرنا اور صحبت حق کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ وہ ہر خطرہ جو موحد کے دل پر غیر کے اندیشہ سے لاحق ہو حجاب و آفت ہے اور جتنا دل میں غیر کا اندیشہ ہوگا اتنا ہی وہ محجوب ہوگا اس لئے کہ تمام امتوں کا اجماع ہے کہ توحید، تمام ہمتوں کا جمع کرنا ہے اور غیر کے ساتھ آرام پانا ہمت کا تفرقہ ہے اور ہر علم و جہل کے بھول جانے کا مطلب توحید میں یہ ہے کہ مخلوق کا علم یا تو خوبی سے ہوگا یا کیفیت سے۔ یا جنس سے یا طبیعت سے۔ مخلوق جو علم بھی حق تعالیٰ کی توحید میں ثابت کرے گی توحید اس کی نفی کرے گی اور جو کچھ جہل سے ثابت کرو گے وہ اپنے علم کے برخلاف ہوگا کیونکہ توحید میں تو جہل ہے ہی نہیں اور توحید کے متحقق ہونے میں علم تصوف کی نفی کے بغیر درست نہیں ہوگا اور علم و جہل تصرف کے بغیر نہیں۔ ایک بصیرت پر ہے اور دوسرا غفلت پر۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں سو گیا میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے زمین پر آئے ہیں کچھ عرصہ میں ان کی گفتگو سنتا رہا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے توحید کا علم ہے نہ کہ عین توحید۔ جب میں بیدار ہوا تو وہ توحید پر بیان فرما رہے تھے انہوں نے میری طرف رخ کر کے فرمایا اے فلاں! توحید کا بیان علم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

التوحید ان یکون العبد شخصا بین یدی اللہ تعالیٰ تجری علیہ تصارف تدبیرہ فی مجاری احکام قدرتہ فی لجبح بحار توحید بالفناء عن نفسہ وعن دعوۃ الخلق لہ وعن استجابتہ لھم بحقائق وجود وحد انیتہ فی حقیقۃ قربہ بذھاب حسہ وحرکتہ لقیام الحق لہ فیما اراد منہ وھو ان یرجع آخر العبد الی اولہ فیکون کما کان قبل ان یکون اصل توحید یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اپنی قدرت کی گزرگاہ میں اپنی تدبیر کا تصرف اس پر جاری فرمائے تو وہ خدا کے سامنے

ایک پتلا بن جائے اور دریائے توحید میں اپنے اختیار وارادہ سے خالی ہو جائے اور اپنے نفس کو فنا کر کے لوگوں کے بلانے پر کان نہ دھرے اور منہ اس کی طرف التفات کرے اور محل خیریت میں اپنی حس وحرکت ختم کر دے اور وحدانیت کی معرفت وحقیقت کے سبب وہ حق کے ساتھ قائم ہو حق نے جو اس کے لئے ارادہ فرمایا ہے اسے قبول کرے تا کہ اس محل میں بندہ کا اخیر پہلے کی مانند ہو جائے اور وہ ایسا ہو جائے کہ جو کچھ ہے اپنی ہستی سے پہلے ہے۔

لہٰذا اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ موحد کو اختیارِ حق میں اختیار نہ رہے اور اس کی وحدانیت میں بندہ اپنے آپ کو نہ دیکھے اس طرح کہ محل قربت میں بندہ کا نفس فانی، حواس گم اور خدا جیسا چاہے اس پر اپنے احکام جاری کرے اور بندہ اپنے تصرف کے فنا میں ایسا ہو جائے گویا کہ وہ ذرہ ہے جیسا کہ ازل میں حالت توحید کے اندر تھا جہاں کہنے والا بھی حق تعالیٰ تھا اور جواب دینے والا بھی حق تعالیٰ اور اس ذرہ کا نشان بھی وہی، جس بندے کی حالت اس طرح کی ہو جائے وہ لوگوں سے راحت نہیں پاتا کہ وہ لوگوں کی پکار کو قبول کرے اسے کسی کے ساتھ انس ومحبت نہیں ہوتی کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کرے۔ اس قول کا اشارہ فنائے صفت اور مشاہدۂ جلال کے غلبہ کی حالت میں صحت تسلیم کی طرف ہے تا کہ بندہ اپنے اوصاف سے فانی ہو کر آلہ اور جوہر لطیف بن جائے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے جگر میں نیزہ مارا جائے اور وہ آر پار ہو جائے تو اس خبر تک نہ ہو اور اگر تلوار ماری جائے تو بے اختیاری میں کٹ جائے۔ گویا ہر حال میں سب سے فانی اور اس کا وجود مظہر اسرارِ الٰہی ہو جائے تا کہ اس کا کلام، حق کا کلام اس کے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اور اس کے صفت کا قیام اسی کے ساتھ ہو جائے اور ثبوتِ حجت کے لئے شریعت کا حکم تو اس پر باقی ہو مگر وہ ہر ایک کی رویت سے فانی ہو۔

یہ شان اور یہ صفت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی کہ شب معراج جب آپ کو مقام قرب میں پہنچایا گیا تو مقام کا تو فاصلہ تھا لیکن قرب میں فاصلہ نہ تھا اور آپ کا حال لوگوں سے دور اور ان کے اوہام سے ماورٰی تھا یہاں تک کہ دنیا نے آپ کو گم کیا اور آپ خود اپنے سے گم ہو گئے۔ فنائے صفت میں بے صفت ہو کر متحیر ہو گئے ترتیب طبائع اور اعتدال مزاج پراگندہ ہو گئے۔ نفس، دل کی جگہ، جان کے درجہ میں، جان سر کے مرتبہ میں اور سر، قرب کی صفت میں پہنچا گویا سب میں سب سے جدا

ہو گئے۔ (9) چاہا کہ وجود چھوڑیں، تشخص ختم کریں، لیکن حق تعالیٰ کی مراد اقامت حجت تھی فرمان ہوا اے

شرح(9): قصیدہ معراجیہ

وہ سرورِ کشورِ رسالت، جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں، عرب کے مہماں کے لئے تھے
بہار ہے شادیاں مبارک، عرب کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں، یہ گھر عنادل کا بولتے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں، رچی تھے شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے، اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی اُن کے رُخ کی، کہ عرش تک چاندنی تھی چٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نسب آئینے تھے
نئی دُلہن کی پھبن میں کعبہ، نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اِک تل، میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
نظر میں دُولہا کے پیارے جلوے، حیاء سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پر آنچل، تجلی ذات بخت کے تھے
خوشی کے بادل اُمڈ کے آئے، دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمہ نعت کا سماں تھا، حرم کو خود وجد آ رہے تھے
وہ جھوما میزابِ زر کا جھومر، کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر، حطیم کی گود میں بھرے تھے
دُلہن کی خوشبو میں مست کپڑے، نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اُڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسنِ تزئیں، وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صباء سے سبزہ میں لہریں آئیں، دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں میں وہ چمکتا، لباس آبِ زر کا پہنا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محبوب اپنے حال پر رہو! اس کلام سے قوت پائی وہ قوت اس کی قوت بنی اور اپنی فنا سے حق کا وجود ظاہر ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا، حبابِ تاباں کے تھل نکے تھے
پرانا پر داغ ملگجا تھا، اُٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجومِ تارنگہ سے کوسوں، قدم قدم فرش بادلے تھے
غبار بن کر نثار جائیں، کہاں اب اُس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے
خدا ہی صبر دے جانِ پر غم، دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی، جناں کا دولہا بنا رہے تھے
اُتار کر اُن کے رُخ کا صدقہ، وہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر، جبیں کی خیرات مانگتے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے، وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی، کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
بچا جو اُن کے تلوؤں کا دھوؤن، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دُولہا کی پائی اُترن، وہ پھول گلزارِ نور کے تھے
خبر ہی تحویل مہر کی تھے، کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیبِ تن کی، یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے
تجلی حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر، کھڑے سلامی کے واسطے تھے
جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن، لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو، یہ نامرادی کے دن لکھے تھے
ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک، کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدا شفاعت نے دی مبارک، گناہ مستانہ جھومتے تھے
عجب نہ تھا رخش کا چمکنا، غزال دم خوردہ سا بھڑکانہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) شعاعیں بکے اُڑ ا رہی تھیں، تڑپتے آنکھوں پہ ساعقے تھے
ہجومِ اُمید سے گھٹاؤ، مرادیں دے کر انہیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لئے بڑھاؤ، ملائکہ میں یہ غلغلے تھے
اُٹھی جو گردِ رہ منور، وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل، امنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے
ستم کیا کیسی مت کٹی تھی، قمر وہ خاک اُن کے رہ گزر کی
اُٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے، یہ داغ سب دیکھنا مٹے تھے
بُراق کے نقش سم کے صدقے، وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، مہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے
نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِر، عیاں ہو معنیٔ اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر، جو سلطنت آگے کر گئے تھے
یہ اُن کی آمد کا دبدبہ تھا، نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک جام و مینا، اُجالتے تھے کھنگالتے تھے
نقاب اُلٹے وہ مہر انور، جلالِ رُخسار گرمی پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی، تپکتے انجم کے آبلے تھے
یہ جوششِ نور کا اثر تھا، کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر، ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے
بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت، کہ دُھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت، یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے
وہ ظلِ رحمت وہ رُخ کے جلوے، کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اودی اطلس، یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے
چلا وہ سرو چماں خراماں، نہ رُک سکا سدرہ سے بھی داماں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پلک چھپکتی رہی وہ کب کے، سب این وآں سے گزر چکے تھے
جھلک سی اک قدسیوں پر آئی، ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دُولہا کی دُرود پہنچی، برات میں ہوش ہی گئے تھے
تھکے تھے روح الامیں کے بازو، چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی اُمید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے
روِش کی گرمی کو جس نے سوچا، دماغ سے اک بھبوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا، دَہر دَہر پیڑ جل رہے تھے
جلو میں جو مرغِ عقل اُڑے تھے، عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ پر ہی رہے تھے تھک کر، چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے
قوی تھے مرغانِ وہم کے پر، اُڑے تو اُڑنے کو اور دم بھر
اُٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر، کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے
سُنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے، کہا مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے، جو پہلے تاجِ شرف تیرے تھے
یہ سُن کے بے خود پکار اُٹھا، نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ، یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے
جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ، گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا، وہ گرد قرباں ہو رہے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں، کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے، چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے
یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت، خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو، کلیم پر بند راستے تھے
بڑھ اے محمد قریں ہو احمد، قریب آ سرورِ ممجد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ شان تیری، تجھی کا زیبا یہ بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَنْ تَرَانِیْ کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہہ دو سر جھکا لے، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغِ این و متیٰ کہاں تھا، نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی، نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے
اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت اُبھارتے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے، حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انہیں کی روش پہ رکھتے، تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے
پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا، حقیقۃً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا، دنیٰ تدلّی کے سلسلے تھے
ہوا یہ آخر کہ اک بجرا، تموجِ بحرِ ہو میں اُبھرا
دنیٰ کی گودی میں ان کو لے کر، فنا کے لنگر اُٹھا دیئے تھے
کسے ملے گھاٹ کا کنارا، کدھر سے گزرا کہاں اُتارا
بھرا جو مثل نظر طرار، وہ اپنی آنکھوں میں چھپے تھے
اُٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کہ، نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے
وہ باغ ایسا رنگ لایا، کہ غنچہ و گل کا فرق اُٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے، گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کمانیں حیرت میں سر جھکائے ، عجیب چکر میں دائرے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے، ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل وفرقت ، جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے
زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں، تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا، کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے
وہی ہے اوّل وہی ہے آخر، وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے، اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو، تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں، ادھر سے انعامِ خسروی تھا
سلام و رحمت کی ہار گندھ کر، گلوئے پر نور میں پڑے تھے
زبان کو انتظارِ گفتن، تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا، جو بات سُنی تھی سن چکے تھے
وہ برج بطحا کا ماہ پارا، بہشت کی سیر کو سدھارا
چمک پہ تھا خلد کا ستارا، کہ اس قمر کے قدم گئے تھے
سرورِ مقدم کی روشنی تھی، کہ تابشوں سے مہ عرب کی
جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی، جو پھول تھے سب کنول بنے تھے
طرب کی نازش کے ہاں لچکئے، ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضدین تھا کہ پودے، کشاکش ارّہ کے تلے تھے
خدا کی قدرت کہ چاند حق کے، کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی، کہ نور کے تڑکے آ لے تھے
نبی رحمت شفیع اُمت، رضاؔ پہ للّٰہ ہو عنایت
اِسے بھی اُن خلعتوں سے حصہ، جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِنِّی لَسْتُ کَاَحَدُکُمْ اِنِّی اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّی فَیُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِی (10) میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں میں اپنے رب کے حضور رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (11) (دارمی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، ردیف کیا قافیے کیا تھے

شرح (10): (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال... الخ، الحدیث:۱۹۶۱، ج۱، ص ۶۴۵)
(ووسائل الوصول الی شمائل الرسول، الباب السادس فی صفۃ عبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

شرح (11): یہ بہت بڑا درجہ ہے اور اس تک صرف وہی لوگ پہنچتے ہیں، جو کشف و مجاہدہ میں مشغول ہو کر بھوک اور حاجت سے مستغنی ہو جاتے ہیں اور ان کا نفس اس لذت میں پورا حق وصول کرتا ہے، اس کو بھوک اور حاجت بُھلا دیتا ہے، چنانچہ عالمِ غیب سے انہیں روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ، صاحبِ معطر پسینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اپنے فرمان میں اسی طرف اشارہ فرمایا:

اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ ترجمہ: میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں، میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب التنکیل لمن اَکثر الوصال، الحدیث ۱۹۶۵، ص ۱۵۳)

بعض علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص چالیس دن تک (رضاالٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے لئے) کھانا چھوڑ دیتا ہے، اس پر ملکوت سے قدرت کے اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں، یعنی اس پر بعض اسرارِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کھول دیئے جاتے ہیں۔

اسی گروہ کے ایک صوفی بزرگ کا گزر ایک راہب کے پاس سے ہوا، تو اس نے اس کی حالت کے بارے میں گفتگو کی اور اسے اسلام کی طرف مائل کیا، راہب نے کہا: حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چالیس دن تک کچھ نہ کھاتے تھے اور یہ معجزہ ہے، جو صرف سچے نبی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ صوفی بزرگ نے اس سے کہا: اگر میں پچاس دن تک کچھ نہ کھاؤں، تو تم اپنے دین کو چھوڑ کر دینِ اسلام میں داخل ہو جاؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ چنانچہ وہ صوفی بزرگ اس کے سامنے بیٹھ گئے، حتیٰ کہ پچاس دن تک کچھ نہ کھایا، پھر راہب سے کہنے لگے: میں ساٹھ دن تک اضافہ کرتا ہوں۔ اور ساٹھ دن تک کچھ نہ کھایا۔ اس پر راہب کو تعجب ہوا اور کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی شخص حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی زیادہ دن بھوکا رہ سکتا ہے۔ پس یہی واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ (12) بارگاہِ خداوندی میں میرا ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جہاں میرے ساتھ مقرب فرشتہ یا کسی نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ذات اللہ موصوفۃ بالعلم غیر مدرکتہ بالاحاطۃ ولا مرئیتہ بالابصار فی دارالدنیا وھی موجودۃ بحقائق الایمان من غیر حد ولا حلول وتراہ العیون فی العقبیٰ ظاھراوّ باطنا فی ملکہٖ وقدرتہ وقد حجب الخلق عن معرفتہ کنہ ذاتہ ولھم باٰیاتہ والقلوب تعرفہ والعقول لا تدرکہ ینظر الیہ المومنون بالابصار من غیر احاطۃ ولا ادراك نہایتہ توحید یہ ہے کہ تم اعتقاد رکھو کہ ذاتِ الٰہی علم کے ساتھ موصوف ہے بغیر اس کے کہ تم عقل سے سمجھ سکو یا حواس سے پا سکو دنیا میں آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں ذاتِ الٰہی ایمانی حقائق کے ساتھ بے حدو نہایت موجود ہے حواس سے پانے کے سوا آنے جانے میں موجود ہے اور اپنے ملک میں اپنی صنعت وقدرت سے ظاہر ہے وہ کسی میں حلول کیا ہوا نہیں ہے آخرت میں اس کے ملک وقدرت میں ظاہری اور باطنی طور پر آنکھیں اسے دیکھیں گی۔ دنیا میں مخلوق، اس کی ذات کی حقیقت کی معرفت سے محجوب ہے وہ عجائب وآیات کے اظہار کے ذریعہ راہ دکھاتا ہے اور دل اسے پہچانتے ہیں۔ مخلوق کی عقلیں کیفیت کے ساتھ اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور آخرت میں مسلمان اسے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے بغیر اس کے کہ اس کی ذات کا احاطہ کریں یا اس کی حدو غایت کا ادراک کریں۔ (13)

شرح (12): (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، حدیث ۷۶۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۹۷)

شرح (13): دنیا کی زندگی میں سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل ہوا۔ ہاں دل کی نگاہ سے یا خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار دوسرے انبیاء علیہم السلام بلکہ بہت سے اولیاء کرام کو بھی نصیب ہوا۔ اور آخرت میں ہر سنی مسلمان کو اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کرائے گا مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف ہے۔ یعنی دیکھیں گے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

توحید میں اس کے الفاظ جامع ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اشرف کلمة فی التوحید قول ابی بکر رضی الله عنه سبحان من لم یجعل لخلقه سبیلا الی معرفة الابالعجز عن معرفته توحید کے بیان میں سب سے زیادہ بزرگ و اشرف کلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنی معرفت کی راہ نہ دکھائی بجز معرفت میں ان کی عاجزی کے۔

ایک جہان اس کلام سے غلطی میں مبتلا ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ معرفت سے عجز، بے معرفتی ہے حالانکہ یہ محال ہے اس لئے کہ موجودگی کی حالت میں عجز کی شکل پیدا ہوتی ہے اور معدوم کی صورت میں عجز کی شکل ظاہر نہیں ہوتی مثلاً مردے میں زندگی نہیں ہے بلکہ موت میں موت سے عاجز ہے اس لئے کہ عجز کا نام اس کی قوت محال جانتی ہے اسی طرح اندھا بینائی سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ نابینائی بینائی سے عاجز ہوتی ہے اسی طرح لنگڑا کھڑے ہونے سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ بیٹھنے کی حالت میں بیٹھنے سے عاجز ہوتا ہے یہی حال عارف کا ہے کہ وہ معرفت سے عاجز نہیں ہوتا چونکہ معرفت تو موجود ہے اور یہ اس کے لئے ضرورت و بدیہی کی مانند ہے لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اس پر محمول کریں گے جیسا کہ حضرت ابو سہل صعلوکی اور استاد ابوعلی دقاق رحمہما اللہ (14) فرماتے ہیں کہ معرفت ابتداء میں تو نظری اور کسبی ہوتی ہے لیکن انتہا میں ضروری و بدیہی بن جاتی ہے اور علم ضروری یہ ہے کہ اس کا عالم اس کے وجود کی حالت میں اسے دور کرنے یا حاصل کرنے سے عاجز ہو۔ اس قول کے بموجب بندے کے دل میں توحید کا ہونا فعل حق ہوگا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور کس طور پر دیکھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے۔ اس وقت بتادیں گے۔ اس میں بحث کرنا جائز نہیں۔ یہ ایمان رکھو کہ قیامت میں ضرور اس کا دیدار ہوگا، جو آخرت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ (شرح الملاعلی القاری علی الفقہ الاکبر، جواز رؤیۃ الباری جل شانہ فی الدنیا، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴) (المعتقد المنتقد مع المستند المعتمد، منہ (۱۶) انہ تعالیٰ مرئی بالا بصار فی الآخرۃ، ص ۵۶، ۵۸) (شرح العقائد النسفیۃ، مبحث رؤیۃ اللہ تعالیٰ والدلیل علیہا، ص ۷۴۔ ۷۵)

شرح (14): ابوعلی دقاق علیہ الرحمۃ حضرت علامہ قشیری علیہ الرحمۃ کے مرشد کامل ہیں۔

التوحید حجاب الموحد عن جمال الاحدیته توحید موحد کے لئے جمال احدیت سے حجاب ہے۔

اس لئے کہ وہ توحید کو بندہ کا فعل کہتے ہیں۔ لامحالہ بندہ کا فعل، مشاہدہ الٰہی کے لئے علت نہیں بن سکتا اور جو چیز عین کشف میں کشف کی علت نہ ہو وہ حجاب ہے حالانکہ بندہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ غیر ہوتا ہے اس لئے کہ جب بندہ اپنی صفت کو حق جانے گا تو جس کی یہ صفت ہے یعنی وہ موصوف بھی حق ہوگا کیونکہ موصوف کی ہی تو یہ صفت ہے اس وقت موحد، توحید اور احد، تین وجود قائم ہو جائیں گے جو ایک دوسرے کی علت ہوں گے یہ بات نصارٰی کے عقیدہ کے مطابق ثالث ثلثہ کے ہو بہو بن جائے گی۔ اور جب تک طالب کے لئے کوئی صفت بھی توحید میں فنا کے مانع رہے گی اس وقت تک وہ اس صفت میں محجوب رہے گا اور خالص موحد نہ بن سکے گا۔ ''لان سواہ من الموجودات باطل'' اس لئے کہ خدا کے سوا ہر موجود باطل ہے جب یہ بات درست ہے تو ایسا طالب جمال حق کے مشاہدے میں صفت غیر کی طلب کی وجہ سے باطل ہوگا یہی تفسیر کلمہ لا الہ الا اللہ کی ہے۔

حکایت:

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں جب حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے گئے تو حضرت حسین بن منصور نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابراہیم! اب تک تمہارے حالات کہاں اور کیسے گزرے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اب تک میں اپنے توکل کو درست کرتا رہا ہوں۔ حضرت حسین نے فرمایا:

ضیعت عمرك فی عمران باطنك فاین انت عن الفنا فی التوحید اے ابراہیم!

اپنے باطن کی آبادی ہی میں تم نے تو عمر ضائع کر دی توحید میں فنا ہونے کا زمانہ کب آئے گا۔؟

غرض کہ بیان توحید میں مشائخ کے بکثرت اقوال ہیں۔ کوئی ایسی فنا کہتا ہے جس کی فنا پر معیت درست نہ ہو اور کوئی کہتا ہے کہ اپنی فنا کے بغیر، صفتِ توحید درست نہیں ہوتی۔ حصولِ علم کے لئے اس بات کا جمع وتفرقہ پر قیاس کرنا چاہیے۔

حضور سیدنا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے لئے توحید الٰہی ایسی مخفی

حقیقت ہے جسے بیان وعبارت سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا حتیٰ کہ اگر کوئی اس کے بیان کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ یا وہ گو ہے کیونکہ بیان کرنے والا اور اس کی عبارت دونوں غیر ہیں اور توحید میں غیر کا اثبات شرک ہے اگر ایسا کرتا ہے تو یہ اس کی بیہودگی ہے کیونکہ موحد، ربانی ہوتا ہے نہ کہ یا وہ گو اور کھلاڑی؟ **واللہ اعلم بالصواب۔**

☆☆☆☆☆

باب: 17

تیسرا کشف: حجاب ایمان کے بارے میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ [1] اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ [2] (النسآء:۱۳۶)

اور یَاۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا [3] بکثرت ارشاد فرمایا ہے:

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ۔ آخر حدیث تک۔ [4] ایمان یہ ہے کہ تم اللہ،

شرح (1): یَاۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ

ترجمہ کنز الایمان: اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر۔ (پ۵، النساء:۱۳۶)

شرح (2): یعنی ایمان پر ثابت رہو یہ معنیٰ اس صورت میں ہیں کہ:۔ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کا خطاب مسلمانوں سے ہو اور اگر خطاب یہود و نصاریٰ سے ہو تو معنیٰ یہ ہیں کہ اے بعض کتابوں بعض رسولوں پر ایمان لانے والو تمہیں یہ حکم ہے اور اگر خطاب منافقین سے ہو تو معنی یہ ہیں کہ اے ایمان کا ظاہری دعوٰی کرنے والو اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ یہاں رسول سے سیّد انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب سے قرآن پاک مراد ہے

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت عبد اللہ بن سلام اور اسد و اُسید و ثعلبہ بن قیس اور سلام و سلمہ و یامین کے حق میں نازل ہوئی یہ لوگ مومنین اہل کتاب میں سے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم آپ پر اور آپ کی کتاب پر اور حضرت موسیٰ پر اور توریت پر اور عزیر پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے سوا باقی کتابوں اور رسولوں پر ایمان نہ لائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور قرآن پر اور اس سے پہلی ہر کتاب پر ایمان لاؤ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (3): یہ الفاظ قرآن پاک میں تقریبا ۸۹ بار آیا ہے۔

شرح (4): (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان۔۔۔۔۔۔ الخ، الحدیث: ۹۳، ص ۶۸۱)

اس کے فرشتے اور اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ایمانؔ کے لغوی معنی تصدیق یعنی دل سے ماننے کے ہیں (5) اور شریعت میں اثبات ایمان کے لئے بکثرت احکام واقوال اور باہم اختلاف مذکور ہے۔

معتزلہ، تمام طاعتوں کو ایمان کا علم اور اس کا معاملہ کہتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے خارج از ایمان ہو جاتا ہے۔ خوارج کا بھی یہی مذہب ہے وہ بھی مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں اور ایک گروہ ایمان کو قولِ مفرد کہتا ہے ایک گروہ صرف معرفت کو ایمان کہتا ہے اور اہل سنت کے ارباب کلام کی ایک جماعت مطلق تصدیق کو ایمان کہتی ہے۔ میں نے اس بحث میں ایک مستقل کتاب علیحدہ لکھی ہے یہاں تو صرف صوفیاء کے اعتقاد کا اثبات مقصود ہے۔

صوفیاء کا اعتقاد:

جمہورِ صوفیاء کے نزدیک ایمان کی دو قسمیں ہیں جس طرح کہ فقہا کے نزدیک ہیں چنانچہ اہل یقین کی ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ قول وعمل اور تصدیق کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ ان میں حضرت فضیل بن عیاض، بشر حافی، خیر النساج، سمنون المحب، ابوحمزہ بغدادی اور ابومحمد جریری رحمۃ اللہ علیہما کے سوا بکثرت مشائخ ہم خیال ہیں۔

شرح (5): ایمان لُغت میں تصدیق کرنے (یعنی سچا ماننے) کو کہتے ہیں۔ (تفسیر قُرطبی ج1 ص 147)

ایمان کا دوسرا لغوی معنیٰ ہے: اَمن دینا۔ چونکہ مومن اچھے عقیدے اِختیار کر کے اپنے آپ کو دائمی یعنی ہمیشہ والے عذاب سے اَمن دے دیتا ہے اس لئے اچھے عقیدوں کے اختیار کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔

(تفسیرِ نعیمی ج1 ص8)

اور اِصطِلاحِ شَرع میں ایمان کے معنیٰ ہیں: سچے دل سے اُن سب باتوں کی تصدیق کرے جو ضَروریاتِ دین سے ہیں۔ (ماخوذ از بہارِ شریعت حصہ 1 ص 92)

اور اعلیٰ حضرت امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: محمدٌ رسولُ اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حَقّانیّت کو صِدقِ دل سے ماننا ایمان ہے جو اس کا مُقِرّ (یعنی اقرار کرنے والا) ہو اسے مسلمان جانیں گے جبکہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ و رسول (عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کا انکار یا تکذیب (یعنی جھٹلانا) یا توہین نہ پائی جائے۔ (فتاوٰی رضویہ ج 29 ص 254)

ایک گروہ کا یہ اعتقاد ہے کہ قول اور تصدیق کا نام ایمان ہے۔ (6) ان میں حضرت ابراہیم بن ادہم، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، ابوسلیمان درانی، حارث محاسبی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری، شقیق بلخی، حاتم اصم اور محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہما کے سوا بکثرت مشائخ اور فقہائے امت ہیں۔ چنانچہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمۃ اللہ علیہما پہلے قول کے قائل ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ، حسن بن فضل بلخی اور امام اعظم کے دیگر تلامذہ جیسے امام محمد بن حسن، حضرت داؤد طائی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہما دوسرے قول کے قائل ہیں۔ درحقیقت یہ اختلاف لفظی ہے ورنہ معنیٰ ومقصود میں سب متفق ہیں۔

ایمان کی اصل وفرع:

واضح رہنا چاہئے کہ اہل سنت و جماعت اور ارباب تحقیق ومعرفت کے درمیان اتفاق ہے کہ ایمان میں اصل بھی اور فرع بھی، اصل ایمان، تصدیق قلبی ہے اور اس کی فرع اوامر ونواہی کی بجا آوری ہے۔ (7)

شرح (6): وہ تمام امور جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جن کی نسبت یقینی معلوم ہے کہ یہ دین مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں ان سب کی تصدیق کرنا اور دل سے ماننا ایمان ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا یعنی یہ اعتقاد کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب میں آخری نبی ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی، اسی طرح حشر نشر جنت دوزخ وغیرہ کا اعتقاد اور زبان سے اقرار بھی ضروری ہے۔

شرح (7): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان علم القرآن میں فرماتے ہیں:

اصطلاح قرآن میں ایمان کی اصل جس پر تمام عقیدوں کا دارومدار ہے یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دل سے اپنا حاکم مطلق مانے۔ اپنے کو ان کا غلام تسلیم کرے کہ مومن کے جان، مال، اولاد سب حضور کی ملک ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب مخلوق سے زیادہ ادب واحترام کرے۔ اگر اس کو مان لیا تو توحید اور کتب، فرشتے وغیرہ تمام ایمانیات کو مان لیا اور اگر اس کو نہ مانا تو اگرچہ توحید، فرشتے، حشر نشر، جنت ودوزخ سب کو مانے مگر قرآن کے فتوے سے وہ مومن نہیں بلکہ کافر ومشرک ہے۔ ابلیس پکا موحد، نمازی، ساجد تھا۔ فرشتے، قیامت، جنت ودوزخ سب کو مانتا تھا مگر رب تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ شیطان کافروں میں سے ہے۔ (البقرۃ: ۳۴) کیوں؟ صرف اس لئے کہ نبی کی عظمت کا قائل نہ تھا۔ غرض ایمان کا مدار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل عرب کا عرف ہے کہ وہ کسی فرعی بات کو بطور استعارہ اصل کہتے ہیں جیسے کہ تمام لغتوں میں شعاع آفتاب کو آفتاب کہا گیا ہے اسی لحاظ سے وہ گروہ طاعتوں کو ایمان کہتا ہے کیونکہ بندہ طاعت کے بغیر عذابِ الٰہی سے محفوظ نہیں رہتا اور نہ محض تصدیق محفوظ رہنے کا اقتضاء ہے جب تک کہ وہ تصدیق کے ساتھ احکام بھی نہ بجالائے لہٰذا جس کی طاعتیں زیادہ ہوں گی وہ عذابِ الٰہی سے زیادہ محفوظ ہوگا چونکہ تصدیق وقول کے ساتھ، طاعت، محفوظ رہنے کی علت ہے اس لئے اس کو بھی ایمان کہہ دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قرآن کے نزدیک عظمت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ ان آیات میں یہی اصطلاح استعمال ہوئی۔

(۱) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! یہ سارے توحید والے اور دیگر لوگ اس وقت تک مومن نہ ہونگے جب تک کہ تم کو اپنا حاکم نہ مانیں اپنے سارے اختلاف و جھگڑوں میں پھر تمہارے فیصلے سے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور رضا و تسلیم اختیار کریں۔ (پ5، النساء:65)

پتا چلا کہ صرف توحید کا ماننا ایمان نہیں اور تمام چیزوں کا ماننا ایمان نہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم ماننا ایمان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(2) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ○

لوگوں میں بعض وہ (منافق) بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر وہ مومن نہیں۔ (پ1، البقرۃ:8)

دیکھو اکثر منافق یہودی تھے جو خدا کی ذات وصفات اور قیامت وغیرہ کو مانتے تھے مگر انہیں رب نے کافر فرمایا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے تھے اس لیے انہوں نے اللہ کا اور قیامت کا نام تو لیا مگر حضور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لیا رب نے انہیں مومن نہیں مانا۔ فرماتا ہے:

(3) يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَكٰذِبُونَ ○

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ (پ28 المنٰفقون:1) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی علت معرفت ہے نہ کہ طاعت؟ اگرچہ طاعت بھی موجود ہو۔ جب تک معرفت نہ ہو طاعت فائدہ نہیں پہنچاتی لیکن جب معرفت موجود ہو اگرچہ طاعت موجود نہ ہو نتیجہ میں وہ نجات پا جائے گا اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ نجات کا حکم تحت مشیت الٰہی ہے کہ اگر وہ چاہے تو وہ اپنے فضل سے درگزر فرمائے یا حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے بخش دے یا چاہے تو اس کے جرم کے مطابقت سزا دے اور دوزخ میں بھیج دے اس کے بعد بندے کو جنت میں منتقل کر دیا جائے[8] لہٰذا اصحابِ معرفت اگرچہ مجرم ہوں بحکم معرفت وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے اور صرف اہل

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پتا چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فقط زبانی طور پر معمولی طریقہ سے مان لینے کا دعویٰ کر دینا مومن ہونے کیلئے کافی نہیں، انہیں دل سے ماننے کا نام ایمان ہے۔ سبحان اللہ! قول سچا مگر قائل جھوٹا کیونکہ یہاں دل کی گہرائیوں سے دیکھا جاتا ہے۔

مابروں را ننگریم وقال را   مادروں را بنگریم وحال را

(4) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔ (پ22 الاحزاب:36)

اس آیت نے بتایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے مومن کو اپنی جان کے معاملات کا بھی اختیار نہیں، یہ آیت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہ تھیں۔

(التفسیر الکبیر، الجزء الخامس والعشرون، سورۃ الاحزاب، تحت الآیۃ ۳۶، ج۹، ص ۱۶۹، داراحیاء التراث العربی بیروت)

مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے نکاح ہو گیا۔ ہر مومن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام اور ہر مومنہ ان سرکار کی لونڈی ہے۔ یہ ہے حقیقت ایمان۔ (علم القرآن صفحہ ۴۱۔۴۲)

شرح (8): اس بات پر ایمان لائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت فرمائیں گے پھر علماء کرام پھر شہداء عظام پھر سب مؤمنین اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ہاں اپنے مرتبہ ومقام کے اعتبار سے شفاعت کریں گے اور جو مؤمن کسی سفارش کرنے والے کے بغیر رہ جائے گا اللہ عَزَّ وَجَلَّ اپنے فضل وکرم سے اسے جہنم سے نکالے گا پس جہنم میں کوئی مؤمن باقی نہیں رہے گا بلکہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

عمل جو بے معرفت ہیں، جنت میں نہیں آئیں گے اس سے معلوم ہوا کہ طاعت محفوظ رہنے کی علت نہیں ہو سکتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَنْ يَّنْجُوَ اَحَدُكُمْ بِعَمَلِهٖ قِيْلَ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَتِهٖ (9) تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے ہرگز نجات نہیں پائے گا۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ لیا ہے۔ (بخاری)

لہٰذا بلا اختلاف امت، از روئے تحقیق وحقیقت، ایمان معرفت ہے اور اقرار عمل کو بجالانا ہے اور جسے خدا کی معرفت ہوگی اس کو اس کے کسی وصف کی بھی معرفت ہوگی۔

حق تعالیٰ کے اوصاف حسنیٰ تین قسم کے ہیں جمال، جلال اور کمال۔ مخلوق کو اس کے کمال کی گہرائیوں تک رسائی نہیں بجز اس کے کہ وہ اس کے کمال کا اثبات واعتراف کرلے اور اس سے نقص وعیب کی نفی کرے۔ اور جو جمالِ حق کا معرفت میں مشاہدہ کرتا ہے وہ ہمیشہ دید کا مشتاق رہتا ہے۔ جو جلال حق کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے متنفر رہتا ہے اور اس کا دل محل ہیبت میں رہتا ہے لہٰذا شوق، محبت کی تاثیر ہے اور بشری اوصاف سے نفرت بھی ایسا ہی ہے اس لئے کہ بشری اوصاف کے حجاب کا کشف عین محبت کے بغیر نہیں ہوسکتا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان ومعرفت کا نام محبت ہے اور علاماتِ محبت، طاعت ہے اس لئے کہ جب دل مشاہدے کا محل ہے اور آنکھیں دید کا مقام اور جان، جائے عبرت ہے تو جسم اور دل مشاہدے کا مقام ٹھہرا لہٰذا جسم کے لئے سزاوار یہی ہے کہ وہ تارکِ اوامر ونواہی نہ ہو۔ اور جس کا جسم تارک ہوا سے معرفت کی ہوا تک نہیں لگتی۔ آج کل یہ خرابی بناوٹی صوفیوں میں ظاہر ہے کیونکہ ان ملحدوں نے جب اولیاء حق کے جمال کی خوبیاں دیکھیں اور ان کی قدر ومنزلت کو جانا تو وہ اپنے آپ کو ان کے جیسا بتانے لگے۔ (10) اور کہنے لگے یہ رنج ومشقت تو اس وقت تک تھی جب تک معرفت نہ ہو اور جب معرفت حاصل

شرح (9): (طبرانی اوسط، ج ۶، ص ۶۳، رقم الحدیث ۸۰۰۴، مطبوعہ عمان۔ اردن) (مدارج النبوت، قسم پنجم، باب دوم در ذکر ازواج مطہرات وی، ج ۲، ص ۴۷۲)

شرح (10): اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو بڑی بڑی روحانی طاقت وقوت عطا فرماتا ہے۔ دیکھ لیجئے حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پلک جھپکنے بھر کی مدت میں تخت بلقیس کو ملک سبا سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہو گئی تو جسم سے طاعت کی مشقت جاتی رہتی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ (11) ہم کہتے ہیں کہ جب معرفت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دربار سلیمان میں حاضر کر دیا۔ اور خود اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ اسی طرح بہت سے اولیاء کرام نے سینکڑوں میل کی دوری سے آدمیوں اور جانوروں کو لمحہ بھر میں بلا لیا ہے۔ یہ سب اولیاء کی اُس روحانی طاقت کا کرشمہ ہے جو خداوند قدوس اپنے ولیوں کو عطا فرماتا ہے اس لئے کبھی ہرگز اولیاء کرام کو اپنے جیسا نہ خیال کرنا اور نہ اُن کے اعضاء کی طاقتوں کو عام انسانوں کی طاقتوں پر قیاس کرنا۔ کہاں عوام اور کہاں اولیائ۔ اولیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھ لینا یہ گمراہی کا سرچشمہ ہے۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں اسی مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

تمام دنیا اس وجہ سے گمراہ ہو گئی — کہ خدا کے اولیاء سے بہت کم لوگ آگاہ ہوئے

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند — ہمسری با انبیاء برداشتند

لوگوں نے اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ لیا — اور انبیاء کے ساتھ برابری کر بیٹھے

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ — ہست فرقے درمیاں بے انتہا

ان لوگوں نے اپنے اندھے پن سے یہ نہیں جانا — کہ عوام اور اولیاء کے درمیان بے انتہا فرق ہے

بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ اولیاء کرام کو عام انسانوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہے بلکہ یہ عقیدہ رکھ کر اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم کرنی چاہے کہ ان لوگوں پر خداوند کریم کا خاص فضل عظیم ہے اور یہ لوگ بے پناہ روحانی طاقتوں کے بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہیں۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے حکم سے بڑی بڑی بلائیں اور مصیبتیں ٹال سکتے ہیں اور ان کی قبروں کا بھی ادب رکھنا لازم ہے کہ اولیاء کی قبروں پر فیوض و برکات خداوندی کی بارش ہوتی رہتی ہے اور جو عقیدت و محبت سے ان کی قبروں کی زیارت کرتا ہے وہ ضرور ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوا کرتا ہے۔ اس زمانے میں فرقہ وہابیہ اولیاء کرام کی بے ادبی کرتا رہتا ہے۔ میں اپنے سنی بھائیوں کو یہ نصیحت و وصیت کرتا ہوں کہ ان گمراہوں سے ہمیشہ دور رہیں۔ اور ان لوگوں کے ظاہری سادہ لباسوں اور وضو و نمازوں سے فریب نہ کھائیں کہ ان لوگوں کے دل بہت گندے ہیں اور یہ لوگ نورِ ایمان کی تجلیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

(عجائب القرآن مع غرائب القرآن صفحہ ۱۸۸۔۱۸۹)

شرح (11): حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاصل ہوگئی تو دل شوق کا محل بن گیا اس وقت فرمان کی تعظیم اور زیادہ ہوجاتی ہے نہ کہ سرے سے ہی معدوم؟ اگر چہ اسے ہم جائز جانتے ہیں کہ فرمانبردار اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے طاعت کی مشقت اٹھ جاتی ہے اور اسے بالکل بار معلوم نہیں ہوتا اور فرمان کی بجا آوری میں اسے اتنی زیادہ توفیق مل جاتی ہے کہ لوگ تو اسے مشقت سمجھتے ہیں لیکن وہ اسے بے مشقت ادا کرتا ہے۔ یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس میں کمال، تڑپ اور بے قراری پیدا ہو جائے۔

ایک گروہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ایمان کلیۃً حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ایک گروہ کے نزدیک کلیۃً بندے کی طرف سے ہے۔ یہ اختلاف ماوراء النہر کے لوگوں میں طول پکڑ گیا ہے لہٰذا جو لوگ اسے کلیۃً حق کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خالص جبری ہیں اس لئے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ اس کے حصول میں بے قرار رہے اور جو لوگ اسے کلیۃً بندہ کی طرف سے کہتے ہیں وہ خالص قدری ہیں۔ اس لئے کہ بندہ اعلام الٰہی کے بغیر اسے جان ہی نہیں سکتا حالانکہ توحید کی راہ جبر و قدر کے درمیان ہے یعنی جبر سے نیچے اور قدر کے اوپر۔

درحقیقت ایمان بندے کا فعل ہے جو حق تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ شامل ہے کیونکہ جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لا نہیں سکتا اور جسے خدا ہدایت پر لائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً (12) جسے اللہ ہدایت پر لانا چاہے تو سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ تھے اور ہم اللہ تعالیٰ تک پہنچ گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟ فرمایا وہ سچ کہتے ہیں وہ پہنچنے والے ضرور ہیں مگر کہاں تک؟ جہنم تک، ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے تو چور اور زانی بہتر ہیں۔ میں اگر ہزار سال تک بھی زندہ رہوں تو فرائض وواجبات تو بڑی چیز ہیں۔ میں نے جو نوافل و مستحبات مقرر کر لئے ہیں ان میں سے بھی کچھ کم نہ کروں گا۔

(الیواقیت والجواہ للامام الشعرانی جلد ا ص ۱۳۹)

شرح (12): فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا

ترجمہ کنز الایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہے تو اس کے سینہ کو سخت اور تنگ کر دیتا ہے۔ (13)

(الانعام: ۱۲۵)

اس ارشاد کے بموجب بندہ کے لئے یہی زیبا ہے کہ وہ ہدایت کی توفیق کو حق تعالیٰ سے اور فعل ایمان کو خود اپنے سے منسوب کرے۔

علاماتِ ایمان:

ایمان کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ بندہ دل سے توحید کا اعتقاد رکھے، آنکھوں کو ممنوع چیزوں سے بچائے، حق تعالیٰ کی نشانیوں اور آیتوں سے عبرت حاصل کرے کانوں سے کلامِ الٰہی کی سماعت کرے، معدے کو حرام چیزوں سے خالی رکھے، زبان سے سچ بولے اور بدن کو منہیات سے اس حد تک محفوظ رکھے کہ باطن، ظاہر سے متحد ہو جائے۔ یہ سب ایمان کی علامات ہیں۔ اسی بناء پر ایک گروہ نے معرفت ایمان میں کمی وبیشی کو جائز رکھا ہے حالانکہ سب کا اتفاق ہے کہ معرفت ایمان میں کمی وبیشی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر معرفت میں کمی وبیشی کو مانا جائے تو معروف میں بھی کمی وبیشی لازم آتی ہے جبکہ معروف میں کمی وبیشی جائز و ممکن ہی نہیں تو معرفت میں بھی جائز نہ ہونی چاہئے اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفت میں نقص و کمی نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا یہی مناسب ہے کہ فرع اور عمل میں کمی بیشی نہ ہو البتہ باتفاق طاعت میں کمی وبیشی جائز ہے اور حشویوں کے لئے جو ان دونوں طبقوں سے نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ مسئلہ ان کے لئے دشوار ہے کیونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے۔

(پ ۸، الانعام: ۱۲۵)

شرح (13): جب سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب سینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اس فرمان مبارکہ،

میں موجود لفظ شَرَحَ کے معنی پوچھے گئے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک نور جب دل میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ کھل جاتا ہے، عرض کی گئی: یارسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ہاں دھوکے والے گھر (یعنی دنیا) سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور ہمیشہ والے گھر کی طرف متوجہ ہونا، نیز موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔ (المستدرک، کتاب الرقاق، باب أعلام النور فی الصدور، الحدیث ۷۹۳۳، ج ۵، ص ۴۴۲، بتغیر قلیل)

حشویوں کا ایک گروہ طاعت کو بھی جزوایمان کہتا ہے۔ ایک گروہ تو صرف قول ہی کو ایمان کہتا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں بے انصافی کی ہیں۔

غرض کہ حقیقت ایمان یہ ہے کہ بندے کے تمام اوصاف، طلب حق میں مستغرق ہوں اور تمام اہل ایمان کو اس پر اتفاق کرنا چاہئے کہ سلطانِ معرفت کا غلبہ نامرغوب اوصاف کو مغلوب کر دیتا ہے اور جہاں جہاں ایمان ہو وہاں وہاں سے اس سے انکار کے اسباب دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ مقولہ ہے:

اذا طلع الصباح عطل المصباح جب صبح طلوع ہو جاتی ہے تو چراغ بے کار ہو جاتے ہیں۔

اور دن کے لئے کسی دلیل وبیان کی حاجت نہیں ہوتی۔ اسی کے ہم معنی کسی کا یہ مقولہ بھی ہے کہ:

''روزِ روشن را دلیلے نباشد''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا (14) سلاطین جب کسی بستی پر غالب ہو کر داخل ہوتے ہیں تو اسے ویران کر دیتے ہیں۔ (النمل: ۳۴)

جب عارف کے دل میں معرفت کی حقیقت غالب ہو کر داخل ہو جاتی ہے تو ظن وشک اور انکار کی طاقت فنا کر دیتی ہے اور سلطانِ معرفت (حق تعالیٰ) اس کے حواس اور خواہشات کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے تاکہ وہ جو کچھ کرے، دیکھے اور جو کہے سب اسی کے زیر فرمان ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فی الحال اس کا جواب نہیں دوں گا اس لئے کہ جو کچھ کہوں گا وہ لفظ وعبارت ہوں گے اور میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں معاملہ کے ساتھ جواب دوں چونکہ میں مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اس غرض کے لئے تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ تم اس کا جواب پا سکو۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے ویسا ہی کیا جب میں ان

شرح (14): اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ۝

ترجمہ کنزالایمان: بیشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل اور ایسا ہی کرتے ہیں۔ (پ۱۹ النمل: ۳۴)

کے ساتھ جنگل میں پہنچا تو ہر روز دو روٹی اور دو گلاس پانی غیب سے نمودار ہوتے رہے جسے ایک میرے آگے اور ایک اپنے آگے رکھ لیتے یہاں تک کہ اس جنگل میں ایک روز ایک بوڑھا سوار آیا جب اس نے ان کو دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر مزاج پرسی کی پھر کچھ دیر باتیں کر کے سوار ہو کر چلا گیا۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ بوڑھا کون تھا؟ انہوں نے فرمایا یہ تمہارے سوال کا جواب تھا۔ میں نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی میں نے منظور نہیں کیا۔ میں نے کہا آپ نے کیوں انکار فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا مجھے خطرہ تھا کہ ان کی صحبت میں میرا اعتقاد، حق تعالیٰ کے سوا ان کے ساتھ نہ ہو جائے۔ اسی طرح میرا توکّل برباد ہو جائے کیونکہ ایمان کی حقیقت توکّل کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (15) اللہ تعالیٰ ہی پر توکّل رکھو اگر تم صاحب ایمان ہو۔ (المآئدہ: ۲۳)

حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الایمان تصدیق القلب بما علم به الغیوب ایمان یہ ہے کہ جو غیب سے اس کے دل پر انکشاف ہوا اس پر یقین رکھے۔

اسی لئے ایمان غیب کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ سر کی آنکھوں سے غائب ہے جب تک معنیٰ میں تقویت نہ ہو بندہ کا یقین ظاہر نہیں ہو سکتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب عارفوں کا تعارف کرانے والا اور عالموں کو معلوم کرانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ان کے دلوں میں معرفت و علم پیدا کرتا ہے تو علم و معرفت کا اختیار بندے کے کسب سے جاتا رہا۔ لہٰذا جس کا دل معرفت الٰہی پر یقین رکھتا ہے وہ مومن ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ واصل ہے۔ اہل بصیرت کے لئے اس قدر بیان کافی ہے چونکہ اس کتاب میں جگہ جگہ مقصود کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اب اَسرارِ معاملات کے حجابات کھولتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

شرح (15): وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔ (پ ۶ المآئدہ: ۲۳)

باب 18:

چوتھا کشف: حجاب

نجاست سے پاک ہونے کے بیان میں

ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض طہارت ہے [(1)] خاص کر نماز کی ادائیگی کے لئے طہارت بدنی یہ ہے کہ تمام جسم کو نجاست و جنابت سے پاک کرے اور شریعت کے اتباع میں تین اندا موں کو دھو کر سر کا مسح کرے۔ اگر پانی میسر نہ ہو یا مرض کی زیادتی کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے۔ ان کے احکام سب کو معلوم ہیں۔

واضح رہنا چاہئے کہ طہارت دو قسم کی ہے، ایک باطنی طہارت، دوسری ظاہری طہارت، چنانچہ ظاہری طہارت کے بغیر نماز درست نہیں اور باطنی طہارت کے بغیر معرفت درست نہیں ہے۔ [(2)] بدنی طہارت

شرح (1): طہارت کے اسرار

نبیِّ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمان عالیشان ہے: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ ترجمہ: طہارت نصف ایمان ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء، الحدیث ۵۳۴، ص ۱۸۷)

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ نظافت نشان ہے: بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَةِ ترجمہ: دین کی بنیاد طہارت پر ہے۔

(المجروحین لابی حاتم محمد بن حبان البستی، باب النون، الرقم ۱۱۱۹۔ نعیم بن مورع، ج ۲، ص ۴۰۱، روایۃ بالمعنی)

اور آپ صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ ترجمہ: نماز کی کنجی طہارت ہے۔ (سنن ابی داود، کتاب الطہارۃ، باب فرض الوضوء، الحدیث ۶۱، ص ۱۲۲۷)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمان عالیشان ہے:

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا

ترجمۂ کنز الایمان: اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں۔ (پ 11 التوبہ: 108)

شرح (2): جان لو! نماز ذکر و قراءت، اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے مناجات و کلام کرنے کا نام ہے اور یہ حضورِ قلب (یعنی دل کی حاضری) کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور یہ سب کچھ تعظیم، ہیبت، امید، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے مطلق پانی کی حاجت ہے جو کہ ناپاک یا استعمال کیا ہوا نہ ہو اور دل کی طہارت کے لئے خالص

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حیاء اور سمجھ سے حاصل ہوتا ہے اور بالجملہ جتنا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ذات وصفات کا علم بڑھتا ہے اتنا ہی خشیت (یعنی خوفِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ) میں اضافہ ہوتا ہے اور حضور قلب نصیب ہوتا ہے پس جب تم اذان کو سنو تو دل میں اس پکار کی دہشت کو حاضر کرو جو بروزِ قیامت ہوگی اور اپنے ظاہر و باطن کو جواب دینے اور نماز کی طرف جلدی کرنے پر تیار کرو کیونکہ جو لوگ اس پکار کی طرف جلدی کرتے ہیں وہ بروزِ قیامت لطف و کرم کے ساتھ پکارے جائیں گے اگر تم اپنے دل کو پاؤ کہ وہ خوشی و خوشخبری سے بھرپور ہے اور اس کی طرف جلدی کرنے کی رغبت پیدا ہو رہی ہے تو جان لو کہ قیامت کے دن کی نداء میں اسی طرح کی (خوشخبری اور کامیابی) حاصل ہوگی۔ اسی لئے نبی رحمت، شفیع امت، قاسم نعمت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ، الحدیث ۴۹۸۶، ص ۱۵۸۸)

یہ اس لئے فرمایا کہ نماز آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اپنے باطن کو غیر اللہ سے پاک کرنے کا نام طہارت ہے اور اسی کے ذریعے نماز مکمل ہوتی ہے اگر تم نے کپڑے سے اپنے ستر کو ڈھانپا ہے تو تمہارے باطنی ستر کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے کونسی چیز چھپائے گی؟ پس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے حضور با ادب ہو جاؤ۔

جان لو! وہ تم سے اور تمہارے باطن سے آگاہ ہے اس لئے اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ عاجزی اختیار کرو اور دیکھو کہ اگر تم کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو تو تمہاری کیا حالت ہوگی؟ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور دنیاوی بادشاہوں کے درمیان کیا نسبت؟ کیونکہ وہ سارے کے سارے اسی کے بندے ہیں۔ جب تم ایسا کرو گے تو تم اپنے قول: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ یعنی میں نے اپنے آپ کو متوجہ کیا، حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ یعنی ہر باطل سے الگ مسلمان اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ اور صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ یعنی میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے ہے۔ میں جھوٹے نہ ہو گے اور اس میں جھوٹا ہونا بھی نہیں چاہے ورنہ یہ تمہاری ہلاکت کا سبب ہو سکتا ہے اور تمہیں اپنے رکوع و سجود میں اللہ ربُّ العزت کی کبریائی اور عظمت کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اپنے چھوٹوں کو بھی اس کی تعلیم دو کیونکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنی رحمت سے تمہیں اس قابل بنایا کہ تم اس کی بارگاہ میں گڑگڑا سکو تو اس کی بارگاہ میں با ادب رہنے اور دل کو حاضر رکھنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

توحید کے پانی کی ضرورت ہے جو کہ مخلوط اور پراگندہ اعتقاد پر مشتمل نہ ہو۔ طریقت کے مشائخ ظاہری طور پر ہمیشہ پاک و طاہر ہوتے ہیں اور باطنی حالت میں بھی توحید کے ساتھ پاک و مطہر ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا:

دُمْ عَلَى الْوُضُوْءِ يُحِبُّكَ حَافِظَاكَ ہمیشہ وضو سے رہو تمہیں تمہارا محافظ دوست رکھے گا۔

جو لوگ ظاہری طہارت پر عمل پیرا رہتے ہیں فرشتے ان کو دوست رکھتے ہیں (3) اور جس کا باطن توحید

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نبیٔ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ والاشان ہے: بے شک اللہ عَزَّ وَجَلَّ (کی رحمت) نمازی کی طرف متوجہ ہوتی ہے جب تک وہ اپنی توجہ نہ ہٹائے۔ پس اپنے ظاہر و باطن کو ادھر ادھر متوجہ ہونے سے بچاؤ۔

(السنن الکبری للنسائی، کتاب السھو، باب النھی عن الالتفات فی الاصلاۃ، الحدیث ۵۲۷، ج۱، ص۱۹۱)

شرح (3): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں:

فتاوٰی قاضی خان وخزانۃ المفتین وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

ومنها المحافظة على الوضؤ و تفسيره ان يتوضأ كلما احدث ليكون على الوضؤ فی الاوقات كلها۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الطھارۃ الباب الاول الفصل الثانی، نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹)

اسی میں سے وضو کی محافظت یہ ہے کہ جب بے وضو ہو وضو کر لے تا کہ ہمہ وقت باوضو رہے وضو کی محافظت اسلام کی سنت ہے۔

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابی بکر نے شرعۃ الاسلام میں اُسے اسلام کی سُنّتوں سے بتایا فرماتے ہیں:

المحافظة على الوضؤ سنة الاسلام۔

(شرعۃ الاسلام مع شرح مفاتیح الجنان فصل فی تفضیل سنن الطھارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲)

(ہمیشہ باوضو رہنا اسلام کی سنّت ہے۔)

اُس کی شرح مفاتیح الجنان ومصابیح الجنان میں بستان العارفین امام فقیہ ابو اللیث سے ہے:

بلغنا ان الله تعالى قال لموسى عليه الصلاة والسلام يا موسى اذا اصابتك مصيبة وانت على غير وضؤ فلا تلو من الا نفسك۔ (مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطھارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے پاک و مطہر ہے اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یہ کہا کرتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ اے خدا میرے دل کو باطنی آلودگیوں سے پاک رکھ۔

اور کسی قسم کی باطنی آلودگی آپ کے قلب اطہر تک نہیں پہنچ سکی۔ اپنی بزرگیوں کو دیکھنا غیر خدا کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یعنی ہم کو حدیث پہنچی کہ اللہ عزّ وجل نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اے موسیٰ! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

اُسی میں کتاب خالصۃ الحقائق ابوالقاسم محمود بن احمد فارابی سے ہے:

قال بعض اهل المعرفة من داوم على الوضوء اكرمه الله تعالى بسبع خصال۔ الخ

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲)

یعنی بعض عارفین نے فرمایا جو ہمیشہ باوضو رہے اللہ تعالیٰ اُسے سات ۷ فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔

(۲) قلم اُس کی نیکیاں لکھتا رہے۔

(۳) اُس کے اعضاء تسبیح کریں۔

(۴) اُسے تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔

(۵) جب سوئے اللہ تعالیٰ کچھ فرشتے بھیجے کہ جن وانس کے شر سے اُس کی حفاظت کریں۔

(۶) سکرات موت اس پر آسان ہو۔

(۷) جب تک باوضو ہو امانِ الٰہی میں رہے۔

اُسی میں بحوالہ مقدمہ غزنویہ و خالصۃ الحقائق انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے:

من احدث ولم يتوضأ فقد جفانى۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۹۴)

جسے حدث ہو اور وضو نہ کرے اس نے میرا کمالِ ادب جیسا چاہیے ملحوظ نہ رکھا۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۱۔ ۲ ص ۹۴۴)

اثبات کرنا ہے اور غیر کا اثبات، مقام توحید میں نفاق ڈالنا ہے۔ مانا کہ مریدانِ باصفا اپنے مشائخ کی کرامتوں اور بزرگیوں کو سرمۂ بصیرت بناتے ہیں لیکن آخر کار ان کے کمال کے مقام میں بہت بڑا حجاب ہے اس لئے کہ جو بھی غیر ہو اس کی دید آفت ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین عارفوں کا نفاق، مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو مرید کا مقام ہوتا ہے وہ کامل کا حجاب ہے۔ مرید کی ہمت یہ ہوتی ہے کہ کرامت حاصل کرے اور کامل کی یہ ہمت ہوتی ہے کہ کرامت دینے والے کو پائے۔ غرض کہ اثبات کرامت، اہل حق کے لئے نفاق نظر آتا ہے کیونکہ اس کی دید بھی معائنہ غیر ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے دوست جسے آفت جانتے ہیں اسے تمام گنہگار معصیت سے نجات سمجھتے ہیں اور گنہگاروں کے معاصی کو گمراہ لوگ نجات جانتے ہیں کیونکہ اگر کافر، جانتے کہ ان کے گناہ خدا کو ناپسند ہیں جیسا کہ گنہگار جانتے ہیں تو وہ کفر سے نجات پاتے اور گنہگار جانتے کہ ان کے تمام معاملات محل علت ہیں یعنی سقیم ہیں جیسا کہ محبوبانِ خدا جانتے ہیں تو وہ سب معاصی سے نجات پا کر تمام آفتوں سے پاک ہو جاتے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے موافق ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہاتھ دھوئے جائیں تو چاہئے کہ دل سے دنیا کی محبت دھوڈالی جائے۔ اسی طرح جب استنجا کرے تو مناسب ہے کہ جس طرح ظاہری گندگی کو دور کیا جائے اسی طرح باطن سے بھی غیر خدا کی محبت کو دور کر دیا جائے۔ جب منہ میں پانی لیا جائے تو مناسب ہے کہ منہ کو غیر کی یاد سے پاک کرے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو سزاوار ہے کہ شہوتوں کو اپنے اوپر حرام گردانے، جب چہرہ دھوئے تو مناسب ہے کہ تمام الفتوں سے یکدم کنارہ کش ہو جائے اور حق کی طرف متوجہ ہو جائے اور جب ہاتھوں کو دھوئے تو اپنے نصیبوں سے دست کش ہو جائے اور جب سر کا مسح کرے تو مناسب ہے کہ اپنے معاملات کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے جب پاؤں دھوئے تو زیبا ہے کہ فرمانِ الٰہی کے خلاف ہر چیز پر قائم رہنے سے بچنے کی نیت کرے جب اس پر عمل کرے گا تو اسے دونوں قسم کی طہارت حاصل ہو جائے گی اس لئے کہ تمام ظاہری شرعی امور باطن کے ساتھ ہوئے ہیں یہی خاصہ ایمان ہے کہ ظاہر میں زبان سے اقرار ہو تو باطن میں اس کی تصدیق بھی۔ نیت کا تعلق دل سے ہے۔ شریعت میں طاعت کے احکام جسم ظاہری پر ہیں۔ لہٰذا دل کی طہارت کا طریقہ، دنیا کی آفت میں غور و فکر کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ دنیا غداری کی جگہ

اور محل فنا ہے۔ دل کو اس سے خالی کرے۔ یہ کیفیت کثرتِ مجاہدے کی ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور مجاہدے میں اہم ترین بات ظاہری آداب کی حفاظت اور ہر حال میں اس پر مداومت ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے لئے دنیا میں ابدی عمر کی ضرورت ہے۔ [4] یہاں تک کہ اگر ساری مخلوق خدا کو بھول جائے اور دنیاوی نعمتوں میں مست ہو جائے تو میں اکیلا و تنہا دنیا کی بلاؤں میں شریعت کے آداب کے تحفظ میں کھڑا ہو جاؤں، اور حق تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابو طاہر حرمی مکہ مکرمہ میں چالیس سال اس حال میں مقیم رہے کہ کبھی رفع حاجت نہ کی جب بھی وہ حدودِ حرم سے باہر رفع حاجت کے لئے جاتے خیال آجاتا کہ یہ وہ زمین ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے استعمال شدہ پانی کو بھی اس جگہ گرانا مکروہ سمجھا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ رَے [5] کی جامع مسجد میں مرض اسہال لاحق ہوا۔ دن رات میں انہوں نے ساٹھ مرتبہ غسل کیا بالآخران کی وفات پانی ہی میں واقع ہوئی۔

حضرت علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ عرصہ تک وسوسۂ طہارت میں مبتلا رہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا میں صبح سے ٹھہرا ہوا تھا یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور میں پانی ہی میں رہا اس وقت دل میں رنج پیدا ہوا میں نے خدا سے التجا کی کہ **العافیہ العافیہ** دریا سے مجھے غیبی آواز سنائی دی کہ **العافیۃ فی العلم** آرام علم میں ہے۔ [6]

حضرت ابو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بیماری کی حالت میں ایک نماز کے لئے ساٹھ مرتبہ طہارت

شرح (4): شیخ طلق بن حبیب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے حقوق بندوں پر اس قدر ہیں کہ انکا ادا کرنا ممکن نہیں ہے لہذا چاہیے کہ ہر بندہ جب اٹھے تو توبہ کرے اور رات کو توبہ کر کے سوئے۔

(کیمیائے سعادت، رکن چہار، منجیات، اصل اول قبول توبہ، ج ۲، ص ۷۶۳)

شرح (5): ایران کا ایک مشہور شہر ہے۔

شرح (6): سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: علم سیکھو، علم کے لئے سکینہ (یعنی اطمینان) اور وقار سیکھو اور جس سے علم سیکھو اس کے لئے تواضع اور عاجزی بھی کرو۔

(المعجم الاوسط، الحدیث: ۶۱۸۴، ج ۴، ص ۳۴۲)

کی۔ مرض موت میں انتقال کے دن خدا سے دعا مانگی کہ اے خدا موت کو حکم دے کہ وہ اس وقت آئے جب کہ میں پاک وصاف ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن مسجد میں جانے کے لئے طہارت کی۔ غیب سے ندا آئی کہ تم نے ظاہر کو تو آراستہ کر لیا باطن کی صفائی کہاں ہے؟ وہ لوٹ آئے اور تمام ساز وسامان صدقہ کر دیا اور ایک سال تک صرف اسی قدر لباس پہنا جس سے نماز جائز ہو سکے پھر جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وہ حاضر ہوئے تو فرمایا اے ابوبکر! جو طہارت تم نے کی ہے وہ بہت سود مند ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس طہارت پر ہمیشہ قائم رکھے اس کے بعد حضرت شبلی آخر وقت تک کبھی بے طہارت نہ رہے جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی طہارت ٹوٹ گئی آپ نے اپنے مرید کی طرف اشارہ فرمایا کہ مجھے طہارت کرائے۔ مرید نے انہیں طہارت کرائی لیکن داڑھی میں خلال کرنا وہ بھول گیا اور اس وقت ان میں کلام کرنے کی سکت نہ تھی، مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ فرمایا پھر اس نے داڑھی میں خلال کیا آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی طہارت کا کوئی ادب ترک نہیں کیا جب بھی ایسا ہوا میرے باطن پر نصیحت ظاہر ہو گئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میرے دل پر دنیا کا اندیشہ گزرتا میں فوراً وضو کر لیتا اور جب آخرت کا اندیشہ گزرتا تو غسل کر لیتا کیونکہ دنیا محدث ہے اس کا اندیشہ حدث ہے اور آخرت محل غیبت وآرام ہے اس کا اندیشہ جنابت ہے۔ لہٰذا حدث سے وضو اور جنابت سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔(7)

شرح (7): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو طیب اور ظاہری باطنی دونوں پاکیوں کو نظافت کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بندے کی ظاہری باطنی پاکی پسند فرماتا ہے بندے کو چاہیے کہ ہر طرح پاک رہے جسم، نفس روح، لباس، بدن، اخلاق غرضکہ ہر چیز کو پاک رکھے صاف رکھے، اقوال، افعال، احوال عقائد سب درست رکھے اللہ تعالیٰ ایسی نظافت نصیب کرے۔ (مراٰۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۶، ص ۳۲۸)

طہارت کے چار مراتب ہیں:

(۱) اپنے ظاہر کو احداث (یعنی ناپاکیوں اور نجاستوں) سے پاک کرنا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن وضو کے بعد جب مسجد کے دروازے پر آئے تو ان کے دل میں آواز آئی کہ اے ابوبکر تم ایسی طہارت رکھتے ہو اور اس گستاخی کے ساتھ ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ جب یہ سنا تو واپس لوٹے پھر ندا آئی کہ ہمارے دروازے سے ہٹ کر کدھر کا ارادہ ہے؟ یہ سن کر ان کی چیخ نکل گئی۔ ندا آئی ہم پر طعنہ کرتے ہو۔ وہ اپنی جگہ خاموش کھڑے ہو گئے۔ پھر آواز آئی کہ تم ہمارے سامنے بلا کے تحمل کا دعوٰی کرتے ہو۔ اس وقت حضرت شبلی نے پکارا:

المستغاث منك اليك اے خدا تیری جانب سے تیری ہی طرف فریاد ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) اعضاء کو جرائم اور گناہ سے پاک کرنا۔

(۳) اپنے دل کو برے اخلاق سے پاک کرنا۔ (۴) اپنے باطن کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے غیر سے پاک رکھنا یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کی طہارت ہے۔

ہر مرتبہ میں طہارت اس عمل کا نصف ہے جس میں وہ پائی جاتی ہے اور ہر مرتبہ میں تخلیہ (یعنی خالی کرنا) اور تحلیہ (یعنی مزین کرنا) بھی پایا جاتا ہے تخلیہ عمل کا نصف ہے کیونکہ اجر کا ملنا اسی پر موقوف ہے اسی کی طرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا یہ فرمان بھی اشارہ فرما رہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کہو، پھر انہیں چھوڑ دو۔ (پ 7، الانعام: 91)

پس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمان قُلِ اللّٰهُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر سے دل کو مزین کرنا ہے جبکہ (ثُمَّ ذَرْهُمْ) سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے دل کو خالی کرنا ہے اور اسی طرح دل کو برے اخلاق سے پاک کر کے اسے اچھے اخلاق سے مزین کرنا ضروری ہے اور اعضاء کے لئے بھی ضروری ہے کہ انہیں گناہوں سے خالی اور اطاعت سے مزین کیا جائے۔

ان مراتب میں سے ہر ایک مرتبہ اپنے بعد والے مرتبہ میں داخل ہونے کے لئے شرط ہے اس لئے سب سے پہلے ظاہر کو، پھر اعضاء کو، اس کے بعد دل کو اور پھر باطن کو پاک کیا جائے اور یہ گمان نہ کیا جائے کہ طہارت سے مراد صرف ظاہری طور پر پاک ہونا ہی ہے کیونکہ اس سے مقصود فوت ہو جائے گا اور یہ بھی گمان نہ کیا جائے کہ یہ مراتب صرف خواہش کرنے سے آرزو کرنے اور آسانی سے حاصل ہو جائیں گے بے شک اگر تو ساری زندگی بھی اس کے حصول میں کمربستہ رہے تو صرف بعض مقاصد میں ہی کامیابی پائے گا۔

طہارت کی تحقیق میں مشائخ کے بکثرت ارشادات ہیں وہ ہمیشہ مریدوں کو ظاہر و باطن کی طہارت کا حکم دیتے رہے ہیں کہ جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا ارادہ کرو تو ظاہری عبادت کے لئے ظاہری طہارت کرو اور جب باطن میں قربت کا قصد کرو تو باطن کی طہارت کرو ظاہری طہارت پانی سے ہے اور باطنی طہارت توبہ و رجوع کے ذریعہ ہے۔ (8) اب میں توبہ اور اس کے متعلقات کی تشریح کرتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

شرح (8): حُجَّۃُ الْاِسلام حضرتِ سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی فرماتے ہیں: وُضو سے فراغت کے بعد جب آپ نَماز کی طرف مُتَوَجِّہ ہوں اُس وَقت یہ تصوُّر کیجئے کہ جن ظاہری اَعضاء پر لوگوں کی نظر پڑتی ہے وہ تو بظاہر طاہر (یعنی پاک) ہو چکے مگر دل کو پاک کئے بِغیر بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں مُناجات کرنا حیا کے خِلاف ہے کیوں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ دلوں کو بھی دیکھنے والا ہے۔ مزید فرماتے ہیں، ظاہری وُضو کر لینے والے کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دل کی طہارت (یعنی صفائی) توبہ کرنے اور گناہوں کو چھوڑنے اور عمدہ اخلاق اپنانے سے ہوتی ہے۔ جو شخص دل کو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک نہیں کرتا فقط ظاہری طہارت (یعنی صفائی) اور زَیب و زینت پر اِکتِفاء کرتا ہے اُس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کو مدعو کرتا ہے اور اپنے گھر بار کو باہَر سے خوب چمکاتا ہے اور رنگ و روغن کرتا ہے مگر مکان کے اندرونی حصّے کی صفائی پر کوئی توجُّہ نہیں دیتا۔ چُنانچہ جب بادشاہ اُس کے مکان کے اندر آکر گندگیاں دیکھے گا تو وہ ناراض ہوگا یا راضی یہ ہر ذی شعور خود سمجھ سکتا ہے۔

(اِحیاءُ العُلُوم ج 1 ص 185 مُلَخَّصاً)

باب 19:

توبہ اور اس کے متعلقات کا بیان

واضح رہنا چاہئے کہ سالکانِ راہِ حق کا پہلا مقام توبہ ہے [1] جس طرح کہ طالبانِ عبادت کے لئے پہلا درجہ طہارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحاً [2] اے ایمان والو! اللہ کے حضور میں دل سے توبہ کرو۔ [3] (التحریم:۸)

شرح (1): جان لیجئے! توبہ اس معنی کا نام ہے جو تین امور سے ترتیب پاتا ہے: (۱) علم (۲) حال (۳) فعل۔

علم۔ گناہوں کے نقصانات کو جاننے کا نام ہے اور یہ بندے اور اس کے ہر محبوب کے درمیان حجاب ہے۔ جب انسان کو اس بات کی پہچان ہو جائے تو اس سے دل میں ایک حال اٹھتا ہے اور یہ محبوب کے نہ ملنے کے خوف کی وجہ پر پیدا ہونے والا غم ہے اور یہی ندامت ہے اور (دل پر) اس ندامت کے چھا جانے سے توبہ اور گذشتہ گناہوں کی معافی کا ارادہ پختہ ہوتا ہے۔

نبیِ مُکَرَّم، نُورِ مُجَسَّم، رسولِ اَکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ راحت نشان ہے: اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ ترجمہ: ندامت توبہ ہے۔ (سنن ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب ذکر التوبۃ، الحدیث ۴۲۵۲، ص ۲۷۳۵)

کیونکہ ندامت علم کے بعد ہی ہوتی ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو۔ (پ ۲، البقرۃ: ۲۲۲)

شرح (2): یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔ (پ ۲۸، التحریم: ۸)

شرح (3): اعلیٰ حضرت، اِمامِ اہلسنّت، مجددِ دین وملت، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نیز ارشاد ہے:

''وَتُوبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ'' (4)

''اے مومنو! تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ'' (النور: ۳۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ شَابٍّ تَائِبٍ (5) اللہ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ جوان آدمی توبہ کرے۔ (6)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: سچی توبہ کے یہ معنی ہیں کہ گناہ پر اس لئے کہ وہ اس کے رب عزوجل کی نافرمانی تھی نادم و پریشان ہو کر فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کبھی اس گناہ کے پاس نہ جانے کا سچے دل سے پورا عزم (یعنی ارادہ) کرے جو چارہ کار اس کی تلافی کا اپنے ہاتھ میں ہو بجالائے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۲۱، ص۱۲۱)

شرح (4): وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

(پ۱۸، النور: ۳۱)

شرح (5): (حلیۃ الاولیاء، عبدالمالک بن عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۴۹۶، ج۵، ص ۳۹۴، مفہوماً)

شرح (6): اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بندے سے یہ محبت اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ جوانی میں توبہ کرنے والا ہو کیونکہ نوجوان تر اور سرسبز ٹہنی کی طرح ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی جوانی اور ہر طرف سے شہوات ولذات سے لطف اُٹھانے اور ان کی رغبت پیدا ہونے کی عمر میں توبہ کرتا ہے، اور یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ دُنیا اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس کے باوجود محض رضائے الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کے لئے وہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی محبت کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کے مقبول بندوں میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک نوجوان جب توبہ کر کے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے لئے زمین وآسمان کے درمیان ستر قندیلیں روشن کی جاتی ہیں اور ملائکہ صف بستہ ہو کر بلند آواز سے تسبیح تقدیس کرتے ہوئے اسے مبارکباد دیتے ہیں۔ جب ابلیسِ لعین اس کو سنتا ہے تو کہتا ہے: کیا خبر ہے؟ آسمان سے ایک منادی ندا دیتا ہے: ایک بندے نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے صلح کر لی ہے۔ تو ابلیس ملعون اس طرح پگھلتا ہے جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ [7] گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔ [8]

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اِذَا اَحَبَّ اللہُ عَبْدًا لَنْ یَّضُرُّہٗ ذَنْبٌ اللہ تعالیٰ جب بندہ کو محبوب بنالیتا ہے تو اسے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

کسی نے عرض کیا توبہ کی علت کیا ہے؟ فرمایا ندامت، لیکن یہ جو فرمایا کہ دوستوں کے لئے گناہ نقصان رساں نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ سے بندہ کافر نہیں ہوتا اور نہ اس کے ایمان میں خلل ہوتا ہے بشرطیکہ گناہ، ایمان کو ضائع نہ کرے۔ ایسی معصیت کا نقصان، جس کا انجام کار نجات ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) منقول ہے کہ جب بندے کا گناہوں سے بھرا ہوا نامۂ اعمال اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے بندے کے نامۂ اعمال میں کیا ہے؟ حالانکہ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ تو فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے معبود عَزَّ وَجَلَّ! اس کا نامۂ اعمال تیری بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے: اگر اس کا نامۂ اعمال میری بارگاہ میں پیش کئے جانے کے لائق نہیں (تو کیا ہوا) میری رحمت تو اس کے لائق ہے، اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ! بے شک میں نے اس کو بخش دیا اور معاف فرمادیا اور میں توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہوں۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۷۵)

شرح (7): (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر توبہ، الحدیث، ۴۲۵۰، ج ۴، ص ۴۹۱)

شرح (8): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں:

توبہ سے مُراد سچی اور مقبول توبہ ہے جس میں تمام شرائطِ جواز و شرائطِ قبول جمع ہوں کہ حقوق العباد اور حقوقِ شریعت ادا کردیئے جائیں، پھر گذشتہ کوتاہی پر ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عہد، اس توبہ سے گناہ پر مطلقاً پکڑ نہ ہوگی بلکہ بعض صورتوں میں تو گناہ نیکیوں سے بدل جائیں گے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا حضرت سفیان ثوری اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے فرمایا کرتی تھیں: میرے گناہ تمہاری نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں، اگر میری توبہ سے یہ گناہ نیکیاں بن گئے تو پھر میری نیکیاں تمہاری نیکیوں سے بہت بڑھ جائیں گی۔

(مرآۃ المناجیح، ج ۳، ص ۳۷۹)

درحقیقت نقصان وضیاع نہیں ہے۔

واضح رہنا چاہئے کہ لغت میں توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ (9) چنانچہ کہا جاتا ہے کہ تاب ای رجع لہٰذا حق تعالیٰ کی ممنوعات سے باز رہنا اس لئے کہ اسے خدا کے حکم کا خوف ہے اصل میں یہی توبہ کی حقیقت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "الندم التوبة،ندامت وشرمندگی کا نام ہی توبہ ہے۔ یہ ایسا ارشاد ہے کہ جس میں توبہ کے تمام شرائط پنہاں ہیں۔

توبہ کی شرائط:

توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مخالفت پر اظہارِ ندامت و افسوس کرے دوسرے یہ کہ ترکِ حالت میں ذلت محسوس کرے۔ تیسرے یہ کہ دوبارہ گناہ نہ کرے۔ شرائط کی یہ تینوں باتیں ندامت میں موجود ہیں کیونکہ جب دل میں ندامت پیدا ہوتی ہے تو پہلی دونوں شرطیں اور تیسری شرط ان کے ضمن میں پائی جاتی ہیں۔

ندامت کے بھی تین سبب ہیں جس طرح توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ندامت کا پہلا سبب یہ ہے کہ جب دل پر سزا کا خوف غلبہ پاتا ہے تب وہ برے افعال پر دل آزردہ ہوتا ہے اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نعمت کی خواہش اس کے دل پر غالب ہو جائے اور وہ جان لے کہ برے فعل اور نافرمانی سے وہ حاصل نہیں ہوسکتی تو وہ اس سے پشیمان ہو جاتا ہے اور تیسرا سبب یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ کی شرم وحیا آجاتی ہے اور وہ مخالفت پر پشیمان ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے کو تائبؔ دوسرے کو منیبؔ اور تیسرے کو اوابؔ کہتے ہیں۔ اسی طرح توبہ کے بھی تین مقام ہیں۔ ایک توبہ دوسری انابت تیسری اوابت۔ لہٰذا توبہ عذاب کے ڈر سے، انابت حصولِ ثواب کے لئے اور اوابت، فرمان کی رعایت سے ہے۔ اسی وجہ سے توبہ عام مسلمانوں کا مقام ہے جو گناہ کبیرہ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

شرح (9): حضرتِ علامہ مولٰینا سیّد محمد نعیم الدّین مُراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی فرماتے ہیں: توبہ کی اصل رُجوع اِلی اللہ (یعنی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف رجوع کرنا) ہے اس کے تین رکن ہیں: (1) اعترافِ جرم (2) ندامت (3) عزمِ ترک (یعنی اِس گناہ کو ترک کر دینے کا پکّا ارادہ) اگر گناہ قابلِ تلافی ہو تو اِس کی تلافی (یعنی نقصان کا بدلہ) بھی لازم مثلاً تارِکُ الصَّلٰوۃ (یعنی بے نمازی) کیلئے پچھلی نمازوں کی قضا بھی لازِم ہے۔ (خزائن العرفان ص ۱۲)

مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِ (10) جو خدا سے بحالت غیبوبت ڈرے اور انابت والا دل لائے۔(ق:۳۳)

اوابت، انبیاء ومرسلین کا مقام ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

نِعۡمَ الۡعَبۡدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ (11) کتنا اچھا بندہ ہے کہ ہر حال میں رجوع ہوتا ہے۔

(ص:۴۴)

غرض کہ طاعت کے ساتھ کبائر سے رجوع کا نام توبہ ہے (12) اور محبت میں صغائر سے رجوع کا نام انابت ہے اور از خود خدا کی طرف رجوع کا نام اوابت ہے۔ یہ ان کے درمیان فرق ہے جو فواحش سے اوامر کی طرف رجوع کرے اور وہ جو محبت میں حجت اور فاسد اندیشہ سے رجوع کرے اور جو اپنی خودی سے حق کی طرف رجوع کرے۔

شرح (10): مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہے اور رجوع کرتا ہوا دل لایا۔(پ۲۶،قٓ:۵۵)

شرح (11): نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے(پ ۲۳،صٓ:۴۴)

شرح (12): صغیرہ وکبیرہ گناہوں کی پہچان حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث پاک سے ہوتی ہے کہ حضور نبی پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: کوئی گناہ بار بار کرنے سے صغیرہ نہیں رہتا اور کوئی گناہ توبہ کے بعد کبیرہ نہیں رہتا۔(کشف الخفاء، الحدیث: ۳۰۷۰،ج۲،ص۳۳۲)

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا فرق مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی تفسیر نعیمی میں اس طرح بیان فرماتے ہیں: مطلق گناہ کبیرہ شرک ہے اور مطلق گناہِ صغیرہ برے خیالات۔ ان کے درمیان ہر گناہ اپنے نیچے کے لحاظ سے کبیرہ ہے، اوپر کے لحاظ سے صغیرہ۔

گناہ کا صغیرہ کبیرہ ہونا کرنے والے کے لحاظ سے ہے۔ ایک ہی گناہ ہم جیسے گنہگاروں کے لئے صغیرہ ہے اور متقی پرہیزگاروں کے لئے کبیرہ، جس پر عتاب الٰہی عزوجل ہو جاتا ہے۔ حسنات الابرار سیآت المقربین۔ بلکہ حضرات انبیاء کرام وخاص اولیاء عظام کی خطاؤں پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارے لئے خطا گناہ ہی نہیں۔

(تفسیر نعیمی، سورۃ النسآء تحت الآیۃ:۳۱،ج۵،ص۴۰۔۴۱)

توبہ کی اصل، حق تعالیٰ کا آگاہ اور خبر دار کرنا اور خوابِ غفلت سے دل کو بیدار کرنا اور اپنے حال کی غیبت کو دیکھنا ہے۔ (13) جب بندہ اپنے برے افعال اور قبیح افعال میں غور وفکر کرتا ہے اور اس سے نجات کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس پر توبہ کے اسباب آسان فرما دیتا ہے اور اسے اس کی معصیت کی برائی سے نکال کر اپنی طاعت کی شیرینی میں پہنچا دیتا ہے۔

اہل سنت و جماعت اور مشائخ طریقت کے نزدیک جائز ہے کہ بندہ کسی ایک گناہ سے تو توبہ کر لے لیکن وہ کسی دوسرے گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ اس کے باوجود حق تعالیٰ اس گناہ سے توبہ کے بدلے اسے ثواب عطا فرمائے گا اور ممکن ہے کہ اس توبہ کی برکت سے وہ دوسرے گناہ کے ارتکاب سے بھی باز آجائے مثلاً کوئی شرابی و زانی، زنا سے تو توبہ کر لے مگر شراب خوری پر مصر رہے تو اس کی توبہ دوسرے گناہ کے ارتکاب کے باوجود درست ہوگی لیکن معتزلہ کا وہ گروہ جسے ''قہشمی'' کہتے ہیں اس کا قول ہے کہ توبہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک کہ بندہ تمام گناہوں سے توبہ نہ کرے۔ (14) یہ نظریہ محال ہے اس لئے کہ تمام

شرح (13): اب اگر تم خوابِ غفلت سے بیدار ہو چکے ہو تو اپنے گناہوں کو ہر وقت یاد رکھو اور اپنے باطن کو برائیوں سے روکنے کے لئے آنسو بہاؤ، اس پر خوف کو غالب کرو اور اپنے رب عزوجل سے حیاء کی وجہ سے پانی پانی ہو جاؤ۔ جب تک بندہ اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کی طرف سے دی جانے والی نیکی کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔ لہذا! اپنے ارادوں کو خوف و امید کے حوالے کر دو۔

شرح (14): منقول ہے کہ ایک دن حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ خوارج کے کچھ سرغنّے اپنی تلواریں لہراتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! ہم تم سے دو مسئلے پوچھتے ہیں، اگر تم نے جواب دے دیا تو بچ جاؤ گے ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے (معاذ اللہ عزَّ وَجَلَّ)۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اپنی تلواریں میان میں ڈال لو کیونکہ انہیں دیکھ کر میرا دل مشغول ہو جائے گا۔ وہ کہنے لگے: ہم ان کو کیسے چھپالیں حالانکہ ہم تمہاری گردن میں ڈال کر بہت زیادہ اجر و ثواب پائیں گے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چلو، جو پوچھنا ہے پوچھو۔ انہوں نے پوچھا: دروازے پر دو جنازے ہیں: ان میں ایک شرابی ہے، اس کو اُچھو (ا) لگا اور نشہ کی حالت میں مرگیا اور دوسرا جنازہ زنا سے حاملہ عورت کا ہے جو توبہ سے قبل ہی بچے کی ولادت سے مرگئی تو کیا وہ دونوں کافر مرے یا مسلمان؟ ان سوال کرنے والے خارجیوں کا مذہب یہ تھا کہ اگر کوئی مسلمان ایک گناہ بھی کر لے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معاصی پر جو بندہ کرے اسے ان سب کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے لیکن جب بندہ معاصی کی کسی ایک قسم کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس قسم کے معاصی کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لامحالہ وہ اس سے تائب ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی بندہ بعض فرائض بجالاتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ جتنا کرے گا لامحالہ اس کا اسے ثواب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اب اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں کو مسلمان کہتے تو وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفسار فرمایا: ان کا تعلق کس فرقے سے تھا؟ کیا یہودی تھے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ پھر پوچھا، کیا عیسائی تھے؟ تو کہنے لگے، نہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: کیا مجوسی یعنی آگ کی پوجا کرنے والے تھے؟ جواب ملا، نہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: بت پرست تھے؟ پھر بھی جواب نفی میں پایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: آخر وہ کون تھے؟ انہوں نے کہا: وہ مسلمان تھے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: جواب تو تم نے خود ہی دے دیا ہے۔ کہنے لگے، وہ کیسے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے اعتراف کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ لہٰذا تم کسی مسلمان کو کیسے کافر قرار دے سکتے ہو؟ انہوں نے پھر پوچھا: کیا وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں ان کے متعلق وہی کہوں گا جو حضرت سیّدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کے شریر و نافرمان لوگوں کے متعلق اللہ عزَّ وجلَّ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ،

(1) فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

ترجمۂ کنز الایمان: تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ13 ابراھیم:36)

اور وہی کہوں گا جو حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ خداوندی میں اپنے نافرمان اُمّتیوں کے متعلق عرض کی تھی:

(2) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O

ترجمۂ کنز الایمان: اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ (پ7، المائدہ:118)

چنانچہ، وہ خوارج تائب ہوئے اور آپ سے معذرت کی۔

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ للامام الموفق بن احمد المکی رحمۃ اللہ، ج۱، ص۴۲۱)

ملے گا اور جتنا نہیں کرے گا اس کی اسے سزا ملے گی اور اگر کسی کے پاس معصیت کا آلہ ہی نہیں ہے اور نہ اس کے اسباب موجود ہیں پھر وہ توبہ کرتا ہے تو وہ تائب ہی کہلائے گا اس لئے کہ توبہ کا ایک رکن ندامت ہے اور اسے اس توبہ کے ذریعہ گزشتہ پر ندامت حاصل ہے۔ فی الحال گناہ کی اس جنس سے کنارہ کشی کر لی ہے اور ارادہ رکھتا ہے کہ اگر وہ آلہ موجود ہو جائے اور سبب بھی مہیا ہو جائے تو بھی میں ہرگز اس گناہ کا ارتکاب نہ کروں گا۔

توبہ کے بارے میں مشائخ کے ارشادات

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ **التوبة ان لا تنسی ذنبك** جو خدا سے بحالت غیبوبت ڈرے اور انابت والا دل لائے۔ توبہ یہ ہو کہ کئے ہوئے گناہوں کو نہ بھولو(15) اور اس کی ندامت میں ہمیشہ غرق رہو اگرچہ کتنے ہی زیادہ اعمال صالحہ ہو جائیں ان پر غرور نہ کرو اس لئے کہ برے فعل پر شرمندگی، اعمال صالحہ پر مقدم ہے۔ ایسا شخص کبھی گھمنڈ نہ کرے اور نہ گناہ کو فراموش کرے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ **التوبة ان تنسی ذنبك** کہ توبہ یہ ہے کہ کئے ہوئے گناہ کو بھول جاؤ کیونکہ توبہ کرنے والا اہل محبت سے ہوتا ہے اور محبت والا مشاہدے میں ہوتا ہے اور مشاہدہ میں گناہ کی یاد ظلم ہے کیونکہ وہ کچھ عرصہ تو شقاوت میں رہا پھر کچھ عرصہ حالتِ وفا میں جفا کی یاد میں تڑپا حالانکہ وفا میں جفا کی یاد، وفا میں حجاب ہوتا ہے اور نافرمانی سے رجوع کرنا مجاہدہ ہے اور مشاہدے سے وابستہ ہوتا ہے۔

اس بیان کی تفصیل مذہب سہیلیاں میں دیکھنی چاہئے جو کہ تائب کو بخود قائم کہتے ہیں اور اس کے گناہ کے

شرح (15): کیونکہ جب بندہ اپنے کسی گناہ کو بھول جائے تو گویا یہ بھی اس کے لئے ایک قسم کی سزا ہی ہے جس کی وجہ سے اس گناہ کی سزا میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر تم خوابِ غفلت سے بیدار ہو چکے ہو تو اپنے گناہوں کو ہر وقت یاد رکھو اور اپنے باطن کو برائیوں سے روکنے کے لئے آنسو بہاؤ، اس پر خوف کو غالب کرو اور اپنے رب عزوجل سے حیاء کی وجہ سے پانی پانی ہو جاؤ۔ جب تک بندہ اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کی طرف سے دی جانے والی نیکی کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔ لہذا! اپنے ارادوں کو خوف و امید کے حوالے کر دو۔

فراموش کرنے کو غفلت سمجھتے ہیں اور جو تائب کو حق کے ساتھ قائم کہتے اور اس کے گناہ کی یاد کو شرک بتاتے ہیں۔

غرض کہ تائب اگر اپنی صفت میں باقی رہے تو اس کے گناہ کی عقدہ کشائی نہیں ہو سکتی اور اگر وہ صفت میں فانی ہے تو اس کے لئے اس کی یاد درست نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحالت بقائے صفت کہا: تبت الیك[16] میں نے تیری طرف رجوع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحالت فنائے صفت کہا: لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

خلاصہ یہ کہ مقام قربت میں وحشت کی یاد وحشت ہوتی ہے۔ تائب کے لئے زیبا یہی ہے کہ وہ اپنی خودی کو بھی یاد نہ کرے چہ جائیکہ وہ اپنے گناہوں کو یاد رکھے۔ درحقیقت اپنے گناہ کی یاد بھی اس مقام میں گناہ ہے کیونکہ یہ محل اعراض ہے۔ جب گناہ محل اعراض ہے تو اس کی یاد بھی محل اعراض ہی ہوگی۔ جیسے جرم کی یاد جرم ہے۔ اس طرح اس کا بھول جانا بھی جرم ہے کیونکہ ذکر و نسیان دونوں کا تعلق توبہ سے ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بکثرت کتابیں پڑھی ہیں کسی نے مجھے اتنا فائدہ نہ دیا جتنا اس شعر نے دیا ہے:

اذا قلت ما اذنبت قالت مجیبة
حیوتک ذنب لا یقاس به ذنب

جب میں نے کہا میں نے کیا گناہ کیا ہے تو جواب دینے والے نے کہا۔

تیری زندگی ہی گناہ ہے اس کی موجودگی میں کسی اور گناہ کے قیاس کرنے کی ضرورت ہی کیا؟ جب کہ دوست کی بارگاہ میں دوست کا وجود ہی گناہ ہے تو اس کے وصف کی کیا قدر و قیمت ہوگی؟

غرض کہ توبہ تائید ربانی ہے اور معاصی، فعل جسمانی ہے۔ جب دل میں ندامت پیدا ہو جائے تو جسم میں کوئی سامان نہیں رہتا جو دل کی ندامت کو دور کر سکے اور جب اس کی ندامت ابتدائے فعل میں توبہ کو مانع نہیں تو جب فعل کی انتہا ہو جائے تو اس کی وہ کیسے مانع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ[17] بندے نے اپنے افعال پر توبہ کی تو اللہ

شرح (16): تُبْتُ اِلَیْكَ

ترجمہ کنز الایمان: میں تیری طرف رجوع لایا۔ (پ۹ الاعراف: ۱۴۳)

شرح (17): فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

ترجمہ کنز الایمان: تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (پ۱، البقرۃ: ۳۷)

تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی وہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔[18]

(البقرہ:۳۷)

قرآن کریم میں اس کے نظائر وشواہد بکثرت موجود ہیں ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

توبہ کس سے کس کی طرف:

توبہ کی تین قسمیں ہیں ایک خطا سے راہ ثواب کی طرف دوسرے درستگی سے مزید درستگی کی طرف تیسرے اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف لیکن خطا سے راہ صواب پر گامزن ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفِرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ[19] وہ لوگ جنہوں نے برے کام کئے اور اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے خدا کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگی۔[20] (ال عمران:۱۳۵)

شرح (18): دعا

اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! تیری ذات پاک ہے میں تیری حمد بیان کرتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے برے اعمال کئے اور اپنے نفس پر ظلم کیا اب میں تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو مجھے بخشش دے اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ! مجھے کثرت سے توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا دے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما مجھے صبر وشکر کرنے والا بنا دے مجھے اپنا بہت زیادہ ذکر کرنے والا بنا دے کہ صبح وشام تیری پاکی بیان کروں۔ (جامع الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب فی مایقال بعد الوضوء، الحدیث ۵۵، ص۱۶۳۶، ملخصا)

شرح (19): وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔ (پ۴ ال عمران:۱۳۵)

شرح (20): امیر المومنین حضرتِ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں وہ شخص ہوں کہ جب نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلَّم سے حدیث سنتا ہوں تو اللہ عزوجل مجھے اس سے جتنا چاہے نفع دے دیتا ہے اور جب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور وہ جو درستگی سے مزید درستگی کی طرف رجوع ہے اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے کہا' تُبْتُ اِلَيْكَ" میں تیری طرف رجوع ہوں اور وہ جو اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہے اس کی مثال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ اِنِّیْ كُنْتُ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (21)

(ابن ماجہ، بخاری) جب میرے دل پر ہلکا سا ابر آجاتا ہے تو اس وقت روزانہ ستر مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں۔ (22)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے کوئی صحابی رضی اللہ تعالی عنہ مجھے کوئی حدیث سناتے ہیں تو میں ان سے حلف لے لیتا ہوں اور جب وہ حلف اٹھا لیتے ہیں تو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور مجھے حضرتِ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث سنائی اور انہوں نے سچ فرمایا کہ میں نے مدنی آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ گناہ کر بیٹھے پھر احسن طریقے سے وضو کرے پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا کرے پھر اللہ عزوجل سے استغفار کرے تو اسکی مغفرت کردی جاتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی

ترجمہ کنزالایمان: اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔ (پ ۴، آل عمران: ۱۳۵) (ترمذی، کتاب الصلوۃ ماجاء فی الصلوۃ عند التوبہ، رقم ۴۹۶، ج ۱، ص ۱۴۴ بتغیر)

شرح (21): (کتاب الدعاء للطبرانی، باب من قال سبعین مرۃ، الحدیث ۱۸۳۸، ص ۵۱۶، بدون واللیلۃ) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبۃ، الفصل الاول، الحدیث ۲۳۲۳، ج ۱، ص ۴۳۴)

شرح (22): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

توبہ واستغفار روزے نماز کی طرح عبادت بھی ہے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عامل تھے یا یہ عمل ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں گناہ آپ کے قریب بھی نہیں آتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گناہ کر کے توبہ کرتے ہیں اور وہ حضرات عبادت کر کے توبہ کرتے ہیں۔ شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

سیدنا علی مرتضی فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے لیے دنیا میں دو امانیں ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ارتکاب خطا و معصیت غایت درجہ قبیح فعل ہے اور خطا و معصیت سے راہِ صواب کی طرف رجوع و توبہ عمدہ اور پسندیدہ عمل ہے۔ یہ عام لوگوں کی توبہ ہے، اور اس کا عمل ظاہر ہے اور راہِ صواب پر گامزن رہتے ہوئے اس کی موجودہ حالت پر توقف باعث حجاب ہوتا ہے۔ موجودہ راہِ صواب سے آگے کے راہِ صواب کی طرف رجوع کرنا اہل ہمت کے نزدیک غایت درجہ عمل محمود ہے یہ خاص بندوں کی توبہ ہے اور یہ محال ہے کہ خواص معصیت سے توبہ نہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اس دنیا کے اندر جب دیدارِ الٰہی کی آرزو پیدا ہوئی تو انہوں نے اس سے توبہ کی اس لئے کہ دیدار کی خواہش اپنے اختیار سے تھی اور دوستی میں اختیار آفت ہوتی ہے اور اپنے اختیار کی آفت کو ترک کرنا لوگوں کے لئے ترک رویت اور درجہ محبت میں اپنی خودی سے حق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں نمودار ہوئی جیسا کہ مقام عالی پر وقوف آفت ہے اس سے توبہ کر کے اس سے بلند تر مقام پر فائز ہوتے ہیں اسی طرح مقام اور احوال کی دید سے بھی توبہ کی جاتی ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات ہر آن ترقی پر رہے جب کسی عالی مقام پر پہنچتے تو اس سے نیچے مقام کے وقوف پر استغفار کیا کرتے تھے اور اس مقام کی دید سے توبہ بجالاتے تھے۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

بار بار ارتکاب گناہ کا مسئلہ:

واضح رہنا چاہئے کہ جب بندہ عہد کرے کہ آئندہ گناہ نہ کرے گا تو اس کی توبہ کے لئے تائید ربانی شرط نہیں ہے۔ اگر تائب پر پھر ایسا وقت آجائے کہ عہد کے باوجود گناہ سرزد ہو تو دوبارہ توبہ کرنا اس کی درستگی کے حکم میں ہوگا۔ (23) طریقت کے مبتدیوں اور تائبوں سے ایسا ہوا ہے کہ توبہ کر لی ہے پھر فساد لاحق ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک نے پردہ فرمالیا اور دوسری قیامت تک ہمارے پاس ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور استغفار۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳، ص ۵۴۷)

شرح (23): پیارے بھائیو! توبہ کے بعد گناہوں کی طرف میلان ہونا یقیناً بہت بڑی آزمائش ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس میلان پر قابو پانے کے لئے اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے اور دل میں ندامت کی آگ کو جلائے رکھے، اس کی تپش نفس کی خواہشات کا قلع قمع کردے گی، ان شاء اللہ عزوجل۔ اس سلسلے میں اکابرین کا طرزِ عمل ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔۔

حضرت سیدنا بایزید بسطامی ؒ ایک رات اپنے گھر کی چھت پر پہنچے اور دیوار کو تھام کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور معصیت کا ارتکاب ہوگیا۔ پھر جب خبردار ہوئے تو اس سے دوبارہ توبہ کی ہے۔ (24) یہاں تک کہ ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پوری رات خاموش کھڑے رہے جس کی وجہ سے آپ کے پیشاب میں خون آنے لگا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا، دو چیزوں کی وجہ سے، ایک یہ کہ آج میں خدا ل کی عبادت نہ کرسکا ،دوسری یہ کہ بچپن میں مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا تھا، چنانچہ میں ان دونوں چیزوں سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ میرا دل خون ہوگیا اور پیشاب کے راستے سے خون آنے لگا۔

(تذکرۃ الاولیاء، باب چہاردہم ذکر بایزید بسطامی، ج۱،ص ۱۳۳)

منقول ہے کہ حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بچپن میں ایک گناہ سرزد ہوگیا تھا۔ آپ جب بھی کوئی نیا لباس سلواتے تو اس کے گریبان پر وہ گناہ درج کردیتے۔ اور اکثر اس کو دیکھ کر اس قدر گریہ وزاری کرتے کہ آپ پر غشی طاری ہوجاتی۔ (تذکرۃ الاولیاء، باب سوم، ذکر حسن بصری، ج۱،ص ۳۹)

حضرت سیدنا کُہمس بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا تو میں چالیس برس تک روتا رہا۔ لوگوں نے پوچھا، ابوعبداللہ! وہ کون سا گناہ تھا؟ تو آپ نے فرمایا، ایک دفعہ میرا دوست مجھ سے ملنے آیا تو میں نے اس کے لئے مچھلی پکائی اور جب وہ کھانا کھاچکا تو میں نے اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی لے کر اپنے مہمان کے ہاتھ دُھلائے تھے۔ (منہاج العابدین الی جنۃ رب العالمین، العقبۃ الثانیۃ،ص ۳۵۔۳۶)

شرح (24): جس شخص نے صدقِ دل سے توبہ کرلی ہو پھر وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر غلبہ شہوت وغیرہ کی وجہ سے کسی گناہ کا مرتکب ہوجائے تو اسے چاہیے کہ دوبارہ توبہ کرنے میں دیر نہ کرے کیونکہ بعدِ توبہ گناہ کا صدور ایک مصیبت ہے تو دوبارہ توبہ نہ کرنا اس سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔ حضرتِ سیدنا ابوہریرہ ص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ا کا فرمان ہے کہ جب کوئی بندہ مؤمن گناہ کرلیتا ہے، تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، لیکن جب وہ توبہ کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کرتا ہے، تو اس کا قلب صاف کردیا جاتا ہے اور اگر وہ گناہ کرتا رہے (یعنی درمیان میں توبہ نہ کرے) تو یہ سیاہی بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کا دل سیاہ پڑجاتا ہے۔ پس یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بھی اس طرح فرمایا ہے:

كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (پ ۳۰، المطففین: ۱۴)

ترجمہ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھادیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

(جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ ویل للمطففین، رقم ۳۳۴۵، ج۵،ص ۲۲۰) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ستر (۷۰) بار توبہ کی ہے اور ہر توبہ کے بعد برابر معصیت کا صدور ہوتا رہا ہے اکہترویں (۷۱) مرتبہ توبہ کے بعد استقامت میسر آئی۔

حضرت ابو عمر نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ میں نے ابتداء میں حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں توبہ کی اور اس پر کچھ عرصہ قائم رہا پھر میرے دل میں معصیت کی چاہت پیدا ہوئی اور میں نے ارتکاب کرلیا اور اس بزرگ کی صحبت سے روگرداں ہوگیا[25] جب بھی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کیچڑ میں کپڑوں کو بچاتے ہوئے کیچڑ میں چل رہے تھے تاکہ پاؤں پھسل نہ جائے۔ لیکن پھر بھی ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر گئے۔ وہ کھڑے ہوئے اور روتے روتے کیچڑ کے درمیان چلنے لگے وہ کہہ رہے تھے کہ: بندے کی یہ ہی مثال ہے وہ گناہ سے بچتا اور کنارہ کش رہتا ہے حتی کہ وہ ایک یا دو گناہوں میں جا پڑتا ہے، اس وقت وہ گناہوں میں ڈوب جاتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ وہ دوسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب التوبۃ، الرکن الرابع فی دواء التوبۃ وطریق العلاج، ج ۴، ص ۶۷)

شرح (25): بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ پر اعتماد نہیں کہ بعدِ توبہ گناہوں سے بچ پائیں گے یا نہیں؟ اس لئے توبہ کرنے کا کیا فائدہ؟

اس کا حل:

یہ سراسر شیطانی وسوسہ ہے کیونکہ آپ کو کیا معلوم کہ توبہ کرنے کے بعد آپ زندہ رہیں گے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ توبہ کرتے ہی موت آجائے اور گناہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ وقتِ توبہ آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ ہونا ضروری ہے، گناہوں سے بچنے پر استقامت دینے والی ذات تو رب العالمین کی ہے۔ اگر ارتکابِ گناہ سے محفوظ رہنا نہ بھی نصیب ہوا تو بھی کم از کم گزشتہ گناہوں سے جان تو چھوٹ جائے گی اور سابقہ گناہوں کا معاف ہوجانا معمولی بات نہیں۔ اگر بعدِ توبہ گناہ ہو بھی جائے تو دوبارہ پُرخلوص توبہ کرلینی چاہیے کہ ہوسکتا ہے یہی آخری توبہ ہو اور اسی پر دنیا سے جانا نصیب ہو۔ حضرتِ سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا، اے میرے رب! مجھے تیری عزت وجلال کی قسم! جب تک بندوں کے جسموں میں روح باقی ہے، میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا، مجھے اپنی عزت وجلال اور بلند مقام کی قسم! میں ہمیشہ اس وقت تک ان کی مغفرت کرتا رہوں گا، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انہیں دور سے دیکھتا تو میں شرمندہ ہو کر ادھر ادھر ہو جاتا کہ ان کے نظر مجھ پر نہ پڑے اتفاق سے میرا ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا اے فرزند! تم اپنے دشمنوں کے ساتھ نہ رہا کرو کیونکہ ابھی تم معصوم ہو اس لئے کہ دشمن تمہارے عیب کو دیکھتا ہے اور جب تم انہیں عیب دار نظر آتے ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب تم گناہ سے معصوم ہوتے ہو تو انہیں رنج پہنچتا ہے اگر تمہاری خواہش یہی ہے کہ معصیت میں مبتلا رہو تو ہمارے پاس آیا کرو تا کہ ہم تمہاری مصیبت و بلا کو دور کر دیا کریں اور تمہارے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقعہ نہ دیں۔ حضرت ابو عمر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میرا دل گناہ سے سیر ہو گیا اور صحیح توبہ نصیب ہو گئی۔

میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے گناہوں سے توبہ کی اس کے بعد پھر اس سے گناہ سرزد ہو گیا جس سے وہ بہت شرمسار ہوا۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں کہا اگر اب میں دوبارہ توبہ کر کے راہِ صواب اختیار کر لوں تو میرا حال کیا ہو گا؟ ہاتف نے آواز دی:

اطعتنا فشکرناک ثم ترکتنا فامھلناک فان عدت الینا قبلنالک

تو نے ہماری اطاعت کی ہم نے اسے قبول کیا پھر تو نے بے وفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تجھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جب تک کہ وہ مجھ سے مغفرت مانگتے رہیں گے۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری، رقم ۱۱۲۳۳، ج ۴، ص ۵۸)

اور حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کر لیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے مولا! میں نے گناہ کر لیا، مجھے معاف کر دے۔ تو اللہ عزوجل فرماتا ہے، میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب عزوجل ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے، (اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ کہ) میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر جتنا رب لچاہتا ہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے، اس کے بعد پھر کوئی گناہ کر لیتا ہے، پھر عرض کرتا ہے، یاالٰہی عزوجل! میں نے پھر گناہ کر لیا، بخش دے۔ تو رب کریم عزوجل فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب مجھے معاف کر دے۔ تو رب عزوجل فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ (اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ کہ) میں نے اپنے بندے کی بخشش فرما دی، اب جو چاہے کرے۔

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، رقم ۷۵۰۷، ج ۴، ص ۵۷۵)

مہلت دی اب تو اگر توبہ کر کے ہماری طرف آئے تو ہم پھر تجھے قبول کر لیں گے۔

توبہ میں اقوال مشائخ:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

توبۃ العوام من الذنوب وتوبۃ الخواص من الغفلت عوام کی توبہ گناہوں سے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔ (26)

کیونکہ عوام سے صرف ظاہر حال پوچھا جائے گا اور خواص سے معاملہ کی تحقیق کی جائے گی عوام کے لئے غفلت نعمت اور خواص کے لئے حجاب ہے۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لیس للعبد فی التوبۃ شیئی لان التوبۃ الیہ لامنہ بندے کو توبہ میں کوئی دخل نہیں ہے اس لئے کہ توبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ بندے کی جانب سے۔

اس قول سے لازم آتا ہے کہ توبہ بندے کا عمل نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی عطاو بخشش ہے یہی جنیدی مذہب ہے۔

حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التوبۃ اذا ذکرت الذنب ثم لاتجد حلاوۃ عند ذکرہ فھو التوبۃ توبہ یہ ہے کہ جب تم گناہ کو یاد کرو تو اس کی یاد میں تمہیں لذت و سرور نہ معلوم ہو تو ایسی توبہ صحیح ہے اس لئے کہ گناہ کی یاد، یا تو حسرت سے ہوگی یا ارادہ وخواہش سے۔ اگر کوئی حسرت و ندامت سے اپنی معصیت یاد کرتا ہے تو وہ تائب ہے (27) اور اگر ارادہ وخواہش سے اسے یاد کرتا ہے تو وہ گنہگار

شرح (26): یعنی اہل طریقت کی توبہ مشائخِ کرام فرماتے ہیں! اہلِ طریقت صرف گناہوں سے توبہ نہیں کرتے جو کہ عوام کا طریقہ ہے، بلکہ وہ ہر اس بات سے توبہ کرتے ہیں، جو انہیں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے غافل رکھے۔

شرح (27): ہمیں یہ معلوم ہے کہ ندامت کی آگ اس غبار کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور نیکی کا نور دل کے چہرے سے گناہ کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں کے انوار کے سامنے گناہوں کے اندھیرے نہیں ٹھہرتے جیسے دن کی روشنی کے سامنے رات کے اندھیروں کا بس نہیں چلتا اور جس طرح صابن کی سفیدی سے میل کی کدورت باقی نہیں رہتی، اسی طرح توبہ واستغفار اور ندامت کے نور سے گناہ باقی نہیں رہتے سوائے اس کے کہ گناہوں کی کثرت اور ہمیشگی کی وجہ سے دل خراب ہو گیا ہو۔ ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں

ہے کیونکہ ارتکاب معصیت میں اتنی آفت نہیں جتنی اس کے ارادہ وخواہش میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتکاب گناہ کچھ لمحہ کا ہوتا ہے لیکن اس کا ارادہ وخواہش مستقل اور دائمی ہے جس کا جسم ایک لمحہ کے لئے گناہ میں رہے وہ ویسا نہیں ہے بمقابلہ اس کے جس کا دل دن رات اس کی صحبت میں رہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

التوبة توبتان توبة الانابت و توبة الاستحياء. فتوبة الانابت ان يتوب العبد خوفا من عقوبته وتوبته الاستحياء ان يتوب حياء من كرمه توبہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک توبہ انابت دوسری توبہ استحیاء۔ توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ عذابِ الٰہی کے خوف سے توبہ کرے اور توبہ استحیاء یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے حیا کر کے توبہ کرے۔

لہٰذا خوف الٰہی والی توبہ، جلالِ الٰہی کے کشف سے ہے اور حیا والی توبہ جمال الٰہی کے نظارہ سے ہے یعنی ایک جلالِ الٰہی میں اس کے خوف کی آگ سے جلتا ہے اور دوسرا جمالِ الٰہی میں حیاء وشرم کے نور سے روشن ہوتا ہے ان دونوں میں سے ایک بحالت سکر دوسرا بحالت صحو ہے۔ اہل حیاء اصحاب سکر اور اہل خوف اصحاب صحو سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

باب:20

پانچواں کشف: حجاب نماز کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (1) اے مسلمانو! نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ (2)

شرح (1): وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو۔ (پ ۱، بقرۃ: ۴۳)

شرح (2): فرض نماز کی فضیلت:

نبیِّ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ مغفرت نشان ہے:

اَلصَّلَوَاتُ کَفَّارَاتٌ لِّمَا بَیْنَهُنَّ مَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرُ۔

ترجمہ: نمازیں ایک دوسری کے درمیان کئے گئے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق، کتاب الطھارۃ، باب مایکفر الوضوء والصلاۃ، الحدیث ۱۴۷، ج ۱، ص ۳۷)

سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ، سلطانِ باقرینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ غیب نشان ہے:

بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمُنَافِقِیْنَ شُهُوْدُ الْعَتَمَةِ وَ الصُّبْحِ، لَا یَسْتَطِیْعُوْنَهُمَا۔

ترجمہ: ہمارے اور منافقین کے درمیان عشاء اور فجر کی نماز میں حاضر ہونے کا فرق ہے، وہ ان دو نمازوں میں حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(الموطأ للامام مالک، کتاب صلاۃ الجماعۃ، باب ماجاء فی العتمۃ والصبح، الحدیث ۲۹۸، ج ۱، ص ۱۳۳، بتغیر)

اللہ کے پیارے حبیب، حبیب لبیب عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عظمت نشان ہے:

اَلصَّلَاۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّیْنَ

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے پس جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو گرادیا۔

(شعب الایمان، باب فی الصلوات، الحدیث ۲۸۰۷، ج ۳، ص ۳۹، تقدم وتاخر، فقد ھدم الدین بدلہ فلا دین لہ)

روایت ہے کہ بروز قیامت بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز دیکھی جائے گی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ نماز کی حفاظت کرو اور ان چیزوں کی جن کے تم مالک ہو۔

نماز کے معنی باعتبار لغت، ذکر وانقیاد کے ہیں (3) اور فقہاء کے عرف واصطلاح میں مقررہ احکام کے تحت مخصوص عبادت ہے جو بفرمانِ الٰہی نمازِ پنج گانہ ہے جنہیں پانچ وقتوں میں ادا کیا جاتا ہے نماز کی فرضیت کے لئے اس کے وقت کا پہلے داخل ہونا شرط ہے نماز کے شرائط میں سے ایک شرط طہارت ہے جو ظاہری طور پر ناپاکی سے اور باطنی طور پر شہوت سے پاک ہونا ہے۔ دوسری شرط لباس کی پاکی ہے ظاہر طور پر نجاست سے اور باطنی طور پر اس طرح کہ وہ حلال کمائی سے ہو۔ تیسری شرط جگہ کا پاک ہونا ہے ظاہر طور پر حوادث وآفت سے اور باطنی طور پر فساد ومعصیت سے۔ چوتھی شرط استقبال قبلہ ہے ظاہر طور پر خانہ کعبہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اگر اسے ناقص پایا گیا تو نماز اور باقی تمام اعمال رد کر دیے جائیں گے۔

(الموطأ للامام مالک، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، باب جامع الصلاۃ، الحدیث ۴۲۸، ج ۱، ص ۱۶۹، مفہوماً)

شرح (3): مفسر شہیر، خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں سورۃ البقرہ کی اس آیہ مبارکہ ۱۵۲ کے تحت فرماتے ہیں: ذکر تین طرح کا ہوتا ہے: (۱) لسانی (۲) قلبی (۳) بالجوارح۔ ذکرِ لسانی تسبیح، تقدیس، ثناء وغیرہ بیان کرنا ہے، خطبہ، توبہ، استغفار، دعا وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ ذکرِ قلبی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا، اس کی عظمت وکبریائی اور اس کے دلائلِ قدرت میں غور کرنا۔ علماء کا استنباطِ مسائل میں غور کرنا بھی اسی میں داخل ہیں۔ ذکر بالجوارح یہ ہے کہ اعضاء طاعتِ الٰہی میں مشغول ہوں جیسے حج کے لیے سفر کرنا، یہ ذکر بالجوارح میں داخل ہے۔ نماز تینوں قسم کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تسبیح وتکبیر، ثناء وقراءت تو ذکرِ لسانی ہے اور خشوع وخضوع، اخلاص ذکرِ قلبی اور قیام، رکوع وسجود وغیرہ ذکر بالجوارح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم طاعت بجالا کر مجھے یاد کرو میں تمہیں اپنی امداد کے ساتھ یاد کروں گا۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو ایسے ہی یاد فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ قرآن وحدیث میں ذکر کے بہت فضائل وارد ہیں اور یہ ہر طرح کے ذکر کو شامل ہیں۔ ذکر بالجہر کو بھی اور بالاخفاء کو بھی۔

سمت اور باطنی طور پر عرشِ معلیٰ اور اس کا باطن مشاہدۂ حق ہے۔ پانچویں شرط قیام ہے ظاہری طور پر کھڑے ہونے کی قدرت اور باطنی طور پر قربت الٰہی کے باغ میں قیام ہے۔ چھٹی شرط دخول وقت ہے جو ظاہری طور پر شرعی احکام کے مطابق اور باطنی طور پر حقیقت کے درجہ میں ہمیشہ قائم رہنا ہے اور داخلی شرائط میں سے ایک شرط خلوص نیت کے ساتھ بارگاہِ حق کی طرف متوجہ ہونا ہے اور قیام ہیبت وفنا میں تکبیر کہنا، محل وصل میں کھڑا ہونا، ترتیل وعظمت کے ساتھ قرأت کرنا، خشوع کے ساتھ رکوع کرنا، تذلل وعاجزی کے ساتھ سجدے کرنا، دل جمعی کے ساتھ تشہد پڑھنا اور فنائے صفت کے ساتھ سلام پھیرنا۔ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ جَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ (4) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے تو آپ کے بطن میں ایسا جوش اٹھتا جیسے دیگ میں جوش آتا ہے۔(5)

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، جب نماز کا ارادہ فرماتے تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا

شرح (4): (رواہ ابن حبان ۷۵۳) (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۲، ص ۲۲۵)

روایت ہے حضرت مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے پیٹ میں ہانڈی کی سی کھولن تھی یعنی رو رہے تھے اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ آپ کے سینے میں رونے سے چکی کی سی گڑگڑاہٹ تھی۔ (احمد) اور نسائی نے پہلی روایت اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی۔

شرح (5): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنّان فرماتے ہیں:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا خوف خدا یا عشق الٰہی میں تھا یا اپنی امت کی شفاعت میں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام تہجد پڑھ رہے تھے اور آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے یہ رونا رب تعالیٰ کو بہت پیارا ہے، اب بھی جو نمازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق یا خدا کے خوف سے نماز میں روئے تو نماز بڑی مقبول ہوتی ہے خصوصاً نماز تہجد، ہاں دنیوی تکلیف سے نماز میں رونا منع ہے اور اگر اس میں تین حرف ادا ہو گئے تو نماز فاسد ہے۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۲، ص ۲۲۵)

اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا جس کا بار زمین و آسمان اٹھانے سے عاجز رہے تھے۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم سے میں نے پوچھا (6) آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب اس کا وقت آتا ہے تو ایک ظاہری وضو کرتا ہوں دوسرا باطنی وضو۔ ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے۔ پھر جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو مسجد حرام کے روبرو دونوں ابرو کے درمیان مقام ابراہیم رکھتا ہوں اور اپنی داہنی جانب جنت کو اور بائیں جانب دوزخ کو دیکھتا ہوں اور خیال

شرح (6): یہ روایت تفصیل کے ساتھ تفسیر روح البیان میں یوں بیان کی گئی ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ حضرت عاصم بن یوسف محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت عاصم بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اے حاتم! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا تم اچھی طرح نماز پڑھتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں تو حضرت عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا: آپ بتائیے کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں؟ تو حضرت حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت قریب ہو جاتا ہے تو میں نہایت ہی کامل و مکمل طریقے سے وضو کرتا ہوں۔ پھر نماز کا وقت آ جانے پر جب مصلیٰ پر قدم رکھتا ہوں تو اس طرح کھڑا ہوتا ہوں کہ میرے بدن کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر برقرار ہو جاتا ہے پھر میں اپنے دل میں یہ تصور جماتا ہوں کہ خانہ کعبہ میرے دونوں بھوؤں کے درمیان اور مقامِ ابراہیم میرے سینے کے سامنے ہے پھر میں اپنے دل میں یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ میری ظاہری حالت اور میرے دل میں چھپے ہوئے تمام خیالات کو جانتا ہے اس طرح کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا پل صراط پر میرے قدم ہیں اور جنت میرے داہنے اور جہنم میرے بائیں اور ملک الموت میرے پیچھے ہیں اور گویا یہی نماز میری زندگی کی آخری نماز ہے، اس کے بعد تکبیر تحریمہ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ کہتا ہوں پھر انتہائی تدبر اور غور و فکر کے ساتھ قراءت کرتا ہوں۔ پھر نہایت ہی تواضع کے ساتھ رکوع اور گڑگڑاتے ہوئے انکساری کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں۔ پھر اسی طرح پوری نماز نہایت ہی خضوع و خشوع کے ساتھ خوف و رجا کے درمیان ادا کرتا ہوں یہ سن کر حضرت عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ اے حاتم اصم! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا واقعی آپ ہمیشہ اور ہر وقت اسی طریقے سے نماز پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جی ہاں! تیس برس سے میں ہمیشہ اور ہر وقت اسی طرح ہر نماز ادا کرتا ہوں۔ یہ جواب سننے کے بعد حضرت عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر رقت طاری ہو گئی اور وہ یہ کہنے لگے کہ افسوس! ایسی نماز تو میں نے زندگی بھر میں کبھی بھی ادا نہیں کی۔ (تفسیر روح البیان، البقرۃ، تحت الآیۃ ۳، ج ۱، ص ۳۳)

کرتا ہوں کہ میرے قدم پل صراط پر ہیں اور ملک الموت میرے پیچھے کھڑا ہے اس حال میں کمالِ عظمت کے ساتھ تکبیر، حرمت کے ساتھ قیام، ہیبت کے ساتھ قرأت، تواضع کے ساتھ رکوع، تضرع کے ساتھ سجدہ، حلم ووقار کے ساتھ جلسہ اور شکر واطمینان کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔

طریقت کی نماز:

واضح رہنا چاہئے کہ شریعت کے مطابق نماز ایسی عبادت ہے جس کی ابتداء وانتہا میں مریدین راہِ حق پاتے ہیں اوران کے مقامات کا کشف ہوتا ہے چنانچہ مریدوں کے لئے طہارت، توبہ کا قائم مقام، پیروی کا تعلق، قبلہ شناسی کا قائم مقام، مجاہدہ نفس پر قیام، قیام کا قائم مقام، ذکر الٰہی کی مداومت، قرأت قرآن کا قائم مقام، تواضع، رکوع کا قائم مقام، معرفت نفس، سجود کا قائم مقام، مقام امن، تشہد کا قائم مقام، دنیا سے علیحدگی، سلام کا قائم مقام اور نماز سے باہر آنا مقامات کی قید سے خلاصی کا قائم مقام ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اکل وشرب سے فارغ ہوتے تو کمالِ حیرت کے مقام میں شوق کے طالب ہوتے اور یکسو ہوکر خاص مشرب سے انہماک فرماتے ہیں۔ اس وقت آپ فرماتے: اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ[7] (ابوداؤد) اے بلال! نماز کی اذان دے کرہمیں خوش کرو۔

اس بارے میں مشائخ طریقت کے بکثرت ارشادات ہیں اور ہر ایک کا خاص مقام اور درجہ ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کہتی ہے کہ نماز حضورِ الٰہی کا ذریعہ ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ نماز غیبت نفس کا ذریعہ ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ جو غائب رہتا ہے وہ نماز میں حاضر ہوتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ جو حاضر ہوتا ہے وہ نماز میں غائب ہو جاتا ہے جس طرح کہ اس جہان میں بحالتِ مشاہدہ محو ہوتا ہے۔ جو گروہ دیدار الٰہی میں رہتا ہے وہ غائب ہوکر حاضر رہتا ہے۔ اور جو گروہ حاضر ہوتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز خدا کا حکم ہے وہ ذریعہ حضور یا ذریعہ غیبت نہیں ہے کیونکہ حکم الٰہی کسی چیز کا ذریعہ نہیں ہوتا اس لئے کہ حضور کی علت، عین حضور اور غیبت کی علت بھی غیبت ہے اور حکم الٰہی کو کسی چیز کے ساتھ سَبَبی تعلق نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نماز اگر حضور کی علت ہوتی تو چاہئے تھا کہ نماز کے سوا حاضر نہ ہوتا اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب، نماز کے ترک سے حاضر ہوتا

شرح (7): (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ، الحدیث ۴۹۸۶، ص ۱۵۸۸)

حالانکہ غیبت وحضور کے لئے نماز کی ادا یا اس کا ترک، وسیلہ اور سبب نہیں ہے۔ نماز فی نفسہ ایک غلبہ ہے جو غیبت یا حضور پر موقوف نہیں ہے لہٰذا اصحابان مجاہدہ اور اہل استقامت، بکثرت نمازیں پڑھتے اور اس کا حکم دیتے ہیں (8) چنانچہ بعض بزرگوں نے اپنے مریدوں کو دن و رات میں چار سو رکعات تک کا حکم دیا ہے

شرح (8): حضرت سیدنا مسروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ حضرت سیدنا مسروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کو جب بھی دیکھا جاتا تو لمبی نماز کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں سوجی ہوئی ہوتی تھیں وہ فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میں ان کے پیچھے بیٹھتی تو ان کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑتی۔

حضرت سیدنا ابودرداد (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو میں ایک دن بھی زندہ رہنا پسند نہ کرتا ایک دوپہر کے وقت پیاسا رہنا دوسرا رات کے درمیان اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنا اور تیسری بات یہ کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جو اچھی باتوں کو اس طرح چھانتے ہیں جس طرح اچھی کھجوریں چھانٹی جاتی ہیں۔

حضرت سیدنا اسود بن یزید (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) عبادت میں خوب کوشش کرتے وہ گرمی میں روزہ رکھتے حتی کہ ان کا جسم سبز اور زرد ہو جاتا حضرت سیدنا علقمہ بن قیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) ان سے فرماتے کہ آپ اپنے نفس کو کیوں تکلیف بتلا کرتے ہیں؟ وہ فرماتے آخرت میں اسی کی عزت و احترام چاہتا ہوں آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کا دستور تھا کہ مسلسل روزے رکھتے حتی کہ جسم زرد ہو جاتا اور نماز پڑھتے حتی کہ گر پڑتے حضرت سیدنا انس بن مالک اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہما ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں کا حکم نہیں دیا فرمایا میں ایک مملوک غلام ہوں عاجزی اور مسکینی کی کسی بات کو عمل میں لائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

اور بعض عبادت گزار ہر دن ایک ہزار رکعات پڑھتے یہاں تک کہ وہ بیٹھتے اور اسی حالت میں ایک ہزار رکعتیں پڑھ لیتے۔ جب عصر کی نماز پڑھتے تو ٹانگیں کھڑی کر کے بیٹھتے پھر فرماتے مخلوق پر تعجب ہے انہوں نے کیسے تیرے بدلے میں کسی دوسری چیز کا ارادہ کیا؟ مخلوق پر تعجب ہے کہ وہ تیرے علاوہ کسی اور سے کیسے مانوس ہو گئی۔

مشہور بزرگ حضرت سیدنا ثابت بنانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کو نماز سے بہت محبت تھی وہ کہا کرتے تھے یا اللہ اگر تو نے کسی کو اجازت دی ہے کہ وہ قبر میں تیرے لئے نماز پڑھے تو مجھے بھی اجازت دے کہ میں قبر میں تیرے لئے نماز پڑھوں گا۔

سلسلہ قادریہ کے عظیم پیشوا حضرت سیدنا جنید بغدادی (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تا کہ ان کا جسم عبادت کا عادی بن جائے اور اہل استقامت بھی قبولیت حضور کے شکرانہ میں بکثرت نمازیں پڑھتے ہیں۔ (9)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں نے حضرت سیدنا سری سقطی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بڑھ کر کسی کو عبادت گزار نہیں دیکھا۔ انہیں اٹھانوے سال کے عرصہ میں مرض الموت کے علاوہ بستر پر نہیں دیکھا گیا۔

حضرت سیدنا حارث بن سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں ایک جماعت کسی زاہد کے پاس سے گزری تو دیکھا کہ وہ عبادت میں خوب کوشش کر رہا ہے تو اس سلسلے میں پوچھا اس نے کہا جو کچھ مصائب و احوال مخلوق پر آنے والے ہیں اور وہ ان سے غافل ہیں ان کے مقابلے میں عبادت کی یہ تکلیف کچھ بھی نہیں لیکن لوگ اپنی نفسانی لذتوں کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بہت بڑا حصہ ملے گا اسے بھول گئے ہیں۔ یہ بات سن کر سب لوگ رو پڑے۔

اسی طرح حضرت سیدنا ابو محمد مغازلی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے منقول ہے فرماتے ہیں حضرت سیدنا ابو محمد جریری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مکہ مکرمہ میں ایک سال رہے اس دوران نہ وہ سوئے اور نہ کسی سے کلام کیا بلکہ انہوں نے کسی ستون یا دیوار کے ساتھ ٹیک بھی نہیں لگائی اور اپنے پاؤں بھی نہیں پھیلائے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابو بکر کتانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے انہیں سلام پیش کرنے کے بعد فرمایا اے ابو محمد آپ اس اعتکاف پر کس طرح قادر ہوئے؟ انہوں نے فرمایا وہ علم جس نے میرے باطن میں سچائی پیدا کی اس نے میرے ظاہر پھر بھی مدد کی ہے یہ سن کر حضرت سیدنا کتانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سوچتے سوچتے آگے چلے گئے۔

شرح (9): مشہور بزرگ حضرت سیدنا داؤد طائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کہا گیا کہ آپ کنگھی کر لیں انہوں نے فرمایا اگر میں کنگھی میں مشغول ہو جاؤں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فارغ ہوں۔

رات کے وقت حضرت سیدنا اویس قرنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے تھے یہ رکوع کی رات ہے پھر وہ تمام رات رکوع میں گزارتے اور دوسری رات آتی تو فرماتے یہ سجدے کی رات ہے پھر وہ پوری رات سجدے میں گزار دیتے۔ کہا گیا کہ جب حضرت سیدنا عتبہ غلام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تائب ہوئے تو وہ کھانے پینے کے لئے آمادہ نہ ہوتے ان کی ماں نے ان سے کہا اگر تم اپنے نفس پر کچھ نرمی کرو تو کیا حرج ہے؟ انہوں نے فرمایا میں آرام ہی تو چاہتا ہوں مجھے تھوڑی سے مشقت کر لینے دیں پھر میں طویل مدت عیش کروں گا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باقی رہے صاحبانِ احوال، تو ان کی دو قسمیں ہیں کچھ وہ ہیں جن کی نمازیں کمال مشرب میں جمع کے قائم مقام ہیں اور اس سے وہ منزل جمع پاتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی نمازیں انقطاع مشرب میں تفرقہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا مسروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حج کیا وہ نہیں سوئے۔ حضرت سیدنا سفیان ثوری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں جسطرح لوگ رات کو چلنے کی تعریف صبح کے وقت کرتے ہیں کہ رات کو سفر طے کر کے صبح صبح اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے اسی طرح مرنے کے وقت لوگ متقی کی تعریف کریں گے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن داؤد ص فرماتے ہیں بزرگان دین میں سے جب کوئی چالیس برس کا ہوتا تو اپنا بستر لپیٹ دیتا یعنی وہ تمام رات جاگنے کی عادت بنالیتا۔

حضرت سیدنا کہمس بن حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہر دن ایک ہزار رکعات پڑھتے پھر اپنے نفس سے فرماتے اے تمام برائیوں کی پناہ گاہ اٹھ جب آپ کمزور ہو گئے تو پانچ سو رکعات پر اکتفا کر لیا پھر روتے ہوئے کہنے لگے میرا نصف عمل چلا گیا۔

حضرت سیدنا ربیع بن خثیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی صاحبزادی ان سے پوچھتی تھی ابا جان! کیا بات ہے میں دیکھتی ہوں کہ لوگ سوتے ہیں اور آپ آرام نہیں فرماتے؟ وہ جواب دیتے اے بیٹی! تیرے باپ کو رات کے حملے کا ڈر ہے۔ (کہیں ایسا نہ ہو کہ سوتے ہوئے موت آجائے اور غفلت کی حالت میں دم نکلے)

جب حضرت سیدنا ربیع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی والدہ نے ان کا رونے اور جاگنے کا حال دیکھا تو آواز دی اے بیٹے! شاید تو نے کسی کو قتل کیا ہے انہوں نے کہا ہاں اے ماں اسی طرح ہے۔ ماں نے پوچھا وہ کون ہے؟ تا کہ ہم اس کے گھر والوں کو تلاش کر کے ان سے معافی مانگیں اللہ کی قسم اگر ان کی تمہاری اس حالت علم ہو جائے تو وہ تمہیں معاف کر دیں گے اور تجھ پر رحم کھائیں گے انہوں نے فرمایا اماں جان یہ میرا نفس ہے جسے میں نے گناہ کر کر کے جہنم کا حقدار کر دیا ہے۔

حضرت سیدنا بشر بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بھانجے حضرت سیدنا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں میں نے اپنے ماموں حضرت سیدنا بشر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے سنا وہ میری ماں سے فرما رہے تھے اے میری بہن! میرا پیٹ اور پسلیاں آپس میں ٹکرائی ہیں تو میری ماں نے کہا بھائی! اگر تم اجازت دو تو میں تمہارے لئے ایک مٹھی میدے کا حریرہ بنا دوں اس کے پینے سے طاقت آجائے گی انہوں نے فرمایا مجھے یہی تو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے یہ آٹا کہاں سے آیا؟ تو مجھے معلوم نہ ہو کہ میں کیا جواب دوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قائم مقام ہیں اور وہ اس سے منزل تفرقہ حاصل کرتے ہیں جو حضرات نماز میں منزل جمع پاتے ہیں وہ فرائض وسنن کے علاوہ ہمہ وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی کثرت کرتے ہیں اور جو صاحبانِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ سن کر میری ماں اور ماموں دونوں رونے لگے۔ اور میں ان کے ساتھ رونے لگا۔

بھائیو! یہی حضرت سیدنا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں کہ میری ماں نے جب حضرت سیدنا بشر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کو دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے ان کا سانس لینا مشکل ہوگیا ہے تو انہوں نے کہا بھائی جان! کاش میں تمہاری بہن نہ ہوتی اللہ کی قسم! تمہاری حالت دیکھ کر میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے میں نے سنا وہ جواب میں فرماتے میں بھی یہی کہتا ہوں کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر جنا تھا تو مجھے دودھ نہ پلاتی حضرت سیدنا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں میری ماں ان کی آہ وزاری اور عبادت کی مشقت دیکھ کر دن رات روتی رہتی تھیں۔

حضرت سیدنا ربیع (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں میں حضرت سیدنا اویس (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے پاس حاضر ہوا تو میں نے ان کو نماز فجر سے فراغت کے بعد بیٹھا ہوا پایا پھر وہ بھی بیٹھے رہے اور میں بھی ان کے ساتھ بیٹھا رہا اور میں نے دل میں کہا کہیں میری وجہ سے ان کی تسبیح میں حرج نہ ہو چنانچہ میں نے انہیں مخاطب نہ کیا وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور عصر تک نماز پڑھتے رہے پھر عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھ گئے مغرب کی نماز تک بیٹھے رہے اور پھر مغرب کی نماز ادا کی پھر وہیں بیٹھے رہے حتی کہ نماز عشاء ادا کی پھر اسی جگہ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ فجر کی نماز پڑھی پھر بیٹھے تو نیند آنے لگی آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

یا اللہ! میں زیادہ سونے والی آنکھوں اور نہ سیر ہونے والے پیٹ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ حضرت سیدنا ربیع فرماتے میں نے کہا ان سے مجھے اتنی نصیحت ہی کافی ہے چنانچہ میں واپس چلا آیا۔

اسی طرح ایک شخص نے حضرت سیدنا اویس (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کو دیکھا تو پوچھا اے ابو عبد اللہ! کیا بات ہے میں آپ کو ایک بیمار آدمی کی طرح دیکھتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا اویس کو کیا ہوا کہ وہ بیمار کی طرح نہ ہو جبکہ بیماروں کو کھانا ملتا ہے اور اویس کھانا نہیں کھاتا اور بیمار آدمی سوتا ہے لیکن اویس نہیں سوتا۔

حضرت سیدنا احمد بن حرب (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں اس شخص پر تعجب ہے جو جانتا ہے کہ اس کے اوپر جنت آراستہ ہے اور اس کے نیچے جہنم کی آگ جل رہی ہے پھر وہ ان کے درمیان کیسے سوجاتا ہے۔

ایک عابد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں حضرت سیدنا ابراہیم بن ادھم (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ چکے ہیں میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا انہوں نے ایک کمبل لپیٹا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفرقہ ہیں وہ فرائض وسنن کے سوا دیگر نوافل میں کم مشغول ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور لیٹ گئے انہوں نے رات بھر پہلو نہ بدلا حتی کہ صبح ہوگئی اور موذن نے اذان دی وہ جلدی جلدی نماز کی طرف اٹھے لیکن وضو نہ کیا میرے دل میں یہ بات کھٹکی اور میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ رات بھر لیٹے رہے پھر وضو نہیں فرمایا۔

انہوں نے فرمایا میں رات بھر کبھی جنت کے باغوں میں اور کبھی جہنم کی وادیوں میں پھرتا رہا تو کیا ایسی صورت میں نیند آتی ہے؟ (یعنی ساری رات آخرت میں غور کرتے گزر گئی نیند نہ آئی)

بھائیو! حضرت سیدنا ثابت بنانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا جب ان میں سے ایک نماز پڑھتا تو اس قدر تھک جاتا کہ بستر پر گھٹنوں کے بل چل کر آتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر بن عیاش (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے چالیس سال اس طرح گزارے کہ انہوں نے بستر پر پہلو نہ رکھا اور ان کی ایک آنکھ میں پانی اتر آیا تو انہوں نے یہ خیال کر کے کہ علاج معالجے کے جھنجٹ سے میرا وقت ضائع ہوگا، بیس سال اسی طرح گزار دیئے اور ان کے گھر والوں کو علم نہ ہو سکا۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سیدنا سمنون (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) روزانہ پانچ سو رکعات پڑھتے تھے۔ اور حضرت سیدنا ابوبکر مطوعی (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرماتے ہیں میں جوانی میں روزانہ دن رات میں اکتیس ہزار یا چالیس ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھا کرتا تھا۔ راوی کو تعداد میں شک ہے۔

حضرت سیدنا منصور بن معتمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کی حالت یہ تھی کہ جب تم ان کو دیکھو تو کہو کہ شاید یہ کوئی مصیبت کا مارا ہے آنکھیں جھکی ہوئیں، آواز پست اور آنکھیں تر رہتی تھیں اگر ذرا حرکت دو تو چار چار آنسو نکلیں ان کی والدہ نے فرمایا اے بیٹے! اپنے نفس سے یہ کیا معاملہ کر رہے ہو کہ ساری رات روتے رہتے ہو اے بیٹے شاید تم نے کوئی قتل کیا ہے اور تم اپنے ضمیر پر اسکا بوجھ محسوس کرتے ہو۔ وہ جواب دیتے اے ماں! میں خوب جانتا ہوں جو کچھ میں نے اپنے نفس کے ساتھ کیا ہے۔

حضرت سیدنا عامر بن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) سے پوچھا گیا کہ آپ رات کی بیداری اور دوپہر کی پیاس پر کیسے صبر کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس طرح کہ میں دن کے کھانے کو رات پر اور رات کی نیند کو دن پر ٹال دیتا ہوں پھر عاجزی کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) فرمایا کرتے تھے میں نے جنت کی مثل کوئی چیز نہیں دیکھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جس کا طلب گار سوتا رہے اور دوزخ جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا بھی سوتا رہے اور ان کی عادت تھی کہ جب رات آجاتی تو فرماتے جہنم کی گرمی نیند کو لے گئی پھر وہ صبح تک نہ سوتے اور جب دن کا وقت آتا تو فرماتے جہنم کی گرمی نے نیند کو ختم کر دیا اور اس طرح وہ شام تک نہ سوتے پھر جب رات آتی تو فرماتے جو تاخیر سے ڈرتا ہے وہ اپنے سفر کا آغاز رات میں ہی کر دیتا ہے اور صبح کے وقت لوگ رات کے چلنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ (یعنی منزل پر پہنچنے کے بعد لوگ تیز چلنے والے اور جلدی کرنے والے کو اچھا سمجھتے ہیں)

کسی بزرگ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے چار مہینے حضرت سیدنا عامر بن عبدالقیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی صحبت اختیار کی تو میں نے ان کو رات یا دن میں سوتا ہوا نہیں دیکھا۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کے ساتھیوں میں سے ایک شخص سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں نے فجر کی نماز حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پیچھے پڑھی جب انہوں نے سلام پھرا تو دائیں طرف پھر گئے اور آپ پر کچھ غم کا اثر تھا آپ طلوع آفتاب تک وہاں ٹھہرے رہے پھر اپنا ہاتھ پلٹ کر فرمایا اللہ کی قسم! میں نے رسول اکرم ا کے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو دیکھا ہے اور آج ان کی مثل کوئی نہیں ہے وہ یوں صبح کرتے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے چہروں پر گرد و غبار ہوتی اور رنگ پیلا پڑ چکا ہوتا وہ تمام رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو اس طرح ہلتے جس طرح آندھی والے دن درخت ہلتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے حتی کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور یہ لوگ غفلت میں رات گزارتے ہیں ان کی مراد وہ لوگ تھے جو ان کے ارد گرد تھے۔

حضرت سیدنا ابو مسلم خولانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے گھر کی مسجد میں ایک ڈنڈا لٹکا رکھا تھا اس کے ذریعے آپ اپنے نفس کو ڈراتے تھے اور آپ اپنے نفس سے فرماتے اٹھو اللہ کی قسم! ورنہ میں تمہیں اس قدر گھسیٹوں گا کہ تم تھک جاؤ گے۔ اور جب ان پر سستی طاری ہوتی تو ڈنڈا لے کر اپنی پنڈلیوں پر مارتے اپنے نفس سے اور فرماتے تو کسی جانور کی نسبت مار کھانے کے زیادہ لائق ہے اور فرماتے تھے کیا صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) نے یہ خیال کیا ہوگا کہ انہوں نے ہی دین کو اختیار کیا اور ان کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں قسم بخدا! ہم بھی اس میں اس طرح شرکت کریں گے ان کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے بعد بھی کچھ لوگ اللہ عزوجل پر ایمان لائے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

....

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) منقول ہے کہ حضرت سیدنا صفوان بن سلیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) کے زیادہ دیر قیام کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں جواب دے گئی تھیں اور وہ عبادت میں اس قدر کوشش تک پہنچ گئے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ قیامت کل ہے تو ان کی عبادت میں کوئی اضافہ نہ ہوتا چنانچہ جب سردی کا موسم آتا تو وہ چھت پر لیٹ جاتے تا کہ سردی لگے اور جب گرمی کا موسم ہوتا تو گھر کے اندر لیٹ جاتے تا کہ گرمی محسوس ہو اور نیند نہ آئے۔ جب ان کا وصال ہوا تو وہ سجدے کی حالت میں تھے وہ فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ! مجھے تیری ملاقات پسند ہے تو میری ملاقات کو پسند فرما۔

حضرت سیدنا قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں ایک دن صبح اٹھا اور میری عادت تھی کہ صبح کے وقت میں پہلے حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو سلام کیا کرتا تھا تو ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں۔

اس میں انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ O

ترجمہ کنز الایمان: تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا (پارہ ۲۷، سورۂ طور، آیت ۲۷)

آپ روتی ہوتی دعا مانگ رہی تھیں اور یہ آیت بار بار پڑھتی تھیں میں کھڑا رہا حتی کہ تھک گیا اور آپ اسی حالت میں تھیں میں نے یہ حالت دیکھی تو بازار چلا گیا میں نے سوچا اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آؤں گا جب میں اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو ابھی بھی آپ یہ آیت بار بار پڑھتیں، روتیں اور دعا مانگ رہی تھیں۔

حضرت سیدنا محمد بن اسحاق (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں جب حضرت سیدنا عبدالرحمن بن اسود (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) حج کر کے واپس ہمارے پاس تشریف لائے تو ان کے ایک پاؤں میں کچھ تکلیف تھی تو وہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے حتی کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں صالحین کی علامت یہ ہے کہ شب بیداری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ جاتے ہیں رونے کی وجہ سے ان آنکھوں کی بینائی کمزور ہو جاتی ہے اور روزے کی وجہ سے ان کے ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں ان پر خشوع وخضوع کرنے والوں کی طرح غبار ہوتی ہے۔

حضرت سیدنا حسن بصری (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ(10) نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔(11)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تہجد پڑھنے والوں کے چہرے حسین ہوتے ہیں انہوں نے فرمایا اس لئے کہ وہ اپنے رب کے لئے تنہائی اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور کا لباس پہنا دیتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں موت سے صرف اس لئے ڈرتا ہوں کہ میرے اور رات کی عبادت کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ حضرت سیدنا عامر بن عبد القیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کرتے تھے یا اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا تو مجھ سے مشورہ نہیں لیا اور تو مجھے موت دے گا تو اس کی خبر بھی نہیں دے گا تو نے میرے ساتھ دشمن پیدا کیا اور اسے خون کی طرح جاری کیا تو نے اسے طاقت دی کہ وہ مجھے دیکھتا ہے لیکن میں اسے نہیں دیکھ سکتا پھر تو نے مجھے بعض کاموں سے رکنے کا حکم دیا تو یا اللہ! جب تک تُو توفیق نہ دے، میں کیسے رک سکتا ہوں۔ یا اللہ! دنیا میں غم اور پریشانی ہے اور آخرت میں عذاب وسزا ہے راحت اور خوشی کہاں ہے؟

حضرت سیدنا جعفر بن محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت سیدنا عتبہ غلام رات کو تین چیخوں میں گزار دیتے تھے جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا سر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھ کر چیخ مارتے اور اپنا سر گھٹنوں کے درمیان رکھ کر غور وفکر کرتے جب رات کا دوسرا تہائی گزر جاتا تو پھر ایک چیخ مارتے اور گھٹنوں میں سر دے کر فکر کرتے پھر جب سحری کا وقت ہوتا تو ایک چیخ مارتے۔

حضرت سیدنا جعفر بن محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے ایک بصری سے یہ بات بیان کی تو اس نے کہا آپ اس کی چیخ کی طرف دھیان نہ دیں بلکہ اس بات کو دیکھیں جو دو چیخوں کے درمیان ہے اور اس کی وجہ سے وہ چیختے ہیں۔

حضرت سیدنا قاسم بن راشد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا زمعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) ہمارے پاس مقام محصب میں ٹھہرے ہوئے تھے ان کی بیوی اور بیٹیاں بھی ساتھ تھیں وہ رات کو اٹھتے اور دیر تک نماز پڑھتے جب سحری کا وقت ہوتا تو بلند آواز سے پکارتے اے سونے والے سوارو! کیا تم رات بھر سوئے رہو گے اور اٹھ کر چلو گے نہیں تو وہ لوگ جلدی جلدی اٹھ بیٹھتے تو کسی کے رونے کی آواز آتی کوئی دعا مانگ رہا ہوتا کوئی قرآن پاک پڑھ رہا ہوتا کوئی وضو کر رہا ہوتا جب صبح ہوتی تو وہ بلند آواز سے پکارتے صبح کے وقت لوگ چلنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔

شرح (10): (کنز العمال، کتاب الصلاۃ، باب فی فضائل الصلاۃ، الفصل الثانی، الحدیث ۱۸۹۰۸، ج ۷، ص ۱۱۷)

شرح (11): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطلب یہ ہے کہ میری تمام راحتیں نماز میں ہیں۔ اسی لئے اہل استقامت کا مشرب نمازیں ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب معراج میں لے جایا گیا اور مقام قرب سے سرفراز کیا گیا اور آپ کے نفس کو قیدِ دنیا سے آزاد کرایا گیا اور اس درجہ پر فائز کیا گیا کہ آپ کا نفس، دل کے درجہ میں، اور دل، روح کے درجہ میں، اور روح، سر کے مقام میں اور سر، مقامات میں فانی، اور مقامات کو محو کر کے نشانوں میں بے نشان، اور مجاہدے سے مشاہدہ میں غائب کر کے معائنہ سے معائنہ میں اس طرح فائز ہوئے کہ آپ کی بشری صفات ختم ہو گئیں اور نفسانی مادہ فنا ہو کر طبعی قوت بھی باقی نہ رہی اور شواہد ربانی آپ کے اختیار میں رونما ہوئے اور اپنی خودی سے نکل کر معانی کی پنہائیوں میں پہنچے اور دائمی مشاہدے میں مستغرق ہو گئے اور اسرارِ شوق سے بے اختیاری کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ اے میرے رب! مجھے بلاؤں کی جگہ واپس نہ کر اور طبع وہوا کی قید میں دوبارہ نہ ڈال۔ فرمانِ الٰہی ہوا اے محبوب، ہمارا حکم ایسا ہی ہے کہ ہم تمہیں دنیا میں واپس بھیجیں تا کہ تمہارے ذریعہ شریعت کا قیام ہو اور جو کچھ ہم نے تمہیں یہاں عطا فرمایا ہے وہاں بھی مرحمت فرمائیں گے۔ چنانچہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو جب بھی آپ کا دل اس مقام معلیٰ کا مشتاق ہوتا تو فرماتے: اَرِحْنَا یَابِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ [12] اے بلال نماز کی اذان دے کر ہمیں آرام پہنچاؤ۔ لہٰذا آپ کی ہر نماز معراج وقربت ہوتی اور حق تعالیٰ کی مہربانیوں کو نماز میں دیکھتے، آپ کی روح تو نماز میں ہوتی مگر آپ کا دل نیاز میں آپ کا باطن راز میں اور آپ کا جسم گداز میں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز بن گئی۔ آپ کا جسم ملک دنیا میں ہوتا اور آپ کی روح ملکوت میں۔ آپ کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے رغبت طبعی جبلی تھی، رب تعالیٰ ان کے صدقہ سے ہم گنہگاروں کو بھی نصیب کرے، نماز، مسجد سے محبت ایمان کی علامت ہے۔ خیال رہے کہ پہلی حدیث میں بیوی، خوشبو، کھانے کو دنیا کی چیزیں قرار دیا گیا تھا یہاں دنیا کا لفظ نہیں کیونکہ نماز دنیا کی چیز نہیں یہ خالص دینی کام ہے۔ جن لوگوں نے ان تینوں کو دنیاوی کاموں میں داخل کیا ہے وہ غلط ہے اس کا ثبوت حدیث شریف میں کہیں نہیں۔ (اشعۃ اللمعات) بلکہ بیویوں اور خوشبو کو دنیا فرمانا اس لیے ہے کہ ان سے تعلق دنیا میں رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حضور کی خوشبوئیں دین تھیں کہ دین میں مددگار تھیں۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۷، ص ۱۰۴)

شرح (12): (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في صلاة العتمة، الحديث ۴۹۸۶، ص ۱۵۸۸)

جسم انسانی ہوتا اور آپ کی جان، انس ومحبت کے مقام میں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (13)

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

علامة الصدق ان یکون له تابع من الحق اذا دخل وقت الصّلٰوة بعثه علیها وینبهه ان کان نائما محب صادق کی پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایک فرستادہ مقرر ہوتا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو وہ بندے کو اس کی ادائیگی پر ابھارے اگر بندہ سوتا ہو تو اسے بیدار کردے۔

یہ کیفیت حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ میں موجود تھی کیونکہ وہ اپنے عہد کے شیخ تھے جب نماز کا وقت آتا وہ صحت مند ہوجاتے اور جب نماز ادا کرچکتے تو پھر وہی سکر کی حالت طاری ہوجاتی۔ (14)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

یحتاج المصلی الیٰ اربعة اشیاء فناء النفس وذهاب الطبع وصفاء السرو کمال المشاهدة نماز پڑھنے والا چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ نفس کی فناء، طبع کا خاتمہ، باطن کی صفائی اور مشاہدہ کا کمال۔

کیونکہ مصلی کے لئے فنائے نفس کے بغیر چارہ نہیں وہ بجز جمع کے ہمت نہیں کرتا اور جب ہمت مجتمع ہو

شرح (13): اسی لئے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نماز کی کثرت فرماتے یہاں تک کہ پائے مبارک سُوج جاتے، صحابہ کرام (علیہم الرضوان) عرض کرتے: حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس قدر کیوں تکلیف گوارا فرماتے ہیں؟ مولیٰ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر طرح کی معافی عطا فرمائی ہے۔ فرماتے: اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا تو کیا میں کامل شکر گزار بندہ نہ ہُوں!

(صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی،، الحدیث ۱۱۳۰، ج۱، ص ۳۸۴)

شرح (14): حضرتِ سیّدُنا ابو معاویہ اسوَد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نابینا تھے۔ قراءتِ قرآن بہت زیادہ پسند تھی۔ جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآنِ کریم کھولتے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بینائی لوٹ آتی اور جب قراءت سے فارغ ہوتے تو بینائی چلی جاتی۔ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ندا کی گئی: ہم نے تمہاری بینائی اس وجہ سے زائل نہیں کی کہ ہم تیرے معاملے میں بخیل ہیں بلکہ ہمیں اس پر غیرت آئی کہ تم ہمارے سوا کسی کو دیکھو۔

(اَلرَّوْضُ الْفَائِقُ فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِقِ صفحہ ۳۱۲)

جاتی ہے تو نفس کا اختیار جاتا رہتا ہے کیونکہ اس کا وجود تفرقہ سے ہے۔ جو بیانِ جمع کے تحت نہیں اور طبع کا خاتمہ اثباتِ جلالِ الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا کیونکہ جلالِ حق، غیر کو زائل کر دیتا ہے۔ باطن کی صفائی محبت کے تحت ممکن نہیں اور کمالِ مشاہدہ، باطن کی صفائی کے بغیر متصور نہیں۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اوپر چار سو رکعات فرض کر رکھی تھیں۔ اس قدر درجہ کمال رکھتے ہوئے اتنی مشقت کس لئے ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ تمام رنج و راحت تمہاری حالت کا پتہ دیتا ہے حق تعالیٰ کے کچھ دوست ایسے ہیں جن کی صفات فنا ہو چکی ہیں ان پر نہ رنج اثر کرتا ہے اور نہ راحت، کاہلی کو رسیدگی کا نام نہ دو اور نہ حرص کا نام طلب رکھو۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا جب انہوں نے تحریمہ کے وقت اللہ اکبر کہا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے گویا کہ جسم میں حس و حرکت ہی نہیں رہی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جب بوڑھے ہو گئے تو اس بڑھاپے میں بھی جوانی کے کسی ورد کو نہ چھوڑا۔ لوگوں نے عرض کیا اے شیخ اب آپ بوڑھے ہو گئے کمزور ہو گئے ہیں ان میں سے کچھ نوافل چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا یہی تو وہ چیزیں ہیں جن کو ابتداء میں کر کے اس مرتبہ کو پایا ہے اب یہ ناممکن ہے کہ انتہا پر پہنچ کر ان سے دستبردار ہو جاؤں۔

مشہور ہے کہ فرشتے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں۔ ان کا مشرب طاعت اور ان کی غذا عبادت ہے اس لئے کہ وہ روحانی ہیں اور ان میں نفس نہیں ہے۔ بندے کے لئے طاعت سے روکنے والی چیز صرف نفس ہے۔ جتنا بھی بندہ نفس کو مغلوب کرے گا اتنا ہی عبادت کی راہ آسان ہو جائے گی اور جب نفس فنا ہو جائے گا تو بندہ کی بھی غذا و مشرب عبادت بن جائے گی جس طرح کہ فرشتوں کے لئے ہے بشرطیکہ فنائے نفس درست ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عورت خوب یاد ہے جسے میں نے بچپن میں دیکھا جو بہت عبادت گزار تھی بحالت نماز بچھو نے اس عورت کے چالیس مرتبہ ڈنک مارا مگر اس کی حالت میں ذرہ برابر تغیر نہ ہوا جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے کہا اے اماں! اس بچھو کو تم نے کیوں نہیں ہٹایا؟ اس نے کہا اے فرزند! تو ابھی بچہ ہے۔ یہ کیسے جائز تھا میں اپنے رب کے کام میں مشغول تھی۔

اپنا کام کیسے کرتی۔؟

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں آکلہ تھا۔طبیبوں نے مشورہ دیا کہ یہ پاؤں کٹوادینا چاہئے۔مگر وہ راضی نہ ہوئے۔آپ کے مریدوں نے طبیبوں سے کہا نماز کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دیا جائے، کیونکہ اس وقت انہیں اپنی خبر نہیں ہوتی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔جب نماز سے فارغ ہوکر دیکھا تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے (15) کہ جب آپ رات کو نماز پڑھتے تو قرأت آہستہ کرتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرأت کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ابوبکر تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ عرض کیا: یَسْمَعُ مَنْ اُنَاجِیْ جس سے میں مناجات کرتا ہوں وہ سنتا ہے۔خواہ آہستہ کروں یا بلند۔پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہو؟ عرض کیا: اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرِدُ الشَّیْطَانَ میں سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تم کچھ بلند آواز سے پڑھو اور اے عمر! تم کچھ آہستہ آواز سے اپنی اپنی عادت کے برخلاف پڑھو۔ (16) اسی بناء پر بعض مشائخ فرائض کو ظاہر کر کے

شرح (15): (ملخصاً سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، باب رفع الصوت، الحدیث ۱۳۲۹۔۱۳۳۰، ج۲،ص ۵۵)

شرح (16): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

یعنی ابوبکر صدیق تہجد میں قرأت نہایت آہستہ کر رہے تھے اور حضرت فاروق خوب اونچی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدیق پر طریقت کا غلبہ ہے اور حضرت فاروق اعظم پر شریعت کا غلبہ۔

یعنی رب تعالٰی کو سنانا مقصود تھا وہ تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے فرماتا ہے: فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی پھر جہر کی کیا حاجت۔

یعنی میں تہجد میں رب تعالٰی کو سنانے کے علاوہ دو کام اور بھی کر رہا تھا سوتوں کو جگانا کہ میری آواز سن کر جاگ جاویں اور وہ بھی تہجد پڑھ لیں اور شیطان کو بھگانا کہ جہر کی برکت سے شیطان مجھے وسوسہ نہ دے سکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اذان کی طرح قرآن کریم کی آواز سے بھی بھاگتا ہے۔یہ حدیث ذکر بالجہر کرنے والے صوفیاء کی بھی دلیل ہے اور ذکر خفی والوں کی بھی دونوں اللہ کے پیارے ہیں نیت سب کی بخیر ہے۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پڑھتے اور نوافل کو چھپا کر۔ اس میں ان کی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ ریاؤ نمود سے پاک رہیں۔ کیونکہ جب کوئی ریاکاری کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ ریاکار بن جاتا ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ ہم اگرچہ اپنے معاملات کو نہیں دیکھتے مگر لوگ تو دیکھتے ہیں۔ یہ بھی تو ریاکاری ہے۔ لیکن مشائخ کی ایک جماعت فرائض اور نوافل سب کو ظاہر کر کے پڑھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ریا باطل ہے اور طاعت حق ہے اور یہ محال ہے کہ باطل کی خاطر حق کو چھپایا جائے۔ لہٰذا ریا کو دل سے نکال دینا چاہئے اور جس طرح جی چاہے عبادت کرنی چاہئے۔ مشائخ طریقت نے نماز کے حقوق و آداب کی محافظت فرمائی ہے اور مریدوں کو اس فرض کی ادائی کا حکم دیا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس (۴۰) سال سیاحت کی ہے لیکن میری کوئی نماز جماعت سے خالی نہیں ہے اور ہر جمعہ میں نے کسی نہ کسی شہر ہی میں گزارا ہے۔

نماز کے احکام میری حد و شمار سے باہر ہیں۔ اس لئے نماز کی محبت کے مقامات کے ساتھ ہی محبت کے احکام پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ جملہ اس کی شرح ہے: خَيْرُ الْأُمُوْرِ اَوْسَطُهَا یعنی نہ اتنی بلند قرأت کرو کہ دوسروں کو تکلیف ہو نہ اتنی آہستہ کہ بالکل پتہ ہی نہ لگے درمیانی روش دونوں صاحب اختیار فرماؤ، رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اے صدیق خالق کو سنانے کے ساتھ مخلوق کو اپنی قرأت سے فائدہ پہنچاؤ اور اے عمر مخلوق پر کچھ نرمی کرتے ہوئے اپنے نفس پر بھی زیادہ مشقت نہ ڈالو سبحان اللہ! کیسی پیاری تعلیم!

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۲، ص ۴۳۰)

باب:21

محبت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ [1] اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی حق تعالیٰ کے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جو خدا کے محبوب رکھیں گے اور خدا ان کو محبوب رکھے گا۔

(المائدہ:۵۴)

نیز فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [2] کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک گردانتے اور خدا کی محبت کے مانند ان سے محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں ان کی محبت اللہ تعالیٰ سے بہت ہے۔ [3] (البقرہ:۱۶۵)

شرح (1): يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ (پ ۶، المائدہ:۵۴)

شرح (2): وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں (پ ۲، البقرہ:۱۶۵)

شرح (3): اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اَشَدُّ سے مراد پختگی اور ہمیشگی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین جب کسی بت کی پوجا کرتے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''مَنْ اَهَانَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحَارَبَةِ''۔(4) (بخاری شریف)

جس نے میرے ولی کی اہانت کی بلاشبہ اس نے مجھ سے جنگ کرنے کی جسارت کی (5) اور میں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور پھر کوئی اس سے اچھی چیز دیکھ لیتے تو اس بت کو چھوڑ کر اس سے اچھی چیز کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے (یعنی کافر اپنی محبتیں بدلتے رہتے تھے جبکہ مؤمن صرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے محبت کرتے ہیں)۔

(التفسیر الکبیر للامام فخر الدین الرازی، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۶۵، ج ۲، ص ۱۷۸)

حضرت سیّدنا عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں: اہلِ ایمان آخرت میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے بہت محبت کریں گے۔

حضرت سیّدنا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بے شک کافر مصیبت کے وقت اپنے (باطل) معبود سے منہ موڑ لیتا ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ (التفسیر البغوی، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ ۱۶۵، ج ۱، ص ۹۴)

حدیثِ پاک میں ہے: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور اس کا رسول (صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) اس کے نزدیک اس کے اہل و مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک بن النضر، الحدیث ۱۳۱۵۰، ج ۴، ص ۴۱۲) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ ۔۔۔۔۔۔ الخ، الحدیث ۱۶۸، ص ۶۸۸)

شرح (4): (کنز العمال، کتاب الایمان والاسلام، قسم الاقوال، الحدیث: ۱۶۷۶، ج ۱، ص ۲۰۰، بتقدم وتاخر) (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن، الحدیث ۳۹۸۹، ج ۴، ص ۳۵۰)

شرح (5): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں:

ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ والی وارث ہو گیا کہ اسے ایک آن کے لیے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ خود اس سے نیک کام لیتا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ''۔ اور وہ بندہ ہے جو خود رب تعالیٰ کی عبادت کا متولی ہو جائے، پہلی قسم کے ولی کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسرے کا نام سالک یا مرید ہے وہاں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد فرق صرف ابتداء میں ہے یہ مقام قال سے وراء ہے حال سے معلوم ہو سکتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چیز میں تردد نہیں کرتا جیسا کہ میں بندے کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں بندہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس کی بدی کو مکروہ جانتا ہوں حالانکہ موت اس کے لئے لابدی ہے اور ادائے فرض سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں جو میرے بندے کو مجھ سے قریب کرے۔ بندہ ہمیشہ ادائے نوافل کے ذریعہ میری نزدیکی چاہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں اور زبان بن جاتا ہوں۔(6)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یعنی جو میرے ایک ولی کا دشمن ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کو تیار ہو جائے، خدا کی پناہ۔ یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے صرف دو گناہوں پر بندے کو رب تعالٰی کی طرف سے اعلان جنگ دیا گیا ہے ایک سود خوار دوسرے دشمن اولیاء رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ علماء فرماتے ہیں کہ ولی کا دشمن کافر ہے اور اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے۔ (مرقات) خیال رہے کہ ایک ہے ولی اللہ سے اس لیے عداوت وعناد کہ ولی اللہ ہے یہ تو کفر ہے اسی کا یہاں ذکر ہے اور ایک ہے کسی ولی سے اختلاف رائے یہ نہ کفر ہے نہ فسق لہذا اس حدیث کی بناء پر یوسف علیہ السلام کے بھائی اور وہ صحابہ جن کی آپس میں لڑائیاں رہیں ان کو برا نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں اختلاف رائے تھا عناد نہ تھا۔ عناد و اختلاف میں بڑا فرق ہے، اس کے لیے ہماری کتاب امیر معاویہ دیکھئے حتی کہ حضرت سارا کو اس بنا پر برا نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہما السلام کی مخالفت کی، اس لیے یہاں عادی فرمایا خالف نہ فرمایا اور لی ولیا فرمایا ولی اللہ نہ فرمایا۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۳، ص ۴۹۰)

شرح (6): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

یعنی مجھ تک پہنچنے کے بہت ذریعہ ہیں، مگر ان تمام ذرائع سے زیادہ محبوب ذریعہ ادائے فرائض ہے اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرائض کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے افسوس ان لوگوں پر جو فرض عبادات میں سستی کریں اور نوافل پر زور دیں اور ہزار افسوس ان پر جو بھنگ، چرس حرام گانے بجانے کو خدارسی کا ذریعہ سمجھے نماز روزے کے قریب نہ جائیں۔

یعنی بندہ مسلمان فرض عبادات کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ میرا پیارا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فرائض و نوافل کا جامع ہوتا ہے۔ (مرقات) اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض چھوڑ کر نوافل ادا کرے محبت سے مراد کامل محبت ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محبوب رکھتا ہے وہ بھی اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کے دیدار کو مکروہ سمجھتا ہے اللہ اس کے ملنے کو مکروہ رکھتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ ولی میں حلول کر جاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ و بو کہ خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں: ایک یہ کہ ولی اللہ کے یہ اعضاء گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ ان سے ٹھیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں اس پر عبادات آسان ہوتی ہے گویا ساری عبادتیں اس سے میں کرارہا ہوں یا یہ کہ پھر وہ بندہ ان اعضاء کو دنیا کے لیے استعمال نہیں کرتا، صرف میرے لیے استعمال کرتا ہے ہر چیز میں مجھے دیکھتا ہے ہر آواز میں میری آواز سنتا ہے، یا یہ کہ وہ بندہ فنافی اللہ ہوجاتا ہے جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں اور وہ ویسے کام کر لیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے چلی ہوئی قمیص یوسفی کی خوشبو سونگھ لی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی حضرت آصف برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لا کر شام میں حاضر کر دیا۔ حضرت عمر نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچادی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرمالیے۔ یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں آج نار کی طاقت سے ریڈیو تار، وائرلیس ٹیلی ویژن عجیب کرشمے دکھارہے ہیں تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقت اولیاء کے منکر ہے، بعض صوفیاء جوش میں سبحانی ما اعظم شانی کہہ گئے بعض نے کہا مافی جبتی الا اللہ یہ سب اسی فنا کے آثار تھے، مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

چوں روا باشد انا اللہ از درخت — کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

یعنی وہ بندہ مقبول الدعاء بن جاتا ہے کہ مجھ سے خیر مانگے یا شر سے پناہ میں اس کی ضرور سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اولیاء رب تعالیٰ کی پناہ میں رہتے ہیں تو جو شخص ان سے دعا کرائے اس کی قبول ہوگی اور جو ان کی پناہ میں آئے وہ رب کی پناہ میں آجائے گا، مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام — ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آوردہ ام

سبحان اللہ! کیا ناز و انداز والا کلام ہے یعنی میں رب ہوں اور اپنے کسی فیصلہ میں کبھی نہ توقف کرتا ہوں نہ تامل، جو چاہوں حکم کروں، مگر ایک موقعہ پر ہم توقف و تامل فرماتے ہیں وہ یہ کہ کسی ولی کا وقت موت آجائے اور وہ ولی ابھی مرنا نہ چاہے تو ہم اسے فوراً نہیں مار دیتے بلکہ اسے اولاً موت کی طرف مائل کر دیتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نیز فرمایا جب خدا کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو جبریل امین سے فرماتا ہے اے جبریل میں نے فلاں بندے کو محبوب بنالیا ہے تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل بھی اس کو محبوب سمجھنے لگتے ہیں اس کے بعد جبریل آسمان والوں سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندے کو محبوب بنالیا ہے۔ اے آسمان والو تم بھی اسے محبوب سمجھو پھر وہ زمین والوں سے فرماتے ہیں تو زمین والے بھی اسے محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔ واضح رہنا چاہئے کہ خدا کی محبت بندے کے لئے اور بندے کی محبت خدا کے لئے ضروری ہے کتاب وسنت اور اجماع امت اس پر شاہد و ناطق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو محبوب رکھتا ہے اور محبوبانِ خدا اسے دوست رکھتے ہیں۔ (7)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جنت اور وہاں کی نعمتیں اسے دکھا دیتے ہیں اور بیماریاں پریشانیاں اس پر نازل کردیتے ہیں جس سے اس کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور آخرت کا مشتاق پھر وہ خود آنا چاہتا ہے اور خوش خوش ہنستا ہوا ہمارے پاس آتا ہے، یہاں تردد کے معنے حیرانی و پریشانی نہیں کہ وہ بے علمی سے ہوتی ہے رب تعالیٰ اس سے پاک ہے بلکہ مطلب وہ ہے جو فقیر نے عرض کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس حدیث کی تفسیر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے وہ حضرات اپنے اختیار سے خوشی خوشی موت قبول کرتے ہیں اور یار خنداں رود بجانب یار کا ظہور ہوتا ہے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔ شعر

نشان مرد مؤمن با تو گویم چوں قضاء آید تبسم برلب اوست

غرضکہ ہماری موت تو چھوٹنے کا دن ہے اور اولیاء انبیاء کی وفات پیاروں سے ملنے کا دن اسی لیے ان کی موت کے دن کو عرس یعنی شادی کا دن کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ مشیت، رضا کراہت میں بہت فرق ہے بعض چیزیں رب تعالیٰ کو ناپسند ہیں مگر ان کا ارادہ ہے بعض چیزیں پسند ہیں مگر ان کا ارادہ نہیں۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۳، ص ۴۹۰)

(بخاري، الصحیح، کتاب: بدء الخلق، باب: ذکر الملائکۃ، ۳: ۱۱۷۵، رقم ۳۰۳۷) (مسلم، الصحیح، کتاب: البر والصلۃ والآداب، باب: اذا احب اللہ عبداً، حببہ إلي عبادہ، ۴: ۲۰۳۰، رقم: ۲۶۳۷) (مالک، الموطأ، کتاب الشعر، باب: ماجاء في المتحابین في اللہ، ۲: ۹۵۳)

شرح (7): محبت کیا ہے؟

ایک دفعہ حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل لغت کہتے ہیں کہ محبت حِبَّہ سے ماخوذ ہے اور حبہ کے معنی تخم کے ہیں جو زمین پر گرتا ہے۔ لہٰذا حَب کا نام حُب رکھا گیا۔ چنانچہ اصل حیات اسی میں ہے۔ جس طرح اشجار و نباتات میں ہے حَب یعنی تخم ہے جس طرح میدان میں بیج کو بکھیرا جاتا ہے اور مٹی میں چھپایا جاتا ہے پھر اس پر پانی برستا ہے آبیاری کی جاتی ہے۔ سورج چمکتا ہے گرم و سرد و موسم گزرتا ہے لیکن زمانہ کے تغیرات اسے نہیں بدلتے جب وقت آتا ہے تو وہ تخم اگتا ہے پھل و پھول دیتا ہے اسی طرح جب محبت کا بیج دل میں جگہ پکڑتا ہے تو اسے حضور و غیبت، بلاو ابتلاء مشقت، راحت ولذت اور فراق وصال کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔ اسی معنی میں کسی کا شعر ہے:

یامن سقام جنونه لسقام عاشقه طبیب

جارت المودة فاستوی عندی حضورك والمغیب

اے وہ ذات کہ اس کی دیوانگی کا مرض اس کے عاشق کی بیماری کے لئے طبیب ہے

محبت کی برقراری میں میرے نزدیک تیرا حضور اور غیبت برابر ہے

نیز اہل لغت یہ بھی کہتے ہیں کہ محبت حب سے مشتق ہے اور حب وہ دانہ ہے جس میں پانی بکثرت ہو اور اوپر سے وہ ایسا محفوظ ہو کہ چشموں کا پانی اس میں داخل نہ ہو سکے۔ یہی حال محبت کا ہے کہ جب وہ طالب کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کا دل اس سے پر ہو جاتا ہے پھر اس دل میں محبوب کے کلام کے سوا کوئی جگہ نہیں رہتی (8) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب خلعت خلت سے سرفراز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دریافت کیا گیا کہ محبت کیا ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: محبت، محبوب کی طرف سے دل میں ایک تشویش ہوتی ہے پھر دنیا اس کے سامنے ایسی ہوتی ہے جیسے انگوٹھی کا حلقہ یا چھوٹا سا ہجوم، محبت ایک نشہ ہے جو ہوش ختم کر دیتا ہے، عاشق ایسے محو ہیں کہ اپنے محبوب کے مشاہدہ کے سوا کسی چیز کا انہیں ہوش نہیں، وہ ایسے بیمار ہیں کہ اپنے مطلوب (یعنی محبوب) کو دیکھے بغیر تندرست نہیں ہوتے، وہ اپنے خالق عزوجل کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور اُس کے ذکر کے سوا کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتے۔

(بہجۃ الاسرار، ذکر شی من اجوبتہ مما یدل علی قدم راسخ، ص ۲۲۹)

شرح (8): اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ! سب خوبیاں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے محبوب بندوں کے دلوں کو اپنے قرب کی لذت عطا فرمائی اور انہیں اپنے مئے خانۂ وصال میں داخل کیا اور اپنی شرابِ طہور سے سیراب کر کے اپنے غیر سے بے خبر کر دیا۔ اور محب اپنے محبوب کے علاوہ کسی شئے میں مشغول نہیں ہوتا۔ جب اس ربِّ جلیل عَزَّ وَجَلَّ نے ان پر تجلّی فرمائی تو جمالِ قدرت کے مشاہدے کے وقت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا تو وہ صرف کلام حق کے ہو کر رہ گئے۔ یہ جہان اور جہان والے سب ان کا حجاب بن گئے اور وہ حق تعالیٰ کی محبت میں حجابات کے دشمن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال و قال کی ہمیں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے:

فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ (9) یہ سب میرے دشمن ہیں بجز رب العالمین کے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

سمیت المحبة لانها تمحو من القلب ماسوی المحبوب محبت اسی لئے نام رکھا گیا ہے کہ وہ دل سے محبوب کے ماسوٰی کو مٹا دیا ہے۔

ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ حُب ان چار لکڑیوں کا نام ہے جو باہم جڑی ہوئی ہوں۔ جس پر آفتابہ رکھا جاتا ہے یعنی تپائی وغیرہ۔ لہٰذا حُب اسی لئے کہتے ہیں کہ محبت کرنے والا، محبوب کی عزت و ذلت، رنج و راحت بلاؤ مشقت اور جفا و وفا کو برداشت کرتا ہے اور یہ باتیں اس پر گراں نہیں گزرتیں۔ اس کا وہی کام ہوتا ہے جو مذکورہ تپائی وغیرہ کا ہوتا ہے اسی کی مانند وہ بھی بوجھ اٹھاتا ہے لہٰذا محب کی خلقت میں ہی محبوب کے بوجھ کو اٹھانا ہے۔ اسی معنی میں یہ شعر ہے:

ان شئت جودی وان شئت فامتنعی
کلاهما منك منسوب الی الکرم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کے ہوش اڑ گئے۔ اے خواہشات کی شراب میں بدمست ہونے والو! اگر تم محبتِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے مئے خانے میں داخل ہو جاؤ اور شراب کے مٹکوں کے بجائے قرب کے گھڑوں کا مشاہدہ کرو، بخشنے والے رب عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں صاحبِ وقار مردوں کو دیکھو کہ ان پر خوشی و مسرت کے جام گردش کر رہے ہیں، خالص شرابِ طہور کے پیالوں نے ان کو دنیا کی شراب سے بے پرواہ کر دیا ہے، ان کے پیالے اُن کی خوشی و مسرت ہے۔ ان کی شراب ذِکرِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ ہے۔ ان کی خوشبو اُن کا قرآن ہے۔ ان کی شمع ان کی سماعت ہے۔ ان کے نغمے توبہ و استغفار ہیں۔ جب رات تاریک ہوتی ہے اور سب لوگ سو جاتے ہیں تو ربِ کائنات عَزَّوَجَلَّ ان پر تجلّی فرماتا اور پردے اُٹھا دیتا ہے، اور اس کے محبوب بندے ایسے جہاں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس کا تصور کسی کی عقل میں ایا، نہ کسی کے ذہن میں اس کا خیال گزرا۔

شرح (9): فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان: ۔ بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگارِ عالم۔ (پ۱۹، الشعرآء: ۷۷)

''اگر تو چاہے تو مجھ پر احسان کرے اور اگر تو چاہے تو مجھے منع کر دے دونوں باتیں تیرے کرم سے منسوب ہیں۔''

ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ محبت، حبوب سے ماخوذ ہے جو حبہ کی جمع ہے اور حبہ وہ دل ہے جو لطائف کا مقام اور ان کے قیام کی جگہ ہے۔ اسی لئے محبت کا نام حب رکھا گیا یہ تسمیۂ حال باسم محل ہے اہل عرب کا رواج ہے کہ چیز کا نام اس کے مقام کے موافق رکھ دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حباب سے ماخوذ ہے جس کے معنی پانی کے جوش کے ہیں اور شدید بارش میں پانی کے بلبلے جو اٹھتے ہیں اسی لئے محبت نام رکھا گیا ہے۔

لان غیثان القلب عند الاشتیاق الی لقاء المحبوب دوست کا دل دوست کے دیدار کے اشتیاق میں ہمیشہ مضطرب رہتا ہے (10) جس طرح اجسام روح کی مشتاق ہیں یا جسم کا قیام روح کے ساتھ ہے اسی طرح دوستی کا قیام محبت کے ساتھ ہے اور محبت کا قیام محبوب کے وصال اور اس کی رویت میں ہے۔ اسی معنی میں یہ شعر ہے:

اذا تمنی الناس روحاو راحة،
تمنیت ان القاك یاعز حالیا

''جس وقت لوگوں نے خوشی و راحت کی تمنا کی تو اے عزیز میں نے یہ خواہش کی کہ میں تجھے ہر کام سے فارغ کر دوں یعنی تیرا سارا بوجھ میں خود اٹھا لوں۔''

یہ بھی کہتے ہیں کہ حب ایسا نام ہے جو محبت کی صفائی کے لئے وضع کیا گیا ہے اسی لئے اہل عرب، انسان کی آنکھ کی سفیدی کی صفائی کو ''حبة الانسان'' کہتے ہیں۔ جس طرح دل کے نکتہ کی صفائی کو حبة القلب کہتے ہیں۔ دل کا نکتہ محبت کی جگہ اور آنکھ کی سفیدی دیدار کا مقام ہے۔ اسی معنی میں یہ مقولہ ہے کہ دل اور

شرح (10): کیا خوب ہیں وہ لوگ جن کے دل یادِ محبوب سے معمور رہتے ہیں، ان کے دلوں میں محبوب کے سوا کسی کی یاد کا کوئی حصہ یا گنجائش نہیں۔ اگر وہ بولتے ہیں تو اسی کا تذکرہ کرتے ہیں، اگر حرکت کرتے ہیں تو اسی کے حکم سے کرتے ہیں، اگر خوش ہوتے ہیں تو اس کے قُرب پر خوش ہوتے ہیں، اگر ڈرتے ہیں تو اس کے عتاب سے ڈرتے ہیں، محبوب کا ذکر ان کی غذا ہے اور ان کے اوقات اللہ عزوجل سے مناجات کرنے میں گزرتے ہیں، اس کے بغیر انہیں چین نہیں آتا اور وہ اس کی رضا کے بغیر ایک لفظ بھی نہیں بولتے۔

آنکھ دوستی میں مقارن و متصل ہیں۔ اور اسی معنی میں یہ شعر ہے:

القلب یحسد عینی لذت النظر
والعین یحسد قلبی لذت الفکر

دل اس پر رشک کرتا ہے کہ آنکھ کو لذت دیدار ملی
اور آنکھ اس پر رشک کرتی ہے کہ دل کو لذت فکر ملی

استعمال محبت میں علماء کے خیالات:

واضح رہنا چاہئے کہ استعمال محبت میں علماء کے تین خیال ہیں ایک یہ کہ محبوب سے ایسی ارادت ہو کہ نفس کو قطعی چین حاصل نہ ہو اور نہ دل کو تمنا و خواہش اور میلان و انسیت ہو۔ ان معانی کا تعلق ذاتِ قدیم اللہ تبارک وتعالیٰ پر جائز نہیں ہے یہ تمام تعلقات صرف مخلوق ہی کے لئے ہیں اور وہی ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان معانی سے مستغنی اور برتر ہے۔

دوسرا خیال، بمعنی احسان ہے۔ یہ اس بندے کے ساتھ خاص ہے جسے اللہ تعالیٰ برگزیدہ کر کے ولایت کے کمال پر فائز کر دے اور اسے گوناگوں الطاف و اکرام سے نوازے۔

تیسرے صورت، بندے پر خوبی کی تعریف کے معنی میں ہے۔ متکلمین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن و حدیث میں حق تعالیٰ کی جس محبت کی خبر ہمیں دی گئی ہے وہ تمام سماعی صفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ید، استوی کی کیفیت وغیرہ۔ اگر کتاب وسنت ان پر ناطق نہ ہوتے تو ان کا وجود، ازروے عقل حق تعالیٰ کے لئے محال ہوتا۔ لہٰذا ہم اسی کی شان کے لایق محبت کا اثبات کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں نیز اس میں عقل کے ذریعہ تصرف کرنے سے توقف کرتے ہیں۔ متکلمین کی اس وضاحت سے مراد یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے لئے اس لفظ کا اطلاق ازروئے عقل جائز نہیں جانتے محبت کے معنی میں اقوال علماء بیان کرنے کے بعد اس کی حقیقت کا بیان شروع کرتا ہوں۔

محبت کی حقیقت:

واضح رہنا چاہئے کہ بندے کے لئے حق تعالیٰ کی محبت کا مطلب، اس کی طرف سے بھلائی کا ارادہ ہے وہ بندے پر رحم فرماتا ہے اور ارادے کے ناموں میں سے ایک نام محبت بھی ہے جیسے رضا، ناراضگی، رحمت اور مہربانی وغیرہ ہیں۔ ان اسماء صفات کو بھی حق تعالیٰ کے ارادہ کے سوا پر محمول نہ کرنا چاہئے یہ حق

تعالیٰ کی ایک قدیم صفت ہے کہ اس نے اپنے افعال کو ان اوصاف کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ لٰہذا حکم مبالغہ اور اظہارِ فعل میں بعض صفت، بعض سے اخص ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندوں کے حق میں یہ ہے کہ اس پر نعمت کی ارزانی فرمائے اور دنیا و آخرت میں اجر و ثواب عطا فرما کر مقام سزا سے اسے محفوظ رکھے (11) اور اسے ارتکاب معاصی سے بچا کر وقیع احوال اور مقامات علیا سے سرفراز فرمائے اس کے باطن کو اغیار کے التفات سے پاک وصاف کر کے ازلی عنایات کا مستحق بنائے یہاں تک کہ بندہ ہر ایک سے کنارہ کش ہو کر خالص رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھنے لگے۔ حق تعالیٰ جب بندے کو ان معانی میں مخصوص فرمالیتا ہے تو اس کے ارادۂ تخصیص کا نام محبت رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ مذہب حضرت حارث محاسبی، حضرت جنید بغدادی اور دیگر مشائخ عظام کا ہے اور فریقین کے اکثر فقہاء اور متکلمین اہل سنت کا مذہب بھی یہی ہے۔ لیکن وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کے معنی، ثنائے جمیل ہے جو بندے پر لازم ہے۔ اس کی ثنا اس کا کلام ہے اس کا کلام غیر مخلوق ہے اور غیر مخلوق کو مخلوق کے ساتھ کیسے ملایا جاسکتا ہے۔

وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ محبت کے معنی احسان کے ہیں اور حق تعالیٰ کا احسان اس کا فعل ہے۔ معنی کے لحاظ سے یہ اقوال قریب قریب ہیں اور سب کا حکم یکساں موجود ہے۔

لیکن بندے کی محبت، اللہ تعالیٰ کے لئے، تو یہ ایک ایسی صفت ہے جو فرماں بردار مومن کے دل میں ظاہر ہوتی ہے جس کے معنی تعظیم و تکریم بھی ہیں یہاں تک کہ وہ محبوب کی رضا کو طلب کرتا اور اس کی رویت کی طلب میں بے خبر ہو کر اس کی قربت کی آرزو میں بے چین ہو جاتا ہے اور اسے اس کے بغیر چین و قرار حاصل ہوتے ہی نہیں۔ اس کی عادت اس کے ذکر کے ساتھ ہو جاتی ہے اور وہ غیر کی یاد اور غیر کے ذکر سے نفرت کرنے لگتا ہے کیونکہ غیر کے ساتھ راحت حرام ہے اور مُحبّ سے سکون و قرار جاتا رہتا ہے وہ تمام طبعی رغبتوں سے جدا ہو کر اپنی خواہشات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ غلبہ محبت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اور خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے اور اسے کمالِ اوصاف کے ساتھ پہچاننے لگتا ہے۔

شرح (11): حضرتِ سیدّنا ابوبکر وراق علیہ رحمۃ اللہ الرزاق فرماتے ہیں کہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محب ہر وقت محبوب کا دیدار کرتا رہے کیونکہ غیر میں مشغول ہونا محبت کے لئے حجاب ہے۔ محبت کی اصل کامل اتباع اور یقین ہے۔ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو جنت میں پرہیز گاروں کے درجے میں پہنچا دیتی ہیں۔

یہ جائز نہیں ہے کہ مخلوق کے ساتھ خالق کی محبت، لوگوں کی باہمی محبت کی جنس سے ہوتا کہ لوگوں کے مانند محبوب کی محبت کا ادراک اور احاطہ کر سکیں۔ یہ صفت تو جسموں کی ہے (اور اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت سے پاک ہے) لہٰذا محبوبانِ خدا اس کی قربت کے مارے ہوئے ہوتے ہیں نہ کہ اس کی کیفیت کے طلبگار۔ اس لئے کہ طالب، فی نفسہٖ محبت میں قائم ہوتے ہیں اور قربت کے مارے ہوئے تو محبوب کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ جس قدر وہ محبوب ہوتے ہیں اتنے ہی محبت کی رزمگاہ میں وہ ہلاک و مغلوب ہوتے ہیں اس لئے کہ محدِث قدیم کے ساتھ اس وقت ہوتا ہے جب قدیم، محدِث پر غلبہ فرمائے۔ جو محبت کی حقیقت کو پہچانتا ہے اسے کسی قسم کا ابہام اور شبہ نہیں ہوتا۔

محبت کی قسمیں:

محبت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ جنس کی محبت دوسرے ہم جنس کے ساتھ ہو ایسی محبت میلان طبع اور نفس پرستی کہلاتی ہے ایسا طالب، محبوب کی ذات کا عاشق اور اس پر فریفتہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم یہ کہ ایک جنس کی محبت کسی غیر جنس کے ساتھ ہو ایسی محبت اپنے محبوب کی کسی صفت پر سکون و قرار حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اس خوبی سے راحت پائے، اور انس حاصل کرے مثلاً محبوب کا کلام سننا یا اس کے دیدار کا خواہاں ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (12)

شرح (12): جو اس کے ساتھ نیکیوں کا معاملہ کرتا ہے وہ اسے نفع بخشتا ہے ۔ جو اپنی ذلت و محتاجی میں اس کی پناہ طلب کرتا ہے تو وہ اس کی کمزوری پر رحم فرماتا ہے اور اس کی محتاجی کو دور فرما دیتا ہے اور جو لاعلمی میں اس کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے اور پھر اس کی بارگاہ میں اپنے اس برے فعل سے توبہ کرتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ جو اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہے وہ اسے اپنے فرشتوں کی مقدس جماعت میں یاد کرتا ہے۔ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا یعنی جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہو، میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ (جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی حسن الظن باللہ، الحدیث ۳۶۰۳ ص ۲۰۲۲) جو شخص سختی و مصیبت میں اس کو پکارتا ہے تو وہ اسے مشکل دور فرمانے والا اور ذلت و رسوائی میں مدد کرنے والا پاتا ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: بندے کی اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ جس سے محبت کرتا ہے بندہ اسے اپنی محبوب ترین چیز پر ترجیح دیتا ہے اور بکثرت اس کا ذکر کرتا ہے، اس میں کوتاہی نہیں کرتا اور کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کے بجائے بندے کو تنہائی اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے مناجات کرنا زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ سے محبت رکھنے والے حضرات دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے اپنے اوپر حق تعالیٰ کا انعام واحسان دیکھا اور اس کے دیکھنے کی وجہ سے منعم ومحسن کی محبت کے متقاضی ہوئے دوسرے وہ جو تمام احسانات وانعام کو غلبہ محبت میں مقام حجاب تصور کرتے ہیں اور نعمتوں پر نظر کرنے کی بجائے ان کا طریق، نعمت دینے والے کی طرف ہوتا ہے [13] یہ مقام پہلے کے مقابلہ میں بہت ارفع ہے۔ واللہ اعلم۔

محبت میں مشائخ کا طریق:

محبت کا مفہوم ومعنی، تمام لوگوں کے درمیان معروف اور تمام زبانوں میں مشہور ومستعمل ہے اور کوئی صاحب عقل وفہم اس کی کیفیت کو اپنے اوپر چھپا نہیں سکتا۔ طریقت کے مشائخ میں سے حضرت سمنون المحب رحمۃ اللہ علیہ تو محبت میں خاص مذہب ومشرب رکھتے ہیں ان کا ارشاد ہے کہ محبت تو راہِ خدا کی اساس وبنیاد ہے اسی پر تو تمام احوال ومقامات اور منازل کی بنا ہے اور ہر منزل ومحل میں خواہ طالب کہیں گامزن ہو [14] اس کا اس سے زوال ممکن ہے لیکن حق تعالیٰ کی محبت کے مقام میں اس کا زوال ممکن نہیں۔ جب تک وہ اس راہ میں موجود ہے کسی حال میں اس سے زوال جائز نہیں۔ اس مسئلہ میں تمام مشائخ ان کے مذہب کی موافقت کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ نام عام تھا اور انہوں نے چاہا کہ عام لوگوں سے ان معانی کو مخفی رکھا جائے اس لئے انہوں نے اس کے معنی کے وجود کے تحقیق میں یہ نام بدل دیا چنانچہ کسی نے صفائے محبت کا نام

شرح (13): یعنی وہ کہتے ہیں حقیقی حمد اور حقیقی شکر تیرے لئے ہی ہے کہ حقیقی منعم تو ہی ہے، تیرے سواء جس کا بھی شکر وحمد ہوں گے وہ مجازی ہوں گے

شرح (14): سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے عارفین کے دلوں کو اپنے ذکر کی نورانیت سے منوّر فرمایا اور ان کی زبانوں کو اپنے شکر میں مشغول کیا،۔۔۔۔۔۔ ان کے اعضاء کو اپنی عبادت کی قوت بخشی،۔۔۔۔۔۔ وہ عارفین اُنسیت کے باغات میں خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں، محبت کا آشیانہ ان کا ٹھکانہ ہے،۔۔۔۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ ان کا چرچا فرماتا ہے، اللہ عزوجل ان سے محبت فرماتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں، اللہ عزوجل ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں،۔۔۔۔۔۔ فقر ان کا اصل سرمایہ ہے، وہ اللہ عزوجل کے خوف سے لرزاں وترساں زندگی گزارتے ہیں، ان کا علم گناہوں کے لئے دواء ہے، ان کی معرفت میں دلوں کا علاج ہے، وہ اللہ عزوجل کی برہان کے نورانی چراغ ہیں، وہ اللہ عزوجل کی حکمت کے خزانے کی کنجیاں ہیں،

صفوت رکھا ہے اور محب کو صوفی کہنے لگے اور کسی نے محب کے ترک اختیار، اور محبوب کے اثباتِ اختیار کا نام، فقر رکھا اور محب کو فقیر کہنے لگے کیونکہ محبت کا ادنیٰ درجہ، موافقت ہے اور محبوب کی موافقت، اس کی مخالفت کی ضد ہوتی ہے۔ شروع کتاب میں فقر وصفوت کے معنی کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

الحب عند الزهاد اظهر من الاجتهاد زاہدوں کے نزدیک محبت، اجتہاد سے زیادہ ظاہر ہے۔

محبت کے سلسلہ میں یہ مقولے عام زبان زد ہیں۔

عند التائبين اوجد من انين وحنين

وعند الاتراك اشهر من الفتراك

وسبى الحب عند الهنود اظهر من سبى المحمود ورحم ولهبقصة الحب والحبيب عند الروم اشهر من الصليب قصة الحب فى العرب ادب فى كل حيى منه طرب اوويل وهرب وحزن توبہ کرنے والوں کے نزدیک نالہ وفغاں سے زیادہ ظاہر ہے۔ ترکوں کے نزدیک، شکار بند سے زیادہ مشہور ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک محبوب ومحب کا غزنوی کی قید یا اس کی مہربانی یا اس کی سختی سے زیادہ ظاہر ہے۔ رومیوں کے نزدیک محبوب ومحب کا قصہ، صلیب سے زیادہ مشہور ہے۔ عرب کے ہر قبیلہ کا ادب، محبت کا قصہ ہے جو خوشی، رنج، افسوس، جنگ اور غم سے زیادہ پیارا ہے۔ قصہ

ان مقولوں کے بیان کرنے کا مقصد، یہ بتانا ہے کہ انسانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے حالت غیبت میں محبت سے واسطہ نہ پڑا ہو اور ان کے دل محبت سے خالی رہے ہوں خواہ وہ خوشی میں سرشار ہوں یا شراب میں بدمست؟ یا اس کے غلبہ میں مخمور انسان کا دل جوش اور بے قراری سے مرکب ہے اور عقل کا دریا محبت کی شراب ہے جو دل کے لئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح جسم کے لئے خوراک، جو دل محبت سے خالی ہو وہ دل برباد و ویران ہے۔ تکلف میں محبت دور کرنے یا اس کے حاصل کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ محبت کے لطائف جو دل پر وارد ہوتے ہیں نفس کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب محبت'' میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے قلوب کو ان کے

اجسام سے سات ہزار سال قبل پیدا فرمایا اور انہیں اپنے قرب خاص میں رکھا۔ اس کے بعد محبت کے درجہ میں رکھا پھر ان کے باطن کو ان کے اجسام سے سات ہزار سال قبل پیدا کیا اور انہیں وصل کے درجہ میں رکھا اور روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ ظہور جمال سے باطن کو تجلی بخشی اور تین سو ساٹھ مرتبہ نظر کرامت ڈالی پھر محبت کا کلمہ سنایا اور تین سو ساٹھ مرتبہ دلوں پر انس و محبت کے لطائف ظاہر کئے یہاں تک کہ انہوں نے ساری کائنات پر نظر ڈالی تو کسی مخلوق کو اپنے سے زیادہ صاحب کرامت نہ پایا۔ اس بنا پر ان میں فخر و غرور پیدا ہوا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کا امتحان لیا اور باطن کو جسم میں مقید کر کے روح کو دل میں محبوس کیا اور دل کو جسم میں رکھا پھر عقل کو ان میں شامل کیا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر انہیں حکم دیا۔ اس کے بعد جو اپنے مقام کا متلاشی ہوا حق تعالیٰ نے اسے نماز کا حکم دیا تا کہ جسم تو نماز میں ہو اور دل محبتِ الٰہی میں اور جان قربت کا مقام حاصل اور باطن وصال حق سے سکون و قرار پائے۔

غرض کہ سب محبت کی تعبیرات ہیں نہ کہ عین محبت، اس لئے کہ محبت حال ہے اور حال کو کسی صورت الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سارا جہان مل کر بھی چاہے کہ محبت کو حاصل کرے تو حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر سب مل کر چاہیں کہ اسے اپنے سے دور کر دیں تو بھی ممکن نہیں کیونکہ عطیہ اور موہبۂ ربی سے متعلق ہے نہ کہ کسب و اختیار سے، اسی طرح اگر سارا جہان یہ چاہے کہ محبت اس میں آجائے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے اور اگر وہ سب مل کر یہ چاہیں کہ اسے اپنے سے محدود کر دیں تو وہ یہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ خدا کا امر ہے اور آدمی لاہی یعنی کھلنڈرا ہے، لاہی، الٰہی کا ادراک نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم!

استعمال عشق پر مشائخ کے اقوال:

لفظ عشق کے استعمال کے سلسلہ میں مشائخ کے بکثرت اقوال ہیں چنانچہ ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کا عشق ہو سکتا ہے لیکن حق تعالیٰ کو کسی سے عشق ہو یہ سمجھنا جائز نہیں ہے۔ یہ جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ عشق ایسی صفت ہے جو اپنے محبوب سے روکا گیا ہو چونکہ بندہ کو حق تعالیٰ سے روکا گیا ہے اور حق تعالیٰ بندہ سے رکا ہوا نہیں ہے اس لئے بندہ پر تو عشق کا استعمال جائز ہے لیکن حق تعالیٰ کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (15)

شرح (15): امام اہلسنت عظیم المرتبت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معشوق کہنا کے بارے میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ بندہ کا حق تعالیٰ پر عاشق ہونا بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ حد سے بڑھ جانے کا نام عشق ہے اور حق تعالیٰ محدود نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کئے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے شہرہ آفاق فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں:

الجواب: ناجائز ہے کہ معنی عشق اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے۔ اور ایسا لفظ بے ورود ثبوت شرعی حضرت عزت کی شان میں بولنا ممنوع قطعی۔

ردالمحتار میں ہے: مجرد ایہام المعنی المحال کافٍ فی المنع۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع، داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۲۵۳)

صرف معنی محال کا وہم ممانعت کے لئے کافی ہے۔

امام علامہ یوسف اردبیلی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الانوار لاعمال الابرار میں اپنے اور شیخین مذہب امام رافعی وہ ہمارے علماء حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرماتے ہیں:

لوقال انا اعشق اللہ اویعشقنی فبتدع و العبارۃ الصحیحۃ ان یقول احبہ و یحبنی کقولہ تعالیٰ یحبھم ویحبونہ۔ (الانوار لاعمال الابرار، کتاب الردۃ، المطبعۃ الجمالیہ مصر ۲ /۳۲۱)

اگر کوئی شخص کہے میں اللہ تعالیٰ سے عشق رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے تو وہ بدعتی ہے لہٰذا عبارت صحیح یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی نے اعلام میں نقل فرما کر مقرر رکھا۔

اقول وظاھر ان منشاء الحکم لفظ یعشقنی دون ادعائہ لنفسہ الاتری الی قولہ ان العبارۃ الصحیحۃ یحبنی ثم الظاھر ان تکون العبارۃ بواؤ العطف کقولہ احبہ ویحبنی فیکون الحکم لاجل قولہ یعشقنی والا فلا یظھر لہ وجہ بمجرد قولہ اعشقہ فقد قال العلامۃ احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری فی الانتصاف ردا علی الزمخشری تحت قولہ تعالیٰ فی سورۃ المائدۃ یحبھم ویحبونہ بعد اثبات ان محبۃ العبد اللہ تعالیٰ غیر الطاعۃ وانھا ثابتۃ واقعۃ بالمعنی الحقیقی اللغوی مانصہ ثم اذا ثبت اجراء محبۃ العبد للہ تعالیٰ علی حقیقتھا لغۃ فالمحبۃ فی اللغۃ اذا تاکدت سمیت عشقا فمن تاکدت محبتہ للہ تعالیٰ وظھرت آثار تاکدھا علیہ من استیعاب الاوقات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صوفیائے متاخرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عشق دونوں جہان میں درست نہیں ہوسکتا البتہ ادراک ذات کا عشق ممکن ہے مگر حق تعالیٰ کی ذات مدرک نہیں ہے لہٰذا اس کی کسی صفت کے ساتھ ہی عشق و محبت درست ہوسکتا ہے اس کی ذات کے ساتھ درست نہیں ہوسکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فی ذکرہ وطاعته فلا یمنع ان تسمی محبته عشقا اذ العشق لیس الا المحبة البالغة اه لکن الذی فی نسختی الانوار ونسختین عندی من الاعلام انما هو بأو فلیستأمل ولیحرر ثم اقول لست بغافل عما اخرجه والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

(کتاب الانتصاف علی تفسیر الکشاف، تحت آیۃ یحبہم ویحبونہ الخ، انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۶۲۲)

اقول: (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ منشائے حکم لفظ **یعشقی** ہے نہ کہ وہ لفظ جس میں اپنی ذات کے لئے دعوٰی عشق کیا گیا ہے کیا تم اس قول کو نہیں دیکھتے کہ صحیح عبارت **یحبنی** ہے پھر ظاہر ہے کہ عبارت واؤ عاطفہ کے ساتھ ہے جیسے اس کا قول ہے اُحِبُّہ، وَیُحِبُّنِی یعنی میں اس سے محبت رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے پھر حکم اس کے **یعشقنی** کہنے کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے صرف **اعشقہ** کہنے سے کوئی امتناعی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد منیر اسکندری نے **الانتصاف** میں علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ذیل میں جو سورۃ مائدہ میں مذکور ہے: **یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ** (اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں) اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اس کی اطاعت (فرمانبرداری) سے جدا ہے (الگ ہے) اور محبت معنیٰ حقیقی لغوی کے طور پر ثابت اور واقع ہے (جیسا کہ) موصوف نے تصریح فرمائی پھر جب بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا اجراء حقیقت لغوی کے طریقہ سے ثابت ہوگیا اور محبت بمعنی لغوی جب پختہ اور مؤکد ہوجائے تو اسی کو عشق کا نام دیا جایا تا ہے پھر جس کی اللہ تعالیٰ سے پختہ محبت ہوجائے اور اس پر پختگی محبت کے آثار ظاہر ہوجائیں (نظر آنے لگیں) کہ وہ ہمہ اوقات اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر اور اس کی اطاعت میں مصروف رہے تو پھر کوئی مانع نہیں کہ اس کی محبت کو عشق کہا جائے۔ کیونکہ محبت ہی کا دوسرا نام عشق ہے اھ لیکن میرے پاس جو نسخہ **الانوار** ہے وہ دو نسخے میرے پاس **الاعلام** کے ہیں ان میں عبارت مذکورہ صرف **اَوْ** کے ساتھ مذکور ہے لہذا غور وفکر کرنا چاہیے اور لکھنا چاہیے میں کہتا ہوں کہ میں نے اس سے بے خبر نہیں جس کی موصوف نے تخریج فرمائی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس عظمت والے کا علم بڑا کامل اور بہت پختہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ ج ۲۱ ص ۱۱۴)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق، دیدار کے بغیر حاصل نہیں ہوتا البتہ محض سماعت کے ذریعہ محبت جائز ہو سکتی ہے۔ چونکہ عشق کا تعلق نظر سے ہے اور یہ حق تعالیٰ پر ممکن نہیں کیونکہ دنیا میں کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔ جب حق تعالیٰ سے یہ بات ظاہر ہوئی تو ہر ایک اس کا دعوٰی کرنے لگتا کیونکہ خطاب میں سب برابر ہیں۔ چونکہ ذاتِ حق غیر مدرک وغیر محسوس ہے تو اس کے ساتھ عشق کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے البتہ حق تعالیٰ نے اپنی صفات وافعال کے ساتھ جب اپنے اولیاء پر احسان وکرم فرمایا تو بایں وجہ صفات کے ساتھ محبت کرنا درست ہوجاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ان کے صدمہ فراق سے وارفتہ ہوگئے تھے جب انہوں نے ان کی قمیص مبارک پائی تو ان کی چشم مبارک میں نور آگیا اور جب زلیخا کو عشق یوسفی نے مارا تو جب تک انہیں ان کا وصال نصیب نہ ہوا آنکھیں روشن نہ ہوئیں حالانکہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک یعنی زلیخا خواہش نفسانی کی پرورش کرتی ہے اور دوسرا یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام ہر خواہش کو فنا کردیتے ہیں۔

صوفیاء کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ عشق کی کوئی ضد نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی بھی کوئی ضد نہیں ہے لہٰذا اسے زیبا ہے کہ اس پر یہ جائز ہو۔ اسی سلسلہ میں بکثرت لطائف ہیں اور دقائق ہیں بخوفِ طوالت انہیں چھوڑتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تحقیق محبت میں مشائخ کے رموز:

محبت کی تحقیق میں مشائخ طریقت نے بکثرت رموز واشارات بیان کئے ہیں بطور تبرک چند بیان کرتا ہوں۔ سب کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس قسم کی محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور محض اسی کی خاطر ہوتی ہے نہ تو علم وعمل کا حصول مقصود ہوتا ہے اور نہ رب (عزوجل) کی ذات کے علاوہ کسی اور تک پہنچنا مقصود ہوتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے جو سب سے گہرا اور مشکل ہے۔ اور یہ قسم بھی ممکن ہے کیونکہ غلبہ محبت کے آثار یہ ہیں کہ محبوب سے آگے بڑھ کر ہر اس چیز تک پہنچے جو محبوب سے تعلق رکھتی ہے اور اس سے کسی نہ کسی طرح مناسبت رکھتی ہے اگرچہ یہ تعلق دور ہی کا ہو کیونکہ جو آدمی کسی شخص سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے تو وہ اس انسان کے محب سے بھی محبت کرتا ہے اور اس کے محبوب سے بھی، بلکہ اس کے خدام سے بھی محبت کرتا ہے اسی طرح اس آدمی سے بھی محبت کرتا ہے جو اس کے محبوب کی تعریف کرے نیز جو چیز اس کے محبوب کی رضا کا باعث بنے اس سے بھی محبت کرتا ہے

حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

المحبۃ محو المحب بصفاتہ واثبات المحبوب بذاتہ محبت وہ ہے کہ وہ اپنی تمام صفتوں کو محبوب کی طلب اور اس کی ذات کے اثبات میں فنا کر دے۔

مطلب یہ ہے کہ محبوب باقی ہو اور محب فانی اور محبوب کی بقاء کے لئے محبت کی غیرت کو اس حد تک نفی کرے کہ محبت ہی کا تصرف رہ جائے اور محب کے اوصاف کی فنا، ذات محبوب کے اثبات کے سوا نہ رہے۔ چونکہ یہ جائز ہی نہیں ہے کہ محب اپنے صفات کے ساتھ قائم رہے اگر وہ اپنی صفات میں قائم رہے گا تو جمال محبوب سے محروم رہے گا جبکہ محب یہ جانتا ہے کہ اس کی ذات، جمال محبوب سے وابستہ ہے تو وہ بدیہی طور پر اپنے صفات کی برقراری کی نفی کرے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ جب تک اپنے صفات قائم ہیں وہ محبوب سے محجوب رہے گا لہٰذا وہ دوست و محبوب کی محبت میں اپنا دشمن رہے گا۔

مشہور ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ (16) جب دار پر چڑھائے گئے تو ان کا آخری کلام یہ تھا کہ **حب الواحد افراد الواحد لہ** محب کے لئے یہ کتنا خوشی کا مقام ہے کہ اپنی ہستی کو راہِ محبت میں فنا کر دے۔ اور نفس کا اختیار محبوب کے پانے میں صرف کر کے خود کو فنا کر دے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

المحبۃ استقلال الکثیر من نفسک واستکثار القلیل من حبیبک محبت یہ ہے کہ اپنے بہت کو تھوڑا جانے اور محبوب کے تھوڑے کو بہت جانے

بندے کے لئے یہ معاملہ حق ہے اس لئے کہ دنیا میں جس قدر نعمتیں اسے دی گئی ہیں حق تعالیٰ نے ان کو تھوڑا فرمایا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (17) اے محبوب تم کہہ دو یہ دنیاوی نعمتیں تو تھوڑی

شرح (16): یہ پاکیزہ ہستیاں اللہ عزوجل ہی کی عبادت کرتی ہیں۔ اِنہوں نے خود کو محبتِ الٰہی عزوجل میں فنا کر دیا اور وہ ہر وقت اسی کے مشتاق رہتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کو پاؤں کی زنجیر بننے سے روک دیا اور اللہ عزوجل نے انہیں غیروں سے چھپالیا اور انہیں تسلیم و رضا کی سند عطا فرمائی اور مشروبِ الہام پلایا۔

شرح (17): قُلْ مَتٰعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ

ترجمہ کنزالایمان: تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔ (پ ۵، النساء: ۷۷)

ہیں۔ (النسآء:۷۷)

لیکن قلیل زندگی، قلیل جگہ اور قلیل سامان کے ساتھ ان کے قلیل ذکر الٰہی کو بہت فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ [18] مرد و عورت خدا کا بہت ذکر کرنے والے ہیں۔ [19] (الاحزاب:۲۵)

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ صفت غیر کے لئے موزوں نہیں ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جتنا بھی بندہ کو پہنچے وہ تھوڑا نہیں ہوسکتا اور بندے کی طرف سے جتنا بھی اس کی طرف جائے وہ تھوڑا ہی ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

المحبۃ معانقۃ الطاعات ومبانیۃ المخالفات محبت یہ ہے کہ محبوب کی طاعتوں میں ہی ہم آغوش رہے اور اس کی مخالفتوں سے ہمیشہ بچتا رہے۔ [20]

شرح (18): وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۳۵)

شرح (19): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

مرقات نے فرمایا کہ اللہ کا بہت ذکر کرنے والا وہ ہے جو کسی حال میں رب کو نہ بھولے خلوص سے اس کی عبادت کرے خلقت سے مستغنی رہے فکر و شکر میں حریص ہو جو خدا سے غافل کرے اس سے دور رہے اللہ کے ذکر میں ایسی لذات پائے جو کسی اور چیز میں نہ پائے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا" یعنی تمام غیر اللہ سے کٹ کر رب کے ہو جاؤ۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۳، ص ۳۸۶)

شرح (20): چند اشعار

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تَزْعَمُ حُبَّہٗ ۔۔۔ ھٰذَا مَحَالٌ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعُ

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ ۔۔۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعُ

ترجمہ: (۱) تُو اللہ کی نافرمانی کرنے کے باوجود اس کی محبت کا دعوی کرتا ہے، یہ عجیب و انوکھی بات عقل میں آنے والی نہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ دل میں جس قدر محبت زیادہ ہوگی محبت کا حکم، محب کے لئے اتنا ہی زیادہ آسان ہوگا۔ یہ ملحدوں کے اس گروہ کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ بندہ محبت میں اس کمال تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے طاعتیں اٹھ جاتی ہیں حالانکہ یہ خالص زندیقی اور بے دینی ہے یہ ناممکن ہے کہ عقل کی درستگی کی حالت میں بندے سے احکام مکلفہ ساقط ہو جائیں۔ (21) وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہرگز منسوخ نہ ہوگی اور عقل کی درستگی کی حالت میں جب کسی ایک سے بھی طاعت کے اٹھ جانے کو مانا جائے گا تو سب سے اٹھ جانا بھی جائز و ممکن بن جائے گا۔ یہ بات خالص بے دینی کی ہے البتہ مغلوب الحال یا پاگل دیوانے کا حکم مختلف ہے اور اس کا عذر جداگانہ ہے۔ البتہ یہ بات جائز ہے کہ محبت الٰہی میں بندہ اس کمال تک پہنچ جائے کہ اسے طاعت کی بجا آوری میں تکلیف و مشقت معلوم نہ ہو اس لئے کہ حکم کی کلفت، حکم والے سے محبت رکھنے کی مقدار کے مطابق معلوم ہوتی ہے اس سے قبل جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی اس کے احکام کی بجا آوری آسان ہوگی یہ معنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک حال میں ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لَعَمْرُكَ (22) اے محبوب! آپ کی زندگی کی قسم، آپ نے شبانہ روز اس کثرت سے عبادت کی کہ تمام مشاغل سے دست کش ہو گئے اور آپ کے قدم ناز ورم کر آئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) اگر تیری محبت میں صداقت ہوتی تو تُو ضرور اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب تو اپنے محبوب کی بات مانا کرتا ہے۔

شرح (21): عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ، کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں: حضور سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کچھ لوگ کہتے ہیں: ان التکالیف کانت وسیلۃ الی الوصول وقد وصلنا شریعت کے احکام تو وصول کے وسیلہ تھے اور ہم واصل ہو گئے، فرمایا؛

صدقوا فی الوصول ولکن الی سقر والذی یسرق ویزنی خیر من یعتقد ذلک۔ (الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر، المبحث السادس والعشرون، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۳و۲۷۲)

وہ سچ کہتے ہیں، واصل تو ضرور ہوئے مگر جہنم تک، چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہے۔

شرح (22): لَعَمْرُكَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب تمہاری جان کی قسم۔ (پ ۱۴، الحجر: ۷۲)

طٰهٰ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى (23) اے محبوب ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ (24) (طٰہٰ: ۱، ۲)

یہ صورت بھی ممکن ہے کہ طاعت کی بجا آوری میں بندے سے اس کی رویت اٹھالی جائے اور بندہ اپنے عمل کی کیفیت نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ''بسا اوقات میرے دل پر ایک ابر سا چھا جاتا ہے تو میں اس وقت روزانہ ستر بار اپنے رب سے استغفار کرتا ہوں۔'' اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حضور اپنے اعمال کو خود ملاحظہ نہ فرماتے اور نہ ان پر حیرت وتعجب کا اظہار کرتے بلکہ امر حق کی تعظیم کی طرف ہی متوجہ ہو کر عرض کرتے کہ اے رب العالمین میرے اعمال تیرے شایانِ شان پورے نہ ہو سکے۔

حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ذهب المحبون الله بشرف الدنيا والأخره لان النبى ﷺ قال المرء مع من احب محبوبانِ خدا تو دنیا و آخرت کی شرافت کے ساتھ واصل بحق ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اس کے ساتھ رہے گا جس سے اسے زیادہ محبت ہے۔ (25)

شرح (23): طٰهٰ ۚ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝

ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب، ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

(پ ۱۶، طٰہٰ: ۲)

شرح (24): شانِ نزول: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت میں بہت جہد فرماتے تھے اور تمام شب قیام میں گزارتے یہاں تک کہ قدم مبارک ورم کر آتے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازِل ہوئی اور جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بحکمِ الٰہی عرض کیا کہ اپنے نفسِ پاک کو کچھ راحت دیجئے اس کا بھی حق ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کے کُفر اور ان کے ایمان سے محروم رہنے پر بہت زیادہ متأسّف و متحسّر رہتے تھے اور خاطرِ مبارک پر اس سبب سے رنج و ملال رہا کرتا تھا اس آیت میں فرمایا گیا کہ آپ رنج و ملال کی کوفت نہ اٹھائیں قرآنِ پاک آپ کی مشقت کے لئے نازِل نہیں کیا گیا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (25): حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عزوجل وصَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسَلَّم کی بارگاہ میں ایک شخص نے عرض کی: قیامت کب قائم ہو گی؟ تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسَلَّم نے اس سے دریافت فرمایا: تم نے اس کے لئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چونکہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں اس لئے ان پر خطا کا صدور محال ہے۔ لہٰذا ان کی دنیاوی شرافت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور اُخروی شرافت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حقیقۃ المحبتہ لا ینقص بالجفاء ولا یزید بالبر والعطاء حقیقی محبت، نہ ظلم سے کم ہوتی ہے اور نہ نیکی وعطاء سے بڑھتی ہے۔

اس لئے کہ یہ دونوں محبت میں سبب ہیں اور اسباب، ظاہر وجود کے حال میں فناء ہوتے ہیں اور محب، محبوب کی بلا میں خوش ہوتا ہے چونکہ راہِ وفاء میں ظلم ووفاء دونوں برابر ہیں اور جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو وفاء، جفا کی مانند اور جفا، وفا کی مانند بن جاتی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیوانگی کے الزام میں شفاخانہ میں داخل کر کے محبوس کر کے کچھ لوگ بغرض ملاقات ان کے پاس گئے آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم آپ سے محبت کرنے والے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے پتھر مارنے کے لئے اٹھایا۔ لوگ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا اگر تم مجھ سے سچی محبت کرنے والے ہوتے تو مار کے ڈر سے نہ بھاگتے۔ اس لئے کہ محبین، محبوب کی بلا سے بھاگا نہیں کرتے۔

اس معنی میں بکثرت اقوالِ مشائخ ہیں فی الحال میں ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب!

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیا تیاری کی ہے؟ تو اس نے عرض کی! تیاری تو کچھ نہیں کی، مگر میں اللہ اور اس کے رسول عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے محبت کرتا ہوں۔ تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں کسی چیز سے اتنی خوشی حاصل نہیں ہوئی جتنی خوشی شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان سے ہوئی: تم جس کے ساتھ محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں میں سید عالم، نور مجسّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم، حضرت سیدنا ابوبکر اور حضرت سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ ان سے محبت کرنے کی وجہ سے میں انہیں کے ساتھ ہوں گا۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمر بن خطاب۔۔۔۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۶۸۸، ص ۳۰۰)

باب 22:

چھٹا کشف حجاب: زکوٰۃ کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (1)

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو"

اس حکم پر مشتمل بکثرت آیات واحادیث وارد ہیں اور ایمان کے فرائض واحکام میں سے ایک زکوٰۃ کا وجوب ہے۔ (2) جس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے اس پر اعراض حرام ہے۔ البتہ تکمیل نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مثلاً جس کے پاس دوسو درہم ہوں تو یہ کامل نصاب ہے اس پر مالکانہ حیثیت سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور بیس (۲۰) دینار بھی ایک پورا نصاب اور کامل نعمت ہے اس پر نصف دینار زکوٰۃ واجب ہے اور پانچ اونٹ بھی پوری نعمت ہے اس پر ایک بکری واجب ہے دیگر احوال کی زکوٰۃ کا بھی یہی حال وقاعدہ ہے۔

جس طرح مال کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح مرتبہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی ایک پوری نعمت ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی فَرَضَ عَلَیۡکُمۡ زَکٰوۃَ جَاھِکُمۡ کَمَا فَرَضَ عَلَیۡکُمۡ زَکٰوۃَ

شرح (1): قرآن پاک میں کئی مقام پر یہ آیا۔

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ (پ ۱، البقرۃ: ۴۳)

شرح (2): زکوٰۃ کو زکوٰۃ کہنے کی وجہ

زکوٰۃ کا لغوی معنی طہارت، افزائش (یعنی اضافہ اور برکت) ہے۔ چونکہ زکوٰۃ بقیہ مال کے لئے معنوی طور پر طہارت اور افزائش کا سبب بنتی ہے اسی لئے اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، ج ۳، ص ۲۰۲ ملخصا)

مَالِکُم اللہ تعالیٰ نے تمہارے مرتبہ کی زکوٰۃ بھی اسی طرح فرض کی ہے جیسا کہ تمہارے مال پر فرض کی۔

نیز ارشاد ہے:

اِنَّ لِکُلِّ شَیْیءٍ زَکٰوۃٌ وزَکٰوۃُ الدَّارِ بَیْتُ الضِّیَافَۃِ یقیناً ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمان کو ٹھہرانا اور اس کی مہمان نوازی کرنا ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت:

زکوٰۃ کی حقیقت، شکرانِ نعمت ہے جو اسی جنس کی نعمت کے ساتھ ادا کی جائے چونکہ تندرستی ایک بڑی نعمت ہے لہٰذا ہر عضو کی زکوٰۃ بھی واجب ہے اور اس کی ادائیگی یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھا جائے اور کسی کھیل کود میں نہ لگایا جائے تاکہ نعمت کی زکوٰۃ کا حق ادا ہو۔ (3)

اسی طرح باطنی نعمت کی بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے چونکہ باطنی نعمت بے حد وحساب ہے اس لئے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اس میں ہر شخص کے لئے اپنے اندازہ کے مطابق اس کی زکوٰۃ واجب ہے اور وہ ظاہری و باطنی نعمتوں کا عرفان ہے۔ جب بندہ جان لے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں اس پر بے اندازہ ہیں تو وہ اس کا شکر بھی بے اندازہ بجالائے اس لئے کہ بے اندازہ نعمتوں کی زکوٰۃ کے لئے، بے اندازہ شکر درکار ہے۔

اہل طریقت کے نزدیک زکوٰۃ کی تمام قسموں میں سب سے زیادہ غیر محمود زکوٰۃ دنیاوی نعمت کی زکوٰۃ ہے کیونکہ اس میں بخل کا وجود ہے حالانکہ انسان کے لئے بخل مذموم صفت ہے۔ کیا یہ بخل کا کمال نہیں ہے کہ دوسو درہم کوئی شخص سال بھر تک قبضہ میں رکھے اور ایک سال کے بعد اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ

شرح (3): پیارے بھائی! تمہارے اعضائے جسمانی میں سے ہر حصے کی زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے لئے تم پر واجب ہے۔ چنانچہ دل کی زکوٰۃ، اللہ تعالیٰ کی عظمت، حکمت، قدرت، حجت، نعمت، رحمت کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے۔ آنکھ کی زکوٰۃ کسی شے پر نگاہِ عبرت ڈالنا اور اسے شہوت بھری اشیاء کو دیکھنے سے جھکا لینا ہے۔ کان کی زکوٰۃ اس شے کو غور سے سننا جو تمہاری نجات کا وسیلہ بن رہی ہو۔ زبان کی زکوٰۃ اس سے وہ کلام کرنا جو تمہیں بارگاہِ الٰہی عزوجل میں مقرب بنادے۔ ہاتھ کی زکوٰۃ انہیں شر کی طرف بڑھنے سے روک کر بھلائی کے لئے پھیلا دینا ہے۔ پاؤں کی زکوٰۃ ان سے چل کر ایسی جگہ جانا جہاں تمہارے دل کی درستی اور دین کی سلامتی کا سامان ہو۔

نکالے۔ حالانکہ کریم وسخی کا طریق مال خرچ کرنا ہے نہ کہ مال کو جمع رکھنا۔ جب سخاوت کی عادت ہوگی تو زکوٰۃ کہاں سے واجب ہوگی۔؟

ایک ظاہری عالم نے بغرض تجربہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کتنی مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب ہے۔ آپ نے فرمایا جب بخیل کے پاس دوسو درہم مال موجود ہو تو تمہارے طریقہ میں پانچ درہم اور ہر بیس دینار پر نصف دینار زکوٰۃ واجب ہے لیکن ہمارے طریق میں کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہ رکھنا واجب ہے تاکہ زکوٰۃ کی مشغولیت سے بے نیاز رہے۔ اس عالم نے پوچھا اس مسئلہ میں آپ کا امام اور رہنما کون ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں کہ انہوں نے جو موجود تھا سب دے دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مَا خَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ" تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"[4] امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک قصیدہ میں فرمایا ہے:

فما وجبت علی زکوٰۃ مال
وهل تجب الزکوٰۃ علی الجواد

شرح (4): حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اتفاقاً اس زمانے میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا آج اتفاق سے میرے پاس مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں خوشی خوشی گھر گیا اور جو کچھ گھر میں تھا اس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا، میں نے عرض کیا: کہ چھوڑ آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رکھا تھا سب لے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا: ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں۔

پروانے کو چراغ ہے تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

یعنی اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے نام کی برکت، ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔ یہ قصہ غزوہ تبوک کے لئے فراہمی مال واسباب کا ہے۔

(شرح العلامۃ الزرقانی، باب غزوۃ تبوک، ج ۴، ص ۶۹)

مجھ پر کبھی زکوٰۃ واجب نہ ہوئی
کیا سخیوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

لہٰذا سخیوں کا مال خرچ ہوتا رہتا ہے وہ مال میں کنجوسی نہیں کرتے اور نہ مال کی بدولت کسی سے جھگڑا کرتے ہیں کیونکہ ان کی ملکیت میں کچھ رہتا ہی نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی جہالت سے یہ کہے کہ جب میرے پاس مال ہی نہیں تو زکوٰۃ کے مسائل جاننے کی کیا حاجت؟ اس کا یہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ تحصیل علم، فرض عین ہے اور علم سے لاتعلقی کا اظہار، کفر ہے۔ موجودہ زمانہ کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ مدعیان صلاح وفقر، جہالت میں رہتے ہوئے علم کو چھوڑ جاتے ہیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن صوفیوں کی ایک جماعت کو پڑھا رہا تھا چونکہ وہ لوگ مبتدی تھے ان کو مفہوم سمجھا رہا تھا ایک جاہل درمیان میں دخل انداز ہوا۔ میں اس وقت اونٹ کی زکوٰۃ کے مسائل بیان کر رہا تھا اور بنت لبون، (5) بنت مخاض (6) اور حقہ (7) کے احکام سمجھا رہا تھا اس جاہل مرکب کے دل میں یہ بات تنگی کا موجب بنی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے کہنے لگا میرے پاس اونٹ نہیں ہیں۔ بنت لبون کا علم میرے کس کام آئے گا؟ میں نے اس سے کہا اے شخص! جس طرح ہمیں زکوٰۃ دینے کے لئے علم کی حاجت ہے اسی طرح ہمیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے اگر کوئی تجھے بنت لبون دے اور تو اسے لے لے تو اس وقت بھی یہی کہے گا کہ مجھے بنت لبون کے علم کی ضرورت نہیں اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور مال کے حصول کی کوئی صورت نہ ہو تو کیا اس سے علم کی فضیلت جاتی رہے گی۔ **فنعوذ باللہ من الجہل!**

زکوٰۃ لینے میں طریقت کے مسائل

مشائخ طریقت میں کچھ حضرات تو وہ ہیں جو زکوٰۃ کے لینے کو گوارہ کرتے ہیں اور کچھ حضرات وہ ہیں جو زکوٰۃ لینے کو ناپسند کرتے ہیں۔ جن حضرات کا فقر اختیاری ہوتا ہے وہ مالِ زکوٰۃ نہیں لیتے وہ کہتے ہیں کہ ہم مال جمع نہیں کرتے کہ ہمیں زکوٰۃ دینی پڑے گی اور دنیاداروں سے لینا بھی گوارہ نہیں کرتے کہ اس میں

شرح (5): یعنی وہ نر جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو
شرح (6): یعنی اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔
شرح (7): یعنی جو اونٹ چوتھے سال میں داخل ہو۔

ان کا ہاتھ اونچا رہتا ہے اور ہمارا ہاتھ نیچا۔ جن حضرات کا فقر اختیاری نہ ہو بلکہ اضطراری ہو وہ زکوٰۃ لے لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں مال زکوٰۃ کی ضرورت ہے بلکہ اس بنا پر کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی گردن سے فریضہ اتر جائے اور جب ان کی نیت یہ ہو تو اس میں انہیں کا ہاتھ اونچا ہے نہ کہ تونگر کا؟[8] اگر دینے والے کا ہاتھ اونچا رہے اور لینے والے کا نیچا تو اس سے خدا کے ارشاد گرامی: يَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ (توبہ: ۱۰۴) وہ زکوٰۃ لیتے ہیں کا بطلان لازم آتا ہے اور یہ بھی کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لینے والے سے افضل ہے اور یہ خالص گمراہی ہے۔ اونچا ہاتھ وہی ہے جو کسی چیز کو وجوب کے طور پر مسلمان بھائی سے لے تا کہ اس کی گردن سے اس کا بوجھ اتر جائے۔ یہ درویش لوگ دنیاوی آدمی نہیں ہیں بلکہ عقبائی ہیں اگر یہ عقبائی درویش دنیا داروں سے نہ لیں تو ان کی ذمہ فریضہ واجب رہ جائے گا اور جس کی بنا پر قیامت میں وہ ماخوذ ہوں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عقبائی درویشوں کو بہت کم ضروریات کے ذریعہ امتحان میں ڈالا تا کہ دنیا داروں کی گردنوں سے فرض کا بوجھ اتاریں لامحالہ اونچا ہاتھ فقرا کا ہی ہاتھ ہے جو شریعت کے حق کے موافق اپنا حق لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق اس پر واجب تھا۔ اگر لینے والوں کا ہاتھ نیچا ہوتا جیسا کہ حشوی لوگ کہتے ہیں تو انبیاء کا ہاتھ نیچا ہوتا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق لوگوں سے وصول کیا ہے اور لازماً اخراجات میں ان کو صرف فرماتے رہے ہیں اس لئے ان کا کہنا غلط ہے کہ لینے والا ہاتھ نیچا ہے اور دینے والا ہاتھ اونچا۔ تصوف میں دونوں قاعدے قوی ہیں۔ **وباللہ التوفیق!**

شرح (8): حضرت سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رحمتِ عالمیان، شہنشاہِ کون ومکان، مالکِ دو جہان صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے مال کا سوال کیا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے مجھے عطا فرمایا، میں نے دوبارہ سوال کیا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے پھر عطا فرمایا، میں نے تیسری بار سوال کیا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے پھر مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا: بیشک یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے پس جس نے اسے اچھی نیت سے لیا تو اسے اس میں برکت دی جائے گی اور جس نے دل کے حرص ولالچ سے حاصل کیا اسے اس میں برکت نہیں دی جائے گی اور وہ ایسا ہے کہ کھا کر بھی سیر نہیں ہوتا، اور (آگاہ رہو کہ) اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا المال..... الخ، الحدیث: ۶۴۴۱ ص ۵۴۱)

جودوسخا کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ (9) سخی جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل دوزخ سے قریب اور جنت سے دور ہے۔ (10) (ترمذی)

اہل علم کے نزدیک جودوسخا کے ایک ہی معنی صفات بشریہ میں ہیں۔ حق تعالیٰ کو جواد تو کہہ سکتے ہیں مگر

شرح (9): (جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی السخاء، رقم ۱۹۶۸، ج ۳، ص ۳۸۸)

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الزکاۃ، باب الانفاق وکراھیۃ الامساک، الحدیث: ۱۸۶۹، ج ۱، ص ۳۵۵)

شرح (10): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

- ہم سخی اور جواد کا فرق پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حقیقی سخی وہ ہے جو غنا پر رب تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دے۔ اس کے تین قرب بیان ہوئے اور ایک دوری، اللہ تعالیٰ تو ہر ایک سے قریب ہے لیکن اس سے قریب کوئی کوئی ہے۔ شعر

یار نزدیک تر از بمعن است　　　دین عجب ہیں کہ من از وے دُورم

اس حدیث میں اشارۃً فرمایا گیا کہ سخاوت مال حسن مال یعنی انجام بخیر کا ذریعہ ہے سخی سے مخلوق خود بخود راضی رہتی ہے۔

حکایت: کسی عالم سے پوچھا گیا کہ سخاوت بہتر ہے یا شجاعت فرمایا خدا تعالیٰ جسے سخاوت دے اسے شجاعت کی ضرورت ہی نہیں لوگ خود بخود اس کے سامنے چت ہو جائیں گے، چونکہ صدقہ غضب کی آگ بجھاتا ہے اس لیے سخی دوزخ سے دور ہے۔

یعنی جو شخص عالم بھی ہو عابد بھی مگر ہو کنجوس کہ نہ زکوۃ دے نہ صدقات واجبہ ادا کرے وہ یقیناً سخی جاہل سے بدتر ہوگا کیونکہ وہ عالم حقیقتاً بے عمل ہے بخل بہت سے فسق پیدا کر دیتا ہے اور سخاوت بہت خوبیوں کا تخم ہے بلکہ وہ عابد بھی کامل نہیں کیونکہ عبادت مالی یعنی زکوۃ وغیرہ ادا نہیں کرتا، صرف جسمانی عبادت ذکر وفکر پر قناعت کرتا ہے جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳، ص ۹۵)

سخی نہیں کہہ سکتے (11) کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات توفیقی ہیں حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو جواد تو فرمایا لیکن سخی نہیں کہلوایا ہے اور نہ کسی حدیث میں خدا کی صفت سخی وارد ہے اجماعِ امت اور اتفاقِ اہل سنت کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے کہ باعتبار عقل ولغت، اللہ تعالیٰ کو کسی نام سے پکارا جائے جب تک کہ کتاب وسنت اس پر ناطق نہ ہو۔ مثلاً خدا کے اسماء حسنیٰ میں عالم ہے باجماع امت اسے عالم تو کہہ سکتے ہیں لیکن عاقل وفقیہ نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ عالم، عاقل اور فقیہ کے معنی ایک ہی ہیں۔ اسی طرح بر بنائے توقیف خدا کو جواد تو کہہ سکتے ہیں لیکن عدم توقیف کی بنا پر سخی کا استعمال اس کے لئے درست نہیں۔ (12)

شرح (11): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

بخل کا مقابل سخا ہے اور شح کا مقابل جود۔ بخیل وہ جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے، شح وہ جو نہ کھائے نہ کھانے دے سب کچھ جمع کر کے چھوڑ جائے۔ سخی وہ خود کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔ جواد وہ جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیے رب کو سخی نہیں کہتے جواد کہتے ہیں۔ اللہ کے حبیب لکھاوھاری داتا کھاتے نہیں کھلاتے ہیں۔ شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے آتش

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۲، ص ۱۸۹)

شرح (12): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام ذاتی ہے اللہ، باقی نام صفاتی۔ صفاتی نام تین قسم کے ہیں: صفت سلبی پر دلالت کرنے والے جیسے سبحان، قدوس، اولیٰ وغیرہ، صفت ثبوتیہ حقیقیہ پر دال جیسے علیم، قادر یا ثبوتیہ اضافیہ پر دال جیسے حمید، ملیک، مالک، الملک وغیرہ یا صفت فعلیہ پر دال جیسے رازق، خالق وغیرہ۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں کہ شریعت نے جو بتائے ان ہی ناموں سے پکارا جائے اپنی طرف سے نام ایجاد نہ کئے جائیں اگرچہ ترجمہ ان کا صحیح ہو لہذا رب کو عالم کہہ سکتے ہیں عاقل نہیں کہہ سکتے، اسے جواد کہیں گے نہ کہ سخی، حکیم کہیں گے نہ کہ طبیب، خدا رب کا نام نہیں بلکہ ایک صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے جیسے پروردگار، پالنہار، بخشنے والا وغیرہ۔ خدا تعالیٰ کے بعض نام مخلوق پر بھی بولے جاتے ہیں جیسے رؤف، رحیم اللہ کا نام بھی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مگر مخلوق کے لیے ان ناموں کے اور معنے ہوں گے۔ جب کسی صفت الٰہی کی تجلی بندے پر پڑتی ہے تو اس وقت اس پر وہ نام بولا جاتا ہے۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۳، ص ۵۱۱)

بعض اہل علم نے جود و سخا کے درمیان معنی میں کچھ فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش و عطا میں امتیاز برتے یعنی وہ کسی غرض و سبب کو ملحوظ رکھے۔ یہ جود کا ابتدائی درجہ ہے لیکن جود کا کامل مرتبہ یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا امتیاز نہ برتے اور اس کا فعل بے سبب و بے غرض ہو۔ یہ دونوں حالت دونبیوں کی ہیں ایک حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دوسری سیدنا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اس وقت تک کھانا نوش نہ فرماتے تھے جب تک کہ کوئی مہمان موجود نہ ہوتا۔[13] ایک مرتبہ تین دن گزر گئے کوئی مہمان نہ آیا اتفاق سے ایک کافر کا گزر آپ کے دروازے کے آگے سے ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں کافر ہوں۔ آپ نے فرمایا تو میری مہمانی اور عزت افزائی کے لائق نہیں ہے۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے خلیل، جسے میں نے ستر (۷۰) سال تک پالا تم نے اسے ایک روٹی تک نہ دی۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہے کہ جب حاتم طائی کا بیٹا آپ کی بارگاہ میں آیا[14] تو آپ نے

شرح (13): حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ منقول ہے کہ جب تک آپ کے دستر خوان پر مہمان نہیں آجاتے تھے آپ کھانا نہیں تناول فرماتے تھے۔ ایک دن مہمانوں کا ایک ایسا قافلہ آپ کے گھر اُتر پڑا کہ ان مہمانوں سے آپ خوفزدہ ہو گئے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو دس یا بارہ فرشتوں کو ہمراہ لے کر تشریف لائے تھے اور سلام کر کے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔

شرح (14): ربیع الآخر ۹ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک سو پچاس سواروں کو اس لئے بھیجا کہ وہ قبیلہ طی کے بت خانہ کو گرا دیں۔ ان لوگوں نے شہر فلس میں پہنچ کر بت خانہ کو منہدم کر ڈالا اور کچھ اونٹوں اور بکریوں کو پکڑ کر اور چند عورتوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ لائے۔ ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم بھاگ کر ملک شام چلا گیا۔ حاتم طائی کی لڑکی جب بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی تو اس نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں حاتم طائی کی لڑکی ہوں۔ میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور میرا بھائی عدی بن حاتم مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں ضعیفہ ہوں آپ مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کریگا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور سفر کے لئے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچی اور اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقِ نبوت سے آگاہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت زیادہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی چادر مبارک اس کے نیچے بچھائی اور فرمایا: اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ (ابن ماجہ) جب کسی قوم کا عزت والا تمہارے پاس آئے تو تم اس کی عزت کرو۔ مقام غور ہے کہ ایک نبی نے امتیاز برتا اور سخاوت سے ہاتھ کھینچا اور ایک نبی نے امتیاز برتا اور اپنی شان نبوت کے اظہار میں کافر کے لئے چادر مبارک بچھائی۔ اول حضرت ابراہیم کی سخاوت کا حال تھا اور دوسرا ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جود کا ذکر پاک۔

اس معنی میں سب سے عمدہ مذہب یہ ہے کہ دل میں جو سب سے پہلے خیال آئے اس کی پیروی جود ہے۔ اور جب اس پر دوسرا خیال غالب آ جائے تو وہ بخل کی علامت ہے۔ محققین نے اولِ خیال کو بہت بلند جانا ہے کیونکہ پہلا خیال حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تعریف کی۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کی زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق عظیم اور عاداتِ کریمہ کے حالات سن کر بے حد متاثر ہوئے اور بغیر کوئی امان طلب کئے ہوئے مدینہ حاضر ہو گئے۔ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں یہ خبر دی کہ عدی بن حاتم آ گیا ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتہائی کریمانہ انداز سے عدی بن حاتم کے ہاتھ کو اپنے دستِ رحمت میں لے لیا اور فرمایا کہ اے عدی! تم کس چیز سے بھاگے؟ کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے تم بھاگے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ عدی بن حاتم نے کہا کہ نہیں پھر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے ان کے اسلام قبول کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے آپ کا چہرۂ انور چمکنے لگا اور آپ نے ان کو خصوصی عنایات سے نوازا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے باپ حاتم کی طرح بہت ہی سخی تھے۔ حضرت امام احمد ناقل ہیں کہ کسی نے ان سے ایک سو درہم کا سوال کیا تو یہ خفا ہو گئے اور کہا کہ تم نے فقط ایک سو درہم ہی مجھ سے مانگا تم نہیں جانتے کہ میں حاتم کا بیٹا ہوں خدا کی قسم! میں تم کو اتنی حقیر رقم نہیں دوں گا۔

یہ بہت ہی شاندار صحابی ہیں، خلافت صدیق اکبر میں جب بہت سے قبائل نے اپنی زکوٰۃ روک دی اور بہت سے مرتد ہو گئے یہ اس دور میں بھی پہاڑ کی طرح اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کی زکوٰۃ لا کر بارگاہ خلافت میں پیش کی اور عراق کی فتوحات اور دوسرے اسلامی جہادوں میں مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور ۶۸ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر پا کر وصال فرمایا اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیثیں مذکور ہیں۔ (المواھب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، ھدم صنم طیئ، ج ۴، ص ۴۸۔۵۰)

مجھے پتہ چلا ہے کہ نیشا پور میں ایک سوداگر تھا جو ہمیشہ ابو سعید کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ ایک روز سوداگر سے کسی درویش نے کچھ مانگا۔ اس سوداگر نے دل میں کہا کہ میرے پاس ایک دینار ہے اور ایک ٹکڑا سونے کا ہے؟ دل کا پہلا خیال یہ کہتا ہے کہ اسے دینار دے دیا جائے اور دوسرا خیال یہ کہتا ہے کہ اسے سونے کا ٹکڑا دے دیا جائے اس سوداگر نے سونے کا ٹکڑا دے دیا جب حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو اس نے دریافت کیا کہ کیا حق تعالیٰ سے بحث کرنا جائز ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا تم نے بحث کی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تو حکم دیا کہ دینار دو مگر تم نے سونے کا ٹکڑا دے دیا یہ بھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ ابو عبد اللہ رود باری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے گھر تشریف لائے۔ مرید گھر میں موجود نہ تھا۔ انہوں نے فرمایا اس کے گھر کا سامان بازار میں فروخت کر دو۔ جب مرید گھر آیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوا اور شیخ کی خوشنودی کی خاطر کچھ نہ کہا۔ جب اس کی بیوی آئی اور گھر کا یہ حال دیکھا تو اس نے اندر جا کر اپنے کپڑے اتار دیئے اور کہنے لگی کہ یہ بھی تو گھر کے سامان میں سے ہے اس کا بھی وہی حکم ہے۔ مرد نے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ سراسر تکلف و اختیار ہے، جو تو نے کیا ہے۔ عورت نے کہا شیخ نے جو کچھ کیا وہ ان کا جود تھا اب ہمیں اپنے نفس کی ملکیت میں تصرف کرنا چاہیئے تا کہ ہمارا جود بھی ظاہر ہو مرد نے کہا ٹھیک ہے جبکہ ہم نے خود کو شیخ کے حوالہ کر دیا ہے تو ہم پر بھی ان کا اختیار اسی طرح ہے جیسا کہ ہمارا، ہمارے اوپر تھا۔ یہی ہمارا عین جود ہے۔

انسان کی صفت میں جود کا وجود تکلف و مجاز ہے۔ لہٰذا مرید کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے نفس کی طاقت کو اللہ تعالیٰ کی متابعت میں صرف کرے یہی مذہب حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ **الصوفی دمه هدر وملكه مباح** صوفی وہ ہے جس کا خون معاف، اور اس کی ملکیت مباح ہو۔ (15)

شرح (15): میرے شیخ طریقت امیرِ اَہلسنّت دامت برکاتہم العالیہ کے جذبہ عفو و درگزر کے قربان کہ خود آگے بڑھ کر اپنے حُقوق سب کو مُعاف کر رہے ہیں۔ چُنانچہ مَدَنی وصیّت نامہ ص 10 اور نَماز کے احکام ص 463 پر وصیّت نمبر ۳۸ تا ۴۰ مُلاحظہ ہوں:

وصیت: مجھے جو کوئی گالی دے، بُرا بھلا کہے، زخمی کر دے یا کسی طرح بھی دل آزاری کا سبب بنے میں اُسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے پیشگی مُعاف کر چکا ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں نے حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ سفر حجاز میں تھا۔ حلوان کے نواح میں کردوں نے ہمارے سب کپڑے چھین لئے۔ ہم نے بھی ان سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ ہم نے اسی میں ان کی خوشی سمجھی۔ لیکن ایک شخص ہم میں ایسا تھا جو بے قراری کا اظہار کر رہا تھا ایک کردی نے تلوار سونت کر اسے مار ڈالنا چاہا ہم سب نے اس کی سفارش کی۔ اس کردی نے کہا یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس جھوٹے کو زندہ چھوڑیں یقیناً ہمیں اسے مار ہی ڈالنا چاہئے۔ ہم نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ یہ صوفی نہیں ہے یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے۔ ایسے شخص کو ناپید کر دینا ہی بہتر ہے۔ ہم نے پوچھا یہ الزام کس بنا پر رکھتے ہو؟ اس کردی نے کہا اس لئے کہ صوفیوں کا سب سے کمتر درجہ جود ہے۔ یہ شخص چند پھٹے پرانے کپڑوں پر بے صبری کا اظہار کرتا ہے یہ کیسے صوفی ہو سکتا ہے؟ جو اپنے رفقاء سے اس طرح جھگڑا کرتا ہے۔ حالانکہ ہم برسوں سے یہ کام کر رہے ہیں تمہارا راستہ روک رہے ہیں اور تمہارے تعلقات کو منقطع کر رہے مگر تم کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے۔

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما ایک قبیلہ کی چراگاہ سے گزرے وہاں ایک حبشی غلام کو بکریوں کی رکھوالی کرتے دیکھا۔ اسی اثنا میں ایک کتا آیا اور اس غلام کے آگے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک روٹی نکال کر کتے کے آگے ڈال دی اس کے بعد دوسری پھر تیسری۔ حضرت عبداللہ نے یہ حال دیکھ کر پوچھا اے غلام تیرا کھانا روزانہ کتنا ہوتا ہے اس نے کہا اتنا ہی جتنا آپ نے دیکھا۔ فرمایا وہ سب کیوں کھلا دیا؟ یہ سن کر اس نے کہا اس لئے کہ یہ جگہ کتوں کی تو ہے نہیں، معلوم ہوتا ہے یہ کہیں دور سے امید لے کر آتا ہے میں نے اچھا نہ جانا کہ اس کی محنت کو ضائع کر دوں۔ حضرت عبداللہ کو یہ بات اس کی بہت اچھی معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس غلام کو اور اس کی تمام بکریوں کو مع چراگاہ کے خرید لیا۔ اور غلام کو آزاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وصیت: مجھے ستانے والوں سے کوئی انتقام نہ لے۔

وصیت: قتلِ مسلم میں تین طرح کے حقوق ہیں (۱) حَقُّ اللہ (۲) حَقِ مقتول اور (۳) حقِ وَرَثا۔ بالفرض کوئی مجھے شہید کر دے تو حقُّ اللہ معاف کرنے کا مجھے اختیار نہیں البتہ میری طرف سے اُسے حقِّ مقتول یعنی میرے حُقُوق مُعاف ہیں۔ وُرَثاء سے بھی درخواست ہے کہ اسے اپنا حق مُعاف کر دیں۔ اگر سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شَفاعت کے صَدقے محشر میں مجھ پر خُصوصی کرم ہو گیا تو اِن شاءَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اپنے قاتِل یعنی مجھے شہادت کا جام پلانے والے کو بھی جنّت میں لیتا جاؤں گا بشرطیکہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہُوا ہو۔

کر کے فرمایا یہ سب بکریاں اور یہ چراگاہ تمہیں بخش دیں۔ غلام نے ان کے لئے دعا کی اور بکریوں کو خیرات کر کے چراگاہ وقف کر دی اور خود وہاں سے چلا گیا۔

ایک شخص حضرت امام حسن مجتبیٰ بن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے دروازے پر آیا اور اس نے عرض کیا اے فرزند رسول، مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے چار سو (۴۰۰) درہم دے دیئے جائیں اور خود روتے ہوئے اندر تشریف لے گئے تو لوگوں نے پوچھا اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! رونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اس لئے روتا ہوں کہ میں نے اس شخص کے حال کی جستجو میں کوتاہی کی ہے یہاں تک کہ میں نے اسے سوال کی ذلت میں ڈال دیا۔

حضرت ابوسہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کبھی خیرات کسی درویش کے ہاتھ پر نہ رکھتے اور جو چیز دینی ہوتی اسے کسی کے ہاتھ میں نہ دیتے بلکہ زمین پر رکھ دیتے تا کہ وہ اسے اٹھا لے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا اس طرح دینے میں وہ خطرہ نہیں رہتا جو کسی مسلمان کے ہاتھ میں دینے سے ہوتا ہے مطلب یہ کہ میرا ہاتھ اونچا ہوا اور اس مہمان کا ہاتھ نیچا۔ (16)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واقعہ ہے کہ بادشاہِ حبش نے آپ کی خدمت میں دو نافے کستوری کے تحفہ

شرح (16): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے اور نیچے والے سے مانگ کر لینے والا، خواہ دینے والا نذرانہ کے طور پر نیچا ہاتھ کر کے ہی دے اور لینے والا اوپر ہاتھ کر کے ہی اٹھائے مگر پھر بھی دینے والا ہی اونچا ہے، یہاں دینے اور لینے سے مراد بھیک دینا اور لینا ہے، اولاد کا ماں باپ کو دینا، مرید صادق کا اپنے شیخ کامل کی خدمت میں کچھ پیش کرنا، انصار کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانے پیش کرنا اس حکم سے علیحدہ ہیں، اگر ہماری کھالوں کے جوتے بنیں اور رشتہ جان کے تسمے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے استعمال فرمائیں تو ان کے حق کا کروڑواں حصہ ادا نہ ہو۔ اس حدیث سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ غنا فقر سے بہتر ہے اور غنی شاکر فقیر صابر سے افضل مگر حق یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے۔ ہماری اس تقریر سے یہ حدیث غنی کے افضل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں بھکاری فقیر کا ذکر ہے نہ کہ صابر کا، بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اوپر والے ہاتھ سے فقیر صابر مراد ہے اور نیچے والے سے بھکاری، تب تو سبحان اللہ! بہت لطف کی بات ہے۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳، ص ۶۸)

میں بھیجے۔ آپ نے انہیں ایک بار ہی پانی میں گھول دیا اور اپنے اور اپنے صحابہ کے اوپر مل دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اسے دو پہاڑ کے درمیان کی وادی جو بکریوں سے پر تھی عطا فرمادی۔ جب وہ اپنی قوم میں گیا تو اس نے کہا اے لوگو! جاؤ تم سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ آپ اپنی درویشی سے بھی نہیں ڈرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسی ہزار درہم لائے گئے آپ نے ان سب کو ایک چادر پر پھیلا دیا اور جب تک ان سب کو تقسیم نہ فرمادیا اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا آپ کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔

میں نے متاخرین کے ایک درویش کو دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے اس کے پاس تین ہزار درہم کے برابر خالص سونے کے پترے بھیجے وہ ان پتروں کو لے کر حمام میں گیا وہاں ان سب کو تقسیم کر کے چلا آیا۔ اس سے قبل نوری مذہب کے سلسلہ میں ایثار کے ضمن میں اس قسم کی بکثرت باتیں گزر چکی ہیں۔

واللہ اعلم!

☆☆☆☆☆

باب 23:

ساتواں کشف حجاب: روزے کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ [1] اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ [2] (البقرہ: ۱۸۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ [3] روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ یا میں ہی اس کی جزا ہوں گا۔ (بخاری)

اس لئے کہ روزہ باطنی عبادت ہے جس کا ظاہر سے کوئی تعلق نہیں اور کسی دوسرے کو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ روزہ دار ہے۔ اس بنا پر اس کی جزا بھی بے حد و حساب ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ دخول جنت تو رحمت کے طفیل میں ہوگا۔ اور وہاں درجات عبادت کے صدقہ میں اور ہمیشہ رہنا روزے دار کے لئے

شرح (1): یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے۔ (پ ۲، البقرہ: ۱۸۳)

شرح (2): اس آیت میں روزوں کی فرضیت کا بیان ہے روزہ شرع میں اس کا نام ہے کہ مسلمان خواہ مرد ہو یا حیض یا نفاس سے خالی عورت صبح صادق سے غروب آفتاب تک بہ نیت عبادت خورد و نوش و مجامعت ترک کرے (عالمگیری وغیرہ) رمضان کے روزے ۱۰ شعبان ۲ ھ کو فرض کئے گئے (درمختار و خازن) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے عبادت قدیمہ ہیں۔ زمانہ آدم علیہ السلام سے تمام شریعتوں میں فرض ہوتے چلے آئے اگرچہ ایام و احکام مختلف تھے مگر اصل روزے سب امتوں پر لازم رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (3): (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ الحدیث ۷۴۹۲، ص ۶۲۴) (مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، رقم ۱۱۵۱، ص ۵۸۰)

ہوگا۔[4] کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الصوم نصف الطریقة روزہ آدھی طریقت ہے۔

بکثرت مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور بعض مشائخ کو دیکھا کہ وہ صرف ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھتے تھے۔ ان کا یہ عمل اس لئے تھا کہ رمضان کے روزے سے ثواب حاصل ہو اور ماسوٰی دنوں میں روزہ نہ رکھ کر ریاکاری سے محفوظ رہیں۔ میں نے ایسے مشائخ کو بھی دیکھا ہے کہ جن کو روزہ دار ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ روزے سے ہیں۔ اگر کوئی کھانا سامنے لے آتا تو کھا بھی لیتے (اور نفل روزہ افطار کر لیتے تاکہ روزہ دار ہونا معلوم نہ ہو) یہ طریقت سنت کے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ایک دن ان کے یہاں تشریف لائے تو دونوں نے عرض کیا:

اَنَا خَبَّأْنَا لَكَ حَيْسًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَا اِنِّيْ كُنْتُ اُرِيْدُ الصَّوْمَ وَلٰكِنْ قَرِّبِيْهِ سَاَصُوْمُ يَوْمَ مَكَانِهٖ[5] یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے آپ کے لئے گوشت پکایا ہے حضور نے فرمایا میں نے تو آج روزے کا ارادہ کیا تھا لیکن لاؤ میں اس کے بدلے کا روزہ رکھ لوں گا۔[6] (بخاری)

شرح (4): سرورِ دو عالم انے ارشاد فرمایا، جنت میں کوئی بھی (محض) اپنے عمل کی وجہ سے داخل نہ ہو سکے گا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے دریافت کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی؟ (عاجزی کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا، ہاں میں بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ دے۔

(طبرانی اوسط، ج ۶، ص ۶۳، رقم الحدیث ۵۸۰۰۴، مطبوعہ عمان۔ اردن)

شرح (5): (مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳، ص ۳۰۳)

شرح (6): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ یا نماز شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ اور فرماتا ہے: فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنی اہل کتاب نے نیک اعمال شروع کیے انہیں نبھایا نہیں۔ معلوم ہوا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں نے احادیث میں دیکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں میں (7) اور محرم کے دس دنوں میں روزے رکھا کرتے (8) اور ماہِ رمضان اور شعبان میں بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیکی شروع کر کے پوری کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دے تو اس کی قضاء واجب ہے ان دو گزشتہ آیتوں کی وجہ سے اور اس حدیث کی وجہ سے جو بروایت حضرت عائشہ صدیقہ آگے آرہی ہیں اور نفلی حج وعمرہ پر قیاس کی وجہ سے کہ یہ دونوں چیزیں احرام باندھتے ہی واجب ہوجاتی ہیں کہ اگر انہیں پورا نہ کر سکے تو قضاء کرنا واجب ہے۔ خیال رہے کہ نفلی روزہ اور نمازیں بلا عذر توڑنا ناجائز ہیں، دعوت اور مہمان کی آمد بھی عذر ہیں یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ توڑنا عذرًا تھا یعنی کئی روز سے کھانا ملاحظہ نہ فرمایا اور اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے اس روزے کی قضا نہ کی لہذا یہ حدیث نہ شافعیوں کی دلیل ہے نہ مالکیوں کی اور نہ حنفیوں کے خلاف۔ (مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج ۳، ص ۳۰۳)

شرح (7): ایام بیض میں روزہ رکھنے کا ثواب

حضرتِ سیدنا عبدالملک بن قتادہ رضی اللہ تعالی عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خاتم المُرسَلین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلمین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، سراج السالکین، مَحبوبِ ربُّ العٰلمین، جنابِ صادق وامین صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہمیں ایامِ بیض یعنی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ پوری زندگی کے روزوں کی طرح ہیں۔ (سنن ابی داوٗد، کتاب الصوم، باب فی صوم الثلاث من کل شھر، رقم ۲۴۴۹، ج ۲، ص ۴۸۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ہمیں ایام بیض کے تین روزے رکھنے کا حکم دیا کرتے اور فرمایا کرتے، یہ ایک مہینے کے روزوں کے برابر ہے۔

(سنن انسائی، کتاب الصیام، باب کیف یصوم ثلاثۃ ایام من کل شھر، ج ۴، ص ۲۲۴)

حضرتِ سیدنا جریر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت، مَخزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت، مَحبوبِ رَبُّ العزت، محسنِ انسانیت صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، ہر مہینے میں تین دن کے روزے یعنی تیرہویں چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے ساری زندگی کے روزوں کے برابر ہیں۔

(سنن نسائی، کتاب الصیام، باب کیف یصوم ثلاثۃ ایام من کل شہر، ج ۴، ص ۲۲۱)

شرح (8): یوم عاشوراء کے روزے کا ثواب

حضرتِ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ والا تَبار، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روزے رکھتے تھے۔ (9) حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آپ داؤدی روزے رکھا کرتے اور اسے خیر الصیام فرمایا کرتے تھے۔ داؤدی روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن افطار کرے۔ (10)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہم بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شُمار، دوعالَم کے مالک ومختار، حبیبِ پروردگار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عاشوراء کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا، یہ روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ، رقم ۱۱۶۲، ص ۵۹۰)

حدیثِ مبارکہ میں ہے: رمضان المبارک کے بعد افضل روزے محرم کے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم، الحدیث ۲۷۵۶، ص ۸۶۶)

شرح (9): آقا شعبان کے اکثر روزے رکھتے تھے

بخاری شریف میں ہے: حضرتِ سَیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہ رکھا کرتے بلکہ پُورے شعبان ہی کے روزے رکھ لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے: اپنی اِستطاعت کے مطابق عمل کرو کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اُس وَقت تک اپنا فَضل نہیں روکتا جب تک تم اُکتا نہ جاؤ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۴۸ حدیث ۱۹۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حدیثِ پاک کی شرح

شارِحِ بخاری حضرتِ علّامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہِ القوی اِس حدیثِ پاک کے تحت لکھتے ہیں: مراد یہ ہے کہ شعبان میں اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے اسے تَغلِیباً (غلبے اور زِیادت کے لحاظ سے) کل سے تعبیر کردیا۔ جیسے کہتے ہیں: فُلاں نے پوری رات عبادت کی جب کہ اس نے رات میں کھانا بھی کھایا ہو اور ضَروریات سے فراغت بھی کی ہو، یہاں تَغلِیباً اکثر کو کل کہہ دیا۔ مزید فرماتے ہیں: اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ شعبان میں جسے قُوَّت ہو وہ زیادہ سے زیادہ روزے رکھے۔ البتّہ جو کمزور ہو وہ روزہ نہ رکھے کیونکہ اس سے رَمضان کے روزوں پر اثر پڑے گا، یِہی مَحمَل (یعنی مراد و مقصد) ہے ان احادیث کا جن میں فرمایا گیا کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھو۔ (ترمذی حدیث ۷۳۸)

(نزہۃ القاری ج ۳ ص ۳۷۷، ۳۸۰ فرید بک اسٹال مرکز الاولیاء لاہور)

شرح (10): حضرتِ سَیِّدُنا داؤد، عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے تھے۔ اس طرح روزے رکھنا صَومِ داؤدی کہلاتا ہے اور ہمارے لئے یہ افضل ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک مرتبہ شیخ احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں گیا تو ایک طباق حلوے کا ان کے پاس رکھا ہوا تھا اور وہ اس سے تناول کر رہے تھے مجھے اشارہ کر کے فرمایا کھاؤ۔ میں نے بچپن کی عادت کے مطابق کہہ دیا کہ میں روزے سے ہوں فرمایا کیوں روزہ رکھتے ہو؟ میں نے کہاں فلاں بزرگ کی موافقت میں روزے رکھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ کسی مخلوق کی کوئی مخلوق متابعت کرے۔ میں نے ارادہ کیا کہ روزہ افطار لوں۔ انہوں نے فرمایا جب تم نے فلاں بزرگ کی متابعت ترک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اب میری بھی موافقت نہ کرو۔ کیونکہ میں بھی ایک مخلوق ہوں۔

روزے کی حقیقت:

روزے کی حقیقت رکنا ہے، اور پوری طریقت اس میں پنہاں ہے۔ (11) روزے میں ادنیٰ درجہ، بھوکے رہنا ہے کیونکہ اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ بھوکا رہنا زمین پر خدا کا طعام ہے بھوکے رہنے کو شریعت اور عقل دونوں پسند کرتے ہیں۔

ہر مسلمان، عاقل، بالغ، تندرست و مقیم پر صرف ایک ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں جو رمضان کا چاند دیکھنے سے شوال کا چاند دیکھنے تک ہیں۔ ہر روزے کے لئے نیت درست اور ادائیگی میں صدق و اخلاص ہونا چاہئے۔

رکے رہنے کے شرائط بہت ہیں۔ مثلاً معدے کو کھانے پینے سے روکے رکھا اور آنکھ کو شہوانی نظر، کان کو غیبت سننے، زبان کو بیہودہ اور فتنہ انگیز باتیں کرنے اور جسم کو دنیاوی اور مخالفت حکم الٰہی سے روکے رکھنا روزہ ہے جب بندہ ان تمام شرائط کی پیروی کرے گا تب وہ حقیقۃً روزے دار ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب روزہ رکھے تو اپنے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور جسم کے ہر عضو کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جیسا کہ رسولُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: افضل روزہ میرے بھائی داود (علیہ السلام) کا روزہ ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دِن نہ رکھتے اور دشمن کے مقابلے سے فرار نہ ہوتے تھے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷ حدیث ۷۷۰)

شرح (11): کیونکہ روزے کا مقصد خواہش سے رُکنا ہے اور (طریقت میں) یہ چیز کھانے پینے سے رُکنے پر ہی محدود نہیں ہو سکتی، کہ وہ کسی کو شہوت کی نظر سے دیکھ لے، غیبت کرے، چغلی کھائے یا جھوٹ بولے یہ تمام چیزیں روزے کو توڑ دیتی ہیں۔

روزہ رکھے بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کا روزہ کچھ فائدہ مند نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ وہ بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''احبس حواسک'' اپنے حواس کو قابو میں رکھو۔ یہ مکمل مجاہدہ ہے۔ [12] اس لئے کہ تمام علوم کا حصول انہی پانچ دروازوں سے ہوتا ہے دیکھنے سے، سونگھنے سے، چکھنے سے، سننے سے اور چھونے سے۔ یہ پانچوں حواس، علم و عقل کے سپہ سالار ہیں۔ اول چار کے لئے تو ایک مخصوص جگہ ہے۔ لیکن پانچواں تمام بدن کے حصہ میں پھیلا ہوا ہے۔ آنکھ جو دیکھنے کی جگہ ہے وہ رنگ و بشرے کو دیکھتی ہے اور کان جو سننے کی جگہ ہے وہ خبر اور آوازوں کو سنتا ہے اور زبان، ذائقہ اور چکھنے کا مقام ہے وہ مزہ اور بے مزہ کو پہچانتی ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے جو خوشبو و بدبو کا ادراک کرتی ہے اور لمس یعنی چھونے کے لئے کوئی مقام خاص نہیں ہے بلکہ تمام جسم میں اس کا ادراک پھیلا ہوا ہے۔ انسان کے تمام اعضا میں نرمی و گرمی، سختی و سردی کا احساس ہوتا ہے۔ کوئی علم ایسا نہیں ہے جسے انسان معلوم کرنا چاہے مگر وہ انہیں پانچ دروازوں سے ہی حاصل کرتا ہے۔ بجز بدیہی باتوں اور حق تعالیٰ

شرح (12): روزے کے درجات کا بیان:

جان لو! روزے کے تین درجے ہیں: (۱) عوام (یعنی عام لوگوں) کا روزہ (۲) خواص (یعنی خاص لوگوں) کا روزہ (۳) خاص الخاص کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ پیٹ اور شرمگاہ کو خواہش کی تکمیل سے روکنا ہے۔

خاص لوگوں کا روزہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضاء کو گناہوں سے روکنا ہے۔

خاص الخاص کا روزہ دل کو تمام بُرے خیالات اور دنیاوی افکار بلکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے بالکل خالی کردینا ہے۔

اور روزہ ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو روزے کے منافی ہو۔

نُور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذی وقار ہے: پانچ چیزیں روزہ دار کے روزے کو توڑ دیتی ہیں: جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم اور شہوت کی ساتھ کسی کو دیکھنا۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب الخاء، الحدیث ۲۸۰۱، ج ۱، ص ۳۷۷)

کے الہام کے۔ کیونکہ نہ ان میں آفت جائز ہے اور نہ ان کے لئے پانچوں حواسوں کی ضرورت ہے۔[13]
ان پانچوں حواس کے لئے صفائی اور کدروت دونوں صفتیں ہیں۔ جس طرح علم و عقل اور روح کے لئے قدرت اور دخل ہے اسی طرح نفس و ہوا کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ یہ طاعت و معصیت اور سعادت و شقاوت کے درمیان سبب آلہ مشترک ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی ولایت واختیار سمع و بصر میں یہ ہے کہ وہ سچی بات سنے اور دیکھے۔ اسی طرح نفس و ہوا کی ولایت واختیار یہ ہے کہ وہ جھوٹی بات سننے اور شہوانی نظر سے دیکھنے کے خواستگار رہے اور ذائقہ و شامہ میں ولایت حق یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی کی موافقت اور سنت مصطفوی ﷺ کی متابعت میں کارفرما ہو۔ اسی طرح نفس، فرمانِ حق کی مخالفت اور شریعت سے منافرت کا طلب گار رہے۔ اس لئے روزے دار کو لازم ہے کہ اپنے حواسوں کو قابو میں رکھے تاکہ مخالفت کے مقابلہ میں موافقت کا ظہور ہو اور وہ صحیح معنی میں روزے دار ہو۔ ورنہ کھانے پینے کا روزہ تو بچے بھی رکھ لیتے ہیں اور بوڑھی عورتیں بھی رکھتی ہیں حالانکہ روزہ کا حقیقی مقصد نفسانی خواہش اور دنیاوی کھیل کود سے بچنا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلۡنَا هُمۡ جَسَدًا لَّا يَأۡكُلُونَ الطَّعَامَ[14] (الانبیآء: ۸) کیا ہم نے پیغمبروں کے جسموں کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور فرمایا: اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا[15] (النور: ۱۱۵) کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر طبیعت کو کھانے کا حاجت مند بنایا اور ہر مخلوق کے لئے اس کی خاطر حیلہ بہانا پیدا فرمایا۔ لہٰذا رکنا تو کھیل کود اور حرام چیزوں سے چاہئے نہ کہ حلال چیزوں کے کھانے سے۔ مجھے حیرت تو اس شخص پر ہوتی ہے جو کہتا ہے کہ میں نفلی روزہ رکھتا ہوں حالانکہ وہ فرائض کی ادائیگی سے غافل ہے۔ چونکہ معصیت نہ کرنا فرض ہے۔ اور نفلی روزہ، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ متصل اور ملحق ہے فَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ قَسۡوَةِ الۡقَلۡبِ لہٰذا جو شخص معصیت سے

شرح (13): حواس سے حواسِ خمسہ مراد ہیں اور ان پانچ حواس یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتوں کو حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۶)

شرح (14): وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ۔

ترجمہ کنز الایمان: اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں۔ (پ ۱۷ الانبیاء: ۸)

شرح (15): اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا۔

ترجمہ کنز الایمان: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا۔ (پ ۱۸ المومنون: ۱۱۵)

بچتا ہے وہ ہر حال میں روزے دار ہے۔ (16)

ارباب علم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جس روز پیدا ہوئے تو وہ روزے سے تھے۔ اور جس دن دنیا سے رحلت فرمائی اس دن بھی روزے دار تھے۔ کسی نے پوچھا یہ کس طرح؟ بیان کیا کہ ان کی پیدائش کا وقت صبح صادق تھا اور شام تک انہوں نے دودھ نہ پیا اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ روزے کی حالت میں تھے۔ یہ بات حضرت ابو طلحہ مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی۔

صوم وصال کا مسئلہ:

صومِ وصال یعنی مسلسل اور پے در پے روزے رکھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ممانعت مروی ہے۔ کیونکہ آپ نے جب صوم وصال رکھا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کی موافقت میں روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تم صوم وصال نہ رکھو کیونکہ اِنِّیْ لَسْتُ كَاَحِدِ كُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّكُمْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ (17) (ابوداؤد) میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں کیونکہ میں تمہارے رب کے حضور رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (18)

شرح (16): پیارے بھائیو! ان لوگوں کی کتنی بڑی بدنصیبی ومحرومی ہے کہ نفلی عبادتیں وریاضتیں کریں، فرائض کے علاوہ نفلی نمازیں پڑھیں، نفلی روزے رکھیں مگر گانوں باجوں، فلموں ڈراموں، غیر عورتوں کو تاکنے جھانکنے اور اَمرَدوں پر بُری نظر ڈالنے جیسے بے حیائی کے کاموں سے باز نہ آئیں۔ یاد رکھئے! ہزاروں سال کی نفلی نمازوں، نفلی روزوں، کروڑوں، اَربوں روپیوں کی نفلی خیراتوں، بہُت سارے نفلی حج اور عمرے کی سعادتوں کے بجائے صِرف ایک گناہِ صَغیرہ سے اپنے آپ کو بچا لینا افضل ہے۔ کیونکہ کروڑوں نفلی کاموں کے ترک پر بھی قِیامت میں عذاب کی کوئی وعید نہیں جبکہ گناہِ صغیرہ سے بچنا واجب اور اس کے اِرتِکاب پر بروزِ قِیامت مؤاخذہ اور سزا کا اِستحقاق ہے۔

شرح (17): (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال... الخ، الحدیث: ۱۹۶۱، ج۱، ص ۶۴۵) (ووسائل الوصول الی شمائل الرسول، الباب السادس فی صفۃ عبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الثانی فی صفۃ صومہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۶۵۔۲۶۸ ملتقطاً)

شرح (18): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ارباب مجاہدہ فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ ممانعت، شفقت و مہربانی کے لئے ہے نہ کہ نہی و ممانعت یا حرام بنانے کے لئے۔ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صوم وصال سنت قولی کے خلاف ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وصال بذات خود نا ممکن و محال ہے اس لئے کہ دن گزر جائے تو رات میں روزہ نہیں ہوتا اور رات کو روزے سے ملائے تو بھی وصال نہیں ہوتا۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کی بابت منقول ہے کہ وہ ہر پندرہ دن کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے اور جب ماہِ رمضان آتا تو عید الفطر تک کچھ نہ کھاتے اس کے باوجود روزانہ رات میں چار سو رکعات نمازیں پڑھا کرتے تھے یہ حال، انسان کی امکانی طاقت سے باہر ہے۔ بجز مشرب الٰہی کے ایسا ہو نہیں سکتا ہے اسی کی تائید سے ممکن ہے اور وہی تائید الٰہی اس کی غذا بن جاتی ہے۔ کسی کے لئے دنیاوی نعمت غذا ہوتی ہے اور کسی کے لئے تائید الٰہی غذا۔

حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ (19) جن کو طاؤس الفقرا اور صاحب لمع کہا جاتا ہے جب ماہِ رمضان آیا تو بغداد پہنچے اور مسجد شعر نیزیہ میں اقامت فرمائی تو ان کو علیحدہ حجرہ دے دیا گیا اور درویشوں کی امامت ان کے سپرد کردی گئی۔ چنانچہ عید تک انہوں نے ان کی امامت فرمائی اور تراویح میں پانچ ختم قرآن کئے۔ ہر رات خادم ایک روٹی ان کے حجرے میں آکر انہیں دے جاتا جب عید کا دن آیا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خیال رہے کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عادۃً کچھ نہ کھائیں اس لیے کہ کھانا موجود نہ ہو تب حضور اقدس پر بھوک کے آثار نمودار ہوتے تھے لیکن اگر عبادۃً نہ کھاتے روزے کی نیت سے تو خواہ کتنا ہی عرصہ نہ کھاتے مطلقاً ضعف نہ ہوتا تھا، اس کے متعلق ارشاد ہے یُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِ مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ حضور انور نور بھی ہیں بشر بھی، روزے میں نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی اور عادۃً نہ کھانے میں بشریت کا ظہور، دیکھو عیسیٰ علیہ السلام پہلے بھی کھاتے پیتے تھے اور قریب قیامت آسمان سے آکر بھی کھائیں گے پئیں گے کیونکہ آپ بشر ہیں مگر آسمان پر قریباً دو ہزار سال سے گئے ہوئے ہیں بغیر کھائے پئے موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نور ہیں، اسی حالت میں حضور انور نے کدال سے وہ سخت پتھر توڑا۔ حدیث کا یہ مطلب میرے مرشد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے خواب میں مجھ کو بتایا۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۸، ص ۱۳۵)

شرح (19): آپ کا وصال ۳۷۸ ہجری میں ہوا۔

وہ نماز پڑھ کر چلے گئے تو خادم نے حجرے میں نظر ڈالی تو تیسوں روٹیاں یونہی اپنی جگہ پر موجود تھیں۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت حفص مصیصی کو میں نے دیکھا کہ وہ ماہِ رمضان میں پندرہ دن کے علاوہ کچھ نہ کھاتے تھے۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں اول سے آخر تک کچھ نہ کھاتے تھے۔ حالانکہ شدید گرمی کا زمانہ تھا اور روزانہ گندم کی مزدوری کو جایا کرتے تھے۔ جتنی مزدوری ملتی تھی وہ سب درویشوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور رات بھر عبادت کرتے تھے نمازیں پڑھتے یہاں تک کہ دن نکل آتا تھا وہ لوگوں کے ساتھ ان کی نظروں کے سامنے رہتے تھے لوگ دیکھا کرتے تھے کہ وہ نہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں رات کو سوتے بھی نہیں۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی بابت منقول ہے کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے مسلسل چالیس چلے کاٹے تھے۔

میں نے جنگل میں ایک بوڑھے کو دیکھا جو ہمیشہ ہر سال دو چلے کاٹتا تھا اور جب حضرت ابو محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے رخصت ہوئے تو میں ان کے پاس موجود تھا انہوں نے اسی (۸۰) دن تک کچھ نہیں کھایا تھا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے نہیں پڑھتی تھی۔ متاخرین کے ایک درویش نے اسی (۸۰) دن رات کچھ نہ کھایا اور نہ کوئی نماز بغیر جماعت کے پڑھی۔

مرو کی بستی میں دو بزرگ تھے ایک کا نام مسعود اور دوسرے کا نام شیخ بو علی سیاہ تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ شیخ مسعود نے دوسرے بزرگ کے پاس کہلا بھیجا کہ یہ دعوے کب تک رہیں گے آؤ ہم چالیس دن ایک جگہ بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں۔ انہوں نے جواب میں کہلوایا آؤ ہم روزانہ تین مرتبہ کھائیں اور چالیس دن تک ایک وضو سے رہیں۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ دشوار ہے۔ جاہل لوگ اس سے تعلق رکھ کر کہتے ہیں کہ صوم وصال جائز ہے اور اطبا اس کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ اب میں اس کی مکمل وضاحت کرتا ہوں تاکہ یہ شبہات رفع ہو جائیں اور اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔

صوم وصال کی وضاحت:

صوم وصال رکھنا بغیر اس کے کہ کسی فرمانِ الٰہی میں خلل واقع ہو کرامت ہے اور کرامت کا محل خاص

ہوتا ہے نہ کہ عام۔ پھر جس کا حکم عام نہ ہو وہ معاملہ ہر جگہ درست نہیں ہوتا کیونکہ اگر کرامت کا اظہار عام ہوتا تو ایمان جبری ہوتا اور عارفوں کے لئے معرفت میں ثواب نہ ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ صاحب معجزہ تھے تو آپ سے صوم وصال (بطور معجزہ) ظاہر ہوا اور اہل کرامت کے لئے، کرامت کے اظہار کی ممانعت ہے اور یہ کہ کرامت میں اخفا شرط ہے جس طرح معجزے کے لئے اظہار شرط ہے۔ یہ فرق معجزہ اور کرامت کے درمیان واضح ہے۔ لہٰذا ہدایت یافتہ کے لئے اتنی ہی وضاحت کافی ہے۔

چلہ کشی کی اصل:

مشائخ طریقت کی چلہ کشی کی اصل، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے متعلق ہے کیونکہ انہوں نے بوقت مکالمہ پہلے چلہ کشی کی [20] اور یہ صحیح ہے کہ مشائخ جب چاہتے ہیں کہ باطن میں رب العزت سے ہم کلام ہوں تو وہ چالیس روز بھوکے رہتے ہیں [21] اور جب تیس دن گزر جاتے ہیں تو مسواک کرتے ہیں اس کے بعد دس روز مزید گزارتے ہیں۔ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ ان کے باطن کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کے لئے جو کچھ ظاہر طور پر جائز ہوتا ہے وہ سب اولیاء پر باطنی طور پر جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے کلام کی سماعت، جب تک طبیعت اپنے حال پر ہے جائز نہیں ہوتی اس لئے چاروں طبائع کو چالیس دن تک کھانا پینا ترک کر کے مغلوب کرتے ہیں تا کہ لطائف روح اور محبت کی صفائی کے لئے

شرح (20): وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقٰتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

ترجمہ کنزالایمان؛ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا۔ (پ۹ الاعراف: ۱۴۲)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔

ترجمہ کنزالایمان؛ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا۔ (پ۱ البقرۃ: ۵۱)

شرح (21): مرقات نے فرمایا کہ ہر غذا اور پانی کا اثر جسم میں چالیس دن تک رہتا ہے جو کوئی چالیس دن اخلاص سے عبادت کرے تو اس کے دل وزبان سے حکمت کے چشمے بہنے لگتے ہیں جو حضور کی چالیس حدیثیں مسلمانوں تک پہنچائے اسے اللہ تعالیٰ محدثین وفقہاء کے زمرہ میں حشر نصیب فرمائے گا، موسیٰ علیہ السلام سے چالیس کا چلہ کرایا گیا، فرماتا ہے: وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ غرض چالیس کے عدد کی عبادات اور گناہوں میں عجیب تاثیر ہے۔ (مرقات)

کامل ولایت حاصل ہو جائے۔ اسی موافقت میں بھوکے رہنے اور اس کی حقیقت کے بیان میں کچھ وضاحت پیش کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق!

فاقہ کشی اور اس کے متعلقات کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ[22] ضرور بالضرور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مال و جان اور پھولوں کی کمی سے آزمائیں گے۔ (البقرہ:۱۵۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

بَطْنٌ جَائِعٌ اَحَبُّ اِلَی اللہِ تَعَالٰی مِنْ سَبْعِیْنَ عَابِدٌ عَاقِلٍ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھوکے کا شکم، ستر عاقل عابدوں سے زیادہ محبوب ہے۔

واضح رہنا چاہئے کہ بھوکا رہنا، تمام امتوں اور ملتوں کے نزدیک قابل تعریف ہے[23] اور بزرگی کی

شرح (22): وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۔

ترجمہ کنزالایمان؛ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ (پ ۲ البقرۃ:۱۵۵)

شرح (23): قُوْتُ الْقُلُوْب میں ہے: بھوک بادشاہ اور شکم سیری غلام ہے، بھوکا عزّت والا اور (زیادہ) پیٹ بھرا ذلیل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا، بھوک سب کی سب عزّت ہے جبکہ پیٹ بھرنا سَراسَر ذِلّت ہے۔ اور بعض اسلاف رَحِمَہُمُ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے، فرمایا، بھوک آخرت کی کُنجی اور زُہد (یعنی دُنیا سے بے رغبتی) کا دروازہ ہے جبکہ پیٹ بھرنا دُنیا کی کُنجی اور (دُنیا کی طرف) رَغبت کا دروازہ ہے۔

(قُوتُ القُلوب ج ۲ ص ۳۳۲)

شرح (24): بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمّت کا بیان:

تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوت، مخزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: بھوک اور پیاس کے ذریعے اپنے نفسوں کے خلاف جہاد کرو، کیونکہ اس کا ثواب اللہ عزَّ وَجلَّ کی راہ میں جہاد کرنے جتنا ہے اور اللہ عزَّ وَجلَّ کو بھوک اور پیاس سے بڑھ کر کوئی عمل پسند نہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علامت۔ کیونکہ ظاہری لحاظ سے بھوکے کا دل زیادہ تیز اور اس کی طبیعت زیادہ پاکیزہ اور تندرست ہوتی ہے خاص کر وہ شخص جو زیادہ پانی تک نہ پئے اور مجاہدے کے ذریعہ تزکیۂ نفس کرے۔ لان الجوع للنفس خضوع وللقلب خشوع اس لئے کہ بھوکے کا جسم متواضع اور دل خشوع والا ہوتا ہے۔ کیونکہ بھوک نفسانی قوت کو فنا کر دیتی ہے۔ (24) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، اللہ کے محبوب، دانائے غیوب، منزہ عن العیوب عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے: لَایَدْخُلُ مَلَکُوْتُ السَّمَاءِ مَنْ مَّلَاءَ بَطْنَہ، ترجمہ: جو شخص اپنے پیٹ کو بھرتا ہے آسمان کے فرشتے اس کے پاس نہیں آتے۔

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِلْبَسُوْا وَاشْرَبُوْا وَکُلُوْا فِیْ اَنْصَافِ الْبُطُوْنِ، فَاِنَّہ، جُزْءٌ مِّنَ النُّبُوَّۃِ

ترجمہ: لباس پہنو اور آدھا پیٹ کھاؤ پیو، بے شک یہ نبوّت کا ایک جزء ہے۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب الالف، الحدیث ۳۳۸/ ۳۳۹، ج ۱، ص ۶۸، بدون واشربوا)

حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور نبیٔ رحمت، شفیع امت، قاسمِ نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَفْضَلُکُمْ مَنْزِلَۃً عِنْدَ اللہِ تَعَالٰی اَطْوَلُکُمْ جُوْعًا وَّ تَفَکُّرًا وَاَبْغَضُکُمْ اِلَی اللہِ کُلُّ نَؤُوْمٍ اَکُوْلٍ شَرُوْبٍ۔

ترجمہ: اللہ عزوجل کے ہاں تم سب سے افضل وہ ہے جو زیادہ بھوکا رہتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے اور سب سے براوہ ہے جو خوب سوتا اور زیادہ کھاتا پیتا ہے۔ (لباب الاحیاء صفحہ ۲۲۳)

شرح (25): بھوک کے دس فوائد

(۱) دل کی صفائی (۲) رِقّتِ قلبی (۳) مساکین کی بھوک کا احساس (۴) آخرت کی بھوک و پیاس کی یاد (۵) گناہوں کی رغبت میں کمی (۶) نیند میں کمی (۷) عبادت میں آسانی (۸) تھوڑی روزی میں کفایت (۹) تندرستی (۱۰) بچا ہوا خیرات کرنے کا جذبہ۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۹۱ تا ۹۶ سے مختصر کرکے)

حجۃ الاسلام حضرت سیدنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ الوالی فرماتے ہیں، بزرگانِ دین رحمھم اللہ المبین فرماتے ہیں، اَلْجُوْعُ رَأْسُ مَالِنَا یعنی بھوک ہمارا بہترین سرمایہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ وَاظْمَئُوْا اَکْبَادَکُمْ وَاَعْرُوْا اَجْسَادَکُمْ لَعَلَّ قُلُوْبَکُمْ تَرَی اللہ عَیَانًا فِی الدُّنْیَا تم اپنے شکموں کو بھوکا، اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے جسموں کو غیر آراستہ رکھو تاکہ تمہارے دل، اللہ تعالیٰ کو دنیا میں ظاہر طور پر دیکھ سکیں۔

اگرچہ بھوک جسم کے لئے بلا ہے مگر دل کے لئے جلا ہے۔ اور اپنے جسموں کو غیر آراستہ رکھنا باطن کے لئے بقا ہے۔ (25) جب باطن، لِقا سے ہمکنار ہو کر جسم مصفا ہو جائے اور دل پر نور ہو تو کیا نقصان؟ شکم سیر ہو کر کھانے میں کوئی بلا نہیں ہے۔ اگر اس میں بلا ہوتی تو جانور شکم سیر ہو کر نہ کھاتے۔ معلوم ہوا کہ شکم سیر ہو کر کھانا جانوروں کا کھانا ہے اور بھوکا رہنا جانوں کا علاج اور یہ کہ بھوک میں باطن کی تعمیر اور شکم سیری میں پیٹ کی تعمیر ہے۔ جو شخص باطن کی تعمیر میں کوشاں رہتا ہے وہ حق تعالیٰ کے لئے خاص ہوتا ہے اور علائق دنیا سے یکسو ہو جاتا ہے۔ بھلا وہ شخص، اس شخص کے کیسے برابر ہو سکتا ہے جس کی زندگی بدن کی تعمیر اور جسم و خواہش کی خدمت میں گزرتی ہو، ایک کے لئے ساری دنیا کھانے کے لئے چاہئے اور دوسرے کے لئے کھانا عبادت کے لئے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کان المتقدمون یاکلون لیعیشوا وانتم تعیشون لتاکلوا الجوع طعام الصدیقین و مسلک المریدین وقید الشیاطین متقدمین کھاتے تھے تاکہ زندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہمیں جو وسعت، سلامتی، عبادت، حلاوت اور علمِ نافع حاصل ہوتا ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے بھوک اور اس پر صبر کرنے کے سبب حاصل ہوتا ہے۔ (منہاج العابدین ص ۱۰۸)

شرح (26): پیارے بھائیو! پیٹ بھر کر کھانا مُباح یعنی جائز ہے مگر اپنے پیٹ کو حرام اور شُبہات سے بچاتے ہوئے حلال غذا بھی بھوک سے کم کھانے میں دین و دنیا کے بے شُمار فوائد ہیں۔ کھانا مُیَسَّر نہ ہونے کی صورت میں مجبوراً بھوکا رہنا کوئی کمال نہیں، وافِر مقدار میں کھانا موجود ہونے کے باوُجود مَحض رِضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کی خاطِر بھوک برداشت کرنا یہ حقیقت میں کمال ہے۔ چُنانچہ روایت ہے، سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار، دوجہاں کے مالِک ومختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اختیاری طور پر بھوک برداشت فرماتے تھے۔

(شُعَبُ الایمان ج ۵ ص ۲۶ حدیث ۵۶۴۰)

معلوم ہوا اِختیاری طور پر بھوک برداشت کرنا ہمارے مکّی مَدَنی آقا، میٹھے میٹھے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سنّت ہے۔

رہیں اور تم زندہ رہتے تھے تاکہ خوب کھاؤ۔ بھوکا رہنا صدیقوں کی غذا، مریدوں کا مسلک اور شیاطین کی قید ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قضاؤ قدر کے تحت حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے دنیا میں تشریف لانا اور قرب الٰہی سے ان کا دور ہونا ایک لقمہ سے تھا۔

فاقہ کشی کی حقیقت:

جو شخص بھوک سے بے قرار ہو در حقیقت وہ بھوکا نہیں ہے اس لئے کہ کھانے والے کی طلب غذا کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جس کا درجہ بھوک ہے وہ غذا کے نہ پانے کی وجہ سے ہے نہ کہ غذا کو چھوڑنے کی وجہ سے اور جو شخص کھانا موجود ہوتے ہوئے نہ کھائے اور بھوک کی تکلیف اٹھائے در حقیقت وہی بھوکا ہے اور شیطان کی قید اور نفسانی خواہش کی بندش بھوکے رہنے ہی میں ہے۔ [26] حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من حکم المرید ان یکون فیہ ثلثۃ اشیاء، نومہ غلبۃ و کلامتہ ضرورۃ واکلہ فاقۃ مرید کی شرط یہ ہے کہ اس میں تین چیزیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ اس کا سونا، غلبہ کے بغیر نہ ہو دوسرے یہ کہ اس کا کلام، ضرورت کے بغیر نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کا کھانا فاقہ کے بغیر نہ ہو۔

بعض مشائخ کے نزدیک کم از کم فاقہ دو دن اور دو راتوں کا ہونا چاہئے اور بعض کے نزدیک تین شبانہ روز اور بعض کے نزدیک ایک ہفتہ اور اور بعض کے نزدیک ایک چلہ کا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محققین کے نزدیک سچی بھوک ہر چالیس شبانہ روز کے بعد ایک مرتبہ ہوتی ہے [27] اور یہ زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس دوران جو بے چینی و بے قراری ظاہر ہوتی ہے وہ طبیعت کی شرارت اور اس کا گھمنڈ ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے کیونکہ اہل معرفت کی رگیں، سراسر اسرارِ الٰہی ہوتی ہیں اور ان کے قلوب حق تعالیٰ کی نظر کرم کی طرف ہوتے ہیں۔ ان کے سینوں میں دلوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور عقل و ہوا، بارگاہِ الٰہی میں پژمردہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ روح، عقل کی مدد کرتی ہے اور نفس ہوا کی۔ جن کی طبیعتیں کثرت غذا سے

شرح (27): حضرتِ سیّدُ نا وَھب بن مُنَبِّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بندہ جس کسی چیز کو چالیس دن تک اپنی عادت بنالے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے (یعنی اُس چیز کو) اس کی طبیعت بنا دیتا ہے۔

(رسالۃ القُشَیریہ ص ۲۴۳)

پرورش پاتی ہیں ان کا نفس قوی ہوتا ہے اور خواہش بڑھتی ہے اور اعضا میں اس کا غلبہ زیادہ پھیلتا ہے اور اس پھیلاؤ سے ہر رگ میں قسم قسم کے حجابات نمودار ہوتے ہیں۔

جب غذا کا طلبگار، نفس سے ہاتھ کھینچتا ہے تو نفس بہت کمزور ہو جاتا ہے اور عقل زیادہ قوی ہو جاتی ہے اور رگوں سے نفسانی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں [(28)] اور اس کے اسرار و براہین زیادہ ظاہر ہونے لگتے ہیں اور جب نفس اپنی حرکتوں سے بے بس ہوتا ہے تو اس کے وجود سے نفسانی خواہش فنا ہو جاتی ہے۔ باطل ارادے، اظہارِ حق میں گم ہو جاتے ہیں تو اس وقت مرید کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری طاعت و معصیت دو شکلوں میں منقسم ہے جب میں کھاتا ہوں تو معاصی کا خمیرا اپنے میں پاتا ہوں اور جب اس سے ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تو تمام طاعتوں کی بنیاد اپنے اندر دیکھتا ہوں۔ بھوکے رہنے کا ثمرہ مشاہدہ ہے جس کا قائد و رہنما مجاہدہ ہے۔ لہٰذا مشاہدے کے ساتھ سیری، مجاہدے کے ساتھ بھوکے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ کیونکہ مشاہدہ جوانمردوں کی رزم گاہ ہے اور مجاہدہ بچوں کا کھیل۔ "فالشبع بشاهدة الحق خير من الجوع بشاهد الخلق" مشاہدۂ حق کے ساتھ سیری، لوگوں کے مشاہدہ کے ساتھ بھوکے رہنے سے بہتر ہے۔ اس بحث میں طویل گفتگو ہے طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

شرح (28): حضور نبی پاک، صاحبِ لَولاک، سیاحِ اَفلاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اس فرمان سے بھی یہی مراد ہے:

اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ

(الزھد الکبیر للبیہقی، الجزء الثانی، فصل فی ترک الدنیا ومخالفۃ النفس والھوی، الحدیث ۳۴۳، ص ۱۵۶-۱۵۷)

ترجمہ: تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے پہلوؤں کے درمیان ہے۔

(نفس سے دُشمنی) نفس سے جہاد کرنا ہے۔ اور نفس کی خواہشات کو توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

باب 24:

آٹھواں کشف حجاب: حج کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا [1] اور اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھیں۔ [2] (ال عمران:۹۷)

فرائض اسلام میں سے ایک مستقل فرض، بیت اللہ کا حج ہے [3] جو بندے پر عقل و بلوغ اور اسلام

شرح (1): وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

(پ ۴ ال عمران:۹۷)

شرح (2): اس آیت میں حج کی فرضیت کا بیان ہے اور اس کا کہ استطاعت شرط ہے حدیث شریف میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر زاد و راحلہ سے فرمائی زاد یعنی توشہ کھانے پینے کا انتظام اس قدر ہونا چاہیے کہ جا کر واپس آنے تک کے لئے کافی ہو اور یہ واپسی کے وقت تک اہل و عیال کے نفقہ کے علاوہ ہونا چاہیے راہ کا امن بھی ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے استطاعت ثابت نہیں ہوتی۔

شرح (3): حج کا بیان

حج ۹ ھ میں فرض ہوا نماز و زکوٰۃ اور روزہ کی طرح حج بھی اسلام کا ایک رکن ہے اس کا فرض ہونا قطعی اور یقینی ہے جو اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا گنہگار اور اس کا ترک کرنے والا فاسق اور عذاب جہنم کا سزاوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔

یعنی حج و عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ (پ2، البقرۃ:196)

احادیث میں حج و عمرہ کے فضائل اور اجر و ثواب کے بارے میں بڑی بڑی بشارتیں آئی ہیں مگر حج عمر میں صرف ایک بار ہی فرض ہے۔

کے بعد صحت قدرت کی حالت میں فرض ہوتا ہے۔ حج کے ارکان، میقات سے احرام باندھنا، عرفات میں ٹھہرنا، اور خانہ کعبہ کی زیارت وطواف وغیرہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ صفاء ومروہ کی سعی کے رکن ہونے میں اختلاف ہے اور بغیر احرام کے حرم کے حدود میں داخل نہ ہونا چاہئے۔ حرم کو اس لئے حرم کہا جاتا ہے کہ یہ مقام ابراہیم علیہ السلام ہے اور امن وحرمت کی جگہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام ہیں۔ ایک مقام آپ کے جسم اقدس کا اور دوسرا مقام آپ کے قلب انور کا۔ جسم کا مقام مکہ مکرمہ ہے اور دل کا مقام، خلت ہے۔ لہٰذا جو شخص آپ کے جسم کے مقام کی زیارت کا ارادہ کرے اس پر لازم ہے کہ وہ تمام لذتوں اور شہوتوں سے منہ موڑ لے اور وہ محرم ہو یعنی ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کئے ہوئے ہو جن کو شریعت نے بیان کیا ہے۔ جسم پر کفن پہنے، حلال شکار سے ہاتھ کھینچے۔ حواس کے تمام دروازوں کو بند کرے۔ اس کے بعد عرفات میں حاضر ہو۔ وہاں سے مزدلفہ، مشعر الحرام جائے پھر وہاں سے سنگریزے چنے پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف کرے اس کے بعد منیٰ آکر تین روز قیام کر کے جمرات پر سنگریزے پھینکے۔ وہاں سر منڈانے اور قربانی دے کر جیسے چاہے کپڑے پہنے۔

جب بندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مقام، خلت ودوستی کا ارادہ کرے اس پر لازم ہے کہ وہ تمام لذتوں اور رغبتوں سے منہ موڑ کر تمام راحتوں کو چھوڑ دے۔ اغیار کے ذکر سے کنارہ کش ہو جائے۔ کیونکہ دنیا کی طرف التفات کرنا خطرناک ہے پھر معرفت کے عرفات میں ٹھہرے اور وہاں سے محبت کے مزدلفہ میں آئے وہاں سے حق سبحانہ کے حرم کے طواف کے لئے سر کو بھیجے اور حرص وخواہش اور دل کے فاسد ارادوں سنگریزوں کو اس امن وسلامتی کی منیٰ میں پھینکے اور نفس کو مجاہدے کے مقام اور اس کی تسخیر گاہ میں قربان کرے تاکہ مقام خلت حاصل ہو۔ لہٰذا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا دشمن اور اس کی تلوار کی زد سے جائے امن وامان میں آجانا ہے اور اس مقام خلت میں داخل ہونا گویا قطعیت اور اس کے متعلقات سے مامون ومحفوظ رہنا ہے۔ (4) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

شرح (4): ہر مرید کو چاہے کہ جب حج کرے تو ٹھکرائے جانے کے خوف سے پختہ نیت کرے اور اس طرح تیاری کرے جیسے واپس نہ آنے کا ارادہ رکھنے والا تیاری کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اچھی صحبت میں بیٹھے، احرام باندھنے کے وقت (گویا) اپنے آپ سے جدا ہو جائے، گناہوں کے ارتکاب سے غسل کرلے، صدق ووفا کا لباس پہن لے، ایسے انداز میں تلبیہ کہے جو اللہ تعالیٰ کی دعوت کے جواب کے موافق ہو، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَلْحَاجُّ وَفْدُ اللهِ يُعْطِيهِمْ مَاسَأَلُوْا وَيَسْتَجِيْبُ لَهُمْ مَادَعُوْا (5) حج کرنے والے خدا کے قاصد (مہمان) ہیں۔ وہ جو مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔

لیکن جو مقام خلت کا طالب ہوتا ہے۔ وہ صرف پناہ چاہتا ہے نہ کچھ مانگتا ہے نہ کوئی دعا کرتا ہے بلکہ حالت تسلیم ورضا پر قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (6) جب خدا نے ان سے فرمایا کہ سر جھکاؤ تو عرض کیا میں نے رب العالمین کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ (البقرہ: ۱۳۱)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام خلت پر فائز ہوئے تو انہوں نے تمام تعلقات سے منہ موڑ کر دل کو غیر سے خالی کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلوے کی برسرِ عام نمائش کر دے اس کے لئے حق تعالیٰ نے نمرود کو مقرر کیا اس نے چاہا کہ ان کے اور ان کے گھر والوں کے درمیان تفریق کرادے۔ چنانچہ نمرود نے آگ جلوائی، ابلیس نے آکر منجنیق بنا کر دی اور اس میں گائے کی کھال کو چلہ میں سیا گیا اواس چلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھایا گیا اس وقت جبریل علیہ السلام آئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور حرم میں ہر اس شے کو خود پر حرام سمجھے جو اسے اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو، اس کی کرسیٔ کرامت کے گرد اپنے دل سے طواف کرے، صفا پر وقوف کے وقت اپنے ظاہر و باطن کو ستھرا کرلے، اپنی نفسانی خواہشات سے بھاگے، اللہ تعالیٰ سے ناجائز امیدیں نہ رکھے، عرفہ میں اپنی خطاؤں کا اعتراف کرے، مزدلفہ میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے، شیطانوں کو کنکریاں مارتے وقت اپنی خواہشات کو بھی کنکریاں مارے، اپنی نفسانی خواہشات کو ذبح کر ڈالے اور گناہوں کو مُنڈ واڈالے، اور اللہ کی تعظیم کی خاطر بیت اللہ کا دیدار کرے، اس کی قضاء پر راضی رہتے ہوئے حجر اسود کو بوسہ دے، اور طواف وداع میں اللہ عزوجل کے سوا سب کو چھوڑ دے۔

شرح (5): (الترغیب والترہیب، کتاب الحج، باب الترغیب فی النفقۃ فی الحج والعمرۃ، رقم ۴، ج ۲، ص ۱۱۳)

شرح (6): اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

ترجمہ کنزالایمان؛ جبکہ اس سے اس کے رب نے فرمایا گردن رکھ عرض کی میں نے گردن رکھی اس کے لئے جو رب ہے سارے جہان کا (پ ۱ البقرۃ: ۱۳۱)

اور منجنیق کا چلہ پکڑ کر عرض کرنے لگے: هَلْ لَكَ الی من حاجة کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے؟ حضرت خلیل اللہ نے فرمایا: اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کیجئے؟ فرمایا: حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ اللہ تعالیٰ میری عرض سے بے نیاز ہے وہ میرے حال کو جانتا ہے۔ حضرت خلیل اللہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ مجھے اسی کی راہ میں آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ میرے حال پر اس کا علم، میرے عرض وسوال کا محتاج نہیں ہے۔ (7)

حضرت محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا میں اس کے گھر کو تلاش کرتا ہے وہ اپنے دل کے اندر اس کے مشاہدے کی خواہش کیوں نہیں کرتا۔ گھر کی طلب میں ممکن ہے کہ وہ گھر کو پا جائے اور ممکن ہے کہ وہ گھر کو نہ پا سکے۔ حالانکہ مشاہدے کی طلب تو ہر حال میں رہنی چاہئے۔ اگر اس پتھر کی عمارت کی زیارت، جس پر سال میں ایک مرتبہ نظر پڑتی ہے فرض کر دی گئی ہے تو وہ دل جس پر شبانہ روز تین سو ساٹھ مرتبہ نظر پڑتی ہے اس کی زیارت تو بدرجہ اولیٰ کرنی چاہئے۔ بایں ہمہ محققین

شرح (7): حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توکل:

روایت ہے کہ جب نمرود نے اپنی ساری قوم کے روبرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تو زمین و آسمان کی تمام مخلوقات چیخ مار مار کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگیں کہ خداوند! تیرے خلیل آگ میں ڈالے جا رہے ہیں اور اُن کے سوا زمین میں کوئی اور انسان تیری توحید کا علمبردار اور تیرا پرستار نہیں، لہٰذا تو ہمیں اجازت دے کہ ہم ان کی امداد و نصرت کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم میرے خلیل ہیں اور میں اُن کا معبود ہوں تو اگر حضرت ابراہیم تم سبھوں سے فریاد کر کے مدد طلب کریں تو میری اجازت ہے کہ سب ان کی مدد کرو۔ اور اگر وہ میرے سوا کسی اور سے کوئی مدد طلب نہ کریں تو تم سب سن لو کہ میں ان کا دوست اور حامی و مددگار ہوں۔ لہٰذا تم اب اُن کا معاملہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ اس کے بعد آپ کے پاس پانی کا فرشتہ آیا اور کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں پانی برسا کر اس آگ کو بجھا دوں۔ پھر ہوا کا فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں زبردست آندھی چلا کر اس آگ کو اڑا دوں تو آپ نے ان دونوں فرشتوں سے فرمایا کہ مجھے تم لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہی میرا بہترین کارساز ہے وہی جب چاہے گا اور جس طرح اس کی مرضی ہوگی میری مدد فرمائے گا۔ (صاوی، ج ۴، ص ۱۳۰۷، پ ۱۷، الانبیاء: ۶۸)

کے نزدیک مکہ کے راستے میں ہر قدم پر نیکی ہے اور جب وہ حرم میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ ہر قدم کے عوض ایک خلعت پاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جسے عبادت کا اجر و ثواب دوسرے دن ملے تو اس سے کہہ دو کہ آج عبادت نہ کرے۔ حالانکہ عبادت و مجاہدے کے ہر سانس پر تو فی الحال ثواب ملتا ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ پہلے حج میں میں نے خانہ کعبہ کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور دوسری مرتبہ میں نے خانہ کعبہ کے ساتھ اس کے مالک کو بھی دیکھا لیکن تیسری مرتبہ میں صرف خانہ کعبہ کے مالک ہی کو دیکھ سکا اور خانہ کعبہ نظر نہیں آیا۔

غرض یہ کہ جو حرم میں داخل ہو جاتا ہے وہ تعظیم کا مشاہدہ کرتا ہے اور جسے سارا جہان قربت کی میعاد، اور محبت کی خلوت گاہ نظر نہ آئے وہ ابھی محبت و دوستی کی منزل سے بہت دور ہے۔ چونکہ جب بندہ مشاہدہ میں ہوتا ہے تو اس کے لئے سارا جہان حرم ہو جاتا ہے اور جب بندہ محجوب ہو تو اس کے لئے حرم بھی جہان میں تاریک تر جگہ معلوم ہوتی ہے:

اظلم الاشیاء دار الحبیب بلا حبیب سب سے تاریک گھر وہ ہے جو گھر محبوب سے خالی ہو۔

لہٰذا مقام خلت میں مشاہدے کی قیمت، اپنے وجود کی فنا سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی دید کو اس کا سبب بنایا ہے نہ کہ اس کی قیمت۔ (8) بایں ہمہ مسبب کو ہر سبب کے ساتھ تعلق رکھنا

شرح (8): پاک ہے وہ ذات جس نے کعبہ مشرّفہ کو شان و شوکت عطا فرمائی اور اسے اپنی عظمت اور جلال کے ساتھ خاص کیا اور اسے داخل ہونے والوں کے لئے امن والا گھر بنا دیا۔ اور یہ وہی مبارک گھر ہے جس سے اللہ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب عزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہجرت فرمائی مگر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اسے چھوڑا، نہ اس سے تعلق توڑا اور نہ ہی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا دل اس سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف متوجہ ہوا یہاں تک کہ اللہ عزَّ وَجَلَّ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں جنہیں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے سنا اور تلاوت فرمایا: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ترجمۂ کنز الایمان: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۴۴)(۱) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چاہئے کیونکہ کسی کو پتہ نہیں کہ عنایت الٰہی کس مقام سے اس کی طرف توجہ فرمائے۔ کہاں سے اس کا ظہور ہو اور طالب کی مراد، کس جگہ سے نمودار ہو۔ لہٰذا جوانمردوں کی مراد، قطع بیابان اور صحرانوردی سے ہی ہے۔ نہ کہ عین حرم۔ کیونکہ دوست کے لئے تو محبوب کے گھر یعنی حرم کا دیکھنا حرام ہے۔ بلکہ مجاہدے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے ہر شوق میں بے قراری اور بے چینی ہمیشہ قائم رہے۔

ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ حج کر کے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا حج کر لیا؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا جب تم اپنے مکان سے چلے، وطن سے کوچ کیا اس وقت کیا تم نے گناہوں سے بھی کوچ کر لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا پھر تم نے کوچ ہی نہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا جب تم گھر سے چلے اور ہر منزل میں رات کو قیام کیا تو کیا تم نے راہِ حق کا قیام بھی طے کیا؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تم نے کوئی منزل طے نہیں کی۔

پھر فرمایا جب تم نے میقات سے احرام باندھا تو کیا تم بشری صفات سے جدا ہو گئے تھے؟ جیسے کہ تم کپڑوں سے جدا ہوئے تھے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا تو تم محرم بھی نہ ہوئے۔ پھر فرمایا جب تم نے عرفات میں وقوف کیا تھا تو کیا مجاہدے کے کشف میں بھی وقوف کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا تمہیں عرفات کا وقوف بھی میسر نہ آیا پھر فرمایا جب تم مزدلفہ میں اترے تھے اور تمہاری مراد بر آئی تھی تو کیا تم نے تمام نفسانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اللہ عزَّ وَجَلَّ بیت اللہ شریف کی عظمت وشان یوں بیان فرماتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا راہنما۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابرٰہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اِس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ (پ4، اٰل عمران: 96-97)

حضرتِ سیِّدُنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اس آیت مبارکہ میں بَیْت سے مراد کعبۃ اللہ شریف ہے۔ جس کو اللہ عزَّ وَجَلَّ نے بیتُ المعمور کی سیدھ میں زمین میں رکھا۔

خواہشوں کو چھوڑ دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا بس تو مزدلفہ کا نزول بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا تو کیا تم نے اپنے سر کی آنکھوں سے مقام تنزیہہ میں حق تعالیٰ کے جمال کے لطائف کو بھی دیکھا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا بس تو طواف بھی حاصل نہیں ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے صفاؔ ومروؔہ کے درمیان سعی کی تھی تو صفا کے مقام اور مروہ کے درجہ کا ادراک کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا ابھی سعی بھی نصیب نہ ہوئی پھر فرمایا جب منیٰ میں آئے تھے تو کیا تمہاری ہستیاں تم سے جدا ہو گئی تھیں؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا ابھی تم منیٰ بھی نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا جب قربان گاہ میں تم نے قربانی کی تھی اس وقت نفسانی خواہشوں کی بھی تم نے قربانی کی تھی؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا بس تو قربانی بھی نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا جب تم نے جمرات پر سنگریزے پھینکے تھے اس وقت تمہارے ساتھ جو نفسانی تمنائیں تھیں کیا ان سب کو بھی پھینک دیا تھا۔ اس نے کہا نہیں، فرمایا تم نے سنگریزے بھی نہیں پھینکے اور حج بھی نہیں کیا۔ جاؤ ان صفات کے ساتھ پھر حج کرو۔ تا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام تک رسائی ہو۔

میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے رو رہے تھے اور یہ اشعار ورد زبان تھے:

واصبحت یوم النحر والعیر ترحل
وکان حدی الحادی ینادی و معجل

قربانی کے دن میں نے صبح کی جب کہ سفید اونٹ کوچ کر رہے تھے
اور حدی خوانوں کے ساتھ حدی تھی جو بلا رہے تھے اور جلدی کر رہے تھے

وانا سائل عن سلمیٰ فھل من مخبر
بان له علماً بھا این تنزل

اور میں سلمیٰ کے متعلق دریافت کر رہا تھا کہ کیا کوئی خبر دینے والا ہے
جسے معلوم ہو کہ کہاں پر اترنا ہے

لقد افسدت حجی ونسکی وعمرتی
وفی البین لی شغل عن الحج مشغل

یقیناً میرا حج اور میری قربانی اور عمرہ برباد ہو گئے
چونکہ میرے لئے جدائی میں رکاوٹ ہے جو حج سے مجھے روکے ہوئے ہے

سارجع من عام لحجة قابل
فان الذی قد کان لا یتقبل
آئندہ سال دوبارہ حج کے لئے آؤں گا کیونکہ اس کی
حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نامقبول ہوا

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے موقف میں ایک جوان کو سر جھکائے کھڑا دیکھا۔ تمام لوگ تو دعائیں مانگ رہے تھے مگر وہ خاموش کھڑا تھا۔ میں نے اس سے کہا اے نوجوان تم دعا کیوں نہیں مانگتے اور اظہارِ مسرت کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا وحشت ہو رہی ہے کہ جو وقت میں رکھتا تھا وہ مجھ سے ضائع ہو گیا ہے اب میرا منہ دعا مانگنے کے قابل نہیں رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہیں دعا مانگنی چاہئے تھی ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کے مجمع کے طفیل تمہیں تمہاری مراد عطا فرما دے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس نوجوان نے ارادہ کیا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے مگر اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ گر پڑا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو منیٰ میں بیٹھے دیکھا۔ سب لوگ تو اپنی اپنی قربانیوں میں مشغول تھے مگر میں اس فکر میں تھا کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے؟ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ اے خدا، تمام لوگ تو جانوروں کی قربانی دے رہے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کی قربانی تیرے حضور پیش کروں تو اسے قبول کر، یہ کہہ کر نوجوان نے انگشت شہادت کا اشارہ اپنے حلقوم پر کیا اور وہ گر پڑا۔ جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔

واضح رہنا چاہئے کہ حج کی دو قسمیں ہیں۔ ایک غیبت میں دوسرے حضور میں! چنانچہ مکہ کا حج غیبت میں ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ اپنے گھر میں غیبت میں تھا۔ اس لئے کہ ایک غیبت دوسری غیبت سے بہتر نہیں ہوتی اور جو اپنے گھر میں حضور میں ہو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ مکہ میں حاضر ہے۔ اس لئے کہ کوئی حضور دوسرے حضور سے بہتر نہیں اور حج، کشف مجاہدہ کے لئے ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ، مشاہدے کی علت نہیں ہوتا بلکہ اس کا سبب ہوتا ہے۔ معانی کی حقیقت میں، سبب کچھ زیادہ موثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا حج کا مقصود، خانہ کعبہ کا دیدار نہیں ہے بلکہ کشف کا مقصود، مشاہدہ ہے۔ اب میں مشاہدہ کا عنوان قائم کر کے اس کے معانی کو بیان کرتا ہوں تاکہ حصول مقصد میں آسانی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب!

مشاہدہ کا بیان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ، دَعُوا الْحِرْصَ وَاَعَرُّوْا اَجْسَادَکُمْ وَاقْصِرُوا الْاَمَلَ وَاَظْمَاُوْا اَکْبَادَکُمْ دَعُوا الدُّنْیَا لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللہ بِقُلُوْبِکُمْ اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، لالچ کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، خواہشوں کو کم کرو دل و جگر کو پیاسا رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرو تا کہ تمہارے دل اللہ کا مشاہدہ کر سکیں۔

نیز حدیث جبریل میں ان کے سوال کے جواب میں فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللہ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ (9) تم خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کا مشاہدہ کر رہے ہو اگر ایسا نہ کر سکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (10)

شرح (9): (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۲، کتاب الایمان) (الترغیب والترھیب، کتاب الادب، باب فی الصمت الاعن خیر، رقم ۳۰، ج ۳، ص ۳۴۱)

شرح (10): اس سلسلے میں اللہ (عزوجل) کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں چنانچہ رب کائنات کا فرمان ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ ۚ

ترجمہ کنزالایمان: تو کیا وہ ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے (پارہ ۱۳، سورہ رعد، آیت ۳۳)

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللہ یَرٰی ○

ترجمہ کنزالایمان: تو کیا حال ہوگا کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے (پارہ ۳۰، سورہ علق، آیت ۱۴)

اِنَّ اللہ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○

ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے (پارہ ۴، سورہ النساء، آیت ۱)

اور ارشاد خداوندی (عزوجل) ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ:

يَا دَاوُدُ اَتَدْرِىْ مَامَعْرِفَتِىْ قَالَ لَاقَالَ هِىَ حَيَاتُ الْقَلْبِ فِىْ مُشَاهَدَتِىْ

''اے داؤد تم جانتے ہو کہ میری معرفت کیا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا وہ دل کی زندگی ہے جو میرے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے۔''

مشائخ طریقت کے نزدیک، عبادت سے مراد، چشم قلب سے مشاہدہ کرنا ہے گویا وہ بے کیف وکم، خلوت وجلوت میں چشم دل سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت ابوالعباس بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ:

ان الذين قالوا ربنا الله بالمجاهدة ثم استقاموا على بساط المشاهدة جنہوں نے مجاہدے میں کہا ہمارا رب اللہ ہے تو وہ مشاہدے کے فرش پر استقامت رکھتے ہیں۔

مشاہدے کی حقیقت کی دوصورتیں ہیں۔ ایک صحت یقین دوسرے ایسا غلبہ محبت جس سے ایسا درجہ حاصل ہوجائے کہ مکمل طور پر دوست کی ہر بات میں وہی نظر آئے اور اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

مارأيت شيئا قط الاورأيت الله فيه اى بصحة اليقين میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں ۔ (پارہ ۲۹، سورہ معارج، آیت ۳۳-۳۲)

اللہ (عزوجل) کو دیکھتے رہو:

منقول ہے کہ حضرت سیدنا ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہا کرو اس نے عرض کیا اس کی وضاحت فرمائیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمیشہ اس طرح رہو کہ گویا تم اللہ (عزوجل) کو دیکھ رہے ہو۔

اسی ضمن میں حضرت سیدنا عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب میرا سردار میرا نگہبان ہے تو مجھے کسی اور کی پرواہ نہیں۔

ایسے ہی حضرت سیدنا ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس راستے میں انسان جو چیزیں اپنے اوپر لازم کرتا ہے ان میں سے افضل ترین عمل محاسبہ اور مُراقبہ اور اپنے عمل کو علم کے مطابق بنانا ہے۔

سوائے اس کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ صحت یقین کے ساتھ ہوتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

مارأیت اللہ شیئا ورأیت اللہ فیہ میں نے خدا کے سوا کچھ نہ دیکھا ہر شئی میں پہلے خدا کا جلوہ ہی نظر آتا ہے۔

یہ حالت اس مشاہدے کی ہے جن کو مخلوق میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

مارأیت اللہ شیئا قط الا اللہ بغلبات المحبتہ و غلیان المشاھدۃ کوئی چیز اللہ کے سوا مجھے نظر آتی ہی نہیں یعنی یہ حالت غلبہ محبت اور مشاہدے کے جوش کی وجہ سے ہے۔

معلوم ہوا کہ کوئی فعل کو دیکھتا ہے اور اس فعل کی دید میں بچشم سر، فاعل کو دیکھتا ہے اور کوئی بچشم سر فعل کی رویت میں، فاعل کی محبت میں ایسا فنا ہوتا ہے کہ اسے تمام اشیاء حتیٰ کہ اپنے وجود میں بھی فاعل ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا یہ پہلا طریقہ استدلال ہے اور دوسرا طریقہ جذباتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک استدلال کرتا ہے تا کہ اثبات دلائل سے حق اس پر عیاں ہو جائے اور دوسرا جذب وشوق میں مغلوب اور وارفتہ ہوتا ہے اور اسے دلائل وحقائق حجاب نظر آتے ہیں۔

لان من عرف شیئا لا یطمئن غیرہ ومن احب شیئا لا یطالع غیرہ فیترک المنازعۃ مع اللہ والاعتراض علیہ فی احکامہ وافعالہ اس لئے کہ جو کچھ معرفت رکھتا ہے وہ غیر سے چین نہیں پاتا اور جو محبت رکھتا ہے وہ غیر کو نہیں دیکھتا لہٰذا وہ فعل پر جھگڑتا نہیں کہ وہ جھگڑالو بنے اور نہ اس کے فعل وحکم پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ متصرف بنے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کے ذریعہ ان کے معراج کی خبر ہمیں دی اور فرمایا:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی مِنْ شِدَّۃِ شَوْقِہٖ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی[11] یعنی اللہ تعالیٰ کے دیدار

شرح (11): مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝

ترجمہ کنزالایمان: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (پ ۲۷، النجم: ۱۷)

کے شوق کی شدت میں آنکھ کو کسی چیز کی طرف نہ پھیرا۔ [12] (النجم: ١٧)

شرح (12): مفسّرِ شہیر، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدرُ الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں: یعنی سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشمِ مبارک نے دیکھا۔ معنیٰ یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا، دِل سے پہچانا اور اس رؤیت ومعرفت میں شک وتردُّد نے راہ نہ پائی۔ اب یہ بات کہ کیا دیکھا۔ بعض مفسّرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل کو دیکھا۔ لیکن مذہبِ صحیح یہ ہے کہ سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا اور یہ دیکھنا کس طرح تھا، چشمِ سر سے یا چشمِ دِل سے؟ اس میں مفسّرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ربُّ العزت کو اپنے قلبِ مبارک سے دوبار دیکھا۔ (رواہ مسلم) ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عَزَّ وَجَلَّ کو حقیقۃً چشمِ مبارک سے دیکھا۔ یہ قول حضرت انس بن مالک اور حسن وعکرمہ کا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خُلّت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام اور سیّد عالم محمد مصطفٰی کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم)۔ کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفٰی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ (ترمذی) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی کہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا اور سند میں (یعنی دلیل کے طور پر) لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تلاوت فرمائی۔ یہاں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں: ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثبات میں اور مُثبِت ہی مُقدَّم ہوتا ہے۔ کیونکہ نافی کسی چیز کی نفی اس لئے کرتا ہے کہ اُس نے نہیں سُنا اور مثبت اِثبات اس لئے کرتا ہے کہ اس نے سُنا اور جانا تو علم مثبت کے پاس ہے۔ علاوہ بریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنی استنباط پر اعتماد فرمایا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے ہے اور آیت میں ادراک یعنی احاطہ کی نفی ہے، نہ رؤیت کی۔ مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم دیدارِ الٰہی سے مشرف فرمائے گئے۔ مسلم شریف کی حدیثِ مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حَبْرُ الْاُمَّۃ ہیں، وہ بھی اسی پر ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے: رَاَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِیْ وَبِقَلْبِیْ (یعنی) میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دِل سے دیکھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تا کہ جو لائق ہو دل کے یقین کے ساتھ دیکھیں۔ جب بھی محب اپنی آنکھ کو موجودات کے دیکھنے سے بند کرتا ہے وہ یقیناً اپنے دل میں موجودات کے خالق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی [13] بلاشبہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ [14] (النجم: ۱۸)

رب العزت تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اَیْ اَبْصَارِ الْعُیُوْنِ مِنَ الشَّهَوَاتِ وَاَبْصَارَ الْقُلُوْبِ مِنَالْمَخْلُوْقَاتِ [15] (النور: ۳۰) اے محبوب! تم مسلمانوں سے فرما دو کہ وہ اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ یعنی سر کی آنکھوں کو شہوتوں سے اور دل کی آنکھوں کو مخلوقات کی طرف دیکھنے سے جو شخص چشم سر کو مجاہدے کے اندر شہوت سے بند رکھتا ہے یقیناً وہ باطنی آنکھ سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

فمن اکثرا خلص مجاھدۃ کان اصدق مشاھدۃ جو کثرت اخلاص کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدے میں سب سے زیادہ صادق ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ قسم کھاتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے شبِ معراج اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حدیثِ حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قائل ہوں حضور نے اپنے رب کو دیکھا اور اُس کو دیکھا اور اُس کو دیکھا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ سانس ختم ہو گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (13): لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ٥

ترجمہ کنز الایمان: بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (پ ۲۷، النجم: ۱۸)

شرح (14): یعنی حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شبِ معراج عجائبِ مُلک وملکوت کا ملاحظہ فرمایا اور آپ کا علم تمام معلوماتِ غیبیہ ملکوتیہ پر محیط ہو گیا جیسا کہ حدیثِ اختصامِ ملائکہ میں وارد ہوا ہے اور دوسری اور احادیث میں آیا ہے۔ (روح البیان) (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (15): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔

ترجمہ کنز الایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔ (پ ۲۷، النجم: ۱۸)

اسی بنا پر باطنی مشاہدہ، ظاہری مجاہدہ کے ساتھ وابستہ ہے۔[16] حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من غض بصرہ عن اللہ طرفة عین لا یھتد طول عمرہ جو شخص ایک لمحہ کے لئے بھی حق تعالیٰ کی طرف سے آنکھیں بند رکھتا ہے تمام عمر وہ ہدایت نہیں پاتا۔

اس لئے کہ غیر کی طرف التفات، غیر حق سے تعلق رکھنا ہے اور جو غیر کے ساتھ ہوتا ہے وہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ بایں وجہ اہل مشاہدہ کی وہی عمر قابل شمار ہوتی ہے جو مشاہدے میں صرف ہو اور جتنی عمر غیبوبت میں گزری وہ اسے شمار نہیں کرسکتا۔ درحقیقت یہ ان کی موت کا زمانہ ہے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے جب لوگوں نے عمر دریافت کی تو فرمایا چار سال۔ لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح۔؟ فرمایا گزشتہ ستر (۷۰) سال کی عمر، حجاب وغیبت میں گزری ہے اور میں نے اس میں مشاہدہ نہیں کیا۔ صرف یہ چار سال ہیں جس میں مشاہدہ کیا ہے۔ زمانہ حجاب کی عمر قابل شمار نہیں ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے کہ:

اللھم اخباء الجنة والنار فی جنا یاغیبك حتی نعبدك بغیر واسطة اے خدا جنت ودوزخ کو اپنے غیب کے خزانوں میں پوشیدہ رکھ اور ان کی یاد لوگوں کے دلوں سے فراموش کردے تاکہ ہم بغیر کسی واسطہ کے خالص تیری عبادت کرسکیں۔[17]

شرح (16): حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اکابر ائمہ اولیاء معاصرین حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں فرماتے ہیں: **من صحح باطنه بالمراقبة والاخلاص زین الله ظاھره بالمجاھدة واتباع السنة** ۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ذکر حارث محاسبی، مصطفی البابی مصر ص ۱۳)

جو اپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص سے صحیح کرلے گا۔ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مجاہدہ و پیروی سنت سے آراستہ فرمادے۔

شرح (17): حضرت سیّدُنا رویم (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) فرماتے ہیں عمل میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں اس عمل کا بدلہ نہ مانگے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفسانی مقاصد دنیوی ہوں یا اُخروی وہ آفت ہیں اور جو شخص اس لیے عبادت کرے کہ جنت میں نفسانی خواہشات سے بہرہ ور ہو وہ آفت زدہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عمل سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونی چاہیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب طبیعت کو حصول جنت کا لالچ ہوگا تو یقینی طور پر ہر عقل منداسی کے حصول کے لئے عبادت کرے گا اور جس دل میں محبت کا حصہ نہ ہو وہ غافل ہے یقیناوہ مشاہدے سے حجاب میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا اور حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مجھے بتایا کہ میں نے خدا کو دیکھا۔ لوگ اس اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں لیکن جس نے غور کیا وہ اس اختلاف سے نکل گیا۔ چنانچہ جس سے یہ فرمایا کہ میں نے دیکھا۔ اس نے چشم باطن سے دیکھنا مراد لیا اور جس سے یہ فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا اس نے چشم سر سے دیکھنا مراد لیا۔ کیونکہ ان دونوں میں ایک صاحب باطن ہے اور دوسرا اہل ظاہر۔ ہر ایک سے اس کے حالات کے بموجب کلام فرمایا، لہٰذا جب باطنی آنکھ سے دیکھا تو اگر سر کی آنکھ کا واسطہ نہ ہو تو کیا مضائقہ؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ مجھ سے فرمائے کہ مجھے دیکھ، تو میں نے عرض کروں گا کہ میں نہیں دیکھتا کیونکہ آنکھ، محبت میں غیر اور بیگانہ ہے اور غیریت کی غیرت مجھے دیدار سے باز رکھتی ہے کہ میں دنیا میں اسے آنکھ کے واسطہ سے دیکھوں اور آخرت میں واسطہ کا کیا کروں گا خدا ہی ہدایت فرمانے والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

وانی لاحسد ناظری علیک
فاغض طرفی اذا نظرت الیک

یقینا میں تیری طرف نظر اٹھانے میں حسد کرتا ہوں
اور جب تیری طرف دیکھتا ہوں تو آنکھوں کو بند رکھتا ہوں

کیونکہ محبوب کو آنکھ سے چھپاتے ہیں۔ اس لئے کہ آنکھ بیگانہ اور غیر ہے۔ لوگوں نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ خدا کا دیدار ہو؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا جب حضرت موسیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور یہ صدیقین کے اخلاص کی طرف اشارہ ہے جسے خالص اخلاص کہتے ہیں۔

لیکن جو شخص جنت کی امید اور جہنم کے خوف سے عبادت کرتا ہے وہ فوری طور پر ملنے والے فوائد کے حوالے سے مخلص ہے ورنہ وہ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش کو پورا کرنے والا ہے اور عقل مند لوگوں کا سچا مطلوب تو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا ہے اور کسی قائل کا یہ قول اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی ہر حرکت کسی نہ کسی مقصد کیلئے ہوتی ہے۔ مقاصد واغراض سے پاک ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جو اپنے لئے یہ دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔

(فیضانِ اِحیاء العلوم صفحہ ۵۸)

علیہ السلام نے چاہا تو انہیں دیدار نہ ہوا اور حضور اکرم ﷺ نے نہ چاہا تو دیدار ہوا؟ لہٰذا ہمارا چاہنا دیدارِ خداوندی میں ہمارے لئے بہت بڑا حجاب ہے کیونکہ ارادہ کا وجود، محبت کے اندر مخالفت ہوتی ہے اور مخالفت حجاب ہے اور جب دنیا میں ارادہ فنا ہو جاتا ہے تب مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور جب مشاہدہ ثابت و برقرار ہو جائے تو دنیا آخرت کی مانند اور آخرت دنیا کی مانند ہو جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ان اللہ عباد لو حجبوا عن اللہ فی الدنیا والاٰخرہ لارتدوا اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لحہ کے لئے محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو دائمی مشاہدہ میں پرورش فرماتا اور اپنی محبت کی حیات میں ان کو زندہ رکھتا ہے۔ لامحالہ جب صاحب مشاہدہ محجوب ہو جائے تو وہ مردودِ بارگاہِ الٰہی ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر کے بازار میں جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک جوان کو بچے پتھر مار رہے ہیں میں نے بچوں سے پوچھا تم اس سے کیا چاہتے ہو بچوں نے کہا کہ یہ دیوانہ ہے۔ میں نے پوچھا تم نے اس کے جنون کی کیا علامت دیکھی ہے؟ بچوں نے کہا۔ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد میں جوان کی متوجہ ہوا اس سے پوچھا کہ اے جوان کیا تم یہ کہتے ہو کہ یا یہ بچے تم پر الزام رکھتے ہیں؟ جوان نے کہا یہ الزام نہیں رکھ رہے بلکہ میں یہی کہتا ہوں۔ کیونکہ اگر ایک لحہ کے لئے میں حق کو نہ دیکھوں اور محجوب رہوں تو میں اس کی برداشت نہیں رکھ سکتا۔

البتہ اس مقام میں بعض لوگوں کو اربابِ مشاہدہ کے بارے میں غلطی لاحق ہوئی ہے وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ دلوں کی رویت اور ان کا مشاہدہ، دل میں کوئی صورت بناتی ہے جسے ذکر یا فکر کی حالت میں وہم برقرار و قائم رکھتی ہے۔ حالانکہ یہ تشبیہ محض اور کھلی گمراہی ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے لئے کوئی اندازہ نہیں ہے جس کا اندازہ دل کے وہم کو ہو سکے اور ہر عقل اس کی کیفیت سے باخبر ہو سکے۔ جو چیز موہوم ہوتی ہے وہ بھی وہم کے قبیل سے ہے اور جو چیز عقل میں سما سکے وہ بھی عقل کی جنس سے تعلق رکھتی ہے حق تعالیٰ کے لئے کسی جنس کے لئے ہم جنسی نہیں ہے۔ لطافت و کثافت دونوں جنس کے قبیل سے ہیں جو محل میں ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کی جنس ہیں۔ لہٰذا توحید کے تحقق میں اور قدیم کے پہلو میں ضد جنس ہے۔

کیونکہ تمام اضداد محدث ومخلوق ہیں اور تمام حوادث یک جنس ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک عما یصفہ الملاحدۃ علوا کبیرا۔

دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کے مانند ہے اور جب تمام اہل علم کا اجماع اور اتفاق ہے کہ آخرت میں دیدار جائز ہے تو لامحالہ دنیا میں بھی مشاہدہ جائز ہے لہٰذا جو عقبیٰ میں مشاہدہ کی خبر دے اور جو دنیا میں مشاہدے کی خبر دے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جو ان دونوں معنی کی خبر دیتا ہے وہ اجازت سے خبر دیتا ہے نہ کہ محض دعویٰ سے یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ دیدار ومشاہدہ دونوں جائز ہیں لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے دیدار ہوا ہے یا اب یہ حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ مشاہدہ باطن کی صفت ہے اور خبر دینا زبان کی تعبیر ہے اور جب زبان، باطن کی خبر دے تو یہ عبارت ہوتی ہے مشاہدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دعویٰ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کی حقیقت، عقلوں میں نہ سما سکے اسے زبان کیسے تعبیر کر سکتی ہے۔ بجز مجازی معنی کے۔

لان المشاھدۃ قصر اللسان بحضور الجنان مشاہدہ، زبان کی عاجزی کے ساتھ قلوب کا حضور ہے۔

اس کے معنی کی تعبیر میں زبان کو خاموش رکھنا اور بلند درجہ رکھنا ہے۔ کیونکہ خاموشی مشاہدے کی علامت ہے اور گویائی شہادت کی نشانی اور کسی چیز کی شہادت دینے اور کسی چیز کے مشاہدہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس درجہ قرب اور مقام اعلیٰ پر فائز ہو کر جسے حق تعالیٰ نے آپ کے لئے مخصوص فرمایا تھا وہاں کہا:

لَآ اُحۡصِیۡ ثَنَآءً عَلَیۡكَ میں تیری ثنا کو محدود نہیں کر سکتا۔

کیونکہ آپ مشاہدے میں تھے اور محبت و دوستی کے درجہ میں مشاہدہ کمال یگانگت رکھتا ہے اور یگانگی کی تعبیر کرنا بے گانگی اور غیریت ہوتی ہے اس وقت آپ نے کہا:

اَنۡتَ كَمَآ اَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِكَ تو وہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثناء فرمائی ہے۔

(ابن ماجہ)

اس جگہ تیرا فرمایا ہوا میرا ہی عرض کرنا ہے۔ یعنی تیری ثناء کرنا میری ثناء ہے میں اپنی زبان کو اس کے

لائق نہیں سمجھتا کہ وہ میری حالت کو بھی بیان کرے اور میں بیان کو بھی اس کا مستحق نہیں سمجھتا کہ وہ میرا حال ظاہر کرے اسی معنی میں کسی کہنے والے نے کہا ہے:

تمنیت من اھوی فلما رأیتہٗ
بھت فلم املك لسانا ولا طرفا

"جسے میں دوست رکھتا تھا میں نے اس کی تمنا کی۔ پھر جب میں نے اسے دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور اپنی زبان اور اپنے کسی عضو کا مالک نہ رہا۔"

☆☆☆☆☆

باب: 25

نواں کشفِ حجاب: صحبت اور اس کے آداب واحکام کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا، اَیْ اَدِّبُوْهُمْ [1] اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ یعنی ان کی درستگی کرو۔ [2]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُسْنُ الْاَدَبِ مِنَ الْاِیْمَانِ حسن ادب ایمان کا حصہ ہے۔

شرح (1): یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

(پ ۲۸، التحریم:۶)

شرح (2): حضرتِ علامہ جلالُ الدّین سُیُوطی الشّافعی علیہ رحمۃ اللہِ القوی تفسیرِ دُرِّمنثور میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرتِ، علیُّ المُرتضٰی شیرِ خدا کَرَّمَ اللہُ تعالیٰ وَجْہَہُ الْکَرِیم اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس آیت کا تقاضا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو خیر (یعنی بھلائی) کی تعلیم دیجئے اور انہیں آدابِ زندگی سکھائیے۔ (تفسیر در منثور ج ۸ ص ۲۲۵)

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو دین اور آداب سکھاؤ۔

مزید فرماتے ہیں: حقیقت ادب یہ ہے کہ انسان میں اچھی عادات جمع ہو جائیں اور حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں زیادہ علم کے مقابلے میں تھوڑے ادب کی زیادہ ضرورت ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الادب، ص ۳۱۵ تا ۳۱۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

نیز فرمایا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (3) میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہت اچھا ادب مجھے سکھایا۔

دین و دنیا کے تمام امور کی شائستگی، آداب سے وابستہ ہے اور ہر قسم کے لوگوں کے مقامات کے لئے ہر مقام کے آداب جداگانہ ہیں۔ تمام انسان، خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان، ملحد ہوں یا موحد، سنی ہوں یا مبتدع سب کا اس پر اتفاق ہے کہ معاملات میں حسن ادب، عمدہ چیز ہے اور جہان میں کوئی رسم و رواج، استعمالِ ادب کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی۔ لوگوں میں ادب ہی مروت کی حفاظت ہے اور دین میں سنت کی حفاظت اور دنیا میں عزت و احترام کی حفاظت بھی اسی ادب سے متعلق ہے کیونکہ یہ تینوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں جس میں مروت نہ ہوگی وہ سنت کا متبع نہ ہوگا اور جس میں سنت کی حفاظت نہ ہوگی اس میں عزت و احترام کی رعایت بھی نہ ہوگی۔

معاملات یعنی طریقت کے سلوک میں حفظِ ادب، مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی دنوں میں حق تعالیٰ اور اس کے مغائرت کی عظمت و عزت ہر طریقت میں یہ تعظیم، تقوای سے حاصل ہوتی ہے اور جو تعظیم کی بے حرمتی کرتا ہے اور مشاہدۂ حق کو پائمال کرتا ہے طریق تصوف میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ (4)

شرح (3): (جمع الجوامع أو الجامع الکبیر للسیوطی، حدیث نمبر: ۹۲۲، صفحہ نمبر: ۱/۱۲۴۹)

شرح (4): اللہ تعالیٰ اگرچہ بہت بڑا ستار و غفار اور غفور رحیم ہے، لیکن اگر کوئی بدنصیب اس کے محبوب بندوں کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی کرتا ہے تو خداوند قدوس کی قہاری و جباری اس مردود کو ہرگز ہرگز معاف نہیں فرماتی بلکہ ضرور بالضرور دنیا و آخرت کے بڑے بڑے عذابوں میں گرفتار کر دیتی ہے اور وہ دونوں جہان میں قہر قہار و غضب جبار کا اس طرح سزاوار ہو جاتا ہے کہ دنیا میں لعنتوں کی بار اور پھٹکار اور آخرت میں عذاب نار کے سوا اس کو کچھ نہیں ملتا۔ رافضی اور وہابی جن کے دین و مذہب کی بنیاد ہی محبوبان خدا کی بے ادبی پر ہے، ہم نے ان گستاخوں اور بے ادبوں میں سے کئی ایک کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان لوگوں پر قہر الٰہی کی ایسی مار پڑی ہے کہ توبہ توبہ، الامان۔ اور مرتے وقت ان لوگوں کا اتنا برا حال ہوا ہے کہ توبہ توبہ۔ نعوذ باللہ!

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اللہ والوں کی بے ادبی و گستاخی کی لعنت سے محفوظ رکھے اور اپنے محبوبوں کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و احترام کی توفیق بخشے۔ (کرامات صحابہ صفحہ ۹۵)

سکر وغلبہ یا کسی اور حال میں ہونا، طالب کو ادب کی حفاظت سے منع نہیں کرتا اس لئے کہ ادب ان کی عادت ہے اور عادت، طبیعت کی مانند ہوتی ہے۔ ہر جاندار سے کسی حالت میں طبائع کی جدائیگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ اس کی زندگی برقرار ہے اس کا افتراق اس سے محال ہے۔ لہٰذا جب تک انسان کا تشخص برقرار ہے ہر حال میں ادب کی پیروی لازم ہے۔ خواہ تکلف سے ہو یا بے تکلف! جب ان کا حال صحت مندی میں ہوتا ہے تو وہ بہ تکلف آداب کی رعایت برتتے ہیں اور جب ان کا حال سکر و مدہوشی میں ہوتا ہے اس وقت حق تعالیٰ انہیں ادب پر قائم رکھتا ہے غرض کہ کسی حالت میں بھی دل، ادب سے روگرداں نہیں ہوتا۔

لان المودة عند الادب وحسن الادب صفته الاحباب کیونکہ محبت، بہترین ادب ہے اور حسن ادب محبت کرنے والوں کی خوبو ہے۔

اللہ تعالیٰ جس پر جتنی کرامت فرماتا ہے وہ اس کی دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دین کے ادب کی حفاظت کرتا ہے۔ بخلاف ملحدوں کے اس گروہ کے خدا ان پر لعنت کرے جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ محبت میں جب غالب ہو جاتا ہے تو حکم متابعت اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ خالص بے دینی ہے۔

ادب کی قسمیں:

ادب کی تین قسمیں ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی توحید میں اس طرح پر کہ جلوت وخلوت کی ہر حالت میں خود کو اس کی بے حرمتی سے بچائے اور وہ سلوک برتے جو بادشاہوں کے حضور کیا جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہار زانو تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر پیام پہنچایا:

یَا مُحَمَّدُ اِجْلِسْ جِلْسَةَ الْعَبْدِ شانِ بندگی کے ساتھ جلوس فرمائیں۔

آپ اللہ کے مقرب بندے ہیں اس کی بارگاہ میں اس کی شان کے لائق جلوس فرمائیں۔ (5)

شرح (5): حُجَّۃُ الْاِسلام حضرتِ سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی فرماتے ہیں:

بارگاہِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ کے آداب

(بندے کو چاہے کہ بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں) اپنی نگاہیں نیچی رکھے، اپنے غموں اور پریشانیوں کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں پیش کرے، خاموشی کی عادت بنائے، اعضاء کو پرسکون رکھے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشائخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک دن رات کے کسی حصہ میں دیوار سے ٹیک لگا کر کمر سیدھی نہیں کی اور دوزانو کے سوا کسی اور حالت میں نہ بیٹھے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اتنی تکلیف ومشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں حق تعالیٰ کے مشاہدے میں اس طرح نہ بیٹھوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان کے ایک شہر ملندآ نامی میں ایک شخص کو دیکھا جو بہت مشہور تھا اور لوگ اسے ملندآ دیب کہتے تھے وہ بڑا صاحب فضیلت تھا اس نے بیس (۲۰) سال قدموں پر کھڑے گزار دیئے سوائے نماز میں تشہد کے کبھی نہ بیٹھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا ابھی مجھے وہ درجہ حاصل نہیں ہوا ہے کہ مشاہدہ حق میں بیٹھ سکوں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ سے کسی نے دریافت کیا: بما وجدت ما وجدت آپ نے جو کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کی بجا آوری میں جلدی کرے اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے اور (ان پر) اعتراض کرنے سے بچے، اچھے اخلاق اپنائے، ہر وقت ذکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی عادت بنائے، اپنی سوچ کو پاکیزہ بنائے، اعضاء کو قابو میں رکھے، دل پر سکون ہو، اللہ رب العزّت کی تعظیم بجالائے، غیض وغضب نہ کرے، محبتِ الٰہی کو (لوگوں) سے چھپائے، اخلاص اپنانے کی کوشش کرے، لوگوں (کے پاس موجود مال ودولت) کی طرف نظر کرنے سے بچے، صحیح ودرست بات کو ترجیح دے، مخلوق سے امید نہ رکھے، عمل میں اخلاص پیدا کرے، سچ بولے اور گناہوں سے بچے، نیکیوں کو زندہ کرے (یعنی نیکیوں پر عمل پیرا ہو)، لوگوں کی طرف اشارے نہ کرے اور مفید باتیں نہ چھپائے، نام ونسب کی تبدیلی پر غیرت اور حرام کاموں کے ارتکاب پر غیظ وغضب کا اظہار کرے، ہمیشہ باوقار و پر جلال رہے، حیاء کو اپنا شعار بنالے، خوف وڈر کی کیفیت پیدا کرے، اس شخص کی طرح مطمئن ہو جائے جسے ضمان دی گئی ہو، (توکل اپنائے کہ) توکل اچھے اختیار کی پہچان کا نام ہے، دشواری کے وقت کامل وضو کرے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرے، اس کا دل فرض چھوٹ جانے کے خوف سے بے چین ومضطرب ہو جائے، گناہوں پر ڈٹے رہنے کے خوف سے توبہ پر ہمیشگی اختیار کرے اور غیب کی تصدیق کرے، ذکر کرتے وقت دل میں خوفِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ پیدا کرے، وعظ ونصیحت کے وقت اس کا نورِ باطنی زیادہ ہو، فقر وفاقہ (یعنی تنگ دستی) کے وقت توکُّل کو اپنا شعار بنائے اور جہاں تک ہو سکے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے صدقہ کرے۔ (الأدَبُ فِی الدِّین صفحہ ۱۴)

پایا ہے وہ کس چیز کی بدولت پایا "قال بحسن الصحبته مع الله" فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن صحبت کی وجہ سے؟ چنانچہ میں نے حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا ہی جلوت میں ادب اور حسن صحبت کو ملحوظ رکھا ہے جتنا خلوت میں ہے۔ اہل جہان کو چاہئے کہ اپنے معبود کے مشاہدہ میں ادب کی حفاظت کا سلیقہ زلیخا سے سیکھیں۔ جس وقت اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت وتنہائی کی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کی تکمیل کی درخواست کی تو اس نے پہلے اپنے بت کے چہرے کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے پوچھا یہ کیا کر رہی ہو؟ اس نے کہا اپنے معبود کے چہرے کو چھپا رہی ہوں تاکہ وہ بے حرمتی میں مجھے آپ کے ساتھ نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ شرائط ادب کے خلاف ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام باہم ملے اور انہیں جمال یوسفی سے ہم آغوش کیا تو زلیخا کو جوان کر کے دین حق کی راہ دکھائی تب حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجیت میں دیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف قصد فرمایا تو زلیخا آپ سے بھاگی۔ فرمایا اے زلیخا کیا میں تیرا دلربا نہیں ہوں؟ غالباً میری محبت تمہارے دل سے جاتی رہی ہے؟ زلیخا نے عرض کیا خدا کی قسم! یہ بات نہیں محبت اپنی جگہ برقرار ہے بلکہ زیادہ ہے لیکن میں نے ہمیشہ اپنے معبود کی بارگاہ کے ادب کو ملحوظ رکھا ہے اس دن جب کہ ہمارے تمہارے درمیان خلوت ہوئی تھی اس وقت میرا معبود ایک بت تھا جو قطعاً دیکھ نہیں سکتا تھا مگر اس کے باوجود اس کی بے نور دو آنکھیں تھیں اس پر میں نے پردہ ڈال دیا تھا تاکہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اٹھ جائے اب میرا معبود ایسا ہے جو دانا اور بینا ہے جس کے لئے دیکھنے کا نہ حلقہ ہے اور نہ کوئی آلہ؟ مگر میں جس حال میں بھی ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے اس لئے میں نہیں چاہتی کہ اس کی بارگاہ میں ترک ادب کا الزام مجھ پر عائد ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج میں لے جایا گیا تو آپ نے حفظ ادب میں کونین کی طرف نظر نہیں اٹھائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی [6] نہ آنکھ جھپکی اور نہ بے راہ ہوئی۔ [7] (النجم: ۱۷)

شرح (6): مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○

ترجمہ کنزالایمان: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (پ ۲۷، النجم: ۱۷)

شرح (7): اس میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ قوت کا اظہار ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی دنیا کی طرف نظر کرنے میں نہ آنکھ بھٹکی اور نہ آخرت کے دیکھنے میں آنکھ بے راہ ہوئی۔

ادب کی دوسری قسم، معاملات میں اپنے ساتھ ہے۔ وہ اس طرح کہ ہر حال میں اپنے ساتھ مروت کو ملحوظ رکھے۔ یہاں تک کہ لوگوں کی صحبت ہو یا حق تعالیٰ کی بارگاہ کی حاضری خواہ جلوت ہو یا خلوت کسی حال میں بے ادبی کا ارتکاب نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ سچ کے سوا کلام نہ کرے جو بات اپنے دل کو جھوٹی معلوم ہو اسے زبان پر لانا کیسے درست ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں بے مروتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کم کھائے تاکہ طہارت گاہ میں زیادہ نہ جانا پڑے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کی شرمگاہ کو نہ دیکھے حتیٰ کہ اپنی شرم گاہ بھی مجبوری کے سوا نہ دیکھے۔ کیونکہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کبھی اپنے پوشیدہ حصہ جسم کو نہیں دیکھا کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا میں شرم کرتا ہوں کہ اس حصہ جسم کو دیکھوں جس کی جنس پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

ادب کی تیسری قسم، لوگوں کے ساتھ صحبت کرنے میں ادب کا لحاظ رکھنا ہے[8] صحبت کے آداب میں بہترین ادب یہ ہے کہ سفر و حضر میں حسن معاملہ اور سنت کی حفاظت کرے۔

آداب کی یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں اب میں حتی المقدور ترتیب وار آداب کو بیان کرتا ہوں تاکہ بآسانی سمجھ میں آسکے۔

آداب صحبت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا، اَىْ يُحْسِنِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے، داہنے بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے، نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھیری، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے ہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (8): اہل ادب میں سے کسی نے کہا لوگوں میں سے اس آدمی کی دوستی اختیار کرو جو تمہارے راز کو چھپائے اور عیب پر پردہ ڈالے چنانچہ ایسا شخص مشکلات میں تمہارا ساتھ دے گا اور عمدہ چیزوں میں تمہیں ترجیح دے گا۔ تیری نیکیوں کو پھیلائے گا اور برائیوں کو چھپائے گا اور اگر ایسا انسان نہ ملے تو تنہا رہو کسی کی صحبت اختیار نہ کرو۔

رِعَايَتِهِمُ الْاَخْوَانِ۔ (9) (طٰہٰ:٩٦)

جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اللہ ان کو محبوب بنا کر دوست بنا لے گا۔ یعنی انہوں نے اپنے دلوں کی حفاظت کی اور اپنے بھائیوں کے حقوق کو ادا کیا اور اپنے مقابلہ میں ان کی بزرگی و شرافت کو دیکھا۔ (10) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

ثَلٰثٌ لَكَ وُدَّاَخِيْكَ لِتَسْلِمَ عَلَيْهِ اِنْ لَقِيْتَهٗ وَتَوَسَّعَ لَهٗ فِي الْمَجْلِسِ وَتَدْعُوْهُ بِاَحَبِّ اَسْمَائِهٖ حسن رعایت اور حفظ مراتب کے سلسلہ میں مسلمان بھائیوں کی محبت کو تین چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں ایک یہ کہ جب کسی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو دوسرے یہ کہ اپنی مجلسوں میں اس کے لئے جگہ بناؤ تیسرے یہ کہ اسے اچھے القاب کے ساتھ یاد کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (11) تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں سے صلح و آشتی رکھو۔ (12) (الحجرات:١٠)

شرح (9): اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا O

ترجمہ کنز الایمان: بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کے لئے رحمٰن محبت کر دے گا۔ (پ١٦، مریم:٩٦)

شرح (10): یعنی اپنا محبوب بنائے گا اور اپنے بندوں کے دل میں ان کی مَحبت ڈال دے گا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ فلانا میرا محبوب ہے جبریل اس سے مَحبت کرنے لگتے ہیں پھر حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے سب اس کو محبوب رکھیں تو آسمان والے اس کو محبوب رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (11): اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ

ترجمہ کنز الایمان: مسلمان مسلمان بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو۔ (پ٢٦، الحجرات:١٠)

شرح (12): حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطلب یہ کہ باہم لطف و مہربانی سے پیش آؤ کسی کی دل شکنی نہ کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَكْثِرُوا مِنَ الْاَخْوَانِ فَاِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ عَبْدَهٗ بَيْنَ اِخْوَتِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اپنے بھائی اور زیادہ بناؤ...... اور ان کے حقوق میں حسن سلوک کر کے بھائی بناؤ کیونکہ تمہارا رب حی و کریم ہے وہ حیا فرماتا ہے کہ روز قیامت باہمی آداب و معاملات کی وجہ سے اپنے بندے پر اس کے بھائیوں کے درمیان عذاب فرمائے۔

لہٰذا یہی مناسب ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ صحبت لوجہ اللہ کی جائے نہ کہ نفسانی خواہش یا کسی غرض و مفاد کی خاطر، تاکہ وہ بندہ حفظ ادب کی وجہ سے ممنون و متشکر ہو۔

حضرت مالک بن دینار نے اپنے داماد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور صدقہ کے درجہ سے افضل عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے۔ ارشاد فرمایا: وہ روٹھے ہوؤں میں صلح کرا دینا ہے کیونکہ روٹھے ہوؤں میں فساد ڈالنا خیر کو کاٹ دیتا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم ۴۹۱۹، ج ۴، ص ۳۶۵)

جبکہ حضرتِ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ روٹھے ہوئے لوگوں میں صلح کرا دینا ہے۔

(الترغیب والترہیب، کتاب الادب، باب اصلاح بین الناس، رقم ۶، ج ۳، ص ۳۲۱)

اور حضرتِ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرائے گا اللہ عزوجل اس کا معاملہ درست فرما دے گا اور اسے ہر کلمہ بولنے پر ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا اور وہ جب لوٹے گا تو اپنے پچھلے گناہوں سے مغفرت یافتہ ہو کر لوٹے گا۔

(الترغیب والترہیب، کتاب الادب، باب اصلاح بین الناس، رقم ۹، ج ۳، ص ۳۲۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زبان مسلمانوں میں صلح کروانے میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم!

یا مغیرہ کل اخ وصاحب لم تفدمنہ فی دینک خیرا فانبذ عن صحبتہ حتی تسلم اے مغیرہ جب بھائی یا ساتھی کی رفاقت تمہیں دینی فائدہ نہ پہنچائے تم اس جہان میں اس کی صحبت سے بچو کہ تم محفوظ رہو۔

اس نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری صحبت یا تو اپنے سے بڑے اور اچھے کے ساتھ ہوگی یا اپنے سے کمتر کے ساتھ۔ اگر اپنے سے بڑے اور اچھے کی رفاقت اختیار کرو گے تو اس سے تمہیں دینی دینوی فائدہ پہنچے گا اور اگر اپنے سے کمتر کے ساتھ بیٹھو گے تو تم سے اس کو دین کا فائدہ پہنچے گا کیونکہ اگر وہ تم سے کچھ حاصل کرے گا تو وہ دینی فائدہ پہنچانا ہوگا اور جو تم اپنے بڑے سے حاصل کرو گے وہ بھی دینی فائدہ حاصل کرنا ہوگا۔[13] سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

ان من تمام التقوی تعلم من لا یعلم[14] کمالِ پرہیزگاری یہ ہے کہ بے علم کو علم

شرح (13): علامہ جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

صُحبت صالح ترا صالح کُند صُحبتِ طالح ترا طالح کُند

یعنی اچھوں کی صُحبت تجھے اچھا بنادے گی اور بُروں کی صحبت تجھے بُرا بنادے گی۔

حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گلستانِ سعدی میں فرماتے ہیں:

گِلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دستِ محبوب بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلاویز تو مستم

بگفتا من گلے ناچیز بُودم ولیکن مُدتے با گل نِشستم (گلستان سَعدی ص ۶)

یعنی ایک روز خوشبو والی مٹی حمام میں مجھے ایک دوست کے ہاتھوں سے ملی میں نے اس مٹی سے کہا کہ تو مُشک ہے یا عنبر! کہ تیری دلکش خوشبو نے مجھے مست و بے خود کر دیا ہے (یہ سن کر مٹی نے کہا) میں تو حقیر مٹی تھی لیکن ایک مُدت تک میں پھولوں کی صحبت میں رہی پس ہمنشیں کے جمال نے مجھ میں اثر کیا (کہ میں خوشبودار ہوگئی) ورنہ میں تو وہی خاک و مٹی ہوں جو پہلے تھی۔

اچھے ماحول کی ہمنشینی بہُت ہی مُفید اور سرمایہ سرمدی ہے اگر چہ مختصر ہی کیوں نہ ہو مگر پھر بھی بے سُود و بیکار نہیں، تو بھلا وہ خوش نصیب جو نیکیوں کے ماحول میں ضم ہو جائے کس طرح محروم رہ سکتا ہے۔

شرح (14): (تفسیر القرطبی، البقرۃ، تحت الآیۃ ۴۱، الجزء الاول تحت ج ۱، ص ۲۷۷)

سکھائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

بئس الصدیق تحتاج ان تقول له اذ کرنی فی دعائك وبئس الصدیق تحتاج ان تعیش معهٗ بالمدارات وبئس الصدیق صدیق یلحیك الی الاعتذار فی زلة کانت منك یعنی وہ دوست بہت برا ہے جس کو دعا کرنے کی وصیت کرنی پڑے کیونکہ ایک لمحہ کی صحبت کا حق یہ ہے کہ اسے ہمیشہ دعائے خیر میں یاد رکھا جائے اور وہ دوست بہت برا ہے جس کی صحبت، خاطر تواضع کی محتاج ہو کیونکہ صحبت کا سرمایہ ہی یہ ہے کہ ہمیشہ باہمی خوشی و مسرت میں گزرے اور وہ دوست بہت برا ہے جس سے گناہ کی معافی مانگنے کی ضرورت پیش آئے اس لئے کہ عذر خواہی بیگانگی کی علامت ہے اور صحبت میں غیریت اور بیگانگی ظلم ہے۔ (15)

شرح (15): حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھے برے ساتھی کی مثال مُشک کے اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے، مشک (ایک بہترین خوشبو کا نام) اٹھانے والا یا تو تجھے ویسے ہی دے گا یا تو اس سے کچھ خرید لے گا۔ اور یا تو اس سے اچھی خوشبو پائے گا۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب مجالسۃ... الخ، الحدیث ۲۶۲۸، ص ۱۴۱۴)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن خدائے رحمٰن عزوجل کی دائیں جانب (اس میں فضیلت کا ذکر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جہت و سمت سے پاک ہے) کچھ ایسے لوگ ہونگے جو نہ انبیاء ہونگے نہ شہداء ان کے چہروں کا نُور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتا ہوگا۔ انبیاء و شہداء ان کے مقام اور قربِ الٰہی عزوجل کو دیکھ کر اظہار مسرت فرمائیں گے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم یہ کون (خوش نصیب) ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: یہ مختلف قبائل اور بستیوں کے لوگ ہوں گے (جو دنیا میں) اللہ عزوجل کی یاد کرنے کے لئے اکٹھے ہوتے تھے اور پاکیزہ باتیں اس طرح چنتے تھے جس طرح کھجور کا کھانے والا بہترین کھجوروں کو چنتا ہے۔

(الترغیب والترہیب، کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی حضور... الخ، الحدیث: ۲۳۳۴، ج ۲، ص ۲۵۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ [16] آدمی اپنے دوست کے دین اور اس کے طور وطریق پر ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔ [17] (ترمذی)

شرح (16): (جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب الرجل علی دین خلیلہ، الحدیث: ۲۳۸۷، ص ۱۸۹۰) (موسوعۃ لابن ابی الدنیا، کتاب الاخوان، باب من أمر بصحبۃ الخ، الحدیث ۳۷، ج ۸، ص ۱۶۰)

شرح (17): پس چند خصلتوں کا اعتبار ضروری ہے کہ اس کا دوست عاقل ہو، اچھے اخلاق کا مالک ہو، فاسق و بدعتی اور دنیا کا حریص نہ ہو۔ جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ اصل مال ہے، امیر المؤمنین مولیٰ مشکل کشا حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

فَلَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَهْلِ وَاِیَّاکَ وَاِیَّاهُ

فَکَمْ مِنْ جَاهِلٍ اَرْدٰی حَلِیْمًا حِیْنَ آخَاهُ

یُقَاسُ الْمَرْءُ بِالْمَرْءِ اِذَا مَا الْمَرْءُ مَاشَاهُ

وَلِلشَّیْءِ مِنَ الشَّیْءِ مَقَایِیْسُ وَاَشْبَاهُ

وَلِلْقَلْبِ عَلَی الْقَلْبِ دَلِیْلٌ حِیْنَ یَلْقَاهُ

ترجمہ: (۱) کسی جاہل کی صحبت اختیار نہ کر وہ تجھ سے دور رہے تو اس سے دور رہ۔

(۲) کتنے ہی جاہل ہیں جو عقل مند کے بھائی بن کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔

(۳) انسان کو دوسرے انسان سے قیاس کیا جاتا ہے کیونکہ آدمی اپنی چاہت کے مطابق ہوتا ہے۔

(۴) اشیاء بعض دوسری اشیاء کے مشابہ ہوتی ہیں۔

(۵) اور دل جب دوسرے دل سے ملتا ہے تو اس سے راہ پالیتا ہے۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ احمق تجھے نفع دے بلکہ وہ تو نقصان ہی پہنچاتا ہے اسی لئے کسی نے کہا ہے:

اِنِّیْ لَاٰمَنُ مِنْ عَدُوٍّ عَاقِلٍ وَاَخَافُ خِلًّا یَعْتَرِیْهِ جُنُوْنُ

فَالْعَقْلُ فَنٌّ وَاحِدٌ وَطَرِیْقُهٗ اَدْرِیْ فَاَرْصُدُ وَالْجُنُوْنُ فُنُوْنُ

ترجمہ: (۱) میں عقل مند دشمن سے امن میں ہوں لیکن ایسے دوست سے ڈرتا ہوں جو مجنون ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر اس کی صحبت نیکوں کے ساتھ ہے اگر چہ وہ خود نیک نہ ہو تو وہ صحبت نیک ہے۔ اس لئے کہ نیک کی صحبت اسے نیک بنا دے گی اور اگر اس کی صحبت بروں کے ساتھ ہے اگر چہ وہ نیک ہے تو یہ برا ہے کیونکہ وہ اس کی برائیوں پر راضی ہے اور جو برائیوں پر راضی ہو اگر چہ وہ نیک ہو بہر حال برا ہے۔

ایک شخص دورانِ طواف خانہ کعبہ میں دعا مانگ رہا تھا کہ **اللھم اصلح اخوانی فقیل لہ لم تدع لك فی ھٰذا المقام** اے خدا میرے بھائیوں کی اصلاح فرما۔ لوگوں نے پوچھا اس مقام میں تم اپنے لئے دعا کیوں نہیں مانگتے بھائیوں کے لئے دعا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: **ان لی اخوانا ارجع الیھم فان صلحوا صلحت معھم وان فسدوا فسدت معھم** میں چونکہ انہیں بھائیوں کی طرف واپس جاؤں گا اگر وہ درست ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ درست رہوں گا اور اگر وہ خراب ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ خراب ہو جاؤں گا۔ [18] کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنی درستگی، مصلحین کی درستگی پر موقوف ہے۔ لہٰذا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) عقل ایک ہی فن ہے اور اس کا راستہ مجھے معلوم ہے پس میں اس کا خیال رکھتا ہوں لیکن جنون کے کئی فن ہیں۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ بے وقوف سے قطع تعلقی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قرب کا باعث ہے اور ایسے ہی فاسق کی صحبت کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈرتا ہے وہ گناہ کبیرہ پر اصرار نہیں کرتا اور جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے نہیں ڈرتا اس کے فساد سے امن نہیں ہوتا۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرمانِ حقیقت نشان ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

ترجمۂ کنز الایمان: اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔ (پ 15 الکھف: 28)

ایک طبیعت دوسری طبیعت سے متاثر ہو جاتی ہے جبکہ انسان کو علم تک نہیں ہوتا اور یہی حال بدعتی کا ہے۔

(لُبَابُ الْاِحْیَاء ۱۵۵-۱۵۶)

شرح (18): اچھے دوست کی ہمنشینی سعادتِ دارین ہے

ابن ابی الدنیا، بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابو نعیم نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی نہیں مرتا مگر اس کے اہلِ مجلس اس پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ (مرنے والا) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنے بھائیوں کے لئے دعا کرتا ہوں تاکہ میرا مقصود ان سے حاصل ہو جائے۔

اس ارشاد و نصیحت کی بنیاد یہ ہے کہ نفس کی عادت ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے راحت پاتا ہے اور جس قسم کے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے گی وہ انہیں کی خصلت و عادت اختیار کر لیتا ہے اس لئے کہ تمام معاملات، ارادۂ حق اور ارادۂ باطل سے مرکب ہیں۔ وہ جس ارادے کے معاملات کے ساتھ صحبت رکھے گا اس پر اسی کا غلبہ ہوگا۔ کیونکہ اپنی ارادت، دوسرے کے ارادوں پر مبنی ہے اور طبع و عادت پر ان کی صحبت کا بڑا اثر اور غلبہ ہے۔ یہاں تک کہ باز آدمی کی صحبت میں سدھ جاتا ہے، طوطی آدمی کے سکھانے سے بولنے لگتی ہے، گھوڑا اپنی بہیمانہ خصلت ترک کر کے مطیع بن جاتا ہے یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ صحبت کا کتنا اثر و غلبہ ہوتا ہے (19) اور کس طرح وہ عادتوں کو بدل دیتی ہے۔ یہی حال تمام صحبتوں کا ہے۔ اسی بنا پر تمام مشائخ سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اہلِ ذکر سے ہوتا ہے تو ذکر والے اور اگر کھیل کود والوں میں سے ہوتا ہے تو کھیل کود والے پیش کیے جاتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، مجاہد بن جبر، الحدیث: ۴۱۱۵، ج ۳، ص ۳۲۴)

پیارے بھائیو! اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں نیکوکاروں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے تاکہ جب ہم مرتے وقت اہلِ ذکر کو ملاحظہ کریں تو ہمارے لبوں پر بھی اللہ عزوجل کا ذکر جاری ہو۔

شرح (19): صحبت کا اثر مسلّمہ ہے، انسان اپنے ہمنشین کی عادات، اخلاق اور عقائد سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے جن کا رات دن کا مشغلہ اسلام، پیغمبرِ اسلام اور قرآن حکیم پر طعن و تشنیع کرنا ہے لہٰذا ایسے خطرناک اور بھیانک قسم کے قبیح و شنیع ناسور سے آلودہ مریضوں کی صحبت سے بچو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس ناپاک مرض میں مبتلا ہو جاؤ، سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِیَّاكَ وَمَا یَسُوْءُ الْاُذُنُ (المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی الغادیہ، الحدیث: ۱۶۷۰۱، ج ۵، ص ۶۰۵)

ترجمہ: بچ اس بات سے جو کان کو بُری لگے۔

رواہ احمد عن ابی الغادیۃ والطبرانی وابن سعد فی الطبقات والعسکری فی الامثال وابن مندۃ فی المعرفۃ والخطیب فی المؤتلف عن امام الغادیۃ وابو نعیم فی المعرفۃ عن خبیب بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعبداللہ بن احمد فی الزوائد والمعرفتان عن العاص بن عمرو الطفاوی مرسلا، انظر الفتاویٰ الرضویۃ المجلد العاشر ص ۱۳ (الفتاوی الرضویۃ جدید، کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۲۴، ص ۳۱۷)

اور بالخصوص دینی معاملات اور عقائد کے متعلق تو بری صحبت سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔

سے پہلے صحبت کے حقوق کے خواہاں رہتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی ترغیب دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک صحبت کے آداب، اور ان کی مراعات فرض کا درجہ رکھتی ہیں۔ گزشتہ مشائخ کی کثیر جماعت نے صحبت کے آداب میں مفصل کتابیں تحریر فرمائی ہیں چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب موسومہ **تصحیح الارادہ** اور حضرت احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے **الرعایتہ بحقوق اللہ** اور حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے **بیان آداب المریدین** لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابوالقاسم الحکیم، حضرت ابوبکر وراق، حضرت سہل بن عبد اللہ تستری حضرت ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس موضوع پر بھرپور کتابیں لکھی ہیں۔ یہ تمام مشائخ اپنے فن کے امام گزرے ہیں اب تمام طالبان طریقت کے لئے اقسام آداب میں معاملات مشائخ پر مشتمل چند عنوانات پیش کرتا ہوں بیدہ التوفیق۔

صحبت کے حقوق:

واضح رہنا چاہئے کہ مریدوں کے لئے سب سے اہم ترین چیز صحبت ہے کیونکہ صحبت کے حق کی رعایت کرنا اہم فرض ہے چونکہ مریدوں کے لئے انفرادی اور علیحدگی کی زندگی گزارنا موجب ہلاکت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلشَّیْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور جب دو ایک ساتھ ہوں گے تو دور رہے گا۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ (20) تم میں جو تین آدمی راز کی باتیں کرتے ہیں ان میں چوتھا حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ (المجادلہ: ۷)

لہٰذا مرید کے لئے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں ہے۔

صحبتِ شیخ سے انحراف کا وبال:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک کو یہ خیال گزرا کہ میں درجہ کمال کو پہنچ

شرح (20): مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ

ترجمہ کنز الایمان: جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے۔ (پ ۲۸، المجادلہ: ۷)

گیا ہوں اب میرے لئے اکیلا رہنا صحبت سے بہتر ہے۔ چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو گیا، اور مشائخ کی صحبت چھوڑ دی۔ ایک رات اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک اونٹ لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رات تمہیں جنت میں گزارنی چاہئے۔ یہ لوگ اسے اونٹ پر سوار کر کے لے گئے یہاں تک کہ ایسی جگہ لے گئے جو اچھی طرح نظر آتی ہے۔ وہاں حسین وخوبصورت چہروں میں نفیس طعام اور پانی کے چشمے رواں تھے۔ اسے صبح تک وہاں رکھا۔ حالانکہ یہ سب مرید کی خواب کی حالت تھی۔ جب صبح بیدار ہوا تو اپنے حجرے میں اپنے آپ کو پایا۔ یہ سلسلہ اسی طرح روزانہ جاری رہا یہاں تک کہ بشری غرور و رعونت نے غلبہ پایا اور اس کے دل میں جوانی کے گھمنڈ نے اپنا اثر جمایا اور اس کی زبان پر دعویٰ جاری ہو گیا اور کہنے لگا میری حالت اس کمال تک پہنچ گئی ہے اور میری راتیں اس طرح بسر ہوتی ہیں۔ لوگوں نے اس کی خبر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچائی آپ اٹھے اور اس کے حجرے میں تشریف لے گئے اسے اس حال میں پایا کہ اس کے سر میں خواہشیں بھری ہوئی تھیں اور تکبر سے اکڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے حال دریافت کیا اس نے سارا حال بیان کر دیا حضرت جنید نے فرمایا یاد رکھ جب تو آج رات وہاں پہنچے تو تین مرتبہ **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ** پڑھنا، چنانچہ جب رات آئی اور اسے حسب سابق لے جایا گیا چونکہ وہ اپنے دل میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا انکاری تھا کامل اعتقاد جاتا رہا تھا کچھ عرصہ بعد محض تجربہ کے طور پر اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھا تو اسے لے جانے والے تمام لوگ چیخ مار کر بھاگ گئے اور خود کو اس نے نجاست اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پڑا پایا۔ چاروں طرف مردار ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں اس وقت اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ دل سے توبہ کی اور ہمیشہ صحبت میں رہنے لگا۔ مرید کے لئے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ (21)

شرح (21): تباہی کا در اس حکایت سے یہ اہم راز آشکار ہوا کہ توجہ مرشد سے حاصل ہونے والے مقام کو پا کر بھی مرید ہر وقت بارگاہ مرشد میں با اَدب ہی رہے۔ ورنہ عطائے مرشد کو اپنا کمال سمجھنے والا مرید تباہی کے در پہ دستک دیتا ہے۔ اسلئے مرید ہر دم یہی یقین رکھے کہ میرا ہر عمل خود توجہ مرشد کا محتاج ہے۔

مرشد کی چوکھٹ قطب عالم حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں میری مقبولیت کا دَرَجہ ومقام اس دَرَجہ بڑھ جائے کہ میرا سَر عرشِ معلیٰ تک پہنچے۔ تب بھی میرا سَر میرے پیر و مرشِد کے آستانے (یعنی چوکھٹ) پر ہی رہے گا۔ (سیرت فخر العارفین صفحہ نمبر ۱۸۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحبت کے شرائط:

مشائخ طریقت کی صحبت کی شرط یہ ہے (22) کہ ہر ایک کو ان کے درجہ کے مطابق پہچانے، بوڑھوں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **تلوار کا وار بے اثر**

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ ایک دن قضانِ سلطان کے دربار میں جلادی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ دربار میں ایک مجرم پیش ہوا تو سلطان نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے قتل گاہ میں لے گئے اور اس کی آنکھیں باندھ دیں۔ تلوار مِیان سے نکالی اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر دُرود پاک پڑھا اور تلوار اس کی گردن پر ماری مگر تلوار نے کچھ بھی اثر نہ کیا۔ دوسری بار اسی طرح کیا مگر تلوار نے پھر بھی کچھ اثر نہ کیا۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ تلوار کھینچتے وقت مجرم ہونٹ ہلاتا تھا اور منہ میں کچھ پڑھتا تھا۔

آپ نے اس سے پوچھا کہ خدا عَزَّ وَجَلَّ کی عزت کی قَسم جو معبودِ برحق ہے تو سچ سچ بتا کیا کہتا تھا۔ مجرم نے جواب دیا کہ میں اپنے مرشد کامل حضرت وسیّد کو یاد کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے پیرومرشد کون ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟ مجرم نے کہا میرے پیرومرشد حضرت امیر کلال قدس سرہ ہیں۔ آپ نے فرمایا اس وقت کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مجرم نے کہا اس وقت بخارا کے علاقہ قریہ وخار میں تشریف فرما ہیں۔ یہ سن کر آپ نے تلوار زمین پر پھینک دی اور فوراً بخارا کی طرف روانہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ پیر جو مرید کو تلوار کے نیچے سے بچالے اگر کوئی اس کی خدمت بجالائے تو تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچالے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے امیرِ کُلال قدس سرہ کے پاس حاضر ہونے کا سبب یہی واقعہ بنا۔

(دلیل العارفین ۴۰)

شرح (22): (لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے والے کو چاہے کہ) جب کسی اجتماع یا محفل میں جائے تو سلام کرے اور آگے جانا ممکن نہ ہو تو جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے، جب بیٹھے تو اپنے قریب والے کو خاص طور پر سلام کرے، اگر عام لوگوں کی محفل میں جائے تو ان کے ساتھ بے ہودہ باتوں میں نہ پڑے، ان کی جھوٹی خبروں اور افواہوں پر دھیان نہ دے اور ان میں جاری بری باتوں کی طرف توجہ نہ دے، بغیر کسی سخت مجبوری کے عام لوگوں سے میل جول کم رکھے، لوگوں میں سے کسی کو حقیر نہ سمجھے ورنہ یہ ہلاک و برباد ہو جائے گا کیونکہ یہ نہیں جانتا، ہو سکتا ہے کہ وہ اِس سے بہتر ہو، دنیادار ہونے کی وجہ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ادب کرے، ہم جنسوں کے ساتھ عمدہ سلوک سے پیش آئے اور بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرے۔ بوڑھوں کو باپ دادا کی طرح سمجھے۔ ہم جنسوں کو بھائیوں کی مانند اور بچوں کو اولاد کی مانند جانے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تعظیمی نگاہوں سے ان کی طرف نہ دیکھے کیونکہ دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں، اپنے دل میں دنیا کی قدر و منزلت پیدا نہ ہونے دے کہ اس کی وجہ سے اہلِ دنیا کی تعظیم و توقیر کرنے لگے گا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں اس کا مرتبہ کم ہو جائے گا۔ لوگوں سے دُنیا حاصل کرنے کے لئے اپنے دین کو داؤ پر نہ لگائے کیونکہ ایسا کرنے سے لوگوں کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت ختم ہو جائے گی۔ لوگوں سے عداوت (یعنی دُشمنی) نہ رکھے کہ ان کے دل میں بھی دُشمنی پیدا ہو جائے گی حالانکہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے برداشت کر سکتا ہے۔ کسی سے عداوت رکھے تو محض اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی خاطر رکھے۔ پس ان کے برے افعال سے نفرت کرے، ان کی طرف رحمت و شفقت بھری نظروں سے دیکھے، اگر وہ اس سے محبت کریں، اس کی تعظیم و توقیر کریں، اسے دیکھ کر اُن کے چہرے کِھل اُٹھیں اور وہ اس کی تعریف و توصیف کریں تو پھر بھی ان کے پاس کثرت سے نہ آئے کہ حقیقت میں کم لوگ ہی اسے چاہتے ہیں۔ اگر وہ اُن کے پاس کثرت سے جائے گا تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ اُسے ان کے سپرد کر دے گا پھر وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس بات کی حرص و لالچ نہ کرے کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کے ساتھ ایسا ہی گمان رکھیں جیسا اس کی موجودگی میں رکھتے ہیں کیونکہ یہ چیز ہمیشہ نہیں پائی جاتی، لوگوں کے پاس موجود چیز کو حاصل کرنے میں حرص و لالچ نہ کرے کہ اس طرح وہ ان کے سامنے ذلیل ہو جائے گا اور اپنا دین ضائع کر بیٹھے گا۔ اور اُن پر بڑائی نہ چاہے۔ جب ان میں سے کسی سے اپنی حاجت کا سوال کرے اور وہ اسے پورا کر دے تو وہ اس کا ایسا بھائی ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اُس نے اِس کی حاجت پوری نہ کی تو اُس کی مذمت نہ کرے کہ اس طرح اُس کے دل میں دشمنی پیدا ہو جائے گی، لوگوں میں سے کسی کو نصیحت نہ کرے، البتہ! جب کسی میں قبولیت کے آثار دیکھے تو نصیحت کرے، ورنہ وہ اس سے عداوت رکھے گا اور اس کی بات نہیں مانے گا۔

اگر لوگوں میں بھلائی، عزت و شرافت یا خوبی دیکھے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف رجوع کرے اور اسی کی تعریف کرے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں دُعا کرے کہ وہ اُسے لوگوں کے سپرد نہ کرے۔ جب لوگوں کے کسی شر پر آگاہ ہو یا ان میں بری بات یا غیبت یا کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو ان کا معاملہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر چھوڑ دے اور ان کے شر سے اس کی پناہ مانگے اور اس سے ان کے خلاف مدد طلب کرے اور ان پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کینہ، حسد اور عداوت و دشمنی سے اجتناب کرے اور کسی کی نصیحت میں کوتاہی نہ کرے۔ صحبت میں کسی کی کوتاہی نہ کرے اور نہ ایک دوسرے کی قول و فعل میں کوتاہی کرے اس لئے کہ لوجہ اللہ صحبت کرنے والے پر لازم ہے کہ رفیق کے کسی قول و فعل پر کبیدہ اور آزردہ خاطر نہ ہو اور اسے اپنے سے اسی بناء پر جدا نہ کرے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ حضرت ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ صحبت کی شرط کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ ہے کہ صحبت میں اپنی خوشی نہ چاہے کیونکہ صحبت کی سب سے بڑی آفت یہی ہے کہ ہر ایک سے اپنی خوشی کا خواہاں ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے صحبت کے مقابلہ میں اکیلا رہنا بہتر ہے اور جب وہ اپنی خوشی کو ترک کر دے تو پھر وہ اپنے مصائب کی خوشیوں کا لحاظ رکھے تب وہ صحبت میں کامیابی حاصل کر سکے گا۔ (23)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عتاب و ملامت نہ کرے کہ وہ اُن پر عتاب کی کوئی راہ نہ پائے گا مگر یہ کہ وہ اس کے دشمن ہو جائیں گے اور اس کا غصہ بھی ٹھنڈا نہ ہوگا بلکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرے جن کی وجہ سے لوگوں کو اس پر مسلّط کیا گیا اور اس سے مغفرت طلب کرے اور لوگوں کی حق بات سننے والا بن جائے اور غلط باتیں سننے سے بہرہ ہو جائے۔

شرح (23): بزرگانِ دین اپنے نفس پر غیروں کو ترجیح دیا کرتے تھے، اگرچہ ان کو خود تکلیف ہو مگر وہ دوسروں کو راحت پہنچانے کی سعی کیا کرتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک انصاری ایک مہمان کو اپنے گھر لے گیا۔ اس کے گھر میں صرف ایک آدمی کا کھانا تھا۔ اس نے وہ کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا اور اپنی بی بی کو اشارہ کیا کہ وہ چراغ بجھا دے۔ اس نے بجھا دیا مہمان کے ساتھ وہ انصاری آپ بیٹھ گئے اور منہ کے ساتھ چپ چپ کرتے رہے جس سے مہمان نے سمجھا کہ آپ بھی کھا رہے ہیں وہ سب کھانا اسی مہمان کو کھلا دیا خود بمعہ بی بی اور عیال بھوکے سو رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ28 الحشر:9)

ترجمہ کنز الایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو

(تفسیر ابن کثیر، ج8، ص100) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک درویش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ کے ارادے سے چلا۔ راستہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اسی طرح ایک بکری کی سری ایک صحابی کے پاس صدقہ آئی تو آپ نے فرمایا کہ فلاں صحابی مجھ سے زیادہ غریب ہے اس کو دے دو۔ چنانچہ اس کے پاس لے گئے۔ اس نے دوسرے کے پاس بھیج دی۔ اس دوسرے نے آگے تیسرے کے پاس یہاں تک کہ پھرتے پھرتے پھر پہلے کے پاس آگئی۔

(المستدرک للحاکم، تفسیر سورۃ الحشر، قصۃ ایثار الصحابۃ، الحدیث 3852 ج 3، ص 299)

صحابہ کرام میں تو یہاں تک ایثار تھا کہ انہوں نے اپنے بھائی مہاجرین کو اپنی سب جائداد نصف نصف تقسیم کردی۔ بلکہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں انہوں نے ایک کو طلاق دے کر اپنے بھائی مہاجر کے نکاح میں دے دی۔ اللہ اکبر! یہ اخوت و ہمدردی جس کی نظیر آج دنیا میں نظر نہیں آتی۔

جنگ یرموک میں ایک زخمی نے پانی مانگا ایک شخص پلانے کو آگے ہوا تو ایک دوسرے زخمی کی آواز آئی کہ ہائے پانی۔ زخمی نے کہا کہ اس بھائی کو پہلے پانی پلا دو۔ وہ شخص آگے لے کر گیا تو ایک اور نے آواز دی کہ پانی! اس نے بھی کہا کہ اس کو پہلے پانی پلاؤ۔ پھر آگے گیا تو ایک اور آواز آئی اس نے کہا کہ اس کو پانی پلاؤ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو وہ شہید ہو گیا تھا۔ پھر دوسرے کے پاس آیا تو وہ بھی شہید ہو گیا تھا۔

اسی طرح سب کے سب شہید ہو گئے۔ مگر کسی نے پانی نہ پیا۔ اپنی جان کی پروانہ کی سب نے دوسرے بھائی کے لئے ایثار کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الحشر، تحت الآیۃ 9 ج 8، ص 100)

اسی طرح چند درویش جاسوسی کی تہمت میں پکڑے گئے سرکاری حکم ہوا کہ ان کو قتل کیا جائے جب قتل کرنے لگے تو ہر ایک نے یہی تقاضا کیا کہ پہلے مجھے قتل کیا جائے تاکہ ایک دو دم زندگی کے دوسرا بھائی حاصل کرے اور میں اس سے پہلے مارا جاؤں۔ بادشاہ نے یہ ایثار دیکھا، سب کو رہا کر دیا۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّ اَسِيرًا (پ 29 الدھر: 8)

ترجمہ کنز الایمان: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور صاحبزادگان کا تین دن روزہ رکھنا اور بوقت افطار مسکین کا سوال کرنا، دوسرے روز کسی یتیم کا سوال کرنا، تیسرے روز کسی قیدی کا اور آپ کا اپنی بھوک اور اپنے عیال کی بھوک کی پروانہ کرنا اور سائلین کو دے دینا اعلیٰ درجہ کا ایثار ہے۔

(تفسیر کبیر، ج 10 ص 746 ملخصاً)

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے صحبت میں رہنے کی اجازت مانگی انہوں نے فرمایا صحبت میں ایک امیر ہوتا ہے اور دوسرا فرمانبردار، تم کیا منظور کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا آپ امیر بنیں اور میں فرمانبردار، انہوں نے فرمایا اگر فرمانبردار بننا پسند کرتے ہو تو میرے کسی حکم سے باہر نہ ہونا میں نے کہا یہی ہوگا جب ہم منزل پہ پہنچے تو انہوں نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے کنویں سے پانی کھینچا جو بہت سرد تا پھر لکڑیاں جمع کر کے ایک نشیبی جگہ پر آگ جلائی اور پانی گرم کیا میں جس کام کا ارادہ کرتا وہ فرماتے بیٹھ جاؤ فرمانبرداری کی شرط کو ملحوظ رکھو۔ جب رات ہوئی تو شدید بارش نے گھیر لیا۔ انہوں نے اپنی گدڑی اتار کر کندھے پر ڈالی اور رات بھر میرے سر پر سایہ کئے کھڑے رہے۔ میں ندامت سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا مگر شرط کے مطابق کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا اے شیخ! آج میں امیر بنوں گا۔ انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو انہوں نے پھر وہی خدمت اختیار کی۔ میں نے کہا اب آپ میرے حکم سے باہر نہ ہوجایئے فرمایا فرمان سے وہ شخص باہر ہوتا ہے جو اپنے امیر سے اپنی خدمت کرائے۔ وہ مکہ مکرمہ تک اسی طرح میرے ہم سفر رہے۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں شرم کے مارے بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ انہوں نے مجھے منیٰ میں دیکھ کر فرمایا! اے فرزند! تم پر لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی صحبت کرنا جیسی کہ میں نے تمہارے ساتھ کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے۔ خدا کی قسم، آپ نے کبھی بھی مجھ سے اف تک نہ فرمایا اور نہ میرے کسی کام پر یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا یہ کیوں نہیں کیا۔ (24)

ہر درویش یا تو مقیم ہوگا یا مسافر، مشائخ طریقت کا مشرب یہ ہے کہ مسافر درویش کو چاہئے کہ وہ مقیموں کی خدمت کو اپنے حق میں افضل جانے۔ اس لئے مسافر اپنی تقدیر پر رواں دواں ہے اور مقیم حق تعالیٰ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ مسافروں میں طلب کی علامت ہے اور مقیموں میں پانے کا اشارہ۔ لہٰذا جس نے

شرح (24): یعنی میں کم عمر بھی تھا اور کم سمجھ بھی، مجھ سے قصور بھی ہوتے تھے اور کبھی کچھ نقصان بھی ہوجاتا تھا جیسے کوئی چیز ٹوٹ جانا وغیرہ مگر اس سراپا رحم و کرم نے مجھے کبھی جھڑ کا نہیں اور ملامت کے طریقہ پر یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کر دیا یہ کیوں چھوڑ دیا۔ اف کا ترجمہ اردو میں ہے اف وہ یہ سرزنش اور ملامت کے وقت بولا جاتا ہے یہاں دنیاوی کاموں میں اف نہ فرمانا مراد ہے شرعی غلطی پر پکڑ کرنا تو اصلاح ہے۔ (مرقات و اشعہ)

پایا وہ بیٹھ گیا۔ وہ اس سے افضل ہے جو ابھی مسافرت اور طلب میں ہے۔ اسی طرح مقیموں پر فرض ہے کہ وہ مسافروں کو اپنے سے افضل جانیں۔ اس لئے کہ مقیم صاحب علائق ہیں اور مسافر علائق سے جدا اور اکیلے۔ وہ راہ طلب کے مسافر ہیں اور مقیم دنیا میں حالت وقوف میں ہیں۔ اسی طرح بزرگ حضرات کو چاہئے کہ جوانوں کو اپنے پر فوقیت دیں کیونکہ جوان دنیا میں نو وارد ہیں اور ان کے گناہ بہت کم ہیں اور جوانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ بزرگوں کو اپنے پر فضیلت دیں کیونکہ وہ عبادت میں ان سے پہلے ہیں اور خدمت الٰہی میں مقدم۔ جب یہ سب ایک دوسرے کا اس طرح لحاظ و پاس کریں گے تو یہ سب نجات پا جائیں گے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔

آداب کی حقیقت:

آداب کی حقیقت خصائل جمیلہ کا جمع کرنا ہے۔ ادیب کو ادیب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اس پر وارد ہوتا ہے وہ سب نیک ہوتا ہے:

فالذی اجتمع فیه خصال الخیر فهو ادیب جس میں نیک خصلتیں زیادہ ہوں وہ ادیب ہے۔

حالانکہ عرف و عادت میں ادیب وہ شخص کہلاتا ہے جو علم لغت اور صرف ونحو کے قواعد کا ماہر ہو۔

ادب کے معنی:

تصوف کے علم میں ادب کے معنی یہ ہیں کہ:

الادب الوقوف مع المستحسنات ومعناہ ان تفعل الله فی الادب سراً وعلانیته واذا کنت کذالك کنت ادیبا وان کنت اعجمیا وان لم تکن کذالك تکون علی ضدہٖ

"ادب کے معنی نیک اعمال پر قائم رہنے کے ہیں مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظاہر و باطن میں باادب معاملات رکھے۔ جب تم ایسے بن جاؤ گے تو ادیب کہلاؤ گے۔ چاہے تم گونگے ہو اور اگر تم نہ بنے تو اس کے برخلاف ہو گے۔"

طریقت کے معاملات میں الفاظ و عبارت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور ہر حال میں عاقل سے عالم افضل و بزرگ ہوتا ہے۔ (25)

شرح (25): سیِّدُ المبلّغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ ادب کی کیا شرط ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا جواب اس گفتگو میں موجود ہے جسے میں نے سنا ہے۔ ادب یہ ہے کہ جو بات کہو وہ قول صادق ہو، جو معاملہ کرو وہ برحق ہو۔ قول صادق اگرچہ سخت و درشت ہو مگر ملیح ہوتا ہے اور حق معاملہ اگرچہ دشوار ہو مگر نیک ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بات کرو تو تمہاری بات میں صداقت ہو اور جب خاموش رہو تو تمہاری خاموشی میں بھی حق و صداقت کارفرما ہو۔

حضرت شیخ ابو نصر سراج صاحب لمعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں آداب کا فرق بیان فرمایا ہے۔ ''ادب میں لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ ایک دنیادار جو فصاحت و بلاغت، حفظ علوم اور بادشاہوں کے نام اور عرب کے اشعار کو ادب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے جنہوں نے ریاضت نفس، تادیب اعضاء، حفظِ حدودِ الٰہی اور ترک شہوات کا نام ''ادب'' رکھا ہے اور تیسرا طبقہ اہل خصوصیت کا ہے جو دلوں کی طہارت باطن کا تزکیہ، اسرار کی مراعات، عہد و پیمان کا ایفاء، وقت کی حفاظت، پراگندہ خیالات اور موہوم خطرات کی طرف قلت توجہ، مقام طلب، اوقات حضور، اور مقاماتِ قرب میں حسن ادب کو ملحوظ رکھنے کو ادب کہتے ہیں۔'' یہ تعریف جامع ہے اور اس کی تفصیل جگہ بجگہ موجود ہے۔ وباللہ التوفیق

اقامت کے آداب:

جب کوئی درویش سفر کے سوا اقامت اختیار کرے تو اس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس پہنچے تو وہ خوشی واحترام کے ساتھ پیش آئے اور عزت و تعظیم سے اس کا خیر مقدم کرے۔ گویا وہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا ایک مہمان ہے اور اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمان کے ساتھ کرتے تھے۔ گھر میں جو کچھ موجود ہوتا مہمان کے روبرو لاکر رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی فضیلت مجھے تمہارے ادنیٰ شخص پر حاصل ہے، اور بے شک اللہ عزوجل، اس کے فرشتے اور زمین وآسمان والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں پانی میں لوگوں کو خیر سکھانے والے کی بھلائی کی خواہاں رہتی ہیں۔

(جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، الحدیث: ۲۶۸۵، ص ۱۹۲۲)

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ (26) وہ ایک فربہ بچھڑا تیار کر کے لائے۔ (الذّٰریٰت: ۲۶)

اور مہمان سے اتنا بھی دریافت نہ فرمایا کہ کہاں سے آر ہے ہو اور کہاں جار ہے ہو۔ اور کیا نام ہے؟ مہمان کے ساتھ ان کا یہ ادب اور سلوک تھا انہوں نے مہمان کا آنا بھی حق تعالیٰ کی طرف سے جانا اور مہمان کی روانگی بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سمجھی اور اس کا نام بھی بندۂ حق خیال کیا۔ (27)

شرح (26): فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝

ترجمہ کنزالایمان: پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا۔ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۶)

شرح (27): مہمان نوازی کرنا سنتِ مبارکہ ہے، احادیث مبارکہ میں اس کے بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کہ مہمان باعثِ خیر و برکت ہے۔ ایک دفعہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم کے یہاں مہمان حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے قرض لے کر اس کی مہمان نوازی فرمائی۔ چنانچہ تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم کے غلام ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ فلاں یہودی سے کہو کہ مجھے آٹا قرض دے۔ میں رجب شریف کے مہینے میں ادا کردوں گا (کیونکہ ایک مہمان میرے پاس آیا ہوا ہے) یہودی نے کہا، جب تک کچھ گروی نہیں رکھو گے، نہ دوں گا۔ حضرت سیدنا ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں واپس آیا اور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم کی خدمت میں اس کا جواب عرض کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے فرمایا، واللہ! میں آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں۔ اگر وہ دے دیتا تو میں ادا کر دیتا۔ (اب میری وہ زرہ لے جا اور گروی رکھ آ۔ میں لے گیا اور زرہ گروی رکھ کر لایا) (المعجم الکبیر، الحدیث ۹۸۹، ج۱، ص۳۳۱)

مہمان باعث خیر و برکت ہے:

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ؤالہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس گھر میں مہمان ہو اس گھر میں خیر و برکت اسی طرح دوڑتی ہے جیسے اونٹ کی کوہان سے چھری (تیزی سے گرتی ہے)، بلکہ اس سے بھی تیز۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الضیافۃ، الحدیث ۳۳۵۶، ج۴، ص۵۱)

پیارے بھائیو! چھری اونٹ کے کوہان پر رکھ دیں تو فوراً لڑھک کر نیچے کی طرف آجاتی ہے، مہمان کی وجہ سے خیر و برکت اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے بعد درویش مقیم یہ دیکھے کہ مہمان خلوت کو پسند کرتا ہے یا صحبت کو۔ اگر وہ خلوت کو پسند کرتا ہے تو اس کے لئے تنہائی کردے اور اگر وہ صحبت کو پسند کرتا ہے تو انس و محبت کے ساتھ بے تکلف پیش آئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) **مہمان میزبان کے گناہ معاف ہونے کا سبب ہوتا ہے:**

سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے، جب کوئی مہمان کسی کے یہاں آتا ہے تو اپنا رزق لے کر آتا ہے اور جب اس کے یہاں سے جاتا ہے تو صاحب خانہ کے گناہ بخشے جانے کا سبب ہوتا ہے۔

(کشف الخفا، حرف الضاد المعجمۃ، الحدیث ۱۶۴۱، ج ۲، ص ۳۳)

دس ۱۰ فرشتے سال بھر تک گھر میں رحمت لٹاتے ہیں:

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، اے براء! آدمی جب اپنے بھائی کی، اللہ عزوجل کے لئے مہمان نوازی کرتا ہے اور اس کی کوئی جزاء اور شکریہ نہیں چاہتا تو اللہ عزوجل کی اس کے گھر میں دس ۱۰ فرشتوں کو بھیج دیتا ہے جو پورے ایک سال تک اللہ عزوجل کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر پڑھتے اور اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اور جب سال پورا ہوجاتا ہے تو ان فرشتوں کی پورے سال کی عبادت کے برابر اس کے نامہ اعمال میں عبادت لکھ دی جاتی ہے اور اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کو جنت کی لذیذ غذائیں جَنَّۃُ الْخُلُدِ اور نہ فنا ہونے والی بادشاہی میں کھلائے۔

(کنز العمال، کتاب الضیافۃ، قسم الافعال، الحدیث ۲۵۹۷۲، ج ۹، ص ۱۱۹)

سبحان اللہ، سبحان اللہ! کسی کے گھر مہمان تو کیا آتا ہے گویا اللہ عزوجل کی رحمت کی چھما چھم برسات شروع ہو جاتی ہے اس قدر اجر و ثواب اللہ! اللہ!

مہمان کو دروازہ تک رخصت کرنا سنت ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے، تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنت یہ ہے کہ آدمی مہمان کو دروازے تک رخصت کرنے جائے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الضیافۃ، الحدیث ۳۳۵۸، ج ۴، ص ۵۲)

انوکھا اَدب

حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ حضرت پیر بڈھن شاہ کلانوری علیہ الرحمۃ کا واقعہ (اَدب سیکھانے کیلئے) اکثر سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت پیر بڈھن شاہ کلانوری علیہ الرحمۃ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جب رات کو بستر پر آرام کرنے لیٹے تو اس کے ہاتھ پاؤں دبائے اگر وہ ایسا نہ کرنے دے اور کہے کہ اس کی عادت نہیں ہے تو اس پر ضد اور اصرار نہ کرے تاکہ وہ دل گیر نہ ہو صبح کے وقت حمام کے لئے کہے تاکہ غسل کر کے صاف وستھرا ہو جائے اور ضروریاتِ صفائی کا خیال رکھے۔ کسی دوسرے کو اس کی خدمت کرنے کا موقعہ نہ دے۔ مقیم کے لئے لازم ہے کہ حسن عقیدت کے ساتھ اس کی خدمت کرے اور اسے خوب صاف وستھرا بنانے کی پوری کوشش کرے۔ یہاں تک کہ اس کی کمر ملے۔ ہاتھ پاؤں کی مالش کرے۔ مہمان نوازی کے یہ آداب ہیں۔ اگر مقیم اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ اسے نیا کپڑا پہنا سکے تو اس میں کوتاہی نہ کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو تکلف نہ برتے بلکہ اس کے لباس کو دھو کر صاف ستھرا کر دے تاکہ جب وہ حمام سے باہر آئے تو اسی لباس کو پہن لے۔ حمام سے فارغ ہونے کے بعد اگر تین دن سے زیادہ نہ گزرے ہوں تو اس شہر کے بزرگ، امام، یا بزرگوں کی جماعت سے ملنے کا اشتیاق دلائے اور اس سے کہے کہ آؤ ہم ان کی زیارت کو چلیں۔ اگر وہ آمادہ ہو تو ہمراہ جائے اور اگر وہ کہے کہ میرا دل نہیں چاہتا تو اصرار نہ کرے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ طالبانِ حق کا دل اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے سفر کے عجائب و غرائب میں سے کوئی بات بیان فرمائیں تو انہوں نے فرمایا سب سے عجیب بات یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے اسے قبول نہ کیا اور میرے دل نے نہ چاہا کہ حق تعالیٰ کے سوا میرا دل کسی اور کی قدر و منزلت کرے اور میں اس کے ادب و احترام کی رعایت میں مشغول

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مرشِد کے گاؤں کا خاکروب (یعنی جھاڑو دینے والا) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی رہائش گاہ میں رکھے ہوئے چمڑے کے ایک بنڈل پر بیٹھ گیا۔ آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو خاکروب کو پلنگ پر عمدہ بستر بچھا کر بٹھایا، اور خدام کو حکم دیا کہ اس چمڑے کی جوتیاں نہ بنوانا۔ بلکہ ڈول بنوا کر کنویں پر رکھوا دینا۔ کیونکہ اس چمڑے پر پیر خانے کا مہمان بیٹھ چکا ہے۔ (ماہنامہ السلسبیل ۱۹۶۴)

اللہ کے محبوب، دانائے غیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ ہدایت نشان ہے: مہمان کے لئے تکلف نہ کرو کیونکہ اس طرح تم اس سے نفرت کرنے لگو گے اور جو مہمان سے نفرت کرتا ہے وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے بغض کرتا ہے اور جو شخص اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے بغض کرتا ہے اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسے ناپسند کرتا ہے۔

(البحر الزخار بمسند البزار، مسند سلمان الفارسی، الحدیث: ۲۵۱۴، ج۶، ص ۴۸۲، مختصراً)

ہوں۔

مقیم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مسافر سے پہلے سلام کرے یہی احکام ان دنیا داروں کے لئے بھی ہیں، جو بیمار پرسی، عیادت یا تعزیت وغیرہ کے لئے جایا کرتے ہیں اور جس مقیم کو مسافروں سے یہ طمع ہو کہ ان کو وہ اپنی گدائی کا آلہ بنائے اور اپنے گھر سے دوسرے کے گھر لے جائے اس کے لئے یہی سزاوار اور بہتر ہے کہ وہ مہمانوں کی خدمت نہ کرے۔ کیونکہ وہ انہیں ذلیل کرتا ہے اور ان کے دل کو رنج پہنچاتا ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے سفروں میں یہی بات میرے لئے سب سے بڑھ کر تکلیف دہ ثابت ہوئی کہ جاہل خدام اور ناپاک مقیم لوگ کبھی کبھی ایک گھر سے اٹھا کر دوسرے گھر لے جاتے تھے۔ کبھی کسی امیر کے گھر کبھی کسی دہقانی کے گھر۔ حالانکہ میں دل میں اس سے متنفر ہوتا اور انہیں سخت وسست کہتا تھا لیکن ظاہر داری میں درگزر اور مسامحت سے کام لیتا تھا اور یہ مقیم لوگ جو سلوک میرے ساتھ کرتے اور بے ڈھنگے طور پر میری نذر کرتے تھے اگر میں مقیم ہوتا تو ہرگز مسافروں کے ساتھ ایسا نہ کرتا۔ بے ادبوں کی صحبت کا فائدہ اس سے بڑھ کر اور نہیں ہوسکتا کہ جو بات تمہیں اچھی معلوم نہ ہو تو تم اپنے معاملات میں ہمیشہ ان سے اجتناب کرو۔

پھر اگر کوئی مسافر درویش خوش ہو اور کچھ دن رہنا چاہے اور دنیا طلبی کا اظہار کرے تو مقیم کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ہمیشہ اس کی ضرورت کے لئے اسے مقدم رکھے اور اگر یہ مسافر لالچی اور بے ہمت ہے تو مقیم کو نہ چاہئے کہ بے ہمتی کا مظاہرہ کرے اور ناممکن ضرورتوں میں اس کا پیرو ہو۔ کیونکہ جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ رکھا ہے۔ ان کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ جب ضرورت ہوئی تو بازار آ گئے اور لگے ضرورت جتانے یا امراء کے دروازے پر پہنچ گئے اور لگے ان سے مدد مانگنے۔ دنیا سے کنارہ کشوں کا ان کی صحبت سے کیا علاقہ؟

مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ریاضت ومجاہدے کی تعلیم دے رہے تھے کہ ایک مسافر آ گیا آپ اس کی خاطر مدارات میں مشغول ہو گئے اور کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ مسافر نے کہا اس کے سوا، فلاں چیز کی بھی مجھے ضرورت ہے۔ انہوں نے فرمایا تجھے بازار جانا چاہئے تھا تو تو بازاری شخص معلوم ہوتا ہے۔ مساجد و خانقاہ میں رہنے والا شخص معلوم نہیں ہوتا۔ (28)

شرح (28): حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک مرتبہ میں نے دمشق سے دو درویشوں کے ساتھ حضرت ابن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا قصد کیا۔ وہ مکہ مکرمہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ ہم نے آپس میں طے کیا کہ ہر ایک اپنی آپ بیتی کا کوئی اہم واقعہ یاد کرے تاکہ وہ بزرگ ہمارے باطن کی ہمیں خبر دیں اور ہمارے اس واقعہ کی مشکلات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ فارس کے شہر رامہرمز کے باشندہ تھے۔ مجوسی مذہب کے پابند تھے اور ان کے باپ مجوسیوں کی عبادت گاہ آتش خانہ کے منتظم تھے۔ یہ بہت سے راہبوں اور عیسائی سادھوؤں کی صحبت اٹھا کر مجوسی مذہب سے بیزار ہو گئے اور اپنے وطن سے مجوسی دین چھوڑ کر دین حق کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے اور عیسائیوں کی صحبت میں رہ کر عیسائی ہو گئے۔ پھر ڈاکوؤں نے گرفتار کر لیا اور اپنا غلام بنا کر بیچ ڈالا اور یکے بعد دیگرے یہ دس آدمیوں سے زیادہ اشخاص کے غلام رہے۔ جب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت یہ ایک یہودی کے غلام تھے جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو جناب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرما دیا۔

جنگ خندق میں مدینہ منورہ شہر کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا۔ یہ بہت ہی طاقتور تھے اور انصار و مہاجرین دونوں ہی ان سے محبت کرتے تھے۔ چنانچہ انصاریوں نے کہنا شروع کیا کہ سَلْمَانُ مِنَّا یعنی سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے بھی یہی کہا کہ سَلْمَانُ مِنَّا یعنی سلمان ہم میں سے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ان پر بہت بڑا کرم عظیم تھا جب انصار و مہاجرین کا نعرہ سنا تو ارشاد فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ (یعنی سلمان ہم میں سے ہیں) یہ فرما کر ان کو اپنے اہل بیت میں شامل فرما لیا۔ عقد مواخات میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کو ابوالدرداء صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنا دیا تھا، اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان کا شمار ہے۔ بہت عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ یہ رات میں بالکل ہی اکیلے صحبت نبوی سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اول بھی سیکھا اور علم آخر بھی سیکھا اور وہ، ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ احادیث میں ان کے فضائل و مناقب بہت مذکور ہیں۔ ابو نعیم نے فرمایا کہ ان کی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ بعض کا قول ہے تین سو پچاس برس کی عمر ہوئی اور دو سو پچاس برس کی عمر پر تمام مورخین کا اتفاق ہے۔ ۳۵ھ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی۔

یہ مرض الموت میں تھے تو حضرت سعد اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حل کریں۔ چنانچہ میں نے دل میں خیال جمایا کہ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کو حل کراؤں گا دوسرے درویش نے یہ خیال جمایا کہ میں اپنے مرض عظیم طحال کے لئے ان سے دعا کراؤں گا اور تیسرے نے یہ خیال جمایا کہ میں ''صابونی حلوے'' کی درخواست کروں گا۔ سوچتے ہوئے جب ہم سب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت حسین بن منصور حلاج کے اشعار کے حل پہلے ہی لکھوا رکھے تھے وہ میرے سامنے رکھ دے اور اس درویش کے پیٹ پر دست مبارک پھیرا اور اس کی تلی جاتی رہی اور تیسرے درویش سے فرمایا چونکہ تم ''صابونی حلوے'' کی خواہش رکھتے ہو جو کہ عوام کی غذا ہے حالانکہ تم اولیاء کے لباس میں ملبوس ہو اور اولیاء کا لباس عوامی مطالبے اور خواہش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا تم دونوں میں سے ایک رخ اختیار کرلو۔

غرضکہ مقیم کو ایسے مسافر کی مدارات لازم نہیں جو حق تعالیٰ کے حقوق کی رعایت نہ کرے اور اپنی نفسانی لذتوں کو نہ چھوڑے۔ جب تک کوئی شخص اپنی لذت پر قائم ہے محال ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی لذتوں کو پورا کرنے میں اس کی موافقت کرے۔ جب وہ اپنی لذتوں کو چھوڑ دے گا تب وہ اس لائق ہوگا کہ دوسرا اس کی لذت کو برقرار رکھے تا کہ دونوں اپنے اپنے حال میں راہ پر قائم رہیں اور راہزن نہ بنیں۔

احادیث میں مشہور واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی (29) اور حضرت ابوذر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ ان حضرات نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ہم لوگوں کو وصیت کی تھی کہ تم لوگ دنیا میں اتنا ہی سامان رکھنا جتنا کہ ایک سوار مسافر اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن افسوس کہ میں اس مقدس وصیت پر عمل نہیں کر سکا کیونکہ میرے پاس اس سے کچھ زائد سامان ہے۔

بعض مؤرخین نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا سال ۱۰ رجب ۳۳ھ یا ۳۶ھ تحریر کیا ہے۔ مزار مبارک مدائن میں ہے جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ (اسد الغابۃ، سلمان الفارسی، ج ۲، ص ۴۸۷۔ ۴۹۲ ملتقطاً) (والاکمال فی اسماء الرجال، حرف السین، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۷) (وکنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل الصحابۃ، سلمان الفارسی، الحدیث: ۳۷۱۲۶، ج ۷، الجزء ۱۳، ص ۱۸۴) (وتھذیب التھذیب، حرف السین، سلمان الخیر الفارسی، ج ۳، ص ۴۲۴ ملتقطاً)

شرح (29): حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا اسم گرامی جندب بن جنادہ ہے مگر اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غفاری رضی اللہ عنہما (30) کے درمیان برادری قائم فرمائی تھی۔ یہ دونوں اصحابِ صفہ کے سرکردہ افراد میں سے تھے اور باطنی اسرار کے ائمہ ورؤساء میں سے تھے۔ ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی مزاج پرسی کے لئے آئے تو گھر والوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ یہ تمہارے بھائی ابوذر رضی اللہ عنہ، نہ دن میں کچھ کھاتے ہیں اور نہ رات میں سوتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کچھ کھانے کے لئے لاؤ۔ جب لایا گیا تو حضرت ابوذر سے کہا اے بھائی تمہیں زیبا یہ ہے کہ تم موافقت کرو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ جب رات ہوئی تو کہا اے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بہت ہی بلند پایہ صحابی ہیں اور یہ اپنے زہد وقناعت اور تقوی وعبادت کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے یہاں تک کہ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ اسلام لانے میں ان کا پانچواں نمبر ہے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا پھر اپنے وطن قبیلۂ بنی غفار میں چلے گئے پھر جنگ خندق کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد کچھ دنوں کے لیے ملک شام چلے گئے پھر وہاں سے لوٹ کر مدینہ منورہ آئے اور مدینہ منورہ سے چند میل دور مقام ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔ (اکمال، ص ۵۹۴)

بہت سے صحابہ اور تابعین علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بمقام ربذہ ۳۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، حرف-الذال، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۴) (واسد الغابۃ، جندب بن جنادۃ، ج۱، ص ۴۴۰، ۴۴۱ ملتقطاً)

شرح (30): اِتباعِ سنّتِ رسول

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ اور آپ کی سنت مقدسہ کی اتباع اور پیروی ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

اسی لئے آسمان امت کے چمکتے ہوئے ستارے، ہدایت کے چاند تارے، اللہ ورسول کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی ہر سنت کریمہ کی اتباع اور پیروی کو اپنی زندگی کے ہر دم قدم پر اپنے لئے لازم الایمان اور واجب العمل سمجھتے تھے اور بال برابر بھی کبھی کسی معاملہ میں بھی اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس سنتوں سے انحراف یا ترک گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، القسم الثانی فیما یجب علی الانام... الخ، الباب الاول فی فرض الایمان بہ... الخ، فصل واما وجوب... الخ، الجزء الثانی، ص ۸-۹ ملخصا)

بھائی سونے میں بھی تم کو میرا ساتھ دینا چاہئے۔ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَاِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقٌّ کیونکہ تمہارے اوپر اپنے جسم کا بھی حق ہے تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمہارے رب کا بھی حق ہے۔ دوسرے دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو کل سلمان نے تم سے کہا تھا کہ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ، الخ"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی لذتوں کے چھوڑنے پر اقامت فرمائی تو حضرت سلمان نے انہیں ان کی لذتوں پر قائم کیا اور انہوں نے ان کی خاطر اپنے حق سے درگزر کیا۔ اسی اصل وقاعدے پر جو کچھ تم کرو گے صحیح و مستحکم ہوگا۔

مجھ پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ میں ملک عراق میں دنیاوی مال کو جمع کرنے اور ان کو خرچ کرنے میں خوب اسراف کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھ پر قرض کا بار بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ جسے جو ضرورت پیش آتی میرے پاس آجاتا اور میں اس کی ضرورتیں پوری کرنے میں تکلیفیں اٹھاتا تھا۔ اس زمانہ کے ایک بزرگ نے مجھے لکھا کہ اے فرزند! خیال رکھنا کہ تمہارا دل خدا سے غافل نہ ہوجائے۔ اپنے دل کو فارغ رکھنا۔ تم مشاغل میں پھنس گئے ہو۔ لہٰذا اگر کوئی دل اپنے سے زیادہ عزیز پاؤ تو جائز ہے کہ اس دل کی فراغت میں اپنے آپ کو مشغول کرلو ورنہ اس کام اور اس شغل سے دستکش ہوجاؤ۔ کیونکہ بندگان خدا کی کفالت خدا کے ذمہ ہے۔ اسی لمحہ میرے دل میں اس سے فراغت کا جذبہ پیدا ہوگیا۔

یہ مسافروں کے بارے میں مقیموں کے احکام تھے جو اختصاراً بیان کردیئے ہیں۔

مسافرت کے آداب:

جب کوئی درویش اقامت چھوڑ کر سامان سفر اختیار کرے تو اس کے ادب کے احکام یہ ہیں کہ اس کا سفر خدا کے لئے ہو نہ کہ نفسانی پیروی میں، جس طرح ظاہر میں سفر اختیار کیا ہے اسی طرح باطن میں بھی اپنی نفسانی خواہش کو ترک کردے۔ ہمیشہ باوضو رہے اور اپنے اوراد و وظائف کو ترک نہ کرے۔ زیبا یہی ہے کہ اس کا سفر یا تو ادائے حج کے لئے ہو یا جہاد بالکفار کے لئے، یا کسی جگہ کی زیارت یا کہیں دینی فوائد کے حصول یا طلب علم یا کسی بزرگ یا شیخ کی ملاقات یا کسی شیخ کے مزار کی زیارت کے لئے ہو۔ ان کے سوا اگر کسی اور مقصد سے سفر ہوگا تو وہ سفر میں شمار نہ ہوگا۔

سامانِ سفر:

سفر کی حالت میں گدڑی، جانماز، لوٹا، جوتیاں اور عصا ضرور رکھنا چاہئے تا کہ گدڑی سے ستر پوشی کرے، مصلے پر نماز پڑھے، لوٹے سے طہارت و وضو کرے اور عصا سے مضر چیزوں کو دفع کرے۔ عصا کے فوائد اور بھی ہیں اور وضو کے بعد جوتیاں پہن کر جانماز تک آ سکے۔ ان کے سوا سنت کی حفاظت کی خاطر دیگر چیزیں بھی سفر میں ساتھ رکھ سکتا ہے مثلاً کنگھا، ناخن تراش، سرمہ دانی وغیرہ، اور اگر ان کے سوا ایسا سامان بھی ساتھ رکھے جو زیب و زینت اور آرائش سے متعلق ہو تو وہ سوچے کہ کس مقام میں ہے اگر وہ منزل ارادت میں ہے تو اس کے لئے ان کے سوا سامان، قید، راہ کی بندش اور موجب حجاب ہوں گی اور اپنے نفس کی رعونت کے اظہار کا موجب بنے گی اور اگر وہ مقام تمکین و استقامت میں سے ہے تو اس کے لئے یہ سامان ہی نہیں بلکہ ہر چیز درست ہو گی۔

میں نے شیخ ابو مسلم فارس بن غالب فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ میں نے ایک دن حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو حاضر ہوا تو انہیں چار بالشت کے تختہ پر سوتا ہوا پایا اور ان کا پاؤں ایک دوسرے پر رکھا ہوا تھا وہ اس وقت مصری چادر اوڑھے ہوئے تھے اور میں ایسا لباس پہنے ہوئے تھا جو میلا ہو کر چمڑے کی مانند سخت ہو گیا تھا۔ جسم تھکن سے چور چور اور محنت و مشقت اور مجاہدے سے پیلا پڑ گیا تھا۔ میرے دل میں ان سے ملاقات نہ کرنے کا جذبہ ابھرا اور دل میں خیال گزرا کہ ایک درویش یہ ہیں جو اس طمطراق کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک میں درویش ہوں جو شکستہ حالی کے ساتھ بسر کر رہا ہوں یہ اتنے چین و راحت میں ہیں اور میں اس محنت و مشقت میں ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ میری باطنی کیفیت سے باخبر ہو گئے اور میری نخوت کو انہوں نے ملاحظہ فرما لیا۔ مجھ سے فرمایا اے ابو مسلم! تم نے کون سی کتاب میں پڑھا ہے کہ اپنے کو دیکھنے والا درویش ہوتا ہے؟ جب میں نے ہر شئے میں جلوۂ الٰہی کا مشاہدہ کر لیا تو اسی نے مجھے تخت پر بٹھا دیا ہے اور جب کہ تم خود اپنے آپ کو دیکھنے ہی میں ابھی تک پڑے ہوئے ہو تو اس نے تمہیں محنت و مشقت میں ڈال رکھا ہے۔ میرے مقدر میں مشاہدہ ہے اور تمہارے مقدر میں مجاہدہ۔ یہ دونوں مقام راستہ کے مقامات میں سے ہیں۔ اللہ رب العزت اس سے پاک اور منزہ ہے۔ درویش وہی ہے جس کا مقام فنا ہو جائے اور وہ احوال سے گزر جائے شیخ ابو مسلم فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور سارا جہان مجھ پر تاریک ہو گیا۔ جب اپنے آپ میں آیا تو ان سے معذرت خواہی

کی اور انہوں نے مجھے معاف فرما دیا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا اے شیخ! مجھے واپسی کی اجازت عطا فرمائیے۔ چونکہ آپ کے دیدار کی تابِ مقاومت نہیں رکھتا۔ انہوں نے فرمایا "صدقت یا ابا مسلم" ابو مسلم! تم نے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد انہوں نے میری حالت کی تمثیل میں یہ شعر پڑھا۔

آنچہ گوشم نتو انست شنیدن بخبر
ہمہ چشم بعیاں یکسرہ دید آں ببصر

"جو خبر میرے کان سن نہ سکے اسے میری آنکھ نے سربسر ظاہر دیکھ لیا۔"

ہر مسافر پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ سنت کی حفاظت کرے اور جب وہ کسی مقیم کے یہاں پہنچے تو احترام کے ساتھ اس کے پاس جائے۔ اسے سلام کرے پھر بایاں قدم جوتی سے نکالے کیونکہ حضور اکرم ﷺ ایسا ہی کرتے تھے اور جب جوتی میں پاؤں ڈالے تو پہلے داہنا پاؤں ڈالے اس کے بعد دوسرا جب پاؤں دھوئے تو پہلے دایاں پھر بایاں، اور دو رکعت تحیۃ الوضوء کے پڑھے اس کے بعد درویشوں کے حقوق کی رعایت کی طرف متوجہ ہو۔

ایسا نہ چاہئے کہ مقیم کی کسی حالت پر اعتراض کرے یا کسی کے ساتھ زیادتی کرے خواہ معاملات سے متعلق ہو یا گفتگو سے اپنے سفر کی سختیوں کو بیان نہ کرے، نہ اپنے علم کو جتائے اور لوگوں کے سامنے حکایات و روایات بیان نہ کرے کیونکہ یہ باتیں اظہار رعونت کی موجب ہیں اور لازم ہے کہ جاہلوں کی باتوں کو برداشت کرے اور لوجہ اللہ ان کی زیادتیوں پر صبر کرے کیونکہ اس میں بڑی برکتیں ہیں اگر کوئی مقیم یا ان کا خادم اسے کوئی حکم دے یا اسے کسی کو سلام کرنے یا کہیں کی زیارت کرنے کو کہا جائے تو جہاں تک ممکن ہو انکار نہ کرے۔ بایں ہمہ دنیاداری کی مروت نہ ہو۔

برادران طریقت کے افعال کی ہر ممکن تاویل و عذر کرے اور دل میں اپنی کسی حاجت کا رنج نہ آنے دے اور نہ مقیموں کو بادشاہوں کے دروازے پر لے جائے۔ مسافر و مقیم ہر حاجت اور اپنی تمام حالتوں میں رضائے الٰہی کا خواہاں رہے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن عقیدت رکھے۔ سب کو برابر جانے اور پیٹھ پیچھے کسی کی غیبت نہ کرے کیونکہ طالبانِ حق کے لئے فضول باتیں کرنا برا ہے اور بری بات کہنا تو بڑی بد نصیبی ہے۔ محققین فعل کی شکل میں فاعل کو دیکھتے ہیں۔ جب وہ مخلوق کو برا کہے گا تو اس سے خالق کی برائی لازم آئے گی۔ اگرچہ کوئی بندہ عیبدار، محجوب اور بے مشاہدہ ہی کیوں نہ ہو۔ فعل پر جھگڑنا فاعل پر جھگڑنا ہوتا ہے۔ اگر انسانی آنکھ لوگوں پر پڑے تو وہ سب سے دور رہے اور جانے کہ ساری مخلوق مہجور و مجبور اور مغلوب

وعاجز ہے کوئی شخص مشیت الٰہی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ سب خدا کا ہی پیدا کردہ ہے۔ کسی مخلوق کو اس کی ملکیت میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ کسی ذات پر خدا کے سوا کسی مخلوق کو مطلق تغیر و تبدل کی قدرت نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق!

آدابِ غذا:

واضح رہنا چاہئے کہ انسان کو غذا کے بغیر گزارہ نہیں [31] کیونکہ بدن کا تقوم کھانے پینے کے بغیر ناممکن ہے۔ لیکن غذا کے استعمال کی شرط یہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور نہ رات دن کھانے پینے کی فکر میں مشغول رہے۔ [32] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من کان همته ما يدخل فی جوفه کان قيمة مايخرج منه جو پیٹ میں داخل کرنے کی ہی فکر میں رہتا ہے اس کی قدر و قیمت وہ ہوتی ہے جو اس سے خارج ہوتا

شرح (31): کھانا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بہُت ہی پیاری نِعمت ہے، اِس میں ہمارے لئے طرح طرح کی لذّت بھی رکھی گئی ہے۔ اچھی اچھی نیتوں کے ساتھ شریعت وسنّت کے مطابق حلال کھانا کارِثواب ہے، مُفسّرِ شہیر حکیم الاُمّت حضرتِ مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں، کھانا بھی اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت ہے مومن کیلئے۔ مزید فرماتے ہیں، دیکھو نکاح سنّتِ انبیاء علیھم السلام ہے مگر حضرتِ سیِّدُنا یحییٰ علیٰ نَبِیِّنا وَعلیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام اور حضرتِ سیِّدُنا عیسیٰ روح اللہ علیٰ نَبِیِّنا وَعلیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام نے نکاح نہیں کیا مگر کھانا وہ سنّت ہے کہ از حضرتِ سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ علیٰ نَبِیِّنا وَعلیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام تا حضرتِ سیِّدُنا محمدٌ رسولُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وسلَّم سب ہی نبیوں نے ضَرور کھایا۔ جو شخص بھوک ہڑتال کر کے بھوک سے جان دیدے وہ حرام موت مریگا۔ (تفسیر نعیمی ج ۸ ص ۵۱)

سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وسلَّم کا ارشادِ حقیقت بُنیاد ہے، کھانے والا شکر گزار ویسا ہی ہے جیسا صَبر کرنے والا روزہ دار۔ (ترمذی ج ۴ ص ۲۱۹ حدیث ۲۴۹۴)

شرح (32): حضرتِ سیِّدُنا ابراہیم بن شیبان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں، میں نے اَسّی برس سے کوئی بھی چیز فَقَط لذّتِ نَفس کی غَرَض سے نہیں کھائی۔ (اِحیاءُ العُلوم ج ۲ ص ۵) کم کھانے کی نِیّت بھی کرے کہ عبادت پر قُوّت حاصِل کرنے کی نِیّت جبھی سچّی ہوگی کیونکہ پیٹ بھر کے کھانے سے عِبادت میں اُکتاہٹ پیدا ہوتی ہے! کم کھانا صحت کیلئے مفید ہے ایسے شخص کو ڈاکٹر کی ضَرورت کم ہی پیش آتی ہے۔

ہے۔[33]

اسی لئے سالکانِ راہِ حق کے لئے بسیار خوری سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان رساں نہیں۔ تفصیل بھوک کے باب میں گزر چکی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ بھوکے رہنے کی اتنی زیادہ تعریف کیوں فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ اگر فرعون بھوکا رہتا تو ہرگز **انا ربکم الاعلیٰ** (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) نہ کہتا۔ اگر قارون بھوکا رہتا تو باغی نہ ہوتا۔ اور لومڑی چونکہ بھوکی رہتی ہے اس لئے ہر ایک اس کی تعریف کرتا ہے جب پیٹ بھر جاتا ہے تو نفاق پیدا ہوتا ہے۔[34] اللہ تعالیٰ کافروں کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

شرح (33): کھانا کتنا کھانا چاہئے

اللہ کے محبوب، دانائے غُیُوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب عَزَّ وَجَلَّ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ صحت نشان ہے، آدمی اپنے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن نہیں بھرتا، انسان کیلئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اگر ایسا نہ کر سکے تو تہائی (۱/۳) کھانے کیلئے تہائی پانی کیلئے اور ایک تہائی سانس کیلئے ہو۔

(سنن ابن ماجہ ج ۴ ص ۴۸ حدیث ۳۳۴۹)

شرح (34): بھوک کے دس فوائد

(۱) دل کی صفائی (۲) رِقّتِ قلبی (۳) مَساکین کی بھوک کا اِحساس (۴) آخرت کی بھوک و پیاس کی یاد (۵) گناہوں کی رَغبت میں کمی (۶) نیند میں کمی (۷) عبادت میں آسانی (۸) تھوڑی روزی میں کِفایت (۹) تندُرستی (۱۰) بچا ہوا خیرات کرنے کا جذبہ۔

(اِحیاءُ العُلوم ج ۳ ص ۹۱ تا ۹۶ سے مختصر کر کے)

حُجَّۃُ الاسلام حضرتِ سیِّدُنا امام محمد غزالی علیہ رحمۃ الوالی فرماتے ہیں، بُزُرگانِ دین رَحِمَھُمُ اللہُ الْمُبین فرماتے ہیں، اَلْجُوعُ رَأْسُ مَالِنَا یعنی بھوک ہمارا بہترین سرمایہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں جو وسعت، سلامتی، عبادت، حَلاوت اور علمِ نافع حاصل ہوتا ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے بھوک اور اس پر صَبْر کرنے کے سبب حاصل ہوتا ہے۔ (منھاج العابدین ص ۱۰۸)

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (35) انہیں چھوڑ دو جو کھاتے اور عیش کرتے ہیں وہ اپنی خواہشوں میں مگن ہیں عنقریب وہ اپنا انجام جان لیں گے۔ (الحجر: ۳)

نیز فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ يَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (36)

کافر لوگ عیش کرتے اور کھانے پینے میں ایسے ہی ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (محمد: ۱۲)

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پیٹ بھر کر حلال غذا کھانے کے مقابلہ میں شراب سے پیٹ کو پر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسے؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ شراب سے بھرا پیٹ، عقل کی طاقت سلب کر لیتا ہے شہوت کی آگ بجھا دیتا ہے اور بے ہوش ہو کر اس کی زبان و ہاتھ سے لوگ محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن جب پیٹ حلال غذا سے پر ہو جاتا ہے تو بیہودہ تمنائیں، شہوت اور نفس اپنے مقدر کے حصول میں سر اٹھاتے ہیں (37) مشائخ طریقت نے ایسے ہی لوگوں

شرح (35): ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ کنز الایمان: ۔ انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور برتیں اور امید انہیں کھیل میں ڈالے تو اب جانا چاہتے ہیں۔ (پ ۱۴، الحجر: ۳)

شرح (36): وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعٰمُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ○

ترجمہ کنز الایمان: ۔ اور کافر برتتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھائیں اور آگ میں ان کا ٹھکانا ہے (پ ۲۶، محمد: ۱۲)

شرح (37): پیارے بھائیو! پیٹ بھر کر کھانا مُباح یعنی جائز ہے مگر اپنے پیٹ کو حرام اور شُبہات سے بچاتے ہوئے حلال غذا بھی بھوک سے کم کھانے میں دین و دنیا کے بے شُمار فوائد ہیں۔ کھانا مُیَسَّر نہ ہونے کی صورت میں مجبوراً بھوکا رہنا کوئی کمال نہیں، وافر مقدار میں کھانا موجود ہونے کے باوُجود مَحض رِضائے الٰہی عَزَّ وَجَلَّ کی خاطر بھوک برداشت کرنا یہ حقیقت میں کمال ہے۔ چُنانچہ روایت ہے، سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار، دو جہاں کے مالک و مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اختیاری طور پر بھوک برداشت فرماتے تھے۔ (شُعَبُ الایمان ج ۵ ص ۲۶ حدیث ۵۶۴۰)

کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

اکلھم کا کل المرضٰی ونومھم کنوم الغرقی وکلامھم ککلام الشکلی ان کا کھانا بیماروں کی طرح ان کی نیند گہری نیند والوں کے مانند ان کی گفتگو بچوں کی چیخ و پکار کے مانند ہوتی ہے۔

غذا کے شرط آداب میں سے یہ ہے کہ تنہا نہ کھائے اور جو کھائے دوسروں کو بھی اس میں شریک بنائے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَكَلَ وَحْدَهٗ وَضَرَبَ عَبْدَهٗ وَمَنَعَ وَفْدَهٗ (38) سب سے زیادہ برا شخص وہ ہے جو اکیلا کھائے۔ غلام کو مارے اور خیرات سے روکے رہے۔ (39)

جب دستر خوان پر بیٹھے تو خاموش نہ بیٹھے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے اور کوئی چیز اس طرح نہ رکھے اور نہ اٹھائے جسے لوگ ناپسند کریں، پہلا لقمہ نمکین غذا کا لے اور اپنے ساتھیوں کا لحاظ و پاس کرے۔ ایثار و انصاف سے کام لے۔ (40)

شرح (38): (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۵، ص۲۸۹)

شرح (39): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں:

یا تو بخل کی وجہ سے اکیلا کھائے بچے اور گھر والے اس کا منہ تکیں اور یہ عمدہ غذائیں اکیلا کھائے انہیں معمولی کھلائے، یا تکبر و غرور کی وجہ سے کسی کے ساتھ کھانا گوارا نہ کرے، اگر غربت و ضرورت کی وجہ سے اکیلا کھائے تو ممنوع نہیں، ایک شخص گھر کا بوجھ اٹھاتا ہے، محنت کرتا ہے اس لیے کچھ مقوی غذا کھاتا ہے تا کہ کام کاج کر سکے، وہ چیز ہے تھوڑی سی سب کو کافی نہیں تو مضائقہ نہیں، اس صورت میں علیحدگی میں کھانا چاہیے سب کے سامنے کھانا بے مروتی ہے۔ (از مرقات مع زیادت)

یعنی بے قصور غلاموں ماتحتوں کو مارے پیٹے اور گھر والے مہمانوں اور نوکروں کو ان کا حق نہ دے، بخیل بھی ہو بد خلق بھی اسے بدترین اس لیے فرمایا گیا کہ بندوں کے حقوق مارتا ہے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۵، ص۲۸۹)

شرح (40): مہمان کو چار باتیں ضروری ہیں۔

(ا) جہاں بٹھایا جائے وہیں بیٹھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ[41] (النحل:۹۰) (اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے) کی تفسیر معلوم کو تو انہوں نے بتایا انصاف تو یہ ہے کہ اپنے ساتھی کو کھانے میں شریک کرے اور احسان یہ ہے ساتھی کے کھلانے کو خود پر افضل جانے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲) جو کچھ اس کے سامنے پیش کیا جائے اس پر خوش ہو، یہ نہ ہو کہ کہنے لگے اس سے اچھا تو میں اپنے ہی گھر کھایا کرتا ہوں یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جیسا کہ آج کل اکثر دعوتوں میں لوگ آپس میں کہا کرتے ہیں۔

(۳) بغیر اجازتِ صاحبِ خانہ وہاں سے نہ اٹھے۔

(۴) اور جب وہاں سے جائے تو اس کے لیے دعا کرے۔ میزبان کو چاہیے کہ مہمان سے وقتاً فوقتاً کہے کہ اور کھاؤ مگر اس پر اصرار نہ کرے، کہ کہیں اصرار کی وجہ سے زیادہ نہ کھا جائے اور یہ اس کے لیے مضر ہو، میزبان کو بالکل خاموش نہ رہنا چاہیے اور یہ بھی نہ کرنا چاہیے کہ کھانا رکھ کر غائب ہو جائے، بلکہ وہاں حاضر رہے اور مہمانوں کے سامنے خادم وغیرہ پر ناراض نہ ہو اور اگر صاحبِ وسعت ہو تو مہمان کی وجہ سے گھر والوں پر کھانے میں کمی نہ کرے۔

میزبان کو چاہیے کہ مہمان کی خاطر داری میں خود مشغول ہو، خادموں کے ذمہ اس کو نہ چھوڑے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت ہے اگر مہمان تھوڑے ہوں تو میزبان ان کے ساتھ کھانے پر بیٹھ جائے کہ یہی تقاضائے مُروت ہے اور بہت سے مہمان ہوں تو ان کے ساتھ نہ بیٹھے بلکہ ان کی خدمت اور کھلانے میں مشغول ہو۔ مہمانوں کے ساتھ ایسے کو نہ بٹھائے جس کا بیٹھنا ان پر گراں ہو۔

(الفتاوی الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات، ج۵، ص ۳۴۴۔۳۴۵)

مسئلہ ۱۱: جب کھا کر فارغ ہوں ان کے ہاتھ دھلائے جائیں اور یہ نہ کرے کہ ہر شخص کے ہاتھ دھونے کے بعد پانی پھینک کر دوسرے کے سامنے ہاتھ دھونے کے لیے طشت پیش کرے۔ (المرجع السابق، ص ۳۴۵)

شرح (41): اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔ (پ ۱۴، النحل: ۹۰)

میرے شیخ ومرشد فرماتے ہیں کہ میں اس مدعی پر تعجب کرتا ہوں جو کہتا ہے کہ میں تارک دنیا ہوں اور حال یہ ہے کہ وہ کھانے کی فکر میں رہتا ہو۔

اس کے بعد لازم ہے کہ داہنے ہاتھ سے لقمہ لے اور اپنے لقمہ کے سوا کسی کی طرف نہ دیکھے۔ کھانے میں پانی کم پئے اور پانی اس وقت پئے جب سچی پیاس لگے اور اتنا پئے جس سے جگر تر ہو جائے اور لقمہ بہت بڑا نہ لے اور اسے خوب چبائے۔ کھانے میں جلدی نہ کرے کیونکہ ان باتوں سے بدہضمی پیدا ہوتی ہے اور سنت کے خلاف بھی ہے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو حمد و شکر بجالائے اور ہاتھ دھوئے۔ (42)

شرح (42): میرے شیخ طریقت، امیر اہلسنت، بانیٔ دعوت اسلامی حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ اپنی کتاب آدابِ طعام میں تحریر فرماتے ہیں کہ

کھانے کی 43 نیتیں

(۱،۲) کھانے سے قبل اور بعد کا وُضو کروں گا (یعنی ہاتھ مُنہ کا اگلا حصّہ دھوؤں گا اور کُلّیاں کروں گا) (۳) کھانا کھا کر عبادت (۴) تِلاوت (۵) والِدین کی خدمت (۶) تحصیلِ علمِ دین (۷) سنّتوں کی تربیّت کی خاطر مَدَنی قافلے میں سفر (۸) علاقائی دَورہ برائے نیکی کی دعوت میں شرکت (۹) اُمورِ آخِرت اور (۱۰) حسبِ ضَرورت کسبِ حلال کیلئے بھاگ دوڑ پر قوت حاصِل کروں گا (یہ نیّتیں اُسی صورت میں مُفید ہوں گی جبکہ بھوک سے کم کھائے۔ خوب ڈٹ کر کھانے سے اُلٹا عبادت میں سُستی پیدا ہوتی گناہوں کی طرف رُجحان بڑھتا اور پیٹ کی خرابیاں جَنَم لیتی ہیں) (۱۱) زمین پر (۱۲) اِتّباعِ سنّت میں دسترخوان پر (۱۳) (چادر یا کرتے کے دامن کے ذریعے) پردے میں پردہ کر کے (۱۴) سنّت کے مطابق بیٹھ کر (۱۵) کھانے سے قبل بسم اللہ اور (۱۶) دیگر دُعائیں پڑھ کر (۱۷) تین انگلیوں سے (۱۸) چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر (۱۹) اچھی طرح چبا کر کھاؤں گا (۲۰) ہر لقمہ پر یاواجِدُ پڑھوں گا (یا ہر لقمہ کے ختم پر اَلحمدُ للہ اور ہر لقمہ کے آغاز پر یاواجِدُ اور بِسمِ اللہ) (۲۱) جو دانہ وغیرہ گر گیا اٹھا کر کھالوں گا (۲۲) روٹی کا ہر نوالہ سالن کے برتن کے اوپر کر کے توڑوں گا (تا کہ روٹی کے ذرّات برتن ہی میں گریں) (۲۳) ہڈّی اور گرم مَصالحہ وغیرہ اچّھی طرح صاف کرنے اور چاٹنے کے بعد پھینکوں گا (۲۴) بھوک سے کم کھاؤں گا (۲۵) آخر میں سنّت کی ادائیگی کی نیت سے برتن اور (۲۶) تین بار انگلیاں چاٹوں گا (۲۷) کھانے کے برتن دھو پی کر ایک غلام آزاد کرنے کے ثواب کا حقدار بنوں گا (۲۸) جب تک دسترخوان نہ اُٹھالیا جائے اُس وَقت تک بِلا ضَرورت نہیں اُٹھوں گا (کہ یہ بھی سنّت ہے) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر جماعت میں سے دو یا تین یا زیادہ افراد کو پوشیدہ طور پر کسی خاص چیز پر مدعو کریں اور چھپا کر کھلانا چاہیں تو بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور مصاحبوں کی خیانت ہے **اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ** (43) (البقرہ: ۱۷۴) یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جب سب اس پر متفق ہوں تو یہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر صرف ایک ہو تو جائز ہے کیونکہ اس کے لئے انصاف شرط نہیں ہے کیونکہ انصاف کی شرط تو ایک سے زیادہ افراد کے درمیان ہے اور جب وہ اکیلا ہو تو اس سے صحبت کے یہ آداب ساقط ہو جاتے ہیں اور بندہ اس میں ماخوذ نہیں ہوتا۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۲۹) کھانے کے بعد بمع اول آخر دُرود شریف مسنون دعائیں پڑھوں گا (۳۰) خِلال کروں گا۔

مل کر کھانے کی مزید نیتیں

(۳۱) دستر خوان پر اگر کوئی عالم یا بزرگ موجود ہوئے تو اُن سے پہلے کھانا شروع نہیں کروں گا (۳۲) مسلمانوں کے قُرب کی بَرَکتیں حاصِل کروں گا (۳۳) ان کو بوٹی، کدو شریف، کھُرچن اور پانی وغیرہ کی پیش کش کر کے اُن کا دل خوش کروں گا (کسی کی پلیٹ میں اپنے ہاتھ سے اٹھا کر ڈال دینا آداب کے خلاف ہے۔ جو چیز ہم نے ڈالی ہوسکتا ہے اس وَقت اسے اِس کی خواہش نہ ہو) (۳۴) اُن کے سامنے مسکرا کر صدقہ کا ثواب کماؤں گا (۳۵) کسی کو مسکراتا دیکھ کر اِس کی مسنون دُعا پڑھوں گا (مسکراتا دیکھ کر پڑھنے کی دُعا: اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ یعنی اللہ عزوجل تجھے سدا ہنستا رکھے۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۰۳ حدیث ۳۲۹۴) (۳۶) کھانے کی نیتیں اور (۳۷) سنّتیں بتاؤں گا (۳۸) موقع ملا تو کھانے سے قبل اور (۳۹) بعد کی دعائیں پڑھاؤں گا (۴۰) غذا کا عمدہ حصّہ مثلاً بوٹی وغیرہ حرص سے بچتے ہوئے دوسروں کی خاطر ایثار کروں گا (تاجدارِ مدینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہٖ وسلّم کا فرمانِ بخشش نشان ہے، جو شخص اُس چیز کو جس کی خود اِسے حاجت ہو دوسرے کو دے دے اللہ عَزَّوَجَلَّ اِسے بخش دیا ہے۔) (اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۷۷۹) (۴۱) ان کو خلال اور (۴۲) تین اُنگلیوں سے کھانے کی مشق کرنے کیلئے ربڑ بینڈ کا تحفہ پیش کروں گا (۴۳) کھانے کے ہر لقمہ پر ہوسکا تو اس نیت کے ساتھ بلند آواز سے یاواجِدُ کہوں گا کہ دوسروں کو بھی یاد آجائے۔

شرح (43): اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ

ترجمہ کنز الایمان: ۔وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۷۴)

میں مذہب کی سب سے بڑی بنیادی بات یہ ہے کہ کسی درویش کی دعوت کو رد نہ کرے اور کسی دنیا دار کی دعوت کو قبول نہ کرے اور نہ ان کے گھر جائے اور نہ ان سے کچھ مانگے۔ کیونکہ اہل طریقت کے نزدیک یہ مداہنت ہے، اس لئے کہ دنیادار، درویش کے لئے محرم ہے اور وہ اس کا ہم جنس نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان نہ تو سامان کی کثرت کی بناء پر دنیا دار بنتا ہے اور نہ سامان کی قلت کی بناء پر درویش اور جو فقر کو تونگر پر فوقیت نہیں دیتا وہ دنیا دار نہیں ہے اگرچہ بادشاہ ہو اور جو فقر کا منکر ہے وہ دنیا دار ہے اگرچہ وہ مضطرب و بے قرار ہو اور جب کسی دعوت میں شریک ہو تو کسی چیز کے کھانے یا نہ کھانے میں تکلف نہ برتے اور وقت کے مطابق روش اختیار کرے۔ جب صاحب دعوت محرم ہو تو اسے جائز ہے کہ بچا ہوا کھانا گھر والوں کے لئے اٹھالے اور اگر نامحرم ہے تو بچا ہوا کھانا گھر میں لے جانا جائز نہیں ہے۔ لیکن کسی حال میں پس خوردہ چھوڑنا بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ "الزلة هي الذلة" پس خوردہ بچانا ذلت و کمینگی ہے۔ وباللہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب۔

چلنے پھرنے کے آداب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (44) (الفرقان: ٦٤) رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع و انکسار سے چلتے ہیں (45) طالب حق پر لازم ہے کہ وہ رفتار میں

شرح (44): وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔ (پ ١٩، الفرقان: ٦٣)

شرح (45): چلنے میں اترا اترا کر چلنا یا اکڑ کر چلنا یا دائیں بائیں ہلتے اور جھومتے ہوئے چلنا یا زمین پر پاؤں پٹک پٹک کر چلنا یا بلاضرورت دوڑتے ہوئے چلنا یا بلاضرورت ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلنا یا لوگوں کو دھکا دیتے ہوئے چلنا یہ سب اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے اس لئے شریعت میں اس قسم کی چال چلنا منع اور ناجائز ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص دو چادریں اوڑھے ہوئے اترا اترا کر چل رہا تھا اور بہت گھمنڈ میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی جائیگا۔ (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم التبختر فی المشی... الخ، رقم ٢٠٨٨، ص ١١٥٦)

ہمیشہ اس کا خیال رکھے کہ جو وہ قدم اٹھاتا ہے وہ اپنی طاقت سے اٹھاتا ہے یا خدا کی طاقت سے۔ اگر وہ یہ خیال کرے کہ اپنی طاقت سے ہے تو استغفار کرے۔ اور اگر اس پر یقین ہو کہ خدا کی دی ہوئی طاقت سے ہے تو اسے اس یقین پر مزید اضافہ کی کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن انہوں نے کوئی دوا کھائی لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ دیر صحن میں تشریف رکھیں تا کہ دوا کا اثر و فائدہ ظاہر ہو آپ نے فرمایا خدا سے حیا کرتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ مجھ سے پوچھے گا تو نے اپنے نفس کی خاطر چند قدم کیوں اٹھائے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [46] (یٰسین: ۶۵) ان کے قدم گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ [47]

درویش کو لازم ہے کہ بیداری میں سر جھکائے مراقبہ میں رہے اور کسی طرف نظر نہ اٹھائے۔ اگر راستہ میں کوئی شخص اس کے برابر سے گزرے تو بجز اپنے کپڑے بچانے کے کہ اس کے پاؤں کے نیچے نہ آئے

شرح (46): وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: ۔ اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے۔ (پ ۲۳، یٰسین: ۶۵)

شرح (47): درۃ الناصحین میں ہے، قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہِ خداوندی میں لایا جائے گا اور اسے اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ اس میں کثیر گناہ پائے گا۔ وہ عرض کریگا، یا الٰہی عزوجل! میں نے تو یہ گناہ کئے ہی نہیں؟ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا، میرے پاس اس کے مضبوط گواہ ہیں۔ وہ بندہ اپنے دائیں بائیں مڑ کر دیکھے گا لیکن کسی گواہ کو موجود نہ پائے گا اور کہے گا، یا رب عزوجل! وہ گواہ کہاں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو گواہی دینے کا حکم دے گا۔ کان کہیں گے، ہاں! ہم نے (حرام) سنا اور ہم اس پر گواہ ہیں۔ آنکھیں کہیں گی، ہاں! ہم نے (حرام) دیکھا۔ زبان کہے گی، ہاں! میں نے (حرام) بولا تھا۔ اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کہیں گے، ہاں! ہم (حرام کی طرف) بڑھے تھے۔ شرم گاہ پکارے گی، ہاں! میں نے زنا کیا تھا۔ اور وہ بندہ یہ سب سن کر حیران رہ جائے گا۔ (ملخصاً، المجلس الخامس والستون، ص ۲۹۴)

حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، مذکورہ اعضاء کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں بولنے کی قوت عطا فرمائے گا، پھر ان میں سے ہر ایک اُس شخص کے بارے میں گواہی دے گا کہ وہ ان سے کیا کام لیتا رہا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، ج ۱۸، ص ۴۴۲)

(کیونکہ وہ ان کپڑوں سے نماز پڑھتا ہے) خود کو بچانے کی کوشش نہ کرے لیکن اگر یہ پتہ چل جائے کہ وہ شخص کافر ہے یا وہ نجاست میں آلودہ ہے تو اپنے آپ کو اس سے بچانا ضروری ہے۔

اور جب جماعت کے ساتھ چلے تو آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ آگے بڑھ کر چلنا تکبر کی علامت ہے۔ بہت پیچھے رہنے کی بھی کوشش نہ کرے کیونکہ اس میں تواضع کی زیادتی ہے۔ چونکہ زیادتی تواضع کو دیکھنا بھی عین تکبر ہے۔

کھڑاؤں اور جوتیوں کو جہاں تک ہو سکے ظاہری نجّاست سے بچائے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے رات میں اس کے کپڑوں کو محفوظ رکھے۔

جب کسی جماعت یا کسی ایک درویش کے ساتھ جارہا ہو تو راستہ میں کسی اور سے بات کرنے کے لئے اسے محوِ انتظار نہ چھوڑ دے۔ رفتار میں میانہ روی کو ملحوظ رکھے نہ زیادہ آہستہ چلے اور نہ تیز دوڑ کر۔ آہستہ چلنا متکبروں کی علامت ہے۔ قدم پورا رکھے۔ غرضکہ ہر طالب حق کی رفتار ایسی ہو کہ اگر کوئی اس سے پوچھے کہ کہاں جارہے ہو تو وہ کامل دل جمعی کے ساتھ کہہ سکے کہ **انی ذاھب الی ربی سیھدین**(48) میں خدا کی طرف جارہا ہوں اسی نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ اگر اس کا چلنا ایسا نہ ہو تو یہ اس کے لئے موجب وبال ہوگا کیونکہ قدموں کی درستگی خطرات سے محفوظ رہنے کی نشانی ہے۔ جو اس درستگی کی فکر میں رہتا ہے حق تعالیٰ اس کے قدموں کو اس کے اندیشہ کا پیرو کار بنا دیتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغیر مراقبہ کے درویش کا چلنا، غفلت کی نشانی ہے۔ کیونکہ وہ جس مقام پر ہوتا ہے دو قدم سے معلوم ہو جاتا ہے یعنی ایک اپنے نصیب پر قدم رکھتا ہے اور دوسرا فرمانِ الٰہی پر مطلب یہ ہے کہ وہ ایک مقام سے قدم اٹھاتا ہے اور دوسرے مقام پر قدم رکھتا ہے گویا طالب کی رفتار، مسافت کو طے کرنے کی علامت ہے اور قرب حق، مسافت نہیں ہے۔ جب اس کا قرب مسافت نہیں تو طالب کو محل سکون میں قدموں کے ذریعہ قطع مسافت کے بغیر کیا چارہ؟ واللہ ولی التوفیق!

شرح (48): وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا۔

(پ ۲۳، صافات: ۹۹)

سفر و حضر میں سونے کے آداب:

واضح رہنا چاہئے کہ مشائخ طریقت کا اس معنی میں بہت اختلاف ہے۔ بایں ہمہ ہر گروہ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ غلبہ نیند کے بغیر سونا نہ چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ النوم اخ الموت [49] نیند موت کی بہن ہے۔ لہٰذا زندگانی حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور موت بلا۔ [50] لامحالہ بلا کے مقابلہ میں نعمت اچھی چیز ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اطلع الحق فقال علی من نام غفل ومن غفل حجب اللہ تعالیٰ نے اپنی اطلاع میں مجھ سے فرمایا جو سویا وہ غافل ہوا اور جو غافل ہوا وہ محجوب رہا۔

ایک گروہ کے نزدیک جائز ہے کہ مرید بالقصد سوئے اور بجبر نیند کو لائے جبکہ وہ احکامِ الٰہی کو پورا کر چکا ہو۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی يَنْتَبِهَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰی يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی يُفِيْقَ [51] تین شخصوں سے حکم الٰہی اٹھالیا گیا ہے ایک سونے والے سے جب تک کہ وہ نہ جاگے۔ دوسرے بچے سے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو، تیسرے دیوانے سے جب تک اسے افاقہ نہ ہو۔ [52] (دارمی)

شرح (49): (صحیح الجامع - الصفحۃ أو الرقم: ٦٨٠٨)

شرح (50): نیند بھی ایک طرح کی موت ہے۔ جب بھی ہم سونے لگیں تو ہمیں ڈر جانا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھ ہی نہ کھلے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہی سوتے نہ رہ جائیں۔ لہٰذا روزانہ سونے سے پہلے بھی اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے۔

شرح (51): (المسند، للامام أحمد بن حنبل، مسند علی بن ابي طالب، الحديث: ۱۱۸۳، ج۱، ص ۲۹۵) (و سنن ابي داود، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق ... الخ، الحديث: ۴۴۰۳، ج ۴، ص ۱۸۸)

شرح (52): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نابالغ بچہ سوتا ہوا آدمی اور دیوانہ مرفوع القلم ہیں ان پر شرعی احکام جاری نہیں لہذا اگر یہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں تو واقع نہ ہوگی۔ اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی یوں ہی سوتے میں اگر کوئی طلاق دے دے یا دیوانگی میں تو بھی طلاق نہیں ہوتی، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطلب یہ کہ بندہ جب تک سوتا رہتا ہے بیدار ہونے تک قلم تقدیر اٹھا رہتا ہے۔ اور مخلوق اس کی برائی سے محفوظ رہتی ہے اور اس کے اختیارات معطل اور اس کا معزول نفس رہتا ہے اور کراماً کاتبین اس کا نامہ اعمال نہیں لکھتے۔ اس کی زبان دعوؤں، جھوٹ اور غیبت سے رکی رہتی ہے اور اس کا ارادہ عجب وریا سے دور رہتا ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا (53) (الفرقان: ۳) یعنی سونے والا اپنی جان کے نفع ونقصان، موت وحیات اور اٹھنے کا مالک نہیں رہتا۔ اسی بنا پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

لَا شَیْئَ اَشَدُّ عَلٰی اِبْلِیْسَ مِنْ نَوْمِ الْعَاصِیْ فَاِذَا نَامَ الْعَاصِیْ یَقُوْلُ مَتٰی یَنْتَبِہُ وَیَقُوْمُ حَتّٰی یَعْصِیَ اللہ شیطان پر گنہگار کے سونے سے بڑھ کر کوئی چیز سخت نہیں۔ جب گنہگار سوتا ہے تو وہ کہتا ہے کب یہ اٹھے گا جو اٹھ کر خدا کی نافرمانی کرے گا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی بن سہل اصفہانی سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت علی بن سہل نے حضرت جنید بغدادی ما کو ایک لطیف معنی کا خط لکھا۔ آپ نے اس سن کر اختلاف فرمایا۔ حضرت علی بن سہل نے اس خط میں اپنا مقصد اس طرح ظاہر فرمایا تھا کہ "نیند چونکہ غفلت و آرام کا موجب ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ محب کو دن رات میں کبھی نیند و آرام کا ہوش نہیں ہوتا۔ اگر وہ سو جائے تو اپنے مقصود سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کی زندگانی غافل بن جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے مشاہدے سے محروم رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ یَا دَاوٗدُ کَذَبَ مَنِ ادَّعٰی مَحَبَّتِیْ فَاِذَا جَنَّۃُ اللَّیْلُ نَامَ عَنِّیْ اے داؤد! وہ شخص میری محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے جس پر رات کا اندھیرا چھا جائے اور وہ مجھ سے غافل ہو کر سو جائے اور میری محبت کو چھوڑ دے۔ حضرت جنید

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ حدیث جامع صغیر، احمد، ابوداؤد، نسائی حاکم نے مختلف صحابہ سے مختلف الفاظ میں نقل فرمائی، بخاری نے تعلیقاً موقوفاً حضرت علی سے روایت کی غرضکہ حدیث صحیح ہے۔ (مرقات)

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۵، ص۲۰۶)

شرح (53): وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ○

ترجمہ کنزالایمان: ۔ خود اپنی جانوں کے بھلے برے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ اٹھنے کا

(پ۱۸، الفرقان: ۳)

بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ واضح رہنا چاہئے کہ ہماری بیداری، راہِ حق میں ہمارا معاملہ ہے اور ہماری نیند حق تعالیٰ کا ہم پر فعل ہے۔ لہٰذا ہماری بے اختیاری کی حالت میں جو کچھ ہم پر گزرتا ہے وہ سب ہم پر حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہماری طرف سے ہمارا اختیار حق تعالیٰ کے تحت تصرف میں ہے۔ والنوم موهبة من الله تعالیٰ علی المحبین لہٰذا محبوبانِ خدا پر نیند کا غلبہ، حق تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ (54) اس مسئلہ کا تعلق صحو و سکر سے ہے اس جگہ یہ بات وضاحت سے کی جا چکی ہے۔ لیکن یہ بات حیرت کی ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صاحب صحو مردِ خدا تھے اس جگہ انہوں نے سکر کی تقویت فرمائی۔ ممکن ہے کہ آپ اس وقت مغلوب الحال ہوں اور اسی حالت میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا مسلک اس کے برخلاف ہو کیونکہ نیند بنفسہ خود صحو ہے اور بیداری عین سکر۔ اس لئے کہ نیند آدمی کی صفت ہے اور جب تک آدمی اپنی صفتوں کے سایہ میں رہتا ہے تو وہ صحو کے ساتھ منسوب ہوتا ہے اور نہ سونا حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ جب آدمی صفتِ حق کے سایہ میں ہوتا ہے تو وہ سکر

شرح (54): حضرتِ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ ٖ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا، جو بندہ اپنے آپ کو رات میں ایک گھڑی قیام کے لئے تیار کرے پھر وہ سویا رہ جائے تو اس کی نیند اللہ عزوجل کی طرف سے صدقہ ہے اور اللہ عزوجل اس کے لئے اس کی نیت کے مطابق ثواب لکھے گا۔ جبکہ ایک روایت میں ہے، جو اس نیت سے بستر کی طرف آئے کہ رات میں اٹھ کر نماز ادا کریگا مگر صبح تک اس پر نیند غالب رہے تو اسے اس کی نیت کے مطابق ثواب دیا جائے گا اور اس کی نیند اللہ عزوجل کی طرف سے اس کے لئے صدقہ ہے۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، فصل فی قیام اللیل، رقم ۲۵۷۹، ج ۴، ص ۱۲۵)

ام المومنین حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال،، دافعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُود و نوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا، جو شخص رات کو مخصوص رکعتیں پڑھنے کا عادی ہو پھر کسی رات اس پر نیند غالب آ جائے تو اسے اس کی نماز کا ثواب عطا کر دیا جائے گا اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، باب من نوی القیام فنام، رقم ۱۳۱۴، ج ۲، ص ۵۱)

کے ساتھ منسوب ہوتا ہے اور مغلوب الحال ہوتا ہے۔

میں نے مشائخ کی ایک جماعت دیکھی ہے جو نیند کو بیداری پر فضیلت دیتی ہے اور وہ حضرت جنید کے مسلک کی موافقت کرتی ہے کیونکہ بکثرت اولیاء، بزرگانِ دین اور انبیاء عظام علیہ السلام پر ہمیشہ نیند کا ظہور ہوتا تھا اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس بندے پر اظہار خوشنودی فرماتا ہے جو بحالت سجدہ سو جاتا ہے۔ اور اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے میرے بندے کی طرف دیکھو اس کی روح مجھ سے ہمراز ہے اور اس کا بدن عبادت کے فرش پر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ نَامَ عَلَى الطَّهَارَةِ يُؤْذَنُ لِرُوحِهِ اَنْ يَطُوْفَ بِالْعَرْشِ وَيَسْجُدُ اللهَ تَعَالٰى

"جو شخص باوضو سوئے اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اجازت فرماتا ہے کہ وہ عرش کا طواف کرے اور وہاں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے۔"(55)

میں نے ایک حکایت میں دیکھا ہے کہ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال بیدار رہے۔ پھر جب ایک رات سوئے تو خواب میں انہیں حق تعالیٰ کا دیدار ہوا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ اسی امید میں سوتے رہے۔ اسی معنی میں قیس عامری کا یہ شعر ہے:

وانی لا ستنعس وما لی نعیسة لعل خیالا منك یلقی خیالا

"میں بالقصد سوتا ہوں حالانکہ مجھے نیند نہیں آتی۔ شاید کہ خواب میں تیرے خیال سے ملاقات ہو جائے۔"

مشائخ کی ایک جماعت کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ بیداری کو خواب پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت علی بن سہل کی موافقت کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو وحی اور اولیاء کرام کو کرامتیں بیداری ہی میں ہوتی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

شرح (55): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں:

شب عرفہ منیٰ میں ذکر و عبادت سے جاگ کر صبح کرو، سونے کے بہت دن پڑے ہیں، اور نہ ہو تو کم از کم عشاء و صبح تو جماعت اولیٰ سے پڑھو کہ شب بیداری کا ثواب ملے گا، اور باوضو سوؤ کہ روح عرش تک بلند ہو گی۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۱۰ ص ۷۴۵)

لو کان فی النوم خیر الکان فی الجنۃ نوم اگر نیند افضل ہوتی تو یقیناً جنت میں بھی سونا ہوتا۔

مطلب یہ کہ اگر نیند میں کوئی خوبی ہوتی تو جنت میں جو مقام قربت ہے وہاں نیند ضرور آتی۔ چونکہ جنت میں نہ حجاب ہے نہ نینداس سے ظاہر ہے کہ نیند میں حجاب ہے۔

اربابِ لطائف فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب نیند آئی تھی تو ان کے بائیں پہلو سے حوّا کو پیدا فرمایا تھا اور ان کی تمام بلاؤں کا سرچشمہ یہی حوّا تھیں، نیز فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا: یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ (56) (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) اے میرے فرزند میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے عرض کیا اے والد ماجد **ھٰذا جزاء من نام عن حبیبه** یہ اپنے حبیب سے سو جانے کا بدلہ ہے۔ **لولم تنم لما امرت بذبح الولد** اگر آپ نہ سوتے تو آپ کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ لہٰذا آپ کی نیند آپ کو بے اولاد اور مجھے بے جان بناتی ہے۔ اس کے سوا بوقت ذبح میری تکلیف تو ایک لمحہ کے لئے ہوگی مگر بے اولاد ہونے کی تکلیف آپ کے لئے دائمی ہوگی۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ ہر رات نمک کے پانی سے تر کر کے سلائی سامنے رکھ لیتے تھے جب نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ میں وہ سلائی پھیر لیا کرتے تھے

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جب وہ فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہوتے تو سو جاتے تھے۔ میں نے شیخ احمد سمرقندی کو بخارا میں دیکھا کہ وہ ایک سال تک رات بھر نہیں سوئے۔ دن میں کچھ دیر کے لئے سو جاتے تھے اس میں بھی اس سے رجوع ان کا مقصد تھا اس لئے کہ جسے زندگی کے مقابلہ میں موت زیادہ عزیز ہو تو ظاہر ہے کہ اسے بیداری کے مقابلہ میں نیند پیاری ہوگی اور جسے موت کے مقابلہ میں زندگی زیادہ عزیز ہو اس کے لئے زیبا ہے کہ وہ نیند کے مقابلہ میں بیداری کو زیادہ عزیز رکھے۔ لہٰذا جو تکلف سے بیدار رہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ قدر و قیمت تو اس

شرح (56): یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔

(پ ۲۳، الصافات: ۱۰۲)

کی ہے جو اسے بیدار رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو برگزیدہ فرما کر بلند تر مقامات پر فائز فرمایا۔ آپ نے نہ نیند میں تکلف فرمایا اور نہ بیداری میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا نِّصۡفَهٗۤ (57) (المزمل: ۲-۳) رات کو کم قیام فرمایئے بلکہ آدمی رات تک۔ (58)

شرح (57): قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا نِّصۡفَهٗۤ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو

(پ ۳۰، المزمل: ۲۔۳)

شرح (58): سیِّدُنا ابویزید علیہ رحمۃ اللہ المجید کا ذوقِ عبادت:

حضرت سیِّدُنا ابنِ ظفر علیہ رحمۃ الرَّب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابویزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہٗ النُّورَانِی کو بچپن میں جب مدرسہ داخل کیا گیا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے اس آیت مبارکہ پر پہنچے: یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا o ترجمۂ کنزالایمان: اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے۔ (پ ۲۹، المزمل ۱۔۲) تو اپنے والدِ محترم حضرت سیِّدُنا طیفور بن عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کی: یہاں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کس سے مخاطب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے میرے بیٹے! یہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت سیِّدُنا احمدِ مجتبیٰ، محمدِ مصطفی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم ہیں۔ پوچھا: اے میرے ابا جان! پھر آپ بھی حضور نبئ کریم، رءُوف رحیم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی سُنَّت پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ تو انہوں نے جواب دیا: پیارے بیٹے! یہ حکم خاص حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو فرمایا گیا پھر سورۂ طٰہٰ میں اس میں تخفیف کر دی گئی۔

جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سبق اس آیتِ مبارکہ پر پہنچا: اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی۔ (پ ۲۹، المزمل: ۲۰) تو پھر پوچھنے لگے: اے میرے والدِ محترم! میں سن رہا ہوں کہ اس میں ایک ایسے گروہ کا ذکرِ خیر بھی ہے جو راتوں کو قیام کرتا ہے۔ تو والدِ محترم نے بتایا: جی ہاں! وہ ہمارے پیارے آقا، دو عالم کے داتا صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کی: اس چیز کو ترک کرنے میں کوئی بھلائی نہیں جو رسول اللہ عَزَّ وَجَلَّ وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جو نیند میں تکلف برتے اور بیداری کی مشقت اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو برگزیدہ فرمایا اور انہیں مقام اعلیٰ پر پہنچایا ان کی گردن سے کفر کا لباس اتارا وہ نہ نیند کا تکلف کرتے تھے نہ بیداری کا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان پر ایسی نیند طاری فرمائی کہ ان کے اختیار کے بغیر اللہ تعالیٰ ان کی پرورش فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ[59] تم گمان کرتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو داہنے اور بائیں پہلو بدلتا ہے (اور وہ خواب و بیداری دونوں حالتوں میں بے اختیار ہیں)۔[60] (الکہف:۱۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔ چنانچہ، اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدِ محترم ساری ساری رات قیام کرنے لگے۔ ایک رات آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیدار ہوئے اور اپنے والدِ محترم سے عرض کی: مجھے بھی سکھلایئے، میں بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کروں گا۔ والد صاحب فرمانے لگے: بیٹے! ابھی تم چھوٹے ہو۔ عرض کی: اے میرے ابا جان! جس دن لوگ الگ الگ اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کے حضور حاضر ہوں گے تاکہ اپنے اعمال دیکھیں، اور اگر میرے رب عَزَّ وَجَلَّ نے مجھ سے پوچھ لیا، اے ابو یزید! تم نے کیا کیا؟ تو میں جواب دوں گا: میں نے اپنے والدِ محترم سے عرض کی تھی کہ مجھے سکھلایئے تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھا کروں تو انہوں نے مجھے کہا تھا، ابھی تم چھوٹے ہو۔ یہ سن کر فوراً آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدِ محترم کہنے لگے: نہیں، خدا عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ تم ایسی بات کہو۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو والد صاحب نے نماز سکھائی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی رات کا اکثر حصہ نماز ادا کرتے رہتے۔ (اَلرَّوْضُ الْفَائِق فِی الْمَوَاعِظِ وَالرَّقَائِق صفحہ ۳۶۲)

شرح (59): وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں (پ ۱۵، الکھف: ۱۸)

شرح (60): اس آیت میں اصحاب کہف جو اولیاء ہیں۔ ان کی تین کرامتیں بیان ہوئیں ایک تو جاگنے کی طرح اب تک سونا۔ دوسرے رب کی طرف سے کروٹیں بدلنا اور زمین کا ان کے جسموں کو نہ کھانا اور بغیر غذا باقی رہنا۔

جب بندہ اس درجہ پر فائز ہو جائے کہ اس کا اختیار جاتا رہے اور اپنے کھانے پینے سے دست کش ہو جائے اور اس کی تمام ہمتیں غیر سے جدا ہو جائیں پھر اگر وہ سوئے یا جاگے ہر حال میں عزیز ہوتا ہے۔ لہٰذا مرید کے لئے نیند کی شرط یہ ہے کہ اپنی پہلی نیند کو اپنی عمر کی آخری نیند جانے۔ گناہوں سے بچے اور دشمنوں کو راضی کرے۔ طہارت کے ساتھ رہے داہنے پہلو پر قبلہ رو ہو کر سوئے۔ دنیاوی کام ٹھیک رکھے۔ نعمت اسلام کا شکر بجالائے اور عہد کرے کہ اگر بیدار ہوا تو پھر گناہوں میں مبتلا نہ ہوگا۔ جو شخص اپنی بیداری میں کاموں کو درست رکھتا ہے اس کے لئے نیند ہو یا موت دونوں میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ایک بزرگ ایک ایسے امام کے پاس جایا کرتے تھے جو مرتبہ و عزتِ نفس کی رعونت میں مبتلا تھا وہ بزرگ اس سے کہتے تھے اے فلاں شخص تجھے مرجانا چاہئے اس کلمہ سے اس امام کا دل رنجیدہ ہوا کرتا تھا اور کہا کرتا یہ گروہ ہمیشہ مجھ سے یہی کہتا رہتا ہے۔ کل میں اس کے کہنے سے پہلے یہ کلمہ اس سے کہوں گا۔ چنانچہ جب پھر وہ بزرگ اس کے پاس آئے تو اس امام نے کہا، تمہیں مرجانا چاہئے۔ اس بزرگ نے مصلّے کو بچھایا سر کو زمین پر رکھا اور کہا میں مرتا ہوں اور اسی وقت اس بزرگ کی روح پرواز کر گئی۔ اس واقعہ میں امام کو یہ تنبیہ تھی کہ وہ جان لے کر یہ بزرگ جو مرجانے کو کہا کرتے تھے خود بھی مرنے سے نہیں ڈرتے۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو اس کی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ نیند کے غلبہ کے وقت سونا چاہئے اور جب بیدار ہو جائے تو دوبارہ سونا مریدوں کے لئے حرام ہے۔ چونکہ بندے کو نیند غفلت لاتی ہے۔ اس معنی میں بحث طویل ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

سکوت و کلام کے آداب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا**(61) (حٰم السجدہ: ۳۳) سب سے بہتر کلام یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کو پکارے اور نیک کام کرے۔ (62) نیز فرمایا: **قَوْلٌ**

شرح (61): وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صٰلِحًا۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے۔

(پ ۲۴، حٰم السجدہ: ۳۳)

شرح (62): اِس آیتِ مبارکہ کے تحت صدرُ الافاضل حضرتِ علّامہ مولانا سیّد محمد نعیم الدّین مُراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الهادی لکھتے ہیں: حضرتِ عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مَّعْرُوْفٌ (63) (البقرہ: ۲۶۳) نیک بات کہو۔ (64) اور فرمایا: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا (65) (العنکبوت: ۴۶) کہو کہ ہم ایمان لائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میرے نزدیک یہ آیت مُؤَذِّنوں کے حق میں نازِل ہوئی اور ایک قَول یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی طریقے پر بھی اللہ کی طرف دعوت دے وہ (یعنی ہر نیکی کی دعوت دینے والا) اس میں داخِل ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (63): قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ اچھی بات کہنا۔ (پ ۲، البقرہ: ۲۶۳)

شرح (64): اچھی بات کے سوا کچھ نہ بولو:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ہمیں ایسا عمل بتائیے جسے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہوجائیں۔ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کبھی نہ بولو۔ عرض کیا گیا: ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ فرمایا: (پھر) اچھی بات کے علاوہ کچھ نہ بولو۔

شیطان پر غالب آنے کا طریقہ:

نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھی بات کے علاوہ اپنی زبان کو روکے رکھو اس طرح تم شیطان پر غالب آجاؤ گے۔

(الترغیب والترھیب، کتاب الادب وغیرہ، باب الترغیب فی الصمت... الخ، رقم ۲۹، ج ۳، ص ۳۴۱)

اچھی بات یا خاموشی:

اللہ کے محبوب، دانائے غیوب، منزہٌ عنِ العُیُوب عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے: جو اللہ عزوجل اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار... الخ، رقم ۴۸، ص ۴۴)

رسول اکرم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اس بندے پر رحم فرمائے جو اچھی بات کہتا ہے یا پھر خاموش رہتا ہے۔ (کتاب الزھد لابن المبارک، باب حفظ اللسان، رقم ۳۸۰، ص ۱۲۸ بتصرف وکشف الخفاء، رقم ۱۳۷۲، ج ۱، ص ۳۷۷، بدون عبداً)

شرح (65): وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور کہو ہم ایمان لائے۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ۴۶)

واضح رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اچھی بات کہنے کا حکم دیا ہے مثلاً حق تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار، اس کی حمد و ثنا اور مخلوق خدا کو دعوت و تبلیغ وغیرہ گویائی حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے بڑی نعمت ہے۔ آدمی اس صفت کے ذریعہ دیگر مخلوق سے ممتاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (66) (بنی اسرائیل: ۷۰) بنی آدم کو ہم نے مکرم بنایا۔ مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی گویائی عطا فرمانے کے ہیں۔ اگرچہ گویائی خدا کی ظاہر نعمت ہے۔ لیکن اس کی آفت بھی بہت بڑی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ الِلّسَانَ (67) میری امت پر سب سے زیادہ خوفناک چیز زبان ہے مجھے اس کا خوف ہے۔ گفتار، شراب کی مانند ہے جس سے عقل مخمور ہو جاتی ہے۔ آدمی جب شرابِ کلام میں پڑ جاتا ہے تو اس سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں سکتا۔ چونکہ اہل طریقت کو معلوم ہے کہ گفتار آفت ہے اس لئے وہ انتہائی ضرورت کے بغیر بات نہیں کرتے گویا وہ ابتداء اور انتہاء میں گفتگو پر قابو رکھتے ہیں اگر ساری گفتگو حق کے لئے ہو تو بات کرتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں۔ ان کا پختہ اعتقاد ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھیدوں کو جانتا ہے اور ان لوگوں کو بہت برا جانتے ہیں جو حق تعالیٰ کو ایسا نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (68) (الزخرف: ۸۰) کیا یہ کافر لوگ گمان رکھتے ہیں کہ ہم ان کے بھیدوں کو اور خفیہ باتوں کو نہیں سنتے۔ ہاں ہمارے فرشتے بھی ان کے پاس سب کچھ لکھ رہے ہیں میں عالم الغیب ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من سکت نجی (69) جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ (70)

شرح (66): وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی۔ (پ۱۵، بنی اسرائیل: ۷۰)

شرح (67): (المعجم الاوسط، الحدیث: ۷۰۶۵، ج۵، ص۲۰۰)

شرح (68): اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: تو ہم اپنا کام پکا کرنے والے ہیں کیا اس گھمنڈ میں ہیں کہ ہم ان کی آہستہ بات اور ان کی مشورت نہیں سنتے ہاں کیوں نہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں۔ (پ۲۵، الزخرف: ۸۰)

شرح (69): (شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، فصل فی السکوت عما لا یعنیہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لہٰذا خاموشی میں بہت فوائد ہیں اور اس میں بہت فتوحات ہیں اور بولنے میں بکثرت آفت۔
مشائخ طریقت کی ایک جماعت بولنے پر سکوت کو افضل سمجھتی ہے اور ایک جماعت خاموشی پر بولنے کو ترجیح دیتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)، الحدیث ۴۹۸۳، ج ۴، ص ۲۵۴) (جامع الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب (نمبر ۵) الحدیث ۲۵۰۹، ج ۴، ص ۲۲۵)

شرح (70): خاموشی کے فضائل

خاموش رہنے کی عادت اپنانے (یعنی قفل مدینہ لگانے) کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت کے ساتھ ہمیں درجِ ذیل برکتیں بھی حاصل ہوں گی،

حضرتِ سیدنا ابودرداء رضي الله عنه کی ملاقات رسول الله صلي الله عليه وسلم سے ہوئی تو آپ صلي الله علي وسلم نے فرمایا: اے ابودرداء! کیا میں تجھے دو ایسے عمل نہ بتاؤں جنکی مشقت تو خفیف ہے مگر ان کا اجر عظیم ہے اللہ کے ساتھ ان جیسے کسی عمل کے ساتھ ملاقات نہیں کی گئی وہ دو عمل طویل خاموشی اور حسنِ اخلاق ہیں۔

(مجمع الزوائد، باب ماجاء فی حسن الخلق، رقم: ۱۲۶۷۲، ج ۸، ص ۴۸)

سرورِ عالم انے ارشاد فرمایا: جسے سلامتی عزیز ہو اسے چاہیے کہ خاموشی اختیار کرے۔

(شعب الایمان، رقم ۴۹۳۷، ج ۴، ص ۲۴۱)

حضرت سیدنا انس رضي الله عنه روایت کرتے ہیں کہ سرورِ عالم انے فرمایا: بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت نہیں پاسکتا جب تک اپنی زبان کو روکے نہ رکھے۔ (المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۶۵۶۳، ج ۵، ص ۵۵)

حضرتِ سیدنا انس رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلي الله عليه وسلم نے فرمایا: خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جو اپنا زائد کلام بچا کر رکھے اور زائد مال خرچ کردے۔ (المعجم الکبیر، مندرکب المصری، رقم: ۴۶۱۶، ج ۵، ص ۷۲)

حضرت ابوذر رضي الله عنه سے مروی ہے کہ میں نے حضور اکو فرماتے ہوئے سنا کہ تنہائی برے ہم نشین سے بہتر ہے، اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے، بھلائی کا سکھانا خاموشی سے بہتر ہے اور برائی کی تعلیم سے خاموشی بہتر ہے۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الادب، رقم ۴۸۶۴، ج ۳، ص ۴۵)

حضرت سلیمان نے فرمایا: اگر گفتگو چاندی ہو تو خاموشی سونا ہے۔

(احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان، ج ۳، ص ۱۳۶) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الفاظ وعبارات سراسر دعاوی ہیں۔ جس وقت معانی کا اثبات ہو جاتا ہے تو الفاظ وعبارات والے دعاوی جاتے رہتے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان اختیاری حالت میں سقوط کلام میں معذور ہو جاتا ہے۔ یعنی بحالتِ بقا خوف کی وجہ سے۔ باوجود بولنے پر قادر ہونے کے وہ بول نہیں سکتا۔ اس کا نہ بولنا، معرفت حقیقت میں کوئی حرج پیدا نہیں کرتا۔ اور کسی وقت بندہ بے معنی محض خالی دعووں میں معذور نہیں ہوتا اس کا حکم منافقوں کی مانند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بے معنی دعوٰی نفاق ہے اور بے دعوٰی معنی اخلاص پر مبنی ہے۔ کیونکہ جس بندے کے لئے راستہ کھل جاتا ہے وہ گفتار سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس معنی کی وہ خبر دے گا اس کے الفاظ وعبارت سب غیر ہوں گے اور حق تعالیٰ بے نیاز ہے کہ احوال کی تعبیر وتفسیر کسی غیر کے ذریعہ کرائے۔ اس کا غیر اس لائق نہیں کہ اس کی طرف التفات کیا جائے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تائید میں فرماتے ہیں کہ "من عرف الله کل لسانہٗ" جس نے حق تعالیٰ کو دل سے پہچان لیا اس کی زبان، بیان سے عاجز ہو گئی کیونکہ اظہار بیان میں حجاب دکھائی دیتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کھڑے ہو کر نعرہ مارا کہ "یا مرادی" اور حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے ابوبکر اگر تمہاری مراد حق ہے تو یہ اشارہ کیوں ہے کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور اگر تمہاری مراد حق نہیں ہے تو تم نے خلاف کیوں کیا۔ حق تعالیٰ تمہارے قول کے بموجب علیم ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام پر توبہ واستغفار کیا۔

وہ جماعت جو بولنے کو خاموشی پر ترجیح دیتی ہے ان کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے احوال کو بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خاموش رہنے سے انسان کے رُعب میں اضافہ ہوتا ہے۔ (المستطرف فی کل فن مستظرف، الباب الثالث عشر، ج ۱، ص ۱۴۷)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو کلام میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ (المستطرف فی کل فن مستظرف، الباب الثالث عشر، ج ۱، ص ۱۴۶)

حضرت سیدنا وہب بن ورد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حکمت کے دس حصے ہوتے ہیں جس میں سے نو حصے خاموشی میں اور دسواں گوشہ نشینی میں پوشیدہ ہے۔ (المستطرف فی کل فن مستظرف، الباب الثالث عشر، ج ۱، ص ۱۴۶)

کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ دعوٰی معنی کے ساتھ قائم ہے مثلاً اگر کوئی حق تعالیٰ کی معرفت، عقل وخرد سے ہزار برس تک رکھے اور کوئی امر مانع بھی نہ ہو تو جب تک اپنی معرفت کا اقرار زبان سے نہ کرے اس کا حکم کافروں جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حمد وثنا اور شکر خدا بجالانے کا حکم دیتا ہے اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا: وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (71) (الضحیٰ: ۱۱) اپنے رب کی نعمتوں کو اچھی طرح بیان کرو۔ (72) حمد وثنا اور بیانِ نعمت بندے کا کلام ہوتا ہے لہٰذا ہمارا ذکر کرنا حکم خدا کی تعظیم اور بجا آوری کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ (73) (المؤمن: ۶۰) مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔ (74) نیز فرمایا: اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (75) (البقرہ: ۱۸۶) میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول

شرح (71): وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ○

ترجمہ کنزالایمان: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (پ ۳۰، والضحیٰ: ۱۱)

شرح (72): بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ شکر کی اصل جگہ دل و اعضاء ظاہری ہیں، دل سے رب کی نعمتوں کا اقرار، اعضاء سے عبادت شکر ہے اور حمد کی اصل جگہ زبان ہے اور دل وغیرہ لوگوں سے مخفی ہیں، زبان لوگوں پر ظاہر اور شکر میں اظہار اصل مقصود ہے اسی لیے حمد کو شکر کا سر قرار دیا گیا کہ مقصدِ شکر حمد سے ادا ہوتا ہے۔ (مرقات) سبحان اللہ! نہایت نفیس تحقیق ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ" اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو، یہ ہے کامل شکر اور چرچا زبان سے ہوتا ہے۔

شرح (73): اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ ۔

ترجمہ کنزالایمان: ۔ اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۶۰)

شرح (74): اللہ تعالیٰ بندوں کی دعائیں اپنی رحمت سے قبول فرماتا ہے اور ان کے قبول کے لئے چند شرطیں ہیں ایک اخلاص دعا میں، دوسرے یہ ہے کہ قلب غیر کی طرف مشغول نہ ہو، تیسرے یہ کہ وہ دعا کسی امرِ ممنوع پر مشتمل نہ ہو، چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین رکھتا ہو، پانچویں یہ کہ شکایت نہ کرے کہ میں نے دعا مانگی قبول نہ ہوئی جب ان شرطوں سے دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دعا کرنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے یا تو اس کی مراد دنیا ہی میں اس کو جلد دے دی جاتی ہے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ ہوتی ہے یا اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جاتا ہے۔ آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دعا سے مراد عبادت ہے اور قرآنِ کریم میں دعا بمعنٰی عبادت بہت جگہ وارد ہے۔ حدیث شریف میں ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگے۔ (76) ان کے سوا بے شمار آیات اس کی دلیل ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کو اپنے حال کے بیان کی قدرت نہ ہو وہ بے حال ہے اس لئے کہ گویائی کا وقت بھی تو ایک وقت وصال ہوتا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

لسان الحال افصح من لسانی

وصمتی عن سوالی ترجمانی

میری زبان سے زیادہ فصیح میرے حال کی زبان ہے

اور میرے سوال کی ترجمانی میری خاموشی کر رہی ہے

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے کرخ تشریف لے گئے انہوں نے ایک مدعی کو یہ کہتے سنا کہ السکوت خیر من الکلام خاموشی، بولنے سے بہتر ہے۔ اس پر حضرت شبلی نے فرمایا: سکوتك خیر من کلامك وکلامی خیر من سکوتی تیرا خاموش رہنا تیرے بولنے سے بہتر ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (ابوداؤد و ترمذی) اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تم میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (75): اُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔

(پ ۲ البقرۃ:۱۸۶)

شرح (76): دعا عرضِ حاجت ہے اور اجابت یہ ہے کہ پروردگار اپنے بندے کی دعا پر لَبَّیْکَ عَبْدِیْ فرماتا ہے مراد عطا فرمانا دوسری چیز ہے وہ بھی کبھی اس کے کرم سے فی الفور ہوتی ہے کبھی بمقتضائے حکمت کسی تاخیر سے کبھی بندے کی حاجت دنیا میں روا فرمائی جاتی ہے کبھی آخرت میں کبھی بندے کا نفع دوسری چیز میں ہوتا ہے وہ عطا کی جاتی ہے کبھی بندہ محبوب ہوتا ہے اس کی حاجت روائی میں اس لئے دیر کی جاتی ہے کہ وہ عرصہ تک دعا میں مشغول رہے۔ کبھی دعا کرنے والے میں صدق و اخلاص وغیرہ شرائط قبول نہیں ہوتے اسی لئے اللہ کے نیک اور مقبول بندوں سے دعا کرائی جاتی ہے، مسئلہ: ناجائز امر کی دعا کرنا جائز نہیں دعا کے آداب میں سے ہے کہ حضور قلب کے ساتھ قبول کا یقین رکھتے ہوئے دعا کرے اور شکایت نہ کرے کہ میری دعا قبول نہ ہوئی ترمذی کی حدیث میں ہے کہ نماز کے بعد حمد و ثناء اور درود شریف پڑھے پھر دعا کرے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

میرا بولنا میرے خاموش رہنے سے بہتر ہے **لان کلامك لغو وسکوتك هزام وکلامی خیر من سکوتی لان سکوتی حلم وکلامی علم** کیونکہ تیرا بولنا لغو ہے اور تیری خاموشی ٹھٹھا اور میرا بولنا خاموشی سے اس لئے بہتر ہے کہ میری خاموشی میں حلم وبردباری اور کلام میں علم ودانائی ہے۔

قولِ فیصل:

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام دو طرح کا ہوتا ہے اسی طرح خاموشی بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کلام حق اور ایک کلام باطل۔ اسی طرح ایک سکوت، مقصود ومشاہدہ کے حاصل ہونے کے بعد اور ایک غفلت وحجاب کی حالت میں۔ ہر شخص کو گفتار وسکوت کی حالت میں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ اگر اسی کا بولنا حق ہے تو اس کا بولنا اس کی خاموشی سے بہتر ہے اور اگر اس کا بولنا باطل ہے تو اس کی خاموشی اس کے بولنے سے بہتر ہے اور اگر حجاب وغفلت کی بنا پر ہو تو بھی بولنا خاموشی سے بہتر ہے ایک جہان اس کے معنی میں حیران وسرگرداں ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی ہوس میں معانی سے خالی الفاو عبارت کو اپنا رکھا ہے اور کہتے پھرتے ہیں کہ بولنا خاموشی سے افضل ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو گہرائی کے مقابلہ میں مینارہ تک کو نہیں جانتے اور اپنی جہالت کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ خاموشی، بولنے سے بہتر ہے۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کی مانند ہیں کسے گویا کہیں اور کسے خاموش؟ **من نطق اصاب او غلط ومن انطق عصم من الشطط** جو بولتا ہے۔ یا تو وہ صحیح ہوگا یا غلط اور جو بولا جاتا ہے اسے خطا وخلل سے بچایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس علیہ اللعنۃ نے کہا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (77) (الزمر:۷۶) میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں (78) (معاذ اللہ) اور حضرت آدم

شرح (77): قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ

ترجمہ کنز الایمان:۔ بولا میں اس سے بہتر ہوں۔ (پ ۲۳ ص:۷۶)

شرح (78): جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیر اور اپنی بڑائی کا اظہار کر کے تکبر کیا اسی جرم کی سزا میں خداوندِ عالم نے اس کو مردودِ بارگاہ کر کے دونوں جہان میں ملعون فرما دیا اور اس کی پیروی کرنے والوں کو جہنم میں عذابِ نار کا سزاوار بنا دیا۔

(تفسیر خزائن العرفان)

علیہ السلام سے یہ کہلوایا گیا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا[79] (الاعراف: ۲۳)۔اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔[80]

لہٰذا مشائخِ طریقت، اپنی گویائی میں اجازت یافتہ اور بے قرار ہیں اور اپنی خاموشی میں شرم زدہ اور مجبور ہیں۔ **من کان سکوته حیا کان کلامه حیوة** جس کی خاموشی شرم سے ہو اس کا کلام دعوٰی کی زندگی ہے۔ان کا کلام دیدار سے ہے اور جو کلام بغیر دیدار کے ہو وہ موجب ذلت ورسوائی ہے۔ایسے وقت نہ بولنا بولنے سے افضل ہے تا کہ اپنے آپے میں رہیں اور جب غائب ہو جاتے ہیں تو لوگ ان کے قول کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

من کان سکوته له ذهبا کان کلامه لغیره مذهبا جس کے لئے خاموشی سونا ہو تو اس کا کلام دوسروں کے لئے مذہب ہوتا ہے۔

لہٰذا طالبِ حق پر لازم ہے کہ اگر اس کی فکر وغور بندگی میں ہو تو خاموش رہے تا کہ اس کی زبان جب بول تو ربوبیت کے ساتھ بولے۔

اور اسی کی بات کہے اور اس کے الفاظ وعبارت مریدوں کے دلوں کو متاثر کر سکیں۔بات کرنے کا ادب یہ ہے کہ بے حکم نہ بولے اور اتنا ہی جواب دے جو ضروری ہو خاموشی کا ادب یہ ہے کہ وہ جاہل نہ ہو اور نہ جہالت پر راضی ہو غفلت میں نہ رہے۔

مرید پر لازم ہے کہ مشائخ کے کلام میں دخل نہ دے اور نہ اس میں تصرف کرے اور سنسنی خیز باتیں نہ بیان کرے۔اس زبان کو جس سے کلمہ شہادت پڑھا اور توحید کا اقرار کیا ہے اس کو غیبت اور جھوٹ سے پاک وصاف رکھے۔مسلمانوں کو رنج نہ پہنچائے اور درویشوں کو صرف ان کے نام سے نہ پکارے اور جب

شرح (79): رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ بُرا کیا(پ۸ الاعراف: ۲۳)

شرح (80): اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: مَیں توبہ کرنے والوں کا دوست، مخلوق کے دھتکارے ہوؤں کی جائے پناہ اور فریاد کرنے والوں کا فریادرس ہوں۔ہے کوئی جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے اسے محروم رکھا ہو، ہے کوئی جس نے توبہ کی ہو اور میں نے قبول نہ کی ہو اور ہے کوئی ایسا جس نے مجھ سے مانگا ہو اور میں نے اسے عطا نہ کیا ہو۔

تک کوئی ان سے معلوم نہ کرے خود کچھ نہ بولے۔ بات کرنے میں پہل نہ کرے اور اس درویش پر خاموشی لازم ہے جو باطل پر خاموش نہ رہ سکے۔ گفتگو کی شرط یہ ہے کہ حق کے سوا دوسری بات نہ کرے۔ اس کی اصل وفرع اور لطائف بہت ہیں بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب!

سوال کے آداب:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (81) (البقرہ: ۲۷۳) لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہ کرو۔ (82) اور جب کوئی سوال کرے تو منع نہ کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (83) (الضحیٰ: ۱۰) سائل کو نہ جھڑکو۔ جہاں تک ممکن ہو خدا کے سوا کسی سے سوال نہ کرو۔ اس لئے کہ غیر خدا کو سوال کا محل نہیں بنایا گیا ہے۔ سوال سے غیر خدا کی طرف التفات پایا جاتا ہے۔ جب بندہ خدا سے روگرداں ہوتا ہے تو اس کا قوی

شرح (81): لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔ (پ ۳ البقرہ: ۲۷۳)

شرح (82): حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یعنی سوال پر اڑ نہ جاؤ کہ سامنے والا دینا نہ چاہے اور تم بغیر لئے ٹلنا نہ چاہو، مانگنا ایک عیب ہے اور اس پر اڑنا دس گنا عیب، رب تعالیٰ فرماتا ہے: (لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا)۔ ترجمہ: لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے (کنزالایمان [البقرۃ: ۲/ ۲۷۳])۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر تو اپنا فرمایا مگر قانون کلی فرمایا کہ جو بھکاری بھی ضد یا اڑ سے بھیک وصول کرے، دینے والا دینا نہ چاہے، تو اس سے بھیک میں سخت بے برکتی ہوگی، امام غزالی فرماتے ہیں جو فقیر یہ جانتے ہوئے بھیک لے کہ دینے والا شخص شرم وندامت کی وجہ سے دے رہا ہے اس کا دل دینے کو نہ چاہتا تھا، تو یہ مال بھکاری کے لئے حرام ہے، خیال رہے کہ بھکاری کی ضد اور ہے چندہ کرنے والوں کا لحاظ کچھ اور، ضد حرام ہے لحاظ کا یہ حکم نہیں، آج مسجدوں مدرسوں کے چندوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ شہر کا بڑا معزز مالدار آدمی زیادہ وصول کرسکتا ہے، پھر اپنے لئے مانگنے اور دینی کاموں کے لئے چندہ کرنے کے احکام میں فرق ہے۔

(مرآۃ المناجیح، ج ۳، ص ۵۶)

شرح (83): وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور منگتا کو نہ جھڑکو۔ (پ ۳۰ والضحیٰ: ۱۰)

اندیشہ ہوتا ہے کہ اسے محل اعراض میں نہ چھوڑ دیا جائے۔

کسی دنیا دار نے حضرت رابعہ عدویہ اسے کہا اے رابعہ مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا اے شخص، جبکہ میں دنیا کے پیدا کرنے والے سے حیا کرتی ہوں کہ دُنیا اس سے مانگوں، تو کیا اپنے جیسے سے مانگنے میں مجھے شرم نہ آئے گی۔؟

منقول ہے کہ ابو مسلم کے زمانہ میں کسی صاحب دعوت نے ایک درویش کو بے گناہ چوری کے الزام میں پکڑوا دیا۔ چار راتیں اسے قید خانہ میں رہنا پڑا۔ ایک رات ابو مسلم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو مسلم! مجھے خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اس کے دوست کو بے جرم قید خانہ میں ڈلوا دیا ہے۔ جاؤ اسے آزاد کرو۔ ابو مسلم خواب سے بیدار ہوئے اور ننگے سر اور ننگے پاؤں قید خانہ دوڑتے ہوئے گئے حکم دیا کہ قید خانہ کا دروازہ کھول دیا جائے اور اس درویش کو باہر لے کر آئے اس سے معافی مانگی اور کہا کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔ درویش نے کہا اے امیر، جس خدا کی شان یہ ہو کہ وہ آدھی رات کے وقت ابو مسلم کو بستر سے جگا کر بھیجے اور بلا سے نجات دلائے کیا اس کے بندے کے لئے زیبا ہے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے۔؟ ابو مسلم رونے لگے اور درویش کے سامنے سے ہٹ گئے۔

ایک جماعت کے نزدیک درویش کا سوال کرنا جائز ہے (84) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لوگوں

شرح (84): بعض اوقات بعض لوگوں کے ایسے احوال ہوتے ہیں کہ ان کے لئے سوال کرنا سوال نہ کرنے سے زیادہ فضیلت کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ منقول ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت سیّدُنا ابو الحسین نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی جگہ ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے مانگتے ہوئے دیکھا، راوی فرماتے ہیں: مجھے یہ بات گراں گزری، پس میں نے حضرت سیّدُنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا: یہ بات تجھے ناگوار نہ ہو، بے شک حضرت سیّدُنا نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہی لوگوں کو دینے کے لئے ان سے سوال کرتے ہیں، وہ اُن سے اس لئے سوال کرتے ہیں تاکہ انہیں آخرت میں ثواب ملے اور وہ بغیر کسی کمی کے اجر پائیں گویا انہوں نے سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب سینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے اس فرمان کی طرف اشارہ فرمایا:

یَدُ الْمُعْطِیْ هِیَ الْعُلْیَا۔ (المعجم الکبیر، الحدیث ۱۳۸۴، ج۲، ص ۸۵)

ترجمہ: دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے۔ (لُبَابُ الْاِحْیَاء ۳۲۸)

سے گڑگڑا کر سوال نہ کرو اس میں اشارہ ہے کہ سوال تو کرو مگر گڑگڑاؤ نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود صحابہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صاحب ہمت کو ترجیح دی ہے اور ہمیں بھی ارشاد فرمایا کہ:

اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حَسَّانِ الْوُجُوْہِ (85) اپنی ضرورتوں کے لئے خوب صورت چہرہ والوں سے سوال کیا کرو۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ تین باتوں کے لئے سوال جائز ہے ایک یہ کہ دل کی فراغت کے لئے سوال ضروری ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہم دو روٹیوں کی قیمت بھی نہیں رکھتے اور دن رات اس کا انتظار کرتے ہیں اور ہماری اضطراری و بے قراری کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اس کے سوا کوئی حاجت نہیں ہوتی اس لئے کہ کھانے کے انتظار کی مشغولیت سے بڑھ کر اور کوئی مشغولیت نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید شفیق کی بابت دریافت کیا جب کہ وہ مرید زیارت کے لئے آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شفیق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور توکل اختیار کر لیا ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تم جاؤ تو شفیق سے کہنا کہ دیکھو دو روٹی کی خاطر خدا کو نہ آزمانا جب بھوکے ہو تو کسی ہم جنس سے دو روٹی مانگ لینا اور توکل کے نام کو ایک طرف رکھ دینا تا کہ تمہارے ولایت کا محل اپنے معاملہ کی بدبختی سے زمین پر نہ آ جائے اور تباہ و برباد نہ ہو جائے۔ (86)

شرح (85): (المسند الفردوس، الحدیث: ۲۳۲۹، ج ۲، ص ۵۸)

شرح (86): حضرت سَیِّدُ نا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترازو منگوایا اور ایک سو درہم تولے، پھر ایک مٹھی مزید درہم لے کر ان میں ملا دیئے اور فرمایا: یہ حضرت سَیِّدُ نا نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس لے جاؤ۔ میں نے دِل میں سوچا کہ کسی چیز کو اس لئے تولا جاتا ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو لیکن انہوں نے کس طرح اس میں مجہول چیز (یعنی مٹھی بھر درہم) کو مِلا دیا، حالانکہ یہ تو دانا آدمی ہیں؟ لیکن مجھے یہ سوال کرتے ہوئے حیاء محسوس ہوئی اور میں وہ تھیلی لے کر حضرت سَیِّدُ نا نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گیا، تو انہوں نے بھی ترازو منگوایا اور ایک سو درہم تولے اور فرمایا: یہ ان کے پاس واپس لے جاؤ اور کہنا: میں تم سے کچھ بھی قبول نہیں کرتا اور جو سو سے زائد تھے وہ رکھ لئے۔ راوی کہتے ہیں: مجھے ان کے اس عمل سے مزید تعجب ہوا، چنانچہ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: حضرت سَیِّدُ نا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقلمند آدمی ہیں، وہ رسی کے دونوں سرے خود ہی پکڑنا چاہتے ہیں، انہوں نے ایک سو اپنے فائدے کے تولے، تا کہ آخرت کا ثواب ہو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال کی دوسری غرض یہ ہے کہ نفس کی ریاضت کے لئے سوال کیا جائے تا کہ نفس ذلیل وخوار ہو سکے اور رنجیدہ ہو کر اپنی قدر و قیمت پہچانے کہ دوسروں کی نظر میں اس کی کیا منزلت ہے اور دوبارہ تکبر کر کے مصیبت میں نہ ڈالے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ آئے تو حضرت جنید نے فرمایا اے ابو بکر تمہارے دماغ میں ابھی تک یہ گھمنڈ ہے کہ میں خلیفہ کے خاص الخاص کا فرزند ہوں اور سامرہ کا امیر ہوں یہ تمہارے کام نہ آئے گا جب تک کہ تم بازار میں جا کر ہر ایک کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاؤ گے اس وقت تک اپنی قدر و قیمت نہ جان سکو گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا روزانہ بازار میں ان کی قدر و قیمت گھٹتی گئی یہاں تک کہ چھ سال میں اس حال کو پہنچ گئے کہ انہیں بازار میں کسی نے کچھ نہ دیا۔ اس وقت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر اب تم اپنی قدر و قیمت کو پہچانو کہ لوگوں کی نظر میں تمہاری کوئی قیمت نہیں ہے لہٰذا تم ان لوگوں کو دل میں جگہ نہ دو اور ان کی کچھ منزلت نہ سمجھو۔ یہ معنی ریاضت کے لئے تھے نہ کہ کسب کے لئے۔ کسب کے طریق پر سوال کسی طرح حلال نہیں ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک رفیق تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے بلا لیا اور دنیاوی نعمت سے اخروی نعمتوں میں پہنچا دیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا ہے۔ میں نے پوچھا کس بنا پر؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھا کر فرمایا اے میرے بندے، تو نے بخیلوں اور کمینوں کی بڑی اذیتیں برداشت کیں ہیں۔ تو نے ان کے آگے ہاتھ پھیلایا پھر صبر سے کام لیا۔ اس لئے تجھے بخشتا ہوں۔

سوال کی تیسری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت میں لوگوں سے سوال کرے اور تمام دنیاوی اموال کو خدا ہی کا جانے اور ساری مخلوق کو اس کا وکیل سمجھے اور جو اپنے نصیب کی ہوا سے خدا کے وکیلوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور ایک مٹھی بلا وزن اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے ڈال دیئے تو جو کچھ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے تھا میں نے وہ لے لیا اور جو کچھ انہوں نے اپنے لئے رکھا تھا، میں نے واپس کر دیا۔ راوی فرماتے ہیں: میں نے وہ دراہم حضرت سیّدُنا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو واپس کر دیئے، تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رونے لگے پھر فرمایا: انہوں نے اپنا مال لے لیا اور ہمارا مال واپس کر دیا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔ (لُبَابُ الْاِحْیاء ۳۲۹)

حاصل کرے۔ سوال تو لوگوں سے ہو لیکن نظر حق تعالیٰ کی طرف، جب بندہ خود کو ایسا بنالیتا ہے تو حرمتِ الٰہی میں وکیل سے جو مانگتا ہے وہ طاعت میں حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے لہٰذا ایسوں کا غیر سے سوال کرنا حق تعالیٰ سے اپنے حضور توجہ کی نشانی ہے نہ یہ غیبت ہے اور نہ حق تعالیٰ سے روگردانی۔ (87)

شرح (87): غیر خدا سے سوال قَبِیح لِذَاتِہٖ ہے۔

حدیث شریف میں ہے: سوال فواحش سے ہے۔

(کیمیائے سعادت، اصل چھارم در فقر و زھد، ج ۲، ص ۸۴۳) (واحیاء علوم الدین، کتاب الفقر والزہد، ج ۴، ص ۲۵۹)

اور فواحش حرام، پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو بکر اور ثوبان اور ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس بات پر بیعت لی کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی سے سوال نہ کریں یہاں تک کہ اگر کوڑا اگر جاتا، گھوڑے سے اتر کر اٹھا لیتے مگر کسی سے نہ کہتے کہ ہمیں کوڑا اُٹھا دے۔ (السنن الکبری للبیھقي، باب کراھیۃ السؤال... إلخ، الحدیث: ۷۸۷۵، ج ۴، ص ۳۳۰) (والحدیقۃ الندیۃ، القسم الثاني، النوع العشرون، ج ۲، ص ۲۶۷)

اللہ پاک اصحابِ صُفّہ کی تعریف کرتا ہے:

(لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا)

ترجمہ کنز الایمان: لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

علماء فرماتے ہیں: ترکِ سوال ہر حال میں اَولیٰ ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر شخص کے رزق کا کفیل ہے۔

حدیث شریف میں ہے: بھوکا اور حاجت مند اگر اپنی حاجت لوگوں سے چھپائے، خدائے تعالیٰ رزق حلال سال بھر تک اسے عنایت کرے۔ (المعجم الصغیر، باب من اسمہ إبراہیم، الحدیث: ۲۱۴، ج ۱، ص ۷۹) (وشعب الایمان، باب الصبر علی المصائب، الحدیث: ۱۰۰۵۴، ج ۷، ص ۲۱۵-۲۱۶)

(وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا)

ترجمہ کنز الایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (پ ۱۲، ھود: ۶)

(نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ)

ترجمہ کنز الایمان: ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی۔ (پ ۱۵، بني إسرآءیل: ۳۱)

بشر حافی کہتے ہیں: جو کسی کو بُرا نہ کہے اور کسی کے دروازے پر نہ جائے اور کسی سے سوال نہ کرے، دنیا و آخرت میں با آبرو رہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عیسیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لڑکی تھی۔ایک دن لڑکی نے اپنی ماں سے کہا مجھے فلاں چیز کھلایئے۔اس کی والدہ نے کہا۔خدا سے مانگو۔لڑکی نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش کے لئے خدا سے سوال کروں۔تم جو کچھ دوگی وہ بھی اسی کی جانب سے ہوگا اور وہ میری تقدیر کا حصہ ہوگا۔

سوال کے آداب یہ ہیں کہ اگر سوال، پورا ہو جائے تو اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرنی چاہئے۔لوگوں کو حق تعالیٰ کے درمیان نہ دیکھے حق تعالیٰ ہی کی طرف نظر رکھے۔عورتوں اور بازار والوں سے سوال نہ کرے۔اپنا راز اسی سے کہے جس پر اعتماد ہو کہ اس کا مال حلال ہے کسی پر ظاہر نہ کرے۔جہاں تک ہو سکے اپنے نصیب پر سوال نہ کرے وہ تو اسے پہنچنا ہی ہے۔سوال کرتے وقت گھر کی آرائش کو ملحوظ نہ رکھے اور نہ اسے اپنی ملکیت جانے بلکہ ضرورتِ وقت کا تقاضہ سمجھے۔کل کی فکر آج نہ کرے تا کہ دائمی ہلاکت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بعض:

(وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ)

ترجمہ کنزالایمان: اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔(پ ۳۰، الم نشرح:۸)

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اپنے رب ہی سے مانگ۔(روح المعانی، پ ۳۰، الانشراح، تحت الآیۃ:۸، ج ۱۵، ص ۵۴۶)

دوسرے سے سوال نہ کر اور

(اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى)

ترجمہ کنزالایمان: بے شک آخرت اور دنیا دونوں کے ہمیں مالک ہیں۔(پ ۳۰، اللیل: ۱۳)

کے تحت میں تحریر کرتے ہیں: فمن طلبہ من غیرنا فقد أخطأ۔

تو جو اسے ہمارے غیر سے طلب کرے وہ خطا پر ہو۔

(تفسیر الجلالین مع حاشیۃ الجمل، اللیل، تحت الآیۃ: ۱۳، ج ۸، ص ۳۳۹)

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے: جانور کے واسطے گھاس اور ہانڈی کے لیے نمک بھی مجھی سے مانگ۔

(الدر المنثور، ج ۷، ص ۳۰۲، پ ۲۴، غافر: تحت الآیۃ: ۶۰)

علماء فرماتے ہیں: خدائے تعالیٰ سے سوال کرنا عزت اور غیروں سے مانگنا موجبِ ذلت ہے۔

(اِحیاء علوم الدین، کتاب الفقر والزہد، ج ۴، ص ۲۵۹)

نہ پڑے۔ حق تعالیٰ کو اپنی گدائی کا ذریعہ نہ بنائے اور نہ ایسی پارسائی جتائے کہ پارسائی کی وجہ سے لوگ زیادہ دیں۔

ایک صاحب مرتبہ بزرگ کو میں نے دیکھا کہ وہ بیابان سے فاقہ زدہ اور سفر کی صعوبتیں اٹھائے ہوئے بازار کوفہ میں پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چڑیا تھی اور آواز لگاتا تھا کہ مجھے اس چڑیا کی خاطر کچھ دے دو؟ لوگوں نے کہا، اے شخص یہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا یہ محال ہے کہ میں یہ کہوں کہ مجھے خدا کی راہ پر کچھ دے دو۔ دنیا کے لئے ادنیٰ چیز ہی کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے۔ چونکہ دنیا قلیل ہے۔ [88] طوالت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم!

نکاح اور مجرّد رہنے کے آداب:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ [89] (البقرہ: ۱۸۷) بیویاں تمہارے لباس ہیں اور تم بیویوں کے لباس ہو۔ [90] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شرح (88): اللہ عزوجل اپنے بندوں کو بس تھا۔ قال اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا):

الیس اللہ بکاف عبدہ۔ (القرآن الکریم ۳۹/۳۶)

کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

مگر قرآن عظیم نے حکم فرمایا: وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ (القرآن الکریم ۵/۳۵)

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اللہ کی طرف وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف وسیلہ مشائخ کرام، سلسلہ بہ سلسلہ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے یونہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحب شفاعت ہیں اللہ عزوجل کے حضور وہ شفیع ہونگے اور ان کے حضور علماء و اولیاء اپنے متوسلوں کی شفاعت کریں گے، مشائخ کرام دنیا و دین ونزع و قبر و حشر سب حالتوں میں اپنے مریدین کی امداد فرماتے ہیں،

شرح (89): هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

ترجمہ کنز الایمان: وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۸۷)

شرح (90): جس طرح لباس پردہ ہے عیوب کو چھپاتا ہے، زینت ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تَنَاكَحُوا تُكَثِّرُوا فَإِنِّي أُبَاهِيْ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَوْ بِالسِّقْطِ (91)

مسلمانو! نکاح کرو اور اولاد کی کثرت کرو کیونکہ روزِ قیامت تمہارے ذریعہ اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ اگرچہ حمل کا سقوط ہی کیوں نہ ہو۔

نیز فرمایا:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّسَاءِ بَرَكَةً اَقَلُّهُنَّ مَئُوْنَةً وَاَحْسَنُهُنَّ وُجُوْهًا وَاَحْصَنُهُنَّ فُرُوْجًا

سب سے بڑی برکت والی بیوی وہ ہے جس کا بوجھ کم ہو اور وہ حسین چہرے والی اور عصمت کی حفاظت کرنے والی ہو۔

احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ تمام مرد وعورت پر ہر حال میں نکاح ہے۔ ہر مرد وعورت پر فرض ہے کہ حرام سے بچے اور سنت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عیال کے حقوق کو پورا کرے۔ (92)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے سردی و گرمی سے بچاتا ہے بعینہ، میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے پردہ، زینت اور راحت ہوں اور یوں ملت اسلامیہ کا ہر گھر جنت نظیر بن جائے۔ اسکے برعکس اگر عدم موافقت ومخالفت کی کیفیت پیدا ہو جائے یا باہمی منافرت جنم لے تو ارباب حل وعقد اس اختلاف وعدم اتفاق کی بیخ کنی کی بھرپور سعی کریں۔ اور انہیں ذہنی طور پر یکجا کریں کیونکہ ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے ابتداء عدم موافقت اور پھر باہمی منافرت وتنازعات کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ پاکیزہ رشتہ قائم رکھنا مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہے کہ یہ رشتہ ازدواج قائم رہے لیکن جب قوی اندیشہ ہو کہ عدم موافقت کی وجہ سے وہ باہم حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے فوائد وثمرات فوت ہو جائیں گے تو اسلام نے طلاق اور اسکے متعلقات کا ایک ایسا مربوط نظام عطا فرمایا ہے کہ جس کے اپنے اصول وضوابط ہیں، ان میں بھی انسان کی فوز وفلاح پوشیدہ ہے۔

شرح (91): (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، رقم ۱۸۴۶، ج ۲، ص ۴۰۶)

شرح (92): نکاح کے فوائد کا بیان:

نکاح کے فوائد بے شمار ہیں۔ ان میں سے نیک اولاد کا ہونا، شہوت کا ختم ہونا، گھر کی دیکھ بھال اور قبیلے کا بڑھنا بھی ہے اور ان کے نان ونفقہ کا بندوبست کر کے ان کے ساتھ رہنے میں مجاہدے کا ثواب حاصل ہوتا ہے، اگر بیٹا نیک ہو تو تجھے اس کی دعا سے برکت حاصل ہوگی اور اگر فوت ہو جائے تو (بروزِ قیامت تیرا) شفیع ہوگا۔

مشائخ کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ شہوت کو دور کرنے اور دل کی فراغت حاصل کرنے کے لئے نکاح کرنا چاہئے اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ نسل کو قائم رکھنے کے لئے نکاح کرنا ضروری ہے تا کہ اولاد ہو۔ اگر اولاد باپ کے سامنے فوت ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کرے گی اور اگر اولاد کے سامنے باپ مرجائے تو اولاد اس کی مغفرت کے لئے دعا کرے گی۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم دختر سیدہ فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیامِ نکاح ان کے والد ماجد حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو دیا اور ان سے درخواست کی، حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا وہ تو بہت کم عمر ہیں اور آپ بہت بزرگ ہیں۔ میری نیت تو یہ تھی کہ اسے اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہلوایا کہ اے ابوالحسن! بڑی عمر کی عورتیں تو جہان میں بہت ہیں میری مراد، ام کلثوم سے دفع شہوت نہیں ہے بلکہ اثباتِ نسل ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ **كُلُّ نَسَبٍ وَّحَسَبٍ يَّنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِيْ وَحَسَبِيْ** (93) مرنے کے بعد ہر حسب ونسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا حسب ونسب باقی رہتا ہے ایک روایت میں ہے کہ ہر سبب ونسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا حسب ونسب باقی رہتا ہے۔ اس وقت سبب تو مجھے حاصل ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ نسب بھی حاصل ہو جائے۔ تا کہ دونوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں مضبوط ہو جاؤں۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ علی عنہ کے نکاح میں دے دیا اور ان سے حضرت زید ابن عمر رضی اللہ عنہما تولد ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

تُنْكَحُ النِّسَاءُ عَلَى اَرْبَعَةٍ عَلَى الْمَالِ وَالْحَسَبِ وَالْحُسْنِ وَالدِّيْنِ فَعَلَيْكُمْ بِذَاتِ الدِّيْنِ فَاِنَّهُ مَا اسْتَفَادَ اِمْرَئٌ بَعْدَ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ مِّنْ زَوْجَةٍ مُّؤْمِنَةٍ مُّوَافِقَةٍ يَسُرُّهَا اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا (94) چار وجہوں کی بنا پر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے

شرح (93): (المعجم الکبیر، حدیث ۲۶۳۳ تا ۲۶۳۵، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۴۵ وحدیث ۱۱۶۲۱ ۱۱/ ۲۴۳) (السنن الکبرٰی، کتاب النکاح، بیروت ۷/ ۱۱۴) (والمستدرک کتاب معرفۃ الصحابۃ ۳/ ۱۴۲) (کنز العمال حدیث ۳۱۹۱۴، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۹)

شرح (94): (صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب الأ کفاء في الدین، الحدیث: ۵۰۹۰، ص ۴۲۹)

مال، حسب، حسن اور دین کے لئے۔ لیکن تم پر لازم ہے کہ دین والی عورتوں کو پسند کرو کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد سب سے بہتر فائدہ جو حاصل ہو سکتا ہے وہ مومنہ اور موافقت کرنے والی بیوی ہے جس سے تمہارا دل خوش ہو جب تم اسے دیکھو۔ (95)

(ابوداؤد)

مرد مومن ایسی ہی بیوی سے انس و راحت پاتا ہے اس کی صحبت سے دین کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ سب سے بڑی وحشت تنہائی کی ہے اور سب سے بڑی راحت صحبت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تنہائی کا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب مرد یا عورت اکیلے رہتے ہوں تو ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو ان کے دل میں شہوات کو ابھارتا ہے اور امن و حرمت کے اعتبار سے کوئی صحبت، نکاح کرنے سے بہتر نہیں ہے۔ اگر یک جہتی اور موافقت ہے تو اس میں ذرا سختی و مشغولیت نہیں رہتی اور جب عورت میں یک جہتی نہ ہو اور غیر جنس سے ہو تو درویش کو چاہئے کہ پہلے اپنے دل میں غور کرے اور تنہائی کی آفتوں اور نکاح کے درمیان سوچے کہ ان دونوں میں سے کون سی آفت کو آسانی سے دور کر سکتا ہے پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ مجرد و تنہا رہنے میں دو آفتیں ہیں

شرح (95): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

یعنی عام طور پر لوگ عورت کے مال، جمال اور خاندان پر نظر رکھتے ہیں ان ہی چیزوں کو دیکھ کر نکاح کرتے ہیں مگر تم عورت کی شرافت و دینداری تمام چیزوں سے پہلے دیکھو کہ مال و جمال فانی چیزیں ہیں دین لازوال دولت، نیز دیندار ماں دیندار بچے جنتی ہے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا شعر۔

بے ادب ماں باادب اولاد جن سکتی نہیں معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

ماں فاطمہ جیسی ہو تو اولاد حسنین جیسی ہوتی ہے، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ شعر

بتولے باش پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی اگر تم ہمارے اس فرمان پر عمل نہ کرو تو پریشان ہو جاؤ گے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت کا صرف مال دیکھ کر نکاح کرے گا وہ فقیر رہے گا، جو صرف خاندان دیکھ کر نکاح کرے گا وہ ذلیل ہوگا اور جو دین دیکھ کر نکاح کرے گا اسے برکت دی جائے گی (مرقات) مال ایک جھٹکے میں، جمال ایک بیماری میں جاتا رہتا ہے۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۵، ص۳)

ایک تو سنت کا ترک ہے دوسرے شہوت کی پرورش اور حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہے۔ اسی طرح غیر جنس سے نکاح کرنے میں دو آفتیں ہیں ایک غیر خدا کے ساتھ دل کی مشغولیت دوسرے نفسانی لذت کے لئے تن کو مشغول کرنا۔ اس مسئلہ کی اصل، عزلت وصحبت یعنی خلوت وجلوت کے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ جو شخص خلق کی صحبت چاہتا ہے اس کے لئے نکاح کرنا ضروری ہے اور جو خلوت وگوشہ نشینی کا خواہاں ہے اسے مجرد رہنا مناسب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفْرَدُوْنَ دیکھو مجرد لوگ تم پر سبقت لے گئے۔ حضرت حسین بن ابی الحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

نجا المخففون وهلك المثقلون ہلکے لوگ نجات پا گئے اور بوجھ والے ہلاک ہو گئے۔ (96)

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بزرگ سے ملنے ایک بستی میں گیا جب میں ان کے گھر پہنچا تو ان کا گھر نہایت پاکیزہ دیکھا جس طرح اولیاء کا عبادت خانہ ہوتا ہے اور اس مکان میں دو محرابیں تھیں، ایک محراب کے گوشہ میں وہ بزرگ تشریف فرما تھے اور دوسری محراب میں ایک بوڑھی عورت پاکیزہ اور روشن چہرے والی بیٹھی ہوئی تھی اور یہ دونوں کثرتِ عبادت میں بوڑھے ہو چکے تھے۔ میرے آنے پر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تین دن ان کے یہاں رہا جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے اس بزرگ سے پوچھا یہ پاک دامن عورت آپ کی کون ہے؟ انہوں نے فرمایا، یہ ایک رشتہ سے تو میری چچازاد بہن ہے اور دوسرے رشتہ سے یہ میری بیوی، میں نے کہا ان تین دنوں میں میں نے تو آپ دونوں میں غیریت اور بے گانگی دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، پینسٹھ سال گزر گئے ہیں اسی طرح رہتے ہوئے۔ میں نے عرض کیا اس کی وجہ بیان فرمایئے؟ انہوں نے جواب دیا بات یہ ہے کہ ہم بچپن میں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے تھے۔ اس کے والد نے اسے مجھے دینا منظور نہ کیا کیونکہ ہماری باہمی محبت اسے معلوم ہو گئی تھی۔ ایک عرصہ تک محبت کی آگ میں ہم دونوں جلتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا والد

شرح (96): حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری وصیت

اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! بھاری پلڑے والے وہی لوگ ہیں جن کا پلڑا بروزِ قیامت بھاری ہوگا۔ اس روز جن کا پلڑا ہلکا رہا وہی لوگ ہلکے اعمال ومیزان والے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی اتباع بالکل باطل ہے جن کے اعمال کا وزن کم ہے۔ اور ہلکا پلڑا وہی ہوگا جس میں باطل اشیاء ہوں گی۔ (عیون الحکایات صفحہ ۳۰۳)

وفات پا گیا۔ میرے والد اس کے چچا تھے انہوں نے میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا جب پہلی رات ہم دونوں یکجا ہوئے تو اس نے مجھ سے کہا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسی نعمت سے سرفراز کیا ہے کہ ہم دونوں ایک ہو گئے اس نے ہمارے دلوں کو ناخوش گوار ابتلا و آفت سے نجات دی۔ میں نے کہا ٹھیک کہتی ہو، اس نے کہا پھر ہمیں آج کی رات اپنے آپ کو نفسانی خواہش سے باز رکھنا چاہئے چہ جائیکہ ہم اپنی مراد کو پائمال کریں اور اس نعمت کے شکریہ میں ہم دونوں کو خدا کی عبادت کرنی چاہئے۔ میں نے کہا تم ٹھیک کہتی ہو۔ دوسری رات میں بھی یہی کہا اور تیسری رات میں نے کہا گزشتہ دو راتیں تو میں نے تمہارے شکر میں گزاری ہیں آج رات تم میرے شکر میں عبادت کرو۔ اس طرح ہمیں پینسٹھ (۶۵) سال گزر چکے ہیں اور ہم نے ایک دوسرے کو چھونا تو درکنار کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ساری عمر نعماتِ الٰہی کے شکرانے میں گزار دی۔

معاشرت کے آداب:

جب درویش نکاح کے ذریعہ صحبت کا قصد کرے تو لازم ہے کہ بیوی کو حلال رزق مہیا کرے اور اس کے مہر کو حلال کمائی سے ادا کرے تاکہ حق تعالیٰ کے حقوق اور بیوی کے حقوق جو خدا نے فرض کئے ہیں اس کے ذمہ باقی نہ رہیں۔ لذتِ نفس کی خاطر اس سے مشغول نہ ہو۔ جب فرائض ادا کر چکے تب اس سے ہم بستر ہو اور اپنی مراد اس سے پوری کرے اور حق تعالیٰ سے دعا مانگے کہ اے خدا جہان کی آبادی کے لئے تو نے آدم کی سرشت میں شہوت پیدا کی اور تو نے چاہا کہ یہ باہم صحبت کریں۔ اے خدا مجھے اس کی صحبت سے دو چیزیں عطا فرما۔ ایک تو حرصِ حرام کو حلال سے بدل دے دوسرے مجھے فرزندِ صالح عطا فرما جو راضی برضا اور ولی ہو ایسا فرزند عطا نہ فرما جو میرے دل کو تجھ سے غافل کر دے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ان کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا وہ بچپن میں اپنی ماں سے کھانے کے لئے جو چیز مانگتا اس کی ماں کہتی خدا سے مانگ؟ وہ بچہ محراب میں چلا جاتا سجدہ کرتا اس کی ماں چھپا کر اس کی خواہشیں پوری کر دیتی۔ بچے کو معلوم تک نہ ہوتا کہ یہ ماں نے دیا ہے یہاں تک کہ یہ اس کی عادت بن گئی ایک دن بچہ مدرسہ سے آیا تو اس کی ماں گھر میں موجود نہ تھی۔ عادت کے مطابق سر سجدہ میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اس کی خواہش تھی پوری کر دی۔ ماں جب آئی تو اس نے پوچھا اے بیٹے یہ چیز کہاں سے آئی؟ اس نے کہا وہیں سے جہاں سے روزانہ آتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس اگر گرمی میں تشریف لاتے تو سردی کے میوے اور اگر سردی میں تشریف لاتے تو گرمی کے میوے ان کے پاس موجود پاتے اور حیرت سے دریافت کرتے کہ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (97) یہ کہاں سے آئے ہیں وہ کہتیں یہ میرے رب نے بھیجے ہیں۔ (98)

شرح (97): قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے (پ ۳، آل عمران: ۳۷)

شرح (98): محراب مریم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم (رضی اللہ عنہا) کے والد کا نام عمران اور ماں کا نام حنہ تھا۔ جب بی بی مریم اپنی ماں کے شکم میں تھیں اس وقت ان کی ماں نے یہ منت مان لی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کردوں گی۔ چنانچہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر گئیں۔ اس وقت بیت المقدس کے تمام عالموں اور عابدوں کے امام حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اپنی کفالت اور پرورش میں لے لیا اور بیت المقدس کی بالائی منزل میں تمام منزلوں سے الگ ایک محراب بنا کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اس محراب میں ٹھہرایا۔ چنانچہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس محراب میں اکیلی خدا کی عبادت میں مصروف رہنے لگیں اور حضرت زکریا علیہ السلام صبح و شام محراب میں ان کی خبر گیری اور خورد و نوش کا انتظام کرنے کے لئے آتے جاتے رہے۔

چند ہی دنوں میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی محراب کے اندر یہ کرامت نمودار ہوئی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں جاتے تو وہاں جاڑوں کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑوں میں پاتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام حیران ہو کر پوچھتے کہ اے مریم یہ پھل کہاں سے تمہارے پاس آتے ہیں؟ تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا یہ جواب دیتیں کہ یہ پھل اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا با کرامت ولیہ ہیں

واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا صاحبِ کرامت اور مرتبہ ولایت پر فائز ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے ان کی محراب میں پھل آتے تھے اور وہ بھی جاڑوں کے پھل گرمی میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درویش کے لئے ضروری ہے کہ سنت کی اتباع کے وقت دل کو دنیا اور شغل حرام سے دور رکھے کیونکہ درویش کی ہلاکت اس کے دل کی خرابی میں ہے جس طرح کہ تونگر کی خرابی گھر اور خاندان کی خرابی میں مضمر ہے۔ مالدار کی خرابی کا تو بدل ممکن ہے لیکن درویش کی خرابی کا کوئی بدل ممکن نہیں۔

اس زمانہ میں ایسی بیوی ملنا ناممکن ہے جو حاجت سے زیادہ اور فضول ومحال چیزوں کی طلب کے بغیر اچھی رفیقۂ حیات ثابت ہو۔ اسی بنا پر مشائخ کی ایک جماعت مجرد رہنے کو پسند کرتی ہے ان کا عمل اس حدیث پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَفِيْفُ الْحَاذِ آخر زمانہ میں وہ لوگ سب سے بہتر ہیں جو خفیف الحاذ ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفیف الحاذ کیا ہے؟ فرمایا: اَلَّذِيْ لَا اَهْلَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ لَهٗ وہ لوگ ہیں جن کی نہ بیوی ہوں نہ بچے نیز فرمایا: سِيْرُوْا سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ دیکھوا کیلے لوگ تم پر سبقت لے گئے۔

مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ جن کے دل آفت سے خالی ہوں اور ان کی طبیعت شہوت و معاصی کے ارتکاب کے ارادے سے پاک ہو۔ ان کا مجرد رہنا افضل و بہتر ہے اور عام لوگوں نے ارتکاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور گرمی کے پھل جاڑوں میں۔ یہ ان کی ایک بہت ہی عظیم الشان اور واضح کرامت ہے جو ان کی ولایت کی شاہد عدل ہے۔

عبادت گاہ مقامِ مقبولیت ہے: اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ والے یا اللہ والیاں جس جگہ عبادت کریں وہ جگہ اس قدر مقدس ہو جاتی ہے کہ وہاں رحمت خداوندی عزوجل کا نزول ہوتا ہے اور وہاں پر دعائیں مقبول ہوا کرتی ہیں۔

قبروں کے پاس دعا

جہاں اللہ کے مقبول بندے اور مقبول بندیاں چند دن بیٹھ کر عبادت کریں جب ان جگہوں پر دعائیں مقبول ہوتی ہیں تو ان مقبولان بارگاہِ الٰہی کی قبروں کے پاس جہاں ان بزرگوں کا پورا جسم برسہا برس تک رہا ہے، وہاں بھی ضرور دعائیں مقبول ہوں گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ کا حل میرے لئے مشکل ہو جاتا تھا تو میں بغداد جا کر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر اپنے اور خدا کے درمیان امام ممدوح کی مبارک قبر کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتا تھا تو میری مراد بر آتی تھی اور مسئلہ حل ہو جایا کرتا تھا۔

(الخیرات الحسان، الفصل الخامس والثلاثون فی تادب الائمۃ معہ فی مماتہ الخ، ص ۲۳۰)

معاصی کے لئے حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کو (معاذ اللہ) سند بنا لیا ہے کہ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ [99] (نسائی) تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے پسند و مرغوب ہیں ایک تو خوشبو، دوسری بیویاں، تیسری نماز کہ اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ جسے عورت محبوب ہوا سے نکاح کرنا افضل ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ لِیْ حِرْفَتَانِ اَلْفَقْرُ وَالْجِهَادُ میرے دو کسب ہیں ایک فقر دوسرا جہاد۔ لہٰذا اس حرفت و کسب سے کیوں ہاتھ اٹھایا جائے؟ اگر عورت محبوب ہے تو یہ اس کی حرفت ہے۔ اپنی اس حرص کو، کہ عورت تمہیں زیادہ محبوب ہے، اس کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو؟ یہ محال و باطل ہے کہ جو شخص پچاس سال تک اپنی حرص کا پیرو رہے اور وہ یہ گمان رکھے کہ یہ سنت کی پیروی ہے۔ وہ سخت غلطی میں مبتلا ہے۔ غرض کہ سب سے پہلا فتنہ جو حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں مقدر کیا گیا اس کی اصل یہی عورت ہے اور دنیا میں سب سے پہلے جو فتنہ ظاہر ہوا اس کا سبب بھی یہی عورت ہے۔ یعنی ہابیل و قابیل کا فتنہ اور آج تک بلکہ جب تک بھی اللہ تعالیٰ چاہے کسی کو عذاب دے ان کا سبب بھی عورت ہی ہے۔ گویا تمام دینی اور دنیاوی فتنوں کی جڑ یہی عورتیں ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرُّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ [100] (بخاری) مردوں کے لئے سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا فتنہ عورت سے بڑھ کر میں نے نہیں دیکھا۔ عورتوں کا فتنہ جب ظاہر میں اس قدر ہے تو باطن میں کتنا ہوگا؟ [101]

شرح (99): (سنن النسائی، کتاب عشرة النسآء، باب حب النسآء، الحدیث ۳۳۹۱/ ۳۳۹۲، ص ۲۳۰۷)

شرح (100): (بخاری، کتاب النکاح، جلد ۷، کتاب ۶۲، روایت ۳۰)

شرح (101): حضرت سیّدنا سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضرت سیّدنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نظر کی وجہ سے آزمائش میں پڑے، اس لئے آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت سیّدنا سلیمان علیہ السلام سے فرمایا: اے بیٹے! شیر اور سانپ کے پیچھے چلو، لیکن عورت کے پیچھے نہ چلو۔

(لُبابُ الِاحیاء، ۲۳۰)

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گیارہ سال نکاح کی آفت سے خدا نے محفوظ رکھنے کے بعد میری تقدیر نے مجھے اس فتنہ میں مبتلا کر دیا اور بے دیکھے میرا ظاہر و باطن، ایک پری صفت کا اسیر بن گیا۔ ایک سال اس میں ایسا غرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمالِ لطف و کرم سے عصمت کو میرے ناتواں دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے نجات عطا فرمائی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى جَزِيْلِ نَعْمَآئِهٖ۔

الحاصل طریقت کی بنیاد، مجرد رہنے پر ہے نکاح کے بعد حال دگرگوں ہو جاتا ہے۔ شہوت کے لشکر سے بڑھ کر کوئی لشکر غارت گر نہیں ہے۔ مگر شہوت کی آگ کو کوشش کر کے بجھانا چاہئے۔ اس لئے کہ جو آفت بھی انسان میں ابھرتی ہے اس کے ازالہ کا ذریعہ بھی انسان میں موجود ہونا چاہئے۔ کوئی اور اس آفت کو دور نہیں کر سکتا۔

شہوت کا دور ہونا (102) دو چیزوں سے ہوتا ہے ایک یہ کہ تکلف کے تحت اسے دور کیا جائے۔ دوسرا

شرح (102): شرمگاہ کی شہوت توڑنے کا طریقہ:

جان لو! دو فائدوں کے لئے انسان کو جماع کی لذّت دی گئی:

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اس سے لذّت حاصل کر کے اس پر آخرت کی لذّت کو یاد کرے، کیونکہ اگر جماع کی لذت دیر پا ہوتی، تو تمام جسمانی لذّات سے قوی ہوتی، جس طرح آگ کی تکلیف جسم کی تمام تکالیف سے بڑھ کر ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ اس میں نسل کی بقاء اور وجود کا دوام ہے۔ لیکن ان دو فائدوں کے علاوہ اس میں ایسی آفات ہیں، کہ اگر انہیں قابو کر کے اعتدال کی حد کی طرف نہ لوٹایا جائے تو وہ دین و دنیا کو ہلاک کر دیتی ہیں۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اس فرمانِ عالیشان:

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

ترجمۂ کنزالایمان: جس کی ہمیں سہار (برداشت) نہ ہو۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۸۶)

کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد شہوت کی شدّت ہے اور حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے اس فرمان: وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ O (پ ۳۰، الفلق: ۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے جب وہ ڈوبے۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عضوِ مخصوص کا منتشر ہونا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ کہ ریاضت ومجاہدے کے کسب سے۔ لیکن جو تحتِ تکلف ہے وہ انسان کی طاقت ہے کہ وہ بھوکا رہے اور جو کسب ومجاہدے سے باہر ہے وہ یا تو بے چین کرنے والا خوف ہے یا سچی محبت، جو آہستہ آہستہ پیدا ہو کر محب کے جسم کے تمام اجزاء میں سرائت کر جاتی اور غالب ہو جاتی ہے اور تمام حواس کو اس کے وصف سے نکال دیتی ہے اور بندے کو مکمل جدا کر کے اس سے بیہودگی کو فنا کر دیتی ہے۔

حضرت احمد حماد سرخسی، جو ماوراء النہر میں میرے رفیق تھے اور برگزیدہ بندے تھے ان سے لوگوں نے پوچھا کیا آپ کو نکاح کی ضرورت پیش آئی؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ میں اپنے احوال میں یا تو اپنے سے غائب ہوتا ہوں یا اپنے سے حاضر، جب غائب ہوتا ہوں تو مجھے دونوں جہان کی کوئی چیز یاد نہیں رہتی اور جب حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے نفس پر ایسا قابو رکھتا ہوں کہ جب ایک روٹی ملے تو وہ سمجھتا ہے کہ ہزار حوریں مل گئیں۔ دل کی مشغولیت بہت بڑا کام ہے جس طرح چاہو اسے رکھو۔

مشائخ طریقت کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہم مجرد رہنے اور نکاح کرنے میں بھی اپنے اختیار کو دخیل نہیں ہونے دیتے۔ یہاں تک کہ پردۂ غیب سے تقدیر کا جو حکم بھی ظاہر ہو سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اگر ہماری تقدیر مجرّد رہنے میں ہے تو ہم پارسائی کی کوشش کرتے ہیں اور اگر نکاح کرنے میں ہے تو ہم سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ دل کو فارغ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر حق تعالیٰ کی حفاظت شامل حال ہے تو بندہ کا مجرّد رہنا حضرت یوسف علیہ السلام کی مانند ہوگا کہ انہوں نے زلیخا کے ورغلانے پر باوجود طاقت وقوت رکھنے کے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت بھی اپنے نفس کے عیوب دیکھنے اور نفسانی خواہش پر غلبہ پانے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بعض راویوں نے اس حدیث کو نبیٔ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف منسوب کیا ہے، کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ، سلطانِ باقرینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّمیوں دعا فرمایا کرتے تھے: اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَقَلْبِيْ وَمَنِيِّيْ ترجمہ: یا اللہ! میں اپنے کانوں، آنکھوں، دل اور مادہ منویہ کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، الحدیث ۱۵۵۱، ص ۱۳۳۷)

حضور نبیٔ پاک، صاحبِ لولاک، سیاحِ افلاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عظمت نشان ہے:

اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ

ترجمہ: عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزھد، باب کلام ابن مسعود، الحدیث ۳۷، ج ۸، ص ۱۶۲)

مصروف ہو گئے اور جب نکاح کرنا تقدیر میں ہوتا ہے تو وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے نکاح کرنے کی مانند ہو جاتا ہے۔ چونکہ حضرت خلیل علیہ السلام کو حق تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور اعتماد تھا بیوی کی مشغولیت بھی انہیں مشغول نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ حضرت سارہ نے جب رشک کا اظہار کیا اور غیرت پیدا ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو بے آب و گیاہ بیابان میں چھوڑ کر خدا کے حوالہ کر دیا اور خود ان سے رخ پھیر لیا تا کہ حق تعالیٰ اپنی صفات میں جس طرح چاہے ان کی پرورش فرمائے۔ بندے کی ہلاکت نہ نکاح کرنے میں ہے اور نہ مجرّد رہنے میں کیونکہ اس کی ہلاکت تو اپنے اختیار کو قائم و برقرار رکھنے اور نفس کی پیروی کرنے میں ہے۔

آل و اولاد کے آداب:

اہل و عیال کی موجودگی میں شرط ادب یہ ہے کہ اس کے کسی درد و دکھ سے غافل نہ رہے اور نہ اپنا حال ضائع اور اوقات پراگندہ ہونے دے۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے اور انہیں حلال رزق مہیا کرے اور نفقہ کی ادائیگی میں ظالموں اور جابر بادشاہوں کی رعایت نہ کرے یہاں تک کہ اگر فرزند سے بھی ایسا ارتکاب ہو تو اس کا بھی لحاظ کرے۔ (103)

حضرت احمد بن حرب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن نیشاپور کے امراء و رؤساء کے ساتھ جو انہیں سلام کرنے آئے تھے تشریف فرما تھے ان کا ایک بیٹا شراب پیے ہوئے گانے والیوں کے ساتھ جھومتا ہوا گزر گیا۔ جس نے بھی اسے دیکھا اس کا حال متغیر ہو گیا۔ حضرت احمد نے جب لوگوں کو دیکھا تو فرمایا تمہارا حال کیوں متغیر ہے۔ انہوں نے کہا یہ جوان اس بے باکی کے ساتھ آپ کے سامنے سے گزرا ہے جس سے پریشان ہو گئے اس نے آپ کا بھی لحاظ نہیں کیا آپ نے فرمایا وہ معذور ہے اس لئے کہ ایک رات ہم نے

شرح (103): حضرتِ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ پاک، صاحبِ لَولاک، سیاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہٖ وسلّم نے فرمایا: انسان کا اپنے بچے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ (سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الولد، الحدیث ۱۹۵۸، ج ۳، ص ۳۸۲)

اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کا فرمانِ رحمت نشان ہے: کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھا ادب سکھانے سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

(سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الولد، الحدیث ۱۹۵۹، ج ۳، ص ۳۸۳)

اپنے اور اپنی بیوی کے لئے ہمسایہ سے کوئی چیز لی تھی اور ہم دونوں نے اسے کھایا تھا اسی رات ہم بستری میں اس جوان کا استقرار ہوا تھا۔ پھر ہم پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئے اس رات ہمارے اوراد و وظائف بھی نہ ہو سکے۔ ہم نے صبح اس کھانے کی بابت تفتیش کی تو ہمسایہ نے بتایا جو چیز بھیجی تھی وہ ایک شادی کا کھانا تھا۔

مجرّد رہنے کے آداب:

مجرد رہنے یعنی غیر شادی شادہ رہنے کے آداب میں شرط یہ ہے کہ آنکھوں کو ناشائستہ باتوں سے محفوظ رکھے اور نہ دیکھنے کے لائق چیزوں کو نہ دیکھے اور ناجائز آوازوں کو نہ سنے۔ اور نامناسب باتوں کو نہ سوچے۔ شہوت کی آگ کو فاقہ اور بھوک سے بجھائے دل کو دنیا اور حوادث کی مشغولیت سے محفوظ رکھے اور نفسانی خواہش کا نام علم والہام نہ رکھے اور شیطان کے فریبوں کی تاویل نہ کرے تاکہ طریقت کی راہ میں مقبول ہو۔ صحبت اور اس کے معاملات کے آداب یہ تھے جن کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا۔ واللہ اعلم!

باب:26

دسواں کشف: حجاب

مشائخ کے کلام اور ان کے الفاظ و معانی کے حقائق کے بیان میں

واضح رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت بنائے کہ ہر علم و ہنر اور ہر اہل معاملہ کے لئے اپنے اسرار کے اظہار و بیان میں خاص اشارات وکلمات ہوتے ہیں اور جنہیں ان کے سوا کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ الفاظ و عبارات کی اصطلاح وضع کرنے سے ان کی دو چیزیں مراد ہوتی ہیں ایک یہ کہ بخوبی سمجھا جائے اور مشکلات کو آسان بنایا جائے تاکہ فہم مرید کے قریب ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ان اسرار کو ان لوگوں سے چھپایا جائے جو صاحبِ علم نہیں ہیں اس کے دلائل و شواہد واضح ہیں مثلاً اہل لغت کی خاص اصطلاحیں اور مخصوص الفاظ اور عبارات ہیں جن کو انہوں نے وضع کیا ہے جیسے فعل ماضی، حال مستقبل، صحیح و معتل وغیرہ اور اہل نحو کے بھی مخصوص الفاظ و عبارات ہیں۔ جن کو انہوں نے وضع کیا ہے جیسے رفع و ضمہ (پیش) فتح و نصب (زبر) خفض و کسرہ (زیر) جزم، جر، متصرف، غیر متصرف وغیرہ۔ اہل عروض کے بھی اپنے وضع کردہ مخصوص الفاظ ہیں جیسے بحور، دوائر، سبب، وتد اور فاصلہ وغیرہ۔ اہل حساب و ہندسہ کے بھی مخصوص الفاظ ہیں۔ جیسے فرد، زوج، ضرب، قسمت، کعب، جذر، اضافت تضعیف، تنصیف، جمع اور تفرقہ وغیرہ۔ فقہا کے بھی مخصوص وضع کردہ اصطلاحیں ہیں جیسے علت، معلول، قیاس، اجتہاد، رفع اور الزام وغیرہ محدثین کی بھی مخصوص کردہ اصطلاحیں ہیں مثلاً مسند، مرسل، حاد، متواتر، جرح و تعدیل وغیرہ متکلمین کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں ہیں جیسے جوہر، کل، جزو، جسم، حدث، جبر، حیز اور ہیولیٰ وغیرہ۔

اسی طرح اہل طریقت کے بھی اپنے وضع کردہ الفاظ و عبارات ہیں جس سے اپنا مطلب و مقصود ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ علم تصوف میں ان کا استعمال کریں اور جسے چاہیں اپنے مقصود کی راہ دکھائیں اور جس سے چاہیں اسے چھپائیں۔ لہٰذا ان میں سے بعض الفاظ وکلمات کی تشریح بیان کرتا ہوں اور ان میں جو فرق و امتیاز ہے اس کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ انشاء اللہ!

حال، وقت اور ان کا فرق

اہل طریقت مصطلحات میں سے ایک حال اور ایک وقت ہے ان کے بیان کے ساتھ ان کا فرق بھی ظاہر کیا جائے گا۔ وقت اہل طریقت کے درمیان بہت مشہور لفظ ہے اور اس میں ان کی طویل بحثیں ہیں چونکہ میرا مقصود تحقیق واثبات ہے نہ کہ طوالت اس لئے اختصار پر اکتفا کرتا ہوں۔

وقت اسے کہتے ہیں کہ بندہ اس کے سبب اپنے ماضی و مستقبل سے فارغ ہو جائے۔ بندے کے دل پر حق تعالیٰ کی طرف سے جو واردات طاری ہوتے ہیں ان کے اسرار کو دل میں اس طرح محفوظ رکھے جس طرح کشف و مجاہدہ میں ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے دل میں نہ تو پہلے کی کوئی یاد رہے اور نہ آئندہ کی فکر اس حالت میں کسی مخلوق کی اس پر دسترس نہیں رہتی اور نہ اس کی کوئی یاد باقی رہتی ہے کہ ماضی میں اس پر کیا گزرا اور مستقبل میں کیا ہوگا۔؟

صاحبانِ وقت کہتے ہیں کہ ہمارا علم، ماضی و مستقبل کا ادراک نہیں کر سکتا۔ ہم تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہوتے ہیں کیونکہ ہم اگر کل کی فکر میں مشغول اور دل میں آئندہ کے اندیشہ کو جگہ دیں تو ہم وقت سے محجوب ہو جائیں گے حجاب بہت بڑی پراگندگی اور موجب پریشانی ہے لہٰذا جس چیز پر دسترس نہ ہو اس کا اندیشہ باطل ہے۔

حضرت ابو سعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز وقت کو عزیز ترین چیزوں کے سوا کسی سے مشغول نہ کرو اور بندے کی عزیز ترین چیز ماضی و مستقبل کے درمیان وقت اور حال ہے۔ اسی میں مشغول رہنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

> لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ اللہ تعالیٰ کے حضور میں میرا ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میرے دل میں اٹھارہ ہزار عالم میں سے کسی کا بھی گزر ممکن نہیں۔

اور نہ میری آنکھ میں کسی کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ اسی بنا پر شب معراج، جبکہ زمین و آسمان کے ملک کی زیب زینت آپ کو پیش کی گئی تو آپ نے کسی کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی [1] (النجم:۱۷) نہ آنکھ جھپکی اور نہ ادھر ادھر ہوئی۔ [2] اسی لئے حضرت محمد مصطفی

شرح (1): مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ٥

ترجمہ کنزالایمان:۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (پ ۲۷، النجم:۱۷)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عزیز تھے اور عزیز کو بجز عزیز کے کسی سے شغل نہیں ہوتا۔

موحد کے دو وقت ہوتے ہیں۔ ایک گم ہونے کا دوسرا پانے کا۔ ایک وصال کا دوسرا فراق کا دونوں حالتوں میں اس کا وقت مغلوب ہوتا ہے۔ کیونکہ وصل میں اس کا وصل حق تعالیٰ سے ہے اور فراق میں اس کا فراق بھی حق تعالیٰ ہی سے ہے۔ بندے کا اختیار اور اس کا کسب دونوں وقت قائم نہیں رہتا۔ جس کے ساتھ بندے کی صفت کی جا سکے چونکہ بندے کا اختیار اس کے حالات سے جدا کر دیا جاتا ہے اس لئے وہ جو کچھ کرتا ہے وقت کی زیبائش کے لئے ہوتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیابان میں ایک درویش کو دیکھ کر جو کیکر کے درخت کے نیچے سخت و دشوار جگہ میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا اے بھائی کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا ہے۔ یہ جگہ بڑی سخت و دشوار ہے اور یہاں تم بیٹھے ہو؟ اس نے کہا میرا ایک وقت اس جگہ ضائع ہوا ہے۔ میں اس کے غم میں اس جگہ بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے پوچھا کتنے عرصہ سے یہاں بیٹھے ہوئے ہو اس نے کہا بارہ (۱۲) سال اسے گزر چکے ہیں۔ اب میں اپنے شیخ سے استدعا کرتا ہوں میرے کام میں میری مدد فرمائیں تاکہ اپنے وقت اپنی مراد کو حاصل کر سکوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے چل دیا۔ حج کیا اور اس کے لئے دعا کی جو خدا نے قبول فرمائی اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا جب واپس آیا تو اس درویش کو اس جگہ بیٹھا پایا میں نے اس سے کہا اے جوانمرد! اب جبکہ تم نے اپنا وقت پالیا تو اب یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے کہا اے میرے شیخ! یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے وحشت و پریشانی لاحق ہوئی تھی اور میرا سرمایا گم ہوا تھا اور اب بھی یہی وہ جگہ ہے جہاں سے میرا گم شدہ سرمایہ مجھے دوبارہ ملا ہے۔ میں نے اس جگہ کو پکڑ لیا ہے، مجھے اس جگہ سے محبت ہو گئی ہے۔ کیا اب میرے لئے جائز ہوگا کہ میں اس جگہ کو چھوڑ دوں اور کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ میری تمنا ہے کہ مر کر میری مٹی بھی اسی جگہ مل جائے اور قیامت کے دن جب اٹھایا جاؤں تو میں اسی جگہ سے اٹھوں۔ یہ میرے انس و محبت کی جگہ ہے۔

شرح (2): اس میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالِ قوت کا اظہار ہے کہ اس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے، داہنے بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے، نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھیری، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے ہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

فکل امرئی یولی الجمیل مجیب
وکل مکان ینبت العز اطیب
ہر انسان اچھے دوست کو قبول کرتا ہے
اور عزت والی جگہ کو وہ پسند کرتا ہے

جو چیز آدمی کے کسب و اختیار میں نہیں ہوتی کہ اسے بتکلف حاصل کرے وہ بازار میں فروخت نہیں ہوتی کہ اسے جان کے عوض حاصل کر سکے اور اس کے حاصل کرنے یا دور کرنے کی اس میں قدرت بھی نہ ہو تو اس کی یہ دونوں صورتیں رعایت میں برابر ہوتی ہیں اور اس کے تحقق میں بندہ کا اختیار باطل ہوتا ہے۔

مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں کہ **الوقت سیف قاطع** وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ چونکہ تلوار کا کام کاٹنا ہے۔ [3] اسی طرح وقت کا کام کاٹنا ہے اور وقت، ماضی و مستقبل کی جڑوں کو کاٹتا ہے اور اس کے غموں کو مٹاتا ہے۔ لہٰذا وقت کی صحبت خطرناک ہے یا تو وہ ہلاک کر دے گا یا مالک بنا دے گا۔ اگر کوئی شخص ہزار برس تک تلوار کی خدمت کرے اور اپنے کاندھوں پر لٹکائے پھرے لیکن جب اس کے کاٹنے کا وقت آئے گا تو تلوار نہ اپنے خدمت گزار مالکوں کو دیکھے گی نہ غیر کو دونوں کو یکساں کاٹ دے گی۔ کیونکہ اس کا کام ہی قہر و غلبہ ہے اس کے مالک کے اسے پسند کرنے کی وجہ سے اس کا قہر و غلبہ جاتا نہ رہے گا۔

حال:

حال، وقت پر ایک آنے والی چیز ہے جو وقت کو مزین کرتی ہے۔ جس طرح روح سے جسم مزین ہوتا ہے لامحالہ وقت، حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی پاکیزگی حال سے ہوتی ہے اور اس کا قیام بھی اسی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب صاحب وقت صاحب حال ہوتا ہے تو اس سے تغیر جاتا رہتا ہے اور وہ اپنے احوال میں مستحکم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بغیر حال کے وقت کا زوال ممکن نہیں۔ اور جب اس سے حال مل جاتا ہے اس کے

شرح (3): حضرت سیّدنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَنِی فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیاء کرام (رَحِمَھُمُ اللّٰہ) کی صُحبت اِختیار کی۔ اُن کے دو جملوں سے بہت فائدہ حاصل کیا ایک یہ کہ اَلْوَقْتُ سَیْفٌ فَاِنْ لَمْ تَقْطَعْہُ تَقْطَعُکَ یعنی وقت وہ تلوار ہے اگر تم اس سے نہ کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹے گا اور دوسرا جملہ نَفْسُکَ اِنْ شَغَلْتَھَا بِالْحَقِّ وَاِلَّا شَغَلَتْکَ بِالْبَاطِلِ یعنی اپنے نفس کو حق کے ساتھ مشغول کر، ورنہ وہ تُمہیں باطل کے ساتھ مشغول کر دے گا۔
(قیمۃ الزمن عند العلما (ترجمہ و تلخیص)، ص ۱۵)

تمام احوال وقت بن جاتے ہیں ان کے لئے وقت کا نزول تھا۔ چونکہ متمکن کے لئے غفلت جائز تھی۔ اور صاحب غفلت پر اب حال نازل ہے اور وقت چونکہ متمکن ہے۔ اس لئے صاحب وقت پر غفلت جائز تھی اور اب صاحب حال پر غفلت جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ الحال سکوت اللسان فی فنون البیان صاحب حال کی زبان اپنے حال کے بیان کرنے سے ساکت رہتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے حال کے تحقق و اثبات میں گویا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ السوال عن الحال محال حال کے بارے میں پوچھنا محال ہے اس لئے کہ حال کی تعبیر ناممکن ہے۔ حال ہوتا ہی وہ ہے جہاں حال فنا ہو جائے۔

استاد ابو علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں خوشی و غم وقت کا نصیبہ ہے اور حال ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حال ایسی کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بندے پر وارد ہوتی ہے اور جب اس کا ورود ہوتا ہے تو دل سے سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال تھا وہ صاحب وقت تھے۔ ایک وقت میں تو بحالت فراق آنکھوں کی بینائی جاتی رہی دوسرے وقت میں بحالت وصال بینائی لوٹ آئی۔ کبھی گریہ وزاری سے ایسے ضعیف و ناتواں ہوئے کہ بال سے باریک ہو گئے اور کبھی وصال سے تندرست و توانا بن گئے۔ کبھی خوفزدہ ہوئے اور کبھی مسرت و خوشی پائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے وہ نہ فراق سے مغموم ہوتے اور نہ وصال سے مسرور۔ چاند ستارے اور سورج ان کے حال کی مدد کرتے تھے۔ اور خود ہر چیز کے دیکھنے سے فارغ تھے۔ جو نظر آتا اس میں حق تعالیٰ کا جلوہ ہی نظر آتا تھا۔ فرماتے تھے ''لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ'' (4) میں چھپنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

شرح (4): لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

ترجمہ کنز الایمان:۔ مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے۔ (پ ۷، الانعام: ۷۶)

عُلَماءِ تفسیر اور اصحابِ اَخبار و سِیَر کا بیان ہے کہ نَمرود ابنِ کنعان بڑا جابر بادشاہ تھا، سب سے پہلے اسی نے تاج سر پر رکھا، یہ بادشاہ لوگوں سے اپنی پرستش کراتا تھا، کاہن اور مُنَجِّم کثرت سے اس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ نمرود نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا ہے اس کی روشنی کے سامنے آفتاب ماہتاب بالکل بے نور ہو گئے اس سے وہ بہت خوف زدہ ہوا، کاہنوں سے تعبیر دریافت کی، انہوں نے کہا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب وقت کے لئے کبھی سارا جہان دوزخ ہو جاتا ہے جبکہ مشاہدہ میں غیبت ہو جاتی ہے اور دل سے حبیب کا روپوش ہو جانا موجب وحشت بن جاتا ہے اور کبھی اس کا دل خوشی و مسرت میں پھولا نہیں سماتا۔ اور سارا جہان مانند جہالت بن جاتا ہے۔ نعمتوں میں ہر آن وہ حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور وہ نعمت اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس سال تیری قلمرو میں ایک فرزند پیدا ہوگا جو تیرے زوالِ مُلک کا باعث ہوگا اور تیرے دین والے اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوں گے، یہ خبر سن کروہ پریشان ہوا اور اس نے حکم دے دیا کہ جو بچہ پیدا ہو قتل کر ڈالا جائے اور مرد عورتوں سے علیحدہ رہیں اور اس کی نگہبانی کے لئے ایک محکمہ قائم کر دیا گیا۔ تقدیراتِ الٰہیہ کو کون ٹال سکتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حاملہ ہوئیں اور کاہنوں نے نمرود کو اس کی بھی خبر دی کہ وہ بچہ حمل میں آ گیا لیکن چونکہ حضرت کی والدہ صاحبہ کی عمر کم تھی ان کا حمل کسی طرح پہچانا ہی نہ گیا جب زمانہ ولادت قریب ہوا تو آپ کی والدہ اس تہ خانے میں چلی گئیں جو آپ کے والد نے شہر سے دور کھود کر تیار کیا تھا، وہاں آپ کی ولادت ہوئی اور وہیں آپ رہے، پتھروں سے اس تہ خانہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا، روزانہ والدہ صاحبہ دودھ پلا آتی تھیں اور جب وہاں پہنچتی تھیں تو دیکھتی تھیں کہ آپ اپنی سَرِ اَنگشت چوس رہے ہیں اور اس سے دودھ برآمد ہوتا ہے، آپ بہت جلد بڑھتے تھے، ایک مہینہ میں اتنا جتنے دوسرے بچے ایک سال میں، اس میں اختلاف ہے کہ آپ تہ خانہ میں کتنے عرصہ رہے۔ بعض کہتے ہیں سات برس، بعض تیرہ برس، بعض سترہ برس، یہ مسئلہ یقینی ہے کہ انبیاء ہر حال میں معصوم ہوتے ہیں اور وہ اپنی ابتداء ہستی سے تمام اوقاتِ وجود میں عارف ہوتے ہیں، ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی والدہ سے دریافت فرمایا میرا ربّ (پالنے والا) کون ہے؟ انہوں نے کہا میں، فرمایا تمہارا ربّ کون ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے والد، فرمایا ان کا ربّ کون ہے؟ اس پر والدہ نے کہا خاموش رہو اور اپنے شوہر سے جا کر کہا کہ جس لڑکے کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ زمین والوں کا دین بدل دے گا وہ تمہارا فرزند ہی ہے اور یہ گفتگو بیان کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتدا ہی سے توحید کی حمایت اور عقائدِ کُفریہ کا اِبطال شروع فرما دیا اور جب ایک سوراخ کی راہ سے شب کے وقت آپ نے زُہرہ یا مُشتری ستارہ کو دیکھا تو اِقامتِ حُجت شروع کر دی کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بُت اور کواکب کی پرستش کرتے تھے تو آپ نے ایک نہایت نفیس اور دل نشیں پیرایہ میں انہیں نظر و استدلال کی طرف رہنمائی کی جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عالَم بتمامہ حادِث ہے، اِلٰہ نہیں ہو سکتا، وہ خود مُوجِد و مُدَبِّر کا محتاج ہے جس کے قدرت و اختیار سے اس میں تغیُّر ہوتے رہتے ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان)

کے لئے تحفہ اور بشارت بن جاتی ہے۔ پھر یہ کہ صاحب حال کے لئے حجاب ہو یا کشف ہو، نعمت ہو یا بلا سب یکساں ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر مقام میں صاحب حال ہوتا ہے۔ لہٰذا حال مراد کی صفت ہے اور وقت مرید کا درجہ کوئی فی نفسہ وقت کی راحت میں ہوتا ہے اور کوئی حال کی مسرت میں خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ دونوں منزلوں کے درمیان فرق و امتیاز ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

مقام و تمکین اور ان کا فرق

طالب کا صدقِ نیت اور ریاضت و مجاہدے کے ساتھ حق تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم رہنے کا نام مقام ہے۔ ہر ارادۂ حق والے کا ایک مقام ہوتا ہے جو بوقت طلب، بارگاہِ حق سے ابتداء میں اس کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جب بھی طالب کسی مقام کو عبور کرے گا اور پچھلے مقام کو چھوڑے گا تو وہ لازمی کسی ایک مقام پر قائم ہوگا جو اس کے واردات کا مقام ہے مرکب اور از قسم مخلوق ہے وہ سلوک اور معاملہ کی قسم سے نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ ''وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ''[5] ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی مقام معین ہے۔[6] جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا، اور حضرت نوح علیہ السلام کا مقام زہد تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم و رضا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام انابت تھا، حضرت داؤد علیہ السلام کا مقام حزن و ملال تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام امید و رجا تھا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقام خوف و خشیت تھا اور ہمارے آقا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ذکر تھا۔ ہر ایک کو ہر مقام میں خواہ کتنا ہی عبور ہو بہر طور اس کا رجوع اس کے اپنے اصلی مقام کی ہی طرف ہوگا میں نے اس کا تذکرہ محاسبیوں کے مذہب میں بیان کر دیا ہے اور حال و مقام کا فرق بھی واضح کر چکا ہوں۔

راہ حق کی قسمیں:

واضح رہنا چاہئے کہ راہِ حق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک مقام دوسرا حال تیسرا تمکین۔ اللہ تعالیٰ نے تمام

شرح (5): وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔ (پ ۲۳، الصافات: ۱۶۴)

شرح (6): جس میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آسمانوں میں بالشت بھر بھی جگہ ایسی نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ نماز نہ پڑھتا ہو یا تسبیح نہ کرتا ہو۔

(تفسیر خزائن العرفان)

نبیوں کو اپنی راہ بتانے کے لئے بھیجا۔ تا کہ وہ مقامات کے احکامات بیان فرمائیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم وبیش) انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور وہ اتنے ہی مقامات کی تعلیم کے پیغام بر تھے۔ مگر ہمارے آقا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے ہر صاحب مقام کے لئے ایک حال ظاہر ہوا اور حال کو مقام سے ملا کر مخلوق سے اس کا کسب و اختیار جدا کیا گیا۔ یہاں تک کہ مخلوق پر دین کو تمام کیا اور نعمت کو انتہا تک پہنچایا گیا۔ ارشاد حق ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (7) (المائدہ: ۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر کے اپنی تمام نعمتیں تم پر ختم کر دیں۔ (8) اس کے بعد اہل تمکین کے لئے قرار کا ظہور ہوا۔

درجہ تمکین:

محققین کا درجہ کمال کے اعلیٰ منزل میں اقامت گزیں ہونے کا نام تمکین ہے لہٰذا صاحبانِ مقامات کے لئے مقامات سے عبور ممکن ہے لیکن درجہ تمکین سے گزر جانا محال ہے۔ اس لئے کہ مقام مبتدیوں کا درجہ ہے۔ تمکین منتہیوں کی اقامت گاہ ہے۔ ابتداء سے انتہا کی طرف جانا تو ہے لیکن انتہا سے گزرنے کی کوئی

شرح (7): اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

ترجمہ کنزالایمان:۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ (پ ۶، المائدہ: ۳)

شرح (8): روایت ہے کہ ایک یہودی نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر ایسی آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کون سی آیت؟ تو اس نے کہا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (پ6، المائدۃ:3) والی آیت۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس دن اور جس جگہ اور جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہم اس کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے دن تو ہماری دو عیدیں تھیں۔ ایک تو عرفہ کا دن یہ بھی ہماری عید کا دن ہے۔ دوسرا جمعہ کا دن یہ بھی ہماری عید ہی کا دن ہے اس لئے اب الگ سے ہم کو عید منانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ (تفسیر جمل، ج ۲، ص ۱۸۰، پ ۶، المائدۃ: ۳)

صورت نہیں۔ کیونکہ مقامات منزلوں کی راہیں ہیں اور تمکین بارگاہِ قدس میں برقرار ہونا ہے۔ محبوبانِ خدا راستہ میں عاریۃً ہوتے ہیں اور منزل میں بیگانے۔ ان کا باطن بارگاہِ قدس میں ہوتا ہے اور بارگاہِ قدس میں سبب و آلہ، آفت ہوتا ہے اور وہ غیبت و علت کے اوزار ہوتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں شعراء اپنے ممدوحین کی تعریف، معاملہ سے کرتے تھے اور جب تک کچھ عرصہ نہ گزر جاتا شعر نہیں کہتے تھے۔

چنانچہ جب کوئی شاعر ممدوح کے حضور پہنچ جاتا تھا تو تلوار سونت کر سواری کے پاؤں کاٹ ڈالتا اور تلوار کو توڑ دیتا تھا۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ مجھے سواری اس لئے درکار تھی کہ اس کے ذریعہ تیرے حضور تک پہنچنے کے لئے مسافت طے کروں اور تلوار رکھنا اس لئے ضروری تھا کہ حاسدوں کو تیرے حضور سے دور کردوں اب چونکہ میں پہنچ گیا ہوں تو سامان سفر کی کیا حاجت؟ سواری کو اس لئے ہلاک کر دیا کیونکہ تیرے پاس سے مجھے جانا ہی نہیں ہے اور تلوار اس لئے توڑ ڈالی کہ تیرے حضور سے جدا ہونے کا دل میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ پھر جب کچھ دن گزر جاتے تو شعر پڑھتا تھا۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت بھی ایسی ہی بیان فرمائی کہ جب وہ منزلیں کر کے دشوار مقامات کو عبور کر کے محل تمکین میں پہنچے اور ان سے تمام اسبابِ تغیر جدا ہو گئے تو حق تعالیٰ نے فرمایا: فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ (9) (طٰہٰ: ۱۲) وَاَلۡقِ عَصَاكَ (10) (النمل: ۱۰) نعلین اتارو اور اپنا عصا ڈال دو۔ کیونکہ یہ سامانِ سفر تھا۔ بارگاہِ قدس میں حضوری کے بعد، سفر کا خطرہ ہی کیا محبت کی ابتداء طلب ہے اور اس کی انتہا قرار اور سکون پانا۔

پانی جب تک نہر و دریا میں رہے جاری رہتا ہے جب سمندر میں پہنچ جاتا ہے تو ٹھہر جاتا ہے اور جب پانی ٹھہر جاتا ہے تو اس کا مزہ بدل جاتا ہے۔ کیونکہ جسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ سمندر کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ سمندر کی طرف وہی جاتا ہے جسے موتیوں کی تلاش ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ سانس کو روکتا ہے اور گہر کی طلب میں پاؤں جوڑ کر سر کے بل سمندر کی تہ میں غوطہ لگاتا ہے۔ اس کے بعد یا تو وہ بہترین قیمتی موتی

شرح (9): فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ

ترجمہ کنزالایمان: ۔تو تو اپنے جوتے اتار ڈال۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۲)

شرح (10): وَاَلۡقِ عَصَاكَ

ترجمہ کنزالایمان: ۔اور اپنا عصا ڈال دے۔ (پ ۱۹، النمل: ۱۰)

لے کر آتا ہے یا غرقِ دریا ہوجاتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ التمکین رفع التلوین تغیر وتبدل ختم ہوجانے کا نام تمکین ہے۔ لفظ تلوین بھی حال و مقام کی مانند اہل طریقت کی اصطلاح میں ایک لفظ و عبارت ہے اور معنی میں ایک دوسرے کے قریب۔ لیکن اس جگہ تلوین کے معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنے کے ہیں اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ متمکن متردد نہیں ہوتا اور اپنا سارا سامان لے کر بارگاہِ قدس سے واصل ہوجاتا ہے۔ اس کے دل میں نہ غیر کا اندیشہ باقی رہتا ہے اور نہ اس پر کوئی معاملہ گزرتا ہے جس سے اس کے ظاہر کے بدل جانے کا امکان ہو اور نہ کوئی حال گزرتا ہے جس سے اس کا باطن متغیر ہو۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام تلوّن میں تھے۔ طور پر جب جلوہٴ حق نے تجلی فرمائی تو ان کے ہوش جاتے رہے حق تعالیٰ نے فرمایا: وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا[11] (الاعراف: ۱۴۳)۔ موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر زمین پر آرہے[12] اور

شرح (11): وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور موسیٰ گرا بے ہوش۔ (پ۹، الاعراف: ۱۴۳)

آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلٰوۃ والسلام سے کلام فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہماری کیا حقیقت ہے کہ ہم اس کلام کی حقیقت سے بحث کرسکیں۔ اَخبار میں وارد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلام سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے طہارت کی اور پاکیزہ لباس پہنا اور روزہ رکھ کر طورِ سینا میں حاضر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ایک ابر نازِل فرمایا جس نے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا۔ شیاطین اور زمین کے جانور حتّٰی کہ ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علٰیحدہ کردیئے گئے اور آپ کے لئے آسمان کھول دیا گیا تو آپ نے ملائکہ کو مُلاحظہ فرمایا کہ ہوا میں کھڑے ہیں اور آپ نے عرشِ الٰہی کو صاف دیکھا یہاں تک کہ اَلواح پر قلموں کی آواز سنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ آپ نے اس کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کئے اس نے اپنا کلامِ کریم سُنا کر نوازا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے لیکن جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وہ انہوں نے کچھ نہ سُنا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلٰوۃ والسلام کو کلامِ ربانی کی لذّت نے اس کے دیدار کا آرزومند بنایا۔ (خازن وغیرہ)

ان آنکھوں سے سوال کر کے بلکہ دیدارِ الٰہی بغیر سوال کے مَحض اس کی عطا و فضل سے حاصل ہوگا، وہ بھی اس فانی آنکھ سے نہیں بلکہ باقی آنکھ سے یعنی کوئی بشر مجھے دنیا میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے آقا سید عالم ﷺ محل تمکین میں تھے جب مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں رہے تب بھی آپ کا حال ایک رہا۔ اور کسی دوسرے حال کی طرف متغیر نہ ہوئے۔ یہ درجہ اعلیٰ تھا۔ واللہ اعلم!

محل تمکین کی قسمیں:

محل تمکین کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کی نسبت شہودِ حق کے ساتھ ہو، دوسرے یہ کہ اس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو۔ جس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہے وہ باقی الصفت ہوتا ہے اور جس کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہو وہ فانی الصفت ہوتا ہے۔ فانی الصفت کے لئے محو، صحو، محق، لحق، فنا و بقا اور وجود و عدم کا استعمال درست نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان اوصاف کے قیام کے لئے موصوف کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب موصوف شہود حق میں مستغرق ہوتا ہے تو اس سے وصف کا قیام ساقط ہو جاتا ہے اور بھی بکثرت لطائف ہیں۔ مختصراً اتنا ہی کافی ہے۔ وباللہ التوفیق!

محاضرہ و مکاشفہ اور ان کا فرق

واضح رہنا چاہئے کہ لفظ محاضرہ کا استعمال، حضور قلب پر بیان لطائف میں ہوتا ہے اور لفظ مکاشفہ کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا دیکھنا ممکن نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے اگرچہ دنیا میں نہ ہو کیونکہ صحیح حدیثوں میں ہے کہ روزِ قیامت مؤمنین اپنے ربّ عزّوجل کے دیدار سے فیضیاب کئے جائیں گے علاوہ بریں یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عارف باللہ ہیں، اگر دیدارِ الٰہی ممکن نہ ہوتا تو آپ ہرگز سوال نہ فرماتے۔

اور پہاڑ کا ثابت رہنا امرِ ممکن ہے کیونکہ اس کی نسبت فرمایا: جَعَلَهٗ دَكًّا اس کو پاش پاش کر دیا تو جو چیز اللہ تعالیٰ کی مجعول ہو اور جس کو وہ موجود فرمائے ممکن ہے کہ وہ نہ موجود ہو اگر اس کو نہ موجود کرے کیونکہ وہ اپنے فعل میں مختار ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہاڑ کا استقرار امرِ ممکن ہے مُحال نہیں اور جو چیز امرِ ممکن پر معلّق کی جائے وہ بھی ممکن ہی ہوتی ہے مُحال نہیں ہوتی لہٰذا دیدارِ الٰہی جس کو پہاڑ کے ثابت رہنے پر معلّق فرمایا گیا وہ ممکن ہوا تو ان کا قول باطل ہے جو اللہ تعالیٰ کا دیدار مُحال بتاتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (12): اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر۔

(پ ۷، الاعراف: ۷۹)

استعمال، حضور تحریر پر جو دل میں خطرہ عیاں ہو اس وقت ہوتا ہے۔ گویا آیات کے شواہد کو محاضرہ اور مشاہدات کے شواہد کو مکاشفہ کہتے ہیں اور محاضرہ کی علامت، آیات کی دید میں ہمیشہ فکر مند رہنا ہے اور مکاشفہ کی علامت، عظمت کی تہ میں ہمیشہ حیرت زدہ رہنا ہے۔ جو افعال میں فکر مند ہو اور جو جلال میں حیرت زدہ ہو۔ ان میں فرق یہ ہے کہ ایک خلت کے ہم معنی ہوتا ہے اور دوسرا محبت کے قریب۔ چنانچہ حضرت خلیل علیہ السلام نے جب ملکوت سماوی پر نظر ڈالی تو اس کے وجود کی حقیقت میں تامل و تفکر کیا اور ان کا دل اس میں حاضر ہوا تو فعل کی دید میں فاعل کو دیکھا۔ یہاں تک کہ ان کے حضور نے فعل کو بھی فاعل کی دلیل بنا دیا اور کمالِ معرفت میں گویا ہوئے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفاً (الانعام: ۷۹) یعنی میں اپنے چہرے کو اس ذات کی طرف یکسو ہو کر پھیرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ملکوتِ سماوی کی سیر کرائی گئی تو آپ نے سارے عالم کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ فعل کو دیکھا اور نہ مخلوق کو۔ حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھا صرف فاعل کے مکاشفہ میں رہے۔ اسی طرح کشف میں شوق پر شوق کا اضافہ ہوا اور بے قراری پر بے قراری بڑھی، دیدار کی طلب ہوئی تو رخ کی رویت نہ ہوئی۔ قرب کو چاہا تو قربت ممکن نہ ہوئی۔ وصل کا ارادہ کیا تو وصال کی صورت نہ بنی۔ قلب اطہر پر دوست کی تنزیہہ و تقدیس کا جتنا زیادہ ظہور ہوتا اتنا ہی شوق پر شوق بڑھتا جاتا، نہ اعراض کی ہی راہ تھی نہ اقبال و توجہ کا امکان، یعنی نہ ہٹ سکتے تھے نہ سامنے ہو سکتے تھے متحیر ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ جہاں خلت تھی وہاں حیرت کفر معلوم ہوئی اور جہاں محبت تھی وہاں وصل شرک نظر آیا۔ حیرت ہی سرمایہ بن کے رہ گیا۔ اس لئے کہ مقام خلت میں حیرت زدہ ہونا اس کے وجود میں ہوتا ہے اور یہ شرک ہے اور مقام محبت میں حیرت زدہ ہونا کیفیت میں ہوتا ہے یہ توحید کا مقام ہے۔ اسی واسطے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ یادلیل المتحیرین زدنی تحیرا اے متحیروں کے رہنما! میری حیرت کو اور زیادہ کر۔ کیونکہ مشاہدے میں حیرت کی زیادتی سے درجہ بلند ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم سعد علوی کے ساتھ دریا کے کنارے ایک خدا کے دوست کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ حق کی راہ کس چیز میں ہے؟ انہوں نے کہا حق کی دو راہیں ہیں ایک عوام کی دوسرے خواص کی انہوں نے پوچھا اس کی تشریح فرمایئے؟ کہا عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم ہو

کیونکہ کسی علت کے ساتھ قبول کرتے ہو اور کسی علت کے سبب چھوڑتے ہو اور خواص کی راہ یہ ہے کہ نہ وہ معلل کو دیکھتے ہیں نہ علت کو۔ وباللہ التوفیق!

قبض و بسط اور ان کا فرق

واضح رہنا چاہئے کہ قبض و بسط احوال کی دو حالتوں کا نام ہے جو بندے کی طاقت سے باہر ہے۔ وہ نہ اس کے آنے پر قادر ہے اور نہ اس کے جانے پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ (13) (البقرہ: ۲۴۵) قبض و بسط میرے ہی قبضہ و اختیار میں ہے۔

قبض اس حال کا نام ہے جو بحالتِ حجاب دل پر چھائے اور بسط اس کیفیت کا نام ہے جس کو دل پر چھائے ہوئے حجاب کا ارتفاع کہتے ہیں۔ یہ دونوں حق ہیں ان میں بندے کا اختیار نہیں ہے۔ عارفوں کے احوال میں قبض ایسا ہے جیسے کہ مریدوں کے احوال میں خوف اور اہل معرفت کے احوال میں بسط ایسا ہے جیسے مریدوں کے احوال میں رجا یعنی امید۔ یہ تعریف اس گروہ کے موافق جو اس طرح معنی بیان کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قبض کا مرتبہ، بسط کے مرتبہ سے زیادہ بلند ہے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ قرآن کریم میں قبض کا ذکر، بسط سے پہلے آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قبض میں گداز اور قہر ہے اور بسط میں نوازش و مہربانی ہے۔ لامحالہ بشریت کے اوصاف کو فنا کرنا، اور نفس کو مغلوب کرنا، پرورش و مہربانی سے افضل ہے کیونکہ وہ بہت بڑا حجاب ہے۔ (14)

اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ بسط کا مرتبہ، قبض کے مرتبہ سے بلند تر ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں قبض کا پہلے ذکر آنا بسط کی فضیلت کی علامت ہے کیونکہ اہل عرب کی عادت ہے کہ اس چیز کو پہلے بیان کرتے ہیں جو فضیلت میں بعد ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ

شرح (13): وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ

ترجمہ کنز الایمان: اللہ تنگی اور کشائش کرتا ہے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۲۴۵)

شرح (14): شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ نسیم جمال نے بوئے محبوب عاشق کے دماغ محبت میں پہنچائی، جیسے بوئے یوسفی مصر سے کنعان پہنچ گئی، مگر عشاق کے حال مختلف ہوتے ہیں کبھی قبض، کبھی بسط۔

اللهِ [15] یعنی بعض بندے جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور بعض بندے میانہ رو ہوتے ہیں اور بعض بندے حکم الٰہی سے نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں۔ [16] (فاطر: ۳۲)

نیز فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ [17] اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور خوب پاک وصاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ [18] (البقرہ: ۲۲۲)

شرح (15): فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔ (پ ۲۲، فاطر: ۳۲)

شرح (16): حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سبقت لے جانے والا مومنِ مخلص ہے اور مقتصد یعنی میانہ روی کرنے والا وہ جس کے عمل ریا سے ہوں اور ظالم سے مراد یہاں وہ ہے جو نعمتِ الٰہی کا منکر تو نہ ہو لیکن شکر بجا نہ لائے۔ حدیث شریف میں ہے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا سابق تو سابق ہی ہے اور مقتصد ناجی اور ظالم مغفور اور ایک اور حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نیکیوں میں سبقت لے جانے والا جنّت میں بے حساب داخل ہوگا اور مقتصد سے حساب میں آسانی کی جائے گی اور ظالم مقامِ حساب میں روکا جائے گا اس کو پریشانی پیش آئے گی پھر جنّت میں داخل ہوگا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سابق عہدِ رسالت کے وہ مخلصین ہیں جن کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنّت کی بشارت دی اور مقتصد وہ اصحاب ہیں جو آپ کے طریقہ پر عامل رہے اور ظالم لنفسہٖ ہم تم جیسے لوگ ہیں یہ کمالِ انکسار تھا۔ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کہ اپنے آپ کو اس تیسرے طبقہ میں شمار فرمایا باوجود اس جلالتِ منزلت ورفعتِ درجت کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی اور بھی اس کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں جو تفاسیر میں مفصلاً مذکور ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (17): اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو

(پ ۲، البقرۃ: ۲۲۲)

شرح (18): نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر، دو جہاں کے تاجوَر، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور فرمایا:

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ [19] اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ سجدہ ورکوع کرو۔ [20]

(ال عمران: ۴۳)

نیز مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف اور عارفوں کا سرور، وصل معرفت کے بغیر نہیں ہوتا اور اپنی تکلیف، فصل کے بغیر دیکھے نہیں، لہٰذا وصل میں وقوف، فراق کے وقوف سے بہتر ہے۔

میرے شیخ ومرشد فرماتے ہیں کہ قبض وبسط دونوں معنی ایک ہی ہیں [21] کیونکہ یہ دونوں حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کے شامل حال ہوتے ہیں کیونکہ جب ان کے معانی دل پر اثر کرتے ہیں تو اس وقت بندے کا باطن یا تو مسرور رہوتا ہے اور نفس مغلوب یا پھر باطن مغلوب ہوتا ہے اور نفس مسرور۔ ایک سے دل کے قبض میں اس کے نفس کی کشادگی ہے اور دوسرے سے باطن کی کشادگی میں اس کے نفس کا قبض ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سلطانِ بحر و برصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ مغفرت نشان ہے: توبہ کرنے والا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا محبوب ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

(سنن ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب ذکر التوبۃ، الحدیث ۴۲۵۰، ص ۲۷۳۵، بدون: التائب حبیب اللہ)

شرح (19): یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ اے مریم اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس کے لئے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر۔ (پ ۳، آل عمران: ۴۳)

شرح (20): جب فرشتوں نے یہ کہا کہ حضرت مریم نے اتنا طویل قیام کیا کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آگیا اور پاؤں پھٹ کر خون جاری ہو گیا۔

شرح (21): قبض وبسط ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے، انبیاء واولیاء کبھی عالَم کی خبر رکھتے ہیں، کبھی اپنی بھی خبر نہیں پاتے۔ شعر

بگفت احوال آں برق جہاں است دمے بیدار دیگر دم نہاں است

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اس کے سوا جو بیان کرتا ہے وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **قبض القلوب فی بسط النفوس وبسط القلوب فی قبض النفوس** دلوں کا قبض، نفسوں کی کشادگی میں ہے اور دلوں کی کشادگی، نفسوں کے قبض میں ہے۔ لہٰذا قبض شدہ نفس خلل سے محفوظ ہے اور بسط شدہ باطن، زوال سے مضبوط ہے۔ اس لئے کہ محبت میں غیرت بری ہے اور قبض میں غیرت الٰہی کی علامت ہے محب کو محب کے ساتھ عتاب کرنا شرط ہے۔ اور بسط معاتبت کی علامت ہے آثار میں مروی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تمام عمر روتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ ہنستے رہے کیونکہ حضرت یحییٰ قبض کو قبول کئے ہوئے تھے اور حضرت عیسیٰ بسط کو۔ جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو حضرت یحییٰ کہتے کہ اے عیسیٰ آپ قطعیت یعنی جدائیگی سے محفوظ ہیں اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ اے یحییٰ تم رحمت سے مایوس ہو، اس لئے کہ تمہارا رونا نہ تو ازلی حکم کو بدلتا ہے اور نہ میرا ہنسنا قضائے الٰہی کو پلٹتا ہے۔ لہٰذا ''**لا قبض ولا بسط ولا طمس ولا انس ولا محو ولا صحو ولا لحق ولا محق ولا عجز ولا جهل الا من الله تعالٰی**'' نہ قبض ہے نہ بسط، نہ رکنا ہے نہ محبت کرنا ہے، نہ مٹنا ہے نہ صحو، نہ حق ہے، نہ محق، نہ عجز اور نہ جہل، سب اللہ کی طرف سے ہے۔

انس وہیبت اور ان کا فرق

واضح رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سعید بنائے۔ ہیبت وانس، سالکانِ راہِ حق کے دو حال کا نام ہے۔ جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر مشاہدہ جلال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب مشاہدۂ جمال سے تجلی فرماتا ہے تو اس کے دل پر محبت وانس کا غلبہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اہل محبت اس کے جلال سے حیرت زدہ اور اہل انس ومحبت اس کے جمال سے خوشی میں مگن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو دل جلال الٰہی کی محبت کی آگ میں جلتے ہیں اور وہ دل جو اس کے جمال کے نور کے مشاہدہ میں تاباں ہیں ان کے درمیان یہ فرق ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ ہیبت عارفوں کا درجہ ہے اور انس مریدوں کا مقام اس لئے کہ بارگاہِ قدس کی تنزیہہ اور اس کے قدیم اوصاف میں جتنا کمال حاصل ہوگا۔ اتنا ہی اس کے دل پر ہیبت کا غلبہ ہوگا اور انس سے اس کی طبیعت زیادہ دور ہوگی کیونکہ انس ہم جنسوں سے ہوتا ہے اور حق تعالیٰ سے مجانست اور مشاکلت محال ہے لہٰذا وہاں انس کی کوئی صورت متصور نہیں ہو سکتی اسی طرح حق تعالیٰ کا مخلوق سے انس

کرنا بھی محال ہے۔ اگر انس کی کوئی صورت ممکن ہے تو اس کے ذکر اور اس کی یاد کے ساتھ انس کرنا ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا ذکر غیر ہے اور وہ بندے کے صفات کے قبیل سے ہے۔ محبت میں غیروں کے ساتھ آرام پانا جھوٹ، ادعائے محض اور خالص گمان ہے اور ہیبت عظمت کے مشاہدے کی قبیل سے ہے اور عظمت، حق تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا جس بندے کا کام اپنے فعل کے ساتھ ہو اور جس بندے کا کام اپنے افعال کو فنا کر کے بقائے حق کے ساتھ ہو اس کے اور اس کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ تک اس گمان میں رہا کہ محبت میں خوش رہتا ہوں اور مشاہدۂ الٰہی سے انس پاتا ہوں۔ اب میں نے جانا کہ انس اپنی ہی ہم جنس سے ہو سکتا ہے۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ہیبت، فراق و عذاب کا ثمرہ ہے اور انس، رحمت و وصل کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر دوستوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہیبت کے اقسام سے محفوظ رہیں اور انس و محبت کے قریب رہیں۔ یقیناً انس، محبت کا اقتضاء کرتی ہے جس طرح محبت کے لئے ہم جنسی محال ہے اسی طرح انس کے لئے بھی محال ہے۔

میرے شیخ و مرشد فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے انس ممکن نہیں۔ باوجود یہ کہ یہ اس کا ارشاد ہے اس نے فرمایا ہے: ان عبادی (22) یہ میرے بندے ہیں "یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (23) (الزخرف: ۶۸) اے میرے بندو آج نہ تم پر خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے لامحالہ جب بندہ حق تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھتا ہے تو وہ اس سے محبت کرتا ہے اور جب محبت کرتا ہے تو انس بھی حاصل کرتا ہے کیونکہ دوست سے ہیبت، غیریت کی علامت ہے اور انس یگانگت کی نشانی ہے۔ آدمی کی یہ خصلت ہے کہ وہ نعمت عطا کرنے والے کے ساتھ انس رکھتا ہے اور حق تعالیٰ کی نعمتیں تو ہم پر بے شمار ہیں۔ اسی نے ہمیں اپنی معرفت سے نوازا ہے پھر ہم ہیبت کی بات کس طرح

شرح (22): اِنَّ عِبَادِیْ

ترجمہ کنزالایمان: ۔ بیشک میرے بندوں۔ (پ ۱۴، الحجر: ۴۲)

شرح (23): یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ○

ترجمہ کنزالایمان: ۔ ان سے فرمایا جائے گا اے میرے بندو آج نہ تم پر خوف نہ تم کو غم ہو

(پ ۲۵، الزخرف: ۶۸)

کر سکتے ہیں؟

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں گروہ اپنی اپنی تعریف میں اختلاف کے باوجود راہ یاب اور درست ہیں۔ اس لئے کہ ہیبت کا غلبہ نفس اور اس کی خواہش کے ساتھ ہوتا ہے اور اس ہیبت کے ذریعہ اپنے اوصاف بشریت کو فنا کرنے، باطن میں انس کو غالب کرنے اور باطن میں معرفت کی پرورش کرنے میں مدد ملتی ہے اور حق تعالیٰ کی تجلی جلال سے دوستوں کا نفس فنا ہو جاتا ہے اور تجلی جمال سے ان کا باطن باقی رہتا ہے لہٰذا جو اہل فنا ہیں وہ ہیبت کو مقدم کہتے ہیں اور جو ارباب بقا ہیں وہ انس کو فضیلت دیتے ہیں۔ اس سے قبل فنا و بقا کی تشریح کی جا چکی ہے۔

قہر و لطف اور ان کا فرق

قہر و لطف یہ دو لفظ ایسے ہیں جن سے مشائخ طریقت اپنے احوال کی تعمیر کرتے ہیں۔ قہر سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے اپنی مرادوں کو فنا کریں اور اس کی خواہشوں سے نفس کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ اس میں ان کا کوئی مطلب ہو اور لطف سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے باطن کو باقی رکھیں اور ہمیشہ مشاہدے میں مشغول رہیں اور درجہ استقامت میں حال انتہا تک برقرار رہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ کرامت و اعزاز یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے مراد حاصل کر لے۔ یہ اہل لطف ہیں اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو اپنی مراد اور اس کی مراد دونوں سے بچائے رکھے اور اسے نامرادی کے ساتھ مغلوب کرے مثلاً دریا میں جائے تو پیاس کی حالت میں دریا خشک ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

بغداد میں صاحب مرتبہ فقراء میں سے دو درویش تھے۔ ایک صاحب قہر و غلبہ تھے اور دوسرے صاحب لطف و کرم۔ ہمیشہ ایک دوسرے میں نوک جھونک رہا کرتی تھی۔ ہر ایک اپنے حال کو بہتر بتاتا تھا۔ ایک کہتا کہ حق تعالیٰ کا لطف و کرم بندے پر بہت بزرگ شئ ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ[24] (الشوریٰ: ۱۹) اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور دوسرا کہتا کہ حق تعالیٰ کا قہر و غلبہ بندہ پر بہت

شرح (24): اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ۔

ترجمہ کنز الایمان: اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے۔ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۱۹)

زیادہ مکمل شئ ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (25) (الانعام:٦١) اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ ان دونوں درویشوں کی نوک جھونک نے بہت طول پکڑا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ صاحب لطف درویش نے مکہ مکرمہ کا قصد کیا وہ بیابان میں ٹھہر گیا اور مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکا برسوں تک کسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک شخص مکہ مکرمہ سے بغداد آرہا تھا اس نے اس درویش کو دریا کے کنارے دیکھا۔ درویش نے اس سے کہا کہ اے بھائی! جب تم عراق پہنچو تو کرخ میں میرے فلاں رفیق سے کہنا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اس مشقت کے باوجود جنگل میں بغداد کے محلہ کرخ کی مانند اس کے عجائبات کو دیکھنا چاہو تو آجاؤ کیونکہ یہ جنگل میرے لئے حق تعالیٰ نے بغداد کی مانند بنا دیا ہے۔ جب یہ شخص کرخ پہنچا تو اس کے رفیق کو تلاش کر کے اس کا پیغام پہنچایا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا۔ جب تم پھر جاؤ تو اس درویش سے کہنا کہ اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے کہ مشقت کے ساتھ جنگل کو تمہارے لئے کرخ کی مانند بنا دیا گیا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ ہو تم درگاہِ الٰہی سے بھاگ نہ اٹھو بزرگی تو یہ ہے کہ بغداد کے محلہ کرخ کو اس کی نعمتوں اور اس کے عجائب کے باوجود مشقت کے ساتھ کسی کے لئے جنگل بنا دیا جائے اور وہ اس میں خوش وخرم رہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں کہتے ہیں کہ اے خدا اگر تو آسمان کو میرے گلے کا طوق اور زمین کو میرے پاؤں کی زنجیر اور عالم کو میرے خون کا پیاسا بنا دے تب بھی میں تیری بارگاہ سے نہ ہٹوں گا۔

میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جنگل میں اولیاء کا اجتماع ہوا۔ میرے مرشد حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ہمراہ وہاں لے گئے۔ میں نے وہاں ایک جماعت دیکھی جو تخت کے نیچے تھی اور ایک جماعت دیکھی جو تخت پر بیٹھی تھی۔ کوئی اڑتا آرہا تھا اور کوئی کسی طریق سے۔ میرے مرشد نے کسی کی طرف التفات نہ کیا یہاں تک کہ ایک جوان کو میں نے دیکھا جس کی جوتیاں پھٹی ہوئی تھیں اور عصا شکستہ تھا۔ پاؤں ننگے، بدن جھلسا ہوا، جسم کمزور ولاغر، جب وہ نمودار ہوا تو حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے بلند تر جگہ پر بٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ میں یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔ اس کے بعد میں نے شیخ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا یہ بندہ ایسا صاحب ولی ہے کہ وہ ولایت کا تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے وہ کرامتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

شرح (25): وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر (پ ٧، الانعام:٦١)

غرضکہ جو کچھ ہم از خود اختیار کریں وہ ہماری بلا ہوتی ہے۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ حق تعالیٰ مجھے اس منزل میں اس کی آفت سے محفوظ رکھے اور میرے نفس کی برائی سے بچائے۔ اگر وہ قہر وغلبہ میں رکھے تو میں لطف ومہربانی کی تمنا نہیں کروں گا اور اگر لطف وکرامت میں رکھے تو میں قہر وغلبہ کا آرزومند نہ ہوں گا ہمیں اس کے اختیار کرنے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

نفی واثبات اوران کافرق

مشائخ طریقت نے تائید حق کے ساتھ صفتِ بشیریت کی محو کو فنا واثبات کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ صفتِ بشیریت کی فنا کو نفی سے اور غلبہ حقیقت کے وجود کو اثبات کہا ہے۔ اس لئے کہ "محو" کل کے مٹ جانے کو کہتے ہیں اور کل کی نفی بجز صفات کے، ذات پر ممکن نہیں ہے کیونکہ جب تک بشریت باقی ہے اس وقت تک ذات سے کل کی نفی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مذموم صفات کی نفی، خصائل محمودہ کے اثبات کے ساتھ کی جائے مطلب یہ کہ معنی کے اثبات کے لئے حق تعالیٰ سے معیت میں، دعوے کی نفی ہو کیونکہ دعوٰی کرنا، نفس کے غرور کی قسم سے ہے جو انسان کی عام عادت ہے جب غلبہ حقیقت میں اوصاف مغلوب ومقہور ہو جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا ہے کہ صفات بشیریت کی نفی، حق کی بقا کے اثبات کے ساتھ ہوگی۔ قبل ازیں فقر وصفوت اور فنا وبقا کے باب میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ اسی نفی سے مراد، حق تعالیٰ کے اختیار کے اثبات میں بندے کے اختیار کی نفی ہے۔ اسی بنا پر ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ **اختیار الحق لعبدہ مع علمہ لعبدہ خیر من اختیار عبدہ لنفسہ مع جھلہ بربہ** حق تعالیٰ کا اختیار اس کے بندے کے لئے اس کے اپنے علم سے بہتر ہے۔ اس سے جو بندے کو اپنے نفس کے لئے خدا سے غافل رہ کر اختیار پایا جائے۔ اس لئے کہ محبت میں محب کے اختیار کی نفی، محبوب کے اختیار کے اثبات سے وابستہ ہے یہ بات مسلم ہے۔

ایک درویش دریا میں غرق ہو رہا تھا۔ کسی نے اس سے کہا اے بھائی! کیا تو چاہتا ہے کہ نکال لیا جائے؟ اس نے کہا نہیں، پھر اس نے پوچھا کیا چاہتا ہے کہ غرق ہو جائے؟ درویش نے کہا نہیں، اس نے کہا عجیب بات ہے کہ نہ تو ہلاکت چاہتا ہے نہ نجات؟ درویش نے کہا مجھے ایسی نجات کی حاجت نہیں جس میں میرا اختیار شامل ہو۔ میرا اختیار تو وہ ہے جو میرے رب کے اختیار میں ہے۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ محبت میں کم سے کم درجہ اپنے اختیار کی نفی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے اس کی نفی ممکن نہیں اور بندے کا اختیار عارضی ہے اس کی نفی جائز ہے۔ لازم ہے کہ عارضی اختیار کو پائمال کیا جائے تا کہ ازلی اختیار قائم و باقی رہے جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر مسرور ہوئے تو اپنے اختیار کو برقرار رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے دیدار کی تمنا کا اظہار کیا اور خدا سے عرض کیا کہ رَبِّ اَرِنِیْ[26] اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: لَنْ تَرَانِیْ[27] تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔[28] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا دیدار تو حق ہے اور میں اس کا مستحق بھی ہوں پھر کیوں منع فرمایا جا رہا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دیدار حق ہے لیکن محبت میں اپنا اختیار باقی رکھنا باطل ہے۔ اس مسئلہ میں گفتگو تو بہت ہے مگر میرا مقصود چونکہ اختصار ہے۔ بتوفیق الٰہی اس کا مختصر تذکرہ جمع و تفرقہ، فنا و بقا اور غیبت و حضور میں بھی گزر چکا ہے یہاں اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

مسامرہ و محادثہ اور ان کا فرق

مسامرہ اور محادثہ کے دونوں لفظ، کاملانِ طریقت کے احوال کی دو حالتیں ہیں۔ محادثہ کی حقیقت باطنی کیفیت سے متعلق ہے جہاں زبان کو خاموش رکھا جاتا ہے اور مسامرہ کی حقیقت، باطنی واردات کے چھپانے پر ہمیشہ خوش رہنا ہے۔ ان کے تمام ظاہر معنی یہ ہیں کہ مسامرہ، ایک وقت ہے جبکہ بندہ رات میں

شرح (26): رَبِّ اَرِنِیْ

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا۔ (پ۹، الاعراف: ۱۴۳)

شرح (27): لَنْ تَرٰىنِیْ

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ (پ۹، الاعراف: ۱۴۳)

شرح (28): ان آنکھوں سے سوال کر کے بلکہ دیدارِ الٰہی بغیر سوال کے محض اس کی عطا و فضل سے حاصل ہوگا، وہ بھی اس فانی آنکھ سے نہیں بلکہ باقی آنکھ سے یعنی کوئی بشر مجھے دنیا میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا دیکھنا ممکن نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے اگرچہ دنیا میں نہ ہو کیونکہ صحیح حدیثوں میں ہے کہ روزِ قیامت مؤمنین اپنے رب عزوجل کے دیدار سے فیضیاب کئے جائیں گے علاوہ بریں یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عارف باللہ ہیں، اگر دیدارِ الٰہی ممکن نہ ہوتا تو آپ ہرگز سوال نہ فرماتے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اور محادثہ وہ وقت ہے جو دن میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ دن کے اس وقت میں بندہ حق تعالیٰ سے ظاہری و باطنی سوال و جواب کرتا ہے۔ اسی بنا پر رات کی مناجات کو مسامرہ اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہتے ہیں گویا دن کا حال کشف پر مبنی ہے اور رات کا حال خفا پر اور محبت میں مسامرہ، محادثہ سے کامل تر ہوتا ہے۔ مسامرہ کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال سے وابستہ ہے۔ جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربِ خاص سے نوازے تو جبریل علیہ السلام کو براق دے کر آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مکہ سے قاب قوسین تک لے جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ سے ہمراز ہوں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے ہم کلام ہوئے جب انتہا تک رسائی ہوئی تو آپ کی زبان مبارک ظہور جلال باری میں سرخ ہوگئی اور آپ کا دل عظمت کی تہ میں متحیر ہو گیا اور آپ کا علم ادراک سے رہ گیا۔ زبان مبارک عبارت سے عاجز ہوگئی۔ اس وقت عرض کیا: ''لَاۤ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ'' تیری حمد و ثنا کرنے سے عاجز ہوں۔

محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے۔ جب چاہا کہ ان کا ایک وقت حق تعالیٰ کے ساتھ ہو تو چالیس دن وعدۂ انتظار کے بعد دن میں کوہِ طور پر آئے۔ خدا کا کلام سنا تو مسرور ہوئے۔ دیدار کی خواہش کی تو مراد سے رہ گئے اور ہوش سے جاتے رہے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا: تُبْتُ اِلَیْكَ تیری طرف رجوع ہوتا ہوں۔ تاکہ فرق ہو جائے کہ ایک وہ ہے جو آتا ہے اور ایک وہ ہے جو لے جایا جاتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا (29) (بنی اسرائیل) پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات بندے کے لے گیا۔ یہ وہ بندہ ہے جو لے جایا گیا اور وہ وہ بندہ ہے جو خود آتا ہے۔ (30) اس بندے کے متعلق ارشاد

شرح (29): سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا۔

ترجمہ کنزالایمان: ۔ پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۴۳)

شرح (30): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں:

اس میں ایک صریح نکتہ یہ ہے کہ جو بات نہایت عجیب ہوتی ہے اس پر تسبیح کی جاتی ہے، سبحن اللہ الذی کیسی عمدہ چیز ہے۔ سبحن کیسی عجیب بات ہے جسم کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا کوئی زمہریر طے فرمانا، کُرہ نار طے فرمانا، کروڑوں برس کی راہ کو چند ساعت میں طے فرمانا۔ تمام ملک و ملکوت کی سیر فرمانا۔ یہ تو انتہائی عجیب آیات بینات ہی ہیں۔ (فتاوٰی رضویہ ج ۲۹ ص ۶۳۵)

ہے: وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا[31] (الاعراف: ۱۴۳) جب موسیٰ ہماری مقررہ جگہوں میں آئے۔[32] اس لئے رات دوستوں کی خلوت کا وقت ہے اور دن بندوں کی خدمت کرنے کا وقت۔ لامحالہ جب بندۂ محدود حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اسے تنبیہ کی جاتی ہے۔ پھر دوست و محبوب کی کوئی حد نہیں ہوتی جس سے تجاوز ممکن ہو اور وہ مستحق ملامت بنے۔ محبوب جو بھی کچھ کرے محب کا پسندیدہ ہوتا ہے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اور ان کا فرق

واضح رہنا چاہئے کہ باعتبار اصول، یہ تینوں کلمے علم سے متعلق ہیں جو اپنے جاننے کے ساتھ ہیں اور اپنے جاننے کے بیان کی صحت پر غیر یقینی علم، علم نہیں ہوتا اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے غیب و خفا مرتفع ہو کر مشاہدۂ عینی کی مانند بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ کل روزِ قیامت جب ہر مسلمان دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہو گا تو وہ بھی اسی صفت پر دیکھے گا جس صفت میں آج جانتا ہے۔ اگر وہ دیداس کے خلاف ہو گی تو کل کی رویت یا تو صحیح نہ ہو گی یا اس کا علم درست نہ ہو گا۔ حالانکہ یہ دونوں صفتیں توحید کے منافی ہیں اس لئے کہ مخلوق کو اس کا علم جو آج حاصل ہے وہ اسی کی طرف سے درست ہے کل اس کی رویت بھی اسی کی

شرح (31): وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب موسیٰ ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا۔ (پ۹، الاعراف: ۱۴۳)

شرح (32): آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہماری کیا حقیقت ہے کہ ہم اس کلام کی حقیقت سے بحث کر سکیں۔ اَخبار میں وارد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلام سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے طہارت کی اور پاکیزہ لباس پہنا اور روزہ رکھ کر طورِ سینا میں حاضر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ایک ابر نازِل فرمایا جس نے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا۔ شیاطین اور زمین کے جانور حتّٰی کہ ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیحدہ کر دیئے گئے اور آپ کے لئے آسمان کھول دیا گیا تو آپ نے ملائکہ کو ملاحظہ فرمایا کہ ہوا میں کھڑے ہیں اور آپ نے عرشِ الٰہی کو صاف دیکھا یہاں تک کہ اَلواح پر قلموں کی آواز سنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ آپ نے اس کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کئے اس نے اپنا کلامِ کریم سنا کر نوازا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے لیکن جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وہ انہوں نے کچھ نہ سنا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلامِ ربانی کی لذت نے اس کے دیدار کا آرزومند بنایا۔ (خازن وغیرہ) (تفسیر خزائن العرفان)

طرف سے درست ہوگی۔ لہٰذا علم الیقین عین الیقین کی مانند اور حق الیقین، علم الیقین کی مانند ہوگا۔ وہ حضرات جو عین الیقین کے بارے میں کہتے ہیں کہ رویت میں علم کا استغراق ہوتا ہے۔ یہ محال ہے۔ اس لئے کہ رویت حصول علم کے لئے ایک ذریعہ اور آلہ ہے جیسے کہ سننا ایک ذریعہ ہے۔ جبکہ علم کا استغراق سننے میں محال ہے تو رویت میں بھی محال ہے۔ لہٰذا اہل طریقت کے نزدیک علم الیقین سے مراد، دنیاوی معاملات میں اوامر واحکام کا جاننا ہے اور عین الیقین سے مراد، جانکنی اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کا علم ہے اور حق الیقین سے مراد، جنت میں رویت کا کشف اور اس کے احوال کے معائنہ کی کیفیت ہے۔ گویا علم الیقین علماء کا درجہ ہے کہ وہ احکام واوامر پر استقامت رکھتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کہ وہ موت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور حق الیقین، محبوبانِ خدا کی فنا کا مقام ہے کہ وہ تمام موجودات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے عین الیقین انس ومحبت سے اور حق الیقین مشاہدے سے اور یہ کہ ایک عام ہے دوسرا خاص تیسرا خاص الخاص۔ واللہ اعلم! (33)

علم ومعرفت اور ان کا فرق

علماء اصول علم ومعرفت کے درمیان فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک ہی کہتے ہیں مگر عارف کہنا جائز نہیں ہے۔ چونکہ اس کے تمام اسماء توفیقی ہیں۔ لیکن مشائخ طریقت ایسے علم کو جو معاملہ اور حال سے متعلق ہو اور اس کا عالم اپنے حال کو اس سے تعبیر کرے معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف اور جو علم ایسا ہو جس کے صرف معنی ہی ہوں اور وہ معاملہ سے خالی ہو اس کا نام علم رکھتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں لہٰذا وہ شخص جو کسی چیز کے معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کا نام عارف رکھا گیا ہے اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے آشنا ہو اس کا نام عالم رکھا گیا ہے۔ یہ طبقہ

شرح (33): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

سن کر یقین کو علم الیقین کہتے ہیں، دیکھ کر یقین عین الیقین کہلاتا ہے، اندر داخل ہو کر آزما کر یقین حق الیقین کہلاتا ہے۔ ابھی ہم لوگوں کو قیامت اور وہاں کے حالات کا یقین ہے مگر علم الیقین، سرکار فرما رہے ہیں کہ اگر تم قیامت کا عین الیقین چاہتے ہو تو یہ سورتیں (اذا الشّمس کوّرت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت) پڑھو، ان میں قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے جیسے کہ بندہ اسے دیکھ ہی رہا ہے، بعض بیان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے خبر گویا سامنے آجاتی ہے۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۷، ص ۳۹۰)

جب ان معنوں کو اپنے ہم زمانہ لوگوں پر بیان کرتا ہے تو ان کا استخفاف کرتا ہے ان کو دانش مند بناتا ہے اور عوام کو منکر ان کی مراد، ان کے حصول علم کی بناء پر ان کی مذمت کرنا نہیں ہوتی بلکہ ان کی مراد معاملہ کو ترک کرنے کی برائی ظاہر ہوتی ہے۔

لان العالم قائم بنفسه والعارف قائم بربه اس لئے کہ عالم اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور عارف اپنے رب کے ساتھ "معرفت سے حجاب کشف" کے بیان میں بہت کچھ تشریح کی جا چکی ہے اس جگہ اتنا ہی کافی ہے۔

شریعت و حقیقت اور ان کا فرق

شریعت و حقیقت، مشائخ طریقت کے دو اصطلاحی کلمے ہیں۔ (34) جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے ان کی تعریف میں دو طبقے غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت، خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا طبقہ ملحدوں و بے دینوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ (35) یہ نظریہ مشبّہ،

شرح (34): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولیٰنا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن شریعت وطریقت میں فرماتے ہیں:

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی جہاں میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اور اس روشنی کی کوئی حد نہیں یہ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے اس نور میں زیادتی اور اضافہ پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہی روشنی بڑھ کر صبح اور پھر سورج اور اس کے بعد سورج سے بھی زیادہ غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے اسی سے اشیاء کی حقیقتیں کھلتی ہیں اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ اسی روشنی کو علم کے مرتبہ میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت کہتے ہیں۔ (شریعت وطریقت صفحہ ۸۔۹)

شرح (35): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولیٰنا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن شریعت وطریقت میں فرماتے ہیں:

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی جہاں میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اور اس روشنی کی کوئی حد نہیں یہ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے اس نور میں زیادتی اور اضافہ پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرامطہ، مشبعہ اور موسان کا ہے۔ شریعت و حقیقت کے جدا ہونے پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ محض تصدیق جو بغیر اقرار کے ہو اسے ایماندار نہیں بناتی اور نہ صرف اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے۔ قول و تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ لہٰذا حقیقت اسی معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ جائز نہیں ہے۔ حضرت آدم سے فنائے عالم تک اس کا حکم قائم و یکساں ہے۔ مثلاً معرفتِ حق، معاملہ میں خلوص نیت وغیرہ اور شریعت اس معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ و تبدیل جائز ہے مثلاً احکام و اوامر وغیرہ۔ شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی عصمت و تنزیہہ۔ معلوم ہوا کہ شریعت کا قیام، حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قیام، شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہی روشنی بڑھ کر صبح اور پھر سورج اور اس کے بعد سورج سے بھی زیادہ غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے اسی سے اشیاء کی حقیقتیں کھلتی ہیں اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ اسی روشنی کو علم کے مرتبہ میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت کہتے ہیں۔ یعنی اصل وہی ایک شریعت ہے مختلف مرتبوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب شریعت کا یہ نور بڑھ کر صبح کی طرح ہو جاتا ہے تو ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اسے کہتا ہے چراغ بجھا دو کہ اب تو صبح خوب روشن ہو گئی ہے۔ اگر آدمی شیطان کے دھوکے میں نہ آئے تو شریعت کا یہ نور بڑھ کر دن ہو جاتا ہے اس پر شیطان کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا اب تو سورج روشن ہے اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے روز روشن میں شمع جلانا تو بیوقوف کا کام ہے۔ یہاں پر اگر ہدایت الٰہی آدمی کی مدد فرمائے تو بندہ لاحول پڑھ کر شیطان کو بھگا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ کے دشمن یہ جسے تو دن یا سورج کہہ رہا ہے یہ آخر کیا ہے؟ اسی فانوسِ شریعت ہی کا نور ہے اگر اسے بجھا دیا تو نور کہاں سے آئے گا۔ یہ کہنے پر شیطان ناکام و نامراد ہو جاتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے نور حقیقی تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر بندہ شیطان کے فریب میں آ گیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہو گیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت رہی اور یہ سمجھ کر اس نے شریعت کا چراغ بجھا دیا تو جیسے ہی یہ چراغ بجھائے گا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا ہو جائے گا کہ جیسے ہی اسے بجھایا ہر طرف ایسا سخت اندھیرا ہو گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا ایک پر ایک اندھیریاں ہیں۔ اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں (نور ۴۰) تو یہ ہیں وہ لوگ جو طریقت بلکہ اس سے بلند مرتبہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے بے پرواہ سمجھے اور شیطان کے دھوکے میں آ کر اس فانوسِ الٰہی کو بجھا دیا اور تباہ و برباد ہو گئے۔ (شریعت و طریقت صفحہ ۸۔۹)

کے ساتھ زندہ ہو۔ جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور روح جب تک رہتی ہے تو اس کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا(36) (العنکبوت: ٦٩) جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقینا ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا۔(37) مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ ایک بندہ کے ذمے ظاہری احکام کی حفاظت ہے دوسرے پر حق تعالیٰ کی حفاظت جو بندے کے باطنی احوال سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا شریعت از قسم کسب ہے اور حقیقت از قسم عطائے ربانی ہے۔

”آخری نوع، دیگر مصلحاتِ مشائخ کے بیان میں“

اس آخری نوع میں ان کلمات کی تعریف ہے جو مشائخ طریقت کے کلام میں بطور اصلاح و استعارہ مستعمل ہیں۔ جن کی تفصیل و شرح اور احکام زیادہ دشوار ہیں۔ اختصار کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

الحق: اس سے مشائخ طریقت کی مراد رب العزت کی ذات اقدس ہے اس لئے کہ اس کے اسماء میں سے حق بھی ایک نام ہے جیسا کہ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (الحج: ٦٢) یقیناً اللہ وہی حق ہے۔

الحقیقة: اس سے مراد، وصل الٰہی کے محل میں بندے کا قیام ہے اور محل تنزیہہ میں بندے کے باطن کا وقوف ہے۔

شرح (36): وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔

(پ ٢١، الاعراف: ٦٩)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ معنٰی یہ ہیں کہ جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انہیں ثواب کی راہ دیں گے۔ حضرت جنید نے فرمایا جو توبہ میں کوشش کریں گے انہیں اخلاص کی راہ دیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا جو طلبِ علم میں کوشش کریں گے انہیں ہم عمل کی راہ دیں گے۔ حضرت سعد بن عبداللہ نے فرمایا جو اقامتِ سنّت میں کوشش کریں گے ہم انہیں جنّت کی راہ دکھا دیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (37): ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے۔ (پ ١٧، الحج: ٦٢)

الخطرات: اس سے مراد طریقت کے وہ احکامات ہیں جو دل پر گزرتے ہیں۔

الوطنات: اس سے مراد، وہ معانی ہیں جو متوطن کے باطن میں وارد ہوں۔

الطمس: عین کی ایسی نفی کہ اس کا اثر بھی نہ رہے۔

الرمس: عین کی ایسی نفی کہ دل پر اس کا اثر رہے۔

العلائق: ایسے اسباب ہیں جن سے طالب تعلق رکھنے کی وجہ سے مراد و مقصود سے رہ جائے۔

الوسائط: ایسے اسباب جن سے طالب تعلق رکھ کر مقصود و مراد کو حاصل کر لے۔

الزوائد: دل میں انوار کی زیادتی۔

الفوائد: اپنے ضروری اسرار کا ادراک کرنا۔

الملجا: اپنی مراد کے حصول میں دل پر اعتماد کرنا۔

المنجا: محل آفت سے دل کا نجات پا جانا۔

الکلیة: پورے طور پر بشری اوصاف میں مستغرق ہونا۔

اللوائح: اثبات مراد اور واردات کی نفی۔

اللوامع: دل پر نور کا ظہور، اس کے فوائد کے باقی رہنے کے ساتھ۔

الطوالع: دل کا نورِ معرفت سے روشن ہونا۔

الطوارق: شب بیداری میں عبادت و مناجات کے دوران دل پر خوشخبری یا فتنہ کی حالت کا طاری ہونا۔

السر: محبت و دوستی کے معاملہ کو پوشیدہ رکھنا۔

النجوٰی: راز و نیاز کے ذریعہ تکالیف و مصائب سے تحفظ حاصل کرنا تا کہ غیر کو خبر نہ ہو۔

الاشارة: بغیر الفاظ استعمال کئے اپنا مطلب اشارۃً بیان کرنا۔

الایما: ظاہری اشارہ اور الفاظ کے بغیر کسی دوسری کیفیت کے ذریعہ کچھ بتانا۔

الوارد: معانی کا دل نشین ہونا۔

الانتباہ: دل کا ہوشیار ہونا اور غفلت سے بیدار ہونا۔

الاشتباہ: کسی چیز کا حق و باطل کے درمیان اس طرح مخلوط ہونا کہ حقیقت کا امتیاز نہ ہو سکے۔

القرار: کسی تردد کے بغیر معاملہ کی حقیقت پر سکون دل اور قرار قلب کا حاصل ہونا۔

الانزعاج: راہ راست پر ہونے کے باوجود حالات اضطراب میں ہونا۔

مذکورہ اصطلاحات کا مطلب نہایت مختصر بیان کیا گیا ہے۔

توحید کی وضاحت کے لئے اہل طریقت کی اصطلاحات

یہ اصطلاحات اظہار اعتقاد کے لئے بغیر استعارہ کے استعمال ہوتی ہیں۔

العالَم: عالم کا مطلب خدا کے علاوہ تمام موجودات ومخلوقات جن کی تعداد اٹھارہ ہزار اور بعض روایات کے مطابق پچاس ہزار ہے۔ فلسفیوں کے نزدیک عالم کی دو قسمیں بنیادی ہیں۔ (۱) عالَمِ علوی یا عالَمِ بالا۔ (۲) عالَمِ سفلی یا عالَمِ دنیا۔ حقیقت شناس کہتے ہیں کہ عرش سے تحت الثریٰ یعنی تمام مخلوق ایک ہی عالَم ہے دراصل ایک نوعیت کی مخلوق کے اجتماع کا نام عالم ہے جس طرح کہ اہل طریقت کے ہاں ایک عالَمِ ارواح ہے اور دوسرا عالَمِ نفوس، مگر ان دونوں کے ایک جگہ جمع ہونے کا نام عالم نہیں جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں بلکہ عالَمِ دنیا میں عالَمِ ارواح الگ ہے اور عالَمِ اجسام یا نفوس الگ۔

المحدث: جو عدم سے وجود میں آیا ہو۔

القدیم: جو تمام موجودات سے پہلے ہمیشہ سے تھا اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ خواہ دیگر موجودات رہیں یا نہ رہیں یہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی ہستی قدیم نہیں۔

الازل: جو آغاز و ابتداء سے ماوریٰ ہو۔

الابد: جو انجام و انتہاء سے بے نیاز ہو۔

الذات: اصلیت، حقیقت، ہستی اور وجود کا نام ذات ہے۔

الصفت: کوئی خوبی جو بذات خود قائم نہ ہو مثلاً علم وحسن وغیرہ۔

الاسم: کسی چیز کی اصلیت یا کیفیت کا تعارفی کلمہ یا اشارہ۔

التسمیہ: ایسا تعارف جس میں عظمت کا پہلو پوشیدہ ہو یا نام رکھنا۔

النفی: کسی فانی چیز کا نہ ہونا واضح کرنا۔

الاثبات: ہو سکنے والی چیز کا وجود یا ہونا ثابت کرنا۔

الشیئان: ایسی دو چیزیں جن کا وجود ایک دوسرے کی موجودگی میں جائز ہو۔

الضدان: ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک کا وجود دوسرے کی موجودگی میں کسی ایک حالت پر جائز نہ ہو

البتہ مختلف حالتوں میں دونوں کا وجود الگ الگ جائز ہو۔

الغیران: دو چیزوں میں سے ایک کا وجود دوسری کی فنا کے لئے جائز ہونا۔

الجوھر: کسی چیز کا مادہ یا اصل جو بذاتِ خود قائم ہو۔

العرض: ایسی صفت یا کیفیت جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

الجسم: ایسا مرکب جو مختلف اجزاء سے تیار کیا گیا ہو۔

السؤال: اصلیت یا حقیقت معلوم کرنا۔

الجواب: مطلوبہ معلومات مہیا کرنا۔

الحسن: ایسی کیفیت جو متعلقہ چیز کے مناسب ہو اور امر حق کے موافق ہو۔

القبیح: ایسی حالت جو متعلقہ چیز سے مناسبت نہ رکھتی ہو اور امر الٰہی کے مخالف ہو۔

السفه: حقیقی معاملہ کو چھوڑ دینا۔

الظلم: کسی چیز کا مناسب استعمال نہ کرنا اور اسے موزوں مقام نہ دینا۔

العدل: ہر معاملہ میں مناسب اور موزوں رویہ اختیار کرنا جس کے ذریعہ ہر چیز اپنا صحیح مقام حاصل کرے۔

الملك: جس کے قول و فعل پر اعتراض نہ ہو سکے۔

یہ ایسی اصطلاحات ہیں جن سے حقیقت کے طلب گاروں کو واقف ہونا بڑا ضروری ہے۔

اصطلاحاتِ تصوف کی چوتھی اور آخری قسم

یہ اصطلاحات اہل لغت کے ظاہری معانی سے مختلف صرف صوفیا کے درمیان رائج ہیں جن کی وضاحت و تشریح ضروری ہے۔

الخاطر: دل میں ایسے خیال و وسوسہ کا آنا جو کسی دوسرے خیال یا وسوسہ کے آنے پر زائل ہو جائے اور اس خیال کو دل سے نکالنے پر قدرت حاصل ہو۔ خیالات کی آمد کے وقت پہلے خیال کو خدا کی طرف سے سمجھ کر اہل معاملہ اپنا لیتے ہیں اور خیال اول کی پیروی کرتے ہیں:

مثلاً حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ (38) کے متعلق روایت ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ

شرح (38): آپ ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۲۲ ہجری میں وصال فرمایا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے دروازے پر موجود ہیں مگر اسے وہم و وسوسہ سمجھ کر دل سے نکالنا چاہا تو عدم موجودگی کا خیال آیا، اسے دور کرنے کی کوشش کی تو تیسرا خیال پیدا ہوا کہ باہر ہی چل کر دیکھ لیں چنانچہ آپ باہر نکلے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ دروازہ پر موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے خیر! اگر آپ سنتِ مشائخ پر عمل کرتے ہوئے خیال اول کی پیروی کرتے تو مجھے اتنی دیر انتظار نہ کرنا پڑتا۔ اس واقعہ کے متعلق مشائخ نے یہ سوال پیدا کیا کہ اگر حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں آنے والا پہلا خیال ہی ''خاطر'' تھا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کس خیال میں دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے؟ اس کا جواب بزرگوں نے خود دیا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت نساج رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے لہٰذا انہیں اپنے مرید کو راہ طریقت میں ''خاطر'' کا مسئلہ بتانا تھا جو آپ نے بتا دیا۔

الواقع: واقع سے مراد دل میں پیدا ہونے والی وہ کیفیت جو ''خاطر'' کے بالعکس ہو یعنی مستقل دل نشین ہو کر نا قابل زوال ہو اور نہ اسے دور کرنے پر قدرت حاصل ہو چنانچہ ایک محاورہ ہے کہ **خطر علی قلبی ووقع فی قلبی** یعنی میرے دل پر ایک ''خیال'' گزرا اور ''واقعہ'' یا بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔

خیالات تو تمام دلوں میں آتے ہیں مگر واقعات صرف حق تعالیٰ کے نور سے معمور دلوں میں واقع ہوتے ہیں اسی وجہ سے راہ حق میں رکاوٹ پیدا ہونے کا نام قید ہے جسے کہا جاتا ہے کہ ''ایک واقعہ ظاہر ہو گیا۔'' یعنی مشکل پیدا ہو گئی۔ اہل لغت واقعہ ایسی مشکل کو کہتے ہیں جو مسائل حل کرنے کے سلسلہ میں پیش آتی ہے جب وہ مسئلہ حل ہو جائے یا اس کا مکمل جواب مل جائے تو کہا جاتا ہے کہ واقعہ حل ہو گیا یعنی مشکل ختم ہو گئی اہل تحقیق کہتے ہیں کہ حل نہ ہونے والا معاملہ واقعہ ہوتا ہے اور اگر حل ہو جائے تو وہ خیال (خاطر) ہوتا ہے واقعہ نہیں کیونکہ اہل تحقیق کسی عظیم معاملہ ہی میں رک سکتے ہیں چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتیں تو وہ اشاروں سے حل کر لیتے ہیں۔ خیال تو خود بخود بدلتے رہتے ہیں انہیں حل کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

الاختیار: اپنے اختیار پر اختیار مولیٰ کو ترجیح دے کر راضی برضا ہونا اور خیر و شر میں جو خدا نے ان کے لئے پسند فرمایا اسے قبول کرنا۔ اور یہ راضی برضا ہونا یا اختیار مولیٰ کو پسند کرنا بھی تو حق تعالیٰ کے اختیار اور مرضی سے ہوتا ہے اس میں بھی ذاتی اختیار کی نفی ہو جاتی ہے۔ اگر اختیار الٰہی کی برتری

قبول نہ کی جاتی تو بندہ اپنے اختیار کو چھوڑنا کب گوارا کر سکتا تھا۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ امین کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جسے ذاتی اختیار حاصل نہ ہو اور اختیارِ مالک کو اس نے قبول کر لیا ہو۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے بخار میں دعا فرمائی کہ خدایا! مجھے صحت عطا فرما۔ ضمیر سے آواز آئی کہ ہمارے ملک میں اپنی تدبیر اختیار کرنے والا تو کون ہوتا ہے میں اپنے ملک کے نام کو تجھ سے بہتر جانتا ہوں راضی برضا رہو اور اپنے آپ کو صاحب اختیار ظاہر نہ کرو۔ واللہ اعلم!

الامتحان: اس سے مراد اولیاء کرام کے دلوں کی آزمائش ہے یہ آزمائش بذریعہ خوف، غم، قبض اور ہیبت وغیرہ کی جاتی امتحان کے متعلق حق تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰیط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ** (39) (الحجرات:۳) یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ (عطا کرنے) کے لئے امتحان و آزمائش میں ڈالا، ایسے پرہیزگاروں کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے اور یہ درجہ بہت بلند ہے۔

البلاء: بیماریوں اور تکالیف کے ذریعہ اولیاء کے جسموں کی آزمائش جس میں دل بھی شریک ہوتے ہیں بلا کے ذریعہ جس قدر مصیبت اور پریشانی بڑھتی ہے اسی قدر قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ دکھ درد اولیاء کا لباس، بزرگوں کا مسکن اور انبیاء کی لازمی صفت ہے (40) آپ کو یاد ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً** (41) ہم گروہ انبیاء تمام

شرح (39): اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (پ۲۶، الحجرات:۳)

شرح (40): تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جب اللہ عزوجل کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا فرما دیتا ہے، پھر جو صبر کرتا ہے اس کے لئے صبر ہے اور جو جزع فزع کرتا ہے اس کے لئے جزع ہی ہے۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، الحدیث: ۲۳۶۹۵، ج۹، ص۱۶۱)

شرح (41): (الترغیب والترھیب، کتاب الجنائز، باب الترغیب فی الصبر ... الخ، رقم ۱۵، ج۴، ص ۱۴۱)

لوگوں کی نسبت آزمائش میں زیادہ مبتلاء ہوتے ہیں اور مزید یہ فرمایا کہ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ [42] (بخاری) سب سے زیادہ مصیبت میں انبیاء ہوتے ہیں پھر اولیاء پھر وہ لوگ جو زیادہ بزرگ ہوتے ہیں پھر جوان کی طرح بزرگ ہوں [43] مختصر ابلاء دراصل جسم اور دل کی بیک وقت آزمائش ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بندہ مومن کے لئے ہوتی ہے اور امتحان صرف دل مومن کی آزمائش کا نام ہے۔ بلاء اور آزمائش مومن کے لئے ایک نعمت ہوتی ہے جس کا ظاہر تکلیف دہ اور اصل میٹھا پھل ہوتا ہے مگر کافر کے لئے وبال جسم وجان اور ذریعہ بدبختی ہے جس سے چھٹکارا ملنا مشکل ہے۔

التحلی: کسی اچھی قوم کے اقوال کو اپنانا جس سے اچھائی پیدا ہو تجلی کہلاتا ہے جیسا کہ اقوال زریں جو مختلف قوموں کے دانا اور عقل مندوں نے بیان کئے ہیں صرف تجلی سے ایمان پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ رہبر اعظم ﷺ نے فرمایا: ''لَیْسَ الْاِیْمَانُ بِالتَّحَلِّیْ وَالتَّمَنِّیْ لٰکِنْ مَاوَقَرَ فِی الْقُلُوْبِ وَصَدَّقَهُ الْعَمَلُ'' یعنی ایمان کسی طرح اچھی قوم کے اقوال قبول کرنے یا ان کی طرح بننے کی

شرح (42): (سنن ابی ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، رقم ۴۰۲۳، ج ۴، ص ۳۶۹)

شرح (43): حضرتِ سیدنا ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت، مخزنِ جودوسخاوت، پیکرِ عظمت وشرافت، محبوبِ ربُّ العزت، محسنِ انسانیت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو بخار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکتیں لوٹ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک کمبل تھا۔ میں نے کمبل پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا بخار کتنا تیز ہے؟ فرمایا کہ ہم ایسے ہی ہیں، ہماری آزمائش سخت ہوتی ہے اور ہمیں دگنا اجر دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے زیادہ سخت آزمائشیں کن لوگوں پر ہوتی ہیں؟ فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر۔ میں نے عرض کیا، پھر کن لوگوں پر؟ فرمایا کہ علماء پر۔ میں نے عرض کیا، پھر کن پر؟ فرمایا کہ صالحین پر، ان میں سے کسی کو جوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس نیک بندے کو قتل کر دیتی ہے اور کسی کو فقر وتنگدستی کے ذریعے آزمایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پہننے کے لئے عبا یعنی چغے کے علاوہ کوئی لباس نہیں پاتا اور ان میں سے بعض لوگ آزمائش پر اس قدر خوش ہوتے ہیں جتنا تم عطا پر بھی نہیں ہوتے۔

(المستدرک، کتاب الایمان، رقم ۱۲۶، ج ۱، ص ۲۰۳)

خواہش کا نام نہیں بلکہ جو کچھ دل میں بیٹھ جائے اور اس کی تصدیق عمل سے ہو جائے تو وہ حقیقت میں ایمان کہلاتا ہے چنانچہ کسی گروہ کی بغیر عمل کے باتوں میں مشابہت کرنا تجلی ہے اور یہ طریقہ رسوا کن ہے کیونکہ اصل کام عمل ہے اور بے عملی کی وجہ سے اہل تحقیق کی نظر میں وہ پہلے ہی سے ذلیل ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

التجلّی: اولیاء کا دل کی آنکھ سے انوارِ الٰہی اور ذات حق کا اس طرح مشاہدہ کرنے کے قابل ہونا کہ وہ چاہیں تو دیکھیں اور نہ چاہیں تو نہ دیکھیں۔ تجلی کے مقابلہ میں رویت ہے جو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا عمل ہے یہ اہل جنت کو حاصل ہوگا اور وہاں رویت حق لازمی ہوگی کیونکہ تجلی کے لئے پردہ جائز ہے اور رویت کے لئے ناجائز رویت بہر صورت ہوتی ہے خواہ چاہیں یا نہ چاہیں (جیسا کہ آنکھ کھولنے پر یہ ناممکن ہے کہ کچھ نہ دیکھا جائے)۔

التخلی: قربِ الٰہی میں آڑ بننے والی مصروفیات سے کنارہ کش ہو جانا، اس سلسلہ کی ایک کڑی دنیا ہے اور دوسری آخرت ان دونوں سے دستبردار ہو کر تیسری کڑی خواہش نفس کی مخالفت اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا اور آخری کڑی دل سے دنیاوی، اخروی، نفسانی اور انسانی وسوسوں اور اندیشوں کو دور کرنے کا نام تخلی یا تخلیہ ہے۔

الشرود: اس کا مطلب آفتوں، حجابوں اور بے قراری سے نجات طلب کرنا ہے کیونکہ طالب حق پر جو مصیبت آتی ہے وہ حجاب سے آتی ہے اس پردے اور حجاب کو کھولنے کے لئے تدبیر، تجویز اور کسی عمل کا نام شرود ہے جس کا نتیجہ سکوں ہے کیونکہ طالبانِ حق کو شروع میں بے چینی ہوتی ہے اور آخر کار اطمینان و سکون۔

القصود: مقصد حاصل کرنے کے لئے عزم صمیم اور صحیح ارادہ کرنا۔ اولیاء کا قصد و ارادہ حرکت اور سکون کے ساتھ مشروط نہیں کیونکہ دوست دوستی کے معاملہ میں ہر وقت پر عزم ہوتا ہے اور یہ عادت کے خلاف ہے کہ انسان خواہ متحرک ہو یا ساکن بغیر کسی ارادہ کے ہو کیونکہ اگر حرکت میں ہے تو ارادہ کا اظہار حرکت سے ہوتا ہے اور اگر سکون میں ہو تو اس کا ارادہ پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں مگر اولیاء حق کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ ان کی حرکت و سکونت ہی قصد اور ارادہ کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے اور تمام صفات قصد بن جاتی ہیں اور جب مقام محبت حاصل ہو جاتا ہے تو سراپا قصد و

ارادہ بن جاتے ہیں۔

الاصطناع: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا مومن کو تمام معاملات دنیوی سے مبرّ ا، لذتِ انسانی سے عاری اور خواہشات وصفات انسانی سے خالی کر کے مہذب بنانا ہے، اس طریقہ سے وہ ہوش وحواس کی گرفت سے آزاد ہو کر ماسوٰی اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے یہ اصطلاح گروہِ انبیاء سے متعلق ہے۔ البتہ بعض مشائخ اولیاء کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔

الاصطفاء: اللہ تعالیٰ کا بندہ کے دل کو خاص اپنی معرفت کے لئے منتخب کرنا تا کہ اپنی معرفت کی جلا اس کے دل میں بھر دے۔ یہ درجہ انبیاء و اولیاء کے علاوہ ہر خاص و عام، فرمانبردار اور نافرمان سب کے لئے عام ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَاج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖج وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌج وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (44) (فاطر: ۳۲) یعنی ہم نے پھر ان لوگوں کو کتاب دی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا، چنانچہ ان میں سے بعض تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ (45)

شرح (44): ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا (پ ۲۲، فاطر: ۳۲)

شرح (45): حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سبقت لے جانے والا مومنِ مخلص ہے اور مقتصد یعنی میانہ روی کرنے والا وہ جس کے عمل ریا سے ہوں اور ظالم سے مراد یہاں وہ ہے جو نعمتِ الٰہی کا منکِر تو نہ ہو لیکن شکر بجانہ لائے۔ حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا سابق تو سابق ہی ہے اور مقتصد ناجی اور ظالم مغفور اور ایک اور حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نیکیوں میں سبقت لے جانے والا جنّت میں بے حساب داخل ہوگا اور مقتصد سے حساب میں آسانی کی جائے گی اور ظالم مقامِ حساب میں روکا جائے گا اس کو پریشانی پیش آئے گی پھر جنّت میں داخل ہوگا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الاصطلام: ایک لطیف آزمائش کے ذریعہ بندہ کے ارادہ کو زائل اور فنا کر کے غلبہ حق کا بندہ پر مسلط ہو کر دل کا امتحان لینا۔ قلب ممتحن آزمایا ہوا دل اور قلب مصطلم (جڑ سے اکھاڑا ہوا دل) دونوں ہم معنی ہیں البتہ امتحان کی نسبت اصطلام خاص اور لطیف ہے۔

الرین: دل پر کفر و گمراہی کا ایسا پردہ جو صرف نورِ ایمان سے دور ہو سکتا ہے جیسا کہ کفار کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (46) (المطففین: ۱۴) ایسا ہر گز نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کفر کرتے ہیں بلکہ جو کچھ وہ کفر و شرک کیا کرتے تھے (اسی کی وجہ سے) ان کے دلوں پر ایک قسم کا زنگ یعنی پردہ پڑ گیا ہے۔ بعض کے نزدیک رین ایسا حجاب ہے جو کسی طرح زائل نہیں ہوتا کیونکہ کافروں کا دل اسلام قبول نہیں کرتا اور اگر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں تو یہ علم الٰہی میں پہلے ہی ہوتا ہے۔

الغین: غین اس پردہ کو کہتے ہیں جو بذریعہ استغفار زائل ہو جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں خفیف اور غلیظ، حجاب غلیظ غافل اور کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے اور خفیف حجاب سب کے لئے خواہ ولی ہوں یا نبی جس کی طرف اشارۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ (بخاری، ابن ماجہ) کبھی کبھی میرے دل پر ایک خفیف سا پردہ چھانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سابق عہدِ رسالت کے وہ مخلصین ہیں جن کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنّت کی بشارت دی اور مقتصد وہ اصحاب ہیں جو آپ کے طریقہ پر عامل رہے اور ظالم لنفسہ ہم تم جیسے لوگ ہیں یہ کمالِ انکسار تھا۔ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کہ اپنے آپ کو اس تیسرے طبقہ میں شمار فرمایا باوجود اس جلالتِ منزلت و رفعتِ درجت کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی اور بھی اس کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں جو تفاسیر میں مفصلاً مذکور ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان)

شرح (46): كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

ترجمہ کنز الایمان: ۔ کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

(پ ۳۰، المطففین: ۱۴)

لگتا ہے تو میں اس کی مدافعت کے لئے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[47] چنانچہ خفیف پردہ کے لئے صرف رجوع الی اللہ کافی ہے اور حجاب غلیظ کے لئے توبہ شرط ہے توبہ کے معنی گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا ہیں اور رجوع کا مطلب اپنے ارادہ وہ اختیار سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا ہے۔ نیز توبہ جرم سے کی جاتی ہے اور جرم عام بندوں کا خدا کی نافرمانی ہے اور خاص بندوں یعنی اولیاء کا اپنے آپ کو سمجھنا یا دیکھنا ہے۔ جو جرم سے توبہ کرتا ہے اسے تائب کہتے ہیں، جو غیروں سے الگ ہو کر خدا کی طرف لوٹے اسے انابت کہتے ہیں اور جو اپنے وجود سے بھی بے نیاز ہو کر راضی برضا ہو جائے اسے اواب کہتے ہیں۔ اس سلسلہ کی مفصل تشریح توبہ کے بیان میں کر دی گئی ہے۔

التلبیس: کسی چیز کو اصلیت وحقیقت کے برعکس دکھا کر وہم میں مبتلا کرنا جیسا کہ بیان باری تعالی ہے:

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُونَ[48] (الانعام:۹) (جو کچھ وہ حق و باطل میں ملا کر معاملہ کو پیچیدہ کرتے ہیں تو ہم نے بھی انہیں شبہ میں ڈال دیا) یہ صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ کافر پر انعام کر کے مومن ظاہر کرتا ہے اور مومن کو نعمت سے مالا مال کر کے اسے کفر کرنے کا موقع دیتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی شخص عمدہ عادتوں کو بری صفات سے تبدیل کر کے حقیقت کو چھپاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ تلبیس کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور معنیٰ میں یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوتی۔ نفاق وریا اگرچہ بظاہر تلبیس معلوم ہوتے ہیں مگر ہیں نہیں کیونکہ تلبیس صرف حق تعالیٰ کے کسی فعل پر بولا جا سکتا ہے۔

الشرب: عبادت وطاعت کی مٹھاس، عظمت وبزرگی کا مزہ اور انس ومحبت کی خوشی کا نام شرب ہے۔ لذت شرب کے بغیر انسان کوئی کام نہیں کر سکتا جس طرح جسم کے لئے پانی اور غذا میں اور روح کے لئے

شرح (47): (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ، رقم ۲۷۰۲، ص ۱۴۴۹) (مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۲۰۸، کتاب الادعیۃ) (مُسند اِمام اَحمد بن حَنبل ج9 ص 95 حدیث 23400)

شرح (48): وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُونَ ٥

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں (پ ۷، الانعام:۹)

ذکر وعبادت میں لذت ہے مگر یہ دونوں اسی وقت کام کرتے ہیں جب انہیں لذت حاصل ہوتی ہے۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید اور عارف بغیر شرب کے معرفت اور ارادت سے بیگانہ ہوتے ہیں کیونکہ مرید کے لئے شرب ولذت حاصل ہونے سے ارادت اور طلب حق کی راہ ہموار ہوتی ہے اور عارف کو بھی خدا کی معرفت کی لذت حاصل ہوتو وہ آرام وسکون محسوس کرے گا جو مزید ترقی کا سبب ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

الذوق: ذوق بھی شرب کی طرح ہے البتہ شرب صرف آرام وراحت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ذوق رنج وراحت دونوں صورتوں میں مستعمل ہے چنانچہ ایک عارف نے کہا ہے کہ **ذقت الحلاوۃ وذقت البلاء وذقت الراحۃ** (میں نے حلاوت ومصیبت اور آرام کا مزہ چکھا) یہ درست جملے ہیں بعد میں شرب کے متعلق کہتے ہیں کہ شربت "**بکاس الوصل او بکاس الود**" (میں نے وصل یا محبت کا پیالہ پیا) اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ بقول خدا: **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا**(49) (الطور:۱۹) یعنی مزے سے کھاؤ اور پیؤ اور جب ذوق کو استعمال کیا تو **ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ** (50) (الدخان:۴۹) فرمایا یعنی اے معزز ومکرم آپ چکھ لیں دوسری جگہ فرمایا کہ **ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ** (51) (القمر:۴۸) یعنی دوزخ کی آگ لگنے کا مزہ چکھو۔

صوفیاء واہل طریقت کے ہاں جو اصطلاحات رائج ہیں ان کا مختصراً تذکرہ کر دیا ہے اگر تفصیل کی جاتی تو یہ کتاب طویل ہو جاتی۔ واللہ اعلم!

☆☆☆☆☆

شرح (49): كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ کھاؤ اور پیو خوشگواری سے صلہ اپنے اعمال کا۔ (پ۲۷، الطور:۱۹)

شرح (50): ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ چکھ ہاں ہاں تو ہی بڑا عزّت والا کرم والا ہے۔ (پ۲۵، الدخان:۴۹)

شرح (51): ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ چکھو دوزخ کی آنچ (پ۲۷، القمر:۴۸)

باب: 27

گیارہواں کشف: حجاب

بسلسلہ سماع اور اس کے اقسام وانواع

ثبوت سماع: اے عزیز! خدا آپ کو سعادت مند بنائے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ علم حاصل کرنے کے پانچ ذرائع ہیں جنہیں حواس خمسہ کہا جاتا ہے سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا، چھونا، انسان ہر قسم کا علم ان میں سے کسی ایک ذریعہ سے حاصل کر لیتا ہے مثلاً آوازوں کا علم قوت سماعت سے ہوتا ہے، دیکھنے کی صلاحیت آنکھ میں ہے، میٹھے کڑوے کا فرق زبان سے ہوتا ہے، اچھی بری بو کا پتہ ناک سے لگتا ہے اور کسی چیز کی سختی و نرمی، گرمی وسردی وغیرہ قوتِ حس یالمس یعنی چھونے سے معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے قوتِ حس یالمس پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے اور باقی حواس یا ذرائع خاص مقام سے متعلق ہیں کیونکہ انسان آنکھ کے بغیر دیکھ نہیں سکتا، کان کے علاوہ سن نہیں سکتا، زبان اور تالو کے سوا چکھ نہیں سکتا اور ناک نہ ہو تو سونگھ نہیں سکتا، کسی حد تک یہ کہنا جائز ہے کہ ہر ایک حس سارے جسم میں پھیلی ہوئی (جس طرح سانپ دیکھنے سے پورا جسم محتاط ہو جاتا ہے اور خوش الحانی سننے سے پورا جسم لطف اندوز ہوتا ہے) مگر معتزلہ کے نزدیک ہر ایک حس کا خاص مقام ہے تاہم قوتِ حس یالمس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ یہ پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس طرح ایک قوت پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے تو دوسری بھی اسی طرح سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہو سکتی ہیں جیسا کہ اشارۃً پہلے ذکر کر دیا گیا ہے مگر یہاں اس کی تفصیل مطلوب نہیں صرف تحقیق مقصود تھی۔ قوتِ سماعت کے علاوہ دیگر چار حواس یعنی نادراتِ عالم کو دیکھنا، خوشبو کو سونگھنا، عمدہ نعمتوں کو چکھنا اور نرم و گرم کو چھونا، عقل کے لئے رہنما بن سکتے ہیں اور یہ رہنمائی خدا کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ ان حواس کی بدولت عقل نے یہ معلوم کیا کہ مشاہدہ کرنے سے یہ عالم حادث معلوم ہوتا ہے خالق کائنات پر قدیم اور لامتناہی ہے جبکہ عالم حادث اور متناہی ہے نیز خالق پوری کائنات پر قادر ہے اور سب کائنات سے زیادہ طاقتور ہے وہ جسم وجان بنانے والا ہے مگر کائنات کی مثل جسم وجان رکھنے والا نہیں۔ چنانچہ ہر سو اس کی قدرت جاری

ہے جو چاہے سو کرے، وہی ہے جس نے رسولوں کو صحیح اور سچی ہدایت دے کر کائنات کی رہنمائی کے لئے بھیجا۔ مگر ان رسولوں پر ایمان لانا اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو اور رسول سے شرع و دین سے متعلق باتوں کو سن نہ لے کہ کون کون سی بات واجب (فرض) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک سننا دیکھنے سے زیادہ قابل ترجیح اور فضیلت والا ہے۔ اگر کوئی سطح بین یہ کہے کہ سننا تو صرف خبر کی حد تک ہے جبکہ دیکھنا دیدار اور نظارہ کا سبب ہے۔ (اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ) دیدار الٰہی کلامِ الٰہی سننے سے افضل ہے لہٰذا قوت بصارت کو سماعت پر افضل مانا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ سن کر ہی تو معلوم ہوا کہ جنت میں دیدارِ خدا نصیب ہوگا اور عقل کے ذریعہ دیدار کے جائز ہونے میں جو حجاب واقع ہوتا ہے وہ بھی قوت سماعت کو استعمال کرنے سے دور ہو جاتا کیونکہ عقل نے رسول کی خبر سننے سے تسلیم کر لیا کہ دیدار نصیب ہوگا (ورنہ ظاہری طور پر کوئی دلیل نہیں) اور آنکھوں سے حجاب دور ہو جائے گا تا کہ وہ خدا کو دیکھ لیں اس لحاظ سے سننا دیکھنے سے افضل ہے۔ علاوہ ازیں احکام شریعت کا انحصار بھی سننے پر ہے۔ کیونکہ سننا نہ ہو تو اثبات یا نفی نہیں ہو سکتی، انبیاء پیغامِ حق سناتے اور لوگ سن کر قبول کرتے اور ان کے فرمانبردار و جاں نثار بن جاتے، معجزہ دکھانے کے لئے بھی اس کی حقیقت بتائی جاتی ہے اور لوگ سن کر حقیقت دیکھنے کی تمنا کرتے۔ ان دلائل کے باوجود اگر کوئی سننے یعنی سماع کی فضیلت سے انکار کرتا ہے تو اسرارِ شریعت اور حقائق کا انکار کرتا ہے اور سماع کے معاملہ میں وہ عمداً غفلت برتتا ہے اور اس کی حقیقت پوشیدہ رکھتا ہے۔ اب میں سماع کے متعلق احکام و امور کو بیان کرتا ہوں۔

قرآن مجید کا سننا اور اس کے متعلقات

تمام سنی جانے والی باتوں سے زیادہ اہم، دل کے لئے مفید، ظاہر و باطن کے لئے باعثِ ترقی اور کانوں کے لئے لذیذ کلامِ الٰہی ہے، سب ایمانداروں کو اس کے سننے کا حکم دیا گیا اور جنوں، انسانوں کو بشمول کفار کلام الٰہی سننے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ طبیعت اس کے سننے اور پڑھنے سے بے چین نہیں ہوتی کیونکہ اس میں بہت زیادہ رقت موجود ہے حتیٰ کہ کفارِ قریش رات کو چھپ کر حضور اکرم ﷺ کی نماز میں قرأت و تلاوت شوق سے سنتے تھے اور قرآن کی لطافت و رقت پر حیران ہوتے تھے جن میں سے مشہور کفار یہ ہیں نضر بن حارث جو سب سے زیادہ فصیح تھا، عقبہ بن ربیع جو بلاغت کا جادو رکھتا تھا اور ابوجہل بن ہشام جو خطابت اور دلائل میں مانا ہوا شخص تھا ان کے علاوہ اور

بھی بہت سے لوگ ہیں۔ (1)

ایک رات حضور علیہ السلام کی تلاوت سن کر عتبہ بے ہوش ہو گیا اور بعد میں ابوجہل کو بتایا کہ یہ انسانی کلام معلوم نہیں ہوتا انسانوں اور جنوں نے گروہ در گروہ ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا اور کہنے لگے کہ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (2) (الجن: ۱) ہم نے عجیب کلام پڑھتے ہوئے سنا (یہ جملہ انہوں نے واپس جا کر اپنے دوسرے جنوں کو سنایا) اس کی خبر بھی ہمیں قرآن نے دی اور بتایا کہ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ (الجن: ۲) ولن نشرك بربنا احدا (3) علیہم السلام" یعنی یہ قرآن راہ راست اور ہدایت کی رہنمائی کرتا ہے لہٰذا ہم (سنکر) اس پر ایمان لائے اور (آئندہ) ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چنانچہ قرآن کی نصیحت دوسری تمام نصیحتوں سے بہتر، اس کا ہر لفظ دوسرے تمام الفاظ سے واضح اس کا ہر حکم دوسرے احکامات سے لطیف، اس کا روکنا دوسری تمام رکاوٹوں سے زیادہ مناسب، اس کا وعدہ دیگر

شرح (1): چند شریر کفار

جو کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں بہت زیادہ سرگرم تھے۔ ان میں سے چند شریروں کے نام یہ ہیں۔ (۱) ابولہب (۲) ابوجہل (۳) اسود بن عبد یغوث (۴) حارث بن قیس بن عدی (۵) ولید بن مغیرہ (۶) امیہ بن خلف (۷) ابی بن خلف (۸) ابوقیس بن فاکہہ (۹) عاص بن وائل (۱۰) نضر بن حارث (۱۱) منبہ بن الحجاج (۱۲) زہیر بن ابی امیہ (۱۳) سائب بن صیفی (۱۴) عدی بن حمرا (۱۵) اسود بن عبدالاسد (۱۶) عاص بن سعید بن العاص (۱۷) عاص بن ہاشم (۱۸) عقبہ بن ابی معیط (۱۹) حکم بن ابی العاص۔ یہ سب کے سب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے اور ان میں سے اکثر بہت ہی مالدار اور صاحب اقتدار تھے اور دن رات سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

شرح (2): اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاۙ

ترجمہ کنز الایمان:۔ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا (پ ۲۹، الجن: ۱)

شرح (3): یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖؕ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًاۙ

ترجمہ کنز الایمان:۔ کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے۔ (پ ۲۹، الجن: ۲)

تمام وعدوں سے زیادہ دل کش، اس کی وعید (ڈانٹ) دوسری تمام وعیدوں سے زیادہ جامع اور جانگداز، اس کا ہر قصہ دوسرے تمام قصوں سے زیادہ مؤثر، اس کی مثالیں دوسری تمام مثالوں سے زیادہ سبق آموز جس کی وجہ سے ہزاروں جانیں اس پر قربان ہوئیں اور ہزاروں دل اس کے گرویدہ ہوئے۔ (اس کی عجیب خاصیت ہے) کہ دنیا کے عزت والوں کو ذلیل کرتا ہے اور دنیا ہی کے دھتکارے ہوئے ذلیلوں کو باعزت بناتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنی بہن اور اپنے بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر کو سن کر تلوار سونت کر سلسلہ اسلام کو ختم کرنے چلتے ہیں (4) مگر جب بہن کے گھر پہنچ کر کلامِ الٰہی

شرح (4): حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما شروع ہی میں مسلمان ہو گئے تھے مگر یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ڈر سے اپنا اسلام پوشیدہ رکھتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان دونوں کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو غصہ میں آگ بگولا ہو کر بہن کے گھر پہنچے کواڑ بند تھے مگر اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سن کر سب گھر والے ادھر ادھر چھپ گئے بہن نے دروازہ کھولا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلا کر بولے کہ اے اپنی جان کی دشمن! کیا تو نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے؟ پھر اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جھپٹے اور ان کی داڑھی پکڑ کر زمین پر پچھاڑ دیا اور مارنے لگے ان کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر کو بچانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑنے لگیں تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا طمانچہ مارا کہ کان کے جھومر ٹوٹ کر گر پڑے اور چہرہ خون سے رنگین ہو گیا بہن نے نہایت جرأت کے ساتھ صاف صاف کہہ دیا کہ عمر! سن لو تم سے جو ہو سکے کر لو مگر اب ہم اسلام سے کبھی ہرگز ہرگز نہیں پھر سکتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہن کا جو لہولہان چہرہ دیکھا اور ان کا جوش و جذبات میں بھرا ہوا جملہ سنا تو ایک دم ان کا دل نرم پڑ گیا تھوڑی دیر چپ کھڑے رہے پھر کہا کہ اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی دکھاؤ بہن نے قرآن شریف کے ورقوں کو سامنے رکھ دیا حضرت عمر نے سورۂ حدید کی چند آیتوں کو بغور پڑھا تو کانپنے لگے اور قرآن کی حقانیت کی تاثیر سے دل بے قابو ہو کر تھرا گیا جب اس آیت پر پہنچے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو پھر حضرت عمر ضبط نہ کر سکے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے بدن کی بوٹی بوٹی کانپ اٹھی اور زور زور سے پڑھنے لگے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پھر ایک دم اٹھے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے دامن رحمت سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے سورہ طٰہٰ کے اثر انگیز الفاظ طٰہٰ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى (5) (طٰہٰ:۱،۲) یعنی یہ قرآن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت و تکلیف میں پڑ جائیں یہ تو ڈرنے والوں کے لئے نصیحت اور یاد کرنے والوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے (6) اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ سنے تو آپ کی روح کو (کفر کی تاریکی میں) روشنی نظر آئی اور آپ کا دل قرآن کے لطیف حقائق سے مانوس ہو گیا، آپ صلح کے طریقے ڈھونڈنے لگے، لڑائی کا لباس اتار کر مخالفت سے موافقت کی طرف لوٹے اور اسلام قبول کر لیا (یہ صرف سننے، سماع کی برکت تھی) مشہور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ آیات پڑھی گئیں: اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيۡمًا ۝ (7)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چمٹ گئے اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور سب مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اس دن سے مسلمانوں کو خوف و ہراس سے کچھ سکون ملا اور حرم کعبہ میں علانیہ نماز پڑھنے کا موقع ملا ورنہ لوگ پہلے گھروں میں چھپ چھپ کر نماز و قرآن پڑھا کرتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء، فصل فی الاخبار المواردہ ماجاء فی اسلامہ، ص ۹۰)

شرح (5): طٰہٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو ہاں اس کو نصیحت جو ڈر رکھتا ہو۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۔۳)

شرح (6): شانِ نزول: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت میں بہت جہد فرماتے تھے اور تمام شب قیام میں گزارتے یہاں تک کہ قدم مبارک ورم کر آتے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بحکم الٰہی عرض کیا کہ اپنے نفسِ پاک کو کچھ راحت دیجئے اس کا بھی حق ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے کفر اور ان کے ایمان سے محروم رہنے پر بہت زیادہ متاسف و متحسر رہتے تھے اور خاطرِ مبارک پر اس سبب سے رنج و ملال رہا کرتا تھا اس آیت میں فرمایا گیا کہ آپ رنج و ملال کی کوفت نہ اٹھائیں قرآنِ پاک آپ کی مشقت کے لئے نازل نہیں کیا گیا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

شرح (7): اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيۡمًا ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب۔ (پ ۲۹، المزمل: ۱۲، ۱۳)

(المزمل: ۱۲، ۱۳) یعنی بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے اور گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ o مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ [8] (الطور: ۶، ۷) (بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے جسے ٹالنے والا نہیں) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے اور ایک ماہ تک بیمار رہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ o وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ [9] (الاعراف: ۴۱) (ان کفار کے لئے دوزخ کی آگ بطور بچھونا اور اوڑھنا ہوگی) تو وہ رونے لگ گئے اور اس قدر ساکت ہو گئے کہ ان کی موت کا اندیشہ ہوا، بعدہ آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ بیٹھ جائیے تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت کی ہیبت سے میں بیٹھ نہیں سکتا۔ جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ [10] (الصف: ۲) (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جس کے مطابق تم خود عمل نہیں کرتے) تو آپ نے فرمایا کہ اے خدا! اِنْ قُلْنَا، قُلْنَا بِكَ وَاِنْ فَعَلْنَا، فَعَلْنَا بِتَوْفِیْقِكَ فَاَیْنَ لَنَا الْقَوْلُ وَالْفِعْلُ (اگر ہم کچھ کہتے ہیں تو تیرے حکم سے کہتے ہیں اور اگر کوئی عمل کرتے ہیں تو تیری توفیق سے کرتے ہیں (ایسی صورت میں) ہمارا قول و فعل کہاں رہا؟) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ [11] (الکہف: ۲۴) (جب تو

شرح (8): اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ o مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ o

ترجمہ کنزالایمان: ۔ بیشک تیرے رب کا عذاب ضرور ہونا ہے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں

(پ ۲۷، الطور: ۶، ۷)

شرح (9): لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ o

ترجمہ کنزالایمان: ۔ انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا اور ظالموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ (پ ۸، الاعراف: ۴۱)

شرح (10): یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ o

ترجمہ کنزالایمان: ۔ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔ (پ ۲۸، الصف: ۲)

شرح (11): وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ۔

ترجمہ کنزالایمان: ۔ اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے۔ (پ ۱۵، الکہف: ۲۴)

غافل ہو جائے تو خدا کو یاد کیا کر) تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کی شرط بھول جانا ہے جبکہ سارا عالم اس کی یاد میں محو ہے (مگر انسان بھولا ہی رہتا ہے) یہ کہہ کر آپ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو کہا کہ اس دل پر تعجب ہے جو کلام الٰہی سن کر اپنی جگہ قائم رہے اور اس جان پر حیرانی ہے جو کلامِ خدا سن کر جسم سے نہ نکلے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کلامِ الٰہی میں سے یہ آیت پڑھی: **وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ**[12] (البقرہ:۲۸۱) (اس دن سے ڈرو جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تو ہاتف نے آواز دی کہ آہستہ پڑھو اس کی ہیبت سے چار جن فوت ہو گئے۔ ایک درویش نے بتایا کہ میں نے دس سال سے نماز میں پڑھنے کے علاوہ نہ تو قرآن خود پڑھا اور نہ دوسروں سے سنا، لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ اس اندیشہ سے کہ پڑھنے یا سننے سے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور حجت پوری ہو جائے گی۔ ایک دفعہ میں نے حضرت شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے پایا: **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ**[13] (النحل:۷۵) اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال دی ہے جو کسی دوسرے کا مملوک ہے اور بذاتِ خود کسی کام کرنے کا مختار نہیں) تلاوت کے ساتھ ساتھ آپ رو رہے تھے حتیٰ کہ میں نے انہیں فوت شدہ خیال کیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تقریباً گیارہ سال سے میں صرف یہاں تک تلاوت کرتا ہوں آگے نہیں پڑھ سکتا اور بڑھ سکتا۔ میں نے حضرت ابو العباس سے پوچھا کہ آپ روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آج سے چودہ سال پہلے تو ایک رات دن میں دو قرآن ختم کرتا تھا مگر بعد میں آج تک صرف سورۂ انفال تک پہنچا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت ابو العباس نے ایک قاری سے تلاوت کرنے کو کہا سو اس نے یہ آیت پڑھی: **یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ**[14] (یوسف:۸۸) (اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے

شرح (12): وَاتَّقُوا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے۔ (پ ۳، البقرہ:۲۸۱)

شرح (13): ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی ایک بندہ ہے دوسرے کی مِلک آپ کچھ مقدور نہیں رکھتا۔ (پ ۱۴، النحل:۷۵)

شرح (14): یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضٰعَةٍ مُّزْجٰىةٍ۔

ترجمہ کنز الایمان:۔ اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت پہنچی اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں۔ (پ ۱۳، یوسف:۸۸)

اہل وعیال کو فاقہ کی سخت تکلیف ہے اور ہمارے پاس سرمایہ بہت تھوڑا ہے) آپ نے فرمایا اور پڑھ تو قاری نے پڑھا: قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ [15] (یوسف:۷۷) (کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی) آپ نے پھر پڑھنے کا حکم دیا تو اس نے پڑھا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ [16] (یوسف:۹۲) (آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں خدا تمہیں معاف فرمائے) اس کے بعد حضرت ابوالعباس نے یوں دعا کی کہ اے خدا میں ظلم میں برادرانِ یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہوں اور تو لطف و کرم میں یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے، میرے ساتھ وہ سلوک کر جو حضرت علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں کے ساتھ کیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود متقی و گناہگار تمام مسلمان قرآن سننے کے لئے مکلف ہیں جیسا کہ حکم حق تعالیٰ ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [17] (الانفال: ۲۰۴) (جس وقت قرآن پڑھا جائے تو آپ اسے سنیں اور خاموش رہیں تا کہ تم پر رحمت حق کا نزول ہو) اس سے سماع قرآن کا بہر صورت حکم ہے خواہ قاری کسی طرح پڑھ رہا ہو۔ علاوہ ازیں فرمایا: فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ [18] (الزمر:۱۷،۱۸) (میرے ان بندوں کو خوش خبری دے

شرح (15): قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ بھائی بولے اگر یہ چوری کرے تو بیشک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔

(پ ۱۳، یوسف:۷۷)

شرح (16): لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے (پ ۱۳، یوسف:۹۲)

شرح (17): وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو

(پ ۹، الاعراف:۲۰۴)

شرح (18): فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔

(پ ۲۳، الزمر:۱۷،۱۸)

دیجئے جو قرآن سننے کے بعد اس بہتر کلام کی پیروی کرتے ہیں یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ نیز فرمایا: اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (19) (الانفال:۲) (کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف الٰہی سے کانپ اٹھتے ہیں) اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللہِ اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (20) (الرعد:۲۸) (ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل خدا کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جو اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں کہ اس کے برعکس ان لوگوں کی بدبختی کا ذکر بھی کیا جو قرآن سنتے ہیں مگر ان کے دل مطمئن نہیں ہوتے بلکہ فرمایا: خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (21) (البقرہ:۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر (بدبختی) لگا دی اور ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں یعنی کافروں کے تمام وہ ذرائع جن سے ہدایت حاصل ہو سکتی تھی بند کر دیئے گئے اور فرمایا کہ قیامت میں دوزخی کہیں گے کہ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (22) (الملک:۱۰) (اگر ہم حق کی بات کو سنتے یا اس کو سمجھتے تو ہم دوزخ میں گرفتار نہ ہوتے فرمایا: مِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ

شرح (19): اِذَا ذُکِرَ اللہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں۔ (پ ۹، الانفال:۲)

شرح (20): اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللہِ ؕ اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ (پ ۱۳، الرعد:۲۸)

شرح (21): خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ۫ ۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے۔ (پ ۱، البقرۃ:۷)

شرح (22): لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝

ترجمہ کنزالایمان:۔ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے (پ ۲۹، الملک:۱۰)

اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا[23] (الانعام:۲۵) (ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کی باتوں کو سنتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ اس کلام حق کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں پہرہ پن رکھ دیا ہے فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ[24] (الانفال:۲۱) (اوران لوگوں کی طرح نہ بنو جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں سنتے) ان کے علاوہ کتاب الٰہی میں بہت سی آیات ہیں جو سماع قرآن کی حقیقت کو واضح کرتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقَالَ اَنَا اَقْرَءُهٗ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْٓ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِيْ کہ تو مجھے کچھ پڑھ کر قرآن سنا، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں! حالانکہ یہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دوسروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔[25] یہ بات اس کا واضح ثبوت ہے کہ سننے والا قاری کی نسبت زیادہ کامل ہوتا ہے کیونکہ پڑھنے والا سوچ سمجھ کر یا بے سوچے سمجھے دونوں طرح پڑھتا ہے مگر سننے والا سوچ سمجھ کر سنتا ہے کیونکہ بولنے میں کسی حد تک تکبر پایا جاتا ہے اور سننے میں تواضع ظاہر ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس کے آخر میں یہ آیت ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ[26] (جس طرح آپ کو حکم دیا گیا اس پر ثابت قدم رہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان امرِ الٰہی پر قائم رہنے سے عاجز ہے کیونکہ

شرح (23): وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے انکے دلوں پر غلاف کر دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ۔ (پ ۷، الانعام:۲۵)

شرح (24): وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

ترجمہ کنز الایمان:۔ اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے (پ۹، الانفال:۲۱)

شرح (25): (صحیح مسلم حدیث ۲۱۱۹)

شرح (26): فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ

ترجمہ کنز الایمان:۔ تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے۔ (پ ۱۲، ھود:۱۱۲)

رہ توفیق حق کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا چنانچہ جب آپ کو استقامت کا حکم ملا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے ممکن وگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح بجالاؤں۔ دلی اضطراب کی وجہ سے آپ کمزور ہوگئے، رنج یں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ایک دن کھڑے ہونے کے لئے زمین پر ہاتھ ٹیک کر سہارا لیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت یہ کیا حال ہے؟ آپ تو ابھی جوان اور صحت مند ہیں، فرمایا سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کردیا[27] یعنی استقامت کے حکم سے میری ہمت کمزور ہوگئی۔[28]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں ضعفائے مہاجرین کی جماعت میں بیٹھا تھا جو پردہ پوشی کے لئے ایک دوسرے کے معاون تھے، قاری قرآن پڑھنے لگا اور رسول خدا اچانک ہمارے سروں پر آکھڑے ہوئے، قاری آپ کو دیکھ کر خاموش ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کے بعد پوچھا کہ تم کیا کررہے تھے ہم نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم قرآن سن رہے تھے آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کے لئے مجھے ہدایت کی گئی ہے۔ پھر آپ ہمارے درمیان گھل مل کر بیٹھ گئے آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے حلقہ باندھ کر بیٹھنے کا فرمایا جس کے بعد ہمارے اور رسول کے درمیان کوئی ظاہری امتیاز نہیں تھا گویا ہم سب مفلس مہاجرین تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے مفلس مہاجرو! قیامت میں تمہیں مکمل کامیابی کی خوشخبری ہے تم جنت میں اپنے دولت مند بھائیوں کی نسبت آدھ دن پہلے داخل ہوگے اور دن کی مقدار پانچ سو سال ہے[29] اگرچہ

شرح (27): (جامع ترمذی ص ۵۷۱، ابواب الشمائل)

شرح (28): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

یعنی جن سورتوں میں عذاب الہی کا ذکر ہے ان کے عذاب سے مجھے اپنی امت پر خوف ان کی فکر اس قدر ہے کہ اس فکر نے مجھے بوڑھا کردیا۔ ایک بزرگ نے خواب میں حضور کی زیارت کی یہ ہی حدیث پیش کی، فرمایا حدیث صحیح ہے، ہم نے یہ فرمایا ہے اس نے پوچھا کون سی آیت نے حضور کو بوڑھا کیا، فرمایا: فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ۔ (مرقات) امت کی استقامت بڑی مشکل چیز ہے جس کی فکر حضور کو ہے۔

(مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۷، ص ۲۰۰)

شرح (29): (جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء...... الحدیث: ۲۳۵۴-۲۳۵۳، ص ۱۸۸۸) (المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، الحدیث ۱۰۷۳۵ ج ۳، ص ۶۵۵)

اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں مگر مطلب و معنی میں کوئی فرق نہیں۔ (30)

روایت ہے کہ زرارہ ابن ابی اوفی جو جلیل القدر صحابی تھے ایک مرتبہ لوگوں کی امامت فرمارہے تھے، آپ نے ایک آیت پڑھی جس کی ہیبت سے آپ فوراً فوت ہو گئے حضرت صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ تابعی ابو جہی (ابو جبیر) کے سامنے ایک آیت کریمہ پڑھی جس کی جلالت سے آپ فوت ہو گئے۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ کے نواح میں ایک نیک صفت عورت کو نماز پڑھنے کے

شرح (30): مفسّرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں:

رکت اور لذت ایمانی کے لیے تلاوت قرآن بہترین مشغلہ ہے، اللہ نصیب کرے، اس سے انسان دنیا کے سارے غم بھول جاتا ہے یہ ہی تاثیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پڑھنے لکھنے اس کی شرح کرنے میں ہے فقیر کا تجربہ ہے۔

یعنی میری امت و صحابہ میں ایسے فقراء و مساکین پیدا کئے جو رب تعالیٰ پر متوکل قرآن کے حامل ہیں اور مجھے حکم دیا کہ محبوب تم ان ہی غریبوں میں رہو کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ الایہ۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی ان ہی مساکین کے سینوں میں رہتے ہیں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنا ہے تو ان سینوں میں تلاش کرو ان کے سینے رحمت کے گنجینے ہیں مدینے ہیں۔

یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں ہم میں اس طرح بیٹھ گئے کہ ہم سب قرب میں یکساں ہو گئے نہ اونچی نشست پر جلوہ فرما ہوئے نہ ہم سے علیحدہ ہم فقراء کے زمرے میں ہم مساکین کے حلقہ میں ایسے بیٹھ گئے جیسے تاروں کے درمیان چاند قربان اس حلقہ پر یہ حلقہ ملائکہ سے افضل تھا۔

یعنی قیامت کا دن ایک ہزار سال کا اس کا آدھا پانچ سو سال ہوگا مالداروں کو حساب دینے میں دیر لگے گی، مگر ان فقراء سے وہ لوگ مراد ہیں جو صابر متقی ہوں، اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ فقیر صابر، غنی شاکر سے افضل ہے، یہ گفتگو ایک درجہ کے فقراء و اغنیاء میں ہے، ورنہ غیر صحابی فقیر صحابی کے قدم کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا، یوں ہی خلفائے راشدین تک ان کے ماتحت حضرات نہیں پہنچ سکتے لہٰذا عثمان و زبیر ابن عوام وغیرہم بہت اونچی شان والے ہیں کہ یہ حضرات بے حساب جنتی ہیں نہ ان کا حساب ہوگا نہ انہیں دیر لگے گی۔ خیال رہے کہ قیامت کا دن ہے تو ایک ہزار سال کا، مگر کفار کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا اور بعض خاص مؤمنین کو چار رکعت نماز کی بقدر۔

(مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳، ص ۴۲۳)

بعد بطور تبرک سلام کیا تو اس نے قرآن پڑھنے اور سنانے کی فرمائش کی میں نے قرآنی آیت پڑھی تو وہ بے ہوش ہو کر رحلت کر گئیں۔ احمد بن ابی الجواری روایت فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جنگل میں کنوئیں کے کنارے کھڑے دیکھا قریب ہوا تو اس نے سماع کی خواہش کی تا کہ وہ بآسانی جان دے سکے تو میں نے الہام کی مدد سے یہ آیت پڑھی: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (31) (الاحقاف:۱۳) (بلاشبہ جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہا اور ثابت قدم رہے) اس نے کہا کہ احمد! خدا کی قسم آپ نے وہی آیت تلاوت کی جسے میرے سامنے اس وقت فرشتے تلاوت کر رہے تھے یہ کہہ کر وہ فوت ہو گیا۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایات و حکایات ہیں اگر ان کا ذکر کیا جائے تو کتاب ضخیم ہو جائے گی لہٰذا اب اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق!

شعر کا سماع اور متعلقات

معلوم ہونا چاہئے کہ شعر سننا مباح ہے (32) پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نے اشعار پڑھے اور سنے ہیں۔ (33) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً" (34) (ابن ماجہ) بلاشبہ بعض اشعار میں

شرح (31): اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقٰمُوْا۔

ترجمہ کنزالایمان:۔ بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے۔ (پ ۲۶، الاحقاف: ۱۳)

شرح (32): احادیث سے معلوم ہوا کہ اشعار اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، اگر اللہ و رسول (عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم) کی تعریف کے اشعار ہوں یا ان میں حکمت کی باتیں ہوں اچھے اخلاق کی تعلیم ہو تو اچھے ہیں اور اگر لغو و باطل پر مشتمل ہوں تو برے ہیں اور چونکہ اکثر شعرا ایسے ہی بے تکی ہانکتے ہیں اس وجہ سے ان کی مذمت کی جاتی ہے۔

شرح (33): دربارِ نبوت کے شعراء

یوں تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں قصائد لکھنے کی سعادت سے سرفراز ہوئے مگر دربارِ نبوی کے مخصوص شعراء کرام تین ہیں جو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ کفار کے شاعرانہ حملوں کا اپنے قصائد کے ذریعہ دندان شکن جواب بھی دیا کرتے تھے۔

(۱) حضرت کعب بن مالک انصاری سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے معتوب ہوئے مگر پھر ان کی توبہ کی مقبولیت قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکمت ہے۔[35] نیز فرمایا: اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَا حَقُّ بِھَا[36] (ابن ماجہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ مومن اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا رہتا ہے اور تمہارے اشعار گویا کفار کے حق میں تیروں کی مار کے برابر ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت کے دور میں ان کی وفات ہوئی۔

(المواہب اللدنیۃ وشرح الزرقانی، باب فی مؤذنیہ وخطبائہ...الخ، ج۵، ص۷۵)

(۲) حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو سید الشعراء کا لقب عطا فرمایا تھا۔ یہ جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (المواہب اللدنیۃ وشرح الزرقانی، باب فی مؤذنیہ وخطبائہ...الخ، ج۵، ص۷۵)

(۳) حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن عمرو انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دربار رسالت کے شعراء کرام میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی یا اللہ! حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرما۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ میری طرف سے کفار مکہ کو اپنے اشعار کے ذریعہ جواب دیتے رہتے ہیں اس وقت تک حضرت جبریل علیہ السلام ان کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۵۴ھ میں وفات پائی۔ ساٹھ برس کی عمر زمانہ جاہلیت میں گزاری اور ساٹھ برس کی عمر خدمت اسلام میں صرف کی۔ یہ ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ ان کی اور ان کے والد ثابت اور ان کے دادا منذر اور نگر دادا حرام سب کی عمریں ایک سو بیس برس کی ہوئیں۔ (المواہب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب فی مؤذنیہ وخطبائہ...الخ، ج۵، ص۷۶، ۷۷)

شرح (34): (صحیح ابن ماجہ - الصفحہ أو الرقم: 3038)

شرح (35): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:

یہاں غالباً شعر سے مراد کلام منظوم ہے یعنی ہر شعر برا نہیں بعض شعر میں علم و حکمت حمد و نعت و منقبت بھی ہوتی ہے اب تو بعض علوم اشعار میں بھر دیئے گئے ہیں، صرف و نحو، فقہ، حدیث کی اصطلاحیں اشعار میں لکھ دی گئی ہیں۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،، ج۶، ص۴۲۰)

شرح (36): (سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، رقم ۲۶۹۶، ج۴، ص۳۱۴)

یعنی حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے جہاں ملے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے (کہ حاصل کر لے)۔[37]
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اصدق کلمة قالتها العرب قول لبید (سب سے زیادہ سچا کلام جو اہلِ عرب نے کہا وہ لبید شاعر کا ہے)[38] جس نے کہا کہ:

الا کل شئ ما خلا الله باطل
وکل نعیم لا محالة زائل

سنو! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور ہر ایک نعمت ضرور زوال پذیر ہے۔[39] عمر بن الشرید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے شعر پڑھنے کا فرمایا اور پوچھا کہ کیا تجھے امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ اور اگر ہیں تو ہمیں سناؤ، میں نے ایک سو اشعار

شرح (37): نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکمت کو گمشدہ شے سے تشبیہ دینے سے مراد یہ ہے کہ مومن ہمیشہ علم کو تلاش کرتا رہتا ہے جیسا کہ اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اسے تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے پالیتا ہے۔ اس بات کا ایک دوسرا معنی یہ ہے کہ جسکی چیز گم ہو جائے وہ اسے تلاش کرتا رہتا ہے اگر اسے وہ شے کسی بچے کے پاس بھی ملے تو بھی اسے لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا، اسی طرح طالب العلم کو بھی چاہیے کہ وہ حصولِ علم میں کوئی عار محسوس نہ کرے۔ جبکہ اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی گمشدہ چیز موجود ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ اسے اس کے مالک سے چھپائے کیونکہ وہی اس کا حقدار ہے لہٰذا عالم کو چاہیے کہ وہ اپنا علم طالب العلم پر خرچ کرے اور اس میں کنجوسی نہ کرے۔

شرح (38): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنان فرماتے ہیں:
لبید ابن ربیعہ عامری عرب کے مشہور شاعر ہیں، یہ اپنی قوم بنی جعفر ابن کلاب کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضور کے بعد کوفہ میں رہے ۴۱ھ اکتالیس ہجری میں وفات پائی ایک سو چالیس یا ایک سو چھتر سال عمر ہوئی، کوفہ میں ہی مزار ہے، اسلام لا کر کوئی شعر نہ کہا، فرماتے تھے کہ اب مجھے قرآن کریم کی فصاحت کافی ہے یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے اشعار بارگاہ رسالت میں شرف قبول پا گئے تو خود بھی مقبول ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ (مرقات) (مرآۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۶، ص ۴۲۲)

شرح (39): (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب باب ما یجوز من الشعر والرجز، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۰۸)

سنائے۔ جب میں ایک شعر ختم کرتا تو آپ فرماتے کچھ اور سناؤ۔ آپ نے فرمایا کہ امیہ اپنے اشعار میں تو اسلام کو تسلیم کرتا ہے۔ [40] اس کے علاوہ بہت سی روایت ہیں۔ [41]

کچھ لوگ اشعار سننے کو حرام کہتے ہیں [42] اور رات دن غیبت میں مصروف رہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ

شرح (40): (صحیح مسلم حدیث ۱۵۰۶)

شرح (41): مفسرِ شہیر، حکیم الامت، مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان فرماتے ہیں:

امیہ ابن الصلت قبیلہ بنی ثقیف کا ایک شاعر تھا جس نے اسلام کا شروع زمانہ اور حضور کی ابتدائی تبلیغ پائی مگر نہ ایمان لایا نہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنے دین تارک الدنیا اور توحیدی تھا، اس کے اشعار توحید والے حضور انور نے سنے فرمایا کہ یہ ایمان کے قریب تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے دل میں کفر تھا مگر زبان پر ایمان تھا۔ (مرقات) (مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ٦، ص ٦٢٣)

شرح (42): **شعر کا لغوی معنیٰ:**

الشعر فی اللغۃ: العلم یعنی شعر کا لغوی معنیٰ علم ہے۔

شعر کا اصطلاحی معنیٰ:

کَلَامٌ مُقَفًّی مَوْزُوْنٌ عَلٰی سَبِیْلِ الْقَصْدِ یعنی وہ کلام جسے قصداً موزون و مقفّٰی بنایا گیا ہو۔

طبقات شعراء:

شعراء عرب کے چار طبقات بیان کئے جاتے ہیں:

1۔ جاہلین: وہ شعراء جنہوں نے زمانہ اسلام پایا ہی نہیں یا پایا مگر اسلام کے بارے میں کوئی قابل ذکر بات نہیں کی۔ جیسے امرؤالقیس، زہیر اور امیہ بن ابی الصلت۔

2۔ مخضر مین: وہ شعراء جو اپنے اشعار کی وجہ سے زمانہ اسلام اور زمانہ جاہلیت دونوں میں مشہور ہوئے۔ جیسے حسان بن ثابت اور خنساء۔

3۔ اسلامیین: وہ شعراء جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے۔ جیسے اموی دور کے شعراء۔

4۔ مولّدین: وہ شعراء جن کی زبان میں فطری طور پر شاعری کا ملکہ نہیں تھا لیکن محنت اور جستجو کے ذریعے حصول کی کوشش کی۔ (تاریخ الادب العربی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال کہتے ہیں اور رات دن غزل میں حسن صورت اور زلف کی تعریف میں لگے رہتے ہیں اور سنتے رہتے ہیں دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف دلائل دیتے ہیں مگر میرا مقصد ان میں سے نہ کسی کی تردید ہے اور نہ کسی کی تائید۔ لہٰذا میں نے اتنے پر اکتفا کیا۔

مشائخ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فرمان رسول سے استفادہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَلَامٌ حَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ [43] (شعر ایک ایسا کلام ہے کہ جس کا اچھا (حصہ) اچھا ہے اور برا (حصہ) برا ہے) جس بات کا سننا نثر میں حلال ہے مثلاً حکمت، نصائح، آیاتِ الٰہی میں استدلال اور حق کے دلائل میں غور کرنا وغیرہ وغیرہ تو اس کا نظم میں سننا بھی حلال اور جائز ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح فتنہ پھیلانے والے حسن پر نظر ڈالنا حرام ہے اسی طرح کی نظم ونثر کو بھی سننا حرام ہے اگر کوئی شخص سماع شعر کو مطلق حلال اور جائز سمجھتا ہے تو وہ کفر و بے دینی میں مبتلا ہے، اور جو شخص یہ کہے کہ میں حسن صورت میں حسن خدا کا جلوہ دیکھتا ہوں اور طلب حق کرتا ہوں کیونکہ آنکھ اور کان محل عبرت ہیں اور علم کا ذریعہ ہیں تو دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں چھوتا ہوں اور چھونے سے بھی عبرت ونصیحت حاصل ہوتی ہے ایسی صورت میں تو شریعت کا ظاہر بالکل باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ [44]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ادب عربی کی شرعی حیثیت:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ شعراء کے چھ طبقات: (1) جاھلین (2) مخضر مین (3) اسلامیین (4) مولدین (5) محدثین (6) متاخرین شمار کر کے فرماتے ہیں: والثلاثۃ الاول ھم ماھم فی البلاغۃ والجزالۃ، ومعرفۃ شعرھم روایۃ ودرایۃ عند فقہاء الاسلام فرض کفایۃ الخ یعنی پہلے تین طبقے بلاغت وخوش بیانی میں اعلیٰ درجے پر فائز ہیں اور فقہاء اسلام کے نزدیک ان کے اشعار کا روایۃً اور درایۃً جاننا فرض کفایہ ہے؛ کیونکہ ان سے وہ عربی قواعد ثابت ہوتے ہیں جن سے اُس کتاب اور سنت کو جانا جاتا ہے جن پر اُن احکام کی معرفت موقوف ہے جن سے حلال کو حرام سے ممتاز کیا جاتا ہے، اِن شعراء کے کلام کے معانی میں اگرچہ خطا ممکن ہے لیکن الفاظ اور حروف کی ترکیب میں خطا ممکن نہیں ہے۔ (ردالمحتار، المقدمہ، ج1 ص 136 دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

شرح (43): (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الحج، باب لایضیق علی واحد منہما الخ، دار الفکر بیروت ۵/ ۶۸)

شرح (44): (صحیح البخاری ج ۴ ص ۱۶۹ حدیث ۶۲۴۳)

یعنی دونوں آنکھیں (غیر محرم کو دیکھنے سے) زنا کرتی ہیں چنانچہ دیکھنے، چھونے سے شرعی حکم ساقط ہو جائے گا اور یہ ظاہر گمراہی ہے جاہل لوگوں نے صوفیا کو سماع کرتے دیکھا تو یہ سمجھا کہ یہ خواہش سے سماع کرتے ہیں حالانکہ وہ بے اختیار سماع کرتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ سماع حلال ہے اور اگر حلال نہ ہوتا تو یہ صوفی لوگ سماع نہ کرتے۔ چنانچہ جہلا نے ظاہر کو اختیار کر کے باطن اور اصل کو چھوڑ دیا (جو دراصل اصلاحِ نفس کا مقصد تھا) حتیٰ کہ خود بھی ہلاک ہوئے اور اپنے متبعین کے ایک پورے گروہ کو بھی برباد کر دیا۔ حالانکہ یہ زمانہ کی بہت بڑی آفت ہے۔ اپنی جگہ پر اس کی مفصل تشریح بیان کی جائے گی۔

خوش الحانی اور ترنم کا سماع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زَيِّنُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ[45] (دارمی) (قرآن پڑھنے میں اپنی آوازوں کو سنوارو) خدا تعالیٰ فرماتا ہے: يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ[46] (فاطر:۱) (وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے)[47] مفسرین کے مطابق اس سے مراد بہتر آواز اور ترنم ہے نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کی آواز سننا چاہے وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی آواز سنے۔[48]

شرح (45): (صحیح الجامع الصغیر، ح:۳۵۸۱)

شرح (46): يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ

ترجمہ کنز الایمان:۔ بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے (پ ۲۲، فاطر:۱)

شرح (47): مفسرین نے اس سے مراد اچھی آواز لی ہے۔ شہنشاہِ خوش خصال، پیکرِ حُسن و جمال، دافعِ رنج و ملال، صاحبِ جُود و نوال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا:

لَقَدْ اُوْتِیَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِیْرِ آلِ دَاوٗدَ ترجمہ: انہیں حضرت سیِّدُنا داود علیہ السلام کے نغمات میں سے ایک نغمہ دیا گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراءۃ للقرآن، الحدیث ۵۰۴۸، ص ۴۳۷)

شرح (48): لحن داؤدی

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز اور لہجہ میں اتنی زبردست کشش تھی کہ اس کو کرامت کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے: ذَكِّرْنَا رَبَّنَا يَا اَبَا مُوْسٰى (اے ابو موسیٰ! ہم کو اپنے رب کی یاد دلاؤ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ادیث میں ہے کہ بہشت میں جنتیوں کو بھی سماع حاصل ہوگا۔ جس کا ذریعہ مختلف درختوں سے مختلف سریلی
وازیں ہیں جو جنت میں نکلیں گی۔ مختلف آوازوں کے سامنے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے طبیعت کو اس سے
رت حاصل ہوتی ہے اس قسم کا سماع حیوانوں اور انسانوں میں عام ہے اس لئے کہ روح ایک لطیف چیز
ہے اور آواز میں بھی ایک قسم کی لطافت ہے، جب ارواح ان آوازوں کو سنتی ہیں تو ہم جنسوں کی طرف مائل
ہوجاتی ہیں یہ دراصل اطبا کا قول ہے۔

اہل علم محقق بھی بہت سے دعوے کرتے ہیں اور انہوں نے سریلی آوازوں کو باہم ملانے کے لئے
کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور الحان وترنم کو بڑی اہمیت دی ہے ان کے نظریات کی ترجمانی آج مزامیر سے
بھی ہوتی ہے جو خواہش نفس اور بیہودگی کے لئے تیار کئے گئے ہیں (49) جن سے شیطان کی پیروی ہوتی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف پڑھنے لگتے ان کی قرأت سن
کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ایسی نوری تجلی پیدا ہوجاتی کہ انہیں دنیا سے دوری اور اپنے رب کی
حضوری نصیب ہوجاتی تھی۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل الصحابۃ، الحدیث: ۷۵۴۷ ۳، ج ۷، الجزء ۱۳، ص ۲۶۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ
اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت سنی تو ارشاد فرمایا کہ حضرت داود علیہ الصلوۃ والسلام کی سی خوش الحانی اس شخص کو
خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل الصحابۃ، الحدیث: ۷۵۵۰ ۳، ج ۷، الجزء ۱۳، ص ۲۶۰)

شرح (49): صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی اپنی شہرہ آفاق کتاب بہار
شریعت، حصہ ۱۶ ص ۱۵۴ پر نقل فرماتے ہیں: متصوفہ زمانہ کہ مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے ہیں اور کبھی اچھلتے کودتے
ہیں اور ناچنے لگتے ہیں، اس قسم کا گانا بجانا ناجائز ہے، ایسی محفل میں جانا اور وہاں بیٹھنا ناجائز ہے۔ مشائخ سے
اس قسم کے گانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ جو چیز مشائخ سے ثابت ہے وہ فقط یہ ہے کہ اگر کبھی کسی نے ان کے سامنے
کوئی ایسا شعر پڑھ دیا جو ان کے حال وکیف کے موافق ہے تو ان پر کیف ورقت طاری ہوگئی اور بے خود ہوکر
کھڑے ہوگئے اور اس حالِ وارفتگی میں ان سے حرکاتِ غیر اختیاریہ صادر ہوئے، اس میں کوئی حرج نہیں۔
مشائخ وبزرگانِ دین کے احوال اور ان متصوفہ کے حال وقال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن اسحاق موصلی ایک باغ میں گا رہے تھے اور ایک بلبل بھی نغمہ سرائی کر رہا تھا وہ اسحاق کی خوش الحانی سن کر خاموش ہو گیا اور آخر کار گر کر مر گیا۔ اس قسم کی حکایات بہت ہیں مگر مقصد صرف یہ ہے کہ خوش الحانی سے حیوانات اور انسان دونوں لذت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عربی سردار کے ہاں پہنچا تو ایک حبشی غلام کو بیڑیوں اور زنجیروں میں قید دیکھا جو خیمہ کے دروازے پر دھوپ میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے از راہِ شفقت سفارش کا ارادہ کیا، عرب کے دستور کے مطابق امیر مہمان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے تو جب کھانے کا وقت آیا میں نے امیر کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کر دیا جو عربوں کے نزدیک بہت نامناسب بات ہے کہ کوئی شخص مہمان ہوتے ہوئے کھانا نہ کھائے انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ جبکہ ہم سب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں میں نے جواب دیا کہ سب کچھ صحیح ہے مگر اس غلام کو میری خدمت کے لئے مقرر کر دیں۔ امیر نے کہا آپ پہلے اس کا جرم معلوم کر لیں پھر اسے چھڑائیں، تو میں نے پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ غلام حُدی خواں اور خوش الحان ہے میں نے اسے اونٹ دے کر اپنی زمین سے غلہ لانے کو کہا اس نے ان پر دوگنا بوجھ لاد دیا اور حدی خوانی سے ان کو مست کر کے دوڑاتا رہا حتیٰ کہ وہ پہنچنے پر ایک ایک دو دو کر کے سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ مجھے سخت حیرانی ہوئی، میں نے کہا کہ آپ کی شرافت کے پیش نظر یہ سب کچھ سچ مانتا ہوں مگر دلیل چاہیے اسی دوران اونٹ پانی پینے کے لئے کنوئیں پر لائے گئے امیر نے شتربانوں سے پوچھا کہ اونٹ کتنے دن کے پیاسے ہیں، جواب ملا تین دن سے، پھر اس نے غلام کو حدی خوانی کرنے کو کہا تو اونٹ پانی پینا بھول کر حدی سننے میں مست اور مگن ہو گئے اور پانی کو کسی اونٹ نے منہ نہ لگایا۔ یہاں تک کہ اچانک ایک ایک کر کے سب بھاگ گئے اور جنگل میں اس کے بعد امیر نے غلام کو زنجیروں سے رہا کر کے میرے سپرد کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہاں مزامیر کے ساتھ محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، جن میں فساق وفجار کا اجتماع ہوتا ہے، نااہلوں کا مجمع ہوتا ہے، گانے والوں میں اکثر بے شرع ہوتے ہیں، تالیاں بجاتے اور مزامیر کے ساتھ گاتے ہیں اور خوب اچھلتے، کودتے، تھرکتے ہیں، اس کا نام حال رکھتے ہیں۔ ان حرکات کو صوفیۂ کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے احوال سے کیا نسبت، یہاں سب اختیاری ہیں وہاں بے اختیاری تھیں۔

(بحوالہ الفتاوی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ، الباب السابع عشر فی الغناء، ج ۵، ص ۳۵۲)

یہ حقیقت ہے کہ اونٹ اور گدھا گانا سننے سے مست ہو جاتے ہیں۔ ملک خراسان میں تو شکار کا یہ طریقہ ہے کہ شکاری طشت بجا کر اور گا کر ہرن کو مست بنا دیتے ہیں اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہ جاتا ہے جسے بآسانی شکار کر لیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی کہیں کہیں یہی طریقہ ہے جس سے ہرن کی آنکھیں تک بند ہو جاتی ہیں اسی طرح چھوٹے بچوں کو لوری سے نیند آ جاتی ہے، طبیب ایسے بچوں کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ بڑا ہو کر عقل مند ہو گا۔

عجم کے ایک بادشاہ کی وفات پر اس کے دو سالہ بچہ کا معائنہ بھی حکیم بزرجمہر کی ہدایت کے مطابق خوش الحانی اور گانے سے کیا گیا جس کی وجہ سے وہ بچہ حرکت کرنے لگا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا تب بزرجمہر نے کہا کہ اس بچہ سے بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے۔

غرضکہ خوش الحانی اور سریلی آواز کی تاثیر عقل مندوں کے نزدیک اس قدر مسلم ہے جس کی دلیل کی ضرورت نہیں اس کے برعکس جو شخص سریلی آواز اور خوش الحانی کو بے کار سمجھتا ہے اور بے اثر جانتا ہے وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے اور نفاق اختیار کرتا ہے یا وہ حس ہی نہیں رکھتا جس سے وہ استفادہ کر سکے، وہ انسان اور صوفیوں کے طبقہ سے باہر ہے۔ جو گروہ اس سے روکتا ہے وہ حکم الٰہی کا پاس کرتا ہے۔ فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کھیل کود کے اسباب نہ ہوں اور سماع سے دل میں بدکاری کا خیال پیدا نہ ہو تو اس کا سننا مباح ہے جس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی تھی جو گا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی جب اس لونڈی کو ان کے آنے کا علم ہوا تو وہ خاموش ہو گئی اور بھاگ گئی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا حضرت عمر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ تبسم کیوں فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ایک لونڈی کچھ گا رہی تھی جب اس نے تمہاری آواز سنی تو بھاگ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب تک میں وہ بات نہ سن لوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے تھے تو میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لونڈی کو بلوایا تو وہ گانے لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے رہے۔ اس طرح بہت سے صحابہ سے ایسی ہی روایات ہیں شیخ عبدالرحمن سلمٰی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو اپنی کتاب ''السماع'' میں جمع کر دیا ہے اور ان کے جواز کا فیصلہ دیا ہے مگر مشائخ صوفیہ کی مراد سماع سے اباحت فقہی نہیں کہ جس پر عمل کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں بلکہ ان کی مراد اس

سے وہ اباحت ہے جس سے اعمال میں فوائد حاصل ہوں ویسے صرف مباح کا خیال کرنا اور پیروی کرنا عوام کالانعام کا کام ہے سمجھدار لوگوں کو ایسے کام کرنا چاہئیں جن سے فوائد دارین حاصل ہوں۔

ایک دفعہ مرو میں ائمہ اہل حدیث میں سے ایک مشہور امام نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کو مباح ثابت کرنے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے تو میں نے کہا کہ دین میں ایک بہت بڑی مصیبت پیدا ہوگئی کیونکہ اس طرح آپ نے ایک لہو ولعب کو جو تمام برائیوں کی جڑ ہے حلال کر دیا تو انہوں نے کہا اگر آپ اسے حلال نہیں سمجھتے تو خود سماع کیوں کرتے ہیں میں نے جواب دیا کہ اس کا حکم کئی وجوہ پر ہے ایک چیز پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر اس کی تاثیر دل میں بہتر اثر کرتی ہے تو یہ حلال ہے اور اگر حرام کی طرف مائل ہونے کا سبب ہے تو حرام ہے، اگر مباح اثر ہے تو سماع بھی مباح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کا ظاہری معاملہ فسق پر ہے اور باطنی طور پر اس کی تاثیر مختلف طریقوں پر ہے تو ایسی چیز پر کوئی ایک حکم لگانا محال اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم!

سماع کے احکام

اختلاف طبائع کے لحاظ سے احکام سماع بھی مختلف ہیں جس طرح کہ عزائم وارادے مختلف ہوتے ہیں ایسی صورت حال میں کسی ایک چیز پر ایک حکم لگانا ظلم ہے۔ (50)

شرح (50): میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں:

سماع کہ بے مزامیر ہو اور مسمع نہ عورت ہو نہ امرد، اور مسموع نہ فحش نہ باطل، اور سامع نہ فاسق ہو نہ شہوت پر، تو اس کے جواز میں شبہہ نہیں۔ قادریہ وچشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے، ورنہ سب کے نزدیک ناجائز، والتفصیل فی رسالتنا اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر (اس کی تفصیل ہمارے رسالے اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم! (فتاوٰی رضویہ ج ۲۴ ص ۱۳۴)

توجہ رہے یہاں غیر مقلدین مراد نہیں کیونکہ اہلحدیث کہلانے والے غیر مقلدین تو ابھی کچھ عرصہ پہلے پیدا ہوا ہے چوتھی صدی ہجری میں یہ خوارج کی شکل میں موجود تھے موجودہ شکل تو ابھی سو سال سے کچھ پہلے وجود میں آئے۔

محفل سماع کے سلسلے میں میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن کی فتاوٰی رضویہ جلد ۲۳۔ ۲۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

سماع کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک فقط معنی کو سننے والے، دوسرے جو آواز کو سنتے ہیں معانی سے کوئی مطلب نہیں رکھتے۔ ان دونوں طریقوں میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ سریلی آوازوں کا سننا غلبہ معنی کی وجہ سے ہوتا ہے جو فطرت انسانی میں داخل ہے۔ چنانچہ اگر معانی حق ہیں تو سماع بھی حق ہے اور معنی باطل ہے تو سماع بھی باطل ہے اس بناء پر جس شخص کی طبیعت میں فساد ہوتا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے وہ سب فساد بن جاتا ہے اور یہ سب معانی حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایات میں آتے ہیں کہ جب خدا نے ان کو خلیفہ کائنات بنایا تو خوش الحانی دی، آپ کے گلے کو ساز بنا دیا پہاڑوں کو آپ کی خوش الحانی کا ذریعہ بنا دیا حتیٰ کہ وحشی جانور، پرندے پہاڑوں اور جنگلوں کو آپ کی خوش الحانی کا ذریعہ بنا دیا حتیٰ کہ وحشی جانور، پرندے پہاڑوں اور جنگلوں سے آپ کی خوش الحانی سننے کے لئے جمع ہو جاتے، بہتے ہوئے پانی رک جاتے، اڑتے ہوئے پرندے گر پڑتے، آثار و روایات میں ہے کہ حضرت داؤد جس جنگل میں خوش الحانی کرتے وہاں کے جانور ایک ماہ تک کچھ نہ کھاتے پیتے، بچے نہ دودھ مانگتے اور نہ روتے اکثر لوگ لحن داؤدی کی لذت میں فوت ہو جاتے، حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق سات سو جوان لونڈیاں اور بارہ ہزار بڈھے مر گئے۔ حق تعالیٰ نے حقیقت پسند اور خواہش نفس سے سماع کرنے والوں میں امتیاز کر دیا جس سے ابلیس کا حربہ شروع ہو گیا اور وسوسہ کے ذریعہ بھکانے کا پروگرام بنایا۔ اس نے اپنے حربوں کو استعمال کرنے کی اجازت مانگی۔ تو اس مل گئی اس بنا پر اس نے بانسری اور طنبورے بنائے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بالمقابل محفلِ سماع قائم کی حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سننے والے دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے اہل سعادت حضرت داؤد کے ساتھ اور اہل شقاوت شیطان کے پیرو بن گئے۔ اہل معنیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی ظاہری آواز پر مائل نہ تھے بلکہ حقیقت پسند تھے کیونکہ وہ سب حق شناس اور حق بین تھے وہ شیطان کی محفل کو آزمائش اور مجلس داؤدی کو ذریعہ ہدایت جانتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے دونوں گروہوں کے اصل معاملات کو معلوم کر لیا صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط دیکھ کر کنارہ کش ہو گئے اور سب تعلقات سے منہ موڑ کر حق تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا۔ چنانچہ جس شخص کا حال سماع کے متعلق ایسا ہو وہ جو کچھ سنے حلال ہے۔

مدعیوں کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سماع حقیقت میں جو کچھ ہے وہ بظاہر برخلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ مشکل ہے کیونکہ ولایت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی اصل کے مطابق دیکھا جائے تا کہ مشاہدہ صحیح ہو اگر معاملہ اس کے برعکس ہو گا تو مشاہدہ مکمل نہ ہو گا۔ جبکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ کُلَّ الْاَشْیَاءِ کَمَاھِیَ اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی حقیقت ایسی ہی دکھا جس صفت پر وہ اصل میں ہیں۔ جب چیزوں کا مشاہدہ صحیح وہی ہے جو حقیقت اور اصل کو ظاہر کرے تو صحیح سماع کا معاملہ بھی اسی طرح ہونا چاہئے کہ سننا وہی مناسب ہوگا جو حقائق کو واضح کرے اور جو لوگ ظاہری آواز اور مزامیر پر خواہش نفس سے فریفتہ ہوتے ہیں وہ دراصل ظاہری آواز کو سنتے ہیں اصل مطلب کو نہیں سن سکتے۔ اگر وہ سماع کی حقیقت کے مطابق سنتے تو وہ سماع کی تمام خرابیوں سے نجات پا جاتے مگر اس کے برعکس نقصان میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح کہ گمراہ لوگوں نے قرآن کو سنا مگر ان کی گمراہی میں اضافہ صرف اسی وجہ سے ہوا کہ وہ حقیقتِ کلام کو نہ سمجھ سکے بلکہ صرف ظاہری الفاظ کو سن کر کہنے لگے کہ یہ تو پرانے قصے اور مثالیں ہیں جیسا کہ نضر بن حارث نے قرآن کو سن کر کہا: ھٰذَآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ [51] (الانعام: ۲۵) یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو کاتب وحی تھا اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللہُ فَتَبَارَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (المؤمنون: ۱۴) (میں بھی ایسا کلام اتاروں گا جیسا اللہ نے قرآن اتارا ہے۔) [52] پس وہ ذات بابرکات بہتر پیدا کرنے والا ہے ایک گروہ نے دیدارِ الٰہی کی نفی میں اس آیت کو دلیل بنا لیا: لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ [53] (الانعام: ۱۰۳) (اس ذات کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے) ایک گروہ نے مکان اور جہت ثابت کرنے کے لئے اس آیت سے استدلال کیا: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ [54] (الاعراف: ۵۴) (پھر عرش پر وہ

شرح (51): ھٰذَآ اِلَّآ اَسٰطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ٥

ترجمہ کنزالایمان: مگر اگلوں کی داستانیں۔ (پ ۷، الانعام: ۲۵)

شرح (52): یعنی معاذ اللہ اس کی مثل کلام

فَتَبٰرَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ٥

تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ (پ ۱۸، المؤمنون: ۱۴)

شرح (53): لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصٰرُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصٰرَ ۔

آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں۔ (پ ۷، الانعام: ۱۰۳)

شرح (54): ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

پھر عرش پر اِستِوَاء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (پ ۸، الاعراف: ۵۴)

اچھی طرح سے بیٹھ گیا) ایک گروہ نے اس آیت کو دیدارِ الٰہی کی دلیل بنالیا: وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا[55] (البلد: ۲۲) (اور آیا تیرا رب اور فرشتے صف در صف ہو کر) چونکہ ان کے دل محل گمراہی تھے لہٰذا کلام نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ جب موحد نے کسی شعر کو دیکھ کر اس کے کہنے والے کے خالق کو دیکھا اور اس کے باطن کو آراستہ کرنے والے کا مطالعہ کیا تو بطور عبرت اس کے فعل کو فاعل پر دلیل بنالیا۔ غرض یہ کہ اس گمراہ گروہ نے کلامِ حق سن کر بھی راہ حق نہ پایا اور گروہ صوفیا نے کلام باطل میں سماع کے ذریعہ راہ حق تلاش کر لی۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار کھلا ہوا مکابرہ ہے۔ واللہ اعلم!

سماع کے متعلق مشائخ کے اقوال[56]

سماع کے متعلق مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں مگر یہاں مختصراً لکھوں گا کیونکہ یہ کتاب ان سب کلمات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ انشاء اللہ ان سب سے آپ کو مکمل فائدہ ہوگا البتہ توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

شرح (55): وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ○

اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار۔ (پ ۳۰، الفجر: ۲۲)

شرح (56): محفل سماع کے سلسلے معاملے کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بارے میں کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی اس لئے بہتر یہ ہے کہ میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولٰینا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن کی فتاوٰی رضویہ جلد ۲۳۔ ۲۴ کا مطالعہ فرمایا جائے اور اس کو قول فیصل سمجھا جائے۔

یعنی میں ان تمام مذکورہ صفات کا جامع ہوں کیونکہ اللہ کا حبیب ہوں، میں خلیل بھی ہوں، کلیم بھی، مشرف بھی ہوں اس کے ساتھ حبیب بھی ہوں۔ (مرقات) خیال رہے کہ خلیل وحبیب میں چند طرح فرق ہے: (۱) خلیل بنا ہے خلت سے بمعنی حاجت، حبیب بنا ہے حب سے یعنی محبت بمعنی اسم فاعل بھی ہے اور اسم مفعول بھی یعنی محب و محبوب۔ خلیل وہ جو رب سے محبت کرے حاجت سے، حبیب وہ جو رب سے محبت کرے بغیر کسی حاجت کے یعنی طالب ذات ہو (۲) خلیل وہ جو مرید ہو طالب ہو، حبیب وہ جو مراد ہو، مطلوب ہو، مجذوب ہو (۳) خلیل وہ جو رب کی رضا چاہے، حبیب وہ کہ رب تعالیٰ اس کی رضا چاہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اور فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (۴) خلیل وہ جو رب کی مغفرت و رحمت کا امیدوار ہو، حضرت ابراہیم نے کہا تھا: اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِی، حبیب وہ کہ رب تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا یقین دلائے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ (۵) خلیل وہ جو اپنا ذکر خیر باقی رکھنے کی درخواست کرے وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع حق کا فیضان ہے جو دلوں کو حق کی طرف راغب کرتا ہے پس جس نے حقیقی معنوں میں سنا اس نے راہِ حق کو پالیا اور جس نے خواہش نفسی سے سنا وہ بے دین ہو گیا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ سماع وصل حق کا سبب ہو گا بلکہ سننے والے کو چاہئے کہ سماع طلب حق کے لئے کرے صرف آواز کی رنگینی کے لئے نہیں تا کہ اس کا دل فیضانِ حق کا محل بن جائے چنانچہ جب حق حاصل ہو گا اور جو نفس و خواہش کا تابع ہو گا وہ پردہ میں رہے گا اور تاویل سے تعلق پیدا کرے گا۔ سماع حق مکاشفہ الٰہی کا سبب ہے اور سماع نفس حجابِ حق کا ذریعہ۔ جو زندیقی کی طرف راغب کرتا ہے زندقہ فارسی زبان کا لفظ ہے جو معرب ہے فارسی میں اس کے معنی تاویل کرنے کے ہیں اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب کو ژندو پاژند کہتے ہیں جب لغت والوں نے آتش پرستوں کا نام رکھنا چاہا تو ''زندیق'' رکھ دیا کیونکہ زندیق یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ مسلمان کہتے ہیں اس کی تاویل ممکن ہے۔ تنزیل دیانت میں داخل کرتی ہے اور تاویل دیانت سے باہر نکالتی ہے۔ آج کل کے مصری شیعہ جو ان میں سے کچھ باقی ہیں وہی کہتے ہیں جو مجوسی کہتے تھے۔ چنانچہ زندیق کا نام ان کے لئے خاص ہو گیا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اہل تحقیق سماع میں تحقیق کرنے والے ہوتے ہیں اور اہل نفس تاویل کرنے والے اسی وجہ سے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت جو اہل اشارہ ہے اور اشارات کو پہچانتا ہے اس کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فِی الْاٰخِرِیْنَ، حبیب وہ جس کا ذکر رب تعالیٰ بلند کرے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ بلکہ اپنے نام کے ساتھ ان کا نام ملائے (۶) خلیل وہ جو رب سے جنت مانگے وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ، حبیب وہ جسے رب جنت دوزخ بلکہ عالم کثرت کا مالک بنا دے اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (مرقات) (۷) کلیم وہ جو رب سے کلام کرنے طور پر جائے، حبیب وہ جسے رب کلام کرنے کے لیے عرش پر بلائے (۸) خلیل وہ جو باہر کا دوست ہو، حبیب وہ جو درون سرا ہو۔ چنانچہ قیامت میں حضرت خلیل فرمائیں گے: کنت خلیلا من وراء ۔

تم ہو درون سرا تم پہ کروڑوں درود تم تو ہو مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست

(۹) کلیم وہ جو تجلی صفات کی جھلک کی تاب نہ لائے وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا، حبیب وہ جو عین ذات کبریا دیکھے اور مسکرائے ۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پر تو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

سماع عبرت حلال ہے ورنہ طلب فتنہ ہے اور مصیبت کا سامنا کرنا ہے یعنی جس کا دل پوری طرح قولِ حق میں محو نہیں اس کے لئے سماع محل آفت اور آزمائش ہے۔

ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سماع کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ لیتنا تخلصا منه راساً براس (کاش کہ ہم اس سماع میں تحقیق کرنے والے ہوتے ہیں اور اہل نفس تاویل کرنے سے قاصر ہے جب کسی چیز کا حق فوت پالیتے) اس لئے کہ آدمی ہر چیز کا حق کو دیکھتا ہے اور جب اپنی تقصیر کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ کاش ہم بالکل چھوٹ جاتے،

ایک بزرگ فرماتے ہیں: السماع تنبیه الاسرار لما فیه من المغیبات (بھیدوں کے پیدا کرنے کا نام سماع ہے جو دراصل باطن میں پوشیدہ ہیں تا کہ ان کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں اس لئے کہ اسرار کا پوشیدہ رکھنا مریدوں کے لئے سخت قابل ملامت ہے اور ان کے سب سے برے صفات میں سے ہے کیونکہ گو دوست بظاہر دوست سے غائب ہو مگر دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غیبت آگئی تو دوستی ختم ہو جاتی ہے۔

میرے شیخ نے فرمایا کہ السماع زادالمضطرین فمن وصل استغنی عن السماع (سماع عاجز لوگوں کا سفر خرچ ہے پس جو منزل پر پہنچ گئے انہیں سماع کی حاجت نہیں) کیونکہ وصل کی حالت میں سننے کا حکم باقی نہیں رہتا اس لئے کہ سننا خبر کا ہوتا ہے اور خبر غائب کے متعلق دی جاتی ہے جب آنکھوں سے مشاہدہ ہو گیا تو سننے کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تو اس سماع کو کیا کرے گا جو منقطع ہو جائے جب گانے والا رک جاتا ہے تو اس کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے چنانچہ مناسب یہ ہے کہ سماع متصل ہو جس کی تاثیر ختم نہیں ہوتی (یعنی ہر وقت ذکر حق کی آواز کانوں میں آتی رہے) اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمت مجتمع رہے منقطع نہ ہو کیونکہ بندہ جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو تمام عالم جمادات وحیوانات اس کا سماع کرنے والے ہو جاتے ہیں اور یہ درجہ بہت بڑا ہے۔ اللہ توفیق دینے والا ہے۔

سماع میں صوفیوں کا اختلاف

سماع کے متعلق مشائخ و محققین صوفیاء کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ سماع کو غیبت کا آلہ بتاتا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ مشاہدہ میں سماع محال ہے اور دوست کے دیدار کے وقت سننے سے بے نیازی ہو

جاتی ہے کیونکہ سماع خبر کا ہوتا ہے اور خبر مشاہدہ کی حالت میں دوری، حجاب اور مشغولی ہوتی ہے۔ پس سماع مبتدیوں کا آلہ ہوتا ہے تا کہ غفلت کی پراگندگیوں سے دل کو مجتمع کر سکیں اور جو پہلے سے مجتمع ہو وہ سماع کی وجہ سے پراگندہ ہو جاتا ہے۔ ایک گروہ سماع کو حاضری کا آلہ بتاتا ہے کیونکہ محبت کلی فنا اور محویت کو چاہتی ہے جب تک محب کا کل محبوب کے کل میں مستغرق نہ ہو جائے وہ محبت میں ناقص ہوتا ہے۔ پس جیسا کہ دل کا حصہ وصل کے مقام میں محبت ہے اور باطن کا مشاہدہ روح کا وصل اور جسم کی خدمت ہے اسی طرح ضروری ہے کہ کان کا بھی حصہ ہو جیسا کہ دیدار میں آنکھ کا حصہ ہے۔ کسی شاعر نے اپنے ہزلیہ اشعار میں بسلسلہ دوستی شراب کہا ہے کہ:

الافاسقنی خمرا وقل لی هی الخمر
ولا تسقنی سرا اذا امکن الجهر

"اے دوست مجھے شراب پلا اور مجھے کہہ دے کہ یہ شراب ہے اور مجھے شراب مخفی طور پر نہ پلا جبکہ ظاہر پلانا ممکن ہے۔"

یعنی اے دوست شراب اس صورت میں پلا کہ میری آنکھ دیکھ لے اور ہاتھ چھو لے، زبان چکھ لے، ناک سونگھ لے مگر اس وقت قوتِ سامعہ یعنی کان محروم رہے گا لہٰذا یہ کہہ دے کہ یہ شراب ہے تا کہ کان بھی اپنا حصہ پا لے۔ حتیٰ کہ میرے تمام حواس اس سے مل جائیں اور لذت گیر ہو جائیں۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ سماع حضوری کا آلہ ہے کیونکہ غائب، غائب ہوتا ہے اور منکر بھی انجان اس کا اہل نہیں ہوتا۔ سماع کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بالواسطہ، (۲) بلاواسطہ، جو کسی گویے سے سنا جاتا ہے وہ غیبت کا آلہ ہوتا ہے اور جو خدا کی طرف سنا جاتا ہے وہ حضوری کا آلہ کہلاتا ہے اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ مخلوق اس لائق نہیں کہ ان کی کوئی بات سنی جائے یا ان کی بات بیان کی جائے سوائے بزرگان اور خاص لوگوں کے کسی سے سماع نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم!

بسلسلہ سماع صوفیا کے مراتب

صوفیوں میں سے ہر ایک کا سماع کے معاملہ میں ایک خاص مقام و مرتبہ ہے جس کے ذریعہ وہ سماع سے لطف اندوز ہوتا ہے جیسا کہ توبہ کرنے والے کے لئے سماع، معاون توبہ ہوتا ہے اور اس سے ندامت حاصل ہوتی ہے، مشتاق دیدار کے لئے سبب دیدار، یقین کرنے والے کے لئے تاکید، مرید کے لئے تحقیق

کا ذریعہ، محب کے لئے تعلقات منقطع کرنے کا باعث اور فقیر کے لئے سماع ماسوٰی اللہ سے ناامیدی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ دراصل سماع مثل آفتاب ہے جو تمام چیزوں پر روشنی ڈالتا ہے مگر اس روشنی سے استفادہ ہر چیز اپنی اپنی صلاحیت واہلیت کے مطابق کرتی ہے۔ سورج کسی کو جلا دیتا ہے اور کسی کو جَلا دیتا ہے، کسی کو نوازتا ہے تو کسی کو بھسم کر دیتا ہے۔ سماع کے متعلق تین فرقے ہیں۔ (۱) مبتدی، (۲) متوسط درجہ اور (۳) تیسرے نمبر پر کامل ہیں ان میں سے ہر ایک کا مفصل تذکرہ کیا جائے گا تا کہ حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

سماع کے متعلق معاملات

معلوم ہونا چاہئے کہ سماع فیضانِ حق ہے اور انسانی جسم کی ساخت وترکیب متضاد عناصر سے ہوئی ہے اس وجہ سے مبتدی کی طبیعت شروع میں خدا کے معاملات میں نہیں لگتی مگر جب امور الٰہی اور اسرار ربانی کا سلسلہ جاری ہوتا ہے تو طبیعت کو سوز وگداز حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک جماعت سماع سے بے ہوش ہو جاتی ہے اور ایک جماعت ہلاک ہو جاتی ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں رہتا جو حدِ اعتدال سے نہ گزر جائے۔ یہ حقیقت ہے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ ملک روم میں لوگوں نے ''انکلیون'' نامی ایک عجیب چیز تیار کی ہے جسے یونانی عجائب وغرائب کے مجموعہ والی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ دراصل ایک باجہ ہے، جہاں ہفتہ میں دو دن بیماروں کو ان کی بیماری کے مطابق بجا کر سنایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو مارنا مقصود ہوتا ہے تو اسے اس جگہ پر زیادہ دیر ٹھہرایا جاتا ہے تا کہ وہ ساز سن کر ہلاک ہو جائے۔ اگرچہ موت کا وقت معین ہے مگر اس کے اسباب تو برحق ہیں اگرچہ اس باجہ کو طبیب سنتے ہیں مگر ان کو کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ان کی طبیعت کے بالکل موافق ہوتا اور مبتدیوں کے طبیعت کے مخالف ہے۔

میں نے ہندوستان میں ایک ایسا زہر دیکھا ہے جس میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کی غذا ہی وہ زہر ہے کیونکہ وہ ہمہ تن زہر ہی ہو جاتا ہے۔ ترکستان میں اسلامی سرحد پر واقع ایک شہر میں پہاڑ کو آگ لگ گئی اور وہاں سے نوشادر ابل رہا تھا اس آگ میں ایک چوہا تھا جو باہر نکلا تو فوراً مر گیا۔ ان مثالوں سے مراد یہ واضح کرنا ہے کہ مبتدیوں کی بے چینی فیضانِ الٰہی کے وارد ہونے کی صورت میں اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا جسم اس کے بالکل مخالف ہوتا ہے اور اس حالت کے متواتر قائم رہنے سے مبتدی کو سکون حاصل ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شروع میں اضطراب ہوا مگر

جب انتہاء پر پہنچ گئے تو جبرائیل علیہ السلام کے تاخیر کرنے پر آپ ﷺ غمگین ہو جاتے جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ یہ حکایات بسلسلہ سماع مبتدیوں کے لئے دلیل راہ ہیں اور منتہیوں کے لئے باعثِ آرام وسکون۔

مشہور ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو سماع میں کافی اضطراب ہوتا اور دوسرے مرید اسے سنبھالتے۔ جب اس چیز کی شکایت کی گئی تو آپ نے مرید سے فرمایا اگر آئندہ تو نے سماع میں بے قراری کا مظاہرہ کیا تو میں تجھے ہم نشیں نہیں ہونے دوں گا۔

ابو محمد حریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو میں نے سماع کی حالت میں دیکھا تو اس کے ہونٹ بند تھے اور ہر بال سے بے قراری کا چشمہ ابل رہا تھا ایک دن اس کے ہوش وحواس معطل تھے مگر حقیقت معلوم نہ ہو سکی کہ آیا وہ دورانِ سماع اچھی حالت میں تھا یا مرشد کی حرمت اس پر غالب تھی۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے سماع میں ایک نعرہ مارا تو مرشد نے کہا کہ خاموش رہ، اس نے سر اپنے زانوں پر رکھا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ شیخ ابو مسلم فارس بن غالب فارسی سے میں نے سنا ہے کہ ایک درویش دورانِ سماع بہت بے چین ہو جاتا تھا، کسی شخص نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھتے ہی فوت ہو گیا۔ حضرت دراج ابن القرطی کے ساتھ دجلہ کے کنارے بصرہ اور رملہ کے درمیان جا رہے تھے راستہ میں ایک محل کے نیچے پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص چھت پر بیٹھا ہوا سامنے لونڈی سے گانا سن رہا ہے لونڈی یہ شعر پڑھ رہی تھی:

فی سبیل اللہ ود کان منی لك یبذل
کل یوم تتلون غیر ھذا بك اجمل

"میں تو تجھ سے خدا کے لئے محبت کرتا تھا اور اس کے ساتھ تیرا ہر روز ایک نئے انداز اور رنگ میں بدلنا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے ایک جوان کو اس محل کے نیچے گدڑی اور لوٹا لئے کھڑا دیکھا اس نے کہا کہ اے لونڈی تجھے خدا کی قسم یہ شعر دوبارہ پڑھ کیونکہ میری زندگی صرف ایک سانس رہ گئی ہے اور اس کے سننے سے ختم ہو جائے گی۔ لونڈی نے جب دوبارہ پڑھا تو جوان نے نعرہ مارا اور مر گیا لونڈی کے مالک نے کہا تو آزاد ہے اور خود نیچے اتر کر جوان کے کفن دفن کی تیاری کرنے لگ گیا سب بصرہ والوں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس

کے بعد وہ آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ اے اہل بصرہ! میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے سب ملکیت راہِ خدا میں وقف کردی ہیں اور غلاموں کو آزاد کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا اور کسی کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس حکایت سے مطلب یہ ہے کہ مرید کا سماع کے وقت ایسا حال ہونا چاہئے کہ وہ بدکاروں کو بدکاری سے نجات دے جبکہ آج گمراہوں کا ایک گروہ بدکاروں کے سماع میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم حق کی وجہ سے سماع کرتے ہیں فاسق لوگ ان کے ہم خیال ہو جاتے ہیں اور سماع کے سلسلہ میں فسق و فجور میں زیادہ حریص بن جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ خود بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر ہم بطور عبرت گرجا میں چلے جائیں اور صرف کافروں کی ذلت کا مشاہدہ کریں اور اسلام کی نعمت پر شکر یہ کریں تو کیا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تم گرجا میں اس انداز میں جاؤ کہ جب باہر نکلو تو کچھ کافروں کو مسلمان بنا کر اپنے ساتھ لے آؤ تو جاؤ ورنہ نہیں۔ پس عبادت خانہ والا اگر شراب خانہ میں چلا جائے تو شراب خانہ بھی اس کا عبادت خانہ بن جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں ایک بزرگ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک گویے کی آواز سنی جو یہ گا رہا تھا:

منٰی ان تکن حقا تکن احسن المنی
ولا فقد عشنا بھا زمنا وغدا

"آرزو اگر حق ہے تو بہتر آرزو ہے ورنہ ہم نے اس آرزو میں ایک زمانہ بسر کر لیا ہے جو گزر چکا ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور رحلت کر گیا۔"

ایسا ہی ایک واقعہ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو گویے کی آواز میں مصروف دیکھا میں نے بھی اس آواز پر کان لگائے کہ اس کا گانا سنوں تو وہ غمناک آواز میں یہ گا رہا تھا:

امد کفی بالخضوع
الی الذی جار بالاصغاء

"میں فروتنی سے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں جو سننے کی سخاوت کرتا ہے"

اس درویش نے نعرہ مارا اور مر گیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہاڑی راستہ پر چل رہا تھا تو میں نے خوشی میں آکر یہ شعر پڑھا:

صح عند الناس انی عاشق
غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن

ليس في الانسان شئ حسن
الا واحسن منه صوت الحسن

''لوگوں کو یہ تو صحیح طور پر معلوم ہے کہ میں عاشق ہوں مگر انہیں یہ علم نہیں کہ میں کس کا عاشق ہوں انسان میں تو کوئی چیز اچھی نہیں سوائے اس کی اچھی آواز کے۔''

مجھ سے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دوبرہ پڑھو، میں نے دوبارہ پڑھے تو آپ نے وجد کی حالت میں زمین پر پاؤں مارے میں نے غور سے دیکھا تو آپ کے قدم پتھر میں اس طرح گڑے ہوئے تھے جیسے کہ موم میں ہوں پتھر میں نہیں آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ میں باغِ بہشت میں تھا لیکن تو نے نہیں دیکھا۔ اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں مگر یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں نے بچشم خود ایک درویش کو آذر بائیجان کی پہاڑیوں میں چلتے ہوئے جلدی جلدی یہ اشعار پڑھتے دیکھا جو ساتھ ساتھ آہ وزاری بھی کرتا چلا جا رہا تھا۔

والله ماطلعت شمس ولا غربت
الا وانت في قلبي ووسواسي
ولا جلست في قوم احدثهم
الا وانت حديثي بين اجلاسي
ولا ذكرتك محزونا ولا طربا
الا وحبك مقرون بانفاسي
ولا هممت بشرب الماء من عطش
الا رأيت خيالا من في الكاس
فلو قدرت على الاتيان زرتكم
مكبا على الوجه ومشيا على الراس

''خدا کی قسم مجھ پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا مگر تو میرے دل میں اور میرے خیالات میں بسا ہوا ہوتا ہے میں نے کسی مجلس اور قوم میں تیری بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کی، میں نے تیرا ذکر خوشی وغم کی حالت میں اس طرح کیا ہے کہ تیری محبت میرے ہر سانس میں ملی ہوئی ہوتی ہے۔ میں نے پیاس کی حالت میں ہمیشہ اس طرح پانی پیا ہے کہ پیالے میں

تیرا تصور و خیال رہا اگر میں آپ کے پاس آنے کی طاقت رکھتا تو منہ اور سر کے بل چل کر تیری زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوتا۔ ان اشعار کے سماع سے اس درویش کی حالت نازک ہوگئی تھوڑی دیر پتھر سے پشت لگا کر سہارا لیتے ہوئے بیٹھا اور فوت ہوگیا۔ خدا اس پر رحمت فرمائے۔"

ہوس انگیز اشعار کے سماع کی کراہت

مشائخ کا ایک گروہ قصائد، اشعار اور غنا کے ساتھ اس طرح پڑھنا کہ حروف مخارج کی حدود سے تجاوز کر جائیں سننا مکروہ سمجھتا ہے، یہ گروہ نہ صرف خود پرہیز کرتا رہا ہے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی منع کرتا رہا ہے جس میں کافی حد تک مبالغہ ہے۔ ان کے چند گروہ ہیں اور ہر گروہ کے نزدیک ایک خاص علت ہے۔ ایک گروہ سماع کے حرام ہونے کے لئے کئی روایتیں پیش کرتا ہے، اس سلسلہ میں وہ سلف صالحین کے پیروکار ہیں جیسا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لونڈی کو گانے سے ڈانٹ کر روکنا اور تنبیہ کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک گانے والے صحابی کو کوڑے لگانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ پر اس وجہ سے اعتراض کرنا کہ ان کے پاس گانے والی لونڈیاں تھیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس حبشی عورت کے دیکھنے سے منع کرنا جو گانا گا رہی تھی اور فرمایا کہ وہ شیطان کی سہیلی ہے اس طرح کی اور بہت سی روایات ہیں نیز یہ گروہ کہتا ہے کہ موجودہ اور گزشتہ زمانہ کی تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ مکروہ ہے حتیٰ کہ ایک گروہ تو اسے مطلقاً حرام کہتا ہے۔ اس معنی میں حضرت ابوالحارث بنانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں سماع کا بہت شوقین تھا ایک رات میرے حجرے میں ایک شخص آیا اس نے مجھ سے کہا کہ طالبانِ حق کی ایک جماعت مجتمع ہوئی ہے اور وہ آپ کے دیدار کی مشتاق ہے اگر آپ قدم رنجہ فرمائیں تو کرم ہوگا۔ میں نے کہا چلو میں آتا ہوں۔ پھر میں اس کے پیچھے چل دیا۔ وہ مجھے ایک ایسے گروہ کے پاس لے گیا جو حلقہ باندھے بیٹھا تھا اور ان کا شیخ ان کے درمیان تھا ان سب نے میری عزت کی اور ممتاز جگہ پر مجھے بٹھا دیا۔ اس شیخ نے مجھ سے کہا اگر اجازت ہو تو کچھ اشعار سنواؤں؟ میں نے اجازت دے دی۔ دو شخصوں نے خوش الحانی کے ساتھ ہم آواز ہو کر ایسے اشعار گائے جو شاعروں نے فراق میں کہے تھے وہ سب وجد میں کھڑے ہوگئے نعرے اور لطیف اشارے کرنے لگے میں ان کے حال پر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور بڑا محظوظ ہوا یہاں تک کہ صبح نمودار ہوگئی اس وقت اس شیخ نے مجھ سے کہا، اے شیخ! آپ

نے مجھ سے دریافت نہ فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اور کس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں؟ میں نے کہا تمہاری حشمت مجھے یہ دریافت کرنے میں مانع رہی۔ اس نے کہا میں عزازیل ہوں جسے اب ابلیس کہتے ہیں اور یہ سب میرے فرزند ہیں اس جگہ بیٹھنے اور گانے سے مجھے دو فائدے تھے ایک یہ کہ میں خود جدائی اور فراق کی مصیبت میں مبتلا ہوں اور نعمت کے دنوں کو یاد کرتا ہوں دوسرے یہ کہ متقی لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا کر غلط راستہ پر ڈالتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے دل سے سماع کا ارادہ اور اس کا شوق جاتا رہا۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن ایسے اجتماع میں شریک تھا جس کے کچھ لوگ سماع میں مشغول تھے اور ان کا سردار ان کے درمیان رقص کر رہا تھا اور ان میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ وہ اس سے محظوظ ہو رہے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو اس اندیشہ کے پیش نظر، کہ مریدین اس بلاؤ بیہودگی میں مبتلا نہ ہو جائیں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں۔ معصیت کے کنارے پر کھڑے ہو کر توبہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں ان کی نفسانی خواہشات کی تقویت کا موجب نہ بنے ہوس کا ارادہ ان کی صلاحیتوں کو فسخ نہ کر دے کیونکہ یہ لوگ سماع نہیں کر رہے تھے بلکہ فتنہ و بلا کا سامان پیش کر رہے تھے، اس لئے وہ ان کے ساتھ شریک نہ تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک مرید سے ابتدائے توبہ کے وقت نصیحت فرمائی کہ اگر تم دین کی سلامتی اور توبہ پر استقامت چاہتے ہو تو اس سماع سے دور رہنا جو صوفی لوگ سنتے ہیں۔ نہ ان میں شریک ہونا اور نہ ان کے ساتھ بیٹھنا جب تک کہ تم جوان ہو۔ جب تم بوڑھے ہو جاؤ تو ایسے فعل سے باز رہنا جس سے لوگ گنہگار ہوتے ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع والوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک لاہی، دوسرا الٰہی، لاہی سراسر فتنہ ہیں وہ خدا سے نہیں ڈرتے۔ دوسرا الٰہی وہ مجاہدہ و ریاضت میں رہتے اور مخلوق سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو فتنوں سے بچاتے ہیں یہ لوگ خدا کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ مگر ہم نہ اس گروہ سے ہیں اور نہ اس گروہ سے، ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں اور ایسی باتوں میں مشغول ہونا جو ہمارے وقت کے موافق ہو زیادہ بہتر ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جب عوام کے لئے سماع میں فتنہ ہے اور ہمارے سننے سے لوگوں کے اعتقاد میں

تذبذب واقع ہوتا ہے اور ہمارے درجے سے لوگ غافل و محجوب ہیں اور وہ ہماری وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو تے ہیں تو ہمیں لازم ہے کہ ہم عوام پر شفقت کریں اور خاص لوگوں کو نصیحت کریں کہ دوسروں کی خاطر وہ اس سے باز رہیں۔ یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **وَمَنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُ مَالَا يَعْنِيْهِ** اسلام کے نیک خصائل میں سے یہ ہے کہ لایعنی اور بے کار چیزوں کو چھوڑ دے۔ لہٰذا ہم ایسی چیزوں سے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس سے دور ہیں کیونکہ لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ حالانکہ دوستوں کے نزدیک ان کا اپنا وقت بڑا عزیز ہوتا ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہئے۔

خاص لوگوں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ سماع خبر ہے اور اس کی لذت مراد کو پانا ہے یہ بچوں کا کام ہے کیونکہ مشاہدے میں خبر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے مشاہدے سے ہی تعلق رکھنا چاہئے۔ لہٰذا سماع کے احکام یہ ہیں جسے میں نے اختصار سے بیان کر دیا ہے اب مشائخ کے وجد، وجود اور تواجد کو بیان کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق!

وجد، وجود اور تواجد کے مراتب

واضح رہنا چاہئے کہ وجد و وجود، دونوں مصدر ہیں وجد کے معنی اندوہ و غم اور وجود کے معنی پانے کے ہیں۔ جب دونوں کا فاعل ایک ہو تو بجز مصدر کے فرق کے اور کوئی فرق نہیں باقی رہتا۔ جیسا کہ کہ جاتا ہے ''وجد، یجد، وجود اور وجدانا'' اور جیسے ''وجد، یجد، وجدا'' جس کے معنی اندوہگیں کے ہیں۔

نیز جب تونگری کے معنی میں ہوگا تو وجد، یجد، جدۃ مستعمل ہوگا اور غصہ کے معنی میں ہوگا تو وجد، یجد، موجدۃ مستعمل ہوگا۔ یہ سب مصادر ہیں نہ کہ افعال و مشتقات اور اہل طریقت کے نزدیک وجد اور وجود سے ان دو حالتوں کا اثبات ہے جو سماع میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک غم و اندوہ اور دوسرا حصول مراد کی کامیابی کی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ غم و اندوہ کی حقیقت، محبوب کا گم ہونا اور مراد کا نہ پانا ہے اور حصولِ مراد کی حقیقت، مراد کا پانا ہے۔ حزن و وجد کے درمیان فرق یہ ہے کہ حزن اس غم کو کہتے ہیں جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو محبت کے طریقہ پر دوسروں کے نصیب میں ہو۔ یہ تمام تغیرات طالب کی صفت ہیں **اَلْحَقُّ لَا يَتَغَيَّرُ** حق تغیر پذیر نہیں ہوتا اور وجد کی کیفیت، لفظ و عبارت میں بیان نہیں کی جاتی کیونکہ وہ معائنہ میں غم و الم ہے اور غم و الم کی کیفیت لکھی نہیں جا سکتی۔

وجدؔ ایک باطنی کیفیت ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان ہوتی ہے کیونکہ کشف میں باطنی حالت کا بیان اور اس کے وجود کی کیفیت و کمیت کا نشان و اشارہ صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مشاہدہ میں یک گونہ خوشی ہے اور خوشی، طلب سے حاصل نہیں ہوتی ہے اور وجود ایک طلب ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے اور اس کی حقیقت کا اظہار و اشارہ ناممکن ہے۔ میرے نزدیک وجدؔ، دل کو غم والم پہنچنے کا نام ہے خواہ وہ خوشی سے ہو یا غم سے، تکلیف سے ہو یا راحت سے اور وجودؔ دلی غم کا آلہ ہے۔ اس سے مراد سچی محبت ہے۔ واجد کی صفت بحالت جوش اور شوق، حرکت ہوگی یا بحالتِ کشف، مشاہدہ کی حالت کے موافق سکون ہوگی۔

لیکن آہ وفغاں کرنے، گریہ وزاری کرنے، غصہ کرنے راحت پانے، تکلیف اٹھانے اور خوش ہونے کی صورت میں مشائخ طریقت کا اختلاف ہے کہ آیا وجد مکمل ہوتا ہے یا وجود؟ مشائخ فرماتے ہیں کہ وجودؔ مریدوں کی صفت ہے اور وجد عارفوں کی توصیف چونکہ عارفوں کا درجہ مریدوں سے بلند ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی صفت بھی ان سے بلند تر اور کامل تر ہو۔ جو چیز حاصل ہونے اور پانے کے تحت آتی ہے وہ مدرک ہوتی ہے، موصوف وصفت ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں اور یہ کہ ادراک حد کا اقتضاء کرتی ہے اور حق تعالیٰ بے حد ہے لہٰذا بندہ کا پانا بجز مشرب و عمل کے نہ ہوگا اور جس نے نہ پایا ہو وہ طلب گار ہوتا ہے اور اس میں طلب منقطع ہوتی ہے اور وہ اس کی طلب سے عاجز ہوتا ہے اور وجدان حق کی حقیقت ہوتی ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے وجد، مریدوں کی سوزش ہے اور وجود محبوں کا تحفہ۔ مریدوں سے محبوں کے درجہ کی بلندی مقتضی ہے کہ طلب کی سوزش سے، تحفہ مکمل اور زیادہ آرام دہ ہے اس کی وضاحت اس حکایت میں ہے کہ:

ایک دن حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حال کے جوش میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے انہوں نے ان کو غمگین دیکھا تو عرض کیا کہ اے شیخ! کیا بات ہے؟ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''مَنْ طَلَبَ وَجَدَ'' جس نے چاہا پالیا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا ''لَا بَلْ مَنْ وَجَدَ طَلَبَ'' نہیں بلکہ جس نے پایا وہ طالب ہوا۔ اس کے معنی میں مشائخ فرماتے ہیں کہ ایک نے وجد کا پتہ دیا۔ دوسرے نے وجود کا اشارہ کیا۔ مگر میرے نزدیک حضرت جنید کا قول معتبر ہے اس لئے کہ بندہ جب جان لیتا ہے کہ اس کا معبود، اس کی جنس کا نہیں ہے تو اس کا غم طویل ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں اس بحث کا تذکرہ اس سے پہلے بھی کیا جاچکا ہے۔

مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ غلبہ وجد سے غلبہ علم اقوی ہوتا ہے کیونکہ جب قوت وجد کے غلبہ کو ہوتی ہے تو واجد خطر کے محل میں ہوتا ہے اور جب قوت، علم کے غلبہ کو ہوتی ہے تو عالم امن کے محل میں ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طالب حق، ہر حال میں علم و شریعت کا فرمانبردار رہے کیونکہ جب وجد سے مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ جاتا ہے تو ثواب و عتاب بھی اٹھ جاتا ہے۔ جب ثواب و عتاب اٹھ جائے تو عزت و ذلت بھی اٹھ جاتی ہے۔ اس وقت اس کا حکم دیوانوں اور پاگل جیسا ہوتا ہے نہ کہ اولیاء اور مقربین جیسا؟ جب بندے کے غلبہ حال پر، علم کا غلبہ ہو تو بندہ اوامر ونواہی کی پناہ گاہ میں ہوتا ہے اور عزت کے محل میں مقیم۔ اور وہ ہمیشہ صاحب شکر ہوتا ہے اور جب غلبہ علم پر حال کا غلبہ غالب ہو تو بندہ حدود سے خارج ہو کر اپنے نقص کے محل میں خطاب سے محروم ہو جاتا ہے اس وقت یا تو معذور ہو گا یا مغرور؟ بعینہ یہی معنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ہیں اس لئے کہ دو ہی راستے ہیں ایک علم سے دوسرے عمل سے اور جو عمل، علم کے بغیر ہو اگرچہ بہتر ہو مگر وہ جہل و نقص ہے۔ اور وہ علم جو عمل کے بغیر ہو بہر طور موجب عزت و شرف۔ اسی بنا پر حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اہل ہمت کا کفر، آرزو رکھنے والے اسلام سے بزرگ تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ہمت پر کفر کی کوئی صورت نہیں بنتی اگر غور کیا جائے تو اہل ہمت جو کفر کے ساتھ ہو آرزو والے ایماندار سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا شبلی مست ہے اگر وہ مستی سے افاقہ پا جائیں تو ایسے ڈرانے والے ہوں کہ کوئی بھی ان سے فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ علیہما ایک جگہ جمع تھے قوال نے چند اشعار گائے دونوں باہم وجد کرنے لگے اور حضرت جنید ساکن بیٹھے رہے۔ وہ کہنے لگے اے شیخ! اس سماع میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے؟ حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا: تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل: ۸۸) تم ان کو جامد و ساکن خیال کرتے ہو حالانکہ وہ گزرنے والے بادلوں کی مانند گزر جاتے ہیں۔

بحالت وجد، تواجد تکلف ہے تواجد یہ ہے کہ حق کے انعام و شواہد کو دل پر پیش کرنا اور وصل و آواز کی فکر کرنا، یہ کام جوانمردوں کا ہے۔ ایک گروہ اس میں محض رسموں کا پابند بنا ہوا ہے جو ظاہری حرکتوں کی تقلید

کرتا، باقاعدہ رقص کرتا اور ان کے اشاروں کی نقل اتارتا ہے یہ حرام محض ہے۔ ایک گروہ محقق و ثابت قدم ہے اس میں محض مراد، مشائخ کے درجات اور ان کے احوال کی طلب ہے نہ کہ خالی رسموں کی تقلید اور حرکتوں کی پیروی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد) جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ اِذَا قَرَأْتُمُ الْقُرْآنَ فَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا (ابن ماجہ) جب تم قرآن پڑھو تو روؤ پھر اگر رونہ سکو تو رونے کی شکل بنا لو یہ حدیث مبارک تواجد کی اباحت پر شاہد و ناطق ہے۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ہزار میل جھوٹے قدم چلتا ہوں تا کہ ان میں سے کوئی ایک قدم تو سچا ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب!

رقص:

واضح ہو کہ شریعت و طریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے اور تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ لہو اور کھیل ہے خواہ بکوشش ہو خواہ بیہودگی سے ہو لغو و باطل ہے۔ کوئی ایک بزرگ بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ نہ اس میں کسی نے غلو کیا ہے۔ اس بارے میں اہل حشو کا ہر قدم یا ثبوت جو بھی ہے وہ سب بطلان پر مبنی ہوگا۔ مثلاً اگر وہ یہ کہیں کہ وجد کی حرکتیں اور اہل تواجد کے معاملات رقص کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ باطل ہے بیہودہ لوگوں کا ایک گروہ اس میں ان کی تقلید کرتا اور غلو برتتا ہے۔ انہوں نے اسے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ میں نے عام لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب تصوف اس کے سوا ہے ہی نہیں جسے وہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایک گروہ تو اصلیت ہی کا منکر ہو گیا ہے۔ الغرض رقص، شرعاً اور عقلاً تمام لوگوں کے لئے بُرا ہے اور یہ محال ہے کہ بزرگ لوگ ایسا کریں۔ البتہ جب اہل دل میں کوئی سبکی یا خفت نمودار ہوتی ہے اور باطن پر اس کا غلبہ ہوتا ہے اور دقت میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے تو حال اپنا اضطراب ظاہر کرتا ہے اس وقت ترتیب و رسوم اور باقاعدگی مفقود ہو جاتی ہے ایسے اضطراب میں جو کیفیت نظر آتی ہے نہ تو وہ رقص ہے نہ پاؤں کی جھنکار اور نہ اس میں طبع کی پرورش، بلکہ یہ اضطراب تو اینا ہوتا ہے کہ جان کو گھلا دیتا ہے۔ یہ بات سراسر بعید ہے کہ اس اضطراب کو رقص کہہ دیا جائے۔ حالانکہ اضطراب ایسا حال ہے جسے زبان و گفتار میں نہیں لایا جا سکتا۔ ''من لم یذق لایدری النظر فی الاحداث'' جس نے اس کا مزہ نہ چکھا وہ ظاہری اطوار کو نہیں جان سکتا۔

بہر حال نوعمروں کو دیکھنا اور ان کی صحبت کرنا منع ہے اور اسے جائز رکھنے والا کافر ہے۔ اس سلسلہ میں

جو بھی دلیل دی جائے وہ بطالت و جہالت کا ثبوت ہے۔ میں نے جاہلوں کے ایک گروہ کو دیکھا۔ وہ اہل طریقت پر ایسی ہی تہمت دھرتے ہیں پھر ان کا انکار کرتے ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی دیکھا ہے جس نے اسے اپنا مشرب بنالیا ہے۔ تمام مشائخ نے اسے آفت جانا ہے۔ یہ اثر حلولیوں نے باقی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت برسائے۔

کپڑے پھاڑنا:

واضح رہنا چاہئے کہ کپڑے پھاڑنا صوفیاء کرام کے درمیان مشہور عادت ہے۔ بڑے بڑے اجتماع میں جس میں مشائخ کبار موجود ہوتے صوفیوں نے کپڑے پھاڑے ہیں۔ میں نے علماء کے گروہ کو دیکھا ہے جو اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ درست کپڑے کو پھاڑنا ناجائز ہے اور یہ محال ہے کہ کسی فساد سے جس سے ان کی مراد اصلاح ہو اسے درست کہا جائے۔ تمام لوگ درست کپڑے کو پھاڑتے اور کاٹتے ہیں پھر اسے سیتے ہیں۔ مثلاً آستین، دامن، چولی وغیرہ ہر ایک کو کاٹ کاٹ کر سیتے اور درست کرتے ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی کپڑے کو سو (۱۰۰) ٹکڑے کرے پھر انہیں سئے اور کوئی پانچ ٹکڑے کرے اور سئے۔ باوجود یہ کہ ہر وہ ٹکڑا جسے پھاڑا گیا اسے سی دیا جائے۔ اس سے ایک مومن کے دل کی راحت ہے اس سے جو گدڑی تیار ہوتی ہے وہ ان کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اگرچہ طریقت میں کپڑا پھاڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ البتہ بحالت سماع، درست کپڑا نہیں پھاڑنا چاہئے کیونکہ یہ اسراف کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر سامع پر ایسا غلبہ طاری ہو جائے جس سے خطاب اٹھ جائے تو وہ بے خبر اور معذور ہے۔ جب کسی کا یہ حال ہو جائے اور کوئی اس کی وجہ سے کپڑے پھاڑے اس کو جائز ہے۔ اہل طریقت کے کپڑے پھاڑنے کے سلسلہ میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو درویش خود اپنے کپڑے پھاڑنے کے سلسلہ میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ درویش جو خود اپنے کپڑے پھاڑے یہ بحالت سماع، غلبہ حال کے حکم میں ہوگا۔ دوسرے وہ لوگ جو مرشد و مقتداء کے حکم سے کپڑے پھاڑیں مثلاً کوئی استغفار و توبہ کی حالت میں کسی جرم کے سبب کپڑے پھاڑے اور وجد و سکر کی حالت میں کپڑے پھاڑے ان میں سب سے مشکل تر وہ کپڑے پھاڑنا ہے جو سماع میں کرتے ہیں یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک مجروح وزخمی، دوسرے صحیح و درست۔ مجروح کی دو شرطیں ہیں۔ یا کپڑے کو سی کر اسے دے دیں یا کسی اور درویش کو دے دیں۔ یا تبرک کے طور پر پھاڑ کر تقسیم کر دیں، لیکن جب کپڑا درست ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ

کپڑا اپھاڑنے والے یا اتار کر پھینک دینے والے سامع درویش کی کیا مراد ہے۔ اگر قوال کو دینا مراد ہے تو اسے دے دیا جائے اور اگر مراد جماعت کو دینا ہے تو انہیں دے دیا جائے اور اگر کوئی مراد ظاہر نہ ہو بلکہ یونہی اتار کر پھینک دیا ہے تو مرشد کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے اگر وہ جماعت کو دینے کا حکم دے تو پھاڑ کران میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر کسی درویش یا قوال کو دینے کا حکم دے تو اسے دے دیا جائے۔ لیکن اگر قوال کو دینا معروف ہو تو درویش یا اصحاب کے مراد کی موافقت شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر انفاق مقصود ہو تو پھر درویش یا اصحاب کے مراد کی موافقت شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر انفاق مقصود ہو تو پھر درویش کا کپڑا قوال کو نہ دیں کیونکہ یہ نااہل کو دینا ہوگا اور جو کپڑا درویش نے یا تو حالت اختیار میں دیا ہوگا یا حالت اضطرار میں۔ اس میں دوسروں کی موافقت کی کوئی شرط نہیں ہے اور اگر جماعت کے ارادے سے کپڑے کو علیحدہ کیا یا کسی مراد کے بغیر تو اس صورت میں مراد کی موافقت شرط ہے اور جب جماعت کپڑا اپھینکنے میں متفق ہو تو مرشد کو لازم نہیں کہ وہ درویشوں کے کپڑے قوالوں کو دے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ کوئی محب اپنی طرف سے کوئی چیز قوال پر قربان کر دے اور ان کے کپڑے درویشوں کو لوٹا دے یا پھاڑ کر سب کو تقسیم کر دے۔ اگر کپڑا مغلوبی کی حالت میں گر پڑا ہے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک اس حدیث کی موافقت میں قوال کو دے دیا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''**مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ**'' جس نے قتل کیا وہی مقتول کے سامان کا حقدار ہے۔ اگر قوال کو نہ دیں تو طریقت کے حکم سے باہر نکلتا ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے اور یہ بات میرے نزدیک بھی محمود ہے کیونکہ بعض فقہا کا یہی مشرب ہے کہ مقتول کا سامان بادشہ کی اجازت کے بغیر قاتل کو نہ دیا جائے یہی حکم طریقت میں مرشد کا ہے کہ بغیر مرشد کے حکم کے وہ کپڑا قوال کو نہ دیں۔ اگر مرشد چاہے کہ قوال کو نہ دیا جائے اور کسی کو دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

آداب سماع

واضح رہنا چاہئے کہ آدابِ سماع میں شرط یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے اور اسے اپنی عادت نہ بنائے۔ لیکن کبھی کبھی سماع کرے تاکہ اس کی عادت دل سے نہ جائے۔ لازم ہے کہ بوقت سماع، کوئی مرشد اس مجلس میں موجود ہو اور یہ کہ مقام سماع، عوام سے خالی ہو اور یہ کہ قوال صاحب عزت ہوں۔ اور دل مشاغل سے خالی طبیعت لہو و کھیل سے نفرت کرنے والی ہو تو یہ شرط ہے تکلف کو اٹھا دیا جائے اور

جب تک سماع کی قوت ظاہر نہ ہو نہ سنے۔ اس میں مبالغہ شرط نہیں ہے اور جب سماع کی قوت ظاہر ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اس قوت کو اپنے سے دور کرے بلکہ جیسا اقتضاء ہو ویسا کرے۔ اگر وہ ہلائے تو ہلے اور اگر ساکن رکھے تو ساکن رہے۔ طبعی قوت اور وجد کی سوزش کے درمیان فرق محسوس کرے۔ سامع پر لازم ہے کہ اس میں اتنی قوتِ دید ہو کہ وارِدِ حق کو قبول کر سکے اور اس کا حق ادا کر سکے اور جب وارِدِ حق کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو اسے بتکلف اپنے سے دور نہ کرے۔ جب سامع کی قوت برداشت جاتی رہے تو بتکلف جذب نہ کرے اور لازم ہے کہ بحالت حرکت کسی سے مدد کی توقع نہ رکھے اگر کوئی مدد کرے تو منع بھی نہ کرے اور اس کی مراد اور اس کی نیت کو نہ آزمائے۔ کیونکہ اس میں آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کسی کے سماع میں دخل نہ دے اور اس کا وقت پراگندہ نہ کرے نہ اس کے حالات میں تصرف کرے۔ لازم ہے کہ اگر قوال اچھا کلام سنائے تو اس سے یہ نہ کہے کہ تم نے اچھا کلام سنایا اور اگر ناپسندیدہ ہو تو برا بھی نہ کہے اور اگر وہ ایسا ناموزوں شعر ہو جس سے طبیعت کو ناگواری ہو تو یہ نہ کہے کہ اچھا کہو اور دل میں اس سے غصہ نہ کرے۔ اسے درمیان میں نہ دیکھے بلکہ سب حوالۂ حق کر دے اور درست ہو کر سنے۔ اگر کسی گروہ کو حالت سماع میں دیکھے اور اسے اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے صحو کے سبب ان کے سکر کا انکار کرے۔ لازم ہے کہ اپنے وقت کے ساتھ آرام سے رہے اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ صاحب وقت کی عزت کرے تا کہ اس کی برکتیں اسے بھی پہنچیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسے زیادہ محبوب رکھتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع کی اجازت نہ دیں تا کہ ان کی طبیعت میں یکسوئی رہے کیونکہ پراگندگی میں بڑے خطرے اور بڑی آفتیں ہیں۔ اس لئے کہ چھتوں سے اور اونچی جگہوں سے عورتیں بحالت سماع ان کو دیکھتی ہیں۔ اسی سبب سے سامعین کو شدید حجابات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لازم ہے کہ نوخیز لڑکوں کو بھی درمیان میں نہ بٹھائیں اور ایسا کبھی نہ ہونے دیں۔ اب میں ان جاہل صوفیوں سے جنھوں نے ان باتوں کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے اور صداقت کو درمیان سے ہٹا دیا ہے خدا سے استغفار کرتا ہوں کیونکہ اس قسم کی آفتیں ہم جنسوں سے مجھ پر گزر چکی ہیں اور حق تعالیٰ سے توفیق و مدد کا خواستگار ہوں تا کہ میرا ظاہر و باطن ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہے۔ میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس کتاب کے احکام اور ان کے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھیں۔

وبیدہ التوفیق، والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ

محمد والہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرًا کثرًا۔

الحمد للہ علیٰ احسانہ کتاب مستطاب السلوک الی المحبوب ترجمہ کشف المحجوب، آج مؤرخہ 25 جون 1970ء بمطابق ۲ ربیع الاخر ۱۳۹۰ھ تمام ہوئی مولیٰ تعالیٰ مترجم، طابع و ناشر اور سب کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

غلام معین الدین نعیمی اشرفی

☆☆☆☆☆

ہمارے ادارے کی دیگر مطبوعات

دلکش طباعت تحقیقی اور منفرد موضوعات معیار اور جدت کی علامت

پروگریسو بکس
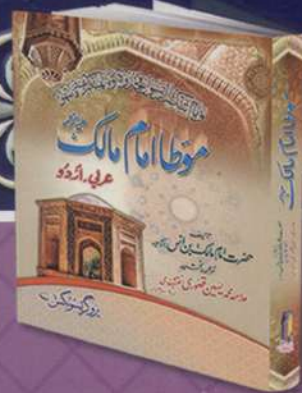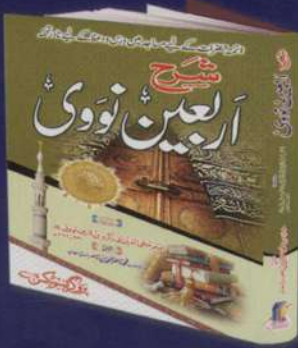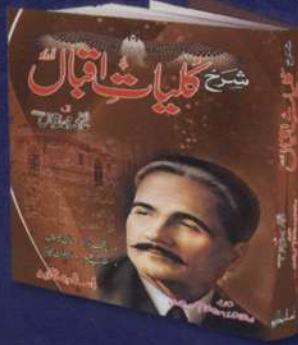
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ

اردو بازار ○ لاہور

فون 042-37124354 فیکس 042-37352795